تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین
تفسیر فتح المنان
المشہور بہ
تفسیر حقانی
مقدمہ
عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ ہفتم
الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

''تفسیر حقانی'' کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جا رہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-778-x

اکتوبر 2009ء
محمد فیصل نے
محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

المجلد السابع جلد ہفتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

قریب آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ (منکرین) کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہنے لگیں کہ یہ جادو ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے اور وہ تو جھٹلا چکے ہیں اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہو گئے اور ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا ہوا ہے اور ان کو اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ جن میں (کافی) عبرت ہے اور پوری دانائی بھی ہے پر ان کو ڈر سنانے والوں سے فائدہ نہیں پہنچا۔

ترکیب : وَاَنْشَقَّ عطف علی اقترب وان شرطیۃ یعرضوا ویقولوا جوابہ سحر خبر مبتداء محذوف ای ھذا او کل امر مبتداء مستقر خبرہ ویقرء بالجر صفۃ لامر من الانباء بیان لمزدجر ھو اسم مکان او مصدر میمی یقال از دجرتہ اذا نہیتہ عن السوء ووعظتہ. بغلظ واصلہ فرتجر فتاء الافتعال قلبت والا لوقوعہا بعد الزاء وما موصولۃ او موصوفۃ حکمۃ خبر مبتداء محذوف او بدل من ما او من مزدجر فما استفہامیۃ او نافیۃ تغن اصلہ تغنی لم یکتب الیاء بعد النون اتباعا لرسم المصحف والنذر جمع نذیر بمعنی المنذر ای الامور المنذرۃ لھم کاخبار الماضیۃ والامور الھائلۃ۔

تفسیر : یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر بھی یہی فرماتے ہیں۔ آیات کے فواصل راءِ ساکنہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ قاف اور سورۂ قمر عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں اور بڑی مجالس میں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان میں وعدو وعید و بدءِ خلق وحشر و توحید و اثبات النبوت وغیرہا اعظم المقاصد مذکور ہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

اس سے پہلے سورۃ النجم کے خاتمہ میں قیامت کے برپا ہونے کا ذکر تھا ازفت الآزفۃ الآیہ کہ قیامت قریب آگئی اس لیے اس سورہ میں بھی سب سے اول قیامت ہی کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے اور اس کا ذکر منصب نبوت کے لیے بڑی ضروری بات ہے کس لیے کہ انسان کو جب تک اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مر کر زندہ ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان کے بھلے برے پھل کھانا پڑے گا تب تک وہ سعادت کے راستے کو جو کہ بڑا دشوار گزار راستہ ہے کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کہ وہ گھڑی یعنی قیامت کی ساعت (بمعنی وقت) قریب آگئی آنے والی چیز کا جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے خصوصاً جبکہ اس کے آثار و علامات نمودار ہونے لگتے ہیں پھر تو اور بھی اس کا قریب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ معجزۂ شق القمر قیامت کے آثار و علامات میں سے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث[1] ہونا ہے اسی طرح چاند کا پھٹنا بھی اس کی ایک بڑی علامت ہے جس کا اشارہ پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور چاند پھٹ گیا۔ جمہور مفسرین اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کس لیے کہ جب آپ مکے میں تھے تو کفار نے آپ سے کوئی معجزہ طلب کیا تھا تب آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس

---

[1] امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا کہ اس طرح سے یکے بعد دیگر ہیں اور اسی لیے آپ کا ایک نام حاشر بھی ہے۔ ۱۲ منہ

کے دو ٹکڑے لوگوں کو دکھائے۔ ایک ابوقبیس پہاڑ اور دوسرا اس کے قریب قعیقعان پہاڑ پر نظر آیا اور لوگوں نے دیر تک دیکھا۔ اس بات کو محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے یہ کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ کہ اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو قوی یا قدیم جادو کہتے ہیں۔ (طبرانی) اور آیات کا سیاق وسباق بھی یہی کہہ رہا ہے کس لیے کہ اول اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ فرمایا اور بعد نشانی دیکھ کر اس کو جادو کہنا اور اس سے انکار کرنے کا ذکر آیا۔

بعض نے یہ کہہ دیا ہے کہ انشق گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد مستقبل ہے یعنی پھٹے گا قیامت میں۔ اس قول کو محققین مفسرین نے رد کر دیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تفاسیر ملاحظہ کرو۔ بعض کہتے ہیں اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عرب کی زبان میں کسی بات کے ظاہر ہونے پر بطور مثل کے بولا جاتا ہے۔ قمر سے روشن چیز کو تشبیہ دیا کرتے ہیں اور انشق کے معنی واضح یعنی یہ بات بالکل چاند کی طرح سے واضح ہوگئی کہ قیامت قریب آ گئی ہے عقلمندوں کے نزدیک۔

یہ قول بھی مردود ہے مگر صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے مگر اس پر مخالفینِ اسلام نے بعض شبہات وارد کئے ہیں۔

(۱) یہ کہ چاند اس قدر بڑا جسم ہے جو زمین کے کرہ سے بہت زیادہ ہے باوجود اس کے اجرامِ علویات میں حکماء نے کون وفساد ممتنع ثابت کیا ہے۔

(۲) اگر یہ واقعی ممکن بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا وقوع ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہتا حالانکہ اس وقت مختلف ممالک میں مؤرخ تھے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

جواب (۱): اول شبہ کا یہ جواب ہے کہ خواہ کسی قدر عظیم القدر جسم کیوں نہ ہو سب اس قادرِ مطلق کے احاطہ قدرت میں ہیں اور کون وفساد جن حکماء نے ممتنع ثابت کیا ہے ان کے دلائل کی بنیاد محض توہماتِ باطلہ پر ہے جن کا بطلان علمِ کلام میں بدرجۂ اتم ہو چکا ہے۔ جواب (۲) دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ چاند اس وقت باعتبار کردیت زمین کے تمام ملکوں پر تو طلوع کیا ہوا تھا ہی نہیں خصوصاً آفاقِ بعیدہ میں تو وہ اس وقت دکھلائی بھی نہیں دیتا تھا پھر ان پر اس کا پھٹنا اور پھر مل جانا کیونکر ظاہر ہوتا؟ پھر اس کو کیونکر لکھتے؟ اب رہے آفاقِ قریبہ کے لوگ سو اول تو یہ رات کا معاملہ تھا جبکہ سینکڑوں بلکہ نصف سے زیادہ لوگ سوتے ہوں گے اور ایک حصۂ کثیر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگا، ان کو آسمان کی طرف خیال بھی نہ ہوگا اور اس کے سوا یہ معاملہ پہر دو پہر بھر نہیں رہا تھا صرف چند منٹ میں ہو گیا جو بہت کو بغیر متنبہ کئے خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی اور نہ پہلے سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ آج رات کو فلاں وقت یہ ماجرا گزرے گا۔ ان وجوہ سے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب متوجہ تھے یا آفاقِ بعیدہ کے چند اور اشخاص کہ جن کو اتفاقاً یہ معاملہ دکھائی دیا اس پر بھی عرب میں اس کا ایسا چرچا پھیلا تھا کہ اس وقت کے شعراء نے اس کو نظم کیا اور یہی اشعار ان کی تواریخ کا محفوظ دفتر تھا جس سے صدہا واقعاتِ گزشتہ کا صحیح حال واضح ہوتا ہے۔ اس کے سوا جو کسی نے تاریخ میں بھی لکھا ہو تو کیا تعجب ہے۔ ہاں اس وقت کے مؤرخوں کی تمام تواریخ محفوظ ہمارے پاس موجود ہوں اور ان میں سے کسی میں بھی یہ واقعہ مندرج نہ ہو تو البتہ تعجب کی بات ہے اور جس حالت میں کہ اس وقت کی کوئی صحیح تاریخ بھی ہمارے پاس نہ ہو اور جو کوئی ہے بھی تو کسی یونانی وغیرہ کی جس میں بجز شاہانِ ملک کے ایسے واقعات درج کرنے کا کم التزام کیا تھا تو پھر ہم کس اعتماد پر کہہ سکتے ہیں کہ کسی مؤرخ نے اس کو نہیں لکھا؟ ہندوستان کے راجہ بھوج کی ایک متواتر نقل یہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علماء سے پوچھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ سرزد ہونا بحوالہ اپنے علومِ متوارثہ کے بیان کیا جس سے وہ

راجہ حضرت ﷺ پر ایمان لایا۔

اہلِ مذاہب میں سے ہر شخص تھوڑی دیر کے لیے اپنی مذہبی کتابیں بھی خیال میں رکھے تو کبھی اس واقعہ پر اعتراض نہ کریں۔ ہنود کے وید اور، پوران تو اس سے بھی بڑھ بڑھ کر واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کتاب یشوع کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ اس روز آفتاب ٹھہرا رہا اور عیسائی انجیل کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ مسیح کو صلیب دینے کے وقت ہیکل کے پردے پھٹ گئے اور تمام زمین پر بڑی دیر تک تاریکی چھاگئی اور قبریں کھلیں اور ان میں سے مردے نکلے اور بعض لوگوں کو دکھائی بھی دیے حالانکہ یہود میں اس وقت ایسے واقعات لکھنے کا دستور تھا پھر یہ کس مؤرخ نے لکھا اور کس نے اس کو دیکھا؟ یہود تو معجزے کے طالب تھے ان کو ایسا معجزہ دکھایا جاتا۔ سب نہیں تو بہت سے ایمان لے آتے۔ حضرات عیسائی ان تو ہمات آمیز روایتوں کا پہلے جواب دے لیں پھر ہم سے شق القمر کے معجزے میں گفتگو کریں۔

مُّسْتَمِرٌّ کے معنی بعض کہتے ہیں قوی کے ہیں۔ ابوالعالیہ وضحاک ونحاس کا یہی قول ہے۔ اخفش کہتا ہے کہ یہ امرار الحبل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے بٹنا۔ فراء وکسائی وابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فنا ہونے والے کے کہ اس جادو کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں ہمیشہ کے یعنی ایسے جادو ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی تکذیب اور حال بیان فرماتا ہے وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کا کہنا کیا۔ اب چاہیے تھا کہ ایسے معجزے کے انکار پر عذابِ الٰہی آتا اور فوراً ہلاک کیے جاتے مگر كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ہر بات کا ایک وقت معین ہے کسی مصلحت کی وجہ سے اس نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر ایک بات کی ایک انتہا ہوتی ہے ان کے کفر کی بھی انتہا ہے اسلام کے دبنے کی بھی انتہا ہے۔ اس انتہا کے بعد ان کا کفر زائل ہوگا، اسلام ظہور پکڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس معجزے ہی پر کیا موقوف ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ان کے پاس بہت سی خبریں پہلی امتوں کے ہلاک و برباد ہونے کی آ چکی ہیں جن میں اہلِ بصیرت کے لیے نصیحت وعبرت حاصل ہوسکتی ہے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ کامل دانائی حاصل ہوسکتی ہے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ مگر ان جنم کے اندھوں اور ازلی بدنصیبوں کو پند ونصائح اور خوفناک عبرت انگیز باتوں اور ڈرانے والوں بیدار کرنے والوں واعظوں کی نصیحت نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ یہ ویسے کے ویسے گمراہ اور اندھے ہی رہے۔ پھر جب ان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو اس معجزے سے کیا ہوتا اس کو بھی جادو کہہ دیا۔

فائدہ: جیسا یہ معجزہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے ایسا معجزہ کبھی کسی نبی سے صادر نہیں ہوا اور انبیا کی روحانی قوت کا اثر زمین کی چیزوں پر ہوا۔ پتھر سے پانی نکلا، قلزم جیسے سمندر کو چیر کر رستہ لیا، لاٹھی کا اژدھا بنایا، ہاتھ میں روشنی دکھائی، ان کی بددعاؤں سے سرکش ہلاک ہوئے، دعاؤں سے مردے بھی جی اٹھے، دریا کو ڈانٹا، ہوا پر حکومت کی، مگر آسمانی چیزوں پر خاص اسی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر پہنچا اور ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت وفوقیت ثابت کی گئی۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ

وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰی ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

پس (اے رسول!) آپ ان سے کنارہ کرلیں جس دن پکارنے والا ایک ناپسندیدہ چیز کے لیے پکارے گا (تو اس دن) وہ آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہوں گے (اور) قبروں سے ایسے نکل پڑیں گے کہ جیسے ٹڈیاں پھیل پڑی ہوں (اور) پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جارہے ہوں گے۔ کافر کہتے ہوں گے یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔ (اے رسول!) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہہ دیا (یہ تو) دیوانہ دھتکارا ہوا ہے۔ پھر نوح نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہوگیا تو میری مدد کر پھر تو ہم نے ان پر پانی کے ریلوں سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کی سوتیں کھول دیں۔ پھر جہاں تک پانی کا چڑھاؤ چڑھنا ٹھہر چکا تھا (اس حد تک کہ ٹھہر گئی تھی) چڑھ آیا۔ اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا جو ہماری عنایت سے چلتی تھی۔ یہ اس کا بدلہ تھا کہ جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے کشتی کو نشانی بنا کر رہنے دیا کہ کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے پھر (دیکھا) کیسا تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا اور البتہ ہم نے تو سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کردیا پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟

ترکیب : یوم ناصبہ یخرجون یدع سقطت الواو من یدع اتباعا للفظ حذفت الیاء من الداع مبالغۃ فی التخفیف واکتفاء بالکسرۃ نکر بضم النون والکاف وباسکان الکاف ھو صفۃ بمعنی منکر ویقرء بضم النون وکسر الکاف وفتح الراء علی انہ فعل مالم یسم فاعلہ خشعا جمع خاشع وقری خاشعا علی الافراد وھو حال والعامل یدعوا ابصارھم مرفوع بخشعا کانھم حال من الضمیر فی یخرجون مھطعین الاھطاع الاسراع فی المشیء حال من الضمیر فی یخرجون وازدجر الدال بدل من التاء انی بالفتح ای بانی علی امر حال اوظرف والھاء فی حملناہ لنوح تجری فی موضع جر صفۃ باعیننا حال من الضمیر فی تجری ای محفوظۃ جزاء مفعول لہ کفر ای بہ ونذر قال الفراء الانذار والنذر مصدران۔

تفسیر : منکرین نے جب ایسا بڑا معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کیا اور اس کو جادو بتا دیا تو اب ان سے حق قبول کرنے کی کیا توقع باقی رہ گئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ازلی بدنصیبوں کو جہنم سے بچانے کی از حد حرص تھی اس لیے آپ کو حکم ہوا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ کہ آپ ان سے منہ پھیر لیں یعنی گفتگو نہ کریں کچھ فائدہ نہیں۔ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ جنگ کے موقع پر آپ ان سے جنگ نہ کریں اور سزا کے موقع پر سزا نہ دیں پھر اس کو آیت السیف سے منسوخ قرار دینا زائد بات ہے۔ یہاں تک کلام تمام ہوگیا اور اسی لیے یہاں قراء کے نزدیک وقف لازم ہے۔

یوم الداع الخ سے دوسری بات شروع ہوتی ہے یعنی حشر کا ہولناک واقعہ اور قبروں سے نکل کر حساب دینے کے لیے عدالت میں آنے کی کیفیت بیان کرتا ہے تاکہ اس بات کو سن کر منکرین حشر کے دلوں میں خوف پیدا ہو پس فرماتا ہے اس دن کو یاد دلا کر جس دن پکارنے والا فرشتہ اسرافیل علیہ السلام یا جبرئیل علیہ السلام یا اور کوئی فرشتہ ایک مکروہ چیز کے لیے بلائے گا اور ناپسند چیز حساب ہے۔ اس کی آواز دیتے ہی ٹڈیوں کی طرح سے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر عدالت کی طرف مجبور دوڑتے چلے آئیں گے اور خوف اور شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوں گی۔ پھیلی ہوئی ٹڈیوں سے تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح وہ بکثرت ہر طرف سے دوڑتی ہوئی جاتی ہیں اسی طرح لوگوں کا بھی ایک بڑا ٹڈی دل

ہوگا کس لیے کہ تمام انسان اگلے پچھلے سب ہی قبروں سے اٹھیں گے اور سب خداوندی حکم کی ہیبت اسے عدالت کی طرف دوڑے چلے آئیں گے کسی کو مجال نہ ہوگی کہ حاضر ہونے میں دیر وتامل کرے اور ان میں سے منکروں پر بڑی سختی ہوگی جس لیے وہ کہیں گے کہ یہ دن سخت ہے۔

قومِ نوح کی ہلاکت : اس کے بعد ان کفار کو دنیاوی مصائب سے بھی ڈراتا ہے۔ اول تو آخرت کی دردناک مصیبت سے ڈرایا مگر آخرت کا ان کو باور نہ تھا وہ تو دنیا ہی پر غش تھے۔ اس لیے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی نافرمان قوموں کی تباہی و بربادی کے تذکرے سنا کر دنیاوی مصائب سے ڈراتا ہے اور وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ الخ کی تفصیل کرتا ہے اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا حال سناتا ہے فقال کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ کہ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی نوح کو جھٹلایا تھا پھر اس جھٹلانے کی مفصل کیفیت بیان فرماتا ہے فَکَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ کہ ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ دیوانہ مبتذل ہے ہر کوئی اس کو جھڑکتا ہے' مارتا ہے۔ سینکڑوں برس یہ پاک بندے حقِ عبودیت ادا کرنے کے لیے ان کو سمجھاتے رہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے ناصح مشفق کی قدر و منزلت کرتے مارتے پیٹتے' برا بھلا ہی کہتے رہے (وہ ہمارے زمانے کے واعظ یا ریفارمر نہ تھے جو بغیر منظوریِ خداتعالیٰ کے یہ عہدۂ جلیلہ آپ لینے کا قصد کرتے ہیں صرف چرب زبانی ہوتی ہے مگر ان کی اندرونی خباثتیں اور نفسانی خواہشیں اور نمود و شہرت کی آرزوئیں ان کی چرب زبانی کو صابن بن کر دھو ڈالتی ہیں جس پر یہ جلد ہزیمت کھا کر اس فرضی عہدے کو خیرباد کہہ بیٹھتے ہیں) آخر غضبِ الٰہی جوش میں آیا اور نوح علیہ السلام کے عرقِ عبودیت کو جنبش ہوئی تو دعا کی فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ کہ الٰہی میں دب گیا میری مدد کر۔ خاصانِ خدا کو کبھی ایسے گستاخوں کے مقابلے میں جوش بھی آجاتا ہے جو انتقامِ الٰہی کا پیغام ہوتا ہے۔

نہ توڑو ہمیں تم کھلونا سمجھ کر ‌ ‌ ‌ کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

پھر کیا تھا فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ کہ ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیے، پانی کے ریلے کرنے لگے اور زمین سے بھی پھوٹ نکلا۔ پھر جہاں تک کہ خدا نے مقرر کر رکھا تھا پانی چڑھ گیا زمین کے رہنے والے اور درخت اور پہاڑ بھی ڈوب گئے۔ مگر نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی پر سوار کیا جو ہماری مدد سے چلتی تھی۔ یہ غرق اور نوح کی نجات بدلہ ہے اس کا کہ جس کا انکار کیا تھا اور اسی کشتی کو یا اس قسم کی کشتیوں کو ہم نے دنیا میں یادگار کے لیے باقی رکھا پھر کوئی ہے کہ اس بات کو سمجھے۔ پھر دیکھا میرا عذاب اور میرا ڈر کیسا ہوا؟

فائدہ: اجداث جمع جدث کی جس کے معنی ہیں قبر۔ مُهْطِعِيْنَ الاہطاع دوڑنا۔ اَبْوَابَ السَّمَآءِ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ استعارہ ہے بے حد پانی برسنے کے وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ آسمان کے دروازے کھل گئے کیونکہ پانی تو بادلوں سے برسا کرتا ہے اور بادلوں کو آسمان بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ مُنْهَمِرٍ ہمر پانی اوپر سے گرنا اور بہت گرنا ذَاتِ اَلْوَاحٍ کشتی۔ الواح جمع لوح تختے۔ دُسُرٍ جمع دسار میخیں اور کیلیں کہ جن سے تختے جوڑے جائیں۔ تَرَكْنٰهَا قتادہ کہتے ہیں کہ اس کشتی کو مدتوں خدا نے باقی رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس امت کے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا۔ چند برس ہوئے کہ ترکی سیاحوں نے اس پہاڑ کی برف پگھلنے سے ایک عظیم الشان کشتی دریافت کی تھی جس کا تذکرہ اخباروں میں بھی رہا۔ اکثر کا گمان تھا یہ وہی کشتی ہے ورنہ پہاڑ پر چڑھنے کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں ہا ضمیر جنس کشتی کی طرف راجع ہے۔ بعض کہتے ہیں فعلۃ کی طرف کہ اس کام کو ہم نے عبرت کر دیا۔ تَرَكْنٰهَا بمعنی جعلنا۔

کَذَّبَتْ عَادٌ فَکَيْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع

قوم عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے بھی ان پر سخت منحوس دن میں ایک سخت آندھی چلائی جو لوگوں کو ایسا پھینک رہی تھی کہ گویا وہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں۔ پھر (دیکھا) ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی کہ سمجھے۔

ترکیب: اِنَّآ اَرْسَلْنَا جملة مستانفة مبينة لما اجملة قبلة فی یوم الظرف متعلق بارسلنا تنزع النّاس الجملة صفة لريح اوحال منها۔ كَاَنَّهُمْ حال من الناس النخل والنخيل يذكر ويؤنث ولذا يوصف بالمذكر كمافی قوله تعالیٰ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ وبالمؤنث كمافی قوله تعالیٰ اَعْجَازُ نَخْلٍ خاوية وقيل التذكير رعاية والتانيث للمعنى رعاية للفظ وَنُذُرِ اصله نذری۔ حذف الياء رعاية للفواصل وبقيت الكسرة عوضاً عنها۔

تفسیر.....قوم عاد کی بربادی: یہ دوسرا تذکرہ قوم عاد کا ہے کہ انہوں نے بھی پیغمبر کا انکار کیا۔ پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ پھر اس کی مجملاً کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَا ہم نے اس قوم پر سخت آندھی بھیجی نامبارک دن میں جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینکتی تھی اور لوگ کھجور کے اکھڑے ہوئے پیڑوں کی طرح زمین پر مردے پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھو میرا عذاب اور میری تنبیہ کیسی تھی؟ اس کلمہ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ کو اسی قصہ میں دوبارہ ذکر کیا۔ اول بار انکار و کفر ذکر کر کے دوسری بار سزا بیان کر کے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اول بار کے ذکر میں دنیاوی بربادی و ہلاکت کی طرف اشارہ ہو اور بار دگر میں اخروی عذاب کی طرف ایماء ہو۔ ان کے اعمالِ بد کے نتیجۂ بد کو ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے پند و نصائح ذکر کر دیے ہیں صاف صاف طور پر نہ جن میں کوئی ابہام ہے نہ معمہ نہ ایسے رموز و اشارات ہیں کہ جن کی طرف ذہن نہ جا سکتا ہو (جیسا کہ مکاشفات یوحنا اور بعض پیشین گوئیاں بائبل میں ہیں) نہ شاعرانہ خیال کی بلند پروازیاں ہیں بلکہ بہت صاف اور آسان۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟ اس پر بھی جو کوئی نہ سمجھے تو جان لو کہ اس کی تقدیر میں سعادتِ ازلی کا حصہ ہی نہیں۔

فائدہ (۱): قرآن کے آسان کرنے کے یہ معنی تھے جو ہم نے بیان کئے۔ اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لغاتِ عرب سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور قواعد صرف و نحو و معانی و بلاغت کے رموز سے واقف نہ ہو۔ احکام کے علل و اسرار تک رسائی نہ ہو۔ حقائق غامضہ و لطائفِ روحانیہ تک ذہن اڑ کر نہ جاتا ہو۔ الہام ربانی و اساسِ نوامیسہ سے آشنا نہ ہو۔ وہ بھی قرآن مجید کو ویسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ جس میں یہ سب باتیں ہوں حاشا وکلا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لیے ظہر و بطن ہے اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ یہ دریائے بے کنار ہے۔ اس سے ہر شخص بقدرِ فہم خود حصہ پاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسے جاہل کا کہ جس کو بجز ترجمے کے بارگاہِ قرآنیہ تک رسائی نہیں یہ کہہ دینا (کہ جو کچھ آئمہ مجتہدین و علماءِ مستنبطین نے قرآن سے مسائلِ شرعیہ و معارفِ حکمیہ ثابت کیے ہیں ہم کو ان کی کچھ پروا نہیں) محض یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی ہے جو آج کل ظاہر بینوں اور سرسری نظر والوں میں انگریزی الحاد کی بابت از خود بڑھی ہوئی ہے۔

فائدہ (۲): فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ یوم سے مراد مطلق وقت ہے جیسا کہ کلام عرب میں دستور ہے۔ پس یہ آیت سورۂ سجدہ کی اس آیت کے منافی نہیں فی ایام نحسات اور نہ الحاقہ کی اس آیت کے مخالف ہے سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا۔ مستمر غالباً نحس کی صفت نہیں بلکہ یوم کی جیسا کہ قرأت اضافہ یوم نحس کی طرف اس کی مؤید ہے یوم کے مستمر ہونے سے کئی روز تک پے در پے آندھی کا چلنا مراد ہے یا مستمر کے معنی قوی کے ہیں۔ بعض مؤرخوں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ آندھی جس روز شروع ہوئی تھی وہ آخری چہار شنبہ تھا اور ہر مہینے کا آخری بدھ منحوس ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ ایام کا فی ذاتہا انسان کی سعادت و شقاوت میں کوئی دخل نہیں اسی کے اعمال کا نیک و بد ثمرہ ایام میں

ظہور کرتا ہے جس لیے وہ اس دن کو منحوس یا سعید کہتے ہیں۔ ورنہ وہی ایک دن ہے جو سینکڑوں کے لیے نحس اور سینکڑوں کے لیے سعد ہے اگر دن میں کوئی اثر ہوتا تو سب کے لیے برابر ہوتا۔ ایسے خیالات اور توہمات ہنود اور دیگر بت پرست اور اوہام پرست قوموں میں مدت سے چلے آتے ہیں جن سے ان کے تمدن میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ پس کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے میں کے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں گے تب تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر وحی بھیجی گئی؟ بلکہ وہ تو بڑا ہی جھوٹا (اور) شیخی خورا ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خورا ہے۔ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں پھر (اے صالح!) انہیں دیکھتے رہو اور ٹھہرے رہو اور ان سے کہہ دیا کہ پانی ان میں بٹ گیا ہے ہر ایک اپنی باری سے پانی پر آیا کرے۔ پھر قوم ثمود نے اپنے رفیق کو بلایا تب اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب بھیجا پھر تو وہ ایسے ہو کر رہ گئے کہ جیسا کانٹوں کی باڑ کا چورا[1] اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب : بَشَرًا ھو منصوب بفعل یفسرہ المذکور ای اتبع بَشَرًا مِّنَّا نعت ویقرء بالرفع فھو مبتداء ومنّا نعت لہ وَاحِدًا حال من الھاء فی نَتَّبِعُهٗ من بیننا حال من الھاء الْاَشِرُ بکسر الشین وضمھا لغتان مثل فرح وفرح ویقرأ بتشدید الراء ھو فعل من الشر فِتْنَةً مفعول لہ۔

تفسیر...... قوم ثمود کی بربادی : یہ تیسرا قصہ ثمود کا ہے کہ انہوں نے بھی نذر یعنی ڈر سنانے والے رسولوں کو جھٹلایا (اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر جو بات صالح کہتے تھے وہی سب اگلے انبیاء کہتے آئے تھے پس ایک کا جھٹلانا گویا سب کا جھٹلانا[2] ہے۔ یا یوں کہو خدا کی طرف کے انسان کو ڈر سنانے والے انسانی انقلابات اور حوادثِ دہر بھی ہیں ان سے پند پذیر نہ ہونا اور ان کو پس پشت ڈال دینا ان کی تکذیب ہے)۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک شخص کے جو ہمارے برابر ہے تابع ہو جائیں؟ اس میں کیا فوقیت ہے جو اسی پر خدا کی طرف سے نصیحت نازل ہوئی ہے۔ اس کے تابع ہونا گمراہی اور مصیبت میں پڑ جانا ہے بلکہ یہ جھوٹا شیخی خورا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا کہ کل ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خورا ہے؟ اب ہم ان کی

---

1. کہ جیسی چورا ہوئی باڑ۔
2. اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے نبی وہ بات لائے جس پر پہلے انبیا قائم تھے کوئی نئی بات نہ تھی نہ بے سند بات۔ ۱۲ منہ

آزمائش کو اونٹنی بھیجتے ہیں اس کو دیکھو اور صبر کرو اور کہہ دو کہ پانی پینے کو ہر ایک اپنی باری سے گھاٹ پر آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قوم نے ایک بدکردار کو آمادہ کیا اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر ان پر عذاب آیا۔ ایک ہیبتناک آواز رات میں آئی، پھر سخت زلزلہ آیا جس سے سب چورا چور ہو کر رہ گئے اس کا مفصل بیان سورۂ ہود میں ہو چکا ہے۔

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں ایسے ایسے عبرت انگیز واقعات ہیں سمجھو قرآن کو آسان کر دیا ہے کوئی ہے کہ سمجھے؟

فائدہ (۳): سعر آگ کا شعلہ، جنون جمع سعیر کی۔ (ابوعبیدہ)۔ فرّاء کہتے ہیں اس کے معنی ہیں سختی اور مشقت کے (۲) اَشِرٌ بروزن فَعِلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں خوشی کرنے والا اور اترانے والا۔ جس کا ٹھیک ترجمہ ہے شیخی مارنے والا۔ (۳) شِرْبٌ بکسرِ شین پانی کا حصہ۔

فائدہ (۴): هَشِيْم ایندھن۔ مُحْتَظِر جمہور نے بکسر ظا پڑھا ہے یعنی اسم فاعل جس کے معنی ہیں کانٹوں کی باڑ بنانے والا جو کھیت یا مواشی کی حفاظت کے لیے بنایا کرتا ہے۔ بعض نے بفتح ظاء پڑھا ہے جس کے معنی ہیں حظیرہ کے جس کو احاطہ یا گھیر یا باڑ کہتے ہیں مراد ہے چورا چورا اور شکستہ ہونا۔

فائدہ: (۱) اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ، نتبع کے اول بشر کو مقدم کیا جس میں ان کفار کے وجوہِ انکار و اسباب عدم اتباعِ رسول علیہ السلام کی طرف چند اشارات ہیں۔ اول یہ کہ بشر یعنی انسان ہونا ان کے نزدیک اتباع کے مناسب نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ انسان سب برابر پھر ہم میں کیا بات نہیں جو اس میں ہے۔ پھر کس لیے ہم اس کے کہنے پر چلیں۔ دوم بشرًا کو نکرہ بیان کیا جس سے اس کی تحقیر مقصود تھی یعنی بشر بھی کوئی نامور و معزز اور معروف شخص نہیں جس کے پاس دنیاوی عزت کا کوئی سامان نہیں۔ نہ مال و اسباب ہے نہ اور کوئی تجمل کی بات ہے۔ ایک فقیر آدمی ہے۔ سوم بشر بھی منا ہم لوگوں میں کا ایک آدمی۔ عقلا کے نزدیک مجانست انسان کا اصلی حال دریافت کر کے اس پر اعتقاد لانے کا عمدہ ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ آپس کے لوگوں سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں رہتی مگر ان حمقاء کے نزدیک یہ بھی ایک عیب کی بات تھی۔ سچ ہے آپس کے لوگ اور ہم زمانہ اور ہم وطن اپنے آدمی کے کمالات پر بہت کم اعتقاد لایا کرتے ہیں۔ اسی لیے حکماء اور عرفاء کا قول ہے کہ آدمی کی اس کے وطن میں قدر نہیں ہوتی۔ باغ میں پھول کی اور کان میں جواہر کی قدر نہیں جب وہ اپنے وطن سے نکل کر جوہریوں کے ہاتھ میں آتا ہے تو بڑی قدر و منزلت پاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کاملین کو قضاء وقدر نے بے وطن کیا ہے اور اسی سبب سے جناب رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وطن چھوڑنے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر مجبور کئے گئے۔ چہارم واحدًا یعنی اکیلا ہونا اس کے ساتھ جماعتِ کثیر نہ ہونا۔ یہ بھی اس کی کسرِ شان کا باعث عام دلوں میں سمجھا گیا اور یہی بات عموماً قوموں کی جبلی ہوگئی ہے اسی لیے ہر جگہ کے لوگوں نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم اور دنیاوی تجمل وحشمت نہ رکھنے والے نبی کا انکار ہی کر دیا ہے اور اب تک بنی آدم اسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ہم قوم اور ہم وطن اہلِ کمال کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں اور اسی طرح جس کے پاس سامان و اسباب دنیاوی اور ظاہری حشمت و عزت اور جماعت و اعوان و انصار نہیں ہوتے خواہ وہ کیسا ہی باکمال ہو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آج کل تو کمالاتِ انسانیہ کا دارومدار حشمت و مال و اعوان و انصار پر ٹھہر گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس زمانے میں حسیات میں انسان نے ترقی کی ہے مگر روحانی کمالات میں بہت پستی ہوگئی ہے اور یہی سبب ہے کہ فواحش اور ریاکاری و عیاری و نفس پرستی نے بہت رواج پایا ہے اور پانا بھی چاہیے تھا کس لیے کہ جس قدر ہادیِ برحق سے لوگوں کو زمانہ دور کھینچے جا رہا ہے اسی قدر ان کی روحانی قوت میں سستی اور ضعف آتا جا رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس زمانے میں نفوسِ قدسیہ حضرات اولیاءِ کرام بہت کم نظر آتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس ایک چھوٹے سے فقرے میں انسانی جبلت اور اس کے آثار بتلا کر ایمانداروں کو کس لطیف پیرایہ میں اسباب ظاہریہ

پرکمالات کی قدردانی کو منحصر جاننے کو منع فرمایا اور یہ بات بتلا دی کہ ان باتوں کی طرف نظر نہ کیا کرو اصلی بات کو دیکھو۔ ان اسباب کے مفقود ہونے پر کفار اپنے نبی کی اتباع کرنے کو گمراہی اور جنون سمجھتے تھے۔ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ اور ہم جنس اور ہم وطن ہونے کے سبب سے ان کو اس بات کا کمال تعجب تھا کہ ہم میں سے یہ کیونکر خدا کا نبی ہو گیا۔ ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا آخر جب فہم نے رسائی نہ کی تو یہی کہہ دیا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ کہ یہ تو جھوٹا شیخی خورا ہے چونکہ وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دلائل ان کے سامنے پیش کئے جاتے اور وہ ان میں غور کر کے نتیجہ نکالتے اسی لیے سزا ہی کے تازیانے کی ان کو خبر دی گئی جیسا کہ بہائم اور بے عقلوں کو سمجھایا جاتا ہے فقال سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ
نَّجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾
وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ
فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

ع ۱۴

قوم لوط نے بھی ڈرسنانے والوں کو جھٹلایا تھا (پھر تو) ہم نے ان (سرکش قوم) پر پتھر برسائے۔ لوط کے خاندان کے سوا کہ ان کو تو (اپنی عنایت سے) ہم نے صبح ہوتے بچالیا۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا پھر وہ خوف کی بات کو ٹھکرانے لگے اور وہ اس کے مہمانوں کو چھیننے لگے پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پٹ کر دیں (اور کہہ دیا لو) اب ہمارے عذاب وسزا کے مزے چکھو اور صبح سویرے سے ان کو اٹل عذاب نے آ لیا۔ کہا گیا کہ لو اب ہمارے عذاب وسزا کے مزے چکھو اور البتہ ہم نے سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب: الحاصب اسم الفاعل من حصب اذا رمی الحصباء ھی الحصباء ومنہ المحصب موضع بالحجاز قال ابو عبیدۃ الحاصب الحجارۃ فی الریح وقال فی الصحاح الحاصب الریح الشدیدۃ التی تثیر الحصباء تذکیر الحاصب مع انہ مسند الی الریح وھی مونث سماعی لکونھا فی تاویل العذاب الا آل لوط استثناء متصل بسحر الباء بمعنی فی او للملابسۃ ای حال کونھم متلبسین بسحر نعمۃ منصوب علی العلۃ او علی المصدریۃ تماروا تفاعلوا من المریۃ وھی الشک والمجادلۃ راودوہ المراد والطلب مرۃ بعد مرۃ۔

تفسیر......حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ: چوتھا قصہ قوم لوط کا ہے کہ انہوں نے بھی نبیوں اور ان کی باتوں کو جھٹلایا تھا جس سے ان پر بلائے عظیم نازل ہوئی۔ یہ قصہ کئی ایک جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفر مصر میں ساتھ تھے۔ دونوں کے مواشی بکثرت تھے اس لیے دونوں کو جدا ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان میں آ رہے اور حضرت لوط علیہ السلام یردن ندی کی ترائی میں جہاں سدوم اور عمورہ شہر آباد تھے۔ یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور بت پرست تھے۔ مردوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر وہ بدبخت اپنی ناجائز شہوت کے نشے میں اندھے تھے، نہ مانا اور جھٹلا دیا۔ اب

انتقام الٰہی کا وقت قریب آیا۔

دو فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر آئے تھے۔ لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت حضرت لوط علیہ السلام کو جو سدوم کے پھاٹک پر بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ان مہمانوں کو گھر لے گئے۔ سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے ان کا گھر گھیر لیا اور انہوں نے پکار کر لوط علیہ السلام کو کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں مہمان آئے ہیں کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا کہ ہم ان سے صحبت کریں۔ تب لوط علیہ السلام دروازے سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا اے بھائیو! برا کام نہ کرو۔ تب انہوں نے کہا ہٹ جا۔ تو گزران کرنے آیا ہے یا حاکمی کرنا چاہتا ہے۔ اب تیرے ساتھ ہم ان سے زیادہ بدسلوکی کریں گے۔ پھر وہ لوط علیہ السلام پر حملہ کر کے آئے اور کواڑ توڑنے لگے تب ان فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لوط علیہ السلام کو اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر لیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا۔ سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ تب فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ اپنے لوگوں کو لے کر اس مقام سے نکل جا کیونکہ ہم اس کو غارت کریں گے۔ صبح کو لوط علیہ السلام اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو لے کر نکل گئے اور شہر ضغر میں پہنچے اور جب ضغر میں داخل ہوئے سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ[1] آسمان سے برسائی اور ان شہروں کو غارت کر دیا مگر ان کی بیوی نے باوجود منع کر دینے کے پیچھے پھر کے دیکھا سو وہ نمک کا کھمبا بن گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے فجر کو اٹھ کر اس زمین کے میدان کی طرف نظر کی اور کیا دیکھا کہ زمین پر بھٹی کا سا دھواں اٹھ رہا ہے۔ (تورات سفر الخلیقہ باب ۱۹)

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ
عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾
اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

اور البتہ فرعون کے خاندان کے پاس بھی ڈرسنانے والے آئے تھے انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو بڑی زبردست پکڑ سے پکڑا۔ کیا (اے اہل مکہ!) تمہارے منکر ان سے کچھ بہتر ہیں کیا تمہارے لیے دفتروں میں معافی (لکھی) ہے کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زبردست جماعت ہیں جلد یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

ترکیب : النذر جمع نذیر و مصدر بمعنی الانذار۔ اخذ منصوب علی المصدریۃ اکفار کم الاستفہام انکاری فی الزبر صفت البراءۃ ای براءۃ مکتوبۃ فی الاوراق او الکتب السماویۃ المنزلۃ علی الانبیاء السابقین۔ الدبر و المراد الادبار لارادۃ الجنس اولان کل واحد یولی دبرہ وقیل لاجل دبرہ وقیل لاجل رؤس الائی وقیل فی الافراد اشارۃ الی انھم فی التولیۃ والھزیمۃ کشخص واحد فلا یقدرون علی المقابلۃ۔

تفسیر...... فرعونیوں کا حال : پانچواں قصہ فرعونیوں کا ہے۔ آلِ فرعون سے صرف اس کا خاندان ہی مراد نہیں بلکہ اس کی ساری قوم۔ ان کے پاس خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خوف اور دہشت دلانے والی باتیں پہنچیں مگر وہ بدبخت ازلی جو جاہ و حشم کے نشے میں

---

[1] قرآن مجید میں آندھی اور پتھر برسانا آیا ہے اور تورات میں گندھک اور آگ گندھک کے دہکتے ہوئے ڈھیلے سخت ہوا میں گرنا قرار دیا جاوے تو کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی جو اعجاز اور خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اب بھی آسمان سے مختلف چیزیں لوگوں پر برسی ہیں اور جو فلسفہ کی تاریکیوں میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ آسمان سے بسا اوقات ابخرات دادخنہ مختلف صورتیں حاصل کر کے زمین پر گرا کرتے ہیں ہم کہتے ہیں مختلف صورتیں بنا کر حسبِ وقت کسی خاص قوم پر ان کی بربادی کے لیے گرانا طبیعتِ اجسام کا کام نہیں بلکہ فاعلِ مختار اور واحد قہار کا۔ ۱۲ منہ

بدمست ہو رہے تھے کب ڈرنے والے تھے اور اپنی بدکاریوں سے باز آنے والے تھے؟ خدا تعالیٰ کی کسی نشانی کو بھی نہیں مانا۔ خدا تعالیٰ کی نو نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں جو انہوں نے فرعونیوں کو وقتاً فوقتاً دکھائیں۔ ید بیضاء، عصاء وغیرہ اس کے سوا اور بھی صدہا خداوند تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حالات کا تغیر، عالم کا تبدل اور ارضی و سماوی حوادث اور اس کے عجائبات پہاڑوں اور دریاؤں اور زمین و آسمان کے بے انتہا قدرت کے کارخانے خداوند تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان میں غور وفکر کرنے والے کو ہدایت کے صدہا نمونے ہیں پھر جو کسی میں بھی غور نہیں کرتا تو پھر وہ ان سب کو جھوٹا جان رہا ہے پھر اس پر ہدایت کے دروازے بند نہ ہوں تو اور کیا ہو؟

جب فرعونیوں کی یہ حالت ہوئی تو ان کو ہم نے خوب پکڑ کر قابو کیا۔ ان پر ہر طرح کی بلائیں آئیں۔ فرعون اور اس کا لشکر بحر قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصے سنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لوگوں سے خطاب کرتا ہے کہ اکفار کم خیر! اے عرب! یا اے اہل مکہ! کیا تمہارے کافران پہلے کافروں سے جو ہلاک ہوئے اور جن کے تذکرے تم سے آئے بہتر ہیں کہ ان کو وہ ہلاکی و بربادی پیش نہ آئے گی؟ اگر بہتر نہیں تو دوسری صورت بچنے کی یہ ہے کہ تمہارے لیے پہلی کتابوں میں کوئی برأت لکھ دی گئی ہو؟ کیا تم کو کوئی پروانہ مل گیا ہے کہ تم پر عذاب نہ آئے گا؟ تیسری بات دنیا میں عذاب سے مامون ہونے کی اپنی ذاتی قوت ہے اپنی جماعت کے زور وشوکت سے خدا تعالیٰ کے قہر وجبروت کو مقابلہ کر کے ٹلا سکتے ہو سو یہ بھی نہیں۔ کیونکہ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یہ پسپا ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بخاری ونسائی نے روایت کی ہے کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر مقابلے میں نکلے اور یہ آیت پڑھتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ کون سی جماعت غالب ہوگی کون سی مغلوب؟ پھر جب بدر کے روز آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے برآمد ہوئے تو اس کا مطلب معلوم ہوا۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾ ع

وقف لازم — الربع ۶

بلکہ وہ گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور وہ گھڑی بڑی سخت اور تلخ ہے بے شک گنہگار گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے (تو کہا جائے گا لو) آگ لگنے کا مزا چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم تو ایک ہی بات ہوتی ہے جیسا کہ پلک کا جھپکنا اور البتہ ہم تمہارے جیسوں کو غارت کر چکے ہیں پھر کیا کوئی سمجھنے والا ہے؟ اور وہ جو کچھ کر چکے ہیں وہ تو اعمال ناموں میں (لکھا جا چکا ہے) اور ہر بات چھوٹی اور بڑی سب لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں (اور) مقام صدق میں بادشاہ قادر کے پاس ہوں گے۔

ترکیب: ادھیٰ اسم تفضیل من الداھیۃ وھی الامر المنکر الفظیع الشدید وامر اشد مرارۃ من عذاب الدنیا کل شیء والجمہور علی نصب کل

بالاشتغال ای عاملہ فعل یفسرہ مابعدہ وقریٔ بالرفع علی الابتداء کلمح اللمح النظر علی السرعۃ وفی الصحاح لمحہ والمحہ اذا ابصرہ بنظر خفیف والاسم اللمحۃ۔ کل شیء مبتداءفی الزبر خبرہ مَقْعَدِ صِدْقٍ من اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ای فی مجلس حق ومکان مرضی وھوالجنۃ اوموضع لہ فرنیۃ علی سائرالاماکن فی مَقْعَدِ صِدْقٍ بدل من قولہ فی جنت وقولہ عِنْدَ مَلِيْكٍ بدل منہ و یحتمل ان یکون صفۃ مقعد صدق۔

تفسیر : کفار کے حق میں پہلے بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا کہ ان کی جماعت ہزیمت کھا کر بھاگے گی۔ (ایسا ہی ہوا بھی)۔ اب یہاں یہ بتلاتا ہے کہ اس بھاگنے پر ہی ان کی سزاء وسرزنش موقوف نہیں۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ ان کے عذاب کامل کا وقت ساعت یعنی قیامت ہے وہ سخت مصیبت کی گھڑی اور بڑی تلخ ہے وہاں کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے بہت ہی سخت ہے یعنی ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس کے بعد وہاں کے عذاب کا قانون بتاتا ہے کہ وہ کس کو ہوگا اور کیونکر ہوگا؟ فقال اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ کہ مجرمین یعنی گنہگار اللہ اور رسول کے نافرمان کفار اور مشرکین (تعمیم ہے ضعیف روایتوں سے قدریہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص کرنا تکلف ہے) دنیا میں گمراہی میں ہیں نجات کا رستہ بھولے ہوئے ہیں ان کی یہ گمراہی اور جرم آتشِ جہنم ہو جائے گی۔ یا یوں کہو جنت کا رستہ بھولے ہوئے ہیں اور جہنم میں ہوں گے۔ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ اس دن وہ اپنے تکبر کے بدلے میں منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ لگنے کا مزہ چکھو۔

قیامت کے قائم ہونے اور وہاں مجرموں کے عذاب پانے کا ذکر کیا تھا لیکن یہ بات دو امر کے ثبوت پر موقوف تھی۔ اول یہ کہ ہر چیز کا خدا خالق ہے اور ہر چیز اس نے اندازے سے پیدا کی ہے۔ فقال اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ کہ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ منجملہ ہر شے کے عالم دنیا بھی ہے اس کی بھی ایک حد معین ہے آخر ایک روز یہ تمام ہوگا اور یہی قیامت کا دن ہے۔

ع ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات پر ہر طرح سے حکمران ہے اس کے حکم کے نافذ ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی۔ پس جب وہ قیامت قائم کرنا چاہے گا اور وہاں مجرموں کو سزا دینا چاہے گا تو فوراً کر دے گا۔ اس بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وماامرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر کہ ہمارا حکم ایک ہی کلمہ ہے وہ کن اور جب ہم ہونے کا حکم کرتے ہیں تو وہ بہت جلد ہو جاتا ہے جس طرح آنکھ جھپکنے میں دیر نہیں لگتی اسی طرح قیامت برپا ہونے میں اس کے حکم کے بعد دیر نہ ہوگی۔ اور نیز عالمِ خلق کو اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ میں ذکر کیا تھا پس مناسب تھا کہ عالمِ امر کو بھی ذکر کرتے اس لیے وماامرنا الاواحدۃ ذکر کیا۔

فائدہ: خلقناہ بقدر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے نافع ہو خواہ ضار ہو اور اس نے ہر چیز کا اندازہ اور پورا پیمانہ اور حد بھی پیدا کرنے میں ملحوظ رکھی ہے۔ اذہانِ بنی آدم میں مختلف مضامین جانشین ہوتے آئے ہیں۔ مشرکین تمام حوادث کو ستاروں کی تاثیرات اور ان کے اتصالات سے پیدا ہونا خیال کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے سوا اور میں بھی قدرت ثابت کرتے تھے اس لیے ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اپنے افعال میں اپنے آپ کو مستقل قادر سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں بندہ ہی خالق ومختار اپنے نیک وبد اعمال کا ہے۔ علمِ ازلی سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ عقیدہ آج کل کے مشنریوں اور بعض ہنود کا ہے اور مسلمانوں میں بھی ایک فریق تھا جس کو قدریہ کہتے تھے بایں لحاظ کہ قضاء وقدر کے منکر ہیں انہیں کی مذمت میں احادیثِ صحیحہ وارد ہیں۔ اور فرقہ معتزلہ بھی انہیں کے قریب قریب ہے بلکہ شیعہ بھی ان کے مقابلے میں ایک دوسرا فریق تھا جس کو جبریہ کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ محض بے بس ہے جو کچھ ہم سے سرزد ہوتا ہے اس طرح سے ہوتا ہے کہ جیسا مرتعش کا ہاتھ ہلنے میں بیخود اور مجبور ہو کر حرکت کرتا ہے۔ پہلا فریق اس جبریہ فریق کو قدری کہتا تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے زنا پر ہم کو قادر کیا تو ہم نے زنا کیا۔ بایں معنی کہ یہ اثباتِ قدر کرتے ہیں مگر سنت والجماعت کا فریق نہ قدر کا قائل ہے نہ جبر کا۔ وہ کہتے ہیں

جو کچھ ہورہا ہے اور ہوگا یہاں تک کہ ہمارے افعال و حرکات ان کا بھی خدا تعالیٰ کو ازل میں علم تھا بندے کو اختیار ہے مگر اس اختیار میں مستقل نہیں اس کے جمیع افعال کا بھی اللہ ہی خالق ہے بندہ کاسب ہے اس کسب پر اس کو ثواب و عذاب ملتا ہے اور مدح و ذم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

پھر جب اپنا خالق اور عالمِ امر کا مالک ہونا ثابت کیا گیا تو اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ (جزاء و سزا دینے کے پیرائے میں) ثابت کرتا ہے فقال وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کہ ہم نے اپنی قدرت و جبروت سے اے کفارِ قریش! تم جیسے بہت لوگ غارت کر دیے پھر کوئی سمجھنے والا ہے۔ یعنی پھر تم کو کیا امن ہے اور کون سی بات حاصل ہے جو ہلاکی سے مانع آئے گی؟

اس کے بعد اپنا بے انتہا علم ثابت کرتا ہے جو عدالت و جزاء و سزاء اعمال کے لیے اور وہ بھی دوسرے عالم میں پر ضرور ہے۔ فقال و کل شیءٍ فعلوہ فی الزبر کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفترِ اعمال میں موجود ہے اور ہر بات لکھی ہوئی ہے۔ اس لکھنے اور دفترِ اعمال کی کیفیت ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں کہ وہ لکھنا اس دوات قلم سے نہیں نہ وہ دفتر دنیا کے کاغذوں پر ہے۔

پہلے مجرموں کی کیفیتِ سزا بیان کی تھی اب فرماں برداروں کا انجامِ نیک بیان فرماتا ہے۔ فقال ان المتقین فی جنات و نھر کہ پرہیز گار جو زیورِ ایمان و اعمالِ صالحہ سے مزین ہیں مرنے کے بعد باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ یہ جنت جسمانی ہے فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر عمدہ موقع میں خدا تعالیٰ کے پاس رہیں گے۔ یہ جنت روحانی ہے جو متقین میں سے خاص ابرار و احرار کا حصہ ہے۔ مرنے کے بعد ان کی روح حظیرۃ القدس کی طرف عالمِ بالا میں محبوبِ اصلی کے پاس جا کر آرام پاتی ہے۔ تختِ رب العالمین کے دہنی طرف بیٹھنے سے یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس بارگاہِ قدس میں کاش اپنے ابرار کی صفِ نعال ہی میں جگہ دے۔ وما ذلك علی اللہ بعزیز۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ① عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ② خَلَقَ الْاِنْسَانَ ③ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ④ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ⑤ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ⑥ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ⑦ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ⑧

رحمان ہی نے قرآن سکھایا (اور) اس نے انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا (قوتِ ناطقہ عطا کیا) سورج اور چاند حساب پر لگے ہوئے ہیں۔ بوٹیاں اور درخت (اسی کے حکم سے) سربسجود ہیں اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم اندازے سے نہ بڑھو۔

ترکیب : الرحمٰن ذھب قوم الی انھا آیۃ فالمبتداء محذوف تقدیرہ اللہ الرحمن۔ وعلیٰ قول الآخرین الرحمن مبتداء و مابعدہ الخبر۔ خلق الانسان مستانف و کذا علمہ ویمکن ان یکون حالا من الانسان وقد محذوف۔ بحسبان قال الاخفش الحسبان جماعۃ الحساب مثل شھب وشھبان۔ وقیل مصدر مفرد بمعنی الحساب کالغفران والکفران۔ والجار یتعلق بجریان محذوف۔ والسماء منصوب بفعل محذوف یفسرہ المذکور الا تطغوا لئلا تطغوا فلا نافیۃ و تطغوا منصوب بان و قبلھا الام العلۃ مقدرۃ وقیل ان مفسرۃ لان فی الوضع معنی القول۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسن و عروہ و عکرمہ و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور ابن مسعود و مقاتل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اول قول اصح ہے کیونکہ امام احمد و ابن مردویہ نے اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں رکن[1] کی طرف منہ کئے ہوئے اس سورہ کو پڑھتے سنا اور مشرکین بھی فبایّ آلاءِ ربکما

[1] رکن خانۂ کعبہ کے ایک گوشہ کا نام ہے۔ ۱۲ منہ

تُکَذِّبٰنِ سن رہے تھے۔ یہ اس سے پہلے کا ماجرا ہے کہ حضرت ﷺ کو صاف صاف سنا دینے کا حکم ہوا تھا انتہی۔

اس سورہ میں بھی انہیں تینوں اہم مسائل کا بڑے لطف و خوبی کے ساتھ اثبات ہے اور کن کن معانی خیز اور دل پر اثر کرنے والے پیارے پیارے الفاظ اور عرب کی میٹھی بول چال میں خاص انہیں کے مذاق کے موافق مکرر جملے لاکر ان کو دل نشین فرمایا ہے۔

شعرائے عرب بلکہ عجم چند اشعار مختلف المضامین کے بعد ایک بند بطور مسدس یا مخمس کے ایک اشتراکِ خاص ملحوظ رکھ کر مکرر لایا کرتے ہیں جس سے اس مضمون کی خوبی دو بالا ہو جاتی ہے اور طبیعتِ سامع جو کسی قدر غافل ہو جاتی ہے اس پر ایک کوڑا سا تنبیہ کرنے کے لیے پڑ جایا کرتا ہے۔ اس سورت میں وہ بند فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ[1] ہے جو ہر ایک جاں بخش مضمون کے بعد مکرر آ کر مطالب میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس بات کا لطف انہیں کو زیادہ آتا ہے جو کچھ مذاقِ سخن بھی رکھتے ہیں۔ عبارت کا دلکش ہونا بھی اثرِ کلام میں بڑی تاکید کرتا ہے۔

پہلا مسئلہ جو منجملہ اصول کے ایک بڑی اصل ہے اثباتِ نبوت و قرآن کا منجانب اللہ ہونا اس لیے اس سورہ میں سب سے اول کو اس لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔

فقال اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کہ رحمان نے قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے نہ اس نے اپنے جی سے بنالیا ہے نہ کسی جن و خبیث کا شیطانی کلام ہے۔ الرحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم و نزول اس کی رحمتِ خاصہ کا مقتضی ہے کیونکہ اس وقت مشرق و مغرب تک دنیا تاریک و خراب ہو رہی تھی دنیا گمراہیوں کے دریائے بے کنار میں غوطے کھا رہی تھی اس کی رحمت کب اس ورطۂ ہلاکت میں چھوڑتی اس لیے آپ نے قرآن تعلیم کیا جو ان ڈوبتوں کے لیے نجات کی کشتی اور ان اندھیروں کی قعر میں مبتلاؤں کے واسطے آفتاب ہدایت ہے۔

اور الرحمن کے مقدم کرنے نے اس بات کو اور بھی واضح کر دیا۔ یہ بات بھی ثابت کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر اُمّی تھے یعنی کسی کے شاگرد نہ تھے وہ خاص تلمیذِ رحمان تھے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ اس میں اپنی رحمتِ خاص کا اظہار کرتا ہے کہ انسان کو اس نے اپنی رحمت سے پیدا کیا اور پیدا کر کے دیگر حیوانات کی طرح گونگا نہ چھوڑا بلکہ اپنی مہربانی سے اس کو بولنا سکھایا۔ پھر جس نے انسان کو بولنا سکھایا وہ رحمان بندوں کے درست کرنے کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کیوں نہ سکھاتا؟

اور تعلیم بیان ہی پر اس کی رحمت کا ظہور منحصر نہیں بلکہ اس نے انسان کے فائدے کے لیے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ چاند اور سورج کو حساب میں لگا رکھا ہے یعنی وہ اس معین اور اندازے کی چال سے چلتے ہیں کہ جن سے سال اور مہینوں کا حساب درست ہوتا ہے۔ یوں ہی بے تک حرکت نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس کے حکمِ جبروت کے مسخر ہیں اور یہ گردش ان کی اس معبودِ حقیقی کا طواف اور قربان ہونا بھی ہے۔ دیکھو یہ انسان کے حق میں بھی اس کی کیسی رحمت ہے اور عالم میں اس کا کیسا حکومت و انتظام جلوہ گر ہے۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ زمین کی بیلیں اور درخت بھی اس کے آگے جھکتے ہیں۔ نجم اس پیڑ کو کہتے ہیں کہ جو اپنی ساق پر کھڑا نہ ہو بلکہ زمین یا کسی چیز پر پھیلا ہوا ہو اور شجر اس کے برخلاف جو اپنی ساق پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا انقیادِ فطری ہے۔ حسن و مجاہد کہتے ہیں نجم سے مراد آیت میں آسمان کے ستارے ہیں ان کا سجود بھی وہی انقیادِ فطری اور طلوع و غروب ہے۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا اور آسمان کو

[1] یہ جملہ اس سورہ میں اکتیس جگہ آیا ہے آٹھ بار اس کی نعمتیں اور عالم علوی و سفلی کے عجائباتِ قدرت ذکر کرنے کے بعد اور سات بار بعد ازابواب جہنم دوزخ کے شدائد ذکر کرنے کے بعد کیونکہ مومنین سے ان بلاؤں کا دفع کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور آٹھ بار دو جنت اور ان کے نعماء اور ان کے رہنے والوں کے حسن و جمال ذکر کرنے کے بعد بعد ابوابِ جنت کہ وہ بھی آٹھ ہیں اور آٹھ بار ان کے سوا اور دو جنتوں کی کیفیات بیان کرنے کے بعد جس میں اشارہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے گا، نیک کام کرے گا وہ دوزخ کے ساتوں دروازوں سے امن میں رہے گا اور دونوں جنتوں کے نعماء حاصل کرے گا اور اس جملہ کے بعد سن کر یہ کہنا چاہیے لابشیء من نعمک ربنا لانکذب فلک الحمد۔ ۱۲ منہ

بلند کیا۔ یہ بھی منجملہ انتظامِ عالم کے ایک بات ہے۔ ان سب باتوں میں علویات سے لے کر عالم سفلی تک اس کی رحمت کا ظہور و جبروت کا اعلان تھا اور یہ بات چاہتی ہے کہ ایسا قادر رحیم و کریم اپنے اشرف المخلوقات انسان کو ایسی بری حالت میں کیونکر چھوڑتا اور اس کے پاس نبی و کتاب نہ بھیجتا چنانچہ ان سب بیانوں کے بعد آپ ہی اس نتیجہ کو اگلے جملے میں ظاہر فرماتا ہے۔ وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اور اس رحمان نے دنیا میں ترازو یعنی عدل قائم کیا۔ مجاہد و قتادہ و سدی کہتے ہیں میزان سے مراد عدل و انصاف زمین پر قائم کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے قائم ہوا یعنی قانونِ انصاف قائم کیا جو بواسطہ وحی و الہام انبیاء علیہم السلام خدا نے دنیا میں قائم کیا اور یہی وجہ نبوت قائم کرنے کی ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِ تاکہ تم اس انصاف کرنے میں حد سے نہ بڑھو ہر شخص اپنے اپنے حقوق پر قائم رہے۔ دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔ باہمی معاملات سے لے کر عبادات و توحید تک۔

وہ قانونِ الٰہی قرآن مجید ہے جس میں سب معاملات و عبادات و طہارت و نجاست، بیع و شراء کے قوانین، ماں باپ کے حقوق، تربیتِ اولاد کے احکام، زن و شو کا دستور العمل، حسنِ معاشرت کے طریقے، عبادت و تزکیۂ نفس کے رستے، دارِ آخرت کی بقا، دنیا کی فنا، انسانی جذبات کے جزر و مد۔ اس کے عمر گراں مایہ کا نتیجہ۔ حاکم و محکوم بادشاہ و رعیت کے ضوابط بخوبی مندرج ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بیان میں روحانی برکت اور تحریک دلانے والا بے انتہا اثر بھی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

اور انصاف سے تولو اور تول نہ گھٹاؤ اور اسی نے زمین کو لوگوں کے (فائدہ کے) لیے بچھایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل گابھوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور (اس میں) بالوں میں لپٹے اناج اور خوشبو اور پھول (بھی ہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اس نے انسان کو ایسی کھر کھری مٹی سے بنایا جیسا کہ ٹھیکرا اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا پھر تم (اے جن و انس!) اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دو مشرق اور دو مغرب کا مالک ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : ولا تخسروا بضم التاء ای ولا تنقصوا الموزون وقیل التقدیر فی المیزان۔ ویقرء بفتح التاء والخاء والاول اصح۔ للانام یتعلق بوضعها والحب بالرفع عطفاً علی النخل والریحان کذلک ویقرء بالنصب ای خلق الحب۔ کالفخار لغت لصلصال من نار لغت لمارج۔ رب المشرقین ای هو وقیل هذا ابتداء وخبره مرج الاکمام جمع کم بالکسر وهو وعاء الثمر اصله یطلق علی ماستر شیئا ومنه کم القمیص بالضم۔

تفسیر : پہلے بطور علت و سبب کے عدل قائم کرنا بیان فرمایا تھا۔ اب بصراحت حکم دیتا ہے وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ کہ دنیا میں انصاف کی ترازو سے تولو۔ یہ حکم بڑا وسیع المعنی ہے جس میں اشیاء کا انصاف سے تولنا بھی داخل ہے اور عموماً ہر بات میں حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا اور عبادت و معاملات میں حقوق العباد سے لے کر حقوق اللہ تک بلکہ اپنے نفس کے حقوق دنیاوی اور دینی سب میں انصاف کی ترازو ہاتھ میں

رکھنے اور تولنے کا حکم ہے۔ بات چیت کرنے اور چلنے پھرنے سونے جاگنے میں۔ کیا جامع کلمہ ہے جس میں صدہا حکمت کے خزانے دبے ہوئے ہیں۔ پھراس کی تائید کی جاتی ہے وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ کہ اس ترازو میں گھٹاؤ نہیں یعنی بے انصافی نہ کرو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو قیامت میں تمہارے اعمال کی ترازو میں کمی ہوگی۔ پس تم اپنی اس میزان میں کمی کرنے کا سبب نہ بنو۔

سماویات کے بعد عالمِ سفلی کی ایجاد میں جو کچھ انتظام اور مصلحتیں اور رحمتیں ملحوظ رکھی ہیں ان کو بیان کر کے اپنا قادر ور حیم ہونا ثابت کرتا ہے۔ فقال وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ کہ زمین کو انسان کے لیے کس طرح بچھایا اور ان کے آرام کرنے کے قابل بنایا کہ جس پر بلاکلفت و تکلف بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ نہ وہ ڈگمگاتی ہے، نہ ایسی گول ہے کہ جس پر یہ ٹھہر نہ سکیں اور نہ صرف یہی بات ہے بلکہ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ۔ اس میں انواع واقسام کے میوے ہیں اور کھجور بھی ہے جس کے پھلوں پر غلاف ہوتے ہیں یعنی میوے ہی پر موقوف نہیں ایسے بھی درخت زمین پر پیدا کئے ہیں جن کے پھل کھا کر انسان بغیر اناج کے بھی بسر کر سکتا ہے جیسا کہ کھجور اور وہ پھل کس حفاظت سے رہتے ہیں کہ گابھے میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اس قسم کے درختوں کے سواء۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ چارے والے اناج اور غلے بھی پیدا کئے جن کے تخم تو انسان کی خوراک ہیں اور ان کے پٹھے اور پتے جانوروں کی جیسا کہ گیہوں چاول جو وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ الریحان خوشبو کی چیزیں اور عمدہ پھول بھی پیدا کئے۔ گلاب، موتیا، چنبیلی وغیرہ بلکہ خود ریحان بھی اسی قسم میں داخل ہے جس کے پتوں میں سے خوشبو آتی ہے۔ ان کے پتے اور پھول خوشبودار اور آنکھوں میں اپنی مختلف رنگتوں سے نور اور سرور بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایک پھول ہے کہ سرخ، کوئی گلابی، کوئی زرد، کوئی کاسنی، کوئی اُودا، کوئی سفید۔ پھر ایک پیڑ میں مختلف الوان کے پھول بلکہ ایک پھول میں مختلف رنگتیں پھر یہ گلکاری اس صانعِ مطلق نے تمہارے لیے کی ہے تم شکریہ ادا کرو۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آلاء جمع ہے الی وءالی کی جس کے معنی ہیں نعمت واحسان کے۔ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ میں تثنیہ کا صیغہ جن وانس کی طرف خطاب کے لیے آیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَ الثَّقَلَانِ اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ میں نے اس سورہ کو جنوں کے سامنے پڑھا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں خطاب انسان کی طرف ہے اور عرب خطاب میں صیغۂ مفرد کو تثنیہ کر کے بول دیا کرتے ہیں۔

یہاں تک جس طرح مسئلۂ نبوت کا اثبات تھا اسی طرح دوسرے مسئلۂ توحید کا بھی کامل اثبات کر دیا گیا اس طور پر کہ جس نے دنیا میں آفتاب ومہتاب کو ایک خاص اندازے پر چلایا، ستاروں اور درختوں کو جھکایا، زمین کو بسنے کے قابل بنایا پھر اس میں طرح طرح کے درخت اناج اور پھل پھول اگائے وہی تنہا خداوند خدا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ سہیم۔

اس کے بعد انسان اور جن کی پیدائش کا ذکر کر کے دونوں مسئلوں کو قوت دیتا ہے۔ فقال خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ صلصال خشک مٹی کھنکھناتی۔ صلصلہ کے معنی ہیں آواز دینا، کھن کھن کی سوکھی مٹی میں سے آواز آتی ہے اس لیے اس کو صلصال کہتے ہیں۔ نار ٹھیکری صلصال بالفتح گل باریک آمیختہ یعنی غریژن فاذا طبخ بالنار یقال الفخار (مراح) آدمی کی پیدائش متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے۔ ٰل عمران میں من تراب اور حجر میں من حماٍ مسنون اور صافات میں طین لازب آیا ہے اور ایک جگہ ماء مهين آیا ہے اور اس جگہ ملصال کالفخار آیا ہے۔ ان میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ اختلاف نہیں کیونکہ روایاتِ اہلِ اسلام کے مطابق حضرت دم علیہ السلام کا قالب خشک مٹی سے بنایا گیا جو کھنکھناتی اور ٹھیکرے کے مثال تھی پھر اس کو مہین کر کے پانی سے گوندھا وہ طین لازب گارا ہوگئی پھر جب خمیر اٹھ گیا تو حماٍ مسنون ہوگئی اور اس کے بعد اس کی اولاد کا سلسلہ ماء مهين منی سے جاری ہوا۔

وخلق الجان من مارج من نار اور جان یعنی جنوں کے جدِّ اعلیٰ کو آگ کے شعلہ سے بنایا۔ مارج آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو جس طرح انسان عناصر سے بنا ہے جن بھی عناصر سے بنا ہے مگر جس طرح انسان کا زیادہ مادہ خاک ہے اسی طرح جن کا آتش۔ جس لیے وہ

لطافت کی وجہ سے حسِ بصر سے محسوس نہیں ہوتا اور سریع الحرکات وخفیف ہوتا ہے۔ پھر ان کے بہت سے اقسام ہیں جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی تاویل کر کے وجودِ جن کے منکر کہاں ہیں جو بتقلید فلاسفۂ حال جن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی انسانوں کی ایک جنگلی قوم بلحاظ لفظ جن قرار دیتے ہیں وہ یہاں کیا کریں گے یہاں تو انسان کے مقابلہ میں دوسری قوم بیان ہوئی اور ان کا مادہ بھی بیان فرمادیا۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ اے انسان وجن تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ دومشرق اور دومغرب کا رب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جاڑے میں آفتاب اور جگہ سے اور گرمی میں اور جگہ سے طلوع کرتا ہے۔ اس ظاہر فرق کے لحاظ سے مشرقین یعنی دومشرق کہتے ہیں۔ اسی طرح دونوں موسموں میں غروب بھی دو جگہ سے معلوم ہوتا ہے اسی لیے مغربین دومغرب کہے جاتے ہیں ورنہ ہر روز آفتاب کا طلوع وغروب دوسری جگہ سے ہوتا ہے جس لیے رب المشارق والمغارب کہا جاتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع

اس نے دو دریا ملے جلے چلائے۔ ان میں پردہ (رکھ دیا) ہے جس سے بڑھنے نہیں پاتے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور دریا میں پہاڑوں جیسے کھڑے ہوئے جہاز اسی کے ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب: المرج الارسال یقال مرجت الدابۃ اذا ارسلتھا یلتقیان حال و بینھما برزخ حال من الضمیر فی یلتقیان ولایبغیان حال ایضاً یخرج قالوا التقدیر من احدھما الجواری جمع جاریۃ وھی السفن وحذفت الیاء المنشئات من انشاء اذا رفعہ المرفوعات وقری بکسر الشین وفی البحر یتعلق بہ کالاعلام جمع علم وھو الجبل الطویل۔ حال من الضمیر فی المنشئات۔

تفسیر: ان آیات میں دوسرے مسئلۂ توحید کو ثابت کر رہا ہے مگر جہاں کہیں قرآن مجید میں اپنے دلائلِ قدرت وجبروت ذکر کر کے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے دلائل میں وہی چیزیں بیان فرمائی ہیں کہ جو بندوں کے لیے انعام اور کارآمد چیزیں ہیں یہ اس لیے کہ انسانی جبلت انعام کی وجہ سے منعم کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے۔ ان آیات میں بھی وہی قاعدہ ملحوظ ہے۔ فقال مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ کہ اس قادرِ مطلق نے دو دریا رواں کئے جو ملے ہوئے چلتے ہیں اور باہم مختلط نہیں ہونے پاتے ان میں ایک قدرتی برزخ یعنی پردہ رکھا ہوا ہے جس سے دونوں باوجود اتصال کے خلط ملط نہیں ہونے پاتے۔ یہ دو دریا کس کے بس میں ہیں اور کس کی حکومت ان پر نافذ ہے؟ اسی قادرِ مطلق کی۔

ان دو دریا سے کون سا دریا مراد ہے؟ ابن جریج کہتے ہیں بحرِ شور یعنی سمندر اور زمین کی میٹھی ندیاں مراد ہیں جیسا کہ نیل جیحون، دجلہ، فرات گنگ وغیرہ جب یہ سمندر میں گرتے ہیں کوسوں تک دونوں پانی جدا جدا ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ دو دھاریں الگ معلوم ہوتی ہیں، رنگت میں بھی اور پانی کے میٹھے کھاری پنے میں بھی۔ بعض کہتے ہیں خود سمندر ہی کے مختلف ٹکڑے مراد ہیں بحرِ فارس وروم وغیرہ۔

بعض محققین کہتے ہیں لفظ میں تعمیم سے یہ بھی مراد ہیں اور ان کے ساتھ اور بھی دریا مراد ہیں جیسا کہ دریائے ملکیت وبہیمیت جو ایک میٹھا اور ایک کھاری ہے۔ انسان کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں اور مختلط ہونے نہیں پاتے اور ان سے بعد تہذیب وشائستگی حاصل کرنے کے عمدہ

نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کو موتی اور مونگا کہنا چاہیے اور اسی طرح انسان کی ہر متضاد قوتیں مراد ہو سکتی ہیں جن کے دریا اس کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں۔

موتی سیپ میں پیدا ہوتا ہے اور مونگا ایک قسم کا پتھر ہے جو درخت کی طرح شاخیں نمودار کرتا ہے وہ بھی سمندر سے برآمد ہوتا ہے۔ موتی سفید یہ سرخ کیا قدرت ہے؟ یہ تو تھا ہی اور قدرت کا تماشا دیکھو وله الجوار المنشئات فی البحر کالاعلام۔ کہ بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز اور آگبوٹ پہاڑ جیسے سمندر میں کھڑے ہیں، پانی کی طبیعت تھی کہ ڈوب جائیں مگر وہ قادر مطلق نہیں ڈوبنے دیتا اس کے سامان پیدا کر کے ان کو سمندر میں ایسا دوڑاتا پھرتا ہے کہ جس طرح زمین پر گھوڑے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک اپنی قدرت و جبروت عناصر پر ثابت کی کہ جن کو اوہام پرستوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے ہنود آگ اور پانی کی پرستش کرتے ہیں اور پانی کی مایہ بتاتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ﴀ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

جو کوئی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے اور (صرف ایک) آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور بزرگی والا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اسی سے مانگتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے۔ ہر دن اس کی (ایک) نئی شان ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جن و انس! ہم ابھی تمہارے کام سے فارغ ہوئے جاتے ہیں پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ (کچھ ایسا ہی) زور ہو تو نکل سکتے ہو (لیکن وہ ہے نہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم دفع نہ کر سکو گے[1]۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فانٍ خبر لکل من ذو الجلال بالرفع علٰی انہ لغت للوجہ و بالجر لغتا للمجرور۔ یسئلہ مستانف او حال من وجہ والعامل فیہ یبقی۔ کل ظرف لما ول علیہ ھو فی شان لاتنفذون لا نافیۃ شواظ بالضم والکسر لغتان ھو اللھب الذی لا دخان معہ۔ من نار صفۃ او متعلق بالفعل۔ نحاس بالرفع عطفا علی شواظ بالجر عطفا علی نار والاول اقوی۔

تفسیر : دلائل توحید میں عالم اور اس کی عمدہ اور نافع چیزیں پیدا کرنے کا ذکر تھا تاکہ معلوم ہو کہ یہ عالم قدیم نہیں بلکہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اس کے بعد عالم فنا کرنے کی قدرت بیان کرتا ہے اور ان کے فنا کرنے میں اپنی قدرت و جبروت ظاہر فرما کر تیسرے مسئلہ حشر کو بھی اسی کلام

[1] پس تم تاب نہ لاسکو گے۔

کے دوسرے پہلو میں ثابت فرماتا ہے کہ وہی پیدا کرنے والا وہی مٹانے والا ہے۔ فقال کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کہ جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے۔اس تقدیر پر آیت میں جنت و دوزخ کی تخصیص کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ وہ زمین ہی پر نہیں ان کا فنا کرنا یہاں مذکور نہیں۔

وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ اور اے مخاطب! تیرے رب کی ذات باقی رہے گی ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ عزت و جلال والا ہے۔ وجہ سے مراد اس کی ذات اور اس کا وجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ربك میں واحد حاضر کی طرف خطاب اس رمز کے لیے ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اصلی مخاطب ہو تم ہی اس بات کو سمجھتے ہو تمہارا رب جیسا کچھ ہے تم ہی اس کو خوب جانتے ہو کہ وہ حی و قیوم ازلی ابدی ہے اور اس کے سوا ممکنات فی ذاتہا فانی ہیں ان کی حیات ان کا وجود مستعار ہے۔ دنیا کی فنا بھی انسان کے لیے اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے فنا ہونے کے بعد عالم باقی میں جانا میسر آئے گا جو بڑی نعمت ہے۔ عرفاء نے سچ کہا ہے موت پل ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچا دیتی ہے اس کے علاوہ انسان کا رنج اور متکبروں کا جاہ و حشم فانی پر غرور اور ان کی کامرانی کی انتہا اور ایک محدود زمانہ دیکھ کر مومن کے دل میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک اس کی بڑی نعمت ہے جس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

ایجاد اور فنا کے بعد یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ ہم نے ایک بار عالم کو پیدا کر دیا پھر سب کچھ آپ ہی ہو رہا ہے اور ایک روز ہم فنا کر دیں گے بس ہمارے کام کے یہی دو روز ہیں اور بیچ میں ہم کچھ نہیں کرتے جیسا کہ بعض اقوام کا خیال ہے بلکہ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے خواہ بزبان حال خواہ بزبان مقال اسی سے مانگتے ہیں اور وہ ہر روز نئی شان میں ہے اس کی شانیں بے انتہا ہیں جن کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتا ہے۔ عبداللہ بن منیب ؓ صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ہم نے پوچھا حضرت شان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ وہ گناہ بخشتا ہے اور غم دور کرتا ہے اور کسی قوم کو بلند اور کسی کو پست کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو حسن ابن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مندہ و ابن مردویہ و ابونعیم و ابن عساکر نے اور ابو درداءؓ سے یہی حدیث اپنی تاریخ میں بخاری نے و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ حق سبحانہ کی شیون اور اس کی نئی نئی تجلیات کا عالم میں ظہور ہوتا ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور آیندہ ہوگا اور قیامت میں ہوگا سب اس کی ایک ایک شان کا جلوہ ہے۔ وہ بیکار اور نکما نہیں کہ دنیا کو پیدا کر کے آپ بیکار بن بیٹھا جیسا کہ بعض حکماء اور ہنود اور دیگر اہلِ مذاہب کا خیال ہے خصوصاً حکماءِ فرنگ کا۔

اس کے بعد پھر دارِ آخرت کے مسئلہ میں اپنی شان بیان فرماتا ہے سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ۔ زجاج و کسائی و ابن الاعرابی و ابوعلی فارسی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں فراغ سے مراد وہ فراغ نہیں جو کام کے بعد ہوتا ہے کس لیے کہ اس کا کوئی ایسا شغل نہیں کہ جس سے فارغ ہونا کہا جائے اور نہ اس کی کوئی شان دوسری شان کو روکتی ہے بلکہ مراد ہے قصد کرنا۔ ثقلان ثقل کا تثنیہ ہے جس سے مراد جن و انس ہیں۔ ثقل بوجھ کو کہتے ہیں۔ انسان و جن احکامِ الٰہی کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں اس لیے ان کو ثقلان کہتے ہیں یا اس لیے کہ یہ بہ نسبت اور حیوانات کے بھاری بھرکم یعنی ذی عزت عاقل ہیں یا اس لیے کہ یہ گناہوں کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ یہ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ لکم میں جمع کا صیغہ لا کر پھر خطاب میں ایہاالثقلان تثنیہ کا صیغہ لایا اس لیے کہ وہ دو فریق ہیں اور ہر فریق جماعت ہے۔ بعض کہتے ہیں ثقلان سے مراد نیک و بد انسان ہیں۔ یا عالم ناسوت و ملکوت کے لوگ۔ یہ خلاف جمہور ہے۔ یعنی اے جن و انس! کیوں حساب و قیامت کے بارے میں جلدی کرتے ہو ہم ابھی تمہارا کام کیے دیتے ہیں۔ یہ دیر ہمارے نزدیک کچھ بھی دیر نہیں اس میں تہدید ہے منکرانِ قیامت کے لیے۔ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے کہ اس سے بدڈر کر بدی سے باز آئے اور نیک نیکی میں سرگرمی کرے۔ اس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ اس کے بعد یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک ہماری قدرت کے احاطہ میں ہے کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا فقال یٰمَعْشَرَ

الجِنِّ وَالاِنسِ اِنِ استَطَعتُم اَن تَنفُذُوا مِن اَقطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ فَانفُذُوا کہ اے جن وانسان کے گروہ اگر تم آسمانوں اور زمین کے حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ لَاتَنفُذُونَ اِلَّا بِسُلطٰنٍ نکل نہ سکو گے مگر قوت کے ساتھ اور وہ قوت تم میں کہاں ہے بلکہ کسی میں بھی نہیں۔ تم سب اس کی قدرت کے احاطہ میں بند ہو وہ جو احکام چاہتا ہے دنیا میں نافذ کرتا ہے کوئی ان پیش آنے والے حوادث کو ٹال نہیں سکتا اور آخرت میں تم پر اپنے احکامِ جبروتی نافذ کرے گا۔ یُرسَلُ عَلَیکُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرٰنِ۔ شواظ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں شواظ آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں نحاس۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا جو قیامت میں دوزخیوں پر ڈالا جائے گا۔ سعید بن جبیر و ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں نحاس دھواں جو جہنمیوں پر چھوڑا جائے گا۔ یعنی قیامت میں۔ اے جن وانس کے مجرمو! تم پر شعلۂ آتش اور دھواں چھوڑا جائے گا جس کو تم دفع نہ کر سکو گے۔ اس بیان میں بھی بوجہ تہدید ہونے کے جس سے انسان بدی سے بچ کر نیکی کا رستہ اختیار کرنے میں سرگرم ہو جائے بڑی نعمت و احسان ہے۔ جس لیے ان شدائد قیامت کے ذکر کرنے کے بعد بھی فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا لانا ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

فَاِذَا انشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَت وَردَةً کَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَیَومَئِذٍ لَّا یُسـَٔلُ عَن ذَنبِهٖۤ اِنسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ یُعرَفُ المُجرِمُونَ بِسِیمٰهُم فَیُؤخَذُ بِالنَّوَاصِی وَالاَقدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِی یُکَذِّبُ بِهَا المُجرِمُونَ ﴿۴۳﴾ یَطُوفُونَ بَینَهَا وَبَینَ حَمِیمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

پھر جب کہ آسمان پھٹ جائے اور پھٹ کر گلابی تیل کی طرح سرخ ہو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ پھر اس دن نہ کسی آدمی کے گناہ کی پرسش ہوگی اور نہ جن کی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گنہگار ان کے چہروں سے پہچانے جائیں گے پھر توپٹے اور ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹے جائیں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنم کہ جس کو گنہگار جھٹلایا کرتے تھے۔ گنہگار جہنم میں اور کھولتے ہوئے پانی میں تڑپتے پھریں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فاذا شرط فکانت جواب الشرط وقیل جوابہ فیومئذ الخ فکانت علیٰ ھذا عطف۔ وقیل جوابہ محذوف ای رأیت امرھولا۔ کالدھان جمع دھن کقرط وقیراط ورمح ورماح۔ وقیل اسم مفرد کالخرام والادام۔ خبرتان علی کان الناقصۃ وحال علیٰ تقدیر کونھا تامۃ عن ذنبہ والضمیر للانس باعتبار اللفظ وان تاخر لفظاً تقدم رتبۃً۔ والاخذ یستعمل بالباء تارۃً بغیرھا تارۃً یقال اخذت الخطام واخذت بالخطام قالہ الکرخی یطوفون حال من المجرمون ویجوزان یکون مستانفاان اسم فاعل منقوص کقاص۔ قال الزجاج انی یانی فھو آن اذا انتھیٰ فی النضج والحرارۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا یرسل علیکما شواظ من نار کہ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا۔ اب یہاں اس کا وقت بیان فرماتا ہے کہ یہ کب ہوگا؟ یعنی قیامت میں اس لیے قیامت کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کب ہوگی اور کیوں کر؟ اور تیسرے مسئلہ معاد کا بھی ذکر کرنا مقصود تھا مگر

اسی سلسلہ میں فقال اذاانشقت السماء کہ جس دن آسمان پھٹ جائیں گے پھر وہ گلابی ہو جائیں گے جیسا کہ سرخ چمڑا۔ فکانت وردۃ کالدھان کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں وردۃ سرخی مائل گھوڑے کی طرح ان کا رنگ ہو جائے گا۔ صراح میں ہے ورد بالفتح گل وردۃ یکے وقیل للا سدورد للونہ وللفرس ایضا دھو بین الکمیت والاشقر و للانثیٰ وردۃ والجمع ورد مثل جون وجون و وراذ ایضاً وردۃ گلگوں شدن۔ دھن بالضم روغن وباران ضعیف۔ دھان جمع۔ دھان بالکسر ایضاً ادیم سرخ۔ صراح

یہ اختلاف دھان کے لفظی معنی پر مبنی ہے۔ فراء ابو عبیدہ کہتے ہیں اس وقت شدت حرارت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو جائے گا اور حسن کہتے ہیں کہ جس طرح تیل کو پانی میں ڈال دیتے ہیں اور اس میں سرخی مائل مختلف ٹکڑے نظر آیا کرتے ہیں قیامت کے دن آسمانوں کا یہی حال ہو جائے گا۔ پہلے قول کی علت گازرونی وعمادی وغیرہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اصلی رنگت آسمان کی قدماء کے نزدیک سرخ ہے لیکن بعد مسافت اور کثرت حوائل وحواجز اور ہمارے اور اس کے بیچ میں ہوا آ جانے کی وجہ سے نیلگوں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ عروق میں خون باوجود سرخ ہونے کے نیلگوں دکھائی دیا کرتا ہے۔

ایسا ہو مگر فلسفۂ جدید یا قدیم کے مطابق کرنے میں ہم کو اس قدر موشگافی کرنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ خواہ آسمانوں کی اصلی رنگت سرخ ہو یا نیلگوں یا کوئی بھی رنگت نہ ہو بوجہ شفاف ہونے کے اور یہ نیلی چھتری صرف کرۂ ہوا کے سبب ہم کو نظر آیا کرتی ہے اور چونکہ آسمانوں کے تلے یہ چھت گیری ہم کو دکھائی دیتی ہے اور اسی لیے ہم اسی کو آسمان کہتے ہیں یا جو کچھ ہو قرآن مجید کا صاف مطلب اسی قدر سے متعلق ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائیں گے یعنی خراب ہو جائیں گے اور اس صدمۂ عظیم کے وقت سرخی نمودار ہوگی۔ یہ آسمان سرخ ہو جائے گا اس کے قہر وجبروت کے آثار اس پر ظاہر ہوں گے اور وہ خونی لباس سے ملبوس ہوگا۔

یہ بھی اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ آسمان فنا نہ ہوں تو عالم قدس آباد نہ ہو اس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر اس روز مجرموں کے ساتھ کیا ہوگا۔ فقال فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس ولاجان کہ اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت کچھ نہ پوچھا جائے گا۔ یہ بڑی تہدید ہے جس سے عاقل گناہ سے بچنے میں بڑی کوشش کر سکتا ہے اس لیے یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اس کے بعد اس پوچھے جانے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ کہ گنہگار ان کے چہروں سے خود پہچانے جائیں گے۔ گناہوں کا داغ اور اس کی سیاہی ان کے منہ پر خود بخود کہہ دے گی کہ یہ گنہگار ہے، پھر پوچھنے کی کیا حاجت؟ پھر ان کے سر کے بال اور ٹانگیں پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا النواصی جمع ناصیہ ماتھے کے بال۔

فائدہ: اس قسم کی آیات کے کہ جہاں نہ پوچھے جانے کا ذکر ہے وہ آیات مخالف نہیں کہ جہاں سوال کرنے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ یہ آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ کہ تیرے رب کی یعنی اپنی قسم کہ ہم ہر ایک سے ضرور ہی پرسش کریں گے) کس لیے کہ یہ سوال کرنا ایک مقام خاص پر مراد ہے اور نہ سوال کرنا دوسری جگہ ہوگا۔ یا یہ کہ وہ سوال کرنا بطور دریافت کرنے کے نہ ہوگا بلکہ سرزنش اور تہدید کے طور پر اور یہاں بھی سوال نہ کئے جانے سے یہی مراد ہے کہ بطور دریافت کے سوال نہ ہوگا کس لیے کہ ان کے چہروں سے معلوم ہو جائے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ کلام بھی بڑی تہدید کا ہے جو انسان کو سعادت کے رستہ پر کھینچ کر لانے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک نعمت ہے فقال فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر ان دوزخیوں سے کہا جائے گا هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ کہ یہ وہی تو جہنم ہے کہ جس کو یہ گنہگار دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ۔ اب یہ حال ہے کہ وہ گنہگار اس دوزخ میں اور اس کے اندر جو گرم اور کھولتا ہوا پانی ہے اس میں پھر رہے ہیں جس کا انکار تھا وہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

احادیثِ صحیحہ میں جہنم کے عذابوں کا مفصل طور پر بیان آیا ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب یہ ہوگا کہ اس کی جوتیاں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے جس سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح پکے گا وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں حالانکہ اس کو سب سے کم ہے۔ (متفق علیہ)

اس مصیبت دردناک سے خدا نے اس کی تدبیر بتلا کر بچنے کا سامان کیا۔ یہ اس کی کیسی نعمت ہے؟ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ انسان جو ان باتوں پر کان نہیں دھرتا تو اس نعمت کا انکار کرنا اور جھٹلانا ہے۔ یہاں تک مجرموں کی سزا کا بیان تھا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا تھا اس کے لیے دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ دونوں باغ بڑے پھلے پھولے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (اور) ان میں ہر ایک قسم کے میوے ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کا استر مخملی ہوگا۔ اور ان باغوں کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والیاں عورتیں ہوں گی کہ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ کسی جن نے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (رنگت میں) یاقوت اور مونگا ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : جنتان مبتداء لمن خاف خبرہ مقام ربہ المقام اما اسم منان ای خاف الموقف الذی یقف فیہ العباد للحساب کما فی قولہ تعالیٰ یوم یقوم الناس لرب العالمین واما مصدر رففیہ احتمالان اما بمعنی قیامہ تعالیٰ علی احوال العباد من قام علیہ اذ ارقبہ کما فی قولہ تعالیٰ فمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت واما بمعنی قیام العباد بین یدیہ۔ فعلی الاول اضافۃ الی الرب تفخیما وتھویلا۔ وقیل لفظ المقام مقحم ای ولمن خاف ربہ والمعنی لکل خائفین منکما اولکل واحد جنتان۔ ذواتا تثنیہ ذوات علی الاصل ولامھا تاء (الجلال المحلی) قال ابن الصائغ الالف قبل التاء بدل من یاء وقیل من واو وقال الخطیب فی تثنیہ ذات لغتان الاولیٰ الرد الی الاصل فان اصلھا ذویہ فالعین واو واللام یاء لانھا مونثۃ ذوی والثانیۃ

التثنیۃ علی اللفظ فیقال ذاتان ۔ وھو صفۃ الجنتان اوخبر مبتداء محذوف ۔ افنان جمع فنن وہی الغصنۃ[1] التی تنشعب من فرع الشجر ۔ وقال الزجاج جمع فن[2] کدن وھو الضرب والنوع من کل شی ء والمراد بھا الالوان وبہ قال عطاء وسعید بن جبیر وجمع عطاء بین القولین فقال فی کل غصن فنون من الفاکھۃ ۔ وقیل ذواتا انواعٍ واشکالٍ من الثمار وقیل الافنان ظل الاغصان علی الحیطان متکئین انتصابہ علی المدح للخائفین او حال منھم لان من خاف فی معنی الجمع وجنا الجنتین مبتداء ودان خبرہ اصلہ دانو مثل غاز فاعل اعلالہ وجنی فعل بمعنی مفعول الجنی ما تجتنی[3] من الثمار ۔ قاصرات الطرف من اضافۃ اسم الفاعل الی مفعولہ تخفیفا ۔ لم یطمثھن الضمیر راجع الی الازواج المدلول علیھن بقاصرات الطرف ۔ الطمث الجماع وقال ابوعمر والطمث المس ۔

تفسیر : یہاں سے اہلِ سعادت کے منازل بیان فرماتا ہے ۔ فقال وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ کہ جو دنیا میں اس بات سے ڈرا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے (اور یہی اصولِ حسنات میں سب سے بڑھ کر ہے یہی نظری اور عملی حسنات پر آمادہ کرتی ہے اور برائیوں سے باز رکھتی ہے) اس کے لیے آخرت میں دو بہشت ہوں گے ۔ ایک روحانی دوسری جسمانی اور دو اس لیے کہ ہمیشہ ایک مقام میں رہنے سے طبیعت بھر جاتی ہے کبھی یہاں کبھی وہاں سیر و تفریح کے لیے ایک گھر دوسرے سیر کا باغ ۔ ایک جنت معصیت ترک کرنے کے بدلے میں، دوسری اطاعت کے بدلے میں ۔ یا کہو ایک عقیدۂ پاک کے سبب دوسری اعمال کے سبب یا ایک محض فضلِ الٰہی کے سبب ۔

آگے ان دونوں باغوں کا وصف بیان فرماتا ہے ۔ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ شاخوں والے یعنی پھلے پھولے ہرے بھرے جن پر خزاں و بادِ صرصر و گرمی و سردی کا کبھی اثر نہ ہو ۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ فِیْھِمَا عَیْنٰنِ[4] تَجْرِیٰنِ ۔ یہ دوسری صفت ہے کہ ان دونوں میں دو نہر جاری ہوں گی نہایت صاف اور فرحت خیز پانی بلوریں چھپر اور ان میں منبت کے کام کئے ہوئے اور پھر کہیں فواروں میں سے پانی کا گرنا کہیں چادریں چھٹنا عجب فرحت بخشا ہے ۔ فبای آلاء الخ فِیْھِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِھَۃٍ زَوْجٰنِ ۔ یہ تیسری صفت ہے صرف بہار ہی نہیں بلکہ ہر ایک قسم کے میوے بھی ان میں ہوں گے جو نہ موسم کے تمام ہونے سے تمام ہوں اور نہ فصلوں کے خراب ہونے سے خراب ہوں ۔ زوجان الصنفان والنوعان والمعنی فی الجنۃ من کل نوع من ثمار الدنیا نوعان ۔ یعنی دنیا میں جس قسم کے میوے ہیں ان کی وہاں دو قسمیں ہوں گی رنگت اور ذائقہ اور خوشبو اور چھوٹے بڑے ہوتے ہیں فبای آلاء الخ مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی فُرُشٍ بَطَآئِنُھَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۔ تکیہ لگا کر ایسے عمدہ فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کے استر مخمل کے ہوں گے ۔ یہ چوتھی صفت ہے کہ پتوں اور گھانس اور پتھروں پر بیٹھنا نہ پڑے گا بلکہ ایسے عمدہ مقامات بنگلے اور بارہ دریاں اور کوٹھیاں ان باغوں میں ان نہروں کے اوپر نہایت صنعت کے ساتھ جواہرات سے بنی ہوں گی کہ جن میں ایسے فرش ہوں گے کہ جن کے استر عمدہ ریشمی مخمل کے ہوں گے پھر ان کے اوپر کے رخ کے تو کیا کہنے ہیں ۔ دستِ قدرت نے کیا کیا اس میں گلکاری کی ہوگی اور کیسا عمدہ کپڑا لگایا ہوگا ۔ بطائن جمع بطانۃ وہ رخ جو زمین سے ملا ہو ۔ استبرق ۔ موٹی دیبا یعنی ریشمی مخمل ۔ اور یہ بھی نہیں کہ باوجود اس خوبی کے جنت کے میوے ایسے بلند اور مشکل چڑھائی کے درختوں پر اور شاخوں میں ہوں کہ جن کے لیے محنت اٹھانی پڑے ۔

پانچویں صفت ہے ۔ عمدہ باغ اور نفیس مکانات اور آراستہ فروش اور عمدہ کھانوں کے بعد انسان کی طبع حسین عورتوں کی طرف مائل ہوتی بلکہ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ۔ ان کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے، ہاتھ بڑھاؤ اور توڑ لو ۔ کیسی ہی بلند شاخ ہے جھکی چلی آتی ہے ۔ یہ ہے

---

[1] شاخ ۔۱۲ [2] قسم ۔۱۲

[3] چنے ہوئے میوے ۔۱۲

[4] ابوبکر دراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں عینان تجریان میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں جو آنکھیں اللہ کی محبت یا خوف میں روتی تھیں وہی جنت میں ہوں گی ان کے آنسو وہاں دو جاری نہر کی صورت میں متشکل ہوں گے ۔ ابراہیم خواص فرماتے ہیں اسلام کی جزا دار السلام ہے ۔ دار السلام جنت کا ایک نام ہے ۔

اور یہ جلسہ ان سے دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایسے عمدہ مقامات پر یہ نہ ہوں تو حظ نہیں اس لیے فرماتا ہے فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ۔ یہ چھٹی صفت ہے کہ وہاں ایسی نیک سیرت عورتیں ہوں گی کہ جن کی نیچی نگاہیں ہوں گی۔ شوخ چشم غیروں کی گھورنے والیاں نہ ہوں گی اور یہ وصف ان میں پیدائشی ہوگا یہ نہیں کہ پہلے بدکارتھیں پھر توبہ کر کے نیک ہوگئی ہوں۔ ایسی عورتوں سے بھی غیرت مند طبائع نفرت کیا کرتی ہیں بلکہ لم یطمثھن ان کو کسی نے ان سے پہلے ہاتھ ہی نہیں لگایا ہوگا نہ جن نے نہ انسان نے۔ یہ ان کی سیرت کی خوبی بیان ہوئی کس لیے کہ سیرت صورت پر مقدم ہے بدسیرت ہے تو سب حسن صورت ہیچ۔ اس کے بعد حسن صورت بیان فرماتا ہے کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔ یہ ان کے صفائے رنگ میں تشبیہ ہے جو کمال حسن کو متضمن ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ انسان کا جہاں تک خیال جاسکتا ہے اور جن چیزوں پر اس کی رغبت ہے وہ یہی چیزیں ہیں جن کا بہ ترتیب بیان ہوا مگر وہاں اس کے خیال سے بھی بڑھ کر نعمتیں ہیں هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ دنیا میں جو کوئی نیکی کرتا ہے پھر اس کا وہاں نیک ہی بدلہ ہے گویا یہاں تک نیک بدلہ کی تشریح تھی۔ یہ آیت منجملہ ان چار آیتوں کے ہے کہ جن کے سو سو معنی سے زائد ہیں۔ ان کے کلمات جامع بے شمار معانی کو حاوی ہیں۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

اور ان دونوں باغوں کے سوا اور دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں بہت ہی سبز ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جوش مار رہے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں بڑی نیک سیرت عورتیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہوں گی جو خیموں میں بند بیٹھی ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا نہ جن نے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز اور رنگ برنگ کے عمدہ قالینوں پر پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے جو (بڑے) جلال و عزت والا ہے۔

ترکیب : جنتتان مبتداء ومن دونھما خبر مدھا متان صفۃ لجنتان او خبر مبتداء محذوف عینان موصوف نضاختان صفۃ الموصوف

والصفۃ مبتداء فیھما خبرہ وقس علیہ مابعدہ۔حور بدل من خیرات وقیل الخبر محذوف ای فیھن حور۔حال وذوالحال محذوف دل علیہ الضمیر فی قبلھم۔رفرف فی معنی الجمع وقیل رفرفۃ خضر صفۃ والاکرام بالجر عطفا علی الجلال وقرا ابن عامر بالرفع صفۃ للاسم۔

تفسیر : یہ اہلِ سعادت کے مقامات کی اور زیادہ تشریح ہے کہ ان خدا ترسوں کے لیے دو اور باغ ملیں گے جن کے اوصاف بعد میں بیان فرماتا ہے۔کیا یہ چاروں جنت ایک کے لیے ہوں گی؟ جمہور کے نزدیک وہ دو جنت ایک گروہ اہل سعادت کے لیے ہوں گی اور یہ دونوں دوسرے گروہِ اہلِ سعادت کے لیے۔یہ پہلی بہتر ہیں یا یہ دونوں پچھلی؟ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادر الاصول میں لکھتے ہیں۔یہ دونوں جن کا ان آیات میں ذکر ہے ان دونوں سے جن کا پہلے ذکر ہوا بڑھ کر ہیں۔دونھما کے معنی ہیں اقربھما امامھما کے کہ یہ عرش کے ان سے زیادہ قریب تر ہیں یعنی ان سے بالاتر کے مقامات ہیں مگر اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں ان دونوں سے کمتر درجہ کی جنت ہیں۔لفظ دون جس کے معنی کمی کے ہیں اس پر شہادت دے رہا ہے اور احادیثِ صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔وہ پہلی دو جنت سابقین مقربین کے لیے ہیں اور یہ اصحاب الیمین کے لیے۔

بعض کہتے ہیں اُن دونوں کا نام جنتِ عدن وجنتِ نعیم ہے اور اِن کا جنت الفردوس وجنت الماویٰ۔

مراہلِ سعادت میں سے سابقین مقربین کا درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ہیں اور اصحاب الیمین ان سے درجہ میں کم ہیں کیونکہ اصحاب الیمین صلحاءِ مومنین ہیں اس لیے ان کے لیے جو دو باغ ملیں گے بڑھ کر ہوں گے اصحاب الیمین کے دو باغ سے۔

اس لیے ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں پہلی دو جنتوں کے جو اوصاف ہیں قرآن مجید کے الفاظ سے ان کا ان اوصاف سے جو ان دو جنتوں کے ہیں بڑھ کر ہونا ثابت کر کے دکھایا ہے۔ایسی باتوں کو علمِ الٰہی کے حوالے کرنا میں پسند کرتا ہوں اس علم کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے۔مدھامتان مشتق ہے دھمۃ سے جس کے معنی لغت میں سیاہی کے ہیں۔کہتے ہیں فرس ادھم وبعیر ادھم جب کہ ان پر سیاہی غالب آ جائے ادھام ادھیماماً۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سبز کے۔محمد بن کعب۔کہتے ہیں تیز سبزی،سبزی جب تیز ہو جاتی ہے تو سیاہی مارنے لگتی ہے اسی سبزی کو دھمۃ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی پانی کی کثرت اور شادابی کے زیادہ ہو جانے سے ان دونوں باغوں کے درخت نہایت سبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

نضاختان نضخ کے معنی ہیں چشمے سے پانی کا ابلنا' فوارے کی طرح جوش مار کر نکلنا۔اور نضح حاء مہملہ سے جو ہے تو اس کے معنی میں کمی ملحوظ ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں ترشح اور چھڑکنے کے۔یعنی ان دونوں باغوں میں ایسے دو چشمے ہوں گے کہ جن کا پانی فوارے کی طرح سے گرتا ہوگا۔اس قسم سے پانی کا نکلنا بھی عجب فرحت خیز ہے۔

فیھما فاکھۃ و نخل و رمان ان میں میوے اور کھجور اور انار بھی ہوں گے۔یہ چیزیں باغوں کو خصوصاً عرب کے قلوب میں نہایت زینت دیتی ہیں کس لیے کہ کھجور تو ان کی عام خوراک ہے اور انار بمنزلہ شراب کے ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کھجور اور انار پر عرفِ عرب میں فاکہتہ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ ان کا فاکہہ پر عطف ہے اور معطوف علیہ معطوف کے غیر ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز نہیں ہوا کرتی۔

فیھن خیرات حسان۔ فیھن کی ضمیر انہیں دونوں باغوں کی طرف پھرتی ہے تغلیباً۔بعض کہتے ہیں ان دو کی خصوصیت نہیں اس میں پہلے دو باغ بھی شامل ہیں۔مکانات کی خوبی اور ان کی تروتازگی کے بعد وہاں کی دلکش چیزوں کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ان میں خیرات حسان ہیں خیرات کو جمہور نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے تب یہ خَیْرَۃٌ بوزن فعلۃ کی جمع ہے کہتے ہیں امرۃ خیرۃ یعنی اچھی عورت جیسا کہ

اس کے مقابل میں کہتے ہیں امرة شرة بری عورت اور بعض نے خیرات بالتشدید پڑھا ہے تب یہ خَیِّرَۃ کی جمع ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں خوبصورتی کے دوسری میں عادت واخلاق کی اچھائی کے اور بعض نے عام رکھا ہے مگر قوی یہی ہے کہ خیرات سے اخلاق وعادات کی خوبی مراد لی جائے اور حسان سے صورت کی۔ اور ممکن ہے کہ ایک لفظ دوسرے کی تائید کے لیے آیا ہو۔ حسان خوبصورت، یعنی ان دونوں باغوں میں خوبصورت اور حسین عورتیں ہوں گی۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ، ان باغوں میں خیمے ہوں گے جن میں حوریں پردۂ ستر میں ہوں گی۔ حسن کہتے ہیں وہ حور العین جو قرآن میں مذکور ہیں وہ یہی دنیا کی نیک عورتیں ہوں گی جن کو حسن وخوبی دے کر وہاں حور بنا دیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک وہ ایک نئی قسم کی عورتیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے جنت میں پیدا کی ہیں وہ دنیا کی عورتیں نہیں۔ اس پر جمہور کے پاس بہت سے شواہد نقلیہ موجود ہیں۔ پھر ان دونوں میں کس کا حسن زیادہ ہوگا؟ بعض کہتے ہیں حوریں بڑھ کر ہوں گی بعض کہتے ہیں دنیا کی نیک بیویاں ستر درجے بڑھ کر حسن میں حور سے زیادہ ہوں گی اور حوریں ان کے آگے لونڈیوں کی طرح رہیں گی۔ واللہ اعلم ان باتوں میں بھی کسی کے پاس کوئی حجتِ قاطعہ نہیں۔ مکانات میں ان حسین عورتوں کا رہنا اور خیموں میں سیر وتفریح کے لیے جانا انہیں کا جا کر رہنا وہاں حوروں کا موجود ہونا طبائع انسانیہ کے لیے نہایت مرغوب ہے۔

مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ۔ رفرف سبز اور خوبصورت عبقری پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ رفرف رف برف اذا ارتفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کے ہیں اور اسی لیے جو طائر ہوا میں پر کھول کر اڑتا ہے اس کو رفرفہ کہتے ہیں۔ آیت میں اس سے کیا مراد ہے؟ ابوعبیدہ کہتے ہیں اس سے مراد بچھونے۔ اور یہی قول ہے حسن ومقاتل وضحاک وغیرہم کا بعض کہتے ہیں تکیے بعض کہتے ہیں جنت کے چمن۔ مگر صحیح اول قول ہے کہ وہ عمدہ ریشمی قالین سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری عبقر کی طرف منسوب (عبقر زمین پریاں وعرب ہر چیزے از مردم دستور وجامہ وفرش وخبر آں را کہ در غایت قوت وحسن ولطافت باشد بوے منسوب کنند یقال ثوب عبقری وھو واحد وجمع والانثیٰ عبقریہ) صراح۔ اس سے مراد بھی وہی گدے اور تکیے اور نہالچے ہیں جو نہایت عمدہ ہوں گے اس کے بعد کلام کو اپنی ذات کی خوبی وبرکت پر تمام کرتا ہے تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ کہ جس نے انسان کے لیے یہ نعمتیں پیدا کیں[1]۔ ثوبان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تین بار استغفار کرتے اور پھر یہ کہتے تھے۔ اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذوالجلال والاکرام۔ (رواہ مسلم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ ① لَیْسَ لِوَقْعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ② خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ③
اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ④ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ⑤ فَکَانَتْ ہَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ⑥
وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَۃً ⑦ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ⑧

---

[1] اصل تبارک کی تبرک ہے جس کے معنی دوام وثبات کے ہیں اور اسی سے ہے برک البعیر وبرکۃ الماء کہ جہاں پانی ٹھہرتا ہے۔ یہ معنی ہوئے کہ اس کا نام سدا رہے گا اور سب خیر وخوبی اسی کو ہے کس لیے کہ برکت کا استعمال خیر میں ہوتا ہے یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی شان بلند اور وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔

ازاں جملہ کذب ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ جو اس کے وعدے ہیں سب سچ ہیں بعد مرنے کے ہر کوئی دیکھ لے گا ترغیب کے لیے جھوٹی باتیں نہیں بنائی گئی ہیں جیسا کہ ملحد کہتے ہیں۔

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۹ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۱۲

جبکہ واقع ہو جانے والی واقع ہو جائے (قیامت) جس کے واقع ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں (وہ) کسی کو پست کر دے گی اور کسی کو بلند جبکہ زمین بڑے زور سے لرزے گی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چورا ہو جائیں گے سو وہ غبار ہو کر اڑتے پھریں گے اور (اس وقت) تمہاری تین جماعت ہو جائیں گی ایک تو دائیں طرف والے دائیں طرف والوں کا کیا ہی کہنا ہے اور (دوسرے) بائیں طرف والے، بائیں طرف والوں کا گیا ہی برا حال ہے اور (تیسرے) آگے والے تو آگے والے ہی ہیں (اور) وہی مقرب بھی ہیں وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے۔

ترکیب : اذا والعامل فیھا اذکر اومادل علیہ لیس لوقعتھا کاذبہ ای اذاوقعت لم تکذب۔ اوھی ظرف لخافضۃ الرافعۃ اذ الثانیۃ تکریر للاولی اوبدل منھا کاذبہ مصدر کالعافیۃ والعاقبۃ ھی اسم لیس۔ خافضۃ رافعۃ قرأ الجمھور بالرفع علی انھما مبتداء محذوف وقری بالنصب علی الحال من الضمیر فی کاذبۃ اوفی وقعت۔ فاصحاب المیمنہ مبتداء مااصحاب المیمنۃ الجملۃ خبرولما کان الثانی عین الاول لم یحتج الی ضمیرالی المبتداء والسابقون مبتداء السابقون خبرہ قیل الثانی لغت للاول اوتکریر وتوکید اولئك الخ الجملۃ خبر۔ فی جنات النعیم خبرثان اوحال من الضمیر فی المقربون اوظرف قرأ الجمھور جنات بالجمع وقری بالافراد واضافۃ الجنات الی النعیم من اضافۃ المکان الی مافیہ کدارالضیافۃ۔

تفسیر : یہ سورہ مکے میں نازل ہوئی ہے ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم وحسن وعکرمہ وجابر وعطا کا یہی قول ہے۔ قتادہ کہتے ہیں صرف یہ آیۃ وتجعلون رزقکم الآیہ مدینے میں نازل ہوئی۔ کلبی کہتے ہیں اس میں سے چار آیات اَفَبِھٰذَا الْحَدِیْثِ الخ سفر مکہ میں نازل ہوئیں، باقی مدینے میں۔ پہلا قول قوی ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ نے شعب الایمان میں اور حارث بن اسامہ اور ابویعلی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہر ہر شب سورۃ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہ آئے گی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورۂ واقعہ غنی کی سورۃ ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔

یہ اور اس قسم کی احادیث جو بیشتر فضائل میں مذکور ہیں محققین کے نزدیک صحت وقوت کے درجہ کو نہیں پہنچیں مگر ان کے مطالب میں ذرا بھی شک نہیں۔ کس لیے کہ ہر کلام و ہر کام کا دنیا میں بھی ایک اثرِ خاص ہے۔ کلام کے اس اثر کے سوا جو اصل مقصود ہے یعنی سامع یا مخاطب کے دل پر بیٹھ جانا ایک اور بھی اثر خصوصاً کلام اللہ کا بارہا تجربے میں آیا ہے۔ آج کل کے لوگ جو سائنس (علوم) کی ترقی کا دم بھرتے ہیں ان باتوں کے منکر ہیں مگر ابھی ان کے سائنس نے کامل ترقی نہیں کی جب کرے گا بہت سی باتوں کو جن کا وہ اب انکار کرتے ہیں اقرار کریں گے اور کرتے جارہے ہیں۔

سورۃ الرحمٰن کے اخیر میں فرمایا تھا تبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام۔ اب اس سورہ میں اس کے کامل جلال واکرام کے ظاہر ہونے کا وقت بیان کرتا ہے کہ وہ کس دن ظاہر ہوگا؟ فرماتا ہے اذاوقعت الواقعۃ الخ کہ جب ہونے والی گھڑی جو کسی طرح ٹلنے ہی کی نہیں آئے گی یا یوں کہو جنت کی نعمتیں اور وہاں کے اسبابِ عیش وآرام کا ذکر ہونے سے نفوسِ سامعین مشتاق ہو کر پوچھتے تھے کہ یہ کب ہوگا؟ فرمادیا کہ جب قیامت آئے گی یعنی دوسرے جہان میں۔ اس جہان میں نہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان عیش وکامرانی کی جگہ نہیں۔ یہ

جہان کوشش، عمل اور تکالیف کی جگہ ہے جو بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے۔ اس سورہ میں زیادہ تر تیسرے مسئلہ قیامت کا ذکر ہے۔

واقعة قیامت کا نام ہے اس لیے کہ یہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اسی طرح اس کا نام ازفة وغیرہا ہے لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ کہ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ یہ کلمہ واقعة کی تاکید ہے۔ زجاج کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو کوئی رد نہیں کرسکتا اور یہی حسن و قتادہ کا قول ہے اور یہ بھی کہ اس دن اس کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا۔ پھر اس کی تصریح اور اس کے خواص بیان فرماتا ہے۔ خافضة کہ وہ گھڑی پست کرنے والی ہے بہت سے دنیا کے سربلندوں کو جو خدا تعالیٰ سے غافل اور اس کے منکر اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے، نیچا دکھائے گی۔ رافعة بلند کرنے والی بھی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو نیک ہیں اس روز سربلندی نصیب ہوگی گو وہ دنیا میں پست اور ذلیل تھے یہ کب ہوگا؟ اذا رجت الارض رجا کہ جس دن زمین ہلے گی۔ رجة اضطراب و حرکت۔ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا اور پہاڑ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، بس ٹکڑے ٹکڑے ہونا، ٹوٹنا۔ فکانت ھباءً مُّنْبَثًّا پھر وہ غبار اُڑتا ہوا ہو جائیں گے۔ ہباء کے معنی غبار اور منبثا کے معنی منتشر اُڑنے والا۔

حال کی فلاسفی کے بموجب بھی ایسا ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں۔ حال کے منجموں نے دُم دار ستاروں کی بابت تحقیق کر کے ان کے اجسام کا اندازہ ہزار ہا حصے زمین سے بڑا ثابت کر کے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حرکت ایسی تیز ہے کہ ایک دو منٹ میں ہزاروں کوس کا رستہ[1] طے کرتے ہیں اور ایک بار قریب تھا کہ یہ ستارہ زمین سے ٹکرا جائے مگر خیر گزری ورنہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ پس اس روز اگر ایسا صدمہ آنے سے یہ ہو جائے تو کیا بعید ہے اس لیے خدائے قہار سے ہر وقت ڈرنا چاہیے کہ ایسے اجرامِ عظیمہ ٹکرا کر ہر ایک کو چورا چورا کر دیں۔ ہر گھڑی یہ احتمال اور یہ دغدغہ لگا ہوا ہے۔

مگر یہ باتیں ظاہر بینوں کی ہیں جو عالمِ اجسام اور ان کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اس قادرِ مطلق کی بے انتہا قدرت اور طاقت کے آگے سب کچھ ممکن ہے۔ وکنتم ازواجا ثلثة۔ اس روز دنیا فنا ہونے کے بعد جب دوسرا عالم پیدا ہوگا اور لوگ بارِ دگر زندہ ہوں گے تو اے بنی آدم! تمہاری تین قسم یعنی تین گروہ ہو جائیں گے۔ پھر آگے تین گروہوں اور ان کے حالات و درجات کا بیان کرتا ہے۔ فقال فاصحاب المیمنة ما اصحاب المیمنة ایک وہ جو تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے یا یہ معنی کہ ان کو نامۂ اعمال دائیں طرف سے دیے جائیں گے یعنی دائیں والے یا یمن و برکت والے۔ یمن سے مشتق ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبے والے۔ عرب میں جو دائیں طرف سے چیز آتی تھی اس کو بہتر سمجھتے تھے اور بائیں طرف سے جو چیز آتی تھی اس کو نحوست پر محمول کرتے تھے اس لیے عمدہ اور بہتر یمین والی اور بری چیز شمال والی بطور استعارہ کے مراد ہونے لگی یعنی یمین والے کیا ہی عمدہ ہیں۔ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ اور بائیں[2] والے یا برے مرتبے والے شوم منحوس کیا ہی برے ہیں۔ یہ دوسرا فریق تھا۔ والسابقون الخ یہ تیسرا فریق ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و نیکی اختیار کرنے والے یا سعادت و حسنات میں سبقت کرنے والے یا اگلے لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام یا تختِ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے والے وہی درجات میں سبقت کرنے والے ہیں وہی مقرب ہیں جو جنات النعیم میں رہیں گے۔ اب کلام اس میں ہے کہ ان تینوں گروہ میں کون کون داخل ہیں؟ صحیح تر یہ ہے کہ اصحاب الیمین مومنین و صالحین ہیں خواہ امتِ محمدیہ کے ہوں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا پہلی امتوں کے اور اصحاب الشمال کافر و منافق و گنہگار۔

---

[1] ایسی تیز حرکت کا کیا ٹھکانا ہے پھر اتنے بڑے جسم کا جو زمین سے بہت ہی بڑا ہو زمین کے کرہ سے ٹکرانا اگر قیامت برپا ہونا نہیں تو اور کیا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بائیں طرف کھڑے ہونے والے یا بائیں طرف سے نامۂ اعمال پانے والے۔ ۱۲ منہ

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾

بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے پچھلوں میں سے بھی، جڑاؤ پلنگوں[1] پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (وہ) لڑکے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے جام لاتے لے جاتے ہوں گے کہ جس سے نہ ان کو درد سر ہوگا نہ بے ہوشی اور (نیز) جو میوے پسند کریں گے اور جس پرند کا گوشت چاہیں گے (وہ بھی لائیں گے) اور ایسی حوریں ہوں گی جیسا کہ صدف کا پوشیدہ موتی ان کے ان کاموں کے بدلے میں کہ جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں کوئی بیہودہ بات سنیں گے نہ خلاف تہذیب مگر باہم سلام سلام کی آواز۔

ترکیب : ثلة مبتداء۔ وھی القطعة والفرقة من ثللت الشیء اذا قطعتہ وقلیل معطوف علی المبتداء علی سرر الخ خبر وقیل ھم ثلة سرر بضم السین والراء الاولیٰ وقری بفتح الراء وھی لغة جمع سریر موضونة منسوجة والضن النسج المضاعف یقال وضن الشیء یضنہ فھو موضون ووضین متکئین ومتقابلین حالان من الضمیر فی الخبر وقیل متقابلین حال من الضمیر فی متکئین یطوف مستانفة ویجوزان یکون حالا باکواب متعلق بیطوف اکواب جمع کوب (کوزۂ بے دستہ) صراح۔ واباریق جمع ابریق کوزۂ بادستہ معطوف علی اکواب وحور بالرفع علی انہ معطوف علی ولدان او لھم حور ویقرء بالنصب علی تقدیر یعطون وبالجر عطفاً علی اکواب والحور جمع حوراء والعین جمع عیناء خبر او مفعول لہ او مفعول مطلق ای یخبرون جزاء الا قیلا استثناء منقطع سلاما بدل منہ او صفة او مفعولہ بمعنی الا ان یقولو سلاماً او مصدر ای یسلمون سلاما والتکریر للتکثیر ای یفشون السلام بینھم۔

تفسیر : اور سابقین انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام ہیں۔ ان تینوں فرقوں میں اعلیٰ درجہ کے سابقون ہیں لیکن سب کے اخیر ان کا ذکر اس لیے آیا کہ انہیں کے فضائل ودرجات کا سب سے اول بیان کرنا مقصود تھا اس صورت میں اتصال ہوگیا۔

فرقۂ سابقین کا ذکر : سب سے اول سابقون کے درجات بیان فرماتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلاتا ہے کہ سابقون پہلے لوگوں میں سے کتنے ہیں اور پچھلوں میں سے کتنے؟ اس لیے فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کہ یہ سابقین پہلے زمانے والوں میں سے ایک گروہ ہے اور پچھلے زمانے والوں میں سے تھوڑے سے۔ پہلا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ بے شک ان میں سابقین زیادہ ہیں کس لیے کہ ان میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخلصین شامل ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے اور پچھلا زمانہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک۔ ان میں سابقین بہ نسبت پہلے زمانے والوں کے کم ہیں گو فی نفسہٖ بہت ہیں

[1] تخت، چارپائی، پلنگ، چھپر کھٹ وغیرہ۔ ۱۲ منہ

ان میں ہمارے حضرت ﷺ ہیں اور آل واصحاب رضی اللہ عنہم واولیائے کرام جو سعادت کے درجۂ قصویٰ تک پہنچ گئے تھے۔

یہ مجاہد وحسن بصری رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی وہ حدیث کہ جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات شاق گزری کہ سابقین پہلے لوگوں میں سے بہت ہوں اور ہم میں سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم تمام اہل جنت کے چوتھائی یا تہائی بلکہ نصف ہو گے یعنی گو تم میں سے سابقین کم ہیں مگر جنت میں داخل ہونا سابقین میں سے ہونے پر موقوف نہیں۔ اصحاب الیمین بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ اصحاب الیمین تم میں سے ایک بڑا فریق ہے جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے۔ ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین۔ ابن سیرین وغیرہ کا قول ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ میں اسی امت خیر الامم کے اولین وآخرین مراد ہیں کہ اس کے اولین یعنی خیر القرون کے لوگوں میں سابقین بہت ہیں اور پچھلوں میں جو خیر القرون کے بعد کا زمانہ ہے ان میں سے کم۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب سابقین کے لیے جو وہاں عیش وآرام ہیں ان کا بیان فرماتا ہے۔ ان کے درجات اجمالاً ایک جملے میں پہلے بیان فرمائے تھے کہ اولئک المقربون کہ وہ مقربِ الٰہی ہیں۔ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اس کی تجلیِ جمال ومشاہدۂ انوار میں شاداں وفرحاں رہیں گے۔ فی جنات النعیم یہ مشاہدہ بری جگہ میں نہ ہوگا بلکہ نعمت کے بھرے ہوئے باغوں میں۔ اب ان نعمتوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ فقال عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ کہ طلائی تاروں سے بنے ہوئے تختوں اور چھپر کھٹوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے اور ان کے پاس ولدان مخلدون لڑکے کہ جن کا لڑکپن ہمیشہ رہے گا (فراء کہتے ہیں عرب اس شخص کو کہ جو بڑی عمر کا ہو اور اس کی صورت میں فرق نہ آئے مخلد کہتے ہیں یعنی وہ لڑکے ہمیشہ اسی حسن وجمال کے ساتھ رہیں گے یہ اس لیے کہ لڑکپن کا زمانہ اور حسن کی بہار بہت ہی تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مخلدون کے معنی ہیں کہ خلدہ یعنی بالا پہنے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کانوں میں بالے پڑے ہوں گے۔ وہ لڑکے کفار ومشرکین کی وہ صغیر اولاد ہو گی جو نابالغی میں مر گئے اور ممکن ہے کہ حوروں کی طرح وہ بھی ایک نئی مخلوق ہو، دنیا کے لڑکے نہ ہوں۔ لڑکوں کا خدمت کے لیے چیزیں لانا لے جانا صرف ان کے حسن کی وجہ سے بلکہ ان کی پھرتی اور بالے پنے کے ساتھ ہنسنے بولنے میں عجب لطف دیتا ہے)۔ ان کے پاس پیالے اور آبخورے اور رکابیاں اور طشتریاں (اکواب) اور لوٹے اور آفتابے یعنی چمکتے ہوئے دستہ دار برتن (اباریق) اور جام جن میں طلائی کام کئے ہوں گے (کاس) لائیں لے جائیں گے۔ پھر ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ سب سے پہلے جام کی چیز بتلاتا ہے جس کے پینے سے سرور ہو وہ کیا ہے معین صاف شفاف پانی یا کوئی جنتی عرق یا کوئی خاص وہاں کی ساخت کی شراب جو کسی برتن میں سے نہ انڈیلی جائے گی بلکہ اس کا وہاں چشمہ جاری ہوگا جس سے نہ سر میں درد اور خمار ہوگا نہ بیہوشی ہوگی۔ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا اور جب ہوش ہی بجا نہ رہے تو کوئی لطف باقی نہ رہا۔ ایک شخص مردے کی طرح پڑا ہے خواہ منہ میں مکھیاں گھسیں یا کتے موتیں اور اس کی محبوب چیزوں کو کوئی کام میں لائے وہاں ایسا نہ ہوگا اور اسی لیے دنیا کی شراب حرام کی گئی۔ اور ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ وفاکھۃ مما یتخیرون وہ عمدہ میوے کہ جن کو وہ پسند کریں گے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان پرندوں کا گوشت کہ جن کو چاہیں گے۔ پرند کا گوشت ہی مزے دار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔ یہ تو کھانے پینے کا سامان تھا مگر اس کی زینت اور جان حسین عورتوں سے ہوتی ہے اس لیے فرمایا وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ۔ حوریں یعنی گوری رنگت والیاں۔ عین بڑی بڑی آنکھوں والیاں جیسے سیپ کے اندر کے موتی۔ نہ کوئی عیب ہوگا نہ کسی کی صرف میں آئی ہوئی ہوں گی جیسا موتی سیپ کا کسی کے استعمال میں آیا ہوا نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی بیرونی عیب ونقصان پہنچا ہوتا ہے۔ وہ چھیدا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں میں اور نیز خوبصورتی میں سیپ کے

موتی کے ساتھ تشبیہ کیا عمدہ تشبیہ ہے۔ یہ بدلہ ہوگا ان کے دنیاوی نیک کاموں کا۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ کوئی ضرر و تکلیف نہ ہونا بھی بڑی خوبی ہے اس لیے فرماتا ہے لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا الخ کہ وہاں کوئی بیہودہ اور تاثیمہ یعنی قابل الزام رنج دہ بات سننے میں بھی نہ آئے گی۔ صرف باہم سلام کہنا اور اس کے متعلق جو دل خوش کرنے والی بات ہو۔

وَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسْکُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّ فَاکِهَةٍ کَثِیْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْکَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۳۸﴾ ع ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۰﴾

اور دائیں طرف والے کیا کہنا ہے دائیں طرف والوں کا وہ ان باغوں میں ہوں گے (کہ جہاں) بے خار بیریاں اور تہ بر تہ کیلے اور دراز سائے ہیں اور پانی کے جھرنے اور بہت سے میوے ہیں کہ نہ جن کی فصل تمام ہوگی نہ ان کی ممانعت ہوگی اور بلند فرشوں میں آرام کر رہے ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو ایک اٹھان پر اٹھایا پھر ان کو کنواریاں اور دل لبھانے والیاں ہم عمر بنا دیا ہے۔ (یہ سب) دائیں طرف والوں کے لیے (اس جماعت میں) اگلے لوگوں کا بھی ایک انبوہ ہے اور پچھلے لوگوں کا بھی انبوہ ہوگا۔

ترکیب : فی سدر الظرفیة للمبالغة فی التنعم والانتفاع به مخضود لاشوک له من خضد الشوک اذا قطعه اوثنی اغصانه من کثرة حمله لامقطوعة لغة لفاکهة وقیل معطوف علیها انشأنھن الضمیر للفرش لان المراد بها النساء عرب جمع عروب قال المبردھی العاشقة لزوجها وقال زید بن اسلم ھی الحسنة الکلام وقیل المحبوبة والاتراب جمع ترب وھو المساوی لک فی السن لانه یمس جلدھما التراب فی وقت واحد قیل یطلق علی النساء والرجال اقران۔ لاصحاب الیمین اللام متعلقة بانشأنھن اوبجعلنا۔

تفسیر......اصحاب الیمین کا ذکر: یہ دوسرے گروہ اصحاب الیمین کا ذکر ہے کہ وہ بہت ہی خوب لوگ ہیں اور ان کے لیے جنت میں یہ نعمتیں ہیں۔ فی سدر مخضود۔ باغات ہوں گے جن میں سے یہ چند درخت ہیں۔ سدر بیری مخضود بے خار یا جھکی ہوئی شاخیں جو پھلوں کے بوجھ سے جھک پڑیں۔ حاکم و بیہقی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا عرض کیا کہ یا حضرت میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے آپ نے پوچھا وہ کیا۔ عرض کیا سدر اس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے مخضود نہیں فرمایا ان کے کانٹے توڑ دیں جائیں گے ان کی جگہ پھل ہوں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیری مراد نہیں بلکہ ایک اور عمدہ درخت جو بیری سے مشابہ ہے طلح اکثر مفسر کہتے ہیں اس سے مراد کیلا ہے۔ مَنْضُوْدٍ تہ بہ تہ او پر تلے۔ اور ان کے سوا بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے۔ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْکُوْبٍ اور جا بجا سے پانی اوپر سے نیچے گرتا ہوگا اور فاکھة کثیرة بہت سے میوے جو لا مقطوعة قطع نہ ہوں گے یعنی کسی وقت تمام نہ ہوں گے برخلاف دنیا کے میووں کے کہ ان کی فصل تمام ہو جاتی ہے اور شائقین کا دل ترستا رہ جاتا ہے۔ ولا ممنوعة اور نہ ان کی ممانعت جس کا جہاں سے دل چاہے کھائے۔ وفرش مرفوعة اور بلند فرش ہوں گے یعنی بلند تختوں پر بچھے ہوں گے یا یہ معنی کہ خوبی میں بلند ہوں گے

بعض مفسرین کہتے ہیں فرشوں سے مراد عورتیں ہیں یہ مرد کے تلے بچھتی ہیں اس لیے بطور استعارہ کے ان کو فرش سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بلند ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند تختوں پر ہوں گی یا یہ کہ حسن و خوبی میں بلند قدر ہوں گی جیسا کہ سورۂ یٰس میں آیا ہے هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ اس لیے ان کی مدح میں فرماتا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ الخ کہ ان کو ہم نے پیدا کیا اور عجب اٹھان اٹھایا ہے کہ ان کو ابکار اکنواریاں بنا دیا ان سے پہلے کسی نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور اس کنوارپن کی وجہ سے ایسی نہ ہوں گی کہ ان کو مرد سے نفرت یا سرکشی ہو بلکہ عرب یعنی دل لبھانے والیاں' محبت کرنے والیاں' ناز و کرشمے سے دل کو کھینچنے والیاں ہوں گی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ اتراب یعنی ہم سن ہوں گی کس لیے کہ بڑی عمر کی عورت سے یا نہایت چھوٹی سے دل بستگی نہیں ہوتی ہم سنی کا بھی ایک عجیب لطف ہوتا ہے یہ کن کے لیے؟ اصحاب الیمین کے لیے جو پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے ایک ایک گروہ اور انبوہِ کثیر ہوگا۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۵ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿٤٢﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿٤٣﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ﴿٤٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿٤٥﴾ وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿٤٦﴾ وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۵ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿٤٧﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿٤٩﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۵ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿٥٤﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿٥٦﴾

اور بائیں طرف والے کیا ہی بری گت ہے بائیں طرف والوں کی وہ لوؤں اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں جہاں نہ ٹھنڈک ہے نہ عزت۔ کس لیے کہ یہ لوگ اس سے پہلے ناز و نعمت میں رہے تھے اور بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر چکیں گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔ تو کیا ہم تب بھی زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی۔ کہہ دیجئے ایک روز معلوم (وقت پر) سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کئے جائیں گے۔ پھر بے شک تم کو اے گمراہ' جھٹلانے والو! ضرور تھوہر کا پیڑ کھانا ہوگا پھر اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا۔ پھر تم اس کو پیاسے اونٹوں کی طرح پیو گے قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

ترکیب : السموم حر النار وقیل الریح الحارة جدا والحمیم الماء الحار الشدید الحرارة یحموم یفعول من الاحم او الحمیم وهو الاسود یقال اسود یحموم صفة لظل او حال وكذا لا بارد ولا كریم آ الاستفهام للانكار اذا والعامل فیه مایدل علیه مبعوثون لان مابعد الاستفهام لا یعمل فیما قبله وآباؤنا معطوف علی الضمیر فی لمبعوثون لوقوع الفصل بینهما بالهمزة والمیقات ماوقت به الشیء ای حدو منه مواقیت الاحرام والاضافة

بمعنی من والمعنی انھم یحشرون الی ماوقتت بہ الدنیا من یوم الحساب۔ من شجر من زائدۃ وقیل لابتداء الغایۃ من زقوم من بیانیۃ منھا الضمیر تعود الی شجر الزقوم لکون الشجر اسم جنس واسم الجنس یذکر ویؤنث شرب الھیم شرب قراء الجمھور بضم الشین وفتحھا وکسرھا قال المبرد بالفتح مصدر وبالکسر والضم اسم لہ۔ والھیم جمع اھیم والانثی ھیماء وقیل جمع ھیمان للذکر وھیما للانثی کعطشی او عطشان وھی ابل عطاش لاتروی لداء وقیل الرمال علی انہ جمع ھیام بالفتح وھو الرمل الذی لایتماسک جمع اولا علی وزن ھیم کسحب ثم خفف ای بدل ضمۃ الھاء کسر البقاء الیاء کما فی بیض جمع ابیض۔ والتقدیر شبر مامثل شرب الھیم وکل من المعطوف علیہ اخص من الاخر من وجہ فلا اتحاد۔

تفسیر...... اصحاب الشمال کا حال: اب تیسرے گروہ اصحاب الشمال کا ذکر کرتا ہے کہ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ کہ بائیں والے کیا ہی برے ہیں۔ پھر آگے ان کی بری حالت جو ان کے اعمالِ بد کا مظہر ہے بیان فرماتا ہے فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ کہ گرم ہوا یا آگ کی لپٹ اور گرم کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور یہ سایہ گرم دھوئیں کا سایہ ایسا ہوگا کہ نہ جس میں کچھ خنکی ہوگی جیسا کہ اور چیزوں کے سایہ میں ہوا کرتی ہے اور نہ کچھ آرام وعافیت ہوگا اور نہ کوئی عزت ہوگی۔

ابن حریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب اس لفظ کریم کو اور الفاظ کے پیچھے محض تبعاً ذکر کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ھذا الطعام لیس بسمین ولا کریم۔ معاذ اللہ سایہ بھی ملا تو کیسا اور جگہ بھی ملی تو کیسی؟

اس کے بعد ان کے اس ہیبت ناک جگہ اور مصیبت کدہ میں داخل ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال اِنَّھُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ کہ وہ پہلے یعنی دنیا میں بڑے عیش وآرام اور ترفہ میں تھے۔ فراغ دستی اور ترفہ اگر خدا پرستی اور نیکوکاری سے مانع نہ آئے تو کوئی بری چیز نہیں اس کی نعمت ہے مگر اس میں خرابی ہے تو یہی کہ یہ نفس پروری اور غفلت اور شہوانی اور غضبانی کاموں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے ظلم اور غرور دین اور بزرگانِ دین سے مقابل کر دیتی ہے اور دنیا میں رہنے اور یہاں کے اسبابِ تجمل پیدا کرنے پر آمادہ کرتی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ اور بڑے گناہ پر اڑی کیا کرتے تھے اسی دنیا کے مال وجاہ کے نشے میں۔ غریب آدمی کو جب کسی برے کام پر ملامت کی جاتی ہے تو بیشتر وہ نادم ہو جاتا ہے اور اڑتا نہیں مگر وہ پیٹ بھرے دولت مند کب مانتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ بڑے گناہ سے کیا مراد ہے؟ واحدی کہتے ہیں شرک اور یہی ضحاک وحسن وابن زید کا قول ہے مگر قوی یہی ہے کہ عموماً ہر ایک بڑا گناہ مراد ہے خواہ شرک ہو خواہ انکارِ آخرت ونبوت خواہ زنا وقتل وغیرہ اور اس پر اصرار کرنے کے معنی ہیں کہ اس سے نادم نہ ہو توبہ نہ کرے۔

وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ اَئِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ اور منجملہ ان کے گناہِ عظیم کے ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ مرکر بار دگر حشر میں زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور تعجب کر کے کہتے تھے کہ بھلا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو گئے تو پھر ہم اور ہمارے باپ دادا اگلے زمانے کے جن کی قبروں اور ہڈیوں کا نشان بھی باقی نہیں رہا بار دگر زندہ ہو کر اٹھیں گے۔

یہ بات ان کے نزدیک بڑی تعجب انگیز اور ان کے عقولِ ناقصہ کے احاطہ سے باہر تھی اور اصل سبب اس تعجب وانکار کا وہی کم بخت حبِ دنیا اور اس کا ترفہ تھا جس نے ان کے انوارِ فطریہ اور عقولِ صافیہ کو سیاہ کر کے ایسی باتوں کے سمجھنے سے قاصر کر دیا تھا اور ان کی محبتِ دنیا اس خطرے کو بھی ان کے دل میں جگہ نہ دیتی تھی کہ آخر ایک روز مرنا ہے اور مرکر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے جانا ہے۔

ان کے جہنم میں جانے کی یہی تین باتیں سبب ہوئیں جو تمام گناہوں اور ہر قسم کی اصل الاصول ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔ اس انکار کے جواب میں فرماتا ہے، قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ کہ اے محمد (ﷺ) ان منکروں سے کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب لوگ زندہ کر کے ایک روز جمع کئے جائیں گے۔

پھر اس روز اَیُّھَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡھَا الۡبُطُوۡنَ۔ اے گمراہو جھٹلانے والو! ان

نعمتوں کی جگہ تم تھوہر کا درخت کھاؤ گے اور یہ نہیں کہ ذرا چکھ لو بلکہ اس سے پیٹ بھرو گے۔ ہر چند وہ جہنم کا پیڑ جو دنیا کے تھوہر سے مشابہ ہے نہایت بدمزہ اور تلخ اور گلا گھونٹنے والا انتڑیوں کا زخمی کرنے والا ہے مگر بھوک کی تکلیف اس سے بھی زیادہ تم کو معلوم ہوگی اس سبب سے اس سے پیٹ بھرنا غنیمت جانو گے۔ پھر اس کے کھانے کے بعد پیٹ میں ایک سخت گرمی اور بے انتہا پیاس معلوم ہوگی۔ سرد پانی کی تلاش کرو گے۔ سرد پانی وہاں کہاں ناچار جہنم میں جو کھولتا ہوا پانی ہے فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ اسی کو پیو گے اور کس طرح فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ اس طرح سے اس پر گرو گے کہ جس طرح کئی دن کے پیاسے اونٹ خشک بیابانوں میں جو پانی دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف بے خود ہو کر دوڑتے ہیں اور اس پانی پر گرتے ہیں اس طرح یہ لوگ اس پر بھی گریں گے۔ اس پانی کے پینے سے انتڑیاں کٹ کٹ کر دستوں میں نکلیں گی ہر روز یہی معاملہ رہے گا۔ ہائے یہ کیسی بیماری اور کیسی مصیبت ہوگی (اللہ محفوظ رکھے) یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن جس کی وہ نعمتیں کھا کھا کر منکر ہو رہے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا
نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ
لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ
مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ
الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ع ۱۵

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں سچ نہیں جانتے (کہ وہ پھر بھی کر سکتا ہے) بھلا دیکھو تو وہ منی جس کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی (دوسری) حالت میں کہ جس کو تم جانتے بھی نہیں تم کو بنا کھڑا کر دیں[1] اور تم اول بار

[1] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خداوند قادرِ مطلق کے حقائقِ غیوب بے انتہا ہیں اور بے شمار و بے حد قدرت کے سانچے ہیں جس میں چاہے ڈھالے۔ سعادت کے سانچے میں یا شقاوت کے اور پھر ہر وقت ایک جدا سفر نئی منزل اور نیا میدان اس کے سامنے ہے۔ اس سے سمجھ لینا کہ انسان تناسخ کا لباس ←

کا پیدا کرنا جان بھی چکے ہو پھر کس لیے یہ نہیں سمجھتے (کہ قیامت کے دن بھی بنا سکتا ہے) بھلا دیکھو تو تم جو کچھ بویا کرتے ہو پھر کیا اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگایا کرتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں پھر تو تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم زیر بار ہو گئے بلکہ بے نصیب ہو گئے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ پانی کہ جس کو تم پیا کرتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا یا ہم اتارتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ آگ کہ جس کو تم سلگایا کرتے ہو کیا تم نے اس کا درخت اگایا یا ہم اگاتے ہیں ہم نے اس کو یادگار (قدرت) اور مسافروں کے کارآمد بنا دیا ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کرو جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب : نحن مبتداء خلقنا کم خبرہ افرایتم الھمزۃ للاستفہام والفاء للتفریع اوالعطف ما موصولۃ تمنون قراء الجمہور بضم الفوقیۃ من امنی یمنی وقری بفتحہا من منی یمنی وھما بمعنی واحد قیل بینھما فرق امنی اذا انزل عن الجماع ومنی اذا انزل من احتلام والمعنی ماتصبونہ فی ارحام النساء والجملۃ صلۃ۔ والموصول مع صلۃ مفعول ارء یتم بمسبوقین ای لایسبقنا احد فیھرب من الموت اوالعذاب اولایغلبنا احد من سبقۃ علی کذا اذا غلبۃ علیہ علی الاول حال من فاعل قدرنا الموت کائنین علی ان نبدل امثالکم اوعلۃ تقدرنا وعلی بمعنی اللام ومانحن بمسبوقین اعتراض وعلی الثانی صلۃ ظلتم بفتح الظاء مع لام واحدۃ قری بکسرھا معھا وقری ظللتم بلامین اولاھا مکسورۃ علی الاصل تفکھون تندمون علی مااصبتم بذلک من المعاصی فتحدثون فیہ والتفکہ التنقل بصنوف الفاکھۃ وقد استعیر للتنقل بالحدیث المزن جمع مزنۃ وھی السحابۃ البیضاء والمطر۔ اجاجا الاجاج الماء الشدید الملوحۃ الذی لایمکن شربہ وقیل الماء المر من الاجیج وھو تلھب النار فانہ یحرق الفم ولو لیست خالصۃ للشرط بخلاف ان وانما جاء فیھا معنی الشرط اتفاقا من حیث انھا تدخل علی الجملتین امتنع الثانیۃ لامتناع الاولی فلابد فی جوابھا من اللام لتکون علما علی ذالک وفی ھذہ الایۃ حذفت حیث قال جعلنا ولم یقل لجعلنا لعلم السامع بھا حیث ذکرت اولا۔ المقوین الذین ینزلون القواء ای البوادی والصحراء ای المسافرین یقال ارض قواء بالمد والقصر ای مغفرۃ وقال قطرب القوی من الاضداد بمعنی الفقر والغنی۔

تفسیر : تینوں گروہوں کا حال بیان کر کے دلائلِ حشر بیان کرتا ہے جو خاص انسان کی پیدائش اور اس کے حالات اور کارآمد چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

اول دلیل: انسان کا پیدا کرنا ہے اس بات کو پہلے تو اجمالی طور پر بیان فرماتا ہے فقال نحن خلقناکم کہ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے فلولاتصدقون پھر تم کس لیے اس بات کو سچ نہیں جانتے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے پھر اس پیدا کرنے کی کیفیت مشاہدہ کراتا ہے افرءیتم ماتمنون کہ کیا تم نے منی کو رحم میں ڈالتے نہیں دیکھا۔ کیوں نہیں بلکہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے پھر وہ منی ایک قطرہ پانی کا ہے جو غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ پھر اس منی کو تم انسان بناتے ہو یا ہم؟ نہیں اللہ ہی اس قطرۂ منی سے انسان بناتا ہے ورنہ انسان کو تو منی ڈالنے کے بعد کچھ بھی خبر نہیں رہتی کہ رحم میں قرار پانے کے بعد متحد الحقیقت چیز سے مختلف الطبائع چیزیں کس نے پیدا کیں کسی جز کو قلب کسی کو دماغ کسی کو جگر پھر کسی کو ہڈی کسی کو کچھ۔ یہ کاریگری کسی فاعلِ مختار کا کام ہے جس کے قبضے میں طبیعت کل کی طرح کام کرتی ہے اور منی کی بھی ضمیر پھر سکتی ہے کہ منی کو بھی تم نہیں بلکہ ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ابتداء ہماری طرف سے ہے انتہا بھی ہمارے حکم سے ہے۔ فَقَالَ نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات میں لوگ مرتے ہیں پھر جس کی ابتداء وانتہا ہمارے بس میں ہے کیا بارِ دگر پیدا کرنا ہمارے بس میں نہیں؟ ہم قادر ہیں کہ تمہارے جیسے اور لوگ پیدا کر دیں یا تمہاری حالت بدل دیں کہ مار کر ریزہ ریزہ کر دیں اور پھر جلا دیں۔ اول صورت میں امثال مثل بالکسر کی

← پہنتا ہے غلط سمجھ ہے کیونکہ یہ اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ ایسا کر سکتے ہیں اور نیز یہ تغیرات یا اسی عالم کے ہیں جو اس کے حالات کے تغیر وتبدل ہیں یا اس عالم سے دوسرے عالم کے۔ ۱۲ منہ

جمع ہے اور دوسری میں مثل بالفتح کی جس کے معنی ہیں صفت و حالت وَنُنْشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ اور تم کو اس ہیئت و حالت میں پیدا کر سکتے ہیں کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں یعنی انسان بنا کر تمہیں اور دوسری چیز بھی بنا سکتے ہیں۔ ابتداء و انتہا و درمیانی حالت بھی سب ہماری قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس لیے دلیل کو اجمالی طور پر اعادہ کرتا ہے فقال وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ کہ تم اول بار کا پیدا ہونا جان چکے ہو پھر کس لیے اس کو یاد نہیں کرتے اور کس لیے نہیں سمجھتے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل: أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ الخ بھلا رحم کے اندر پیدا کرنے کی کیفیت تو تھی ہی اب تم اپنی کھیتی کرنے کو دیکھو کہ تم زمین میں تخم ڈالتے ہو جو ہمارا پیدا کیا ہوا ہے پھر دیکھو زمین کے اندر تمہارا کوئی فعل موثر نہیں ہمیں اس کو اگاتے اور پیڑ بنا کر باہر لاتے ہیں اور اس پر بھی ہم ہر طرح سے قادر ہیں۔ چاہیں تو سکھا کر گھانس اور چورا کر دیں جس پر تم افسوس و حسرت کرنے لگو معلوم ہوا کہ نہ اس کے پیدا کرنے میں تمہارا اختیار تھا نہ باقی رکھنے میں پھر جو زمین میں ایک دانے سے ویسا ہی پیڑ پیدا کرتا ہے کہ جس کا وہ دانہ تھا کیا انسان کے کسی جزوِ جسم سے پھر اس کو اسی طرح زمین سے نہیں اگا سکتا؟ ضرور اگا سکتا ہے اور اگائے گا یہ بات اے بنی آدم! تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو۔

تیسری دلیل: أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ الخ بارش کے پانی کو دیکھو کہ جس کو تم پیتے ہو بھلا اس کو بادل سے کس نے برسایا ہے ہم نے یا تم نے۔ ہمیں نے بادل اٹھائے اور ہمیں ان میں سے شیریں پانی برساتے ہیں اور چاہیں تو اس پانی کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لائے کہ وہ قادر مطلق انسان کو بار دگر بھی زندہ کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ الخ تم اس آگ کو دیکھو کہ جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں جنگلوں میں سلگایا کرتے ہو پھر وہ درخت کس نے پیدا کیا تم نے یا ہم نے؟ ہم نے اس آگ کو اپنی قدرت یاد دلانے والا یا جنگل میں بھولوں کو رستہ یاد دلانے والا کر دیا کہ آگ کی روشنی دیکھ کر رات میں بیابانوں کے مسافر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور مسافروں کے برتنے کی چیز بنا دیا۔ اب سبز درخت دیکھو اور اس میں سے آگ کا نکلنا دیکھو خالق کی کیسی قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔[1]

عرب میں ایک قسم کا درخت ہے جب اس کی شاخوں کو باہم رگڑا جاتا ہے یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتی ہیں تو آگ نکل آتی ہے۔ عرب جنگلوں میں جہاں آگ نہیں ملتی اس آگ سے کام لیتے ہیں۔ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ میں بانسوں میں بھی باہم رگڑ کھانے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ دلائل کو تمام کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کے پاک نام کی تسبیح و تقدیس کرنے کا حکم دیتا ہے فقال فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔

---

[1] اول دلیل کو منی ڈال کر انسان کے پیدا ہونے سے ذکر کیا کہ وہ بھی ایک طرح کی کھیتی ہے پانی کے قطرہ کو تخم بنا کر عورت کے رحم میں اگاتا ہے جو اس کا کھیت ہے۔ دوسری دلیل کو ایک اور زیادہ محسوس کھیتی سے شروع کیا اور دونوں میں نہایت مناسبت ہے مگر اول سے انسان اور دوسری سے نباتات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اول کو مقدم کیا۔ شرف انسانی کی وجہ سے مگر پانی ڈالنے سے دونوں کی پیدائش تھی اس مناسبت سے تیسری دلیل میں پانی کا ذکر کیا جو اوپر سے زمین میں قضاء و قدر ڈالتی ہے جس میں انسانی صفت کو کچھ بھی دخل نہیں لیکن دونوں کھیتوں میں گو پانی سے پیدائش ہوتی ہے مگر ان پودوں کا نشو و نما بغیر حرارت کے نہیں ہوتا اس لیے چوتھی دلیل میں ایک ایسی حرارت اور آگ کا ذکر کیا جو انہیں نباتی چیزوں میں سے برآمد ہوتی ہے جس کو قضاء و قدر نے ودیعت رکھا تھا اس کو بھی ظاہر کر کے دکھا دیا اور اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا یادگار اور انسان کے لیے کارآمد بنا دیا۔ سفر و غربت کی حالت میں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حرارت جس سے یہ کاروبار چلتے ہیں خشک پیڑوں میں سے ظاہر نہیں ہوتی یعنی زندہ دل انسانوں میں بھی یہ حرارت رکھی ہوتی ہے مسافرینِ راہ عرفان و ترقیِ تمدن کے لیے چراغِ ہدایت و کارآمد ہے۔ اسی حرارت نے جو عرب کے سرسبز پودوں میں ودیعت تھی ان کو دینی و دنیاوی مقاصد کے اعلیٰ درجوں پر پہنچایا اور ان کے کاروانوں کے لیے جو ترقی کی راہ طے کرنے کے لیے سفر کرتے تھے رہبر ہوگئی۔ سبحان اللہ دلائل میں کیا ہی ارتباط ہے اور پھر الفاظ میں کیا ہی رموز و اسرار ہیں ان دلائل میں غور کرنے کے بعد زندہ دل انسان فوراً یقین کر سکتا ہے کہ وہ قادر مطلق بار دگر بھی انسان کو دوسرے طور سے پیدا کر کے حشر کے روز عدالت میں کھڑا کر سکتا ہے۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۷﴾ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡكُمۡ وَلٰـكِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ ﴿۸۶﴾ تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۸۷﴾

پھر میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ عزت والا قرآن ہے مخفی دفتر میں لکھا ہوا جس کو بغیر پاکوں کے اور کوئی نہیں چھوتا۔ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر کیا تم اس بات میں شک کرتے ہو اور تم نے اپنی یہی روزی بنالی ہے کہ تم جھٹلایا کرو پھر کس لیے جان کو روک نہیں لیتے جب کہ وہ گلے تک آجاتی ہے تم اس وقت تکا کرتے ہو اور تم سے زیادہ ہم[1] اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں تو کیوں اس کو لوٹا نہیں لیا کرتے اگر تم سچے ہو۔

ترکیب : فلا لا مزیدۃ للتاکید کمافی قولہ۔ وقیل انہا للنفی لا اقسم اذ لا حاجۃ الی القسم فان الامر واضح وقیل معناہ لیس الامر کما زعم الکفار ثم اکدہ بالقسم فقال اقسم بمواقع النجوم وانہ خبرہ عظیم لو تعلمون جملۃ معترضۃ بین القسم والمقسم علیہ انہ لقرآن کریم صفۃ فی کتاب صفۃ ثانیۃ لایمسہ ثالثۃ تنزیل رابعۃ لقرآن مع صفاتہا خبران والجملۃ جواب القسم وتجعلون معطوف علی مدھنون رزقکم مفعول اول لتجعلون انکم تکذبون الجملۃ مفعول ثان بمعنی ہلا اذا ظرفیۃ والعامل ترجعونہا انتم الخ الجملۃ حال ونحن الخ حال من فاعل تنظرون فلولا تکریر وتاکید للولا الاولی ترجعونہا المحضض علیہ لولا ان کنتم شرط جوابہ محذوف یدل علیہ ترجعونہا والمعنی ہلا ترجعون الروح ان کنتم غیر مملوکین مجزمین۔

تفسیر : ان دلائل میں اعجازِ قرآنی بھی اپنا جلوہ دکھا گیا تھا اور چوتھی دلیل میں ایک حرارت قدرتی کا ذکر تھا کہ وہ مسافروں کے لیے رہنما بھی ہو جاتی ہے اب ترقی کرتا ہے کہ ارضی چیزوں پر کیا موقوف ہے ستاروں میں بھی اس رہنمائی کا وصف رکھا گیا ہے اس لیے مواقع النجوم کی قسم کھا کر اور یہ جتلا کر کہ یہ قسم بڑی قسم ہے قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا اور اس کے چند اوصاف حمیدہ بیان فرماتا ہے جو اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اور وہ اوصاف بھی چار ہیں جن کو چار دلیل سمجھنا چاہیے۔ اس خوبی اور لطف کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو تمام کر کے مسئلہ نبوت کو ذکر کرتا ہے اس لیے کہ دلائل کے بعد کامل تسلی اس مسئلہ میں نقلی دلائل سے ہوتی ہے اور نقلی دلائل مخبر صادق کی تصدیق اور اس پر ایمان لائے بغیر فائدہ بخش نہیں ہوسکتیں۔

تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ تک مسئلہ نبوت کا ذکر ہے پھر اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ الخ سے مخالفین کے بے جا انکار وشبہات کا رد اور ان کا لچر و پوچ ہونا بیان کرتا ہے اور پھر انسان کی انتہائی حالت بیان کر کے (جو دنیا سے کوچ کرنے کے وقت نہایت عجز و بے بسی کے پیرایہ میں

[1] ہم تم سے بھی زیادہ مرنے والے کے قریب اور پاس ہوتے ہیں قرب علمی مراد ہے ہم سے مراد اس کے جان قبض کرنے والے ملائکہ مجاز ہیں ان کے کام اور ان کے حاضر و موجود ہونے کو اپنا کام اور اپنا موجود ہونا کہا جایا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

ظاہر ہوتی ہے اور اس سفر سے اس کا عزیز و قریب اس کو نہیں روک سکتا اور سب پڑے دیکھا ہی کرتے ہیں اور اس کی جان ہے کہ گلے تک پہنچ گئی ہوتی ہے اور وہ ہچکیاں لے لے کر دم توڑتا ہے اور اقارب واحباب پاس بیٹھے ہوئے محض بے بسی کی حالت میں آنکھوں سے آنسو بہایا کرتے ہیں اور اپنے آہ و نالے کی صدائیں بلند کرتے ہیں) اپنی قدرت و جبروت کا اظہار کرتا ہے کہ انسان یوں ہمارے بس میں ہے اور یوں اس کو ہم کشاں کشاں دوسرے عالم میں لیے جاتے ہیں اور تم بیٹھے دیکھا کرتے ہو۔

یہاں سے پھر مسئلہ معاد کی طرف (دلائل و تصدیقِ نبوت سے مستحکم کر کے) کلام کو متوجہ کیا جاتا ہے اور الفاظ میں سینکڑوں رموز و حقائق کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے۔ فلا اقسم بمواقع النجوم موقع کی جمع جس کے معنی ہیں ستاروں کے واقع ہونے کے یعنی ٹوٹنے یا غروب ہونے کی جگہ مبرد کہتے ہیں مواقع اس جگہ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب یا ٹوٹنے کی قسم کھاتا ہے۔ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ پچھلی رات جب جلوہ دکھا کر ستارے غروب ہونے کو ہوتے ہیں وہ بھی ایک عجیب وقت ہوتا ہے گویا عارف کی نظر میں (جو تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اور ان انوار و برکات سے حصہ پا کر بیٹھتا ہے جو اس وقت مناجات و عبادات کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں) ستاروں کا غروب ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ اس آفتاب بنانے والے پر نثار ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جمال کا جو ایک ادنیٰ مظہر آفتاب برآمد ہونے والا ہے اس کے سامنے رونمائی کی ان کو تاب نہیں اور یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے انسانوں کا غروب یاد دلاتے ہیں (قتادہ وغیرہ) حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں مواقع النجوم سے مراد قیامت کے دن ان کا ٹوٹنا۔ (اور بے نور ہونا جو بڑا حیرت انگیز وقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد قرآن مجید کی آیات اور ان کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا۔ مواقع یعنی ٹوٹنا)۔

یہ استعارہ ہے۔ نزولِ آیات کی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اگلے کلام کو موکد کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں انبیاء و اولیاءِ کرام کے دل مراد ہیں جہاں اس کے انوار و محبت کے ستارے ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد نیک باخدا لوگ ہیں جو دنیا کی اندھیری رات میں ستارے ہیں اور ان کا ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا یکے بعد دیگرے دنیا سے گزر جانا اور اس کو خالی کرتے جانا ہے جو حسرت و افسوس و عبرت کا مقام ہے۔ اس بات کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ کلام الٰہی میں ان سب احتمالات کی گنجائش ہے کیا بلیغ کلام ہے۔ یہ چیزیں کہ جن کی قسم کھانا مذکور ہوا بڑی چیزیں ہیں اس لیے فرماتا ہے کہ یہ بڑی قسم ہے مگر کب؟ جب کہ تم جانو اور جب جہالت اور نادانی ہے جانتے ہی نہیں تو تمہارے نزدیک کچھ بات نہیں۔ قرآن کریم اول مدح ہے۔ فی کتاب مکنون یہ قرآن کی دوسری مدح ہے کہ وہ مخفی دفتر میں ثبت ہے کوئی اس میں تحریف و تبدیل نہیں کر سکتا۔ کتاب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ جو لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہے اور ممکن ہے کہ حفاظ کے دل مراد ہوں کہ اس مخفی دفتر میں قرآن کو قضاء و قدر نے لکھ دیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب مکنون سے مراد توریت و انجیل ہو کیونکہ یہ کتابیں مکنون یعنی مخفی ہیں اصلی کتابیں تو چھپ گئیں ان کے نام کی دو کتاب موجود ہیں ان میں قرآن کا ذکر تھا۔ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ مصحف بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں قرآن مجید لکھا ہوا ہوتا ہے یعنی اوراق۔

قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کہ اس کو پاک ہی ہاتھ لگاتے ہیں، یہ تیسری مدح ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم اگر اس کو جملہ خبر یہ مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم۔ واحدی کہتے ہیں اس تقدیر پر اکثر مفسرین کے نزدیک ضمیر کتابِ مکنون کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتابِ مکنون یعنی لوحِ محفوظ کو بجز پاک لوگوں کے یعنی ملائکہ مقربین کے جو جمیع نجاستوں ظاہری و باطنی سے پاک ہیں اور کوئی نہیں چھوتا کیونکہ وہی اس کو وہاں سے یاد کر کے دنیا میں لاتے ہیں اور اس کو معناً نہی قرار دیا جائے جو تاکید[1] کے لیے بصورت نفی صادر ہوئی ہے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پاکوں کو ہی اسے چھونا

[1] کس لیے کہ نفی کی صورت میں مخاطب کو خیال ہوتا ہے کہ خلاف کرنے میں امر کی تکذیب لازم آئے گی اس کو وہ گوارا نہیں رکھتا (مثال نہی) تم نہ کرو اور نفی یہ کہ تم نہ کرو گے دوسری بات میں تاکید ہے۔ ۱۲ منہ

چاہیے۔اس تقدیر پر لایمسہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے۔ یہ جمہور فقہا اور اکثر محدثین کا قول ہے یعنی بے وضو، بے غسل جنابت اور حیض ونفاس میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ حضرت علی وابن مسعود وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید رضی اللہ عنہم وعطاء وزہری ونخعی وحکم و حماد وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اس بارے میں احادیث بھی وارد ہیں چنانچہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ کتب حنفیہ میں ہے کہ محدث وحائض ونفاس والے کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر جدا گانہ غلاف میں ہو تو مضائقہ نہیں کہ غلاف کو ہاتھ لگایا جائے۔ ہاں بے وضو کو پڑھنا درست ہے اگر حافظ ہو اور اگر دیکھ کر پڑھتا ہے تو قلم یا اور کسی چیز سے ورق الٹے۔

مدھنون۔ ادہان۔ مداہنت جھٹلانا اس کے اصلی معنی ہیں چکنا کرنا چونکہ جھٹلانے والا چپڑی چکنی باتیں بنایا کرتا ہے اس لیے اس کے اس فعل کو مداہنت وادہان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غیر مدینین غیر مطیعین۔ اوغیر مجزمین اوغیر حاسبین۔ واللہ اعلم۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾
وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

ع ۳ | ۱۶

پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (ان کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہے (تو اس کو سنایا جائے گا) کہ اے شخص تو جو دائیں طرف والوں میں سے ہے تجھ پر سلام اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو (اس کے لیے) کھولتے پانی اور آگ میں جلنے کی ضیافت ہے بے شک یہ (جو بیان کیا گیا ہے) کامل یقینی ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کیا کر جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب: فروح جواب فاما جواب ان مستغنی عنہ بجواب اما والتقدیر فلہ روح قراء الجمہور بفتح الراء وقری بالضم فالفتح مصدر والضم اسم لہ وقیل بالفتح معناہ الراحۃ بالضم معناہ الرحمۃ مجازاً العلاقۃ السببیۃ لانہا کالسبب لحیوۃ المرحوم ریحان اصلہ ریوحان علیٰ فیعلان قلبت الواو یاء وادغم ثم خفف مثل سید وسید وقیل ہو فعلان قلبت الواو یاء وان سکنت والفتح ماقبلہا۔(ابن الصائغ) تصلیۃ بالرفع عطفا علیٰ نزل وبالجر عطفا علیٰ حمیم حق الیقین ای حق خبر الیقین فالموصوف محذوف الصفۃ قائمۃ مقامہ۔

تفسیر: تینوں گروہوں کا بعد موت کے جو حال ہوتا ہے اس کو بیان فرماتا ہے یعنی جب کہ روح جسم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہے نیست ونابود نہیں ہو جاتی نہ وہ دنیا کے تنگ میدانوں میں تناسخ کے ذریعے سے اجسام مختلفہ کے لباس پہن کر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ فاما ان کان من المقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لیے رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ[1] وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ۔ عیش وعمدہ روزی اور نعمتوں کے بھرے پرے باغ ہیں۔ باغ وبہار اور خوشبوئیں اور بہشت میں ہر قسم کی شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اور اگر اصحاب الیمین میں سے ہے تو فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ تو تجھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا اے مخاطب! ان کی طرف سے سلام یعنی سلامتی ہے رنج وغم سے ان کا ایسا عمدہ حال ہوگا کہ جس کو دیکھ کر تجھے رنج وغم نہ ہوگا وہ عذاب سے سالم ومحفوظ ہوں گے یا یہ معنی کہ وہ ایسے

---

[1] الریحان الرزق میں الجنۃ قالہ مجاہد مقاتل وقیل رزق بلغۃ الحمیر وقال الحسن ہو الریحان المعروف الذی یشم۔۱۲ منہ

خوش حال میں ہوں گے کہ وہاں خوش ہو کر تجھ پر سلام بھیجیں گے یا یہ کہ اے صاحب الیمین تجھے تیرا دوسرا بھائی سلام کرے گا یعنی آپس میں خوش وخرمی میں ایک دوسرے سے سلام علیکم کہے گا جیسا کہ عید وغیرہ خوشی کے دنوں میں باہم ملتے اور سلام کیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتہ اللہ کی طرف سے اس کو سلام کرے گا اور خبر دے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے[1]۔ (اہل سعادت)

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ اور اگر وہ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے یعنی اصحاب الشمال (مگر اصحاب الشمال کو ان الفاظ سے اس لیے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ یہی بدخصلت ان کو اس عذاب میں لائی ہے فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ تو اس کی مہمانی اور ضیافت کھولتا ہوا پانی وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور آگ میں ڈالا جانا ہے یعنی وہ زقوم کھانے کے بعد کھولتا پانی پئے گا اور آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی ضیافت اور مہمانی یہ ہے اور یہ اس کے لیے سامانِ مہمانی تیار ہیں جانے ہی کی دیر ہے۔ ہائے بہت لوگ دنیا میں بدکاری و کفر میں گرفتار ہیں اور ان کو ہر قسم کی کامرانی اور عیش اور دنیاوی عزت و جاہ بھی ہے اور اپنے لیے بڑے بڑے سامان دوام کے لیے کر رہے ہیں کہ یکا یک موت آئے گی۔ صبح دنیا کی ان شادمانیوں میں تھا شام سے پہلے اس عالم میں ان بلاؤں میں گرفتار ہو گیا اور ایسے بھی ہیں کہ نیک و باخدا ہیں گر دنیاوی تکالیف تنگدستی، بیماری، خواری، بیکسی، غربت میں گرفتار۔ موت آگئی دوسرے عالم میں سلطان و کامران ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دولت منداور ایک معزز نامی محتاج و بیمار کا انجام کار بیان فرمایا کہ دولت مند دوزخ میں گیا اور وہ محتاج جو اس کی ڈیوڑھی پر اس کے بچے ہوئے ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا اور کتے اس کے زخم چاٹا کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں بیٹھا ہوا اس کو نظر آیا اور التجا کی کہ کاش عزیز اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے منہ میں ٹپکا دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ نہ ہوگا تو دنیا میں مزے اڑا چکا وہ تکلیف پا چکا تیرے اس کے درمیان جہنم کا گڑھا ہے یہ تیرے پاس بھی نہیں آسکتا (انجیل۔ لوقا۔ ا باب) یہ باتیں بظاہر اہلِ دنیا کے خیال میں نہیں آتیں اس لیے فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ کہ یہ مذکور یقینی ہے۔ پھر دارِ آخرت کے توشہ حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کو اس کے بزرگ و برتر نام کی تقدیس و تسبیح کیا کر۔ یہی آخرت کا بڑا ذخیرہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے سے پاک ہے جو کچھ فرمایا حق ہے۔ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے کہ جس کا لطف بیان سے باہر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ② هُوَ الْاَوَّلُ
وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ③ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا
يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ

[1] بعض پاک لوگوں کو خواب یا مکاشفہ میں دارِ آخرت کے یہ حال جو مرنے کے بعد پیش آتے ہیں دکھائے بھی جاتے ہیں جس سے وہ دنیا ان کی آنکھوں میں گرد و سرد ہو جاتی ہے اور وہ اس جگہ کے مشتاق رہتے ہیں یہاں ان کا کسی حال میں دل نہیں لگتا اور خواب میں بھی آکر بعض نے یہ کیفیت بیان کر دی ہے۔

فِيهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۵﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۶﴾

اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور ظاہر اور پوشیدہ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ کہ زمین میں گھستا ہے اور جو کچھ اس سے برآمد ہوتا ہے اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا اور جو کچھ کہ اوپر کو چڑھ کر جاتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا وہی بادشاہ ہے۔ اور سب چیزیں اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ وہی داخل کر دیتا ہے رات کو دن میں اور داخل کر دیتا ہے دن کو رات میں اور وہ دلوں کے راز کو (خوب) جانتا ہے۔

ترکیب : یحیی ویمیت فی محل الرفع لکونہ جزالمبتداء المحذوف ای ھو۔

تفسیر : اس سے پہلی سورۃ کو اپنے نام پاک کی تسبیح کرنے پر تمام کیا تھا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔ اب اس سورۃ کی ابتداء میں اس تسبیح کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کہ تمہیں پر کچھ موقوف نہیں آسمانوں کے رہنے والے فرشتے (اور روحانیات حضرات انبیاء واولیاء کرام) اور زمین کے رہنے والے ملائکہ و جمادات و نباتات اور کل موجودات اپنی زبانِ حال سے اس کی یکتائی وصنعت وربوبیت وکمال کی گواہی دے رہے ہیں اور یہی ان کی تسبیح وتقدیس ہے۔ جو لوگ زبان سے تسبیح وتقدیس کرتے ہیں مومنین و ملائکہ کرام خواہ وہ ارضی ہوں خواہ سماوی وہ زبان سے باقی کا دلالتِ حال تسبیح کر رہا ہے۔

یہ لفظ تسبیح قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں آیا ہے۔ اس سورہ اور سورۂ حشر اور صف وغیرہ میں بصیغۂ ماضی اور سورۂ جمعہ وتغابن وغیرہ میں بلفظ مضارع یسبح اور بعض میں بصیغہ امر سبح جیسا کہ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ بنی اسرائیل کے اول میں بصیغۂ مصدر سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بعبدہ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی تسبیح وتقدیس کسی وقت کسی حال میں منقطع نہیں بلکہ ہر حال میں ہونی چاہیے گویا یوں فرمایا، اس کی تسبیح وتقدیس ہوتی آئی ہے اور ہوگی اور ہوتی رہتی ہے اور ہونی چاہیے اور اے لوگو! تم بھی کرو۔ اور مافی السمٰوات الخ میں یہ اشارہ ہے اے بنی آدم! کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح وتقدیس موقوف نہیں اس کی تسبیح وتقدیس کرنے والے بہت ہیں آسمانوں کے فرشتے اور دیگر چیزیں اور زمین کے رہنے والے اور دریا کے جانور اور بیابانوں کے وحوش وطیور سوراخوں کے چیونٹے اور درند وپرند، نباتات وجمادات۔ اگر سننے والے کے کان ہوں تو عرش سے لے کر فرش تک اس کی تسبیح وتقدیس کا غلغلہ اور شور ہے۔ خاصانِ خدا نے کبھی جمادات کی تسبیح بھی سنی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی جس وقت کہ وہ کھایا جاتا تھا تسبیح سنا کرتے تھے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غرض اس کہنے سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورہ میں یہ ہے کہ اے مشرکو، اے جاہلو، تم نے جو اپنے اوہام باطلہ اور قیاسات فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں، کسی نے اس کے لیے بیٹیاں کسی نے بیٹا، کسی نے اس کے کارخانۂ قضاء وقدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں، کسی نے انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا ہے، کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس کے لیے تکان ثابت کیا ہے کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا ہے، کسی نے اس کو بغیر وسائل کے ہندوؤں کی دعائیں سننے سے بہرا قرار دے کر وسائل تجویز کر کے ان کی پرستش اختیار کی ہے، کسی نے اس کو عالم پیدا کرنے کے بعد معطل ٹھہرا رکھا ہے،

وہ ان سب باتوں سے پاک ہے، اس کی پاکی زمین و آسمان کی ہر ایک چیز بیان کر رہی ہے۔

اس کے بعد وہ ان امور کے ابطال اور اپنی قدرت و کمال کے ثبوت میں جو تسبیح و تقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرماتا ہے مگر اسی سادے اور دل پسند طریق سے۔ دلیل اول وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ تسبیح تنزیہ یعنی برائیوں سے مبرا کرنا۔ یہ دو باتیں چاہتا ہے اول یہ کہ جس کو عیوب سے مبرا کہا جاتا ہے وہ بے انتہا قدرتِ کاملہ رکھتا ہو کہ جس کے سبب کوئی عیب و نقص عجز کی وجہ سے اس کے گرد نہیں آنے پاتا۔ اس میں بے شمار باتیں آ گئیں جورو بچوں سے پاک ہونا جسم و مقتضیاتِ جسم اور ہر قسم کی شہوانی و نفسانی خواہشیں بھوک، پیاس، نیند، اونگھ، موت و بیماری کسی کام کے کرنے پر بغیر کسی آلات و اسبابِ معین و مددگار کے قادر نہ ہونا سب سے پاک ہے۔ دوسری بات قدرت کے ساتھ حکمت بھی ہو کہ حقائق الاشیاء اور ہر چیز کی مناسب تدبیر آغاز و انجام حاجات و عبادات ان کے دلی معاملات، عالم کے انقلابات سب سے بخوبی واقفیت بھی ہو زور ہو اور حکمت و تدبیر نہ ہو وہ بھی بہت سے عیبوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ اس واقفیت کو حکمت کہتے ہیں۔ پہلی بات کے لیے العزیز دوسری کے لیے الحکیم فرما کر دعوے کو مدلل کر دیا۔ اب رہی یہ بات کہ دراصل اس میں یہ دونوں وصف ہیں بھی یا نہیں؟ اس کے ثبوت میں عالم کے تصرفات کو دلیل میں پیش کرتا ہے۔ فقال لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین پر اسی کی حکومت اور اسی کی سلطنت ہے۔ یہ بات ہر روز مشاہدے میں آ رہی ہے کیونکہ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ گو عالمِ اسباب میں انسان اور حیوان اور جملہ موجودات کا وجود و عدم جس کو حیات و موت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب عقلِ دوربین سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہو گا جس کے لیے آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر جس کے قبضۂ قدرت میں عالم کا ایجاد و انعدام ہے پھر اس کی کامل بادشاہی میں کیا کلام ہے؟ کس بادشاہ کو رعیت پر یہ اختیارات حاصل ہیں؟ اور لطفِ بلاغت یہ دیکھو کہ اس کو مضارع کے صیغوں سے بیان کیا تاکہ معلوم ہو کہ بالفعل یہی مارتا جلاتا ہے ہر روز یہ فعل جاری ہے اور رہے گا یہ نہیں کہ کر چکا جس میں کوئی کلام کر سکے۔ اس لیے اس بات کی آپ ہی تصریح بھی کرتا ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ پھر اس قدرتِ کاملہ کا اظہار اپنی چار صفتوں میں ثابت کرتا ہے فقال هُوَ الْاَوَّلُ کہ وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں کیونکہ ہر شے کا موجد ہے اور علت کا وجود جملہ معلولات سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء جب ہوتی کہ کوئی اس سے پہلے ہوتا پس وہ ازلی اور قدیم ہے۔ ذات و صفات میں اور جو کچھ ہے وہ حادث ہے ذات و صفات میں ان کی نیستی ان کی ہستی سے مقدم ہے اور اسی طرح وہ الآخر بھی ہے سب کے بعد وہی رہے گا۔ یعنی ابدی بھی ہے سب مٹ جائیں گے پر وہ رہے گا اور الظاہر اور وہ سب پر غالب اور بلند بھی ہے سب سے برتر ہے۔ یا یہ معنی کہ تجلیات اور موجودات کے پردوں میں سے ایسا ظاہر ہے کہ اس قدر کوئی چیز ظاہر نہیں۔ مصنوع جب اپنی خوبیوں کا جلوہ دکھاتا ہے اس سے پہلے اس کے صانع کی خوبی اور اس کا وجود جلوہ گر ہوتا ہے انہیں معنوں میں بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں سب سے پہلے اس میں اللہ کو دیکھتا ہوں ؎

کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست ہر چہ بینی بداں کہ مظہرِ اوست

باوجود اس کے الباطن صانع بھی ایسا ہے کہ کسی کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس کی حقیقت ذات ادراکِ ابصار و عقول سے محتجب ہے۔ یا یوں کہو کہ جس طرح سب سے بلند اور اونچا ہے اسی طرح سب سے نیچا بھی وہی ہے۔ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ "اگر تم کنوئیں میں ڈول ڈالو گے تو وہ اللہ ہی پر جا کر پڑے گا۔" اس کے یہی معنی ہیں۔ وہ ہر طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے احاطہ سے کوئی باہر نہیں، سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ ترمذی و مسلم وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس میں ایک دعا کا تلقین فرمانا مذکور ہے۔

وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح احمد و مسلم وغیرہ نے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بھی حدیث نقل کی ہے جس میں ان چاروں لفظوں کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔

یہاں تک پہلی بات کا ثبوت یعنی العزیز کی توضیح و تفسیر تھی مگر انہیں میں سے دوسرے وصف کا بھی جلوہ نمایاں تھا اس لیے اس کی بھی تصریح کردی وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یہ الحکیم کی تفسیر ہے اس کے بعد ایک گزشتہ اور ماضی فعل کو ذکر کرتا ہے جس سے اس کی کمال قدرت و حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔ فقال ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ کہ اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ اس کی تفسیر کئی جگہ ہو چکی ہے۔ ثم استویٰ علی العرش۔ اس کے بعد تختِ حکومت پر تصرفات کرنے کو بیٹھا۔ اس کی بھی تفسیر و تحقیق ہو چکی۔ اس کے بعد پھر اپنی حکمت و علم کا اظہار کرتا ہے یعلم ما یلج فی الارض کہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں گھستا ہے۔ پانی اور نباتات کے تخم اور خزانے اور مردوں کی لاشیں وغیرہ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اس کو بھی جانتا ہے نباتات معادن وغیرہ وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے۔ ملائکہ، رحمت، عذاب، بارش، احکام حوادث وغیرہ سب کو جانتا ہے۔ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا اور جو کچھ نیچے سے اوپر چڑھ کر جاتا ہے بندوں کے نیک اعمال اور نیک روحیں اور بعض انبیاء زندہ اور بندوں کی دعائیں اور زمین کے ابخرات سب کو جانتا ہے اور انہیں پر کیا موقوف ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ دیکھ رہا ہے۔

پھر اسی جملہ کا اگلے مضمون کی تمہید بنا کر اعادہ کرتا ہے۔ فقال مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کے بعد پھر اپنی قوت و حکمت کا اظہار کرتا ہے۔ فقال وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ عالم سفلی سے لے کر علوی تک اور جسمانی سے لے کر روحانی تک جن کے کاروبار اسباب پر مبنی ہیں۔ سب اسباب اسی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی قبضۂ قدرت میں ہیں اور تمام کائنات کا وہی مرکزِ اصلی ہے سب کا میلان اسی طرف ہے۔ ع ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سوروئے تو بود۔ مگر بہیمیت کے ظلمات اور رسم و رواج کی تقلید کے بغیر اس کے رستے میں حائل ہو کر اس کو اس طرف جانے سے روک دیتے ہیں انہیں کے دور کرنے کو دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ سب چیزوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی اس کے ہاتھ میں ہونا بیان فرماتا تھا اس کے بعد چند بڑی بڑی باتوں کا اس کی طرف رجوع کرنا فرماتا ہے فقال یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ الخ۔ رات دن کو دیکھو کہ وہ قادرِ مطلق ان کو کس طرح سے الٹی پلٹی دیا کرتا ہے۔ تمام جہان منور ہوتا ہے دن کی بادشاہت زور پر ہوتی ہے کہ اس کو نیست کر کے رات کو اس میں داخل کر دیتا ہے پھر رات دخیل ہو کر تمام جہان پر اپنا قبضہ کر لیتی ہے۔ اس کے بعد پھر دن کو اس میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ کیسا انقلابِ عظیم ہے پھر کس کے قبضہ میں ہے؟ اسی کے۔ آفتاب بھی اس کے حکم سے چلتا ہے، اس کی لگام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اس کی قدرت کا نمونہ ہے اور علم کی یہ کیفیت ہے کہ وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ ان چیزوں کو بھی تو جانتا ہے جو سینہ میں ہوتی ہیں یعنی دل میں مخفی ہوتی ہیں۔ دل کی بات کو سینے کی بات بھی محاورۂ عرب میں کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ دل سینہ میں ہوتا ہے انسان کے تمام مخفی ارادے اور خطرات بھی اس کے سامنے حاضر ہیں۔ جب یہ ہے تو انسان کو اپنے دل میں سب سے عمدہ خیال اور سب سے اعلیٰ اعتقاد رکھنا چاہیے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ۞ وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۞ ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ ع مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس چیز میں سے جس میں تم کو قائم مقام کیا دیا کرو (اللہ کی راہ میں) پھر وہ جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے خرچ بھی کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے اور تم کو کیا ہوا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور رسول ہے کہ تم کو تمہارے رب پر ایمان لانے کے لیے (برابر) بلا رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے چکا ہے۔ اگر تم کو یقین آئے وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ لوگوں کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لاوے اور اللہ تو تم پر بڑا عنایت فرما مہربان ہے اور تم کو کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا کہ جس نے فتح مکہ[۲] سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک جن کا بڑا درجہ ہے ان لوگوں سے کہ جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور (یوں تو) اللہ نے ہر ایک سے نیک وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ کوئی ہے جو اللہ کو خوش دلی سے قرض دے کہ وہ اس کو دو چند کر کے دے اور اس کے لیے عمدہ بدلہ ہے۔

تفسیر: اس لیے اس کے بعد فرمایا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں اس کے بعد کچھ عمدہ کام بھی کرنے چاہییں اور اعمال میں خلقِ خدا کے ساتھ سلوک کرنا بڑا عمدہ کام ہے اس لیے اسی کو ذکر کیا۔ وَاَنْفِقُوْا الخ کہ خیرات بھی کرو۔ ابتداءِ اسلام میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ قریش کی سخت کشاکش میں تھے، ایمان لانا اور خیرات کرنا ہی سکھایا جاتا تھا اور باتوں کے ماننے کی ابھی ان میں صلاحیت نہ تھی جب صلاحیت بڑھتی گئی اور احکام بھی تکمیلِ سعادت کے لیے فرض ہوتے گئے۔ اس لیے اس آیت میں ان کفارِ قریش کو انہیں دو باتوں کی طرف بلایا جاتا ہے مگر مال خرچ کرنا آسان کام نہیں۔ طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لیے مختلف طور سے اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ (۱)

---

۱ والرسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا انسان کی حالت اور دہر کا انقلاب اور تواترِ نعماء سب اللہ کے پیغامبر ہیں جو انسان کو اللہ پر ایمان لانے کے لیے بلا رہے ہیں اور دلائلِ آفاق وانفس خدا کا عہد نامہ ہے جو بندے نے زبانِ حال سے قائم کیا ہے۔ ان دونوں باتوں پر بھی ایمان نہ لانا اس کی طرف نہ جھکنا اندھا پن ہے ایسے اندھے کا عالمِ محسوس کی بھی کسی چیز اور کسی حالت پر ایمان نہیں ان کنتم مؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اگر کسی کا ان باتوں پر ایمان ویقین ہوگا تو ضرور اللہ ہی پر ہوگا۔ ۱۲ منہ

۲ قبل الفتح کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انکشافِ حجابِ ظلمانی سے پہلے مال وجان سے اس کی تلاش میں جہاد وکوشش کرنا اعلیٰ درجہ ہے کس لیے کہ بعد فتح یعنی انکشاف تو مال، جان صرف کرنا کوئی بڑی بات نہیں اس تقدیر پر فتح سے فتح مکہ بالخصوص مراد نہیں بلکہ عام ہے فتح بمعنی انکشافِ حجابات وفتح بمعنی دفعِ مصائب وفتح بمعنی حصولِ مرادات ونعماء جن میں سے اعداءِ دین پر فتح اور ان کے مسکن پر غلبہ بھی ہے جو فتح مکہ کو بھی شامل ہے اور نفسِ امارہ پر فتح یابی کو بھی شامل ہے مگر اصل معنیٰ وہی ہے جو متنِ تفسیر میں مذکور ہوئے جو متبادر الی الفہم ہیں۔ ۱۲ منہ

مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ اس مال میں سے دو جس کا خدا نے تم کو خلیفہ یا وارث بنایا، باپ دادا کی میراث یا کسی کے عطیہ یا کسی سبب[1] سے حاصل ہونا۔ کل وہ غیر کے پاس تھا آج اس کے پاس یہ اس کا خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سدا کسی کے پاس نہیں رہا ہے نہ تمہارے پاس رہے گا آنی جانی چیز ہے اس میں جو کچھ ہو سکے اپنے عہد میں نیکی کر لو مرنے سے یا دیگر اسباب سے یہ دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے۔ (۲) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ جو ایمان لائیں گے اور اللہ کے رستے میں دیں گے ان کے لیے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا یہ ضائع نہ جائے گا۔ کبھی اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ اکثر تو اس جہان میں ملتا ہے جہاں یہ مر کر جاتا ہے اور دوسری زندگی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال و اسباب دکھائی نہیں دیتا کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا بھائی یہ میرا گھر نہیں مسافر خانہ ہے چند روزہ مہمان ہوں، مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصلی گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حبِّ مال پر رونے لگا۔ یہاں سے ایمان کی بھی تاکید شروع ہوگئی کیونکہ یہ نہیں تو خیرات کا بھی نفع نہیں اور یہی اعتقاد تو اس کو خیرات پر حرکت دیتا ہے اس لیے ایمان کی تاکید کرتا ہے۔ فَقَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ الخ کہ تم کس لیے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کا رسول تم کو ایمان لانے کے لیے کہہ رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے لیا ہے یا تو وہی عہد ازلی جو روحوں سے لیا گیا تھا یا دنیا میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا حاصل کرنا اور روزمرہ صدہا دلائل دیکھنا عقل سلیم کا عہد ہے کہ اپنے اللہ پر ایمان لائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم کو ایمان لانا منظور ہے تو کس لیے نہیں لاتے۔ بعض کہتے ہیں ان الخ جملہ شرطیہ ہے جزا محذوف ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم کو اجرِ عظیم ملے گا۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الخ کہ اللہ جس پر ایمان[2] لانا چاہیے وہ ہے کہ جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آیتیں نازل کر رہا ہے خاص تمہارے بھلے کو کہ تم کو گمراہی کی اندھیریوں میں سے نکال کر ہدایت و سعادت کی روشنی میں لائے اور اللہ تم پر بڑا مہربان ہے جو اس نے ایمان لانے کے لیے رسول بھیجا ورنہ اس کو کیا پروا تھی۔ یہ بیچ میں تاکیدیں ایمان کے لیے تھیں جو مقصدِ اصلی ہے۔ (۳) تاکیدہ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا الخ خیرات کے لیے کہ تم کس لیے خرچ نہیں کرتے آخر چھوڑ جاؤ گے سب اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ یا یہ کہ سب مال اللہ کا ہے اس کے بدلے میں تمہیں اور دے گا۔

(۴) پھر خیرات کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لَا يَسْتَوِيْ کہ خیرات اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ابتداءِ اسلام میں مکہ فتح ہونے سے پہلے فقراءِ اسلام پر بڑی تنگدستی تھی اس وقت کا دیا بعد کے دیے کے برابر نہیں جس نے اس وقت اللہ کی راہ میں دیا اور جہاد کیا، جان اور مال دونوں کام میں لایا اس کا اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے مگر جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لیے بھی کیا مگر مدار نیت اور خلوص پر ہے اس لیے فرما دیا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ جانتا ہے۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ اس سے مت ڈرو کہ ہمارے دین کا اس کو علم نہ ہوگا پھر بدلہ کیونکر ملے گا جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کے کارگزاروں کو فکر ہوتی ہے جس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ آقا کو یہ کارگزاری معلوم ہو جائے۔ (۵) مَنْ ذَا الَّذِيْ الخ۔ یہ اور زیادہ اللہ کی راہ میں دینے کی تحریک ہے یعنی جو کچھ تم دیتے ہو اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے دینے والا ہے۔ پھر کوئی ہے جو اس کو قرض دے جو دگنا واپس دے اور اپنی طرف سے عمدہ اجر بھی دے؟ ہرچند خدا تعالیٰ کو کسی کی کچھ حاجت نہیں نہ وہ محتاج ہے، نہ اس کو قرض لینے کی حاجت ہے مگر یہ اس کی رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے لیے کسی حاجت مند کو دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ اپنی ضمانت دیتا ہے کہ یہ اس نے ہم کو قرض دیا ہم دگنا کر کے دیں گے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں

---

[1] تجارت ہو یا حرفہ۔ ۱۲ منہ

[2] گمراہی کے بہت اقسام تھے ہر ایک کی جداگانہ ظلمت تھی جس میں اس عہد کے لوگ مبتلا تھے اس لیے ظلمات جمع کا صیغہ ہے اور ایمان و ہدایت کی روشنی ایک ہی نور ہے اس لیے مفرد لایا۔ ۱۲ منہ

خدا تعالیٰ فرمائے گا بندے میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ الٰہی تو ان باتوں سے پاک تھا۔ فرمائے گا تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرتا گویا میری عیادت کرتا اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا گویا مجھ کو کھلاتا کیونکہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور ہر دردمند پر اس لیے یہ مصائب خاص لوگوں پر نازل ہوتی ہیں یہود بدبخت نے اس بات کو سمجھا نہیں یہ جملہ سن کر کہہ دیا کہ اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔

سبحان اللہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں دینے کی کس قدر بلیغ تاکید کی گئی اور کن کن پیرایوں میں اول یہ کہ مسکین کو دینا ہم کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ ہم دگنا کر کے دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس کے سوا اور بھی عمدہ اجر دیتے ہیں۔ چہارم مَنْ ذَا الَّذِیْ استفہام کیا کہ کون ہے جو ہمیں قرض دے گویا ہم مانگ رہے ہیں پھر اس پر بھی جو کوئی نہ دے تو بڑا ہی بدبختِ ازلی ہے۔ اے میرے اللہ آپ پر جان اور مال فدا[1] ہے جو تو نے ہی دیا ہے۔

یہ تمام صفات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ فتح مکہ سے پہلے وہ ایمان لائے، جہاد بھی کیا، اللہ کی راہ میں مال بھی دیا۔ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر امامت کے مسئلے سے (جس کا مدار انتخاب پر تھا جو حسن خدمات ولیاقت و کارگزاری اور فضل علم و صحبت پر تھا جس لیے ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا) کس لیے ان کو کافر و مرتد اور غاصب بنایا جائے؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد میں خلیفہ بنانے سے ان پر جھوٹے الزام لگائے جائیں سخت بے جا بات ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۗ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۗ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

(اے رسول!) جس دن کہ آپ دیکھیں گے ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور ان کی دائیں طرف ان کی روشنی (ایمان) دوڑتی چلی جا رہی ہوگی (اور اس

---

[1] ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تم پہ کہ ایک زندگی مستعار رکھتے ہیں

وقت) ان سے کہا جائے گا آج کے روز تم کو مژدہ ہے ایسے باغوں کا کہ جس کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جس میں تم سدا رہا کرو گے یہ ہے ان کی بڑی کامیابی۔ جس دن کہ منافق مرد اور عورتیں ایمانداروں سے کہیں گے ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی ڈھونڈ کر لاؤ۔ پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا جس کے اندر کے رخ تو رحمت اور باہر کے رخ (جدھر کفار ہوں گے) عذاب ہوگا۔ (اور اس دن) وہ منافق پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے بے شک لیکن تم نے اپنے آپ کو خود خرابی میں ڈال دیا تھا اور (ہم پر مصیبت کے آنے کا) انتظار کرتے تھے اور شک میں پڑ گئے تھے (ان بیجا) آرزوؤں ہی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ حکم الٰہی آن پہنچا اور تم کو فریب دینے والے نے اللہ سے غافل کر دیا تھا۔ پھر آج کے روز نہ تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان سے ہی کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (لو اب) تمہارا ٹھکانا آگ ہے یہی تمہاری جگہ ہے اور بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : یوم الظرف یضاعف وقیل العامل یسعٰی وقیل التقدیر یوجرون یَوْمَ تَرَى یسعٰی نورھم حال بین ایدیھم ظرف یسعٰی اوحال من النور بشراکم مبتداء جنات الخ۔ خبرہ ای دخول جنات والجملۃ حال ای یقال لھم ذلک یوم یقول بدل من یوم الاول وقیل التقدیر اذکر باطنہ الجملۃ صفۃ لباب اولسور دیننا دونھم حال من الضمیر فی بینھم۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں جہاد کرنے والوں، ایمانداروں، اللہ کو قرض دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہوا تھا اس لیے اس ایفاءِ وعدہ کا وقت بیان فرماتا ہے۔ فقال يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ۔ کہ یہ اس دن ہوگا کہ جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے ان کا نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مژدہ دیا جائے گا اور جس دن منافق اس نور کی حسرت کریں گے یعنی قیامت کے روز کہ جہاں سخت حاجت ہوگی اور وہ ایک دوسرے جہان کی جاودانی زندگی ہوگی، اس روز ان کو یہ بدلہ ملے گا۔ دنیا چند روزہ ہے اس دُرِّ بے بہا کی یہاں چنداں ضرورت نہیں کہ دے کر ضائع کر دیا جائے۔ ہاں کسی قدر اجر یہاں بھی بھی دے دیتے ہیں۔ اجر ملنے کا وقت بھی بیان فرما دیا اور اس کے ضمن میں قیامت کا حال بھی ذکر کر دیا جس کا خوف انسان کو نیکی کی طرف حرکت دیتا ہے۔

اب کلام اس میں ہے کہ مومنین و مومنات کے آگے نور دوڑنے سے کیا مراد ہے اور کس موقع پر ہوگا؟ جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ پل صراط کا قصہ ہے جو جہنم کے اوپر ایک باریک تار کھینچی ہوگی جس پر سے چلنے کا حکم ہوگا اور اس کے سامنے جنت کی دیواریں دکھائی دیں گی کہ لو جنت میں جاؤ مگر اس پل پر سخت اندھیری ہوگی وہاں صرف ایمان اور عملِ صالح کا نور یا قندیل آگے آگے دوڑتی چلے گی۔ ایماندار برقِ خاطف کی طرح عبور کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ منافق ایمانداروں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں کس لیے کہ ان کے پاس روشنی نہ ہوگی۔ ایماندار کہیں گے پیچھے جاؤ یہاں روشنی نہیں ہم بھی وہیں سے لائے ہیں یعنی دنیا سے۔ پھر ان کے درمیان حجاب ہو جائے گا۔ الغرض منافق و کافر اس اندھیری میں اور اس باریک رستے میں جو ایسے قعرِ جہنم کے منہ پر ہوگی چل نہ سکیں گے، کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہ بھی بندوں کے الزام دفع کرنے کا طریقہ ہوگا کہ ہم نے تمہاری روشنی نہیں بجھائی تمہی دنیا میں اس کو ضائع کر کے آئے ہو۔ یہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کا خلاصہ ہے جن کو اہل سنت مانتے ہیں۔ بِسُوْرٍ سور دیوار اس سے مراد حجاب ہے جس کے اس طرف عذاب اور پرکی طرف جنت و رحمت ہوگی اس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں سے گزر کر ایماندار جنت میں جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں یہی وہ دیوار اعراف ہے۔

حجاب ہونے کے بعد منافق مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے تمہارے جیسے اعمال نماز، روزہ عمل میں نہ لاتے تھے پھر آج کس لیے تم نے ہم کو چھوڑ دیا؟ مسلمان جواب دیں گے، ہاں تھے مگر تم کو اعتقاد نہ تھا۔ جو کچھ کرتے تھے دکھانے کے لیے اور تم دنیا کی محبت میں فریفتہ تھے جس لیے اپنے آپ کو کفر و معاصی میں ڈال رکھا تھا جو فتنہ تھا اور اسلام کے در پردہ دشمن تھے۔ تکا کرتے تھے کہ کب اسلام کو شکست ہو کہ ہم آزادانہ بدکاری و خراباتی کے مزے اڑائیں، احکام کی تکلیف سے چھوٹ جائیں اور دارِ آخرت اور نئی

زندگانی میں تم کو شک تھا اور تمہاری تمناؤں نے تم کو بھول میں ڈال دیا تھا کہ ایسا مال ہو ایسی اولاد ہو، ایسی جائیداد ہو، رات دن اسی کی فکر میں تھے اور شیطان نے خدا تعالیٰ کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا تھا کہ وہ غفور رحیم ہے، ہم جو کچھ کرتے ہیں معاف کر دے گا یا یہ کہ خدا تعالیٰ کو اس روز کے برپا کرنے پر قادر ہی نہیں جانتے تھے یا یہ کہ اس کے منکر تھے اور دہر اور طبیعت ہی کو متصرف جان رہے تھے۔ آخر موت آ گئی غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ کوئی جرمانہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ ما یفتدیٰ بہ۔ نہ آج کے روز تمہاری توبہ قبول ہے نہ روپیہ پیسہ لیا جاتا ہے۔ مَاْوٰكُمُ النَّارُ تمہارا ٹھکانا آتش جہنم ہے۔ هِیَ مَوْلٰىكُمْ یہی تمہارے پاس کی جگہ ہے یا یہی تمہارے لائق ہے، یا یہی تمہاری چارہ ساز ہے اور کوئی نہیں۔

الغرور بالفتح شیطان، دھوکا دینے والا و بالضم مصدر ہے جس کے معنی ہیں دھوکا کہ دنیا میں تم پر کوئی سزا نہیں آتی تھی اس دھوکے نے تم کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈال دیا تھا۔ عرفاء کے نزدیک وہ نور جو اس کے آگے چلتا ہے معرفت و محبت الٰہی ہے۔ یہی جذبۂ عشق اس کو طبیعت وخواہش کی اندھیریوں اور عدم و امکان کے سخت ظلمات متراکمہ سے نکال کر نور محض حق جل عظمتہ کے جوار عاطفت تک لے جاتا ہے اور یہ جوار جنت و گلزار و حیات جاودانی کی جگہ ہے اور جن کو یہ نور نصیب نہیں وہ انہیں ظلمات میں ٹکراویں گے اس صحن نور تک نہ پہنچ سکیں گے اور یہ ابدی ظلمات جہنم و نار کی شکل میں جلوہ گر ہوں گی پھر وہاں اس نور کی تمنا کریں گے جو محض بے سود ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۸﴾

کیا ایمانداروں کے لیے وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس (کلام) برحق سے جو اس نے نازل کیا ہے دلگداز نہ ہو جائیں اور وہ اپنے اہل کتاب جیسے نہ ہو جائیں جس پر مدت دراز گزر گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار رہی ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا کرتا ہے۔ ہم نے تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو بے شک خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو خوشدلی سے قرض دیا ہے ان کو دو چند دیا جائے گا اور ان کو عمدہ بدلہ ملے گا۔

ترکیب: الم یان من انی الامر یانی اذا جاء اناہ ای وقتہ۔ وقری الم یئن من آن یئین بمعنی اتی یاتی۔ ان تخشع الجملۃ فاعل یان واللام للتبیین وما بمعنی الذی وھو عطف علی الذکر عطف احد الوصفین علی الاخر وفی نزل ضمیر یعود الیہ۔ ولا یکون الخ عطف علی تخشع والمراد النھی عن مماثلۃ اھل الکتاب فیما حکی عنھم بقولہ فطال الخ واقرضوا اللہ فیہ وجہان احدھما ھو معترض بین اسم ان وخبرھا وھو یضاعف والثانی انہ معطوف علیہ لان الالف واللام بمعنی الذی ای ان الذین تصدقوا۔

تفسیر : منافقوں اور کافروں کی دردناک مصیبت آنے والے دن کی بیان فرما کر ایمان والوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اپنی حالت پر قائم رہیں اور آیندہ سعادت کے میدان میں ترقی کرتے رہیں اس لیے اصولِ سعادت ذکر فرماتا ہے۔ فقال الم یان الخ اعمش کہتے ہیں صحابہ مدینے میں آکر کھیتی باڑی کے شغل میں اس سرگرمی سے سست ہو گئے تھے۔ اس آیت میں ان پر عتاب ہے تاکہ پھر پہلی حالت کی طرف رجوع کریں۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کے بعد تخشع یعنی نرم دل ہونا اور اللہ سے ڈرتے رہنا بھی ترقیِ درجات کے لیے عمدہ سیڑھی ہے۔ اس کو مرتبۂ احسان کہتے ہیں جس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبرئیل علیہ السلام میں خوب فرمادی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

فرماتا ہے کہ کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ان کے دل لرزا کریں۔ اللہ کا ذکر اور اس کی نازل کی ہوئی برحق بات (قرآن) سن کر اور وہ اگلے اہلِ کتاب جیسے نہ بن جائیں کہ جن پر زمانہ گزرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے بدکار ہو گئے۔ یعنی ذکر اللہ اور قرآن سنا کریں اور ڈرا کریں اور یہود و نصاریٰ کی طرح سخت دل نہ بن جائیں۔ زمانہ جوامد کا ترجمہ ہے اس میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ان میں اور ان کے انبیاء میں مدت گزر گئی تھی اس لیے ان کے دل سخت[1] ہو گئے تھے۔ زبان پر سب کچھ تھا مگر دل مر چکے تھے۔ (۲) یہ کہ اس غفلت میں ان کو مدت گزر گئی تھی یہاں تک کہ یہ غفلت اور حبِّ دنیا اور دین سے بے خبری ایک پشت سے دوسری پشت تک متوارث ہو کر طبیعت ہو گئی تھی۔ (۳) یہ کہ ان کی اس بیہوشی اور سخت دلی پر مدتوں کوئی عذاب و مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے اور بھی ڈھیٹ اور نڈر ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کے ڈر اور نرم دلی کی یہ نوبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پہنچی تھی کہ قرآن مجید سن کر زار زار رویا کرتے تھے۔ صبح کی نماز میں امام قرآن پڑھ رہا تھا اس میں آیات تھیں کہ جن میں تہدید و تنبیہ ہے سن کر ایک مقتدی پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اس کے گھر لے گئے اسی حالت میں مر گیا۔ (ترمذی)

اس پر خیال گزر سکتا تھا کہ جب دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں پھر وہ کسی صحبت یا وعظ و قرآن سننے سے کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں گویا مایوسی ہے۔ فرماتا ہے اعلموا ان اللہ الخ۔ کہ مایوس نہ ہونا چاہیے کوشش کرنا چاہیے کس لیے کہ اللہ مردہ[2] زمین کو (خشک کو) ابرِ رحمت سے پھر زندہ (سبز) کر دیا کرتا ہے اس بات کو جان لو۔ ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان فرمادی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ اس میں حشر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں مرنے کے بعد انسانوں کو ہم زندہ کر دیں گے۔ یہ بھی خوف دلانے والی بات تھی کس لیے کہ حشر کا یقینِ کامل ہونے کے بعد ڈرنا لازمی بات ہے۔

دلِ مردہ کے زندہ کرنے والے اسباب بھی ضمناً بیان فرمادیے گئے کہ اللہ کے ذکر اور اس کی نازل کردہ کتاب سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک اور بھی نسخہ تھا اس کو دوسرے پیرائے میں ذکر فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ کہ صدقہ دینے سے بھی دل زندہ ہو جاتا ہے۔

---

[1] اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف علم کافی نہیں نہ کتابیں پڑھنا بلکہ ایسے کاملین کی صحبت جو نورِ مجسم ہوتے ہیں اور ان کی زبان سے سننا اور ہی اثر پیدا کرتا ہے وہی بات ہے کہ جس کو ایک خوش بیان عمدہ تقریروں میں ادا کر رہا ہے جس کا اثر قلوب تک نہیں پہنچتا اور پہنچتا ہے تو قائم نہیں رہتا اسی بات کو وہ نورِ مجسم سیدھے لفظوں میں بیان کر کے اپنی روحانی تاثیر سے دلوں میں نقشِ حجر کر دیتا ہے جس سے دیرپا جوش اور سچی سرگرمیوں کا ایک دریا رواں ہو کر قوموں اور ملکوں کو احاطہ کر لیتا ہے۔ قرآن ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تھے پھر تیرہ برس میں کیسا انقلابِ عظیم عرب میں نمودار ہوا۔ یہی ہے کہ جس کو اور لوگ پڑھتے اور سناتے ہیں آج کل لیکچرار اور سپیکر حشرات الارض کی طرح نکل پڑے مگر اثر ندارد خود انہیں کے دلوں میں اثر نہیں ہوتا پھر اوروں کے دلوں پر ان کی حکومت کیونکر ہو سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] دل بمنزلہ زمین کے ہے اور ذکرِ الٰہی اور قرآن بمنزلہ آبِ رحمت کے جس طرح آبِ رحمت سے خشک زمین جس کو مردے سے مشابہت ہے نرم ہو جاتی ہے جس کو زندگی سے مشابہت ہے اسی طرح ذکر و قرآن سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ و دیگر خیرات سب کو شامل ہے کس لیے کہ کسی کا دل خوش کر دینا اور حاجت براری کرنا اس کی خوشنودگی کا باعث ہے اس کے بدلے میں وہ دو چند دیتا ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم جنت عطا کرتا ہے۔ (وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ الخ اسی صدقہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کو قرض دیا بطور جملہ معترضہ کے)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

ع ۱۸

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر نور ملے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی یہی کھیل اور کود اور آرائش اور مال اور اولاد ہیں ایک دوسرے پر بڑائی اور زیادتی ڈھونڈ نا ہے جیسا کہ بارش جس کا سبزہ کھیتی کرنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے پھر وہ زور پر آتا ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر چورا ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو دنیا پر فریفتہ ہونے والوں کے لیے سخت عذاب ہے (اور خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی ہے کیا؟ یہی ایک دھوکے کا اسباب۔

ترکیب : والذین مبتداء باللّٰہ متعلق بآمنوا ورسلہ معطوف علیہ اولئک مبتداء ھم الصدیقون الخ خبرہ والجملۃ والذین عند ربھم ظرف للشھداء کمثل الکاف فی موضع نصب من معنی ما تقدم ای یثبت لھا ھذہ الصفات مشبھۃ بغیث ویمکن ان تکون فی موضع رفع ای مثلہا کمثل غیث۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جہاں ایمانداروں کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوا ان کی رہبری کرے گا اور منافق نور نہ ہونے کی وجہ سے حسرت کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا تھا کہ کیا اب وہ وقت نہیں آن پہنچا کہ ایماندار ڈریں اور غافل نہ ہو جائیں اور صدقہ و خیرات و ذکر و تلاوت عمل میں لائیں اور صدقہ و خیرات دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجرِ عظیم پانے کی بشارت بھی تھی جس سے ظاہر بینوں، دنیا پرستوں کا خیال جا سکتا تھا کہ جو کچھ ہے روپیہ پیسہ ہے، اسی کی خیرات کے بدلے میں اجرِ عظیم ملتا ہے۔ خالی عبادت و ایمان و محبتِ الٰہی کو کون پوچھتا ہے؟ اس لیے ان آیات میں ایمان کی فضیلت اور ایمانداروں کے درجات اور کفر و تکذیب کی خرابی گو کافر و مکذب دنیا بھر کی خیرات کرے بیان فرماتا ہے اور اس کے بعد خود دنیا کی بے ثباتی اور اس کی بے قدری ظاہر فرماتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ اصولِ سعادت ایمان ہے یہی اس کو صدیق و شہید عند اللہ بنا دیتا ہے۔ یہی اجرِ عظیم کا مستحق اور اس نور کا مالک کر دیتا ہے۔ وہ نور ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بھی اس کا رہنما ہے اور آخرت کی اندھیریوں میں بھی رہنمائی کرے گا۔

صدیق برزون فعیل تصدیق کرنے والا۔ دل سے سچا جاننے والا۔ عرفِ شرع میں یہ ایک خاص مرتبہ ہے نبوت سے کم اور رتبوں سے بڑھ کر۔ صدیق نبی کا قوتِ نظریہ میں پرتو اور ظلِ کامل اور سچا نمونہ یا روحانی فرزند اکبر اور جانشین ہوتا ہے۔ ہر امت میں صدیق گزرے ہیں جن کے برکات وفیوضِ نبوت کا لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اس امت میں ابوبکر وعلی وعثمان وزید وطلحہ وزبیر وسعد وحمزہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید یہ نبی علیہ السلام کی قوتِ عملیہ کا ظلِ کامل ہے صدیق کے بعد اس کا مرتبہ ہے۔ مگر بڑا بلند مرتبہ ہے۔ اس شخص سے خوارق وکرامات اس کثرت سے خود بخود ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے حیات میں بھی اور بعد الممات بھی ان کے اجساد پاک سے ان کا روحانی تعلق ایک نئی قسم کا باقی رہتا ہے۔ اس امت میں حضرت عمر فاروق وحمزہ وعلی وحسنین وغیرہم گزرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑکر جہاد میں مر جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں اور اسی طرح مبطون وغیرہ کو بھی اس ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے مگر شہیدِ اکبر وہی لوگ ہیں کہ جن کی قوتِ روحانی اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ عام ہے کہ یہ جہاد میں یا کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہوں یا نہ وہ اپنے بستروں پر بھی مر جائیں تو بھی شہید ہیں اولیاءِ کرام رحمہم اللہ اسی مرتبہ میں ہیں۔[1]

اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی کو لہو ولعب کہا جو لڑکپن اور شہوانی لوگوں کی زندگی ہے۔ اور زینتِ جوانی کے ایام میں آرائش وتجمل مرغوب ہوتا ہے اور تفاخر وتکاثر بڑھاپے میں۔ پھر ان کو ساون کی گھانس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جب اگتا ہے خوشنما معلوم ہوتا ہے پھر چند روز میں زرد ہو کر سوکھ کر چورا ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کا حال ہے۔ گھانس تو دارِ آخرت کے عذاب وثواب سے فارغ ہے مگر اس پر وہاں کا عذاب وثواب باقی رہ گیا۔ اس لیے دھوکے کا سرمایہ ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا چوڑان آسمان وزمین جیسا ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے نصیب کرے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اس کو پیدا کریں

[1] ان کا جہاد نفس کے ساتھ تھا جو اعداء عدو اللہ ہے۔ ۱۲ منہ

کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تم کو دیوے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا کہ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی سکھاتے ہیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا' خوبیوں والا ہے۔

ترکیب : عرضھا متبداء کعرض السماء الخ خبرہ والجملۃ صفۃ جنۃ۔ اعدت صفۃ اخری۔ فی الارض الجار یتعلق بمصیبۃ لانھا مصدرہ یجوزان تکون صفۃ لھا علی اللفظ اوالحل۔ ومثلہ ولا فی انفسکم الافی کتاب حال ای مکتوبۃ۔ من قبل لغت او متعلق بہ لکیلا کے ناصبۃ للفصل بمعنی ان (آسی) اندوہ واندوہگیں شدن بر یسمع یسمع یقال آسی علی مصیبۃ ای حزن وآسیت لفلان ای حزنت لہ صراح۔

تفسیر : دنیا کی بے ثباتی اور بے قدری بیان فرما کر دار آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے لیے انسان اس فانی گھر میں چند روزہ مہمان بنایا گیا ہے فقال سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ الخ کہ ان کاموں کی طرف دوڑو اور جلد حاصل کرو کہ جو اللہ کی مغفرت اور حصولِ جنت کا باعث ہیں پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کہ اس کا چوڑان آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ جنت کی چوڑان کو تشبیہ دی ہے۔ آسمان اور زمین کی چوڑان سے اور بتلایا گیا ہے کہ طول تو کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس قدر وسیع جنت کا آسمان پر قائم ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (اس کے معنی سورۂ آل عمران کی تفسیر میں جہاں کہ یہ جملہ آیا تھا ہم بیان کر آئے ہیں جس کا خلاصہ) یہ ہے کہ جنت دوسرے عالم کا نام ہے اس کے آگے یہ عالمِ ناسوت جس میں آسمان وزمین ہیں ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ پھر آسمانوں پر جو جنت کا ہونا بیان ہوا ہے اس سے مقصود صرف بجہتِ علو عالمِ قدس بیان کرنا ہے مقدس چیزوں کو سموات کی طرف اور اراذل ناس کو زمین کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس لیے آسمانوں پر کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ عالمِ ناسوت اس کا کسی طرح ظرف ومکان ہو نہیں سکتا۔[1]

بعض نے کہا ہے کہ عرض سے مراد چوڑان نہیں بلکہ صرف فراغی مقصود ہے جیسا کہ آیا ہے فذودعاء عریض۔ ای کثیر۔ بعض کہتے ہیں عرض سے مراد قیمت وقدر ہے۔ (۲) اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ کہ وہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ یہ نہیں کہ تیار کی جائے گی یہ بھی رغبت کا باعث ہے۔ یہ اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ جنت بالفعل موجود ہے۔ اور احادیثِ صحیحہ کہ جن میں شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کی سیر کرنا آیا ہے اس کے لیے مؤید ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں قیامت کے روز تیار ہوگی۔ یہ قول غلط ہے۔ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہونا فرمایا تاکہ پرہیزگاری کی طرف توجہ ہو کسی قوم اور کسی ملک کے باشندوں یا امیروں کا خاص حصہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض اقوام نے خیال کر رکھا ہے۔ ہنود میں برہمن اور یہود تو اس کو اپنے باوا کا گھر سمجھے بیٹھے ہیں اور تثلیث کے عقیدے سے عیسائی بھی اس کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ پرہیزگاری بقول پولوس بیکار اور لعنتی کام ہے۔ اسی طرح اشراف عرب بھی اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے بیٹھے تھے۔

دارِ آخرت کے بعد انسان کی عاجزی اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی رنج وراحت جو کچھ سامنے آتا ہے سب نوشتۂ ازلی کے موافق ہوتا ہے فقال ما اصاب الخ کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط' بدامنی یا خود تمہاری ذات پر پڑتی ہے جیسا کہ مرض وتنگ دستی اولاد و احباب کا مرنا، بے عزتی وذلت وناکامی نصیب ہونا۔ تم پر اور زمین پر آنے سے پہلے کتاب یعنی دفترِ قضاء وقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ تم کو اس لیے سنا دیا کہ تم کسی نعمت پر اتراؤ نہیں کہ اپنی محنت وتدبیر کا ثمرہ سمجھ بیٹھو اور بخل کرنے لگو کس لیے کہ اللہ کو اترانے والے متکبر پسند نہیں جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل پر ترغیب دیتے ہیں اور جو نہ مانے تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں۔ اس میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ چاہیے کہ مصیبت پر صبر اور نعمت کو عطیۂ الٰہی سمجھ کر شکر کرے اور اس کے بندوں پر اس کے شکریہ میں احسان کرے۔

---

[1] یقال عارض الکتاب بالکتاب اے قابلہ وعرض الجاریۃ علی البیع واعرض بوزن الفلس المتاع مختار الصحاح۔ ۱۲ منہ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۵ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازو دئے (عدل) بھی بھیجی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تا کہ خدا معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے البتہ اللہ قوی و زبردست ہے اور البتہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ پھر کچھ تو ان میں سے راہ پر ہیں اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے اپنے اور رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو بعد میں بھیجا اور اس کو ہم نے انجیل دی اور اس کے ماننے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کی اور ترک دنیا بھی قائم کیا تھا جو ہم نے تو ان پر فرض نہ کیا تھا خود انہوں ہی نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا تھا پھر جیسا چاہیے تھا اس کو ویسا نباہ نہ سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو ان کا اجر دیا اور بہت سے تو ان میں بھی بدکار ہی ہیں۔

ترکیب : فیہ باس الخ الجملۃ حال من حدید ومنافع معطوف علی باس ولیعلم معطوف علی محذوف وھو یستعملوہ وقیل عطف علی قولہ لیقوم الناس بالغیب حال من فاعل ینصر اومفعولہ ای غائبا عنھم اوغائبین عنہ رھبانیۃ منصوب بفعل مضمر یفسرہ مابعدہ وھو ابتدعوھا وقیل بالعطف علی ماقبلہ ای جعلنا فی قلوبھم رھبانیۃ مبتدعۃ من عندھم وابتداعوھا علیٰ ھذا التقدیر صفۃ لھا۔ الرھبانیۃ الفعلۃ المنسوبۃ الی الراھب وقریٔ بضم الراء کانھا نسبۃ الی الرھبان جمع راھب۔

تفسیر : پہلے بخل کی برائی بیان فرمائی تھی اب یہ ذکر دیا کہ بخل پر کیا منحصر ہے جمیع نیک و بد امور بتلانے کے لیے ہم نے رسول بھیجے۔ معجزات ونشانیاں دے کر تا کہ بنی آدم کی اصلاح کریں مگر بنی آدم کے معاملات دو قسم پر تھے ایک ان کی ذات کے متعلق عقائد سے لے کر اعمال حسنہ' عبادت وریاضت تک دوم امور تمدن جن میں حقوق عباد میں پہلی باتوں کے لیے اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب نازل کی۔ دوسری قسم کے معاملات کے لیے وَالْمِيْزَانَ ترازو یعنی عدل وانصاف نازل کیا۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ الخ تا کہ بنی آدم ان باتوں میں انصاف پر قائم رہیں زیادتی کمی' جور وظلم نہ کریں۔ مگر سرکش اور کج طبع لوگوں کے لیے جو قانون انصاف پر نہیں چلتے ہیں وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ لوہا نازل کیا۔

لوہے سے مراد حکومت وشوکت ہے جو حاکم کے آہنی ہتھیاروں سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ حکام جو تلوار کے زور سے ان کو انصاف پر چلاتے ہیں اور لوہے کے نازل کرنے سے مراد اس کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ اس کے احکام وقضایا عالمِ بالا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس لیے ایسی کارآمد چیز کے پیدا کرنے کو انزلنا تعبیر کیا۔

پھر لوہے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ (۱) فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ باس سختی وسخت حرب شدن (صراح) کہ اس میں جنگ کے وقت بڑی سختی و شدت ہے کس لیے کہ تلوار، بندوق، نیزہ، گرز، توپ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔

(۲) وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور بہت نفع ہیں کس لیے کہ انسان کی حاجت کے متعلق جس قدر پیشے میں زراعت ومعماری وغیرہ سب میں لوہے کے آلات مستعمل ہوتے ہیں۔ (افسوس آج کل مسلمانوں کے ہاتھ میں لوہا نہیں رہا جس سے یہ نوبت پہنچی)۔ (۳) وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الخ تیسرا فائدہ اس میں اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگاروں، حامیوں کا پورا امتحان بھی ہے کہ دیکھیں کون ہے جو جان کو ہاتھ پر رکھ کر ہتھیار باندھ کر خدا کے قانون جاری ہونے میں مدد کرتا ہے اور دنیا میں ظلمت وفساد پھیلانے والوں' خدا پرستوں پر ظلم کرنے والوں کی خبر لیتا ہے؟ (اس میں جہاد کی ترغیب ہے)۔

اس کے بعد اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ بھی فرما دیا کہ اللہ کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں۔ صرف تمہارا امتحان مقصود ہے کہ آیا تم بھی اس کے دین کے باقی رہنے اور شائع ہونے میں مدد کرتے ہو؟ ورنہ وہ تو خود قوی' زبردست ہے، آپ قائم کر کے رہے گا۔ رسولوں کے اجمالی ذکر کے بعد چند اولوالعزم رسولوں کا ذکر کرتا ہے تا کہ عرب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اچنبھا نہ معلوم ہو۔ فقال وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا الخ کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی نسل میں کتاب ونبوت کو قائم رکھا۔ ان کے بعد بھی ان کی نسل میں سے صاحبِ کتاب نبی اٹھے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام وداؤد علیہ السلام کے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے پھر کچھ لوگ ان سے ہدایت پاتے ہیں اور کچھ بدکار ہی رہے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اس کو کتاب دی جس کا نام انجیل ہے۔ یا انجیل یعنی خوشخبری دی کہ وہ ایمان والوں کو نجات کی خوشخبری دیتے تھے (یہ معنی جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہیں) انجیل عبرانی لفظ انگیول کا معرب ہے جس کے لغوی معنی خوشخبری کے ہیں مراد اس سے کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی جو قیاصرہ گردی میں تلف ہوگئی۔ یہ بات پولوس کے بعض خطوط سے بھی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے بعد متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا ان کے حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں نے جو کتابیں ان کے حالات میں لکھیں جن کا مبدء سمعی اور مروی باتیں ہیں اور ان کا نام بھی انجیل ہے۔ وہ دراصل وہ انجیل نہیں یہ ممکن ہے کہ ان میں اس کی بھی بعض باتیں شامل کی گئی ہوں۔ یوں تو اور بھی بہت سی انجیلیں عیسائیوں کے بزرگوں نے بنائی ہیں جن کو یہ لوگ الہامی نہیں مانتے۔

پھر فرماتا ہے جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ الخ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دل میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کر دی تھی وہ لوگ نرم دل اور متواضع اور فروتن تھے اور رہبانیت بھی ان کو ملی تھی جس کو انہوں نے از خود پیدا کیا تھا ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی لیکن ان سے وہ جیسا چاہیے تھی نبھ نہ سکی۔ پھر جو ان میں سے پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اجر کے مستحق ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو لوگوں میں سے جو تارک الدنیا ہو جاتے تھے کسی گوشے میں عبادت کرتے نہ وہ بیاہ شادی کرتے تھے نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، نہ عمدہ کھانا کھاتے تھے ان کا نام راہب ہوتا تھا جس کی جمع رہبان آتی ہے جس کے معنی درویش اور رہبانیت درویشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے راہبوں میں بہت سی باتیں شرمناک پیدا ہو گئی تھیں جن کا ذکر مؤرخین نے بہت کچھ کیا ہے۔ قرآن نے اپنے اخلاقِ کریمانہ سے ان کا صراحۃً ذکر کرنا مناسب نہ جانا، فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا میں اشارۃً ذکر کر دیا۔

ابحاث : (۱) وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ کے متعلق کچھ اور بھی اسرار ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے۔ انسان کے کام دوطرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کو کرنا چاہیے دوسرے وہ جن کو کرنا نہ چاہیے۔ پھر جن کو کرنا ہے وہ دوقسم ہیں۔ ایک وہ جونفس سے متعلق ہیں، دوسرے وہ جو بدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ افعالِ انسانیہ یعنی معارف ان کا سرچشمہ کتاب ہے کس لیے کہ کتاب اللہ ہی حق و باطل میں تمیز کر دیتی ہے اور بدنی اعمال جو ہاتھ پاؤں اعضا سے متعلق ہیں ان میں بڑا حصہ وہ ہے جن کا لگاؤ خلقِ خدا کے ساتھ ہے۔ ان کے لیے میزان ہے، اسی عدل کی ترازو میں تل کر عدل و ظلم میں امتیاز ہوسکتا ہے۔ اب رہے وہ افعال کہ جن کو کرنا نہ چاہیے ان سے روکنے والا دنیا میں لوہا ہے۔ واعظ برسوں سمجھائیں کوئی نہ مانے، لوہے کے خوف سے دم بھر میں ترک ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ کتاب قوتِ نظریہ کے لیے اور میزان قوتِ عملیہ کے لیے اور حدید نالائق کاموں سے روکنے کے لیے نازل ہوا ہے۔

ازانجملہ یہ کہ اگر معاملہ خدا سے ہے تو اس کے لیے کتاب ہے اور جو بندوں سے ہے تو میزان اور دشمنوں سرکشوں سے ہے تو اس کے لیے لوہا ہے۔

ازانجملہ بنی آدم تین قسم کے ہیں۔ ایک سابقون جو انصاف کرتے ہیں مگر انصاف کے طالب نہیں ان کا معاملہ کتاب سے ہے۔ دوسرے وہ جو انصاف کرتے ہیں اور انصاف ہی چاہتے ہیں یعنی درمیانی لوگ ان کو میزان درکار ہے۔ تیسرے بدکار ظالم ہیں ان کے لیے حدید درکار ہے۔ وہ اس کی دھمکی سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ شہوات کے تمام نشے تلوار دیکھ کر ہرن ہو جاتے ہیں۔ دم بھر میں بھلے مانس اور نیک ہو جاتے ہیں اور یہی حکمت تھی کہ آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کے عہد میں گمراہی وشہوت پرستی کا دریا طغیانی پر تھا، کتاب وحکمت کے ساتھ حدید یعنی زوروشوکت بھی عطا ہوا۔ فقیری ومسکنت کے لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی بلکہ شان وشوکتِ شاہانہ کے پیرائے میں جلوہ گر ہوئی اور اسی کو سلطنتِ آسمانی کہتے ہیں جس کی خبر پہلے انبیاء علیہم السلام دیتے آئے ہیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں کہ جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے مکارمِ اخلاق تعلیم کر کے سب کے بعد فرمادیا، وذروۃ سنامہ الجہاد کہ ان سب باتوں کا سر جہاد ہے۔ اور اسی لیے قیامت تک جہاد واحتساب قائم کر کے اور اپنے جانشینوں اور پیرووں کے لیے ایک عمدہ دستورالعمل چھوڑ گئے جس کو آج کل مسلمانوں نے ترک کر رکھا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں حقیر ہو گئے۔ اہلِ اسلام خداتعالیٰ کا لشکر خاص ہے جن کی تنخواہ دارِ آخرت وحیاتِ جاودانی ہے۔

ازانجملہ یہ ہے انسان یا عارفِ کامل ہے جو مقامِ حقیقت تک پہنچ گیا ہے اس کے لیے بجز محبوب کی کتاب کے اور کوئی بات تسلی بخش نہیں۔ یا وہ طالب ہے یعنی مقامِ طریقت میں ہے اور یہ مقام نفسِ لوامہ کا ہے اور مقام اصحاب الیمین جیسا کہ اول مقام نفسِ مطمئنہ اور سابقون کا تھا تو اس کے لیے معرفتِ اخلاق کے لیے میزان درکار ہے یہاں تک کہ افراط تفریط سے بچے اور کسی کجی کی جانب اس رستے میں نہ جھکے اور یا وہ مقام شریعت میں ہے جو نفسِ امارہ کا مقام ہے اس وقت اس کے لیے مجاہدہ وریاضات کے ہتھیار اور نفسِ بد کے لیے آہنی گرز درکار ہے۔ کبیر

(۲) لارھبانیۃ فی الاسلام۔ یہ مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک مسلم ہے کہ مذہب اسلام میں رہبانیہ نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا ترک کر بیٹھنا' نکاح نہ کرنا فقیری کا لباس اور قلندرانہ وضع اختیار نہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان باتوں میں خدا نہیں ملتا اور نیز منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی متعدد نکاح کیے اور نکاح کرنے کی ترغیب دلائی۔ عمدہ لباس بھی پہنا، عمدہ کھانا بھی جب مل گیا تناول فرمایا۔ دنیا کے سب کاروبار کرو، نوکری، تجارت، زراعت، بال بچوں کی پرورش، اقارب وہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ خدا دے تو اچھا کھاؤ پیو پہنو مگر ہر کار میں اللہ کو نہ بھولو، اس کے احکام کو ملحوظ رکھو۔

مگر نہ ایسا بھی کہ لذائذ وشہوات کے بندے بن جاؤ، رات دن اسی دھندے میں پڑے رہو اور آرائش وتجملات کے حاصل کرنے میں عمرِ گراں مایہ برباد کرو، دنیا کو خیر باد کہہ بیٹھو، نفس کو موٹا کرو کس لیے کہ گو اسلام میں رہبانیت نہیں مگر زہد ضرور محمود ہے اور بزرگانِ دین نے زہد وتقویٰ اختیار کیا ہے۔ زہد دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے نہ بالالتزام مباحات ولذائذ وطیبات کو حرام کر لینا۔ ہاں زاہد کو ان چیزوں کی طرف چنداں التفات نہیں ہوتا نہ وہ ان کے طالب وجویاں ہوتے ہیں۔ اگر اتفاقاً میسر آ گئیں تو کچھ انکار بھی نہیں برخلاف راہب کے زاہد و راہب میں یہ فرق ہے اور بڑا فرق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ ع

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تا کہ تم کو اپنی عنایت سے دگنا اجر دے اور تم کو ایسا نور عطا کرے جس سے تم رستہ چلو اور تم کو اللہ بخش دے اور اللہ غفور رحیم ہے تا کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ہم اللہ کے فضل پر کچھ بھی قادر نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد عیسائیوں کی طرف خطاب کرتا ہے فقال یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والو! اتَّقُوا اللّٰہَ۔ اللہ سے ڈرو، نفسانیت وتعصب کو چھوڑو۔ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی بشارت دی ہے۔ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ تا کہ تم کو اپنے فضل سے دوہرا حصہ ثواب دے۔ دونوں پیغمبروں پر ایمان لانے کے سبب جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تھا، فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْھُمْ اَجْرَھُمْ کہ جو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا یعنی دیں گے۔ کفل حصہ، دوہرا حصہ پانے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جو عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اس کو دوہرا حصہ ملنے کے سبب سب سے زیادہ اجر ملے گا کس لیے کہ دوہرے ہونے سے زیادہ ملنا ثابت نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک چیز کے دس حصے کیے اور ایک شخص کو ان دس حصوں میں سے دوہرا حصہ ملا اور پھر اسی چیز کے تین حصے کر کے ایک شخص کو ایک حصہ دیا تو یہ ایک حصہ پانے والا اس دوہرے پانے والے سے کم نہیں رہا۔[1] وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ اور اس ایمان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لیے ایک نور قائم کر دے گا جس کے سبب تم دنیا میں سیدھا رستہ چلو گے یا پل صراط پر چلو گے۔ یہ نور بغیر اس کے حاصل ہی نہیں ہوتا۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ اور تم کو بخش دے گا وہ غفور الرحیم ہے۔ پچھلے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے۔

[1] بلکہ اس نے زائد پایا اور یہ اہلِ اسلام ہیں اس بات کی طرف بخاری کی وہ حدیث اشارہ کر رہی ہے جس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے امتِ محمد یہ! تمہاری اور تم سے اگلوں کی ایسی مثال ہے جیسا کسی نے کسی کو نصف روز پر خاص اجرت پر معین کیا اور کسی کو نصف النہار سے لے کر عصر تک اسی اجرت پر مامور کیا اور کسی کو عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک دوچند اجرت پر معین کیا۔ پہلوں نے کہا ہمارا وقت زیادہ اور ان کا وقت بھی کم اور اجرت دوچند اس نے کہا میں نے تمہاری مزدوری میں سے تو کچھ کم نہیں کر لیا۔ صبح سے نصف النہار تک والے اور اس سے لے کر عصر کے وقت تک والے یہود ونصاریٰ ہیں۔ اور عصر سے آخر دن تک والے جن کو باوجود بہت کم وقت ومحنت کے دوچند اجرت ملی مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

اہل کتاب کو یہ گمان تھا کہ نبوت خاص ہمارے خاندان اسرائیلی کا حصہ ہے اخیر نبی کہ جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے وہ بھی ہمارے خاندان سے ہوگا۔ یہ عنایت خاندانِ بنی اسرائیل پر منحصر ہے۔ اس لیے اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید اور ایمان کے ثمرات اور برکات بیان کر کے یہ فرماتا ہے لئلایعلم اہل الکتاب ان لایقدرون علی شیء من فضل اللہ الخ کہ یہ بیان ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ان کو فضل الٰہی پر کوئی قبضہ وقدرت نہیں کہ وہ اس کو اپنے ہی گھر میں منحصر کریں بلکہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس پر چاہے کرے، بنی اسرائیل کی کیا خصوصیت؟ اس نے بنی اسماعیل پر کر دیا اس تقدیر پر لئلا میں لا زائد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑥ۧ

(اے نبی!) البتہ اللہ نے اس عورت کی بات بھی سن لی جو تم سے اپنے خاوند کی بابت گفتگو کرتی تھی اور اللہ کے آگے شکوہ کرتی تھی اور اللہ تمہارے جواب وسوال سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کر لیتے ہیں وہ درحقیقت ان کی مائیں تو ہو نہیں گئیں۔ مائیں تو ان وہی ہیں کہ جنھوں نے ان کو جنا ہے اور ہاں انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات منہ سے نکالی ہے اور بے شک اللہ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کر لیتے ہیں پھر اس کہی بات سے پھرنا چاہیں تو ایک بردہ ایک دوسرے کے ہاتھ لگانے سے پہلے آزاد کریں یہ اس لیے کہ اس سے تم کو

ل محاذۃ مخالفت کردن و باز داشتن حق تحاد کذلک قولہ تعالیٰ ان الذین یحادون کبت باز گردانیدن وخوار کردن بر روئے در افکندن یا کبت اللہ اور العدو ای صرفہ واذلہ وصرعہ بوجہہ صف اک ۲ م صراح۔ ۱۲ منہ

نصیحت ہو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔ پھر جس کو بردہ نہ ملے تو دو مہینے کے روزے لگا تار آپس میں ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے۔ پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یہ اس لیے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول کی (پوری پوری) تصدیق کرو اور یہ تو اللہ کی حدیں باندھی ہوئی ہیں اور منکروں کو سخت عذاب ہے۔ وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ خوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ خوار ہوئے اور ہم نے تو صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں اور منکروں کو ذلت کا عذاب ہے۔ جس دن کہ ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا پھر ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے تھے جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔

ترکیب : وتشتکی معطوف علی تجادلک وقیل حال من فاعله ای تجادل وھی متضرعۃ الی اللہ تعالیٰ الذین موصول یظاہرون الخ صلۃ والکل مبتداء ماھن امہتہم الجملۃ خبرہ امہاتھم بکسر التاء علی انہ خبر او بضمھا علی اللغۃ والذین یظاہرون من نساھم مبتداء فتحریر رقبۃ الجملۃ وھی فعلیھم تحریر رقبۃ خبرہ۔ ذلکم مبتداء توعظون بہ خبرہ واللام فی لما قالوا تعلق بیعودون وما مصدریۃ ویمکن ان تجعل بمعنی الذین ونکرۃ موصوفۃ وقیل اللام بمعنی فی وقیل بمعنی الیٰ فی الکلام تقدیم وتاخیر تقدیرہ ثم یعودون فعلیھم تحریر رقبۃ لما قالوا فصیام شہرین ای فعلیہ صیام شہرین ذالک ومحلہ النصب بفعل معلل بقولہ لتومنوا اوالرفع علی الابتداء یوم منصوب بما تعلق بہ اللام من الاستقرار او بمبین او باضمار اذکر۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قدر مکے میں بھی نازل ہوئی ہے مگر یہ قول معتبر نہیں۔ سورۂ حدید کے اخیر میں واللہ ذوالفضل العظیم آیا تھا جو یہود و نصاریٰ کے گمانِ فاسد کا رد تھا کہ وہ نبوت اپنے خاندان میں ختم سمجھتے تھے۔ اس سورہ میں منجملہ افضالِ الٰہی کے جن میں سے نبوت نبی آخر الزمان ﷺ بڑی چیز ہے اس نبوت کے برکات اور اپنے بعض افضال کا (سہل احکام اور آسان شریعت نازل کرنے کے پیرائے میں) اظہار فرماتا ہے کہ یہ بھی اس کے فضل کی ایک بڑی بات ہے کہ اس نے ظہار میں جو جاہلیت میں اشد طلاق سمجھی جاتی تھی یہ سہولت کی کہ کفارے سے عورت کو اس کے مرد کے لیے حلال کر دیا۔ اب اس کی تشریح بضمن ایک واقعے کے کرتا ہے۔ فقال قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ الخ۔ اس کے شانِ نزول میں جمہور مفسرین نے یوں نقل کیا ہے کہ خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کے خاوند نے ناراض ہو کر یہ کلمہ کہہ دیا تھا (انت علی کظہر امی) کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح سے حرام ہے۔ یہ کلمہ جاہلیت میں سخت طلاق کا تھا کہ جس کے بعد ملاپ نہیں ہوتا تھا اس کو بڑا رنج ہوا۔ خاوند سے بڑی محبت تھی اور بچہ دار بھی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اس وقت حضرت ﷺ کا سر دھلا رہی تھی اس عورت نے آ کر سب قصہ بیان کیا اور اپنی مصیبت ناک حالت بھی عرض کی کہ میں پہلے جوان مالدار تھی اب عمر رسیدہ بھی ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں کہ اگر آپ رکھتی ہوں تو بھوک سے ہلاک ہوتے ہیں اور اس کو دیتی ہوں تو برباد ہوتے ہیں اور مجھے اس سے محبت بھی ہے۔ اب میں کیا کروں گی؟ اب میں اس سے پھر بھی مل سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا مجھے تو طلاق ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر اور بھی رنج ہوا۔ بار بار دردناک الفاظ میں اپنی مصیبت و تنہائی بیان کر کے پھر جائز ہونے کی سبیل پوچھتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں وہی بات فرماتے تھے۔ آخر وہ مایوسانہ حالت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر یہ کہنے لگی کہ الٰہی میں اپنی مصیبت کا اظہار تجھ سے کرتی ہوں میری مشکل کشائی کے لیے اپنے نبی پر کوئی حکم نازل کر دیجئے۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ یہی کہے جاتی تھی کہ یا نبی اللہ آپ کے قربان جاؤں میرے معاملے میں کچھ تدبیر و فکر کیجئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آثارِ وحی دیکھ کر اس عورت کو کہا چپ رہو اور اپنی تکرار کو بند کر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کو نہیں دیکھتی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہو چکی تو اس عورت کو بلا کر یہ آیات سنائیں اور کفارے کا حکم دے کر اس کو خاوند کے لیے مباح کر دیا۔ اس کے خاوند نے کفارہ ادا کیا۔ یہ اس کا کیسا فضل ہے؟ اور بھی سہل احکام اس سورہ میں ہیں اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ الخ ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو یوں کہے انت علی کظہر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے۔ ظہار[1] شرع میں اپنی بیوی کو یا اس کے کسی جزء شائع کو یا ایسے جزء کو جس سے کل تعبیر کیا جا سکتا ہو اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے جز سے تشبیہ دینا کہ جس کا دیکھنا جائز نہیں اور اسی طرح اور محرمات ابدیہ عورتوں سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے یہ ظہر بمعنی پشت سے مشتق ہے۔ او. پشت ذکر کی اور مراد اس سے پیٹ ہے یا مقام مخصوص مجازاً۔ اور شرم کی وجہ سے ایسی چیزوں کو دوسرے ناموں سے تعبیر کر دینا زبانِ عرب کا دستور ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں ظہر کہ جس سے ظہار لیا گیا ہے اس کے معنی پشت کے نہیں کس لیے کہ اور اعضاء میں سے صرف پشت ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ ظہر بمعنی علو سے مشتق ہے۔ جس سے مراد چڑھنا یعنی مرد جو اپنی بیوی پر چڑھتا ہے اس کو اپنی ماں پر چڑھنے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ یہ ایام جاہلیت میں سخت طلاق تھی اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر شرع نے بھی اس کو طلاق ہی قرار دے رکھا تھا جس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق ہوگئی جس پر وہ عورت حیرت زدہ ہو کر اور حکم چاہتی تھی۔ بالاتفاق جمہور علماء اس کلمہ سے عورت مرد پر ایک ایک وقت تک حرام ہو جاتی ہے یعنی جب تک کفارہ نہ دے اور اس لفظ سے طلاق نہیں واقع ہوتی بلکہ ظہار ایک جداگانہ چیز ہے۔

ان الفاظ کے کہنے سے تو بالاتفاق ظہار ہو جائے گا اور ان میں سے دوسری صورت بدل کر کہنے میں اختلاف ہے اور صورتیں چار پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ ظہر و امّ یا ان کے ہم معنی الفاظ دونوں مذکور ہوں جیسا کہ بیان ہوا۔ اس میں بالاتفاق ظہار واقع ہوگا۔ (۲) یہ کہ ظہر تو مذکور ہو اور ام مذکور نہ ہو پس اگر ماں کے بدلے کوئی غیر محرم عورت ذکر ہے یعنی محرم عورت سے تشبیہ نہیں اس صورت میں بھی بالاتفاق ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ اپنی عورت کے جماع کو اجنبی عورت سے تشبیہ دینے سے کوئی خرابی نہیں آتی اور اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو اس پر ہمیشہ حرام ہیں خواہ قرابت سے جیسا کہ بہن بیٹی خالہ پھوپھی نانی دادی نواسی بھتیجی بھانجی خواہ دودھ کی شرکت سے جیسا کہ دودھ بہن یا دودھ ماں یا رشتے کے سبب سے جیسا کہ بیوی کی ماں۔ ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہوگا کس لیے کہ جو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے غرض تھی وہی ان کے ساتھ تشبیہ دینے میں حاصل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ظہار نہ ہوگا آخر قول یہ ہے کہ ظہار ہوگا مگر بعض شافعیہ قولِ اول کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۳) یہ کہ ماں کی پیٹھ سے تشبیہ نہ ہو بلکہ اس کے کسی اور عضو کے ساتھ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اس کے کسی اور عضو سے تشبیہ ہو کہ جس کا دیکھنا حرام نہیں جیسا کہ ہاتھ پاؤں ان صورتوں میں بھی ظہار نہیں مگر امام شافعی رحمہ اللہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے منہ آنکھ۔ اس میں دو قول ہیں، پہلا یہ کہ ظہار نہیں آخر یہ کہ ظہار ہے۔ دوم یہ کہ ان اعضاء سے تشبیہ ہو کہ جن کا دیکھنا حرام ہے پیٹ، ران، چوتڑ وغیرہ۔ ان صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں مگر بعض نے قوت اس کو دی کہ ظہار نہیں۔ (۴) یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو نہ پشت کا بلکہ یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری بہن یا بیٹی کا پیٹ یا ران۔ یا یوں کہے کہ تو میری بہن یا بیٹی جیسی ہے۔ ان صورتوں میں اختلاف ہے مگر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ظہار ہے۔ بحث دوم ظہار کون کر سکتا ہے اور کس سے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو مسلمان طلاق دینے کا مجاز ہے وہ ظہار کا بھی ہے۔ کافر ذمی کا ایسا فعل ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ آیت میں منکم کا لفظ ہے جو اہلِ اسلام کی طرف خطاب ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں مسلمان ہو یا نہ ہو جو کوئی طلاق دے سکتا ہے ظہار بھی کر سکتا ہے۔ ذمیوں کے ایسے افعال کا وہی حکم ہوگا جو مسلمانوں کا ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت ظہار نہیں کر سکتی۔ اس کے

---

[1] فتح القدیر میں ظہار کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ ظہار حلال عورت کو اس کے جزءِ مستورہ یا جزءِ شائع کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے کبھی نکاح درست نہیں یا اس کی کسی چیز سے جس کا دیکھنا درست نہیں یا اس جزء سے کہ جس سے وہ تعبیر کی جاتی ہو جیسا کہ سر وگردن نصف وغیرہ مگر اس میں اختلافی صورتیں بھی داخل ہیں۔ ۱۲ منہ

اس کہنے سے کہ تو میرے پر ایسا ہے جیسی میری ماں کی پشت کچھ نہیں ہوتا۔ اوزاعی فرماتے ہیں یہ یمین ہے عورت کو کفارہ دینا پڑے گا۔ مسئلہ اگر مرد نے ظہار میں دن کی قید لگادی کہ آج کے روز تو مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہے تو ظہار نہ ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظہار ہوگا۔ آیت میں من نسائھم کا لفظ ہے اس سے ثابت ہوا کہ ظہار خاص بیوی سے ہوسکتا ہے نہ لونڈی سے۔ اگر لونڈی کو ایسی بات کہے گا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ واوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظہار ہوگا کس لیے کہ من نسائھم میں لونڈی داخل ہے وہ بھی مرد کی عورت ہے۔

فائدہ: آیت میں لفظ منکم عرب پر ایک طرح کی چوٹ ہے کس لیے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ عادت تھی جس سے خدا تعالیٰ نفرت فرماتا ہے اس لیے بعد میں صراحت کرتا ہے مَاهُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ کہ اس کہنے سے وہ ان کی مائیں نہیں ہوگئیں۔ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ مائیں تو ان کی حقیقۃً وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور حکم حرمت میں ان کے ساتھ وہ مائیں بھی شریک ہیں کہ جن کو شرع نے ماں کے قائم مقام کیا ہے جیسا کہ دودھ کی ماں جس کی نسبت ماں کا لفظ آیا ہے۔ وامھاتکم من الرضاعۃ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جن کی نسبت بھی ماں کا لفظ آیا ہے وازواجه امهاتهم مگر یہ عورتیں نہ تو حقیقی مائیں ہیں نہ حکمی۔ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا یہ تو ایک بری اور جھوٹی بات منہ سے نکال دی ہے جس کی سزا کفارہ ہے اس لیے اس کے بعد کفارے کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ کہ جو اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں (ان کو ماں کی ظہر یعنی پشت سے تشبیہ دیتے ہیں) پھر وہ لوٹنا چاہتے ہیں تو ان کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے یہ تمہاری نصیحت کے لیے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے اور جس کو بردہ یعنی غلام میسر نہ ہو تو بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں یعنی فقیروں کو کھانا کھلادے۔ یہ کفارہ ہے۔ اس کے بعد پھر بدستور اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔

ابحاث: (۱) ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔ محاورۂ عرب میں اس کلام کے دو معنی سمجھے جاتے ہیں۔ اس کام کے برخلاف ہونا اور اسی کو بار دگر کرنا کہتے ہیں۔ عاد لما[1] فعل جب کہ اس کے کام کو بگاڑنا چاہے اور جب بار دگر کرنا چاہے تب بھی یہی جملے بولتے ہیں اور ہر ایک کی نظائر موجود ہیں۔ یہ اس لیے کہ الی اور لام ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کلام کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ پہلے معنی کی طرف (یعنی برخلاف مراد لینے کی طرف) جمہور مجتہدین گئے ہیں ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کرکے اس سے پھرنا چاہیں اور برخلاف ہونا چاہیں تو کفارہ دیں۔ پھر ان پہلے معنوں کی تعیین میں کئی قول ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کرکے وطی وغیرہ فوائد حاصل کرنا چاہیں تو کفارہ دیں کس لیے کہ ظہار سے بجز اس خاص فائدے کے اور کوئی فائدہ ممنوع نہیں ہوا۔ خانہ داری کے سب کام بعد ظہار بھی کرنے درست ہیں پھر عود کس چیز کی طرف ہے؟ اسی چیز کی طرف ہوگا جو فوت ہوگئی اور وہ وطی اور اس کے دواعی ہیں۔ (۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹھہرا رکھنا یعنی جو شخص ظہار کرکے عود کرے کہ بیوی کو اس قدر زمانے تک اپنے پاس ٹھہرا رکھے کہ اس قدر زمانے میں طلاق دے سکے پس جب اس نے ظہار کرکے عورت کو رہنے دیا طلاق نہ دی تو بیوی پنے کا حق جو ظہار کرنے سے تلف کیا تھا پھر حاصل کیا۔ (۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ عود کہ جو کفارے کا باعث ہے ظہار کے بعد وہ صرف وطی کا قصد کرنا ہے۔ ظہار کے بعد جب یہ قصد کرلیا تو عود کیا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہا کے نزدیک کفارہ محض ظہار سے واجب نہیں بلکہ عود سے ان وجوہ ثلاثہ میں سے کسی وجہ پر عود ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عود کی تفسیر یہ کی کہ نادم ہو اور الفت چاہیے۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ اور جو علماء عود کے دوسرے معنی لیتے ہیں یعنی بار دگر

[1] ومنہ المثل عاد وغیث علی ما افسد ای تدارکہ بالاصلاح کشاف ۔۱۲ منہ

اس فعلِ ظہار کا کرنا تو ان کے نزدیک وجوبِ کفارہ کا باعث ظہار ہے نہ اور کوئی چیز پھر اس کے بھی کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ مکرر الفاظ منہ سے کہنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے نہ ایک بار کے کہنے سے جیسا کہ ابی عالیہ و داؤد ظاہری اور جمیع اہلِ ظواہر کا قول ہے ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر کے ثم یعودون لما قالوا پھر انہیں کلمات کو بارِ دگر منہ سے نکالیں اور اعادہ کریں تو ان پر کفارہ ہے اور جو ایک بار کہا تو کچھ نہیں مگر یہ قول محض ضعیف ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنی ناراضی ان کلمات پر ظاہر فرما رہا ہے جو زمانہ جاہلیت کی بات تھی۔ اس میں ایک بار کہنے سے بھی وہی جاہلیت کی ناشائستہ حرکت پائی گئی۔ دوم اس صحابی کا (کہ جس کی عورت کا آیات میں اشارۃً ذکر ہے) کسی روایت سے دوبارہ کہنا ثابت نہیں بلکہ اس نے ایک ہی بار یہ کلمات منہ سے نکالے تھے جس پر اس کی بیوی حیران و پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ (۲) یہ کہ صرف ظہار کے کلمات باعثِ ایجابِ کفارہ ہیں۔ یہ مجاہد و سفیان کا قول ہے، ان کے نزدیک ثم یعودون لما قالوا کے یہ معنی ہوئے کہ جو ایامِ جاہلیت میں کہا کرتے تھے اگر اب پھر کہیں تو کفارہ دیں۔ ان کے نزدیک والذین یظاھرون من نسائھم کا بیان ثم یعودون لما قالوا ہے کہ وہ جو ظہار کرتے ہیں اہلِ اسلام میں بارِ دگر پھر اسی جاہلیت کی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔

کفارۂ ظہار : فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا۔ تحریر حر بنانا یعنی آزاد کرنا۔ رقبہ گردن۔ اس سے مراد گردن والا جز سے کل تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں ہر سر پیچھے یہ ہو۔ یعنی ہر شخص کے لیے۔ رقبہ سے مراد غلام لونڈی، تماس، ہاتھ لگانا۔ مراد عام ہے۔ ہاتھ لگانا بوسہ دینا، جماع کرنا سب کو شامل ہے۔ عموم الفاظ کی وجہ سے۔ صحبت کرنے اور اس کے اسبابِ عمل میں لانے سے پہلے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رقبہ مطلقہ ہے مومن ہونے کی کوئی قید نہیں، غلام ہو، کافر ہو یا مومن کالا ہو یا گورا آزاد کر دینا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسری آیت میں رقبہ کو مومنہ سے مقید کر دیا ہے۔ یہاں بھی وہی مراد ہوگا یعنی مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ مگر دوسری آیت میں جو قید تھی وہاں یہ قید قتل کے کفارے میں ہے جو سخت جرم ہے۔ اس کو یہاں لانا اور قیاس کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ من قبل ان یتماسا کے متعلق ایک اور بحث ہے۔ وہ یہ کہ آیت کا حکم یہی ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے عورت کو ہاتھ نہ لگائے مگر جو کسی نے لگایا اور صحبت کر لی تو پھر کیا حکم ہے؟ اکثر علماء امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد حنبل و سفیان ثوری و اسحٰق وغیرہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ پہلے ہاتھ لگانا دوسرا گناہ[1] ہے اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں' استغفار کرے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں دو کفارے دینے ہوں گے۔ ذالك لتوعظون به یہ کفارہ یا غلام آزاد کرنے کا حکم تمہاری نصیحت کے لیے ہے تاکہ پھر ایسی بات نہ کہو۔ واللہ بما تعملون خبیر اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔ اگر کوئی یہ کلمات کہے کہ کفارے کے ڈر کے مارے نہ کرے گا تو کیا؟ اللہ تو جانتا ہے (یہ کفارے میں ایک بات تھی) فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا پھر جس کو غلام میسر نہ آئے تو ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ ان روزوں میں بھی یہ شرط ہے کہ ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے رکھے۔ اگر دس بیس روزے رکھ کر بیچ میں بیوی سے صحبت کر لی تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ رات میں نہ دن میں کفارے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا نہ چاہیے۔ عمداً تو عمداً اگر سہواً بھی کر بیٹھے گا تو ہٹ کر نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر رات میں بیوی سے صحبت کی تو اس سے تتابع میں فرق نہ آئے گا۔ امام مالک و امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک تتابع نہ رہا۔ پھر نئے سرے سے رکھے

[1] اصحاب سنن اربعہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس نے صحبت کر لی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو نے کس لیے کیا اس نے عرض کیا چاندنی رات میں اس کی پازیب اور گوری پنڈلی دیکھ کر رہا نہ گیا فرمایا کفارہ دینے تک اس کے پاس نہ جانا۔ ۱۲ منہ

اور جو کسی عذر سے اس نے دو مہینے کے روزوں میں سے کوئی روزہ نہ رکھا تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نئے سرے سے رکھے، بعض کہتے ہیں نہیں۔ پھر اگر بیماری یا بڑھاپے یا کسی معتبر عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا۔ صبح و شام دو وقت پیٹ بھر دے معمولی کھانا ہو اور معمولی کھانے والے ہوں۔ اور جو ان کو کھانا پختہ یا غیر پختہ دے کہ اپنے گھر جا کر کھالیں تو کس قدر فی کس دے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر مسکین کو گیہوں کا نصف صاع اور جو، چھوارے کا پورا صاع دے یا ان کی قیمت دے دے اور دلیل ان کی حدیث اوس ابن الصامت و سہل بن صخر کی ہے۔ جس میں نصف صاع گیہوں اور ایک صاع جو چھوارے دینے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اور نیز صدقۃ الفطر میں یہی مقدار آئی ہے۔ اور صدقاتِ واجبہ برابر ہیں۔ یہ حدیثیں ابوداؤد احمد طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر ایک مسکین کو ایک مد دے جو مد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وزن ہو اور وہ ایک رطل اور ثلث مقدار کی ہے۔

مسئلہ اگر ساٹھ روز تک ایک ہی مسکین کو دے گا تو کافی ہوگا اور اگر ساٹھ روز کا ایک فقیر کو ایک ہی روز دے دے گا تو یہ صرف ایک روز کا دینا سمجھا جائے گا۔ (ہدایہ) آیت میں جہاں کھانا دینے کا ذکر ہے اس جگہ من قبل ان یتماسا کی قید نہیں جیسا کہ غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں تھی۔ اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بات کہتے ہیں کہ ہر چند کھانا پہلے کھلانا واجب ہے اور جو کسی نے کھانا کھلانے سے پہلے صحبت کر لی تو یہ کفارہ کافی ہو جائے گا یعنی ہنوز مساکین دوسرے وقت کا کھانا نہ کھانے پائے تھے اس نے صحبت کر لی برا کیا استغفار کرے مگر کفارہ ادا ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گو اس جگہ قید من قبل ان یتماسا مذکور نہ ہو مگر اس سے پہلے دو چیزوں کے ادا کرنے میں مذکور ہو چکی ہے یہاں بھی وہی مراد ہے یہ کفارہ ادا نہ ہوگا۔

جمیع آیت سے متعلق بحث : اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ الخ ارشاد فرمایا جس سے کئی باتیں پیدا ہوئیں۔ (۱) ثم یعودون لما قالوا یہ تحریر رقبہ الخ کا سبب ثابت ہوتا ہے جس لیے تحریر پر ف سببیہ آئی۔ پھر اگر کوئی ظہار کر کے رجوع کرنا نہ چاہے تو کفارہ لازم نہ ہوگا کیا عورت کو عمر بھر یوں ہی لٹکائے رکھ سکتا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں عورت کفارہ ادا کئے بغیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دے اور مرد کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے۔ کس لیے کہ ادا نہ کرنے میں عورت کے حقوق تلف ہوتے ہیں حاکم سے رجوع کر کے کفارہ ادا کرائے۔ (کبیر)۔

(۲) من نسائهم کے لفظ میں وسعت ہے کہ اگر کسی کی چار بیویاں ہوں اور چاروں کو ایک بار خطاب کر کے یہ کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہو یعنی حرام۔ یہ چار ظہار گنے جائیں گے اور چار کفارے دینے پڑیں گے جس سے صحبت کرنے کا قصد کرے گا پہلے کفارہ دے گا جیسا کہ ایک ساتھ سب کو طلاق ہو سکتی ہے ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ و شافعی و حسن بصری و زہری و ثوری وغیرہم رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام مالک و امام احمد حنبل کہتے ہیں ایک کفارہ دینا ہوگا اور عمر و علی رضی اللہ عنہما و طاؤس و عطاء رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ لوگ یمین باللہ پر قیاس کرتے ہیں ایلاء میں۔ فتح القدیر

(۳) اگر کوئی ایک بار ظہار کر کے اور کفارہ دے کر پھر ظہار کرے تو فائدہ: سببیہ یہ کہہ رہی ہے کہ کفارہ دینا ہوگا تکرارِ علت سے معلول مکرر ہوگا (ہدایہ) کفارے کے بعد پابندیٔ احکام کی بابت تاکید فرماتا ہے۔ فقال ذالك یہ تعلیم احکام اس لیے ہے کہ اللہ اور رسول پر بجا آوریٔ احکام میں ایمان لاؤ اور اس کے حدود پر قائم رہو اور کافروں کو عذابِ الیم ہے اور خدا کو ناخوش کرنے والے عزت نہیں پاتے۔ ایک روز وہ ذلیل ہوں گے جیسا کہ پہلے لوگ ہوئے۔ ہم نے آیات بینات نازل کر دیں ان کو جو نہ مانے اس پر خدا کی مار اور ذلت کا عذاب ہے۔ اس روز ان سب کو اللہ اٹھا کر ان کے اعمال بتائے گا اللہ نے ان کو لکھ رکھا ہے یہ بھول گئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک سب چیز حاضر ہے۔

اس میں مسئلہ معاد بھی کس لطف سے ثابت کر دیا اور آخرت کا ذکر بھی جو انسان کو نیکی پر تحریک دلاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۸

کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر ان کو قیامت کے روز بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے کیونکہ اللہ ہر شے سے واقف ہے کیا آپ نے (اے رسول!) ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کر دیا تھا پھر بھی وہ اس سے باز نہیں آتے اور گناہ اور سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لیے مخفی مشورہ کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے ان کلمات سے صاحب سلامت کرتے ہیں کہ جن سے اللہ نے نہیں کی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں) کس لیے اللہ اس پر ہم کو عذاب نہیں دیتا ان کے لیے جہنم بس ہے جس میں وہ گریں گے پھر وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : ما یکون جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلہا من سعۃ علمہ۔ یکون من کان التامۃ وقری تکون من انثاء اعتبار التانیث النجوی وان کان غیر حقیقی۔ نجوای مصدر کالتناجی وقال الزجاج النجوی مشتق من النجوۃ وھی ما ارتفع من الارض فان السرا مرمرتفع عن استماع الغیر کالارض المرتفعۃ لارتفاعھا انفصلت عن اتصال الغیر۔ ثلاثۃ مجرد رباضافۃ نجوی الیہ او علی انھا موصوفۃ بھا بتقدیر مضاف الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال۔ ولا خمسۃ ای ولا نجوی ولا اکثر معطوف علی[1] العدد ویقرء بالرفع علی الا بتداء۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اَللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ کہ اللہ کے نزدیک ہر چیز حاضر و موجود ہے۔ اب اس جگہ اس وسعتِ علمی کی تشریح فرماتا ہے تاکہ ہر مکلف کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا کوئی فعل، کوئی قول، کوئی حرکت، کوئی دلی خطرہ بھی خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ جزا دے گا۔ اس بات پر یقین آنا انسان کا بڑا ہادی اور منہیات سے منع کرنے والا ناصح مشفق ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ کہ کیا اے انسان تو نہیں دیکھتا (کس لیے کہ اس بات کے دلائل تیرے آگے ظاہر ہیں پھر جاننا بمنزلہ دیکھنے کے ہے اور یہ بات محسوس و مشاہدہ ہو گئی ہے) کہ اللہ کو آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں معلوم ہیں۔ انسان کی مخفی اور مشورۂ نہانی کی باتیں بھی اس کو معلوم ہیں جہاں تین شخص مل کر مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ چوتھا ان کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور جو چار ہوتے ہیں تو وہ پانچواں ہوتا ہے اور پانچ ہوں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ (غالباً مخفی مشورہ میں کم ہی آدمی ہوا کرتے ہیں جن کی اکثر یہ تعداد یہ ہوتی ہے) خواہ کم ہوں خواہ زیادہ ہر حال میں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز بتا دے گا کہ کیا کرتے

---

[1] منصوب علی ان لا نفی الجنس ۔۱۲ منہ

تھے، وہ ہر بات جانتا ہے۔ مخفی مشورے کے ذکر کے بعد خاص مشورہ ہی کی بابت ایک مناسب حکم دینے کا موقع آگیا اس لیے بری باتوں کے لیے مخفی مشورت اور کانا پھونسی کی ممانعت کس عمدہ پیرائے میں بیان فرماتا ہے۔ فقال الم تر الی الذین نھوا عن النجوی کہ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ جو مخفی مشورہ سے منع کئے گئے تھے وہ باز نہیں آتے، پھر کرتے ہیں اور کس بات کی کانا پھونسی کرتے ہیں؟ گناہ اور بغاوت کی، رسول کی نافرمانی کی اور اسی پر بس نہیں جب وہ اے رسول! تیرے پاس آتے ہیں تو سلام اس طرح سے کرتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نہیں کیا خدا نے سلام علی عبادہ الذین اصطفی فرمایا ہے اور السلام علیکم سنت قرار پائی ہے مگر یہ کمبخت ان لفظوں سے سلام نہیں کرتے یا تو السام[1] علیک زبان دبا کر کرتے ہیں یا انعم صباحا وغیرہ الفاظ۔ اور جب مجلس سے باہر جاتے تھے تو دلیری سے کہتے تھے خدا ہماری باتوں پر ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا۔ ان کو جہنم کی سزا ہے مگر دنیا میں جلدی نہیں کرتا وہ بہت بری جگہ ہے۔

معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینے کے منافق اور بنی قریظہ و بنی نضیر کے یہود جو آس پاس رہتے تھے مسلمانوں کو حیران و پریشان کرنے کے واسطے لوگوں کو دکھا کر دو چار الگ بیٹھ کر سرگوشی کرتے اور آنکھوں بھوؤں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اس سے مسلمانوں کو تشویش پیدا ہوتی تھی کیونکہ اس وقت بدامنی تھی، کفار کا غلبہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تھا مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ جو شعائر اسلامیہ[2] ہے کہیں السام علیک کہیں انعم صباحا کہتے تھے مقصود خلاف کرنا ہوتا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨
اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا
فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس

---

[1] سام موت مدینے کے یہود ایسا کرتے تھے، بدبخت لوگوں میں ایسی کمینگی اور چالاکی اور گستاخی کی عادت اخلاق کریمانہ کی جگہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اسلام کا آسمانی قانون جس طرح روحانی اور اخلاقی امور کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح بعض رسمی اور علامتی باتوں کو بھی بڑے زور سے قائم کرتا ہے خصوصاً ان اوضاع واطوار کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم و پیغمبر ﷺ کے تھے جو اسلامیوں کے نشان اور علامات قرار دیے گئے ہیں (جیسا کہ ڈاڑھی رکھنا مونچھیں کتروانا ناخن لوانا زیر ناف کے بال لینا ختنہ کرنا آپس میں بوقت ملاقات السلام علیکم کہنا) اس کا غلبہ اور قوموں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان باتوں میں پیروی کریں اوروں کو جھکاتا ہے مبتذل اور فاحشہ کی طرح ایک ہی طرف آپ اپنے کپڑے اور وضع بدل کر جھکنا نہیں چاہتا دیکھو آج کل شوکت انگریزی لوگوں کو اپنی زبان و اوضاع کی طرف کھینچ رہی ہے حالانکہ ملکی مصلحت یہ تھی کہ خود انگریز رعایا کی زبان واطوار کا تتبع کرتے۔ ۱۲ منہ

کے پاس تم کو پھر جانا ہے (یہ) سرگوشی تو صرف شیطانی بات ہے تاکہ ایمانداروں کو رنج ہو حالانکہ بغیر حکم اللہ کے کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اے ایمان والو! جب تم کو کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھو خدا تم کو فراغی دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ۔ تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے کہ جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : لیحزن خبر آخر لانما النجویٰ والاول من الشیطان والذین اوتوا العلم فی محل النصب لکونہ معطوفا علی الذین آمنوا درجات منصوبۃ بالتمیز۔

تفسیر : پہلے مخفی مشاورت کی برائی بیان ہوئی تھی اب یہاں مسلمانوں کو مشورے کی بابت حکم دیتا ہے۔ فقال یاایھاالذین آمنوا الخ کہ مخفی مشورہ بالکل ممنوع نہیں ہاں اگر ہو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی بابت نہ ہو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کے لیے ہونا چاہیے اور اگر مصالحِ دنیاویہ کی بابت ہو بشرطیکہ گناہ اور بغاوت اور نافرمانیِ رسول نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اسی کے پاس جمع ہونا ہے قیامت میں یا مرنے کے بعد عالمِ ارواح میں۔ اب اس پہلے مخفی مشورے کی حالت بیان فرماتا ہے۔ انما النجویٰ الخ کہ وہ مشورہ شیطانی اور مسلمانوں کو رنج دینے کے لیے ہے اور خدا کی مرضی بغیر اس سے ضرر تو کیا دے سکتے ہیں؟ اور ایمانداروں کا اللہ ہی پر بھروسا ہوتا ہے۔ وہ مخفی مشورہ اور اشاروں کی کچھ پروا نہیں کرتے یعنی نہ کرنا چاہیے۔

آدابِ مجلس: مخفی مشورہ جس طرح مجلس میں حضارِ جلسہ کی پریشانی و رنج کا باعث ہے بلاضرورت کرنا وہ ممنوع کیا گیا اسی طرح مجلس میں پہنچ کر بیٹھنا اور آنے والے کو جگہ نہ دینا یا خواہ مخواہ جگہ تنگ کرنے کے لیے اڑ جانا بھی اہلِ مجلس اور قومی جماعت اور سردار کو رنج دینے والی بات تھی اس لیے اس کی بھی اصلاح کرنی ضرور تھی فقال یاایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا الخ یہ نشست و برخاست کی بابت دو حکم ہیں جو سراپا تہذیب ہیں۔ (۱) یہ کہ جب مجالس میں (عام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو یا کسی دینی بزرگ کی یا وعظ و پند کی یا مصالحِ دینی و دنیوی میں مشورہ کرنے کی یا کوئی تدبیرِ ملکی و مصلحتِ قومی کی) تنگ ہو کر نہ بیٹھو اور جب تم کو سردار کشادہ ہونے کا حکم دے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمہارے لیے کشائش عطا کرے گا دنیا میں اور دنیاوی امور میں، قبر میں، آخرت میں، فہم و عقل میں، دائرۂ محبت و اخوتِ اسلامی و قومی میں۔ مجلس میں کھل کر بیٹھنے سے دائرۂ محبت و تہذیب کھل جائے گا۔ (۲) واذا قیل انشزوا الخ کہ جب تم کو سردار جانے کے لیے کہے تو چلے جاؤ حکم سن لیا جو کام تھا کر لیا چل دیے، اژدہام کرنے کو اڑ کر نہ بیٹھو کہ سردار پر اور دیگر آنے والوں پر شاق گزرے۔ دعوت و عیادت میں بھی زیادہ جم کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ تم سردار کے کہنے سے مجلس سے اٹھ کھڑے ہو گے تو خدا تمہارے میں سے ایمانداروں بالخصوص علم والوں کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ یعنی تم اٹھنے میں جو بلند ہوتے ہو تو درجے میں بھی بلندی حاصل کرتے ہو۔ عجب پرمعنی لفظ ہے یہ بھی اور اس سے پہلا یفسح اللہ بھی۔ اس آیت میں اہلِ مجلس کے مراتب بھی اشارۃً بیان کر دیے کہ اسلامی مجلس میں ترجیح ایمان و علم سے ہے نہ کثرتِ مال و اسبابِ وزن و فرزند سے۔ علم کے فضائل احادیثِ صحیحہ میں اس قدر بیان ہیں کہ جن کے ذکر کو ایک دفتر چاہیے۔

مباحث : (۱) مشورہ اور ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا شاورھم فی الامر فرمایا۔ نجاوی اور چیز ہے۔ نجاوی بھی مشورہ ہے مگر مخفی اور تھوڑے آدمیوں میں ہوتا ہے اور مشورے میں یہ قید نہیں بلکہ کبھی وہ علی رؤس الاشہاد سب کے سامنے ہوتا ہے راؤں میں سقم و صحت دریافت کرنے کے لیے جو کسی خاص بات میں دی جاتی ہیں۔ یہ عمدہ چیز کس لیے کہ ہر قسم کے لوگ اور مختلف ذہنوں اور دماغوں کا (جو مختلف تجربے اور کامیابی و ناکامی کی ورزش کیے ہوئے ہوں) کسی بات پر توجہ کرنا مجموعی قوت کے لحاظ سے بڑا اثر رکھتا ہے۔ اسلامی سلطنت جو آسمانی سلطنت کے نام سے بائبل میں نامزد کی گئی ہے اسی مشورے پر مبنی تھی اور جمہوری تھی مگر رفتہ رفتہ بُعدِ زمانہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یا قومی نحوست و بدبختی سے جس طرح اور باتوں میں فرق آتا گیا اس میں بھی آیا سلطنت شخصی رہ گئی جس میں ایک ہی شخص پر تمام بار پڑتا ہے۔ اگر وہ لائق اور مدبر اور اولوالعزم ہو تو اس نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے اور اس کے مرتے ہی وہ چراغ گل ہو گیا اور اگر جمہوری ہوتی تو کیوں چراغ گل ہوتا اور نیز شخصی سلطنت میں بادشاہ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وہ لہو ولعب' جور وظلم خلافِ قانونِ مذہب وملت خلاف دستور جو چاہے کر سکتا ہے۔ خزانہ شاہی خاص اس کی ملک ہوتا ہے جس کا بڑا حصہ اس کے شہوانی اور آسائشی کاموں میں صرف ہوتا ہے اور پھر اس کو انتظامِ ملک و تدابیرِ سلطنت و بقائے قوتِ اعوانیہ و تحفظِ جماعت دنظر' قوانین سلطنت و ملک و ملت وانتخاب کارکنانِ سلطنت کے لیے کوئی وقت بھی نہیں ملتا۔ اس غافل کے کارکن وقت کو غنیمت جان کر خوب دست برد کرتے ہیں اس لیے ملک برباد سلطنت تمام ہو جاتی ہے اور نیز بدخواہانِ سلطنت یہ سمجھ کر اس ایک شخص کے مارنے سے ملک ہاتھ لگتا ہے مارنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں جس لیے بادشاہ اپنی جان کو سپاہیوں کی حفاظت میں رکھتا ہے اور کھانے پینے' پھرنے چلنے میں اس کی آزادی جاتی رہتی ہے وہ ایک قیدی یا ایک بیمار ہوتا ہے جو ہر کہیں نہیں جا سکتا' نہ ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا کھا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی بیوی اور اولاد اور خاندان سے بھی اطمینان نہیں رہتا۔ یہ کیسی مصیبت ہے؟ اگر جمہوری ہو تو اس کا بوجھ بھی بٹ جائے اور نہ کوئی اس کے مارنے کا قصد کرے نہ اس کے مرنے سے اپنی کامیابی تصور کرے کیونکہ جانتا ہے قوم کو اختیار ہے جو بعد میں بھی باقی ہے۔

ہمارے بادشاہوں نے باغ لگائے، سڑکیں بنائیں، قلعے مستحکم چنائے مگر ایسے پودے نہ لگائے کہ ان کی چھاؤں میں ملک وسلطنت کو بیٹھنا نصیب ہوتا یعنی جمہوری کرنے کے لیے قوم وملک میں ایسے حوصلے اور علوم کارآمد شائع نہ کئے کہ جس سے عمدہ افراد پیدا ہوتے اور ہر شخص ملک وسلطنت کو اپنی جان کر سچی ہمدردی اور کامل سرگرمی کرتا۔

نجوٰی یعنی کانا پھونسی اور وہ بھی ایک مجلس میں خصوص بڑے شخص کے سامنے دینی و دنیاوی شہنشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بدمعاشوں اور چوٹوں کا کمینہ فعل ہے اس لیے اس کو من الشیطان اور مومنین کو رنج رساں کہا تھا۔ اس لیے ان آیات میں اذا تناجیتم الخ اس پیرایہ سے ذکر کیا کہ جس سے نجوٰی کی کوئی خوبی اور بہتری نہیں نکلتی کیونکہ یوں فرمایا کہ اگر سرگوشی کرو یا جب کبھی سرگوشی کرو تو بری باتوں کے لیے نہ کرو اچھی باتوں کے لیے کرو وتناجوا بالبر الخ اس تقدیر پر پہلے کلام کا تتمہ ہے مستقل حکم نہیں۔

(۲) اثم گناہ۔ عدوان، سرکشی' بغاوت' معصیت الرسول رسول کی نافرمانی، یہ تین باتیں ہوئیں بظاہر تینوں کے مقصد میں کوئی فرق نہیں، گناہ سب کو شامل ہے مگر گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک بندوں کی حق تلفی ان پر ظلم وزیادتی، دوسرے خدا تعالیٰ کے گناہ نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا وغیرہ گناہ کی تفسیر بالتفصیل عدوان کے ساتھ اور دوسروں کی معصیت الرسول کے ساتھ کی۔ کس لیے کہ ان امور کا ثبوت کہ جن کے ترک وفعل سے گناہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہے بوحیِ متلو یا غیر متلو اور اس میں باریک فرق ہے جس کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

(۳) بر نیکی نیک سلوک کرنا تقویٰ پرہیزگاری بر عدوان کے مقابلے میں اور تقویٰ معصیت الرسول کے مقابلے میں ذکر کی اور جس طرح اثم نہی میں دونوں کو شامل تھا اسی طرح یہاں امر میں اتقوا اللہ دونوں کو شامل ہے اور اللہ کی صفت میں الذی الیہ تحشرون کا ذکر منہی عنہ سے بچنے اور مامور کے بجالانے کا باعث ہے کیونکہ جب انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ ہم سب کو خدا کے پاس جمع ہونا اور بندوں کے حقوق کا مطالبہ ہونا اور اپنے گناہوں سے بھی پوچھا جانا ہے تو بری باتوں سے بچے گا اور نیک باتوں کو کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اے ایماندارو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور ستھری بات ہے پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈرتے ہو۔ پھر جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو (بس) نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب: اذا ناجیتم الخ شرط فقدموا جوابہ والجملۃ نداء بین یدی بمعنی قبل ای قبل نجوٰکم۔ ھو ظرف لقدموا وصدقۃ مفعولہ۔ ذلک مبتداء خیر لکم خبرہ واطھر خبر بعد خبر وشفقۃ مہربانی شفق کذلک۔ اشفاق ترسیدن از کسے یا چیزے از مہربانی بروے صلہ بعلٰی وبمعنی ترسیدن از کسے وصلتہ بمن۔

تفسیر: پہلے صرف سرگوشی کی برائی بیان فرمائی تھی کہ یہ شیطانی کام اور رنج دہندہ بات ہے۔ خیر یہ تو ان کی باہمی مشورت کے لیے حکم تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خواہ مخواہ سرگوشیاں کر کے مسلمانوں کو وحشت دلاتے تھے۔ مگر منافق تو عجب حیلہ گر تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنی اختیار کی۔ بات کچھ نہیں یوں ہی مشیخت جتانے کے لیے اور اس لیے کہ اس عرصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ و پند تلقین کرنے کا موقع نہ ملے نہ مسلمانوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے کہ آپ سے کچھ مخفی عرض کرنا ہے۔ کان جھکا کر ادھر اُدھر کے قافیے ملانے لگتے۔ آپ سراسر اخلاقِ مجسم تھے۔ جانتے تھے کہ بیہودہ کام کی بات میں مشورہ نہیں مگر پھر بھی اخلاقِ کریمانہ سے کسی کی دل آزاری بھری مجلس میں پسند نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر شاق گزرتا تھا اس لیے خدا تعالیٰ نے یہ ایک خاص حکم اس بارے میں نازل فرما دیا۔ فقال یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ الخ کہ اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اس سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔

ایسی سرگوشیاں منافق کیا کرتے تھے مگر رسول پاک ﷺ کے تو اخلاق کریمانہ تھے ہی اللہ تعالیٰ کی ستاری و دلجوئی کو دیکھو یہ نہ فرمایا کہ اے منافقو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ اس میں کئی باتیں بری پیدا ہو جاتیں۔ ایک تو ان منافقوں کا پردہ کھل جاتا۔ دوسرے منافق کہنے میں ان کو بڑی ندامت و شرمندگی اور رنج ہوتا۔ تیسرے اخلاص اور ایمان کی امید ان سے منقطع ہو جاتی کس لیے کہ جب اللہ نے ان کو منافق کہہ دیا تو پھر مومن کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ان میں سے بہت لوگ اخیر میں مخلص اور سچے ایماندار ہو گئے گویا آمنوا کے لفظ سے یاد کرنا ان کے حق میں نیک فالی اور ایک طرح کی پیشین گوئی اور ایک مژدہ تھا۔ چوتھے ان میں منافقوں ہی کی تخصیص ہو جاتی، ایمانداروں کے لیے یہ حکم نہ ہوتا حالانکہ ان کے لیے بھی تھا کس لیے کہ رسولِ خدا ﷺ سے ہر کس و ناکس کا ہر بات میں مخفی طور سے سرگوشی کرنا منصبِ رسالت کے کاموں میں حرج کرنا ہے اور رسول کو اس کے اعلیٰ مقاصد سے روکنا ہے۔ فی الجملہ یہ بھی ایک قسم کی خطا ہے جس کا کفارہ اس کے وقوع سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا یعنی یہاں ادھار نہیں نقدا نقد ہے۔ پہلے صدقہ دے لو پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرو۔ پانچویں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب ہم نے مسلمانوں کو ان کی ضروری اور غیر ضروری باتوں میں صدقے کا حکم دیا تو منافقوں کو کیوں نہ ہو کہ وہ نہ دیا کریں۔ کیا پر حکمت بول چال ہے۔ انہیں باتوں کی رعایت رکھنا تو اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

اس صدقہ دینے کے حکم میں چند مصلحتیں ہیں۔(۱) ایک تو یہی کہ اس حرج کا کفارہ ہے۔(۲) یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔(۳) مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہے۔(۴) سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد ہے۔ پہلے تو مفت مفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کہہ دینا آسان بات تھی مگر اب تو صدقہ دینا پڑا اس لیے یہ سرگوشی بہت کم ہوگئی اور کس لطف کے ساتھ کم کی گئی؟ دنیا کے عقلاء جب کسی بات کی قلت اور اس کا انسداد چاہتے ہیں تو دفعۃً اس کے بند اور معدوم کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس پر کوئی ٹیکس یا جرمانہ یا فیس قائم کر دیتے ہیں جس کی صدہا نظائر آج کل موجود ہیں۔ قرآن روحانی اخلاق تو سکھاتا ہی ہے دنیاوی تدابیر بھی تعلیم کرتا ہے۔ نیک لوگوں نے اس مسئلہ کو اپنے اخلاقِ ذمیمہ کم کرنے پر بہت برتا ہے اور خوب عمدہ نتائج پیدا کئے ہیں۔ کسی بزرگ نے التزام رکھا تھا کہ اگر کسی کی غیبت یا کوئی جھوٹی بات یا کوئی ایذا دہندہ کلمہ منہ سے نکلے گا تو سات روزے رکھوں گا دو ایک بار روزے رکھے پھر نفس کو خبر ہوگئی زبان بھی کھل گئی اسی طرح اور باتوں پر بھی ایسے احکام لگا رکھے تھے ایسے باخدا اپنی اصلاح میں شب و روز سرگرم رہتے ہیں اور یہی جہادِ اکبر ہے جس نے نفس پر اس کی شہوانی خواہشوں کے روکنے میں فتح پائی اس نے اقلیم جاودانی کو حاصل کر لیا۔

فائدہ: آیت میں اس صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہ ہوئی کہ کس قدر؟ اور نہ تعیین کہ کیا چیز دے اور کس کو دے۔ ان سب باتوں کو سہولت کے لیے عرف پر چھوڑ دیا اور صدقہ نکرہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ مسئلہ: یہ صدقہ کیا واجب تھا یا مندوب؟ بعض علماء کہتے ہیں واجب تھا بعض کہتے ہیں مندوب تھا، آیت کے اخیر الفاظ بتا رہے ہیں جیسا کہ فان لم تجدوا۔ ءاشفقتم الخ خیر جو کچھ ہو مگر کیا یہ حکم اخیر تک باقی رہا تھا یا منسوخ ہو گیا تھا؟ اکثر علماء کہتے ہیں پھر منسوخ ہو گیا تھا اور یہ اخیر جملے جو بعد میں نازل ہوئے تھے ناسخ ہیں اور وہ یہ ہیں فان لم تجدوا الخ اور ءاشفقتم الخ اور یہ سرگوشی کی عادت بھی جاتی رہی تھی جو مسلم کہتے ہیں جن جملوں کو ناسخ قرار دیتے ہو ان میں کوئی بات پہلے حکم کے مخالف نہیں یا تاکید ہے یا تشریح پھر کیونکر ناسخ، کہا گیا؟ بلکہ یہ حکم باقی رہا اس کی وجہ سے یہ فعل بھی جاتا رہا اور بہت سے منافق رفتہ رفتہ مخلصین ہو گئے۔

صدقے کی نسبت فرمایا تھا ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ کہ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ بہتر میں۔ چار اخیر مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے اور اطہر میں پہلی مصلحت کی طرف۔ پھر فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا الخ اگر تمہیں صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو خیر معاف ہے پھر اسی پہلی آیت کے تمام مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ فقال ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم صدقات کہ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ یعنی نہ ڈرو صدقہ دو صدقے میں بہتری اور پاکیزگی ہے فاذ لم تفعلوا۔ پھر اگر نہ کرو جیسا کہ فان لم تجدوا میں ذکر تھا۔ یعنی بے مقدوری کی وجہ سے صدقہ نہ دے سکو اور تاب الله علیکم اللہ نے تم کو معاف بھی اسی حالت میں کر دیا ہے تو اقیموا الصلوٰة الخ نیک کام کیا کرو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔

فائدہ: پہلے تو صدقہ مفرد لفظ فرمایا تھا کس لیے کہ حکم کے وقت مامور بہ کو تھوڑا دکھانے میں مکلف کی ہمت بڑھتی ہے کہ یہ تھوڑی سی بات ہے اسے کر لوں گا مگر اخیر میں بلحاظ افراد مخاطبین یا افراد صدقہ جمع کا لفظ صدقات ارشاد فرمایا۔ فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں خصوصاً جو اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں کہ فاذ لم تفعلوا میں بمقدوری سے صدقہ نہ دینا مراد نہیں کس لیے کہ اگر یہ ہوتا اقیموا الصلوٰة کے بعد آتوا الزکوٰة نہ فرمایا کس لیے کہ مفلس کیا زکوٰۃ دے گا جو تھوڑا سا صدقہ نہ دے سکا؟ بلکہ حکم کو منسوخ کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو تو تمہیں اختیار ہے۔ اس تقدیر پر یہ پہلی آیت کی تصریح و تاکید نہیں بلکہ جدید حکم ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۴ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۵ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۶ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۸ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰـىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۹

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر رکھی ہے کہ جن پر اللہ کا غضب ہے یہ منافق نہ تمہارے ہیں نہ ان کے اور جان بوجھ کر جھوٹ پر قسمیں کھایا کرتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ اپنی قسموں کو آڑ بنالیا ہے سو (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ ہرگز اللہ کے مقابلہ میں نہ تو ان کے مال ہی کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولادیں کچھ کام آئیں گی۔ یہ دوزخی لوگ ہیں سدا اس میں رہا کریں گے۔ جس دن کہ اللہ ان سب کو قبروں سے اٹھادے گا تو اس کے سامنے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی کہ تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم رستے پر ہیں۔ دیکھو یہ جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے قابو پالیا ہے جس لیے ان کو اللہ کی یاد بھلادی یہی شیطان کا گروہ ہے۔ دیکھو شیطان کا گروہ ہی تو خسارے میں ہے۔

ترکیب : مَاهُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ جملۃ مستانفۃ او حال من فاعل تولوا ویحلفون عطف علی تولوا داخل فی حکم التعجب وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی تکرار الحلف وتجددہ۔ وھم یعلمون حال من فاعل یحلفون لتفید شناعۃ قولھم لان الحلف علی ما یعلم انہ کذب فی غایۃ القبح۔ یوم یبعثھم قیل ظرف لقولہ تعالیٰ لھم عذاب مھین۔

۱؎ وھم یعلمون کی قید سے جاحظ کا قول غلط ہوگیا جو کہتا ہے کہ خلافِ واقع بات کہنے سے جب جھوٹ ہوگا کہ جب جانتا بھی ہو کہ یہ خلافِ واقع ہے کس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو ھم یعلمون مکرر الفاظ ہوجاتے بلکہ ثابت ہوگیا کہ جھوٹ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ بے خبری میں خلافِ واقع بات کہے دوسرے یہ کہ جان کر کہے یہ سخت ہے پہلے سے۔ ۱۲ منہ

۲؎ انسان کا ملکات روحانیہ پر قائم نہ رہنا کبھی اوناس بہیمہ کی طرف مائل ہونا کبھی ملکوتیہ کی طرف یہ بھی اہلِ طریقت کے نزدیک نفاق ہے اہل شریعت کے نزدیک دل میں کچھ ہو زبان سے اور کچھ کہے نفاق کا شعبہ ہے اور روایت میں منافقوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو زبان سے کلمۂ توحید پڑھتے تھے باطن میں کافر تھے۔ ۱۲ منہ

۳؎ استحوذ لم یبدل الواو بالالف مع وجود الفائدۃ۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں منافقوں کے اعمالِ بد کا ذکر تھا جو اہلِ ایمان کی ایذاء اور پریشانیِ خاطر کے باعث ہوتے تھے یعنی کانا پھونسی کرنا۔ اب اس جگہ ان کی دوسری بدعات ایذا دینے والی ذکر کرتا ہے تا کہ اس سے باز آئیں اور دیگر مسلمان بھی دور رہیں فقال الم تر الخ اور وہ بدبات یہ تھی کہ منافق اس قوم سے (کہ جس پر غضبِ الٰہی ہے یعنی یہود) مخفی یارانہ رکھتے تھے اور اس یارانے میں بھی سچے اور قائم نہ تھے نہ یہود کے ساتھ نہ اہلِ اسلام کے ساتھ۔ مذبذبین بین ذٰلک اور مسلمانوں کے روبرو آ کر جھوٹی[1] قسمیں کھایا کرتے۔ یہ مجموعہ ناپسند اور ایذا وہ کام تھا۔ اگر یارانہ یہود سے کیا تھا تو صاف کہہ دیتے مسلمان پھر ان سے بھی خبردار رہتے۔ اس سازش کو چھپانا اور بھی ظلم تھا۔ اس نکوہیدہ بات کو تعجب کے صیغوں میں بیان فرمایا کہ اے نبی! تم نے وہ لوگ بھی دیکھے جو ایسا کرتے ہیں؟ اس سے مقصود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا دریافت کرنا نہیں بلکہ یہ محاورہ تعجب اور افسوس کے لیے ہے۔ یہود کا نام نہیں لیا بلکہ یوں کہہ دیا کہ ان سے ملتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا۔ یہ اس لیے کہ یہود سے بالذات ملنے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مقہور قوم ہے۔ مقہور اور مدبر لوگوں کے ساتھی ہونے میں انسان خود بھی قہرِ الٰہی میں آ جاتا ہے۔ ڈوبتی کشتی کا بچانے والا آپ بھی ڈوبتا ہے۔ یہ ایک بڑی کارآمد بات ہے۔ کبھی بد اقبال اور مقہور لوگوں سے میل جول نہ کرے۔ یہود ایک متبرک اور خاندانی قوم تھی، دینی اور دنیاوی دونوں جہت سے مگر جس طرح ہر حادث کی عمرِ طبعی ہے قومی اقبالوں کی بھی ہے ان کے اقبال کی عمر ہو چکی تھی۔ مدت سے ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ سخت اندھیریوں کے عمیق گڑھے میں پڑے ہوئے تھے اپنے بزرگوں پر تفاخر اور خاندان پر ناز ان کا مایۂ بساط تھا اور اس لیے من گھڑت منصوبے بھی باندھ رکھے تھے کہ ہم انبیاء زادے ہیں، دوزخ ہمارے لیے نہیں کس لیے کہ ہم نبی کا جزوِ بدن ہیں اور نبی کا جزوِ بدن جہنم میں نہیں جائے گا۔ ہم جو چاہیں کریں، بھلا دوسرے خاندان کے کسی شخص کو ہم مانیں؟ (افسوس مسلمانوں میں بھی بعض لوگوں کی اس کے قریب قریب نوبت آ گئی ہے خصوصاً مصنوعی سید اور نالائق بزرگ زادے ایسی باتیں بنایا کرتے ہیں اور بادشاہوں اور امیروں کی بد اقبال اور کمبخت اولاد لاف زنیوں کو فوزِ مرام کا وسیلہ جانتی ہے خود کچھ بھی نہیں ہوتے) اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ مدینے کے پاس ان کے دو قبیلے رہتے تھے۔ یہ مدینے کے منافق ان سے ملا کرتے تھے اور برائیاں کیا کرتے تھے۔ ان قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال یا آڑ بنا رکھا تھا۔ فرماتا ہے ان کو ذلت کا عذاب ہے۔ ان کے اولاد و مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے خدا کے دشمنوں سے یارانہ کرتے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں، ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ جس روز اللہ ان کو بارِ دگر زندہ کرے گا یعنی قیامت میں وہاں بھی اپنی عادت کے موافق اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے لیے کھاتے ہیں؟ اور جانتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں، مگر جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غالب آ گئے ہیں اس لیے اللہ کو بھول گئے، یہ شیطانی گروہ ہے اور شیطانی گروہ خسارے میں ہے۔ تقدیر پھوٹے کمبخت لوگ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ

[1] چنانچہ سدی و مقاتل کہتے ہیں کہ عبداللہ بن نبتل منافق آنحضرت ﷺ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا پھر یہود میں جا کر باتیں بنایا کرتا اور عیب جوئی کرتا اور برا بھلا کہتا ایک بار آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا تو کس لیے اور کس بات پر برا بھلا کہتا ہے قسمیں کھانے لگا اس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے۔ جس کو بعض مفسروں نے یوں تعبیر کیا کہ اس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ١٢ منہ

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾

ع ۳

بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں وہی ذلیل ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اللہ زور آور اور زبردست ہے۔ آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہوں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح سے مدد بھی کی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے۔ اللہ ان سے خوش ہو گا اور وہ اس سے خوش۔ یہی ہے اللہ کا گروہ دیکھو اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہو کر رہے گا۔

ترکیب : اولئك الجملة خبر ان الذين لاتجد اما متعدالى اثنين فقوله تعالىٰ يوادون مفعوله الثانى واما متعدالى واحد فقوله يوادون حال من مفعوله لتخصصه بالصفة وقيل صفة لقوم ولو كان متصلة بقوله لاتجد الخ اولئك مبتداء كتب خبره وايدهم ويدخلهم معطوف عليه۔

تفسیر : یہ کفار کی اسی دوستی کے متعلق بیان ہے کہ جس کا پہلے بیان ہوا تھا کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے اور جو اللہ کو ناراض کرتے ہیں وہ ذلیل ہیں۔ منافق یہود سے یارانہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اس سے ہم کو عزت ہوگی اور ہم اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ انہیں دونوں باتوں سے ان کا محروم رہنا بیان فرما دیا۔ پہلی بات کا اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ میں ان کا ذلیل ہونا ظاہر ہے کس لیے کہ عزت والا خدا تعالیٰ ہے ایسے عزت دار کے مخالف کو ذلت کے سوا اور کیا ہے۔ دوسری کا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ میں اللہ کے دفتر میں لکھا گیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بعض رسول منکروں کے مقابلے میں گو سر دست مغلوب ہو گئے تھے مگر انجام کار وہ منکر ہلاک و برباد ہوئے اس رسول کے گروہ کے لوگ غالب آئے۔

اس کے بعد کفار و مشرکین سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا تاکیدی حکم دیتا ہے۔ فقال لاتجد قوماً الخ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر ایک اہل بصیرت! تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے والے لوگوں کو نہ دیکھو گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوں خواہ ان کا باپ ہو یا بیٹا ہو بھائی ہو یا برادری ہو۔ وہ سچے ایماندار کبھی ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں۔ اس میں ان کا بھائی ہو یا باپ یا بیٹا کوئی کیوں نہ ہو وہ کسی کی اللہ کے مقابلے میں پروا نہیں کرتے۔ پھر ان سچے ایمانداروں کے (جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی بیٹے باپ برادری کی پروا نہیں کرتے) چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) كتب الله الخ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان قائم کر دیا۔ ان کے الواحِ قلوب پر ازلی قلم سے ایمان لکھا گیا وہ صرف زبانی ایمان والوں میں نہیں۔ (۲) ايدهم بروح منه کہ ان کی اپنے ہاں کی روح سے مدد کی روحِ مؤید کے علما نے کئی ایک معنی بیان فرمائے ہیں۔ نورِ قلب، قرآن مجید دشمنوں پر فتحیابی ان سب کو روح کہا گیا اور ایسے ایمانداروں کی تائید ہوئی۔ سدی کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر ایمان کی طرف پھرتی ہے یعنی ان کی روحِ[۱] ایمان سے مدد کی۔ کاتب الحروف کہتا ہے یہ بھی سہی مگر روح منہ روح القدس ہے جس سے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ایدناه بروح القدس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا۔ اللهم ايده بروح القدس پھر روح

---

[۱] روح حیات کا باعث ہے اور نورِ قلب وغیرہ ان کے استقلال کی حیا کا باعث ہے اس مشابہت سے ان پر لفظ روح کا اطلاق ہوا۔ ۱۲ منہ

القدس کیا ہے اوراس سے کیونکر تائید ہوتی ہے؟ اس کا بیان ایدناہ بروح القدس کی تفسیر میں دیکھو۔ (۳) ید خلھم الخ ان کو ایسے باغوں میں رکھے گا کہ جن میں نہریں جاری ہیں، وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جسمانی بہشت کی طرف اشارہ تھا۔ (۴) رضی اللہ عنھم الخ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے۔ یہ روحانی بہشت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب انعام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیب ہوئے کس لیے کہ انہوں نے خصوصاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم نے جنگِ بدر، احد وغیرہ مواقع پر اپنے اقارب سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور بعد میں دین پر ثابت قدم رہے اس لیے یہ خوبیاں ان کو نصیب ہوئیں۔ اس لیے صحابہ کے نام پر رضی اللہ عنہ کہنے کا اہلِ سنت میں قدیم سے دستور ہو گیا ہے۔ (۵) اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ[1] کہ یہ اللہ کا گروہ ہے جو فلاح پائے گا۔ اسلام میں اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ بات عطا کر دی کہ اہلِ حق کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم چند روز میں دنیا کی بڑی بڑی عالی شان سلطنتوں پر غالب[2] آ گئے اور قیامت تک اہلِ حق غالب رہیں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مغلوب ہو کر عمر بھر تقیہ کے ناگوار بوجھ میں دبے رہے جیسا کہ حضرات شیعہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہ تو کیا ان کے امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی خائف و مغلوب رہے اور اب تک چھپے بیٹھے ہیں کیا ان کے لیے خدا کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ فائدہ: کفار سے جو مودت و محبت ممنوع ہے وہ دینی امور اور اسلام کے مقابل دنیوی امور میں ہی رہی حسنِ معاشرت و خوش اخلاقی، نیکی و احسان جس کے بنی آدم مستحق ہیں یہ ممنوع نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۲

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اس نے تو اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے لشکر جمع کرنے سے پہلے نکال باہر کر دیا۔ حالانکہ تم کو ان کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے آیا کہ جہاں کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں ہیبت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے آپ ڈھانے لگے پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔

ترکیب: مانعتھم بالرفع علی انہ خبر۔ مقدم وحصونھم مبتداء موخر والجملۃ خبر ان من اللہ متعلق بالخبر۔ ویمکن ان یکون مانعتھم خبر ان وحصونھم

[1] حزب اللہ ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہاں تک ہے کہ اہلِ بدر کے اسمائے گرامی سحر و جادو و دفعِ غلبۂ اعداء و شیاطین کے لیے عجب خاصیت رکھتے ہیں بارہا تجربہ یہ ہوا ہے ان کی روحانیت و اسمائے شریفہ میں یہ تاثیر خدا نے دی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] دوسری جگہ غالبون بھی آیا ہے کہ اللہ کا گروہ غالب رہے گا۔ ۱۲ منہ

مرتفع علی الفاعلیۃ یخربون الجملۃ حال اوتفسیر للرعب فلامحل لھا۔ وقریٔ یخربون بالتشدید للتکثیر وقیل الاخراب التعطیل والخریب الھدم۔

تفسیر : پچھلے سورۃ میں منافقوں کے افعالِ ناشائستہ کا ذکر تھا اس سورہ میں ان کے معین و مددگار یہود کی نالائق حرکت اور اس کا یہ نتیجہ ذکر فرماتا ہے کہ عبرت ہو فقال سبحٰہ اللہ۔ ان آیات میں اور نیز ان کے بعد آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مورخین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب پچھلے زمانوں میں یہود پر مصائب پڑے کچھ لوگ ان میں کے عرب میں بھی آ رہے تھے۔ بیشتر مدینہ منورہ کے آس پاس[1] آ بسے تھے۔ اس خیال سے کہ وہ نبی جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے یہیں آ کر رہے گا اور یہی شہر اس آفتاب کا تجلی گاہ بنے گا۔ منجملہ ان کے مدینہ کے آس پاس ایک ایک فرسنگ کے فاصلے سے دو فرقے یہود کے تھے۔ ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر کہلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف[2] ہو گئے تھے مگر احد کی جنگ میں جو مسلمانوں کو کفارِ قریش سے ہزیمت پہنچی تب سے بنی نضیر کے دماغوں میں بھی سرکشی کا مادہ بھر گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد ابوسفیان سردارِ قریش کو بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے اپنے ہاں مہمان رکھا تھا جو آنحضرت ﷺ پر شب خون مارنے آیا تھا۔ آخر اس کو مدد دی اور ابوسفیان نے اس کی مدد سے مدینے کے بعض مسلمانوں پر جو اپنے کھیتوں میں مصروف تھے رات کو حملہ کیا، مسلمانوں نے خبر پا کر تعاقب کیا۔ یہ تو تھا ہی اب ایک اور نئی بات پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کی گڑھی میں مع چند صحابہ ؓ اسی عہدنامے اور معاہدے کی رو سے ایک مسلمان کو خون بہا دینا تھا اس روپے کے چندے میں انہیں بھی شریک کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرت ﷺ سے کہا آپ تشریف رکھئے ہم چندہ دیتے ہیں اور بہت کچھ مدد دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گڑھی کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ یہود اندر گئے، جا کر تجویز کی کہ اس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال دو مر کر رہ جائے۔ جھگڑا ہی تمام ہو اس کی خاطر سے بھلا ہم قریش سے اور تمام عرب سے بگاڑ کر کہاں رہیں گے؟ (جب بدبختی سوار ہوتی ہے تو ایسی ہی کمینگی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں) وہ ہنوز اپنا ارادہ پورا کرنے نہ پائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبر کی، آپ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام آپ کے حق میں فرما ہی چکے تھے کہ جو آپ پر گرے گا چورا چورا ہو جائے گا اور جس پر آپ گریں گے اس کو بھی چورا کر دیں گے۔ بموجب اس بشارت کے ان متواتر بدذاتیوں پر قہرمانِ الٰہی کب صبر کر کے پایۂ تختِ اسلام میں ان پشتینی بدذاتوں اور ازلی منحوسوں کو فتنہ انگیزی کی مہلت دے سکتا تھا؟

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ

[1] خیبر بھی مدینے سے پاس ہے وہاں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل کے یہودی رہتے تھے بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر تو بہت ہی قریب تھے۔ ۱۲ منہ

[2] عرب میں قدیم دستور تھا کہ جب دو شخص، دو قوم باہم ایک عہدنامہ حلفیہ قائم کر لیتے تھے کہ ہماری جان و مال تمہاری تمہاری جان و مال ہماری تو ان کو حلیف کہتے تھے ان میں حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ اتحاد و حمایت ہوتی تھی اس طوائف الملوک کے زمانے میں خانہ بدوش قوموں سے بچنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مستحکم قلعہ متصور نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے بنی نضیر و بنی قریظہ نے حلف کر کے عہد باندھا تھا جو بعد میں خلاف کیا اور بہت ہی برے طور پر نالائقیاں اور بدذاتیاں کیں جس کی سزا قانون الٰہی میں ضروری تھی بنی نضیر نکالے گئے بنی قریظہ غزوۂ احزاب کے بعد جو اس واقعہ کے بعد ہوا ہے (شاید دو برس بعد) موذی سانپ اور زہریلے جانور کی طرح قتل کیے گئے اور ان کے ناپاک اور زہریلے وجود سے دنیا کو پاک کرنا حکمتِ آسمانی کا مقتضیٰ ہی تھا جو واقع ہوا اس کو پیغمبر علیہ السلام کی رحم دلی روک نہیں سکتی تھی اس زمانے میں جب مہذب گورنمنٹ کورٹ مارشل لا، (قانونی مجلس) کے بعد رحم دلی پر گولیاں مارنا مصلحت و حکمت جانتی ہیں تو اس حکم پر کیا اعتراض ہے۔ ۱۲ منہ

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور اگر اللہ نے ان کے لیے دیس نکالا نہ لکھ دیا ہوتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب ہی ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی تھی اور جو کوئی اللہ سے مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے۔ مسلمانو تم نے جو کھجور کا پیڑ کاٹ ڈالا یا اس کو اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا اور تا کہ بدکاروں کو رسوا کرے۔

تفسیر : اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی اعلان کر دیا کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا اب تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پھر جنگ ہے۔ ان مغروروں نے قریش اور مدینے کے منافقوں کی مدد کے بھروسے پر کہہ دیا اچھا جنگ ہے آیئے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی گڑھی کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔ یہ گڑھی بھی مستحکم اور بلند تھی۔ لشکرِ اسلام نے محاصرہ کیا۔ گیارہ روز تک سخت محاصرہ رہا۔ یہود کی باہر سے کوئی مدد نہ آئی ادھر مسلمانوں نے ان کے باغوں کو جن میں بہت عمدہ کھجوریں تھیں کاٹنا اور کھیتوں کو جلانا شروع کیا (ان کی گڑھی سے لے کر مدینے تک باغات تھے) آخر مجبور ہو کر پیغام بھیجا کہ امن دیجئے۔ آپ جو کہیں گے ہم کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور یہ حکم دیا کہ اپنا اس قدر مال واسباب کہ تم سے چل سکے یا ایک اونٹ پر لد سکے لے جاؤ۔ یہود نے منظور کیا اور دس روز کی مہلت مانگی۔ اس عرصے میں اپنا اسباب لادنا شروع کیا اور اس جلن کے مارے کہ بعد میں مسلمان ہمارے گھروں میں نہ رہیں اور اس لالچ سے بھی کہ اپنا کڑی کاٹھ کیوں چھوڑ دیں، مکانوں کو گرانا شروع کر دیا۔ آپ بھی ڈھاتے تھے اور مدینے کے مسلمانوں سے بھی اس کام میں مدد لیتے تھے۔ پھر اکثر تو اریحا و اذرعات کی طرف چلے گئے (یہ شام کے مقامات ہیں) اور ابی الحقیق اور حیی بن اخطب کا خاندان کچھ تو خیبر میں رہا اور کچھ حیرہ چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی شانِ کبریائی جتلا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ان سرکش یہود کو حشر سے پہلے ہی ان کے گھروں سے نکلوا دیا۔ محاصرہ سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک بھی اپنے گھر بار نہ چھوڑیں گے۔ لو اس نے حشر سے پہلے ہی گھر بار چھڑوا دیے۔ ان کی بلند اور مستحکم گڑھی کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہ نہیں نکل سکتے۔ ادھر خود ان کو بھی یہ غرور تھا کہ ہماری گڑھی اور مستحکم قلعہ ہم کو ہر قسم کی آفت سے بچا لے گا ہم کو اس میں کون مار سکتا ہے؟ مگر ان کو اس بدروز کا خیال بھی نہ تھا کہ محاصرہ ہوتے ہی ان کے دلوں میں رُعب بھر گیا، نامردی چھا گئی، امان مانگ کر جلاوطنی پر راضی ہوئے۔ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مکانوں کو کس نامرادی کے ساتھ آپ ڈھانے لگے۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے آنکھ والوں کے لیے کہ آسمانی حکم کا مقابلہ ایسے برے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ سے دغا کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ کسی سے دوستی کا عہد مستحکم باندھ کر مکاری وعیاری کرنا ضرور برا دن دکھاتی ہے۔ دنیا اور اس کے سامان دل لگانے کے قابل نہیں۔ کل کس شادمانی اور کن کن میٹھی امیدوں سے یہ مکانات بنا رہے تھے اور کیا کیا خیالات پکار رہے تھے۔ آج کس حسرت ویاس کے ہاتھوں سے ڈھا رہے ہیں۔ عبرت، عبرت! پچھلی آیتوں کا یہ مطلب صاف صاف تھا۔ اب ہم مفسرین کی موشگافیاں بھی نقل کرتے ہیں اور آیات میں جو اسرار ہیں ان کو بھی دکھاتے ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ۔ تسبیح تنزیہ وتقدیس۔ یعنی اللہ کی تقدیس تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے کرتے ہیں۔ شریعت و نبی بھیجنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ان کی عبادت کا حاجتمند ہے بلکہ انہیں کے فائدے کے لیے۔ آسمانوں کے ستارے اور ان کے اندر کی کائنات اور اسی طرح زمین کے رہنے والے سب زبانِ حال سے اپنے خالق کی یکتائی اور شان بیان کر رہے ہیں۔ گویا ہر شے اہلِ بصیرت کے لیے اس کے کمالات اور

عظمتِ شان کا آئینہ اور مکمل دفتر ہے اور یہی اس کی تسبیح و تقدیسِ بے اختیاری ہے اور ملائکہ اور ارواحِ طیبہ آسمانوں میں نیک لوگ زمین پر اس کی تسبیح و تقدیس بالارادہ کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی جملہ کائنات کا اس طرز و روبہ فطری پر لگا رہنا کہ جن پر ان کو ان کے خالق و مالک نے لگا دیا ہے، ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ تمام کائنات پر اس کے احکامِ جبروتی نافذ ہیں۔ طوعاً و کرہاً سب ان کو تسلیم کر رہے ہیں یہ بھی تسبیح و تقدیس ہے۔

اس جملہ میں اس کی کمال عظمت و شوکت و توانائی بیان ہوئی ہے اس کے بعد اس کی جبروتیت و قہاریت کی ایک خاص بات ذکر کرتا ہے کہ هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ کہ وہی جبار و توانا ہے کہ جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو حشر سے پہلے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ کفروا میں اشارہ ہے کہ یہ کفر و بے دینی اس سزا کی باعث ہوئی اور اخرج کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ایک تو ان کے باپ دادا تھے کہ جو توریت میں لکھا دیکھ کر نبیِ عربی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں بامیدِ اعانت و اطاعت یہاں آئے تھے ایک یہ ان کی نااہل اولاد ہے کہ اس سے مخالفت کرنے کے جرم میں نکالے گئے۔ لاول الحشر کے صاف معنی ہی ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اور بھی بیان کئے ہیں۔ حشر جمع کرنا یعنی اس دن سے پہلے کہ ان پر مسلمانوں کے لشکر جمع ہوں جیسا کہ ہرقلِ روم و کسریٰ فارس پر ہوئے اس سے پہلے ہی آسانی سے نکالے گئے یا یہ معنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار جمع ہوں اس سے پہلے یہ کمبخت نکالے گئے۔ ان میں شریک ہونا جس لیے یہاں آئے تھے نصیب نہ ہوا یا یہ کہ معین و مددگار جمع کرنے سے پہلے نکالے گئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آیا۔ اپنے قلعہ پر بڑا گھمنڈ تھا ناگہانی بلا کی خبر بھی نہ تھی۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ کہ اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور اس عذاب سے آخرت کے عذاب میں کمی نہ ہوتی بلکہ وہاں بھی عذاب ہوتا یعنی دونوں ہوتے اس جلاوطنی سے دونوں نہ ہوئے بلکہ صرف آخرت کا ہوگا۔ دنیا میں عذاب دیتا یا تو بنی قریظہ کی طرح قتل کراتا یا لونڈی غلام بنواتا یا تنگدستی و بیماری میں مبتلا کرتا یا زلزلہ یا برق یا کسی اور آسمانی بلا سے ہلاک کرتا اس کے دنیاوی عذاب صدہا قسم کے ہیں اس کی امان فرماتا ہے۔ ذلك بانهم شاقوا الله الخ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے گردن کشی کی اور جو ایسا کرتا ہے تو اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

وقف لازم

اور جو کچھ اللہ نے ان سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تو اس پر تم نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے لے کر دیا ہے سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے۔ اور جو کچھ تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی سخت سزا ہے۔

تفسیر: بعض مسلمانوں کو اپنی بہادری کا خیال پیدا ہوگا کہ بنی نضیر کو جو بڑے بہادر لوگ تھے ہم نے یوں نکال دیے۔ اس لیے فرماتا ہے مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا الخ کہ تم نے جو کوئی لینہ (عمدہ کھجور) کاٹی یا ویسی ہی قائم چھوڑی سو یہ سب خدا کے حکم کے مقتضی تھا تا کہ بدکاروں کو سزا دے وہ دیکھیں اور حسرت کریں تم اپنی بہادری اور جواں مردی کا نتیجہ نہ سمجھنا۔

اور ممکن ہے کہ کفار نے درختوں کے کاٹنے پر طعن کیا ہو کہ یہ فساد فی الارض ہے۔ جس کو تم خود منع کرتے ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں اس کا کوئی اثر پیدا ہوا ہو، اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ جو کچھ تم نے کیا حکمِ الٰہی سے کیا۔ اللہ کو بدکاروں کا رسوا کرنا منظور تھا۔ (بخاری کی کتاب التفسیر سے یہی متبادر ہوتا ہے)۔

فائدہ: پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے موقعوں پر منع کر دیا ہے کہ میوہ اور سبز درخت نہ کاٹو نہ کھیتی اجاڑو کارآمد جانوروں کو نہ مارو۔ مگر ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا جائز ہے۔ ممانعت تو اس لیے ہے کہ ان کارآمد چیزوں کو برباد کرنا فساد فی الارض اور اپنی قسمت میں آنے والی چیز کو مفت برباد کرنا ہے اور اجازت کسی خاص موقع پر اس لیے ہے کہ مخالفین کو صدمہ پہنچے یا وہ اسبابِ معیشت کے منقطع ہونے سے صلح پر یا اطاعت پر آمادہ ہوں جیسا کہ بنی نضیر کے نخلستان میں ہوا۔

فے اور غنیمت کے معنی:

اس کے بعد بنی نضیر کے مال و اسباب کی بابت فرماتا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جس کو وہ نہ لے جا سکے۔ فقال وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ الخ۔ مبرد کہتے ہیں فاء یفی کے معنی ہیں رجوع کے اور افاء اللہ جب کہتے ہیں کہ جب اللہ بھیجے۔ ازہری کہتے ہیں فی اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ مخالفوں سے حاصل ہو خواہ اس طور سے کہ کفار چھوڑ کر چلے جائیں یا جزیے کے طور ادا کریں یا رعب میں آ کر جان بچانے کے لیے کچھ رقم یا چیزیں دیں، یہ سب فی ہے۔ اس کو لغوی معنی کے لحاظ سے فی اس لیے کہتے ہیں کہ کفار سے اللہ نے مسلمانوں کے پاس بھیجا ہے۔ برخلاف غنیمت کے کہ جنگ و جدل، محنت و مشقت سے جو مال کفار سے ہاتھ لگے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ انفال کہ جس کا شروع سورۂ انفال میں ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں۔ کبھی تو وہ غنیمت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ نفل کے معنی لغت میں زیادت کے ہیں اور فرض کے علاوہ نماز کو اس لیے نفل کہتے ہیں کہ وہ زائد علی الفرض ہے اور غنیمت بھی جہاد کے اصل مقصود اعلاءِ کلمۃ اللہ سے ایک زائد بات ہے اس لیے اس کو انفال کہتے ہیں۔ اور کبھی سردارِ لشکر کے اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو وہ کسی خاص مردانہ کام کے مقابلے میں معین کرتا ہے۔

انفال کی تقسیم کا حکم اللہ اور رسول کے سپرد ہونا بیان کر کے پھر اس کی تقسیم بھی ذکر کر دی گئی۔ دیکھو سورۂ انفال۔ فی اور غنیمت میں فرق ہے اس لیے سب سے اول اس فرق کو قائم کرتا ہے فقال فَمَآ اَوْجَفْتُمْ الخ کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹنی یعنی تمہاری محنت و مشقت اس میں کچھ نہیں اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح یہ تقسیم نہ ہوگی جیسا کہ غنیمت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شاید تقسیم کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ اس کافی میں بقول مؤرخین بنی نضیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو پینتالیس اونٹ اور دیگر اسباب حاصل ہوا جس کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جس کو جس قدر مناسب جانا عطا کیا۔ پچھلی آیت میں فی کے صرف کا مسئلہ بھی آتا ہے۔

وجف، یجف، جفاوجیفا، جلد چلنا، دوڑانا اونٹ اور گھوڑے کا۔ خیل گھوڑے۔ رکاب اونٹ ان لفظوں میں سے مفرد صیغہ نہیں۔ ہاں دوسرے لفظ سے ہے راحلہ۔ گھوڑے کے سوار کو فارس اونٹ کے سوار کو راکب کہتے ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بنی نضیر کے مال کو فی کہنا اور یہ فرمانا کہ اس پر تمہارے گھوڑے اونٹ نہیں دوڑے صحیح نہیں کس لیے کہ بنی نضیر کا کئی روز تک محاصرہ رہا لوگ مرے کھپے بھی اخیر جلاوطنی پر وہ راضی ہو گئے تھے اس کو غنیمت کہنا چاہیے۔

جواب: یہ بنی نضیر مدینے سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھے ان کے لیے کچھ زیادہ سامانِ سفر اور تیاری کی ضرورت نہ ہوئی۔ پاپیادہ جا کر محاصرہ کر لیا گیا۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ یعنی جس طرح جنگوں میں محنتیں اور تکلیفیں اٹھا کر فتح ہوتی ہے اس میں اس قدر تکالیف اٹھانی نہ پڑیں گویا کہ مفت ہاتھ آ گیا اس لیے اس کو فی کہا گیا۔ بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں فدک کی طرف اشارہ ہے البتہ وہ جائیداد بے محنت حاصل ہوئی تھی جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب اور مہمانوں کے لیے خرچ کیا کرتے تھے اور سامانِ جنگ گھوڑے، ہتھیار وغیرہ میں بھی صرف کرتے تھے۔

فے کے مصارف: اس کے بعد فی کے مصارف بیان فرماتا ہے۔ فقال مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کہ جو کچھ گاؤں والوں سے پہنچایا۔ گاؤں والے یعنی کفار سے جو گاؤں اور بستیوں کے لوگ تھے ان سے بشوکتِ اسلامی وصول ہوا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں گاؤں والوں سے مراد قریظہ و نضیر و فدک وخیبر ہیں (معالم) فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنَ السَّبِيْلِ تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لیے ہے یعنی مال اللہ کا ہے یعنی اس میں لشکر کا کوئی حق نہیں وہ رسول کے پاس رہے۔ رسول اس کو اپنے ذاتی مصارف میں بھی بقدرِ ضرورت صرف کرے اور اپنے قرابت داروں کو بھی دے بوجہ قرابت صلہ رحمی کرے اور جو قرابت دار محتاج ہوں بدرجۂ اولیٰ صلہ رحمی کے مستحق ہوں اور یتیموں کو بھی دے۔ عام ہے کہ رسول کے خاندان کے یتیم ہوں یا اور فقراء کو بھی دے کوئی ہو اور حاجت مند مسافروں کو بھی دے۔ اور محتاج نہ ہوں یوں مہمان آئے ہوں رسول کے پاس جیسا کہ قوموں کے وکیل اور جماعتیں آیا کرتی تھیں۔ یہ شاہی مہمان ہیں ان کا خرچ بھی اسی شاہی خزانے پر ہے۔

آیت میں چھ شخص ذکر ہوئے اول اللہ جل جلالہ۔ یوں تو سب کچھ اسی کا ہے مگر یہاں اللہ کا مال کہنے سے یہ غرض ہے کہ یہ اللہ نے مخصوص حاجتوں کے لیے اپنا خزانہ بنا کر رکھا ہے اس تقدیر پر یہ کہنا کہ لفظ اللہ تبرکاً مذکور ہے بے فائدہ بات ہے۔ دوم رسول، سوم قرابت دار، چہارم یتیم، پنجم مساکین، ششم مسافر۔ آیت میں یہ قید نہیں کہ قرابت دار کس کے؟ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آپ کا جانشین ہو اس کو بھی اپنے اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا انسانی خاصہ ہے جس کا بار بقدرِ ضرورت شاہی خزانے پر ہونا عین انصاف ہے اور یتیم و مسکین و ابن السبیل قومی ذوحاجت لوگ ہیں۔ خصوصاً شاہی مہمان جو سلطنت سے علاقہ رکھتے ہوں یا ان کی مہمانداری شانِ سلطنت اور اس کے فوائد آیندہ پیدا کرنے میں مؤثر ہو یہ بھی اسی شاہی خزانے سے ہونی چاہیے۔

آیت میں یہ بھی ذکر نہیں کہ ان چھٹوں کے حصے مساوی ہیں یا کم زیادہ کیونکہ ان چھٹوں کی طرف تقسیم نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت ان اشخاص کو دینا مراد ہے جس کی قبل از وقت کوئی تعداد معین ہو نہیں سکتی اور آیت میں یہ چند ذوحاجت اس لیے مذکور ہیں کہ ان کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول ہوتی ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ اور کسی حاجتمند کو یا اور کسی کام میں جو قومی اور سلطنت کے مفید ہو صرف نہ کیا جائے۔

الحاصل فی شاہی خزانے میں داخل ہو کر اشخاصِ مذکورہ بالا کے لیے ہے۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ مبرد کہتے ہیں دُولۃ بالضم وہ چیز جو لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جائے کبھی اِس پاس کبھی اُس پاس اور دولۃ بالفتح خوش حالی ہو ایک قسوقوم سے منتقل ہو کر دوسرے پر آئے پس بالضم اسم ہے اس کا جس کا تداول کریں، روپیہ پیسہ کپڑا زیور وغیرہ اور بالفتح اس کا مصدر (کبیر) کہ یہ اس لیے مقرر کیا تا کہ وہ

فی تمہارے، اغنیاء کے ہاتھوں میں نہ پڑے بلکہ اس کے مستحقین ہی کے پاس رہے۔ اے اغنیاء! تم اس کی حرص نہ کرو بلکہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ جو تم کو غنیمت یا اور کسی چیز میں سے رسول دے یا حکم کرے اس کو لو۔ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا اور جس سے منع کرے جیسا کہ اس فی ـے یا اور بری باتوں سے تو اس سے باز آؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الخ اللہ سے ڈرو، نافرمانی نہ کرو اس کی سزا سخت ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا کَیْ لَا یَکُوْنَ سے لے کر یہاں تک۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَۃً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ؕ۟ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾

(وہ مال) مفلس وطن چھوڑنے والوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے رہتے ہیں یہی راستباز بھی ہیں اور (وہ مال) ان کے لیے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے جو کوئی ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اوروں کو دیا جاتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم سمجھتے ہیں ان کو احتیاج بھی کیوں نہ ہو اور جس نے اپنی جان کو لالچ سے بچایا وہی کامیاب ہوا۔ اور اُن کے لیے بھی جو مہاجرین اولین کے بعد آئے (اور) دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ (دشمنی) قائم نہ ہونے پائے تو غصہ کا دھیما اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد مہاجرین وانصار کے فقرا اور حاجتمندوں کو ان کے محامد اور اسلامی سرگرمیاں اور سچی جانفشانیاں ذکر فرما کر مستحق ٹھہراتا ہے اور تعمیم کے بعد تخصیص کرتا ہے کہ اور فقیروں سے یہ زیادہ تر مستحق ہیں۔ فقال لِلْفُقَرَآءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الخ کہ یہ ان فقراء مہاجرین کو ملنی چاہیے کہ جو اللہ کے لیے اپنا گھر بار، مال واسباب چھوڑ کر ہجرت کر کے نبی علیہ السلام کے پاس آئے ہیں۔ جب عرب میں اسلام کا چرچا ہوا اس آفتاب کی کرنیں اسی سرزمین پر پڑیں تو مکہ اور دیگر جگہوں کے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے مگر جہاں کوئی مسلمان ہوا اس پر اس کی قوم کی طرف سے مصیبتیں آئیں، مار دھاڑ شروع ہوئی اس لیے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے تھے۔ اب ان کے پاس بجز صبر وفاقے کے اور تھا کیا؟ ان کو مہاجرین کہتے تھے، اس لیے ان پر ترحم دلاتا ہے کہ ان کو بھی دو۔ ان کی فکر بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ صرف یہی بات نہیں کہ ہجرت کر کے چلے آئے ہیں بلکہ یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اسلام کا لشکر جرار جس نے بڑے بڑے گردن کشوں کو سیدھا کر دیا انہیں لوگوں کا تھا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ یہ سچے لوگ ہیں۔ یہاں تک مہاجرین کے محامد تھے۔ (۱) یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کو اپنے گھروں سے اور مالوں سے جدا کئے گئے اور نکالے گئے ہیں۔ (۲) وہ اللہ اور رسول کے مددگار ہیں۔ (۳) وہ صادقین ہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم بھی مہاجر تھے اور جو دین کی حمایت میں انہوں نے کوششیں کی ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور یہ فقراء بھی ہو گئے تھے۔ پھر وہ کون سی روایت اور کون مؤرخ ہے جو جھوٹے افسانے گھڑ کر ان کو بدنام کرے اور یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے وہ برے کام کئے جو پیغمبر علیہ السلام کا سخت دشمن بھی نہ کر سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے لات ماری اور اہلِ بیت پر ظلم کئے۔ معاذ اللہ صادقین سے یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اولئک کا لفظ کہہ رہا ہے کہ یہی سچے تھے اور ان پر جو الزام لگائے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد فقراءِ انصار کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

مناقبِ انصار: فقال وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ کہ ان فقیروں کو بھی دو کہ جنہوں نے دار یعنی دار الہجرت مدینہ کو اور ایمان کو گھر بنایا پہلے سے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینے میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز مکے میں تشریف رکھتے تھے کہ عرب میں آپ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ ایامِ حج میں چند اہلِ مدینہ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے اور جا کر مدینے میں لوگوں کو ترغیب دی وہ بھی ایمان لے آئے۔ جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینے تشریف لے گئے جو اہلِ مدینہ کی دلی تمنا تھی اور رفتہ رفتہ اور لوگ بھی جانے شروع ہوئے۔ ان اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مہاجرین کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جیسا کہ بعد کی آیت میں ذکر آتا ہے۔ من قبلھم یعنی مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینے کو جگہ بنایا اور ایمان کو دل میں جگہ دی یا ان کے گھر بنانے سے پہلے گھر بنایا۔ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ ہَاجَرَ اِلَیۡہِمۡ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آیا اس کو دوست رکھتے ہیں۔ محبت کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مہاجر کا ہر ایک انصار سے بھائی چارہ کرا دیا تھا یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہونے سے پہلے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا اور کو مرنے کے بعد ورثہ نہیں ملتا تھا اور ہر ایک دوسرے کی جان و مال پر اپنا مال اور جان فدا کرتا تھا جس کی مفصل کیفیت کتبِ سیر میں موجود ہے۔ وَلَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ حَاجَۃً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا حسن بصریؒ کہتے ہیں حاجۃ کہ معنی یہاں حرارت و حسد و غیظ کے ہیں کہ مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بنی نضیر کے باغ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم کام میں شریک رہو تم کو پھل دیں گے۔ انصار نے کہا ہم راضی ہیں بسر و چشم منظور۔ اس سے بڑھ کر ان میں یہ صفت ہے وَیُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ کہ وہ باوجود حاجت فقر و فاقے کے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اپنی حاجت کے کام میں نہیں لاتے، مہاجرین کو دیتے ہیں۔ یہ ایثار بڑی اولوالعزمی کی بات ہے ہر ایک کو نصیب نہیں۔ آپ بھوکا رہے اپنے بھائی کو کھلائے۔ خصاصۃ حاجتِ فقراء۔ اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا، دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو مہمان بنایا گھر میں کسی کو بھیجا کہ کسی کے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ بیویوں نے عرض کیا بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو اس کو مہمان بنائے؟ ایک

انصاری نے (غالباً ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے) کہا میں یارسول اللہ۔ پھر اس کو وہ اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر کرو۔ اس نے کہا لڑکوں کو کھانے کے سوا ہمارے ہاں اور کوئی چیز نہیں۔ اس نے کہا کھانا تیار کر، چراغ جلا لڑکوں کو سلا دے جب کہ وہ کھانا مانگیں۔ پھر اس نے کھانا تیار کیا چراغ جلایا، لڑکوں کو سلا دیا۔ پھر بتی اکسانے کے بہانے سے اٹھی اور چراغ گل کر دیا تا کہ اندھیرے میں مہمان کو یہی معلوم ہو کہ میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں مگر آپ نے نہ کھایا، مہمان نے کھایا۔ آپ بھوکے سو رہے۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا۔ تب یہ آیت نازل فرمائی۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ اسی طرح اور مواقع پر انصاری نے ایسی ہمدردی اختیار کی ہے جس کا نظیر اور قوموں یا کسی اور نبی کے پیرووں میں پایا نہیں جاتا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی انصار کو لالچ نہ تھا اس سے خدا نے ان کو بچالیا تھا اور جن کو خدا لالچ سے دور رکھے وہ کامیاب ہے۔ شح بالضم والکسر۔ شح اور بخل میں علماء نے فرق کیا ہے۔ بخل[1] صرف منع کرنا نہ دینا اور شح وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ شح صفات ذمیمہ میں سے ہے جس کا ترجمہ لالچ ہے اس لیے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دنیا و دین کی صدہا محرومیاں اسی شح سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے۔ ہمدردی اور سعادت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ لالچی اور بخیل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو لئیم کہتے ہیں جس کا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر اولوالعزم لوگ آئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی۔ تمام عمر خونِ جگر کھایا، دولت سے متمتع نہ ہوا، نہ نفس کو آرام دیا نہ کارِ خیر میں حصہ لیا، مر گیا چھوڑ گیا، حسرت لے گیا۔ یہی انسان کو چوری، خیانت، قتل، ظلم، جھوٹ بولنے، کم تولنے پر مجبور کرتا ہے، بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے اس کے نام لینے کو بھی لوگ معیوب سمجھتے ہیں۔ مرنے کے بعد برائی سے یاد کرتے ہیں۔ پھر جس کو خدا نے اس ناپاک خصلت سے بچالیا اس کے کامیاب ہونے میں کیا شک ہے۔

انصار و مہاجرین جو اسلامیوں کی دو اعلیٰ اور بزرگ ترین جماعت ہیں ان کے محامد بیان فرما کر تیسرے گروہ کی مدح کرتا ہے جس میں تابعین اور ان کے بعد کے آنے والے نیک اور بزرگ لوگ ہیں۔ فقال وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یہ بھی مہاجرین پر عطف ہے۔ یعنی جو ان کے بعد ہجرت کر کے آئے یا اسلام میں ان کے بعد آئے، قیامت تک جو کوئی ہو ان کے اندر یہ خوبی ہے يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ وہ اپنے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ الٰہی ہم کو بخش دے اور اس کے بعد اپنے متقدمین بھائیوں کے لیے بھی بخشش مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایماندار گزرے ہیں۔ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں رنج اور عداوت نہ پیدا کر۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اے ہمارے رب! تو نرمی کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے جس میں یہ خاصیت نہیں وہ اس تیسرے گروہ میں داخل نہیں۔ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں لوگوں کے تین درجے ہیں، مہاجرین، انصار اور وہ جو ان کے بعد آئے اور ان سے محبت رکھتے ہیں، ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، دعائے خیر میں شریک کرتے ہیں، ان کے رستے پر چلتے ہیں۔ پس تو کوشش کر کہ ان تینوں سے خارج نہ ہونے پائے۔ مہاجرین و انصار تو گزر گئے ان میں داخل ہونا تو ممکن نہیں خیر یہ نہیں تو تیسرے فریق میں تو شامل رہے کہ ان کو بھلا سمجھے، دل سے ان کی محبت رکھے، ان کی مساعی جمیلہ کی قدردانی کرے نہ یہ کہ ان پر جھوٹے سچے الزامات قائم کر کے تبرا کرنے کو ایمان و سعادت جانے۔ یہود سے اگر پوچھا جاتا ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو اچھا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو اچھا جانتے ہیں۔ مگر افسوس شیعہ حضرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین و انصار کو باستثنائے چند اشخاص سب کو برا کہتے ہیں بلکہ برا کہنے کو حسنات و برکات کا موجب سمجھتے ہیں۔ دنیا

[1] بخل کی برائی۔

میں اس خصلت کا یہ اثر ہے کہ کبھی ان کا جھنڈا کھڑا ہونے نہیں پاتا نہ مقابلے میں پاؤں جمتا ہے۔ اہلِ حق کے مقابلے میں مقہور ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

اور وہ بات کیا ہے؟ جس سے وہ ان بزرگوں سے پھر گئے۔ اس آیت کے ذیل میں اس کا بیان محققانہ طور پر مناسب ہے۔ بنی نضیر اور فدک اور خیبر کی کچھ زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معین ہوئی تھی جس میں سے آپ نے کسی کو مہمانوں اور سامانِ حرب کے لیے اور کسی کو خرچ ازواجِ مطہرات کے لیے، کسی کو اقارب و یتامیٰ و مساکین کے لیے معین کر رکھا تھا، چنانچہ فدک کی آمدنی سے آپ قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب جانشین کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مہاجرین و انصار نے جن کی مدح آیاتِ مذکور ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتخاب کیا۔ اس وجہ ترجیح کو وہی لوگ خوب جانتے تھے جو ایک مجموعی اوصاف سے ان کے دلوں میں جاگزین تھی جس لیے ان بزرگوں کے نزدیک یہی حضرت اس مسند پر بیٹھنے کے مستحق ٹھہرے۔ ہاں کوئی رعایت یا ابوبکرؓ کا ذاتی دباؤ تو قطعاً نہ تھا کس لیے کہ نہ ان کی قوم زیادہ تھی نہ ان کے پاس کوئی لشکر و خزانہ تھا اور ایسے مہاجرین و انصار ایسے بیجا دباؤ کو ماننے والے بھی کب تھے، فوراً مخالفت ظاہر کرتے اور سیوف کے قبضوں پر ہاتھ دھر لیتے۔ شیعہ کہتے ہیں یہی بات بری کی کس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جانشینی کا استحقاق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تھا اور امامت لوگوں کے انتخاب پر موقوف نہ تھی بلکہ آسمانی عہدہ ہے، نبوت کے عہدے کے برابر یا کسی قدر کم مگر مشابہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آسمانی سند موجود تھی۔ مگر افسوس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آسمانی سند کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ مہاجرین و انصار کو معلوم ہوئی کس لیے کہ اگر معلوم ہوتی تو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ باوجود اس آسمانی سند کے اور باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد اور مہاجرین میں ذی مرتبہ شخص تھے ان سے عداوت اور بغض رکھتے جو رحماء بینھم اور مہاجرین و انصار کی اسلامی سیرت کے برخلاف تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قائم مقام کر دیتے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر جاتے حالانکہ کوئی ڈرانے کا سامان ان کو میسر نہ تھا۔ اس پر وہ سب مہاجرین و انصار کو جو اس جانشینی میں شریک تھے برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ پہلا خلاف تھا مگر تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی جانشینی تسلیم کی اور ان کے ساتھ بخوشی و خرمی کاروبار میں شریک رہے۔ شیعہ کہتے ہیں دل میں ناراض تھے، ظاہر داری کرتے تھے، اس کو تقیہ کہتے ہیں۔ مگر ایسے بزرگ کی نسبت یہ ظاہر داری ظاہر کچھ اور باطن کچھ منسوب کرنا ان کی شانِ حیدری کو گھٹانا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے مقابلے میں تقیہ نہ کیا۔ توبہ توبہ برگزیدۂ ہاشم کبھی کسی سے دبنے والے تھے جو زبان سے جھوٹی باتیں بناتے اور دل میں کچھ اور رکھتے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ مدعیہ تھیں اور خلافت مدعیٰ علیہ۔ دعویٰ یہ تھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد میں سے بموجب فرائض مجھے حصہ ملنا چاہیے۔ دعویٰ بہت درست تھا مگر خلافت کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس جائیداد کو وقف کر چکے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ شان نہ تھی کہ وہ جائیداد یا روپیہ پیسہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت کریں۔ اس پر شہادت گزر گئی، دعویٰ نہ چلا مگر جس قدر جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کے مصارف میں لگا دی تھی خلافت نے اقارب کے خرچ و اخراجات بلحاظِ قرابت پیغمبر علیہ السلام بدستور جاری رکھے۔ یعنی منافع جاری رہے تملیک عین نہ تھی بلکہ وہ سب خلافت کا مال تصور ہوا۔ اس پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اگر رنجیدگی ہوئی ہو تو انسانی جبلت اور برادرانہ رنجش خیال ہو سکتی ہے۔ یہ دوسرا خلاف ہے۔ اس پر شیعہ کے مؤرخین نے جس قدر مبالغہ آمیز روایات تیار کی ہیں تو تعجب نہیں کس لیے کہ منشاء موجود تھا اور ایسے مواقع پر مبالغہ کرنے والوں کو برا موقع ہاتھ آتا ہے۔ میں ان ناپاک روایات کا ذکر بھی اہلِ بیت کی اہانت سمجھتا ہوں مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کس باپ کی بیٹی ہیں اور کس رتبے کی ہیں وہ ایسے قلیل دنیاوی معاملات پر اس قدر رنج و بغض اپنے باپ کے جانشین سے رکھیں، حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ حاشاوکلاثم

حاشا وکلا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں بھی اس جائیداد کو خلافت کا مال سمجھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثا میں تقسیم نہ کیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی انتخاب سے خلیفہ کیا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی شیعہ کے نزدیک رنجش کا باعث ہوا۔ یہ تیسرا اخلاف تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مگر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے شام کے حاکم یا گورنر تھے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ اور ان کے احباب سلطنت کی باریکیاں خوب سمجھتے تھے اور دنیاداری کی تدابیر پر پورے قابو یافتہ تھے۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اول معاویہ سے بیعت لے لیجئے، پھر چاہے ان کو معزول کیجئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بھی اول داروگیر کیجئے مگر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جانے کس مصلحت سے مہاجرین وانصار کے اس مشورے سے پر عمل نہ کیا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت اختیار کی اور کہہ دیا میں تم کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتا، تم سے اب تک قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی پتا نہ چل سکا۔ اس بنا پر طرفین میں رنجش آمیز خط وکتابت بھی جاری رہی۔ ادھر لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور طلحہ وزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کو تحریک دلائی کہ قاتلانِ عثمان علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پناہ گزین ہیں اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اطرافِ کوفہ میں ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور صدہا لوگ شریک ہوتے گئے۔ ایک لشکر مہیا ہو گیا۔ جب یہ لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قریب پہنچا اور باہم قاتلانِ عثمان کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ ایک رات چند بدمعاشوں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے لشکر پر تیر مارنے شروع کر دیے۔ پھر تو ادھر سے بھی تیاری ہو کر دونوں لشکروں میں خاطر خواہ جنگ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگ آور اس اونٹ تک پہنچ گئے تھے کہ جس کے اوپر ہودے پر ام المومنین رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ اس لیے اس مصیبت ناک واقعہ کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا اور طرفین سے بڑے بڑے اسلام کے نام آور اور بہادر شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ صفین کا میدان مسلمانوں کے گراں بہا خونوں سے لالہ زار ہو گیا۔ ایسے مواقع پر برادرانہ رنجشیں ایک معمولی بات ہے اور طرفین کے غالیوں کے لیے افراط وتفریط اور بے شمار روایات بنانے کا عمدہ محل ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ابن ملجم ملعون نے (جو گھات میں تھا) مسجد کوفہ میں زخمی کیا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ پھر باہمی جنگ شروع ہوئی۔ آخر کار ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے کنارہ[1] کشی کی اور باہمی معاہدہ ہو کر جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کا نالائق فرزند یزید پلید نہ انتخاب سے بلکہ ان کے باپ کی شوکت کے زور سے خلیفہ کیا گیا تھا مسند پر بیٹھا۔ اس ناخلف نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر شہید کیا اور پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے میدان میں شہید کیا اور مسلمانوں پر جور وظلم کئے۔ اس کے بعد یہ مر گیا اور چند روز کے لیے اس کا بیٹا جانشین ہوا مگر اب انتخاب نہ رہا، حکومت وسلطنت کی تخت نشینی رہ گئی۔ اس کے بعد مروان خلیفہ ہوا اور مروانی خاندان میں کچھ کم سو برس حکومت رہی۔ پھر اس خاندان کا استیصال بنی العباس نے کیا۔ عباسیوں کی خلافت وحکومت کا پایۂ تخت بغداد تھا۔ ان باہمی لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد پر ظلم وستم بھی ہوتے رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی سے لے کر اخیر تک اہلِ سنت کے نزدیک بھی جو حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ہوئیں ان میں فریقِ مخالف سراسر خطا پر تھا اور حق اس طرف تھا۔

شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد فرضی طور پر اسی سندِ آسمانی سے اس مسند نشینی کو بہ لقب امامت بارہویں امام مہدی، حسن عسکری کے بیٹے تک مانتے ہیں اور کسی کو خلیفہ برحق نہیں جانتے۔ پھر ان میں بھی کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو کسی نے اور کسی کو

---

[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصیبت ناک واقعات کی پہلے ہی سے نہایت درد انگیز الفاظ میں پیشین گوئی کی تھی۔ ۱۲ منہ

امام مانا۔ اسی طرح ایک فریق جو ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرفدار تھا وہ دونوں فریق سے برگشتہ ہو کر دونوں کو برا کہنے لگا۔ ان کو خوارج کہتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والے اگرچہ خطا کار تھے مگر ان باہمی ملکی لڑائیوں سے جن کا بیشتر منشا برادری کی عصبیت وحمیت ہے ہم ان کو کافر نہیں کہہ سکتے اور نہ کفر واسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخصِ خاص کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے کفر واسلام وہی ہے جس کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر واسلام بتایا۔ ہاں باہمی فساد ومعصیت ضرور ہے جس کی سخت الفاظ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اصلی بات تو یہ ہے اس پر لوگوں نے حاشیہ چڑھا چڑھا کر کاہ کا کوہ بنا دیا اور افراط وتفریط کو کام میں لا کر ایسے مباحث سے کتابیں بھر دیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑی نامبارک لڑائیاں تھیں اسلام کی تلوار جس نے تھوڑے عرصے میں قطعہ ارض پر بے نظیر قبضہ کیا تھا اسلامیوں ہی پر الٹ پڑی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ ہر فریق کے تیز طبع اور چالاک لوگوں نے ان واقعات سے کیا کیا باتیں اختراع کی ہیں بعض سنیوں نے تو بمقابلہ شیعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے آسمانی سند بنانے میں کوشش کی اور روایات واحادیث بنائیں اسی طرح شیعہ نے تو سینہ بسینہ علوم واسرارِ شریعت جدی گھڑنے میں کوشش کی اور روایات کا تو ڈھیر لگا دیا۔ کسی نے زبر بینات نکالے، کسی نے دعویٰ کیا کہ علی مرتضیٰ وزہرا وحسنین رضی اللہ عنہم کی کتاب ہمارے پاس ہے جو خاص ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت کی تھی اس میں لکھا ہے کہ بارہ امام [1] اس ترتیب سے ہوں گے اور یہ سب معصوم تھے نبی کی طرح ان کے پاس بھی وحی آتی تھی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے اتباع میں سے نبی گزرے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے نبی ہیں گو نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے مگر معنی اسی کے لیے جاتے ہیں۔ بارہ اماموں کو اہلِ سنت بھی مانتے ہیں یعنی ان کو بزرگ اور نیک سمجھتے ہیں جن کے عقائد واعمال اہلِ سنت کے موافق تھے نہ یہ کہ وہ معصوم تھے ان پر وحی آتی تھی۔

بعض نے قرآن مجید کے آیات کی ایسی تفسیریں لکھیں کہ گویا تمام قرآن اسی باہمی جھگڑے اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور دیگر خلفاء کی مذمت میں نازل ہوا ہے اور کوئی اہم مقصد بجز اس کے نہ تھا اور لطف یہ کہ سارے قرآن میں صاف صاف کہیں بھی ان کے مقاصد کو خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرما دیا کہ جھگڑا ہی طے ہو جاتا اور نہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع عام میں اس بات کو طے کر دیا معاذ اللہ اور اس کے رسول کو صاف صاف بیان کرنا نہیں آتا تھا کیا وہ بھی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے؟ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ رہیں مناقبِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بعض سچی احادیث سو ان میں کلام ہی کیا ہے مگر ان سے وہ بات پیدا کرنی تو جیہ القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ کا مضمون ہے اور سب سے بڑھ کر غور طلب یہ بات ہے کہ وہ خلافت جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کی اس میں دنیا کا حظ ہی کیا تھا وہ تو ایک سخت مشقت تھی جس لیے ان بزرگوں نے اپنی اولاد کو نہ دی۔ شیعہ اس کو دنیاوی سلطنت وامارت سمجھے ہوئے ہیں جس لیے اپنے پیارے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پاک کے پاس بلا فصل نہ آنے سے ناخوش ہیں۔ ہاں یزید کے عہد میں امارت ہو گئی تھی تو اس وقت تو ہم بھی یہی کہتے ہیں یہ نعمتِ دنیا جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جائے بشرطیکہ وہ اس کو قبول بھی کرتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

[1] شیعہ کے بارہ امام یہ ہیں۔ اول علیؓ ان کے بعد حسن، ان کے بھائی حسین، ان کے بعد ان کے بیٹے علی زین العابدین، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد باقر، ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر صادق ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم ان کے بعد ان کے بیٹے علی رضا ان کے بعد ان کے بیٹے محمد تقی ان کے بعد ان کے بیٹے محمد نقی ان کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکری ان کے بعد ان کے بیٹے محمد مہدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو غار سر من رائے میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ۱۲ منہ

الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہلِ کتاب کے کافر بھائیوں (یہود) سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں اگر (کافر اہلِ کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور جو ان کی مدد بھی کریں گے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے پھر کہیں سے مدد نہ پائیں گے ان کے دلوں میں تو تمہارا خوف اللہ سے زیادہ ہے یہ اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں وہ تم سے سب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل تو پھٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر : ایمانداروں کے اقسام بیان فرما کر ان کے مقابلے میں بدکاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ بدبخت بجائے ان اصولِ سعادت کے جو پہلے مذکور ہوئے یہ باتیں کرتے ہیں فقال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا بطور تعجب کے منافقین کی پوشیدہ نالائق حرکات سے خبر دیتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ اپنے کافر بھائیوں سے یوں کہتے اور ایسے غلط وعدے دیتے ہیں جن کو ہرگز وہ پورا نہ کرسکیں گے۔ اللہ اور رسول کی مخالفت میں ان کے دشمنوں سے یہ ساز باز اور زبان سے ایمان کا دعویٰ۔ ایک وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں۔

جب یہودِ بنی[۴] نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو رہی تھی اور ابھی ان کا محاصرہ بھی نہیں ہوا تھا اس وقت مدینہ کے منافق اور ان کے سردار عبداللہ بن اُبی نے یہود سے مخفی یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کو نکالیں گے تو تمہارے ساتھ ہم بھی وطن چھوڑ کر نکل جائیں گے اور

[۱] جدر جدران (ج) جدار بالکسر مثلہ مجدور بضمتین مرج۔ ۱۲ صراح

[۲] شتت اشتات پراگندن شتت الامر واشتت وتشتت بمعنی قوم شتی واشیائے شتی وجاء واشتاتا ای متفرقین۔ ۱۲ صراح

[۳] کفر ایک ملت ہے اس لیے ان کے بھائی کہا یا ان میں اور یہود میں بھائی چارہ تھا مواخات وموالات قائم تھی۔ ۱۲ منہ

[۴] کتاب یسعیاہ کے بائیس باب میں اس واقعہ بنی نضیر و بنی قریظہ کی طرف ان الفاظ میں صاف بیان ہے جو پورا ہوا اس کتاب کی یہ عبارت ہے الظرف ''خداوند ایک بہادر کی صورت میں نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اُسکائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا'' (پیغمبر علیہ السلام خدا کی طرف سے بہادرانہ لباس میں نمودار ہوئے۔ شریعت کو عزت ہوئی) ''لیکن یہ ایک گروہ ہے جو لوٹے گئے اور غارت کیے گئے''۔ (بنی نضیر لوٹے گئے بنی قریظہ غارت ہوئے) ''وہ شکار ہوئے اور کوئی نہیں بچاتا وہ لوٹے گئے اور کوئی نہیں کہتا پھر دو'' (منافق بچا نہ سکے) ''بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس لیے اس نے ان پر قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب ڈالا اس پر گرداگرد آگ لگی۔ بنی نضیر کی گڑھی کا شعلہ جب مسلمانوں نے اس میں آگ دی خدا کے قہر کا شعلہ تھا جو دور سے لپیٹیں مارتا تھا۔ ۱۲ منہ

اس میں کسی کی بات بھی نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور مدد کریں گے۔ مضبوط رہو۔ یہ سردار منافق کا کلام تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطور پیشین گوئی کے نہایت تاکید سے فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّہُمْ لَکٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ہرگز ہرگز کوئی بات بھی ان دونوں میں سے نہ کریں گے لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَایَخْرُجُوْنَ مَعَہُمْ اگر وہ نکالے گئے تو ان کے ساتھ آپ نہ نکلیں گے۔ ولئن قوتلوا الخ اگر ان سے لڑائی ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور بالفرض مدد بھی کی تو شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر کبھی غلبہ نہ پائیں گے۔

پیشین گوئی: اس پیشین گوئی کی پوری تصدیق ہوئی۔ بنی نضیر سے نوبتِ جنگ آئی ان کی گڑھی کا محاصرہ ہوا اس کے بعد وہ عرب سے نکالے گئے مگر منافقوں پر وہ رعب غالب آیا کہ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکے نہ ان کے ساتھ آپ جلاوطن ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام کی خبر کو جھوٹا کرنے کے لیے ان کے لیے بڑا موقع تھا کہ کچھ مدد کرتے یا دس بیس کوس دو چار روز کے لیے نکل جاتے مگر خدائے قادر کب تکذیب کرنے دیتا یہ بھی منجملہ اخبار بالغیب کے ایک پیشین گوئی تھی جو صادق ہوئی۔ اعجازِ قرآن و نبوت کی کھلی دلیل ہے۔

اس خلاف وعدگی کا سبب بیان فرماتا ہے لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَہْبَۃً الخ کہ یہ منافق اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جس قدر اے مسلمانو! تم سے ڈرتے ہیں، بے سمجھ لوگ ہیں۔ بندہ کا کیا ڈر، اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر بات ہے۔ جو قوم اللہ سے ڈرتی ہے اس سے سب ڈرنے لگتے ہیں ان پر پھر کسی کا خوف غالب نہیں آتا۔ یہی شجاعت کا اصل اصول ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔ اب رہے یہود وہ بھی بزدل ہیں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے مگر گڑھیوں میں بیٹھ کر اور شہر پناہوں کی آڑ میں۔ ہاں آپس میں خوب لڑتے ہیں۔ ظاہر میں موافق اور باطن میں باہم مخالف یہ بدعقل ہیں۔ افسوس یہی خصلت آج کل ہم مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہے۔

کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ قَرِیْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِہِمْ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۵﴾ کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ فَکَانَ عَاقِبَتَہُمَآ اَنَّہُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْہَا ۭ وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾ ع

ان کا حال تو پہلوں جیسا ہی ہے کہ جنھوں نے اپنے کام کی سزا پائی ہے اور ان کو (آخرت میں بھی) سخت عذاب ہے (اور) مثال شیطان کی سی ہے وہ آدمی سے کہتا ہے کہ تو منکر ہو جا پھر جب وہ منکر ہو جاتا ہے (اور مدد مانگتا ہے) تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ جو تمام جہان کا رب ہے۔ پھر ان دونوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ستمگاروں کی یہی سزا بھی ہے۔

ترکیب: کمثل مثلہم قریبا ای استقروا من قبلہم اوذاقوا وبال امرہم قریبا ای عن قریب فکان عاقبتہما یقرء بالنصب علی الخبر وانہما فی النار ویقرء بالعکس وخالدین حال وحسن لما کرر الظرف ویقرء خالدان علی انہ خبران، ابن الصائغ۔

تفسیر: یہود بنی نضیر نے اپنی نالائقی کی ایسی سزا پائی جیسا کہ ابھی ان سے پہلے لوگ اپنے افعالِ بد کا وبال اور سزا پا چکے ہیں۔ دنیا میں اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ ان بنی نضیر سے پہلے تھوڑے دنوں آگے کون لوگ آسمانی تازیانے سے پٹے تھے؟ مجاہد کہتے ہیں مشرکینِ مکہ تھے جو بدر میں قتل اور قید ہوئے بنی نضیر کے واقعے سے پہلے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے،

بعض کہتے ہیں یہودِ بنی قریظہ کی سزا کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کو ایسی سزا ہوئی جو تھوڑے دنوں آگے بنی نضیر کو ہوئی تھی بنی نضیر کے دو برس بعد یہود کے دوسرے قبیلے ہر جس کو بنی قریظہ کہتے تھے اور وہ بھی مدینے کے قریب رہتے تھے ان کی بدعہدی سے آفت ہوئی۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ الخ مدینے کے منافق جو یہود بنی نضیر کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں جھوٹی باتوں کے گھمنڈ پر ابھار رہے تھے اور وہ کمبخت ان کی باتوں میں آکر خراب ہوئے اس کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ یہود بنی نضیر کے بہکانے کی مثال ایسی ہے کہ جب شیطان آدمی کو کافر بنا دیتا ہے اور جب بہکا چکتا ہے تو شیطان آپ الگ ہو جاتا ہے اور الٹی ملامت کرنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح منافق بہکا کر الگ ہو گئے اور جب ان پر آ پڑی تو انہیں کو برا بھلا کہنے لگے۔ انجام کار شیطان اور اس کے بہکے ہوئے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور ظالموں کی سزا بھی یہی ہے۔

یہ ایک بڑی عبرت انگیز نصیحت دل پر اثر کرنے والے الفاظ میں انسان کے لیے ہے کہ وہ کسی بہکانے پھسلانے والے کی باتوں میں آ کر برباد نہ ہو، وہ بہکانے والا بوقتِ مصیبت ساتھ نہیں دیتا، الگ ہو جاتا ہے۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے وہ ہر روز انسان کو بہکاتا اور کفر و بدکاری میں مبتلا کرتا ہے۔ انسان کے اندر قوائے بہیمیہ و شہوانیہ وغصبیہ تین زور آور کلیں ہیں جن تک بذریعہ سرایت شیطان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ اگر مددِ غیبی کا محافظ نہ روکے تو یہ بدبخت ان میں ناجائز تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی ان تینوں قوتوں کی ناجائز تحریک اور فطری مڑک سے دوسری طرف روانگی شیطانی تحریک و تضلیل ہے جس طرح ملائکہ کو ان چیزوں کی اصلاح کے لیے بذریعہ الہام و تلقی رسائی ہے اسی طرح شیطان کو فساد کے لیے اور خود انسانی خیالاتِ فاسدہ جو خلافِ فطرت پیدا ہوتے ہیں اور بنی آدم کے بدراہ کرنے والوں کی تائید و تحریک بھی تضلیلِ شیطانی ہے۔

بعض مفسرین نے کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ کے الفاظ سے چسپاں کرنے کے لیے ایک قصہ طول وطویل نقل کیا ہے جس میں برصیصا راہب کے پاس شیطان کا بہ شکل راہب آنا اور ان کو اسماء سکھانا اور بیماروں کا بھیجنا اور ان میں بادشاہ کی لڑکی کا آنا اور برصیصا کا اس سے زنا کرنا اور اس کو حمل رہ جانا اور بدنامی دور کرنے کے لیے بمشورۂ شیطان اس کا قتل کر کے دبانا اور شیطان کا جا کر خبر دینا اور برصیصا کا دار پر چڑھنا اور اس وقت شیطان کا بامیدِ خاص سجدہ کرنا اور پھر شیطان کا ملامت کر کے غائب ہو جانا اور برصیصا کا حالتِ کفر میں مرنا نقل کیا ہے جس کا صحیح احادیث سے ثبوت نہیں ہاں کہیں ایسا ہوا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ
اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ
لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اور تم ان

جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا) کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے پھٹ پڑا ہوتا۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

تفسیر : اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کا ذکر کر کے اہلِ سعادت کو ان کے اصولِ سعادت کی طرف متوجہ کرتا ہے جو دارین میں اس کے لیے کافی ہیں۔ فقال یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ واضح ہو کہ انسانی سعادت کے دو حصے ہیں۔ اول قوتِ نظریہ کی تکمیل، جہلِ بسیط و جہلِ مرکب کی ظلمات سے نجات پانا۔ علم کی روشنی میں خدا تعالیٰ کی صفات و ذات اور دیگر امورِ ضروریہ کو واقعی طور پر یقین کر کے توہمات و تخیلاتِ باطلہ کی دلدل سے گزر جانا۔ اس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ جن کو یہ صفت حاصل ہو گئی ہے ان کو ایمان والے کہتے ہیں۔ بس وہ ایمان والوں کو اس پر ثابت رہنے یا اس میدان میں ترقی کرنے کے لیے تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ تقویٰ اللہ سے ڈرنا اور ڈر کر عمدہ اور کارآمد مسائل سعادت حاصل کرنا مضرات سے بچنا۔ دوسرا حصہ سعادت کا اصلاحِ عمل و تہذیبِ اخلاقِ ظاہری و باطنی ہے۔ اور یہ ایک مشقت کا کام ہے اور نفس پر بڑے بڑے جہاد کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس کو ان تاکیدی الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ فقال وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ ہر شخص (نکرہ میں تعمیم ہے) کسی قوم کسی رتبے کا ہو، یہ دیکھے کہ میں نے کل کے لیے یعنی اس جہان کے لیے (جو بہت قریب پیش آنے والا ہے گویا دنیا اور اس کی تمام زندگی ایک روز ہے اگلا دن اس دوسرے جہان کا ہے گویا بہت ہی قریب ہے، غد کے لفظ میں اس مطلب کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا) کیا بھیجا ہے؟ یعنی کیا توشہ اور کون سا سرمایہ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے تیار کیا ہے؟ اور وہ توشہ تقویٰ ہے اس لیے تقویٰ کرنا چاہیے۔ انسان جب اپنی عمرِ رواں اور اس کے اندر ملکِ جاودانی کے لیے توشہ مہیا کرنے کا خیال کرے گا تو قطعاً اس کے تمام قوائے باطنیہ میں ایک سخت تحریک پیدا ہو گی اور اس کے بعد جب یہ بھی خیال ہو گا کہ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ خبردار ہے ہمارے ہر عمل سے واقف ہے تو اور بھی کوشش اور اخلاص میں سرگرمی کرے گا۔ تقویٰ تمام حسنات و اصولِ سعادت کا اصل الاصول ہے اس لیے ہر ایک بات یا ہر ایک حصہ کے لیے جداگانہ اتقوا اللہ کا اطلاق ہوا اور بظاہر اس لفظ کو مکرر لا کر نفسِ غافل کو متنبہ کر دیا۔ اس کے بعد اور بھی سرگرمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ الخ اور ان جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو اللہ کو بھول گئے اور شب و روز اس چند روزہ زندگی کے لیے شہوات و لذات میں ایسے محو ہوئے کہ اللہ کو بھی بھول گئے پھر دارِ آخرت کی یاد اور وہاں جانے کا خیال کیسا؟ اس لیے اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا یعنی سعادت و حیاتِ جاودانی سے محروم کر دیا اور وہ بدکار لوگ ہیں۔ یہ اہلِ سعادت کے برابر نہیں ہوں گے۔ لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ الخ کہ جہنم میں جلنے والے اور جنت میں آرام پانے والے ہرگز برابر نہیں۔ اہلِ جنت جو ہیں بامراد ہیں اور جہنمی کون؟ یہ بیان نہیں کیا اس کو عاقل سمجھ سکتا ہے یعنی نامراد۔

یہ اصولِ سعادت جو قوتِ نظریہ اور عملیہ کے متعلق ہیں سب انسان کو بذریعہ ایک الہامِ الٰہی کے پہنچے ہیں جس کا نام قرآن ہے اس لیے سعادت کا دارومدار قرآن کی پابندی پر ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی عظمتِ شان بیان فرماتا ہے فقال لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے جیسا کہ انسانوں پر نازل کیا ہے تو ہیبتِ الٰہی کے مارے پھٹ جاتا۔ یہ تمثیل ہے یعنی باوجودیکہ پتھر سخت اور غیر متاثر ہے اگر وہ عاقل اور قابلِ خطاب ہوتا اس پر قرآن نازل ہوتا تو وہ خوف کے مارے پھٹ جاتا مگر انسان کیسا سخت دل ہے۔ اسی لیے روزِ میثاق آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت نہ اٹھایا، انسان نے اٹھا لیا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپے اور کھلے کا جاننے والا وہ بڑا مہربان بہت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا امن دینے والا نگہبان زبردست دباؤ والا عزت دینے والا ہے۔ اللہ پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اللہ پیدا کرنے والا ایجاد کرنے والا صورت بنانے والا ہے اس کے (بہت سے) عمدہ نام ہیں آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ زور اور حکمت والا ہے۔

تفسیر: اصولِ سعادت میں سے اعلیٰ حصہ تکمیل قوت نظریہ تھا جس کا اعلیٰ حصہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو علیٰ ماینبغی یقین کرنا تھا۔ اس نے اس کے بعد اپنی ذات و صفات کا حال بیان فرماتا ہے تا کہ اس کی عظمت ذہن میں آئے اور پھر قرآن کی عزت بھی خیال میں آ جائے کہ وہ کس کا کلام ہے؟ اس کا کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں، آسمان کانپتے ہیں، سمندروں کا زہرہ آب ہوتا ہے۔ فقال هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی یکتا' بے انتہا طاقتوں والا' آسمانوں کا خالق اور ان کو تاننے والا' زمیں اور اس کے اوپر جو ہیں انہیں پھیلانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں تک ذاتِ حق سبحانہ کا بیان تھا۔ اس کے بعد صفات کا بیان کرتا ہے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ پوشیدہ اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے جو بندوں کے نزدیک ظاہر اور جو پوشیدہ ہے سب کو جانتا ہے۔ الغیب بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کے حسِ بصر سے لے کر حواسِ خمسہ سے بھی جو غائب ہے اور انسان پر کیا موقوف بلکہ ملائکہ کے بصر بلکہ جمیع مدارک سے غائب ہے وہ بھی غیب ہے۔ عالمِ ملکوت انسان کا غیب اور لاہوت و جبروت ان سے اوپر والوں کا غیب بلکہ عالمِ ناسوت ہر ایک پس پردہ چیز کے لحاظ سے مابعد زمانی و مکانی کے سبب یا حسِ بصر اور اس کے بعد دوسرے حس کے لحاظ سے غیب ہے گو دوسرے کا کہ جس کے آگے حجاب نہیں شہود ہے۔ غیب کے بے شمار پردے بے انتہا اور عمیق گہرائیاں ہیں۔ فرشتوں کے ادراک سے بھی صدہا چیزیں غائب خدا تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہیں اس کے غیب الغیب پر کسی کو آگاہی نہیں۔ عالمِ شہود میں آنے والی چیزیں جو مسافت طے کرتی ہوئی آ رہی ہیں اور پھر عالمِ شہود میں رہ کر جو عالمِ غیب کی بے انتہا وسیع وادیوں کو طے کرتی جاتی ہیں ہزاروں منزل طے کر گئیں۔ یہ سب انسان سے غائب اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ ہر شخص اور ہر قوتِ ادراک کے لحاظ سے غیب اور شہادت میں اضافی اور اعتباری درجات نکلتے آئیں گے بلکہ غیب و شہادت اضافی ہوگا۔ جس طرح غیب کے مراتب ہیں اسی طرح شہود کے بھی۔ مگر اس کے نزدیک سب عیاں ہے سب کو برابر جانتا ہے۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ان دونوں لفظوں کی شرح بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی۔ کسی قدر خلاصہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں رحمت کا مادہ موجود ہے مگر قلت و کثرت تمام غیر تمام دنیا و آخرت کی رحمت مومن و کافر پر رحمت کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ رحمٰن میں کمال اور پوری رحمت ہے اس لیے بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق عموماً درست نہیں برخلاف لفظ رحیم کے۔ رحمت، مہربانی، عنایت۔ اگر معنی پر غور کیا جائے اور آدمی تھوڑی دیر بھی ان لفظوں کے معنی کا مراقبہ کرے تو معلوم ہو جائے کہ اس کی رحمت کے ہزاروں دریا موجیں مار رہے ہیں بلکہ آسمان و زمین اور جو کچھ اس کی ظاہری اور باطنی نظر میں آئے سب رحمت ہے وجودِ اشیاء خواہ بعض اشیاء بعض کو بہ لحاظ فوت ہونے کسی منفعت کے زحمت معلوم ہوتی ہو مگر رحمت ہی رحمت ہے۔

اس کے بعد پھر اسی کلمۂ توحید کا اعادہ کر کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کا اعادہ مضمونِ توحید کی

تاکید ہے۔ الملک بادشاہ تمام کائنات پر حقیقی سلطنت اسی کی ہے۔ نہ اس کے خزانوں کی کچھ انتہا ہے نہ لشکروں کی تعداد کی۔ دنیا میں بادشاہت اسی کی بادشاہت کا ایک ادنیٰ پرتو اہے اور پھر سریع الزوال جس کو ہزاروں خطرے سیکڑوں دغدغے بغاوت کا ڈر کارکنانِ سلطنت کی خیانت کا خطر اس پر ارضی وسماوی مصائب کا کوئی مقابلہ نہیں۔ خزائن صرف ہو جانے کا اندیشہ سب سے بڑھ کر یہ کہ رعیت کی احتیاج ان کے اموال کی دست نگری برخلاف اس شہنشاہِ حقیقی کے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیاوی بادشاہ کو ملک الملوک کہلانا زیب نہیں وہی ملک الملوک ہے۔ وہی خداوندِ خدائگاں ہے۔ اَلْقُدُّوْسُ پاک ہر عیب سے بری ہر بات سے جو اس کو شایاں نہیں کثیر البرکات (بالضم وبالفتح کمتر)۔ اَلسَّلَامُ یا تو اس کو سلامتی سے لیا جائے اور اسی سے دارالاسلام وسلام علیکم ہے تب اس کے معنی ہیں ہر نقصان وزوال سے سلامت مصدر ہے مبالغۃً اطلاق ہوا جیسا کہ کسی کو کہتے ہیں رجاوٴ غیاث پھر اس میں اور قدوس میں یہ فرق ہے کہ سلام آیندہ نقصانوں سے بری ہونے والا اور زوال پذیر نہ ہونے والا۔ قدوس زمانِ ماضی وحاضر کے نقصانوں سے مبرا۔ یا سلام کے معنی باعثِ سلامتی تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ سلامتی عطا کرنے والا۔ اَلْمُؤْمِنُ یا امن سے لیا جائے کہ وہ امن دینے والا ایمانداروں کو اور اس کی پناہ میں آنے والوں کو عذاب و بلیات سے۔ یا ایمان سے لیا جائے کہ وہ اپنے انبیاء اور ملائکہ اور احوالِ آخرت کی تصدیق کرنے والا ہے۔ معجزات وآیاتِ قدرت سے۔ اَلْمُهَيْمِنُ۔ خلیل اور ابوعبیدہ کہتے ہیں ھیمن یھیمن فھو مھیمن اس کو کہتے ہیں جو محافظ اور نگہبان ہو اور علماء کہتے ہیں مہیمن اصل میں مویمن تھا۔ امن یؤمن سے ہمزہ کو ہاء سے بدل لیا جیسا کہ ارقت ہرقت میں اس کے معنی ہیں مومن کے۔ حسن کہتے ہیں اس کے معنی ہیں امین۔ خلیل کہتے ہیں محافظ۔ سعید بن المسیب وضحاک کہتے ہیں قاضی ابن کیسان کہتے ہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے معنی وہی جانتا ہے۔ العزیز عزت والا، غالب قاہر زبردست۔ الجبار فعال کے وزن پر ہے جبر نقصان سے یعنی وہ فقیر کو غنی کرنے والا، ٹوٹے کو جوڑنے والا، نقصان کی جگہ فائدہ دینے والا، بھر دینے والا یا جبر بمعنی قہر سے لیا جائے۔ جبار[1] بمعنی قہار مجبور کر دینے والا۔ اس کے کاموں سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ فراء کہتے ہیں فعال افعل سے بجزان دو جگہ کے نہیں آیا۔ ایک اجبر سے جبار دوسرا ادرک سے دراک۔ ابن عباس ﷜ کہتے ہیں جبار کے معنی ہیں عظیم اور اس کی جبروت اس کی عظمت ہے۔ المتکبر کبر بسکون الوسط کبریاء بزرگی و بزرگ شدن تکبر استکبار بزرگی نمودن (صراح) اس کے معنی ہیں بزرگی والا، اور علو و برتری ظاہر کرنے والا۔ تمام صفاتِ کمال اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو زیبا ہے نہ مخلوق میں سے کسی کو۔ مرادرا رسد کبریاء ومنی۔ کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی۔ حدیث میں آیا ہے کہ کبر میری چادر ہے جس نے اس کو اختیار کیا گویا میری چادر پر ہاتھ ڈالا۔ سنت اللہ جاری ہے دنیا میں متکبر اور گردن کش اور نخوت شعار ایک روز ضرور سرنگوں کیا جاتا ہے۔ بندگانِ خدا کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور اللہ کے ساتھ اس وصف میں مشارکت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ اس تکبر سے جو خلق کو حاصل ہے پاک ہے کس لیے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں ناقص ہیں۔ پھر ادعاءِ کبر نقصان پر اور نقصان ہے۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ کہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ الباری بنانے والا۔ خالق اور باری کے ایک ہی معنی ہیں مگر کسی قدر فرق ہے۔ باری کا استعمال جواہر واجسام میں ہوتا ہے نہ اعراض میں برخلاف خالق کہ وہ عام ہے۔ دنیا میں اجسام وجواہر یا مواد کسی بندے کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہاں بعض مواقع میں بندہ ترکیب دے دیتا ہے جس کے بعد ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گارے میں کمہار تصرف کرتا ہے، آبخورے پیالے بناتا ہے۔ المصور بلکہ حقیقی طور پر صورت بھی وہی بناتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو کوئی کسی ذی روح کی تصویر یا مورت بناتا ہے قیامت کو حکم ہوگا کہ ان میں جان ڈالے مگر نہ ڈال سکے گا، عذاب ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ اس کام میں خداوندی فعل کی نقالی ہے، بت پرستی کا بھی

[1] ابن الانباری کہتے ہیں جبار اللہ کے صفات ہیں بایں معنی مستعمل ہے کہ سمجھ سے باہر وہ کھجور جس تک ہاتھ نہیں پہنچتا اس کو جبارہ کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سامان ہے اس لیے شرحِ محمدی میں حرام کر دیا گیا۔ یہ چند اسماء بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے: لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس کے اور بھی نیک نام ہیں یُسَبِّحُ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں اس کی تسبیح و تہلیل ہوتی ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ زبردست بھی ہے اس کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔

ابحاث : (۱) وله الاسماء الحسنیٰ اس کی بابت ہم بحث کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بے شمار صفاتِ حمیدہ ہیں ہر صفت کے لحاظ سے اس کا ایک نام ہے جس سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور حدیث میں جو ننانوے نام آئے ہیں ان میں حصر نہیں۔ امام ابو موسیٰ اشعری وغیرہ اہلِ سنت کے اکابر کہتے ہیں کہ اسمائے الٰہی توقیفیہ ہیں کہ جس قدر شارع کی طرف سے اسماء کا اطلاق اس پر وارد یا جائز ہوا ہے انہیں پر بس کرنا چاہیے گو اس کا ہم معنی لفظ آیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بت پرست قوموں نے اپنے اوہامِ باطلہ سے مخلوقات کے کبراء پر قیاس کر کے خدا تعالیٰ کے نام بنائے ہیں جن سے صفتِ نامرضیہ کا ثبوت ہوتا ہے یا وہ نام کسی خاص وجہ سے جیسا کہ اشتراک بالٰہ باطلہ عنداللہ مکروہ ہیں بہرطور اس باب میں شرع نے وسعت نہیں دی۔ مگر معتزلہ و قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں اگر اس نام کے معنی میں کوئی قباحت نہیں اور عقلاً اس صفت سے خدا کا اتصاف جائز ہے تو اس کا اطلاق ذاتِ باری پر عقلاً ممنوع نہیں۔

(۲) کیا اسماء میں کوئی جداگانہ خاصیت یا تاثیر رکھی گئی ہے؟ حکماء کہتے ہیں کہ صرف یہی تاثیر ہے کہ ان معانی کے تصور سے جو ان اسماء سے مستفاد ہوتے ہیں دل پر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے مگر محققین نے اس کے سوا اور بھی تاثیر ثابت کی ہے یہاں تک کہ حروفِ مفردہ میں جداگانہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اثر رکھا گیا ہے جیسا کہ ادویہ میں اور پھر ان سے مرکب نام میں خواہ وہ کسی کا نام ہو۔ ایک نیک بدنحس یا سعد اثر ہے اور پھر اس تاثیر یا ظہور کے لیے شروط ہیں جن کے بعد قطعاً اثر ظاہر ہوتا ہے پڑھنے سے بھی اور ان کو لکھ کر پاس رکھنے اور باندھنے سے بھی بلکہ ان کے اعداد بقاعدۂ فنِ تکسیر لکھنے سے بھی جس کا صدہا بار تجربہ ہوا ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ راقم الحروف ورمِ طحال تاپ تلی) کے لیے چند اسماء لکھ کر دیا کرتا ہے صدہا بار تجربہ ہوا ہے کہ مرض جاتا رہا اور جب شرط میں خلاف ہوا اثر نہ ہوا یا ان اسماء کی جگہ دوسرے بدل دیے گئے پھر بھی اثر نہ ہوا۔ میں تجربہ کرا سکتا ہوں اور بعض لوگ موجود ہیں کہ جن پر تجربہ ہوا۔ یہ تاثیر کچھ ان اسماء کے مسمیات کے روحانی تصرفات پر موقوف نہیں بلکہ جن اسماء کے کچھ معنی بھی نہیں اور نہ ہم کو ان کا حکم ہے نہ ان کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے ان کے مسمیات سے استمداد و استعانت کا تو کیا ذکر ان میں بھی اثر ہے اور یہ اثر کچھ عربی یا فارسی الفاظ پر موقوف نہیں مگر جس صورت میں کہ وہ اسماء منزل من اللہ ہیں اور ان کے معانی قلب میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے مسمّٰی کا روحانی اور علوی اثرِ عظیم بھی ان کے ساتھ مربوط ہے ان کے اثر میں کوئی شبہ ہی نہیں دفعِ مرض، رزق کی فراخی، نجاتِ آخرت، فتح بر اعداء وغیرہ میں قرآن مجید کے الفاظ میں یہ اثر ضرور رکھا گیا ہے اسی لیے جو معنی پر واقف ہوئے بغیر بھی تلاوت کرتے ہیں تنویرِ قلب اور حلِ مشکلات میں بے حد اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے احادیثِ صحیحہ میں بعض بعض سور یا اسماء کے جداگانہ اوصاف آئے ہیں چنانچہ سورۂ حشر کی ان اخیر آیات کی بابت هو الله الذی سے آخر تک ترمذی و دارمی رحمہ اللہ نے یوں روایت کیا ہے کہ جو شخص اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر یہ تین آیت صبح کو تین بار پڑھے گا تو اس کے لیے ستر ہزار (یعنی بہت سے) فرشتے مقرر ہوں گے کہ اس کے لیے دعائے خیر کریں اور جو اس روز مرے گا تو شہید مرے گا اور جو شام کو مرے گا یہی بات پیدا ہوگی۔ ترمذی رحمہ اللہ نے کہہ دیا کہ یہ حدیث غریب ہے جو خاص ایک سند سے ثابت ہے۔

اسماء کی تاثیرات کی بابت قدیم زمانے سے حکماءِ اشراقین کا اور خصوصاً اہلِ ریاضت کا یہی اعتقاد تھا اور اس کا ایک خاص علم تھا حکماءِ مصر و ہند وغیرہ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ فن بہت مخفی کیا جاتا تھا۔ اشاروں اور رموز میں لکھا جاتا تھا اس لیے شدہ شدہ تلف ہو گیا اور لوگوں کے بخل نے اور بھی اس کو خاک میں پنہاں کر دیا۔ قدمائے یہود میں جو سحرِ بابل یا نقوشِ سلیمانی کے آثارِ عجیبہ مشہور تھے وہ اسی فن سے

متعلق تھے اسی طرح قدمائے ہنود ہوم اور یگ کرنے میں منتر پڑھا کرتے تھے دفع بلاء وشکستِ اعداء کے لیے یہ ان کا قوی ہتھیار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ سہی مگر عالم کے کارخانے اور اسبابِ تمدن وتدابیر ترقی ان باتوں پر کچھ بھی وابستہ نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کچھ بھی توجہ نہ کی بلکہ عالم اسباب کی تدابیر کا اثر عملی وقولی طور پر ثابت کر دیا۔ ان باتوں کے پابند یا بھیک مانگا کرتے ہیں یا جہلاء خصوصاً عورات کو دامِ تزویر میں پھنسا کر پیٹ پالتے ہیں۔ ہندو فقیر اور مسلمانوں کے پیرزادے اور سیانے تو اسی ورطۂ ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں خیالات سے بادشاہوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں، افلاس آیا، تجارت وحرفت سے محروم[ل] رہے۔ بہت سے سادہ لوگوں کو دیکھا گیا کہ تدابیرِ عالمِ اسباب یا توکل کو تو چھوڑ دیا گیا اور صدہا تعویذ لٹکا رہے ہیں بچوں کو سوانگ بنا رکھا ہے۔ صبح شام جھوا چھو ہو رہی ہے مگر ہوتا خاک بھی نہیں۔ ہندو قوم اس بلا میں سب سے زیادہ گرفتار ہے۔ معاذ اللہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾ اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ﴿۲﴾ لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳﴾

اے ایمان والو؟ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلتے ہو تو ان کو

ل منجملہ اسبابِ تنزل کے ایک سبب یہ بھی ہوا کہ مزدوری نہیں کی جاتی۔ تجارت نہیں کرتے، صنعت وحرفت نہیں سیکھتے۔ کرتے کیا ہیں دستِ غیب کی تلاش میں سامنے باداموں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ ترکِ حیوانات سے رات دن مشقت اٹھائی جاتی ہے مگر حصول کچھ بھی نہیں اگر ہر ایک کے ساتھ یوں ہوا کرے تو نظامِ عالم بگڑ جائے اسی طرح کیمیا کی تلاش میں گھر پھونک دیا' تاجروں کے گھروں میں چاندی سونے کا ڈھیر ہے۔ اس کمبخت کے ہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خزائن تلاش کرتے کرتے دیوانہ ہو گیا۔ رمل وجفر ونجوم والوں سے دریافت کر کے غیب کے آئندہ مصائب دفع کرنے میں کوشش ہو رہی ہے حالانکہ رمال ونجومی آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ فقراء کا لباس پہن کر گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا اور لوگوں کو مرادیں دیتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بداقبالی کے زیورات ہیں پناہ بخدا۔ ۱۲ منہ

دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے رستے سے بہکا اگر وہ تم پر قابو پائیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی سے دراز کریں اور چاہتے ہیں کہ کہیں تم کافر ہو جاؤ تمہاری رشتہ داری اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ قیامت کے دن وہ تم میں فیصلہ کردے گا اور تم جو کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : تلقون الخ حال من ضمیر الفاعل فی تتخذوا او صفۃ لاولیاء او استیناف والباء زائدۃ' وقد کفروا الخ حال من فاعل تلقون وقیل من فاعل لاتتخذوا یخرجون الخ حال من فاعل کفروا او استیناف مبین لکفرھم وصیغۃ المضارع لاستحضار الصورۃ۔ ان تومنوا مفعول لہ معمول یخرجون ان کنتم جوابہ محذوف دل علیہ لاتتخذوا جھادا مصدر فی موضع الحال او معمول فعل محذوف دل علیہ الکلام تسرون تو کید لیقلون بتکریر معنا وانا اعلم حال وقیل اعلم مضارع والباء مزیدۃ ما موصولۃ او مصدر۔

تفسیر : سورۂ حشر میں منافقوں کی بدسیرت کا بیان تھا جس سے حذر کرنا چاہیے۔ اب اس سورہ میں منافقانہ سیرت کی مذمت کرتا ہے۔ اور اس سورہ کی شانِ نزول میں بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ صحابی بدری نے ایک عورت کو جو مدینے سے مکے واپس جا رہی تھی مشرکینِ مکہ کے نام ایک خط دیا جس میں اظہارِ محبت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں ہوشیار رہو۔ وہ عورت خط لے کر نکل گئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ و زبیر و مقداد رضی اللہ عنہم کو دوڑایا کہ ایک عورت فلاں باغ کے پاس ملے گی اس کے پاس حاطب کا خط ہے وہ لے آؤ اور عورت کو جانے دو۔ یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے اسی باغ کے پاس عورت کو جالیا۔ اس سے خط مانگا وہ مکر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار سے ڈرایا تو خط بالوں میں سے نکال کر دیا۔ یہ لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور خط دکھایا اس نے سچا عذر کر دیا کہ میں نے دین سے برگشتہ ہو کر یہ کام کیا نہ مشرکین کی محبت سے۔ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی مکے میں قرابت دار ہے جو اس کے عیال اطفال کی نگہبانی کرتا ہے میرا وہاں کوئی بھی نہیں اس لیے یہ خط لکھا کہ اس کے سبب مشرکین میرے عیال واطفال کو نہ ستائیں اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حکم ہو تو اس منافق کی گردن ماردوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے اور اہلِ بدر سے ہے خدا نے بدریوں کے حق میں کہہ دیا کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

یہ کام خدا کے نزدیک ناپسند تھا۔ ان آیات میں اس محبت اور مودت کو ناپسند کرتا ہے کہ ان سے دوستی اور یارانہ نہ کرو، اگر میری رضامندی مطلوب ہے کیونکہ وہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں۔ اگر قابو پائیں تو تم پر ہاتھ اور زبان سے نہ چوکیں اور تمہیں کافر بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور تمہاری رشتہ داری اور اولاد قیامت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے تم یہ ناپسند باتیں کر رہے ہو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ
إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ز كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا
قَوْلَ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ اغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۵﴾ لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡہِمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۶﴾ ع ۹

تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی عمدہ چال چلنی چاہیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے قائل نہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے دشمنی اور کاوش پیدا ہوگئی۔ جب تک اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کی اس بات میں پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ سے کہی تھی کہ میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں (اور یہ بھی کہا تھا) اے رب! ہم نے تجھ پر بھروسا کر لیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر آنا ہے۔ اے رب! ہم کو کافروں کے ہاتھ نہ ڈالیو۔ اے ہمارے رب! ہم کو بخش دیجیو تو جو ہے تو زبردست حکیم ہے۔ البتہ تم کو انہیں کے اچھے طریقے پر چلنا چاہیے اس پر وہی چلے گا جو اللہ اور قیامت کے دن کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہو اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا، خوبیوں والا ہے۔

ترکیب : فی ابراھیم الخ صفة ثانیة لاسوة اوخبر لکانت ولکم بیان اوحال من المستکن فی حسنة اوصلة لھا اذ قالوا الخبر کان براء جمع بریٔ کظریف وظریف قریٔ براء بالکسر مثل ظراف بالفتح اسم مصدر مثل سلام والتقدیر انا ذو براء۔ الا قول استثناء منقطع من قولہ تعالیٰ اسوة حسنة فان استغفار ابراھیم علیہ السلام لابیہ وان کان جائزا قبل النھی عنہ لکنہ لیس ان یوتٰی بہ لمن کان بدل من لکم۔

تفسیر : کفار کی محبت ومودت سے دوسرے پیرائے میں منع کرتا ہے فقال قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ کہ اے مسلمانو! تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ان کا عمدہ طریقہ اور بہتر رویہ تمہارے لیے قابلِ اقتداء ہے۔ پھر ان کے عمدہ طریقے کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کیا تھا اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِہِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ الخ کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں نے اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں یعنی تمہارے معبودوں اور ان کی نسبت جو کچھ تمہارے اعتقاد ہیں کہ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں ہم اس کے منکر ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے وَ بَدَا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ الخ کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کو دشمنی اور رنجش پیدا ہوگئی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

کفار سے دوستی رکھنا حرام ہے:

نینویٰ اور بابل کے بادشاہ اور ان کی قوم اور سردار بت پرست تھے صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایمان لائی تھی اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ تھی۔ اس بیکسی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ یہ جوانمردی محض اس قادرِ مطلق کے بھروسے پر تھی۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیے۔ مشرکین تمہارا کیا کر سکتے ہیں کس لیے ان سے محبت رکھتے ہو، برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟ مسلمان کے سچے ایمان اور خدا تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضی ہے کہ اس کے دشمنوں، بد دینوں، ملحدوں پر قولاً وفعلاً تمسخر کرنے والوں سے قطع کر دے۔ ان سے محبت اور یگانگت اور دلی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ ہاں خوش خلقی اور حسنِ معاشرت کی ممانعت نہیں یہ اور بات ہے۔ اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰہِیۡمَ الخ ہاں اس بات میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی کہ میں خدا سے ضرور بخشش مانگوں گا حالانکہ مجھے اس کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں (ابراہیم علیہ السلام سا پیغمبر اپنے باپ کے حق میں یہ بے اختیاری ظاہر کرے پھر وہ بزرگ زادے جو اپنے بزرگوں کے

طریقے پر نہیں کس طرح بھروسے پر نجات کا بیڑا اٹھاتے ہیں) پھر آگے ابراہیم علیہ السلام کی مناجات ہے جو اس وقت اپنے رب سے کی تھی کہ رَبَّنَا عَلَيْكَ الخ اے رب! تجھ پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر جانا ہے۔ ہم کو کافروں کے ہاتھ میں ڈال کر اور آزمائش نہ کر اور ہم کو بخش دے تو جو ہے تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے کفار کی تکلیف سے بچایا اور جو کوئی ایسا کرے اس کو بچاتا ہے۔ الغرض کافر باپ کے لیے بخشش مانگنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرو اور سب باتوں میں کرو اگر اللہ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید ہے اور جو اس بات کو نہ مانے اور کفار و فجار سے دوستی رکھے تو اللہ کو بھی اس کی پروا نہیں۔ یہ سخت تہدید کا کلمہ ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۞ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞

شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تم کو دشمنی ہے دوستی قائم کردے اور اللہ قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا کہ جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیکی کرو اور انصاف سے پیش آؤ کس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تم کو اللہ منع تو انہیں سے کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے۔ اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی کہ ان سے دوستی کرو اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں۔

ترکیب : اللہ فاعل عسیٰ ان یجعل الجملۃ خبرھا مودۃ مفعول لیجعل ان تبروھم فی موضع جر علی البدل من الموصول بدل البعض وتقسطوا معطوف علی تبروا منصوب بان ان تولوھم بدل من الموصول (الذین) بدل الاشتمال ای ینھٰکم ان تتولوھم۔

تفسیر : پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ملاپ سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بالکل ترک کر دیا اور اس حکم کی پابندی میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ حسنِ معاشرت کے قانون سے تجاوز ہو گیا۔ چنانچہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس مکے سے اس کی ماں آئی اس وقت کہ قریش میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاہدہ قائم ہو گیا تھا۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے اپنی مشرکہ ماں کو گھر میں بھی نہ آنے دیا نہ اس کے تحفے قبول کیے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں مشرکہ ہے کیا میں اس سے سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، اس سے سلوک کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر لیا تھا کہ ہم آپ پر چڑھائی نہ کریں گے نہ آپ کے برخلاف کسی کو مدد دیں گے۔ خیر کوئی واقعہ ہو مگر یہ آیات اس افراط کے روکنے کے لیے نازل ہوئیں جن کا خلاصہ ایک

درمیانی برتاؤ اور اعتدال کی کاروائی ہے۔ فقال عسی اللہ الخ کہ شاید خدا تم میں اور تمہارے دشمنوں کافروں میں دوستی کر دے۔ اب اتنا نہ بڑھو کہ حسنِ معاشرت اور مکارمِ اخلاق سے بھی گزر جاؤ کہ پھر دوستی ہو جانے کے بعد شرمندہ ہونا پڑے۔ اسی جگہ سے عقلاء نے کہا ہے کہ دشمنی کے وقت اس بات کو بھی لحاظ رکھ کر دوستی ہو جانے کے بعد کسی نامناسب بات پر ندامت نہ اٹھانی پڑے اور دوستی میں بھی دشمنی کے زمانے کو خیال کرے کوئی ایسی بات اس کے ہاتھ میں نہ دے کہ دشمن ہو جائے تو تجھے مشکل پڑے۔

وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ اللہ اس بات پر قادر ہے اور تمہاری افراط وتفریط کے لیے غفور رحیم ہے۔ اور شاید ملاپ کی ممانعت سے مسلمانوں پر عزیز واقارب کا کلیۃً ترک کرنا شاق بھی گزرا ہو جیسا کہ انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے۔ مگر جب وہ لوگ اس حکم کے امتحان میں پورے نکلے تو خدا نے آیندہ دوستی قائم ہونے کا مژدہ بھی سنا دیا اور اس میلانِ قلبی کی معافی بھی کر دی بقولہ۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اس بشارت کا جلد ظہور بھی ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد جس سے لڑائی تھی شیر وشکر ہو گئے۔ پھر اس امر میں یہ امتیاز کر دیا۔ لَایَنْھٰکُمُ کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں نہ انہوں نے تم کو گھروں سے باہر کیا ان سے احسان وانصاف کرنے کی اللہ تعالیٰ ممانعت نہیں کرتا۔ احسان وانصاف ان سے کرو، مگر دوستی ومحبت اور چیز ہے وہ نہیں۔ اور جنہوں نے تم سے لڑائی کی، گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد کی جیسا کہ قریشِ مکہ اور ان کے حلیف قبائل ان سے دوستی کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ **قولہٗ** دوستی با کسے کردن (صراح) احسان اور عدل کرنے کی بابت ان لوگوں سے کچھ نہیں فرمایا۔ اکثر اہلِ علم کہتے ہیں کہ ان دشمنوں سے اس کی بھی ممانعت ہے۔ آیت کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ یہ لوگ حربی کہلاتے ہیں۔ ان سے بجائے مقابلے کے اور کیا کیا جائے اور احسان وسلوک کفار میں سے صرف ذمیوں کے ساتھ درست ہے جو اسلام کے ذمے یا عہد میں داخل ہوں جیسا کہ عرب میں قبیلۂ خزاعہ تھا۔

فوائد : (۱) عسی اللہ الخ ایک بشارت اور پیشین گوئی تھی جس میں ضمناً اسلام کی ترقی اور اس کے غلبہ کی طرف اشارہ تھا کس لیے ان صادق اہلِ اسلام کی ان کفار سے دوستی ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ یا وہ کفار مسلمان ہو جائیں یا مغلوب ہو کر اسلام کی ماتحتی اختیار کر لیں۔ اس آیت کے نزول کے تھوڑے زمانے بعد اس کا ظہور کامل طور پر ہوا۔ مکہ اس کے بعد فتح ہوا۔ وہاں کے کفار جو مسلمانوں کو محض اسلام کے لیے تکلیف دیتے تھے، مغلوب ہوئے اور اسلام لائے پھر کیا تھا بھائی بھائی تھے۔ اس سے پہلے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اقارب میں دینی عداوت تھی پھر وہی محبت ہو گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو قہر کی نظروں سے دیکھتے تھے پھر ایک ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس صبر و برداشت وفرماں برداری کا یہ نتیجہ خدا نے دکھایا۔ اس کے فرمان کے موافق اقارب سے یکلخت بیگانگی ہو گئی تھی۔

(۲) دنیا میں اسلام کا آنا ایک تغیرِ عظیم تھا اس کے مقابلے میں اس کے تین دشمن کھڑے ہوئے۔ اول کفر وبت پرستی کیونکہ اس کی تو اسلام نے دنیا میں ظاہر ہوتے ہی بیخ کنی کی۔ مکے کے قریش جو مسلمانوں کے قرابت دار اور بھائی بند تھے سب سے اول مقابل ہوئے اور بڑی بے رحمی اور بے مروتی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مار پیٹ، گالی گلوچ، قتل وضرر رسانی کا کوئی دقیقہ ان غریب مسلمانوں سے اٹھا نہیں رکھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان وطنِ عزیز سے نکال دیے گئے جو سب مدینے میں آ جمع ہوئے۔ دوسرا رقیب عیسائیت تھی جو نہایت بدنما اور مہیب صورت میں ظاہر ہو رہی تھی اور ایک ایسے بیمار کی حالت میں تھی کہ جس میں صدہا امراض نے گھر کر لیا ہو یہ بھی مقابل ہوئی اور شام کی سرزمین پر اس میں اور اسلام میں آخر کشت وخون کی نوبت پہنچی اور پھر قرنوں تک دونوں دنیا کے اکھاڑے میں لڑتے رہے اور قیامت تک لڑتے رہیں گے۔ تیسرا دشمن اور بغلی گھونسا یہودیت ومجوسیت تھی۔ آخرکار اسلام کے دل کش نظاروں نے دنیا کو اپنے اوپر فریفتہ کر ہی لیا اور یہ کشمکش اسلام کو اب بھی جہاں نیا عمل دخل کرتا ہے پیش آتی ہے اس لیے اس کے مخالفوں کے برتاوے کے لیے خدائے پاک نے ان آیات میں دستور العمل قائم کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۳) اسلام کے غیر لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ قسم اول جو اس سے مقابلہ نہیں کرتے اور نہ اس کی ایذا و ضرر رسانی میں سعی کرتے ہیں اب عام ہے کہ وہ اس کے ذمے یا عہد میں بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ صلۂ رحمی، حسن سلوک، انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ اسلام کی فیاضی و ہمدردی ایسے کافروں پر بھی ہے اور ان میں سے اہل ذمہ کو تمدنی حالت میں کسی طرح بھی کم نہیں سمجھا گیا۔
دوسری قسم وہ ہیں جو اس سے مقابلہ کرتے ہیں، تکلیفیں دیتے ہیں، قتل و ضرب کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے جو ان کے امکان میں ہو جیسا کہ قریشِ مکہ تھے۔ اب ایسے لوگوں کے ساتھ وہ مذہب (جو دنیا میں سلطنت و شوکت کے لباس میں جلوہ گر ہوا ہو اور خدا تعالیٰ کے ان سخت وعدوں کا ایفا جو اس نے سرکشوں کے لیے کیا تھا اسی کی شمشیرِ آبدار کے قبضے سے بندھا ہوا ہو) کیا کرے گا؟ مقابلہ اور اپنی قوت کا اجتماع۔ اجتماعِ قوتِ اعوانیہ کا یہ پہلا اصول ہے کہ مخالفوں سے یکسوئی اختیار کریں تاکہ ان پر اثر پڑے اور انتخاب صادق ہو کر ایک لشکرِ قہار تیار ہو جائے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی، الٹا دنیا و آخرت میں خسارہ ہوگا۔
حکم تو یہ تھا مگر اس کو کس عمدہ عبارت میں ادا فرمایا ہے اور لفظوں میں دوسرے مطالب کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا۔ اول تو کفار کے ساتھ جو قسم اول ہی کیوں نہ ہو سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہہ دیا لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ تم کو منع نہیں کرتا، اجازت و رخصت دیتا ہے تاکہ کفر کی ذلت اس عارضی صلح و ذمہ سے مٹ نہ جائے۔ دوم اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا فرمایا کہ نیکی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جس سے یہ نکلا کہ دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔ سوم قسم دوم کے کفار کے لیے یہ فرمایا کہ ان سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے۔ نیکی و انصاف کا ذکر چھوڑ دو تاکہ دونوں پہلو ملحوظ رہیں۔ کفر و عداوت پر غور کیا جائے تو ان سے بجز جنگ اور جواب ترکی بہ ترکی کے اور کچھ نہ کیا جائے تاکہ دنیا سے کفر کا جھنڈا اکھڑے اور جو ان میں سے کسی کی حالتِ زار، فقر و فاقہ و مصیبت پر خیال کیا جائے تو نیکی اور حسنِ سلوک کر دو، بھوکے کو کھانا کھلا دو، ننگے کو کپڑے پہنا دو، تمہاری عدالت میں ان کا جھگڑا آئے تو انصاف کرو۔ چہارم قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّيْنِ میں مسلمانوں کو جوشِ مذہبی دلایا۔ واخرجوکم الخ میں جوشِ عصبیت و حمیت وغیرہ کو دوبالا کر دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْــَٔلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْــَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! جب کہ تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم جان لو کہ وہ ایماندار ہیں تو ان کو کافروں کی طرف نہ بھیجو۔ نہ یہ عورتیں ان کو حلال ہیں نہ وہ کافر ان عورتوں کو حلال ہیں۔ اور ان کافروں کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور تم پر ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کے مہر دے چکو اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لیے صادر فرمایا۔ اور اللہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی چلی جائے کافروں کی طرف پھر تمہاری باری آجائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو کہ جن کی بیویاں چلی گئیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ترکیب : مهاجرات حال من المؤمنات فامتحنوهن جواب راذا۔ الله اعلم جملة معترضه مؤمنات مفعول ثان لعلمتم من مفعول اول فلا ترجعوهن الجملة جواب الشرط لاهن الجملة فی موضع التعلیل لقوله فلا ترجعوا ولاتمسكوا من وقراء ابوعمرو يعقوب بالتشديد والاخرون بالتخفيف بعصم جمع عصمة وهي ما يعتصم به من العقد والنسب والعهد والمراد به ههنا النكاح الكوافر جمع كافرة وان فاتكم اى سبقكم وانفلت منكم شيء فاعل فاتكم من ازواجكم بيان لشيء وايقاع شيء موقعه للتحقير والا شباع فی التعميم او شيء من مهور ازواجكم۔ فعاقبتم اى فجاءت عقبتكم اى نوبتكم من اداء المهر۔ شبه الحكم باداء هؤلاء مهور اولئك تارة واداء اولئك مهور نساء هؤلاء تارة بامر يتعاقبون فيه كما يتعاقب فی الركوب وغيره قال المبرد فعاقبتم اى فعلتم ما فعل بكم يعنى ظفرتم وهو من قولك العقبى لفلان اى العاقبة ومعنى العاقبة الكرة الاخيرة وقال ابن عباس ومسروق ومقاتل معنى عاقبتم غنمتم وغزوتم معاقبين غزوا بعد غزو وكانت العقبى والغلبة لكم وقيل اصبتم الكفار فی القتال بعقوبة حتى غنمتم۔ قرئ حميد الاعرج فعقبتم بالتشديد قرء الزهرى بالتخفيف بغير الف وقرء مجاهد فاعقبتم اى صنعتم بهم ما صنعوا بكم۔ فهو معطوف على فاتكم فی حيز الشرط فاتوا الخ جوابه مثل مفعول ثان فاتوا۔

تفسیر : دشمنِ اسلام تین قسم کے تھے۔ اول وہ کہ ان کی دشمنی ہنوز باقی تھی۔ دوم کہ جن کی دشمنی دُور ہو جانے کی امید تھی۔ سوم وہ کہ ان کی دشمنی جاتی رہی تھی اور وہ مطیعِ اسلام ہو گئے تھے۔ ان آیات میں خداتعالیٰ نے ان کے احوال بیان فرما کر ہر ایک فریق سے اس کے مناسب معاملہ کرنے کا حکم دیا۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ الخ۔ میں اول قسم کے کفار کا حکم دیا کہ ان سے بالکل ترک کرنا چاہیے اور دوسری قسم کے لوگوں کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً کہ ان سے ایک روز دوستی ہو جائے گی۔ حسنِ معاشرت سے پیش آؤ۔ تیسری قسم کے کفار کا حال اور حکم ان آیات يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ میں بیان فرماتا ہے کہ اب جو کفار میں اور تم میں بمقام حدیبیہ صلح و عہد ہو گیا ہے وہ دشمنی تمام ہو گئی ان سے عدالت و انصاف کی کارروائی کرو جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ بمقام حدیبیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا اور سہیل بن عمرو کفار کی طرف سے عہد نامہ لکھ رہا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ ہمارا جو کوئی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تیرے پاس بھاگ کر آئے تو آپ اس کو ہمارے حوالے کر دیں اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط شاق معلوم ہوئی اور انکار کیا مگر اس نے نہ مانا آخر لکھی گئی۔ اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ سہیل مذکور کے بیٹے کو جو مکے سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس کے حوالے کیا (اس میں بھی مصلحتِ الٰہیہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ مکے کو واپس نہ گئے نہ مدینے میں رہے بلکہ ایک مقام تجویز کر کے کفار مکے کے آیند روند کو لوٹنا شروع کر دیا جس سے کفار نے ان کو مدینے میں رہنا غنیمت جان کر واپس لینے کی درخواست کو چھوڑ دیا) یہ معاملہ مردوں کے ساتھ تھا مگر

عورتوں کی بابت اس عہدنامے میں کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔ اس عرصے میں چند عورتیں بھی مکے سے محض دینِ اسلام اختیار کرنے کی غرض سے مسلمانوں میں آملیں منجملہ ان کے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا قبیلہ اسلم کی بھی آئی اور عہد نامہ لکھ کر اس پر مہر ہو چکی تھی اس کے پیچھے اس کا خاوند بھی آیا جس کے نام میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں مسافر مخزومی۔ مقاتل کہتے ہیں اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری بیوی کو میرے ہمراہ کر دیجئے۔ آپ نے ہمراہ نہ کیا کس لیے کہ یہ آیت نازل ہو گئی تھی۔ اس آیت میں عورتوں کا دینا ممنوع ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا دریا جوش زن تھا لوگ مسلمان ہوتے تھے مگر اپنے وطنوں میں کفار برادری سے امن نہ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے تھے۔ مکے کے لوگوں سے صرف مردوں کی بابت معاہدہ ہو گیا تھا۔ اس آیت نے کھول دیا کہ عورتوں کی بابت معاہدہ نہیں وہ ہرگز واپس نہیں دی جائیں گی کس لیے کہ کفر و اسلام میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ نہ کافر مرد کو مسلمان عورت حلال ہے نہ مسلمان عورت کو کافر مرد مگر شرط یہ تھی کہ وہ عورت خاص اسلام کے لیے ہجرت کر کے آئی ہو کسی مرد یا دنیوی خواہش یا اپنے شوہر کی نفرت سے نہ آئی ہو۔ اس لیے سب سے اول اس آیت میں اسی مسئلہ کی تشریح ہوئی۔

فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ کہ اے مسلمانو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ آیا دراصل دین کے لیے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے؟ امتحان آزمائش قرآن میں اس کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حلف دے کر پوچھتے تھے کہ تو اپنے خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مرد کی رغبت سے یا کسی دنیاوی غرض سے تو نہیں آئی؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ حقیقت الامر اور ان کا ایمان تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں احکامِ شرع ظاہر پر جاری ہوتے ہیں جب وہ حلف سے ایمان ظاہر کر دیں تو تمہیں اعتبار کرنا چاہیے کسی بدگمانی کو دخل نہ دینا چاہیے۔ اور نیز ان کے ایمان کی تائید بھی ہے کس لیے کہ امارات تو ظاہر ہیں مگر وطن و اقارب کا چھوڑنا ان پاکباز بیویوں کا محض ایمان اور محبتِ الٰہی سے تھا۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ اگر تم کو یقین ہو جائے کہ وہ ایمان والیاں ہیں تو پھر ان کو کفار کے پاس نہ جانے دو کس لیے کہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ یہ عورتیں ان کفار شوہروں کے لیے حلال نہیں۔ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ اور نہ وہ کافر شوہر ان کو حلال اور جائز بنا سکتے ہیں۔

پہلا حکم: ان آیات میں یہ پہلا حکم ہے کہ کفار کی بیویاں اگر اسلام لا کر مسلمانوں کے گروہ میں آملیں تو ان کا نکاح سابق باقی نہیں رہتا۔ نیز کبھی مسلمان عورت کافر کے لیے حلال نہیں۔ کوئی مسلمان عورت کسی ہندو یا نصرانی یا مجوسی یا یہودی یا کسی غیر مذہب والے سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا بلکہ حرام کاری ہوگی۔ بادشاہ اسلام کا فرض ہے کہ ان کو جدا کرے اور جو نہ مانیں تو سزا دے تا کہ ملک بدکاری سے پاک رہے۔ اس پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔

فائدہ (۱): جب کوئی عورت مسلمان ہو جائے یا اسلام کے ارادے سے مسلمانوں کے گروہ کی طرف سفر کرے بہ ایں نیت کہ پھر کفار میں نہ جائے گی اس کا نکاح کافر شوہر سے فسخ ہو گیا۔ اسی طرح مرد اسلام لائے یا بہ ارادۂ اسلام دارالاسلام کی طرف آئے اس کی کافرہ بیوی سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ عینی شرح ہدایہ باب العدۃ۔

فائدہ (۲): اب اس مسلمان عورت کو مسلمان مرد سے نکاح درست ہے۔ پہلے خاوند کا جو کافر تھا کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد یوں فرماتا ہے۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ کہ مسلمانوں پر ان مہاجرات عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے مہر ادا کر دیں۔ مہروں کا ادا کرنا اس حکم کے لیے دائمی قید نہیں بلکہ اس واقعے کے لحاظ سے یہ

قید لگائی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آ رہا تھا وہ یہ کہ کفارِ مکہ سے عہد نامہ ہو چکا تھا اور مکے والوں کی عورتیں ہجرت کر کے مدینے میں آتی تھیں۔ یہ واپس نہ بھیجی جاتی تھیں بلکہ ان کا نکاح مسلمانوں سے درست تھا مگر بموجب اس باہمی مصالحت کے یہ ضرور ہوتا تھا کہ ان کے کافر خاوندوں نے جو مہر ان بیویوں کو دیے تھے وہ واپس دیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے جملے میں اس کا ذکر تھا۔ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا کہ ان کافروں نے جو کچھ اپنی بیویوں پر صرف کیا ہے وہ دے دو۔ ما انفقوا جو کچھ خرچ کیا گرچہ لفظ عام ہے روٹی کپڑے دیگر عطیات کو بھی شامل مگر مراد مہر ہے کس لیے کہ اور چیزیں عرف میں کم واپس لی جاتی تھیں۔ جدائی کے وقت مہر ضرور واپس لیا جاتا تھا۔ اب یہ مہر کون دے؟ بیت المال دے اگر اس عورت سے کسی نے نکاح نہیں کیا ورنہ جس نے نکاح کیا وہ عورت کو مہر دے دے اور یہ مہر اس مہر کے بدلے میں جو اس نے کافر خاوند سے وصول کیا تھا واپس دے دے۔ مہر جدید جو مسلمان مرد سے بندھا وہ اسی قدر ہونا چاہیے کہ جس قدر اس کافر نے دیا تھا۔ اس میں اور علماء کے اقوال بھی شاید کچھ ہوں۔

مگر اس بات کی تشریح آیت میں نہیں کہ مہاجرہ عورت سے مسلمان مرد آیا عدت کے بعد نکاح کرے یا فوراً۔ ہدایہ کتاب العدۃ میں لکھا ہے وکذا اذا اخرجت الحربیۃ الینا مسلمۃ فان تزوجت جاز الخ۔ وھذا کلہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا علیہا ولا علی الذمیۃ العدۃ کہ اس عورت پر عدت نہیں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک عدت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت لا جناح میں عدت کی کوئی قید نہیں۔ صاحبین کہتے ہیں گو نہ ہو مگر اس بات کے امتیاز کے لیے کہ پہلے کافر خاوند کا حمل ہے یا نہیں عدت ضرور ہے کس لیے کہ اگر اس کو حمل ہے تو نکاح درست نہیں اور جو درست بھی کہا جائے تو صحبت کرنا وضع حمل تک قطعاً ممنوع ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ اور نیز امام احمد اور ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی عورتوں کی بابت جن کو مسلمان اسیر کر کے لائے تھے یہ فرمادیا تھا کہ حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک نہ جنے اور بغیر حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک کہ ایک حیض نہ ہو لے۔ استبراء کرنے کا حکم گو سبایاءِ اوطاس میں صادر ہوا مگر علتِ عامہ مہاجرات میں بھی پائی جاتی ہے۔

فائدہ (۳): میاں بیوی کافر ہیں اور ان میں کوئی اسلام لا کر دارالاسلام میں چلا آئے تو ان کا نکاح جاتا رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر پھر دوسرا بھی اسلام لائے تو نکاحِ جدید کرنا پڑے گا۔ واذا اخرج احد الزوجین الینا من دار الحرب مسلماً وقعت البینونۃ بینھما (ہدایہ کتاب النکاح)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر اس عرصے میں بیوی نے مسلمان ہو کر اور مرد سے نکاح نہیں کیا اور اس کا خاوند بھی مسلمان ہو گیا تو نکاحِ جدید کی حاجت نہیں۔ پہلا نکاح کفر کافی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سی عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آئیں اور بعد میں ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نکاح بسابق باقی رکھا۔ مسئلہ اگر دونوں یکلخت مسلمان ہو جائیں اور ان کا نکاح کفر میں اس طور سے ہوا تھا جو ان کے نزدیک بھی درست تھا تو وہی نکاح کافی ہو گا مگر جو کسی نے اپنے ناجائز قانون یا دستور کے موافق بیٹی یا بہن سے نکاح کیا تھا تو اسلام میں یہ باقی نہ رہے گا بلکہ جدا کر دیے جائیں گے۔ (ہدایہ کتاب النکاح)۔ مسئلہ اگر کافر میاں بیوی مسلمانوں کی قید میں آجائیں یعنی لڑائی میں پکڑے جائیں جیسا کہ مغلوبی کے بعد ہوتا ہے پھر ان کا باہم نکاح سابق رہا یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں نکاح باقی نہیں رہا۔ یہ عورت لونڈی میاں غلام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں باقی رہتا ہے۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک قید میں آجائے تو باقی نہیں رہتا۔ اگر عورت ہاتھ آ گئی تو مسلمان کی لونڈی ہے اگر اس کو حمل نہیں تو ایک حیض کے بعد اس سے صحبت درست ہے۔ **مسئلہ:** اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور دارالحرب میں رہے اس کا نکاح تین حیض کے بعد فسخ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر اس عورت سے اس کا خاوند صحبت کر چکا ہے تو بے شک عدۃ کے بعد فسخ ہو گا ورنہ اسلام لاتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ دارالحرب ہو یا دارالاسلام۔ ہدایہ

دوسرا حکم: وَلَا تُمۡسِكُوا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ اور نہ تھام رکھو کافر عورتوں کی عصمت کو یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ سمجھو کہ ان کی حفاظتِ عصمت کی طرف تمہیں حاجت پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دو کسی مرد سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ تم کچھ علاقہ نہ رکھو۔ جو لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے آئے تھے اور مکے میں ان کی بیویاں اسی کفر کی حالت میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ زہری کہتے ہیں اس آیت کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکے میں رہ گئی تھیں چھوڑ دیا۔ ایک کا نام قریبہ تھا جو ابو امیہ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان سے مکے میں نکاح کیا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے۔ دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی تھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ماں۔ اس سے ابو جہم بن حذافہ ابن غانم نے نکاح کیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔[1]

فائدہ: اسلام نے ایک عظیم الشان تفرقہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام اور شرک میں کوئی رشتہ نہ تھا جس کی صادق الایمان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی خوشی سے تعمیل کی۔ جو ان کی صداقت اور سچے جوش کا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر پر اعجاز کا کامل نمونہ تھا مگر اسلام کے سبب اس بیوی سے مفارقت ہے کہ جس سے اسلام میں بھی نکاح درست نہیں مثلاً اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہے اور خاوند کسی مذہب کا تھا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس صورت میں بیوی خاوند سے جدا نہ ہوگی زوجیت باقی رہے گی کس لیے کہ مسلمان مرد کا اہلِ کتاب عورت سے نکاح درست ہے۔ ہاں اگر عورت کسی ایک مذہب کی تھی اور مرد اہلِ کتاب تھا عورت مسلمان ہوگئی نکاح فاسد ہو جائے گا کس لیے کہ مسلمان عورت بجز مسلمان کے اور کو درست نہیں (ہدایہ وغیرہ کتابوں میں ایسا ہی ہے)۔

تیسرا حکم: وَاسۡأَلُوا مَا أَنفَقۡتُمۡ وَلۡيَسۡأَلُوا مَا أَنفَقُوا۔ تمہاری جو عورتیں کافرہ ہیں اور کافروں سے انہوں نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے ان کو مہر دیا تھا وہ تم واپس لے لو اور جو کافروں کی عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آگئیں اور انہوں نے تم سے نکاح کر لیا ہے تو کافروں نے مہر دیا تھا واپس کر دو۔ ذَٰلِكُمۡ حُكۡمُ اللَّهِ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ یہ اللہ کا حکم ہے تمہارے لیے۔ اس کے فوائد اور حکمتیں وہی خوب جانتا ہے کس لیے کہ اللہ علیم بڑا علم والا، حکیم حکمت والا ہے۔ واضعانِ قوانینِ ملی وقومی وسیاسی کے قوانین واحکام جب ہی قابلِ پذیرائی ہوتے ہیں کہ جب ان کو علم بھی ہو۔ عواقبِ امور پر نظر ہو، طبائع بشریہ وخواصِ قومیہ وملکیہ سے واقف ہوں اور اس کے ساتھ رفق وسہولت و تدابیر برجستہ بھی پہچانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ان باتوں میں کون زیادہ واقف ہے؟ بلکہ وہ سب سے زیادہ ہے۔ پھر خرابی ہے اس ملک وقوم کی جس کے واضعانِ قوانین ان باتوں سے واقف نہ ہوں اور ان میں رعایتِ مصالحہ کا مادہ ہو بلکہ وہ جاہل ہوں یا غیر لوگ اپنے طبائع اور خیالات پر دوسرے لوگوں کو حکومت اور شوکت کے دباؤ سے مجبور کرتے ہوں۔ اس لیے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام سے کوئی قانون اور دستور العمل بہتر نہیں بشرطیکہ اس بات کے سمجھنے کا دماغ بھی رکھتا ہو۔

فائدہ۔ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ یعنی اب اگر ایسا واقعہ ہو تو کیا مہر لینے اور دینے چاہییں؟ اکثر کے نزدیک یہ حکم محدود اور موقت تھا کفارِ مکہ کے لیے بموجب عہد نامہ حدیبیہ کے۔ کفارِ عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا۔ وہ عورت کو پہلے دے دیا کرتے تھے۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ اس لیے عہد نامہ ہونے کے بعد یہ واپسی قائم رکھی کیونکہ کفار کی بیویاں جو مہر لے چکتی تھیں مسلمان ہو کر مسلمانوں سے آملتی تھیں اور مسلمانوں کی مہر دی ہوئی عورتیں جو اسلام نہیں لاتی تھیں کفار کے پاس رہ جاتی تھیں۔ فتح مکے کے بعد پھر اس حکم کی ضرورت نہ رہی۔ عرب کے اور قبائل کی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ نکاح مسلمانوں سے کیے یا ان قبائل کے لوگ بیویاں چھوڑ کر مسلمان ہوئے مہر نہ لیے گئے نہ دیے گئے۔ اس لیے دار الحرب کے کفار کی بابت تو یہ حکم ہرگز نہیں۔ اور ذمیوں کی بابت یہ حکم نہیں کوئی ذمی عورت مسلمان ہو کر

---

[1] منجملہ ان کے زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں وہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینے چلی آئیں اور ان کے شوہر ابو العاص مشرک مکے میں رہے پھر جب وہ بھی مسلمان ہو کر مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کر دیا۔ ۱۲ منہ

مسلمان سے نکاح کر لے تو مسلمان کو اس کے ذمی شوہر کا مہر یا خرچ شادی واپس دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو تو دینا چاہیے۔

چوتھا حکم: وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا کہ جو تمہاری بیویوں میں کوئی کفار کی طرف جائے اور تمہاری نوبت آئے تو تم وہ مہر جو مہاجرہ کی بابت اس کے پہلے خاوند کافر کو دینا تھا ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں مہر پا کر کفار کے پاس چلی گئیں۔

عام مفسرین اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر تمہاری بیویوں میں سے مرتد ہو کر کفار کے پاس چلی جائیں الخ مگر بغور دیکھئے تو تعمیم ہے جو ان کو بھی شامل ہے کہ جن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئیں اور کفار ہی کے پاس رہ گئیں اور مہر پا چکی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ چند عورتیں اس قسم کی تھیں جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تھی۔ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ ان لوگوں پر صادق آتا ہے اور یہی بھی کہ جن کی بیویاں وہاں رہ گئیں تو ان مہاجرات کا مہر جو ان کے کفار خاوندوں کو دینا چاہیے تھا ان مسلمانوں کو دینا چاہیے کہ جن کی عورتیں مہر پا کر وہیں رہ گئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمانوں کو غنیمت میں سے مہر دیا تا کہ حساب برابر ہو جائے کس لیے کہ کفار سے ان عورتوں کا مہر لینا تھا جو ان کے ہاں رہ گئیں اور ان کی عورتیں جو یہاں آئیں ان کا مہر واپس کرنا تھا وہ اس میں وضع ہو گیا۔

عاقبتم کے معنی میں بھی علماء کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ تمہاری باری آئے مہر لینے کی اس صورت میں کہ تمہاری بیویاں کفار کے پاس رہ جائیں۔ دوم یہ کہ تم کفار سے جہاد کر کے غنیمت حاصل کرو۔ ان سب باتوں کے بعد یہ بھی فرما دیا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کہ تم اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ یہ جملہ تمام احکام کی پابندی پر ابھارنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬

النصف ع

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے (یعنی روبرو دیدہ و دانستہ) کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ۔ اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ غصہ ہوا۔ وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے کہ جیسے کافر قبر والوں سے ناامید ہو گئے۔

ترکیب: اذا جاء شرط یبایعنک حال من المومنات ولا یسرقن وما بعدہ معطوف علی ان لا یشرکن یفترینہ لغت لبہتان او حال من الضمیر فی یاتین فبایعھن وما عطف علیہ جواب الشرط غضب اللہ علیھم الجملۃ لغت لقوم قد یئسوا الخ۔ لغت اخری من اصحاب القبور

متعلق بیئس ای یئسوا من بعث اصحاب القبور ویمکن ان یکون حالا ای کائنین من اصحاب القبور والکاف فی کما فی محل النصب۔

تفسیر : پہلی آیات میں مومنات کے امتحان کا ذکر تھا جب کہ وہ ہجرت کر کے آئیں اور اس کے بعد ہجرت سے جو تفرقہ کافر خاوند اور بیوی میں تھا اس کے احکام تھے کہ باہمی معاہدے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ اب یہاں ان عورتوں کے احکام بیان کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کو آتی تھیں کہ اگر وہ ان باتوں پر بیعت کریں یعنی عہد موثق کریں تو بیعت قبول کر لے۔

(۱) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عرب میں بت پرستی عام تھی۔ عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں۔ اب بھی توہمات باطلہ اور تخیلاتِ فاسدہ کی پرستش اسی گروہ میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے اس لیے سب سے اول اسی اہم بات کو پیش کیا۔

(۲) چوری نہ کریں گی۔ چوری اگرچہ مردوں کے لیے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری خانہ بربادی کا سبب ہے۔ اس کے بعد اس کو منع کیا۔

(۳) زنا نہ کریں گی۔ زنا مردوں کے لیے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لیے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا اور گو توبہ کر کے یہ عورت محاسبۂ آخرت سے پاک ہو جائے مگر دنیا میں تو عمر بھر کلنک کا ٹیکا ہے۔ لیکن شرفاء عورتیں ایسا کام نہیں کرتیں اور بہت کم ان سے یہ حرکت وقوع میں آتی ہے اس لیے چوری کے بعد اس کو ذکر کیا۔ خاوند کے مال میں سے کچھ چرا لینا شرفاء عورتیں ایسا برا عیب نہیں سمجھتی تھیں۔ چوری عام لفظ ہے پیسہ سے لے کر بے انتہا تک خواہ نقد کی ہو خواہ گھر کے اسباب کی ہو۔ میاں کی بے اجازت اس کی کوئی چیز چھپانا یا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں یا اور کسی کو دے دینا سخت معصیت ہے اور خدا تعالیٰ کی باز پرس کا باعث اور دنیا میں اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس عورت سے خاوند کو نفرت ہو جاتی ہے اور پھر خاوند کے گھر کا پورا اختیار اس کو نصیب نہیں ہوتا۔ امانت و دیانت عجب چیز ہے۔ زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب ہیں۔ غیر محرم کا گھر میں آنے دینا یا اس سے بے ضرورت باتیں اور اخلاق کا اظہار کرنا یا اس سے تخلیہ کرنا اور اسی طرح خاوند کے گھر سے باہر جانا اور غیروں کے ساتھ سیر و تفریح میں باغوں سیر گاہوں میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی کی کتابیں دیکھنا یا سننا جیسا کہ فسانۂ عجائب بدر منیر وغیرہ اخلاق کو برباد کرنے والی کتابیں ہیں یا نئے ناول نکلے ہیں۔ اسی طرح ناچ و رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا ان کی شہوت انگیز نقل و حکایات سننا یا آپ گا کر لوگوں کو سنانا یا اپنے زیور یا کپڑے کی جھلکی دکھانا شراب و مسکرات کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زنا کاری کے دروازے ہیں جن میں یہ باتیں ہیں وہاں زنا کاری کی بھی کچھ انتہا نہیں۔ جس قدر ترفہ ہوتا ہے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں وہیں زنا کاری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ برخلاف قراء و قبائل کے لوگوں کے کہ ان میں یہ کم ہے اور اس لیے عصبیت اور جواں مردی بھی ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ زنا کار قوم میں غیرت نہیں رہتی۔ انجام کار وہ قوم دنیا میں تنزل اور پستی کا منہ دیکھتی ہے۔ اس بات پر ایک روایت یاد آئی جس کو مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن جب عموماً وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے اور مردوں کی بیعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مسلمان عورتیں بھی بیعت کے لیے آمادہ ہوئیں۔ نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور عمر رضی اللہ عنہ نیچے تھے۔ عورتوں نے بیعت کرنی شروع کی انہیں امور پر ہند بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان بھی برقع اوڑھے، بے پہچانے پیش ہوئیں (یہ ہند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے بڑی دشمن تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ دانتوں سے اسی نے چبایا تھا اس کا ایک بیٹا حنظلہ تھا بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا) عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت لے رہے تھے جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اللہ سے شرک نہ کرنا، ہند نے سر اٹھایا اور کہا کہ ہم نے اب تک بت پرستی کی تھی آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو مردوں سے نہیں لیا ان سے تو صرف اسلام و جہاد پر عہد لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ چوری نہ کرنا۔ اس پر ہند نے کہا ابوسفیان کنجوس آدمی ہے اس کے مال سے میں نے کچھ لے لیا اب نہیں معلوم کہ

حلال ہے یا حرام ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے مال سے جو کچھ تو نے پہلے لے لیا یا آیندہ لے سب تجھ کو معاف اور حلال ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ہند کو پہچان لیا اور فرمایا کیا تو ہند عتبہ کی بیٹی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! جو کچھ مجھ سے پہلے قصور سرزد ہوا معاف کیجئے۔ اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد آپ نے فرمایا زنا نہ کرنا۔ ہند نے کہا کیا بیویاں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ تو چھوکریوں لونڈیوں کا فعل ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہند نے یہ کہا کہ ان بیویوں میں سے کسی نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ (اللہ رے شرافت وعصبیت کفر و بت پرستی میں بھی یہ کام نہایت برا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ تف ہے ان پر کہ بہن بیٹیوں سے یہ کام کراتے اور ان کی کمائی سے عمدہ کپڑے پہن کر اینٹھتے پھرتے ہیں)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ (۴) وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ عرب میں دستور تھا کہ دامادی کی عار و ننگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اس کی بھی ممانعت ہوئی۔ اس پر ہند نے کہا ہم تو ان کی لڑکپن میں پرورش کرتی ہیں جب وہ بڑے ہوتے ہیں تم ان کو مار ڈالتے ہو اب تم جانو وہ جانیں (جنگ بدر کے مقتولوں کی طرف اشارہ تھا جن میں اس کا بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا) اس پر عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم کیا۔ (۵) وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ پھر فرمایا کہ کوئی بہتان نہ باندھے۔ یہ لفظ عام ہے ہر قسم کے بہتان کو شامل ہے خواہ کسی پر چوری کا لگایا جائے یا زنا کا۔ عورتوں میں یہ عادتِ بد بہت ہے کہ وہ جھٹ پٹ بدگمان ہو کر بہتان لگا دیتی ہیں اس سے بھی منع کیا۔ خاوند پر بہتان لگا دینا تو ایک ادنیٰ بات سمجھتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے خاوند کی اولاد نہ بناؤ۔ فراء کہتے ہیں عرب میں عورتیں کسی کا بچہ اٹھا لاتی تھیں اور خاوند سے کہہ دیتی تھیں کہ میرا بچہ ہے تجھ سے۔ وہ بہتان کو جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے بنایا گیا اور یہ اس لیے کہ لڑکا جب دودھ پیتا ہے تو اس کو سامنے ڈال لیتی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے سامنے ہوتا ہے مگر اس کے معنی دیدہ و دانستہ کے ہیں۔ بین ایدی محاورہ ہے اس معنی میں کہ دیدہ و دانستہ کسی پر بہتان نہ باندھو۔ یہ بھی سخت جرم ہے۔ اس کے بعد ہند نے کہا واللہ بہتان بری بات ہے اور آپ عمدہ باتیں اور مکارمِ اخلاق سکھاتے ہیں۔ (۶) وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ پھر فرمایا اور کسی نیک بات میں رسول کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ بڑا وسیع لفظ ہے اس میں اور سب عمدہ باتیں آ گئیں اگر ان چھ باتوں پر عہد کر لیں اور اس پر بیعت کریں تو اے نبی! ان کی بیعت قبول کر لے اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگ۔ اللہ غفور رحیم ہے اس بیعت پر قائم رہنے کا یہ صلہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اگلے جہان میں جہاں نئی زندگانی ہے عیش و آرامِ ابدی ہے۔

فائدہ۔ آج کل نئے علوم اور نئی روشنی کا بہت کچھ زور و شور ہے اور نئی تہذیب یافتہ قوم میں جو عیسائی مذہب کے برائے نام پابند ہیں اس امر میں بہت کچھ دعوے کرتے ہیں۔ عورتوں کی تعلیم پر ان کی بڑی ہمت مصروف ہے اور اپنے کالجوں اور سکولوں کی تعلیم یافتہ عورتوں کو فوقیت دیتے ہیں اور اسبابِ تمدن کے علاوہ ناچنا گانا بھی سکھاتے ہیں۔ جو کچھ ہوا گر ان میں یہ باتیں نہیں تو کسی غیر تمند آدمی کے نزدیک ان کا مرتبہ ایک بازاری عورت سے بھی زیادہ نہیں جو دلربائی اور عیش و نشاط کے طریقے اپنے خانگی مکتبوں میں سیکھ کر بیٹھتے ہیں۔ ان چند باتوں کے سوا سینا پرونا اور ہنرمندی کی باتیں بھی اگر عورت میں ہوں تو نورٌ علیٰ نور۔ اسلام اپنی تعلیم نسواں میں نہ بائبل پر بلکہ بڑے حکیموں پر بھی فخر کر سکتا ہے۔ زمانۂ حال کے غیر تمند تعلیم یافتہ سے وہ صدمہ پہنچنا چاہیے جو اس کو اپنی دلربا بیوی کی خیانت اور سرکشی اور غیروں کے ساتھ اختلاط کرنے سے ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایک جماعت ہے جو فرنگیوں کی ہر ہر بات میں تقلید کرنا ہی ترقی جانتی ہے۔ فرنگی تو اپنی آزادیِ نسواں سے تنگ آ گئے ہیں اور یہ اپنی نیک بیویوں کو اسی طرح آزاد ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں یہ کیا کہ بیوی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے بجز ہمارے اور کسی مرد کی شکل بھی نہیں دیکھتی۔ اس کی عقل میں فراخی نہیں آتی بلکہ ہمارے ساتھ بن ٹھن کر کسی تھیٹر یا مجلس میں چلے اور ہمارے جوان جوان دوست اٹھ اٹھ کر اس سے مصافحہ کریں بغل میں لیں۔ پاک محبت سے بوسہ بھی لیں اور بغل میں ہاتھ دبا کر کسی کرسی پر جا بٹھائیں اور کوئی دبنگ

جنٹلمین برانڈی کی بوتل چڑھائے ہوئے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر اس کو کرسی پر سے اٹھائے اور دونوں ناچتے ہوئے چلے جائیں اور ہارے تھکے بڑی دیر میں دورہ تمام کر کے آئیں۔ کسی روز ہماری غیبت میں ہمارا کوئی سچا دوست آئے اور سوار کرا کے اس کو سیر کرانے لے جائے اور جہاں چاہیں پھرآئیں اور جب چاہیں آئیں۔ اور کبھی یہ بھی ہو کہ بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہم جنس کا کوئی دوست بیٹھا ہوا ملے جس کو ہم نہ پہچانتے ہوں اور ہم تہذیب کے قاعدے سے ان کے پاس نہ جا سکتے ہوں اور جب تک چاہیں وہ بیٹھے رہیں اور ہم جلا کریں اور کچھ کر نہ سکیں۔ ایسی باتوں سے ذہن میں فراخی ہو جاتی ہے پھر یہ پولیٹیکل امور میں بھی رائے دینے کے قابل ہو جائیں گی۔ عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں۔ تمام باتوں میں ان کو مردوں کا ہم پہلو اور پلہ پلہ رہنا چاہیے۔ پرانے خیالات نے ان کو اثاث البیت سمجھ رکھا تھا۔ استغفر اللہ اس نئی روشنی کے خیال کو نبوت کے پہلے ارشاد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوائے بہیمیہ کا کہاں تک غلبہ ہو گیا۔ الامان الامان!

بیعت: بیع۔ خریدن وفروختن۔ اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ قوی ہے کہ کسی بزرگ یا سردارِ قوم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا جاتا ہے جس کی پابندی اشد ضروری خیال ہوتی ہے۔ گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الٰہی میں اس اقرار پورا کرنے کے لیے اس بزرگ کی معرفت اپنے تئیں بیچ ڈالا۔ اس بیعت کی چند قسمیں ہیں۔ اول جو بیعت اسلام میں ہوئی وہ غزوۂ حدیبیہ میں تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا تھا کہ آپ کا ساتھ دیں گے، پیٹھ نہ پھیریں گے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ کہ اے نبی جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے کر رہے ہیں کس لیے کہ تیرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر اللہ کی طرف سے ہے گویا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس کا نام بیعتِ رضوان تھا۔ دوم اسلام و جہاد پر بھی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ سوم بیعتِ ترکِ معصیت والتزامِ حسنات پر اس آیت میں یہی بیعت مراد ہے۔ چہارم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر بھی بیعت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی پر شروع ہوئی۔ یعنی خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے تھے اس کو بیعتِ خلافت کہتے تھے۔ خلفائے اربعہ اور ان کے بعد کے خلفا کے لیے یہی رسمِ تخت نشینی تھی۔ عباسی خلفاء بھی لوگوں سے بوقتِ خلافت بیعت لیتے تھے یہ بھی اسلام کی قدیم سنت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوئی۔ پانچویں قسم بیعتِ انابت ہے جو پیرانِ طریقت سے کی جاتی ہے۔ دراصل یہ کوئی نئی قسم نہیں بلکہ وہی ہے یعنی تیسری قسم کی بیعت ہے جو ترکِ معصیت والتزامِ حسنات کے لیے ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ہوتی تھی مگر اس میں قدرے تغیر ہو گیا ہے وہ کیا؟ التزامِ اذکار طریقۂ معینہ اور ان کے روش کی پابندی اس قدرے تغیر سے اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہ بیعت بھی بیعتِ خلافت کی ہم عمر ہے۔ اسی عہد سے یہ بھی جاری ہے اور بڑی مقدس جماعت میں جاری رہی اور اس کے عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔ تہذیب قوائے باطنیہ و تزکیۂ روح و اکتسابِ کمالاتِ روحانیہ اسی کے ثمرات ہیں۔

مگر آج کل بعض نے تو اس کو بہت ہی بدنما کر دیا ہے۔ یہ حالت ہو گئی ہے کہ خود بیعت لینے والا جاہل، طریقت تو درکار شریعت سے بھی محروم۔ صرف یہی تفاخر ان کو حاصل ہے کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں یا کسی خانقاہ کے موروثی سجادہ نشین ہیں پھر بیعت بھی ایک نئی بیعت کہیں۔ شربت کا پیالہ پلایا جاتا ہے کہیں صرف شجرہ لکھ کر دے دیا جاتا ہے۔ نہ کسی عمل کا تقید، نہ اوراد و اذکار کی تلقین، نہ معاصی کی ترک کا اقرار لیا جاتا ہے۔ پھر بیعت کرنے والے کون؟ اکثر عوام جہلاء بدکار، امراء شہوت پرست، رنڈیاں قوال، اور بیعت کس لیے؟ محض اس لیے کہ اس کے سبب سے ہم جمیع آفات و بلیاتِ دنیاوی سے محفوظ رہیں گے۔ آخرت میں وہ بزرگ کہ جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہے خواہ ہم کچھ ہی کریں عذاب کے فرشتوں سے چھڑا کر جنت میں لے جائیں گے اور یہ سجادہ نشین بھی اسی خیالِ بخشش کی ترغیب کو نذرانہ حاصل

کرنے اور اپنی نافرمانروائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض پیرزادے تو رنڈیوں ڈوموں بھانڈوں کو مرید کر کے ناچ مجرا دیکھتے ہیں اور اس شہوت پرستی کو فقیری اور معرفت وحقیقت کی سیڑھی سمجھتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان بدکاروں اور فواحش کا ان کی قبروں پر جمگھٹا رہتا ہے۔ بہت نے تو یہ پیری مریدی معاش کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ اگر وہ امراء اور فساق کو معصیت وترکِ شریعت پر توبیخ کریں اور ان کے اعمالِ بد کے برے نتائج پیش آنے والوں سے ڈرائیں تو نذرانہ اور آمدنی جاتی رہے بلکہ اپنے بزرگوں کی بے انتہا قدرتیں بیان کر کے اور ان کے مبالغہ آمیز قصے سنا کر اور بھی جرأت دلاتے ہیں۔ ایسی پیری مریدی بدعت کیا بلکہ دامِ شیطانی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

عورتوں کے لیے بیعت امورِ مذکور پر بیان فرما کر مردوں کو حکم دیتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا الخ کہ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی اور محبت نہ رکھو کہ جس پر خدا تعالیٰ کا غضب ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ان سے غصہ ہوا۔ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ وہ قوم آخرت سے ایسی ناامید ہوگئی ہے کہ جیسا کفار مردوں سے ناامید ہیں کہ وہ پھر جی کر اٹھیں گے یا یہ معنی کہ وہ قوم جس پر خدا غصہ ہوا ہے آخرت سے ایسے ناامید ہیں (خیر وثوابِ آخرت کی ان کو کچھ امید نہیں یا تو اس لیے کہ وہ قوم یعنی یہود آخرت کے منکر تھے کس لیے کہ یہود میں ایک فریق آخرت کا منکر تھا یا اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے) ہو گئے ہیں جیسا کفار جو اصحاب القبور ہیں یعنی مردے آخرت کے ثواب سے منکر ہیں۔ چنانچہ مجاہد ؒ کہتے ہیں کہ کفار جب قبروں میں داخل ہوتے ہیں تو رحمتِ الٰہی سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ کس لیے کہ قبر میں اپنے کفر اور بداعمال کا بدنتیجہ ان کو ناامیدی دلا دیتا ہے اور دارِ آخرت کی کیفیت ان کو معلوم ہو جاتی ہے وہاں اپنے لیے کوئی بھلائی نہیں پاتے۔

یہ کون قوم ہے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں۔ اور معاذ اللہ جب انسان کو دارِ آخرت کا خیال نہ رہے تو پھر اس سے کسی کی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ دغا، فریب، عیاری سب کچھ اس سے بعید نہیں اس لیے ان کی دوستی سے منع کیا گیا کہ سوائے مضرت کے اور کوئی بات نہیں۔

مسلمانوں میں کچھ لوگ فقیر محتاج تھے۔ وہ یہودِ مدینہ سے جا کر ملا کرتے تھے ان سے یہود کچھ سلوک کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کیا کرتے تھے اور زمانہ تھا باہمی جدال وقتال کا پھر یہ غرباء اندرونہ تدابیر سے ان کو مطلع کر دیتے تھے اس لیے منع کر دیے گئے کہ ان سے دوستی نہ کرو۔ اور قطع نظر اس کے یہ ایک مقہور ومغضوب قوم تھی اور ایسی قوم سے دوستی رکھنے والا بھی ان کے ساتھ اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ ہونے والے ہیں اور نیز بدوں کی صحبت سے حذر لازم ہے جس طرح امراضِ متعدیہ کا دوسرے میں اثر پہنچتا ہے اسی طرح بد کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ① یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ② كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

آسمان وزمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کررہے ہیں اوروہ زبردست حکمت والا ہے مسلمانو! تم ایسی بات کیوں کہہ بیٹھتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے کہ جو کہو اور اس کو کرو نہیں۔ بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ترکیب : ان تقولوا الجملۃ بتاویل المصدر فاعل کبر مقتاً تمیز منہ عنداللہ متعلق بکبر صفاً حال من فاعل یقاتلون فی سبیلہ متعلق بہ۔ کانھم الجملۃ کذلک حال منہ و صفاً بمعنی صافین قال صاحب الکشاف لم ہی لام الاضافۃ داخلۃ علی ماالاستفھامیۃ کما دخل علیھا غیرھا من حروف الجر کقولک بم وفیم وعم ومم وحذف الالف لان ماوالحرف کشیء واحد۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی کہ جب ملکِ عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا مسلمانوں پر ہر طرف سے نرغہ تھا اور مسلمانوں کی قلیل جماعت کو استقلال و جوانمردی سے اپنے دینی دشمنوں کا مقابلہ ضرور تھا اس لیے اس سورہ میں ان باتوں کی بھی ترغیب ہے۔ خدا تعالیٰ سب سے اول اس سورہ میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ ہماری مخلوق میں ہر ایک چیز ہماری قدرت ویکتائی کا نمونہ اور مظہر ہے۔ ہر شے کا حال اور بعض کا مقال اس بات کو بیان کررہا ہے یہی ان کی تسبیح وتقدیس ہے۔ پھر اے انسانِ اشرف المخلوقات! تو کس لیے جہل وغفلت وشہوات کے عمیق گڑھوں میں اوندھا پڑا ہے کس لیے اس کی تسبیح وتقدیس نہیں کرتا اور اس کے اوامر کو بجا نہیں لاتا اور کس لیے لاف زنی کرتا ہے؟ اے مسلمانو اے پاکباز جماعت! تمہارا صف باندھ کر ثابت قدمی سے اعدائے دین سے لڑنا بھی تسبیح وتقدیس ہے جیسا کہ آسمانوں پر فرشتے صف باندھ کر ہماری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اسی طرح زمین پر صف بستہ ہو کر تمہاری جاں نثاری کرنا ہے اس لیے ہم کو نہایت پسند ہے۔

مباحث : (۱) کفار مشرکین حق سبحانہ کی نسبت برے برے اعتقاد رکھتے تھے اور ان پر جمے ہوئے تھے اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے یک دل ہو کر مقابلہ کرتے تھے اس لیے شروع سورہ میں فرمایا۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے ایماندار خدائے پاک کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں اور بری باتوں اور عیوب سے اس کی ذات کو مبرا ٹھہراتے ہیں اور اسی طرح ہر چیز اس کی مخلوق میں سے بزبانِ حال اس کی پاکی بیان کررہی ہے پھر ان نادانوں کے عیوب لگانے سے کیا ہوتا ہے' ان کے مقابلے میں ان کی کیا مقدار اور کیا اعتبار؟ اس کے بعد فرمادیا۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کہ کچھ آسمانوں اور زمین والوں کی تسبیح وتقدیس پر موقوف نہیں وہ خود بھی عزیز یعنی ہر شے پر غالب اور حکیم حکمت والا ہے۔ ان دو لفظوں میں بے شمار صفاتِ حمیدہ کے ثبوت اور بری باتوں اور عیوب سے مبرا ہونے پر دلالت ہے' اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ غالب ہے کسی کا مقابلہ اس کی مرضی کو روک نہیں سکتا اور حکیم ہے۔ اپنی حکمتِ بالغہ سے دنیا میں رسولوں کو بھیجتا ہے۔ (۲) کفار ومشرکین جو بری باتیں ذات پاک کی نسبت بناتے تھے اس پر ان کی سبح للہ الخ میں بڑی حکمتِ بالغہ سے تنبیہ وتوبیخ کی گئی مگر اس کے ساتھ ان مسلمانوں پر بھی تنبیہ کرنا مناسب ہوا کہ جو بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے اور کرتے کچھ نہ تھے کیونکہ یہ تسبیح وتقدیس کرنے والوں کی شان سے بعید ہے یعنی ایسا کرنے والے اس جماعت میں داخل ہونے کے قابل نہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ الخ کہ اے مسلمانو! تم کس لیے وہ باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں یہ بری بات ہے۔ مسلمان جو کہے اس کو کرے بھی صرف زبانی لاف زنی سے کچھ فائدہ نہیں۔ علماء کہتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کررہی ہے جو زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہار محبت وجلادت کرتے تھے کہ ہم آپ پر جان فدا کریں گے مگر اُحد کی لڑائی میں سست پڑ گئے اور ہیر پھیر کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں ان منافقوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو زبان سے دعویٔ ایمان وجان نثاری کا کرتے تھے مگر وقت پر کچھ بھی نہ نکلے۔ قوی تر یہی بات ہے کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی لاف کرے اس کی نسبت ہے۔ اس آیت میں ایک سخت مؤکد حکم کی جو اس سے پچھلی آیت میں آنے والا ہے تمہید ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول یا رسول کے جانشینوں سے عہد کرو اس کو پورا بھی کیا کرو۔ اس

آیت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ثبات اور بات پر قائم رہنے کا مادہ پیدا کر دیا تھا اور حقیقت میں جس قوم میں یہ مادہ نہیں وہ کبھی کسی کام میں کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی مجلسیں اور کمیٹیاں سب بچوں کا کھیل ہیں اس لیے اس کے بعد یہ فرما دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ کہ اللہ کو ان لوگوں سے محبت ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں یعنی جس طرح کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کے احکام روکنے میں اور انبیاء علیہم السلام کے مغلوب کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت برے ہیں اسی طرح ایمانداروں کو ان کے دفع کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑنا چاہیے۔ اس میں جہاد کی ترغیب ہے۔

صف باندھ کر لڑنے سے کیا مراد؟ لڑائی میں صف باندھ کر عرب لڑا کرتے تھے۔ حال کے زمانے میں باقاعدہ فوجیں صف بستہ ہو کر لڑتی ہیں اس سے مخالف پر رعب بھی پڑتا ہے اور دشمن کے مغلوب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کس لیے کہ صدہا آدمی بمنزلہ شخصِ واحد کے ہو جاتے ہیں پھر ان کے زور کا کیا کہنا۔ اتفاق عجب چیز ہے۔ اسلام نے عبادت سے لے کر دشمنوں کے مقابلے کے وقت تک جماعت اور اتفاق کی تاکید کر کے افرادِ متفرقہ کو جمع کر دیا۔ پھر صف بھی کیسی؟ كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے یعنی غیر مستقل اور بھگوڑے نہ ہوں بلکہ آہنی دیوار کی طرح جم جائیں۔ کسی کے مر جانے زخمی ہو جانے سے تربتر ہو کر نہ بھاگ پڑا کریں (فراء کہتے ہیں مرصوص بالرصاص اس وقت کہتے ہیں کہ جب دیوار کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کر دیا جائے۔ لیث کہتے ہیں رص کے معنی ملا دینا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پتھر پر پتھر دھر کر چھوٹے پتھروں سے در بندی کرتے تھے اس کے بعد اینٹ اوپر رکھتے تھے ایسی دیوار کو اہلِ مکہ مرصوص کہتے تھے) بعض علماء کہتے ہیں کہ خاص صف بستہ ہونا بھی مراد نہیں بلکہ یہ ثباتِ قدمی اور باہمی اتفاق اور یکدلی کے لیے ایک تمثیل ہے یعنی ایک دل ہو کر لڑنا چاہیے۔

اس آیت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک ایسا باقاعدہ اور مستحکم لشکر پیدا کر دیا تھا جس کے مقابلے میں اسلام و ہدایت کے روکنے والے ٹھہر نہ سکے۔ قیصر و کسریٰ کے چمکدار ہتھیار اور زرق برق کے سپاہی کچھ بھی کام نہ آئے۔ ایسے لشکر کا غالب آنا تو معجزہ تھا ہی مگر سرے سے ایسا لشکر ایسے مفلس اور خودسر ملک میں پیدا کر دینا جس پر کسی خزانے سے کسی بادشاہ نے ایک کوڑی بھی صرف نہ کی ہو ایک عظیم الشان معجزہ اور کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں کی پوری تصدیق تھی۔ آیت کے شروع میں عزیز حکیم اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

صف بستہ ہو کر لڑنا انسان کا اپنے جمیع قوائے روحانیہ کو ابھار کر شیطانی قوتوں اور شہوات کے لشکر کو زیر و زبر کرنے کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ اس جنگ میں بھی استقامت و استقلال شرط ہے۔ ذرا دنیاوی تجمل دیکھا اور پھسل گئے۔ خواہشِ نفسانی نے غلبہ کیا اور اپنے تجملات دکھائے، ڈگمگا گئے۔ ایسے لوگوں کو اس ملکِ باقی اور شہرِ قدس کی سلطنت کب نصیب ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵ وَاِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۶

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہوگئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ (ازلی) بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت (وغیرہ) ہے اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور جو میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد (ﷺ) ہے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ پھر جب ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

ترکیب : واذ منصوب علی المفعولیۃ باضمار اذکر۔ والجملۃ مستانفہ مقررۃ لما قبلھا من شناعۃ ترک القتال یاقوم بیان لقولہ قال وقد تعلمون الجملۃ حال مؤکد لانکار الایذاء والتقدیر ای تؤذوننی عالمین علما قطعیا انی رسول اللہ وقد لتحقیق العلم وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی استمرارہ۔ واللہ الخ اعتراض تذییلی مقرر لمضمون ما قبلہ من الازاغۃ واذقال عیسٰی اما معطوف علی اذ الاولیٰ معمول لعاملھا واما معمول لمضمر معطوف علی عاملھا۔ مصدقا حال موکدۃ والعامل فیھا رسول اذ بادل علیہ الکلام و مبشرًا حال ایضاً ای ارسلت الیکم حال کونی مصدقا لما تقدمنی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی۔ اسمہ الجملۃ فی موضع خبر نعتا لرسول اوفی موضع نصب حالا من الضمیر فی یاتی۔

تفسیر : پہلے بعض لاف زنوں کی برائی بیان ہوئی تھی اور اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو کر مخالفانِ راہِ راست کے مقابلے کا حکم تھا۔ وہ لاف زن جن کو بسببِ ظاہری ایمان کے مومن کے لفظ سے تعبیر کیا دراصل منافق تھے۔ وہ علاوہ لاف زنی کے پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں اور نیز مخلصین اہلِ ایمان کے حق میں بدگمانی اور تمسخر بھی کیا کرتے تھے اور ایذائیں بھی دیا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو بھی باوجود صدہا معجزات دیکھنے کے اس کی قوم نے ایذائیں دیں اور اس پاکباز بندے نے سہیں۔ اس لیے فرمایا وَاِذْقَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْتَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ کہ یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی پے در پے ایذاؤں کے بعد ان سے یہ کہا کہ اے قوم! مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں یوں بھی کسی ہادی اور خیر خواہِ قوم کو ستانا برا ہے مگر جبکہ اس بدنصیب قوم کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے ہیں تو اور بھی برا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی آپ کے صدہا معجزات اس قوم نے مصر میں بھی دیکھے تھے۔ قلزم سے خشکی سے پار لے جانا اور فرعونیوں کا اسی رستے میں غرق ہونا اور نیز فرعون کی قید سے آزاد ہونا اور یدِ بیضا اور عصٰی اور پتھر میں سے پانی نکلنا، ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ نازل ہونا وغیرہ سینکڑوں معجزے دیکھے تھے جن سے ان کو آپ کے رسول ہونے کا یقینِ کامل تھا مگر جبلی شرارت اور ازلی بدبختی سے مجبور تھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔ کہیں بچھڑا پوجنے لگے، کہیں قارح وغیرہ ایک جماعت نے موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کی امامت کی بابت سخت جھگڑا کیا۔ ایک بار عمالیق کے مقابلے کے وقت پھر گئے کہ ہم سے نہیں لڑا جاتا۔ کہیں سفر کی صعوبتوں پر ناخوش ہو کر مصر کی ترکاریاں یاد کر کے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں سینکڑوں ناشائستہ باتیں کہنے لگے (از توریت) اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے کس لیے ستاتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کمال درجے کی مشابہت نبوت میں تھی جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب اور قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ اس لیے اس بارے میں خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا ورنہ اور بہت نبیوں کو ان کی قوم نے ایذائیں دی ہیں۔ کس نبی کے رستے میں قوم نے پھول بچھائے ہیں؟ بلکہ کانٹے ڈالے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا جس طرح ان کی قوم کو یقینِ کامل تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی کسی ہوشمند کی نظرِ غائر میں مخفی نہ تھی۔ قطع نظر آیاتِ معجزات کے آپ کی سیرت و صورتِ پاک بھی ایک اعجاز تھی، اس کے سوا سب سے اخیر نبیِ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ظاہر ہونے کی خبر دے چکے تھے اس لیے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی بشارت اور نیز خاص ان کا معاملہ بھی ذکر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ صدہا معجزات و آیات دیکھ کر کیا سلوک کیا؟ یہ دو نبی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام موجودہ دنیا کے مسلم الثبوت نبی تھے پھر ان کے ساتھ ایذاء اور نافرمانی کا برتاؤ جو ان کی قوم نے کیا ان کی رسالت میں کوئی نقص نہیں پیدا کرتا تو آپ کی شان میں چند منافقوں کا ایذادہ معاملہ کیا نقص پیدا کرسکتا ہے؟ پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو قضاء وقدر نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیے۔ بدکام کے کرتے کرتے بدی کا ملکہ اور دل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے یہی اللہ کا ٹیڑھا کرنا ہے اور پھر ہدایت بھی نہیں ہوتی اور یہی مراد ہے اس سے کہ اللہ بدقوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا یوں کہو ازلی بدکاروں کو جو علم الٰہی میں ہمیشہ کے لیے بدکار قرار پا چکے ہیں ہدایت نہیں ورنہ عارضی سینکڑوں بدکاروں کو ہدایت ہوتی ہے اور انہیں کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی علیہم السلام آئے بیمار کو حکیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ فقال اِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ اور یاد کرو جبکہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس رسول اور پیغام پہنچانے کو بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن میں اکثر جگہ ابن مریم کے لفظ سے یاد کیا ہے تاکہ زمانہ موجود کے عیسائیوں کا وہ خیال رد ہو جائے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ کے نہیں بلکہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ شام میں اور قومیں بھی تھیں مگر خاص بنی اسرائیل یعنی یہود سے کہا کہ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام جہان کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ خاص بنی اسرائیل کے لیے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے مصلح اور کامل کرنے والے تھے۔ (انجیل متی باب دسواں ورس پانچواں)۔ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یاقوم نہ کہا بلکہ یا بنی اسرائیل کہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو بنی اسرائیل اپنا ہم قوم سمجھتے تھے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا دنیا میں کوئی باپ نہ تھا ہاں ان کی ماں مریم ضرور اسرائیل کے خاندان سے تھیں اور اولاد کا نسب باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے نہ ماں کی طرف۔ اس لیے بنی اسرائیل ان کو اپنی قوم سے شمار کرنے میں کلام کرتے تھے۔ اناجیل میں جو ابن داؤد کے لقب سے حضرت کو یاد کیا گیا ہے یہ ان کے معتقدین خاصہ کا کام ہے۔ (۴) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت یا اظہار میں علاوہ معجزات و آیاتِ بینات کے دو باتیں کہیں۔ اول مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ کہ میں اپنے سے پہلی کتابوں کی یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہی مضمون انجیل متی کے پانچویں باب سترھویں جملے میں ہے۔ ''یہ خیال مت کرو کہ توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو'' انتہٰی۔

جن لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آئے تھے وہ توریت کو مانتے تھے پھر آپ کا اس کی تصدیق کرکے معجزات دکھانا، عمدہ تعلیم دینا ان لوگوں کے لیے صاف نبوت پر یقین دلانے والا امر تھا اور کوئی وجہ سرتابی اور سرکشی کی نہ تھی مگر ازلی بدبختی مانع آئی۔

فائدہ: حضرت مسیح علیہ السلام تو توریت کی بابت یہ فرمائیں اور نیک کاموں پر پابند ہونے کی تاکید کریں اور پولس اور اس کے بعد لوتھر وغیرہ جو عیسائیوں کے رسول اور مجتہد اور دینی بزرگ ہیں وہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یوں کہیں اور حلال و حرام کی قید سے آزادی دیں۔ جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں۔ ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی (یعنی مسیح) کاٹھ پر (صلیب پر) لٹکایا گیا سو لعنتی ہے۔ ۱۴۔ پر شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں۔ یہ حضرت پولس کے اس خط کے فقرے ہیں جو آپ نے گلتیوں کو لکھا تھا اس کے تیسرے باب میں مذکور ہیں۔ پھر اس خط میں جو عبرانیوں کو لکھا تھا اس کے ساتویں باب میں پولس صاحب توریت کی بابت یہ فرماتے ہیں **قولہ** ''اگلا حکم اس لیے کہ کمزور اور بے

فائدہ تھا اٹھ گیا''، یعنی توریت جو کمزور اور بے فائدہ تھی اٹھ گئی۔ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلطنامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحے ۳۷ میں مارٹین لوتھر کا قول اس کی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ اور یہ مارٹین لوتھر فرقہ پراٹسٹنٹ کا جو آج کل ہندوستان میں حکومت کر رہا ہے پیشوا اور مصلح دین اور مجتہد ہے۔ مارٹین فرماتے ہیں اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد صفحہ ۴۰۔۱۴۱ میں **قولہ** ''ہم نہ سنیں گے اور نہ دیکھیں گے موسیٰ کو اس لیے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے تھا اور اس کو ہم سے کسی چیز میں علاقہ نہیں''۔ پھر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ ''ہم موسیٰ کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کی توریت کو اس لیے کہ وہ دشمنِ عیسیٰ ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''موسیٰ تو جلادوں کا استاد ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''توریت کے دس حکموں کو عیسائیوں سے کچھ علاقہ نہیں۔ ان کو دور کرنا چاہیے۔ تمام بدعات ان سے موقوف ہو جائیں گی''۔ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ باتیں بھی ہیں۔ بت پرستی نہ کرو، ماں باپ کی تعظیم کرو، ہمسایہ کو ایذا نہ دو، ناحق خون نہ کرو، زنا نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ۔ پھر لوتھر فرماتے ہیں حرام وحلال کی قید سے آزاد ہو جاؤ۔ حرام کاری کرو، خون کرو، جس قسم کی چاہو بدکاری کرو اور خوب دلیری سے کرو اور دن میں سو بار کرو مگر صرف مسیح پر ایمان رکھو۔ تمہاری نجات ویسی ہی یقینی ہے جیسا کہ مسیح کی''۔ سب عیسائیوں کا صدہا برس سے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی عقیدہ ہو گیا تھا اور اس لیے وہ بدکاریوں اور ہر قسم کے گناہوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔

دوسری بات : اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا مقتضیٰ ہوا کہ ان سب کو سدھارنے کے لیے ایک زبردست رسول قائم کرے اور الہام سے یہ بات کہ عیسائی ایسے ہو جائیں گے اور ان کے پاس اصلی کتابیں بھی نہ رہیں گی اور وہ مجھ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے آپ کو معلوم کرائی گئی تھی جس لیے آپ نے یہ دوسری بات اپنی نبوت کے ثبوت میں بیان فرمائی۔ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کہ میں ایک رسول کی خوشخبری بھی دیتا ہوں کہ جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے البتہ ایک ایسے نبی کی پیشین گوئی نبوت مسیح علیہ السلام کی پوری دلیل تھی اور ایسی پیشین گوئی جبکہ اس قومِ سرکش نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول نہ کیا اور ایذا رسانی پر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے ضرور تھی تاکہ ان سرکشوں کو متنبہ کیا جائے کہ ایک ایسا نبی صاحبِ شوکت بھی آنے والا ہے جو تمہارے بل سیدھے کر دے گا۔

اب ہم کو اس پیشین گوئی کی بابت بحث کرنی ہے؟ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جس کی بابت خبر دی ہے اور اس کو فارقلیط سے تعبیر کیا ہے اس سے روح القدس کا نازل ہونا مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حواریوں پر جبکہ وہ ایک مکان میں مجتمع تھے نازل ہوا تھا۔ جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ روح القدس کسی خاص شکل میں دکھلائی نہیں دیا تھا بلکہ ان پر اس کا ایک ایسا اثر ہو گیا تھا جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سدو یا کوئی جن چڑھ کر بولتا ہے اور یہ معاملہ تھوڑی دیر تک رہا تھا اس سے مراد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اہلِ اسلام سمجھتے ہیں۔

فارقلیط میں بحث : قبل اس کے کہ میں فارقلیط کی تحقیق کروں اور اس کے ساتھ جو اور بھی الفاظ ہیں جو کسی طرح روح القدس کے نازل ہونے پر دلالت نہیں کرتے اور روح القدس پر چسپاں نہیں ہو سکتے ان کو بیان کروں عیسائیوں کی دینی کتابوں پر بحث کرتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کا کیا حال تھا؟ آیا وہ اصلی کتابیں بغیر تحریف وتبدیل کے سب کلیساؤں میں موجود تھیں یا نہیں؟

اہلِ کتاب موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کو توریت کہتے ہیں اور پھر حضرت یوشع بن نون خلیفہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تصنیف کردہ کتابوں کو ملا کر عہدِ عتیق اور انجیلِ اربعہ اور حواریوں کی تاریخ اور ان کے ملفوظات ومکاشفات کو عہدِ جدید کہتے ہیں اور کبھی عہدِ عتیق کو کہ جس کو پرانا عہد نامہ یا اولڈ ٹسٹمنٹ بھی کہا کرتے ہیں سب کو **توریت** کہہ دیتے ہیں اور عہدِ جدید کو جس کو نیا عہد نامہ یا نیو ٹسٹمنٹ بھی کہتے ہیں سب کو انجیل کہہ دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کلامِ الٰہی الہام ہوا تھا اب خواہ ان کو کوہِ طور پر ہوا ہو یا دیگر مقامات پر اصل توریت جس کا ذکر قرآن مجید میں

ہے وہی ہے اور ہونا بھی چاہیے اور اس کے برحق ہونے میں کچھ بھی کلام کسی ایماندار کو نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس توریت کو کاغذوں پر لکھوایا تھا یا لکڑی کے تختوں پر یا اور کسی چیز پر اس کا پورا پتا دریافت کرنا مشکل بات ہے۔ خواہ کسی چیز پر لکھوایا ہو مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد تک وہ کتاب (جس کا غالباً ایک ہی نسخہ ہوگا کاغذ و کتابت کی قلت کی وجہ سے) بنی اسرائیل میں رہی کسی خاص دن میں لوگ اس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا وعظ بھی سنتے تھے اور وہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صندوقِ شہادت میں رکھوا دی تھی۔ جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اکتیسویں باب کے چوبیسویں جملے میں ہے۔ **قولہ** ''اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی باتوں کو لے کر خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے ایک بغل میں رکھو تاکہ وہ تمہارے برخلاف گواہ رہے''۔ انتہٰی۔ شریعت کی کتاب توریت ہی تھی ورنہ اس کے سوا اور کوئی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ثابت نہیں ہوتی۔

پھر رحبعام بادشاہِ یہود کے عہد میں ایک بار مصر کا بادشاہ سیسق بنی اسرائیل پر چڑھ آیا۔ وہ بیت المقدس کا تمام سامان لوٹ کر لے گیا[1] جو اس کے باپ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تیار کیا تھا اور اسی حادثے میں وہ کتاب اور صندوق بھی غارت ہوا۔ مگر اول کتاب السلاطین کے آٹھویں باب نویں ورس سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی حادثوں میں جاتی رہی تھی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ ''سلیمان نے جب وہ صندوق کھولا تو بجز دو لوحوں کے اس میں سے اور کوئی چیز نہیں نکلی''۔ اس عہد سے لے کر یوسیاہ بادشاہ کے عہد تک جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو چوبیس برس پہلے تھا توریت کا کہیں پتا نہ تھا مگر اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلقیاہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی ہے۔ (۲۔ کتاب السلاطین باب ۲۲) اس کے بعد یوسیاہ نے تمام قوم کو جمع کر کے یہ کتاب جس میں احکام شرعی تھے سنوائے اور اسی کا نام توریت تھا۔

فرض کر کہ اس عرصۂ دراز تک کوئی توریت سے واقف بھی نہ تھا صرف خلقیاہ کو کسی جگہ سے مل گئی اور اس میں کوئی کمی بھی نہ ہوئی نہ کوئی ورق کم ہوا نہ عبارتیں مٹیں مگر یہ بھی اس کے بعد بخت نصر کے حادثے میں دنیا سے معدوم ہوگئی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں۔ پھر ستر برس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے احکامِ شریعت و دستوراتِ عبادت و بعض روایات کو اپنی یادداشت سے لکھا۔ عام اہلِ کتاب اسی کو توریت کہتے ہیں کہ ازسرِ نو اس کو لکھوایا مگر یہ نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ یہی کہ دینی دستورات و روایات کو یادداشت کے موافق جمع کیا تھا مگر اس کے بعد انٹیوکس ابی فلنس سریا کے بادشاہ نے سن عیسوی سے ایک سو ستر برس آگے یروشلم پر کئی بار چڑھائی کی۔ ایک بار اس نے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور تمام کتابوں کو تلاش کر کے جلا دیا اور بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ بت خانہ بنا دیا اور کئی کروڑ کا قیمتی اسباب لے گیا۔ مقابیس کی پہلی کتاب کے اول باب میں ہے کہ ''انٹیوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہدِ عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے اسے ملے پھاڑ کر جلا دیے اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہدِ عتیق کی نکلے گی یا وہ شریعت کی رسم بجالائے گا مارا جائے گا اور ہر مہینے میں یہ تحقیقات ہوتی تھی''۔ انتہٰی۔

اس حادثے میں حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی تصانیف یا ان کے بعد جو شمعون صادق نے تخمیناً دو سو بانوے برس مسیح علیہ السلام کے پہلے یادداشت کے طور پر یا توریت کی سنی سنائی باتیں لکھیں اور اسی کو یہود توریت سمجھتے تھے وہ بھی سب کچھ اس حادثے میں تلف ہوگیا اور یہود بالکل دینی کتابوں اور احکامِ شریعت سے بے بہرہ ہوگئے۔ یہ عہدِ عتیق پر تیسرا حادثہ تھا جو بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس کے بعد یہوداہ مقابیس نے سن عیسوی سے تخمیناً ایک سو پینسٹھ برس پہلے پھر بیت المقدس کی تعمیر شروع کی اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح

[1] اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبورات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے امثال اور غزلیں بھی شامل ہیں جو استعارات و تشبیہات سے پُر ہیں۔ ۱۲ منہ

یادداشت پر عہدِ عتیق کی نقل جمع کی۔ پھر یہی نسخہ بنی اسرائیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توریت اور کتب انبیاء سمجھا جاتا تھا اور یہ صرف ایک ہی نسخہ تھا جو بیت المقدس میں دھرا رہا کرتا تھا مگر ۷۰ عیسوی میں روم کا شہزادہ یہودیوں کی سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے بڑے طیش میں آ کر شہر یروشلم پر چڑھ آیا اور محاصرے کے بعد شہر کو غارت کیا اور بیت المقدس کو بالکل مسمار کر دیا اور گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور بہت کو غلام بنایا اور کتابوں اور بے شمار اسباب اور بیت المقدس میں آگ لگا دی جس کا شعلہ آسمان تک بھڑک اٹھا اور اس نسخے کو اپنے ساتھ روم میں لے گیا جیسا کہ بعض اہلِ کتاب کا خیال ہے (مفتاح الکتاب رومن صفحہ ۲۱۔ مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵٦ء) پھر جب توریت کا یہ حال ہوا تو اور کتبِ انبیاء علیہم السلام زبور وغیرہ کیونکر ان حوادث میں بچ رہے ہوں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا توریت کی تصدیق کرنا اور وعظ فرمانا اور اسی طرح حواریوں کا اس سے سند لینا اکثر تواریخ سے ثابت ہے پھر جب اصل توریت دنیا میں موجود نہ تھی تو یہ کیونکر ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی تاریخ اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری کرام نے یہ شہادت دی ہو کہ یہ وہی توریت اور صحفِ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان میں کسی جگہ تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی نہ کمی زیادتی اور ہرگز ہرگز وہ حضرات نہیں کہہ سکتے تھے کس لیے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جنگ نامہ اور یاہو غیب بین کی کتاب اور اسی طرح اور کتابیں جن کی تعداد پندرہ بیس کے درمیان ہے مفقود ہو گئیں اور کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ کتاب استثناء کا اخیر باب اور کتاب یشوع کا اخیر باب اور دیگر مقامات کو جن میں ان چیزوں کا ذکر ہے کہ جو حضرت موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئیں ہرگز ہرگز موسیٰ و یوشع علیہما السلام کا کلام نہیں بلکہ بعد میں کسی اور نے ملا دیا اور اس ملانے والے نے حاشیہ و تفسیر کا بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا اور نہ اپنا نام ظاہر کیا۔ یوں خوش اعتقادی سے چاہو حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے لو یہ اور بات ہے اسی طرح زبورات و دیگر صحفِ انبیاء کے مصنفین میں آج تک علمائے اہلِ کتاب کو اختلاف ہے پھر کیوں ان کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام نے فیصلہ نہیں کر دیا؟ اور سامریوں نے اپنی توریت میں عیسیال پہاڑ کی جگہ جرزین بنا لیا اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ توریت میں ہمارے موافق ہے۔ سامری کہتے تھے کہ جرزین پہاڑ پر حکم ہوا تھا اصلی ہیکل ہماری ہے اور یہود کہتے تھے نہیں بلکہ عیسیال پہاڑ پر بنانے کا حکم ہوا تھا وہ اصلی ہیکل ہماری ہے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے (جبکہ ایک سامری عورت نے آپ سے اس کا فیصلہ پوچھا۔ یوحنا ۴۔ باب ۱۹ و ۲۵) تو اس کا بھی کوئی فیصلہ نہ کیا اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جھوٹا یا سچا نہ بتایا۔ اور ممکن ہے کہ توریت کی تحریف اور اصلی حال بھی کھول دیا ہو مگر لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو کیونکہ آپ کی بہت سی باتیں نہیں لکھی گئیں جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۲۰ باب۔ ۳۰ درس اور ۲۱ باب' ۲۵ درس میں تصریح ہے۔

اور جبکہ حال کے روشن دماغ توریت کے طرزِ کلام کو دیکھ کر فوراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد تاریخ کے طور پر کسی نے جمع کی ہے۔ چنانچہ لنڈن میں ایک بشپ[1] (پادری) نے توریت کی بابت اپنی یہی رائے ظاہر کی جس پر وہ اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔ پھر اس کی اپیل اس نے کی۔ پھر کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا ہوگا خصوصاً جبکہ یہود کی دیانت داری اور سخن پروری اور حق پوشی کا ان کو صدہا باتوں سے یقینِ کامل ہو گیا تھا اور عیسیال اور جرزین کے مقدمے میں ایک گروہ دوسرے پر تحریف کا الزام لگا رہا تھا۔

طیطس کے بعد روم کے بت پرستوں کی طرف سے جو سخت سخت حادثے اہلِ کتاب پر پڑے وہ ایسے تھے کہ ان میں جان بچانا بھی مشکل تھا پھر ایسی کتاب کہ جس کے متعدد نسخے نہ ہوں اور سامانِ کتابت میسر نہ آنے کے سبب تختیوں یا موٹے بدنما کاغذوں پر لکھی ہوئی ہو کہ

---

[1] کلنزو۔۱۲

جو کئی اونٹوں پر لادی جائے کیونکر بچ سکتی تھی؟ اور جو بچی بھی تو یہ کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اس میں سے کوئی جزو یا ورق یا حصہ کم نہیں ہوا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تھا تو یہ کتابیں جو اہلِ کتاب کے پاس بالفعل موجود ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی استشہاد کی طرف منسوب ہیں وہ کہاں سے آ گئیں؟ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بھی اہلِ کتاب کے پاس تھیں جن کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے اور آنحضرت علیہ السلام نے بھی استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح علماءِ اہلِ کتاب پچھلے حادثوں میں (جہاں توریت کا دنیا سے مفقود ہو جانا یقیناً ثابت ہوتا ہے) یادداشت کے طور پر نام نہاد ان اصلی کتابوں کو جمع کرتے رہے۔ اسی طرح ان حادثات کے بعد کسی نے اصل توریت کے مطالب پر جو پچھلے نسخوں میں جمع تھا اور مسائلِ شریعت اور حکایات و روایات کو اپنی یادداشت سے اور کسی سے سن سنا کر یا کوئی شکستہ و برباد شدہ پہلے نسخوں کا حصہ بہم پہنچا کر جمع کیا اور اس کا نام توریت و زبور وغیرہ رکھا۔ یہ دستور اہلِ کتاب میں نیا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد خلقیاہ سردار کاہن نے کیا جبکہ دنیا میں کوئی بھی توریت کا واقف کار نہ رہا تھا اس کے بعد بابل کی اسیری کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء نے مل کر کیا اس کے تلف ہو جانے کے بعد شمعون صادق نے کیا جب اینٹوکس گردی میں یہ بھی جاتا رہا تو مقابیس کا جمع کردہ ذخیرہ طیطس گردی میں جاتا رہا تو پھر اور کسی نے جمع کر لیا ہوگا۔

توریت موجودہ میں اور اسی طرح زبور وغیرہ دیگر صحفِ انبیاء علیہم السلام میں اصل توریت وغیرہ کے الہامی مطالب بھی ہیں اور دیگر رطب و یابس روایات و حکایات بھی ہیں اس لیے جہاں تک یہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کے موافق ہیں ٹھیک ہیں ورنہ غلط یا منسوخ۔ چنانچہ نورالانوار وغیرہ کتبِ اصولِ فقہ میں علمائے اسلام نے اس کی تصریح کر دی ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی یہی کہہ رہی ہے۔ لاتصدقوا اھل الکتاب ولاتکذبوھم (الحدیث) کہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ یہ وہاں ہے جہاں کتاب و سنت ساکت ہو اور چونکہ اس مجموعے میں اصل توریت کا خصوصاً احکامِ شریعت میں ایک بڑا حصہ تھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کو احکامِ شرعیہ کی مخالفت پر الزام دینے کے لیے ان کے زعم کے موافق اس کو استشہاد میں لانا' اس کا حوالہ دینا یا اس کی تعظیم کرنا اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی کہ ان بزرگواروں نے بلاکم وکاست اس کتاب کو اصلی اور غیر محرف مان لیا ہے یا کسی مؤرخ کا ان کے حوالے دینے سے بھی اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لاتصدقوا۔ کا فقرہ جو خاتم المرسلین ﷺ کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود کے حق میں یہ فرمانا قولہ ''پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا'' انتہی۔ انجیل متی ۱۵ باب ۶ ورس۔ اس بات کی طرف صاف صاف اشارہ کر رہا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول کہ ''میں توریت کو مٹانے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں'' اس بات کی شہادت نہیں کہ وہ موجودہ کتاب کو اصلی اور غیر محرف کہہ رہے ہیں یہ اس کے احکام کی بابت ہے کہ جن کو یہود نے ترک کر دیا تھا خواہ وہ احکام کسی کتاب میں کسی نے درج کئے ہوں یا سینہ بسینہ چلے آتے ہوں۔

اس کے سوا عیسائیوں کے قدما محققین بوقتِ مباحثہ یہود پر یہ بھی الزام قائم کرتے تھے کہ تم نے بہت سی پیشین گوئیاں کتابِ مقدس سے نکال ڈالیں۔ چنانچہ جسٹن نے جو عیسائیوں کا بڑا عالم تھا طریفون سے جو ایک یہودی عالم تھا مباحثے کے وقت یہ کہا۔ اس بات کو یوسی بلیس مؤرخ اپنی کتاب چہارم کے ۱۸ باب میں لکھتا ہے اور علاوہ اس کے صدہا مقامات میں اختلاف اور غلط ہونا جس کی تفصیل علماءِ اسلام نے کتبِ مناظرات میں کی ہے اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ وہ توریت نہیں اگر اس میں اصلی حصہ بھی ہے تو اس کے ساتھ لوگوں کا کلام بھی اس طرح مخلوط ہوا ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہے۔

پھر اس کے بعد بھی جو کچھ تبدیل و تغیر اہلِ کتاب کی غفلت یا بددیانتی سے اس میں واقع ہوئی وہ بھی کتابِ مذکور کو قابلِ اعتبار نہیں ہونے دیتی اور اس بات کا ذکر ابھی کسی قدر آتا ہے اس لیے سینکڑوں محققینِ یورپ نے اور دیگر مؤرخین نے اقرار کر لیا ہے کہ اصلی توریت

جاتی رہی۔

انجیل شریف: اس کا حال تو توریت مقدس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ اس میں کوئی شبہ بھی اہلِ اسلام کو نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی تھی کما قال واتیناہ الانجیل کہ ہم نے عیسیٰ کو (نہ کسی اور کو) انجیل عطا کی۔ انجیل کے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیے جانے سے ان کو صرف قوتِ الہام و بشارات دیا جانا مراد لینا ایک بیکار توجیہ اور سست تاویل ہے۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کتاب کتنی بڑی تھی اور کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی؟ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرایا تھا اور یہی وہ کتاب مقدس انجیل تھی جس پر اہلِ اسلام کو ایمان لانا ضرور ہے۔

نصاریٰ اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں مسیح علیہ السلام پر کوئی خاص کتاب نازل نہیں ہوئی تھی' نہ آپ نے اپنے اہتمام سے ان الہامات کو جمع کرایا تھا جس کے گم کر دینے کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے بلکہ الہامات کو حواریوں نے ان کے بعد جمع کیا۔ حواریوں کی جمع کردہ کتابیں ہی انجیل ہیں۔

مگر پولس کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں حضرت کی کوئی کتاب تھی پولس اس خط میں جو گلیتوں کو لکھا ہے اس کے اول باب کے ٦ جملے سے ١٠ تک کہتا ہے۔ **قولہ** ''میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں ملا دیا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے سو وہ دوسری انجیل تو نہیں مگر بعض ہیں جو تم کو گھبراتے ہیں اور مسیح کی انجیل الٹ دینا چاہتے ہیں لیکن اگر ہم یا کوئی آسمان کا فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہو''۔ انتہی۔

یہ لوگ کہ جن سے پولس خطاب کر رہا ہے دوسرے عیسائی واعظوں کے تابع ہو کر بدعات کی طرف متوجہ ہوئے تھے جن کو پولس انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس عہد میں ان چاروں اناجیل کا جواب انجیل متی و انجیل مرقس و انجیل لوقا و انجیل یوحنا کے نام سے نامزد ہیں وجود بھی نہیں تھا کس لیے کہ یہ انجیلیں اس خط لکھنے کے بعد لکھی گئیں جیسا کہ تاریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر بتلاؤ کہ وہ کون سی انجیل اس وقت پولس کے پاس تھی جس کو وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کہتا اور اس کی پابندی پر مامور کرتا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہی انجیل کہ جس کا ہم نے ذکر کیا اور اسی طرح انجیل مرقس کے ١٦ باب ١٥ ورس میں بھی اس انجیل کا ذکر ہے **قولہ** ''اور اس نے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو''۔

اور یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مصیبت کے سفر میں توریت لکھیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کو اس لڑائی کے وقت کتاب لکھنے کی فرصت ملے۔ اسی طرح اور اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ان کے روبرو لکھے جائیں مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ فرصت ملے نہ وہ حکمِ الٰہی سے اس ضروری کام پر مامور ہوں؟ پھر اگر انجیل چند بشارات و تعلیم ہی کا نام تھا اور اس نام کی کوئی کتاب نہ تھی تو حواریوں کو اپنی کتاب کا نام انجیل پر رکھنا کس نے بتا دیا اور اس کی ان کو کیوں ضرورت ہوئی اور کس لیے اس بات کی طرف ان کا دل للچایا اور ان کے بعد پھر سینکڑوں انجیلیں پیدا ہو گئیں۔

ضرور ایک کتاب اس نام کی تھی جو خاص حواریوں[1] کے پاس رہتی تھی جس پر انہوں نے بھی اپنی اپنی کتابوں کے نام تبرکاً اور اعتبار

---

[1] ہارن مفسر اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں کہتا ہے کہ ''قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات تھے اور انہوں نے اس سے نقل کیا۔ متی نے بہت لوقا اور مرقس نے تھوڑا''۔ انتہی۔ فاضل نورتن نے اپنی کتاب علم الاسناد مطبوعہ شہر بوسٹن ١٨٣٧ء کے دیباچہ جلد اول میں اکھارن کا قول نقل کیا ہے کہ ''ابتدائے ملتِ مسیحی میں ایک کتاب تھی جائز ہے کہ یہ وہی اصل انجیل ہو''۔ فرقہ ابیونی کے پاس عبرانی کی ایک انجیل تھی جس کو وہ بارہ حواریوں کی انجیل کہتے تھے۔ یہ ساری باتیں ہمارے خیال کی مؤید ہیں۔ ١٢ منہ

جمانے کے لیے انجیل رکھے اور بعد تک یہ دستور جاری رہا۔ مگر پولس کے عہد کے بعد سے خصوصاً جبکہ یہ چاروں انجیلیں مشہور ہوئیں اس اصلی انجیل کا نام ونشان بھی سننے میں نہ آیا۔ اس کے مفقود ہونے کا زمانہ ان بے انتہا مصائب کا زمانہ ہے جو اول ہی صدی میں عیسائیوں پر پڑیں اور سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنانِ دینِ مسیحی نے حواریوں سے وہ نسخہ چھین کر تلف کر دیا۔ اس کے بعد حواریوں نے یادداشت کے طور اس کے مضامین اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تاریخی واقعات کو لے کر جمع کر کے اس کا نام انجیل رکھا اور کچھ عجب نہیں کہ ہر ایک نے اپنی انجیل مروج کرنے کے لیے اس تسلی سے کہ اس کے مضامین بھی تو اس میں ہیں اصل نسخے کو طاقِ نسیاں میں ڈال دیا جو شدہ شدہ مفقود ہو گیا ہر چہ باشد مگر ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کی عبرانی زبان میں ایک کتاب انجیل تھی جو سینکڑوں برسوں سے مفقود ہے بلکہ دوسری صدی عیسوی سے اس کا پتا نہیں۔ حفظ کا رواج نہ تھا، قلمی نسخوں کی قلت تھی اس پر ہر ایک کو اپنے اپنے پیر و مرشد انجیلی کے انجیل پر تکیہ تھا کہ پس یہی تو وہ ہے بلکہ مع شے زائد اس لیے اس کے مفقود ہو جانے کی پروا نہ کی۔ اہلِ اسلام کے سے ان کے نہ طبائع تھے نہ حافظے کہ خدا کے کلام کو جدا محفوظ رکھتے اور پیغمبر کی احادیث و تاریخ کو جدا۔ نہ خدا کو یہ منظور تھا نہ اس کی حفاظت کے اسباب پیدا کیے۔ جس مصلحت سے اس نے اگلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کو مفقود ہونے دیا آنے والے خاتم المرسلین علیہ السلام کی کارگزاری کی وجہ سے اس کے بھی مفقود ہونے کو روا رکھا۔ تلک حکمة بالغة۔

اب جن کو عیسائی انجیل کہتے ہیں کسی قدر انہیں کا حال بیان کرتا ہوں وھوھذا۔ انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل مرقس، انجیل یوحنا۔ حواریوں کے اعمال یعنی تاریخ پولس کے خطوط یعقوب کا خط وغیرہ۔ ان اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اقوال و افعال مندرج ہیں۔ طرزِ تحریر کہہ رہا ہے آنکھوں دیکھے یا سنے سنائے حالات لکھتے ہیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ الہامی طور ہے نہ الہام کی حاجت ان کتابوں میں واقعات کی نسبت کمی زیادتی بھی ہے اور مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔

ان کتابوں کو عیسائی منزل من اللہ جانتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ نہ ان کے مصنفوں کی نبوت ثابت ہے نہ کوئی معجزہ ان سے سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تعجب ہے کہ لوقا اور مرقس حواری نہیں اور متی اور یوحنا جو حواری ہیں تو حواریوں میں بڑے رتبے کے نہیں ان سے بڑے بڑے مقرب حواری شمعون پطرس وغیرہ تھے ان کی کوئی انجیل نہیں۔

ان کتابوں کے سوا تخمیناً ایک سو تیس اور کتابیں ہیں کہ جن میں عیسائیوں کے ہاں اختلاف ہے یا یوں کہو اختلاف تھا۔ قدماء نے ان میں بعض کو الہامی بعض کو غیر الہامی مانا اور متاخرین نے اس میں خلاف کیا اور بعض کتابوں کو الہامی تو نہیں مگر جس طرح اہلِ اسلام حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ بھی ان کو اسی مرتبے میں سمجھتے ہیں۔ انہیں میں سے برنباس حواری کی انجیل ہے۔

متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی۔ لارڈنر نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۲۷ء بمقام لنڈن کے صفحہ ۵۷۴ جلد دوم میں ارجن کے تین قول نقل کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی انجیل عبرانی تھی۔ اور اسی طرح یوسی بیس اور جروم وغیرہ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم اس کے قائل ہیں۔ اور ہارن مفسر نے اپنی تفسیر جلد چہارم میں ان کے اقوال نقل کیے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی تصنیف ۳۷ یا ۳۸ء میں ملک یہودیہ میں ہوئی۔ اور ۶۱ء میں پھر اس کا عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا[۱]۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ متی نے نہیں بلکہ کسی اور شخص نے ترجمہ کیا۔ پادری فانڈر اختتامِ دینی مباحثہ مطبوعہ سکندرہ اکبرآباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ یا حواریوں کے کسی مرید نے اس کا ترجمہ یونانی میں کیا ہے۔ انتہٰی۔

اصل عبرانی انجیل متی کا اب کیا صدیوں سے دنیا میں نشان نہیں۔ کسی کلیسا میں نہیں اور اس کے مفقود ہونے پر تمام عیسائی متفق ہیں۔ اب اس کے مفقود ہونے کی جو وجہ خیال میں آئے وہی اصل انجیل کی سمجھ لینی چاہیے۔ اب رہا ترجمہ یونانی اول تو مترجم کا حال یقینی طور پر

---

[۱] پادری اسکاٹ اپنی تفسیر رومن میں انجیل متی جو عبرانی میں تھی اس کا زمانہ تصنیف ۶۳ء بتاتا ہے۔ ۱۲ منہ

معلوم نہیں کہ وہ کس لیاقت اور کس دیانت کا آدمی تھا؟ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ دراصل یہ اس کتاب عبرانی کا ترجمہ ہے یا اور نئی کتاب ہے؟ اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور غلط ہے تو کس قدر؟ کیونکہ یہ باتیں اصل سے مطابق کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں اور اصل کا دنیا میں نشان بھی باقی نہیں اور اس انجیل یونانی کے اول اور دوسرے باب کو عیسائیوں کے محقق ڈاکٹر ولیمس وغیرہ اور نیز عیسائیوں کا ایک فریق جس کو یونی ٹیرن کہتے ہیں الحاقی اور جعلی کہتے ہیں۔ اور خصوصاً باب اول میں جو نسب نامہ ہے مسیح علیہ السلام کا اس میں تو ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرین انجیل کو کوئی جواب بھی بن نہیں پڑتا مگر اور عیسائی اس کو بھی الہامی مانتے ہیں۔ پھر فارقلیط کی بشارت میں الحاق ہونا کون سی بڑی بات ہے۔

انجیل مرقس : مرقس کا اب تک صحیح حال بھی عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا اور کس برس میں عیسائی ہوا صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ وہ پطرس حواری کا شاگرد ہے اور اس نے پطرس وغیرہ لوگوں سے سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات لکھے اور اس کتاب کے سن تالیف بھی بخوبی معلوم نہیں۔

پادری اسکاٹ دیباچہ تفسیر رومن صفحہ ۲۳۹۔ ۲۴۰ میں کہتا ہے ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی اور بالاتفاق شہر روم میں اس نے یہ کتاب تصنیف کی اور رومیوں کے لیے لکھی تو لاطینی یعنی رومی زبان میں لکھی گئی کس لیے کہ رومی لوگوں کی زبان لاطینی ہے مگر اس اصل نسخے کا اب تک پتا نہیں ہاں اس کا ترجمہ یونانی موجود ہے۔

اب اول تو مرقس کی نبوت ثابت نہیں پھر الہام تو درکنار۔ دوم پطرس اور پولس اس کے راوی ہیں لیکن وہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا اور یہ بات پوری شبہ پیدا کرنے والی ہے۔ سوم اصل کتاب مفقود ہے ترجمے میں کلام ہے۔

انجیل لوقا : یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں بلکہ پولس کا شاگرد ہے نہ اس شخص کا پورا حال دریافت ہوا کہ کہاں کا باشندہ تھا[1] اور کس کے ہاتھ پر دین میں داخل ہوا اور اس کی اصل زبان کیا تھی اور یہ انجیل اس نے کب لکھی اور کس زبان میں لکھی اور جبکہ متی اور مرقس کی انجیل تصنیف ہو چکی تھی تو پھر اس کو انہیں باتوں کے قلمبند کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی کیا وہ اس کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی تھیں اس کا سن تالیف بھی قیاسی طور پر ۶۴ء بیان ہوا ہے۔

یہ کہیں نہیں کہتا کہ میں رسول ہوں اور جو کچھ لکھتا ہے الہام سے لکھتا ہے۔ اس کی روایت بھی مقطوع ہے کیونکہ یہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔

انجیل یوحنا : یہ یوحنا حواری کی طرف منسوب ہے اس کی تالیف کا زمانہ بھی تخمینی ہے یعنی تخمیناً سویں عیسوی میں یعنی عروج مسیح سے ستر برس بعد۔ مگر یہ بھی الہام اور رسول ہونے کا مدعی نہیں۔ اس کے طرزِ بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مبالغہ بھی اس کے کلام میں ہے چنانچہ اسی انجیل کے ۱۲ باب ۲۵ درس میں یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے حالات میں کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ سماتیں۔ ہرگز یہ صحیح نہیں کس لیے کہ اگر کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا روزِ تولد سے آخر تک روزنامچہ بھی لکھتا اور فرض کرلو کہ ایک روز کے حالات ایک کتاب میں درج ہوتے تو بھی وہ سب کتابیں یروشلم میں سما سکتی تھیں۔ دنیا تو بڑی وسیع ہے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسری صدی میں لوگوں نے انجیل یوحنا کی بابت کلام کیا کہ یہ ان کی تصنیف نہیں۔ اس وقت آرنیوس موجود تھا اور یہ پولی کارب کا شاگرد تھا اور پولی کارب یوحنا حواری کا۔ مگر آرنیوس نے اپنے دادا استاد کی کتاب پر شہادت نہ دی۔ معلوم ہوا کہ اس کو بھی شک تھا یا اس کے استاد نے ذکر بھی نہیں کیا تھا ورنہ ایسے موقع پر سکوت کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اس کے سوا کاتلک ہرلڈ کی چوتھی جلد مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۲۰۵ میں یہ ہے۔ استاڈلن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انجیل یوحنا

---

[1] گو بعض پادریوں نے اٹکل سے کچھ لکھ مارا۔ ۱۲ منہ

مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں اور اسی طرح محقق برتیشیڈر کہتا ہے کہ یوحنا کی تصنیف ہے نہ یہ انجیل ہے نہ اور رسائل بلکہ دوسری صدی عیسوی میں کسی اور شخص نے تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دیے کہ لوگوں میں اعتبار ہو۔

جب ان چاروں انجیلوں کی یہ کیفیت ہے تو اور کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ پولس کے خطوط اور بعض دیگر رسائل جواب عہدِ عتیق میں شامل ہیں مدتوں عیسائیوں میں غیر معتبر مانے گئے۔

تحریف : تحریف نے جو بعد میں ان کتابوں میں ہوئی اور بھی اعتبار کھو دیا اور عیسائیوں کے مقدس لوگوں میں خاص پہلی ہی صدی سے اس بات نے کہ جھوٹ بول کر بھی دین میں کوشش کرنا امر محمود ہے جیسا کہ پولوس کہتا ہے اور بھی کتبِ مقدسہ کی بے اعتباری کر دی اور جبکہ یہ طوفانِ بے تمیزی موجزن تھا کہ آپ تصنیف کرنا اور رواج دینے کے لیے کسی مشہور اور معتبر آدمی کے نام سے منسوب کر دینا جیسا کہ یونانیوں کا قدیم شیوہ تھا ان عیسائیوں کا بھی انہیں یونانی نسلوں کی جماعت میں داخل ہو جانے سے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا تھا اور جس وقت عیسائیوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا اور زمین میں ان کے لیے کوئی جگہ امن کی نہ تھی اور یہ بات روم کے بت پرست ظالم بادشاہوں اور ان کے عمال اور رعایا سب کی طرف سے صدیوں تک رہی ہے اور اس وقت جان بچانا ہی غنیمت تھا تلاش کر کر کے کتابیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے پاس کوئی ورق بھی نکلتا تھا تو شکنجے میں کھینچ دیا جاتا تھا اس وقت اس کام کا ایسے چالاکوں کے لیے بڑا موقع تھا کہ آپ تصنیف کر کے جس حواری کے نام چاہا لگا دیا پوچھنے والا اور تحقیق کرنے والا ہی کون تھا اور جس کتاب میں جو چاہا کم زیادہ کر دیا۔ درحقیقت اس طوفان کے زمانے میں کتبِ سابقہ کو جیسا کچھ صدمہ پہنچا بیان سے باہر ہے۔ پرانے یونانی اور سریانی زبان کے ترجمے سپٹو اجنت وغیرہ سب ہی پر تو آفت آئی اور جب امن کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی میں آیا اور عیسائیوں کے ہوش و حواس بجا ہوئے تو اب کتبِ مقدسہ کی تلاش کرنے لگے اور جو کوئی کتاب بہم پہنچاتا تھا تو بڑی قدر دانی سے لے جاتی تھی۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کتابوں کے بھی (جو اس طوفان کے پہلے تھیں خواہ وہ کیسی ہی ہوں جیسا کہ پہلے معلوم ہوا) کچھ نسخے ہاتھ لگے ہوں گے کیونکہ استیصالِ کلی خلاف تجربہ ہے اور ان میں سے بہت مفقود بھی ہو گئی ہوں گی۔ اسلامی مصنفوں کی بہت سی کتابیں مفقود ہیں اور جو کتاب حفظ کے ذریعے سے صدہا آدمیوں کے سینے کے صندوقوں میں محفوظ نہ رکھی جائے جیسا کہ قرآن مجید اور صرف دو ایک قلمی نسخوں ہی پر اس کے وجود کی بنیاد ہو جیسا کہ کتبِ مقدسہ ان کا ایسے حوادث میں پورا رہ جانا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ پھر کسی کتاب کا جو بہم پہنچی ہو گی اول و آخر ندارد۔ کسی کا اول نہیں اخیر ہے کسی کا اخیر نہیں اول ہے۔ کوئی درمیان سے کم ہے، کسی کے چند اوراق کو کیڑا چاٹ گیا۔ کسی کے کچھ اوراق پانی سے بھیگ کر باہم مل گئے اور اب جو چھڑائے گئے تو کچھ پڑھا نہیں جاتا اور کبھی کچھ پڑھا بھی جاتا ہے تو صاف نہیں۔ پھر اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے کسی کا اول بنایا گیا کسی کا اخیر کسی کے بیچ میں سے جملے بنا کر ملائے گئے اور کہیں جو یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس کی تصنیف ہے اس کے مطالب کی شان پر نظر کر کے ایسے ہی شخص کی طرف منسوب کر دی گئی اور یہی سبب ہے کہ کتبِ عہد کے مؤلفوں میں علماءِ اہلِ کتاب کا اختلاف ہے ایک کتاب ہے، کوئی کہتا ہے یہ فلاں شخص کی تصنیف ہے، کوئی کہتا ہے دوسرے شخص کی ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جن سے ان انجیلوں اور پرانی کتابوں کے باہم نسخوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ جس کا ٹھکانا نہیں۔ اور ان کتابوں کی تو یوں ترمیم کی اور جو نہ ملیں اور نام یاد تھے ان کی جگہ نئی تصنیف انہیں کے ناموں سے کی گئیں، کسی نے تصنیف کر کے کسی کے، کسی نے اور دوسرے کے نام لگائیں اور پھر تو وہ بازار گرم ہوا کہ صدہا مصنف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک سو کئی ایک انجیلیں نکل پڑیں اور حواریوں کے خطوط و ملفوظات کا تو کچھ شمار ہی نہ رہا۔ کسی جوانمرد نے ایک خط گھڑ کے یہ بھی اڑا دی کہ یہ آسمان سے گرا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے لکھ کر بھیجا ہے۔ علماء کی مجالس اس تحقیق کے لیے آمادہ ہوئی ہوں گی اور جہاں تک ہو سکا تحقیق کی مگر پھر بھی بہت جگہ پتا نہ چلا۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے شہر نائس اور دیگر شہروں میں جو مجلسیں ہوئیں ان میں فہرستِ کتبِ مقدسہ جو پیش ہوتی رہی وہ غور کے

قابل ہے کہ کسی مجلس میں کوئی کتاب، کسی مجلس میں اور دوسری معتبر ٹھہری۔ پھر دوسری مجلس نے پہلی مجلسوں کے حکم کو رد کر کے اور چند کتابیں داخل کر دیں اور بعض کتاب اور بعض کے چند ابواب وفقرات پر خط کھینچ دیا۔

اور اسی لیے عیسائی مذہب کے بہت سے فرقے ہو گئے اور ان کا اصل کتبِ مقدسہ میں بھی اختلاف ہے۔ مانی کا فرقہ اور یونی ٹیرن وغیرہ چندان کتابوں کو نہیں مانتے جن کو اور عیسائی مانتے ہیں اسی طرح رومن کا تلک اور پراٹسٹنٹ فرقے میں اختلاف ہے اور بہت سے محققین تو بول اٹھے کہ صرف ظنی اور قیاسی طور پر یہ کتابیں حواریوں اور ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ورنہ ثبوتِ یقینی کچھ بھی نہیں۔

اس بیان کی شہادت نسخوں کے اختلاف سے بھی ہو سکتی ہے۔ وارڈ اپنی کتاب غلط نامہ میں لکھتا ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہدِ جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گر یسباخ نے جو اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا یعنی تین سو پچپن کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے اگر اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا تو اور بھی اختلافات نکلتے۔ یہ صرف انجیل کے اختلافات ہیں۔ اس بات کو پادری فنڈ ز نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ (اختتامِ مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد) ہم پادری مذکور کی عبارت نقل کر کے اپنے تمام بیان کی تصدیق کرائے دیتے ہیں۔ **قولہ** ''اگر چہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف والفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کے مقدم ومؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو بے تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدل گیا''۔ میکیلس صاحب ڈاکٹر نبطلی صاحب کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ جلد اول صفحہ ۲۶۳ میں نقل کرتے ہیں کہ ''جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باوجود دو پوری صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ چینوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار ہیں اور اسی طرح رہیں گی''۔ انتہٰی۔

پادری صاحب کو اختیار ہے بابیوں اور کتابوں اور آیتوں کے تبدل وتغیر والحاق پر بھی اور مصنفوں کے نام معلوم نہ ہونے پر وہ اپنی کتاب کو بلاتحریف کہیں مگر لطف یہ ہے کہ پادری فنڈر صاحب یہ بھی صفحہ ۱۳۰ میں کہتے ہیں **قولہ** کہ ''یہ بات سچ ہے ویریوس ریڈنگ (غلطیِ کتابت) بہت ہیں اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے صفحہ ۱۳۱۔ پہلے یوحنا کے ۵ باب کے ۷، ۸ آیتیں اور یوحنا کے ۵ باب کی پہلی سے ۱۱ آیت تک کو اکثر مصححین مشتبہ جانتے ہیں ان کے سوا صرف دو آیات اور ہیں جن کی صحت پر شبہ ہے یعنی یوحنا کے ۵ باب کی ۴ آیت اور اعمال کے ۸ باب کی ۲۷ آیت'' انتہٰی۔ کیا اب بھی پادری صاحب کو انجیل کی تبدیل وتحریف میں کوئی شبہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ ان مشکوک اور الحاقی آیات کو اب تک انجیل میں لکھ رکھا ہے۔

خیر یہ تو جو کچھ تھا سو تھا اس کے بعد جب پوپوں کا دور دورہ ہوا اور بت پرستی اور جہالت کی گھٹا عیسائیوں پر چھائی اور ۴۰۰ عیسوی کے قریب شمال کی جانب سے بہت سے بت پرست اور وحشی اور ظالم وجاہل قوموں نے قیصروں پر حملہ کیا اور جہاں ان کا غلبہ ہوا انہوں نے مدرسوں اور کتب خانوں اور علم اور دین کی کتابوں کو جلا کر نیست ونابود کر دیا۔ اس پُر آشوب حادثے سے شبِ تاریک سے زیادہ تاریکی عیسائیوں پر زمانۂ دراز تک چھائی رہی اور اسی زمانہ میں آفتابِ ہدایت مکے سے جلوہ گر ہوا۔

اس حادثے کے بعد جب بدحواسی دور ہوئی تو پھر کتابوں اور علم کی درستی کی طرف التفات ہوا۔ اب خود غرضوں کو اور بھی تحریف وتبدیل کا موقع ہاتھ آیا، دیدہ ودانستہ کتاب میں کم زیادہ کرنا اہلِ کتاب کا قدیم دستور ہے بلکہ اپنے اغراض کے مخالف کتابوں کا جلا دینا بھی ان کا پیشۂ قدیم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہدِ عتیق کے عبری تمام قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ستاون عیسوی کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر کے نسخے یہودیوں نے معدوم کر دیے اور بشپ والٹن اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں جعلسازی کا بازار تو پہلی ہی صدی عیسوی سے گرم ہو گیا تھا۔ چنانچہ پولس کے عہد میں جھوٹی انجیل اور جھوٹے واعظ پیدا ہو گئے تھے اور خود پولس بھی دین کے رواج دینے کے لیے جھوٹ بولنا پسند کرتا ہے (دیکھو وہ خط جو رومیوں کو لکھا تھا اس کا ۳ باب) اور جب دوسری صدی میں مباحثے کے بعد ارجن کی رائے کو مان لیا گیا کہ غیر قوموں سے مباحثے کے وقت حکماء کا طور اختیار کر لینا چاہیے اس سے عیسائیوں کی راستبازی میں فرق آنے لگا اور اسی سبب سے جعلی تصانیف پیدا ہونے لگیں کیونکہ فیلسوف جب کسی کے طریقے کی پیروی کرتے تھے تو اس کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر کے مشہور کر دیتے تھے۔ یہ دستور کئی سو برس تک رہا اور رومی کلیسا میں جاری رہا جو بہت ہی خلافِ حق اور قابلِ الزام شدید تھا۔ (تاریخ کلیسا)۔

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۲ء صفحہ ۳۳۱ میں لکھتے ہیں کہ بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کیں ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی تا کہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر آنے نہ دیں۔ انتہٰی۔

اب میں ان پرانے نسخوں کا کہ جن پر اہلِ کتاب کو ناز ہے اختلافِ باہمی اور ایک کی دوسری سے کمی و زیادتی چھوڑ کر جو تفصیل طلب بیان ہے اہلِ کتاب کی ایک تھوڑی سی خیانت بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر آپ جب سے مطبوع ہونا شروع ہوا ہے مطبوعہ نسخے صرف انجیل کو ملا کر دیکھیں۔ پھر جرمن اور انگریزی اور فرنچ زبان کے مطبوعہ اور ان کے ساتھ اردو، فارسی، عربی کے بھی رکھ لیں۔ پھر دیکھئے کیا کچھ تفاوت نہ صرف الفاظ میں بلکہ مطالب و معانی میں آپ کو معلوم ہووے اور قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھ لو تو پریشان ہو جاؤ۔ صرف اُردو کے نئے اور پرانے چھپے ہوئے نسخوں کو ملاحظہ فرمائیے کہ پہلے لفظ فارقلیط لکھا جاتا تھا۔ جب دیکھا کہ اہلِ اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو یہ لفظ ہی نکال ڈالا اور اس کی جگہ روح کا لفظ لکھ دیا کسی نے وہیں یعنی کر کے تفسیر بھی کر دی اور اس کو متن میں شامل کر دیا تا کہ کسی کو کچھ پتا نہ لگے۔ اور یہ جو آج کل پادری انجیل چھپی ہوئی اور صاف اور عمدہ کاغذ پر لکھی ہوئی جاہلوں کو دکھا کر کہا کرتے ہیں کہ ''تمام انجیل اس موافق ہیں۔ اس میں تحریف دکھاؤ کہاں ہے۔ اور اگر یہ محرّف ہے تو تم اصلی انجیل اور غیر محرّف دکھاؤ۔ یہ خداوند عیسیٰ مسیح کا انجیل ہے''۔ محض دھوکا اور جاہلانہ گفتگو ہے۔ جب وہ اصلی انجیل اول اور دوسری صدی عیسوی میں مفقود بھی ہو گئی جس طرح کہ متی حواری کی عبرانی انجیل مفقود ہو گئی اور اب جو عبرانی انجیل متی ہے تو یہ یونانی ترجمہ کا ترجمہ ہے تو ہم کہاں سے دکھائیں۔ جو لوگ دنیا میں نہیں رہے اور عالمِ ہستی سے ان کا نام و نشان ہی مٹ گیا تو اب ان کو کوئی کہاں سے لا کر دکھائے۔ پھر کیا کوئی فرضی شخص ان کے نام سے وہی ہو سکتا ہے؟ اور خداوند کی یہ انجیل نہیں۔ یہ متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی ہے۔ خداوند کی تو وہ انجیل تھی جس کو پولس کہتا ہے کہ میرے پاس ہے اور قطعاً وہ ان چاروں انجیلوں کے سوا تھی کس لیے کہ ان کا تو دیکھنا بھی پولس کو ثابت نہیں اور قرآن مجید میں اس انجیل کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی قرآن مجید میں متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی انجیل کا ذکر تک نہیں۔ پھر یہ مسلمانوں پر کس طرح حجت ہو سکتی ہے؟ ان سے جو مضامین نقل کرتے ہیں تو محض تمہارے قائل کرنے کو کیونکہ تم ان کو مانتے ہو ورنہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں اور جو کوئی کوڑھ مغز مسلمان ان کو انجیل سمجھے یہ اس کی جہالت ہے جس کا وہی ذمہ دار ہے نہ اور مسلمان۔ اور ان متعدد انجیلوں کے منکر کو انجیل شریف کا منکر قرار دینا جہالت پر جہالت ہے۔

اب ہم مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کی تفسیر کرتے ہیں۔ ان اناجیل میں بھی کہیں اس کا نام و نشان ان دیندار عیسائیوں کے ہاتھ سے جو قصداً تحریف کیا کرتے تھے باقی رہ گیا ہے کہ نہیں؟ انجیل یوحنا میں جانئے کیونکہ اس بشارت کو ان دینداروں نے باقی رہنے دیا اس انجیل میں متعدد جگہ اس بشارت کا پتا ملتا ہے۔ میں انجیل یوحنا جو عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شہر لنڈن میں ۱۸۳۳ء و ۱۸۳۱ء میں چھپی ہے اس سے نقل کرتا ہوں۔ چودھویں باب کا سولہواں جملہ یہ ہے۔ قولہ ''اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ

ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم میں ہو وے گی''۔(۲۶۔ ''لیکن وہ فارقلیط (جو روحِ حق ہے) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں ہیں یاد دلائے گا''۔ ۲۹۔ ''اور اب میں۔ نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ''۔ ۳۰۔ ''بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجبور ہیں اس کی کوئی بات نہیں۔۱۵ باب ۲۶ ورس۔ پھر جب وہ فارقلیط جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی روحِ حق جو باپ سے نکلتی ہے) آئے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو''۔ ۱۶۔ باب ۷ ورس۔ ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔ ۸۔ ''اور وہ اگر دنیا کو گناہ پر اور راستی پر اور عدالت پر سزا دے گا گناہ پر اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے' راستی پر اس لیے کہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا۔ میری اور بہت باتیں ہیں کہ جن کو تم سے کہوں لیکن تم ان کی اب برداشتِ نہ کر سکو گے پھر جب روحِ حق آئے گا تو ساری سچائی کی راہ تم کو بتا دے گا کس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں غیب کی خبریں دے گا اور میری بزرگی بیان کرے گا''۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام یوحنا حواری نقل کرتا ہے جو حضرت علیہ السلام نے اپنے ساتھ یہود کی بدسلوکی اور تدبیرِ قتل سے خبر پا کر حواریوں سے کیا تھا۔ اس کلام میں آپ اپنا دنیا سے تشریف لے جانا ظاہر فرماتے ہیں اور حواریوں کے غمگین دلوں کو ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فارقلیط آ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھے نہیں مانا اور مجھ پر موت کا حکم لگایا یعنی ان کو ملزم اور سزاوار ٹھہرائے گا اور وہ فارقلیط جہان کا سردار اور مجھ سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اس کی کوئی بات مجھ میں نہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ بشارت ہمارے نبی پاک کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی آپ بشارت دے رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ظاہر کر رہے ہیں کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان میں کلام کرتے تھے اور عبرانی میں صاف احمد (ﷺ) کا لفظ ذکر کیا تھا۔ اہلِ کتاب کی عادت ہے کہ وہ جب کسی کلام کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے ہیں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ پھر جب یوحنا کے کلام کا یونانی میں ترجمہ کیا تو احمد (ﷺ) کا ترجمہ بھی کر دیا اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد (ﷺ) یعنی بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط کر دیا۔

عیسائی کہتے ہیں یونانی نسخوں میں پاراکلی طوس ہے جس کے معنی معین' وکیل کے ہیں۔ اگر پیرکلوطوس ہو تو بے شک احمد یا محمد (ﷺ) کے قریب قریب اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کچھ بڑا تفاوت نہیں کس لیے کہ بعض زبانوں میں رسم الخط دیکھا جاتا ہے کہ وہ اعراب کی جگہ حروفِ مفردہ ہی لاتے ہیں۔ اور بعض خطوط میں سرے سے اعراب ہی نہیں جیسا کہ ہندی خط اس میں ایسے اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ قدیم یونانی خط کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں گل کو گال' گیل ہر طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ پھر پیر کا تلفظ پارا اور کلو کا کلا یا کلے کوئی بڑی بات اور زیادہ تفاوت نہیں۔ دوم یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تفاوت تلفظ اور خط میں اعراب نہ ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہے جیسا کہ کہتے ہیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کس لیے کہ ہمارے حضرت ﷺ کا نام معین اور وکیل بھی ہے۔ تو بھی ایک نام سے نہیں دوسرے نام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا ثابت ہوتا ہے۔ سوم جن دینداروں نے بقول ہارن صاحب اعتراض سے بچنے کے لیے یا مخالف کا مدعا ثابت نہ ہونے دینے کی وجہ سے یا اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے انجیل و توریت میں بہت جگہ تحریف و تبدیل کی ہے

اور عبارت کو گھٹایا یا بڑھایا ہے تو یہ ذرا سی تحریف و تبدیل ان سے کیا بعید ہے؟ ایسی کمی و بیشی کرنے سے عیسائیوں نے فارقلیط کے آنے سے روح کا نازل ہونا مراد لے لیا اور پھر اس مطلب کو قوی کرنے کے لیے یہاں تک خیانت کی کہ متن میں یعنی کر کے روح کی تفسیر کو بھی ملا دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ یعنی تو حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام نہیں نہ یوحنا نے بڑھایا۔ یہ تو بعد میں کسی دیندار پادری صاحب نے کاریگری کی ہے مگر بڑے شرم کی بات ہے کہ عبارت میں تحریف آپ پکار رہی کہ مجھ میں تحریف ہوئی اور پادری صاحب ہیں کہ انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ غلامی کا داغ ماتھے پر موجود مگر غلامی کا انکار۔ اگر پادری صاحبوں کے اگلے بزرگواروں کو اتنی گنجائش اس بشارت میں نہ ملی کہ وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں کرتے تھے تو بخدائے لایزال اس کو کتاب ہی میں سے نکال ڈالتے مگر ان کو یہ کیا خبر تھی کہ اس بشارت میں جو اور بھی الفاظ ہیں وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں نہیں ہونے دیں گی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک حجت الزامی آ جائے گی۔

اور ایک تعجب کی بات ہے کہ ستر برس بعد یوحنا حواری کو تو یہ بشارت یاد رہی کہ اس نے اپنی کتاب میں لکھ دی مگر متی اور مرقس اور لوقا کو ان سے پہلے یاد نہ آئی ان میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا اور یہ کوئی ایسی چھوٹی بات نہیں تھی بلکہ اپنے سے زیادہ مرتبے والے کے آنے کی خبر تھی جس پر ایمان لانے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے کیسا اہتمام کیا۔ ہمارا یقین ہے کہ ضرور ذکر کیا ہوگا مگر اس وقت یا اس کے بعد یاروں نے اس کا باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا کس لیے کہ ان کی بشارتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا پورا پورا پتا ہوگا تاویل کی گنجائش نہ ہوگی۔ اس کتاب میں تاویل کی گنجائش دیکھی اس کو رہنے دیا مگر کسی قدر ادھر اُدھر سے تراش کر اپنے موافق کر لیا مگر تو بھی موافق نہ ہوئی۔ اور ان الحاقات اور کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے کا حال ہمارے بیانِ سابق سے جو کتبِ مقدسہ کی بابت تھا آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔

دو امر اور بھی غور طلب ہیں اول یہ کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے پہلے تک اس فارقلیط کو عیسائی کوئی آدمی اور بڑا اولوالعزم شخص خیال کرتے تھے کہ ضرور ایک ایسا شخص جو دینِ عیسوی کا معین اور مددگار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طرفدار ظاہر ہوگا اور اس لیے دوسری صدی عیسوی میں منٹس عیسائی نے جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا یہ دعویٰ کیا تھا کہ جس کے آنے کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے اور ایشیائے کوچک میں ہزاروں عیسائی اس پر ایمان لے آئے۔ (دیکھو تاریخ کلیسا ولیم میور مطبوعہ ۱۸۴۸ء) اس کے سوا دوستھیوس، شمعون مجوسی وغیرہ چوبیس اشخاص نے آدرین قیصر کے عہد سے لے کر سن ایک ہزار چھ سو بیاسی ۱۶۸۲ء کے قریب تک فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا۔ (تفسیر رومن اسکاٹ مطبوعہ الہ آباد صفحہ ۱۸۶)۔

پھر کیا ان کو انجیل یوحنا بھی معلوم نہ تھی اور پادریوں کی بھی تاویل سے واقف نہ تھے کہ فارقلیط سے روح مراد ہے نہ کہ انسان۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ایک شے بقول پادریان سرے سے ہی نہیں تو اس کا ان لوگوں نے کیونکر دعویٰ کر لیا؟ یہ بات اور ہے کہ وہ دراصل اس فارقلیط کے مصداق نہ تھے مگر اس زمانے میں یہ بات ہر ایک عیسائی جانتا تھا کہ فارقلیط کوئی انسان آنے والا ہے جیسا کہ اسلامیوں میں مہدی آخر الزمان کے آنے کی ایک ایسی مشہور خبر ہے کہ جس کو سب جانتے ہیں اس بناء پر آج تک بہت سے بوالہوسوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اگر مسلمان اس کو جانتے ہی نہ ہوتے یا وہ مہدی سے مراد کسی فرشتہ کا نازل ہونا لیتے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں نازل ہو چکا تو پھر کسی کو بھی اس عہدے کی تمنا نہ ہوتی۔

لب التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاصر یہودی اور عیسائی ایک نبی کے منتظر تھے۔ اس بات نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فائدہ بخشا اور آپ نے کہہ دیا وہ میں ہوں''۔ انتہی۔ وہ نبی حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ظاہر ہونے کے بعد تک بھی انتظار کیا جاتا تھا۔ دوم بہت سے عیسائیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے منجملہ ان کے حبشہ کا بادشاہ نجاشی جو انجیل و توریت کا بڑا عالم تھا منجملہ ان کے جارود بن علاء ہے جو عیسائی اور بڑا عالم تھا اپنی قوم کے ساتھ حاضر

خدمت ہو کر اسلام لایا اور اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ بشارت ان حبشی اور عربی عیسائیوں میں بدلی نہیں گئی تھی۔ اب ہم لفظ فارقلیط پر اور دیگر الفاظ پر بحث کرتے ہیں اور عیسائیوں کے شبہات کا جواب دیتے ہیں۔

بحث اول۔ فارقلیط : یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں زبان خالدیہ کا لفظ ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی اور اسی کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں مگر مجھے اس میں کلام ہے کس لیے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہودیہ کی زبان ہے۔ آپ کو کلدانی زبان کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر یہ ممکن ہے کہ کلدانیوں کے غلبہ سے اور بنی اسرائیل کے مدتِ دراز ان میں رہنے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہو گئے ہوں جیسا کہ اور زبانوں میں اختلاط ہوا اور ہوتا رہتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ خاص حضرت علیہ السلام کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ پیر کلوطس کیا گیا یا تغیر کر کے لایا گیا جس کے معنی احمد (ﷺ) کے ہیں۔ بشپ مارش اسی کے قائل تھے جو عیسائیوں میں مسلم شخص تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے یعنی ملک سریا یا شام کی زبان کا۔ تیسرا یہ کہ یہ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکور ان دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں مگر زبان عرب میں اس کا پتا نہیں معلوم ہوتا۔ چوتھا قول وہ ہے کہ جس کو ہم نے پہلے فاضل محقق مولانا مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب اظہار الحق سے نقل کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد (ﷺ) لیا مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ پیر کلوطوس ذکر کیا جس کا معرب فارقلیط ہوا اور یونانی زبان میں پیر کلوس ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیر کلوس کی جگہ پاراکلوس لکھ دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیر کلوس تھا۔ دستی تحریروں کا غارت ہونا اس گمان کی اور بھی مدد کرتا ہے۔ اور لفظ پیر کلوس ہومر وغیرہ شعراء وفضلاء کے استعمال میں آیا ہے۔ جس کے معنی مستودہ ہیں جو محمد (ﷺ) یا احمد (ﷺ) کا ٹھیک ہم معنی ہے۔

اس کے علاوہ ایک بڑی تائید اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض عبرانی نسخوں میں اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک موجود ہے۔ دیکھو پادری پارکھرست صاحب کی یہ عبارت وبادحمدہ حل بگوئیم (از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۱۔۸۴ ترجمہ اپالوجی گاڈفری ہیکنس صاحب مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۹ء)۔

واضح ہو کہ عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جو آج کل کے پراٹسٹنٹ فرقے اور رومن کا تلک سے بھی علیحدہ تھا وہ نسطورا کا فرقہ کہلاتا تھا ان کے پاس ان چاروں انجیلوں کے علاوہ ایک اور بھی انجیل تھی جس کو اب کے عیسائی انجیل طفولیت کہتے ہیں جو ان کی کتبِ الہامیہ کی فہرست سے خارج شمار ہے۔ خیر یہ جو چاہیں کہیں اس کی تحقیق یورپین عیسائیوں کو ہوئی ہوگی مگر وہ تو اسی کو اصلی اور الہامی انجیل کہا کرتے تھے۔ اس کے سوا وہ کسی انجیل کے معتقد نہ تھے۔ یہ چاروں انجیلیں تو انہوں نے آنکھ سے بھی نہیں دیکھی تھیں پھر جب انہوں نے نہیں دیکھیں تو مسلمانوں کو خصوصاً ایسی حالت میں جو ان پر طاری تھی کہاں سے مل گئی ہوں گی؟ جو گمان کیا جائے کہ ان سے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنے لیے پیشین گوئی بنالی ہو۔ یہ گمان محض فاسد ہے اور بالکل بے اصل بدگمانی ہے۔

عرب کے عیسائیوں میں سے اس پیشین گوئی کے اظہار سے پہلے ایسے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کو آپ کے حق میں پورا پورا مطابق پالیا تھا اور اس پیشین گوئی کے اظہار کے بعد ان عیسائیوں کو بھی یہ حوصلہ نہ ہوا جو کہ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اسلام کی تکذیب میں نہایت سرگرم تھے کہ وہ کہتے یہ غلط بات ہے۔ ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ

السلام نے آپ کی پیشین گوئی نہیں کی۔ اگر ان کی انجیل میں آپ کے نام سے یہ پیشین گوئی نہ ہوتی یا ان کو ذرا بھی تامل کرنے کی گنجائش ملتی تو وہ بغیر غل شور مچائے کبھی چپ نہ رہتے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے سے پیشین گوئی کا اظہار فرماتے۔ یہ بات حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔ کوئی دانشمند بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

عیسائیوں میں برنباس حواری کی بھی ایک انجیل ہے۔ گو یہ عیسائی اس کو الہامی نہیں مانتے۔ یہ ان کو اختیار ہے کہ لوقا اور مرقس کی کتاب کو الہامی مانیں اور اس کو نہیں۔ اس کی کوئی کھلی ہوئی دلیل بجز گمان اور قیاس یا حسنِ ظن کے اور کوئی بات ہم کو تو اب تک معلوم نہیں ہوئی لیکن بایں ہمہ وہ اس کو معتبر جانتے ہیں۔ اس انجیل میں صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تصریح ہے۔

اس کے جواب میں عیسائی یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کسی مسلمان کی تحریف ہے یا کسی ملحد نے بات بنائی۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمان کو دنیا بھر کے نسخے کہاں سے مل گئے کہ اس نے سب میں تحریف کر دی۔ جس انجیل برنباس کو دیکھئے اس میں بھی بشارت ہے اور ملحد کو پہلے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کہاں سے معلوم ہو گیا تھا جو اس نے انجیل میں داخل کر دیا؟ یہ سب جھوٹے حیلے ہیں جن کو عقلِ سلیم ہرگز قبول نہیں کرتی اس کے سوا اور بہت جگہ بائبل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ہیں جو بجز ذاتِ بابرکات کے اور پر صادق نہیں آتیں پھر کیا وہ بھی کسی مسلمان نے لکھ دیں یا کسی ملحد نے داخل کر دیں؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پادریوں کی کتابوں میں ملحد آمیزش کر دیا کرتے ہیں۔

اب ہم انجیل یوحنا کی پیشین گوئی کے اور الفاظ پر بحث کرتے ہیں جو نزولِ روح القدس پر کسی طرح صادق نہیں آتے۔ (۱) ''میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے''۔ اس سے مراد روح القدس نہیں ہو سکتا کس لیے کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہا بلکہ ایک دن تھوڑی سی دیر تک۔ پھر عمر بھر وہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ (۲) روحِ حق تمہیں سب وہ باتیں جو میں نے کہیں بتا دے گا''۔ روح القدس جب حواریوں پر اترا اس نے ان کو وہ سب باتیں جو مسیح علیہ السلام نے کہیں تھیں یاد نہیں دلائیں اور نہ وہ بھولے ہوئے تھے کہ یاد دلانا پڑتا بلکہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ البتہ بھولی ہوئی باتیں توحید و عباداتِ الٰہی، ترکِ شہوات، دارِ آخرت کی رغبت وغیرہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلائیں۔ (۳) ''میں نے واقع ہونے سے پہلے تم کو خبر کر دی تا کہ جب واقع ہو تو ایمان لاؤ''۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک ایسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ جس کا انکار ان سے قریب الوقوع تھا اس لیے تاکید اور بندوبست کر دیا کہ ایمان لائیں انکار نہ کریں۔ یہ روح القدس کے نازل ہونے پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ اول تو روح القدس کا نازل ہونا حواری پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ دوم وہ ایک حالت سی تھی جس پر طاری ہوا اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہاں خاتم الرسلین کا انکار بہت قریب القیاس تھا اور اب تک ہو رہا ہے، حیلے بہانے بنا رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو بھی ٹال دیا۔ (۴) ''اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں''۔ روح القدس اور باپ یعنی خدا اور بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام یہ تینوں تو عیسائیوں کے نزدیک ایسے ایک ہیں کہ مجموعہ مرکب بنا کر خدا کہا جاتا ہے پھر روح القدس عیسیٰ اور عیسیٰ روح القدس ہیں اگر وہ جہان کے سردار ہیں تو اب بھی جو کچھ ایک میں ہے وہ دوسرے میں ہے۔ پھر یہ جملہ اس پر کس طرح صادق آ سکتا ہے؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ وہ جہان کے نبی تھے اور نبی سردار ہوتا ہے۔ یہ اوصاف حضرت مسیح علیہ السلام میں کہاں تھے؟ (۵) ''فارقلیط آ کر میرے لیے گواہی دے گا''۔ روح القدس نے اول تو گواہی نہیں دی اور جو دی بھی تو صرف حواریوں کے سامنے جس کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی۔ برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے تمام دنیا کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دی یہود کو ملزم کیا۔ (۶) ''میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے''۔ یہ بھی روح القدس پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو اتحاد مانا جاتا ہے۔ پھر

اگر نہ جاؤں تو نہ آئے گا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری صادق ہے کس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تقدم اور تاخر زمانی ہے آپ کا دور تمام نہ ہولے تو دوسرا شروع نہ ہو۔ (۷) ''روح الحق آ کر دنیا کو گناہ اور راستی اور عدالت پر سزا دے گا''۔ یہ بھی حرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ روح نے کسی کو کچھ سزا تو کیا ملزم بھی نہیں کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین مسیح علیہ السلام کو خطا کار ہی ثابت نہیں کیا بلکہ انتقام بھی لیا اور اس فقرے کے لفظ یہی اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی ذی شوکت منتقم کے آنے کی خبر دے کر حواریوں کو یہود کی جفا کاری اور ستم پروری پر تسلی دے رہے ہیں۔ (۸) ''روحِ حق تم کو ساری سچائی کی باتیں بتا دے گا''۔ روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولے نصاریٰ کو ضرور رستہ بتایا۔ (۹) ''جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتائے گا''۔ روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزو خدا ہے پھر سننا چہ معنی؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کے جز۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ **ومایَنطق عن الهویٰ** آپ نے دارِ آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے سینکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس روز کچھ نہ بتائیں۔

با ایں ہمہ جب وہ فارقلیط صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے ساتھ معجزات و آیاتِ بینات بھی لایا کما قال اللہ تعالیٰ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا**۔ تو ازلی گمراہوں نے بجائے اس کے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبول کرتے یہی کہہ دیا **هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**۔ کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔ اور صاف جادو ہے۔

یہ بات عرب کے مشرکین نے بھی کہی اور عیسائی فرقے بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ جہالت و وحشت میں یہ عیسائی ان مشرکینِ عرب سے کم نہ تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں فلما جاء کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پھرتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان یہود کے پاس معجزات لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے کھلا ہوا۔ مگر سیاقِ کلام پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

آیات کی تفسیر کے بعد یہ بھی کہتا ہوں کہ انجیل یوحنا سے جو ہم نے فارقلیط کی بشارت نقل کی وہ اس مقام کے مطابق تھی ورنہ اس کے سوا اب بھی جس قدر پیشین گوئیاں بائبل یعنی توریت و اناجیل و صحفِ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پائی جاتی ہیں اور کسی کے حق میں نہیں اس کے سوا صدہا دلائل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر آفتاب سے زیادہ روشن موجود ہیں لیکن کور باطنی اور شقاوتِ ازلی کا کوئی علاج نہیں۔ وہ سب کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈالتی ہے، کانوں میں ٹینٹیاں ٹھونس دیتی ہے، دلوں پر مہر کر دیتی ہے۔ پھر ان کو ان گہری اندھیریوں کی تہوں میں سے کون نور کی طرف لا سکتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی ظلمات جہنم بن کر ہمیشہ جلاویں گی۔

اگر ذرا بھی انصاف ہو اور کچھ بھی فہمِ سلیم ہو تو کسی عیسائی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار اور عداوت کی گنجائش نہیں کس لیے کہ آپ اصل عیسوی مذہب کے سرِ مو مخالف نہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر، نہ حواریوں کے خلاف۔ ہاں اگر خلاف ہیں تو ان ہی زیادتیوں میں جو مسیح علیہ السلام کے بعد لوگوں نے دینِ عیسوی کا جزو قرار دے لیں اور پھر اندھے مقلد بن کر ان کی تحقیقات اور سمجھنے میں کوشش کرنا ممنوع قرار دے لیا۔ روشن دماغ عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ عیسوی کا مصلح سمجھتا ہے۔

حکایت: ایک بار ایک بوڑھے پادری سے سفر میں ملاقات کا اتفاق پڑا۔ مذہبی گفتگو بھی چھڑ گئی۔ کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور تثلیث پر بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ پادری صاحب نرم دل اور خدا ترس تھے آخر کار ہر بحث میں اقرار کر دیا کہ یہ تینوں مسئلے حواریوں کے عہد تک نہ تھے اور نہ ان پر نجات موقوف ہے۔ اگر ہوتی تو خدا تعالیٰ ان احکام کو اگلے نبیوں اور ان کی نجات یافتہ جماعت پر ضرور ظاہر کرتا اور اسی طرح

ان کا شہرہ ہوتا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے۔

پھر میں نے کہا اب تمہارے نزدیک نجات کس اعتقاد پر موقوف ہے؟ کہا خدا تعالیٰ اور روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر۔ میں نے کہا ہر مسلمان ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے پھر فرمایئے ہماری نجات میں کیا کلام ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا آپ کے نزدیک ہماری نجات میں کلام ہے؟ میں نے کہا کہ اگر بغیر مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے کسی یہود کی نجات ممکن ہے تو بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے آپ کی نجات ممکن ہے، اس نے سر نیچا کر لیا اور کہنے لگا ہم ضرور محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کا نبی ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس کو برا کہیں، نہ ہم کو اس کی کوئی انجیل ہدایت کرتی ہے بلکہ بغور دیکھو تو یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مسیح (علیہ السلام) کے مذہب کے لیے ریفارمر ہیں اور ایک زمانہ آتا ہے کہ سب عیسائی اس ریفارمر کی طرف متوجہ ہوں گے۔ [۱]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷﴾ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ ع

اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بھی بلایا جا رہا ہو اور اللہ (ازلی) ظالم کو تو ہدایت نہیں کرتا (اور) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار) کر بجھا دیں۔ اور اللہ تو اپنا نور پورا ہی کر کے رہے گا منکر پڑے برا مانا کریں (اور) وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے مشرک اگرچہ پڑے برا مانا کریں۔

ترکیب: و یعطف الجملۃ اوللاستیناف۔ من مبتداء اظلم مع المفصل علیہ وصلتہ خبرہ وھو یدعٰی قراء الجمھور یدعٰی من الدعاء مبنیا للمفعول وقری من الادعاء مبنیا للفاعل وانما عدی بالی لتضمین معنی الانتماء والانتساب والجملۃ حال من فاعل افتری واللہ الجملۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا یریدون جملۃ مبتیۃ لغرضھم من الافتراء لیطفؤا منصوب بان مقدرۃ واللام موکدۃ مزیدۃ دخلت علی المفعول لان التقدیر یریدون ان یطفؤا (قال ابن عطیہ) والاطفاء الاخماد واصلہ فی النار واستعیر لما یجری مجراھا من الظھور والمراد من النور القران اوالاسلام اوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنور اللہ استعارۃ تصریحۃ والاطفاء ترشیح واللہ مبتداء متم نورہ الخ خبرہ قراالجمھور متم نورہ بالاضافۃ وقری بالتنوین واعرابھما ظاہر۔ وبالھدی حال من رسولہ لیظھرہ ای یغلبہ واللام متعلقۃ بارسل الدین المراد بہ الجنس ای الادیان ولذا صح تاکیدہ بکلہ ولو الجملۃ مقررۃ لماقبلھا۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ جب وہ رسول کہ جس کے آنے کی خبر چلی آتی تھی ان لوگوں کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو اس کو جادو کہنے لگے۔

[۱] انبیاء علیہم السلام جو خیر خواہ خلق ہیں ان کے لیے لوگوں نے جو کچھ سلوک کئے وہ ظاہر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا مگر جو لوگ دنیا میں ان کے نام لیوا ہیں کسی قدر حصہ ان کو بھی مل کر رہتا ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کی تفسیر لکھ رہا تھا کہ کسی نے زہر دیا اور اس کے کئی روز تک جو کچھ تکلیف اور سختی طاری رہی وہ اس وقت کے دیکھنے والوں سے دریافت کرنی چاہیے کس لیے کہ میں تو بیہوش تھا اور آج پانچواں روز ہے اب تک حالت اصلی نہیں عود کر آئی۔ للہ الحمد کہ یہ ہیچکارہ بھی اس زمرے میں داخل کیا گیا۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۲ ہجری۔ ابھی چند روز کا عرصہ گزرا کہ مولانا مولوی محمد لطیف اللہ صاحب مدظلہ کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ ۱۲ منہ

اب فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ظالم اور جفا کار ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی آیات کو سحر کہے اور اس کے لیے بیٹا اور جورو قرار دے حالانکہ اس کو کسی بری بات کی طرف نہیں بلایا جاتا بلکہ اسلام کی طرف۔ یہ جفا کار، ہٹ دھرم لوگ ہدایت کا منہ نہیں دیکھیں گے محروم رہیں گے اور رہتے ہیں۔

توضیح:۔ دنیا میں جس قدر مذاہب موجود ہیں یا تھے خواہ ان کی اصل من اللہ تھی اور بعد میں لوگوں کے خیالات نے اس پر قلعی کر کے ان کی اصلی صورت بدل دی یا وہ سرے سے جاہلانہ خیالات اور اوہامِ باطلہ کا ایک مجموعہ تھا جب ان سب کو حقانی مذہب سے جس کو اسلام کہتے ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں گے تو ان میں سینکڑوں جھوٹی اور خیالی آمیزشیں ملیں گی جن پر ان مذاہب کے مروجین نے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضی اور نجات و عذاب کو منحصر کیا ہے یہی وہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ عیسوی مذہب کو دیکھو۔ تثلیث اور کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور اسی طرح عشاءِ ربانی اور اصطباغ کا مسئلہ اور ان کے بعد پوپوں کے سینکڑوں ڈھکوسلے ایسے ہیں کہ جن پر وہ لوگ نجات کا مدار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہنود نے گائے کی پرستش اور برہما بشن ہمیش کے سوا اور سینکڑوں غیر مرئی چیزوں کی الوہیت و نافع وضار ہونے کی عقیدت اور خودکشی اور تغیرِ ہیئت جو ان کے جوگیوں اور گسائیوں کا دستور ہے اور گوشت کا ترک اور بتوں کی پرستش اور سینکڑوں دوراز قیاس افسانے جو ان کی کتابوں وید اور پرانوں کا سرمایہ ہے نجات اور مکتی اور سعادتِ دارین کا باعث اور نارائن کی خوشنودی کا سبب قرار دے رکھا ہے۔ اسی طرح عرب کے جاہلوں کے سینکڑوں غلط دستور اور بہت سے جھوٹے افسانے تھے جن کو مرضیِ الٰہی کا مدار بنا رکھا تھا۔ کہیں کہتے تھے کہ ہمارا فلاں بت قیامت کے روز ہم کو جہنم سے بچالے گا اور فلاں کو رزق وارزانی کا مختار کر رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس اس انسان کی یہ محنتِ شاقہ اور یوں رائیگاں گویا پانی کی باڑ آخرت میں نجات کے بدلے عذاب کا باعث ہے۔ اس لیے اس رحیم کریم نے دنیا میں وہ رسول بھیجا جو اس اہم مسئلہ کو حل کر دے اور توہمات و تخیلاتِ باطلہ کو دور کر کے مرضیاتِ الٰہی اور نجات و سعادتِ انسانی کا سیدھا رستہ دکھائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پورا کر دیا اور اس سیدھے رستے کا نام خدا تعالیٰ نے اسلام رکھا جس کے ظاہری معنی خدا کی فرمانبرداری اور اس کے آگے گردن جھکانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ پھر افسوس پر افسوس کہ جب اس گم گشتۂ وادیِ توہمات کو اس سیدھے رستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس کو نئی بات جان کر چونکتا ہے اور اس پرانے دستور مالوف کا چھوڑنا شاق جانتا ہے اگر اس کو خدا نے چراغِ توفیق عطا کیا ہے تو وہ ادھر سیدھا چلا آتا ہے ورنہ اسی داعی کے مقابلے میں ان جھوٹے افسانوں اور تخیلاتِ فاسدہ کو پیش کرتا ہے درحقیقت اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا اور اس کو ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ یہ ہیں معنی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ کے اسی قدر پر بس نہیں بلکہ اپنے اس ناقص اور قابلِ ترک مذہب کے غالب کرنے کے لیے اس آسمانی طریقے کو جس کو پچھلا نبی دنیا میں لایا جو اس پر آشوب تاریکی اور پرخطر ظلمات کے لیے نور یعنی شمع ہے اس کو بجھانا بھی چاہتے ہیں یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ اور بجھانا بھی کاہے سے بافواھھم اپنے منہ سے پھونکیں مار مار کر بافواھھم میں اشارہ ہے کہ وہ جو منہ سے من گھڑت افسانے بیان کرتے ہیں اسلام کے مقابل جس کو افتراء علی اللہ کہنا چاہیے ان منہ کی نکلی باتوں سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر کیا وہ ان سے مٹ سکتا ہے؟ کیونکہ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اللہ تو اپنی روشنی پوری ہی کر کے رہے گا اس کے منکر شپرہ چشم گو نہ چاہیں۔

یہ بات صادق آئی اور اس آسمانی شمع پر جس کا کتاب یسعیاہ کے ۴۱۔۴۲۔۶۱ بابوں میں اشارہ ہے۔ اس وقت کے مخالفوں کے پھونکنے سے نہ بجھی بلکہ وہ خود جل جل کر مر گئے اور یہ شمع اس قدر روشن ہوتی گئی کہ تمام برِ عرب سے بھی اس کی روشنی نکل کر شام و ایران و خراسان و ممالیک یورپ و ایشیا و افریقہ تک پہنچی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں ان کی سچی کوششوں کی چمنی نے اس کو حفاظت میں رکھ کر اور بھی تیز کر دیا، اندھوں نے رستہ پایا، راہِ راست صاف دکھائی دینے لگی۔ ان کے بعد جو تند ہوائیں اس پر چلیں وہ اہلِ تاریخ سے مخفی نہیں۔

باہمی قتال وجدال پھر حرب صلیب کا فتنہ کہ صدیوں تک تمام عیسائیوں نے مل کر زور مارا اور کوئی دقیقہ اس کے گل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر آخر وہی جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر چنگیز خانی مغلوں کا حملہ جس نے بغداد جیسے دار اسلام شہر کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے کتب خانوں کی سیاہی سے دجلہ کا پانی سیاہ ہوا۔ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں، تب بھی کچھ نہ ہوا۔ نہ قرآن میں ایک حرف کی کمی زیادتی ہوئی، نہ اصول اسلامیہ میں فرق آیا، نہ اس کے علوم مندرس ہوئے اور اب بھی مخالف کوئی کمی نہیں کر رہے اور برائے نام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ کہیں نیچری بن کر اس پر حملہ کیا، کہیں تعزیہ پرستی، گور پرستی اور صدہا رسم و رواج کو جزوِ اسلام بنا کر اس شمع کے گل کرنے کا کافی بندوبست کیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ اب اس شمع کی روشنی امریکہ اور یورپ کے دور دراز ملکوں تک بھی جا پہنچی۔ چین وجاپان میں بھی پرتو اڈال دیا۔

یہ شمع چونکہ آسمانی شمع ہے اس کو کون بجھا سکتا ہے اس بات کو اس آیت میں یہ بیان فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کا۔ کہ اللہ نے دنیا میں اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے یعنی ان غلط آمیزش کے مذہبوں کو بے رونق کرے۔ ایسا ہی کر دیا کوئی مذہب بجز اسلام دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک توہماتِ جاہلانہ سے پاک نہیں اور یوں بھی جہاں اس مذہب کے پاک اصول بیان کئے جائیں اور اس کے مقابلے میں دوسرے کے بھی تو یہی غالب آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ ممالکِ افریقہ میں اور دیگر بلاد میں بغیر کسی کوشش کے خود بخود اسلام پھیلتا جاتا ہے اور نصرانیت شکست کھاتی جاتی ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ تمام دنیا کا مذہب اسلام ہو جائے گا اور اس کے سچے پیرو یوں بھی مخالفوں پر غالب رہے اور رہیں گے۔ ولو کرہ المشرکون مشرکین عیسیٰ علیہ السلام کے پوجنے والے پادری اور بتوں اور عناصر کے پوجنے والے ہندو آریہ وغیرہ گو برا مانیں اور زبانی قیل وقال کریں اور اگر مکر کر کے باتیں بنائیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگائیں مگر کیا ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑬

ایمان والو! کہو تو میں تمہیں ایک ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے بچالے۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو (اللہ) بخشے گا[1] تمہارے لیے تمہارے گناہ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں رکھے گا جو جنتِ عدن میں ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور ایک چیز اور بھی دے گا کہ پسند کرتے ہو وہ خدا کی مدد اور جلد فتحیابی اور مژدہ سنادے ایمانداروں کو۔

---

[1] بخشش۔

ترکیب : ھل ادلکم الخ الجملۃ نداء ھل الاستفھام ایجاب واخبار معنًی وقیل المعنی سادلکم تنجیکم الجملۃ صفۃ تجارۃ قراء الجمھور تنجیکم من الانجاء ای بالتخفیف وقریٔ بالتشدید من التنجیۃ تؤمنون تفسیر لتجارۃ وقیل استیناف کانھم قالوا کیف نعمل فقال تؤمنون باللہ وھو خبر فی معنی الامر و یجوزان تکون فی موضع جر علی البدل اوفی موضع رفع علی تقدیر ھی وان محذوفۃ ولما حذفت بطل عملھا وتجاھدون عطف علٰی تؤمنون ان کنتم شرط جوابہ محذوف فافعلوہ یغفر مجزوم اما ھو جواب شرط محذوف دل علیہ الکلام تقدیرہ ان تؤمنوا یغفر لکم واما ان تؤمنون بمعنی آمنوا الخبر بمعنی الامر ھذا قول الزجاج و المبرد واما انہ جواب لما دل علیہ الاستفھام والمعنی ھل تقبلون ان دلکم واما انہ جواب استفھام علی اللفظ ھذا قول الفراء ضعفہ بعض وصوبہ الفخر الرازی فی تفسیرہ ویدخلکم معطوف علی یغفر لکم ومساکن جمع مسکن منصوب لکونہ معطوفاً علی جنت واخریٰ منصوب علی تقدیر ویعطیکم اخریٰ ای نعمۃ اخریٰ۔ اوعلی تقدیر تحبون المدلول علیہ تحبونھا وقال الفراء والاخفش ھی معطوفۃ علی تجارۃ فھی فی محل جرای وھل ادلکم علی نصلۃ اخریٰ وقیل ھی فی محل رفع ای ادلکم نصلۃ اخریٰ۔ نصر۔ وفتح خبر مبتدأ محذوف ای ھی۔ وبشر معطوف علی محذوف ای قل وبشراہ دعلی تؤمنون بمعنی آمنوا۔

تفسیر : اگلی آیت میں تھا کہ اللہ اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کرے گا اس میں اشارہ تھا کہ عالمِ بالا دنیا پر ایک آسمانی سلطنت قائم کرنے والا لشکر تیار کرنے والا ہے جس سے اس نور کو بجھانے والوں کو زیر کیا جائے۔ اس لیے ان آیات میں ایک بڑے اجراور بیش بہا تنخواہ پر جو دنیا و آخرت کی سعادت کو شامل ہے اعلان دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اس ضروری کام سے پہلو تہی کرنے پر عذابِ الیم کا خوف بھی دلاتا ہے تا کہ بڑی مستعدی کے ساتھ ایک لشکرِ جرار تیار ہو جائے جو دنیا کو تمام نجاستوں سے پاک کر دے۔ یا یوں کہو انسان اس دنیا میں ناحق نہیں آیا ہے بلکہ اس عمرِ گراں مایہ میں کچھ حاصل کر کے ایک ابدی جہان میں جانا ہے اس بات کو خدا تعالیٰ اس پیرائے میں بیان فرماتا ہے کہ انسان تاجر ہے مگر تجارت کرنا نہیں جانتا۔ ہم اس کو تجارت سکھاتے ہیں۔ فقال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اے ایماندارو! لوتم کو میں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ تجارت ایک شے کا دوسری شے سے معاوضہ۔ تجارت میں دو چیز ہوا کرتی ہیں ایک مال جس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ دوسری وہ چیز جس کو خریدتا ہے اور تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی اور عقلا کے نزدیک وہ تجارت کہ جس میں ضرر کا احتمال بھی نہ ہو اعلیٰ درجے کی ہے اور اس پر اور بھی خوبی ہو کہ جس سے وہ چیز خریدی جائے وہ اپنی طرف سے معاوضے کی چیز کے سوا کچھ اور بھی دے۔ اس جگہ سب سے پہلے دفعِ مضرت کا ذکر کر دیا۔ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ عذاب الیم جو انسان کو اس گرانمایہ زندگی کے عبث اور بیکار گناہوں کے کاموں میں صرف کرنے سے ہوتا ہے اس سے تم کو یہ تجارت نجات دے گی۔ بڑا خسارہ انسان کے لیے آخرت میں عذابِ الیم کا ہے سو اس دغدغہ سے پہلے ہی اطمینان کر دیا کہ اس تجارت میں گھاٹا ہی نہیں۔ اس کے بعد تجارت کے لیے مال بیان فرماتا ہے۔ تؤمنون باللہ ورسولہ کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو برحق جانے گا اور ان کو مانے گا تو فرشتوں اور قیامت اور اس کے سب رسولوں اور کتابوں کو بھی برحق سمجھے گا اور ان کے تمام اقوال کی تصدیق کرے گا جو تکمیلِ قوتِ نظریہ کو حاوی ہے۔

شبہ: یاایھا الذین آمنوا سے معلوم ہوا کہ آیت میں ایمانداروں سے خطاب ہے۔ پھر جو ان کو تؤمنون باللہ ورسولہ فرمایا پھر کیا وہ اللہ اور رسول پر ایمان نہ لائے تھے تو ان کو مومن کیوں کہا؟ اور اگر لائے تھے تو پھر اس کی کیا ضرورت کہ بار دگر ایمان لائیں؟

جواب: ایمانداروں سے خطاب تھا مگر بار دگر جو فرمایا کہ ایمان لاؤ تو اس سے اس پر دوام وثبات مراد ہے یعنی اس ایمان پر ہر وقت قائم رہو۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ کسی کام کے کرنے والے کو جو کہا جاتا ہے کرتے رہو تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خوب عمدہ طرح سے اور مضبوطی سے ہمیشہ کرو غافل نہ ہو جاؤ۔ ایمان ایک بڑا بیش بہا جوہر ہے اس کے چور بھی بہت ہیں اس لیے بار بار تاکید ہوتی ہے کہ اپنی جیب

کو دیکھتے رہو۔ ہر گھڑی اس کی تصدیقِ قلبی پر نظر کرلیا کرو۔ بعض مفسرین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ آمنوا کے لفظ سے منافقوں کو خطاب ہے۔ وہ بظاہر مومن تھے اس لیے ان کو باطن میں بھی ایمان لانے کی تاکید کی۔ یہ اس تجارتی نقد کا ایک حصہ تھا۔

مراتب جہاد کے: اب دوسرے کو بیان فرماتا ہے۔ تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ یہ جملہ تکمیلِ قوتِ عملیہ کے لیے بڑا وسیع المعنی جملہ ہے کس لیے کہ جہاد کے کئی مرتبے ہیں۔ **اول مرتبہ۔** اول اپنے نفسِ سرکش کا مقابلہ مال سے اور جان سے۔ مال سے اس طور کہ طمعِ نفسانی نہیں چاہتی کہ نیک کاموں میں کچھ خرچ کرے۔ اقارب' یتامیٰ مسافر آفت زدے اس کے ہاتھ کو تکتے ہیں۔ نفس ہے کہ دور اندیشوں کی مہیب صورتیں دکھا دکھا کر اس کے ہاتھ کو روکے لیتا ہے۔ اب اس کو لازم ہے کہ اس نفسِ بد کا مقابلہ کرے یا وہ نیک اور مفید کام جو قوم یا بنی آدم کے لیے نافع اور اس کے یادگار رہوں گے ان میں دینے سے روکتا ہے یا برے کاموں میں ناچ، تماشے، رنڈی بازی، شراب خوری، جوا، تھیٹر کا تماشا، میلے ٹھیلے، اربابِ نشاط کے جلسے، نمود اور تجمل کے کارخانے دوسروں کی ایذارسانی وغیرہ وغیرہ بیہودہ کاموں میں صرف کرنے کو نفس خبیث ابھارتا ہے۔ وہاں اس کو روکنا اور سخت مقابلہ کر کے شکست دینا چاہیے۔ مال سے زیادہ جان عزیز ہے اس لیے اموالکم کے بعد انفسکم کا لفظ آیا۔ جان کا جہاد اس مرتبہ میں یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ سے روکے اور عبادات' ریاضیات اور عمدہ کاموں میں اس کو لگا دے۔ یہ نہیں کہ شترِ بے مہار کی طرح جس طرف اس کا نفسِ خبیث لے جائے دوڑا چلا جائے۔ **دوسرا مرتبہ:** دوسرا مرتبہ حجابِ ظلمانیہ کو اٹھا کر انوارِ قربِ الٰہی میں مراقبہ' ذکر' فکر' اشغال بالعبادات سے آگے قدم رکھنا اور اس رستے میں جس قدر دشمن سامنے آئیں شمشیرِ ہمت سے ان کو مار بھگانا اخیر مرتبہ جس کو اس جہاد کی شہادت کہتے ہیں یہ ہے کہ اپنی ہستی کو اس باقی کی ہستی میں فنا کر دے جس کے بعد اس کو حیاتِ جاودانی اور بقائے سرمدی عطا ہوتی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ اس تکمیلِ نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا ہے۔ اس میں جان اور مال سے کوشش کرنا' بدراہوں کو نرمی اور لینت سے راہ پر لانا' ان کی ہدایت کے رستے کھولنا' آخر کار جو کجرو اور بدنہاد اس راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں ان کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا، مال سے لشکر کے سامان تیار کرنا، جان سے لڑنا یہ جہادِ شرعی ہے اس کے شہید کے بھی بڑے مرتبے ہیں وہ بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اس کے بعد اس تجارتی مال کو بیان فرماتا ہے جو ان دونوں مالوں سے خریدا گیا ہے۔ فقال یغفر لکم ذنوبکم تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ لکم کے لفظ نے یہ بھی فائدہ دیا کہ یہ تمہارے گناہ کسی کے واسطے یا وسیلے سے نہیں بلکہ تمہارے لیے بخش دیے جائیں گے۔ رہی شفاعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کے حق میں گناہوں کے معاف کرانے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اور زیادہ انعام واکرام عطا کرانے کے لیے۔ دوسری بات ویدخلکم کہ تمہیں ایسی بہشتوں میں بسا دیں گے کہ جہاں نہریں جاری ہیں اور عمدہ مکانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے آگے دنیاوی بادشاہوں کے محل بے حقیقت ہیں۔ مال بھی دو قسم کے تھے اس کے بدلے میں چیزیں بھی دو دیں۔ اب اپنی طرف سے ایک اور تیسری چیز عطا فرماتا ہے واخری الخ مددِ الٰہی اور فتح جس کو ہر ایک پسند کرتا ہے ہر مرتبے کے جہاد میں فتح اور مددِ غیبی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے دشمنوں پر کیسی کیسی جلد فتح یابی حاصل کی۔ یہی مضمون قرآن میں ایک اور آیت میں بھی آ چکا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ اس مبارک سودے کا مژدہ اے نبی ایمانداروں کو دے دے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

لِلْحَوَارِيّنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ؀ۧ

ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے حواریوں سے کہا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ تب ہم نے ایمانداروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔

ترکیب : انصار اللہ۔ الانصار (جمع نصیر کشریف واشراف) منصوب لکونہ خبر کونوا قرئ انصار اللہ بالتنوین و بالاضافۃ والرسم یحتمل القرائتین کما ہ الکاف فی موضع نصب علی اضمار القول ای اقول لکم کما قال وقیل ہو محمول علی المعنی اذ المعنی انصروا اللہ کما نصر الحواریون عیسیٰ بن مریم الی اللہ ای من یکون معی فی نصرۃ اللہ لیطابق السوال وحواری الرجال صفیہ وخلصآء من الحور وہو البیاض الخالص۔

تفسیر : اس تجارت کے بعد صاف صاف لشکرِ آسمانی میں داخل ہونے کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں ایک پہلی قوم سے تشبیہ پیدا کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ کہ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ۔ اللہ پاک و بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی کچھ بھی حاجت نہیں لیکن مراد یہ کہ دین الٰہی کے پھیلانے اور اس کی تعمیل میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ۔ اس کام کے لیے کمر باندھ کر تیار رہو۔ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ ایسے سرگرم ہو جاؤ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں تو قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔ حواری بول اٹھے کہ ہم ہیں اللہ کے کاموں میں آپ کے مددگار۔ حواری کا لفظ عربی زبان میں حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اس لیے دھوبی کو بھی حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑے سفید کرتا ہے اور مددگار اور خالص دوست کو بھی جس کے دل میں محبت و نصرت کی سفیدی یعنی روشنی ہے اور یہ جمع نہیں بلکہ بروزن حوالی ہے جو کثیر الحیل کو کہتے ہیں جمع اس کی حواریون ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں کو جو اول اول ان پر ایمان لائے اور یار و مددگار ہوئے اس لیے حواری کہتے ہیں نہ اس لیے کہ وہ دھوبی تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ ان بارہ شخصوں کے نام یہ ہیں۔ شمعون جو پطرس کہلاتا تھا اور اس کا بھائی اندریاس زبدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا فلپوس اور برتھولا۔ تھوما اور محصول لینے والا متی۔ حلقا کا بیٹا یعقوب۔ اور لبی جو تہدی بھی کہلاتا۔ شمعون کنعانی اور یہودا اسکریوتی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔ (انجیل متی باب دسواں)۔

یہ بنی اسرائیل تھے ان میں سے کچھ ماہی گیر تھے یا یہ کہ ماہی گیری کرتے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بلایا جیسا کہ انجیل متی کے چوتھے باب میں پہلے چاروں حواریوں کی بابت مذکور ہے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے اول قبول کیا اور حضرت کی ہمدردی و محبت میں نہایت سرگرم اور مستعد اور مخلصین تھے۔ چنانچہ متی کے دسویں باب میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی باتیں کیں کہ پہلے اسرائیل کی بستیوں میں جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی، سامانِ سفر کچھ ساتھ نہ لو اور میں تمہیں بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں لوگ تمہیں کوڑے ماریں گے، عدالتوں کے حوالے کریں گے۔ میرے نام کے سبب تم سے سب دشمنی کریں گے۔ پر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔ یہ خیال مت کرو کہ میں صلح کرانے آیا ہوں نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں[1]

[1] اس تلوار چلانے کے لیے لشکر درکار تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے ۴۱ باب میں وعدہ کیا تھا۔ ۱۲ منہ

کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹے کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے جو کوئی ماں باپ بیٹے بیٹی کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی صلیب[1] اٹھا کر میرے پیچھے نہیں آتا وہ میرے لائق نہیں جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے وہ اسے کھوئے گا اور جو میرے واسطے اسے کھوئے گا وہ پائے گا۔ جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے۔ انتہیٰ۔

اسی کے مطابق ان حضراتِ حواریین نے کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ملک یہودیہ میں بھی منادی کرتے پھرے۔ پھر سریا کے علاقوں میں سے گزر کر یونان اور روم کے شہروں میں پہنچے اور سفر کی اور لوگوں کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور طرزِ معاشرت بھی درویشانہ ہی تھا۔ کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے ان میں اس خلوص کی بدولت خدا تعالیٰ نے کرامت بھی دی تھی۔ ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتے تھے اور ہر طرح کے کرامات و برکات لوگ دیکھتے تھے۔ آخر لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر دینِ عیسوی کو خوب پھیلا دیا جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے۔ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ۔ کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان لے آئے اور بہت سے منکر رہے مگر حواریوں کی کوشش اور جانکاہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بحری اور بری بہت سے ممالک نے مذہبِ عیسوی قبول کر لیا اور اس عرصے میں گھر گھر لڑائی اور جنگ کی آتش بھی شعلہ زن ہوئی مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا۔ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۔ یہ بات اور ہے کہ پھر ان عیسوی لوگوں میں اصلی دین محرف ہو گیا۔ ان آیات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتا ہے کہ تم بھی اشاعتِ اسلام کے لیے ویسی ہی کوشش کرو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو پچھلے نبی تھے جو حضرت عیسیٰ و موسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کے رستے کے پتھر اور کانٹے صاف کرنے آئے تھے اور قومیں جو اگلے انبیاء کی مخالف تھیں ہیں اب تو یہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے نام لیوا یہود و نصاریٰ ہی سب سے بڑھ کر دشمن ہو گئے کس لیے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بعد جو کچھ دینِ حق میں ان کے درویشوں اور مولویوں نے ملونیاں ملا کر معجونِ مرکب بنایا جو حق کے سراسر خلاف تھا اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک جان دینے سے بھی مشکل تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں تلوار چلانے اور باپ بیٹے ساس بہو میں جنگ کرانے آئے۔ چنانچہ مکہ میں ظہورِ اسلام سے لے کر فتح مکہ تک یہی حال رہا۔ بدر کی لڑائی میں ایک بھائی ایک طرف تو دوسرا دوسری طرف تھا۔ بیٹا ادھر تو باپ اُدھر تھا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا اس کے ساتھ اس کے رقیبوں اور پرانے دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کی ایک عمدہ جماعت اس کام کے لیے منتخب کی اور پھر ایک عمدہ انتظام سے ان کو مختلف خدمات پر مامور کیا۔ کچھ قراء تھے تو کچھ قوموں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے اور بوقتِ جنگ سپاہی تو سب ہی تھے۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جو کچھ انہوں نے اسلام کے لیے جانثاری کی اور آنحضرت ﷺ کو بحکمِ حدیث لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیه من ولده و والده والناس اجمعین (متفق علیہ) ایسا ہی محبوب سمجھ کر فرمان و لیبلغ الشاهد الغائب پر عمل کیا اور فقر و فاقہ بھی اٹھایا اور ان کے بے شمار کرامات دنیا نے دیکھیں اور پھر تابعین و تبع تابعین کی کوششوں نے ادھر سپین اور یورپ و افریقہ کے ممالک تک ادھر ہندو چین ایران و ترکستان تک اس سرعت کے ساتھ اسلامی جھنڈا بلند کیا جو عیسائیوں اور حواریوں سے صدیوں تک نہ ہو سکا[2]۔ اس فرق بلکہ تفوق کو عیسائی مؤرخ بھی تسلیم

---

[1] صلیب سولی یہ ایک محاورہ ہے کہ مرنے سے نہ ڈرے بلکہ سمجھ لے کہ سولی دیا جاؤں گا اور سولی بھی آپ ہی اٹھائے۔ پھر ایسا مرنے کو تیار ہو جیسا کہ کہتے ہیں کفن سر سے باندھ کر میرے ساتھ آئے۔ ۱۲ منہ

[2] صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے خاص اسلام کے لیے عرب کے ریگستان سے نکل کر سفر کیا۔ چین تک ادھر اندلس تک پہنچے۔ ترکِ دنیا' توکل اور ان کی ←

کرتے ہیں۔ سر ولیم میور صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو اگر محمد (ﷺ) کے پیرووں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکاروں کو ان سے کچھ بھی رتبہ نہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں نے حواریوں کا مثل ہونے سے بڑھ کر کام کیا کہ ان سے بھی زیادہ بڑھ گئے مگر آج کے علماء و مشائخین و امراء کیا کر رہے ہیں؟ ہندوستان کے علماء سے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے دیہات و قریات میں پھر کر شرائع اسلام کی تعلیم کرتے، رسومِ قبیحہ سے روکتے اور مشائخین و امراء مدد دیتے پھر غیر مذہب والوں کا ہدایت کرنا تو دوسری بات ہے۔ افسوس باہمی جزئیاتِ مسائل پر کیسے جھگڑے اور اصول سے کیا بے خبری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے (ہر وقت) اللہ کی تقدیس کرتے ہیں جو بادشاہ قدوس (اور) زبردست حکیم ہے۔ وہ ہے کہ جس نے ان پڑھوں[1] میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور دوسروں کے لیے بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب : الملك القدوس العزيز الحكيم مجرور علٰی انه صفة لله وقریٔ بالرفع علی الاستيناف والجمهور علی ضم القاف من القدوس وقریٔ بفتحها وهما لغتان۔ منهم صفة رسولا اوحال وكذا ما بعده يتلوا ويزكيهم ويعلمهم وان مخففة من الثقيلة واسمها محذوف ای وانهم واللام لفی دليل عليها وآخرين مجرور عطفاً علی الاميين ای بعثه فی الاميين الذين فی عهده وبعثه فی آخرين منهم لم يلحقوا بهم الی الآن او منصوب علی انه عطف علی الضمير المنصوب فی يعلمهم ای ويعلم آخرين او انه عطف علی مفعول يزكيهم ای ويزكی آخرين ولما يلحقوا صفة لاخرين۔

تفسیر : قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں سب متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس سورہ کی بابت یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں۔ مسلم و سنن اربع کے مصنفوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہ سورہ اور سورۂ منافقین پڑھتے سنا ہے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ

← کرامات کو اگر کچھ بھی لکھوں تو ایک دفتر کافی نہ ہو۔ دلائل النبوۃ اور شواہد النبوۃ وغیرہ کتابیں دیکھو اور اولیاءِ کرام کے تذکرے سنو تو حیرت ہو تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں کا موازنہ نہ کر سکو گے۔ ۱۲ منہ

[1] ان پڑھ قوم سے مراد عرب ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے سوا اور آیندہ آنے والی قوموں کے لیے بھی خواہ عرب کی نسلوں میں سے یا اور قوموں میں سے ہوں۔ ۱۲ منہ

وسلم قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰه پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ مسلم اور اہلِ سنن نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ واذا جاءک المنافقون پڑھتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ دین واطاعتِ الٰہی میں ہمیشہ سرگرم اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی مدد واعانت اور دینی استقامت کی حاجت ہے یا کوئی اس کا اس سے فائدہ ہے یا دفعِ مضرت ہے اس لیے ان خیالات کا ابطال اول سورہ میں کرتا ہے۔ فقال یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی ہر وقت پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کو کسی کی بندگی واطاعت کی کوئی ضرورت نہیں اب جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف تمہاری بھلائی کے لیے۔ پہلی سورت میں سبح بلفظ ماضی ذکر کیا تھا یہاں یسبح بلفظ مضارع تا کہ تجدد ودوام پر دلالت کرے۔ مضارع کے صیغے جیسا کہ تجدد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ہمیشہ کرنے پر بھی بقرائن یہ بھی ایک وجۂ مناسبت اگلی سورہ سے ہے۔ تسبیح کے معنی اور یہ کہ آسمان اور زمین کے رہنے والے کیونکر اس کی تسبیح کرتے ہیں (بزبانِ حال وبزبانِ مقال) اس کو ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں۔ اس جملے میں پہلے خیال کا ابطال ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے۔ ہر چیز کی قدرتی بناوٹ اور اس کے حالات کا تغیر اپنے خالق کی یکتائی وبزرگی بیان کر رہا ہے جس کے کان ہوں سن لے آنکھ ہو دیکھ لے، دل ہو سمجھ لے۔ اسی بات کو ایک جگہ فرماتا ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم۔ اس کے بعد فرماتا ہے الملك وہ بادشاہ بھی ہے یعنی غنی اور بے پروا ہے اس کے معنی واجب الوجود کے قریب قریب اس موقع پر مراد ہیں۔ کس لیے کہ بادشاہت بغیر جمع ہونے تمام کمالات واسبابِ سلطنت کے حاصل نہیں ہوتے اس سے اشارہ ہے نبوتِ صفاتِ عالیہ کی طرف جس میں دوسرے خیال کا رد ہے القدوس یعنی پاک ہے اس میں تیسرے خیال کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی مضرت و نقصان اس کی ذات پاک کی طرف عائد نہیں ہوسکتا۔

خیالات کے ابطال کے سوا الفاظِ قرآنیہ میں ایک اور مسئلہ بترتیب بیان فرمایا جاتا ہے۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سے الحکیم تک توحید کے مسئلہ کا عجب لطف کے ساتھ ثبوت ہے کہ تمام کائناتِ علوی وسفلی اسی کی تسبیح کر رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کے مسخر ہیں۔ زمینوں کے حالات اور آفتاب وماہتاب اور دیگر ستاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی ہے جو ہم کو مجبورانہ ایک حرکت پر مجبور کر رہا ہے۔ جو لوگ کرات ہی کو باعتبارِ فوق ہونے کے سماوات کہتے ہیں اب وہ بھی غور کریں کہ آفتاب ودیگر سیارات جو زمین سے ہزاروں حصے بڑے اور کروڑوں کوس دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دور کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر یہ بیشمار ہیں آپس میں ٹکرانے نہیں پاتے [1]۔ پھر ان کی یہ حالت اپنے خالق ومالک ومدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ہزاروں روحانی وملائکہ اس کی تسبیح وتہلیل نہ کرتے ہوں۔ وہ ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق ہے جس کے ادراک سے فلسفۂ حال عاجز ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر یہ انسان کیوں بیکار اور غیر معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے، اس کو بھی اسی کی تسبیح چاہیے۔ الملك میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی حاکمِ مطلق ہے، وہی قابلِ پرستش واطاعت ہے، اسی کی نافرمانی سزا کی مستوجب کرتی ہے۔ القدوس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اوہامِ باطلہ نے خدا کے لیے تثلیث اور بیٹے بیوی اور کارکن سمجھ رکھے ہیں وہ ان سب سے پاک ہے اس میں جمیع مذاہب باطلہ کا اجمالی رد ہے۔ العزیز وہ زبردست بھی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزت وغلبہ اسی کو ہے اسی کے احکام قابلِ پذیرائی ہیں۔ الحکیم وہ حکمت والا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ دنیاوی جس طرح

---

[1] ریل گاڑیاں باوجود اس قدر محافظت اور ایسے ہنرمندوں کی کوششوں کے ہر سال ٹکرا جاتی ہیں اور مگر اس مدبر حکیم کے کرات نہیں ٹکرانے پاتے پھر اس سے زیادہ کون ثبوت اس کی توحید کے لیے ہوسکتا ہے۔ ۱۲

اس کی حکمتِ بالغہ کا مقتضی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا' کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی معاد و معاش درست کرنے کے لیے اسی حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضی ہے لہٰذا اس کے بعد مسئلۂ نبوت کا اثبات کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ کہ اسی حکیم نے امیوں یعنی ان پڑھوں میں جس سے مراد ملک عرب لیا گیا ہے انہیں میں سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث و برپا کیا مگر امیوں سے مراد تمام ممالیک ہیں کس لیے کہ جن باتوں کی تعلیم کے لیے رسول آیا ان سب کی نسبت وہ اُمی ان پڑھ اور جاہل ہی تھے اور جو کسی کو کچھ خبر بھی تھی تو اس پر سینکڑوں جہالت کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں پھر یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب کے لیے نبی تھے غلط بات ہے اور بالفرض امیوں سے مراد عرب ہی ہوں تو ان میں برپا کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اور قوموں کے لیے نبی نہ تھے بلکہ یہ ایک واقعی بات کا بیان ہے جو دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملکِ عرب میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہوئے تھے۔ کیوں رسول بھیجا یتلوا علیهم ایاته کہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنا دے۔ ویز کیهم اور ان کو اخلاقِ بد کی نجاستوں سے پاک کرے اپنی روحانی روشنی سے ان کے نفوس کو منور کرے۔ کوئی کیسا ہی پرزور واعظ ہو ہزاروں کو وعظ و پند کرے جب تک اس میں روحانی کشش اور باطنی جاذبہ نہیں کچھ بھی اثر پیدا نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو جلد زائل ہو جاتا ہے۔ وہ کیا نقش تھا جو عرب کے سخت دل' شہوت پرست' مغرور جاہلوں کے دلوں پر قائم کر دیا تھا کہ جو صدیوں تک نہ مٹا اور ان کی دنیاوی اور دینی ترقی کا رہنما بنا رہا۔ ہم نے زباں زور سینکڑوں واعظ دیکھے کہ جو بک بک کر تھک گئے پر کچھ اثر نہ ہوا مگر حضرت ﷺ نے تو پہاڑوں کو موم کر دیا اس کو رسالتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ اور صرف پڑھ کر سنا دے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ان کو ویعلمهم الکتاب۔ کتاب یعنی قرآن سکھا دے۔ والحکمة اور حکمت بھی۔ کتاب سیکھنا اور چیز ہے اور اس کے برکات سے فائض اور دل میں جگہ دینا اور چیز ہے اسی لیے الکتاب کے بعد الحکمۃ کا لفظ ارشاد فرمایا۔ حکمۃ سے بعض نے سنت کو مراد رکھا ہے۔[1]

فائدہ: تکمیل کا اول مرتبہ یہ ہے کہ کلام سنایا جائے جس کے بعد اس کے دل پر سے کثافت و جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے ان دونوں کو یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ میں بیان فرمایا۔ تیسرا مرتبہ اس اثر پذیر ہونے کے بعد یہ ہے کہ کتابِ الٰہی اس کو سکھا دی جائے۔ سکھانے اور پڑھ کر سنانے میں بڑا فرق ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ کہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور اس کے احکام کے علاوہ علل و اسباب اور مصلحتیں بھی وہ سمجھ لے ان دونوں کو یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ میں بیان فرمایا۔ حکمت کے معنی: حکمۃ کا لفظ فلاسفہ کے نزدیک حقائق الاشیاء کو ٹھیک ٹھیک طور پر جاننے میں بولا جاتا ہے اس لیے موجوداتِ خارجیہ' آسمان و زمین' انسان و دیگر حیوانات وغیرہا کے حالات جاننے کا نام حکمۃ رکھا ہے۔ پھر موضوع متعین کر کے حکمت کو تقسیم کر دیا کسی کا نام حکمۃ عملیہ کسی کا نظریہ رکھا اور پھر حکمۃ عملیہ اور نظریہ کے بھی بہت سے اقسام جداگانہ ناموں سے نامزد ہوئے۔ نظریہ میں سے فلکیات وعنصریات والٰہیات اور عملیہ میں سے تدبیر المنزل' سیاست تمدن' تہذیب الاخلاق نام قرار دیے گئے اور پھر ہر ایک کی اور بھی شاخیں ہیں۔ ریاضی اور طب پھر ریاضی کے اقسام ہیئت' نجوم' زیچ' اکر' مرایا' حساب' ہندسہ وغیرہ۔

حکمتِ شرعیہ کا بیان: شرع محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں کسی قدر تغیر کیا گیا اور آگے

---

[1] حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جو چوتھے خلیفہ تھے یہ بات ان کے بیجا طرفداروں کو بری معلوم ہوتی لگے حضرت شیخین رضی اللہ عنہما پر اتہام لگائے اور اس کے لیے انہیں تمام صحابہ کو برا بھلا بھی کہنا پڑا جس لیے وہ اس کہنے پر مجبور ہوئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکمت نہیں سکھائی نہ تزکیہ کیا نہ کتاب سکھائی اور آپ کا اثر ان سے شبنم کی طرح جلد زائل ہو گیا جس کے مخالفِ اسلام بھی قائل نہیں اور خلافِ واقعہ بات بھی ہے پھر ان مطالب کے اثبات کے لیے ان کو سینکڑوں جھوٹی احادیث و روایات بنانی پڑیں جن کو واقعہ اور تاریخ زمانہ رد کرتی ہے اور انہیں کے بھروسا وہ قرآن مجید میں تاویل کرتے اور جمہور اہلِ اسلام سے جھگڑتے ہیں۔ افسوس! ۱۲ منہ

حق اور مبدء ومعاد رسالت اور اسرار حکمة نوامیہ اور احکام الٰہیہ اور ان کے اسرار ومصالح اور تزکیۂ نفس اور اس کے متعلق امور اور اسی طرح قوانین عدل وانصاف سیاست واخلاق طہارت باطنی وظاہری کا جاننا نہ صرف دلائلِ عقلیہ سے بلکہ الہامِ الٰہی سے نبی مرسل اور اس کے سچے پیروؤں کے وسیلوں سے جاننا حکمت ہے۔ ان میں علم بالسنۃ المطہرہ بھی داخل ہے۔ دونوں حکمتوں میں فرق ہے اول کی بنیاد دلائلِ عقلیہ یا حکما کے اشراق پر ہے جس میں بیشتر توہمات اور تخیلات کو دخل ہے اور اسی لیے یہ حکمت ہر زمانے میں نیا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ آج کل کا فلسفہ اور ہیئت کچھ اور ہے اور قدیم فلسفہ اور دیگر علوم پر بڑے زور شور کے حملے ہو رہے ہیں اور شاید اس کے بعد جو زمانہ ترقی کر جائے تو اس پر بھی حملے ہونے لگیں اور یہ خیالات باطل ثابت ہو جائیں۔ بخلاف دوسری حکمت کے کہ اس میں ان امور کو دخل ہی نہیں وہ ان کدورتوں سے پاک وصاف ہے۔ زمانہ کیسا ہی بدلے پر وہ حکمت نہ بدلے گی۔ اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حکیمِ دوجہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ (متفق علیہ) کہ ایمان تو یمانی ہے اور حکمۃ تو یمانی ہے۔ یعنی میری امت میں سے جو اہلِ یمن ہیں میری حکمۃ وہ خوب جانتے ہیں یا یوں کہو کہ حکمۃِ الٰہیہ کا مدرسہ یمان ہے نہ یونان اور دراصل لفظ یمان میں یمن و برکت کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے حکمۃِ آسمانی مراد ہو سکتی ہے۔

فوائدِ حکمت : اس حکمۃ کے فضائل شرع محمدیہ میں بہت آئے ہیں۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت خیر دی گئی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کی حکمۃ میں دل پرنور روح کو سرور ابدی ملتا ہے۔ حکمۃِ یونانیہ میں انجام کار تردد وخبط اور شک وظلمات روحانیہ کے سوا کچھ نہیں اس لیے مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چند چند از حکمۃِ یونانیاں
حکمۃِ ایمانیاں ، راہم بخواں

یہ ذات بابرکات عرب جیسے اُمی اور جاہل ملک میں ظاہر ہوئی یعنی اس معلم کو ایسے سخت اور جاہل لوگ دیے گئے پھر دیکھئے کہ آپ نے ان کو حکمۃ کی تعلیم کہاں تک کی۔ مؤرخین باانصاف عرب کی اس حالت کا کہ جب آپ نے اظہارِ نبوت نہ کیا تھا اور اس کے بعد کی حالت سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد تک جو مقابلہ کرتے ہیں تو ان کو ایک سخت حیرت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والوں کے علوم برکات اور ان کی بے حد ترقیاں اور لیاقتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ آپ نے حکمۃ سکھائی ہی نہیں بلکہ حکمۃ کا دریا بہا دیا۔ اب اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی قوم کو بھی دیکھئے باوجودیکہ وہ لوگ عرب جیسے اُجڈ نہ تھے، پڑھے لکھے شائستہ بھی تھے مگر پھر ان کو حکمۃِ الٰہیہ سے کہاں تک حصہ ملا۔ کیا اسرائیلیوں کی گوسالہ پرستی اور بات بات پر سرکشی اور جلد جلد بت پرستی وبدکاری کی طرف رجوع کرنا جیسا کہ توریت سے ثابت ہے یہ نہیں کہے گا کہ عرب کے ان مقدس اور پاک باز اور مستقل اور مردانہ وفرزانہ جماعتوں سے ان کو کوئی بھی مناسبت نہیں۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ ان کے معلم تو حکیم کامل یعنی نبی مرسل قرار پائیں اور ان کے معلم حکیم کامل یعنی نبی مرسل قرار نہ پائیں۔

عرب کی حالتِ گمراہی اور دنیا کے اقوام کی ضلالت : وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کہ اس سے پہلے وہ اُمی عرب بے شک صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اس میں اسی مقابلۂ حالتِ سابقہ کی طرف اشارہ ہے۔ عرب کی پہلی ضلال مبین کی جو کچھ مؤرخین نے شرح کی اس کے ذکر کی تو یہاں گنجائش نہیں مگر اس قدر جاننا کافی ہے کہ علم وہنر سے خالی تھے، لکھنا پڑھنا بھی سینکڑوں ہزاروں میں سے کوئی جانتا تھا۔ افلاس کی کوئی انتہا نہ تھی، قزاقی اور چوری اور قتل وزنا شراب خواری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شہوت پرستی یہاں تک تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو بھی تصرف میں لاتا تھا۔ سنگدلی یہاں تک کہ معصوم بچوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام بات تھی۔ پھر سینکڑوں معبود اور سینکڑوں تھان جھنڈے پوجتے تھے۔ رمالوں کاہنوں عیاروں کے کرشموں پر ایمان تھا۔ فال وشگون پر سفر واقامت منحصر

تھی، گندے میلے وحشی بنے ہوئے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت تک تھا۔ گو پہلے عرب میں شاہانِ یمن کے ذریعے سے شائستگی ہوئی ہوگی اور علم و ہنر کی چمک ان پر پڑی ہوگی مگر اب تو چاروں طرف سے جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ملتِ ابراہیمیہ بالکل مٹ گئی تھی اور اسی طرح تمام مذاہب اور جمیع اقوام کی حالت تھی۔ مجوس کا مذہب اصل میں جو کچھ ہو مگر اب تو شہوت پرستی اور عناصر پرستی کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ اسی طرح اہلِ کتاب کی حالت خراب تھی۔ یہود توریت اور انبیاء علیہم السلام کے اصل نسخے کھو بیٹھے تھے جو بخت نصر وغیرہ بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ صرف کچھ مضامین اصل کتابوں کے باقی قصص و حکایات یا مذہبی دستورات تھے جن کو توریت وصحفِ انبیاء کہتے تھے۔ اس کے سوا ان کے اجداد کی بے ایمانیاں اور قوم کی بے ہودگی تو اس درجہ تھی کہ جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی شاکی تھے اور وہ دنیا سے شاکی گئے اور ملتِ مسیحیہ کا تو پوپوں کی بددیانتی سے اور خراب حال تھا۔ سینکڑوں فرقے تھے اور سینکڑوں جدا جدا خیالات۔ انجیل ان کے پاس بھی نہ رہی تھی۔ عجائب پرستی اور پیروں کی پرستش اور اوہامِ باطلہ کی پابندی اور معمولی دستورات کی بجا آوری ہی مذہب رہ گیا تھا۔ تواریخ کلیسا کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے۔ رہے ہنود و اہلِ چین و تتار تو اب تک بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اور صرف اس عہد کے لیے یہ آفتابِ ہدایت جلوہ گر نہیں ہوا تھا یا عرب کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ و آخرین منھم اور آیندہ آنے والے لوگوں کے لیے بھی۔ یہ مجرور ہے اس کا عطف امیین پر ہے یہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے عہد کے امی لوگوں کے لیے بھیجا اور ان کے سوا اوروں کے لیے بھی جو ہنوز نہیں پیدا ہوئے یا پیدا ہیں مگر ان میں نہیں ملے اور منصوب بھی ہو سکتا ہے تب اس کا عطف ضمیر منصوب پر ہوگا جو یعلمھم میں ھم ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو بھیجا کہ ان امیوں کو کتاب و حکمت سکھائے اور ان کے سوا اوروں کو بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے لما یلحقوا بھم۔

امام ابوحنیفہ کی بشارت : بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے یہ جملہ لما یلحقوا بھم پڑھا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر سوال کیا۔ تیسرے بار سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جو ہم میں موجود تھے ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ایمان اگر ثریا تک چلا جائے تو ان میں کے لوگ اس کو پالیں گے۔ یعنی اگر دنیا سے ایمان و خیر اٹھ کر آسمان تک بھی جا پہنچے۔ مطلب یہ کہ اس کا لینا مشکل ہو جائے تو ابنائے فارس کے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔ مقصد یہ کہ آنے والے لوگوں سے غیر عرب جمیع امم مراد ہیں خواہ اہلِ فارس ہوں یا اہلِ روم اور اسی لیے آپ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے لیے نامے لکھے (مجاہد وغیرہ سب کا یہی قول ہے) اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بالخصوص اہلِ فارس میں سے بڑے بڑے نامور اسلام میں پیدا ہوئے جن کی مساعیِ جمیلہ کی اب تک امتِ محمدیہ مشکور ہے اور یہ بشارت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ پر صادق آئی جیسا کہ جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے بھی اقرار کیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ اس کی عنایت ہے جس کو چاہے نصیب کرے۔ یہود و نصاریٰ یا کسی اور کا کیا خدا تعالیٰ کو دینا آتا ہے کہ آخر نبی اور اس کے ایسے نامور پیرو انہیں میں سے پیدا کرتا اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے کہ کس قوم میں اس خدمت کی بجا آوری کا مادہ ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٧ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ ع

ان لوگوں کی مثال کہ جن پر توریت لادی گئی پھر اس کو انہوں نے اٹھایا نہیں اس گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔ کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی کہ جس نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کیا کرتا۔ (اے محمد ﷺ) ان سے جو یہودی ہو گئے ہیں کہہ دو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ سب لوگوں کے سوا ہمیں اللہ کے پیارے ہیں تو موت کی خواہش کرو اگر تم سچے ہو اور اس کی تو وہ کبھی بھی خواہش نہ کریں گے اپنے ہاتھوں کے ان کاموں کے سبب جن کو کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ موت کہ جس سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ ضرور تم کو آ لے گی۔ پھر تم چھپی اور کھلی چیزوں کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کیا کرتے تھے وہ تم کو بتا دے گا۔

ترکیب : مثل الذین مبتدا کمثل الحمار خبرہ یحمل الجملۃ اما حال والعامل فیھا معنی المثل او صفۃ للحمار اولیس المراد بہ معنیا فھو فی حکم النکرۃ کما فی ھذا القول ولقد امر علی اللئیم یسبنی مثل القوم فاعل بئس الذین فی موضع خبر لعتا للقوم والمخصوص بالذم محذوف ای ھذا المثل ویمکن ان یکون فی موضع رفع تقدیرہ بئس مثل القوم مثل الذین فمثل المحذوف ھو المخصوص بالذم وقد حذف واقیم المضاف الیہ مقامہ۔ (ابن الصائغ) وقدر العلامۃ ابو المسعود وھذا ای بئس مثلاً مثل القوم الذین کذبوا علی ان التمیز محذوف والفاعل المفسر بہ مستتر ومثل القوم ھو المخصوص بالذم والموصول صفۃ لقوم۔ فانہ ملاقیکم الجملۃ خبر ان ودخلت الفاء لما فی الذی شبہ الشرط وقیل الفاء زائدۃ وفیہ ما فیہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اس حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضی ہے کہ اس نے رسول بھیجا تاکہ لوگوں کو پاک کرے اور علم و حکمت سکھائے اور یہ رسول عرب میں ظاہر کیا جو اَن پڑھ لوگ تھے۔ یہود کی قوم کو اپنے علم و خاندان کا بڑا گھمنڈ تھا (اور خاندانی آدمیوں کا جب اصلی کمال جاتا رہتا ہے تو ان میں یہی باقی رہ جایا کرتا ہے) ان کو اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اس کے نور سے مستفید ہونے سے عار ہوا اور کہنے لگے کہ علم و حکمت کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ جاہلوں کے سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ ہمارے لیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس قومِ بدنصیب کی اصلی حالت بیان فرماتا ہے اور ان کے علمِ بے عمل کی پوری تشبیہ دیتا ہے۔ فقال مَثَلُ الَّذِيْنَ الخ کہ ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی یعنی اس کی پابندی کی تاکید کی گئی گویا توریت کو ان پر سوار کیا گیا یا یہ معنی کہ توریت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے کیونکہ یہ حمل بمعنی اٹھانے کے نہیں بلکہ حمالہ بمعنی کفالہ و ضمان سے ہے (یہ زمخشری کا قول ہے) اور پھر انہوں نے پوری ذمہ داری نہ کی ایک گدھے کی مثال ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں پھر اس گدھے کو ان کتابوں سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ ان کے بوجھ کی مشقت اٹھا رہا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانشمند چار پایہ بر و کتابے چند

یہی حال ان یہود کا ہے۔ گدھا حیوانات میں سے بالخصوص بارکش اور بدعقل جانور ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی نہ گھوڑے خچر گاڑی چھکڑے سے۔ اور تہذیباً یہود کا نام نہ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی ایک گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے

پھرتا ہے۔ اسفار اسفر کی جمع ہے اور سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی روشنی کے ہیں۔ کہتے ہیں اسفر الصبح چونکہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے سننے والے کو علم کا نور اور روشنی بخشتی ہے اس لیے اس کو سفر کہنے لگے اور اس کی نظیر اشبار ہے جو شبر کی جمع ہے۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے علماءِ امتِ محمدیہ کو بھی سن کر ڈرانا چاہیے اور علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی گدھے شمار ہوں گے جن پر کتابیں لدی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کہ اس قوم کی جس نے آیات اللہ کو جھٹلایا یعنی یہود بری مثل ہے۔ مثل کے برے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ مثل بیجا اور نامناسب ہے بلکہ یہ تمثیل ٹھیک ہے اور ان پر چسپاں ہے مگر وہ بہت بری قوم ہے کہ جس کی یہ مثل ہے۔ آیات اللہ سے مراد آیات قرانیہ ہی نہیں بلکہ وہ دلائل بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے برحق ہونے پر دال ہیں خواہ وہ عقلیہ ہوں خواہ نقلیہ یعنی وہ بشارتیں جو ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مذکور ہیں جب ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف کیا تو ان کو جھٹلا دیا۔ یا یوں کہو کہ جب یہود نے توریت وصحف انبیاء کی ان ہدایات وتاکیدی احکام کو پس پشت ڈال دیا اور ان پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو جھٹلا دیا۔ یہ بھی ایک قسم کی تکذیب ہے لسانی نہ ہو حالی سہی۔ واللہ لایھدی القوم الظالمین ایسے متعصب لوگوں کو ہدایتِ الٰہی سے حصہ نہیں ملتا ہمیشہ بدنصیبی وخسران وضلال ہی کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔

یہود کہتے تھے کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے خاص اور پیارے بندے ہیں خواہ کچھ ہی کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل یاایھاالذین ھادوا ان زعمتم الخ کہ اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دے اگر تم کو گمان ہے کہ ہم اللہ کے خاص دوست ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب موروثی بزرگی وخلت اور دارِ آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔ تو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو تا کہ تم مرنے کے بعد عیش وآرام اپنے ادعاء کے موافق پاؤ مگر دل بڑا منصف ہے اپنے اعمالِ بد کی شامت اسے معلوم ہو جاتی ہے اس لیے وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔ وہ اس کی ہرگز تمنا نہ کریں گے اپنے اعمالِ بد کے خوف سے۔ ملزم عدالت میں جانے سے ڈرتا ہے پاک کو کوئی خوف نہیں ہوتا نیک اور باخدا لوگ جن کو دارِ آخرت کے نعماء پانے کا ان کے رب کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے مرنے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے عیش وآرام کو قید خانہ کے آب ودانہ سے کم نہیں سمجھتے مگر خدا تعالیٰ کے ملزم زبان سے لاکھ لاف ماریں مرنے سے ڈرتے ہیں یہیں کی زندگی پر مرتے ہیں۔ یہیں کے سامان واسباب پیدا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔ واللہ علیم بالظالمین۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ بدکاروں کو ابرار کے درجے نہیں دیتا البتہ نیک نسل اپنے بزرگوں کے انعام کا حصہ پاتی ہے۔ یہود اس امتحان سے بھاگ نکلے اور موت سے ڈرتے تھے اس لیے فرماتا ہے قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ کہ کہہ دے جس موت سے تم بھاگ رہے ہو آخر وہ ایک روز تمہیں آپکڑے گی اس سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مرنے کے بعد تم اس کے پاس پہنچائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں پھر وہ تم کو بتادے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے۔

ان آیات میں مسئلہ معاد بھی کس خوبی کے ساتھ بیان کر دیا اور ہدایات انبیاء علیہم السلام سے بے خبر ہونے کا نتیجہ اور ان سے مفاخر آبائی کے غرور میں سرتابی کا انجام بڑے پر اثر الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا۔ فائدہ: اسلام میں انبیاء اور اولیاء زادہ ہونا بغیر ایمان وعمل صالح کے کچھ کام نہیں آتا۔[1]

---

[1] ہنود میں برہمن ایک قوم ہے وہ بھی مدعی ہے کہ ہم برہما جی کے پوتر یعنی بیٹے ہیں۔ ہماری مکتی یعنی نجات ہر حال میں ہے۔ خیرات دو تو برہمن کو دو نیکی کرو تو برہمن سے کرو، برہمن کسی کو مارے تو اس سے بدلہ لینا روا نہیں اور قوم میں کئی بار جنم لے کر یعنی تناسخ کے میدانوں میں ٹھوکریں کھا کر نجات کے لیے برہمن کے گھر جنم لیتے ہیں۔ برہمن سے نطفہ حاصل کرنا بھی فخر سمجھا جاتا تھا۔ برہمنوں میں ایک گروہ کو پروہت کہتے ہیں۔ وہ تو اب تک ہنود کے نکاح، بیاہ و موت و سفر کے مالک ہیں اور مرنے کے بعد سرگ نرک (دوزخ بہشت) کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ مردے کے وارثوں سے کہتے ہیں اس قدر دو تو ←

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقتِ الٰہیہ کے زور پر عیسائیوں سے بھی مباہلہ کیا اور یہود سے بھی مگر وہ ڈر گئے۔ بخاری اور ترمذی اور نسائی اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کعبے میں ابوجہل کعبے کے پاس مجھ پر حملہ کرتا (جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ کعبہ میں پاؤں تو گردن مروڑ دوں) تو سب کے روبرو اس کو فرشتے اُچک لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً مرجاتے اور اپنا گھر دوزخ میں دیکھ لیتے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو نکلتے تو گھر آ کر مال واہل کچھ نہ دیکھتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞

مسلمانو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کے لیے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کا فضل (روزی) ڈھونڈو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جبکہ وہ لوگ تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) چھوڑ دیتے ہیں کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشا اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

ترکیب : اذا شرط من یوم من بمعنی فی ای فی یوم الجمعة فاسعوا جوابہ وذروا عطف علی فاسعوا الجمعة بضمتین وباسکان المیم مصدر بمعنی الاجتماع فاذا قضیت شرط فانتشروا جوابہ کثیرا ای ذکر کثیر واذا راوا شرط انفضوا جوابہ وترکوا معطوف علیہ قائما حال من المفعول فی ترکوک ماموصولة عندالله صلة خیر خبر للموصول والصلة۔

تفسیر : یہود پر تین زجر و توبیخ ہوئیں۔ اول جب انہوں نے اپنے علم و فضل کا فخر کیا اور عرب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل قرار دیا تو ان کو گدھے سے تشبیہ دی اور جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے سبب خدا تعالیٰ کے نزدیک سب

سرگ میں ورنہ نرک میں پہنچتا ہے بیچاروں کو دینا ہی پڑتا ہے۔ پھر جو چیزیں اس عالم میں مردے کو درکار ہوتی ہیں لحاف رضائی بچھونا اوڑھنا، پانی پینے کا لوٹا کٹورا وغیرہ سب پروہت جی لے کر مردے کے پاس پہنچانے کا ذمہ کرتے ہیں اگر پروہت جی کے گھر دودھ پینے کو گائے نہیں تو فرماتے ہیں گاؤ دان کرو کہ اس کی دم پکڑ کر یہ مرنے والا نرک کی جھیل سے پار جائے۔ ہر موسم کی ترکاریاں اور میوے بھی پہنچانے کے لیے لیتے ہیں۔ ہندوستان میں جب باہر سے مسلمان آئے اور ان سے ہنود کا میل جول ہوا تو لالچی مسلمانوں کے منہ میں یہ شکار دیکھ کر پانی بھر آیا اور جو ہندو مسلمان ہوئے ان کے دل میں بھی پرانا چسکا باقی تھا۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہندو تو ہمارے دام میں کیوں آنے لگے۔ وہ برہمن کا شکار ہیں۔ جاہل مسلمانوں کو گھیر و پھر تو انہوں نے بھی اپنی دینیات کو انہیں رسوم کے قوالب میں ڈھالنا شروع کر دیا کہ دسہرہ کے جواب میں محرم کا سانگ بنایا۔ دیوالی کے جواب میں شبرات کی روشنی اور آتشبازی نکالی، مردے کی روح نکالنے اور اشیائے مرغوب کو میت تک پہنچانے کا ملاں جی نے بیمہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح شادی غمی کے رسوم انہیں سے ملنے لگے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع ہو گیا۔ میت کی نعش پر سرخ دوشالہ ڈالنا بھی سیکھا پروہت کی جگہ جاہل پیر قائم ہوا۔ بوہرہ قوم میں ان کا ملاں بھائی جبرئیل کو چٹھی لکھا کرتا ہے کہ اس میت کو اتنے انار اتنے کھجور کے درخت دینا۔ ۱۲ منہ

ل انفضاض شکستہ شدن۔ صراح ۱۲

سے بہتر اور خاص دوست ہیں دارِ آخرت کی نعماء ہمارے لیے تیار ہیں تو ان کی تکذیب کی اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ چیزیں تمہیں تیار ملیں۔ تیسرا ان کا ایک اور فخر تھا کہ خدا نے ہمارے دین میں سبت (ہفتے کا دن) رکھا ہے جس کی تعظیم وحرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑے برکات ہمارے لیے ہیں مسلمانوں کے لیے یہ نعمت نہیں۔ اس تفاخر کے مقابلے میں یا اس کی جگہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن مقرر کرتا ہے جو ہفتہ اور اتوار سے بھی مقدم ہے اس لیے اس دن کی خاص عبادت کے لیے حکم دیتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا الی قولہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ کہ اے ایماندارو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کی طرف چلو اور جا کر یادِ الٰہی کرو اور سوداگری یا اور کوئی دنیاوی کام ہو اس کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ کس لیے کہ دنیا اور اس کے نعماء جن کے حاصل کرنے میں تم سرگرمی اور کوشش کرتے ہو فانی ہیں تم کیا یہاں سدا رہو گے اور کیا تمہارے کام یہ چیزیں ہمیشہ آئیں گی؟ جہاں تمہیں جانا اور وہاں جا کر سدا رہنا ہے اس کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے اور منجملہ ان کے جمعہ کے لیے چلنا اور تیار ہونا اور کارِ دنیا یہ کو چھوڑ دینا ہے۔

مباحث۔ (۱) فضائلِ جمعہ: فضائلِ جمعہ احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پچھلے ہیں مگر قیامت میں سب سے آگے رہیں گے۔ یہی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہم کو بعد میں، پھر یہ دن جمعہ کا ان پر فرض ہوا وہ اس میں جھگڑے اللہ نے ہم کو بتا دیا۔ سب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہود اس کے ایک روز بعد نصاریٰ ان کے ایک دن بعد[1] (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب دنوں سے جمعہ افضل ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں گئے، اسی دن وہاں سے نکلے، اسی دن قیامت ہوگی (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو کچھ بندہ اس ساعت میں مانگتا ہے پاتا ہے (متفق علیہ)۔ مسلم کی روایت میں جوابی بردہ رضی اللہ عنہ سے ہے وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز تمام کرنے تک کے زمانے میں ہے۔ اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد رحمہ اللہ کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسبِ قول عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ ساعت آخر ساعت ہے یعنی غروب کے قریب تک عصر سے لے کر۔ ابوداؤد ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ دن تمہارے سب دنوں سے افضل ہے اس دن مجھ پر درود بھیجو کہ وہ میرے سامنے لایا جاتا ہے۔

(۲) احکامِ جمعہ: (۱) یہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ غیر معذور پر واجب ہے۔ مگر علماء نے احادیث آثار میں غور کر کے اس نماز کے وجوب کے لیے بارہ شرطیں قائم کی ہیں چھ خاص پڑھنے والے کے لیے، وہ یہ ہیں: حریۃ یعنی آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو کس لیے کہ وہ بیگانہ تابعدار معذور ہے۔ ذکورۃ یعنی مرد ہو عورت پر واجب نہیں۔ اقامۃ یعنی مقیم ہو مسافر نہ ہو کس لیے کہ مسافر پر واجب نہیں۔ صحت تندرستی کس لیے کہ بیمار پر واجب نہیں۔ سلامۃ الرجلین یعنی پاؤں ہوں لنگڑا اپاہج نہ ہو کس لیے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔ سلامۃ البصر بینا ہو کس لیے کہ اندھے پر واجب نہیں۔ بعض کہتے ہیں جب اندھے کو لے جانے والا ہو اس پر بھی واجب ہے۔ اور چھ دوسرے شروط ہیں۔ مصر جامع کہ شہر ہو جس میں بازار وغیرہ ہوں کس لیے کہ دیہات میں جمعہ واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ شرط ثابت نہیں بلکہ جس بستی میں چالیس آدمی جمعہ میں آسکتے ہوں وہاں جمعہ واجب ہے۔ اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چالیس سے بھی کم ہوں تو بھی واجب ہے۔ سلطان یا اس کا نائب منتظم بھی ہو۔ اس شرط میں بھی دیگر آئمہ کو کلام ہے۔ جماعت، اگر جماعت میسر نہ آئے تو جمعہ واجب نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین آدمی اور ہوں تو جماعت ہو جائے گی۔ صاحبین کہتے ہیں امام کے سوا دو اور ہوں تو کافی ہے۔ وقت، ظہر کے وقت پر ہونا چاہیے ظہر کے وقت سے پہلے یا اس کے بعد جمعہ نہ ہوگا۔ مگر حنبلیوں کے نزدیک

---

[1] یہود ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے ہیں اس دن کاروبارِ دنیاوی ان کے ہاں حرام ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار کے دن کی تعظیم ہے۔ وہ کہتے ہیں اس دن حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے اٹھ کر آسمان پر گئے اور لوگوں کو دکھائی دیے۔ ہنود بھی اتوار کو مانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زوال سے پہلے بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول وقت جمعہ پڑھا۔ اس کو دیواروں کے سایہ دیکھ کر بعض نے زوال کا وقت سمجھ لیا ہوگا۔ اظہار یعنی مخفی اور پوشیدگی کی حالت میں جمعہ نہیں، شہرت اور اذنِ عام ہونا چاہیے۔ خطبہ بھی ہونا نماز سے پہلے شرط ہے۔ اگر خطبہ نہ ہوگا جمعہ صحیح نہ ہوگا (ملخص از ہدایہ وشروحہ ومن دارالحکام) باقی طہارتِ مصلی وغیرہ اور نماز کی سب شرطیں ہیں۔ جب یہ شروط پائی جائیں تو جمعہ واجب وفرض ہے اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے ہوئے فرماتے تھے کہ لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردے گا کہ وہ غافل ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سستی سے تین جمعے ترک کردے گا اللہ اس کے دل پر مہر کردے گا (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن ماجہ والدارمی ومالک واحمد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قصد کیا تھا کہ کسی کو جمعہ پڑھانے کے لیے کہوں پھر دیکھوں جو شریک نہیں ہوتے ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ حق اور واجب ہے ہر مسلمان پر واجب کے ساتھ مگر چار شخص غلام، عورت، لڑکے، بیمار پر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد)

(۲) مسنون یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرے اچھے اور صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور جب اول اذان ہو تو خرید و فروخت سب کاروبار بند کردے اور مسجد میں جا کر جہاں جگہ ملے چار رکعت سنت پڑھے، پھر جب امام منبر پر چڑھے اور اذانِ ثانی شروع ہو تو بات چیت بند کردے اور نوافل وسنن بھی نہ پڑھے متوجہ ہو کر خطبہ سنے۔ امام خطبہ منبر پر کھڑا ہو کر پڑھے اور بیچ میں تھوڑی دیر بیٹھ جائے پھر شروع کرے، خطبہ میں خدا کی حمد وثناء اور پیغمبر علیہ السلام پر درود کے بعد وعظ و پند اور احکامِ الٰہی کی تعلیم وترغیب ہو۔ راگنی میں نہ ہو صاف اور سادی وضع پر ہو اور خطیب لباس مسنون پہنے ہاتھ میں عصا لیے اس پر سہارا کیے ہو۔ خطبہ عربی زبان میں ہو اور جو قوم بالکل نہ سمجھے ان کو ترجمہ کر کے سمجھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خطبہ کے بعد امام منبر سے اتر آئے اور اقامت کے بعد دو رکعت نماز پڑھائے۔ پکار کر نماز میں الحمد اور اس کے ساتھ اور سورہ یا آیاتِ قرآنیہ پڑھے۔ سلام کے بعد چار رکعت [۱] اور پھر دو رکعت یا صرف چار علیٰ حسبِ اختلاف الروایات اور بھی ہر ایک جداگانہ پڑھے، یہ مسنون ہے واجب نہیں [۲]۔ جمعہ کی نماز سے ظہر کے چار فرض ساقط ہو جاتے ہیں اور مسافر وغیرہ جو جمعہ میں شریک ہو جائیں تو ان سے بھی ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور جو کوئی بلا عذر شریک نہ ہو گو شریک نہ ہونے سے گناہگار ہوگا مگر وہ ظہر پڑھے لیکن جماعت نہ کرے۔ جمعہ سے پہلے اور نماز کے بعد کاروبارِ دنیاویہ کی ممانعت نہیں۔ ہاں جو اس تمام روزِ متبرک میں خیرات اور عبادت کے لیے تعطیل کرے تو بڑی برکت ہوگی۔

(۳) جمعہ کو اس لیے جمعہ کہتے ہیں کہ اس دن لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جس سے سب سے اول اس دن کا نام جمعہ [۳] رکھا ہے بعض کے نزدیک کعب بن لوی ہے اور عرب پہلے اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انصار نے ہجرت سے پہلے جمع ہونے کا اور مل کر عبادت کرنے کا یہ دن مقرر کیا تھا اس لیے کہ ہفتہ یہود کے لیے، اتوار نصاریٰ کے لیے تھا۔ تب وہ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اس نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں

---

۱ وقبل الجمعۃ اربع بلا خلاف وبعدہا اربع بتسلیمۃ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ بعد الجمعۃ یصلی اربعا وبعدہ رکعتین بتسلیمتین وبہ اخذ الطحاوی واکثر المشائخ مناوبہ یعمل الیوم ۱۲ (مجمع الانہر) یعنی چار رکعت جمعہ کے پہلے بلا خلاف اور چار اس کے بعد ایک سلام سے ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بعد جمعہ کے چھ رکعت ہیں۔ چار رکعت پڑھ کر دو اور پڑھے۔ ۱۲ منہ

۲ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اول جمعہ کی کوئی تعداد نوافل کی مخصوص نہیں اور بعد میں اول دو رکعت ہیں لانہ علیہ السلام کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین متفق علیہ اور زیادہ چھ کما رواہ ابوداؤد۔ ۱۲ منہ

۳ کعب کے عہد میں اسلام نہ تھا اس نے اس دن کا نام جمعہ شاید یوں رکھا ہوگا کہ اس دن بازار لگتا ہوگا جس میں خرید و فروخت کے لیے جمع ہوتے ہوں گے۔ ۱۲ منہ

وعظ ونصائح تھے تب سے اس دن کا نام جمعہ قرار پا گیا۔ یہ پہلا جمعہ اسلام میں ہوا جب ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں اترے اور پیر اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز نکلے مدینے میں آنے کے لیے تو آپ نے جمعہ بنی سالم ابن عوف میں پڑھا خطبہ پڑھ کر نماز پڑھائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اذانودی الصلوٰۃ من یوم الجمعة کہ جب جمعہ کے روز نماز کے لیے آواز دی جائے [۱] اس سے مراد وہ اذان ہے جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت دی جاتی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک صرف یہی ایک اذان تھی مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب آبادی بڑھ گئی اور لوگ زیادہ ہو گئے اور یہ اذان کافی نہ سمجھی گئی تو حکم دیا کہ اس سے پہلے ایک اور اذان دیا کرو جوان کے مکان پر دی جاتی تھی جس کو زوراء کہتے تھے اس کو سن کر لوگ نماز کے لیے آنے لگتے تھے۔ پھر جب سب جمع ہو جاتے تھے تو امام جب منبر پر بیٹھتا تھا تو دوسری اذان بدستور ہوتی تھی۔ گو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فعل تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی کہ میرے طریقے کو اور میرے سچے جانشینوں کے طریقے کو لازم پکڑو اس لیے یہ بھی مسنون ہو گئی اور اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس میں کلام نہ کیا تو آج تک یہ دستور چلا آیا۔ اس پہلی اذان سننے سے بھی نماز جمعہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ اس اذان سننے کے بعد بیع وشراء کاروبار دنیاوی ممنوع ہیں۔ فاسعوا الی ذکر اللہ تو ذکر اللہ یعنی خطبہ اور نماز کے لیے چلو۔ ذکر اللہ سے دونوں چیزیں مراد ہیں خطبہ اور نماز۔ بعض کہتے ہیں نماز، بعض کہتے ہیں خطبہ۔ اور سعی سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں کہ دوڑ بھاگ کر آؤ بلکہ چلنا اور قصد کرنا اور کوشش کرنا۔ کمافی قولہ وان لیس للانسان الاماسعی، ولمابلغ معه السعی۔ غسل کرنا۔ کپڑے پہننا بھی اس سعی میں داخل ہے۔ وذروا البیع اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ مراد کاروبارِ دنیاوی ہیں چونکہ اس دن لوگ اس کار میں زیادہ مصروف رہتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا۔ اذان سننے کے بعد خرید وفروخت حرام ہے۔ کشاف میں ہے کہ عامۂ علماء کے نزدیک باوجود ممنوع ہونے کے جو کوئی بیع کرے گا تو یہ فاسد نہ ہوگی کس لیے کہ حرمۃ لعینہ نہیں بلکہ نماز سے روکنے کے لیے ہے چنانچہ اذان سن کر چلتے ہوئے جو کوئی رستہ میں بیع وشراء کرے اس میں کچھ بھی قباحت نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بیع فاسد ہوگی۔ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ اس وقت خرید وفروخت چھوڑنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے کس لیے کہ دنیا فانیہ کی تجارت سے آخرت باقیہ کی تجارت بہر حال بہتر ہے۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ ابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ اور جب نماز سے فارغ ہو چکو تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کے فضل ورزق روزی کی تلاش کرو۔ فضل اللہ سے مراد روزی ہے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ پہلے جو ممانعت کی تھی اس کی اجازت ہے وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ اور صرف روزی ہی کی تلاش میں بے ہوش نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ کو یاد کرو تا کہ فلاح پاؤ۔ تسبیح وتحمید استغفار وذکر قلبی ولسانی سے ہر حال میں اللہ کو نہ بھولو۔ دست بکار دل بیار رہے۔ نماز کے باہر بھی ذکر الٰہی جاری رہے۔ بخاری ومسلم وغیرہما

---

[۱] اسلام نے عبادات میں بھی قوتِ اجتماعیہ ملحوظ رکھی ہے نماز با جماعت جس میں مسلمانوں کو پانچ وقت میل جول محبت، ہمدردی کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ میں شہر بھر کے مسلمانوں کا مجمع ہے خطیب کو قومی مصالح کی تعلیم اور وعظ وپند کا موقع ہے اسی طرح عیدین میں اور حج میں تمام ملکوں کے مسلمان باہم مل جل سکتے ہیں سب ایک مشورت وتدبیر سے مطلع ہو سکتے ہیں مگر افسوس ہم نے ان باتوں سے برکات حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ مجموعی عبادت میں انکار کا انعکاس اور جماعت خدا پرستوں کا غلبہ وشوکت بھی غیر جماعتوں پر اثر ڈالنے والی چیز ہے اب جمعہ کو سبت اور اتوار سے مقابلہ کیجئے کہ بجز اس کے کہ تمام دن بازار وکار بند کر کے آرام کرو اور کیا ہے توریت میں سبت کے دن کوئی نماز نہیں ہاں بعد میں بنالی ہو تو خیر جمعہ میں پوری سبت کی اصلاح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سبت کے دن بعض کام کر کے معطل رہنے کی رسم کو اٹھانا چاہا تھا مگر یہود نے بڑا نرغہ کیا آنے والے مصلح پر تقدیر نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ۱۲ منہ

نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ پڑھا ہی تھا کہ مدینے کا کارروان آیا (شام سے غلہ لے کر آیا اور دن قحط سالی کے تھے اور اس کی ڈگڈگی بجی) تو لوگ اس کے دیکھنے کو چلنے لگے یہاں تک کہ بارہ آدمی رہ گئے کہ جن میں میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تب یہ آیات[1] نازل ہوئیں واذا راوا تجارۃ اولھوًا انفضوا الیھا[2] کہ جب تجارت یا لہو یعنی ڈھونڈی پٹی دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ وترکوک قائما اور تجھے اے نبی! کھڑا چھوڑ جاتے ہیں شاید اس وقت خطبہ عیدین کی طرح بعد میں تھا یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ۔ کہہ دے جو کچھ اللہ کے پاس ہے ثواب اور آخرت کی نعمتیں جو خطبہ اور نماز سے حاصل ہیں وہ لہو ڈگڈگی کی آواز اور تجارت سے بہتر ہیں کس لیے کہ وہ نعماءِ باقیہ ہیں پھر عمدہ چیز چھوڑ کر بری کی طرف دوڑنا کونسی عقل مندی ہے۔ واللہ خیر الرازقین۔ اللہ بہتر ہے روزی دینے والوں سے۔ دراصل وہی روزی دیتا ہے تجارت زراعت نہ نوکری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ؕ وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ز أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ ضرور اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے پھر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یہ) بہت ہی برا کر رہے ہیں یہ اس لیے کہ یہ (ظاہر میں) ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی جس لیے وہ سمجھتے ہی نہیں اور (اے مخاطب!) تو ان کو دیکھے تو تجھے (ان کے ڈیل ڈول) بھلے معلوم ہوں۔ اور اگر وہ کچھ کہیں تو ان کی بات سنے گویا کہ وہ دیوار کے سہارے لگائی ہوئی لکڑیاں[3] ہیں ہر ایک آواز[4] کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں وہی دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو انہیں اللہ کی مار کہ بہکے چلے جاتے ہیں۔

---

[1] ایک بار کے معاملہ پر تو یہ آیا بولا گیا قتادہ کہتے ہیں تین بار ایسا کیا گیا تین بار قافلہ آیا اور لوگوں نے ایسا کیا۔ کشاف ۱۲ منہ

[2] واذا الخ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ ایک نکاح میں جب لونڈیاں گانے بجانے لگیں لوگ خطبہ میں سے اٹھ کر چلنے لگے اور ایک بار قافلہ کے لیے چل دیے تو دونوں معاملوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ لہو سے مراد لونڈیوں کا گانا بجانا تجارت سے قافلہ۔ ۱۲ منہ

[3] کھوکھلے

[4] جب کوئی چیخے تو جانتے ہیں ہم پر بلا آئی۔

ترکیب : اذا شرط قالوا جوابہ وقیل محذوف وقالوا حال ای جاؤک قائلین کیت وکیت فلا تقبل منھم وقیل جوابہ اتخذوا فیہ مافیہ۔ واللہ یعلم الخ جملہ معترضۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا وھو الشھادۃ باللسان مع الانکار فی القلب اتخذوا الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان کذبھم و حلفھم علیہ۔ ایمانھم عند الجمھور بفتح الھمزۃ جمع الیمین وقریٔ بکسرھا واجنۃ الترس سپر۔ ساء ھھنا بمعنی بئس فی افادۃ الذم فطبع قرء الجمھور مبنیا للمفعول وقریٔ مبنیا للفاعل واذا رایتھم شرط تعجبك جوابہ وان یقولوا شرط تسمع جوابہ وقریٔ یسمع علی البناء للمفعول۔

کانھم خشب مسندۃ فی خبر الرفع علی انہ خبر مبتداء محذوف...... مستانف لا محل لہ۔ وقریٔ خشب علی انہ جمع خشبۃ کبدن جمع بدنۃ وقیل جمع خشبا وھی الخشبۃ المجوفۃ وقریٔ بالتثقیل۔ مسندۃ من الاسناد بمعنی الامالۃ والتشدید للمبالغۃ وقریٔ خشب بضمتین وقریٔ باسکان الشین وقریٔ بفتحتین۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکثر اسی کے قائل ہیں۔ جمعہ کی نماز میں اول رکعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ جمعہ پڑھتے تھے۔ ایمانداروں کو بیدار و ہوشیار کرنے کے لیے اور دوسری رکعت میں اس سورہ کو پڑھتے تھے۔ منافقوں کی سرزنش کے لیے (اس مضمون کو سعید بن منصور نے اور اوسط میں طبرانی نے نقل کیا ہے)۔

بخاری اور مسلم وغیرہما رحمہم اللہ نے زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تو وہاں لوگوں کو تکلیف پہنچی (بھوک پیاس کی) اور بخاری وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کسی بات میں خفا ہو کر تھپڑ مار دیا تھا۔ انصار نے مدد کے لیے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اور اس وقت مہاجر تھوڑے اور انصار بہت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ کیا گندی بات ہے۔ بات گئی گزری ہوئی (مگر عبداللہ بن ابی انصار میں برا شخص تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے سے پہلے اسی کی سرداری کی پگڑی بندھنے والی تھی جو آپ کے آنے سے خاک میں مل گئی اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی عداوت تھی اور منافقوں کا سردار تھا) اس نے کہا کیا مہاجر نے ایسا کیا ہے تب تو اس کو دلی بغض نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوش میں آ کر کہنے لگا کہ ہمارے ٹکڑے کھا کر ان لوگوں کو یہ دن لگے ہیں بخدا مدینہ پہنچ کر ہم شہر کے رئیس ان ذلیل پردیسیوں کو نکال دیں گے اور لوگوں سے کہا کہ جو اس نبی کے پاس ہیں یعنی مہاجرین ان کو آئندہ سے کچھ دیا لیا نہ کرو، پریشان ہو کر بھوک کے مارے آپ بھاگ جائیں گے۔ بات زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سن لی اور میں نے اپنے چچا (طبرانی کے نزدیک چچا سے مراد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہے جو قوم خزرج کا سردار تھا) یا عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کر دیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کہا۔ آپ نے مجھے بلا کر پوچھا میں نے صاف صاف کہہ دیا، پھر عبداللہ بن ابی سردار منافقین کو بلا کر پوچھا اس نے انکار کر دیا اور قسمیں کھانے لگا اور بڑی باتیں اخلاص مندی کی کرنے لگا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں نے مجھے جھوٹا سمجھ کر بڑی ملامت کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ میں شرمندگی کے مارے گھر میں بیٹھ رہا مگر خدا تعالیٰ سے امید تھی کہ قرآن میں میری بابت کوئی بات ضرور نازل فرمائے گا۔ پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا۔ زید خدا نے تجھے سچا کر دیا (خلاصۃ الروایات) یہ ہے ان آیات کا شانِ نزول۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے اس قول کو بھی نقل کرتا ہے اور پھر ان کے قسمیں کھانے اور اخلاص ظاہر کر کے جان بچانے کا بھی حال بیان فرماتا ہے مگر شانِ الہامی اور رحمتِ خدائی یہ ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔ فرماتا ہے اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ جبکہ آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کا رسول ہے۔ منافق شرع میں اس کو کہتے ہیں جو بظاہر مسلمان اور درپردہ کافر ہو۔ وہ عنداللہ بھی کافر ہے گو شرع ظاہر ہے اسلام کے ظاہری احکام میں شریک ہے۔ اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ میراث کا حصہ بھی پائے گا لیکن مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور جس کا ظاہر کچھ ہو باطن کچھ ہو اس کو بھی منافق کہتے ہیں مگر

حقیقی منافق نہیں۔ اسی طرح جس میں منافقوں کے عادات ہوں، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، گالی بکنا، نماز میں سستی کرنا وہ حقیقی منافق نہیں بشرطیکہ دل میں کلمہ کی تصدیق ہے مگر ان بری عادتوں کے سبب گنہگار اور نفاق کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔
مدینے میں ابتداءِ اسلام کے وقت چند لوگ ایسے تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ اور اس کا گروہ آپ کے سامنے آ کر ایسی گواہی دیتے تھے۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ فرماتا ہے ان کی گواہی پر وقوف نہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا اے محمد (ﷺ) رسول ہے۔ یعلم اللہ کا لفظ عرب کے محاورہ میں قسم میں بھی مستعمل ہوتا ہے تب اس جملہ میں قسم سے تاکید اور زیادہ ہو جائے گی۔ مگر ان کی گواہی دل سے نہیں اور گواہی میں دل اور زبان کا موافق ہونا ضرور ہے اگر دونوں موافق نہیں تو وہ شہادت جھوٹی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنی شہادت میں ضرور جھوٹے ہیں۔ نہ اس کہنے میں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ خبر تو صادق ہے واقع کے مطابق ہے۔ اور خبر کے صدق و کذب کا اسی پر مدار ہے اگر واقع کے مطابق ہے تو صادق ورنہ کاذب۔ مخبر کے اعتقاد کا اعتبار جمہور کے نزدیک نہیں مگر جاحظ کہتا ہے کہ جس طرح شہادت کے سچے ہونے میں واقع سے مطابق ہونے کے ساتھ اعتقاد سے مطابق ہونا بھی شرط ہے اسی طرح خبر میں بھی کس لیے کہ شہادت بھی خبر ہے۔ ہائل موکد ہے چونکہ ان کی خبر اعتقاد کے مطابق نہ تھی گو واقع کے مطابق تھی اس لیے ان کو خدائے پاک نے جھوٹا کہا۔ بعض کہتے ہیں خدا نے جو انہیں اس سچی بات کے کہنے میں جھوٹا کہا تو اس کے یہ معنی کہ وہ اپنے نزدیک جھوٹے ہیں کس لیے کہ وہ انک لرسول اللہ کو جھوٹ جانتے تھے نہ یہ کہ وہ دراصل جھوٹے تھے کس لیے کہ بات تو سچی تھی اشہد اور نشہد یا اس کا ترجمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یمین اور حلف ہے۔ کچھ قسم کھا کر کہنے پر موقوف نہیں۔ [1]
پھر فرماتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں اس لیے کھاتے ہیں، اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کہ اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے الزام سے بچنے کے لیے پھر وہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں یا خود رک گئے۔ ایمان یمین کی جمع، یمین کے لغت میں معنی قوۃ کے ہیں اور شرع میں اس کلام کو کہتے ہیں جس کو حلف اور قسم سے قوی کیا جائے خواہ لفظ اللہ یا اس کے کسی اور نام یا صفات سے صادر ہو جیسا کہ عربی میں باللہ تاللہ بالرحمٰن بالرحیم بعزۃ اللہ وجلالہ کہہ کر کوئی بات کہے۔ اردو میں خدا کی یا اللہ کی قسم یا اس کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔ ان الفاظ سے جو کہے۔ پھر یمین کی تین قسمیں ہیں۔ اول یمینِ غموس جو کسی گزشتہ بات پر ایسی قسم کھا کر کہے اور مقصود جھوٹ کہنا ہو کہ واللہ یہ بات یوں تھی۔ اور جانتا ہے کہ یوں نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جھوٹی قسم کھائے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اس کا بجز توبہ واستغفار کے اور کوئی کفارہ نہیں۔ منافق بھی یمینِ غموس میں مبتلا تھے۔ اس سورہ میں آگے ان کے لیے استغفار ہی کی تاکید ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کفارہ دے۔ دوم یمینِ منعقدہ کہ آیندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے کہ واللہ یوں کروں گا یا بخدا ایسا نہ کروں گا اس کے خلاف کرنے میں کفارہ ہے۔ سوم یمینِ لغو کہ کسی گزشتہ بات کی قسم کھا کر خلاف خبر دی مگر یہ اس کو خلاف نہیں جانتا (یا یوں ہی بلا قصد واللہ باللہ کہہ دے جیسا کہ بات بات پر عوام واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔ اس میں کفارہ نہیں مگر ایسی قسم بھی نہ کھانا چاہیے۔) الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

---

[1] جمہور کے نزدیک خبر کا سچا اور جھوٹا ہونا واقع سے مطابق ہونے نہ ہونے پر منحصر ہے آیت میں خبر میں کاذب نہیں فرمایا بلکہ شہادت میں جن کو وہ اشہد اور ان اور ل سے مؤکد کر کے ادا کرتے تھے یا کاذب اپنے اعتقاد میں یا اس قول میں نہیں بلکہ وہ جو کہتے تھے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ مہاجروں کو نہ دو اور مدینے سے نکال دو اس میں جھوٹے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات ضرور کہی ہے۔ نظام معتزلی کہتا ہے خبر کے صدق و کذب کا مدار صرف اعتقاد پر ہے اگر اعتقاد کے موافق خبر دی جائے تو سچ گو واقع کے مطابق نہ ہو اسی طرح اگر اعتقاد کے موافق نہیں گو واقع کے مطابق ہے وہ خبر جھوٹی ہے جیسا کہ اس آیت میں خدا نے منافقوں کی خبر انک رسول اللہ کو جھوٹا کہہ دیا اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کے سبب گو واقع سے مطابق بھی جاحظ دونوں کی مطابقت صدق میں اور دونوں کی عدم مطابقت کذب میں معتبر جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بھی آیت میں جو منافقوں کو انک لرسول اللہ کہتے میں کاذب کہا اس لیے اعتقاد کے مطابق خبر نہ تھی۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵﴾ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۶﴾ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۷﴾ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ ع

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لوآ ؤ رسول اللہ تم کو معاف کرائیں تو اپنے سر ہلانے لگتے ہیں اور آپ ان کو روکے ہوئے اور متکبر بنے ہوئے دیکھو گے۔ برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو ہرگز بخشنے گا ہی نہیں' بے شک اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (یہ) وہی تو ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ رسول کے پاس رہتے ہیں ان کو مت دیا کرو یہاں تک کہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں سب اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے تھے کہ اگر لوٹ کر مدینہ گئے تو عزت دار وہاں سے ذلیلوں کو نکال کر رہیں گے۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو ہی ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

ترکیب : واذا قیل مجزوم لوقوعہ فی جواب الامر ای تعالوا لووا جواب الشرط۔ وھم مستکبرون الجملہ حال من فاعل یصدون ورایت لوکان من الرویۃ البصرۃ فیصدون حال والافھو مفعول ثان حتیٰ ینفضوا قراء الجمہور من الانفضاض وھو التفرق وقرئ ینفضوا من انفض القوم اذا فنیت ازوادھم

تفسیر : فرمایا تھا کہ اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس لوگوں کو اللہ کے رستہ جہاد' ایمان' اعمال صالحہ سے روکتے ہیں دلوں میں شبہ ڈلوا کر اور اسلام میں جھوٹے عیب و اتہام لگا کر اور جو ان کا یہ جرم کسی نے ظاہر کر دیا تو قسمیں کھا کر سزا سے بچ گئے۔ یہ دستور کر رکھا ہے۔ لیکن ساء ما کانوا یعملون یہ بہت بڑی بات ہے۔ اب ان کے اس جرم کے ارتکاب کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا۔ کہ وہ زبان سے ایمان لائے پر دل سے منکر ہو گئے یا یوں کہو کہ اول ایمان لائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں کافر و مرتد دل میں ہو گئے فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پھر تو ان کے دلوں پر مہر ہو گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ پھر کچھ نہیں سمجھتے حق و باطل میں امتیاز نہ رہا۔ اب اس کے بعد ان کے ظاہر حالات بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ کہ بڑے چیڑے چکنے ڈول ڈیل کے خوبصورت بھلے بھانس معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے سے بھلے معلوم ہوں یا تعجب ہو۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ اور خوش بیان چرب زبان بھی ہیں کہ مجلس میں بات کریں تو ان کی بات کان لگا کر دھیان سے سنی جائے۔ مگر یہ ظاہر ڈھول ہے اندر سے خالی ہیں۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ دیوار سے لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ خشک لکڑی جب جلنے کے سوا اور کسی کام میں نہیں لائی جاتی نہ عمارت میں نہ کسی چیز کے بننے میں تو اس کو دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں انہیں خود کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں۔ یہی حال ان منافقوں کا ہے۔ نکمے ہیں' دل خالی ہیں۔ خیر و ایمان سے صرف جہنم میں جلانے ہی کے قابل ہیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں کہ دلوں پر مہر ہے کوئی بات

خود حق و باطل کی سمجھ نہیں سکتے۔ (۲) یہ بھی ہے کہ وہ خشک لکڑیاں اصل میں تر و تازہ تھیں کٹ کر خشک ہو گئیں اسی طرح اصل فطرت انسانیہ کے لحاظ سے یہ بھی اچھے اور ایماندار تھے مگر جب اس سے کٹ گئے خشک ہو گئے۔ (۳) اب جس طرح جلانے کے سوا ان کو لکڑیوں سے اور کوئی مقصود نہیں اسی طرح ان کفار و منافقین کو جہنم کا ایندھن سمجھنا چاہیے۔ (۴) لکڑی کٹی ہوئی کے دوسرے ہوتے ہیں ایک اوپر دیوار سے ملا ہوا دوسرا زمین سے لگا ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے بھی دو رخ ہیں ایک اوپر ظاہری ایمان چرب زبانی کا دوسرا کفر و بد باطنی کا سرنگوں اور ذلت اندوز ہے۔ (۵) دیوار سے لگے ہوئے خشک شے سے ان کے قد و قامت میں بھی تشبیہ ہے۔ نامرد ایسے ہیں۔ یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ کہ جو کوئی آواز و گھوڑا چھوٹ جائے یا کوئی کھڑکا ہو یا کوئی کسی کو پکارے تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر بلا آئی اور فوراً اچھل پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے ان کی چپڑی چکنی باتوں پر نہ جاؤ۔ ھُمُ الْعَدُوُّ اصل دشمن اسلام یہی ہیں ان سے بچو آپ ہی بددعا کرتا ہے محاورۂ عرب کے موافق قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ۔ اللہ ان کی گردن مارے۔ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ہدایت کے چشمے سے پیاسے جاتے ہیں اور جب ان کی جھوٹی قسمیں کھانے اور ان کے کذب ثابت ہو جانے یا منہ سے وہ نالائق باتیں کہنے پر جن کا ذکر ابھی آیا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ چلو رسول اللہ پاس کہ تمہارے لیے خدا سے بخشش اور معافی مانگیں تو اکڑتے اور سر ہلاتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! خواہ ان کے لیے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو نہ بخشے گا۔ ھُمُ الَّذِیْنَ سے لے کر آخر تک وہ کلمات ہیں جو عبداللہ بن ابی نے کہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے لوگوں کو کچھ نہ دو کہ چلے جائیں اس کے جواب میں فرماتا ہے وہ کیا دیں گے زمین و آسمان کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور یہ بھی کہتا تھا کہ مدینے چل کر عزت دار یعنی میں ذلیلوں یعنی مہاجرین کو نکال[1] دوں گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے یعنی مہاجرین ذلیل نہیں آئے تم ذلیل ہو مگر تم جانتے نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ
وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ
فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ
وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱ ع

اے ایمان والو! تم کو تمہارا مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے اور جس نے ایسا کیا تو وہی خسارے میں پڑ گیا۔ اور ہمارے دیے ہوئے میں سے اس دن سے پہلے دے لو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو پھر کہنے لگے کہ اے رب! مجھے ذرا تو مہلت دی ہوتی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک ہو جاتا اور اللہ تو کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کا وقت آ جاتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

---

[1] ترمذی ؒ نے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے یہ کلمات کہے تو زید نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی اور عبداللہ بن ابی سے جو پوچھا گیا تو قسمیں کھا کر انکار کر گیا مگر اس کے بیٹے عبداللہ نے جو خالص ایماندار تھا باپ کو پکڑ لیا کہ بخدا شہر مدینے نہ جانے دوں گا جب تک تو یہ اقرار کرے کہ میں ذلیل اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں آخر اس نے کہا۔ اور یہ جہاد جس میں عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں بکی تھیں چوتھے سال ہجری میں تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ چھٹے میں۔ درحقیقت عزت اللہ اور اس کے ماننے والوں کو ہے صحابہ ؓ کی عزت کو غور کر لو خزانے بھی اللہ کے پاس ہیں دیکھ لو صحابہ کو کیسے خزانے عطا کیے اور یوں بھی بارش ہوا گرمی سردی جس قدر رزق کے اسباب ہیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ۱۲ منہ

ترکیب : فیقول بالنصب بالفاء[1] الواقعۃ فی جواب الامر وھو انفقوا الو لاحرف التخصیص معنا ھا حض علی الفعل لمضارع ولوم ان دخلت علی الماضی فاصدق بالنصب لوقوعہ فی جواب لولاء واصلہ الصدق والجمھور علی ادغام التاء فی الصاد واکن اصلہ اکون سقطت الواوَ بالجزم وقراء الجمھور بالجزم عطفا علی محل فاصدق کانہ قیل ان اخرتنی واکن وقرئ اکون بالنصب عطفا علی لفظۃ فاصدق لن یؤخر الخ الجملۃ تدل علی جواب اذا جاء۔

تفسیر : منافقوں کی افسوسناک حالت بیان فرما کر مسلمانوں کو یادِ الٰہی کی طرف ابھارتا ہے اور ایک ناگہانی آ جانے والے سے ڈراتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ اے ایماندارو! مال اور اولاد کے مشغلہ میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا اور جو غافل ہو گیا۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ تو وہ بڑے نقصان میں ہے۔ یہ مانا کہ حق سے غافل ہو کر آپ نے بہت مال جمع کیا‘ بڑی جائیدادیں حاصل کیں‘ نقد وزیور و جواہرات‘ ہاتھی گھوڑے‘ شال دوشالوں‘ نقرئی طلائی برتنوں کی کوئی کمی نہیں رہی۔ مکان بھی اور ان میں باغ بھی بہت آراستہ کیے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں حوض جھلک رہے ہیں‘ عیش ونشاط کے ہزاروں سامان موجود ہیں‘ خوبصورت ماہر وعورتیں بھی بناؤ سنگار کیے ان باغوں میں آپ کے ساتھ گا بجا کر دل لبھا رہے ہیں اولاد بھی ہے مگر عمر گراں مایہ کہاں۔ وہ جوانی اور طبیعت[2] کے جوش نہ رہے تو سب ہیچ دنیا ہی میں معلوم ہونے لگا۔ پھر ایک دن چل دیے سب یہیں پڑا رہا ایک گڑھے میں پڑے ہیں چند روز بعد ہڈیوں کے ریزے ریزے ہو گئے یہ سب عیش خوابِ پریشان معلوم ہونے لگا۔ گناہوں کا بوجھ سر پر اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کا کوئی سامان نہیں۔ پھر ہمیشہ طرح طرح کی ذلت اور آفت اور حسرت وندامت اگر خسارہ اور نقصان نہیں تو اور کیا ہے۔ اس تھوڑی دیر کے عیش[3] پر جس کے بعد ہمیشہ کی یہ مصیبت ہو۔

بس دارِ آخرت کا توشہ لو۔ وہ کیا ہے؟ یادِ الٰہی اس سے ایک گھڑی نہ بھول۔ روح جو ہر لطیف ہے۔ آلودگیِ جسمانی سے یہ اس نورِ حقیقی کی طرف متوجہ ہونے میں پس وپیش کرتی ہے اور لذائذِ دنیا پر گرے پڑتے ہیں۔ حکم دیتا ہے اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ کہ ہمارے دیے میں سے دو جس طرح ذکرِ الٰہی میں نماز‘ فرائض یا نوافل حج وغیرہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ عام مراد تھی نماز روزہ حج بھی اور ایسی ذکر وفکر مراقبہ بھی ہو۔ اسی طرح یہاں خرچ کرنے سے خاص زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ مراد نہیں بلکہ عام ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ کام بہت جلد کرو۔ برسوں کے آنے والے سامانوں پر منحصر نہ رکھو۔ کہ یوں ہوگا اور اس قدر ہو جاوے گا تب دیں گے اور فرصت سے اللہ کو یاد بھی کیا کریں گے۔ کس لیے کہ موت

---

[1] بعد الفاء الواقعۃ فی جواب الامر والنھی والاستفھام والتمنی والغرض بقدر ان ناصبۃ۔ ۱۲ منہ

[2] گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے ۔۔۔ اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند۔ ۱۲

[3] کسی شاہی اجڑی ہوئی دارالامارۃ کو دیکھو کہ کبھی یہاں کس قدر مہ جبین عورتیں جواہرات میں مغرق پھرتی ہوں گی مکان اور باغوں کی روشیں کیسی آراستہ ہوں گی باہر سینکڑوں سیاہ کمر بستہ کھڑے ہوں گے اور کیا کیا ہوگا ہائے آج کچھ بھی نہیں ان عورتوں اور ماہروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں کہ اس محل کا حال اس سے پوچھتے نہ کوئی اس عہد کا کپڑا ہے کہ وہاں کے لباس کی طرز معلوم ہوتی ہے یہ بے شمار سپاہ کہاں غائب ہو گئی یہ ہزاروں ہاتھی گھوڑے جو سنہری جھولیں اور زریں پوشوں سے آراستہ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ بانکے جوان جو عجیب سج دھج سے ان کے رکاب میں تھے کس رستے سے گئے ہیں کہ جا پکڑوں ہائے ان کی تو آواز بھی نہیں آتی ان تیز رو گھوڑے ہاتھیوں کی گرد بھی دکھائی نہیں دیتی اے کوشک اور اے بام شکستہ اور اے اس کے صحن بے رونق پراگندہ ذرا یہ تو بتا دے کہ یہاں کون رہتے تھے اور کیا کیا عیش ونشاط کے سامان تھے کون ماہرو یہاں ناز سے خراماں پھرا کرتے تھے اور ان کا حلیہ یا کوئی ان کی پیدائش اور رہنے کا مکان یا محلہ یا ان کی برادری کنبہ بھی تم بتا سکتے ہو کیا ان دنوں میں ایسے ہی رات دن تھے ایسے ہی گرمی جاڑ ابرسات ہوتا تھا پھر ہر موسم میں کیا کیا بہاریں تھیں خدا کے لیے اتنے لوگوں میں سے کوئی بولے اے محل تیرے بڑے چھوٹے کنگورے کن ہاتھوں نے بنائے تھے وہ اب کہاں سوتے ہیں جس عیش کو یہ تھا تو اس پر تف ہے اور اس پر مرنے والے پر بھی تف ہے۔ ۱۲ منہ

کا وقت معین نہیں ہر وقت کھٹکا لگا ہو ؎

اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے بہوش باش کہ عالم روا روی پہ ہے

پھر عمر بھر تو یادِ الٰہی نہ کی حتیٰ کہ نمازِ پنجگانہ سے بھی غافل پڑے رہے' اللہ کی راہ میں کوڑی تک نہ دی' زکوٰۃ صدقات واجبہ بھی نہ دیے اور خیالات میں بے فکر تھے کہ موت کے سامان پیدا ہو گئے اور یقین ہو گیا کہ اب ان سب رفیقوں کو چھوڑتے ہیں ایسا کہ پھر کر کبھی یہاں آنا نہ ہوگا تو اب لگے حسرت وافسوس سے یہ کہنے کہ اے خدا! مجھے ذرا تو مہلت دے کہ میں خیرات دے لوں نیک ہو جاؤں۔ مگر اس وقت کسی کو ایک ذرا بھی مہلت نہیں اللہ دیتا۔ اب تم کو مہلت بہت ہے جو کرنا ہو کر لو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۗ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ
فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ
يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥

آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا ہے اور صورت بنائی تمہاری پھر اچھی صورت بنائی تمہاری اور اس کے پاس پھر کر جانا چاہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو تم مخفی کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی اور اللہ دلوں کی بات بھی جانتا ہے۔ کیا تم کو ان کافروں کا حال معلوم نہیں ہوا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ انہوں نے اپنے کام کی سزا چکھی تھی اور ان کو (آخرت میں) سخت عذاب ہوگا۔ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے تھے تو وہ یہی کہتے رہے کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے؟ سو انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑ لیا اور (پھر تو) اللہ نے بھی پروا نہ کی اور اللہ ہی بے پروا، سب خوبیوں سے موصوف ہے۔

ترکیب: وهو الجملة معطوفة على ماقبلها۔ ويمكن ان تكون حالا من الضمير فى له فمنكم خبر مقدم كافر مبتداء اوالجملة تشريح وتفصيل للخلق ومنكم مؤمن الجملة معطوفة على الجملة السابقة والله مبتداء بصير خبره بماتعلمون متعلق به بالحق حال من فاعل خلق اى خلق متلبسا بالحق بشر مبتداء يهدوننا خبره۔

تفسیر : یہ سورہ بھی اکثر کے نزدیک مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ضحاک یہی کہتے ہیں۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں مگر کلبی کہتے ہیں کہ سورہ کچھ مکے میں کچھ مدینے میں نازل ہوئی یعنی اخیر کی چند آیات یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ مدینے میں نازل ہوئیں جبکہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور بیوی کی بدسلوکی اور زیادتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی تھی۔ عطاء بن یسار بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اور ابن حبان نے ضعفاء میں اور طبرانی وابن مردویہ وابن عساکر نے روایت کی ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی پیشانی پر اس سورۃ کی پانچ آیتیں [۱] اول کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو اول سورۃ منافقون سے یہ ہے کہ اس میں منافقوں کی مذمت تھی اس میں صادقون کی مدح وخوبی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورہ کی اخیر میں یہ تھا کہ تمہارے مال واولاد تمہیں یادِ الٰہی سے غافل نہ کریں جو سراسر خسران ہے اور موت کا ہر وقت کھٹکا ہے پھر اس وقت مہلت نیکی کرنے کی نہیں ملے گی۔ اس مضمونِ پُر ہدایت کی اس سورۃ میں تاکید فرماتا ہے کہ ان کی یاد کچھ تم پر موقوف نہیں بلکہ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ آسمان وزمین کے رہنے والے اس کی ہر وقت تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور وہ اسی کے لائق بھی ہے (۱) اس لیے کہ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ۔ بادشاہت اور ستائش اسی کو ہے بادشاہتِ حقیقی کے تو کیا کہنے ہیں۔ مجازی پادشاہت جس کو حاصل ہوتی ہے سب اسی کی طرف جھکتے ہیں اسی کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔ ہر ایک رعیت اسی کی طرف دوڑتی ہے۔ پھر جبکہ بادشاہ میں صفاتِ حمیدہ بھی ہوں (جن کی طرف لَهُ الْحَمْدُ میں اشارہ ہے کس لیے کہ حمد کسی نہ کسی ذاتی یا صفاتی خوبی پر ہوا کرتی ہے اور اسی لیے اس جملہ کو بعد میں ذکر کیا) تو اور بھی مرغوب ومحمود ہوتا ہے چہ جائیکہ بادشاہِ حقیقی اور اس میں تمام خوبیاں بھی ہوں۔ غصہ کا دھیما جواد کریم آنکھوں میں بے انتہا مروت جب کوئی سامنے جا کر عذر آور ہو معاف کر دے اور پھر (۲) وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر قادر بھی ہو بھلا کرنے پر بھی مضرت پہنچانے پر بھی جیسا کہ وہ صاحب نعمت وجود ہے ویسا ہی صاحبِ ہیبت وجبروت بھی ہے۔ ہر بادشاہ ہر بات پر قادر نہیں ہوتا لیکن وہ ہر بات پر قادر ہے اس لیے اور بھی ہر ایک مخلوق اسی کی تسبیح وتہلیل کر رہی ہے غیر ذوی العقول کی صرف حالتِ امکانیہ وصورتِ احتیاجیہ ہی زبانِ حال سے پکار پکار کہہ رہی ہے سبوح قدوس لك الملك ولك الحمد۔ اور ذوی العقول میں سے ایماندار تو زبان سے بھی ثناخواں ہیں خصوصاً ملائکہ جو بڑی جاں نثار رعیت ہے ہمہ وقت اسی میں رہتے ہیں۔ پھر اے انسان! تو کیوں غافل اور مہلتِ چند روزہ میں دنیاوی لذات وشہوات میں شاغل ہے۔

اس کے بعد پھر حضرت انسان کی طرف خطاب کر کے اپنے انعام وافضالِ سابقہ ولاحقہ یاد دلا کر تسبیح وتقدیس پر آمادہ کرتا ہے (اور نبوت کا یہ فرضِ منصبی ہے) فقال هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ کہ اللہ جس کی ہمہ وقت تسبیح وتقدیس آسمانوں اور زمین میں ہو رہی ہے وہ ہے کہ جس نے تم کو بھی پیدا کیا اس لیے وہ لائق ہے کہ تم بھی اسی کی تسبیح کرو مگر تمہاری یہ حالت ہے فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ کہ تم میں سے کافر وناشکر ہیں نہ اللہ کو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں تسبیح وتقدیس کیسی بجائے اس کے غیر معبودوں کی طرف رجوع ہیں اور بعض مومن ہیں اسی کی پرستش کرتے ہیں، اسی کو مانتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ضرور سزاء وجزا دے گا۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

بندہ کاسب ہے نہ کہ خالق : اہلِ سنت کے نزدیک بندہ اور اس کے جملہ افعال وکفر وایمان، نیکی بدی اللہ کے مخلوق ہیں۔ بدلیل قولہ

---

[۱] پیشانی پر ان آیتوں کے لکھے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ سیاہی اور قلم سے نسخ خط میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ یہ مراد کہ ہر بچہ ہنوز زنگِ جہالت وبت پرستی سے عاری ہوتا ہے۔ اب تک اس کی وہی اصل فطرت ہوتی ہے اس کا چہرہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں الخ الغرض یہ ایک استعارہ ہے اس کی حالتِ اصلیہ سے جس کو بلفظِ کتابت تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا رازِ حقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

تعالیٰ واللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ چونکہ بندہ کاسِب ہے اس لیے اس کے اعمال کی جزاء وسزا اس کو ملتی ہے اور کاسب وخالق میں فرق ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں خدائے پاک کفر وغیر قبائح کا خالق نہیں کیونکہ یہ اس کی تقدیس میں فرق ڈالتا ہے اس لیے اس آیت کو معتزلہ نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، بعد میں از خود کچھ کافر کچھ مومن ہو گئے۔ سنی مفسروں نے کہا نہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر کیونکر پیدا کیا کہ کچھ کافر پیدا کیے کچھ مومن۔ اس آیت کے معنی عطاء وحسین بن فضیل وغیرہ کے نزدیک یہی ہیں کہ تم میں سے کچھ کافر کچھ مومن بن گئے۔ اور یہی سیاقِ کلام کے مناسب ہے۔ اہلِ سنت کا استدلال کچھ اس پر موقوف نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کچھ تمہیں کو پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔ آسمانوں اور زمین کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ حرکاتِ فلکیہ اور کواکب کی تاثیرات سے حوادث ظہور کرتے ہیں اور اچھی بری صورتیں بھی تاثیراتِ فلکیہ سے ہوتی ہیں حتیٰ کہ سعادت ونحوست بھی انہیں سے ہے جیسا کہ بہت حکماء اور عرب ویونان وہند وغیرہ لوگوں کا خیال تھا ان کا رد کرتا ہے۔ وَصَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ کہ تمہاری صورتیں بھی اسی کے یدِ قدرت نے بنائیں۔ پھر دیکھو کیا عمدہ نقشہ کھینچا، ناک کی جگہ کان اور منہ کی جگہ شانے ہوتے تو کیا ہی بدنما معلوم ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ انسانوں میں بھی تفاوت ہے، کوئی خوبصورت، کوئی اس کے لحاظ سے بدصورت[۱] مگر بدصورت بھی مناسبت واعتدالِ فطری کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔ اس کی شکل کو طبعی مناسبت واعتدال کے خلاف تصور کر کے دیکھو تو کیسا برا معلوم ہوگا۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کر کے آزاد نہیں کر دیا کہ آیندہ اس سے کوئی سروکار نہیں رہا بلکہ وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ دنیا میں بھی جب اسباب منقطع ہو جاتے ہیں بندہ اسی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ پھر وہی سوجھتا ہے اس کے بعد اپنے وصفِ علم کا ثبوت کرتا ہے۔ فقال یعلم ما فی السمٰوات الخ کہ آسمانوں اور زمین کی اور تمہارے دل کی مخفی باتیں جانتا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے منافقوں پر کہ دل میں کفر ونفاق رکھ کر خدا سے کہاں چھپاؤ گے؟ یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ وہی تسبیح وتقدیس کے لائق ہے اور جو کوئی احسان فراموشی کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی گردن مروڑ دیتا ہے اس لیے پہلے برباد شدہ قوموں کے حالات کی طرف اجمالاً اشارہ فرماتا ہے۔ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ الخ کہ تمہیں پہلے لوگوں کی خبر نہیں معلوم ہوئی کہ دنیا میں بھی انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھا اور آخرت میں عذابِ الیم کے حوالے ہوئے اور یہ کیوں ہوا کہ اس لیے ان کے پاس رسول نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تو وہ منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی آدمی ہم بھی ان میں کیا فوقیت ہے جو یہ ہم کو ہدایت کرنے آئے ہیں (یعنی رسول بشر نہیں ہونا چاہیے مگر خدا پتھر ہو جائے تو مضائقہ نہیں) منہ موڑ لیا اور نخوت وتکبر سے بے پروائی کی پھر تو اللہ نے ان سے بے پروائی کی۔ چاہتا تو ان کو راہِ راست پر لاتا، ان کے دلوں کو روشن کرتا مگر متکبر سے وہ بھی متکبرانہ پیش آیا کرتا ہے اور اس کو خاک میں جلد ملایا کرتا ہے اسے کسی کی کچھ پروا بھی نہیں۔[۲]

زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷﴾ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ

---

[۱] آیات میں الفاظ کی ترتیب وتقدیم وتاخیر میں جو کچھ اسرار ہیں ان کے بیان کے لیے دفتر چاہیے اور کس خوبی کے ساتھ مسئلہ توحید اور اثباتِ ذات وصفات علیم بذات الصدور تک بیان فرمایا ہے اور الم یاتکم الخ سے مسئلہ نبوت شروع کیا منکرین نبوت کا شبہ اور ان کی سرتابی اور اس کا انجام بد بھی نہایت پر اثر الفاظ میں کس اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اور بندہ کو عبادت وخلوص اور نیک رائی پر الیہ المصیر وعلیم بذات الصدور ویعلم ما فی السمٰوات الخ جملوں میں کیا آمادہ کیا۔ زمانہ گزشتہ کی عبرتناک اجمالی تاریخ بھی بیان فرما دی۔ یہ ہے اعجازِ قرآنی ۱۲

[۲] کس لیے کہ خوبصورتی بدصورتی اضافی بات ہے ایک خوبصورت ہے مگر اس کی نسبت جو اس سے بھی بڑھ کر ہے بدصورت کہلاتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں حسن کی انتہا نہیں اور یہی حال بدصورتی کا ہے ایک صورت اپنے سے زیادہ بدصورت کی نسبت خوبصورت خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾ ع

کافروں نے سمجھ لیا کہ قبروں سے اٹھائے نہ جائیں گے۔ کہو کیوں نہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے رب کی ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم کو بتلایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا۔ اور یہ (بات) اللہ پر آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جس دن تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو ایمان لایا اللہ پر اور اس نے اچھا کام کیا اس کی برائیاں دور کرے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں سدا رہا کریں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخی اس میں رہا کریں گے ہمیشہ اور وہ بری جگہ ہے۔

ترکیب : زعم یتعدی الی المفعولین کالعلم ان مخففۃ واسمھا ضمیر الشان محذوف ای انھم لن یبعثوا فان المخففۃ مع اسمھا وخبرھا قامت مقام المفعولین۔ قل بلی الخ لا یجاب النفی وربی قسم لتبعثن جواب القسم ثم لتنبؤن الخ جملہ مستقلۃ داخلۃ تحت الامر وارادۃ لتاکید ما افادہ کلمۃ بلی من اثبات البعث فامنوا الفاء فصیحۃ تدل علی شرط حذف لظھورہ ای اذا کان الامر کذا فامنوا واللہ الخ والجملۃ تذییلی مقرر لما قبلہ من الامر یوم قال النحاس الناصب فیہ لتنبئن فیوم ظرفہ وقیل خبر وقیل محذوف ھو اذکر وقیل اول علیہ الکلام ای تتفاوتون یوم یجمعکم خلدین فیھا ابدا حال مقدرۃ وفیہ مراعاۃ معنی من والذین الموصول وصلۃ مبتدأ اولئک الخ الجملۃ خبرہ و بئس الخ بیان لکیفیۃ التغابن۔

تفسیر...... ذکرِ معاد: مسئلہ توحید و نبوت کے بعد مسئلہ معاد کو بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جائے۔ فقال زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کہ کافروں کو گمان ہے مر کر اٹھائے نہ جائیں گے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ بس مر کر خاک ہو گئے گویا روح بھی مر گئی۔ بارِ دیگر زندہ ہونا اور حساب و کتاب کیسا؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قل اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے بلیٰ کیوں نہیں۔ قیامت ہوگی، اٹھائے جاؤ گے، پھر قسم کھا کر بلیٰ کی تاکید کرتا ہے۔ وربی لتبعثن اے محمد (ﷺ) کہہ دے مجھے اپنے رب کی قسم ضرور زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ۔ پھر تم کو بتایا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی نیک و بدکاروں کی جزاء و سزا ہوگی۔ مکہ بلکہ عرب اور دیگر ممالک کے باشندے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مر کر پھر جینا نہیں۔ ہاں اعمال کی جزاء و سزا اگر ہے تو اسی زندگی میں ہے برے کام کئے، کسی کو ستایا، بیمار ہو گیا یا اولاد مر گئی یا مال کا نقصان ہو گیا اور اچھے کام کئے تو تندرستی، مال و اولاد کی ترقی و عزت و آبرو حاصل ہوگی یا دوسرے جنم میں برائی بھلائی ظاہر ہوگی۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ سزاء و جزا بھی کسی کے ہاتھ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے تو وہ قائل نہ تھے۔ دہریے کہتے تھے کہ طبیعتِ اجسام ہی مدبر ہے جس کو آج کل نیچر کہتے ہیں۔ پس اگر خدا بھی کچھ ان کے اعتقاد میں تھا تو وہی نیچر جیسا بے اختیار کہ عالم میں خلافِ قانونِ نیچر کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا کسی کل کا محرک کہ اب ہلانے کے بعد اس کو کچھ اختیار نہیں۔ آریہ دھرم کا ایشر یعنی خدا بھی اسی کے قریب ہے اس لیے وہ لوگ شہوت پرستی، جفا کاری، عیاری وغیرہ افعالِ قبیحہ کی مضرت کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں کرتے تھے اور افعال کا حسن و

قبح بھی انہیں کے خیالات ورسم وعادات پر منحصر تھا۔ مخلوقِ خدا پر رحم کرنا، نفع پہنچانا، بڑوں کی تعظیم محسن کی شکرگزاری کو وہ بھی نیکی سمجھتے تھے اور اس کے برخلاف کو بدی اور اس قدر سمجھنے میں ان کا خیال غلط نہ تھا مگر اور بہت سے بد اور بیہودہ کام تھے جن کو وہ یا تو بد اور بیہودہ ہی نہیں سمجھتے تھے یا اس کے برعکس عبادت جانتے تھے۔ جیسا کہ بت پرستی، شراب خوری، عیاری، کھیل کود، گانا بجانا، ناچنا کودنا، شادی غمی کے بیہودہ مصارف اولاد کا قتل کرنا وغیرہ اسی طرح بہت سے نیک کاموں کو بد یا عبث سمجھتے تھے۔ ان سب باتوں کے فیصلے کے لیے بھی الہام ونبوت کی ضرورت تھی اور پھر دارِ آخرت اور وہاں ان اعمال کی جزاء وسزا دوسری زندگی میں پانا وغیرہ امور بیان کرنا بھی الہام ہی کا کام تھا۔ اس لیے مسئلۂ نبوت کے بعد مسئلۂ حشر شروع کیا اور ان جملہ امور کی طرف ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ میں اشارہ کر دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا، وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا کہ بار دگر زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا ایمان لاؤ تا کہ تم کو اس جہان کی خوبی حاصل ہو اور وہ کس دن حاصل ہو گی يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ کہ جس دن وہ تم سب کو جمع کرے گا۔ جمع کرنے کے دن یعنی قیامت میں ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وہ دن خسارے کا ہے کس لیے کہ دنیا میں جن کاموں کو عمر بھر محنت اٹھا کر نیکی سمجھ کر کیا تھا آج عدالتِ آسمانی میں وہی سزا اور ناراضگی کے سبب ہو گئے۔ محنت برباد گناہ لازم ہو گئے۔ اسی خسارے کو ایک اور آیت میں فرماتا ہے۔ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا کہ کہو تو میں تم کو سب سے زیادہ نقصان پانے والوں کو بتاؤں؟ کہ جن کی دنیا کی کوشش بیکار گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔ اس دن سینکڑوں خیالات اور ہزاروں غلط مذاہب کا فساد معلوم ہو جائے گا۔ پھر اس سے بڑھ کر کیا خسارہ اور غبن ہو گا۔ (والتغابن تفاعل من الغبن فی المجازاۃ والتجارات کبیر) (اور اسی تغابن کے لفظ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام تغابن ہو گیا)۔

ایمان کے ساتھ نیک کام بھی ہونے چاہییں: پھر اس دن کام آنے والی چیزیں بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا کہ جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا۔ اس کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق ویسا ہی جانا اور یقین کیا اور اس کے ساتھ نیک کام بھی کیے۔ نیک وہی کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہیں جن کی رسول ﷺ نے خبر دی اور عقلِ سلیم نے بعض کی تصدیق کی۔ خالی ایمان بغیر نیک کاموں کے درختِ بے برگ و بے ثمر ہے۔ یعقوب حواری اپنے خط میں یہی کہتا ہے اور اعمال کی بڑی تاکید کرتا ہے۔ مگر پولوس اعمالِ صالحہ کو بیکار ہی نہیں بلکہ ملعون ہونے کا سبب کہتا ہے۔ پھر عیسائیوں نے پولوس ہی کی بات کو مزہ دار سمجھ کر مانا۔ معاذ اللہ! جس مذہب میں اعمال کوئی چیز نہ ہوں صرف ایمان کافی سمجھا جائے ان کی بدکاری، ظلم وعیاری جس قدر ہو کم ہے جس کی نظیر عیسائی ممالیک ہیں۔ جہاں شراب وزنا کی انتہا نہیں۔ پھر اس ایمان اور اعمالِ صالحہ کا کیا نتیجہ ہو گا۔ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ شفاعت وکفارہ میں فرق ہے (۱) پہلی بات یہ ہو گی کہ اس کے گناہ اس سے مٹا دے گا، بشریت سے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو ان کے لیے کفارہ اسی کے اعمالِ صالحہ اور ایمان ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے کس لیے کہ دل سے خلوص ومحبت رکھ کر اطاعت کرنے والے غلام کے قصور معاف ہونے کا سبب اگر ہے تو اسی کا خلوص واطاعت ہے نہ کوئی اور۔ ہاں اس خلوص واطاعت پر نظر کر کے شاہی منشاد یکھ کر اور کوئی مقرب سفارش کر سکتا ہے۔ یہاں سے شفاعت وکفارہ کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔ گناہوں کو مٹا دینا فرمایا بخشنا نہیں کہا۔ اس میں یہ سر ہے کہ گویا سرے سے گناہوں کا وجود ہی اس کے نامہ اعمال میں نہ رہے گا۔ وہ دفتر دھویا جائے گا اور بخشنے میں یہ ہوتا ہے کہ گناہ تو ہیں مٹے نہیں مگر ان کی سزا سے درگزر کیا گیا بلکہ ایسے مخلصین کے وہ قصور کہ جن کے بعد وہ گریہ وزاری کر کے معافی مانگتے ہیں، نیکیاں کرتے ہیں۔ كَمَا قَالَ اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ اور کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ ورس میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) ویدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا۔ کہ اس کو صاف کرنے کے بعد ہم ایسے باغوں میں داخل کریں

گے کہ جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے نہ وہاں سے کبھی باہر کئے جائیں گے نہ موت و بیماری دیکھیں گے۔ وہ باغ اس جہان کے باغ نہیں بلکہ دوسرے جہان کے جہاں مرتے ہی آدمی جاتا ہے وہاں نہ غم ہے نہ کوئی اندیشہ ہے ہمیشہ سرور وفرحت ہے۔ وہ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ بڑی مراد کا پانا ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سی مراد اور کامیابی ہوگی۔ اس کے بعد فریق مخالف کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہ مانا یہ ایمان کے مقابلہ میں کیا۔ وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہ اعمال صالحہ کے بدلے میں کیا۔ آیات سے عام مراد ہے خواہ آیاتِ الہامیہ یعنی کتاب اللہ کے مطالب اور جملے ہوں خواہ اس کی قدرت و یکتائی کے وہ دلائل جو شب و روز بندہ کے سامنے آتے اور یہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور یہی جھٹلانا ہے۔ ان کی اس جہان میں کیا حالت ہوگی۔ اولئك اصحاب النار یہ آگ والے ہوں گے یعنی جہنم کی آگ میں جلا کریں گے۔ خالدین فیھا۔ ہمیشہ رہا کریں گے۔ وبئس المصیر۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے پھر اس دن سے زیادہ کون سا دن حسرت اور تغابن کا ہوگا کہ ایک فریق عزت و شادمانی کے ساتھ حیاتِ ابدی پا کر شادمانی کے تخت پر بٹھایا جاتا ہے اور دوسرا فریق ابدی قید خانہ میں ڈالا جاتا ہے جہاں سوائے رونے پیٹنے چیخنے چلانے کے کوئی آرام نہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮

اللہ کے حکم بغیر کوئی بھی مصیبت نہیں پڑتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے (مصیبت میں ثابت قدم رکھتا ہے) اور اللہ ہر بات جانتا ہے اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑ لیا تو ہمارے رسول پر بھی صرف کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ اللہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔ اے مسلمانو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخش دینے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

ترکیب: من شرطیۃ یھد قلبہ جوابہ۔ قلبہ بالنصب والرفع فالرفع علی الفاعلیۃ والنصب علی انہ مفعول لیھد مثل سفہ نفسہ فان تولیتم شرط فانما والجملۃ جوابہ وعلی اللہ متعلق بیتوکل قدم للتخصیص۔ عدوا بالنصب علی انہ اسم ان وخبرہ من ازواجکم واولادکم۔

تفسیر: ابھی فرمایا تھا کہ اللہ پر ایمان لانے والے نیک کام کرنے والے فائز المرام اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا ہے کہ بہت سے ایمانداروں، نیکوں کو ہم مصائب میں مبتلا دیکھتے ہیں، پھر وہ کامیابی کہاں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ

اِلَّابِاِذۡنِ اللّٰہِ کہ کوئی مصیبت (بیماری، تنگدستی، اقارب کی موت، دشمنوں کا غلبہ، مال وجاہ کا زوال یا اس میں کوئی فرق وغیرہ) بغیر حکم الٰہی انسان پر نہیں پڑتی۔ اذن اللہ کے معنی ابن عباس ؓ نے امر اللہ کے بیان فرمائے یعنی اس کی تقدیر ومشیت غرض یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے یا اس کے بعد کوئی سامان عمدہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے جس کو یہ نعمت موجودہ حائل تھی یا مومن کا تعلق قلبی اس چیز سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے یا اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجر دینا مقصود ہوتا ہے۔ یا اس کی غفلت ومعصیت کا تازیانہ ہوتا ہے کہ جلد ہوشیار ہو جائے۔ اس سے فائز المرام ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ دنیا کا فوز مراد نہیں بلکہ آخرت کا۔ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے وہ اس مصیبت کے زمرے سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ مومن جان جاتا ہے کہ یہ مصیبت میری فلاں گناہ یا غفلت کی سزا دنیا ہی میں مجھے دے دی، عقبیٰ کے عذاب سے پاک کر دیا۔ اور یہ بھی جان جاتا ہے کہ میرا کیا تھا اس نے دیا تھا اسی نے لے لیا ہے اب جزع وفزع گلہ وشکایت کیا؟ اس لیے مصیبت کے وقت مومن انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی طرف وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ میں اشارہ کرتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا کہ سب سے افضل کون سا کام ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے عرض کیا اس سے آسان بتائیے۔ آپ نے فرمایا تو اللہ کو کسی کام میں جو تیرے لیے فیصلہ کرے متہم نہ کر۔ ایمان باللہ اور نور معرفت کے دو رستے ہیں نعمت کا شکر اور مصیبت پر صبر۔ انسان جس طرح حصول نعمت کے لیے بجا اور بے جا کوششیں کر کے اپنے وقار وقرار کو برباد کرتا ہے اسی طرح دفع مضرت کے لیے بھی پہلے سے پہلے ہزاروں تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بیٹا بیمار پڑا تو پھر علاج وغیرہ جائز تدابیر کے سوا کوئی ناجائز اور خلاف عقل طریقہ بھی نہیں چھوڑا۔ رمال، جفار اٹرنگ بڑنگ کرنے والے ملاں سیانے جادوگر بھتنی والے برہمن کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے۔ پھر خلاف عقل جو کچھ وہ کہتے ہیں عمل میں لا رہا ہے۔ گدھوں کو گھنگنیاں کھلاتا ہے، چوراہے پر چراغ جلاتا ہے، کھانا پکا کر رکھتا ہے، چیل کوؤں کو گوشت کھلا رہا ہے۔ مقابر حضرات اولیاء کرام سے التجائیں ہو رہی ہیں، عرضیاں لکھ لکھ کر لٹکائی جا رہی ہیں اور کیا کیا خرافات کر رہا ہے۔ دیوانہ بنا ہوا ہے۔ نہ دن کو چین نہ رات کو خواب۔ کھانا پینا کیسا مگر ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے۔ پھر جس کو یہ یقین کامل ہو جائے کہ مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ وہ کس اطمینان کے ساتھ اپنے خدائے ذوالجلال کی طرف ملتجی ہے اور مصیبت واقع ہو جانے کے بعد دل ٹھہرا ہوا ہے کہ یوں ہی مقدر الٰہی تھا۔ یہ ہائے وائے شور وفغاں ہیچ۔ یہ باتیں تیرہ سو برس ہوئے عرب کے وحشیوں کو نبوت نے تعلیم کی تھیں جن پر ان کا پورا عمل تھا۔ آج ترقی یافتہ اور مہذب قومیں ان سے حصہ لینے کا قصد کر رہی ہیں۔ واہ اسلام آپ کی کیا کیا برکات ہیں جن سے ہم قدیمی مسلمان محروم رہے جاتے ہیں۔ ان جملہ امور کی پابندی مذہب اسلام کا ایک عمدہ رکن ہے اس لیے فرمایا ہے وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور کسی دوسرے طریقے پر نہ چلو۔ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ[1] فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ اگر تم نہ مانو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ ہمارے رسول پر کوئی الزام نہیں کس لیے کہ اس کا کام تو صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اللہ بھی وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر اس سے سرتابی اور عدول حکمی کر کے جاؤ گے کہاں اور کرو گے کیا؟ بعض احادیث قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میری بھیجی مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور میری دی ہوئی روزی پر قناعت نہ کرے تو وہ میرے آسمان کے تلے سے نکل

---

[1] جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملہ میں عمر وابوبکر ؓ کے لحاظ یا خوف کے سبب علی ؓ کی خلافت کو صاف بیان نہ کیا تھا تو ان کو مان لینا چاہیے کہ خلافت علی کوئی آسمانی نہ حکم تھا ورنہ ضرور بلاغ مبین کرتے بلکہ انتظامی بات تھی جس کو لوگوں کی رائے اور مصلحت وقت پر چھوڑنا مناسب جانا۔

جائے۔ میری زمین پر نہ رہے اور کوئی خدا تلاش کرے۔ کس قدر توکل کی تاکید ہے اس لیے فرمایا ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اور اللہ پر نہ کسی اور پر) ایماندار بھروسا رکھا کرتے ہیں۔ ایمان کی یہی شان ہے کہ ہر کام میں اس کا اللہ پر بھروسا ہو اور اسباب کو صرف اسباب ہی سمجھے اور جانے کہ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کام نہیں ہوتا اور اسباب ہی پورے ہونے نہیں دیتا، اسباب بناتے اور بگاڑتے اس کو دیر ہی کیا لگتی ہے؟ یہی اعتقاد عرب کے غریب اور بیکس مسلمانوں کا رہبر تھا جو وہ قیصر و کسریٰ جیسے قہار بادشاہوں پر غالب آئے۔ یہی وہ شراب ہے کہ جس کو پی کر تیس مسلمانوں نے جنگ یرموک میں تیس ہزار سپاہِ مخالف سے بڑی جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہی اعتقاد آدمی کو قومی کاموں میں محنت اور صرف کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ توکل اور تعطل میں فرق ہے اسباب کو ترک کر کے بیٹھنا تعطل ہے نہ کہ توکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم تدابیر جستہ عمل میں لاتے تھے۔ ہمارے احدی اور سست لوگوں نے جو کاہلی اور عیاشی کے سبب نکمے بنے پڑے رہتے ہیں اس بیہودہ صفت کا نام توکل رکھا ہے۔ یہ ہرگز توکل نہیں جس میں یہ صفتِ توکل نہیں مومن[1] کامل نہیں۔ ایمان کامل کا مزہ اسے نصیب نہیں۔ رسمی اسلام کچھ کام نہیں آتا، حقیقی ایمان و اسلام حاصل ہونا چاہیے۔ توکل ترک کر کے بیقرارانہ کوششوں کی طرف اکثر انسان کی اولاد اور بیوی مجبور کیا کرتی ہے۔ ان کی خواہشیں اور خانگی مصارف توکل چھڑا دیتے ہیں، نیک کاموں سے روک دیتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ ان کے بیجا تعلق کے رشتہ کو قطع کرتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ کہ اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے تمہارے دشمن بھی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ آدمی کو معصیت اور قطع رحم پر ابھارتے ہیں۔ ہرچند نہیں کرنا چاہتا مگر پھر کرنا ہی پڑتا ہے۔ میاں نہیں چاہتا کہ شادی میں رنڈیاں نچوائے، بھانڈ کو بلائے، دولت اڑائے مگر بیوی صاحبہ کے حکم سے مجبور ہے اور صدہا خرافات میں مبتلا کرتے ہیں بیٹا مصر ہے کہ میری شادی میں ناچ ہو، باوا کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے، فرمایا، مکے میں کچھ لوگ اسلام لائے تھے وہ ہجرت کرنا چاہتے تھے، ان کے بال بچے اور بیویوں نے نہ چھوڑا، رونے لگے، چمٹ گئے۔ ایسا ہی ترمذی و ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ فرماتا ہے فاحذروھم کہ ان سے بچو نہ یہ کہ قتل کرو، مارو پیٹو اور دلی رنجش جو خلاف کرنے میں بیوی بچوں سے پیدا ہو جاتی ہے اس کی نسبت فرماتا ہے۔ وان تعفوا الخ اگر تم معاف کرو درگزر[2] کرو، بخش دو تو بہتر ہے اللہ غفور رحیم ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ مال اور اولاد آزمائش کی جگہ ہے۔ ان میں مسلمانوں کو اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے اور نہ ان کے سبب برے کام کرنے چاہییں، نہ مکارمِ اخلاق اور حسناتِ باقیات سے رکنا چاہیے۔ یہ دنیا کے جھگڑے ہیں، ان میں بقدرِ ضرورت مصروف ہونا چاہیے۔ کس لیے کہ جانا دوسرے جہان میں ہے یہ تو رستہ میں شب باشی کے سامان ہیں۔ واللہ عندہ اجر عظیم۔ اجر عظیم جس کو حیاتِ جاودانی کہنا چاہیے اللہ کے پاس ہی مرنے کے بعد ملے گی۔ ان من کے لفظ میں اشارہ ہے کہ سب اولاد اور بیویاں ایسی نہیں بلکہ بعض دین و دنیا میں معین و محب انصار و مددگار بھی ہوتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ

[1] وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون کا مخالف مفہوم یہی ہے کہ مومن توکل کرتے ہیں نہ کہ کافر پھر جس میں توکل نہیں گویا وہ کافر ہے۔ ۱۲ منہ

[2] مصائب برداشت کا ذکر تھا بیوی اور اولاد کا دشمن اور بدخواہ ہو جانا بھی مرد کے لیے بڑی مصیبت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ رفعت و گزشت کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ فتنہ اور اجر عظیم اللہ اللہ کے پاس ہے۔ ۱۲ منہ

قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو اور مانو اور اپنے بھلے کے لیے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور جو شخص اپنے دل کے لالچ سے محفوظ رکھا گیا سو وہی فلاح بھی پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو اچھی طرح سے قرض دو گے تو وہ تم کو دوگنا کر کے دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دان، سمائی والا ہے وہ چھپے اور کھلے کا جاننے والا (اور) زور آور، حکمت والا ہے۔

ترکیب: خیرا منصوب مضمر دل علیہ اتقوا کانہ قال ائتوا فی الانفاق خیرا لانفسکم وقدموا خیرا لھا ھذا قول سیبویہ۔ وعند الکسائی والفراء ھو نعت مصدر محذوف ای انفاقا خیرا و قال ابو عبیدہ ھو خبر یکن مقدرۃ فی جواب الامر و قال الکوفیون منصوب علی الحال و قیل ھو مفعول بہ لا نفقوا ومن شرط فاولئک الجملہ جوابہ ان تقرضوا شرط یضاعف جوابہ ولذا صار مجزوما ویغفر معطوف علیہ عالم الغیب الرفع علی انہ خبر بعد خبر۔ العزیز موصوف الحکیم صفتہ وکلاھما خبر مبتدا واحدھما مبتدا والاخر خبر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے اور انسان پھر انسان ہے اس فتنہ میں پڑ ہی جاتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے خیر اگر تم مال و اولاد کے سبب معاصی میں مبتلا بھی ہو جاؤ تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا۔ تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنو اور سن کر مانو۔ یہ کفارہ زن و فرزند کی محبت بے جا کا ہے اور مال کی محبت کا یہ کفارہ ہے کہ وانفقوا خیرا لانفسکم اس کو اپنی بھلائی کے لیے خرچ[1] کرو کس کے لیے کہ جو دے لو گے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا جو چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔

یا یوں کہو کہ اجر عظیم جو اللہ کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔ (۱) اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے یہ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے (۲) سنو اور عمل کو۔ یہ قوتِ عملیہ کی تکمیل ہے مگر دونوں بدنی عبادت ہیں۔ (۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ مالی عبادت ہی خرچ کرنا عام ہے زکوٰۃ ہو یا صدقاتِ نافلہ ہوں اقارب و یتامیٰ وغیرہ و مسافرین وغیرہ اس کے مستحق پہلے کئی بار بتلا چکا ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔ قتادہ و ربیع بن انس و سدی و ابن زید وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم ناسخ ہے اس آیت کی۔ اتقوا اللہ حق تقاتہ کو اللہ سے ڈر جیسا کہ ڈرنا چاہیے۔ ابن ابی حاتم نے اسی کی تائید میں ایک روایت کی ہے کہ جب فاتقوا اللہ حق تقاتہ نازل ہوئی تو لوگوں نے اعمال کی سخت مشقت اختیار کی یہاں تک کہ نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سوج سوج گئے تب اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف کرنے کے لیے یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل ہوئی کہ جہاں تک طاقت ہو وہاں تک ڈرو۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ علماء فرماتے ہیں یہ ناسخ نہیں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ حق تقاتہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ ڈر کیونکہ خدا تعالیٰ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاں تک طاقت ہو اور یہی ڈرنے کا حق بھی

---

[1] نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر صبح فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ الٰہی دینے والے کو عوض دے دوسرا کہتا ہے بخیل کو برباد کر (متفق علیہ) نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم تجھے دیا جائے گا (متفق علیہ) نبی ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو کہ وہ قیامت کے دن ظلمات ہے اور لالچ سے بچو کیونکہ پہلے تم سے جو ہلاک ہوئے اس لالچ سے ہوئے اس نے ان خون کرنے اور حرام چیزوں کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا (رواہ مسلم) نبی ﷺ نے فرمایا صدقہ غضبِ الٰہی کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ بخیل بری موت مرتا ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ مرتے وقت مال و اسباب کی جدائی کا ایسا رنج ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی بھول جاتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

ہے۔ابن عطا فرماتے ہیں کہ ما استطعتم اس کے لیے ہے جواللہ سے ثواب پر راضی ہوا اور جو راضی نہ ہو تو اس پر وہی حکم حق تقاتہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ خرچ کرنا ان کا کام ہے جو لالچی اور حریص نہیں اور حرص سے بچے ہوئے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب بھی ہیں (شح بخل اور لالچ یہ عام ہے مال کا ہو، جاہ کا ہو، عورت کا ہو) انسان کے اوصاف رذیلہ میں سے یہ بھی ایک ایسی بری خصلت ہے کہ عزت سے محروم کرتی ہے اور نیک کاموں سے روکتی ہے بری باتوں چوری، قتل، غضب، جھوٹ بولنے، بدعہدی کرنے پر ابھارتی ہے عصمت پارسائی کو کھول دیتی ہے۔

پھر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو قرض دینا فرما کر اطمینان دلاتا ہے اور اس کے فوائد ظاہر کرتا ہے۔ (۱) یضاعفہ لکم اس کا دو چند ثواب دے گا یہاں تک کہ ایک کے ساتھ سو تک ملیں گے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مال کو بڑھا دے گا۔تجربہ ہے کہ سخی کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ (۲) تم کو بخش دے گا اور اللہ قدردان ہے حلیم بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا پھر بندے کے اجر کو ضائع کرنے میں کیونکر جلدی کرے گا مگر صدقہ میں نیت اور خلوص پر مدار ہے اس لیے قرضِ حسن فرمایا تھا اس کی طرف عالم الغیب والشہادۃ میں اشارہ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کہنے سے کہ اللہ کو قرض[۱] دو یہ نہ سمجھو کہ وہ عاجز ہے بلکہ العزیز زبردست اور قادر ہے یوں نہ دو گے تو وہ برباد بھی کر سکتا ہے الحکیم اس دینے میں تمہارے لیے صدہا حکمتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ جب عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو۔اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے نہ تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ کی حدود باندھی ہوئی ہیں۔اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا تو اس نے اپنا برا کیا۔آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد اور کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

ترکیب : اذا طلقتم شرط والمراد اذا اردتم تطلیقھن علی تنزیل المقبل علی الامر المشارف لہ منزلۃ الشارع فیہ کقولہ علیہ السلام من قتل قتیلا فلہ سلبہ ومنہ الماشی الی الصلوٰۃ والمنتظر لھا فی حکم المصلی (کشاف) فطلقوھن لعدتھن الجملۃ جواب الشرط والجار فی لعدتھن متعلق بطلقوا ای مستقبلات لعدتھن کقولک اتیتہ لیلۃ بقیت من المحرم ای مستقبلا لھا والمراد ان یطلقن فی طھر لم یجامعن فیہ ثم تخلین حتی تنقضی عدتھن الا استثناء من قولہ لاتخرجوھن۔

تفسیر : (ربط) اس سے پہلی سورۃ کے اخیر میں فرمایا تھا کہ من ازواجکم واولادکم عدوالکم فاحذروھم کہ بعض اولاد اور بیویاں

[۱] قرضِ حسن یعنی اچھا ہو مال اور خلوص نیت سے۔۱۲ منہ

تمہاری دشمن ہیں ان سے بچو۔ اور بعض مواقع پر پورا بچنا پڑتا ہے یعنی طلاق دینی پڑتی ہے اس لیے اس سورۃ میں طلاق کے احکام نازل فرمائے اور عرب میں جو طلاق کے بڑے بڑے دستورات تھے ان کو اٹھا کر عمدہ دستور قائم کیا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ کہ اے نبی! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو۔[1]

ابحاث : اول یاایھاالنبی سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد امت ہے کہ اے مسلمانو! جب تم طلاق دینا چاہو الخ اور جب کسی قوم سے خطاب کرنا ہوتا ہے تو اس کے رئیس سے خطاب کر کے اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کی طرف خطاب ہے کس لیے کہ اس حکم میں جس طرح امت پر پابندی ہے ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ دوم اذاطلقتم النساء سے یہ مراد نہیں کہ بے ضرورت و بے قصور جب چاہو عورت کو طلاق دے دو جیسا کہ یہودی شریعت میں تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی سخت دلی پر بکمال نفرت ظاہر فرما کر طلاق دینے سے روکا اور فرمایا کہ "جو اپنی جورو کو سوائے زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے اور موسیٰ نے جو تمہیں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کے اسے چھوڑ دے تو تمہاری سخت دلی کے سبب سے تھا"۔ انجیل متی ۱۹ باب۔ عرب کا دستور بھی یہودی شریعت کے قریب قریب تھا۔ عورت گائے بھینس کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ چاہا رکھا، چاہا اپنی خواہش کے موافق چھوڑ دیا۔ ہمارے بعض علماء نے بھی اذا لفظ کی تعمیم سے شاید ایسا خیال کیا ہو اور دستورِ عرب اور دلی خواہش نے اس کی تائید کی ہو۔ اسی خیالِ فاسد کو یورپ کے ناواقف عیسائیوں نے اسلام کا حکم قرار دے کر اسلام کو تیروں کا نشانہ بنایا اور لوگوں کو بالخصوص عورتوں کو اسلام سے نفرت دلانے کا کافی بندوبست کیا۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ
یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۥ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ
یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ
قَدْرًا ۝۳

پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو یا ان کو دستور کے موافق (زوجیت میں) رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بھی کر لو اور اللہ کے لیے گواہی پوری دو۔ یہ نصیحت کی باتیں اس کو سمجھائی جاتی ہیں کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اسی کے لیے مخلصی کی صورت

[1] طلاق دینے میں بھی جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور فائدہ سے آپ ظاہر ہو رہا ہے اور ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ حیض کی حالت میں طلاق نہ دو یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو۔ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں عدت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے اور عدت کو بڑھا دیتے تھے علاوہ ازیں عدت میں نفقہ مکان بھی نہیں دیتے تھے ان امور کو اسلام نے منع کر دیا۔

بھی نکال دے گا۔ اور اس کو وہاں سے روزی دے گا کہ جہاں کا اس کو تو گمان بھی نہ ہو گا اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اس کو بس بھی کرتا ہے۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ترکیب : فاذا شرط فامسکوا وفارقوا جواب الشرط واشھدوا واقیموا جملۃ مستانفۃ ذلکم مبتداء یوعظ فعل مجھول من موصولۃ مع صلۃ مفعول مالم یسم فاعلہ والمجموع خبرہ ومن شرطیہ یجعل ویرزقہ جوابہ وکذا من یتوکل حسبہ المصدر بمعنی الفاعل بالغ امرہ قرئ بتنوین بالغ ونصب امرہ وقرئ بالاضافہ وقرئ بتنوین بالغ ورفع امرہ لانہ فاعل بالغ او علی ان امرہ مبتداء مؤخر و بالغ خبر مقدم وقرئ بالغا بالنصب علی الحال ویکون خبران قولہ قد جعل۔

تفسیر : اسلام نے نہ عیسوی مذہب کی طرح طلاق کا جواز صرف زنا پر منحصر کر کے دائرۂ معیشت کو تنگ کیا اور نہ یہود کی طرح ادنیٰ ادنیٰ بات پر طلاق روا رکھ کر ہمدردیِ انسانی پر دھبہ لگایا۔ اس عہد میں جو یہودیوں کا دستور طلاق کے بارے میں سخت نفرت خیز اور وحشیانہ تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے طلاق کا دروازہ بند کرنا مناسب جانا اور صرف ایک ہی سبب طلاق کے لیے جائز سمجھا مگر یہ حکم عام نہیں ہو سکتا کس لیے کہ زنا کے سوا اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آ جاتے ہیں کہ جہاں بغیر طلاق کے مرد اور عورت کے لیے جانبری اور رستگاری اور عافیت کے اور کوئی صورت نہیں ہوتی اور فریقین کو ایک دوسرے کی موت کا بندوبست نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اسلام نے بھی طلاق کو بہت بند کیا اور بجز قوی سبب کے اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عورتوں کے حق میں نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ وہ تو انسان کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور ٹیڑھی پسلی اوپر ہی رہا کرتی ہے۔ اگر سیدھا کرنا چاہو گے ٹوٹ بھی جائے گی اور اگر توڑنا نہ چاہو تو ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں سے نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا ایماندار مرد ایماندار عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کسی بات سے ناخوش ہو گا تو دوسری بات سے خوش بھی ہو جائے گا (مسلم)۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مارے پیٹے کہ پھر شام کو گلے لگا کر سوئے۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا خدا کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ (دارقطنی) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر زنا کے شبہ کے۔ بے شک اللہ کو مزہ لینے والے مرد اور عورتیں پسند نہیں (طبرانی و دارقطنی) یہ حدیث تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مقولہ کے قریب قریب ہے اور اس میں اس بات کی صاف تشریح بھی ہو گئی کہ جو کوئی بغرضِ شہوت طلاق دے کر اس کو چھوڑ کر دوسری کو لے یا عورت ایک مرد کو چھوڑ کر مرغوب دل مرد کو لینے کے لیے طلاق حاصل کرے یہ امر خدائے عظیم کے نزدیک سخت ناپسند ہے اسی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے زناکاری سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اسلام نے زنا کی قید پر انحصار نہیں رکھا صرف یہ فرق ہے اور اس کو زمانہ اور ملکوں اور قوموں کی مصلحتوں پر لحاظ رکھنے والے ضرور پسند کریں گے۔ باقی حسنِ معاشرت اور عورتوں سے نرمی واخلاق سے پیش آنا اسلام کی بڑی ہدایت ہے مگر اس میں بھی اس قدر ترمیم ضروری ہے کہ میاں کو جورو کا غلام نہیں بنا دیا اور عورت کے اس قدر اختیارات وسیع نہیں کیے کہ جن کو کوئی بھی غیرت مند طبیعت پسند نہیں کر سکتی۔ باقی اور کوئی فرق نہیں اور وہ جھوٹے الزامات ہیں جن کے ذمہ دار وہی وحشی و جاہل مسلمان ہیں جو ایسا ظالمانہ برتاؤ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں نہ کہ اسلام۔

اب طلاق دینے میں جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور قاعدے سے آپ ظاہر ہو رہا ہے۔

فقال فطلقوھن لعدتھن۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ⑥ لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ⑦ ع

اورتمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض کی امید نہیں رہی ہے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور (یہی عدت) ان کی بھی کہ جن کو حیض نہیں آیا۔اور حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے وہ اس کے کام آسان کر دیتا ہے۔یہ اللہ کا حکم ہے کہ جس کو اس نے تمارے پاس بھیجا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کی برائیاں مٹا دیتا اور اس کو بڑا اجر بھی دیتا ہے (اور) طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے موافق اور ان کو ستاؤ نہیں کہ ان کو تنگ کرو اور اگر ان طلاق دی ہوئی عورتوں کو حمل ہو تو جب تک جنیں ان کا خرچ اٹھاؤ۔ پھر اگر تمہارے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور آپس میں نیک بات کہو اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے۔اور جو تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اس کو دے رکھا ہے اور بہت جلد تنگ دستی کے بعد فراخ دستی دیتا ہے۔

ترکیب : واللائی موصول یئسن صلہ من نسائکم بیان واللائی ان ارتبتم شرط فعدتھن جوابہ والمجموع خبر واللائی' واللائی لم یحضن مبتداء والخبر محذوف ای فعدتھن کذالک واولات الاحمال مبتداء اجلھن مبتداء ان یضعن خبرہ والجملۃ خبر اولات الاحمال' من حیث قال الزمخشری من للتبعیض ای بعض مکان سکنا کم وقال الرازی والکسائی زائدۃ وقال ابوالبقاء والحوفی لابتداء الغایۃ من وجد کم الوجد بضم الواو والفتح والکسر ومعناہ من سعتکم وطاقتکم وھو بدل من حیث واتمروا قال الکسائی معناہ تشاوروا بدلیل قولہ تعالیٰ ان الملاء یاتمرون بک وقال مقاتل المعنی لیتراض الاب والام علی اجر مسمیٰ۔

تفسیر : واحصوا العدۃ کہ ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔اس جملہ کی شرح اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دے دی تھی اس کی عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خفا ہوئے۔ پھر فرمایا اس سے رجوع کر کے رکھے یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر حیض

آئے اور پھر پاک ہو جائے۔ اس کے بعد اگر طلاق ہی دینا ضرور ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دے قبل اس کے کہ اس کو ہاتھ لگایا ہو۔ یہ ہے وہ عدت کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کو کہا ہے۔ (متفق علیہ)

احکام : اول حکم ۔ حیض میں طلاق نہ دے جو فطلقوھن لعدتھن کا خلاصۂ مطلب ہے۔ اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے اور حدیثِ مذکور اس پر پوری دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور خفا ہوئے۔ یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا اور وہ میلی کچیلی بھی ہوتی ہے شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو اس لیے طہر میں طلاق دینی چاہیے تاکہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں عدتِ طلاق ثلاثہ قروء بیان ہوئی۔ صدرِ اول کے بعد جب علماء نے احکام میں زیادہ غور و تامل کرنا شروع کیا تو اس لفظ کے معنی میں بھی غور کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء نے یہ فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تین حیض اور پھر اس قول کو لغت اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال سے مستند کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے آگے اور علماء نے کہا اس کے معنی ہیں تین طہر یعنی وہ زمانہ کہ جس میں عورت حیض کے بعد پاک ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں سے یہ آیت بھی ہے۔ فطلقوھن لعدتھن کس لیے کہ لام لعدتھن میں وقت کے معنی دیتا ہے یعنی عدت کے وقت میں طلاق دو۔ اور یہ مسلم ہے کہ طلاق کا وقت طہر ہے بس معلوم ہوا کہ عدت بھی طہر ہے نہ حیض۔ اس کے جواب میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک آیت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ کہ طلاق دی ہوئی عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو روکیں۔ معلوم ہوا کہ عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض کو کہتے ہیں گو طہر پر بھی استعمال ہوتا ہے مگر ثلاثہ کا لفظ کہے دیتا ہے کہ تین حیض مراد ہونے چاہییں کس لیے کہ طلاق تو بالاتفاق طہر میں ہونی چاہیے۔ پھر اگر اس طہر کو بھی عدت میں شمار کیا گیا تو تین پورے نہ ہوئے کس لیے کہ کچھ زمانہ اس طہر کا طلاق دینے سے پہلے ضرور گزر گیا تھا اور اگر اس کے سوا اور تین طہر کئے گئے تو یہ مل کر تین سے زیادہ بڑھ گئے ہاں حیض مراد لینے میں یہ خرابی پیش نہیں آتی اور لام اضافت کے لیے بھی آتا ہے اور بیان علت و سبب کے لیے بھی جیسا کہ اس آیت میں انما نطعمکم لوجه الله اور عند کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ اس آیت میں اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ کہ نماز قائم کرو، نزدیک آفتاب ڈھلنے کے۔ اور استقبال کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں۔ اتیته للیلة بقیت من المحرم۔ آیت میں لام اسی معنی میں ہے کہ عدت کے موقع پر طلاق دو یعنی طہر میں دو اس کے بعد عدت حیض سے شروع ہوگی۔ اور اس کی مؤید بہت احادیث ہیں منجملہ ان کے یہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعدتھن کے موقع پر لقبل عدتھن پڑھا (رواہ عبدالرزاق فی المصنف وابن المنذر والحاکم وابن مردویہ) ابن عمر و مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قرأت منقول ہے۔ یہ تفسیر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہوگا۔ اور ایک حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عدت حیض ہے نہ کہ طہر اور وہ یہ ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ لونڈی کے لیے دو طلاق[1] ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی) لونڈی کا نصف مرتبہ حرہ سے رکھا گیا مگر تین طلاق کا نصف ڈیڑھ طلاق اور تین حیض کا نصف ڈیڑھ حیض شروع میں کوئی تعداد صحیح نہ تھی اس لیے پورے دو کر دیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حرہ کی بھی عدت تین حیض ہیں نہ کہ طہر۔

دوسرا حکم : واحصوا العدة کہ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں غفلت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر طرح طرح سے ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے۔ اور عدت کو بڑھا دیتے تھے اور

---

[1] یعنی جہاں حرہ کو تین طلاق دے کر مغلظ کیا جاتا ہے لونڈی کے لیے دو طلاق کافی ہیں۔

عدت میں نفقہ اور مکان بھی نہیں دیتے تھے۔ان باتوں کو اسلام نے منع کیا۔

(یہ بات) قابلِ بحث باقی رہ گئی کہ طلقتم النساء میں نساء سے کون عورتیں مراد ہیں؟ گو لفظ میں کوئی تخصیص نہیں مگر بقرینۂ کلام آیندہ وہ عورتیں مراد ہیں کہ جن کو حیض آتا ہو۔(صغیرہ اور آئسہ اور حاملہ نہ ہوں) اور ان سے کم از کم ایک بار صحبت بھی کی ہو۔یہ اس لیے کہ جن سے صحبت نہ کی ہو اس کے لیے طلاق کے بعد عدت ہی نہیں جیسا کہ قرآن میں آچکا ہے۔مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَكُمۡ عَلَيۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا۔ حاملہ کی اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بعد میں مذکور ہے۔بقولہ واللائی یئسن الخ۔

اقسامِ طلاق : طلاق تین قسم پر ہے: (۱) احسن یہ کہ جس طہر میں وطی نہیں کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے کس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طلاق سے زیادہ دینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں بغیر مرضیِ عورت کے عدت کے اندر مرد کو رجوع کر لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

(۲) حسن وہ یہ کہ وطی[1] کی ہوئی عورت کو طہر میں تین طلاق بتفریق دے اس کو بھی حنفی طلاق مسنون[2] کہتے ہیں۔مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو بدعت کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک طلاق سے زائد دینا کسی حال میں سنت[3] نہیں خواہ وہ ایک طہر میں ہو خواہ کئی میں۔مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب ایک طہر میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بدعت جانتے ہیں نہ کئی طہر میں۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک بار تین طلاق دینے میں بشرطیکہ طہر میں ہوں کچھ حرج نہیں کس لیے کہ وہ کہتے ہیں طلاق کی تعداد میں بدعت و سنت کچھ نہیں ایک مباح بات ہے۔پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک طلاق دینا مسنون جانتے ہیں طہر میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفریق اور وقتِ طہر کی رعایت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف وقتِ طہر کی رعایت ہے۔(کشاف)

(۳) طلاقِ بدعی یہ وہ ہے جو حالتِ حیض میں ہو یا ایک طہر میں ایک سے زائد ہو یا اس طہر میں ہو کہ جس میں وطی کی ہو گو ایک ہی طلاق ہو عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو اور جس کو صغر یا کبر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کو ایک مہینے میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بھی بدعت ہے۔اسی طرح حاملہ کو بھی ایک مہینے میں ایک سے زیادہ طلاق دینا بدعت ہے۔یہ طلاقِ بدعی بھی پڑ جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گناہگار ہوتا ہے ملخص از ہدایہ۔

الفاظِ طلاق : دو قسم ہیں۔ایک صریح لفظ طلاق استعمال کیا جائے اس سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے کہ اس کے بعد رجوع کر سکتا ہے اس میں نیت کو نہ دیکھا جائے گا۔دوسری قسم کنائی ہے کہ کنایہ سے طلاق دے صریح الفاظ کا استعمال نہ کرے البتہ اس میں اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ان الفاظ سے جو مراد وہ کہے گا وہی عدالت شرح منظور کرے گی، جھوٹ سچ ان کی گردن پر پھر کنایات بھی دو طرح پر ہیں تین لفظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے وہ یہ ہیں۔عدت کر، رحم پاک کر، تو اکیلی ہے۔اور باقی الفاظ سے طلاقِ بائن پڑتی ہے کہ بغیر نکاحِ جدید شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔جیسا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔تو حرام ہے، تیری رسی چھوڑ دی۔وغیر ذلک۔

احکام : اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو اس کو ایک طلاق کافی ہے۔اب یہ اس کی ہرگز بیوی نہیں رہی۔عدت کے بعد اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے خواہ اس سے کرے یا غیر سے۔اسی طرح مدخولہ کو اگر طلاقِ بائن دی ہو یا تین طلاق دے چکا ہے تب بھی کوئی حق

---

[1] بغیر وطی کی ہوئی کو ایک ہی طلاق دینا حسن ہے گو حیض میں ہو اور اسی طرح جس کو حیض نہیں آتا اس کو ہر مہینہ کے بعد ایک طلاق دینا حسن ہے اگرچہ وطی کے بعد ہو۔تفسیر احمدی۔۱۲ منہ

[2] اصل آیت سورہ احزاب میں یوں ہے۔یاایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔۱۲ منہ

[3] مسنون تو احسن بھی ہے مگر اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ اس کو بدعی کہتے ہیں اس لیے حنفی اس کا نام طلاق السنہ رکھتے ہیں۔۱۲ منہ

شوہر اول کا نہیں رہتا۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے۔ ہاں اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں خواہ ایک طہر میں خواہ دو میں تب زوج کو اختیار ہے کہ عدت سے پہلے رجوع کرے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ اور رجوع یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا یا وہ افعال کرے جن سے زن و شو ثابت ہوں۔ بوسہ لینا' صحبت کرنا' شہوت سے ہاتھ لگانا وغیرہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بغیر زبان سے کہے رجوع کرنا معتبر نہ ہوگا اور رجوع کے لیے دو گواہ کر لینا بہتر ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور عدت کے بعد بھی ہر طلاق کے بعد بار دگر نکاح کر سکتا ہے مگر تین طلاق کے بعد نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ بیوی پہلے کسی اور سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرے پھر وہ طلاق دے۔ پھر صحبت کے بعد زوجِ اول نکاح کرے۔ یہ سزا اس لیے مقرر کی کہ تین طلاق دینے سے باز آئے۔ یہ سخت مکروہ ہے۔ ایک بار تعلق منقطع کرنا شرع نے پسند نہیں کیا اس لیے بتدریج طلاق دینا مسنون ہوا کہ پھر کہیں گھر بس جائے تو بہتر اور طلاق کے موقع سے پہلے باہمی پنچایت کے ذریعہ سے ملاپ کی تاکید کی گئی ہے۔

فائدہ: طلاقِ رجعی کی عدت میں بیوی کا شوہر کے سامنے آنا، بناؤ سنگار کرنا، رغبت دلانا ممنوع نہیں بلکہ محمود ہے کس لیے کہ ہنوز نکاح باقی ہے اور ملاپ مقصود ہے اور طلاقوں کی عدت میں یہ حکم نہیں بلکہ زینت سے مرد کے سامنے آنا اختلاط کرنا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا، اتقوا اللہ ربکم کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے۔ لفظ اللہ ذات پر دال ہے جس کی جبروت سے ہر عقلمند کو ڈرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا لازمی ہے مگر عقولِ سافلہ کو وہاں تک بغیر کسی صفت کے رسائی نہیں اس لیے اس کے بعد ربکم بھی بیان فرما دیا کہ اللہ کون ہے؟ تمہارا رب جو تم کو پرورش کرتا ہے، رزق کے سامان بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ ہر گھڑی تمہارے وجود کا وہی محافظ و مربی ہے البتہ مربی اور محسن کی مخالفت سے عام طبائع ڈر سکتی ہیں اس لیے کہ وہ کہیں اپنے یہ انعام بند نہ کر لے اسی لیے ایسی صورت کا ذکر کیا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ [1] فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

مع

---

[1] ھؤلاء و منصوب لکونہ بدلا من ذکرا بمعنی ذا کرولہ وجوہ اخریٰ ذکرھا القوم قد احسن الجملۃ حال ثانیہ او مترادفۃ للخالدین مثلھن بالنصب علیٰ عطف علیٰ سبع سموات وقرئ بالرفع علی الابتداء۔ ۱۲ منہ

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫

ع ۱۵

اور کتنی ایک بستیاں اپنے رب اور اس کے رسول کے حکم سے سرکش ہوگئی ہیں پھر تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور ان کو بری سزا دی۔ پھر انہوں نے اپنے کیے کا مزہ چکھا اور ان کی انجام کار بربادی ہوئی آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پھر اے دانشمندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو (عقلمند وہی ہیں) جو ایمان لائے بے شک اللہ نے تمہاری طرف سمجھانے والا رسول بھیجا ہے جو تم کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتا ہے تا کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں ان کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے تو ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں سدا رہا کریں گے البتہ اللہ ان کو اچھی روزی دے گا۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی ان کی مانند بنائی ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور (نیز) اللہ نے علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔

تفسیر تیسرا حکم: یہ جملہ آیندہ حکم کے لیے تاکید ہے اس لیے اس کے بعد تیسرا حکم ذکر کرتا ہے۔ لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ آپ نکلیں مگر جب صریح فحش کریں تو نکال دینا مضائقہ نہیں۔ مطلقہ کو مکان دینا واجب ہے۔ مطلقہ کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی گو وہ خاوند کا گھر تھا مگر گھر عورت ہی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس لیے بیوتھن فرمایا۔ اضافت بیت کی ان کی طرف کی جیسا کہ سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات کو وقرن فی بیوتکن سے مخاطب کیا ہے اور بیت کو ان کی طرف مضاف کیا تھا۔ اضافۃ تملیکیہ نہیں بلکہ سکونت کے سبب سے۔ فاحشۃ مبینۃ بالکسر فاعل کا صیغہ جس کے معنی بیان کرنے والی یعنی وہ فاحشہ بات اپنی برائی آپ بیان کر رہی ہے اور مبینۃ بالفتح بھی پڑھا ہے کہ اس کی برائی، براہین ودلائل سے بیان ہوگئی ہے۔ فاحشۃ مبینۃ کے معنی اکثر مفسرین نے زنا کے بیان کیے ہیں کہ جب عورت بدکاری کرے تو اس کا نکالنا ممنوع نہیں۔ بعض نے اس کی اور بھی تخصیص کی ہے کہ وہ حد مارنے کے لیے نکالی جائے اس کے بعد پھر وہیں رکھی جائے (وفیہ مافیہ) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاحشۃ مبینۃ سے مراد بدزبانی فحش گوئی ہے کیونکہ مطلقہ کو خاوند سے طلاق کے بعد رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے، پھر عورتوں سے ایسے وقت بدزبانی فحش گوئی کچھ بھی بعید نہیں پھر جب ایسی نوبت ہو تو آیندہ اور فسادات کے اندیشے میں اس صورت میں نکال دینا مصلحت ہے اس کے سوا اور ضرورتوں کے سبب بھی (جیسا کہ مکان گرنے کو ہو یا دشمن کا خوف ہو یا مکان کرایہ کا تھا مالک اٹھاتا ہو) باہر نکلنا ممنوع نہیں مگر ان صورتوں میں خاوند کو لازم ہے کہ اور مکان عدت گزارنے کو دے۔

سکنی اور نفقہ بھی دینا چاہیے: قرآنِ مجید کے الفاظ میں کوئی قید نہیں طلاق رجعی یا بائن یا مغلظ کوئی ہو اور مطلقہ حایض ہو یا حاملہ یا آئسہ یا صغیرسن، سب کے لیے یعنی سکونت کا مکان دینا شوہر کا ذمہ ہے اور چند آیات کے بعد اور بھی تاکید فرماتا ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ جمہور آئمہ کا یہی قول ہے مگر حسن بصری وعطاء بن ابی رباح وشعبی واحمد واسحاق رحمہم اللہ تخصیص کرتے ہیں کہ جس عورت سے شوہر طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا (طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد) تو وہاں خاوند پر مکان دینا واجب ہے نہ روٹی نہ کپڑا۔ کس لیے کہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں رہا اور دلیلِ نقلی ان کی حدیثِ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے خاوند نے مجھے تین طلاق دی تھیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہ مکان دلوایا نہ روٹی کپڑا اور ابن اُمِ مکتوم کے گھر عدت گزارنے کا حکم

دیا۔ اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں اصحاب سنن اربعہ اور مسلم بھی ہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا تھا کہ کیا ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے۔ کیا معلوم بھول گئی یا یاد سے کہتی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سکنی اور نفقہ دونوں دلاتے تھے۔ (اس بات کو مسلم و ابوداؤد و ترمذی ونسائی وطحاوی و دارقطنی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے)۔

جمہور کا مکان دینے میں اتفاق ہے۔ اور مکان کے ساتھ نفقہ[1] بھی خاوند پر واجب ہے کس لیے کہ رجعی طلاق میں تو خاوند کا تعلق ہی قائم ہے اس سے صحبت کر سکتا ہے اور بائن میں عورت نکاحِ ثانی سے خاص شوہرِ اول کی وجہ سے روکی گئی کہ اس کا حمل بخوبی معلوم ہو جائے اور جلد دوسرے کے پاس جانے میں مظنۂ تہمت تھا پس اس کو مکان اور نفقہ دونوں دینے چاہییں۔ اور نیز چند آیات کے بعد مطلقہ حاملہ کے لیے نفقہ دینے کا صاف حکم ہے۔ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ الآیۃ اور حاملہ غیر حاملہ کا اس بارے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ عمر وعبداللہ بن عمر وغیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا اور سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور علماءِ کوفہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں غیر طلاقِ رجعی میں بھی شوہر کو مکان دینا ضروری ہے اس آیت کے بموجب لیکن اس میں نفقہ کا ذکر نہیں صرف حاملہ کے لیے نفقہ کا ذکر ہے اس لیے نفقہ نہ دیا جائے گا یعنی خرچ۔ یہ امام مالک ولیث بن سعد و امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں فاحشة مبينة سے مراد یہ دکھائی ہے فاطمہ بنت قیس بدزبان اور فحش گو عورت تھی اس لیے اس کے لیے مکان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا یا غیر کے گھر عدت گزاری اور نفقہ بھی نہ دلایا۔ ان سب احکام میں غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے طلاق کو کہاں تک محدود کیا ہے اور پھر ملاپ ہو جانا ملحوظ رکھا ہے۔

ان احکام کے استحکام کے لیے فرماتا ہے وتلك حدود الله کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ اور جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا اللہ کا کیا بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا کس لیے کہ ان احکام میں صدہا دنیویہ مصلحتیں خدا تعالیٰ نے ودیعت کر رکھی ہیں اس کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدا کہاں تک نتیجہ دکھاتا ہے۔ لعل الله يحدث بعد ذلك امرا کے یہی معنی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ صرف عدت اور مکان دینے کی طرف راجع ہے جس سے مراد یہ کہ شاید بعد میں اس ارتباط و حسنِ سلوک سے ملاپ ہو جائے۔

چوتھا حکم: فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ کہ جب ان مطلقات کی اجل یعنی عدت پوری ہونے کو ہو (بلغن کے یہی معنی ہیں) تو ان کو دستور کے موافق رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ آیت کا سیاق کہہ رہا ہے کہ یہ حکم طلاقِ رجعی کی عدت سے متعلق ہے کہ ہنوز خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہے پھر عدت تمام ہونے کو آئے تو عورت کو پھر بدستورِ سابق بغیر نکاحِ جدید اپنی بیوی کر لے مضرت کا قصد نہ کرے کہ بار دگر گھر میں ڈال کر خوب دل کے غبار نکالے بلکہ حسنِ معاشرت سے پیش آئے اور جو اپنے مصالح کے مناسب نہ سمجھے تو ترک کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے اس کا مہر وغیرہ دے دے اور دوسرے شخص سے نکاح کرنے میں حارج نہ ہو مگر طلاقِ بائن اور ثلاث میں بھی امساك بمعرف وتسريح باحسان ہو سکتا ہے کہ نکاحِ جدید کے بعد حسنِ معاشرت سے رکھے یا اس کو بالکل چھوڑ دے جس سے چاہے نکاح کرے[2]۔ اس کا مہر وغیرہ سب دیدے یہی مضمون سورۂ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔

پانچواں حکم۔ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ کہ اس مراجعت یا ترک پر اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں میں سے کم

---

[1] کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا یعنی نفقہ۔ ۱۲ منہ

[2] کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد بھی عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا۔ ۱۲ منہ

از کم دو شخص ثقہ اور نیک بختوں کو گواہ بھی کرلو کہ پھر کسی طرح کا باہمی جھگڑا نہ پیدا ہو مثلاً دونوں میں سے ایک مرجائے اور دوسرا وراثت کا دعویٰ کرے اور وارث جھٹلانے لگیں کہ تم نے رجوع نہیں کیا تھا یا باہم نکاح باقی نہیں رہا۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ مرد نے رجوع کیا کسی کو خبر تو کی نہیں عدت گزر گئی اس نے دوسرے نکاح کی ٹھان دی، جھگڑا پڑا اور یہی مصلحتیں ہیں۔ اہلِ معاملہ کو گواہ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو اللہ کے لیے بلا کم وکاست گواہی ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ یہ حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری التعمیل یعنی واجب ہے رجوع کرنے کے وقت ضرور گواہ بنائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں ہاں گواہ کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں اور یہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں واشھدوا اذا تبایعتم حالانکہ بیع کے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔

فائدہ: صاحبِ اتقان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ گواہوں کی تخصیص نے سورۂ مائدہ کی تعمیم ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ اور آخران من غیر کم کو منسوخ کردیا یعنی سورۂ مائدہ میں تو یہ حکم تھا کہ دو ثقہ شخص تم میں سے ہوں یا اور لوگوں میں سے ہوں اور یہاں یہ کہہ دیا کہ تم میں سے ہوں، اس تعمیم کو منسوخ کردیا لیکن یہ قول چنداں قوی نہیں کس لیے کہ سورۂ مائدہ میں گواہی وصیت کے باب میں تھی یہاں رجعت کے بارے میں ہے۔

پھر ان احکام کی پابندی پر تاکید فرماتا ہے۔ ذلکم یہ احکام یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ وہ ہیں کہ جن سے نصیحت پکڑتا ہے یا فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ شخص جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اشارتاً یہ کہہ دیا کہ جو ان احکام کی پابندی نہیں کرتا گویا وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں ایماء عرب کی جاہل قوموں کی طرف ہے کہ وہ طلاق دے کر عورت کو معطل کردیتے تھے، بے چاری یوں ہی بیچ میں جھولتی رہتی تھی۔ نہ تو آپ اس کی خبر گیری کرتا تھا نہ اور سے نکاح ہونے دیتا تھا۔ یہ بڑا ظالمانہ برتاؤ تھا۔ اب بھی بعض مرفع الحال لوگ جو عزت وغرور کے نشہ میں چور ہیں ایسا ہی کرتے ہیں نکاح اور طلاق میں قانونِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا مطلقاً عمل نہیں وہ کہتے ہیں اشراف ایسا نہیں کرتے۔ معاذ اللہ یہ کلمہ حدِ کفر تک پہنچاتا ہے۔ قیامت کو جبکہ اللہ جبار وقہار تخت پر بیٹھ کر عدالت کرے گا شرافت معلوم ہوجائے گی۔

یہ ساری بے اعتدالیاں خوفِ خدا نہ ہونے کے سبب ہیں اور ان احکام میں غفلت واعراض کا باعث طمع یا فکر ہوتی ہے کہ اس کو کہاں سے کھلائیں گے، مہر کیونکر دیں گے، روک رکھو کہ مہر نہ مانگے بلکہ جو کچھ لیا ہے واپس کرلو۔ اس لیے سب سے پہلے خوفِ خدا کی تاکید اور اس کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے آخرت میں تو اس کے ثمرات ملیں گے مگر دنیا میں بھی اس کو دو چیزیں عطا کرتا ہے۔

اول۔ یجعل له مخرجا کہ اس کے لیے ہر مشکل میں خلاصی دیتا ہے، رنج وغم سے رستگاری عطا کرتا ہے یہ اس لیے کہ جب انسان اللہ سے ڈرا اور ہر مصیبت کو اسی کی طرف سے سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اول تو اس کے دل کو اطمینان وانشراح پیدا ہوجاتا ہے اور وہ مصیبت اس کے نزدیک بہت ہلکی ہوجاتی ہے اور واقعی لوگوں کے قلوب کے موافق مصیبت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ ذرا سی بات سے دست آنے لگتے ہیں، بے قرار ہوجاتے ہیں اور بعض کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حادثہ کس پر گزر گیا؟ الغرض استقلال وجوانمردی تقویٰ سے پیدا ہوجاتی ہے اور یوں بھی عالمِ بالا سے اس کی مشکل کشائی کے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں۔ خدا ترس لوگوں کو جو جو مددِ غیبی حوادث میں پہنچتی ہے ان سے کوئی ایماندار جو کتبِ سماویہ پر یقین رکھتا ہے انکار نہیں کرسکتا البتہ حال کا فلسفہ اس کو کچھ نہیں سمجھتا یہ ان کی جہالت ہے۔

بعض مفسرین نے مخرجاً کو خاص بھی کیا ہے چنانچہ کلبی کہتا ہے کہ جو اللہ سے ڈر کر مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کو آتشِ جہنم سے مخلصی دیتا ہے۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں یہ خاص طلاق کی بابت ہے کہ جس نے حکمِ الٰہی کے موافق طلاق دی اس کے لیے رستہ رجوع

کرنے کا عدت میں خدا نکال دیتا ہے۔

دوم۔ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ کہ جہاں سے گمان بھی نہ ہوگا روزی دے گا۔ وہ قادرِ مطلق اپنے پاکباز بندوں کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ جن کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس میں خاوند کو تسلی ہے کہ رزق و روزی کے فکر سے طلاق نہ دو نہ طلاق کے بعد زبردستی روک رکھو، ہم بے گمان روزی دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس کو بھی خاص کیا ہے۔ حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے گا اور ادائے فرض کرے گا اس کو عذاب سے خلاصی دے گا اور اسی طرح ثواب دے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ گناہوں کے سبب رزق سے محروم کیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا اور کوئی چیز نہیں رد کرتی اور عمر کی زیادتی کا باعث نکوئی ہی ہوتی ہے۔ (رواہ الامام احمد) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمانداروں کے لیے خدا تعالیٰ گناہوں سے تنگدستی دیتا ہے اور نیکی سے فراغ دستی اور نیکی و احسان کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور بندہ جب اللہ سے عجز و زاری سے مانگتا ہے تو عطا کرتا ہے، آئی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ توریت میں جا بجا بنی اسرائیل کی تنگدستی اور فراغبالی کو ان کی نیکوکاری و بدکاری پر محمول کیا ہے۔ ہاں کبھی ازلی بدبختوں اور کفار کو ان کی سرکشی اور بدکاری پر بھی افزائشِ مال و جاہ کرتا ہے۔ یہ اس کا امتحان و ابتلاء ہے۔ آخر کار دنیا میں بھی ایک روز بدکار قوم کو اقبال و عزت کو رخصت کرنا پڑتا ہے اور نکبت و بدبختی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فلسفۂ حال اس بات کو بھی لچر و پوچ اور پرانا خیال سمجھتا ہے اس لیے پاکدامنی، خدا پرستی ان کے نزدیک ایک عبث کام ہے جس پر وہ ٹھٹھے لگاتے ہیں، عنقریب ان پر ٹھٹھے لگیں گے۔

اس کے بعد توکل کے فوائد اور اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ کہ جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ توکل اللہ پر اعتماد اور اسباب کی فراہمی اور ان پر کامیابی سب کو اسی کے دستِ قدرت میں سمجھنا جس میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو بڑی جوانمردی سے معاملات میں لوگوں سے پیش آتا ہے، سیر چشمی کرتا ہے جو اس کی عزت و حرمت بڑھانے کا عمدہ ذریعہ ہے اور جو کوئی مصیبت بھی اس پر آجاتی ہے تو اس کو من اللہ سمجھ کر دل میں بیقراری پیدا نہیں ہونے دیتا۔ عجب شادمانی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ ہے خدا تعالیٰ کا اس کے لیے کافی ہونا اور یوں بھی غیب سے ایسے لوگوں کے کام بن جایا کرتے ہیں۔ مسبب الاسباب اسباب پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توکل اور تقویٰ روح کو منور کرنے والی چیز ہے اس سے ظلماتِ ہیولانیہ جو اس کے اور خالق کے درمیان حجابِ اکبر ہیں اٹھ جاتے ہیں۔ پھر روح کا بارگاہِ قدس تک پہنچنا اور وہاں سے قوت پانا دنیا میں ایسے ایسے حیرت انگیز کاموں کا باعث ہو جاتا ہے جنہیں کمتر درجہ کے دماغ خلافِ قانونِ قدرت سمجھ کر خواہ مخواہ انکار کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے حیرت افزا کام اور ان کے برکات اناجیل میں نہیں؟ پھر کوئی عیسائی انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہلِ بیتِ عظام رحمۃ اللہ علیہ اور بعد میں حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے کرامات اس قدر ہیں کہ جن کا انکار ہو نہیں سکتا۔

فائدہ: اس میں شوہر کو تسلی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بدمعاملگی نہ کرو وہ تمہارے لیے کافی بندوبست کر دے گا۔ ہر معاملہ میں راستی اختیار کرنے کے لیے اس اعتقاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز متحرک نہیں۔ اس طرف کمتر درجے کے لوگوں کا خیال جا سکتا تھا کہ خدا ہے کیا اور عالمِ اسباب میں کر کیا سکتا ہے۔ کارخانۂ دنیا اسباب پر مبنی ہے جیسا کہ آریہ اور آج کل کے روشن دماغ یورپین کہتے ہیں اس لیے ان کے اطمینان کے لیے فرماتا ہے۔ ان اللہ بالغ امرہ کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہا کرتا ہے۔ اس کے یدِ قدرت کو کوئی روک نہیں سکتا کس لیے کہ قد جعل اللہ لکل شيءٍ قدرا۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا ہے جو مصالح پر مبنی ہے۔ عدت حیض آنے والیوں کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ثلاثۃ قروء تین حیض ہیں۔ مگر جنہیں حیض نہیں آتا عمر زیادہ ہونے یا کم ہونے کے سبب یا حمل کے سبب۔

سو یہ تین قسم کی عورتیں وہ ہیں کہ جن کی عدتِ طلاق دریافت طلب تھی اس لیے حق سبحانہٗ ان تینوں قسموں کی عدت بیان فرماتا ہے۔ قسم اوّل۔ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ کہ جو ناامید ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے حیض آنے سے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں۔ جو عورتیں سن رسیدہ ہو جاتی ہیں پھر ان کو حیض نہیں آتا، جو جسمانی قوت کے دنوں میں آیا کرتا تھا صرف کچھ رطوبت سی آنے لگتی ہے اور بعض کو وہ بھی نہیں آتی بلکہ اور کسی خاص بیماری کی وجہ سے ایامِ معتاد یا غیر معتاد میں خون آتا ہے جس سے حیض کا دھوکا ہوتا ہے اور گاہے انقطاعِ حیض کے قریب زمانہ میں وہ رطوبت بھی شبہ میں ڈال دیتی ہے۔ الغرض ایسی عورت کو آئسہ کہتے ہیں یعنی حیض آنے سے ناامید ہو گئی اور سنِ ایاس جسمانی اور ملکی قویٰ کے تفاوت سے ضرور متفاوت ہوتے ہیں۔ گرم ملکوں میں عورتوں کو جلد حیض آتا ہے اور بڑھاپا بھی جلد آجاتا ہے اور حیض بھی چند برسوں بعد بند ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں اچھی خاصی بڑھیا ہو جاتی ہے اور سرد ملکوں میں چالیس برس کی عمر میں خوب جوان سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح قوائے جسمانی کا تقاضا ہے اس لیے اس کا کوئی زمانہ معین نہیں ہو سکتا نہ قرآنِ مجید نے کیا۔ ہاں فقہاءِ کرام نے تخمینہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ساٹھ برس کی عمر میں عورت آئسہ ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا پچپن برس کی عمر میں اگر تم کو شبہ ہو حیض آنے میں تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ ان ارتبتم کرخی فرماتے ہیں، یہ صفت کاشفہ ہے کوئی قید نہیں کس لیے کہ جو عورتیں آئسہ ہیں ان کی ہر حال میں یہی عدت ہے خواہ تم کو شک ہو یا نہ ہو۔ پھر ارتبتم کے معنی میں کلام ہے کہ کاہے میں شک ہو اس میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ حیض منقطع ہو گیا اور اس کی ہم عمروں کو آتا ہے۔ اب تم کو شک ہے کہ رک گیا یا آنا ہی بند ہو گیا یا حیض منقطع ہونے کے بعد استحاضہ[1] کا مرض ہو گیا۔ اب حیض نہیں معلوم ہو سکتا یا بعد انقطاع کے کوئی رطوبت آیا کرتی ہے جس سے حیض کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ سلف کا قول ہے جیسا کہ مجاہد و زہری و ابن زید۔ دوسرا قول جس کی طرف ابن جریر و ابن سعید وغیرہم کا رجحان ہے، یہ ہے کہ تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو کہ کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں ابن جریر ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ چند عورتوں کی عدت معلوم نہیں ہوئی۔ بڑی عمر والیوں کی اور چھوٹی عمر والیوں کی اور حمل والیوں کی اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم نے اس سے بھی تفصیل وار نقل کیا ہے۔

دوسری قسم۔ وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وہ عورتیں کہ جن کو حیض نہیں آتا ہے کم سنی کی وجہ سے تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ (یہ پہلے والّٰئی پر معطوف ہے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ یہ عدتِ طلاق ہے اس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

تیسری قسم۔ اس کے بعد تیسری قسم کی عورتوں کی عدت فرماتا ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ کہ حمل والیوں کی عدت وضعِ حمل ہے یعنی جننا عدت ہے جب وہ جنیں عدت پوری ہو گئی۔

فائدہ: اگر پورے دنوں میں بچہ نہیں ہوا اور حمل ساقط ہو گیا کیا اس سے بھی عدتِ طلاق پوری ہو جائے گی؟ ظاہر الفاظ کہہ رہے ہیں کہ عدت تمام ہو جائے گی۔ کسی نے آج طلاق دی اور اس کو مہینے بھر کا حمل تھا تو آٹھ مہینے تک عدت میں رہے گی نویں مہینے جنتے ہی عدت تمام ہو جائے گی۔

ہدایہ میں ہے۔ ''وان کانت ممن لا تحیض من صغر او کبر فعدتہا ثلاثۃ اشہر لقولہ تعالیٰ والّٰئی یئسن الخ وکذا من بلغت بالسن ولم تحض (بالاخر الآیہ) وان کانت حاملا فعدتہا ان تضع حملہا۔ کہ اگر صغر سنی یا کبر سنی سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی تین مہینے ہیں اس آیت سے والّٰئی یئسن الخ اور اسی طرح اگر بالغہ ہو جائے اور حیض نہ آتا ہو تو بھی عدت تین مہینے ہیں اور اگر حمل ہے تو عدت وضعِ حمل ہے۔ (ترجمہ)

بحث : بظاہر آیت واولات الاحمال الخ عدتِ طلاق کے بارے میں ہے اور عدتِ وفات سورۂ بقرہ میں اربعۃ اشہر

---

[1] خون آنے کی بیماری جو عورتوں کو حیض کے علاوہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

وعشرا۔ چار مہینے دس روز کی آ چکی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ آئسہ ہو صغیرہ ہو حامل ہو لیکن جب عدت کی مصلحت کی طرف غور کیا گیا کہ وہ امتیازِ نطفہ ہے کہ ایک نطفہ کے ساتھ دوسرا مخلوط نہ ہو تو حاملہ کے پیٹ میں اول شوہر کا نطفہ باقی ہے خواہ وہ وفات کی عدت ہو خواہ طلاق کی جب تک یہ الگ نہ ہولے عدت قائم رہے گی اور رہنی بھی چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کردی کہ طلاق پر موقوف نہیں وفات میں بھی یہی عدت ہے اور جمہور علماء کا سلف سے خلف تک یہی قول ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا تھا۔ اَلَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ کہ جن کے خاوند مرجائیں چار مہینے دس دن عدت کریں۔ اس میں یہ قید نہ تھی کہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ اس طرح اس آیت واولات الاحمال میں ہے کہ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے کوئی قید نہیں کہ وہ حمل والیاں مطلقہ ہوں یا بیوائیں ہو۔ اب آن کر دونوں آیات میں حاملہ [1] بیوہ کی عدت میں تعارض ہوا۔ سورۂ بقرہ کی آیت تو کہتی ہے کہ چار مہینے دس دن عدت کرے خواہ حمل اس سے پہلے وضع ہو یا بعد میں اور یہ آیت کہتی ہے وضعِ حمل عدت ہے خواہ چار مہینے دس دن کے بعد ہو خواہ دوسرے روز ہی وضعِ حمل ہو جائے عدت تمام ہو جائے گی۔ مگر یہ آیت واولات الاحمال بعد میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اس بارہ میں سورۂ بقرہ کی آیت منسوخ قرار دی جائے گی۔ بخاری ومسلم وترمذی وابوداؤد وغیرہ محدثین نے مختصراً و مطولاً ایک حدیث نقل کی ہے کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا سعد بن خولہ بدری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، سعد حجۃ الوداع میں مرگیا اور سبیعہ حامل تھی، بعد چالیس روز کے اس نے بچہ جنا پھر جب نفاس سے پاک ہوئی تو اپنے آپ کو نکاح کے لیے آراستہ کیا۔ اس کے پاس ابوالسنابل بن بعکک بھی گیا۔ اس نے کہا تو نکاح کرنا چاہتی ہے؟ یہ نہ ہوگا کس لیے کہ تیرے شوہر کو مرے چار مہینے دس دن نہیں ہوئے تب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے گئی۔ آپ نے فرمایا جب تیرا حمل وضع ہوا تیری عدت تمام ہوگئی اس کے بعد اس نے نکاح کرلیا۔

اس حدیثِ مشہور کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ مختلف طریق سے متعدد راویوں نے روایت کی ہے اور اسی پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین و آئمہ رحمہم اللہ کا عمل رہا ہے مگر ابن عباس اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دونوں عدتوں میں سے جو زیادہ ہو وہ کرے یعنی اگر دس روز بعد وضع حمل ہوا تو چار مہینے دس روز عدت کرے مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قول کو ہرگز نہ مانا اور کہا جو چاہے مجھ سے مباہلہ کرلے کہ سورۂ نساء قصریٰ یعنی سورۂ طلاق کہ جس میں اولات الاحمال الخ ہے، سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی یہ اس کی ناسخ ہے اس بارے میں۔ ہدایہ میں ہے۔ وعدة الوفاة في الحرة اربعة اشهر وعشرا وعدة الامة شهران و خمسة ايام وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها۔ علماء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

عدت کے احکام: اس حکم کے بعد اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کردے گا یعنی ان احکام پر عمل کرو اللہ سے ڈر کر تاکہ تمہیں نکاح وطلاق کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور خدا تمہارے سارے کام آسان کرے۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ۔ یہ حکم اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا۔ اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو کس لیے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے خدا اس کے گناہ اس سے مٹا دیتا ہے اور اس کے لیے بڑا اجر تیار کرتا ہے۔

طلاق کے بعد ایامِ عدت میں خاوند کو مطلقہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ اس کا بیان فرماتا ہے۔

اول حکم: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ کہ جہاں تم رہو اپنے مقدور کے موافق ان کو بھی وہیں رکھو کس لیے کہ طلاق کے بعد طرفین میں رنجش معمولی بات ہے فوراً نکال دینا قریب الوقوع بات ہے۔ اس میں عورت کی کمال بے حرمتی اور معاملہ سابقہ کے لحاظ سے کمال بے مروتی ہے اس لیے مکان دینے کا حکم دیا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے مگر خرچ وخوراک میں کلام ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوا۔ امام ابوحنیفہ

---

[1] کے لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

رحمۃ اللہ کے نزدیک خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی مکان کے ساتھ خرچ وخوراک بھی ضروری ہے کس لیے کہ اگر صرف مکان مراد ہوتا تو پہلے بھی بیان ہو چکا۔ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ میں دوم من وجد کم کا لفظ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں طلاق بائن میں خرچ و خوراک دینا واجب نہیں۔

دوسرا حکم: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ۔ خدائے پاک مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع کرتا ہے کہ مکان اور کھانے پینے میں تنگی نہ کرو کہ تنگ ہو کر نکل جائے اور ہر قسم کی ایذا سے ممانعت ہے۔ سخت کلامی، لڑائی جھگڑا، ترش روئی۔ اور یہ بھی ہے کہ جب عدت تمام ہونے کو آئے مثلاً دو روز باقی رہ جائیں پھر رجوع کر لے اور پھر طلاق دے تا کہ اور عدت بڑھ جائے۔ اس سے بھی منع کیا۔ عرب ایسے ایسے ظالمانہ معاملات عورتوں سے کرتے تھے جن سے اسلام نے روک دیا اور تہذیب و شائستگی سکھا دی۔ معاملات میں مہذب رہنا بڑی بات ہے۔

تیسرا حکم: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اگر وہ مطلقہ حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان کو خرچ و خوراک بھی دو۔ اس قید سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مطلقہ کو حمل نہیں ہے تو صرف مکان دینا واجب ہے نہ نفقہ۔ اس کا جواب پہلے گزر گیا۔ مگر آیت میں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آیت مطلقہ کے بارہ میں ہے۔ اگر خاوند مر جائے تو اس کے لیے مکان اور نان ونفقہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ عنہما وشریح ونخعی وشعبی وحماد وابن ابی لیلیٰ وسفیان اور ان کے شاگرد رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کو مکان وخوراک میت کے کل مال میں سے ملے گا۔ اور ابن عباس وابن زبیر وجابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم ومالک وشافعی وابوحنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کے حصے میں سے خرچ ہوگا۔

سوال: جب ہر قسم کی طلاق میں خواہ بائن ہو خواہ رجعی خواہ وہ عورت حامل ہو یا غیر حامل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق مکان کے سوا نفقہ بھی واجب ہے تو وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس لیے کہ حمل کی مدت معمولی عدت سے زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی یوں نہ سمجھ لے کہ تین مہینے تک نفقہ دینا چاہیے پھر نہیں اس لیے یہ ذکر کرنا پڑا۔

چوتھا حکم: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ اگر مطلقہ وضع حمل کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اس کی اجرت دو۔ یہ خیال نہ کرو کہ دودھ تو ہمارے ہی حمل سے تھا مجبور کر کے بغیر اجرت دودھ پلایا جائے۔

اس حکم کی کئی صورتیں ہیں۔ اول یہی جو بیان ہوئی۔ دوسری یہ کہ عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ خاوند نے طلاق دے دی۔ اب عدت کے ایام میں نفقہ جدا دینا ہوگا اور دودھ کی اجرت جدا دینی ہوگی۔ (طلاق دینے سے کس خوبصورتی سے روکا گیا ہے)۔ تیسری یہ کہ تمہاری دوسری بیوی کے بچے کو وہ دودھ پلا دے یعنی اس کے شکم کا نہ ہو تو بھی اجرت کی مستحق ہے۔ (سب صورتوں میں جب ہی اجرت دینا واجب ہے اگر وہ طلب کرے)۔ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ۔ اور باہم مشورہ سے کام کرو یعنی رضامندی ایک دوسرے کی ملحوظ رکھے نہ خاوند بہت کم اجرت دے نہ یہ زیادہ طلب کرے۔ دستور ومعمول کے موافق دے اور لے۔ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى۔ اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔

فائدہ: اور اگر اور عورت نہ ملے یا بچہ دودھ اور کا نہ پیئے تو عورت کو مجبوراً دودھ پلانا ہوگا اور دستور کے موافق اجرت دی جائے گی۔

فائدہ: غیر مطلقہ جو اپنے بچے کو دودھ پلا دے اس کی اجرت جداگانہ خاوند پر واجب ہے کہ نہیں؟ اس کا کوئی حکم قرآن مجید میں بصراحت نہیں۔ جو کچھ ہو قیاسی حکم ہوگا۔

پانچواں حکم: مگر اس اجرت اور نان ونفقہ کی تعداد معین کرنا نظام عالم میں خلل انداز تھا۔ کس لیے کہ ملک اور قوم اور رواج کے موافق ہر جگہ یکساں حکم جاری کرنے میں بڑی دقت تھی اس لیے اس کا فیصلہ بھی کر دیا۔ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ کہ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے یعنی مرد کی حیثیت خیال کی جائے اور اوسط درجہ لیا جائے۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ۔ اور جو ایسا ہے کہ اس کا رزق اس کے اندازہ کے موافق ہے یعنی تنگدست ہے۔ تنگدست کو قدر علیہ رزقہ سے تعبیر کرنے میں تسلی کے سوا ایک لطیفہ بھی ہے تو وہ اس میں سے دے جو اس کو اللہ نے دیا یعنی وہ اسی کے موافق دے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا۔ اللہ کسی کو زیادہ حکم نہیں دیتا مگر اسی قدر کہ جو اس کو دیا۔ یعنی قوت ومقدور سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ انسان پر کوئی حکم اس کی طاقت سے باہر چیز میں صادر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کم مقدور لوگوں کو تسلی بھی دیتا ہے۔ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا۔ کہ تنگی کے بعد خدا فراخدستی بھی عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرضعہ کو سمجھایا جاتا ہے کہ کیا خبر یہ لڑکا تونگر ہو جائے یا اس شخص کو خدا کشائش عطا کرے تو تیری وقتِ افلاس کی رفاقت کو ملحوظ رکھے اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ کوئی ہر ایک کے لیے عام حکم نہیں کہ ہر تنگدست کو فراخدستی مل ہی جائے گی۔ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایمانداروں کو دنیا کی تنگدستی اور تکلیف کے بعد فراخی اور راحت ضرور ملے گی اور جلد ملے گی۔ دنیا کی زندگی سریع الزوال ہے لیکن آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب ہے اور وہ اس وقت بہت تنگدست تھے اپنے وعدہ کے موافق خدا نے بہت جلد ان پر فراخدستی کے دروازے کھول دیے۔ قیصر وکسریٰ کے خزائن اور عمدہ اشیاء اور ان کے سامان ان کے پاؤں تلے ڈالے گئے۔ یہ بشارت پوری ہوئی۔

ان احکام کو بیان فرما کر: ان کی پابندی کی تاکید کرتا ہے کہ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا۔ کہ بہت سی بستیوں یعنی شہر والوں نے اپنے رب سے سرکشی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی جیسا کہ لوطؑ کی بستیاں وغیرہ تو خدا نے ان سے سخت حساب لیا۔ ان کے اعمالِ بد کا گن گن کر پورا بدلہ ان کی گودوں میں ڈالا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۔ پس ان لوگوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور انجام خسران ہوا۔ آخرت میں عذابِ شدید ان کے لیے مہیا کیا گیا۔ اجڑے ہوئے شہروں اور برباد شدہ قوموں اور خاندانوں کو دیکھ کر فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ۔ اے ہوشمندو! عقل والو! اللہ سے ڈرو، اس کی نافرمانی سے بچو، عبرت کرو۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ عقلمند کون ہیں۔ الذین آمنوا وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ دراصل یہی لوگ عقلمند ہیں جن کی انجام پر نظر ہے اور یہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کافر بے عقل کیا ڈرے گا۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ کہ تحقیق اللہ نے تمہارے پاس ذکر یعنی مذکر (یاد دلانے والا سمجھانے والا) بھیجا ہے وہ کون رسولا۔ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ جو تم کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے جو صریح اور ظاہر ہیں جن میں کوئی پیچیدگی اور خلافِ عقل بات نہیں۔ یا یہ معنی کہ آیات تمہارے لیے مسائلِ حلت وحرمت مبدء ومعاد اخلاق وقصصِ سابقہ کو بیان کرتی ہیں۔ لیخرجکم من الظلمات الی النور۔ تا کہ تمہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ مذہب باطل کی اندھیری اخلاق بد کی اندھیری رسم ورواج کی پابندی کی اندھیری خدا اور آخرت سے جہالت کی اندھیریاں عرب پر گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکال کر نور میں لائے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا۔ پس جو اس نور میں آ گیا یعنی اللہ پر ایمان لایا، اعتقاد درست کر لیا اور پھر اچھے کام کیے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا۔ دراصل یہی نور ہے جو قیامت میں آگے اور دائیں بائیں دوڑتا ہوا چلے گا اور مرنے کے بعد عالمِ قدس میں پہنچا دے گا۔ تکمیلِ قوتِ نظریہ وعملیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے تو يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اس کو مرنے کے بعد ایسے

---

۱ کس لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

باغوں میں بسا دے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی یعنی عالم قدس میں باغ اور نہریں اس کی قوت نظریہ و عملیہ کا مظہر ہوں گی۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا وہاں ہمیشہ رہا کرے گا۔ ایمان واعمال بھی اس کے ساتھ ہمیشہ تھے۔ ان کی نہریں جاری رہا کرتی تھیں۔ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزْقًا۔ اللہ نے اس کے لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی۔ وہاں کے نعماء اور دیدار الٰہی یہ قابل اعتبار بات ہے کس لیے کہ اس اللہ نے خبر دی جس نے خلق سبع سموات۔ سات آسمان و من الارض مثلھن اور ان کے مانند زمین بنائی[1]۔ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ ان میں اس کا حکم نازل ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں بغیر حکم قضاء وقدر کے ذرہ نہیں ہلتا۔ یہ اس لیے لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم میں ہر چیز ہے پس وہ قادر بھی ہے کہ دار آخرت میں اپنے وعدے کو پورا کرے۔ دنیا میں مخالف کو تباہی' آخرت میں روسیاہی دے اور اس کا فرمانا خبر دینا اس کے علم کی وجہ سے صداقت پر مبنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ ۚ وَ اللّٰہُ مَوْلٰىکُمْ ۚ وَ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ② وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ ھٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰىہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ④

اے نبی! جن چیزوں کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے آپ ان کو کیوں حرام کرتے ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی ڈھونڈتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کا کھول دینا بھی فرض کر دیا ہے اور اللہ تمہارا مولا ہے اور وہ دانا (اور) حکیم ہے۔ اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہہ دی۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا اور اللہ نے اس کو نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کیا۔ پھر جب نبی نے اس عورت کو خبر دی تو کہنے لگی تجھے یہ کس نے بتائی۔ نبی نے کہا مجھے بڑے دانا' خبردار نے بتائی ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کر دو تو (بہتر) ورنہ تمہارے دل تو مائل ہی ہو گئے اور اگر تم دونوں نبی پر چڑھائی کرو گی تو اس کا رفیق بھی اللہ اور جبرئیل اور نیک مسلمان ہیں اور فرشتے اس کے بعد (جدا) مددگار ہیں۔

---

[1] امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر سات زمینوں سے سات اقلیم مراد لیے جائیں جہاں تاثیر سیارات مختلف طور پر نمایاں ہے تو ممکن ہے مگر وہ روایات کہ جن میں سات زمینوں کا یکے بعد دیگرے ہونا اور ہر ایک میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہونا اور اخیر زمین کا مچھلی پر ہونا مذکور ہے اور اسی طرح آسمانوں کی بابت ایک یاقوت کا دوسرا زمرد کا وغیر ذلک یہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ۱۲ منہ

ترکیب : تبتغی استیناف اوتفسیر لقولہ تحرم اوحال من الضمیر فی تحرم والمرضاۃ اسم مصدر واصلہ مرضوۃ۔ وھو مضاف الی المفعول ای ان ترضی ازواجک والی الفاعل ای ان یرضین ھن۔ ومعناہ الرضاء۔ ویمکن ان تکون الجملۃ للاستفہام الانکاری تحلۃ اصلہ تحللۃ فسکن وادغم۔ واذ فی موضع نصب باذکر فلماشرط عرف جوابہ فلماشرط فالت جوابہ ان تتوبا شرط والجواب محذوف ای فذاک واجب دل علیہ فقد صغت لان اصغاء القلب الی ذلک قریب۔ قلوبکما انما جمع وھما اثنان لان لکل انسان قلبا و مالیس فی الانسان الا واحد جازان یجعل الاثنان فیہ بلفظ الجمع وجازان یجعل بلفظ التثنیۃ وقیل وجہہ ان التثنیۃ جمع ھو مبتداء وخبرہ ان ویجوزان یکون ھو فصلا فاما جبرئیل وصالح المؤمنین ففیہ وجہان احدھما ھو مبتداء والخبر محذوف والثانی ان یکون مبتداء والملائکۃ معطوفا علیہ وظھیر خبر الجمیع وھو واحد فی معنی الجمع ای ظھراء۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔قرطبی کہتے ہیں اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ ربط اس کا اول سورۃ سے یہ ہے کہ اول سورہ میں طلاق کے احکام بیان ہوئے تھے جو عورتوں کے متعلق تھے اور نیز طلاق کے بعد جو عورت حلال تھی حرام ہو جاتی ہے اس لیے اس سورۃ میں بھی عورت کی ضد وخواہش اور ہٹ اور اصرار سے مباح چیز کو اپنے اوپر ممنوع کر کے معاشرت کے دائرہ کو تنگ کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اس لیے فرماتا ہے:

یَاَیُّھَاالنَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ۔ اے نبی! کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہے۔ تَبْتَغِیْ مَرْضَاۃَ اَزْوَاجِکَ اس حرام کرنے میں اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو[1] یعنی ایسا نہ کرو۔ یہ ایک قسم کی ناپسند بات ہے اَللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ خدا معاف کرنے والا ہے۔ اور تم جو بیویوں کے کہنے سے قسم کھا بیٹھے ہو تو قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ تو اللہ نے تمہارے لیے ایسی قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا۔ ضرور توڑ دو کس لیے کہ اَللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ اللہ تمہارا رفیق وکارساز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس میں تمہیں دقت اور تنگی پیش آئے گی اور ہمیشہ کے لیے ایک مباح چیز امت میں حرام سمجھی جائے گی اور یہ اصول شریعتِ محمدیہ کے برخلاف ہے۔ اللہ علیم وحکیم ہے۔ کسی چیز کو حرام وممنوع قرار دینا اس کے عواقب امور پر نظر کر کے اسی کا کام ہے۔ پھر جس کو وہ حرام نہ بنادے تم نہ بناؤ۔ رہبانیت جس کو اسلام نے رد کر دیا اس میں یہی بات تھی کہ نفس کو تکلیف دینے کے لیے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا اسی طرح ہنود وغیرہ قوموں کے درویش کیا کرتے تھے۔ کوئی دودھ نہیں پیتا، کوئی میٹھا نہیں کھاتا، کوئی نکاح نہیں کرتا۔ کوئی ایک قسم کی چیز جو بے مزہ ہو اور ایک قسم کا کپڑا جو بے قدر ہو پہننا شروع کر دیتا ہے اور اس کو تقرب الی اللہ اور سعادتِ آخرت کا عمدہ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ شریعتِ مصطفویہ نے ان باتوں کو بے اصل قرار دے کر سچے اصولِ سعادت بیان کر دیے۔ وہ اخلاق وعقائد کی درستی کے بعد اللہ کی عبادت و مراقبہ وفکر وذکر اور مخلوق کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا۔ فقراءِ اہل اسلام میں جو ریاضت ہے وہ اور معنوں پر مبنی ہے۔ وہ ان چیزوں کو حرام اور ممنوع نہیں قرار دیتا بلکہ مباح امور میں نفسِ بد کی خواہش روکنے کی مشاقی کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے یا ان کے خوشنود کرنے کو کون سی چیز اپنے اوپر ممنوع کر دی تھی اور اس کے لیے قسم کھا بیٹھے تھے اور پھر قسم توڑی کیا تھی؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرم محترم کی بابت اشارہ ہے۔ پھر کسی نے کہا وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ابراہیم کی والدہ ہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان سے (جبکہ وہ اپنے والدِ ماجد کے ہاں گئی ہوئی تھیں) اختلاط کیا اور دونوں کو آکر حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرہ میں دیکھا اور دیکھ کر رنج کے آثار ان کے چہرے سے ہویدا ہوئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوشی کے لیے یہ فرما دیا کہ میں اب سے ماریہ کے پاس ہی نہیں جاؤں گا۔ اس بات کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا جو

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے سے حرام کی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیِ مبارک کے خلاف تھا۔ الہام سے آنحضرت کو یہ خبر دی گئی کہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا اور آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بات حفصہ رضی اللہ عنہا کی بتلائی ہوئی کہہ دی اور کچھ اور جو اس نے اپنی طرف سے کہی تھی اس سے سکوت کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا (کس لیے کہ اس مخفی بات کو یا عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں یا حفصہ رضی اللہ عنہا) آپ نے فرمایا اللہ نے جو علیم وخبیر ہے۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ ہے کہ ماریہ آپ کی حرم ہیں کس لیے ان کی خوشی سے آپ اس کو اپنے اوپر ممنوع کرتے ہیں قسم توڑ دیجئے۔ آپ نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کر دیا۔ اس بات کو نسائی وحاکم وابن مردویہ وبزار وطبرانی و ابن سعد وابن المنذر روہیثم بن کلیب نے اپنی مسند میں وضیاء مقدسی نے مختار میں نقل کیا ہے مگر کسی نے کوئی جملہ زیادہ کیا ہے کسی نے کم اور پھر کسی کی سند ضعیف ہے کسی کی صحیح۔ لیکن امورِ خارجیہ پر جو نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کس لیے کہ ماریہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں جن کے پیٹ سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ صرف حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا ان سے اختلاط کرنا نہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کوئی بری بات تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بے قصور کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص تھے۔

دوسری روایت جس کو بخاری ومسلم وغیرہ جلیل القدر محدثوں نے نقل کیا ہے اس آیت کی شانِ نزول میں یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد آیا ہوا تھا۔ آپ کو شہد سے رغبت تھی یا آپ صحتِ جسمانی کے لیے مفید سمجھے ہوئے تھے۔ ہر صبح آپ زینب کے گھر جاتے اور شہد نوش فرماتے تھے اور یہ طبعی بات ہے کہ آخر وہ بھی بیوی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے بھی ہوں گے، یہ بات حضرت حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو باہم محبت رکھتی تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا کے مقابلے پر تلی ہوئی تھیں بری معلوم ہوئی اور یہ طبعی بات ہے۔ دونوں نے شہد چھڑانے کے لیے باہم کوئی تدبیر نکالی۔ کہیں ایک نے کہہ دیا کہ آپ کے منہ سے بو آتی ہے۔ آپ کو بو سے نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کوئی بدبودار چیز نہیں کھائی صرف زینب کے ہاں شہد ضرور کھایا۔ آیندہ نہیں کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات قرین قیاس ہے کس لیے کہ عورتوں کی باہم رقابت معمولی بات ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ خصوصیت ہر روز شاق گزری۔ شہد میں کیکر وغیرہ پتوں کی اکثر خوشبو یا بدبو بھی ہوا کرتی تھی اس میں بھی ہوگی۔ پھر ایک نے نفرت دلانے کے لیے اس بات کو بڑھا کر اور زور دے کر کہا اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہوگا اور رنجیدگی بھی ظاہر کی ہوگی اور آپ نے اس کی تسلی بھی کی ہوگی۔ بیویوں کی دلجوئی معمولی بات ہے۔ آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر شہد کھانے کو اپنے اوپر ممنوع کیا اور قسم بھی کھائی ہوگی۔ پھر ایک نے دوسری سے خوب اظہارِ مسرت کیا ہوگا کہ لو داؤ چل گیا۔ یہ بات خدائے پاک کے نزدیک اچھی نہ معلوم ہوئی اور شانِ اولوالعزمی کے مخالف بھی ہے اس لیے آپ کو تنبیہ ہوئی اور قسم کے توڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اب مطلب آیات کا صاف ظاہر ہو گیا اور کوئی قبح بھی پیدا نہیں ہوا۔

پھر آگے اس معاملہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا۔ اور جب نبی نے اپنی کسی ایک بیوی سے مخفی بات کہی۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں وہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہے اور مخفی بات شہد یا ماریہ رضی اللہ عنہا کے حرام کرنے کی تھی اور اپنے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بشارت بھی دی تھی۔ مگر یہ تحقیق کرنا کہ وہ مخفی بات کیا تھی مشکل امر ہے۔ کس لیے کہ نہ اس کو اللہ نے ظاہر کیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ تو پھر کس طرح یقین ہوا کہ یہی بات تھی لیکن قرینہ کہتا ہے کہ اسی قسم کی بات ہوگی کہ جو شوہر اپنی بیوی سے اس کی محبت اور دوسری پر فوقیت کے بارے میں کہا کرتا ہے۔ فلما نبات بہ۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا۔ کس سے کہا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا سے وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ اور خدا نے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیا۔ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار کیا کہ تجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے اور کسی قدر سے اعراض وسکوت کیا۔ وہ کہنی مناسب نہ جانی ہوگی۔ بہت سی باتیں خاوند ایک بیوی سے کہہ دیتا ہے جو دوسری سے کہنی مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض کہتے ہیں وہ خلافتِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

کی بات تھی جس سے مصلحت جان کر سکوت کیا۔ فَلَمَّانَبَّأَهَا بِہٖ۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتادی کہ تجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو تعجب سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا مَنْ اَنْبَأَكَ هٰذَا آپ سے کس نے کہا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے یہ کہا۔ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے علیم خبیر نے بتادیا۔ قصہ تمام ہوا۔ اب حفصہ رضی اللہ عنہا و عائشہ رضی اللہ عنہا[1] دونوں کو اس کمینی کرنے پر متنبہ کرتا ہے۔ اِنْ تَتُوْبَآاِلَى اللّٰهِ۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو بہتر کس لیے کہ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا[2] تمہارے دل تو ضرور مائل تھے کہ آپ زینب رضی اللہ عنہا سے یہ خصوصیت ترک کر دیں، شہد نہ کھائیں یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو ترک کر دیں۔ خبردار ایسے رشک و رقابت سے باز آؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی نہ کرو۔ وَاِنْ تَظَاهَرَا اور اگر چڑھائی کرو گی فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ تو اللہ اس کا رفیق و چارہ گر ہے۔ وجبریل اور عالمِ ملکوت میں جبرئیل بھی چارہ گر ہے الہامات میں مؤید ہے اور ناسوت میں صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ نیک بندے ایماندار مددگار ہیں۔ خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور اس کے سوا ہر وقت ہر جگہ فرشتوں کا باڈی گارڈ یا حفاظتی لشکر آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ کے یہی معنی ہیں۔

فائدہ: حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کر لینا جیسا کہ آیت میں لم تحرم ما احل الله لك ہے امام ابو حنیفہ وغیر فقہا کبار رحمہم اللہ کے نزدیک یمین ہے کس لیے کہ بعد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم۔ کہ اللہ نے یمین کا کھولنا فرض کیا ہے اور یمین کا کھولنا کفارہ دینا ہے۔ اگر گناہ کی بات پر قسم کھالے یا خواہ مخواہ کسی مباح اور حلال چیز پر قسم کھا بیٹھے کہ ایسا نہ کروں گا تو کفارہ دے کر اس قسم سے الگ ہو جانا چاہیے۔ فرض الله لفظ بتا رہا ہے کہ ضرور اس قسم سے دور ہونا چاہیے۔ کفارۂ یمین غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو اس قدر کپڑا دینا کہ نماز پڑھ سکیں اور زیادہ دے تو توفیق ہے یا دس مسکینوں کو کھانا پیٹ بھر کر کھلانا۔ اور مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔ یہ مخلِ یمین ہے۔ بعض کہتے ہیں یمین میں انشاء اللہ کہہ دینا بھی مخل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مباح کا حرام کر لینا یمین نہیں لیکن کفارہ دینا خاص اس صورت میں ہوگا کہ جب اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے گا۔ آیت میں یہی بات تھی۔ اور اگر شہد کا معاملہ تھا تو آپ نے بعد میں اس پر حلف بھی کیا تھا اس لیے اس کو یمین قرار دیا گیا نہ محض اس لیے کہ مباح کو حرام کر لیا تھا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن کثیر) حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا کس لیے کہ آپ مغفور تھے۔ کفارہ اور یمین میں جو آئمہ رحمہم اللہ کے اقوال ہیں ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ
مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ⑤

[1] بعض شیعہ یہاں سے حفصہ و عائشہ رضی اللہ عنہما پر الزام لگاتے ہیں مگر یہ غلط خیال ہے کہ کس لیے کہ میاں بیوی میں ایسی باتیں طبعی ہیں۔ کیا حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کبھی رنجش نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات نے علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو ملائکہ میں ملا دیا بلکہ انبیاء علیہم السلام پر بھی فوقیت دے دی۔ دیکھو اس سورہ میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تحریم ما احل اللہ پر کیسی تنبیہ کر رہا ہے پھر کیا اس سے ان کی شان میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] فقد صغت قلوبكما کے معنی مفسرین نے یہ لکھے ہیں صحیح بخاری میں ہے صغوت واصغیت ملت تصغی التمیل صراح میں ہے صغو میل کردن اس کے معنی مائل ہونے کے ہیں یعنی تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ حق سے مائل ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں باہمی سازش کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور یہی ٹھیک ہے مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے ایمان یا دین میں خلل ہو۔ ۱۲ منہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

اگر نبی تم کو طلاق دے دیں تو بہت جلد ان کا رب انہیں اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔ فرمانبردار یں' ایماندار یں' دعا کرنے والیاں' توبہ کرنے والیاں' عبادت کرنے والیاں' روزہ دار یں' گھر برتی ہوئیں اور کنواریاں۔ اے ایمان والو! اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچائے رکھو کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت تندخو فرشتے معین ہیں۔ جس کام کا اللہ ان کو حکم دیتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

ترکیب: عسیٰ من افعال المقاربۃ ربہ فاعلھا ان یبدلہ الخ الجملۃ خبرھا ان طلقکن شرط وقع بین فاعل عسیٰ وخبرھا وعسیٰ مع اسمھا وخبرھا جواب الشرط۔ یبدل بالتخفیف التشدید ازواجاً منصوب لکونہ مفعول یبدل خیرا وکذا مسلمات وما بعدھا صفات لازواجا واھلیکم عطف علی انفسکم وکلاھما مفعول اول لقوا نارا مفعول ثان وقودھا الناس الجملۃ صفۃ لنار وکذا علیھا ملائکۃ۔ لایعصون اللہ الجملۃ صفۃ الملائکۃ تاما امرھم ماموصولۃ والعائد محذوف ای لایعصون اللہ الذی امرھم بہ اومصدریۃ ای لایعصون اللہ امرہ علی ان یکون ما امرھم بدل اشتمال من اللہ ویفعلون مایؤمرون بہ الجملۃ صفۃ ثانیۃ للملائکۃ۔

تفسیر: اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو ڈرایا جاتا ہے فقال عسیٰ ربہ الخ کہ تم کسی اور خیال میں نہ رہنا۔ اگر نبی علیہ السلام نے تم کو طلاق دے دی تو اللہ تم سے بہتر اور عورتیں اس کو دے دے گا جو مسلمات حضرت کی دل سے مطیع ہوں گی یا ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا۔ مؤمنات دل میں بھی ایمان ہوگا یعنی ظاہر و باطن ایماندار دیندار ہوں گی۔ قانتات عبادت کرنے والیاں قنوت کے معنی طاعت ہیں۔ اس سے مراد، تہجد گزاریں، پنجگانہ نماز پڑھنے والیاں، دعائیں مانگنے والیاں، یعنی صرف ایمان واسلام پر ہی بس نہیں بلکہ اس کے بعد عملی حصہ میں بھی بڑا حصہ پانے والیاں ہوں گی۔ ایمان واسلام کے بعد اگر طاعت وعبادت نہیں تو ایمان میں رونق نہیں اور اپنی طاعت پر فخر کرنے والیاں اور بشریت سے جو قصد ہو اس پر ہٹ اور ضد کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ تائبات توبہ کرنے والیاں ہوں گی۔ توبہ کے معنی رجوع کے ہیں گنہگار گناہ سے توبہ یعنی رجوع کرتے ہیں اور ابرار ذرا دیر کی حق سبحانہ سے غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں سے اعلیٰ ترین مقاماتِ قرب کو طے کر کے ان سے توبہ کر کے اس سے بلند زینہ پر پاؤں دھرتے ہیں۔ ہر انسان بالخصوص عورت میں یہ نہایت عمدہ وصف ہے کہ وہ اپنے قصور پر نادم ہو ہٹ دھرم اور اڑیل سے امید نہیں کہ وہ اس بدبات سے باز آئے۔ عابدات یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے کہ نماز ودعا کی عبادت پر بس نہیں بلکہ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں ہوں گی۔ صدقہ وخیرات، حج وزکوٰۃ، خدمتِ شوہر و پرورشِ اولاد' عزت و مال کی حفاظت' صلہ رحمی' خاوند سے ادب وخوش خلقی اور اس کی فرمانبرداری اور اس کے ساتھ ہمدردی سب عورت کی عبادت ہے۔ عبادت کے معنی ہیں تذلل یعنی پستی اور جھکنا خداوند تعالیٰ کے آگے اور اس کے بعد اپنے دنیاوی آقا کے آگے جھکنا عبادت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نرم اور خوش خلق بھی ہوں گی۔ بعض عورتیں نیک بخت، نمازی، پرہیزگاریں تو ہوتی ہیں مگر سخت بدمزاج سرکش شوخ بھی ہوتی ہیں۔ یہ وصف خاوند کے حق میں زہر اور معاشرت کے لیے قہر ہے اور وہ اس سے بھی مبرا ہوں گی۔ سائحات یہ سیاحت سے مشتق ہے جس کے معنی بنظرِ سیاحت مفسروں نے مختلف طور پر بیان کیے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں روزہ رکھنے والیاں۔ روزہ میں صبح سے شام تک بھوک پیاس کے میدان کو طے کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کو بھی سائح اور عورت کو سائحہ کہتے ہیں۔ زید بن اسلم اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما فرماتے

ہیں اس کے معنی ہیں ہجرت کرنے والیاں کس لیے کہ ہجرت یعنی وطن چھوڑ کر خاص اللہ کے لیے مدینے میں عورتیں آئی تھیں یہ ان کی سیر تھی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مدینے میں ہم سے زیادہ بہتر اور ہے کون جو ہماری جگہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ زوجیت میں داخل ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ باہر سے ہجرت کر کے آجائیں۔ خدا کے ملک میں کیا کمی ہے۔ ہم کہتے ہیں معنی کو عام رکھنا بہتر ہے تخصیص کی حاجت کیا ہے۔ اب اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف زمین اور پہاڑوں کے میدان کی ہی سیر کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ دنیا اور اس کے تجملاتِ فانیہ کے میدانوں کی بھی سیر کرنے والیاں ہوں گی۔ ان کی نگاہوں میں یہ دنیا اور اس کی آسائش ہیچ ہوگی۔ ہر حوادثِ دہر اور انقلابِ جسمانی سے وہ سبق اور عبرت لینے والیاں ہوں گی اور اس کے بعد صحبتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو سیرِ آفاق والنفس بھی نصیب ہوگی۔ وہ امکان و وجود کے منازل طے کر کے بارگاہِ قدس میں پہنچنے والیاں ہوں گی۔ ثیبات و ابکارا۔ ان میں سے کچھ خاوند برتے ہوئیں اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ثیب وہ مرد جو رنڈوا ہو اور وہ عورت جو خاوند کر چکی ہو عام ہے کہ پھر خاوند نے طلاق دے دی ہو یا وہ مر گیا ہو۔ ابکار بکر کی جمع جس سے مراد کنواری۔ یہ بیان امرِ واقعہ کے لحاظ سے ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بیوہ اور کنواری بھی تھیں ان کے جواب میں یہ کلام صادر ہوا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح حظِ نفسانی سے نہیں کرتے تھے بلکہ اشاعتِ دین کے لیے یہ جماعت زمرۂ ازواجِ مطہرات میں داخل کی گئی اور شرفِ زوجیت عطا کیا گیا۔ ان صفات میں عجب لحاظ رکھ کر تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ اول اجمالی طور پر خیراً منکن فرمایا گیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر تھیں۔ پھر ان سے بہتر اور کون عورتیں ہوں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول میں ان طلقکن فرما دیا ہے۔ طلاق کے بعد جب شرفِ زوجیت جاتا رہا تو پھر ان سے وہی عورتیں بہتر ہو سکتی ہیں جو آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

فائدہ: ان طلقکن شرطیہ کلام ہے اس کے لیے تحقق شرط نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ اجمال کے بعد ازواج کے اوصافِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ اوصاف تین قسم پر ہیں۔ اول۔ ایمان و اسلام جو تمام حسنات کی اصل ہے ایمان کے ساتھ اسلام کا لفظ ظاہری و باطنی دینداری کے لیے آیا۔ قسم دوم۔ اعمالِ حسنہ ان کو چار صفتوں میں محصور کیا۔ قانتات تائبات عابدات سائحات۔ ان میں خدا تعالیٰ کی بندگی بھی آگئی اور خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قسم سوم۔ ان کی جسمانی خوبی اور حسنِ ظاہری اس کے لیے یہ دو لفظ کافی تھے۔ ثیبات و ابکارا کنواری کی خوبی اور اس پر رغبت تو عام طبائع کا بھی فعل ہے مگر بہت سی بیوائیں مطلقہ اپنے ذاتی کمالات اور حسن و خوبی کی وجہ سے کنواریوں سے بدرجہا فائق ہوتی ہیں ان کا امورِ خانہ داری میں تجربہ اپنے ناز و ادا سے درگزر کر کے مرد کی نازبرداری و اطاعت اور پھر ہم عمری عجیب لطف دیتی ہے۔

ازواجِ مطہرات پر تنبیہ تھی اس کے ضمن میں مردوں کو بھی نصیحت دینا لازمی تھا کس لیے کہ عورتوں کی محبت و رغبت میں اور شہوت کی آگ میں مرد دیوانہ ہو کر اصولِ حسنات سے غافل ہو جاتا ہے اور جو نہ کرنا ہو وہ کرتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ کہ اے ایماندارو! (صرف ایمان پر تکیہ کر کے نہ بیٹھو) بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر پیاری بیوی اور مرغوب اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ایسے کام نہ خود کرو نہ ان کو کرنے دو جس سے جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور فرائض و واجبات کی تاکید کرو۔ صرف آپ دیندار پرہیزگار رہنا کافی نہیں زن و فرزند کی تعلیم و تدبیر کرنی چاہیے۔ حقِ محبت بھی یہی ہے کیونکہ آپ جنت میں گیا یہ دوزخ میں گئے تو جدائی میں کیا لطف؟ احادیثِ صحیحہ میں بڑی تاکید ہے کہ اپنے گھر والوں کو بری باتوں سے روکو، فرائض و واجبات پر مامور کرو۔ پھر وہ آگ بھی کیسی آگ ہے؟ (۱) وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں یعنی معمولی آگ نہیں بلکہ سخت اور تیز جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں یا یوں کہو بت پرست اور گنہگار اور ان کے جھوٹے معبود جو پتھر تھے سب جہنم میں جائیں گے کسی کے کام نہ آئیں گے۔ (۲) عَلَیْهَا

مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں سخت بدمزاج' سخت دل یا بڑے قدآور طاقت والے جن پر کوئی مجرم زور سے غالب نہیں آ سکتا نہ وہ کسی پر رحم و مہر کرتے ہیں۔ (۳) لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ۔ خدا کے حکم میں وہ ذرا بھی قصور کرنے والے نہیں نہ رشوت لیں نہ سفارش مانیں نہ کسی کی سنیں۔ (۴) وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ عصیاں عیب تھا اس لیے اس کی اول نفی کی پھر طاعت کی خوبی ثابت کی۔ اس میں مشرکین عرب کے خیالاتِ باطلہ کا ابطال ہے۔ وہ کہتے تھے فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ہم ان کو پوجتے ہیں ہم پر ضرور رحم کریں گے اور ہمارے بت ہم کو آگ سے بچالیں گے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ج نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸

ع ۱۹

اے کافرو! (جہنم میں کہا جائے گا) تم آج باتیں نہ بناؤ۔ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ مسلمانو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے آگے آگے ان کا نور (ایمان) اور دائیں طرف دوڑتا چلے گا کہتے جائیں گے کہ اے رب! ہمارے لیے ہماری روشنی پوری کیجیو اور ہم کو بخش دے تو بے شک ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: الیوم منصوب بہ لاتعتذروا النصوحا بفتح النون ویقرء بضمہا علی الاول مصدر یقال نصح نصاحۃ ونصوحا وقیل ھو اسم فاعل ای ناصحۃ والاسناد مجازی وعلی الثانی ھو مصدر لا غیر مثل القعود ثم اعرابہ علی الوجھین النصب علی الوصف للتوبۃ ای توبۃ بالغۃ فی النصح ویدخلکم منصوب علی انہ معطوف علی یکفر منصوب بناصبہ وقری بالجزم عطفا علی محل عسٰی کانہ قال توبوا یوجب تکفیر سیئاتکم ویدخلکم یوم منصوب بیدخلکم او باذکروا والذین آمنوا معہ معطوف علی النبی وقیل مبتداء وخبرہ قولہ نورھم علی الاول الجملۃ (نورھم الخ) حالیۃ او مستانفۃ لبیان حالھم۔ یقولون خبر ثان او حال۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے کلامِ سابق کا کہ ملائکہ اس روز عذاب کریں گے اور سخت و تند ہوں گے ان کے عذاب پر کفار معذرت کریں گے۔ ان کے جواب میں کہا جائے گا (ملائکہ کہیں گے) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ اے منکرو! آج عذر نہ کرو، باتیں نہ بناؤ کس لیے کہ آج معذرت کا دن نہیں (معذرت توبہ ہے) اس کا موقع دنیا میں تھا سو گزر گیا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ تم کو ناحق عذاب دیا جاتا ہے کس لیے کہ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی تمہارے اعمالِ بد کی سزا ہے جو بویا تھا اس کو کاٹ رہے ہو۔ دنیا میں اعمالِ بد کی برائی چنداں ظاہر نہ تھی اب حجاب کھل گیا۔ وہ برائی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

توبۂ نصوح: اس لیے ایمانداروں سے شفقت کی راہ سے فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ کہ اے ایمان والو! دنیا میں توبہ کا وقت ہے بشریت سے جو کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرو توبہ بھی کیسی توبہ نصوح یعنی خالص سچے دل سے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ اس گناہ کو برا اور مکروہ جاننے لگے جس کو مرغوب جان کر کیا تھا اور جب یاد کرے تو استغفار کرے۔ کلبی کہتے ہیں توبۂ نصوح دل میں ندامت' زبان سے استغفار اور اس کام سے باز رہنا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں توبہ مقبولہ کا نام توبہ نصوح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا برے کام سے باز آنا اور پھر اس کو نہ کرنا۔ امام احمد و ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توبہ گناہ سے یہ ہے کہ پھر نہ کرے۔

اس کے بعد توبہ کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کہ امید ہے اللہ تمہارے گناہ تم سے مٹا ڈالے ان کو محو کر دے، توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ اور پہلی کتابیں بھی اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ابطالِ کفارۂ مسیح کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ جملے میں صاف تصریح ہے کہ ''اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوں پر برف کی مانند سفید ہو جائیں گے''۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو توبہ کا حکم دیا اور تاکید فرمائی۔ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ انجیل متی باب چہارم جملہ ۱۷ ''اگر توبہ سے گناہوں کے معاف ہونے کی امید نہ تھی تو پھر اس کا فائدہ کیا تھا''؟ مگر بعد میں پولوس اور اس کی امت نے ایک عجب مسئلہ گھڑا کہ توبہ سے گناہ نہیں معاف ہوتے معافی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سب کے گناہ اپنے اوپر اٹھائے اور پھانسی پائی اور ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے۔ اب سب کے گناہ جو مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے معاف ہیں اس کو کسی عملِ خیر کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اعمالِ حسنہ لعنت کا باعث ہیں۔ اس کو یہ کفارہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ کیا برا اعتقاد ہے؟ کیا ایسا شخص سفا کی بدذاتی' حرام کاری میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا۔ پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے آنے کا فائدہ کیا ہوا؟

توبہ کے بعد حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ توبہ فرض ہے دیر نہ کرے موت کا پتا نہیں کہ کب آجائے۔ پھر دوسرا نتیجہ توبہ کا ظاہر کرتا ہے وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور تم کو ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بہشت عالمِ قدس ہے اس میں جانے سے انسان کی کثافت ہی مانع ہے جو توبہ کے بعد دور ہو جاتی ہے۔ یہ کس روز يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہ کرے گا۔ اس میں تعریض ہے کہ نبی اور اس پر ایمان والوں کے سوا اور لوگ رسوا ہوں گے۔ یہ جو آج تمہارے خیالی معبود اور گمراہ کنندہ بڑے بڑے دعوے کر رہے ہیں کہ قیامت میں ہمارا جھنڈا ہوگا اور خیمہ ہوگا ہم اپنے ماننے والوں کو اس کے تلے لے کر عذاب سے بچا لیں گے۔ یہ غلط بات ہے وہ خود رسوا ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے مرید بھی۔ قیامت کو ظلمت ہوگی اور کسی کے پاس کوئی روشنی نہ ہوگی مگر نبی اور اس کے متبعین کے پاس۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ ان کی روشنی (جو ایمان اور توبہ اور عملِ خیر کی روشنی ہوگی) ان کے آگے آگے اور دائیں طرف سے دوڑتی ہوئی چلے گی اور اس ظلمانی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ آگے اور دائیں کی قید سے یہ مراد نہیں کہ اور طرف روشنی نہ ہوگی بلکہ ہر طرف مگر یہ دو جہت عمدہ ہیں اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اس کی کیفیت سورۂ حدید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ریاکاروں، منافقوں کی روشنی اس روز چمک کر گل ہو گئی تو دعا کریں گے۔ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ کہ اے ہمارے رب! ہماری روشنی پوری کیجیے۔ رستہ میں گل نہ ہونے پائے اور ہم کو بخش دے تو ہر بات پر قادر ہے۔

یہ ہیں توبہ کے نتائج جس کی طرف ایمانداروں کو منکروں کی اندوہناک حالت بیان فرما کر ترغیب دلائی گئی ہے۔ قیامت کو اندھیرا ہونا اور ایمان کی روشنی میں اس سے رستہ طے کرنا اور جنت میں جانا اور وہاں حیاتِ ابدی اور ہمیشہ کی شادمانی حاصل کرنا ایک مسلمہ مسئلہ ہے جس کو تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرو اور برگزیدہ بیان کرتے آئے ہیں جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ انسان کو عدم سے ہستی میں لایا ہے اور عدم ایک ظلمانی عالم ہے۔ اس کے صفاتِ کاملہ جو اس کو پروردگار کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں وہ اس کا جمیع معاملات میں نور ہیں جو اس کو تمام ظلمانی اور پرتاریک وادیوں میں سے نکال کر راہِ مقصود پر چلانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کا عمدہ ذریعے ہیں۔ دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد عالمِ قبر میں بھی اور حشر میں بھی اور ایماندار کو لازم ہے کہ ہر دم یہی دعا کرے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ خدا نہ کرے کہ یہ نور کسی کا بجھ جائے اور وہ اندھیریوں میں ہاتھ پاؤں مارتا پھرے اور فسق و فجور کے خطرناک گڑھوں میں جا گرے اور شاہدِ مقصود رب العزت تک نہ پہنچے۔ الٰہی میں بھی یہی دعا کرتا ہوں قبول کر آمین۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ
وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا
فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ
الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ
اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِىْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ وَنَجِّنِىْ مِنْ فِرْعَوْنَ
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ
رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝۱۲ ع

وقف لازم

ع ۲

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اللہ کافروں کے لیے ایک مثال بیان فرماتا ہے نوح اور لوط کی بیوی کی۔ وہ ہمارے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں پھر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ سو وہ اللہ کی مار سے بچانے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دونوں کو اور جہنمیوں کے ساتھ دوزخ میں ڈال دو اور اللہ ایمانداروں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے بچائیو اور مجھے ظالموں سے رہائی دیجیو۔ اور مریم عمران کی بیٹی (کی بھی مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور عبادت کرنے والوں میں سے تھی۔

ترکیب : امرات نوح معطوف علیہ وامرات لوط معطوف وکلاھما مفعول اول لضرب و مثلاً مفعول ثان وانما اخر المفعول الاول لیتصل

بہ ماھو تفسیرلہ وایضاح لمعناہ۔ ویمکن ان یکون امرات نوح و مابعد ھابدلا عن مثلا او بیان لہ کانتا ھذہ جملۃ مستانفۃ مفسرۃ لضرب المثل امرات فرعون مراغرابھا اذ ظرف لمثلا اونضرب عندك حال من ضمیر المتکلم اومن بیتا لتقد مہ علیہ فی الجنۃ بدل اوعطف بیان لقولہ عندك اومتعلق بقولہ ابن۔ ومریم ای اذکر مریم اومثل مریم من القانتین من للتبعیض ویجوز ان یکون لابتداء الغایۃ۔

تفسیر: پہلے ذکر ہوا تھا کہ اے ایماندارو توبہ خالص کرو تاکہ تمہارا عاقبت میں بھلا ہو اور منافقوں کی بھی اصلاح مقصود تھی جس کا ذریعہ کفر و بدکاریوں سے توبہ واستغفار ہے مگر یہ بھی انسانی خاصہ ہے کہ وہ بدی سے کبھی محض وعظ ونصیحت سے باز نہیں آتا۔ وہاں مشفق اور دردمند ناصح کو بشرطِ قدرت یہ بھی کرنا ضرور ہے کہ اس کو دھمکا کر ڈرا کر اس بدی سے روکے۔ جب نادان شخص ہمارے سامنے سنکھیا ہاتھ میں لے کر کھانے کو تیار ہے اور ہماری نصیحت سے باز نہیں آتا پھر ہماری دردمندی کا یہ مقتضٰی نہیں کہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں اور اسے مرتے دیکھیں بلکہ دھمکا کر مار کر ہاتھ سے چھین لیں اس لیے خداتعالیٰ اپنے نبیِ رحیم وکریم کو ان نادانوں کی بابت حکم دیتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ کہ اے نبی ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ (۲) اور ان پر سختی کر۔ جہاد۔ عام لفظ ہے اس میں زبانی نصیحت اور دلیل و حجت سے الزام قائم کرنا بھی شامل ہے اور جو مخالف شمشیر بکف ہو کر مقابلہ میں کھڑا ہو تو وہاں اس کے لیے تلوار سے بھی کام لینے کو شامل ہے۔ اور سختی کرنے سے گالیاں دینا سخت کلامی یا بدمزاجی کرنا مراد نہیں کیونکہ یہ باتیں شانِ مصطفویہ واخلاقِ محمدیہ سے بہت دور ہیں اور اس سے کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلتا بلکہ الطاف وعنایت کے حصے سے محروم کرنا اور بے توجہی اور عدمِ التفاتی کے چابک لگانا اس کا بڑا اثر پہنچتا ہے۔ جہاد کفار کے لیے۔ واغلظ منافقوں کے لیے۔ منافقوں سے جہاد نہیں کیا گیا کس لیے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے اور جو اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

کفار ومنافقین میں سے ایسے بھی لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبول صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرابت پر نازاں تھے اور اس قرابت اور ظاہری اختلاط کو نجات کے لیے کافی جانتے ہوں یا یوں کہو ایمانداروں کو توبہ خالص کا حکم دیا تھا مگر ممکن تھا کہ بعض ایماندار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہی کو بس سمجھ کر عملِ صالح سے سست وارتکابِ منہیات میں دلیر ہو بیٹھیں اس لیے ان کے لیے خداتعالیٰ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان کرتا ہے۔ فقال ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صٰلِحَیْنِ۔ کہ وہ باوجودیکہ ہمارے دو نیک بندوں کے نیچے تھیں۔ یعنی حکم اور زوجیت میں تھیں اور یہ ایک بڑی قرابت ہے جس میں اندرونی وبیرونی کوئی پردہ بھی نہیں رہ جاتا۔ خاوند بیوی میں جو کچھ اتحاد ہوتا ہے اور جہاں تک اس کی رسائی ہوتی ہے کسی کی بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطری بات ہے مگر جبکہ فَخَانَتٰھُمَا۔ ان کی خیانت کی۔ یہ مراد نہیں کہ زناکاری کی (کس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی نبی کی بیوی نے کبھی ایسا کام نہیں کیا) بلکہ اطاعت وانقیادِ ایمانی ودینی کا حق ادا نہیں کیا جس کو خیانت سے تعبیر کرنا ایک عمدہ استعارہ ہے۔ فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔ پھر وہ نیک بندے نوح اور لوط علیہما السلام اپنی بیویوں کے کچھ کام خدا کے مقابلے میں نہ آئے۔ عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے۔ دنیا میں نوح علیہ السلام کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی، لوط علیہ السلام کی بیوی نمک کا کھمبا ہو گئی یعنی اس پر بھی وہ آفت آئی جو اس قوم پر آئی سب ہلاک ہوئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا، آخرت میں حکم ہوا۔ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ کہ اور جہنمیوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں جاؤ۔ آگ میں ڈال دی گئیں۔

فائدہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی مرنے کے بعد جہنم اور جنت ہے اور یہی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔

فائدہ: اس میں ایک لطیف سا اشارہ حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کی طرف بھی ہے کہ تم دونوں نے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مشورہ کیا تھا ڈرو اور نوح اور لوط کی بیویوں کا حال سن کر عبرت کرو۔ اس کے بعد ان دونوں نیک بیویوں نے کبھی رشک ورقابت میں آکر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دمِ آخر تک حضرت ﷺ ان سے خوش رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر تھا کہ روحِ اطہر نے پرواز کیا۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ ابداً۔

فائدہ: اولادِ اولیاءِ کرام و بزرگانِ دین و حضراتِ ساداتِ عظام کو بھی تنبیہ ہے کہ قرابت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قرابت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے اے فاطمہ اس بات پر تکیہ نہ کرنا کہ میں محمد (ﷺ) کی بیٹی ہوں خدا کے معاملہ میں میں کام نہ آؤں گا نیک کام کر۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں ایمانداروں کے لیے دو نیک بیویوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو دنیاداروں کے پنجہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمانداری اور نیکی سے باز نہ آئیں بعض مسلمان مرد یا عورتیں کفار کے پنجہ میں تھے اور اس کو ایک عذر سمجھتے ہوں گے ان کے لیے یہ مثال از حد نافع ہے اس لیے بتخصیص فرماتا ہے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا۔ کہ ایمانداروں کے لیے مثل بیان کرتا ہے کس کی مثال؟ امرات فرعون۔ فرعون کی بیوی کی۔

توریتِ موجودہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے نکال کر پرورش کرنا فرعون کی بیٹی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ فرعونِ موجود کی بیوی اگلے فرعون کی بیٹی ہو۔ دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ بیگمات جو خاندانی اور بادشاہی نسل کی ہوتی ہیں ان کو شہزادی کہا کرتے ہیں اگرچہ وہ ایک شاہ کی بیوی بھی ہوتی ہیں۔ توریت میں فرعون کی بیوی کا ایمان لانا اور یہ دعا کرنا مذکور نہیں۔ مگر مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقعہ گزرا نہیں۔ توریت مذکور میں سینکڑوں واقعات نہیں اور سینکڑوں واقعات میں مبالغہ اور غلطی بھی ہے جس کو اہلِ کتاب کی دیانت یا غفلت سمجھنا چاہیے۔

مؤرخینِ اسلام نے نقل کیا ہے کہ اس وقت کے یہود نے تسلیم کرلیا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھی پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کھلم کھلا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر کمال غصہ آیا کہ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔ وہ کمبخت اس نیک بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا مگر وہ سب تکلیفوں کو برداشت کر کے اپنے ایمان اور خدا پرستی پر قائم تھی مگر جب از حد مجبور ہوگئی تو یہ دعا کی۔ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ کہ اے رب! مجھے دنیا سے اٹھالے اور اپنے پاس بلالے اور میرے لیے اس شاہی گھر کے بدلے اپنے پاس جنت میں گھر بنا کہ میں سدا وہاں رہا کروں۔ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ اور مجھے فرعون سے اور اس کے کام سے نجات اور خلاصی دے یعنی موت دے۔ فرعون کا کام کفر اور تکلیف دینا تھا۔ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور فرعون کیا تمام خاندان ہی ناپاک اور موذی ہے وہ بھی طرح طرح سے ایذائیں دیتے ہیں ان سے بھی مجھے نجات دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ مگر روایات سے معلوم ہوا کہ قبول ہوئی اور خدا پاک نے اس کو خواب یا بیداری میں جنت کا گھر دکھا دیا اور اس کی روح پرواز کر کے وہاں چلی گئی۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ۔ اور مریم عمران کی بیٹی کا بھی حال بیان کرتا ہے اور اس کی بھی تمثیل دیتا ہے۔ مریم کون تھی؟ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا۔ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یہود ان پر زنا کی تہمت لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) حرامی کہتے تھے۔ اس کی پاکدامنی کے سبب فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونک دی جس سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ فیہ کی ضمیر فرج کی طرف راجع ہے اور فرج کا اطلاق اس جگہ عضوِ مخصوص پر نہیں کس لیے کہ محاورۂ عرب میں کرتے اور اس کے دامن یا گریبان کو بھی فرج سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں فیہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض قرأت میں فیہا مونث کی ضمیر ہے۔ اس کا مرجع نفسِ عیسیٰ علیہ السلام ہے

کس لیے کہ نفس مؤنث ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھی رجوع ہوسکتی ہے کس لیے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے اندر روح پھونکی گئی تھی جس سے حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

مراد یہ کہ روح ڈال دی گئی چونکہ روح حیات کا باعث ہے وہ تمام جسم میں منتشر ہو جاتی ہے جس طرح کہ ہوا پھونکنے سے تمام ظرف میں منتشر ہو جاتی ہے اس لیے اس کو نفخ سے تعبیر کیا جو ایک عمدہ تشبیہ ہے۔ من روحنا کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ کی روح کا کوئی جزو مریم علیہا السلام کے پیٹ میں ڈال دیا گیا جس سبب سے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں بلکہ روح کی نا ضمیرِ متکلم کی طرف اضافت تشریف و تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ خدا کا گھر ناقۃ اللہ اللہ کی اونٹنی۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کسی گھر میں رہتا اور کسی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے عزت دینے کے لیے کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا عام محاورہ ہے۔ بادشاہ عمدہ غلام یا عمدہ گھوڑے کو کہہ دیا کرتا ہے ہمارا غلام ہمارا گھوڑا۔

حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر باپ کے بیٹا جننے کی فرشتہ نے خبر بھی دی تھی اس نیک عورت نے اس کی تصدیق کی وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا اپنے رب کی باتوں کو سچا جانا اور کتبہ اس کی فرستادہ کتابوں پر بھی ایمان لائی پہلی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور تھا۔ یہ اس کے ایمان کی کمالِ قوت ہے۔ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ اور وہ عبادت کرنے والیوں میں سے تھی۔ بیت المقدس میں جو جماعت مردوں کی شب و روز عبادت میں رہتی تھی۔ مریم علیہا السلام بھی ان میں سے تھی یا یہ کہ گو عورت تھی مگر مردانہ تھی اس لیے قانتین فرمایا نہ قانتات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں میں افضل مریم آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی وخدیجہ بنت خویلد و فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخرجہ احمد والطبرانی والحاکم) صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سے آسیہ فرعون کی بیوی و مریم عمران کی بیٹی وخدیجہ بنت خویلد اور عائشہ[1] کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید[2] کی سب کھانوں پر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرُ ۙ ﴿١﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ﴿٢﴾ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿٣﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿٤﴾

---

[1] ان چار عورتوں کی مثال میں بہت فوائد ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ کسی کی نیکی بد کو فائدہ نہیں دیتی اور بد کی بدی نیک کو مضرت نہیں پہنچاتی۔ ازانجملہ یہ کہ نیکوں کی صحبت کبھی بدوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتی۔ ازانجملہ یہ کہ عورت کی عصمت وعفت نیک نتائج پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے ہوا ازانجملہ یہ کہ حق سبحانہ کی طرف تضرع اور رجوع کرنا سینکڑوں مصائب سے نجات دینا ہے اور ہر حال میں حضرت ازلیہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (ازکبیر) ۱۲ منہ

[2] ثرید روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو کر عرب کھاتے ہیں اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کھانوں سے مرغوب تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تشبیہ دی۔ ۱۲ منہ

بابرکت ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں (دارین کی) سلطنت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کس کے اچھے کام ہیں؟ اور وہ (بڑا) زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔ جس نے کہ سات آسمان اوپر تلے بنا دیے (اے نظر کرنے والو!) رحمان کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی فرق نہ دیکھا تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے۔ پھر دوبارہ دیکھ (حاصل یہ) ہوگا کہ تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔

ترکیب: تبارک تفاعل من البرکۃ وھی النماء والزیادۃ حسیۃ کانت اوعقلیۃ وکثرۃ الخیر ودوامہ ایضا وصیغۃ التفاعل للمبالغۃ فی ذلک الملک مبتداء بیدہ خبر والجملۃ صلۃ الذی وھو فاعل تبارک وھو علی کل شیء قدیر الجملۃ معطوفۃ علی الصلۃ مقررۃ لمضمونھا لیبلوکم واللام متعلقۃ بخلق ایکم مبتداء احسن عملا خبرہ والجملۃ واقعۃ موقع المفعول ثانیا لفعل البلوی المتضمن معنی العلم الذی خلق سبع سموات قیل ھو لغت للعزیز الغفور اوبیان اوبدل والاوجہ انہ نصب اورفع علی المدح متعلق بالموصوفین السابقین وان کان منقطعا عنھما اعرابا۔ طباقا صفۃ سبع سموات ای مطابقۃ علی انہ مصدر وصف بہ المفعول اومصدر موکد لمحذوف ھو صفتھا ای طوبقت طباقا۔ اوذات طباق جمع طبق کجبل وجبال اوطبقۃ کرحبۃ ورحاب ماتری صفۃ اخری السبع سموات وقریٔ تفوت ومضاھما واحد کرتین مصدر ای رجعتین والمراد بالتثنیۃ التکریر للتکثیر کمافی لبیک وسعدیک ینقلب مجزوم لکونہ جواب الامر خاسئا بعیدا عن اصابۃ المطلوب کانہ طرد عنہ طردا بالصغاء حال من البصر وھو حسیر حال فعیل بمعنی فاعل من الحسر وھو الاعیاء یقال حسر بصرہ تحسر حسورا ای کل وانقطع وبلغ الغایۃ فی الاعیاء۔

تفسیر: اس سورۃ کا نام سورۂ تبارک اور واقیہ اور منجیہ ہے۔ تبارک اس لیے کہ یہ لفظ اس کے اول میں ہے اور اس کے پڑھنے اور عمل کرنے والے کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ واقیہ اور منجیہ اس لیے اپنے پڑھنے والے کو ضلالت سے دنیا میں عذاب سے آخرت میں بچاتی اور نجات دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں تیس آیت ہیں جنہوں نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ بخشا گیا۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ قائم کیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے وہاں ایک آدمی کو سنا کہ تبارک الذی پڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کو تمام کیا۔ تب اس صحابی رضی اللہ عنہ نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا یہ سورہ مانعہ ہے یہ منجیہ اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک کہ الم تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک تمام نہ کر لیتے تھے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)۔

رحمانیات ربانیات: یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد سورۂ حاقہ وسورۂ معارج نازل ہوئی۔ مگر حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی لیکن کلام کا طرز کہے دیتا ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ سورہ رحمانیات سے ہے کہ بجائے اسم ذات کے اسم رحمٰن اس میں مستعمل ہے اور دیگر سورتیں کہ ان میں اسم رب کا استعمال ہے ان کو ربانیات کہتے ہیں۔

ربط: اس سورۃ کا اس سے پہلے سورۂ تحریم سے متعدد وجوہ سے ہے جو تامل کرنے سے واضح ہو سکتی ہیں۔ از انجملہ یہ کہ پہلی سورۃ میں آداب وشرائط مرد وعورت کے مذکور تھے کہ عورت کو مرد کی مخالفت نہ چاہیے اور مرد کو لازم ہے کہ اہل وعیال کو معاصی سے روکے اور ان سے لڑ کر یا ان کی رضامندی کے لیے حکم الٰہی میں کوتاہی نہ کرے۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ۔ اس سورۃ میں لوازم وآداب خدائی مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی ریاست مذکور تھی یہاں تمام عالم کی جہانداری مسطور ہے۔ از انجملہ یہ کہ اس سورۃ میں مرد وعورت کی خانہ داری مذکور تھی اور یہ بھی کہ باوجودیکہ مرد گھر بنا تا عورت کے لیے رزق وآسائش کا سامان کرتا ہے مگر پھر بھی وہ ذرا سی خلافِ طبع بات پر بگڑ بیٹھتی ہے اور مرد کو اس کے فرائضِ منصبی ترک کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس سورہ میں یہ بتلایا گیا کہ خدا تعالیٰ بادشاہِ حقیقی ہے، موت وحیات کا مالک ہے، دنیا کا گھر

آسمان وزمین اسی نے بنائے۔اس گھر کو قندیلوں سے آراستہ کیا، رزق وروزی کے سامان پیدا کئے، دارِ آخرت کا رستہ بتانے والے ہادی بھیجے اور پھر ہر طرح سے اس کا قبضہ وقدرت ہے مگر اس کے بندے اس کی کیا کیا نافرمانی کرتے ہیں۔اس کی خدائی میں اوروں کو حصہ دار ٹھہراتے ہیں مگر وہ دنیا میں اس پر بھی کسی کے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا، درگزر کرتا ہے۔اس میں بالا دستوں کو تعلیم ہے کہ زیر دستوں پر رحم کیا کریں اور اپنے بالا دست کی نافرمانی سے باز آئیں ورنہ ایک دوسرے جہان میں جہنم کے قید خانہ میں سزا بھگتنی پڑے گی اور اس مخالفت و نافرمانی سے اس کی بادشاہت میں کوئی بھی قصور نہیں آتا۔ازانجملہ یہ کہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کی زیادہ توجہ ان چند مسائل کی طرف ہے۔

اول خدا تعالیٰ کی توحید وصفات کا مسئلہ۔

دوم دارِ آخرت کا مسئلہ کہ وہ ایک جہان ہے جہاں جا کر برے بھلے کاموں کی جزاء وسزا پانی ضرور ہے۔

سوم نبوت کا مسئلہ کہ اس نے دنیا میں بندوں کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً حضرات انبیا علیہم السلام بھیجے ہیں۔

چہارم اصلاحِ معاش کا مسئلہ کہ دنیا میں ایسا کرنا چاہیے منجملہ ان کے حقوقِ زوجیت وخانہ داری کے طریقے بھی ہیں۔اور قرآن مجید میں کمال یہ ہے کہ ان مسائل کو مختلف عنوان اور نئے نئے اسلوب سے موٹی موٹی نظیروں اور عام محاوروں اور مشہور قصوں اور لوگوں کے مسلمہ واقعات اور ذہن میں بیٹھے ہوئے علوم وخیالات میں بیان کر جاتا ہے جس سے عالم وجاہل اپنے اپنے مذاق کے موافق لطف حاصل کرتے ہیں۔سورۂ تحریم میں ابتداء مسئلہ معاش کی تھی اور بعد میں اور مسائل بھی ضمناً بیان ہوئے تھے۔اس سورہ میں ابتداء مسئلہ مبدءِ حق سبحانہ کی ذات وصفات سے کی گئی اور اس کے بعد اور مسائل بھی بیان کئے گئے اور معاد کے مسئلہ کا بھی ثبوت کیا گیا تاکہ اس بادشاہِ حقیقی سے ڈر کر ہر کوئی مسئلہ معاش کے قوانین ودستورات کی پابندی کرے اور بھی وجوہ ہیں۔ فقال تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ بڑا بابرکت ہے وہ جس کے قبضہ میں ملک ہے، برکت، خیرِ کثیر وافزائش ودوامِ مبارک جس میں یہ برکت ہو۔دنیا میں جس کے پاس مال واولاد زیادہ ہو اس کو کہتے ہیں اس کے مال واولاد میں برکت ہے اور جو یہ چیزیں جلد جاتی رہیں کہتے ہیں اس کے مال واولاد میں برکت نہ ہوئی۔اور ہر چیز اپنے موقع پر کام آئے اس میں بھی برکت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔فضول خرچی سے جو مال اڑ جائے کہتے ہیں برکت نہ ہوئی یا بے موقع صرف ہو تب بھی کہتے ہیں برکت نہ ہوئی۔انہیں لحاظ سے علم کی برکت عمر کی برکت ہے خیر کثیر اور موقع پر استعمال اور مثمر بنتائج ہونا اور دوام یہ چار باتیں برکت کے معنی میں ملحوظ ہیں جو شخص اس جہان زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہو اور جس نے دنیا میں طرح طرح کی مخلوق پیدا کی ہو اور پھر ہر ایک کی روزی رزق اور ان کے سامان عطا کرتا ہو اس سے زیادہ بابرکت کون ہے کہ اس قدر صرف پھر بھی اس کے ہاں کمی نہیں۔اس لیے لفظ تبارک فرمایا گیا جس کے معنی زیادہ برکت والا۔ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ گویا تبارک کے دعویٰ پر ایک واضح دلیل ہے۔ملک۔ عالمِ محسوسات آسمان وزمین، حجر وشجر، انسان واشجار واحجار یعنی عالم اجسام۔ملک جب اس کے ہاتھ یعنی قبضہ میں ہے تو اس کے بابرکت ہونے میں کلام ہے اور اس لیے تَبَارَكَ الَّذِىْ یا تَبَارَكَ الرَّحْمٰنُ نہ فرمایا ورنہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا عالم ملک کو جب تصور کیا جائے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ اس کے فیضان وانعامات کے دریا رواں ہیں اور پھر ہر روز ترکیباتِ نادرہ واوضاعِ عجیبہ امکان سے فعلیت کے مرتبہ میں ظاہر ہو رہے ہیں ان کو بھی خیال کیا جائے تو بے اختیار دل کو اس کی طرف کشش پیدا ہو اور روح پکار اٹھے کہ تو ہی تو ہی تو ہی ہے تو ہی؟ عالم ملک کے لیے بلحاظ فیض رسانی لفظ تبارک مناسب ہے جیسا کہ عالمِ ملکوت کے لیے (جو نفسِ ناطقہ سے لے کر قلم اعلیٰ تک ہے یعنی عالمِ ارواح) باعتبار تنزیہ وتقدیس کے جو روحانی عالم کے لیے مناسب ہے لفظ تسبیح زیبا ہے۔چنانچہ سورۂ یٰسؔ کے اخیر میں فَسُبْحَانَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ فرمایا۔وہاں تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ ملکوت کل شیء نہ کہا بیدہ الملک میں اس طرف وہم جاسکتا تھا کہ موجودہ عالمِ اجسام پر اس کی بادشاہی ہے اس سے بڑھ کر اور قدرت اس میں نہیں اس لیے ترقی دی گئی۔وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ ہر شے پر قادر

ہے۔ایسے ایسے اور سینکڑوں عالم پیدا کرسکتا ہے،اس عالم کو فنا کرسکتا ہے،اس میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے، جہاں تک تمہارے فہم کو بھی رسائی نہیں وہاں تک بلکہ اس سے بھی پرے تک اس کی قدرت کا جھنڈا قائم ہے۔

شے: شے کے لفظ میں علماء نے بہت کلام کیا ہے۔بعض کہتے ہیں لفظ کے لحاظ سے شے ممکن کو کہتے ہیں جس سے واجب اور ممتنع خارج ہیں اس لیے اس کو اپنی ذات پر قادر مان کر یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی صفات کو نیست کرسکتا ہے غلط خیال ہے۔کس لیے کہ وہ اور اس کے صفات واجب ہیں ممکن نہیں اور ممکن نہیں تو شے کا اطلاق بھی ان پر جائز نہیں۔اسی طرح محالات عقلیہ بھی کہ اپنے جیسا دوسرا بھی پیدا کر سکتا ہے وغیرہ قدرت کے تحت میں نہیں اس لیے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت ہی نہیں اس کی قدرت میں کوئی قصور نہیں۔بعض کہتے ہیں شے موجودہ کو کہتے ہیں جس میں ممکن اور واجب دونوں شریک ہیں نہ ممتنع۔پھر ان اصول پر علماءِ کلام نے بہت سی تفریعات قائم کی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کسی کی کیا قدرت ہوگی کہ عالمِ وجود (جس میں فلک وملکوت ہیں) اور عالمِ عدم دونوں اسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔اس لیے فرماتا ہے۔اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ کہ اس نے موت یعنی عالمِ عدم اور حیات یعنی عالمِ وجود بنایا۔یا یوں کہو اس نے اپنی برکت کا اظہار دو جملوں میں کیا۔ اول الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ جس سے تمام نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔دوسرا جملہ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ہے۔اس میں عالمِ آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کے دن کی حیات گویا ایک جملہ میں اس جہان کی بادشاہت کا ثبوت تھا تو دوسرے میں اُس جہانِ باقی کی بادشاہت کی طرف ایماء ہے۔پھر جو دونوں جہان کا بادشاہ ہو اس سے زیادہ کون مبارک ہے؟ اس لیے ہر حال میں اس کی طرف ملتجی ہونا چاہیے۔اس تقدیر پر موت کا مقدم کرنا اور حیات کا مؤخر کرنا بھی ہر ایک کی تقدیم وتاخیرِ ذاتی پر مبنی ہے کس لیے کہ دنیا کی موت اول ہوتی ہے۔پھر آخرت کی زندگی ہوگی۔یا یوں کہو کہ منجملہ ظہورِ برکاتِ الٰہیہ کے ایک برکت انسان کو اپنا مظہر بنا کر علم وادراک سے مزین کرنا اور خلافت کی کرسی پر بٹھانا ہے مگر پوری برکت یہ ہے کہ عالمِ باقی کے لیے نیک کاموں پر بھی اس کو آمادہ کردینا چاہیے اس لیے برے کاموں سے روکنے والی اور نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی چیز کو ذکر کیا کہ اس نے موت اور زندگی بنائی۔دنیا کی زندگی مراد لی جائے تو موت کو اس لیے مقدم کیا کہ موت کو خیال کرتا ہے اور اس چندروزہ زندگی کو ہیچ سمجھے۔ دوم یہ کہ اس جہان میں ذاتی اور حیات عارضی ہے اور ذاتی عارضی پر مقدم ہوتا ہے اور اگر موت سے مراد وہ حالت لی جائے جو نطفہ میں تھی یعنی انسان جس وقت نطفہ تھا تو بھی موت مقدم ہے۔حیات تو نعمت ہی ہے مگر دنیا میں موت بھی اس کے برکات کا مظہر ہے۔کس لیے کہ اگر موت نہ ہو۔ اول تو یہ قوائے جسمانیہ سو دو سو برس کے بعد بلکہ اس سے پہلے بیکار ہو جائیں اور زندگی وبال ہو جائے۔ دوم دنیا میں بہت لوگوں کی موت دوسروں کے لیے راحت ہوتی ہے۔ سوم دارِ آخرت کی زندگی اس کڑوے پھل کھانے پر موقوف ہے ہر ایک کو اس پل سے گزرنا ہے اور عالم جاودانی میں جانا اور نیک وبداعمال کی سزاء وجزا پانا ہے اس لیے فرماتا ہے۔لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔تاکہ تمہیں آزمائے کہ کس کے اچھے عمل ہیں؟ یہ دنیا ایک کھیت ہے جس نے نیک کاموں کا تخم بویا ہے وہ اس جہان میں اس کے عمدہ پھل پائے گا، برکت حاصل کرے گا۔حسنِ عمل کی تفسیر بعض روایات میں یوں آئی ہے کہ احسن عقلا واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ۔ کہ عقل عمدہ پیدا کرے کس لیے کہ تمام دینیات کا اعتبار ومدار عقل پر ہے۔عاقل بہت جلد عبرت حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد خدا کی ممنوع چیزوں سے اور ممنوع کاموں سے بچے اور اس کی اطاعت میں جلدی کرے،غفلت اور آج کل میں اس عمرِ گرانمایہ کو نہ گزارے۔

ایک بات قابلِ بحث یہ بھی ہے کہ موت زوالِ حیات کا نام ہے پھر اس کے پیدا کرنے کے کیا معنی؟

جواب۔ (۱) موت وحیات میں مقابلہ ہے تقابلِ عدم وملکہ کس لیے کہ موت اس کے حس وحرکات کا زوال ہے کہ جس میں اس حس و

ادراک کی صلاحیت، ہواس لیے لکڑی پتھر کو مردہ یا زندہ نہیں کہتے اور عدم ملکہ عدم محض نہیں بلکہ اس میں وجود کا شائبہ ہے اس لیے اس کا مخلوق ہونا بعید از قیاس نہیں۔ (۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ عالمِ مثالی میں موت وحیات وجودی چیزیں ہیں، موت کو اس عالم میں ابلق مینڈھے سے مشابہت ہے اور حیات کو ابلق گھوڑے سے اس لیے ان پر خلق کا لفظ استعمال کرنا درست ہے لیکن بعض علماء نے خلق کو بمعنی جعل قرار دیا کہ موت اور زندگی بنائی۔

علمِ اجمالی وتفصیلی: سوال:۔ لیبلو حق سبحانہ کی نسبت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کس لیے کہ اس کو ہر چیز کا علمِ ازلی ہے اس کو آزمائش کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: علم کی دو قسم ہیں۔ ایک اجمالی یعنی اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے، دوم تفصیلی اشیاء کے پیدا ہونے کے بعد۔ علمِ تفصیلی میں حق سبحانہ کو علمِ اجمالی سے کوئی زیادہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ دونوں کا یکساں انکشاف ہوتا ہے اس جگہ مراد علمِ تفصیلی ہے اور وہی بندوں پر الزام واکرام کے لیے حجت وسند ہے۔

بندوں کے اعمال دو قسم کے ہیں، بد یا نیک۔ ان کے وقوع ہونے کے بعد خدا کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا پوری سزاء وجزا نیک اعمال کا عمدہ بدلہ۔ برے اعمال کی سزا جہنم یا درگزر اور بخشش۔ اس لیے کہ اس کے بعد یہ بھی فرمادیا وھو العزیز کہ وہ زبردست ہے۔ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے، نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے، برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس میں پہلی بات کی طرف اشارہ ہے۔ الغفور وہ معاف کرنے والا بھی ہے اس میں دوسری بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز شایانِ شاہی بھی یہ دونوں وصف ہیں بادشاہ میں اگر قدرت وشوکت نہیں تو یہی اس کی بادشاہت میں نقص ہے اور اگر بخشش وعطا نہیں تو یہی اس کی سلطنت اور اس کی برکت میں کمی ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ تک مسئلہ توحید واثباتِ صفاتِ باری کا ثبوت ہے اور الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ پہلے مسئلہ کا تتمہ اور دوسرے مسئلہ معاد کی تمہید ہے۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ میں مسئلہ معاد کا بیان ہے۔ اور دونوں مسئلوں میں تقدیم وتاخیر ایک عجب لطف دے رہی ہے۔ کس لیے کہ انسان جب تک خدائے قادر اور اس کے صفاتِ شہنشاہی وغیرہ کا قائل نہ ہوگا مرنے کے بعد یا دنیا میں نیک وبد کاموں کی سزاء وجزا کا بھی قائل نہیں ہوسکتا اور یہی اعتقاد انسان کو راستی، نیکوکاری، بر واحسان کی طرف محرک اور بری باتوں سے مانع ہے۔ چونکہ مسئلہ توحید ایک ایسے بیان سے ثابت کیا کہ جس کو عقولِ عالیہ بخوبی سمجھ سکتی ہیں مگر عقولِ سائلہ ومتوسطہ بغیر کسی نظیر وشاہد کے جو اس کی شہنشاہی اور قدرتِ کاملہ کی واضح دلیل ہو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتی تھیں اور سمجھانا ہر فریق کا مقصود تھا اس لیے اس کے بعد شواہد ودلائل پیش کرتا ہے۔

پہلا شاہد: فَقَالَ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وہ کہ جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ عالمِ ملک میں آسمانوں اور ان کے ستاروں سے بڑھ کر کوئی بڑی چیز نہیں۔ آفتاب، ماہتاب، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اس قدر بڑے اجسام ہیں کہ زمین سے لاکھوں اور ہزاروں حصے زیادہ ہیں۔ پھر ان میں نور اور عجائبات رکھے ہوئے ہیں جن کے آگے زمین کے عجائب ومخلوقات کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ان ساتوں کے سوا جو ایک کے اوپر دوسرا ہے اور سینکڑوں ثوابت اور بعض ستارے ہیں جو زمین سے کروڑوں حصے بڑھ کر ہیں یہ کس نے بنائے؟ یہ از خود نہیں بن گئے کس لیے کہ اجرامِ علویہ کا مادہ یکساں ہے اور ہر ایک کا مقتضائے طبعی برابر ہے پھر ان کو اوپر تلے اور بڑا چھوٹا کس نے کر دیا از خود ہوتے تو یکساں ہوتے۔ طباقا کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ جب ان ستاروں کی یہ کیفیت ہے تو ان آسمانوں کی وسعت کا کیا ٹھکانا ہے جن میں یہ ہیں اور حرکت کرتے پھرتے ہیں۔

حال کا فلسفہ سات آسمانوں کا قائل نہیں۔ وہ ان بلند سات ستاروں کو سبع سماوات کا مصداق سمجھتے ہیں مگر توریت سفر الخلیقہ کے اول باب اور دیگر مقامات پر بھی آسمانوں کا بنانا مذکور ہے۔ پاک کتابیں اور اگلے حکیم سب اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

ان ستاروں کی ایسی تیز حرکت کہ منٹوں میں سینکڑوں کوسوں کا فاصلہ طے کر جاتے ہیں پھر باہم ٹکراتے نہیں پاتے۔ ہر ایک اپنے مدار پر دورہ کر رہا ہے۔ یہ اسی بادشاہِ ذوالجلال قادر کا کام ہے۔ نہ طبائع اجرامِ علویہ کا نہ کسی اور کا۔ پھر ان کی شعاعوں سے جو کچھ تاثیرات زمین پر ہوتے ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔

دوسرا شاہد: اس کے بعد دوسرا شاہد اس محکم عمارت کی استواری ہے فقال مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ اے نظر کرنے والے! تو رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں (جو بڑا بابرکت اور بادشاہ اور قادر ہے) کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔ قدرت نے اپنی کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا۔ ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر اجرامِ علویہ سبع سماوات اور نیرات تک یکساں کاریگری کی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے بنایا اور بعض کو یوں ہی کیف ما اتفق بے سوچے سمجھے یا بیکار فضول بنا دیا ہے۔ صرف انسان کے اعضاء کا تناسب اور حسنِ ترتیب عقل کو حیرت میں ڈالنے والی چیز ہے۔ کسی درخت کے پتے یا پھول کو ہاتھ میں لے کر دیکھیے گا تو آپ بول اٹھے گا کہ سبحان اللہ! تیری صنعت یہ ہیں مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ کے معنی۔ یہ مراد نہیں کہ مخلوقات میں باعتبار ان کی جسامت اور رنگت اور تاثیر کے کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو شبہ ہو جائے کہ یہ طبیعتِ اجسام کا یکساں فعل ہے اور نیز کارخانہ دنیا میں انتظام نہ رہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ اگر ایک بار دیکھنے میں شبہ باقی رہ جائے تو پھر دیکھ تجھ کو اس کی صنعت میں فطور بھی دکھائی دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فطور فطر کی جمع ہے اور فطر کے معنی درز یا دراڑ کے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں اس کے معنی خلل کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی کچھ منقول ہے۔ سدی کہتے ہیں فطور کے معنی خروق ہیں شگاف کے لحاظ سے یہ دیکھنا آسمانوں اور ستاروں کے لیے زیادہ چسپاں ہیں۔

سوال: احادیثِ صحیحہ و آیاتِ قرآنیہ سے آسمانوں میں دروازے ثابت ہیں۔ ابواب السماء کا لفظ آیا ہے پھر فطور تو پایا گیا۔

جواب: کسی چھت یا مکانِ مرتفع میں کھڑکی یا دروازہ جو ہوتا ہے تو کاریگر کے ارادہ اور صنعت سے ہوتا ہے اس کو فطور نہیں کہتے۔ فطور دراڑ یا درز جو کاریگر کی صنعت میں قصور ہونے سے اس کے ارادے بغیر ہو جائے یہی اس عمارت کا نقص ہے۔ اس کے بعد بھی اگر شبہ رہ جائے تو ثم ارجع البصر کرتین پھر دوبارہ نگاہ کر۔

سوال: یہ نگاہ دوبارہ نہ ہوگی بلکہ تیسری بار کس لیے کہ دوبار اس سے پہلے نظر کر چکا۔ پھر کرتین کا لفظ کیونکر صحیح ہوگا جو کرۃ بمعنی بار کا تثنیہ ہے۔

جواب: تثنیہ سے مراد کثرت ہے جس کے معنی ہوں گے بار بار دیکھ یعنی کئی بار نظر کر کہ شبہ نہ رہے اور عرب کی زبان میں تثنیہ کثرت کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ لبیک و سعدیک حنینک وھذا دیک یَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔ کوئی عیب و خلل دکھائی نہ دے گا بلکہ نگاہ دیکھتے دیکھتے تھک جائے گی۔ پھر کر آئے گی تیری طرف تیری نگاہ خیرہ اور ماندہ ہو کر۔ خاسئا مبعدا من قولک حسات الفلب اذا باعدۃ۔ مبرد کہتے ہیں خاسی کے معنی ہیں ڈو کارا ہوا ذلیل۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں خاسی وہ ہے جو اپنے مقصود کو نہ دیکھے (حسیر) یہ حسیر العین بعد المری سے مفعول بھی ہو سکتا ہے اور حسور تکان کے معنی سے فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ بہت دیر تک جب کسی چیز کو دیکھا جاتا ہے تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور اندھیرا سا ہو جاتا ہے۔ نگاہ جو اس شے پر بھی ایسی حالت میں وہاں سے لوٹ آتی اور چندھیا جاتی ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا

ل بعض مفسرین نے وجعلناھا رجوما للشیاطین کے یہ بھی معنی بیان کیے ہیں کہ ان ستاروں سے شیاطین یعنی منجمین مارے جاتے ہیں یہ کہ ان کی تاثیرات سے احکام لگاتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اوروں کو بھی گمراہی میں ڈالتے ہیں ان کے لیے ہم نے عذاب آتش تیار کر رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝

اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کی) قندیلوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا رکھا ہے اور ان کے لیے آتشی عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : الدنیا من الدنو بمعنی القرب فھی صفة للسماء ای القربی الی الارض من بقیة السماوات وھی التی یراھا الناس مصابیح جمع مصباح اراد بھا الکواکب لانھا تضئ کا ضاءة السرج ففی الکلام استعارة تصریحیة لان حقیقة المصابیح السرج۔ والباء یتعلق بزینا وجعلنا عطف علی زینا رجوما مفعول ثان لجعلنا والرجوم جمع رجم بالفتح وھو مصدر یراد بہ المرجوم والضمیر المنصوب فی جعلنا ھا الی المصابیح واللام فی للشیاطین تتعلق بجعلنا وقیل برجوما واعتدنا عطف علی زینا' السعیر قال مبرد سعرت النار فھی مسعورة وسعیر کقولک مقبولة وقبیل۔

تفسیر...... تیسرا شاہد : تیسرا شاہد وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ کہ ہم نے نیچے کے آسمان کو (یعنی ساتویں آسمانوں میں جو سب سے نیچے ہے اور جو تم کو دکھائی دیتا ہے) ستاروں کے چراغوں سے رونق دی۔ جب رات کو دیکھتے ہیں تو ہزاروں قندیلیں نظر آتی ہیں، آسمان پر جگمگاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ اہلِ ہیئت نے ثابت کیا ہے کہ وہ تارے جو از خود حرکت نہیں کرتے ان کو ثوابت کہتے ہیں، آٹھویں آسمان پر ہیں اور سات ستارے چاند، سورج، عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل جو حرکت خود بھی کرتے ہیں ان میں سے صرف چاند تو اول آسمان پر ہی ہے جس کو سب سے نیچے کا آسمان اور السماء الدنیا کہتے ہیں، باقی اوپر کے آسمانوں میں ہیں۔ مگر آسمان صاف اور شفاف ہیں اس لیے اوپر کے آسمانوں کے ستارے اور ثوابت بھی اسی آسمان پر دکھائی دیتے ہیں جس طرح پانچ چھ آئینے اوپر تلے دھرے ہوں اور اوپر کے آئینوں میں نقش و نگار ہوں وہ سب نیچے کے آئینے میں معلوم ہوتے ہیں۔

اب غور کریں کہ ان ثوابت و سیارات کا ایسا طلوع و غروب اور ایسے مواقع پر ہونا یہ بھی اس حکیم و قادر کا فعل ہے، جس نے ان میں روشنی عطا کی۔ نئی ہیئت والوں کے نزدیک یہ ثوابت و سیارات ابعادِ مختلفہ پر دورہ کرتے ہیں اور جو بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں وہ بہت دور ہیں گو فی نفسہٖ وہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور بعض ایسے دور ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے اور یہ فضا جس میں دورہ کر رہے ہیں آسمان ہے اور ہر ستارے کے لحاظ سے فضا کی وسعت ہے۔ ستارے مشہور ہمیشہ سے سات ہیں اس لیے ان ساتوں فضا کو سبع سماوات کہتے ہیں گو حال میں اور بھی ستارے ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس فضا کا شب میں مختلف قندیلوں سے مزین نظر آنا بہت قوی دلیل آثارِ قدرت و حکمت پر ہے۔

چوتھا شاہد : وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ کہ ہم نے تاروں کو شیاطین کے پھینک مارنے کے لیے بھی تیار کر رکھا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ شیاطین اسرارِ آسمانی سننے کے لیے اوپر چڑھا کرتے ہیں، فرشتے ان کو ان انگاروں سے مارتے ہیں۔ رات کو جو تارہ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ یہی رجوم ہیں۔ سورۂ صافات میں بھی آیا ہے۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ٱلْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔ جعلناھا کی ضمیر جنسِ مصابیح کی طرف راجع ہے نہ عین مصابیح کی طرف کس لیے کہ شیاطین پر وہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں۔ (ابن کثیر) لفظ مصابیح یا کواکب یا نجوم ان ستاروں پر بھی مستعمل ہوتا ہے جو آسمانوں پر ہیں اور ان اوخنہ پر بھی جو رات کو ٹوٹتے ہیں۔ یہ جنس ہے اس کے بعض افراد زینت کا کام دیتے ہیں اور بعض سے شیاطین مارے جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ خاص ستارے جو آسمانوں پر ہیں، شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ زمین سے جو اوخنہ اٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور کرۂ نار کے قریب پہنچتے ہیں تو ان میں آگ لگ

جاتی ہے اور وہ جلتے ہوئے انار سے چھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں گو علت یہ ہو مگر اس سے کام یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ حال کی تحقیقات سے دم دار ستارے اور دیگر چھوٹنے والے ستارے او خنہ ثابت نہیں ہوئے بلکہ وہ بھی ایک خاص ستارے اور خاص مادے ہیں اور لوگوں نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی یہ تارے ٹوٹتے ہیں تو سیدھے زمین کی طرف نہیں آتے جوان کا حیز طبعی تھا بلکہ اِدھر اُدھر ایسے جاتے ہیں جیسا کہ کسی نے پھینک کر مارا ہو۔ شیاطین کا وجود اور اسرار سماوات کے لیے اوپر جانا کئی بار ہم ثابت کر چکے ہیں۔ مقدمہ دیکھو۔ یہ شیاطین کی دنیا میں سزا ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے یہ شاہد بھی اس کی شہنشاہی پر دال ہے کہ مفسدوں کے لیے کیسے توپ گولے تیار کر رکھے ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۞ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۞ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۞ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۞ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۞

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے جب اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے شور کی آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی (اور) جوش کے مارے پھٹی پڑتی ہوگی جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں بے شک ہمارے پاس نذیر تو آیا تھا پر ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور (فرشتوں سے) کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو کاہے کو دوزخیوں میں سے ہوتے پھر وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو پھٹکار ہے دوزخیوں پر۔

ترکیب: عذاب جهنم مبتداء وللذين كفروا خبر مقدم وقرئ عذاب بالنصب انه عطف على عذاب السعير وللذين على لهم۔ شهيقا منصوب على انه مفعول سمعوا لها فى محل النصب على الحال اى كائنا لها وهى تفور الجملة حال من الضمير فى فيها۔ تكاد الخ الجملة ما حال من فاعل تفور او خبر آخر كلما استيناف مسوق لبيان حال اهلها بعد بيان حال نفسها وقيل حال من ضميرها بلى كان يكفى فى الجواب ولكن حباؤا بالجملة المجاب بها مبالغة فى الاعتراف قد جاء نا الخ فسحقا قرئ الجمهور باسكان الحاء وقرئ بضمها وهما لغتان مثل الرعب منصوب قال الزجاج وابو على الفارسى منصوب على المصدر اى سحقهم الله سحقا وكان القياس اسحاقا فجاء المصدر على الحذف والسحق البعد۔

تفسیر: ان شواہد کے بعد پھر مسئلۂ معاد کو شروع کرتا ہے اور اس کے لیے مناسبت یہ تھی کہ شیاطین کے لیے عذاب السعیر تیار کرنا فرمایا تھا اس مناسبت سے شیاطین کے سوا اور جس قدر کفار و مشرکین ہیں ان کا بھی انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ کہ ان کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے جو بری جگہ ہے۔ رب کا لفظ مربی اور محسن کے ہم معنی ہے پھر دیکھئے جو اپنے مربی و محسن کا انکار کرے اس کے لیے عذابِ جہنم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اس لفظ نے عجب لطف پیدا کر دیا۔ انکار کرنا ایک تو یہی

معمولی انکار ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانا یا اس کے احکام کو نہ مانا، صفات توحید وتنزیہ کے خلاف اعتقاد کیا۔ انہیں باتوں کے مرتکب کو کافر کہا جاتا تھا شرک بھی اسی میں آ گیا۔ دوسرا سرے سے اس کی ذات کا انکار کرنا کہ خدا تعالیٰ ہی نہیں جیسا کہ دہریہ کہتے ہیں یہ سب لوگ کافر سمجھے جاتے ہیں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری اور گلہ گزاری بھی ایک قسم کا کفر یا کفران ہے ایسے لوگوں کے لیے بھی عذاب جہنم ہے گو ابدی نہ ہو۔

اس کے بعد اذا القوا سے لے کر فَسُحْقًا لِاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ تک جہنم اور جہنمیوں کے کچھ حالات خوفناک بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب یہ کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو بجائے خیر مقدم ومرحبا واہلاً وسہلاً کے جہنم کی آوازیں سنیں گے جو اس کے جوش سے نکلتی ہوں گی۔ جب آگ زیادہ گرم اور تیز ہوتی ہے تو اس کے شعلوں میں سے ایک مہیب صدا آیا کرتی ہے اسی طرح جہنم کی آواز ہوگی۔ وہ تنور جب زیادہ گرم ہوگا جس کو جوش اور غصہ کرنے اور غصے سے پھٹے پڑنے کو استعارۃً تعبیر کیا ہے تو اس کی دور دراز سے ہیبت ناک آوازیں آئیں گی العیاذ باللہ۔

(۲) کلما[1] ...... جب جہنم میں ایک گروہ داخل ہوگا تو ان سے جہنم کے داروغہ یعنی فرشتے پوچھیں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا اور تم کو اس گمراہی سے نہیں روکا جس کے سبب آج اس بلا میں گرفتار ہوئے؟ (نذیر خدا کا رسول اور اس کی کتاب یا اس کے نائب، علماء واعظین۔ اور جہاں کہیں یہ نہ آئیں تو وہاں احکامِ شریعہ پر مؤاخذہ نہیں وہاں نذیر عقل وفکر اور آیاتِ قدرت میں غور وفکر ہی نذیر ہے جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا حکم دیتا ہے وہاں صرف توحید ہی کافی ہے۔ اور عمر کا تبدل حوادثِ دہر، موت اقران وامثال بھی خدا کا نذیر ہے جو بندہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے عالمِ جاودانی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مگر یہ غفلاتِ شہوات کے ایسے گراں تودوں میں دبا ہوا ہے کہ سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔) کفار فرشتوں کے جواب میں کہیں گے بلیٰ کیوں نہیں قد جاء نا نذیر۔ بے شک ہمارے پاس نذیر آیا۔ فکذبنا لیکن ہم نے جھٹلا دیا۔

فائدہ: ہر نذیر کی تکذیب اسی کے موافق ہے۔ رسول اور کتابوں کی تکذیب ان کو نہ ماننا یا ان کے احکام وہدایات کو قبول نہ کرنا جیسا کہ کفار کرتے تھے۔ ہائے دنیا میں جو ہادی اصلاح کرنے آیا لوگوں نے پھولوں کی جگہ ان کی راہ میں کانٹے بھی ڈالے یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ یا ان کے نائبوں حضرات علماء کرام کی تکذیب ان کو نہ ماننا، ان سے تمسخر کرنا، ان کی عیب جوئی کرنا، ان پر بہتان لگا کر ان کے اعتبار میں فرق ڈالنا وغیرہ۔ نذیر عقل کی تکذیب، آیاتِ الٰہیہ وحوادثِ دہر میں غور وتدبر نہ کرنا اور توحید وخدا پرستی پر نہ چلنا، رسوم وشہوات میں پڑا رہنا، بت پرستی وبدکاری سے باز نہ آنا۔ عمر کے تبدل، موت، اقران وانقلاباتِ دہر کے نذیر کی تکذیب عبرت نہ کرنا، عالمِ جاودانی سے غافل رہنا اس حسی اور فانی جہان کی چیزوں پر مفتون ہونا ہے۔ ہائے افسوس اس نذیر کو ہم کس طرح جھٹلا رہے ہیں۔ بیماری یا مصیبت خدا تعالیٰ کا ایک نذیر آیا تھا اس کے بعد پھر ہم انہیں ظلمات میں مبتلا ہو گئے۔ اقارب واحباب سامنے مرتے ہیں، یہ بھی ایک نذیر ہے جو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

تمہیں ہے چلنی عدم کی منزل کہ جس میں کھٹکا قدم قدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہی مر گئے اور دنیا میں ان کا نام ونشان مٹ گیا، بھلا ہم کب مرنے والے ہیں۔

وقلنا...... کفار کہیں گے ہم نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا۔ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ کہ خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی نہ

---

[1] کلما القی فیہا فوج اس سے معلوم ہوا کہ تمام دوزخی ایک بار دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ہر ایک گروہ اور فرقہ ایک ملک کے یا ایک خاندان کے یا ایک مذہب کے یکے بعد دیگرے داخل ہوں گے اور ہر ایک گروہ علیٰ حسب مراتب ہر طبقہ میں بند ہوگا اور ان کے شرمندہ کرنے کے لیے ملائکہ یہ سوال کریں گے اور وہ یہ جواب دیں گے۔ ۱۲ منہ

کتاب بھیجی نہ احکام نہ حوادث ومصائب یہ تو فلاں سبب سے ہوا اور موت یوں آئی، افلاس یوں آ گیا تھا۔ اقبال اس لیے جاتا رہا تھا، بیماری اس وجہ سے گئی تھی۔ یہ امور اسباب پر مبنی تھے، خدا نے کیا کیا؟ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ۔ اے جو تم نذیر کہلاتے ہو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ خدا نے کتاب بھیجی، رسول بھیجا، احکام بھیجے، اس کو کیا پڑی تھی جو وہ ایسا کرتا؟ گناہوں سے مصیبت آئی و بازنا سے بھیجی قحط بھیجا، بیماری بھیجی، اس نے کچھ نہیں بھیجا، یہ پرانے خیالات اور جہالت کی باتیں ہیں۔ اول تو خدا ہی کہاں ہے اور ہے بھی تو وہ اس عالم میں کیا کر سکتا ہے؟ یہاں تک کفار کی گفتگو تھی [۱]۔ جو دوزخ میں فرشتوں سے بطور اقرار جرم کریں گے۔

فائدہ: اگرچہ نذیر واحد ہے مگر ایک نذیر کا بھی وہی مقصد ہے جو دوسرے کا تھا اس لیے انتم جمع کے لفظ سے سب کا انکار تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ کَبِیۡرٍ۔ دوزخ کے فرشتوں کا ہوگا، کفار کی تقریر سن کر کہ اے بدنصیبو! تم بڑے گمراہی میں تھے۔ یا اب بڑی مصیبت میں پڑے ہو۔ مصیبت وعذاب جو ضلالت کے سبب آتا ہے اس پر بھی ضلال کا لفظ مجازاً محاورۂ عرب میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اول قول قوی ہے۔

اس کے بعد فرشتے کہیں گے، کیا تم نے کسی ناصح کی بات نہ سنی، یا تم کو از خود عقل نہ تھی جو خدا کے نذیروں کو جھٹلایا جس کے سبب اس بلا میں پڑے تب کفار کہیں گے۔ وَقَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ مَا کُنَّا فِیۡۤ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ۔ کہ اگر ہم کسی ناصح کی بات سنتے یا خود عقل کرتے تو آج کاہے کو دوزخیوں میں ہوتے۔

تقلید واجتہاد: انسان کی صلاح کے دو ہی طریق ہیں۔ اول اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے۔ یہ تقلید کا مرتبہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقلِ سلیم سے غور وتدبیر کرے۔ یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے۔

فائدہ: کفار دنیا میں سنتے تھے، عقل بھی رکھتے تھے، ہزاروں ایجاد واختراع کرتے تھے مگر آخرت کے بارے میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں گویا بہرے اور بے عقل تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ۔ کہ قیامت میں یا جہنم میں اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سو پھٹکار اور لعنت ہے دوزخیوں پر۔ دوزخ میں جا کر اقرار کیا۔ پھر اس کا کیا فائدہ؟ دنیا میں کرتے تو لعنت کے بدلے رحمت ہوتی۔

فوائد: اول: ان آیات میں مسئلۂ معاد کی نہایت پُراثر واقعات کے بیان میں تصویر کھینچی بالخصوص معاد کے متعلق ایک گروہ اشقیا کا حال اور اس کے ٹھکانے کی ہیبت خیز کیفیت بیان فرمائی اور بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ کی پوری توضیح کر دی کہ وہ جگہ ایسی ہے کہ آگ کے شعلوں میں سے ہیبت ناک آوازیں سنائی دیں گی اور جہنم غصہ کی ماری پھٹی پڑتی ہوگی اور وہاں دوزخ کے فرشتے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا جو تم کو اس مصیبت سے بچنے کی راہ بتاتا۔ اس ضمن میں مسئلۂ نبوت کی بھی تصریح کر دی کہ دنیا میں اس کام کے لیے آتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے اس کو یہ عذاب الیم ہمیشہ کے لیے بھگتنا پڑتا ہے اور یوں حسرت وافسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے اور دانت پیسنے پڑتے ہیں۔ نبی کی تصدیق واطاعت کے لیے اس سے بڑھ کر مخاطبین کے واسطے اور کوئی بیان پُراثر ہو نہیں سکتا۔ کلام میں ان مقاصد کو ملحوظ رکھنا اور دلکش عبارت میں بیان کرنا اعجاز ہے۔

دوم: شروع سورۃ میں بیان کیا گیا تھا کہ اس کے قبضے میں ملک ہے یعنی وہی بادشاہِ حقیقی ہے۔ پھر جس طرح لوازمِ سلطنت میں سے قدرت کاملہ اور حیات وممات پر قبضہ سات آسمانوں کا گھر بنانا اور کس خوبی سے بنانا اور پھر اس کو تاروں کی قندیلوں سے روشن کرنا اور اس

---

[۱] آج کل نئی روشنی والوں اور ان کے مرید فرقہ آریہ لوگوں کی یہی گفتگو ہے جس کی غلطی کا اقرار ہمارے سامنے کب کر سکتے ہیں، وہیں دوزخ کے فرشتوں کے سامنے کریں گے۔ ۱۲ منہ

کاخ کے چوروں کو تاروں سے مار کر ہانکنا بیان فرمایا تھا جس میں سراسر رحمت اور برکت کا اظہار تھا۔ اسی طرح شیاطین اور ان کے بعد بنی آدم کے کفار و منکرین کا جہنم کے قید خانے میں ڈالنا بیان فرما کر جو سراسر جبروت و اقتدار شاہانہ کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرمانبرداروں کے اعزاز و اکرام بیان فرماوے گا۔ بقولہ وَلِلَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ الخ۔ اس تمامی بیان سے بہت سے مذاہب اور عقائد فاسدہ کی اصلاح ورد ہے۔ کس لیے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے سوا کسی اور کو پوجتے ہیں یا اس کی خدائی میں حصے دار ٹھہراتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا اور خدائی کمیٹی کا تیسرا رکن قرار دیتے ہیں اور جس طرح کہ ہنود اپنے اوتاروں کو خدا اور قادرِ مطلق سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ملائکہ و دیگر ارواحِ طیبات کو اس درجے پر مانتے ہیں ان کا ملک میں کون سا حصہ ہے؟ کس نے آسمان و زمین بنانے میں مدد کی ہے اور کس کا موت و حیات پر قبضہ ہے اور کون قادرِ مطلق ہے؟ ان کے یہ الٰہ دنیا میں بہت باتوں میں عاجز[1] تھے اور اسی طرح آخرت میں کسی کا کیا حصہ ہے۔ کون اس کے قید خانے سے زبردستی چھڑا سکتا ہے، کون وہاں انعام و اکرام دے سکتا ہے؟ یہ سب دلائل و براہین توحید خالص کے لیے ایسے ہیں کہ جن میں کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہیں اور اسی طرح جو لوگ کواکب و نیرات کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی تاثیر سے سعادت و نحوست، موت و حیات سمجھتے ہیں جیسا کہ مجوس اور فرقۂ صابیہ ان کی بھی کمال تسلی ہے کہ تمہارے معبود ہمارے بنائے ہوئے مسخر ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟ الغرض مسئلۂ معاد نبوت میں بھی الٹ پھیر کر پھر مسئلۂ توحید کو ثابت کر دیا۔ اور نیز دنیا کے مغروروں، متکبروں کو بھی سمجھا دیا کہ تم اپنی شاہی اور حکومت پر ناز کر کے ہم سے سرکشی نہ کرو، تمہاری بادشاہی ہمارے مقابلہ میں کیا چیز ہے، تم کو قدرت کیا ہے۔ تم موت و حیات کے کیا مالک ہو، تم نے آسمان و ستارے کہاں بنائے ہیں، علویات پر تمہاری کیا حکومت ہے؟ لہٰذا ہماری طرف رجوع کرو، سرِ نیاز جھکاؤ ورنہ جہنم کا قید خانہ تیار ہے۔

سوم: مسلمانوں کا فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ وللذین کفروا کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں کفار ہی جائیں گے، مومن نہ جائیں گے، خواہ وہ کیسے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔ ایمان کے بعد کوئی عملِ بد جہنم میں نہیں لے جا سکتا۔ یہ عیسائیوں کے عقیدے کے قریب ہے لیکن یہ خیال غلط ہے کس لیے کہ کفروا کا لفظ بڑا وسیع ہے، کفارِ شرعی کو بھی شامل ہے اور جو ایماندار ہو کر اس کی ناشکری کرتے ہیں ان کو بھی گو ان کو ابدی جہنم نہ ہوگا ایمان کی بدولت۔ اور نیز دیگر آیات و احادیث میں تصریح ہے کہ ایماندار گنہگاروں کو بھی بقدرِ گناہ عذاب ہے لیکن عذاب دائمی نہیں اور یہ مسئلہ علمِ کلام میں نہایت صراحت سے مذکور ہے جو چاہے وہاں دیکھے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾ وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ ع

وہ جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں ان کے لیے بڑی بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو بے شک وہ تو دلوں کی بات کو بھی (خوب) جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین (اور بڑا) خبردار ہے۔

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے، سولی پر لٹکانے گئے، وہاں بہت روئے پیٹے کہ اے خدا! مجھے چھڑا مگر نہ چھوٹ سکے پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، کھانا کھاتے، سوتے جاگتے تھے۔ الغرض تمام خصائصِ بشریہ میں جکڑے ہوئے تھے جو عجز و حدوث کے آثار ہیں اسی طرح ہنود کے اوتار اور جمیع مذاہب کے معبودوں کا حال ہے خواہ علویات میں سے ہوں خواہ سفلیات میں سے پتھر، مٹی، تانبے، سونے چاندی کے بت ہوں یا ارواحِ طیبات و ملائکہ ہوں سب مخلوق ہیں، صفتِ الوہیت میں کسی کو بھی حصہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ترکیب : الذین موصول یخشون الجملۃ صلۃ بالغیب متعلق بیخشون ویمکن ان یکون حالا من ضمیر یخشون ای غائبین مغفرۃ مبتداء واجر کبیر معطوف علیہ لھم خبر مقدم والجملۃ خبر ان والموصول والصلۃ اسمھا۔ واسروا الخ جملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان تساوی الاسرار والجھر بالنسبۃ الی علم اللہ تعالیٰ انہ الجملۃ تعلیل وتقریر لما قبلھا۔ من خلق من فی موضع رفع فاعل یعلم والمفعول محذوف ای الا یعلم الخالق خلقہ وقیل الفاعل مضمر ومن مفعولہ ای الا یعلم اللہ المخلوق الذی خلقہ وھو اللطیف الخبیر حال من فاعل یعلم۔

تفسیر : مسئلہ معاد کی بابت گروہِ اشقیاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ۔ کہ وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں یعنی دنیا میں یہاں آخرت کا عذاب وثواب ان کی آنکھوں سے غائب ہے۔ محض مخبر صادق علیہ السلام کے کہنے پر ایمان لا کر آیندہ آنے والی مصیبتوں سے ڈرتے اور خدا کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ لوگوں کے سامنے تو ہر ایک پرہیزگاری جتلایا کرتا ہے مگر ان کے عیب میں یعنی خلوت میں اللہ سے ڈرنے والے ہی دراصل پرہیزگار ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آن کارِ دیگر میکنند

خدا سے ڈرنا دراصل پوشیدگی ہی میں ڈرنا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ پوشیدگی میں تو خدا سے ڈرے اور ظاہر میں نہ ڈرے، رند و فاسق بنا رہے۔ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ان کے لیے معافی اور بڑا اجر ہے۔ اگر بشریت سے ان سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا جس پر بعد میں اظہارِ ندامت کیا گیا تو ان کے لیے مغفرت ہے۔ اور اجر ہے یعنی بدلہ جو روحانی اور جسمانی اور وہاں کے نعیم کو شامل ہے اور وہ بھی کیسا؟ اجر کبیر یعنی بڑا بے تعداد ہمیشہ کے لیے۔

فائدہ: مقابلہ پہلے گروہ کا یہ چاہتا تھا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْکُرُوْنَ رَبَّھُمْ کہتے ہیں جیسا کہ اشقیا کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ان الذین یکفرون ربھم کیونکہ کفر کا مقابلہ شکر ہے نہ ڈرنا۔ اس کی کیا وجہ کہ یخشون کہا یشکرون نہ کہا؟ جواب شکر منعم کی نعمت کا اظہار و تعریف یا اس کا بدلہ دینا زبان سے خواہ ہاتھ پاؤں سے خواہ دل سے۔ اور سورہ کا سیاق اظہارِ شانِ شہنشاہی ہے کہ وہ ایسا اور ایسا شہنشاہِ حقیقی ہے اس کے لیے ڈرنا اور عجز و نیاز سے پیش آنا ہی مناسب ہے اور جو خدا سے ڈرے گا وہ شکرگزاری تو بدرجۂ اولیٰ کرے گا۔ شکرگزاری عبودیت ومحکومیت نہیں ثابت کرتی جیسا کہ ڈرنا اور کانپنا ثابت کرتا ہے شکرگزاری برابر والا بھی اپنے مساوی درجہ کے محسن کی کرسکتا ہے اور اس جگہ عجز و نیاز زیادہ مرغوب ہے جو خشیت میں رکھا ہوا ہے۔ شکرگزاری بھی عمدہ چیز ہے مگر ہر ایک بات کا ایک محل ہے یہاں ڈرنا ہی مناسب مقام ہے۔

فرمایا تھا کہ غائبانہ اس سے ڈرنا چاہیے کس لیے کہ ظاہر ڈر اور اطاعت ایسے شخص کی جو امور اور دلی اسرار پر واقف ہو کچھ مفید نہیں اور خدا تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔ وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ اَوِ اجْھَرُوْا بِہٖ۔ خواہ تم اس بات کو ظاہر کرو یا پوشیدہ کس لیے کہ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کہ وہ سینوں کی باتیں جانتا ہے اور کیوں نہ جانے۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ خالق ہے اور خالق کو اپنی مخلوق کا علم ضرور ہے اگر علم نہ ہو تو ارادہ واختیار سے پیدا نہ کرسکے اور قطع نظر خالق ہونے کے وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ وہ لطیف ہے مجردات وروحانیات کا علم اسی لیے وسیع ہے کہ جسمانیت کے حجاب عاجز نہیں لیکن وہ ان سے بھی زیادہ لطیف ہے تو اس کے علم کی کیا حد ہے۔ مجردات وروحانیات کی صرف توجہ و التفات معلوم کرنے کے لیے شرط ہے اور وہ توجہ اس قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے۔ برخلاف اس کے کہ وہ الخبیر ہے ہر ذرہ کی طرف التفات وتوجہ رکھتا ہے کس لیے کہ جو مخلوق کے ساتھ اس کے خالق کا رابطہ ہے وہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا ہے اس لیے ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اشقیا کی سزا و اتقیا کی جزا کی بابت کچھ عجیب نہیں کہ ان لوگوں کا یہ خیال ہو کہ سزا و جزا ہر ایک کے اعمال اور احوال جاننے اور یاد رکھنے

پر موقوف ہے حالانکہ صدہا کام لوگ مخفی کرتے ہیں، ان کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی پھر وہ کیونکر سزا و جزا دے سکتا ہے؟ اس خیال کے ابطال میں یہ آیات وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔[1] نہایت اثر رکھتی ہے۔
اور مکے کے کفار اکثر ایسا خیال رکھتے تھے، ان کے ناتربیت یافتہ دماغوں میں خدا تعالیٰ اور اس کے اوصاف علم و قدرت محدود تھے۔

فائدہ (۱): من خلق سے بعض علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے یہاں تک کہ بندہ اور اس کے اعمال سب کا وہی خالق ہے اگر بندہ خالق ہوتا تو اس کو علم بھی ہوتا حالانکہ جس کام کو کرتا ہے اس میں اپنے عضلات کی حرکت و سکون کا بھی اس کو علم نہیں چہ جائے کہ اس کی تمام باریکیوں کی خبر ہو۔ جب خبر نہیں تو بالارادہ خالق بھی نہیں رہا۔ نیک و بد کام کا بدلہ تو محض اختیار و ارادے کو نیک و بد کام میں متوجہ کرنے پر ہے اور ارادہ متوجہ کرنے کے بعد وہ کام خدا پیدا کر دیتا ہے۔

فائدہ (۲): غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں پھر یہ جو غیب پر ایمان لانا غیب میں ڈرنا کس کی نسبت ہے؟ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب ہی نہیں۔ ہاں بندہ کے لحاظ سے بہت چیزیں غائب ہیں۔ پھر بندوں میں بھی بعض چیزیں بعض کے نزدیک غیب ہیں تو بعض کے نزدیک حاضر اس لیے ہر ایک کا غیب جداگانہ ہے اور غیب الغیب کا خزانہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ لطیفہ: بعض کہتے ہیں۔ غیب انسان کا قلب ہے جس کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا تب غیب سے ڈرنے کے یہ معنی کہ دل سے یا دل میں خدا سے ڈرے تاکہ دل میں نور پیدا ہو۔

فائدہ (۳): حکماء نے بدلائل ثابت کیا ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ جسمانیت کے حجاب علم و ادراک سے مانع ہیں اس لیے ملائکہ جسمانی کثافت سے بری ہونے کے سبب اور ان کے بعد روحانیات ان کے بعد جن اور دیگر لطیف اجسام سے مرکب چیزیں ان چیزوں کو خوب جان لیتے ہیں جو ہماری آنکھوں یا حواس سے باہر ہوتی ہیں۔ خواب میں جب روح کا تعلق جسم سے کسی قدر کم ہو کر دوسری طرف توجہ ہوتی ہے تو ہزاروں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح مکاشفہ و مشاہدہ میں جب ریاضات و افکار سے روح منور ہو جاتی اور جسمانی حجاب کمزور ہو جاتے ہیں تو سینکڑوں چیزیں دور دراز کی دکھائی دے جاتی ہیں۔ اسی طرح بعد مردن تو پردہ ہی کھل جاتا ہے مگر وہ حق سبحانہ لطیف ہے اس کے علم کی تو کچھ انتہا ہی نہیں اس لیے علوم کے خزانے اس کے پاس ہیں وہ جس قدر جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا تو اس پر چلا پھرا کرو اور اس کی روزی کھاؤ (پیو) اور اس کے پاس پھر کر جانا ہے۔ کیا تم کو جو آسمان میں ہے خوف نہیں رہا کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ پڑی لرزا کرے کیا تم کو اس کا جو آسمان میں ہے ڈر نہیں رہا کہ تم پر پتھر برسا دے۔ پھر تم کو معلوم

[1] واسروا قولکم او اجھروا بہ دلیل ہے بالغیب ڈرنے کے لیے۔ بالغیب کیوں ڈرو کس لیے کہ وہ مخفی اور ظاہر باتیں جانتا ہے پھر اور ترقی کرتا ہے۔ انہ علیم بذات الصدور کہ جواہر اور موجود فی الخارج چیزوں کے جاننے پر انحصار نہیں۔ وہ دلی خیالات سے بھی واقف ہے پھر اس پر دلیل لاتا ہے۔ الا یعلم من خلق کہ وہ خالق ہے اور خالق کو مخلوق کا علم ہے معلوم ہوا کہ دلی خیالات بھی اس کے مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اور ترقی کرتا ہے۔ وہ لطیف ہے مجردات کو غیب کی سینکڑوں باتیں معلوم ہوتی ہیں چہ جائے کہ لطیف ہو تمام مجردات اس کے آگے کثیف ہیں اور اس پر خبیر بھی ہو۔ ۱۲ منہ

ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور تم سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ پھر (دیکھا) ہماری ناراضی کا کیسا نتیجہ ہوا؟

ترکیب : الارض مفعول اول لجعل ذلولا مفعول ثان لہ لکم متعلق لجعل فامشوا الفاء لترتیب الامر بالمشی علی الجعل المذکور والیہ النشور جملۃ مستانفۃ من فی محل النصب علی انہ مفعول اامنتم والاستفہام انکاری ان یخسف الجملۃ بتاویل المصدر بدل اشتمال من الموصول ای من وکذا ان یرسل بدل من۔ الذلول من الذل وھوالانقیاد واللین ومنہ یقال۔ دابۃ ذلول المناکب جمع منکب وھوالجانب ومنہ منکب الرجل ومنہ الریح المنکباء الانھا تاتی من جانب دون جانب تمور من المور وھوالتردد فی المجی والذھاب ای التحرک والاضطراب۔ والحاصب ریح فیھا حجارۃ وحصباء کانھا تقلع الحصباء لشدتھا وقوتھا وقیل ھوسحاب فیھا حجارۃ۔ النکیر العقاب المنکر وانما اسقط الیاء من نذیری ومن نکیری لتکون مشابھۃً لروس الائی المتقدمۃ والمتاخرۃ الکسرۃ دلیل علی حذف الیاء۔ وفی کلام العرب کثیراً ما یحذف الیاء والواو والالف من آخر الکلمۃ فی حالۃ الوقف۔

تفسیر : اب تک اس بادشاہِ بابرکت کے وہ انعام و افضال بیان ہوئے تھے جو عالمِ بالا سے متعلق تھے جیسا کہ آسمانوں اور ستاروں کا پیدا کرنا جو اس کی قدرتِ تامہ کے لیے شواہد تھے اور ان کے ضمن میں مسئلہ توحید و نبوت کا بھی سلسلہ وار ثبوت تھا۔ اب یہاں سے زمین کے متعلق اپنی بادشاہی اور عالمِ سفلی کے انعام بیان کرتا ہے اور یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم وہ ہیں جو تمہاری مخفی اور ظاہر باتیں جانتے ہیں اس پر بھی تمہارے لیے ہم نے زمین میں آسائش کے سامان پیدا کر رکھے ہیں اور تمہارے لیے امن کا گھر بنا رکھا ہے۔ پس ہماری مخالفت سے ڈرو اور نعمتوں کا شکریہ ادا کرو ورنہ ہم چاہیں تو اسی زمین کو تمہاری ہلاکت کا باعث کر دیں۔ تم کو اس میں غرق کر دیں یا چاہیں تو اس گھر کی چھت یعنی آسمان سے تم پر پتھراؤ کر دیں جیسا کہ پہلوں کے ساتھ ہوا۔

فقال هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا۔ کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنا دیا۔ (۱) یعنی اس کو ایسا سخت اور خشن کیا کہ اس پر چل پھر سکتے ہیں۔ (۲) یا یہ کہ اس کو نرم بنایا کہ جس کو کھود سکتے ہیں، مکانات بنا سکتے ہیں، اگر سخت سنگِ خارا ہوتی تو مشکل پڑ جاتی۔ (۳) یا یہ کہ لوہے، پتھر، تانبے، چاندی جیسی ہوتی تو گرمی میں نہایت گرم اور سردی میں نہایت سرد ہو جاتی۔ نہ کھیتی ہو سکتی، نہ باغ لگتے، رزق و روزی کا سامان مہیا نہ ہوتا۔ (۴) یا یہ کہ اس نے ہمارے لیے مسخر کیا اگر ہلے جلے جاتی تو مسخر نہ ہوتی اس پر چلنا پھرنا محال ہوتا۔ (۵) یا یہ کہ پانی اور ہوا کی طرح خفیف ہوتی تو کوئی اس پر بس نہیں سکتا جب زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا تو اس کے رستوں میں چلو۔ مناکب میں چلنے کے کئی معنی ہیں۔ (۱) صاحب کشاف کہتے ہیں یہ نہایت مسخر ہونے کے معنی میں ایک تمثیل اور محاورہ ہے۔ (۲) قتادہ و ضحاک و ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، زمین کے مناکب پہاڑ اور ٹیلے ہیں اس لیے کہ انسان کے مناکب (مونڈھے) اونچے ہوتے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے بھی بلند ہیں اس لیے ان کو مناکب الارض کہتے ہیں۔ یہ معنی کہ جب میں نے اس کے پہاڑ اور ٹیلے تمہارے چلنے کے لیے مسخر کر دیے تو اس کے اور اجزا میں تو اور بھی اچھی طرح سے چل سکتے ہو۔

(۳) مناکب الارض سے مراد زمین کے رستے اور گھاٹیاں اور کنارے اور اطراف ہیں کس لیے کہ انسان کے مناکب بھی اس کے بدن کے کنارے اور جوانب ہیں۔ اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور رستوں کو بھی مناکب کہنے لگے۔ یہ حسن و مجاہد و مقاتل و کلبی و بروایت عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور فراء اور ابن قتیبہ کا قول ہے۔ وکلوا من رزقہ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی کھاؤ جو اس نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔ رزق کا اپنی طرف مضاف کر کے یہ بتلا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تمہارا نہیں۔ اور من کے لفظ سے یہ بھی بتا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کل رزق تمہارے کھانے کے لیے نہیں جیسا کہ بعض بلانوشوں کا خیال ہے کہ سور، کتا، شراب، گوہ، گوبر سب چٹ کر جاؤ۔ فامشوا اور کلوا دونوں امر ہیں مگر یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے۔ ان دونوں باتوں کے بعد یہ بھی بتا دیا۔ والیہ النشور کہ دنیا

میں چلنا پھرنا، کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چند روزہ منزل ہے اور جمع ہونا اسی کے پاس ہے۔ پس دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہیے کہ منزلِ مقصود ہی کو بھول جاؤ، کفر و بدکاری اور شہوت پرستی میں بیہوش پڑے رہو۔

اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور کفر و بدکاریوں کے مستوں کو جو خدا کی زمین میں رہ کر باغی ہو گئے ہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔ فقال ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ۔ کہ اے بے خبرو! زمین پر تسلط پا کر کیا تم آسمان والوں سے نڈر ہو گئے اور اس بات سے امن میں ہو گئے کہ تم کو وہ زمین میں دھنسا دے اور یکایک زمین تمہارے دھنسانے کے لیے ہلنے اور لرزنے لگے جیسا کہ زلزلے کے وقت ہوتا ہے، زمین ہل کر پھٹ جاتی ہے اور آدمی اور بڑے بڑے مکانات اندر سما جاتے ہیں۔ من فی السماء سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان پر رہا کرتا ہے۔ یہ خیال فاسد ہے کس لیے کہ آسمان حادث ہیں اور وہ قدیم ہے۔ جب آسمان نہ تھے تو بھی تھا۔ دوم وہ مکان میں ہونے سے پاک ہے۔ ہاں احادیثِ صحیحہ میں جو خدا تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد جہتِ علو ہے اور آسمان مظہرِ تجلیات بارگاہِ قدس ہیں اس لیے ناواقفوں کو اس کا پتا بتانا مکانیت ثابت نہیں کرتا اور آیت میں من فی السماء سے بالخصوص خدا پاک نہیں بلکہ اس کے کارکن ملائکہ کس لیے کہ ہر بلا اور نعمت عالمِ بالا سے آتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب کے جاہل اس بات کے قائل تھے کہ خدا پاک آسمان پر ہے۔ ان کے خیال کے موافق ان کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آسمان والے سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس کی آسمان پر حکومت ہے اس سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتبِ الہامیہ کے محاورہ میں خدا پاک کو آسمانوں سے جہتِ فوقانی اور مظہرِ تجلیات کے لحاظ سے منسوب کرتے آئے ہیں۔

دوسری تنبیہ: اور بیان فرماتا ہے۔ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا۔ کہ کیا تم آسمان والے سے نڈر ہو گئے کہ تم پر پتھراؤ نہ کر سکے گا؟ یعنی زمین میں بھی وہ بالا دست دھنسا سکتا ہے اور اوپر سے پتھر بھی برسا سکتا ہے، ہر طرح سے ہلاک کر سکتا ہے۔ اب بھی یہ دونوں بلائیں وقتاً فوقتاً قوموں پر نازل ہوتی ہیں۔ زلزلہ آیا، شہر کے شہر زمین میں سما گئے اور اوپر سے سیر سیر بھر کے اولے اور کہیں ویسے پتھر برسے ہیں۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ اس کے بعد تمہیں اے اہلِ مکہ! جلد معلوم ہو جائے گا کہ نذیر یعنی رسول کیسا تھا، سچا تھا یا جھوٹا؟ اس کے بعد اسی قسم کے گزشتہ واقعات سے عبرت دلاتا ہے۔ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ قومِ عاد و ثمود وغیرہ نے پھر سن لیا کہ کیسا بڑا عذاب نازل ہوا۔

ان آیات میں مسئلۂ توحید و نبوت و معاد تینوں کا بیان اور ہی اسلوب سے ہوا جیسا کہ عالمِ بالا کے بیان میں ان تینوں مسئلوں کا ثبوت اور پیرایہ میں تھا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ ۘؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندا اڑتے نہیں دیکھے (جو اڑنے میں) پر کھولتے اور بیٹھتے ہیں جن کو رحمٰن کے سوا کوئی نہیں تھام رہا۔ بے شک وہ ہر چیز کا نگراں ہے۔ بھلا

وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو رحمٰن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ کچھ نہیں کافر تو (محض) دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی بند کر دے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکشی اور بدکنے پر اڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب : او الھمزۃ للاستفہام والواو للعطف علی مقدر ای اغفلوا ولم ینظروا الی الطیر جمع طائر ویقع علی الواحد والجمع قال ابن الانباری الطیر جمع طائر وتانیثھا اکثر من تذکیرھا ولا یقال للواحد طیر بل طائر قلما یقال للانثی طائرۃ۔ فوقھم ظرف لصافات او عال وصافات حال من الطیر او من الضمیر فی فوقھم۔ ویقبضن معطوف علی صافات حملا علی المعنی ای ویقبضن او صافات وقابضات۔ مایمسکھن یجوز ان یکون مستانفا ان یکون حالا من الضمیر فی یقبضن امن قرئ الجمھور بتشدید المیم علی ادغام میم ام فی میم من وام بمعنی بل من الاستفہامیۃ مبتداء ھذا خبرہ الذی موصول یرزقکم صلتھا المجموع صفۃ ھذا ینصرکم صفت لجند ومن دون الرحمن فی محل النصب علی الحال من فاعل ینصر کم ان امسک رزقہ جواب الشرط محذوف لدلالۃ ما قبلہ علیہ ای ان امسک رزقہ فمن یرزقکم غیرہ لجو من اللجاج ھو تقحم الامر مع کثرۃ الصوارن عنہ والعتو العناد والطغیان الشرود و نفال ابن عباس فی عتوو نفورا ای فی ضلال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ کیا تم اس کے ارضی و سماوی عذاب سے نڈر ہو گئے؟ اس کے بعد وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے اس امر پر ایک شہادت دی تھی۔ اب اس پر ایک برہان پیش کرتا تھا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا تصرف آسمان و زمین کے سوا فضا یعنی ہوا میں بھی دکھاتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ۔ کہ کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کی ٹکڑیاں اڑتے نہیں دیکھتے۔ صافات پر کھولے ہوئے ویقبضن اور سمیٹے ہوئے اڑنے میں پرند پروں کو کھول دیتا ہے اور جب اس کو اڑنے میں زور دینا ہوتا ہے تو پروں کو سمیٹ بھی لیتا ہے یعنی دونوں حالتوں میں اڑتا اور ہوا میں معلق رہتا ہے، نیچے نہیں گرتا۔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ان کو رحمٰن کے سوا اور کوئی تھامے ہوئے نہیں۔ [illegible] ان کے اُدھر بھی تھامے رہتا ہے یعنی ان کے اجسام میں (ہر چند چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں) اسی نے ایک ایسا ہلکا پن رکھا ہے جو باوجود پر سمیٹنے کے بھی ہوا میں اڑے چلے جاتے ہیں اور دوسرے اجسام گو ان سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس طرح اِدھر میں نہیں ٹھہر سکتے۔ دیکھو اس کی ہوا اور فضا پر بھی بادشاہت ہے۔

فائدہ (۱): نحاس کہتے ہیں کہ جب پرند اپنے بازو کھول کر اڑتے ہیں تو ان کو صاف کہتے ہیں اور جب سمیٹ لیتے ہیں تو قابض کہتے ہیں۔

فائدہ (۲): صافات کا مقابلہ قابضات اسم فاعل کا صیغہ نہیں لایا گیا بلکہ یقبضن مضارع کا استعمال ہوا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پرندوں میں اڑتے وقت پر پھیلائے رہنا اکثر یہ بات ہے اور پر سمیٹ لینا اور پر مارتے اڑنا گاہے گاہے ہے جو مضارع کے تجدد و حدوث سے مفہوم ہوتا ہے برخلاف اس کے اسم فاعل دوام و ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ (۳): پھر جو ایسی بوجھل چیزوں کو ہوا میں معلق دوڑانے پر قادر ہے کیا وہ اوپر سے پتھراؤ نہیں کر سکتا؟ یا زمین کے رہنے والوں کو زمین میں نہیں دھنسا سکتا؟ لیکن انہ بکل شیء بصیر وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے اور اس کی نگہبانی کر رہا ہے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا بھی وہی نگہبان ہے اور زمین اور اس کے رہنے والوں کا بھی وہی نگہبان ہے۔ اگر ذرا بھی اپنی نگہبانی چھوڑ دے تو ہر چیز ہلاک ہو جائے۔ بڑے بڑے کرات کس تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں ان کا بھی نگہبان یا گاڑ ہے۔ آپس میں لڑنے نہیں دیتا۔ دریا میں بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں دوڑتی پھرتی ہیں ان کا بھی وہی نگہبان ہے، انسان کا وجود اور اس کی حیات میں خلل انداز چیزوں کی روک تھام اسی کا کام ہے۔ ایک کور باطن ان سب باتوں کو اسباب سے جانتا ہے، روشن ضمیر مسبب الاسباب سے سمجھتا ہے، توحید و شرک کفر و اسلام میں یہی فرق ہے۔ کافر اپنے اسباب پر مغرور رہتا ہے وہ انہیں کو اپنے فتح و نصرت کا لشکر سمجھتا ہے اس لیے ان کے مقابلہ میں فرماتا ہے، امن ھذا الذی هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو تم کو رحمٰن کے مقابلہ میں مدد دے سکے گا؟ وہ

جب چاہتا ہے ان اسباب میں کھنڈک ڈال دیتا ہے۔ ریل گاڑی کو الٹا دیتا ہے، تار کو روک دیتا ہے، دریا میں آگبوٹوں کو ڈبو دیتا ہے باوجود صفائی کے وبا کا لشکر بھیج کر ستیاناس کرا دیتا ہے، لشکروں کے دلوں میں ضعف و خوف ڈال دیتا ہے، عقلیں مار دیتا ہے پھر جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے۔ پھر وہاں کوئی تدبیر نہیں چلتی، کوئی سبب کام نہیں آتا۔ اس کے بادلوں کے لشکر اور ہوا کے توپخانے اور آسمانی پتھروں کے گولے اور زلزلے کا ڈائنامیٹ تھوڑی سی دیر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ الغرض سب تدبیریں بگاڑ دیتا ہے پھر وہاں کوئی کام نہیں آسکتا۔

اسبابِ ظاہریہ کے سوا عرب کے جاہل بلکہ عموماً اور ملکوں کے جاہل بھی اپنے خیالی معبودوں اور ان کی عجائب تاثیروں کو ہر مصیبت کے وقت اپنا یار و مددگار سمجھتے تھے بلکہ اب تک سمجھتے ہیں۔ اپنی جان اور اولاد اور مال کی حفاظت اور ترقی کہیں ستاروں پر محول کرتے ہیں، کہیں غیر مرئی ارواح کے سپرد کرتے ہیں، کہیں ٹوٹکوں اور منتروں کے تاثیرات سے مرض و بلا کا دفعیہ سمجھتے ہیں اور خدائے قادر کو چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اِنِ الْكَافِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ کہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ اسلام انسان کو ان بکھیڑوں سے نجات بخش دیتا ہے۔

کسی کی التجا کرنی اور اس کو پوجنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں، اول دفعِ مضرت کہ ہماری مصیبت کو روک دے گا، سو کفار و مشرکین کا اپنے خیالی معبودوں کی نسبت یہ بھی خیال تھا جس کو اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ میں رد کر دیا اور پورا رد کر دیا۔ دوسرا سبب نفع کی امید کہ اس سے یہ فائدہ پہنچے گا، یہ دے گا، وہ دے گا۔ سو کفار و مشرکین کو اپنے الٰہ باطلہ کی نسبت یہ بھی خیال تھا کہ کسی سے رزق روزی مانگتے تھے، کسی سے اولاد، تندرستی طلب کرتے تھے۔ اس خیال کا ابطال اس جملہ میں کرتا ہے۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ[1] اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ کہ بتاؤ وہ کون ہے جو تم کو رزق روزی یا کچھ بھی دے سکے اگر وہ اپنا رزق یا بخشش روک لے؟ کوئی نہیں کس لیے کہ سب اس کے سوا ممکن ہیں جو اپنی ذات و صفات ہی میں اس کے محتاج ہیں۔ صرف بارش بند کر لے تو معلوم ہو جائے۔ سب کچھ جانتے ہیں۔ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ بلکہ اپنی سرکشی اور گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لجاج اڑنا، انسان میں دو قوت عمدہ ہیں۔ پہلی عملیہ، دوسری علمیہ۔ پس عتو حرصِ دنیا کے سبب سے ہے جو قوتِ عملیہ کے بطلان پر دلالت کرتا ہے اور نفور حق کے جہل کے سبب جو بطلانِ قوتِ علمیہ پر دلیل ہے یعنی ان بدنصیبوں نے اپنی دونوں قوتوں کو خراب کر دیا اس لیے ہٹ کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۲ قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۲۳ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۵
قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۶ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

[1] یرزق روزی دیتا ہے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مطلق دینے کے معنی میں بھی خواہ رزق دینا یا اولاد و تندرستی دینا کہتے ہیں۔ رزقنی اللہ اولاد اور اموالا ارزقہ اللہ صلاحا۔ یہاں یرزقکم عام معنی میں مراد لیا جائے تو نہایت مناسب ہے۔ ۱۲ منہ

سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝

بھلا وہ جو اپنا منہ اوندھا کر کے چلتا ہے وہ زیادہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھے راستے پر چلا جاتا ہے۔ کہہ دو اسی نے تو تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل بھی بنائے ہیں۔ (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ کہہ دو اسی نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا (بتاؤ) اگر تم سچے ہو کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جب اس کو دیکھیں گے پاس آ گیا ہے تو کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی تو ہے کہ جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

ترکیب : مکبا حال من ضمیر یمشی علی وجھہ توکیدا ھدیٰ خبر امن والھمزۃ للاستفہام الفاء لترتیب ذلک علی ماظہر من سوء حالھم والمکب اسم فاعل من اکبَّ اللازم المطاوع لکبہ یقال کبہ اللہ فاکب ای سقط وھذا خلاف القیاس لان الھمزۃ اذا دخلت علی اللازم تصیرہ متعدیا وھنا قد دخلت علی المتعدی فصیرتہ لازمًا۔ ھذا قول الواحدی وقال صاحب الکشاف لیس الامر کذلک وماجاء شیٔ من بناء افعل مطاوعا بل قولک اکب معناہ دخل فی الکب وصار ذاکب وقس علیہ نظائرہ اقشع وانقض واما مطاوع کب وقشع فھو انکب وانقشع۔ امن یمشی خبر من محذوف لدلالۃ خبر من الاولی وھو اھدیٰ وقیل لاحاجۃ الی ذلک لان من الثانیۃ معطوفۃ علی من الاولی عطف المفرد علی المفرد کقولک ازید قائم ام عمرو والخبر واحد لان ام لاحد الشیئین۔ قلیلًا مالغت لمحذوف وما مزیدۃ لتاکید التقلیل ای شکرا قلیلا اوزمانا قلیلا۔ ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف اخبرونی فلما الفاء فصیحۃ معربۃ عن تقدیر جملتین وترتیب الشرطیۃ علیھما کانہ قیل وقد اتاھم الموعود بہ فرؤہ فلما رؤہ الخ زلفۃ مصدر بمعنی الفاعل ای قریبا او حال من المفعول سیئت الخ جواب لما یقال ساء الشیٔ یسوء فھو سیٔ اذا قبح واسود قیل عطف علی سیئت عطف المجہول علی المجہول۔ تدّعون قرأ الجمہور بالتشدید فھو اما من الدعاء او من الدعویٰ کما قال الزجاج والمعنی تطلبون وتستعجلون وتمنون وتسألون وقریٔ مخففا معناہ ظاہر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ عتو اور نفور میں اڑے ہوئے ہیں۔ اب ان دونوں وصفوں کی قباحت بیان فرماتا ہے۔ فقال اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ کہ کیا وہ شخص جو اونچے اونچے رستے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے اس سے زیادہ راستے پر ہے جو صاف اور برابر راستے میں سیدھا چلا جاتا ہے گرتا پڑتا نہیں؟ حالانکہ دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا چہ جائیکہ اس ٹھوکریں کھانے والے اندھے کو جو برے رستے پر چلتا ہے اس سے زیادہ رستے پر اور مقصود کو پہنچنے والا کہے۔ پس وہ جو آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے رستے پر صاف چلا جاتا ہے وہ مومن نیک ہے، ضرور منزلِ مقصود پر پہنچے گا اور یہ ٹھوکریں کھانے والا جاہل سرکش نفس اور شہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے رستے پر چلتا ہے جو بڑا خاردار اور خطرناک رستہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عمیق گڑھے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا پڑتا جاتا ہے۔ یہی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا، گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوگا۔ یہ کافر سرکش اسلام سے نفرت کرنے والے کی مثال ہے۔

کجی و راستی کا بیان : پھر بعض مفسرین کہتے ہیں اس میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شخصِ خاص کی طرف۔ دونوں مثالوں میں اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں حضرت نبی علیہ السلام اور ابوجہل مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل مراد ہے۔ کجی اور راستی کا بیان۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں کافر و مومن کی روشِ کجی اور راستی کا بیان ہے۔ بعض کہتے ہیں آخرت کے حال کا ذکر ہے کہ کفار آخرت میں اوندھے گرتے ہوئے چلیں گے۔ کما قال ونحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم اور مومن جنت کی طرف سیدھے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور کفر کی تمثیل ہے کہ آخرت میں بھی وہ یوں متمثل ہو کر

سامنے آئے گی۔ یہ بھی مسئلہ نبوت کے متعلق ایک پر اثر بیان ہے۔ اس کے بعد اثباتِ قدرتِ کاملہ پھر ایسے دلائل شروع کرتا ہے جن سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مرنے کے بعد بارِ دگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے کس لیے کہ کفارِ عرب حشر کے منکر تھے اور یہ انکار حصولِ حسنات سے روکنے والا اور شہوت پرستی پر جرأت دلانے والا تھا۔

دوسرا شاہد: اول شاہد تو پہلے گزر چکا تھا۔ اب دوسرا شاہد ذکر کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ کہ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، نیست سے ہست میں لایا اور اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل بنائے، پر تم کم شکر کرتے ہو۔ پہلی دلیل میں پرندوں کا ہوا میں تھامنا مذکور تھا جو اس کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ یہاں انسان کی پیدائش اور اس کی صفات پیدا کرنا بیان فرماتا ہے جو ایک عجیب حیرت بخش مسئلہ ہے۔ جس میں جس قدر غور کرتے جاؤ ہزاروں اسرارِ قدرت سمجھ میں آتے جائیں گے۔ آخر عقل و ادراک خیرہ ہو کر یہی کہہ دیتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔ اس برہان میں کئی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) یہ کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو عقل و ادراک، ہوش و حواس عطا کیا اس کو چھوڑ کر اور کی طرف جھکنا کس قدر ناانصافی ہے۔ (۲) یہ کہ بن مانگے جس نے تم کو یہ جواہر عطا کئے جن میں سے ایک کی بھی قیمت کوئی نہیں دے سکتا نہ وہ کسی طرح مول لیے جا سکتے ہیں۔ پھر وہ تمہاری رفعِ حاجات و دفعِ بلیات میں تمہارے مانگنے پر کیوں کوتاہی کرنے لگا، پھر اور کی طرف جاتے ہو کیا یہی شکر گزاری ہے؟ (۳) تم نے دنیا میں آنے کا راز نہیں سمجھا حالانکہ ہم نے تم کو کان دیے تھے کہ بزرگوں سے سن کر سمجھتے اور آنکھیں بھی دی تھیں کہ اس کی مخلوقات میں نظر کر کے عبرت حاصل کرتے اور جانتے کہ یہ لوگ اس جہان میں آتے اور چند دن رہ کر چلے جاتے ہیں، کیا بات ہے؟ آنکھوں سے بھی تم نے کام نہ لیا، دل بھی دیے تھے کہ خود غور کرتے، مراقبہ کر کے سمجھتے مگر ان سے بھی کام نہ لیا۔ ان کو توحبِ دنیا و حبِ شہوات سے بھر رکھا ہے ہمارے آنے کے لیے جگہ ہی باقی نہ رکھی، پھر ان چیزوں کی یہی شکر گزاری ہے سچ ہے قليلا ماتشكرون۔ (۴) جس نے تم کو اول بار بغیر نمونے کے بنا دیا تمہارے جسم کے اجزاء کن کن غذاؤں سے کیسے جمع کئے پھر کیا وہ بارِ دگر تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟

تیسرا شاہد: اس کے بعد تیسرا شاہد بیان فرماتا ہے جس میں یہاں آنے کے راز کو کسی قدر ظاہر کیا ہے کہ اسی کے پاس جا رہے ہو پھر کچھ کر کے جاؤ۔ فقال هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ کہ اسی نے تم کو زمین پر پھیلا دیا۔ کوئی ملک نہیں کہ جہاں اولادِ حضرت آدم علیہ السلام نہ ہو تھوڑے دنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل دنیا بھر میں پھیل گئی۔ یہ برکت اسی نے عطا کی ہے پھر جس نے پھیلایا وہی تم کو سمیٹ کر اپنے پاس ایک روز جمع کرے گا۔

واضح ہو کہ یہ دلائل صحت و ثبوتِ حشر و نشر کے لیے تھے تاکہ وہ آزمائش صحیح سمجھی جائے جس کا اول سورہ میں ذکر تھا۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ پھر اس مقصود کے ثابت کرنے کے لیے اپنے کمالِ قدرت پر چند دلائل بیان فرمائے اور ان کو هو الذی ذرا كم فی الارض تک تمام کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس کو ابتداءً پیدا کرنے کی قدرت ہے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ واليه تحشرون۔ گویا تمام دلائل کا نتیجہ ہے۔ جس کے ثبوت میں کسی عقلمند کو ذرا بھی کلام نہ ہونا چاہیے۔ اس جملے کو سن کر منکرینِ حشر کو کوئی حجت باقی نہ رہی مگر صرف تمسخر کے طور پر یہ کہنے لگے۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ کو وہ وعدہ یعنی قیامت کب ہے، اگر تم سچے ہو تو اس کی تعیین کرو۔ یہ ایک مہمل سوال ہے کس لیے کہ خواہ وہ کبھی ہو اس کے لیے عاقل کو تیار کرنا چاہیے۔ اس لیے اس کا جواب بھی دوسری طرح سے دیا گیا۔ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دے کہ اس کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں جو ہوں تو تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں، صاف صاف اس کے لیے تعیینِ وقت کا علم

کوئی ضروری نہیں ہاں اس کا علم ضروری ہے جو نذیر کے لیے کافی ہے سو وہ مجھے حاصل ہے اور اس کا مجھے کامل یقین ہے پھر جب وہ وقت آئے گا کہ جس کا کوئی تعین نہیں جانے کب آجائے تو کیا حال ہوگا۔

فقال فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً جبکہ اس وعدے کو دیکھیں گے کہ قریب آگیا تو سِیْئَتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ منکروں کے منہ بگڑ جائیں گے۔ دہشت اور ہیبت کے مارے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ۔ اور اس وقت شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لیے کہا جائے گا (فرشتے کہیں گے یا ایک دوسرے سے کہے گا) لو یہ ہے وہ وقت کہ جس کی بابت تمہیں دعویٰ تھا کہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا یہ ہے وہ کہ جس کو تم دنیا میں پکارتے اور مانگتے تھے کہ وہ کب اور کیوں نہیں جلد آ چکتا۔

معاذ اللہ مصیبت کا وقت بھی برا وقت ہوتا ہے خصوصاً جس کا کوئی تدارک نہ ہو سکے جب وہ سامنے آتا معلوم ہو جاتا ہے تو ہوش و حواس باقی نہیں رہتے اور رنج و تکلیف، ہیبت و دہشت کے آثار چہرے پر ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ جب ایسی مصیبت آنے والی ہو اور اس کے آنے میں کچھ بھی کلام نہ ہو تو اس سے بے خبر رہ کر حجت بازی کرنا کیسی حماقت اور کیسی بدنصیبی ہے۔

ان آیات میں مسئلۂ حشر کی ہولناک کیفیت بیان کی گئی جو رسالت کا ایک مقصدِ اعظم ہے کس لیے کہ یہی انسان کے شہواتی خیالات کو پست کرنے والی چیز ہے۔

فائدہ: حشرِ حقیقی کا تو ایک وقت معین ہے کہ آسمان و زمین یعنی یہ عالمِ ناسوتی فنا ہو کر عالمِ ملکوتی ظہور کرے گا اور وہاں اس عالم کی ہر چیز اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوگی اور تمام بنی آدم خدا تعالیٰ کے پاس حاضر کئے جائیں گے، جزاء و سزا کے لیے اور یہی راز ہے اس جہان میں آنے کا جس کو پہلے لیبلو کم ایکم احسن عملا میں بیان فرمایا تھا مگر مرنے کے بعد بھی خدا کے پاس ارواح جزاء و سزا کے لیے حاضر کی جاتی ہیں اور اس کو قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور کیا سچا قول ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ کہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی۔ یہ قیامتِ کبریٰ کا دروازہ ہے اور یہ بھی مبہم رکھی گئی ہے تاکہ انتظامِ عالم میں خلل نہ آئے اور زیرک ہر وقت ہوشیار رہے، پھر یہ کبھی فرادی فرادی ہوتی ہے اور کبھی کوئی آسمانی حادثہ یکایک آپڑتا ہے کہ جس سے ہزاروں لاکھوں یکبارگی ملکِ عدم میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان باتوں کی طرف بھی والیہ تحشرون میں اشارہ تھا کہ کفار و مشرکین کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں خراب ہو چکی تھیں وہ اس کی بابت بھی وقت کی تعیین پوچھتے تھے کہ وہ حادثہ جس کو ہم محض خدا کی طرف سے اپنے کفر و بت پرستی کی سزا میں سمجھیں' کب آئے گا۔ یہ بڑا گستاخانہ سوال ہے۔ اس عالم میں سینکڑوں حوادث پہلے گزر چکے جن کے آثار تمہارے سامنے ہیں اور بہت سے گزر رہے ہیں۔ پھر ان کی بابت سوال کرنا کہ وہ کب ہوں گے، بڑی بیہودہ بات ہے۔ جس کا جواب یہی ہے کہ جب اس کو سامنے آتے دیکھیں گے تو منہ بگڑ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کرے یا ہم پر مہربانی کرے پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ کہہ دو وہی

رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسا بھی کر رکھا ہے۔ پھر تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون صحیح گمراہی میں پڑا ہے۔ کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا؟

ترکیب : ارءیتم بمعنی اخبرونی کما قال اکثر المفسرین والجملۃ الشرطیۃ ان اہلکنی اللہ الخ سدت مسد المفعولین فمن یجیر الکافرین الخ جواب الشرط امنابہ وعلیہ توکلنا صفۃ الرحمٰن وقیل ہو ضمیر الشان امنا بہ خبر الرحمٰن من استفہامیہ فی محل النصب علیٰ انہ مفعول تعلمون ان اصبح شرط غورا خبر اصبح والغور مصدر فی معنی الغایر ویقال غار الماء غورا ای نضب فمن یاتیکم الجملۃ جواب الشرط معین ظاہر تراہ العیون وقیل ہو من معن الماء اذا اکثر وقال قتادۃ والضحاک ای جار۔

تفسیر : ان امورِ آخرت کو سن کر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کرتے تھے کہ کیا ہم پر قحط و وبا وغیرہ کا عذاب آئے گا تو تم بچ جاؤ گے؟ یہ بھی ایک نامعقول گفتگو تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ کہ اے نبی! ان سے کہہ دے کہ بتاؤ اگر مجھے اور میرے ساتھ والوں ایمانداروں کو اللہ ہلاک کر دے یا اپنی مہربانی سے بچالے جو کچھ ہو مگر تم عذابِ الیم سے جو تمہارے کفر کا بدلہ ہے کس طرح بچ سکتے ہو، اپنی فکر کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے تھے اور کوستے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو نہیں مانتے، یہ جلد ہلاک و برباد ہوں گے۔ اس کے درجواب یہ کہا گیا کہ ہمارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلاک کرے، چاہے بچالے مگر تم کو تمہارے معبود عذابِ الیم سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔ ہم کو ہلاک کرے یا مہربانی کرے شک کے طور سے نہیں کہا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اور اپنے گروہ کا مہربانی پر بھروسائے کامل تھا اور آپ کو وعدہ دیا گیا تھا لیکن ایسے محل پر مخالف ہٹ دھرم سے اسی طرح کی گفتگو کی جایا کرتی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا کہ ان سے کہہ دے وہ رحمان یعنی نہایت مہر کرنے والا ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا ہر کام میں بھروسا ہے۔ بے شک وہ اپنے اوپر بھروسا کرنے والوں، ایمان لانے والوں کو نوازتا ہے۔ تمہارے بت ہمارا کچھ بھی نہ کر سکیں گے، تم ایسے بیہودہ خیالات کی صریح گمراہی میں ہو ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ابھی سے کیا مراد؟ موت کے بعد جو قریب ہے یا وہ بلائیں عنقریب تم پر آنے والیاں ہیں چنانچہ قحط آیا مقہور ہوئے۔ یا یہ مراد کہ خدا پاک نورِ ہدایت کو پھیلاتا جاتا ہے، ابھی تم کو بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ ہم صریح گمراہی میں تھے چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں لاکھوں اسلام کے نور سے منور ہوئے اور بعد میں مقر ہو گئے کہ ہم گمراہی میں تھے، قیامت کے دن گو قیامت بظاہر دور ہے مگر آنے والی ہے اور آنے والی دور بھی نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان کے بتوں کی کمزوری اور خدائے تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ۔ کہ ان سے کہہ بھلا بتاؤ تو سہی خدا اگر تمہارے پانی کو (یعنی کنوؤں کے یا نہروں کے پانی کو) سکھا دے تو پھر وہ کون ہے جو کثرت سے پانی تمہارے پاس لے آئے۔ اس بات کو وہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ بس میرا بادشاہِ بابرکت جس نے برکت کے یہ سامان کئے اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہے خشک کر دے، پھر وہ قادرِ نافع وضار ہے یا تمہارے معبود؟ میرے معبود کے ہاتھ تمہاری جان ہے تمہارے معبودوں کے ہاتھ میرا کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ! کس موقع پر کلام تمام کیا ہے کہ جس کو اول و اوسط سے کمال ارتباط ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جملے کے بعد مستحب ہے کہ اللہ رب العالمین کہے جس کا یہ مطلب کہ اللہ پانی لائے گا۔ بعض متکبرین نے یہ آیت سن کر کہا کہ ہم کھود کر نکال لائیں گے خدا نے اس کی آنکھوں کا پانی کھو دیا، اللہ سے ڈرتا رہے گستاخی نہ کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤ بِاَيِّيكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧

نون۔قسم ہے قلم کی اور اس کی جو اس سے لکھتے ہیں۔آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانہ نہیں اور آپ کے لیے تو بیشمار اجر ہے اور آپ جو ہیں تو بڑے ہی خوش خلق ہیں۔سو اب آپ بھی دیکھ لیں اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔پس آپ جھٹلانے والوں کی نہ مانیں۔

ترکیب : ن۔ قرئ بادغام النون الثانیہ من ہجائھا فی الواو وقرئ بالاظہار وبالفتح وبالکسر وبالضم اما الفتح فباضمار فعل والفتح علی اضمار القسم اولالتقاء الساکنین والضم علی النباء۔والقلم الواو للقسم وما موصولۃ یسطرون صلۃ والعائد محذوف والجملۃ معطوفۃ علی القلم ما انت الجملۃ جواب القسم وان لک الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ وانک ایضا معطوفۃ علیھا والجملات الثلاث جواب القسم ۔ بایکم المفتون الباء زائدۃ ویمکن ان یکون المفتون مصدرا مثل المعقول والمیسور ای بایکم الجنون۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی ہے۔حسن وعکرمہ وعطاء کا بھی یہی قول ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سب سے اول اقرء نازل ہوئی۔پھر سورۂ نون،پھر مزمل،پھر مدثر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ سورۃ مکے میں نازل ہوئی۔بعض کہتے ہیں کہ کچھ مکے اور کچھ مدینے میں نازل ہوئی۔اس سورۃ کو سورۃ قلم بھی کہتے ہیں اور سورۃ ن بھی۔کس لیے کہ نون بھی اس کے اول میں ہے اور قلم بھی ہے۔

اس سورۃ میں بھی بلحاظِ تقدم نزول کے مسئلۂ نبوت پر دلچسپ بحث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں جو مخالفینِ نبوت اپنے خیالاتِ فاسدہ سے عیب ثابت کرتے تھے کہ آپ دیوانے ہیں اور ناحق دنیا سے لڑتے جھگڑتے ہیں،بدخلق ہیں، ان کی بدلائل تو یہ نفی کی ہے۔اور یہ کچھ نئی بات نہ تھی نہ مستبعد کس لیے کہ ملکِ عرب اور اس کا مکہ شہر گمراہی اور ہلاکت کی اندھیریوں میں پڑا ہوا تھا ایسے وقت خدائے پاک کی توحید وعظمت بیان کرنا اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینا اور ان بری باتوں کی ممانعت کرنا جو ان کی طبیعت میں خمیر ہوگئی تھیں اور صدیوں سے باپ دادا کو انہیں پر چلتے دیکھتے آئے تھے ایک نہایت حیرت خیز بات تھی جس کے قائل کو دیوانہ کہنا کچھ بڑی بات نہ تھی اور جابجا پُر درد الفاظ میں منادی کرنا اور دردمندی سے ان ڈوبتوں کو بچانے کی کوشش کرنا ان کی طبیعت کے برخلاف کام تھا جس کو بدخلقی اور تعصب کہتے تھے اور آپ کے مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ آپ کے حق میں مہلک خیال کرتے تھے اور آپ کو اس طریقہ سے پھیر کر اپنی طرف لانا آپ کے حق میں بہتر خیال کرتے تھے۔ان سب باتوں کا رد ان آیات میں بڑی تسلی بخش الفاظ میں کیا گیا ہے۔عرب میں دستور تھا کہ جھوٹی بات پر کم قسم کھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو کوئی جھوٹ پر قسم کھائے گا برباد ہو جائے گا اس لیے خدائے پاک اپنے کلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرتا ہے قسم سے شروع کرتا ہے۔فقال نٓ وَالْقَلَمِ

وَمَا يَسْطُرُوْنَ کہ قسم ہے نون اور قلم سے لکھی ہوئی چیزوں کی ما انت الخ کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! فضلِ الٰہی سے دیوانہ نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

نون سے کیا مراد ہے؟: نون سے کیا مراد ہے؟ اس کی پوری بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر الم میں ہم کر آئے ہیں مگر یہاں اس قدر جان لینا کافی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نون کسی کلمہ کا حرف ابتدائی یا اخیر حرف ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ ابتدائی حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں یہ ناصر یا نصر یا نحن نصر کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! کفار کے غلبہ وشوکت اور اپنے متبعین کے ضعف وقلت کا خیال نہ کر ہم اس دین کی مدد کریں گے اور غلبہ دیں گے۔ چنانچہ غلبہ دیا اور وعدہ سچا کر دکھایا۔ بعض کہتے ہیں نور[1] کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! دنیا ظلمات سے بھر گئی ہے، اللہ نے اپنا نور ظاہر کیا جو تجھے بھیجا اور جہان کو روشن کرنے کے لیے مکے کے پہاڑوں سے آفتاب ہدایت کو جلوہ گر کیا جس کی کرنیں تھوڑے سے دنوں میں زمین کے کناروں تک پھیل گئیں اور وہ کسی کے روکے سے نہ رکیں۔ واللہ متم نورہ۔ اور اخیر حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ ہم رحمان ہیں، اپنی رحمتِ کاملہ سے دنیا میں نبی اور کتابیں بھیجی ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سورہ کی آیات میں اخیر حرف نون ہے جیسا کہ بلغاء فصحاء اول ہی کہہ دیتے ہیں کہ لام یعنی لام کی ردیف ہوگی۔ ان سب صورتوں میں نون حروف میں سے ایک حرف تہجی مراد ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ نون سے مراد مچھلی ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں وہ مچھلی کہ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مچھلی جس کی پشت پر زمین ہے جس کا نام لُہوت یا بلہوت ہے۔ پھر اس کی تفصیل میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے آسمان اور زمین بنائے تو عرش سے فرشتہ بھیجا جس نے زمین کو اپنے مونڈھوں پر اٹھالیا مگر فرشتہ کے پاؤں ٹکنے کی جگہ نہ تھی خدا نے ایک بیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ تھے اور چالیس ہزار پاؤں تھے۔ بیل کے کوہان پر زمرد کی چوکی رکھی اس پر فرشتہ نے پاؤں رکھے مگر پھر بیل کے پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے ایک بڑا پتھر پیدا کیا جس پر وہ بیل کھڑا ہوا اور بیل کے سینگ زمین میں سے باہر نکل آئے ہیں اور اس کے نتھنے سمندر میں ہیں۔ جب وہ سانس لیتا ہے تو سمندر کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کف بھی پیدا ہوتے ہیں اور جب دم کھینچتا ہے تو پانی سمٹ جاتا ہے یعنی مدوجزر اس کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ پتھر جس پر بیل کھڑا ہے ایک مچھلی پر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور مچھلی پانی پر ہے اور پانی ہوا پر ہے جس سے اشارہ ہے کہ جہان کی بنیاد ہوا پر ہے۔ پھر اس مچھلی اور بیل کی بابت عجائب وغرائب روایات مذکور ہیں۔ یہ روایت ابن المنذر وعبد بن حمید وابن مردویہ نے کی ہیں اور مجاہد وسدی ومقاتل ومرہ ہمدانی وعطا خراسانی کلبی وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ یہ روایات محققینِ محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں اس لیے انہوں نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھنا برا سمجھا۔ فنِ موضوعات[2] میں آئمہ جرح وتعدیل نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے۔

---

[1] تب اس میں اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوگا جو عنقریب یسعیاہ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کر گئے تھے جس کا کتاب۔ یسعیاہ کے ساٹھویں باب میں ذکر ہے۔ بقولہ ''اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا''۔ ۱۲ منہ

[2] یہ ایک حدیث کا فن ہے۔ جس میں محدثین نے تحقیق وتدقیق سے جھوٹی اور لوگوں کی بنائی ہوئی حدیثوں کو جداگانہ لکھ دیا ہے جیسا کہ ابن حبان وعقیل واز وری کی تصنیف اور دار قطنی کے افراد اور خطیب کی تاریخ اور حاکم کی اور کامل بن عدی کی اور میزان ذہبی کی۔ ان بزرگوں نے ضعاف وموضعات کو چھانٹ لیا ہے اور بعض علماء نے خاص موضوعات کے لیے تصانیف کی ہیں جیسا کہ موضوعات ابن الجوزی وصغانی وجوزقانی وقزوینی۔ پھر مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کا مختصر اور سخاوی کا مقاصد اور تمییز الطیب من الخبیث ربیع کی اور سیوطی نے ایک رسالہ بنام ذیل لکھا۔ ابن جوزی کے موضوعات پر اور دوسرا لآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ۔ اور عراقی نے احیاء العلوم پر تخریج لکھی اور طاہر ہندی نے تذکرہ لکھا اور ملا علی قاری نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ پھر ان کے بعد شوکانی نے الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ایک جامع کتاب لکھی۔ ۱۲ منہ

صوفیہ کرام کا مذہب: بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ نون سے مراد نفسِ کلیہ اور قلم سے عقلِ کلی ہے۔ اول میں کنایہ ہے کلمہ کے اول حرف کے ساتھ اور دوم باب تشبیہ سے ہے کہ نفس میں صورِ موجودات تاثیرِ عقل سے منقش ہو جاتے ہیں جیسا کہ صورِ لوح پر قلم کی تاثیر سے منقش ہوتی ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے مراد صورِ اشیاء اور ان کی ماہیات اور ان کے احوال جو صادر ہونے والے ہیں اور لکھنے والے عقول متوسط ارواحِ مقدسہ میں گرچہ کاتبِ ازلی حقیقت میں وہی ہے لیکن ان کی طرف مجازاً اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ذریعہ ہیں۔ (از تفسیر علامہ محی الدین بن عربی)۔

بعض کہتے ہیں نون سے ذاتِ باری اور قلم سے صفات مراد ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے وہ افعال وحالات جو الواحِ تقدیر پر لکھے جاتے ہیں۔ (عرائس)

صاف مطلب یہ ہے کہ ن ایک حرف ہے جو شروع کلام میں کسی خاص رمز کے لیے آیا ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے جیسا کہ اور حروف سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے قسم شروع ہوتی ہے کہ ہمیں قلم کی قسم اور اس کی جو لکھتے ہیں۔ قلم سے کیا مراد ہے؟ اب قلم سے خواہ وہ نورانی قلم مراد لو یعنی اندازۂ الٰہیہ کہ جس نے ازل میں ہر شے کو الواحِ علمیہ پر ثابت کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جف القلم بماانت لاق رواہ البخاری۔ قلم کے خشک ہونے سے کنایہ ہے قلمِ الٰہی سے مقادیر لکھے جانے اور ان سے فارغ ہو جانے سے۔ ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ اول خدا نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر لکھ پھر جو ہوا اور اب تک ہو گا سب کچھ لکھا گیا۔ قلم اور لوح وہی تقدیرِ علمی اور مرتبہ وثبوت فی علم اللہ ہے جو ازل میں تھا جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نوشتۂ ازلی کا ثبوت انجیل متی کے ۲۶، باب ۵۴ جملے سے بھی ہے۔ قولہٗ "کیا تو نہیں جانتا کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے لیے حاضر کر دے گا" ۵۴۔ پر نوشتوں کی بات کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے تب کیونکر پوری ہو گی۔ خواہ اس سے مراد وہ قلم اور وہ لکھنا ہو کہ جو ملائکہ انسان کے نیک و بد کام لکھتے ہیں جس میں منکرینِ نبوت کے لیے سرزنش ہے۔ خواہ دنیاوی لوگوں کے قلم اور ان کی تحریرات مراد ہوں۔ پھر عام ہے کہ ہر معاملہ وانتظامِ دنیا کی بابت ہوں کس لیے کہ یہ بھی انعامِ الٰہی ہے جس پر دنیا کے صدہا انتظام مربوط ہیں۔ خواہ علماءِ ربانیین کے قلم اور ان کی تحریر مقدس اور الہامی کتابوں کی بابت ہو جس کو قریش بھی عمدہ اور متبرک سمجھتے تھے یا عام علمی قلمیں اور ان کی تحریریں ہوں جس سے اشارہ ہے کہ اسی دنیا میں پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان کے منہ کی الہامی باتیں لوگوں نے تحریر کی ہیں اور پھر ان کو بھی اس عہد کے جاہلوں نے دیوانہ بنایا ہے جس پر وہ عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں اور ان باتوں کو اہلِ قلم مؤرخین نے لکھا ہے ان سے پوچھو۔ دیکھو بہر حال ایک عمدہ اور اعلیٰ چیز کی قسم ہے کفار کے ابطال کے لیے کہ وہ نبوتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے اور آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔ اس بات کا رد کرنے میں نون اور قلم اور تحریر کی قسم سے ایک عمدہ مناسبت ہے۔ کس لیے کہ نبوت علوم کا سرچشمہ ہے جو ایک اعلیٰ ترین نور ہے جس کی فیوضات بعد میں یا اس کے روبرو مبارک ہاتھ لکھا کرتے ہیں اور مقدس صحائف میں درج ہیں اور وہ دنیا کی اصلاح وفلاح کا عمدہ ذریعہ ہوتے ہیں مگر جاہل دماغ جب ان باتوں کو قبول نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دیوانہ کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح ہر معنی سے قسم اور مقسم بہ میں مناسبت ہے۔

اور پھر ان چیزوں کی قسم پہلی سورۃ تبارک سے کمال مناسبت رکھتی ہے کس لیے کہ اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کا اظہار کیا تھا اور اس کے متعلق آسمانوں وزمین کا بلند اور وسیع مکان بنانا اور مطیع اور سرکشوں کے لیے دارالانعام اور جہنم کا قید خانہ وغیرہ امور ذکر فرمائے تھے مگر دفترِ شاہانہ کا ذکر نہ آیا تھا اس لیے یہاں نون اور قلم اور تحریر سے وہ بات بھی ثابت کر دی۔ قلم کے فضائل یعنی علم کی خوبیاں اور قلم سے نبوت کی مناسبت کہ قلم جس طرح لکھنے والے کے ہاتھ میں مجبور ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تابع الہام ہیں، آپ سے کچھ نہیں فرماتے ومایٔنطق عن الھوٰی پر علماء نے بہت کچھ بیان کئے ہیں۔

کس لیے مجنون کہتے تھے؟: تین چیزوں کی قسم کھائی، ن، قلم، تحریر کی اور قسم کھا کر تین باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ کہ تو اے نبی! اپنے رب کی نعمت یعنی عنایت سے دیوانہ نہیں اور جملہ کو اسمیہ اور ما سے مؤکد کیا جو عین مقتضائے بلاغت تھا کس لیے کہ وہ آپ کو مجنوں بھی بڑے زور سے کہتے تھے اور وجہ مجنون کہنے کی وہی تعلیمِ توحید و مکارمِ اخلاق تھی مگر نیا ایک سبب اور بھی پیدا ہوگیا تھا وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ نبوت کے بعد کہ جس سے تمام مکے میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کی لونڈی اور زید رضی اللہ عنہ آپ کے متبنّٰی ایمان لائے تو آپ نے ان کو وضو اور نماز کے طریقے سکھائے جس سے اور بھی اہلِ مکہ کو نئی بات دیکھ کر حیرت ہوئی اور آپ کو دیوانہ کہنا شروع کر دیا اور لطف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد دانائی کے نبوت سے پہلے نہ صرف قریشِ مکہ بلکہ اور اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے اور آپ کی زیرکی ضرب المثل تھی۔

(۲) وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ کہ آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ یہ گویا دلیل ہے پہلے جملے کی۔ کس لیے کہ دیوانے کی کوئی بات قابلِ مدح اور سببِ اجر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا برخلاف اس کے آپ کو اجر ہے ان تمام مساعیِ جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا؟ بے انتہا کس لیے کہ دنیا میں توحید و خدا پرستی اور مکارمِ اخلاق کے (ان کے ہٹ جانے کے بعد) آپ ہی مروج اور معلوم ہیں جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا اور ہر ایک نیک کام کے بانی اور مروج کو بعد میں اجر ملا کرتا ہے۔ یہ اس کے باقیات الصالحات میں شمار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دنیا میں گویا ایسے آدمی زندہ رہ کر نیک کام میں حصہ لینے والے شمار ہوتے ہیں اور زندہ تصور کیے جاتے ہیں۔

فائدہ: ممنون مقطوع کہتے ہیں منت الحبل اذا قطعتہ غیر ممنون غیر مقطوع کہ وہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور یہی معنی ہیں۔

(۳) وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔ یہ بھی اسی جملے کی ایک دلیلِ قوی ہے۔ کس لیے کہ مجنون کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے کہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ کے وہ بھی بالاتفاق قائل تھے پھر دیوانہ کہنا دیوانہ پن ہے۔

خُلق کیا ہے: خلق ایک نفسانی ملکہ ہے جس کے سبب انسان عمدہ کام بآسانی کر سکتا ہے، اچھے کام کرنا اور بات ہے اور ان کو آسانی سے کرنا اور بات ہے۔ پس وہ حالت جس کی وجہ سے بسہولت نیک کاموں کو کر سکے اس کو خُلق کہتے ہیں جس کی جمع اخلاق آتی ہے۔ خلق خلق بالضم و بالضمتین خوئے (صراح) خلق بخل اور لالچ اور غضب اور معاملات میں تشدد سے بچنا اور لوگوں سے معاملات میں نرمی، درگزر، مروت، سیر چشمی سے پیش آنا، انتقام سے درگزر کرنا، اقارب و احباب کے ساتھ سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا، کینہ اور حسد سے دور رہنا بھی خلق میں داخل ہے۔ حیا و شرم کرنا، سخت کلامی اور فحش گوئی اور طعنہ بازی سے بچنا اس کا ایک جز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں یہ سب باتیں فطری طور پر خمیر کر دی گئی تھیں۔ ان باتوں کو بتکلف عمل میں لانے کی حاجت نہ تھی بلکہ بے تکلف خود بخود آپ سے سرزد ہوتی تھیں۔ خلقِ محمدی دنیا میں مشہور ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک میں معارفِ الٰہیہ حقہ کے قبول کرنے کی نہایت استعداد رکھی تھی اور بری باتوں غلط عقائد کے قبول کرنے کی مطلقاً استعداد نہ تھی اس لیے یہ ملکہ آپ میں تھا جس کو خلق سے تعبیر کیا۔

ابی الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے خلقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا، فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا جس سے وہ راضی اس سے آپ راضی، جس سے وہ ناخوش اس سے آپ ناخوش تھے۔ (اخرجہ البیہقی فی الدلائل وابن مردویہ وابن المنذر) اس قسم کی ایک روایت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مسلم وابن المنذر و حاکم وغیرہم نے نقل کی ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ مقدس بالطبع عالمِ قدس کی طرف مائل اور اس کے ساتھ جس قدر چیزیں متعلق ہیں ان کی طرف راغب تھا اور لذاتِ بدنیہ اور سعادتِ

دنیویہ سے بالطبع آپ کو سخت نفرت تھی۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ عائشہ ؓ کہتی ہیں آپ سے زیادہ کوئی خوش خلق نہ تھا، جب کسی نے بلایا تو آپ نے یہ فرمایا، لبیک یعنی حاضر۔ نہ عمر بھر کسی کو مارا نہ گالی دی، نہ سخت کلامی سے پیش آئے۔ انس ؓ کہتے ہیں کہ دس برس تک میں حضرت ﷺ کی خدمت میں رہا، آپ نے کبھی مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا؟ کتب شمائل اور سیر میں اس سے زیادہ آپ کے مکارمِ اخلاق مذکور ہیں۔

آج کل پھکو بازی اور فحش گوئی اور بے جا دل لگی اور ہنسی کا نام خلق رکھا ہے۔ افسوس!

فائدہ: علی کا لفظ استعلاء کے لیے عرب میں مستعمل ہوتا ہے۔ علی خلق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ان اخلاقِ حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی معنی میں وسعت پیدا کر دی کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے انبیاء علیہم السلام کے اقتداء واتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ بقولہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔ اور یہ ظاہر کہ معرفتِ الٰہی اور احکامِ شرائع میں یہ اقتداء نہیں تو لامحالہ ان کے اخلاق میں اقتداء کرنا ہے تو جو ہر ایک نبی علیہ السلام کے اخلاق تھے ان سب کا مجموعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہوا اس لیے آپ کا خلقِ عظیم تھا۔ کیا خوب کہا ہے خسرو علیہ الرحمہ نے ع

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ تین باتیں تین چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمائیں جن میں سے ہر ایک کو دوسری سے مناسبتِ تامہ ہے اور پھر ہر ایک کو ہر ایک چیز سے کہ جس کی قسم کھائی ہے عجب مناسبت ہے۔ اور مجموعہ کو مجموعہ سے مناسبت ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں جدا جدا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں اور مجموع مرکب ہو کر بھی جس کی تقریر اذہانِ صافیہ پر چھوڑتا ہے۔

پیشین گوئی: اس برہانِ قاطع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا آئندہ آنے والی نشانی سے پورا اطمینان دلاتا ہے اور ایک پیشین گوئی کرتا ہے جس کو اہلِ مکہ نے بہت جلد آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فقال فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ابھی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا دیکھ لیں گے؟ بعض علماء کہتے ہیں دنیا کی سزا جو بدر کے دن اور ایک قحطِ عظیم سے قریش کو ملی جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ بعض فرماتے ہیں، یہ عذابِ آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ مگر میں کہتا ہوں بایکم المفتون۔ یبصرون کا مفعول ہے بذریعہ ب تب یہ معنی ہوئے کہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کون فتنے میں پڑا ہے، دیوانہ یا مقہور ہے چنانچہ چند برسوں کے بعد جب آفتابِ ہدایت اور بلند ہوا تو تمام عرب نے جان لیا کہ ہم گمراہی میں تھے ناحق پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ لونڈیاں اور غلام، بوڑھے اور بچے، شریف ووضیع سب کی آنکھوں میں ان کی وہ پہلی حالت جو بت پرستی اور ہر قسم کی بدکاری تھی مبتذل ہو گئی۔ یہ کوئی تھوڑی بات نہیں، کوئی شخص جو دراصل خدائے تعالیٰ کا فرستادہ نہ ہو اور اس کو اپنے نورِ باطن اور تاثیرِ بے حد کا پورا بھروسا نہ ہو ایسی جاہل، بت پرست، مغرور، بدکار قوم کی نسبت یہ دعویٰ کر سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کی ایسی جلد کایا پلٹ دینے کا بیڑا اٹھایا اور نہ اٹھا سکتے تھے۔ اس اعجاز سے بڑھ کر دنیا میں کسی نبی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ کہ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستے سے بچلا ہوا اور کون راستے پر ہے؟ جو گمراہ ہے اور گمراہی کو ہدایت جانتا ہے اس سے بڑھ کر کون دیوانہ ہے اور ہدایت پانے والے سے جو سیدھی راہ چلا جا رہا ہے کون عقلمند ہے؟ اس میں اشارہ ہے کہ وہی گمراہ ہیں اور وہی دیوانے ہیں۔ ان کے دیوانہ پن کی دلیل ان کی گمراہی ہے اور آپ اور آپ کے متبعین کے عاقل ہونے کی دلیل ہدایت پر ہونا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ جو اپنے آپ کو عاقل اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں جھوٹے ہیں۔ کس لیے کہ تو ہدایت پر اور وہ گمراہی پر ہیں۔ اور امتیاز جو ہدایت وگمراہی سے حاصل

ہو وہ اس امتیاز سے بہتر ہے جو عقل و جنون سے حاصل ہو۔ کس لیے کہ وہ سعادت و شقاوت ابدیہ کا ثمرہ ہے اور یہ سعادت و شقاوت دنیویہ کا نتیجہ ہے۔ پھر جب یہ دیوانے ہیں اور دیوانگی سے جھٹلاتے ہیں تو فَلَا تُطِعِ الْمُکَذِّبِیْنَ۔ ان جھٹلانے والوں کا کہنا مان کیونکہ وہ تجھے اسی حالتِ خراب کی طرف بلا رہے ہیں جس میں وہ خود مبتلا ہیں۔ دنیا میں جو مذہب و ملت کا جھگڑا اور لڑائی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہدایت پانے والا دوسرے گمراہ بھائی کو دیکھ رہا ہے کہ یہ ڈوبا جاتا ہے اس لیے اس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس کو ڈوبتا جان کر اس کے برخلاف کوشش کرتا ہے اور پھر ہر ایک فریق کو دوسرے سے رفتہ رفتہ رنج و عداوت بھی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ جنگ و جدال ہوتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝۱۳ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۱۴ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۵ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝۱۶

وہ چاہتے ہیں آپ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور (اے رسول!) آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آ جانا جو بری قسمیں کھاتا ہے۔ ذلیل طعنہ باز چغل خور بھی ہے۔ بھلی باتوں سے روکنے والا ظالم بدکار سرکش اس پر بداصل بھی ہے اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا بھی ہے جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں (آپ دیکھیں) عنقریب ہم اس کے ناک پر داغ لگاتے ہیں۔

ترکیب : فیدھنون عطف علی تدھن داخل فی حیزاو وھو مبتداء محذوف ای فھم یدھنون و جواب لو محذوف وکذا مفعول ودّوا ای ودوا ادھانک لوتدھن فیدھنون ویمکن ان یکون فیدھنون مع المبتداء المحذوف جواب لو والشرط والجزاء الجملۃ مفعول ودوا وفی بعض المصاحف فیدھنوا بحذف النون علی انہ جواب التمنی المفھوم من ودوا ان کان الخ بالفتح مصدریۃ متعلق بقولہ ولاتطع ای لاتطع من ھذہ مثالبہ لان کان متمولا مستظھرا بالبنین۔ ھذا قول الفراء والزجاج وقریٔ ان بالکسر علی الشرط وجواب الشرط محذوف دل علیہ اذاتتلی ای ان کان ذو مال یکفر اولاتطع ایھا المخاطب کل حلاف شارطا یسارہ اذا شرط قال جوابہ۔

تفسیر : اول بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اطاعت سے منع کیا تھا۔ بقولہ فلاتطع المکذبین اب اسی بات کو اور مؤکد کرتا ہے۔ فقال ودوا کہ وہ کفار چاہتے ہیں لو تدھن کہ اگر آپ مداہنت کر جائیں، حق سے چشم پوشی کر جائیں اور بت پرستی کی برائی نہ کریں تو فیدھنون وہ بھی آپ سے تشدد نہ کریں۔ گول گول باتیں کہنے میں کچھ ممانعت نہ کریں۔ مفسرین نے ان آیات کے متعلق نقل کیا ہے کہ ابوجہل اسود بن عبد یغوث واخنس بن شریق وغیرہ مکے کے رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند و نصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کی عیش و عشرت میسر آئے تو آپ فرمائیں، اگر عورتوں سے رغبت ہے تو عمدہ سے عمدہ کنواری لڑکیاں آپ کے لیے حاضر کریں اور آپ جس سے فرمائیں نکاح کرا دیں۔ اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال اور مواشی حاضر کریں۔ اگر سرداری مقصود ہے تو آپ ہماری قوم میں عالی نسب عقلمند ہیں، ہم آپ کو سردار بنا دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان باتوں میں سے کوئی مطلوب نہیں، صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا آج تو آپ عبادت کیا کریں مگر بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں۔ ہم بھی آپ پر طعن و تشنیع نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ودوا لوتدھن الخ۔

مگران سب کفار میں ولید بن المغیرہ بڑا بدذات تھا اس کی بدذاتی یہ تھی کہ جھوٹا، بات بات پر قسمیں کھانے والا، چغل خور، نیک کاموں سے روکنے والا، بدمزاج، سرکش حرامی تھا۔ مال واولاد کا بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی امارت وریاست کے نشہ میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں، عدول حکمی نہ کریں۔ اس توحید وخدا پرستی سے باز آجائیں اس لیے بالخصوص اس کی اطاعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا۔ آپ خود بھی اس کی اطاعت کرنے والے نہیں تھے مگر تاکیداً حکم دیا اور اس کا نام نہیں لیا۔ اس کے اوصاف رذیلہ بیان کر دیے تاکہ لوگوں کو ایسے اوصاف سے نفرت ہو اور ترک کریں اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایسے اوصاف کا شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی اطاعت کرے۔ فقال وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ کہ آپ ہر ایک بہت قسمیں کھانے والے کی نہ مانیں، بات بات پر قسمیں کھانا رذالت وکاذب ہونے کی دلیل ہے۔ مھین ذلیل حقیر، دنیاوی باتوں پر جھوٹ بولنا۔ قسمیں کھانا ذلیل کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی پست ہمتی اور ہلکا پن ثابت ہوتا ہے۔ اس کے سوا وہ موذی بھی ہو۔ ھماز طعن کرنے والا، لوگوں کو برا کہنے والا، لوگوں کے حسب ونسب، اخلاق، صورت، سیرت میں طعنہ کر کے لوگوں کو ایذا دینے والا۔ مشاء بنمیم چغل خور ایک کو دوسرے سے لڑا دینے والا۔ مناع للخیر نیکی سے منع کرنے والا، اگر اس کی اولاد یا نوکروں میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو وہ دھمکاتا کہ کھانا بند کر دوں گا۔ معتد، ظالم، لوگوں کے حقوق تلف کرنے والا۔ مزدور سے کام لیا، مار پیٹ کر نکال دیا۔ اثیم بدکار شراب پینے والا، زنا لواطت کرنے والا، عتل سرکش، اڑیل، بدمزاج، کسی کی بات خود پسندی سے نہ ماننے والا۔ بعد ذلك ان سب عیبوں کے بعد زنیم ولد الزنا۔ حرام کا نطفہ بیشتر اخلاق رذیلہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر وبرکت شجاعت وحمیت کم ہوتی ہے۔ جن والیانِ ملک نے بیشمار عورتیں گھر میں ڈال کر حرامی اولاد جنوائی نہ ان میں شجاعت وعفت دکھائی دیتی ہے نہ ریاست وسیاست کی غیرت باقی ہے۔ مرد چھچھورے، بدکار، کمینہ پرست، عورتیں فاحشہ خاندان برباد ہوا۔

نطفے میں ضرور ایک نیک وبد اثر ہوتا ہے۔ علاوہ صحت ومرضِ جسمانی کے حلالی حرامی ہونے کا بھی ایک اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زنیم کے معنی شعبی نے شریر کے بھی بیان کیے ہیں۔ عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے زنیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی گردن میں رسولی تھی جس سے وہ پہچانا جاتا تھا اور لغت میں زنمہ کے معنی زیادہ کے ہیں اور بکری کے کان چیر ڈالتے ہیں اور وہ سوکھ کر لٹک جاتے ہیں تو ان کو زنمۃ الشاۃ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ جس میں ان باتوں میں سے ایک بھی ہو وہ بھی قابلِ نفرت ہے اس کی اطاعت کیسی! چہ جائیکہ اس میں اس قدر عیب ہوں۔ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ۔ اس لیے کہ وہ مال اور لڑکوں والا ہے مغرور اور نافرمان ہوا ہے اور اس نالائقی پر یہ نعمت پاکر شکر گزاری نہیں کرتا۔ بلکہ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں کہ سن کر اپنے اخلاق درست کرے، ہماری طرف رجوع ہو وہ سن کر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، کلامِ الٰہی نہیں۔ اس لیے اس ناشکر کے لیے دنیا میں ہی ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر وغرور کو مٹا دے۔ وہ کیا سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ کہ ہم ابھی اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر چرکا لگا۔ مکے میں آکر اس پر پھایا لگایا اچھا ہی نہ ہوا ایک داغ ہو گیا اور آخر اسی مرض میں سخت تلخی اٹھا کر سیدھا جہنم میں گیا۔

فوائد: (۱)۔ اس بدبخت نے نبی علیہ السلام کو دیوانہ کہا تھا جس سے مقصود نبوت کا ابطال تھا۔ اس کے جواب میں خداتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بڑے واضح دلائل سے ثابت کی اور دلائل میں آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور اجرِ آخرت ثابت کر کے نہ صرف جنون کی نفی کی بلکہ نبوت کی اور آپ کے خلقِ عظیم کے مقابلہ میں اس بدبخت کے دس عیب بیان فرمائے جس سے بالمقابل اخلاقِ حمیدہ کی شرح بھی

ہوگئی اور آسمانی حکم کے مقابلہ کرنے والے کی دنیا و آخرت کی بربادی و خرابی کی توہین بھی کی گئی تاکہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عیب لگانے والے کے دس عیب واقعی بیان کئے گئے تو حضرت ﷺ کے ساتھ سلوک اور حسن خدمت سے پیش آنے والے کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک بھلائی کرنے والے کو دس بھلائیاں دنیا اور آخرت میں ملتی ہیں اور کم از کم دس پشتوں تک اس کا صلہ ملتا ہے جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانفشانیاں ہیں کہ ان کو بہت جلد سرسبز ملکوں کا مالک کر دیا اور ابد تک وہ اور ان کی نسلیں برگزیدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس برکت بھیجے گا۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد و آله وبارك وسلم۔

(۳) اس متکبر کو اور بھی سزا دے سکتا تھا، ناک پر داغ لگانے کی سزا کیوں تجویز فرمائی گئی؟ ناک ہی غرور و خود بینی کا نشان ہے اور عرف میں ناک عزت و آبرو کو بھی کہتے ہیں اس لیے اس غرور و خود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا خداوندِ جہان کے ساتھ سرتابی سرکشی کی مناسب سزا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں کنایہ ہے اس کی عزتِ دنیاوی بگاڑ دینے سے۔

(۴) کیا ولید کی ناک بڑی اور سونڈ جیسی تھی؟ مگر متکبر اور مغرور اپنی ناک بڑھایا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ناک بڑھانا بلندی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ پستی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کو سونڈ سے تعبیر کیا۔ اور ممکن ہے کہ دراصل اس بد بخت کی ناک ظاہری لمبی اور جھکی ہوئی ہو اور بار و ہلاکت کا نشان ہے اور ایسے کریہ المنظر مغرور کی ناک کو خرطوم کہنا جو ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں اس کی پوری اہانت بھی ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس نے اصحاب الفیل کا واقعہ دیکھا تھا ان کی لمبی ناک کا جو مآل کار رہا اسے خیال کر کے باز آئے۔

(۵) حضرات انبیاء علیہم السلام کو باوجود علم اور خلق کے کبھی ضرورت مجبور کرتی ہے کہ وہ مخالف سرکش کو سخت الفاظ سے یاد کریں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو سانپوں کا بچہ کہہ دیا تھا اور قرآن مجید نے تو کسی کا نام نہیں لیا۔ ایک اوصافِ رذیلہ کی تصویر کھینچی ہے۔ اب اتفاق سے وہ اوصافِ رذیلہ ولید میں ہوں یا کسی اور میں۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ

اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

ہم نے انہی کی باغ والوں کی طرح آزمائش کی ہے جبکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم صبح کو اس کا میوہ توڑ ہی لیں گے اور انشاء اللہ نہیں کہتے تھے پھر تو اس پر رات ہی میں آپ کے رب کی طرف سے ایک جھونکا چل گیا حالانکہ وہ سوتے ہی پڑے تھے۔ پھر صبح کو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسا کہ کٹا ہوا ہوتا ہے پھر وہ صبح کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو پھل توڑنے (کاٹنے) ہیں تو سویرے اپنے باغ میں جا پہنچو۔ پھر وہ باہم چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے چلے کہ تمہارے باغ میں کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ اور وہ سویرے ہی اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے پھر جب (جلا ہوا) اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ پھر ان میں کے اچھے شخص نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کس لیے اس کی تسبیح نہیں کرتے۔ تب وہ بھی کہنے لگے ہمارے رب کی پاک ذات ہے (دراصل) ہم ہی خطاوار تھے۔ پھر تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے ہائے رے بے شک ہم ہی سرکش تھے! شاید ہمارا رب ہم کو اس سے بہتر (باغ) دے کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے یوں (آتی) ہے مصیبت اور آخرت کی مصیبت تو بڑھ کر ہے کاش وہ جانیں بھی تو۔

ترکیب: اذ تعلیلیۃ اوظرفیۃ بنوع تسمح لان الانقسام کان قبل ابتلائہم لیصرمنہا جواب القسم مصبحین حال من الفاعل فی یصرمنہا ولا یستثنون جملۃ مستانفۃ لبیان ماوقع منہم وقیل حال فتنادوا معطوف علی اقسموا ابینہما اعتراض لبیان مانزل بتلک الجنۃ ان اغدوا ان مفسرۃ لان فی التنادی معنی القول اومصدریۃ ای اخرجوا غدوۃً ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف فاغدوا وہم یتخافتون الجملۃ حال من فاعل فانطلقوا ان لایدخلنہا ان مفسرۃ للتخافت المذکور لمافیہ من معنی القول علی حرد یتعلق بقادرین وقادرین حال وقیل خبر غدوا لانہا حملت علی اصبحوا۔

تفسیر: اہلِ مکہ خصوص ولید وغیرہ ثروت وحشمت پر نازاں ہو کر کہتے تھے کہ ہم پر خدا کی نظرِ عنایت ہے جو دنیا میں ایسا دیا۔ وہ آخرت میں بھی اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ایسے خیالات اکثر بے دین متمولوں کے دل میں گزرا کرتے ہیں اور دیندار مساکین کی دل شکنی اور شبہ کا باعث ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس تمول وشوکت کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ کہ ہم نے جوان کو یہ فراخ دستی اور عیش وآرام دے رکھے ہیں یہ ان کی آزمائش ہے۔ بدکار، منافق، فاجر کافر، بت پرستوں کو دنیا میں نعمتیں دی جاتی ہیں، آزمائش کے لیے، ان پر پھولنا نہیں چاہیے۔ یہ اور بھی ان کی غفلت وگمراہی وسرکشی کا سبب ہو جاتا ہے۔ آخرت میں سوال ہو گا کہ کیا شکر گزاری کی تھی؟ اور نیز یہ نعمتیں فانیہ ہیں۔ یہ اور بھی ان کے دلوں کو فنا کے بعد صدمہ کا باعث ہوتی ہیں۔ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔

قصۂ اصحاب الجنۃ: باغ والے کون تھے اور کب تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اور مکے کے کفار کے روبرو ان کا ذکر کیوں کیا گیا، کیا وہ اس بات سے واقف تھے؟

(۱) باغ کی نسبت مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ ملکِ یمن میں شہر صنعاء سے دو کوس کے قریب ایک شخص کا باغ تھا جس کا مالک بڑا باخدا شخص تھا۔ آمدنی میں سے فقراء ومساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے۔ باغ کے میووں میں بھی حصے مقرر تھے اور اس کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی حصے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ذکر ہے۔ پھر جب وہ مردِ باخدا مر گیا تو اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے۔ ان کی نیت میں فرق آ گیا۔ کہنے لگے ہم عیال دار ہیں، اگر باپ کی طرح لٹائیں گے تو کیا ٹھیک لگے گا۔ یہ شیطانی وساوس ان کے دلوں میں گھس آئے اور تجویز ٹھہری کہ بڑے تڑکے اٹھ کر پھل توڑ کر گھر میں لے آؤ۔ فقراء کے آنے سے پہلے مگر ان میں ایک بھائی خداترس بھی تھا، اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقراء ومساکین کو للہ دینے سے برکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو، اپنی تدبیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدابیر کو درست کرتا ہے، وہی بگاڑ دیتا ہے۔ آخر اس کی بات نہ مانی اور بڑے سویرے اٹھ کر چلے۔ ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر مصیبت آ گئی۔ کوئی لو کا ایسا جھونکا چلا کہ جس نے جلا کر برباد کر دیا۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ میں آ نکلے۔ ہمارا باغ تو شاداب و تروتازہ ہے یعنی اس کی ایسی حیثیت بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے۔ اس پر آسمانی مصیبت آ پڑی۔ پھر تو باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگا تو نے یہ صلاح دی تھی۔ وہ کہنے لگا تو نے ہی تو کہا تھا۔ اس مرد با خدا نے کہا کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو اور اس کی تسبیح و تقدیس کو نہ بھولو۔ پھر کہنے لگے بے شک ہم خطا وار تھے اور ہمارے رب کی پاک ذات ہے۔ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے کیے پر نادم ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا خدا اس سے بہتر دے۔ چنانچہ اس کے بعد خدا نے اس باغ میں بڑی برکت دی۔ ابو خالد یمانی کہتے ہیں کہ میں نے وہ باغ دیکھا ہے جس میں ایک خوشہ انگور کا ایسا تھا کہ جیسا سیاہ[1] آدمی کھڑا ہو۔

(۲) اور آزمائش ان کی یہ تھی کہ انہوں نے اس نعمت کا شکر نہ کیا۔ نیت میں فتور آیا اس لیے اس پر بلا آ گئی اور جب توبہ کی، نادم ہوئے تو خدا نے پھر اس سے بہتر دیا اور کذلک العذاب کا فقرہ کہہ رہا ہے کہ جو کوئی خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کرے گا اور اس کو اس کے موقع پر صرف نہ کرے گا اس پر بلائے آسمانی کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ پڑے گی۔ عمر اور جوانی اور تندرستی بھی ایک نعمت ہے۔ اس کو بیکار اور ناشائستہ افعال میں صرف کرنے والے آخر ایک روز مصیبت کا منہ دیکھتے ہیں۔ بیماری اور بے وقت پیری اور پست ہمتی وغیرہ کس قدر مصائب ان پر آ پڑتی ہیں۔ کہیں آتشک میں سڑے پڑے ہیں، کہیں کثرتِ مے نوشی سے بدن میں رعشہ پڑ گیا، دانت گر گئے۔ تیس برس کے اندر ہی اندر نکمے ہو گئے۔ گردن ہلنے لگی، بال پک گئے، چہرے کی تازگی جاتی رہی، ضعفِ معدہ، دردِ گردہ، سلسل البول، دمہ، ضعفِ بصارت، کیا کیا آفات ہم اس وقت کے عیاش لوگوں میں دیکھتے ہیں۔ ابھی آخرت کا عذاب باقی ہے۔ مال اور ملک بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے۔ اس میں عدل و انصاف ملحوظ نہ رکھنا، غرباء فقراء کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا، بلکہ عیاشی اور فضول خرچی میں اڑانا، حقداروں کو محروم کر کے رنڈیوں، بھانڈوں، مسخروں کو دینا بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں خزانہ خالی، ملک میں ابتری، لشکر میں بے دلی اور ہر طرح کی بے امنی پیدا ہو جاتی ہے۔ موقع پا کر دشمن کھڑے ہو جاتے ہیں آخر ایک روز سب دولت و ملک چھوڑنا پڑتا ہے اور چہرہ پر برائیوں کا سیاہ داغ ابد تک باقی رہ جاتا ہے۔ دیکھو پچھلے عیاش بادشاہوں کو۔

(۳) مکے کے کفار اس قصے کو بخوبی جانتے تھے کس لیے کہ گرمی و سردی میں شام اور یمن جایا کرتے تھے اس کے سوا اس مضمون کو ان کے دل تسلیم کرتے تھے کہ خدا کی راہ میں دینا نیک پھل لاتا ہے اور سرکشی اور بخل برے نتائج دکھاتا ہے کیونکہ وہ دہریے نہ تھے جو خدا کو اور اس کی قدرتوں کو نہ مانتے ہوں وہ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرتوں کو مانتے تھے مگر اپنے خیالِ فاسد میں اور لوگوں کو بھی ان امور میں شریک سمجھتے تھے کہ اس نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ ولید اور مکے کے اور سردار اپنی دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ السلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقراء سے بے رحمی کرتے تھے۔ اس کے بدلے سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے۔ کتوں کو بھون بھون کر کھانے کی نوبت آئی اور پھر جب اسلام لائے اور توبہ کی تو خدا نے ان کو ملکوں کا مالک کر دیا۔ یہ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ کی شرح ہوئی۔

اب ہم الفاظِ قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہیں۔ لیصرمنها یہ صرم یصرم کا مضارع ہے جمع مذکر غائب بانون ثقیلہ۔ اور ہا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے۔ صرم پھلوں اور کھیتی کا کاٹنا۔ انصرام انقطاع اصرام پھلوں کے کٹنے کا وقت آنا، اور مفلس ہو جانا اور تلوار کو صارم اسی لیے کہتے

---

[1] انگور کا خوشہ لمبا ہوتا ہے پھر بعض سیاہ انگور کا خوشہ گز سوا گز کا بھی ہوتا ہے لٹکا ہوا دور سے سیاہ آدمی کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہیں کہ وہ زیادہ کاٹنے والی ہے۔ صریم شب تاریک، وصبح، فَاَصْبَحَتْ کَالصَّرِیْمِ، یعنی جل کر سیاہ ہوگیا۔ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ انشاء اللہ نہ کہتے تھے اور کسی آئندہ کام کرنے کا اظہار کرنا اور انشاء اللہ نہ کہنا بے برکتی کا باعث ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی کہ مساکین وفقراء کو مستثنیٰ نہ کرتے تھے محرومی سے۔ طائف اسم فاعل ہے طیف سے یا طوف سے علی الادل طائف کے معنی رات میں آنے والی چیز۔ یہاں مراد ہے، لوکا جھونکا جس نے جلا کر باغ کو سیاہ کر دیا۔ حرثکم حرث کھیتی۔ اس سے مراد پھل اور کھیتی اور انگور سب ہیں کس لیے کہ باغ میں صرف ایک ہی چیز نہ تھی مگر پھلوں کا توڑنا زیادہ مقصود تھا اس لیے صَارِمِیْنَ فرمایا۔ حرد آہنگ کردن وعع ف اک ۲ (صراح) یعنی صبح کو اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے اور اس کے معنی منع کرنے کے بھی ہیں کہ صبح کو مساکین کے منع کرنے کے لیے قادر ہو کر چلے۔ بعض کہتے ہیں حرد اس باغ کا نام تھا کہ اس باغ پر چلے، قادر ہو کر۔ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ یہ اول بار دیکھ کر کہا جبکہ باغ پہچانا نہ گیا۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ جب کہا کہ جب پہچان گئے کہ تقدیر پھوٹ گئی۔ باغ تو وہی ہے۔ اوسطھم سے مراد منجھلا نہیں بلکہ ان میں سے بہلا (ای اعدلھم وافضلھم وبینا وجھہ تفسیر قولہ امۃً وسطاً) کبیر۔ لولاتسبحون۔ کیوں نہیں تسبیح کرتے یعنی اپنے رب کی پاکی نہیں بیان کرتے تھے ان ناپاک خیالات سے کہ ''اگر ہم دیں گے تو محتاج ہو جائیں گے پھر کون دیتا ہے خدا بدلہ اور برکت کیوں دینے لگا اور جو نہ دے تو ہم کیا کریں۔'' ان خیالات سے روکنے کو تسبیح کرنے سے تعبیر کیا۔ نہ یہ مراد کہ زبانی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے کس لیے کہ اس سے مساکین کو کیا فائدہ تھا؟

جب مصیبت دیکھ چکے تو قالوا سبحان ربنا کہنے لگے کہ پاک ذات ہے ہمارے رب کی اس کے وعدے سچے ہیں۔ انا کنا ظالمین۔ ہماری بدگمانی بری تھی ہم نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیر امنھا اناالی ربنا راغبون چونکہ خدا پرست کے بیٹے تھے اور خود بھی اچھے تھے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ آ گیا تھا جس کے سبب مصیبت آ پڑی مگر پھر سمجھ گئے اور تائب ہوئے اور امید خیر کی اللہ سے رکھی اور ہر مصیبت کے بعد اگر اللہ کی طرف رجوع ورغبت کی جاتی ہے تو وہ راحت اور اس تلف شدہ چیز کا بدلہ دیتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے تا کہ دنیا یا آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔

اس تمام قصے کے بعد فرماتا ہے وکذلک العذاب کہ یوں آ پڑا کرتی ہے مصیبت اس سے کبھی نڈر نہ رہیے۔ لیکن عذابِ آخرت اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر یہ لوگ جانتے نہیں۔ اگر وہاں آنے والی مصیبت کا یقین ہو جائے تو یقیناً اس کی فکر کریں جب کچھ بھی فکر نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی یقین نہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ وقفۃ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۴۱﴾ مع

بے شک پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ پھر کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں جیسا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟ کیا

تمہارے لیے کوئی نوشتہ ہے جس میں تم پڑھا کرتے ہو کہ تمہارے لیے وہی ہے جس کو تم پسند کرو کیا تمہارے لیے ہم نے قسم کھالی ہیں جو قیامت تک چلی جائیں گی کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کس کو یقین ہے کیا ان کے معبود ہیں پھر اپنے معبودوں کو تو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

ترکیب: جنات النعیم اسم ان للمتقین خبرھا عندربھم یجوزان یکون ظرفاللا ستقراروان یکون حالامن جنات افنجعل الھمزۃ للانکاروالفاءللعطف علیٰ مقدرتقتضیہ المقام ای الحیف فی الحکم فنجعل المسلمین کالکافرین ام منقطعۃ کتاب موصوف فیہ تدرسون الجملۃ صفۃ لکتاب ان قراء الجمھور بالکسر علی انھا معمولۃ لتدرسون ای تدرسون فی الکتاب ان لکم فیہ لماتخیرون۔ وقیل تم الکلام عندقولہ تدرسون ثم ابتداءفقال ان لکم الخ بالغۃ بالرفع نعت لایمان وبالنصب علی الحال والعامل فیھا الظرف الی یوم القیامۃ بالمقدرفی لکم ای ثابتۃ لکم الیٰ یوم القیامۃ اوبالغۃ ای ایمان تبلغ ذلک الیوم۔

تفسیر: گروہِ اشقیا کا حال پہلے مجملاً بیان فرمایا تھا کہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اب سعداء کے گروہ کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ کہ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یعنی دارِ آخرت میں نعمت وعیش کے باغ ہیں جن میں کچھ بھی کدورت وکلفت نہیں برخلاف دنیا کے باغوں کے۔ مقاتل کہتے ہیں اس آیت کو سن کر کفارِ مکہ کہتے تھے جب دنیا میں خدا نے ہم کو مسلمانوں سے مال اور دولت میں بہتر کیا تو آخرت میں کیا بڑھ کر نہیں کرے گا اور بڑھ کر نہیں برابر تو ضرور ہی کرے گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے یا یوں کہو اس آیت پر کفار کو یہ خیال گزرنے والا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا کہا۔ اس کے رد میں بھی یہ آیت آئی۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کہ کیا ہم فرمانبرداروں، پرہیزگاروں کو نافرمانوں، کفارو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ یعنی نہیں کریں گے، دونوں برابر نہ ہوں گے اور ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اشرار کے لیے جہنم ہے۔ پس مسلمانوں کے لیے ہرگز نہیں۔ اب ان کے لیے ضرور جنات النعیم ہیں، جن میں کفار کو حصہ بھی نہیں، پھر بڑھ کر اور برابر ہونا کیسا؟ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کہیں نیک اور بد بھی برابر ہوتے ہیں؟ پھر اس بات کو مؤکد کرتا ہے۔ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ کہ اس خیال کو عقل سے تو کچھ بھی مدد اور ثبوت نہیں ملتا پھر کیا کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہے یعنی کوئی کتاب آسمانی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہے کہ جو تم پسند کرو گے اور چاہو گے قیامت میں تمہیں وہی ملے گا؟ ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں یہ ہو پھر کس لیے کہتے ہو۔ اب ایک اور بات ہے کہ خدا نے تمہارے لیے عہد اور ذمہ داری کر لی ہو اور قسم مؤکد کھائی ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ وہی کرے گا سو یہ بھی نہیں۔ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ کہ کیا تمہارے لیے ہم پر عہد اور قسم ہیں قیامت تک یعنی مستحکم جو کبھی نہ ٹوٹے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جو تم کہتے ہو۔ ایسے غلط خیال اکثر مذاہبِ باطلہ میں لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ یہود کو بھی تھا اور ہند میں برہمنوں کو بھی ہے اور جاہل مسلمانوں بزرگوں کی اولاد میں بھی سنا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں ہم پر آگ حرام ہے اس لیے فرماتا ہے: سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ کہ ان سے پوچھ کہ کون اس کا دعویدار ہے۔ جب خدا کی طرف سے یہ نہیں تو کیا اپنے معبودوں کے گھمنڈ پر ایسا کہتے ہو کہ وہ ایسا کر دیں گے ہم ان کو پوجتے، نذر بھینٹ چڑھاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَاۤءُ فَلْيَأْتُوْا بِشُرَكَاۤئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ۔ کہ کیا ان کے معبود ہیں جن کو وہ ہمارا شریک اور کارمختار جان کر پوجتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں وہ ایسا کر دیں گے اچھا ان کو لاؤ اور کہلا تو دو اگر سچے ہیں۔ یعنی یہ بھی غلط خیال ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پردہ کھل جائے اور وہ سجدہ کے لیے بلائے جائیں تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی ہوگی اور وہ پہلے (دنیا میں) سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ بھلے چنگے تھے۔ مجھے اور اس کو جھٹلانے والوں کو چھوڑ دو ابھی رفتہ رفتہ انہیں پکڑے لیتے ہیں ایسا کہ انہیں خبر بھی نہ ہو اور (اے نبی!) ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں بے شک ہمارا ارادہ پکا ہے کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں کہ جس کے تاوان کا ان پر بوجھ پڑ رہا ہے[1] کیا ان کے پاس غیب (کا دفتر) ہے کہ وہ لکھا کرتے ہیں۔

ترکیب: یوم منصوب امابقولہ فلیاتوا واما باذکر ویدعون معطوف علی یکشف۔ فلایستطیعون جواب یوم یکشف خاشعۃ بالنصب علی انہا حال من ضمیر یدعون ابصارھم مرفوع علی انہ فاعل خاشعۃ ونسبۃ الخشوع الی الابصار لظہور اثرہ فیہا وھم سالمون الجملۃ حال من فی یدعون ومن منصوب محلا عطفا علی الضمیر المنصوب فی ذرنی۔

تفسیر: اس کے بعد قیامت کا ہولناک واقعہ بیان فرماتا ہے کہ اس روز ان کے افتراء اور خیالی ڈھکوسلوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ فقال یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کہ جس دن پردہ کھل جائے گا اور وہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔

ساق کیا ہے: ساق کے لغوی معنی پنڈلی کے ہیں پھر کیا یہ حقیقت پر محمول ہے یا کنایہ ہے؟ اول احتمال کی طرف فرقہ مشبہ گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس روز در اصل خدا تعالیٰ بندوں پر تجلی کرے گا اور پوری تجلی دیکھنے کی کسی کو قدرت نہ ہوگی اس لیے صرف پنڈلی کھل جائے گی جو ادنیٰ تجلی ہوگی۔ گو وہ پنڈلی ہماری جیسی پنڈلی نہ ہو لیکن اس کی ذات کے مناسب تب سجدے کے لیے حکم ہوگا پس جو لوگ دنیا میں اس کو سجدہ نہیں کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی پشت تختہ کی طرف ہو جائے گی۔ یہ مضمون اکثر احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے اور اہلِ ظاہر کا اسی طرف رجحان ہے مگر اہلِ حق کہتے ہیں استعارہ مراد ہے کس لیے کہ لفظ حقیقی معنی پر محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ پھر اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ مراد شدت و کرب ہے جو قیامت کے روز ہوگا۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس کے معنی دریافت کیے، آپ نے یہی بیان فرمائے اور فرمایا جب تم کو کسی لفظِ قرآنی کے معنی معلوم نہ ہوا کریں تو شعرائے عرب کے اشعار کو دیکھا کرو۔ پھر آپ نے اس معنی کی سند میں یہ شعر پڑھا:

سن لنا قومك ضرب الاعناق
وقامت الحرب بنا علی ساق

اور اسی طرح مجاہد نے بھی اس معنی کے ثبوت میں ابو عبیدہ اور جریر وغیرہ کے چند اشعار پڑھے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی کام پر زور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پائچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھل جاتی ہے اس لیے شدت کے موقع پر کہا کرتے ہیں کشف عن ساقہ۔ دوم ابی سعید ضریر وغیرہ کا قول ہے وہ یہ کہ کشفِ ساق سے مراد پردہ اور اصل کھل جانا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ اور ساق ہر شے میں اس کی اصل اور جڑ ہے کہ جس پر وہ کھڑی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ساق الشجر وساق الانسان۔ تب یہ معنی ہوئے کہ جس روز حقائق

---

[1] کہ جس کے تاوان میں وہ دبے جاتے ہیں۔

الاشیاء اوران کے اصول ظاہر ہو جائیں گے یعنی قیامت کے دن کہ یہ پردہ کھل جائے گا جیسا کہ سورۂ ق میں فرمایا تھا، لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔ کہ ''تو اے انسان! اس سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیرا پردہ کھول دیا پس تیری آنکھیں آج تیز ہیں''۔اس عالم میں پردۂ حسی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اس پر شہوات ولذات حُبِّ دنیا کے اور بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔حقیقت الامر منکشف نہیں ہونے دیتے اس لیے ادیان و مذاہب میں اختلاف ہے۔کوئی کچھ کوئی کچھ بے تک کہہ رہا ہے جس طرح کہ مکے کے کفار واہی تباہی منصوبے بیان کرتے تھے۔

سِرّ: یہی قول بہت درست ہے اور سِرّ اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک تو ذات ہے کہ جس کا ادراک محال ہے اور وہ مستقل محض ہے۔ دوسرے صفات کمال ہیں کہ جو جدا جدا عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتے۔علم بغیر قدرت کے اور قدرت بغیر علم کے اور دونوں بغیر حیات کے پائے نہیں جاتے اور صفات تابع محض ہیں ذات کے ان میں بغیر ذات کے کچھ بھی استقلال نہیں۔ سوم جہاتِ کمال کو جن کو حقائقِ الٰہیہ بھی کہتے ہیں اور وہ بین بین ہیں۔نہ صفات کی طرح محض غیر مستقل نہ ذات کی طرح محض مستقل اور ان جہاتِ کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ پوری مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں پنڈلی منہ وغیرہ نہ اس کے صفات کی طرح محض غیر مستقل اور نہ ذاتِ انسان کی طرح مستقل ہیں اور انسان کے کمالات کا مظاہر بھی ہیں۔شرع شریف میں ان حقائق کی چند چیزوں کے ساتھ تفصیل واقع ہوئی ہے اور یہ چیزیں ان حقائق کی تمثیل وتشبیہ ہیں نہ عین اور وہ یہ ہیں۔وجہ عین ید یمین اصابع حقو یعنی کمر ساق قدم (منہ آنکھ ہاتھ داہنا ہاتھ انگلیاں کمر پنڈلی قدم) اب جس طرح ساق اور قدم اور وجہ وغیرہ کو جو حقائقِ الٰہیہ ہیں اور ان الفاظ میں ایک استعارہ کے طور پر بیان ہوئی ہیں خود بھی پنڈلی اور پاؤں اور منہ سمجھ لینا غلطی اور تشبیہ ہے جیسا کہ مشبہ واہلِ ظواہر کا مذہب ہے۔اسی طرح ان کی تاویل وانکار کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں محض غلطی ہے۔اہلِ سنت اس افراط وتفریط دونوں سے بری ہیں اور اہلِ سنت کے اس عقیدے کو بخاری ومسلم وغیرہما کی وہ حدیث بھی مخالف نہیں کہ جو ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ساق کھولے گا تو تمام ایماندار مرد اور عورت سجدہ کریں گے اور جو دنیا میں ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختے کی طرح اکڑ جائے گی سجدہ نہ کرسکیں گے۔اور صحیح مسلم میں ان سے بھی زیادہ مشرح روایت ہے کس لیے کہ ان روایات میں بھی کشفِ ساق سے اسی جہتِ کمالیہ کا ظاہر ہونا مراد ہے جس کو استعارہ کے طور پر ساق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الحاصل محشر میں رب العزت کی ایک تجلیِ خاص ہوگی جس کو کشفِ ساق سے تعبیر کیا ہے۔جس کے آگے کفار ومشرکین سجدہ نہ کرسکیں گے اور اس کے سوا اس نورانی تجلی کی طرف نظر بھی نہ کرسکیں گے۔خاشعةً ابصارهم۔ بلکہ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی وترهقهم ذلة۔ اور ان پر ذلت ورسوائی چڑھے گی کیونکہ انہوں نے غیر اللہ کی پرستش کر کے اس کے نامِ پاک کی توہین وتذلیل کی تھی۔مظاہر کو پوجا تھا اور یہ سجدہ اور جمالِ باکمال پر نظر کیوں نہ کرسکیں گے؟ اس لیے کہ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ۔ دنیا میں انہوں نے اس مادۂ غیبیہ کو جو انسان میں خداوندِ عالم نے ودیعت رکھا ہے اور وہی اس کو اس کا مشتاقِ دیدار اور مطیع بناتا ہے نافرمانی اور سرکشی کر کے ضائع کر دیا تھا۔اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں ان کو سجدے کے لیے اس وقت میں بلایا جاتا تھا کہ وہ سالم تھے ان کی فطرت اور اصلی مادہ میں کوئی نقصان نہیں آیا تھا پھر انہوں نے انکار وسرکشی کی اور رفتہ رفتہ اس کو برباد کر دیا۔آج اس تجلی کے میدان میں سب کو کھڑا کر کے تجلیِ نورانی کا دکھایا جائے گا تاکہ شقی وسعید کا پورا امتیاز ہو جائے۔پھر وہ جو دنیا میں اس کے آگے جھکتے تھے۔سر کے بل اسی کے آگے عاجزی کرتے ہوئے گرتے تھے دل بھی اسی کے آگے جھکے ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں وہ اشتیاق ومحبت کا شعلہ تھا جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ فوراً اس کے آگے سجدہ میں گر پڑیں گے انہیں کہاں تاب رہے گی اور اس کے دیدار فیض آثار سے سرفرازی حاصل کریں گے۔

اس وقت مشتاقانِ جمالِ کبریائی کی عجیب حالت ہوگی اور بدلوگ نہ کرسکیں گے۔ وہ جنت میں یہ جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے۔

ابراہیم تیمی کہتے ہیں یہ معنی کہ وہ اذان وتکبیر کی آوازوں سے بلائے جاتے تھے پر نہ آتے تھے۔ سعید بھی جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حی علی الفلاح سنتے تھے اور نہ آتے تھے۔ کعب احبار کہتے ہیں یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی مگر ان لوگوں کے لیے جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں وہ کفار دنیا میں بلائے جاتے تھے اور وہ امن کی حالت میں تھے پھر آج بلائے جائیں گے اور وہ خائف ہوں گے۔

ابی مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت میں قیامت کا معاملہ مراد نہیں کیونکہ اس روز عبادت وسجدہ نہیں وہاں تو یہیں کے اعمال کا بدلہ ملے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان کے وقتِ اخیر کا معاملہ ہے۔ اس وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اور پہلے تو لوگ اس کو نماز وعبادت کے لیے بلاتے تھے نہیں آتا تھا اب بجز حسرت کے اور کچھ نہیں یا بڑھاپے یا مرض کا واقعہ ہے کہ جوانی اور تندرستی میں جو سلامتی کا وقت تھا خدا تعالیٰ کے آگے نہیں جھکتے تھے، لوگ بلاتے تھے نہیں آتے تھے اور نشے میں چور تھے۔ اب بڑھاپا اور بیماری آئی، خود اس کی طرف جھکنے اور عبادت ونماز ادا کرنے کی قدرت نہیں رہی۔ یہ مراد بھی ممکن ہے مگر یہ کہنا کہ آخرت میں سجدہ نہیں ٹھیک نہیں کس لیے کہ وہاں سجدہ بطور تکلیف کے نہیں مگر بطور امتحان وسرزنش کے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیان میں وہ سخت تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے اور دھمکاتے بھی تھے اس سے آپ کو کمال رنج ان کی بدنصیبی اور سرکشی پر ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے۔ فقال فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث کو چھوڑ مجھے اور اسے جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے یعنی آپ کچھ رنج وفکر نہ کریں میں آپ سمجھ لوں گا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ میں رفتہ رفتہ انہیں ابھی پکڑے لیتا ہوں اس طرح سے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ استدراج، جلدی نہ کرنا، اور اس کے اصلی معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا کہتے ہیں۔ استدرج فلان فلانا ای استخرج ماعندہ قلیلا قلیلا اور اسی سے تدریج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استدراج بندہ کے لیے یہ ہے کہ نعمت پر نعمت، مراد پر مراد ملے جائے اور یہ بدکاری اور ناشکری اور کفر میں پڑا ہوا ہو یہاں تک کہ کشتی بھر جائے، جلد ڈوب جائے، عذابِ الٰہی نازل ہو جائے، یکا یک موت آجائے یا کوئی ایسی مصیبت آئے کہ سر بھی نہ اٹھا سکے، توبہ اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی مہلت بھی نہ ملے۔ یہ ہے کہ عیش ونشاط میں پڑا ہوا مگن ہے اور اپنی بدکاری کے عمدہ پھل سمجھ رہا ہے۔ ادھر مصیبت ہے کہ چپکے چپکے اس کے پاس آن لگی ہے اور اس کمبخت کو خبر بھی نہیں۔ آج کن شادمانیوں کے ساتھ فاحشہ عورتوں کو لیے مے نوشی کررہا ہے، شام کو مر گئے کل اسی وقتِ گور کے تنگ اور اندھیرے گڑھے میں پڑے اعمال کو بھگت رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ کا استدراج جس سے بندہ واقف نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی استدراج ہے کہ انسان کی عمرِ گرانمایہ آناً فاناً کم ہوتی چلی جارہی ہے۔ ہر صبح آفتاب کی جگمگاہٹ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ ہر رات اس کی بہار لیتا ہے مگر یہ خبر نہیں کہ یہ میرے سفر کے منازل ہیں جو بے اختیار طے ہو رہے ہیں۔ پھر یکبارگی منزل پر پہنچ گیا۔ اب آنکھ کھل گئی، رونے پیٹنے لگا مگر اب کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ۔ کہ میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں، میرا داؤ بڑا مضبوط ہے کہ جس سے رستگاری ممکن نہیں اور کیونکر رستگاری ہو سکے جبکہ اس کا داؤ انسان کے جمیع قوائے ادراکیہ کو احاطہ کئے ہو اور بری بات کو بھلی سمجھا ہو۔ جیسا کہ کفارِ مکہ کہ تو ان کو علوم نافعہ بتا رہا ہے اور آبِ حیات پلا رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے مقابلے میں سرکشی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ آپ کی اس سے کوئی غرضِ دنیاوی نہیں۔ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ کہ کیا آپ ان سے کوئی اجر یا مزدوری مانگتے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں جس لیے آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ اور جب آپ سے استفادہ نہیں کرتے تو پھر ان کے پاس غیب ہے یعنی انہیں امورِ غیبیہ احکامِ الٰہیہ ومنافع و

مضرات آخرت کا بطور کشف والہام علم ہے کہ جس کو وہ لکھتے ہیں یا اپنے دلوں کے ورقوں پر لکھے بیٹھے ہیں۔ پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو قطعاً جان لینا چاہیے کہ وہ کید الٰہی میں گرفتار ہیں کہ ان کو کسی طرح فکر و تامل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور کسی طرح ان کے دلوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا اور وہ بہت ہی غمگین تھا۔ اگر اس کے رب کی رحمت اسے نہ سنبھال لیتی تو وہ برے حال سے چٹیل میدان میں پھینکا جاتا پھر اس کو رب نے برگزیدہ کیا سو اس کو نیک بندوں میں شامل کر لیا اور کافر تو آپ کو گھور گھور کر ڈگمگا دینے ہی لگے تھے جبکہ انہوں نے قرآن سنا تھا اور وہ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے اور حالانکہ یہ قرآن تمام دنیا کے لیے صرف نصیحت ہے۔

ترکیب: اذ العامل فیھا معنی قولہ کصاحب الحوت یرید لاتکن کصاحب الحوت حال ندائہ وذلک لانہ فی ذلک الوقت کان مکظوما فکانہ قیل لاتکن مکظوما۔ وھو مکظوم الجملۃ حال من ضمیر نادیٰ وعلیھا یدور النھی لاعلی النداء لانہ امر مستحسن۔ تدارک فعل ماض مذکر حمل علی معنی النعمۃ لان تانیث النعمۃ غیر حقیقی موصوف من ربہ صفۃ والمجموع فاعل تدارک والضمیر فی تدارکہ مفعولہ۔ ھذا قراۃ الجمھور وقریٔ بتشدید الدال تدارکہ وھو مضارع ادغمت التاء فی الدال والاصل تتدارک بتائین وقریٔ تدارکتہ بتاء التانیث لنبذ جواب لولا تقدیر الآیۃ لولا ھذہ النعمۃ لنبذ بالعراء مع وصف المذمومیۃ فلما حصلت ھذہ النعمۃ لم یوجد النبذ بالعراء مع ھذا الوصف لانہ لما فقد ھذا الوصف فقد المجموع وان ھی المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لیزلقونک دلیل علیھا۔ قراء الجمھور بضم الیاء وقراء نافع واھل المدینۃ بفتحھا والاول من ازلق والثانی من زلق ومعناھما واحد وھو التنحی من موضع (لغزش) بابصارھم والباء اما للتعدیۃ واما للسببیۃ لما سمعوا الذکر ولما ظرفیۃ منصوبۃ بیزلقونک وقیل ھی حرف وجوابھا محذوف ای لما سمعوا الذکر کادوا یزلقونک وما ھو الخ الجملۃ مستانفۃ اوفی محل نصب علی الحال من فاعل یقولون ای والحال انہ تذکیر۔

تفسیر: کفار کے طریق کی مذمت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقلال کی تاکید کرتا ہے اور ضمناً ایک نبی کی جلد بازی پر عتاب ہونے کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ فقال فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر کہ انجام ان کفار کا کیا ہوتا ہے۔ ان پر عذاب آنے کے لیے جلدی نہ کر جیسا کہ مچھلی والے نے کی تھی یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے ان کا نام نہ لیا مچھلی والا کہہ کر یہ بتا دیا کہ اس جلد بازی کا نتیجہ مچھلی کے پیٹ میں جانا ہوا۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کا مختصراً تذکرہ کرتا ہے۔ اِذْ نَادٰی وَھُوَ مَكْظُومٌ کہ اس نے اپنے رب کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا، نہایت غم والم کی حالت میں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ

الظّٰلِمِیْنَ کہا (مکظوم مشتق ہے کظم سے جس کے معنی ہیں برتن کے بھر دینے کے کہتے ہیں کظم السقاء اذا ملاہٗ۔ جب رنج وغم سے بھر جاتا ہے تو اس کو بھی کاظم کہتے ہیں اور مکظوم بھی اور اسی طرح غصے سے بھرے ہوئے کو بھی)۔

فائدہ: ان کا قصہ کئی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ شہر نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم پر عذاب آئے گا۔ لوگوں نے یقین کر کے رونا اور توبہ کرنا شروع کیا جس لیے وہ آتا ہوا عذاب ان سے ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو غصہ ہوا کہ میں جھوٹا ہوا اس لیے نینوی شہر چھوڑ کر کہیں کو چل دیے۔ ایک کشتی پر سوار ہوئے، دریا میں ڈالے گئے، مچھلی نے لقمہ کر لیا اس لیے پیٹ میں آپ نے پھر اپنے رب کو پکارا تو مچھلی نے ایک کنارے پر جا کر اگل دیا۔ اللہ نے وہاں کدو کے پتوں سے ان پر سایہ کیا اور پھر ان کو سمجھایا کہ ہم کو اپنی مخلوق پر رحم ہے ہم ایسا جلد انہیں کیونکر ہلاک کر دیتے؟ پھر خدائے پاک میں اور ان میں مصالحت وصفائی ہوئی[1] اور شہر نینوی کی طرف بھیجے گئے۔ اس بات کو مجملاً بیان فرماتا ہے۔ لولا ان تدارکہ۔ کہ اگر رحمتِ الٰہی اس کے لیے دستگیر نہ ہوتی تو میدان میں مچھلی کے پیٹ سے برے حال میں ڈالے جاتے یا وہیں مر جاتے۔ پھر قیامت کے دن میدان میں برے حال میں لائے جاتے مگر اس کو اللہ نے برگزیدہ کر لیا یعنی نواز دیا۔ اس سے درگزر کی اور پھر نینوی کی طرف بھیجا پھر وہ بہت صلاحیت پر آ گیا، وہ تیزی جاتی رہی (ورنہ نیک تو پہلے سے تھے کس لیے) نبی تھے اور اجتباء کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کو نوازا۔ ان کی جلد بازی سے درگزر کیا پھر اسی نبوت کے کام پر بھیجے گئے کس لیے کہ وہ اول سے نبی تھے یہ نہیں کہ بعد میں ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا حال بیان فرما کر پھر آپ کی وہ حالت بیان فرماتے ہیں کہ جو قوم کے ہاتھوں پیش آ رہی تھی اور جس سے آپ کا جلدی کرنا اور یونس علیہ السلام کی طرح دل میں پیچ وتاب لانا ممکن تھا۔ فقال وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ۔ کہ تحقیق نزدیک تر تھا کہ کافر تجھ کو اپنی آنکھوں سے ڈگمگا دیں، صبر واستقلال کے مقام سے کہ ان کی تیز تیز نگاہیں دیکھ کر آپ کو بھی غصہ آ جائے اور مضطرب ہو کر یونس علیہ السلام کی طرح قبل از وقت ان کے لیے دعائے بد کریں اور نزولِ عذاب کے منتظر ہو جائیں اور یہ کب کرتے ہیں۔ لما سمعوا الذکر جبکہ قرآن مجید سنتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ عین نصیحت کے وقت جو سراسر خیر خواہی کا وقت ہوتا ہے، ایسی سخت مخالفت ناصح کو جوش میں لے آتی ہے اور یہ بھی ہے کہ قرآنِ مجید کلام الٰہی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت محبوب تھا اور اپنی برائی سننے سے اس قدر غصہ نہیں آتا جس قدر کہ محبوب کی تحقیر سن کر آتا ہے۔ یہ ان کی ایک بات ہے جو آنکھوں سے متعلق ہے اس پر بس نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی برا بھلا کہتے ہیں۔ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ اور کہتے ہیں تحقیق یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ ہے۔ حالانکہ کوئی جنون اور دیوانگی کی بات آپ میں یا آپ کے کلام میں نہیں پاتے۔ کس لیے کہ جو کلام کہ آپ لوگوں کو سناتے ہیں وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ وہ نہ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کے لیے نافع اور سودمند ہے بلکہ تمام جہان کے لیے۔ کس لیے کہ اس عہد میں تمام جہان بت پرستی وبدکاری کی نجاست میں آلودہ تھا اور قرآن مجید میں تمام نجاستوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اس کے علاوہ مکارمِ اخلاق واصولِ حسنات وارکانِ سعادتِ دارین کے زیور اور لباس سے مزین کرنے والی بھی ہے۔ پھر جب ایک قوم یا ایک شخص کو نصیحت وسعادت سکھانے والے کو مجنون نہیں کہا جاتا تھا تو تمام جہان کے ناصح اور مسلّمِ سعادت کو کیونکر دیوانہ کہہ دیا اور وہ کیونکر دیوانہ ہو سکتا ہے۔

---

[1] معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام خدائے پاک پر کیا غصہ ہوتے اور کون اس سے لڑ جھگڑ سکتا ہے مگر اس کے خاصوں میں اور اس میں محبت کے گلے اور شکایات اور رنج وغصہ بھی ہوا کرتے ہیں اس حالت کا مبدل ہونا باہمی صلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات سے کوئی حضرت یونس علیہ السلام پر طعن نہ کرے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے یونس علیہ السلام پر تفضیل نہ دو اس سے یہی غرض ہے ورنہ آپ کو جمیع انبیاء علیہم السلام پر خدا نے فضیلت دی ہے یہ آپ کی کسرِ نفسی اور دوسرے نبی کی توقیر ہے یہ نہیں کہ اپنے سے تمام اگلے انبیاء علیہم السلام کو چور اور راہزن کہہ دیا جیسا کہ انجیل میں ہے۔ ۱۲ منہ

اکثر مفسرین لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ کے یہ بھی معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ تیز تیز اور غصہ بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتے تھے اور اس سے آپ کو مقامِ صبر واستقلال سے پھسلانا چاہتے تھے اور کلامِ عرب میں اس قسم کی تیز اور غصہ بھری نگاہ کو گرا دینے والی، کھا لینے والی کہتے ہیں۔ مِنْ قولھم نظر الیّ نظرًا یکادیصرعنی ویکادیا کلنی کہتے ہیں۔ ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ مجھے کھا جائے گا یا گرا دے گا۔ ایک شعر میں یہ مضمون آیا ہے۔

یتقارضون اذا التقوا فی موطن
نظر ایزل موطئ الاقدام

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایسے محل پر ایک شعر پڑھا ہے۔

نظروا الی باعین محمّرةٍ
نظر التیوس الی شفار الجاذرٍ

(کبیر)

مگر اہلِ روایت کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کفارِ مکہ نے دیکھا کہ آپ کی نبوت کے ابطال میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بنی اسد کے قبیلے میں سے جو نظرِ بد کے حق میں مشہور تھا ایک شخص کو لائے جو اس قبیلے میں بھی ممتاز تھا اور وہ جب تین روز بھوکا رہ کر کسی چیز کو دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ واہ کیا خوب ہے! تو اس میں فوراً اثر ہو جاتا تھا۔ اس کو بہت کچھ طمع دی اور اس نے تین روز کا فاقہ کیا اور جہاں آپ قرآنِ مجید سنا رہے تھے وہاں گیا اور آپ کو دیکھ کر اسی نیت سے کہا، واہ کیا خوب شکل اور کیا خوب آواز ہے مگر آپ پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اپنا سا منہ لے کر چلا آیا۔ ان آیات میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے۔

اب قابلِ بحث یہ بات ہے کہ آیا دراصل نظر میں کوئی ایسا اثر ہے کہ جس کو دیکھا جائے اس پر کوئی برا اثر پہنچے جس کو اصابۃ العین کہتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں نہیں کس لیے کہ ایک جسم کا اثر دوسرے تک بغیر مماستہ کے پہنچ نہیں سکتا اور نظر میں یہ بات ہوتی نہیں۔ پھر محض توہمِ باطل ہے جس کا اثر متوہم کو محسوس ہوتا ہے اور توہمات کا اثر انسان پر محسوس ہونا بدیہی بات ہے۔ محققین قائل ہیں کہ اثر ہوتا ہے کہ علاوہ مماستہ اجسام کے نفوس میں بھی ایک خاص اثر ہے جس کو دوسرے نفوس قبول کر لیتے ہیں جس کی نظیر عملِ مسمریزم ہے۔ روحانی اثر جسمانی اثر سے بڑے قوی ہوتے ہیں۔ روحِ طیبات کے آثار معجزات و کرامات ہیں۔ ارواحِ خبیثیہ کا اثر ویسا ہی خبیث ہوتا ہے۔ پھر اس اثر کی علت گفتگو ہے کوئی کہتا ہے نظر کرنے والے کی آنکھ میں اجزائے لحمیہ ہوتے ہیں جو شعاعِ بصری کے ساتھ نکل کر مرئی پر برا اثر کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں۔ اب تک کوئی علت معین نہیں ہوئی ہے۔ احادیث سے بھی نظرِ بد کا اثر ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امام بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہیں آیات وان یکاد الخ کا پڑھ کر دم کرنا بہت سریع الاثر علاج ہے۔ اور جس کی نظرِ بد کا اثر پہنچا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء دھلا کر پانی سے مریضِ نظر کو غسل دینا بھی عمدہ علاج ہے۔ کہیں نظر والے کے پاؤں کی مٹی بھی لے کر آگ میں ڈالتے ہیں، کہیں سرخ مرچیں آگ میں جلاتے ہیں۔ ہندوستانی خیالات نے اس کو از حد ترقی دی ہے۔ پھر کہیں نظر کے لیے گنڈا ڈالتے ہیں، کہیں فال کھولتے ہیں، کہیں سیاہ ٹیکے لگاتے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔ جاہل قوموں میں بقدرِ جہل اس کا زیادہ چرچا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاقَّةُ ① مَا الْحَاقَّةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ③ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌ

بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۝٨

ہونے والی، کیا ہی ہے ہونے والی اور آپ کیا جانے کیا ہے ہونے والی (یعنی قیامت)۔ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کو جھٹلایا تھا پھر ثمود تو کڑک سے ہلاک کیے گئے اور عاد تو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو زناٹے کا طوفان تھا۔ وہ ان پر سات رات اور آٹھ دن لگا تار چلا کی۔ (اے مخاطب!) تو اس قوم کو اس حادثہ میں اس طرح پچھڑے ہوئے دیکھ رہا ہے گویا کھجور کے کھوکھلے ٹنڈ پڑے ہیں پھر تو ان میں سے کسی کو بھی بچا ہوا دیکھتا ہے۔

ترکیب: الحاقۃ ای الساعۃ والحالۃ التی یحق فیھا الامور مبتداء ما الحاقۃ خبرھا واصلہ ماھی فوضع الظاہر موضع المضمر للتھویل وما مبتداء ادراک خبرہ ما الحاقۃ الجملۃ فی محل النصب لکونھا مفعولا ثانیا لادراک واما ثمود مبتداء فاھلکو الخ خبرہ طاغیۃ مصدر کالعافیۃ قیل الصیحۃ التی جاوزت الحد وھی صیحۃ جبرئیل وقیل الرجفۃ ای الزلزلۃ صرصر الشدید الصوت لھا صرصرۃ عاتیۃ من العتو فقیل عتت الریح علی الخزان فلم یکن لھم علیھا سبیل وقیل عتت علی عاد فما قدروا علی ردھا بحیلۃ من استناد ببناء او استناد الی جبل وقیل لیس من العتو بمعنی العصیان بل بمعنی بلوغ الشیء وانتہاءہ کما فی قولہ تعالیٰ (وقد بلغت من الکبر عتیا) عاتیۃ ای بالغۃ منتھاھا فی القوۃ والشدۃ سخرھا جملۃ مستانفۃ لبیان کیفیۃ اہلاکھم ویجوز ان تکون صفۃ لریح۔ وان تکون حالا منھا وثمانیۃ ایام معطوف علی سبع لیال وھما منصوبان علی انھما ظرف لسخر حسوما الحسوم جمع حاسم کشھود وقعود والحسم فی اللغۃ القطع بالاستیصال ومنہ الحسام السیف ومعناہ فی الآیۃ التتابع لان تلک الریاح لما کانت متتابعۃ ما سکنت سائۃ کانھا قطعت القوم واستاصلتھم فعلی ھذا القول انتصابہ علی لغت لسبع لیال الخ ای متتابعات وھذا قول الاکثرین۔ وقیل الحسوم مصدر کالشکور والکفور فعلی ھذا انتصابہ اما بفعل مضمر والتقدیر تحسم حسوما واما لکونہ مفعولا لہ ای سخرھا علیھم الاستیصال وقیل حال من الریح ای متاصلۃ وصرعی جمع صریع یعنی موتی ھو حال کانھم الخ حال من القوم او جملۃ مستانفۃ۔ والنخل یذکر ویؤنث۔ ھذا اخبار عن عظم اجسامھم۔

تفسیر: قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ حاقہ اور اس کی مثل اور سورہ پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورۃ نون سے یہ ہے کہ انسان کی بدکرداری و کفر پر جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے جو دراصل اسی کے افعالِ بد کا نتیجہ یا ایک اثر غیر منفک ہوتا ہے اس کی دو قسم ہیں۔ قسم اول: قسم اول کو ابتلاء کہتے ہیں جو محض اس کی سرزنش اور تنبیہ کے لیے ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے کردارِ بد سے باز آ جائے اور اسی کو امتحان و آزمائش بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قحط، وبا، بدامنی، باہمی نفاق و قتال و جدال، جبار بادشاہوں کا تسلط، زلزلہ، ژالہ باری، کثرتِ امراض، طوفانِ ہوا، طوفانِ آب وغیرہ یہ مصیبت ایک حیثیت سے قہر تو دوسری حیثیت سے (کہ یہ زاجر ہے اس کے سبب سے باز آئیں گے) مہر بھی ہے اس لیے اس میں بدوں کے ساتھ نیک بھی پس جاتے ہیں تاکہ نیکوں کو تنبیہ ہو جو امر معروف میں ان سے کوتاہی صادر ہوئی تھی کچھ اس سستی کا خمیازہ یہ بھی تو اٹھائیں یا ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یا رفع درجاتِ اخرویہ کا سلسلہ ہو جائے اور ان کا امتحان بھی ہے کہ ایسی حالت میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔

اب اس کلیہ کو آپ اس کے سینکڑوں امثال پر مطابق کر لیجئے۔ طوفانِ نوح، سدوم وغیرہ بستیوں کی بربادی، بنی اسرائیل پر وبا اور غیر بادشاہوں کا تسلط جس میں سینکڑوں تہ تیغ ہو گئے۔ حضرت دانیال علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی قیدیوں میں بابل پہنچے۔ انہیں نظائر کو قرآنِ مجید نے بار بار بندوں کو یاددلایا ہے کہ ان پر پڑی تھی تم سن کر باز آ جاؤ اور پہلی کتابوں میں بھی ان ہولناک وقائع کو یاددلایا ہے۔

قسم دوم: قسم دوم انتقام جو ابتلاء کے بعد بھی نہ سمجھے۔ اور اس سزا کو حاقہ کہتے ہیں جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور یہ انتقامِ الٰہی اخیر پر ہوتا ہے جہاں نہ توبہ کی مہلت نہ استغفار کی فرصت ملتی ہے اور اس کے بعد دنیا سے رحلت ہو کر عالمِ برزخ کا قیدخانہ ہوتا ہے یا قیامت کا تازیانہ۔ اس میں نیک لوگ شامل نہیں ہوتے ان کو خدائے پاک بہر طور محفوظ ہی رکھتا ہے جو اس کی عدالت کا عین مقتضٰی ہے۔

سورۂ نون میں کفارِ مکہ کو ابتلاء سے ڈرایا گیا تھا اور باغ والوں کا قصہ بھی یاددلایا تھا اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ جو ان کی گستاخی کی سزا تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے جیسا کہ اصحاب الجنۃ کی بدنیتی کی سزا ان کو ملی تھی مگر مکے کے کفار جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی تھی اس ابتلا کو جو سات برس کا قحط تھا اور اور بھی مصائب تھے کب خاطر میں لانے والے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ ایسے ہی سخت دل رہے اور ڈھٹائی سے سخت عذاب آنے کے خواستگار ہوئے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ میں حاقہ عذاب بیان فرماتا ہے جو بیشتر قیامت میں ہوگا اور کبھی غیرتِ الٰہی دنیا میں بھی نازل کر دیتی ہے اور پہلی اُمتوں پر جو دنیا میں حاقہ نازل ہوا اس کی ان کے مسلّمہ واقعات سے نظیر دیتا ہے۔

فقال اَلْحَآقَّةُ مَا الْحَآقَّةُ کیا ہی حاقہ ہے۔ یہ اور اس کے بعد کا جملہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ کہ تو کیا جانے کیا ہے حاقہ؟ حاقہ کی عظمتِ شان کے لیے آیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں زید ما زید کہ زید کیا زید ہے۔ مفسرین کہتے ہیں الحاقہ سے مراد یہاں قیامت ہے۔ پھر اس کے لفظی معنی میں چند اقوال ہیں۔ اوّل حاقہ حق بمعنی ثابت سے ہے پھر حاقہ کے معنی ہیں الساعۃ الواجبۃ الثابتۃ۔ دوم یہ وہ ساعت ہے کہ جس میں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی اور بھی اقوال ہیں۔ وما ادراك میں مخاطب بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر مخاطب۔ وہ حاقہ کی حقیقت سے بے شک واقف نہ تھے اس لیے ما ادراك کہنا بے جا نہیں اور اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب ہوں تو وہ بھی حاقہ کی کنہ نہیں جانتے تھے علم بالکنہ کی نفی ہے نہ علم بالوجہ وبوجہ کی اس لیے آپ کی نسبت بھی ما ادراك کہنا ناروا نہیں۔

فائدہ: یحیٰی بن سلام کہتے ہیں قرآنِ مجید میں جہاں کہیں ما ادراك ماضی کے صیغہ میں آیا ہے آخر اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا ہے اور جہاں کہیں ما یدریك کے صیغہ سے آیا ہے وہاں وہ بات آپ سے بھی مخفی رکھی گئی ہے۔ وفیہ ما فیہ۔

اب اس کے بعد چند نظائر حاقہ کے بیان فرماتا ہے جو اگلی قوموں پر دنیا میں نازل ہوئیں۔ (۱) عاد وثمود کی ہلاکت جو عرب کے ملک میں ہوئی اور وہ ایک متواتر روایت تھی جس کا کوئی عرب انکار نہیں کر سکتا تھا۔ قارعہ کا بیان: فقال كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ کہ قومِ ثمود نے جو عرب کے شمال ومغرب کے حصے میں آباد تھی جن کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے گھر اب تک یادگار ہیں اور اسی طرح ان سے پہلے قومِ عاد نے جو یمن میں رہتے تھے قارعہ یعنی قیامت کو جھٹلایا اگرچہ جھٹلایا تو رسولوں اور ان کی تمام باتوں کو بھی تھا مگر قیامت کی تکذیب ایک ایسا فعلِ بد ہے جو انسان کو دلیر بنا کر تمام اصولِ سعادت سے روک دیتا ہے۔ اس لیے بالخصوص اس کا نام لیا گیا۔ اور قیامت کو قارعہ اس لیے کہا کہ قرع ٹھوکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور قیامت بھی ایک ایسا ہولناک واقعہ ہے کہ دلوں کو اپنی ہول و دہشت سے ہلا دے گا اس لیے اس کی ہولناک حالت یاددلانے کے لیے القارعۃ کے لفظ سے تعبیر کیا اور حاقہ اور قارعہ روس آیات میں ایک وزنِ خاص بھی رکھتے ہیں جو نظمِ قرآنیہ کو اور بھی لطف دے رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القارعہ سے مراد خاص قیامت نہیں بلکہ عموماً زواجر اور گناہوں سے روکنے والی اور دل کو ہلا دینے والی باتیں ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام حضرت صالح وحضرت ہود علیہما السلام نے بیان

فرمائیں تھیں۔

قومِ ثمود کی ہلاکت: دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں۔ ہر چند ان کے انبیاء نے سمجھایا جب نہ مانا تو انتقامِ الٰہی کا وقت آ گیا۔ پھر آگے ہر فرقے کی ہلاکت بیان فرماتا ہے۔ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ کہ قومِ ثمود طاغیۃ سے ہلاک ہوئی۔ **طاغیہ کا بیان:** یہ زلزلہ کی سخت اور حد سے متجاوز آواز تھی جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ انا ارسلنا علیهم صیحة واحدة فکانوا کهشیم المحتظر۔ بعض کہتے ہیں بجلی کی کڑک تھی۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ مصدر ہے جیسا کہ کاذبہ و عاقبہ تب اس کے یہ معنی کہ وہ سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ سے مراد وہ بدنہاد شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور ت مذکر کے لیے بھی آ جاتی ہے جیسا کہ نسابہ ورادیہ میں ہے۔ اگر طاغیہ سے مراد وہ فاحشہ عورت لی جائے جس کے کہنے سے اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں تو اور بھی انسب لیکن قولِ اول قوی ہے۔

فائدہ: ثمود کا واقعہ بہ نسبت عاد کے واقعہ کے زمانے میں قریب تھا اس لیے اول اس کو ذکر کیا کیونکہ قریب زمانے کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ **قومِ عاد کی ہلاکت:** اس کے بعد عاد کے واقعہ کو جو اس سے پہلے گزرا تھا۔ فقال واما عاد فاهلکوا بریح صرصر عاتیة۔ لیکن عاد سو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو صرصر یعنی زناٹے کی تھی اور عاتیة بہت تیز و تند تھی کسی کے بس کی نہ تھی۔ سخرها علیهم سبع لیال وثمانیة ایام حسوما۔ اس کو ان پر سات رات آٹھ دن پے در پے مسلط کیا تھا۔ برابر چلتی رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا، نہ مکان۔ قومِ عاد ہلاک ہو گئی۔ ہوا بدھ کے روز صبح سے شروع ہوئی تھی پھر اگلے بدھ کی شام کو تھمی۔ ان ایام کو عرب عجوز کہتے ہیں۔ سردی بھی سخت تھی۔ اور سردی کا اخیر موسم تھا، عرب میں اس موسم کے یہ نام ہیں، صِن صِنبر وبر، آمر، مؤتمر، معلل، مطفی، الجمر، مکفی، الظعن۔

سخرها کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے مسخر و مسلط کیا تھا اس کو کوئی موسم و کواکب کی تاثیر سے نہ سمجھے کس لیے کہ گمراہ ہر ایک آسمانی چیز کو سبب ظاہری پر منحصر کرتے ہیں۔ ان کی کوتاہ نگاہیں مسبب الاسباب تک نہیں پہنچتیں۔ عاد قوم کے لوگ بڑے قد آور تھے، ہوا کے بعد فتری القوم فیها صرعی ہر ایک لاش میدان میں زخمی ہوئی ایسی بڑی دکھائی دیتی تھی جیسا کہ کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں۔ کانهم اعجاز نخل کھوکھلے ٹھونٹوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کے اندر نور و معرفت کچھ نہ تھا یوں بھی انسان اندر سے مجوف ہوتا ہے اور لمبے بھی تھے اس لیے کھجور کے درختوں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں پوری تشبیہ ہے۔

فهل تری لهم من باقیة۔ پھر آپ کو اے دیکھنے والے! ان میں سے کوئی بھی باقی دکھائی دیا؟ کوئی نہیں سب مر کر رہ گئے۔ لیکن حضرت ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ سب بچ گئے اور حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو پہلے سے خبر دی تھی مگر انہوں نے ٹھٹھوں میں اڑا دیا۔ بڑے مالدار بڑے زور آور تھے۔

عاد و ثمود کے قصے کی پوری شرح مؤرخانہ طور پر ہم سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، وہاں دیکھو۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور الٹی ہوئی بستیوں والے گناہ کے مرتکب ہوئے سو ہر ایک نے اپنے رسول خدا کی نافرمانی کی تھی ان کو خوب ہی پکڑا۔ بے شک ہم نے جب پانی حد سے گزر گیا تھا تم کو کشتی میں سوار کر لیا تھا تا کہ ہم اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور (یہ بات) یاد رکھنے والے کانوں میں پڑی رہے۔

ترکیب: من موصلة قبله قراء الجمهور بفتح القاف وسکون الباء ای ومن تقدمه من الامم وقراء ابوعمرو وعاصم والکسائی بکسر القاف وفتح الباء معناه من جهته وطرفه وعلی الوجهین هوصلة والمجموع معطوف علی فرعون وهو فاعل جاءو۔ المؤتفکات معطوف علیه بالخاطئة مفعول جاء والباء للتعدیة والخاطئة امامصدر کالخطاء واما الفعلة ای بالفعلة الخاطئة رسول ربهم مفعول عصوا ای عصیٰ کل واحد رسول ربه اخذة مفعول مطلق رابیةً صفة من ربا الشیء اذا زاد انا مبتداء حملنا کم خبره فی الجاریة حال من مفعوله اذفی متعلقة بمحذوف لیست بصلة للحمل لما طغا الماء ظرف لحملنا دخلت بین المبتداء وخبره لنجعلها واللام متعلقة بمحذوف ای فعلنا والضمیر المنصوب فی نجعلها للفعلة انجاء المومنین واهلاک الکافرین وهی معلومة وان کانت غیر مذکورة قال الفراء الضمیر للسفینة۔ وتعیها معطوف علی نجعلها ای ولتعیها وهی بکسر العین عند القراء السبعة وقریٔ اسکان العین کما فی فخذ وکبد وانما فعل ذلک لان حرف المضارعة لاینفصل من الفعل فاشبه ماهو من نفس الکلمة وصار کقول من قال هو وهی ومثل ذلک قوله ویتقه فی قرأة من سکن القاف (الکبیر) والوعی ان تحفظ الشیء فی نفسک والایعاء ان تحفظ فی غیرک (البیضاوی)۔

تفسیر..... فرعون اور اس سے پہلے والوں کی ہلاکت: (۲) فرعون کا قصہ۔ (۳) وہ جو اس سے پہلے گزرے ہیں ان کا واقعہ۔ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے فرعون کے عہد تک جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد تھا۔ اس عرصہ میں بھی بہت انبیاء آئے اور ان کی امتوں پر نافرمانی سے بلائیں نازل ہوئیں اور وہ غارت کر دیے گئے۔ ان کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ یامن قبله سے فرعونی لوگ مراد ہیں یعنی فرعون اور اس کے لوگوں کا قصہ کہ وہ اپنی بدکاری کی وجہ سے قلزم میں غرق ہوئے۔ **الٹی ہوئی بستیوں کی ہلاکت:** (۴) موتفکة الٹی ہوئی بستیاں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں پانچ بستیاں جو جھیل مردار کے کنارے پر آباد تھیں۔ سدوم عامورا وغیرہ ان کی بدکاری اور نافرمانی وسرکشی کی وجہ سے الٹی گئی تھیں۔ فرماتا ہے ان سب لوگوں نے جو خطائی گناہوں میں پڑ گئے، پھر سب کے قصے کو مختصر کرتا ہے۔ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ۔ نہ صرف گناہ ہی کیے تھے بلکہ گناہوں کے سبب دل سیاہ ہو گئے تھے۔ جس لیے خداوند تعالیٰ کے رسولوں کی نافرمانی کی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ علی ہذا القیاس اس سے پہلے لوگوں نے یا اس کے بعد لوگوں نے اور سدوم وغیرہ بستیوں کے رہنے والوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی کمی نہ کی۔ فاخذهم اخذة رابیة پھر تو ان سب کو اللہ قادر نے انتقام میں زور سے پکڑا۔ ہر ایک مختلف عذابوں میں مبتلا کر کے غارت کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم بد کو قلزم میں ڈبو یا۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسائے ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔ **قوم نوح کی ہلاکت:** (۵) اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ یہ پانچویں نظیر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہے۔ گرچہ من قبله میں اجمالی طور پر داخل تھی مگر ایک بڑا عبرتناک واقعہ تھا۔ اس واقعہ میں سے صرف ان باقی رہ جانے والوں پر کشتی میں سوار کر لینے کا احسان یاد دلاتا ہے کہ جن کی اولاد نے پھر بدکاری پر بدکاری اور بت پرستی پر بت پرستی کی۔ یہ فرعون اور قوم لوط اور مکے کے کفار کون ہیں انہیں کی اولاد کہ اے سرکشو! جب پانی کی طغیانی ہوئی تو تم کو (تمہارے باپ دادا کو جن کی پشتوں میں تم نالائق نمک حرام تھے) ہم نے کشتی پر اٹھا لیا تا کہ یہ ہمارا فعل آیندہ نسلوں میں یادگار رہے مگر تم بھول گئے اور تا کہ اس کو یاد رکھنے والے کان سنیں۔ تم سنتے ہو مگر تمہارے کان اس کو پھینک دیتے ہیں محفوظ نہیں رکھتے۔ یہاں اجمالی بیان ہر ایک قوم کا کافی تھا اس لیے اسی پر بس کی گئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ

ثَمٰنِيَةٌ ؕ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ۚ
فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ۙ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ
بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ۚ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ۚ
يٰلَيْتَهَا[2] كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ۚ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ۚ هَلَكَ عَنِّىْ
سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ۙ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ۙ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ؕ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ۙ
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ؕ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ۙ
وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ[3] ﴿۳۶﴾ۙ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِــُٔوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

پھر جب صور میں ایک ہی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ دونوں کو اٹھا کر ایک ہی بار پٹک دیا جائے گا تو اس روز ہونے والی ہو پڑے گی (قیامت آجائے گی) اور اس روز آسمان پھٹ کر شکستہ ہو جائیں گے اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آپ کے رب کا تخت اس روز آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے۔ اس دن تم حاضر کئے جاؤ گے تم میں سے کسی کا راز چھپ نہ سکے گا۔ پھر جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا آجی لینا میرا اعمال نامہ تو پڑھنا! میں تو سمجھا ہوا تھا کہ (ایک دن) مجھے میرا حساب ملنا ہے سو وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا بلند بہشت میں کہ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے۔ کہا جائے گا لوچین سے کھاؤ پیو، ان کاموں کے صلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے پھر جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو کہے گا اے کاش میرا اعمال نامہ نہ ملتا اور مجھے اپنے حساب کی کیا خبر تھی۔ ہائے[1] کہیں (موت) فیصلہ کر دینے والی آجائے میرا مال بھی میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت بھی جاتی رہی (حکم ہوگا) اس کو پکڑو پھر اس کو طوق پہناؤ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈالو پھر اس کو ستر گز کی زنجیر میں جکڑ دو کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور نہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی رغبت دلاتا تھا۔ پھر اس کا بھی آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ کھانا ہے مگر زخموں کا دھوون جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔

ترکیب : نفخة واحدة بالرفع علی انها مفعول مالم یسم فاعله من نفخ المجهول وانما حسن تذکیر الفعل للفصل اوان التانیث غیر حقیقی وقری بالنصب ان فی الصور مفعول مالم یسم فاعله ثم نصب نفخة علی انها مفعول مطلق واحدة تاکید لها۔ وحملت الارض الخ بالتخفیف وقری

۱ والقطوف قطف وهو المقطوع ای الثمر ما اسلفتم ای قدمتم من اعمالکم الصالحة الاسلاف تقدیم ما ترجو ان یعود علیک بخیر فهو کالاقراض ومنه یقال اسلف فی کذا اذا اقدم فیه ماله ذرعها الخ صفة لسلسلة

۲ یالیتها الضمیر یعود الی الموتة الاولی فانها کالمذکور او الی الحالة التی شاهدها یالیت هذه الحالة کانت الموتة التی قضیت علی ۱۲ منه

۳ غسلین فعلین من الغسل هو ما یسیل من الجروح بعد الغسل من صدید قیح دوم ۱۲ منه

مشددواعطف علی نفخ فدکتا ای جملۃ الارض وجملۃ الجبال من الدک (کوفتن وریزہ کردن وہموار کردن صراح) والدک ابلغ من الدق۔ ناقۃ وکاء لاسنام لھاومنہ الدکۃ بالفتح (چبوترہ) والدکان بالضم دکۃ واحدۃ قال الفراء لایجوزھنا الا النصب لارتفاع الضمیر فی دکتا ولم یقل فدککن لانہ جعل الجبال کالواحدۃ والارض کالواحدۃ کما قال ان السمٰوات والارض کانتارتقاولم یقل کن۔ فیومئذ ظرف لوقعت وانشقت معطوف علٰی وقعت یومئذ ظرف لواہیۃ فیومئذ ومابعدھا جواب اذانفخ قال الزجاج یقال لکل ماضعف جداً ھی فھو واہ ارجائھا ای اطرافھاد جوانبھا جمع رجی مقصود یقال رجاورجوان والجمع الارجاء ثمانیۃ بالرفع علی انہ فاعل یحمل فوقھم ای فوق الملائکۃ الذین علی الارجاء وقیل ان الحملۃ یحملون العرش فوق رؤسھم والضمیر قبل الذکر جائز کقولہ۔ فی بیتہ یؤتی الحکم۔ فوقھم ویومئذ منصوبان بیحمل علی انھما ظرفان لہ ھاءم من اسماء الفعل۔ ھا بمعنی خذ یقال ہاء یافتی ومعناہ تناول ویفتحون الھمزۃ للذکر کالکاف فی ہاک ویقال للاثنین ھاءما للجمع ھاءوا وھاءم والمیم فی ھذہ الموضع کالمیم فی انتما وانتم والضمہ فی ھاءم انماھی ضمۃ میم الجمع ویقال للانثی ھاء یاامرۃ وھاءما یاامرءتان وھاؤن یانسوۃ مفعول ھاءم محذوف وکتابیہ مفعول اقراء والانہ اقرب العاملین ولانہ لوکان مفعول ہاءم لقیل اقراءوہ اذ الاولٰی اضمارہ حیث امکن والھاء فی کتابیہ وحسابیہ ومالیہ ھی ھاء السکت وحق ھذہ الھا آت ان تثبت فی الوقف وتسقط فی الوصل ولما کانت مثبتۃ فی الام ای مصحف عثمان رضی اللہ عنہ استحبوا الوقف علیھا وقرء ابن حصین باسکان الیاء بغیر ہاء وقرء جماعۃ باثبات الھاء فی الوصل والوقف جمیعا الاتباع المصحف۔

تفسیر: دنیاوی حاقہ کے نظائر بیان فرما کر ایک سخت حاقہ کا ذکر کرتا ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا۔ پھر اس کی تمام کیفیت ہولناک بیان فرماتا ہے کہ صور پھونکا جائے گا۔ ایک ہی بار کے پھونکنے میں اول زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر اس کے بعد علویات فنا ہوں گے، آسمان پھٹ جائیں گے اور فرشتے جو آسمانوں میں سے تھے نکل کر اس کے کناروں پر آ جائیں گے۔ اس طرح کہ جب کوئی مکان گرتا ہو تو اس کے رہنے والے چھوڑ کر اس کے گرد ہو جاتے ہیں اس کے بعد جبکہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی الا ماشاء اللہ تو بار دیگر صور پھنکے گا جس کی کیفیت سورۂ زمر میں بیان ہوئی تو تمام چیزیں بار دیگر پیدا ہوں گی، مردے زندہ ہوں گے، عدالت کے لیے تختِ رب العالمین لا کر رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے (اور ہر ایک کے ساتھ ہزاروں کی جماعت ہوگی) پھر بنی آدم خدا تعالیٰ کے حضور میں لائے جائیں گے، کوئی شخص مخفی نہ رہ سکے گا نہ کوئی بات اس سے مخفی رہے گی۔ پھر جس کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا جو نیک ہونے کی علامت ہے تو وہ خوشی میں آ کر لوگوں سے یا خدا کی طرف سے نامۂ اعمال دیکھنے والوں کو کہے گا۔ لو میرا نامۂ اعمال دیکھو اور میں پہلے سے سمجھا ہوا تھا کہ حساب لیا جائے گا اس لیے دنیا میں نیک کام کرتا اور بدیوں سے بچتا رہا۔ پھر وہ عمدہ عیش میں ہوگا۔ یعنی حیاتِ جاودانی عطا ہوگی اور سعادتِ باقیہ ملے گی، بلند یا بیش قیمت باغوں میں رہے گا جس کے میوے جھکے ہوں گے یعنی پختہ کس لیے کہ پختگی پر میوے جھکے جاتے ہیں یا اس کے لیے قریب ہوں گے توڑنے میں دقت نہ ہوگی۔ ہاتھ بڑھایا اور توڑ لیا، ان کو سنا دیا جائے گا، کھاؤ پیو، مزے کرو۔ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم نے کئے تھے اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ افسوس وحسرت سے کہے گا کیا ہوتا جو میرا اعمال نامہ مجھے نہ ملتا اور میرا حساب مجھے نہ بتلایا جاتا پھر وہاں کی سختی اور عذاب اور طرح طرح کی رسوائی دیکھ کر موت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں مر جاؤں تو اس بلا سے چھوٹ جاؤں مگر وہاں پھر موت کہاں؟ وہاں دنیا کی نعمتیں یاد کر کے روئے گا کہ آج میرا مال کچھ کام نہیں آیا نہ کوئی رشوت لیتا ہے نہ مالدار سمجھ کر لحاظ وعزت کرتا ہے یا یہ کہ دنیا میں نیک کاموں میں صرف کرتا تو یہاں کام آتا جیسا کہ اوروں کے کام آ رہا ہے اس کے بدلے میں اس کی سزائیں کم ہو رہی ہیں، اجر مل رہے ہیں اور نہ آج میری عزت وحشمت وشوکت کچھ کام آئی۔ یہاں بادشاہ وفقیر دونوں برابر ہیں نہ کوئی خاندان کو پوچھتا ہے نہ حسب ونسب دریافت کرتا ہے یا یہ کہ میری حجت ودلیل باطل ہوگئی جو دنیا میں باطل مذہب اور بیہودہ باتوں کے برحق ثابت کرنے میں کیا کرتا تھا اور بڑی زبان چلایا کرتا تھا۔ پھر اس کے لیے حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں

طوق پہناؤ (وہ اس کے اعمالِ بد ہوں گے) اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو اور ستر گز کی زنجیر میں جکڑ دو یہ اس لیے کہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا نہ اس کے اعمال اچھے تھے، مالی عبادت سے بھی دور تھا کس لیے کہ فقراء کو آپ کھلانا تو در کنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا تھا۔ یہ آیات کا خلاصہ مطلب تھا۔ اب ان کے متعلق کچھ فوائد ہیں جو خالی از لطف نہ ہوں گے۔ وہی ہذہ۔

فائدہ (۱): پہلے نفخہ پر تمام عالم خراب و برباد ہو جائے گا اس کے بعد جب بار دگر نفخہ صور ہوگا اور ہر چیز بار دگر زندہ ہو گی تب عدالت کے لیے لوگ خدائے پاک کے روبرو لائے جائیں گے حالانکہ آیت میں وانشقت السماء کے بعد عرش اٹھانے کا ذکر کر کے کہہ دیا آج کے روز پیش کیے جاؤ گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یومئذ تعرضون سے مراد وہی دن نہیں کہ جس روز خراب عالم کے لیے نفخہ صور ہوگا بلکہ اور دن، یا یوں کہو یوم سے مراد زمانہ ہے، جس میں نفخہ اولیٰ و ثانیہ وصعقہ ونشور وحساب ووقوف سب کچھ ہوگا۔ یوم زمانہ اور وقت کے لیے کلامِ عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔

فائدہ (۲): وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآىِٕهَا ملک سے ایک فرشتہ مراد نہیں بلکہ جنس۔ یہ عالم کے برباد ہونے کی کسی گھر کے برباد ہونے سے تمثیل ہے کہ جب وہ گھر گرنے کو ہوتا ہے تو وہاں کے لوگ نکل کر باہر کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں گو بعد میں وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور جو ہلاک نہ مانے جائیں تو بھی ممکن ہے کس لیے کہ ایک جگہ آیا ہے الا من شاء اللہ پس ممکن ہے کہ ملائکہ مستثنیٰ ہوں۔

فائدہ (۳): وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ایسا ہی مضمون سورۂ زمر کی اس آیت میں ہے۔ وتری الملائکۃ حافین من حول العرش۔ اب کلام یہ ہے کہ تختِ رب العالمین کے سر پر اٹھانے سے کیا مطلب؟ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک تمثیل ہے لوگوں کے سمجھانے کے لیے۔ دنیا میں بادشاہوں کے دربار اور ان کے تختِ عدالت سے کہ جس کو خدام کی جماعت عزت واحترام سے دربار میں لا کر رکھتے ہیں تاکہ وہ اس پر بیٹھ کر عدالت کرے۔

بعض علماء اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک کوئی تاویل اور توجیہ آیات واحادیث میں جائز نہیں ہر ایک کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا دراصل قرآن واحادیث کا ماننا کہتے ہیں۔ اگرچہ خوش اعتقادی کا یہی مقتضا ہے مگر جب اسلوبِ کلام میں غور کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قرآنِ مجید اعلیٰ درجہ کی بلاغت وفصاحت کے قوالب میں ڈھلا ہوا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا ہوگا کہ بلغا کے کلام میں مجاز، استعارہ، تمثیل وتشبیہ، بہت کچھ ہوتا ہے۔ محاوراتِ زبان اور عرف کا بہت خیال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ سب باتیں موجود ہیں پھر جس طرح معتزلہ کا یہ قول تفریط ہے کہ مہما امکن حقیقی معنی ہونے پر بھی وہ تاویل کرتے ہیں اور اس طرح کی تاویلات کا دروازہ کھولنا متکلم کی مراد کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ انہیں کی تقلید سے آج کل کے تعلیم یافتہ قرآن کو خیالاتِ مغربیہ پر تاویلات کے ذریعہ سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اسی کو مغزِ سخن تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کی لیاقتِ سخن فہمی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بالکل تاویل وتوجیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز، تمثیل کا دروازہ بند کر کے ظاہری معنی پر محمول کرنا سخت افراط ہے جو کلام کو مہمل اور بے نمک بلکہ غلط بنا دینے کا پورا ذریعہ ہے۔ اب اپنے قاعدے کے موافق ہر فریق قرآنِ مجید کے ایسے مواقع میں تفسیر کرتا ہے مگر حق وہی بات ہے کہ جس کو اہلِ سنت والجماعت کے علماء ربانیین اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہ کہ جہاں تک ظاہری معنی مراد لیے جا سکتے ہوں تو کلام کو ضرور حقیقی معنی پر محمول کرنا چاہیے اور جہاں تعذر ہو خواہ عقلِ سلیم کے فتویٰ سے خواہ اصولِ اسلامیہ ودیگر آیات واحادیثِ صریحہ کی وجہ سے تو وہاں ضرور مجاز پر محمول کرنا پڑے گا مگر مجازی معنی کی زمام بھی ہر ایک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ علماءِ راسخین کے۔

آیاتِ مذکورہ میں معتزلہ تاویل کرتے ہیں کہ عرش وکرسی کے معنی مجازی مراد ہیں۔ تسلط وحکومت وغیرہ اور فرشتوں کے سر پر اٹھانے سے مراد ان کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہے۔ اہلِ سنت میں سے بیضاوی وغیرہ علماءِ کلام فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے کس لیے کہ خدائے

پاک مجسم نہیں جو کسی تخت پر بیٹھے یا اس کے لیے کوئی جگہ معین کی جائے۔ یہ چیزیں اس کے لیے حدوث اور نقصان کا باعث ہیں۔اسی طرح صوفیہ کرام بھی ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ پھر ان میں سے کسی نے کہا کہ عرش مجید صورتِ جہانداری حق سبحانہ تعالیٰ کی ہے یعنی اس کی جہانداری اور بادشاہت کو عرش سے تعبیر کیا ہے اور قیامت میں وہ بصورتِ عرش یعنی تختِ شاہی ظہور کرے گی اور اس کی جہانداری دنیا میں چار صفت سے ہے کہ موجودات میں کوئی ذرہ بھی ان سے خالی نہیں وہ سب کو محیط ہیں۔ اول علم، دوم قدرت، سوم ارادہ، چہارم حکمت، آخرت میں ان چاروں صفتوں کے ساتھ چار صفات اور زیادہ ہوں گی تا کہ دونوں جہانداریوں میں امتیازِ کلی ہو جائے اور وہ چار یہ ہیں۔

اول ظہور و انکشاف تام کہ اس عالم میں ہر چیز کی اصل حقیقت ہر ایک پر واضح ہو جائے گی۔ دھوکا اور شبہ اور غلطی نہ رہے گی وہاں جاہل و عالم کافر و مومن سب پر حقائق خفیہ برابر ظہور ہوں گے۔ اس بات پر قرآنِ مجید میں بھی کئی ایک جگہ اشارہ ہے۔ ازانجملہ یوم تبلی السرائر و اسمع بهم وابصر یوم یاتوننا فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔ دوم کمالِ بلوغ کہ ہر چیز مرتبۂ نقصان سے اپنے موافق مرتبۂ کمال پر پہنچ جائے گی۔ استعداد و قابلیت کا مرتبہ فعلیت پر آ جائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں لنگڑے لولے، اندھے، زخمی بیمار مرے تھے صحیح و سالم اٹھیں گے اور اسی طرح قوائے باطنیہ کا حال ہوگا۔ خلود و بقائے غیر متناہی بھی اسی صفت کی وجہ سے ہوگی جس کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ ان الدار الآخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون۔ سوم تقدس کہ کدورات والواث سے ہر شے دور ہو جائے گی کس لیے کہ عالمِ حدثی کا چھلکا دور ہو کر عالمِ باقی و صافی کا جوہر نکل آئے گا۔ چہارم صفتِ عدل و ابقائے حق کہ جس کے سبب پورا پورا انصاف ہوگا۔ ہر ایک کو اسی کے پیمانے سے تول کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس عالم میں جہانداری کے ساتھ جس کو عرش کہا گیا یہ چار صفات اور مل گئیں تو گرانی اور وزن بڑھ گیا اور اس عرشِ معنوی کو عرشِ صوری کے ساتھ ایک خاص مشابہت ہے۔ دنیا میں یہ عرشِ جہانداری چار فرشتوں پر تھا جو ان چار صفتوں کے مظاہر تھے آخرت میں اس گرانباری کی وجہ سے چار اور بڑھائے جائیں گے جو ان چار صفتوں کے مظاہر ہوں گے۔ یہ معنی ہیں قیامت میں آٹھ فرشتوں کے تختِ رب العالمین اٹھانے کے۔

بعض فرماتے ہیں عرشِ رب العالمین سے مراد انسان کا قلب ہے آج اس کو چار صفات اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت میں آٹھ اٹھائیں گی اور اٹھانا عبارت ہے ان صفات کے استیلاء سے۔ پھر ان صفات میں کلام طویل ہے۔

فائدہ (۴): عرش ربك سے وہ عرش مراد ہے جس کو سب آسمانوں کے اوپر کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہی عرش قیامت میں دربارِ عدالت کے لیے لا کر رکھا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں وہ اور ہوگا۔

قریب الفہم وہی قول ہے جو بیضاوی نے فرمایا ہے کس لیے کہ انسان اس عالمِ ناسوت میں کسی معنی کو صور و اشکال سے مجرد کر کے بمشکل سمجھتا ہے اور ہر ایک معنی کی اپنے مشاہد صور میں تصویر کھینچتا ہے۔ اب صرف فرمانا تو یہ مقصود تھا کہ قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے عدالت کرے گا اور خیالِ انسانی اس عدالت کی تصویر تمام شاہانہ تجملات میں کھینچتا ہے کہ تخت ہوگا اور اس کے گرد ایسے خدام و سپاہ ہوں گے جیسا کہ اولوالعزم شاہوں کے دربار میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسانی ادراک سے بھی بہت دور تر ہے۔ اس کے دربار اور اس کی عدالت کی اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے نہ الفاظ ہیں اور نہ اذہانِ انسانیہ تیار ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اس کے مشابہ تصویر میں بیان فرمانا پورا اظہار ہے اس لیے تخت لایا جانا اور تخت پر جلوس فرمانا اور تخت کے اردگرد ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور مجرموں اور نیکوں کا پیش ہونا اور اپنے ایمان اور نیک اعمال کی جزا اور کفر و بدکاری کی سزا حیاتِ جاودانی یا رنج و عذابِ دائمی پانا اور ان کا مسرت کرنا اور ان کا حسرت و افسوس کرنا ایک سچے واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے۔ نہ محض ترغیب و ترہیب ہے جیسا کہ کوڑھ مغز اور تنگ دماغ خیال کرتے ہیں۔

فائدہ (۵): یومئذ تعرضون سے لے کر اخیر تک اس عدالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب حاضر ہوں گے کوئی بات مخفی نہ رہے

گی۔ پھر آگے جزاء وسزا کی تشریح کرتا ہے کہ جس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال جو دنیا میں کراماً کاتبین نے اس کے نامۂ اعمال کا روزنامچہ لکھا تھا اور وہ ایک عالمِ غیب کا فوٹو ہے ہماری قلموں اور ہمارے کاغذوں کا لکھا ہوا دفتر نہیں) اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ خوش ہوگا اور جس کے بائیں ہاتھ میں دی گئی وہ روئے پیٹے گا، داہنا ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اقویٰ سے جو عقل ونور وغلبۂ ایمان کی جانب ہے اور بایاں ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اضعفِ نفسانی حیوانی کی طرف۔

فائدہ (۶) ھنیئاً ہنا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو بے مشقت ملے (قاموس) ہن، گوارا شدن طعام وشراب ہنی گوارندہ ھنیئاً منصوب ہے یا اس لیے کہ مفعولِ مطلق کی صفت ہے ای اکلاوشر باہنیاً یا صفت ہے مصدر کے قائم مقام کی گئی ہے اے ہنئتم ہنیاً ہنی بروزن فعیل والمصدر ہن۔ اس کے بعد جہنمیوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کے لیے فرشتوں کو حکم ہوگا خذوہ کہ اس کو پکڑ وقہر وعذاب میں فغلوہ پھر اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باندھو غل بالضم گردن بند جمعہ اغلال۔ صراح۔ یہ اس لیے کہ اس نے دنیا میں فراخ دستی کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کیا تھا اور کارِ خیر میں ہاتھ نہ کھولے تھے۔ ثم پھر حکم ہوگا الجحیم صلوہ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈال دو یعنی باندھ کر ڈالو کہ ہاتھ پاؤں نہ مار سکے۔ ثم پھر حکم ہوگا فاسلکوہ کہ ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو کہ پڑا پڑا جگہ سے ہلنے بھی نہ پائے بعض علماء کہتے ہیں ستر گز سے تعداد مقصود نہیں بلکہ طول مراد ہے جیسا في سلسلة ذر عها سبعون ذراعا جیسا کہ اس آیت میں ان تستغفرلهم سبعين مرة مراد مرات کثیرہ ہیں۔ لمبی زنجیر اشارہ ہے اس کے حرص وہوا وطولِ املِ دنیا کی طرف کہ بڑی بڑی لمبی زنجیروں میں دنیا کی بندھا ہوا تھا جن کا اس کے خیال میں کہیں سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ یوں ہوگا اور یوں ہوگا۔ اس میں خدا تعالیٰ سے غافل رہا کہ موت آگئی۔ جس کو وہاں کی زنجیر سے بچنا ہو یہاں کی زنجیر سے نکلے۔ شہوات ولذات کی لمبی زنجیریں اس کو جکڑے ہوئے ہیں اور طوق بھی گلے میں بدکاری اور اخلاقِ رذیلہ کے پڑے ہوئے ہیں اور شہوت وحرص کی دہکتی آگ میں ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ مردانِ خدا ہی ان بیڑیوں اور اس آگ سے نکل بھاگے ہیں دنیا کے کاروبار کرتے ہیں، بیاہ شادی کرتے ہیں مگر دل نہیں لگاتے۔ لیکن بقدرِ ضرورت۔ پھر آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان فرماتا ہے کہ جس کے سبب وہ آج اس جرم میں گرفتار ہوئے فقال انه كان کہ تسلسلِ حوادث کا قائل تھا اور اسباب کی زنجیروں میں بند تھا۔ ہر حادثہ کو اس کے سبب کی طرف منسوب کرتا تھا۔ مسبب الاسباب تک نظر نہیں پہنچتی تھی اس لیے لایؤمن بالله العظيم وہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ یہ اشارہ ہے کہ اس کی قوتِ نظریہ باطل ہو چکی تھی۔ وہ احمق ان پتلیوں کو آپ سے حرکت کرنے والا سمجھا ہوا تھا۔ یہ نہیں جانتا کہ پسِ پردہ کوئی اور حرکت دے رہا ہے۔ ایک خدائے بزرگ برتر کو چھوڑ کر سینکڑوں اسباب کی طرف دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور اپنی طمع اور خام خیالی سے بہت چیزوں کو قضاء وقدر کا مالک ومختار جان کر ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔ الغرض یہ کافر مشرک تھا توحید وایمان کی روشنی نصیب نہ تھی اس کے سوا قوتِ عملیہ بھی باطل ہو گئی تھی۔ ولا يحض على طعام المسكين کس لیے کہ عملی کاموں میں عبادت کے بعد نفعِ خلائق اعلیٰ درجہ کی نیکوکاری ہے۔ پھر یہ بدبخت خدائے بزرگ پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا تھا کہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کھانا کھلانے کا بدلہ دنیا اور آخرت میں خدا پاک دے گا اس کی رضامندی ہمارے لیے کام آئے گی۔ پھر آپ مسکین غریب کو روپیہ پیسہ دینا کپڑا پہنانا، راحت پہنچانا تو درکنار معمولی کھانا بھی نہیں دیتا تھا اور دینا تو درکنار اوروں کو بھی اس طرف رغبت نہیں دلاتا تھا بلکہ اس کام کو عبث اور فضول جانتا تھا۔ کبھی یہ حیلہ کرتا تھا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، کبھی یہ کہ ان کا ہمارے اوپر کیا حق ہے۔ اور ان لوگوں کو دینا بے ہمتی، بے غیرتی، گداگری سکھانا ہے۔ یہ گفتگو ان درماندوں کے حق میں کہ جو دراصل قابلِ ترحم ہیں محض بخل اور اندرونی خباثت پر مبنی ہے۔

ایسی تنگی اور مصیبت کے ٹالنے یا کم کرنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ تسلی دلاسا دینے والا اور چارہ گری کرنے والا ہو۔ دوم یہ کہ ایسی درماندگی کے وقت کھانا کھلایا جائے اور اسی لیے اہلِ مصیبت کے ساتھ تعزیت میں یہ دونوں باتیں برتی جاتی ہیں۔ تسلی دلاسا بھی

دلایا جاتا ہے، کھانا بھی کھلایا جاتا ہے سو اس کے لیے یہ دونوں نہ ہوں گے۔ فلیس له الیوم ههنا حمیم کہ آج اس کا یہاں کوئی دوست حمایتی نہ ہوگا جو اس کو چھڑا وے۔ یہ اس لیے کہ بڑا حمایت کرنے والا اللہ ہے اور اس کی حمایت کا پرتو دوسرے حامیوں کے دلوں پر پڑتا ہے جو حمایت پر کمر باندھتے ہیں سو اللہ پر تو اس کا ایمان ہی نہ تھا اس سے بگاڑ رکھی تھی۔ ولا طعام اور نہ کھانا ہے کس لیے کہ دنیا میں یہ کسی کو نہیں کھلاتا تھا۔ الامن غسلین ہاں وہ جو لوگوں کے دل دکھاتا تھا اب ان زخمیوں کا دھوون ضرور پینے کو ملے گا جو خطا کاروں کا کھانا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۵

پھر جس کو تم دیکھتے ہو اور جس کو تم نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کے قول کا کلام ہے اور نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم یقین کرتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اگر محمد (ﷺ) ہم پر کوئی بات بھی بنا کر کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو روکنے والا بھی نہ تھا اور بے شک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض تم میں سے جھٹلانے والے ہیں اور بے شک قرآن کافروں کے لیے حسرت اور یہ یقین کرنے کے قابل ہے۔ پس اپنے رب کے نام کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو جو بلند شان ہے۔

ترکیب: فلا اقسم قیل لا مزیدۃ او فلا رد لانکارھم البعث ثم اقسم وقیل نافیۃ للقسم کانہ قال لا اقسم علی ان القرآن قول رسول کریم لظہور الامر واستغنائہ عن التحقیق بالقسم انه لقول الخ جواب القسم مؤکد بان واللام والاسمیۃ۔ وما ھو الخ الجملۃ تاکید لقولہ انه لقول رسول كريم قليلا ما زائدۃ للتاکید ولا بقول کاھن عطف علیٰ قولہ بقول شاعر۔ تنزیل خبر مبتدء ھو تنزیل تقول قرء الجمھور مبنیا للفاعل والتقول تکلف القول والافتراء والاقاویل جمع اقوال جمع قول کالابابیت جمع ابیات جمع بیت والاقوال المفتراۃ اقاویل تحقیر الھا لاخذنا جواب لو حاجزین وصف لاحد فانہ عام لکونہ نکرۃ واقعۃ فی سیاق النفی۔ حق الیقین من اضافۃ الصفۃ للموصوف ای للیقین الحق وقیل ھو کقولک محض الیقین۔

تفسیر: یہاں تک امور حاقہ کا بیان شواہد اور اخیر حاقہ قیامت کا مفصل بیان تھا کہ اس طرح سے ہوگی اور اس کے بعد نیکوں کی یہ حالت اور بدوں کی یہ صورت ہوگی۔ اس بیان میں دو مسئلہ ثابت کئے گئے، توحید باری تعالیٰ کہ اس کی نافرمانی کی سزا کوئی دوسرا روک نہیں سکتا۔ عاد و ثمود ونوح علیہ السلام کی قوموں پر جو کچھ حوادث آئے، دنیا نے آنکھ سے دیکھے، محفوظ کانوں سے سن کر یاد رکھے۔ یہ اس کی توحید کی پوری دلیل ہے۔ کس لیے کہ اگر کوئی دوسرا بھی اس کا شریک ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور اسی لیے وہ اس کی پرستش کرتے تھے تو ایسے مواقع پر ان

کی مدد کرتا، عذاب الٰہی کو ٹال دیتا۔ دوسرا مسئلہ معاد کا' قیامت برپا ہوگی اور وہاں یہ ہوگا۔ اس کے بعد اب تیسرے مسئلہ نبوت کو ثابت کرتا ہے جس پر دونوں مسئلوں کی بنیاد ہے۔ کس لیے کہ پچھلے واقعات گو محسوس تھے مگر ان کو جاہل اسباب پر مبنی کرتے تھے۔ اس کے بعد قیامت کا واقعہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہے اب زیادہ دارومدار نقل پر رہا ہے اس لیے نقل کا استحکام ضرور ہوا۔ فقال فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ کہ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی کہ جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ مفسرین نے اسباب میں متعدد اقوال بیان فرمائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں بماتبصرون سے مراد عالم شہادۃ محسوسات' آسمان و زمین وغیرہ اور مالاتبصرون سے عالم روحانیات و عالم جن وملائکہ۔ اب دونوں کو ملا کر سب چیزیں آگئیں، خالق و مخلوق دنیا و آخرت اجسام و ارواح انس وجن نعمایہ ظاہر یہ و باطنیہ۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد واقعات گزشتہ کہ جن کے آثار اب تک تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ومالا تبصرون سے مراد قیامت کا واقعہ جو نظروں سے غائب ہے۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کفار کے سامنے تھے اور مالاتبصرون سے مراد جبرئیل علیہ السلام جو ان کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ قرآن شریف کے آنے میں یہی دو واسطے ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھا کر جو اللہ کے نزدیک محترم تھے۔ یہ بیان فرماتا ہے انه لقول رسول کریم۔ بعض مفسرین کہتے ہیں فلا اقسم میں لانفی کے لیے ہے حق سبحانہ' فرماتا ہے کہ مجھے ان چیزوں کی قسم کھانے کی حاجت نہیں کس لیے کہ بات ظاہر ہے وہ کیا کہ انه لقول الخ کہ یہ قرآن کریم کا قول ہے۔ رسول کریم سے یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو کافر شاعر و کاہن کہتے تھے نہ جبرئیل۔ کس لیے کہ ان کی نسبت وہ یہ نہیں کہتے تھے البتہ سورہ اذا الشمس کورت میں انه لقول رسول کریم سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ کس لیے کہ اس کے بعد ہے وماھو بقول شیطان رجیم کا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ملک کریم کا کلام ہے نہ شیطان رجیم کا۔ اسی طرح اس جگہ فرماتا ہے وماھو بقول شاعر کہ یہ شاعر کا کلام نہیں جیسا کہ ابوجہل کہتا ہے۔ کس لیے کہ اول تو شعراء کو وزن و بحر لازم ہے اور قرآن مجید میں یہ بات نہیں۔ دوم شعراء تخیلات بے اصل مبالغہ کو دخل دیتے ہیں قرآن مجید میں یہ بالکل نہیں بلکہ قرآن میں حقائق و معارف بدلائل ثابت کئے گئے ہیں۔ دونوں کلاموں میں بدیہی فرق ہے لیکن قلیلا ما تؤمنون تم بہت کم مانتے ہو محض ہٹ دھرمی کر رہے ہو۔ ولا بقول کاھن اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا کہ عقبہ کہتا ہے۔

کاہن عرب میں اس کو کہتے تھے جو جن اور چڑیلوں کی نذر و نیاز کیا کرتے تھے اور کبھی ارواحِ خبیثہ ان پر مسلط ہو کر عالم محسوس کے واقعات مقفی اور مسجع عبارت میں بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں مسافر فلاں منزل پر ہے، اس وقت یہ کر رہا ہے یا فلاں شخص کا مال چور چرا کر فلاں جگہ لے گیا ہے۔ وغیر ذلک جیسا کہ ہندوستان میں بعض لوگ بھتنیوں وغیرہ کے زور سے ایسی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ کوئی شیخ سدو سے پوچھا کرتا ہے کسی کے سر پر میراں آتے ہیں، کسی کے زین خان، کسی کے بھیروں، کسی کے ہنومان۔

قرآنِ مجید میں اور ایسے کلام میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول تو ایسے لوگ مکارم اخلاق و اصلاحِ معاش و معاد کے قوانین کی تعلیم کیا جانیں' نہ ان کو عالم آخرۃ کے احوال سے خبر' نہ واقعاتِ گزشتہ کی صحیح صحیح خبر نہ روح کو منور کرنے والے علوم، نہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں یہ سب باتیں ہیں۔ دوم وہ بھوت و جن اپنی نذر و نیاز کی تاکید کرتے ہیں اور جو نہیں مانتا اس پر خفا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے قرآنِ مجید میں ان باتوں کی برائی اور بت پرستی اور ان خبائث کی مذمت ہے۔ پھر کیا یہ خبائث اپنی برائی آپ کرتے ہیں! ذرا غور کرو لیکن قلیلا ماتذکرون۔ تم کم غور کرتے ہو، بہت کم سمجھتے ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کم ایمان لاتے ہو، کم سمجھتے ہو کے معنی ہیں کہ بالکل نہیں لاتے، بالکل نہیں سمجھتے کس لیے کہ محاورہ ہے جب کوئی نہیں آتا تو اس کو کہتے ہیں تم کم آتے ہو۔ اسی طرح عرب کا یہ محاورہ ہے۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآنِ مجید تو اللہ کا کلام ہے جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے: تنزیل من رب العالمین کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ کلام اپنے متکلم کی شان خود بیان کر دیتا ہے۔ شہوت پرستوں، عیاشوں کا کلام ویسا ہی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے کلام میں شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے۔ حکیموں کے کلام میں حکمت کے انوار چمکا کرتے ہیں۔ اب قرآن کا شان و انداز کہے دیتا ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کو اسی شانِ ربوبیت سے مامور کرتا ہے۔ بلالحاظِ شرافتِ خاندانی و دولتمندی ہر ایک کو انہیں بزرگی بھرے لفظوں سے مغفرت کا وعدہ اور سزا کی خبر دیتا ہے۔ پھر جب یہ اللہ کا کلام ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و جبرئیل علیہ السلام کا کلام کیونکر کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابست اور تھوڑا سا علاقہ بھی کافی ہوتا ہے۔ خود بادشاہ نوکر سے کہہ دیا کرتا ہے، تم اپنے ملک میں ایسا کرو، اپنے گھوڑوں کو یوں رکھو حالانکہ ملک اور گھوڑے بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید دراصل کلامِ الٰہی ہے مگر عالمِ ملکوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک لانے میں جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں اس لیے ان کا کلام کہہ دینا ٹھیک ہے۔ وہی اپنی زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے امت کو سناتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کہہ دینا بھی بے جا نہیں۔

ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے رسول اپنی طرف سے بھی کچھ اس کلام میں جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا ہے ملا دیتے ہوں، اس کو دفع کرتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ الخ کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بھی بنا تا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب مجرم کو قتل کرتے تھے تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے تھے کہ کچھ نہ کر سکے۔ پھر اس کی گردن مار دیتے تھے۔ اس طریقے کے موافق رسول کی نسبت کلام کیا گیا۔ (ابن جریر) فراء و ابن قتیبہ و مبرد و زجاج کہتے ہیں یمین کے معنی ہیں قوت کے یعنی ہم اس کو مضبوطی سے پکڑتے کہ سر کنے نہ پاتا اور ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ کے معنی بھی ابن قتیبہ کے نزدیک یہ ہیں کہ ہلاک کر دیتے، خاص گردن مار دینا مراد نہیں۔ وتین ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ دل کی رگ ہے۔ بعض کہتے ہیں شاہ رگ مراد ہے جو گردن میں نمایاں ہے۔ حلقوم کے قریب اس کے کٹ جانے سے آدمی بچ نہیں سکتا۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچا نہ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ کہتے اور ہماری طرف منسوب کرتے جیسا کہ منکرینِ نبوت کا شبہ ہے تو ہم اپنے قدیم قانون کے موافق جس کا کہ ہم نے توریت میں بھی ذکر کیا ہے ضرور ہلاک کر دیتے، سرسبز نہ ہونے دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دوسری دلیل: یہ ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے ہے جس کی طرف توریت میں ایماء ہے۔ توریت سفر استثنا کے اٹھارہویں باب میں ۲۰ فقرہ یہ ہے "لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ دنیاوی بادشاہ فرامین اور احکام شاہی میں جعل کرنے والے یا جھوٹے مدعی کو بنظرِ انتظامِ مملکت نہیں چھوڑتے تو پھر خداوندِ عالم نبوۃ کے باب میں جھوٹے مدعی کو کب سلامت چھوڑتے اور اس کو سرسبز بھی ہونے دیتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوۃ کے بعد سرسبز ہوتے گئے، روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ ان کے خلفاء کے عہد میں عرب کے ریگستان سے نکل کر مشرق و مغرب میں کس شان و شوکت اور آسمانی برکت کے ساتھ اسلام پھیلا اور جاہل وحشی قوموں پر سایہ افگن ہوا۔ اور جس نے اس کو نہیں مانا بہت جلد خوار و ذلیل یا دل میں پشیمان ہوا۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے وانه لتذكرة للمتقين کہ یہ قرآن پرہیزگاروں، خداترس لوگوں کے لیے نصیحت و پند ہے۔ اس میں کہانت اور شاعری اور شہوانی کون سی بات ہے۔

جو قومیں سخت وحشی اور درندہ تھیں پھر جو وہ جھٹ پٹ کایا پلٹ ہو گئیں۔ مہذب، خداپرست، باخدا، راستباز، رحمدل، محنتی، اولوالعزم، ذوفہم، سلیم بن گئیں ان کے لیے اس پند نامہ کے سوا اور کون سی کتاب تھی؟ تھوڑی دیر کے لیے عرب کے ایام جاہلیت کی سیر کیجئے۔ اس کے

بعد اسلامی دنیا دیکھئے پھر یہ رات دن کا فرق آپ کو حیرت میں نہ ڈال دے گا جبکہ آپ قرآن مجید کو تذکرۃ تسلیم کر لیں گے۔ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اے کفار قریش! تم میں سے بعض تو ذاتی مکذب یعنی جھٹلانے والے ہیں جو کبھی بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور ان کا کفر ہی پر خاتمہ ہوگا۔ ان کو بے شک اس قرآن سے کچھ نفع نہیں بلکہ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ بلکہ وہ ان کے لیے حسرۃ وافسوس کا باعث ہے۔ دنیا میں غلبہ وشوکت اسلام کے وقت آخرۃ میں عذاب کے وقت کہ ہائے ہم نے اس کو کیوں نہ مانا اور یہ شک و شبہ جو لوگ پیدا کرتے ہیں انہیں کی ناپاکی اور کجی باطن کے سبب سے ہے ورنہ قرآن تو لحق الیقین سراپا یقین کرنے کے قابل ہے۔ کوئی بات شبہ وانکار کی نہیں۔ ان تینوں مباحث کو پورا کر کے کلام کو اپنی تقدیس وتسبیح کرنے پر تمام کرتا ہے۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کہ اپنے رب کی پاکی بیان کر جس نے قرآن بندوں کی بہتری کے لیے نازل کیا۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات پر عمل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں سبحان ربی العظیم۔ وسبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے اور پھر ہر نماز میں یہی طریقہ مسنون ہوگیا کہ رکوع وسجود میں بجز تسبیح کے اور کوئی چیز نہیں اور یہی مذہب ہے فقہاء ومحدثین کا۔ ولہ الحمد علی الاتمام حمدا کثیرا سبحانک اللھم وبحمدک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ② مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ③ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ④ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ⑤ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ⑥ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ⑦

کسی سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو کافروں کو ہونے والا ہے جس کو اللہ ذی مراتب کی طرف سے کوئی دفع نہیں کر سکتا فرشتے اور روح اس کی طرف اس دن چڑھتے ہوں گے کہ جس کی درازی پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ (اے نبی!) آپ اچھی طرح سے صبر کیے رہو وہ تو اس کو بہت دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔

ترکیب: سأل قرء الجمهور بالهمزة من السوال وهو متضمن بمعنى الدعاء ولذا عدی بالباء وقرئ بغير همزة وهو اما من باب التخفيف والمعنى واحد او من السيلان والمعنى سال واد فی جهنم يقال له سائل كما قال زيد بن ثابت ويؤيده قراءة ابن عباس سال سيل ای اندفع واد بعذاب واقع بعذاب والباء بمعنى عن كقوله فاسئل به خبيرا وهو مفعول ثان لسائل والمفعول الاول محذوف ای الله او النبی سال يتعدى الى مفعولين ويجوز الاقتصاء على احدهما قاله ابو علی الفارسی للكافرين الجاء متعلق بواقع ويمكن ان يتعلق بثالث ويكون صفة اخرىٰ بعذاب والاولىٰ واقع ليس له الخ صفة اخرىٰ لعذاب او حال منه او مستانفة من الله متعلق بواقع ای بواقع ويمكن ان يتعلق بثابت ويكون صفة اخرى بعذاب والاولى واقع ليس له الخ صفة اخرى بعذاب او حال منه او مستانفة من الله متعلق بواقع ای واقع من جهت سبحانه او متعلق بدافع ای ليس له دافع من جهة تعالىٰ ذی المعارج صفة الله تعالىٰ جمع معرج بفتح الميم وهو موضع الصعود تعرج الملائكة استيناف لبيان ارتفاع تلك المعارج على التمثيل والتخييل فی يوم متعلق بتعرج وقيل بواقع وقيل بسال اذا جعل من السيلان والضمير فی يرونه ونراه للعذاب او ليوم القيامة۔

تفسیر: قرطبی کہتے ہیں یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور مضامین بھی اسی کے مؤید ہیں۔

شانِ نزول: نسائی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ عذاب کا سوال کرنے والا نضر بن حارث بن کلدہ کافر تھا۔ سورۃ الحاقہ سن کر اس سنگدل نے تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگا اگر یہ حق ہے تو یہ ضرور ہم پر عذاب آئے اور اسی طرح سے اور سیاہ باطن لوگ بھی تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ ان کے فکر میں قیامت کا آنا ایک امرِ محال تھا اس لیے انکار کے طور پر سوال کرتے تھے۔ اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں اس دن کی ہیبت ناک کیفیت اور اس عذاب کا آنا مذکور ہے جو کسی تدبیر سے ٹالے نہیں ٹلے گا۔

مناسبت: اور مناسبت کی وجہ بھی سورۃ الحاقہ سے ظاہر ہے۔ کس لیے کہ اس سورہ میں اسی حاقہ کی تفصیل و تاکید ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ حاقہ ایسا ہے کہ جس کے دن کی درازی پچاس ہزار برس کی ہے۔ اور یہ بھی کہ حاقہ یعنی قیامت کا سر بھی اسی سورہ میں بیان کر دیا گیا کہ دراصل وہ دن ملائکہ اور ارواح کے عالمِ اجسام سے فراغت پا کر اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے کا دن ہے۔ وہ اس دن اس کی طرف چڑھیں گے۔ تعرج الملائکۃ الخ گویا اس عالم کی بناءِ تعمیر و بقاو تدابیر میں جو مصروف تھے (کوئی فرشتہ ابر سے، کوئی ہوا سے، کوئی پانی سے متعلق تھا۔ پھر جمادات، نباتات، حیوانات پر، ارواحِ مجردہ معین تھے کہ وہ ان کی تولید و تغذیہ وغیرہ کا بندوست کرتے تھے کراتِ افلاک و آفتاب و سیارات کو حرکت دے رہے تھے جن کو حکما نفوسِ فلکیہ وغیرہ کہتے ہیں) اس دن یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور وہ سب فارغ ہو جاویں گے اور چونکہ وہ نورانی ہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی طرف عروج و صعود کر جاویں گے اور بھی وجوہِ مناسبت ہیں جو غور و فکر کرنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

فقال سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ کہ کسی سوال کرنے والے یعنی درخواست کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی جو پڑنے والا ہے۔ سائل نضر بن حارث تھا۔ مگر اس ذلیل کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا۔ یا یہ کہ قرآن مجید کی عادت نہیں کہ مصائب میں کسی کا نام لیا جائے اور نیز یہ بھی ہے کہ نام لینے میں ایک شخص کا تعین ہو جاتا ہے اور اب تعمیم ہے تاکہ ہر ایک ایسی بات کا خواستگار جو کمال حماقت اور دلیری کر کے ایک آنے والی مصیبت کو بلاتا ہے اور اس کی خبر دینے والے کی شکر گزاری کی جگہ تضحیک کرنا چاہتا ہے اس آیت کا مصداق سمجھا جاوے سال کے بعد فاعل سائل کا اظہار کیا لطف دے رہا ہے جس کو بلغاء پسند کرتے ہیں۔ اور اس مانگنے والے نے کیا مانگا؟ عذاب اور عذاب بھی کیسا واقع جو قطعاً آنے والا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سوال کرنے وا۔ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ آپ ﷺ کو جب کفار کی تکذیب و تمسخر سے رنج ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا الٰہی ان پر عذاب کا تازیانہ نازل کرتا کہ ان کی سرکشی ٹوٹے۔ دعا آپ ﷺ کی قبول ہوئی اور قریش پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط پڑا کہ ہڈیوں اور مردار تک کھانے کی نوبت آئی اور چلا اٹھے اس لیے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا دعا کے اثر ظاہر ہونے میں جلدی نہ کرو بلکہ صبر کرو اور اس میں قدرے تنبیہ بھی ہے کہ ایذا کی برداشت کرو بددعا نہ کیا کرو جب ناصح مشفق ناامید ہو جاتا ہے اور اس کو بے حد ایذائیں پہنچتی ہیں تو وہ اس ناپاک قوم کے لیے بددعا بھی کر دیا کرتا ہے۔ یہ بھی ایک انسانی خاصیت ہے اور اس مین مصلحت بھی ہوتی ہے کہ یہ بے ثمر درخت کٹ جائیں تو اور عمدہ ثمر دار پیدا ہوں۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی عذاب کی درخواست کی تھی جس پر طوفان آیا اور دنیا غرقاب ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لیے بددعا کی تھی۔ اس تقدیر پر سائل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تنکیر تعظیم کے لیے ہی اور لفظ واقع میں اور اسی طرح اس کے بعد کے جملوں میں للکافرین اور لیس لہ دافع میں کہ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ میں کہ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو بڑا بلند مرتبہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجابت کی تسلی بھی ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا جس میں عذاب دنیا کی طرف اور عذاب آخرت کی طرف

اشارہ ہے۔ دنیا میں قحط آیا' بدر میں مارے گئے' مسلمانوں کے ہاتھ میں مسخر ہوئے۔ آخرت کا عذاب تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ میں بتایا گیا اور پھر آپ کو تنبیہ اور جلد عذاب نہ آنے پر دلاسا بھی دیتا ہے فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا کہ خوب اور عمدہ طور پر صبر کر یہ جو کچھ بھی کہیں کہنے دے۔ اور اگر سائل نضر بن حارث قرار دیا جائے تو عذاب واقع الخ میں عذاب آنے کا قطعی اشارہ کر کے فاصبر صبرا جمیلا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ تفسیر سال سوال کے معنی میں لیے جانے پر تھی جیسا کہ جمہور کا قول ہے خواہ سال کو ہمزہ کے اظہار سے پڑھیں یا تخفیف کر کے مگر بعض نے سال کو سیلان کے معنی میں لیا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے لیے عذاب واقع ہونے والا بہ پڑا دریا کی طرح امڈا آ رہا ہے۔ پھر آگے اس کی تشریح ہے واقع للکافرین کہ وہ عذاب کافروں کے لیے ہونے والا ہے۔ کفر باعث اس عذاب کا ہے کوئی کافر کیوں نہ ہو سب کو وہ عذاب پیش آنے والا ہے لیس لہ دافع اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں من اللہ ذی المعارج اور وہ عذاب کس کی طرف سے ہوگا جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا؟ اللہ کی طرف سے جو رتبوں والا ہے معارج معرج کی جمع چڑھنے کی جگہ۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ومعارج علیھا یظھرون مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سماوات اور ان کو معارج اس لیے کہا کہ ان میں فرشتے چڑھا کرتے ہیں۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں فضائل و نعماء کو کہ یہ لوگوں کی طرف مختلف طور پر پہنچتے ہیں۔

(۳) معارج سے درجات مراد ہیں جو دنیا و آخرت میں لوگوں کو مختلف طور پر عطا ہوئے اور ہوں گے۔

(۴) بعض کہتے ہیں بندوں کے اعمال و ادراکات ہیں کہ ان کے سبب اس کے بندے مراتب درجات میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور وہ متفاوت ہیں اور مراتب قربِ حق بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو عارفان راہِ حق طے کر جاتے ہیں۔ انسانی بقا و فنا بھی معارج ہیں جن کو طے کرتے کرتے مقصود تک پہونچتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی رتبہ اور فضائل عطا کرنے والا ہے آخرت میں اور دنیا میں بھی ایمانداروں کو اور یہ کہ عالم میں اس کا فیضان وسائل سے پہنچتا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے فالمقسمات امرا فالمدبرات امرا۔ پس ذی المعارج میں ان ارواحِ مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو ارتفاعِ مراتبِ حاجات کے لیے اس عالم میں بمنزلہ سیڑھیوں کے ہیں اور نزولِ آثارِ رحمت کے لیے بمنزلہ منازل کے ہیں اور اللہ کو ذی المعارج اس لیے کہا کہ یہ درجات اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے عطا کرے اور یہ بھی کہ وہ خود بلند مرتبوں والا ہے بہت بلند شان ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ایمان و اعمال و خلوص کی سیڑھیاں درکار ہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ کہ فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھیں گے اس دن کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔ روح سے مراد بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں ان کی عظمت کے لیے ان کو ملائکہ سے جداگانہ بلفظ روح بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں تنزل الملائکۃ والروح وقول تعالیٰ یوم یقوم الروح والملٰٓئکۃ صفا اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح درجۂ نزول میں اول اور صعود میں آخر ہے اور اسی جگہ بعض اہلِ کشف نے کہا ہے کہ روح نورِ عظیم ہے اور وہ جمیع انوار سے جلالِ الٰہی کے قریب تر ہے اور اسی سے تمام ارواحِ ملائکہ اور ارواحِ بشریہ جو تمام ارواح سے اخیر درجہ میں ہیں پھیلتی ہیں اور دونوں طرفوں کے درمیان معارجِ مراتب ارواحِ ملکیہ و مدارجِ منازل انوارِ قدسیہ کے ہیں اور ان کی مقدار حق سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں روح سے مراد ایک اور چیز ہے یعنی نورِ عظیم جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعض کہتے ارواحِ بشریہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں جمیع ارواحِ حیوانیہ و نباتیہ و فلکیہ وغیرہ۔ تعرج سے مراد اوپر چڑھنا جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ بعض کہتے ہیں عروجِ حسی مراد نہیں بلکہ عروج رتبۃً یعنی اسرارِ ملائکہ اور روح کو خداوند کے نزدیک عروج یعنی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔ فی یوم سے مراد جمہور کے نزدیک قیامت کا دن

ہے۔بعض کہتے ہیں دنیا کا دن ہے مقدارہ خمسین الف سنۃ پچاس ہزار برس کی درازی جمہور کے نزدیک دراصل ہوگی لیکن ایمانداروں کے حق میں نہ ہوگی۔دلیل اس پر آیت اصحاب الجنۃ یومئذ خیر مستقرا و احسن مقیلا ہے اور یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت پچاس ہزار برس کی درازی اس دن کی بڑی درازی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ مومن پر بہت کم ہوگا۔یہاں تک کہ وہ دن نماز پڑھنے کے وقت کے برابر ہوگا۔(اخرجہ احمد وابویعلیٰ وابن جریر وابن ابی حاتم والبیہقی فی البعث) لیکن اس کی سند میں وراج اور ابی الہیثم دوراوی ضعیف ہیں۔اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اس دن کی درازی مومن پر اس قدر رہوگی کہ جس قدر عصر اور ظہر کا وقت ہے (اخرجہ ابن ابی حاتم والحاکم والبیہقی) بعض کہتے ہیں عدد حقیقۃ مراد نہیں بلکہ درازی اس تقدیر پر اس آیت اور اس آیت سورہ سجدہ میں یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدرہ الف سنۃ مما تعدون کچھ بھی منافات نہیں کس لیے کہ اسی درازی کو کبھی ہزار برس سے کبھی زیادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اول تقدیر پر مطابقت یوں ہوگی کہ دنیا سے لے کر اول آسمان تک مقدارِ رفعت ہزار برس ہے اور اسفل عالم سے لے کر انتہا عرش تک پچاس ہزار۔پس سورۂ سجدہ میں اول رفعت بیان ہوئی اور اس سورہ میں دوسری کچھ بھی منافات نہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کثرتِ اندوہ ورنج مراد ہے اور رنج واندوہ کے دن کی درازی محاورہ میں بہت بڑی بیان کی جاتی ہے۔شبِ فراق اور روزِ جدائی وایامِ مصیبت کی درازی ہزاروں برسوں کی بیان کرنا کمالِ بلاغت اور قوم کی بول چال کی رعایت ہے نہ جھوٹ نہ مبالغہ۔

(۱) ان اقوال پر لحاظ کر کے آیت کے معنی میں چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ملائکہ اور ارواح (جو اس عالم کی تدبیر وتصرف میں مصروف و معین تھے جن کی طرف ذی المعارج میں اشارہ تھا کس لیے کہ ہر چیز عالم کے ساتھ ایک فرشتہ اور روح مدبر حق سبحانہ کی طرف سے معین ہے۔وہی اس مادہ کو اس قوالب میں ڈھال رہے ہیں اور وہ بحکمِ الٰہی ان کے نمو اور بقا اور استکمال وتولید وتناسل وتوالد کے محافظ ہیں)۔سب اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو جائیں گے اور چونکہ وہ نور ہیں۔اپنے حیز اصلی نور الانوار حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس تک چڑھیں گے اور وہ بارگاہِ عالمِ ناسوتی سے بہت بلند ہے یہاں تک کہ اگر کوئی تیز رفتار چڑھ کر جائے تو پچاس ہزار برس میں بھی وہاں تک نہ پہنچے۔اور یہ کس دن ہوگا قیامت کے دن جو بڑا مصیبت کا دن ہوگا۔اس تقدیر پر فی یوم تعرج کے متعلق ہوگا۔

(۲) یہ کہ اس روز جو بڑے سے بڑا عاقل اور ذکی فیصلہ کرنے بیٹھے تو پچاس ہزار برس میں بھی فیصلہ نہ کر سکے اور وہ ایام دنیا کے آدھے دن میں کر دے گا۔اور اس دن ملائکہ اور روح اپنے اپنے مواضع ومواقعِ رفعت میں بہت جلد عروج کر جائیں گے۔اگر اور کوئی وہاں تک چڑھے تو پچاس ہزار برس میں چڑھ سکے۔یہ وہب اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(۳) ابی مسلم کہتے ہیں یہ دنیا کا تمام دن ہے جس کی ابتداء اول آفرینش اور انتہا آخر فنا ہے۔پھر حق سبحانہ نے بیان فرما دیا کہ دنیا کے دن میں ملائکہ کا عروج ونزول ضرور ہے اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم کو قیامت کا دن وقت معلوم ہو جائے کس لیے کہ نہیں معلوم کہ اس دن میں سے کس قدر گزر گیا اور کس قدر باقی رہا۔تفسیر کبیر

(۴) صاحب عرائس فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور روح کے عالمِ ملکوت میں مقامات معینہ ہیں پھر جب کوئی فرشتہ موقعِ نزول سے مرتبۂ معلومہ کی طرف چڑھتا ہے تو ایک ایسے دن بھر میں چڑھتا ہے کہ جس کی مقدار ہمارے نزدیک پچاس ہزار برس کے مساوی ہے اور وہ تو ایک ساعت سے بھی کم میں چڑھ جاتے ہیں اور حق کے لیے کوئی مکان اور منتہٰی نہیں کہ جہاں مخلوق چڑھ کر جاتی ہو بلکہ اس کی عزت وجلال کا ظہور

---

[1] یعنی ابتداءِ آفرینش سے لے کر فنا تک تمام ایامِ دنیا کو ایک دن سمجھے جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔۱۲ منہ

ہر ذرہ سے عیاں ہے پھر جب قرب وبعد مسافت نہیں اور افہام اور اوہام اٹھادے تو روح کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ وصال میں کچھ دیر نہیں۔اس کے بعد فرماتا ہے فاصبر صبرا جمیلا کہ اے نبی! عمدہ صبر کر تیرے جھٹلانے والوں کو عذاب مقرر ہے۔ سہل فرماتے ہیں، صبرِ جمیل رضا ہے بغیر شکوے کے انھم یرونہ بعیدا کس لیے کہ وہ اس کے معتقد نہیں ونراہ قریبا کس لیے کہ وہ دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ
حَمِيمًا ﴿۱۰﴾ۚ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ
بِبَنِيهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ۙ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ۚ﴿۱۶﴾
تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۙ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾

جس دن کہ آسمان (پگھل کر) تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو دیکھ کر بھی نہ پوچھے گا۔ گنہگار چاہے گا کہ اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور اپنے اس کنبہ کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور جو کچھ کہ زمین پر ہے سب کچھ دے دے پھر چھوٹ جائے۔ ہرگز نہ ہوگا اور بہت تیز آگ ہے دماغ تک کو کھینچ لے گی جس نے (دین سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا (راہِ خدا میں نہ دیا) اس کو پکارے گی۔

ترکیب: یوم ناصبہ قریبا والتقدیر ونراہ قریبا یوم یکون کذا ویمکن ان یکون بدلا عن فی یوم ان علق بہ ولا یسئل قراء الجمھور مبینا للفاعل فالمفعول الثانی محذوف ای لایسئل حمیم حمیما نصرہ ولا شفاعتہ وقریٔ مبنیا للمفعول علی اسقاط حرف الجر ای لایسئل حمیم عن حمیم این حمیمک وکیف حالہ الحمیم القریب یبصرونھم یقال بصرت بہ ابصر ویقال بصرت ازید بکذا فاذا حذفت الجار قلت بصرنی زید کذا۔ استیناف او حال وجمع الضمیرین لعموم الحمیم لکونہ واقعا فی سیاق النفی لو یفتدی (بمعنی ان والجملۃ مفعول یود المجرم فاعلہ ومن معطوف علی بنیہ والجملۃ حال من احد الضمیرین فی یبصرونھم او استیناف ثم ینجیہ عطف علی یفتدی ای یود لو یفتدی ثم ینجیہ الافتداء والعطف بثم الاستبعاد کلا ردع للمجرم انھا الضمیر للنار او مبھم یفسرہ نطی وھو خبر او بدل او القصۃ نزاعۃ قرء الجمھور بالرفع علی انھا خبر ثان لان او خبر مبتداء محذوف او تکون نطی بدلا من الضمیر المنصوب ونزاعۃ خبران وقریٔ بالنصب علی الحال والشوی الاطراف او جمع شواۃ کنوی ونواۃ وھی جلدۃ الراس۔

تفسیر: اس دن کی درازی بیان فرما کر اس کی اور تشریح ہولناک حالات سے کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا جاتا ہے کہ آج جو اس دن کے منکر ہیں اور دنیا ہی پر دلدادہ اور فریفتہ ہیں اس روز ان کی یہ حالت ہوگی گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے۔فقال: (۱) يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ کہ جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسے ہو جائیں گے۔عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں مہل تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔سماوات پر جب فساد طاری ہوگا تو ان کا مادہ ایسی رنگتوں میں آجائے گا۔ پہلے اس گھر کی چھت آسمان توڑے جائیں گے پھر نیچے کی نوبت آئے گی۔ (۲) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ اور پہاڑ رنگی ہوئی پشم کی طرح ہو کر اڑتے پھریں گے۔ پہاڑ بعض سیاہ بعض سرخ، بعض سفید ہیں جب ان کے ریزے ریزے ہو کر باہم مل جائیں گے تو رنگین نظر آئیں گے اس لیے عہن سے پوری تشبیہ ہے۔ اپنی اپنی پڑی ہوگی (۳) یبصرونھم باہم دیکھ کر کوئی التفات نہ کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ ملائکہ کی طرف رجوع ہے کہ ملائکہ ہر ایک نیک

وبد کو دیکھیں گے کوئی چھپ نہ سکے گا، دوست کا دوست کو پوچھنا تو درکنار بلکہ (۴) یَوَدُّ الْمُجْرِمُ الخ گنہگار آرزو کرے گا کہ کاش مجھے چھوڑ دیا جائے اور میرے بدلہ میں میری اولاد اور بیوی اور بھائیوں اور کنبے کو جو اس کے مددگار دنیا میں تھے اور جو کچھ مال وحشمت دنیا پر ہے سب لے لے۔ انہیں لوگوں کے لیے تو دنیا جمع کرتا اور خدا سے غافل تھا مگر نہ چھوٹے گا کس لیے کہ انھا جہنم کی آگ شعلہ مارتی ہوگی، جھلستی ہوگی، زبانِ حال سے وہ خود یا اس کے داروغہ پکاریں گے ان دو گروہوں کو (۱) من ادبر و تولیٰ جس نے خدا سے منہ پھیرا اور نبی علیہ السلام سے پھر گیا۔ (۲) وَجَمَعَ فَاَوْعٰی مال جمع کیا کہ کسی حقدار کا حق نہ دیا بلکہ سمیٹ کر رکھ لیا اور جمع کرنے میں حلال وحرام کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ معاذ اللہ ایک کفر روگردانی اس پر یہ طمع وحرص ومردم آزاری یہ ہے مجرم۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

آدمی کنلک بنایا گیا ہے جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو چلا اٹھتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو کنجوس ہو جاتا ہے مگر نمازی وہ جو اپنی نمازوں میں ہمیشہ لگے ہوئے ہیں وہ جو ان کے مالوں میں حصہ معین ہے سائل اور غیر سائل کے لیے اور وہ جو قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے کہ ان کے رب کے عذاب کا خطرہ لگا ہوا ہے اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کس لیے کہ اس میں ان پر کچھ بھی الزام نہیں پھر جس نے اس کے سوا اور کچھ چاہا تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں وہی لوگ باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔

ترکیب: هلوعا حال مقدرة من الانسان الهلع اشد الحرص يقال هلع الرجل يهلع هلعا وهلاعا فهو هالع وهلوع وكذا جزوعا ومنوعا حالان و اذا الاولىٰ ظرف لجزوعا والاخرىٰ لمنوعا الا المصلين استثناء من الجنس والمستثنىٰ منه الانسان وهو جنس فى جنات ظرف لمكرمون۔

تفسیر: اور یہ مال جمع کرنا اور کنجوسی کرنا اس لیے ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا انسان (بعض کہتے ہیں اس سے مراد کفار ہیں) فطرتی

طور پر لالچی اور بے صبر پیدا ہوا ہے۔اس کمبخت کی دوراندیشی اور اس کی زیرکی (جو خداوندِ عالم کی طرف سے بہ نسبت اور حیوانات کے زیادہ ملی تھی) اس کو بخل اور لالچ پر آمادہ کرتی ہے اور بڑے بڑے خیالات اور امیدیں بندھاتی ہے کہ سینکڑوں برسوں کا انتظام کرتا ہے اور اپنی عمرِ رواں کی بے ثباتی سے بے خبر ہو کر دنیا ہی میں محو ہو جاتا ہے۔یہ حالت آخرت اور حق سبحانہ سے غافل کرنے والی ہے۔اس سے باز رہنے کو یہ اس کی جبلت بیان فرمائی جاتی ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے ہلوع کے معنی دریافت کئے فرمایا آپ ہی حق سبحانہ اس کی تفسیر کرتا ہے کہ اذامسہ الشر جزوعا الخ جب اس کو برائی پہنچتی ہے، بیماری، تنگدستی، زن و فرزند و اقارب کی موت یا کسی مقصود میں ناکامی جنگ اور خصومتِ عدالتی میں شکست مال و جاہ کا زوال وغیرہ کوئی بات پیش آجاتی ہے تو فریاد کرنے لگتا ہے، صبر و شکیبائی کو کھو بیٹھتا ہے، کفر کے کلمات اور خدا کا گلہ و شکوہ کا آغاز کرتا ہے۔الغرض خدا پاک سے امید کی رسی کو کاٹ ڈالتا ہے۔یہ بھی بری حالت ہے جو اس کے ضعفِ ایمان اور خدائے ذوالجلال پر توکل نہ کرنے کی دلیل ہے۔واذامسہ الخیر منوعا اور جب خیر تندرستی اولاد، مال و جاہ و عزت میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے کہ بس اب ہی نعمت حاصل ہو گئی، اتفاقی بات تھی روز روز کہاں حاصل ہوتی ہے۔اس کو روک کر رکھو۔اس میں سے حقداروں کا حق ادا نہ کرو۔گویا یہ اس نعمت کو خدائے پاک کا عطیہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنی محنت و کوشش اور بخت و اتفاق کی یاوری خیال کرتا ہے۔یہ بھی نامحمود حالت ہے۔جس کو ایمان کی روشنی سے کچھ بھی بہرہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس مکروہ حالت سے آٹھ گروہ مستثنیٰ ہیں اور ان کو جہنم نہ بلائے گی۔فقال: (۱) اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ مگر نمازی۔صرف ایک بار یا دو بار نماز پڑھنا کافی نہیں بلکہ اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وہ جو اپنی نمازیں ہمیشہ ادا کئے چلے جاتے ہیں، کبھی ترک نہیں کرتے۔یہ فرقہ سب فرقوں سے اول ذکر ہوا اور یہ ہے بھی اول اور یہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ نماز بندے اور خداوند تعالیٰ میں ایک اعلیٰ رابطہ ہے جو اس کو پنجگانہ اس کی بارگاہ تک باریابی کا موقع دیتی ہے۔بھلا جو پانچ وقت دن رات میں حضورِ قلب اور دلی نیاز سے اس کے سامنے جائے گا اس کی روح پر اس کے انوار کا پرتو ا کیونکر نہ پڑے گا اور اس کی یہ ظلمت کیونکر دور نہ ہوگی اور اس کا سختی و نرمی میں سے اپنے قادرِ مطلق پر کیونکر توکل نہ ہوگا؟ اور جو پنجگانہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے آگے سرِ نیاز خم کرتا ہے اس پر اس کی کیونکر رحمت نہ ہوگی۔وہ ضرور آخرت کی بلاؤں سے اس کی برکت سے نجات پائے گا۔ (۲) وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ جن کے مال میں سائل اور محروم یعنی بے سوال کا جو نہ مانگنے کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے۔حق ہے اور حق بھی کیسا معلوم کہ اس نے کھول دیا ہے کہ اس قدر دیا کروں گا یہ نہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا بلکہ ایک حصہ معین کر دیا۔قتادہ و محمد بن سیرین وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ[1] ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم و معین کیا گیا ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زکوٰۃ کے بعد اگر اور نہ دے تو اس پر کچھ الزام نہیں۔مجاہد اور عطاء و نخعی وغیرہ فرماتے ہیں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ خیر و خیرات مراد ہے کس لیے کہ صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ و صدقات کے مصارف بیان فرما دیے گئے ہیں اور اس کا مصرف سائل و محروم بیان فرمایا۔فی اموالھم جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ سب مالوں میں خیرات جاری رہے۔زراعت میں سے، مواشی میں سے، تجارت میں سے، نقد میں سے جس طرح ممکن ہو نفع پہنچاتے ہیں۔مکان ہیں تو مفت ان میں مساکین و غرباء کو رہنے دیتے ہیں، مہمان اتارتے ہیں۔ان کی گاڑی اور گھوڑوں کو حاجت والے مانگ کر لے جاتے ہیں۔ان کے کپڑوں اور ہتھیاروں اور کتابوں اور دیگر اشیاء سے نفع اٹھاتے ہیں۔یہ کریم النفس دریغ نہیں کرتے۔حق کا لفظ کہہ رہا ہے کہ ایسے درماندوں کا ان کے مال میں بڑا ازور ہے اور حصہ معین ہے جیسا شریکوں کا ہوتا ہے ان کے دامن ہمیشہ مسکینوں کے ہاتھ میں رہا کرتے ہیں۔

سائل تو معلوم ہوتا ہے مگر محروم کے معنی میں علماء کے متعدد قول ہیں۔ (۱) تو وہی جو ہم نے پہلے بیان کیا بے زبان منہ بند۔

---

[1] صدقۃ الفطر اور نفقاتِ واجبہ بھی اس میں شامل ہیں۔۱۲منہ

(۲) بعض کہتے ہیں محروم بے زبان جانور ہیں، کچھ نہیں کہتے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں۔ان پر رحم کرنا اور ان کو اپنی کھیتی، پانی یا نقد مال سے نفع پہنچانا چاہیے (اس سے یہ مراد نہیں کہ گائے بیل کی پرستش کی جائے)۔ (۳) بعض کہتے ہیں محروم وہ مصیبت زدہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کو دینا زیادہ ثواب ہے کس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لقمہ یا دو لقمہ یا ایک چھوارا یا دو چھوارے مانگ کر لے جائے بلکہ وہ جو حاجتمند ہے اور کسی سے سوال نہیں کرتا۔ باوجود اس کے سائل کو مقدم اس لیے کیا کہ یہ نفس الامر میں ہر جگہ پہلے پہنچا کرتا ہے۔افسوس ہے ان سائلوں پر کہ جنہوں نے اس کو دائمی پیشہ بنالیا ہے اور اس کے ساتھ اظہار کرامت و ولایت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔افسوس صد افسوس۔ فائدہ: نماز بدنی و روحانی عبادت تھی اس کے بعد مالی عبادت بھی ضرور ہے اس لیے اس دوسرے جملہ کو اس کے بعد بیان فرما کر جتلا دیا کہ نری نماز کافی نہیں، مال میں سے خیرات و صدقات بھی دیا کرو ؎

بخیل ار بود زاہد بحر و بر بہشتی نباشد بحکم خبر

(۳) وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ وہ جو جزا کے دن کو سچا جانتے ہیں اس میں سب نیکیوں کی طرف اشارہ ہے اور ہر قسم کی بدی سے بچنے کی طرف ایماء ہے۔کس لیے کہ جو شخص کہ جزا کے دن کا معتقد ہوگا وہ جو نیکی کرے گا، دل کھول کر کرے گا۔غرباء کو دینا، اقارب و ضعفاء پر رحم کرنا یہ جملہ اور اس کے بعد کا جملہ پہلے اور آئندہ احکام کے لیے تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔ (۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے ان عذاب ربھم **غیر مامون** ان کے رب کے عذاب کا کچھ ٹھیک نہیں کہ کب اور کس وقت نازل ہو جائے، اس سے نڈر رہنا نہ چاہیے۔پہلا جملہ عذاب اور ثوابِ آخرت کے خوف و امید کی وجہ سے نیکی پر ابھارنے والا بدی سے روکنے والا تھا۔مگر انسانی حرص و طمع و شہوت کبھی اس قدر دور دراز کی سزا یا جزا سے غافل کر کے بدی میں ڈال دیتے ہیں مگر جب اس کو برے کام پر دنیا ہی میں تازیانے پڑنے کا خوف دلایا جاتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا ہی میں ایسے بدکاموں کی سزا مل جاتی ہے (بیماری، تنگدستی، بے عزتی، کوئی ناگہانی مصیبت، ارضی و سماوی، عامہ یا خاصہ قحط و باءِ تسلطِ حکام ظالم و غلبۂ اعداء یا موتِ لختِ جگر و خانہ خرابی وغیرہ) تو بہت جلد متنبہ ہو جاتا ہے۔اس لیے اس کے بعد اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُوْنٍ بھی سنا دیا اور دنیا میں اعمالِ بد پر سزا آنا یقینی بات ہے۔بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ کوئی کور باطن اس سزا کو من اللہ نہ سمجھے اور اسباب کی طرف منسوب کرے مگر عاقل جب غور کر کے دیکھے گا تو اسباب کا سلسلہ بھی اسی مسبب الاسباب کے ہاتھ میں دیکھے گا۔ یہاں تک یہ چار اوصاف ذکر ہوئے ان میں دو پہلے قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے تھے اور چونکہ مقصود تر تھے اس لیے ان کو مقدم کیا اور یہ دونوں اخیر قوتِ نظریہ کی تکمیل کے لیے ہیں اور یہ دونوں ان دونوں کے لیے محرک ہیں۔

اس کے بعد چار فریق اور بیان فرماتا ہے۔جن میں چار صفات حقوق العباد کے ملحوظ رکھنے اور تمدن اور نظام عالم کے قائم رکھنے کے لیے بیان فرمائے اور ان چاروں میں اخیر جملہ تہذیب روحانی کے لیے بھی ایک رکنِ اعظم ہے اور اسی پر صفات کا اتمام ہے فقال (۱) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کہ وہ جو اپنے سترِ خاص کو محفوظ رکھتے ہیں کسی پر نہیں کھولتے یعنی جماع نہیں کرتے مگر اسی قدر پر بس کرنا انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ دھرنا تھا۔کس لیے کہ انسان میں یہ ایک ایسی قوت رکھی ہے کہ اس کو مجبور و مقہور کر دیتی ہے اور اس کے حواس و عقل میں اپنے غلبہ کے وقت فتور ڈال دیتی ہے اور اسی لیے یہ تجرد اسلام میں کوئی عمدہ بات نہیں۔گو عیسائیوں کے راہبوں اور ہنود کے گشائیوں جوگیوں میں عمدہ عبادت اور نفس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا مقابلہ ہے۔اس لیے اس کے بعد اس حکیمِ مطلق نے دو جگہ کے لیے اجازت دیدی۔ (۱) اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اول بیوی کے لیے۔مرد کو اپنی بیوی سے جماع درست ہے کس لیے کہ بیوی کو زوج اس کا جوڑا کہتے ہیں جو دونوں کے ملنے سے امورِ خانہ داری سرانجام سر پاتے ہیں اس کے اندر بھی

خدا تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے۔ اگر مرد اس پر از ار نہ کھولے تو اس کی حاجت روا نہ ہو اس کے لیے فتنے میں پڑنے کا خوف ہے پھر باہم اتحاد قائم نہ رہے۔ دوم مرد وعورت کی محبت باہمی کا جس پر تمام خانہ داری موقوف ہے بیشتر اسی اختلاط پر مدار ہے۔ بیوی کون ہے اور کیا شرطیں ہیں۔ اس کو عرف پر چھوڑ دیا اور قرآن میں متعدد جگہ بتلایا گیا۔ سوم نسل انسانی کا بقاء منشاء خداوندی ہے اور وہ بجز اس کے عادتاً ہو نہیں سکتا۔

(۲) اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ لونڈیوں پر جو مردوں کے ہاتھ کا مال ہیں یہاں بھی جماع کرنا ممنوع نہیں۔ لونڈی غلام بنانے کا دستور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بھی پایا جاتا ہے۔ توریت موجودہ میں لونڈی غلاموں کے احکام مذکور ہیں۔ دیکھو کتاب استثنیٰ کا ۲۱ باب ۱۰ ورس میں کتاب مذکور ۲ باب کا ۱۳ ورس ''اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر''۔ (۴) ''مگر عورتیں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ اپنے لیے لے''۔ کتاب مذکور کا ۱۵ باب ۱۲ تا ۱۷ اجملہ جس میں غلام لونڈیوں کے رکھنے اور آزاد کرنے کا صاف حکم ہے اور ۲۱ باب میں صحبت کرنے کی اجازت ہے۔

آج کل کی عیسائی قوم میں اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اہل اسلام پر عیب لگاتی ہیں مگر ان کو معلوم رہے کہ اسلام میں لونڈی غلاموں کے حقوق عیسائی آزاد رعیت سے زیادہ ملحوظ ہیں۔ لونڈی جب مرد کا مال ہے اور گھر میں رہ کر کاروبار کرتی ہے اگر اس کا کسی سے نکاح نہیں کیا گیا تو اس کے ساتھ ہم بستری بھی اس پر ترحم اور اولاد کی ماں کہلانے کے لیے عزت دینا ہے۔

متعہ کی حرمت: فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ جو ان دونوں طریقوں کے سوا قضاءِ شہوت کے لیے اور طریقہ عمل میں لائے وہ حد سے تجاوز کرنے والا سرکش اور خدا کا باغی ہے۔ متعہ کی ہوئی عورت بھی اس آیت سے حرام ثابت ہوتی ہے۔ کس لیے کہ وہ نہ بیوی ہے کوئی حق زوجیت' میراث ونان و پارچہ وغیرہ اس کے لیے ثابت نہیں نہ لونڈی ہے اور اسی طرح وطی فی الدبر بھی ممنوع ہے (خواہ وہ لڑکے سے ہو خواہ غیر عورت سے ہو خواہ اپنی بیوی یا لونڈی سے ہو) کس لیے کہ وہ بیوی ہے نہ لونڈی اور جلق لگانا اور عورت کو عورت سے مساحقت کرنا اور عورت کو اس کام کے لیے نوکر رکھنا یا مخفی آشنائی کرنا یا اجرت دے کر یہ فعل کرنا سب ممنوع ہیں۔ (۲) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں۔ امانت کی کئی قسمیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے عطا کردہ قویٰ اور احوال ہیں ان کو بے جا صرف نہ کرنا چاہیے۔ (۲) بات کی امانت۔ آقا اور میاں کے مال کی امانت۔ (۳) علماء کے پاس علم امانت ہے، اس کو نہ چھپائیں۔ اسی طرح عہد بھی کئی قسم کا ہے۔ خدا کا عہد کہ اسی کی عبادت کریں گے، باہمی بندوں کے جائز عہد خاوند و بیوی کا باہمی مودت وحسن معاشرت کا عہد جو لفظ نکاح سے قائم ہوتا ہے، سب کی رعایت لازم ہے۔

(۳) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ وہ جو اپنی گواہی پر قائم ہیں یعنی گواہی ادا کرنے میں نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں نہ کسی سے ڈرتے ہیں اس سے انتظامِ عالم کا قیام اور حقوقِ عباد کا تحفظ تام ہے۔ لفظ قائم بتلا رہا ہے کہ نہ تو گواہی چھپائی جائے کہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور نہ حیلہ بہانے سے کنارہ کشی کرے۔ دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔ کس لیے کہ اس میں حقوق العباد تلف ہوتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے۔ حقوق العباد کی شہادت کی سوا توحید ورسالت کی گواہی بھی ہر ایماندار پر واجب ہے۔

(۴) وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہمیشہ پڑھنا جو پہلے مذکور ہوا تھا اور بات ہے اور محافظت رکھنا جو یہاں مذکور ہے اور بات ہے۔ کس لیے کہ محافظت کے معنی شرائط وارکان کی بجا آوری اور مفسدات ومکروہات سے بچنا ہے اور اہتمام کرنا اور حضور قلب سے ادا کرنا۔ جن میں یہ آٹھ صفات ہیں اُولٰٓئِكَ فِىۡ جَنّٰتٍ مُّكۡرَمُوۡنَ وہی لوگ مرنے کے بعد دوسرے جہان میں باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔ وہاں کی عزت اور وہاں کے دائمی عیش اور آیات میں مفصل مذکور ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ ع

پھر ان کافروں کو کیا ہوا جو آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں دائیں اور بائیں (جانب) سے پرا باندھے ہوئے کیا ان میں سے ہر ایک طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے کہ جس کو وہ بھی جانتے ہیں پھر ہم مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتے ہیں (یعنی اپنی ذات کی) کہ ہم ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آ سکتے ہیں اور ہم عاجز بھی نہیں ہیں پھر انہیں چھوڑ دو باتیں بنانے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جس دن کہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی نشان کی طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں آنکھیں نیچی کئے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ترکیب: مهطعین المهطع المسرع وقیل المادعنقه هو حال من الذین کفروا قبلک حولک معمول مهطعین عزین جمع عزة وهی العصبة من الناس وقیل اصلها عزوة من العزو کان کل فرقة تعتزی ای تنتسب الی غیر من تعتزی الیه الاخری فی الصحاح العزة الفرقة من الناس والهاء عوض عن الیاء والجمع عزی وعزون عن تتعلق بعزین ویجوز ان تکون حالا ان یدخل الجملة مفعول یطمع انا لقادرون جواب القسم وما نحن اما جواب آخر للقسم او حال عن القادرون یخوضوا ویلعبوا مجزومان علی انهما جواب الامر یوم بدل من یومهم سراعا جمع سریع والاجداث جمع جدث وهو القبر هو حال من فاعل یخرجون وکذا کانهم نصب عند الجمهور بفتح النون وسکون الصاد بمعنی العلم وقری بضم النون والصاد جمع نصب کاسد واسد الایفاض الاسراع فی القاموس وفض یفض وفضا بالسکون وبالتحریک عدا واسرع خاشعة منصوب علی الحال من ضمیر یوفضون ابصارهم مرفوع علی انها فاعل خاشعة ترهقهم من الرهق یقال رهقه بالکسر یرهقه رهقا غشیه ومنه المراهق اذا غشیه الاحتلام والجملة مستانفة او حال من فاعل یوفضون او یخرجون ذلک مبتدأ الیوم الخ خبره او المجموع مبتداء والخبر محذوف۔

تفسیر: اہلِ جنت کا اعزاز واکرام سن کر مشرکینِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر آتے اور اردگرد بیٹھ کر تمسخر کی راہ سے کہتے تھے کہ اگر آپ کا فرمانا حق ہے کہ دارِ آخرت میں یوں نعمتیں ملیں گی تو ان ذلیل وخوار لوگوں سے جو آپ کے تابع ہو گئے ہیں ہم اشراف ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے ہم زیادہ عزت وشوکت وحشمت والے ہیں۔ پھر وہاں ان بیچاروں کو تو ہم دھکے دے کر نکال دیں گے اور آپ جا بیٹھیں گے۔ ان کے خیالات کا رد ان آیات میں کیا گیا (کبیر) کہ ان منکروں کو کیا ہوا جو تیرے آس پاس پرا باندھے دوڑے چلے آتے ہیں۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ جنت النعیم میں داخل کیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہم نے ان کو

جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ بھی جانتے ہیں یعنی منی سے جو نہایت حقیر ہے۔ پھر اس عالمِ قدس میں بغیر اس کے کہ اس ناپاکی کے آثارِ بہیمیہ قوائے روحانیہ وملکوتیہ کو ایمان واعمالِ صالحہ سے جلا دے کر مٹا دے، کس طرح سے جا سکتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں ان آیات کے اس طور سے معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو جماعتیں کی جماعتیں تیرے پاس سے معجزات دیکھ کر بھاگے چلے جاتے ہیں، ذرا نہیں ٹھہرتے اور کان لگا کر نہیں سنتے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے: فَمَالَهُم عن التذكرة معرضين كانهم حمر مستنفرة فرت من قسورة اور پھر اس کی تائید میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ سچ ہے انسان گندہ جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کرے محض مال دنیاوی حشمت وشوکت کی وجہ سے اس عالمِ قدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔ امام احمد و ابن ماجہ وبیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت فمال الذين الخ مما يعلمون تک پڑھی پھر اپنے ہاتھ پر تھوک کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم، کیا تو مجھے عاجز کر دے گا حالانکہ میں نے تجھے ایسی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ تیرے ہاتھ پاؤں بنائے تو کپڑے پہن کر پھرنے لگا۔ زمین کا ایک روز تجھے پیوند ہونا ہے، جمع کرتا جاتا رکھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ گلے میں دم آ گیا تو کہنے لگا مجھے صدقہ دینے کی مہلت دی جائے۔ انسان نسب ومال عارضی چیز کا کیا فخر کرتا ہے سب کی ایک ماں ایک باپ ہے۔ ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب ایک راہ سے آئے ہیں، سب خاک ہو جائیں گے۔ اس میں شاہ وگدا سب برابر ہیں۔ اللہ کی یاد اور اس کی تجلی سے جو صفائی حاصل ہوئی ہے البتہ وہ ایک امتیاز کی چیز ہے۔

مکہ کے کفار حشر کے منکر تھے اور سخت سرکشی کیا کرتے تھے اس لیے ان کو سنایا جاتا ہے۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ الخ کہ مشارق ومغارب کے رب کی یعنی اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے بہتر لوگ پیدا کر دینے پر قادر ہیں۔ ہم بدل سکتے ہیں اور اس سے عاجز نہیں تم کو غارت کر کے اور آئندہ نسلیں عمدہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اور جگہ بھی یہی مضمون آیا ہے۔ فسياتى الله بقوم الخ بعض مفسرین کہتے ہیں، خدا نے تھوڑے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (ان بدکاروں کے ہلاک و برباد ہو جانے کے بعد) ایسی مطیع اور نیک قوم عطا کی جو دنیا بھر میں راستی پھیلانے کے لیے آمادہ ہو گئی اور خدا تعالیٰ کے دینِ مرضی کے وہی حامل ومعین ہوئے۔ ان کو جس طرح اخلاقی وروحانی سلطنتیں ملی تھیں اسی طرح ظاہری سلطنتیں بھی عطا کی گئیں جیسا کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ان ناہنجاروں سے روگردانی کا حکم دیتا ہے۔ فقال فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا کہ ان کو چھوڑ باتیں بنانے دے یا ہر قسم کی بدکاری میں گھسنے دے۔ ويلعبوا اور کھیلنے دے۔ اولاد ومال وزن و فرزند سب ایک کھیل وتماشا ہے جو انسان کو اس کے منزلِ مقصود سے روکتا ہے یہاں تک کہ اپنے موعودوں کو پالیں یعنی قیامت کو اور اس سے پہلے موت کو پھر قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر تختِ رب العالمین کی طرف اسی طرح دوڑے چلے آئیں گے جیسا کہ کوئی شرط میں نشان گڑے ہوئے تک جلد جلد دوڑتا ہے۔ یا یہ کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں بحکمِ قدیر تختِ رب العالمین کی طرف دوڑیں گے، آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچی

---

[1] مشارق مشرق کی جمع آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ مشرق اور مغرب کی گرمی اور سردی کے موسموں کے لحاظ سے جو آفتاب برآمد وغائب ہوتا ہے دو مشرق اور دو مغرب کہہ سکتے ہیں۔ جاڑے میں جنوب کی طرف سے گرمی میں شمال کے رخ مائل ہو کر آفتاب نکلتا ہے اسی طرح غروب ہوتا ہے۔ رب المشرقين ورب المغربين آیا ہے لیکن ہر روز آفتاب کا طلوع وغروب بدلتا رہتا ہے اس لیے مشارق ومغارب کہے جاتے ہیں۔ ان کا مالک جس کے حکم سے یہ ہو رہا ہے رب المشارق والمغارب ہے جو کمالِ قدرت رکھتا ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کی صفت یاد دلا کر قسم کھانا اپنی کمالِ قدرت دکھانا اور جتلانا ہے۔ ابو محمد عبد الحق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ① قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ② اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ③ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ④ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ⑤ فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ⑥ وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ⑦

ہوں گی، مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہوگی پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو اس دن سے پہلے کہ ان پر سخت عذاب آئے متنبہ کردو۔ نوح نے کہا اے قوم! میں تم کو صاف صاف ڈرسنانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس سے ڈرا کرو اور میرے کہنے پر چلو تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تم کو ایک معین وقت تک مہلت دے۔ کس لیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو وہ ڈھیل نہیں دیتا اگر تم جانتے ہو (تو مانو)۔ نوح نے کہا اے رب! میں اپنی قوم کو رات دن بلایا کیا پھر تو وہ میرے بلانے سے اور بھی زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے ان کو بتایا کہ تو انہیں بخش دے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگے اور کپڑے ڈھانکنے لگے اور ضد کرنے لگے اور بڑا غرور کرنے لگے۔

ترکیب: ان انذر ان معنی ای ویجوزان یکون مصدریۃ من قبل متعلق بانذر قال یاقوم قوم بکسر المیم اصلہ قومی حذفت الیاء والکسرۃ دلیل علیھا والجملۃ مستانفۃ ان اعبدوا اللہ ان تفسیریۃ لنذیر اوھی مصدریۃ یغفر مجزوم علی انہ جواب الاوامر الثلاثۃ ومن للتبعیض وقال الاخفش زائدۃ ویؤخر معطوف علی یغفر لیلا ونھارا ظرفان لدعوت الافرار الاستثناء مفرغ۔ لتغفر واللام للسببیۃ جعلوا جواب کلما۔

تفسیر: یہ سورۂ مبارکہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ قریش کی سرکشی اور آخر نبی علیہ السلام کی ہدایتوں پر تمسخر اور وعدوں کی تکذیب اور تکبر حد کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی مثل سرکش اور نافرمان قوم کا عبرتناک واقعہ سنایا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام پیغمبر کی نبوۃ میں گزرا جس سے قریش کے کان بھی آشنا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لمک کے بیٹے اور وہ متوشلخ کا بیٹا اور وہ حنوک کا اور وہ یارد کا اور وہ محلل ایل کا اور وہ قینان کا اور وہ آنوس کا اور وہ شیث کا اور وہ آدم علیہ السلام کا۔ آدم علیہ السلام سے تخمیناً سولہ سو برس گزرے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد دنیا میں بہت پھیل گئی تھی اور زمین بدکاری اور ظلم سے بھر گئی تھی۔

توریت یا اور کسی صحیفہ سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس ملک میں اور کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟ مگر اکثر

مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت نوح آرمینا و کردستان وغیرہ ایشیاءِ کوچک میں پیدا ہوئے تھے اور اس شہر اور گاؤں کا نام معلوم نہیں کہ کیا تھا جہاں حضرت رہا کرتے تھے اور طوفان کے بعد جو بارِ دگر دنیا آباد ہوئی تو سب سے پہلا یہی ملک بنی آدم کا وطن معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اطراف میں وہ برج بنایا گیا تھا جو طوفان کے بعد آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے لوگوں نے بنایا تھا۔ اس کے نشان اب تک بغداد کے نواح میں سیاحوں کو دکھائی دیتے ہیں اور شہر بابل اور نینوا بھی یہیں بسے تھے جو اب خاک کے تودے اور ڈھئی ہوئی عمارات کے نشان کچھ کچھ معلوم ہوتے ہیں اور کھودنے سے بڑی بڑی اینٹیں اور حیرت انگیز بنیادیں نکلتی ہیں اور بابل کی اینٹوں سے۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿١٢﴾

پھر میں نے ان کو کھلم کھلا بھی بلایا پھر میں نے ان کو خبردار بھی کر دیا اور چپکے چپکے بھی کہا۔ سو میں نے کہہ دیا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے تاکہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے۔

ترکیب: جهارا منصوب علی المصدریة لان الدعاء یکون جهارا وغیر جهار فالجهار احد نوعیه ویجوز ان یکون مصدرا فی موضع الحال ای مجاهرا اوذا اجهار اوصفة مصدر محذوف بمعنی دعاء جهارا ای مجاهرا به اسرارا مفعول مطلق من اسررت یرسل وکذا ما بعده یمدد و یجعل مجزوم علی انه جواب الامر ای استغفروا والمدرار الدرور هو التحلب بالمطر وانتصابه اما علی الحال من السماء ولم یؤنث لان مفعالا لایذکر ویؤنث اوانه نعت لمصدر محذوف ای ارسالا مدرارا۔

تفسیر......: کسریٰ نے مدائن میں طاق بنایا اور خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں بغداد شہر کی عمارات چنی گئیں اور کوفہ اور بصرہ بھی آباد ہوا تھا۔ الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی اور مکاری سے منع کرنا شروع کیا اور توحید اور مکارمِ اخلاق اور خدا پرستی کی تعلیم کی۔ لوگوں کی زندگی کے ایام پورے ہو چکنے کو تھے۔ نہ مانا اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا بھیجنا اور قوم کو ڈرسنانا اور قوم کا نہ ماننا اور پھر نوح علیہ السلام کا حق سبحانہٗ سے بطور شکایتِ قوم یہ عرض کرنا کہ میں نے ان کو یوں سمجھایا یا میرا کہا انہوں نے نہ مانا بیان فرماتا ہے، فقال اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کس لیے کہ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ کہ اپنی قوم کو عذاب الیم (دنیا کا غرق، آخرت کا جہنم) کے آنے سے پہلے ڈرا اور خبردار کرتا کہ وہ اپنی بدکرداری سے باز آئیں قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ نوح نے حسب الامر قوم سے کہا اے قوم میں تمہارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کوئی مخفی اور مبہم اور معما کی بات نہیں۔ ایسی قوم جو دریائے نکبت میں ڈوب رہی ہو اس کے ناصح کو مناسب یہی ہے صاف صاف کہے۔ ابہام اور معما میں گول گول باتیں نہ کہے کہ وہ سودمند نہیں ہوتیں۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اول یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کی پابندی چھوڑ دو اسی کے ہاتھ میں موت و حیات، نفع و نقصان ہے۔ معلوم ہوا کہ قوم بت پرست تھی۔ اس لیے پہلے توحید کا حکم دیا کیونکہ تمام مکارمِ اخلاق کی بنیاد توحید پرستی ہے۔ (۲) واتقوہ اور اللہ سے ڈرا بھی کرو، بدکرداری اور جس قدر مکروہ کام ہیں چھوڑ دو۔ کس لیے کہ ایسے کاموں پر وہ سزا دیتا ہے۔ یہ ہیں اللہ سے ڈرنے کے معنی۔ معلوم ہوا کہ قوم بڑی بدکار تھی، زمین کو ان کی بدکاری اور گندے کاموں نے گندہ کر رکھا تھا۔ (۳) واطیعون اور معاملات اور اصلاحِ رسم و

رواج اور درستی اخلاق و امورِ تمدن و معاشرت و طریقِ عبادت میں میرا کہنا مانو۔ جس راہ میں تم کو لے چلوں چلو۔ کس لیے کہ سعادت کے پرخطر رستہ کا ہادی نبی ہوتا ہے جو قوم اس کے قدم بقدم چلے گی سعادتِ دارین تک پہنچے گی اور جس نے اپنے رسول کو چھوڑ دیا وہ پرخار اور عمیق گھاٹیوں میں ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے' دین و دنیا کے بادشاہ ہو گئے۔ آج کل اکثر مسلمانوں نے اپنے ہادیِ برحق کا رستہ چھوڑ رکھا ہے اس لیے دین و دنیا کی رسوائیاں اور ذلتیں ان پر سوار ہیں۔

اس حکم برداری کا یہ ثمرہ ہوگا (۱) يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں من تبعیض کے لیے ہے۔ تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ گناہ بخش دے گا یعنی حقوق العباد معاف نہ ہوں گے، وہ ادا کرنے سے یا ان کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ (۲) وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور تم کو ایک معین مدت تک دنیا میں رہنے آرام کرنے دے گا، غارت و برباد نہ کرے گا جیسا معتوب لوگ کیے جاتے ہیں اور آخر کار یہ بھی کیے گئے مدتِ معین تک۔ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہیں ٹھہرتا اور نہ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا مقام ہے۔ کس لیے کہ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ اللہ کا وعدہ جب آتا ہے تو ٹلتا نہیں۔ یعنی موت کا وقتِ معہود نہیں ٹلتا، باقی عقاب و عذاب میں گرفتار ہو کر فنا ہونا جو گناہوں پر ہوتا ہے نیکوکاری سے ٹل جاتا ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم کو خبر ہے تو میری اطاعت کرو ایمان لاؤ، یا یہ کہ کاش وہ جانتے مگر وہ بدنصیب قوم برسوں بلکہ سینکڑوں برسوں کے سمجھانے پر بھی نہ مانی اور اس قدر عرصے میں عذاب نہ آنے سے اور بھی دلیر ہو گئی۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے بطور مناجات عرض کرنا شروع کیا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا کہ اے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہدایت کی طرف بلایا، وعظ و پند کیا، اس کام میں کوئی کمی نہیں کی مگر وہ اس سے اور بھی بھاگنے لگے۔ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا کہ تو انہیں معاف کر دے یعنی تیری طرف معافی کے لیے بلانا چاہا تو انہوں نے (۱) اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ کہیں میری بات سننے میں نہ آئے اور اسی پر بس نہیں کیا (۲) بلکہ اپنے اوپر کپڑا اڈال لیا، منہ چھپا لیے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں یا یہ عداوت کرنے سے کنایہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں نے دشمن کا جامہ پہن لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس لیے کپڑا ڈالتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان کو پیغمبر نہ بلائے۔ (۳) اور اپنے کفر و بدکاری پر اڑ گئے ہرگز توبہ و ندامت نہیں کرتے۔ (۴) اور بڑا غرور کرنے لگے اس پر بھی میں نے بس نہیں کی بلکہ ثم انی دعوتهم جهارا اس کے بعد بھی میں نے بآوازِ بلند ان کو بلایا۔ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ پھر میں نے ان کو خبردار بھی کیا اور جتا دیا کہ میں خداتعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پیغام لایا ہوں۔ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا اور مخفی طور پر بھی سمجھا دیا یعنی ہر طور سے بلایا اور نصیحت کی۔

استغفار کے فوائد: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ تم اور کسی سے نہیں بلکہ اپنے پرورش کرنے والے محسن اور مربی سے معافی مانگو۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وہ (۱) تم پر بارش برسا دے گا، قحط و گرانی کے عذاب سے نجات دے گا۔ لفظی معنی یہ ہوئے کہ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا سماء سے مراد بادل ہے۔ (۲) وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اولاد نہ کہا جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کس لیے کہ لڑکیوں کی پیدائش سے وہ ناخوش ہوتے تھے اس لیے بنین کہا یعنی لڑکے دے گا۔ (۳) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے گا خوب میوے کھاؤ گے۔ (۴) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لیے نہریں تیار کر دے گا۔ ان دنیا کی چیزوں کی طرف طبائع عامہ کی رغبت ہوتی ہے اور وہ قوم بھی انہیں پر فریفتہ تھی اس لیے معافی مانگنے پر ان چیزوں کا وعدہ دیا اور یہ وعدہ سچا تھا، طمعِ خام نہ تھی۔ اب بھی استغفار کی یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور عجز و نیاز سے اپنے رب العالمین سے معافی مانگتا رہے گا اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی، قحط

سالی رفع ہوگی، زمین کی پیداوار زیادہ ہوگی مجرب بات ہے۔

روایت : روایت ہے کسی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے قحط سالی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کر۔ ایک نے تنگدستی کا گلہ کیا، کسی اور نے نسل کی قلت کا شکوہ کیا۔ ایک اور نے کہا زمین کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ سب کو آپ نے اللہ سے مغفرت مانگنے کا حکم دیا۔ ربیع بن صبیح نے کہا آپ سے لوگوں نے مختلف اغراض بیان کئے اور جدا جدا چیزیں چاہیں آپ نے سب کو استغفار کا ہی حکم دیا۔ حسن نے یہ آیت پڑھی۔

علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آئے اور دل سے اور زبان کو پاک رکھے اور عجز و نیاز اور خلوصِ دل سے استغفار کرے۔ دنیا میں اس کی یہ برکتیں ہیں آخرت میں جنت ہے۔ کس لیے کہ اہلِ جنت کی شان میں آیا ہے۔ وبالاسحار ھم یستغفرون کہ صبح کے وقت خدا سے معافی مانگا کرتے تھے اور احادیثِ صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ راقم الحروف بھی ہر صبح استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھا کرتا ہے۔ مگر واہ رے بدنصیب قوم! اس پر بھی نوح علیہ السلام کا کہنا نہ مانا جس پر ناچار ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی عظمت نہیں سمجھتے حالانکہ اس نے تم کو رنگ برنگ کا پیدا کیا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سات آسمان اوپر تلے (کیسے) بنائے ہیں اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا بنایا اور آفتاب کو چراغ بنا دیا اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے اگایا لہلہاتا ہوا اگایا پھر وہ اسی میں تم کو لوٹا کر لے جائے گا اور اسی میں سے (پھر) باہر نکال لے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا کر دیا تا کہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلا کرو۔

ترکیب : الوقار بمعنی التوقیر ترجون بمعنی تعتقدون وانما عبر عن الاعتقاد بالرجاء التابع لادنی الظن مبالغة وللہ اللام للتبین بیان للموقر ویمکن ان یکون صلة للوقار وقد خلقکم الجملة حال من الضمیر فی لکم اطوارا مختلفین حال من ضمیر فی خلقکم وقیل مفعول ثان لخلق بمعنی جعل قال اللیث الطور التارة یعنی حال بعد حال وقال ابن الانباری الطور الحال والھیئة وجمعة اطوار طباقا انتصابه علی المصدریة یقال طابقه طباقا ومطابقة اوحال بمعنی ذات طباق فحذف ذات واقیم طباقا مقامه نباتا منصوب علی انه مفعول مطلق ولم یقل انباتا کما یقتضیه الظاہر للدقیقة اللطیفة وھی انه لوقال انباتا کان صفة للہ تعالیٰ وھم لایعتقدونه بل اکثر المادین بل کلھم یقولون اللہ لاینبتنا ولما قال نباتا صار صفة للنبات والنبات العجیب مشاہد محسوس یستدل به علی وجود الباری تعالیٰ شانه فنباتا مصدر علی حذف الزوائد ویسمیٰ اسم المصدر ویجوز ان یکون مصدر النبتم مقدر تقدیرہ انبتکم فنبتم نباتا حسنا فیکون منصوبا بالمطاوع المقدر وعند الخلیل والزجاج ھو مصدر محمول علی المعنی لان معنی انبتکم جعلکم تنبتون نباتا وقیل المعنی اللہ انبت لکم من الارض النبات فعلی ھذا ھو مفعول به وعلی لااول معنی انبتکم انشاءکم فاستعیر الانبات للانشاء لانه اول علی

الحدوث والسکون من الارض۔ فجاجا جمع فج وھوالطریق الواسع' سبلا جمع سبیل وھو مفعول فیہ۔

تفسیر: مَالَكُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ سے عزت و حرمت کی امید نہیں رکھتے، اپنے بتوں سے رکھتے ہو کہ فلاں عزت دے گا، فلاں مال دے گا۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی توقیر و عزت نہیں خیال کرتے اور دل میں نہیں لاتے اوروں کی عزت و حرمت دل میں ہے مگر ہائے اللہ کی نہیں۔ جس لیے ان سے ڈرتے اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہو۔ دلیل توحید: نوح علیہ السلام نے اول توحید کا حکم دیا اس کے بعد اس کے ثبوت میں چند دلائل بیان فرمائے۔ پہلی دلیل: (۱) وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا کہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا، تم اول نطفہ تھے' پھر علقہ ہوئے' پھر مضغہ ہوئے' پھر انسان بنے یا یہ کہ کسی کو امیر، کسی کو غریب، کسی کو خوبصورت، کسی کو بدصورت بنایا۔ پھر سب کا ڈھانچ ایک ہے مگر صورتیں جدا جدا۔ یہ نہ مادۂ بے شعور کا کام ہے نہ طبیعت کی کاریگری ہے۔ آخر کوئی علیم و خبیر ہے کہ جس نے یہ بڑا کام کیا ہے۔ یہ بڑی مستحکم دلیل ہے جو انسان ہی کے حالات سے متعلق ہے اپنے آپ ہی میں غور کرے گا تو سینکڑوں نشانِ قدرت پائے گا۔ دلائلِ انفس کے بعد اب دلائلِ آفاق شروع کرتا ہے۔ دوسری دلیل: (۱) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے کیسے سات آسمان اوپر تلے بنائے؟ آسمانوں کے وجود پر کئی بار بحث ہو چکی ہے۔ سماوات اس کی قدرتِ کاملہ کا بڑا نمونہ ہیں۔ (۲) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا کہ اس نے آسمانوں میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنایا۔ آفتاب و ماہتاب کا فرق دہریوں اور مادیوں کو حیرت میں ڈال دینے والا ہے اور ناچار ایک حکیم علیم و قدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

سوال ۱: چاند پہلے آسمان پر ہے، ساتوں میں نور ہونا کیونکر فرمادیا؟

جواب: کبھی ایک چیز کو جو ایک جز خاص میں ہوتی ہے اس کا مجموعہ میں ہونا عرفاً بیان کر دیا جاتا ہے کہتے ہیں بادشاہ ہندوستان میں ہے حالانکہ وہ اس کے ایک خاص جزو میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بیان فرمایا گیا۔

سوال ۲: چاند نہ روشنی میں بڑھ کر ہے نہ جسم میں پھر اس کو تو نور فرمایا جو بڑھ کر بات ہے اور آفتاب کو چراغ اس میں کیا رمز ہے؟

جواب: (۱) آفتاب کی روشنی میں گرمی ہے جس طرح چراغ کی۔ اس لیے اس کو چراغ کہا۔ اور چاند میں یہ بات نہیں اس کو محض نور کہہ دیا۔ (۲) ضوء جس کو چمک کہتے ہیں نور یعنی روشنی سے بڑھ کر ہے اس لیے آفتاب جو چمکتا ہوا ہے اس کو ضیا[1] اور سراج کہا کیونکہ چراغ میں چمک ہے اور اس چمک سے روشنی پیدا ہوتی ہے اس لیے ماہتاب کو روشنی فرمایا جو آفتاب کی چمک سے ہے۔ تیسری دلیل: پھر اول دلیل کی تشریح کرتے ہیں جو ایک طور سے نئی دلیل ہے۔ فقال وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا کہ اللہ نے تم کو زمین سے اگایا۔ حضرت آدم علیہ السلام جو سب بنی آدم کی اصل ہیں ان کا زمین سے بنانا اور اگانا ان کی اولاد کا اگانا یا یوں کہو کہ انسان منی سے بنتا ہے اور منی زمین کی غذاؤں سے اور وہ غذائیں زمین سے اگتی ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کو خاک سے اگایا مگر نباتا کے لفظ میں اس اگنے کی دلکش کیفیت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے۔ اول کیسے پودے لہلہاتے ہوئے اگتے ہیں۔ لڑکپن کا نشوونما' جوانی کی بہاریں کیا دلکش نظارہ ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ کس طرح سوکھتے جاتے ہیں اور پھر خاک میں جا ملتے ہیں۔ ان باتوں کو وہ خود بھی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جب اس قدیر کی یہ قدرتِ کاملہ ثابت ہوگئی تو گویا حشر کے دن قبروں سے نکالنے پر قادر ہونا بھی ثابت کر دیا۔ ان کے مقابلہ میں یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ حشر کے دن وہ پھر تم کو اس خاک میں سے نکالے گا اور لفظ اخراجا میں اس کی کیفیتِ خاص کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اس دلیل میں انسان کی ابتداء اور انتہاء اور اس کی بے ثباتی سب کچھ بیان کر دی اور

[1] هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا

مسئلہ مبدء ومعاد پورا ثبوت کر دیا جو نبوت کا اہم کام تھا۔ چوتھی دلیل: (۴) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا۔ نہ زیادہ سخت کیا نہ زیادہ نرم بلکہ رہنے ٹھہرنے، چلنے پھرنے کے قابل۔ نہ یہ مادہ کا کام ہے نہ طبیعت اجسام کا نہ کسی اور کا بلکہ اس علیم وحکیم کا تَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا تا کہ تم کشادہ رستوں میں چلا کرو۔ اول دنیا کے گھر کے باشندے بیان فرمائے یعنی انسان اور ان کا بنانا بھی بتایا کہ کس طرح اور کس چیز سے پیدا ہوئے اور کب تک یہاں رہیں گے، آخر کیا ہو جائیں گے۔ پھر اس گھر کی چھت سبع سماوات بیان فرمائی کہ کس صناع نے کس حکمت کاملہ سے اس کو بنایا اور اس کو چاند و سورج سے منور کیا۔ رات میں ماہتاب اور دن میں آفتاب روشنی دیتے ہیں۔ کیسی عمدہ قندیلیں اس حکیم نے روشن کی ہیں اور ان میں نور کا کیا مادہ ڈالا ہے جو ہزاروں برسوں سے اسی طرح چلا آتا ہے اس کے بعد زمین کی کیفیت بیان فرمائی جو اس گھر کا فرش ہے جس سے یہ مقصود کہ دنیا کا گھر فرش اور چھت اور اس کے رہنے والے اسی نے بنائے ہیں پھر اور کسی کا کیا حق اور کون ساحصہ ہے جو اس کو بھی اس کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ سبلا فجاجا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفر و بدکاری کے رستے تنگ اور پرخار اور پرخطر ہیں ان پر نہ چلو، توحید و خدا پرستی کا وسیع رستہ ہے اس پر چلو تا کہ منزل سعادت کو پہنچو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نوح نے کہا اے میرے رب انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور اس کو مانا کہ جس کو اس کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑا فریب کیا اور قوم نے (آپس میں) کہا اپنے معبودوں کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق ونسر کو حالانکہ وہ بہت کو گمراہ کر چکے ہیں (وہ بت) ستمگاروں کو تباہی کے سوائے اور کچھ فائدہ نہیں دیا کرتے۔

ترکیب: انهم الجملة مفعول قال من مفعول اتبعوا والضمير فاعله قرئ ولده بفتح الواو واللام وبضم الواو وسكون اللام وهما سبعيتان وقرئ بفتح الاول وسكون الثانی وهی لغة وقيل جمع الولد۔ كبارا قرء الجمهور بالتشديد ای كبيرا عظيما كقراء وحمال قال المبرد الفعال للمبالغة وقرئ بكسر الكاف وتخفيف الباء هو جمع كبير ود قرء الجمهور بفتح الواو وقرئ بضمها قال الليث بضم الواو صنم لقريش وبفتحها صنم كان لقوم نوح و فی الصحاح الود بالفتح الوتد فی لغة اهل نجد كانهم سكنوا التاء وادغموها فی الدال سواعا بهما منصرفان يغوث ويعوق عند الجمهور غير منصرفين فان كان عربيين فللعلمية ووزن الفعل وان كان عجميين فللعجمة والعلمية وقرئ منصرفين للتناسب بما قبلها۔ ولا تزدا لظالمين معطوف على رب انهم عصونی وقال ابوحيان انه معطوف على قد اضلوا ومعنى الضلال الخسران والعذاب۔

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے دلائل بھی قائم کئے پھر بھی اس کم بخت قوم نے خدا پاک کی طرف رجوع نہ کیا اور کوئی امید ان کی ہدایت کی باقی نہ رہی تب ناامید ہو کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کرنے لگے قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ کہ یارب ان لوگوں نے میرا کہنا مانا وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور ان ناپاک اور گمراہوں کے تابع ہو گئے کہ جن کے مال اور اولاد نے بجائے فائدہ آخرت کے ان کو اور نقصان دیا آل اور اولاد کی افزائش سے اور بھی سرکشی و گمراہی میں پڑ گئے اور اترا گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم جس طریقے پر ہیں وہی برحق ہے کس لیے کہ اگر برحق نہ ہوتا تو پھلتے پھولتے نہیں یہ شخص ناحق کی بک بک کیا کرتا ہے۔

فائدہ ۱: خدا کی پناہ انسان بدکاری پر بدکاری و بت پرستی کرے اور خدا کی طرف سے اس کو کوئی روکنے والی سزا نہ ملے اور وہ افزائش مال اور اولاد میں ترقی کرتا جائے پھر وہ تو اپنے طریقہ کو کبھی برا نہیں سمجھے گا بلکہ اور بھی دل کھول کر کرے گا اور مغرور ہوتا جائے گا۔ یہ بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بت پرست و بدکار قومیں کس طرح سے پھولتی پھیلتی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سخت عذاب تیار ہے۔ ومکروا مکرا کبارا اور بڑے مکر وفریب کئے۔ کہیں ان بتوں اور ہیاکل کی پرستش کی عجیب دلیلیں بنا رکھی تھیں اور بحث میں ہارتے نہ تھے۔ کمینوں اور لچوں شہدوں کو لالچ دے کر حضرت نوح علیہ السلام کی توہین وایذا پر آمادہ کیا اور انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ اور بڑی دلیری سے ان کے سرداروں نے کہہ دیا کہ خبردار اپنے معبودوں کو اس شخص کے کہنے سے نہ چھوڑنا۔ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا خصوصاً ان پانچ معبودوں کو تو ہرگز نہ چھوڑنا، ود کو، سواع کو، یغوث کو، یعوق کو، نسر کو۔[1]

فائدہ ۲: دنیا میں جب حضرت آدم علیہ السلام آئے اور ان کی اولاد پھیلی اس کے ساتھ ہی شیطان نے بھی قابو پایا۔ تھوڑے ہی زمانے بعد حضرت کی اولاد میں بدکاری اور جور وجفا نے رواج پانا شروع کیا۔ قوتِ بہیمیہ اور قوتِ غضبیہ نے اپنا جلوہ دکھایا اور فرشتوں کا من یفسد فیها ویسفك الدماء کہنا صادق آیا۔ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا۔ شیطان کا اثر اول انہیں دونوں قوتوں پر ہوا کرتا ہے اس کے بعد قوتِ عملیہ میں بھی ان کے ظلمات سے خلل ڈال دیتا ہے۔ پھر سینکڑوں توہماتِ باطلہ علمی حقیقی قرار پا جاتے ہیں۔ **صابیہ کا حدوث:** شدہ شدہ توہمات وتخیلات کی پرستش بھی شروع ہوگئی اور اس وادیِ جہالت میں ٹکریں مارتے مارتے ایک باقاعدہ مخلوق پرستی بھی شروع ہوئی اور ایک جدید مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو صابیہ[2] کے نام سے مشہور تھا۔ یہ فرقہ بقول بعض مؤرخین طہمورث کے اول سال جلوس میں پیدا ہوا ان

---

[1] مشہور یہ ہے کہ پانچ نیک آدمی تھے جو آدم ونوح علیہم السلام کے وسطی حصہ میں تھے بوجہ ان کی نیک بختی کے عامۃ الناس ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے بت بنا کر پرستش شروع کردی۔ صاحب مواہب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ود مرد کی صورت کا بت تھا اور سواع عورت کی صورت اور یغوث بصورت بیل اور یعوق بصورت گھوڑا اور نسر بصورت گدھ۔ طوفان میں یہ سب بت غرق ہوگئے تھے مگر ابلیس نے ان بتوں کو نکال کر عرب کو ان کی پرستش پر مامور کیا۔ چنانچہ عرب کی پانچ جماعتیں ہوگئیں اور ہر ایک جماعت نے ایک بت اپنے لیے خاص کر لیا چنانچہ قضاعہ نے ود اختیار کیا اور ہذیل نے سواع اور قبیلہ اعلیٰ وادنیٰ نے یغوث کی پرستش شروع کی اور ہمدان نے یعوق کی اور حمیر نے نسر کی یہاں تک تمام عالم پر ظلمت کی گہری گھٹائیں چھا رہی تھیں کہ فاران کی چوٹیوں سے اس نورِ محمدی کا ظہور فرمایا اور ایک عالم کو مشرق سے مغرب تک روشن ومنور کیا۔ ۱۲ منہ

[2] یقال صبا الرجل اذا مال وزاغ فبزیغهم عن طریق الحق یقال لهم الصابیۃ وقد یقال صبا الرجل اذا عشق وهوا۔ یہ فرقہ اپنے تئیں عاذیمون وہرمس (ادریس علیہ السلام) کا پیرو کہتا تھا اس کا حدوث عہد طہمورث میں بیان کرتے ہیں۔ طہمورث ہوشنگ کا جانشین ہے اور ہوشنگ کیومرث کا جس کو پارسی آدم علیہ السلام کہتے ہیں۔ یہ فرقہ ایشیاءِ کوچک اور شام اور عراق میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ ہمیشہ سے فریقِ انبیاء کا منکر تھا اور فریقِ متبع انبیاء علیہ السلام حنفیہ اور اس کے پیرو حنفا کہلاتے تھے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو حنیف اس فرقہ صابیہ کے مقابلہ میں کہا گیا اور قرآنِ مجید میں اکثر جا اس لفظ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد بت پرستی سے یکسو ہونا ہے اور بت پرستی فریقِ صابیہ کے اصول میں داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فریقِ صابیہ کا عراق میں بہت زور تھا اور انہیں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ۱۲

ان کا یہ مذہب تھا کہ بے شک اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو تمام حدوث کے دھبوں سے پاک ہے اور وہ حکیم بھی ہے اور ہم اس کے جلال تک بغیر واسطے کے پہنچ نہیں سکتے اس لیے ہم کو ان وسائط سے کام پڑا جو اس کے ہاں مقرب ہیں اور وہ روحانیات ہیں (اس لیے اس فریق کو اصحاب الروحانیات بھی کہتے ہیں) اور وہ اپنے جوہر اور افعال وحالت میں پاک ہیں جوہر میں۔ اس لیے کہ وہ موادِ جسمانیہ وقوائے جسدانیہ وحرکاتِ مکانیہ وتغیراتِ زمانیہ سے پاک ہیں وہ طہارت پر مجبول اور تسبیح وتقدیسِ الٰہی پر مفطور ہیں۔ پس یہ ہمارے رب اور سفارشی ہیں وہ رب الارباب ہے یہی ہماری حاجات کا پورا سامان ←

کے دو فریق تھے۔ ایک اصحاب ہیاکل یعنی ستاروں کی شکل وصورت کو ان کی روحانیت کا مظہر جان کر پرستش کرتے تھے۔ دوسرے اصحاب اشخاص جو ان چیزوں کی مورتیں پوجا کرتے تھے۔ یہ پانچ بت بھی اسی قسم سے تھے۔

فائدہ ۳: دنیا میں بت پرستی کا ایک تو یہی سبب ہے جو بیان ہوا اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں۔ ازانجملہ یہ کہ خداتعالیٰ کو ایک مجسم چیز تصور کر لیا اور یہ خیال کیا کہ ملائکہ اس کے تخت کے اردگرد کھڑے ہیں اسی خیالِ باطل کے مطابق انہوں نے حق سبحانہٗ کی بلند مورت بنائی اور چھوٹی چھوٹی ملائکہ کی اور اس کا دھیان دھرنے کے حیلہ سے انہیں مورتوں کو پوجنے لگے۔ ازانجملہ یہ کہ جو دنیا میں نیک اور نامور یا صاحبِ کرامات لوگ گزرے ہیں ان کی یادگار میں پہلے لوگوں نے تانبے پیتل لوہے پتھر کے بت ان کی شبیہ پر تراشے۔ بعد میں جہل بڑھتا گیا، انہیں کو پوجنے لگے اور ان کے نام کی من گھڑت مورتیں بنانی شروع کر دیں۔ شبیہ کا بھی قاعدہ ملحوظ نہ رہا۔ ازانجملہ یہ کہ خداتعالیٰ کی صفات کو محبوس اشکال میں ایک مناسبت خاصہ سے ڈھالا اس لیے ہر ایک صفت کی جدا مورت بنائی اور بابرکت اور اہلِ قدرت اشخاص کی نسبت کہ جن کو اپنی فہم میں معمولی درجے کی قدرت وطاقت سے زیادہ سمجھتے تھے یہ خیال کیا کہ ان میں خداتعالیٰ گھس گیا اور ان بے چون و بے چگوں نے اس پیکرِ انسانی یا نباتی یا حیوانی یا علوی میں ظہور کیا تو اسی کو معبودِ حقیقی سمجھ کر پرستش کرنے لگے۔ ہنود کا اوتاروں اور عیسائیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی اعتقاد ہے اور اس لیے انہوں نے ان اوتاروں کی مورتیں بنائیں اور پوجنے لگے اور کہنے لگے ان مورتوں کی پرستش

← کرتے ہیں اور افعال میں یوں کہ ایجاد واختراع میں اور تبدلِ حالات میں اور مخلوقات کو کمال تک پہنچانے میں یہی واسطہ ہیں۔ حق سبحانہٗ کی طرف سے قوت حاصل کر کے موجوداتِ سفلیہ تک پہنچاتے ہیں پھر کچھ ان روحانیات میں سے سات ستاروں کے مدبر ہیں اور یہ ستارے ان کے لیے ہیکل ہیں جیسا کہ ارواحِ انسانیہ کے لیے ان کے ابدان اور ہر ایک روحانی کے لیے ایک ہیکل ہے اور ہر ہیکل ایک آسمان میں ہے اور کچھ روحانیات کے آثارِ علویہ کے مدبر ہیں جو زمین اور آسمان کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ان قوتوں پر مؤکل ہیں جو تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہیں اور کچھ ہدایت کے لیے اور کچھ ہلاکت کے لیے۔ غرض ہر کام کے لیے وہی وسائط ہیں اور حالت ان کی یہ ہے کہ وہ قربِ الٰہی میں خوش وخرم ہیں۔ ان کا کھانا پینا تسبیح وتقدیس ہے۔ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں ہے۔ وہ جو حق سبحانہٗ فرماتا ہے وہی کرتے ہیں۔ طریقِ عبادت ان کا یہ ہے ستاروں اور بتوں کی پرستش کرنا، نذر ونیاز چڑھانا، بخور جلانا کروہ منتر وعزائم پڑھنا جن میں ان ستاروں آفتاب، ماہتاب، زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، مریخ اور بتوں کی بے حد مدح اور اپنی عاجزی ہوتی ہے اور پھر ہر ایک ستارہ کی پرستش کے بڑے بڑے دستورات ہیں۔ پھر صابیہ کے دو فریق ہو گئے اصحاب الہیاکل یعنی ستاروں کے پوجنے والے، ہر ستارہ کا مندر اس کے اوقاتِ مخصوصہ میں مع رعایتِ اقلیم ودیگر شروط بنا رکھے تھے رومیوں نے جوپیٹر کا مندر یعنی مشتری کا اور اسی طرح ڈینس یعنی زہرہ کا بنایا تھا۔ دوسرے اصحاب الاشخاص کہ انہوں نے ستاروں کے خواص وآثار کے لحاظ سے مورتیں بنائیں، کسی کی بہادری کے لحاظ سے شیر کی، خوبصورتی کے لحاظ سے حسین عورت کی اور وہ پھر ان مورتوں کو پوجنے لگے اور نیز ان مورتوں کے جواہر میں بھی ستاروں کی رعایت ہوتی تھی، کسی کو لوہے کا کسی کو تانبے کا کسی کو پیتل کا ڈھالتے تھے۔ یہ بت جو قومِ نوح علیہ السلام میں تھے غالباً انہیں سیارات کے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں پھر اس فرقہ کا زور ہو گیا تھا پھر پارسیوں اور اہلِ ہند ویونان وروم میں بھی صابیت نے زور کیا اور ہر ملک میں اس پر نئی قلعی چڑھی۔ اگر رگوید کے حصہ اول کو ملاحظہ کریں گے تو اس میں انہیں ارواح اور عناصر اور جنوں کی مدح کے منتر پائیں گے اور پھر ان کی پرستش اور پاٹ کے طریقے ہیں اور کچھ ان کے پوجنے والوں کے لیے جو جو مددیں پہنچیں ان کے جھوٹے سچے مبالغہ آمیز قصے ہیں۔ اسی طرح دساتیر میں ستاروں کی پرستش اور ان کی دعائیں مذکور ہیں۔ ستاروں کی پابندی اور ان سے سعادت ونحوست کا تعلق اور نیرنجات وشعبدے اور فال گنڈے اور دیگر توہمات باطلہ اسی فرقہ کے آثار ہیں۔ عرب میں بھی صابیت آئی تھی گو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کے سبب صابیت کو برا جانتے تھے۔ حنفاء کا طریق جو سلسلہ انبیاء علیہم السلام ہے ہمیشہ صابیت کا رد کرتا آیا ہے اور یہ بتلاتا رہا ہے کہ گو ملائکہ عالم کے تدبیر وتصرف میں اس کے حکم سے مصروف ہیں مگر وہ یا اور کوئی سیارہ وغیرہ جز حق سبحانہٗ کے نفع، ضرر نہیں دے سکتا ہر حال میں اسی کی پرستش اسی کی نذر ونیاز اسی سے مدد مانگنا اسی کو پکارنا لازم ہے اور دوسرے کو اس کے اقتدار الوہیت میں ملانا شرک ہے۔ جو اکبر الکبائر ہے۔ محمدیت کا اصل منشاء توحید ہے۔ مگر افسوس تابع انبیاء میں بھی اجنبیوں کی صحبت سے صابیت نے اثر کر لیا۔ ۱۲ منہ

دراصل ان کی پرستش ہے کہ جن کی یہ مورتیں ہیں اور ان کی پرستش عین حق تعالیٰ کی پرستش اور باعثِ نجات ہے۔ یہ قوتِ متوہمہ کا ضلال مبین ہے۔ برہما بشن، مہادیو کو اس کی صفت کا مظہر جان کر پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح عناصر و سیارات و نباتات و حیوانات میں سے اہلِ ہند نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ اس کو پوجتے نہ ہوں۔

فائدہ ۴: ود یہ محبت و خواہش کا بت تھا اس معنی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو مرد کی صورت میں ڈھالا تھا اور اسی کو تمام کائنات کا باعثِ ایجاد جانتے تھے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت و خواہش ہوئی کہ میں ظاہر ہوں اس لیے اس نے دنیا پیدا کی اور مرد کی صورت اس لیے بنائی کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت و رغبت ہوتی ہے اور ہنود اس مظہر کو برہما کہتے ہیں۔ سواع کے معنی قائم کرنے اور ٹھہرنے کے ہیں شرع میں اس کو صفتِ قیومیت کہتے ہیں۔ یہی صفت بقائے عالم کا باعث ہے اس معنی کو عورت کی شکل میں متشکل کیا۔ اس لیے کہ خانہ داری و انتظامِ خانگی سب عورت کی ذات سے ہے۔ ہنود اس صفت کو بشن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہوں نے بھی اس کو ایک صورت و مورت بنا رکھی ہے۔ یغوث (غوث بمعنی مدد کے) حاجت روائی و مشکل کشائی کی صفت کا بت گھوڑے کی تصویر میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے کہ گھوڑا جلد دوڑ کر آتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ بت اپنے پوجنے والوں کی مدد کو جلد آتا ہے۔ اہلِ ہند اس کا مظہر اندر دیوتا کو بتاتے ہیں۔ یعوق عوق روکنے اور مصائب و اعدا کے دفع کرنے کی صفت اس کا بت بشکل شیر بنا رکھا تھا کہ یہ بہادر جانور دشمنوں پر بڑا حملہ کرتا ہے۔ اہلِ ہند اس کا مظہر شیو بتاتے ہیں۔ نسر گدھ یہ صفت سرمدیت کا بت بشکل گدھ اس لحاظ سے بنایا تھا کہ گدھ کی بھی بڑی عمر ہے۔ اور بھی ہر ایک خیال سے بت اور آلہء باطلہ تھے مگر ان پانچوں پر تو مٹے ہوئے تھے اس لیے بالخصوص ان کی بابت تاکید کی کہ ان کو نہ چھوڑنا۔ اور بت پرستی کی یہ توجیہات جیسا کہ ہنود کرتے ہیں مکرِ عظیم تھا جس کے سبب قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ہزاروں بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈال دیا تھا۔ خدا پاک کو چھوڑ کر انہیں مظاہر کی پرستش میں اٹک کر رہ گئے اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

فائدہ ۵: طوفان کے بعد یہی پانچوں بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پجتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے تک قبائل عرب میں بھی پجتے تھے۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قومِ نوح کے بت عرب میں بھی پوجے جایا کرتے تھے۔ ود دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا بت تھا اور سواع ہذیل کا یغوث مراد کا پھر بنی غطیف کا اور یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر آل ذی الکلاع کا بت تھا۔ یہ اس قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ مر گئے تو شیطان کے کہنے سے ان کے نام کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ ان کے علاوہ عرب کے اور بھی بت تھے۔ لات بنی ثقیف کا اور عزیٰ بنی سلیم و بنی غطفان و بنی نظر و بنی سعد و بنی بکر کا بت تھا اور منات اہل قدید و مشلل کا بت تھا اور اہلِ مدینہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اساف و نائلہ و ہبل اہلِ مکہ کے بت تھے۔ اساف کو حجرِ اسود کے سامنے کوہِ صفا پر کھڑا کر رکھا تھا اور نائلہ کو رکن یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبہ کے اندر۔ یہ بڑا قد آور آٹھ گز کا اونچا بت تھا۔ جنگ کے وقت اسی کا نام پکارتے تھے۔ ابوسفیان نے احد کی لڑائی میں پکارا تھا۔ اعل ہبل جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اعز و اجل۔

جب حضرت نوح علیہ السلام بالکل ناامید ہو گئے تو اس ناپاک قوم کی نسبت یہ بددعا کی۔ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا کہ یہ ظالم اور بھی گمراہی میں بڑھیں کہ جلد عذاب آ کر تمام ہو جائیں یا یہ معنی کہ ان پر عذاب نازل ہو کس لیے کہ ضلال کے معنی ہلاکت و تباہی کے بھی ہیں۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا

كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

اپنے بعض گناہوں کے سبب غرق کر دیے گئے پھر جہنم میں داخل کیے گئے پھر انہوں نے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہ پایا اور نوح نے کہا اے رب! زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑنا۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نسل بھی جو ہوگی تو فاجر و کافر ہوگی۔ اے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور اس کو بھی جو میرے گھر (کشتی) میں مومن ہو کر آ گیا ہے اور ایماندار مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور ظالموں کو تو بربادی کے سوا اور کچھ زیادہ نہ کرنا۔

ترکیب: مما ما مزیدۃ لتاکید والمعنی من۔ خطیئتھم قرء الجمھور علی جمع السلامۃ وقری خطایاھم علی جمع التکسیر' دیارا من یسکن الدیار ویدور فی الارض ولا تستعمل الا فی النفی العام اصلہ دیوار علی وزن فیعال من الدار او الدور فقلبت الواو یاء و ادغمت احدھما فی الاخری قالہ الزجاج والفراء قال ابن قتیبہ ما بھا دیار ای نازل دار لا فعال والا لکان دوارا۔ البیضاوی۔ مؤمنا حال لمن دخل۔ تبارا۔ ہلاکا۔

تفسیر: اس کشمکش میں حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس گزر گئے اور سوائے چند شخصوں کے کوئی بھی ہدایت پر نہ آیا تب ان حضرت کی بددعا کے سبب عذاب آیا کہ آسمان سے بے انتہا پانی برسا اور زمین نے بھی اپنی سوتیں کھول دیں، تمام قوم غرق ہوئی مگر مِّمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب۔ اور غرق ہو کر بھی چھٹکارا نہ ہوا بلکہ اُدْخِلُوْا نَارًا مرنے کے بعد آگ یعنی جہنم میں داخل کیے گئے۔ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلائے عذاب ہوئے۔ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا اور ان کے ان معبودوں میں سے ان کے کوئی بھی کام نہ آیا، کسی نے مدد نہ کی کوئی بچا نہ سکا۔ یہ برہان قاطع مذہب صابیہ اور بت پرستی کے ابطال کے لیے ہے اور طلسم و نجوم فال گنڈے بھی اس سے باطل ٹھہرتے ہیں۔ کس لیے کہ اس وقت کچھ بھی کوئی ٹوٹکا شعبدہ و ستارہ دیوتا کام نہ آیا اور نہ آ سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ معبودِ حق وہی ایک ہے اسی کی عبادت اسی کی اطاعت فرض ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ حضرات انبیاء محض اس رستہ کے رہنما ہیں۔

ثبوتِ عذابِ قبر: فادخلوا کی فائ اور صیغۂ ماضی سے اہلِ سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان سے ملتا ہے اور عالمِ قبر اور عالمِ برزخ اسی کو کہتے ہیں۔ کس لیے کہ مرنے سے روح نہیں مرجاتی وہ ایک دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد بدلہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ڈبوئے گئے اور فوراً آگ میں داخل کیے گئے۔ معلوم ہوا کہ حشر سے پہلے بھی آگ میں داخل ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے۔ النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعونی صبح و شام آتشِ جہنم کے سامنے لائے جاتے ہیں اور قیامت کو سخت عذاب میں داخل کرنے کا حکم ہوگا اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بھی اس کا ثبوت بہت کچھ ہے۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حشر سے پہلے عذاب و ثواب کا کچھ ثبوت نہیں۔

وقال نوح اور جب قوم غرق ہونے لگی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اس پُر خار کھیتی کو کٹتے ہوئے دیکھ کر اسی قہرِ الٰہی کی تجلی میں حق سبحانہٗ سے یہ عرض کیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو بسنے کے لیے نہ چھوڑ۔ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا کس لیے کہ اگر آپ نے کسی کو چھوڑا تو یہ جبلی گمراہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ان کا خبیث مرض اوروں تک نہ پہنچ جائے، ان سے دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے اور ان کی گمراہی اور کجی جس کا میں نے سینکڑوں برس تجربہ کیا ہے ان کے خمیر میں داخل ہو گئی۔ اصلی فطرت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا اس لیے اگر ان کی نسل سے اولاد بھی ہوگی تو گندی بوٹی کا گندہ شوربا بدکار اور کافر ہی پیدا ہوں گے نہ ان میں ہدایت پانے کا مادہ باقی رہا نہ ان کی نسلوں میں پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو ایسے

خاردار ناپاک پیڑ سے باغ دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے۔

سوال: ۔کبھی کافروں بدوں کے گھر نیک اور نیکوں کے گھر شیطان بھی پیدا ہو جایا کرتے ہیں وہاں نطفہ کا اثر کیوں بدل جایا کرتا ہے۔

جواب: ۔اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کافر و فاجر ایسے ہوتے ہیں کہ ہنوز ان کی اصلی فطرت سالم ہوتی ہے اس لیے کبھی وہ خود بھی ہدایت پا جاتے ہیں اور بوقتِ مقاربت کبھی فطرت کا نور ان پر غالب ہو جاتا ہے۔ حالتِ کفر و فجور کی ظلمت کم ہو جاتی ہے اس لیے اس نطفہ سے نیک اور باخدا لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ ابھی ان کے تخم میں وہ زہر اثر نہیں کر گیا ہے۔ برعکس اس کے کبھی نیک اور باخدا لوگوں پر بعض گناہوں یا ترکِ اولیٰ وغیرہ امور یا حالتِ قبض سے ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ فضلات کے ذریعہ سے جسم میں سے جلد خروج کرنا چاہتی ہے اس وقت کے نطفے سے بدکردار' نابکار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایک وجہ ہے ورنہ وہ فاعلِ حقیقی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ رات میں سے دن اور دن میں سے رات' نور میں سے ظلمت اور ظلمت میں سے نور' زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے۔ وہ اسباب کی رسیوں میں جکڑا ہوا نہیں فافہم فانہ من سوانح الوقت العزیز۔

اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام نے جب قہرِ الٰہی کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شانِ کبریائی اور بے پروائی سے ڈرے اور ڈرنا چاہیے بھی اور یہی کمالِ ایمان بھی ہے تو اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے یہ دعا کرنے لگے۔ رب اغفرلی کہ الٰہی مجھے بخش دے جو کوئی بشریت سے چوک ہوگئی ہے اس کا انتقام نہ لے، ولوالدی اور میرے ماں باپ کو بھی، اولاد پر حق ہے کہ ماں باپ کے لیے دعائے خیر کرے۔ پہلے آپ مغفور ہولے کہ دعا مستجاب ہو اور آپ کے والدین مواحد اور باخدا تھے۔ ولمن دخل بیتی مؤمنا اور جو کوئی ایمان لا کر میرے گھر میں آ جائے یعنی کشتی میں۔ کس لیے کہ یہ تیری پناہ کی جگہ ہے اور ان کے سوا للمؤمنین والمؤمنات اور جس قدر ایمان دار مرد اور عورت ہوں کہیں ہوں اور کسی زمانے میں ہوں سب کو معاف کر۔ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا مگر ظالموں کو تو ہلاک ہی کر ڈال یہ بدبخت نہ بچیں۔

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام نے تمام مومنوں کے لیے دعائے خیر کی۔ پھر جس طرح ان کی بددعا کفار پر پڑی کوئی نہ بچا اور مقبول ہوگئی تو دعائے خیر کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے لیکن مومن ہونا چاہیے۔ اول ان پانچ ظاہری بتوں سے بچے مگر خانۂ دل میں بھی یہ پانچوں بت موجود ہیں ان سے بھی دور رہے۔ ودتن پروری لذاتِ حسیہ کی محبت ہے۔ سواع نفس کی معشوقہ ہے جس کے لیے لذات وعیش و آرام میں غرق ہے اس لیے تکلیف و رنج سے بھاگتا اور تقویٰ و اطاعت میں قصور کرتا ہے۔ یغوث اس کے اقارب مادر و پدر و فرزند برادر ہیں جن کی مدد پر بھولا ہوا ہے جن کی دلجوئی میں حکمِ خدا اور رسول کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ برادری کی رسم پر مٹا ہوا ہے۔ یعوق اس کا مال و اسباب ہے کہ اس کو زکوٰۃ و صدقات سے روک رہا ہے اور بوقتِ ضرورت مال کی مدد پر بڑا بھروسہ ہے اور خدا سے غافل ہو رہا ہے۔ نسر اس کا شیطان ہے جو حرص و غصہ کے دونوں بازوؤں سے دفعۃً اڑ کر آتا ہے اور نیک و بد کی امتیاز کو کھو دیتا ہے اور وسواس اور خیالاتِ فاسدہ اس کے دل میں ڈال کر ہزاروں برسوں کے اہتمام و انتظام میں لگا کر خدا سے دور پھینکتا ہے۔ ان پانچوں بتوں سے بھی بچنا چاہیے تاکہ ایمان کامل ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے حصہ ملے۔

طوفان تمام دنیا پر آیا تھا نہ کہ بعض جگہ : فائدہ: اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ طوفان تمام دنیا پر آیا تھا کس لیے کہ اس وقت دنیا میں یہی بدکاری پھیلی ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا دنیا میں اور کوئی نسل باقی نہیں رہی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ اور نیز قرآنِ مجید کی انہی آیات میں وَلَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا آیا ہے کہ زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔ اور نیز کشتی میں ہر ایک چیز کا جوڑا لینا بھی اسی کی دلیل ہے کس لیے کہ طوفان اگر تمام دنیا پر نہ تھا تو ان چیزوں کی نسل منقطع ہو جانے کا کوئی سبب نہ تھا پھر کشتی میں لینے سے کیا

فائدہ تھا؟

رہا یہ شبہ کہ اور ملکوں کے لوگوں کے پاس حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی کس لیے کہ وہ خاص ایک ملک میں رہے جہان میں پھر کر منادی کرنا ثابت نہیں پھر جب دعوت نہیں پہنچی تو بحکم آیت وَمَا کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ ان کا ہلاک کرنا منافی انصاف و عدالت ہے اور اگر اور قوموں میں بھی نبی آئے تھے تو ان کا کشتی میں سوار ہونا ثابت نہیں پھر وہ کیوں ہلاک ہوئے اور کشتی کے سوا اور کوئی چیز پناہ کے لیے نہ تھی۔ بقولہ ساوی الیٰ جبل یعصمنی من الماء الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اور ملکوں میں رسولِ عقل توحید و مکارمِ اخلاق کا معلم ضرور آیا تھا اور نیز اس زمانے میں ایسی دور دراز جگہوں میں بنی آدم پھیلے ہوئے بھی نہیں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی سینکڑوں برس کی منادی ان تک پہنچنا خیال میں آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ان ایمانداروں میں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے آپ کی طرف سے ان ممالیک میں گئے ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں صرف آرمینا وغیرہ بلادِ ایشیاء کو چک میں طوفان آیا تھا یا اس کے آس پاس کے ملکوں میں۔

مگر عام اہلِ اسلام اور یہود و عیسائی سب طوفان کے قائل ہیں لیکن بعض بت پرست قومیں انکار کرتی ہیں۔ ان کا انکار محض قیاسی بات ہے کسی دلیل و حجت پر مبنی نہیں۔ اور اہلِ ہند کی بعض کتابوں سے بھی طوفان کا پتا چلتا ہے۔ جس کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

خدا تعالیٰ مجھے اور میرے والدین اور جمیع ایمانداروں کو اپنے غضب و قہر کے طوفان سے دنیا و آخرت میں بچائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی میں پناہ دیتا رہے۔ آمین آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾

(اے رسول!) کہہ دو کہ مجھے اس بات کی وحی آئی ہے کہ کچھ جن (مجھ سے قرآن پڑھتے) سن گئے ہیں پھر انہوں نے جا کر کہہ دیا (اپنی قوم سے) کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ بتلا رہا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور ہمارے رب کی شان بلند ہے نہ وہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد اور ہم میں سے بعض بیوقوف (ایسے بھی گزرے) ہیں جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم سمجھے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹی بات نہیں بنایا کرتے (اس لیے ہم ان کی باتوں کو مانتے تھے)۔

ترکیب : اوحی من الایحاء ھو القاء المعنی الی النفس فی خفاء کالالھام وانزال الملک ویکون ذلک فی سرعۃ انہ بالفتح الجملۃ فاعل اوحی والضمیر فی انہ للشان ای اخبرت بالوحی من اللہ عجبا مصدر وصف بہ للمبالغۃ۔ یھدی الخ الجملۃ صفۃ قرآنا او حال منہ وانہ تعالیٰ قرء ابن کثیر وغیرہ من اھل البصرۃ بالکسر فی احد عشر موضعا الی قولہ و انہ لما قام عبداللہ الاقولہ و ان لو استقاموا وان المساجد و انہ لمقام عبداللہ فانھا من جملۃ الموحی بہ وافقھم نافع وابوبکر الافی قولہ وانہ لما قام علی انہ استیناف او مقول وجہ الکسرۃ انھا من جملۃ المحکی بعد القول وقرء الباقون بالفتح فی ھذہ المواضع عطفا علی محل الجار والمجرور فی آمنا بہ کانہ قیل صدقناہ وصدقنا انہ تعالی جد ربنا ای عظمۃ من جد فلاں فی عینی

اذا عظم او سلطانہ او غناما اتخذ الجملۃ بیان لتعالی جد ربنا ولیس المراد بالجد اب الاب وانہ کان اسمہا' سفیہنا ویقول خبرہ ویجوزان یکون سفیہنا فاعل یقول والجملۃ خبر کان واسمہا ضمیر یرجع الی الحدیث اوالامر ویجوزان تکون کان زائدۃ واشطط الغلو فی الکفر وقیل الجور وقیل الکذب واصلہ البعد عن القصد کذبا انتصابہ علی المصدریۃ لانہ فرع من القول او علی انہ وصف لمحذوف ای قولا مکذوبا فیہ ومن قرء تقول بالتشدید کیعقوب جعلہ مصدراً لان التقول کذب۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن عباس و عائشہ و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

سورۂ نوح میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس وعظ و پند کیا مگر چند اشخاص کے سوا اس شقی قوم نے نہ مانا آخر ہلاک ہوئی۔ اب اے قریش! تم جو نہیں مانتے اور عذاب کے خواستگار دلیری سے ہوتے ہو جیسا کہ سورۂ نوح سے پہلے سورۂ سال سائل میں بیان ہوا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہمارے پیغمبر کی تعلیم میں قصور ہے بلکہ تمہاری استعداد کا فتور ہے ورنہ چند جنوں نے حضرت ﷺ سے قرآنِ مجید سنا باوجودیکہ ایک بار صبح کے وقت نماز میں آپ پڑھ رہے تھے اور جنوں کا گزر ہوا انہوں نے سن لیا، سنتے ہی ایمان لے آئے اور قرآن کی خوبی کے قائل ہو گئے، اپنے عیوب کا اقرار کر لیا اور اپنی قوم میں جا کر اسلام لانے کی ترغیب دی حالانکہ نہ ان کو ہمارے نبی سے صحبت تھی نہ ہم جنس تھے، عادات بھی جنوں کی سخت اور ہٹ کی ہوتی ہیں۔ تم ہم قوم، ہم زبان، ہم صحبت اور انسان ہو کر نہیں مانتے۔ اور لطف یہ کہ تم جنوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے ہو۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰

اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں سے پناہ لیا کرتے تھے اس نے تو ان کا اور بھی مغز چلا دیا اور وہ بھی سمجھے ہوئے تھے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے اللہ ہرگز کسی کو (رسول بنا کر) نہ بھیجے گا اور ہم نے آسمانوں کو ٹٹول دیکھا تو مضبوط نگہبانوں اور شہابوں (کہ انگاروں) سے بھرا ہوا پایا اور ہم (پہلے) تو آسمانوں کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سننے کا قصد کرتا ہے تو اپنے لیے تارا انگارا تاک لگائے پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اسے زمین والوں کے لیے برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان سے کوئی بہتری کرنا چاہا ہے۔

ترکیب : رهقا وعتوا مفعول ثان لزادوا والرهق فی الاصل غشیان الشیء وانهم من کلام الجن بعضهم لبعض او استیناف من اللہ سبحانہ ومن فتح ان فیها جعلها من الموحی بہ ان لن الجملۃ ساد مسد مفعولی ظنوا للسمع صلۃ لنقعد او صفۃ لمقاعد۔

تفسیر : انہوں نے مان لیا جو تمہارے استاد تھے تم نہیں مانتے' افسوس ہے۔ شانِ نزول: اس سورہ کی شانِ نزول میں امام احمد اور ترمذی اور بخاری و مسلم وغیرہ کبار محدثین نے مختلف طرق سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصۂ مطلب مع اس تشریح کے جو کتب سیر میں ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں قریش کو مکہ میں سمجھایا اور ان کی سختیوں کی بڑی استقلال سے برداشت کی اور بجز

چندلوگوں کے ایمان نہ لائے (اسی لیے سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا کر اطمینان دلایا گیا) تو یہ خیال کیا گیا کہ یہ نہیں مانتے چلو باہر کے لوگوں کو نصیحت کریں۔ اس غرض سے پہلے طائف تشریف لے گئے، وہاں کے سردار عبد یالیل و مسعود و حبیب تین شخص تھے۔ یہ تینوں بدسلوکی سے پیش آئے اور آپ کو شہر سے نکال دیا۔ تب آپ نے عکاظ کا قصد کیا (یہاں ایک پینٹھ یا منڈی لگا کرتی تھی یہاں عرب کے مختلف ملکوں کے لوگ باہم خرید و فروخت کیا کرتے تھے) آپ رستہ میں بمقامِ نخلہ ٹھہرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھانے کھڑے ہوئے۔ شہر نصیبین کے نو جن جو اس تلاش میں نکلے تھے کہ ان پر آسمانی خبریں بند ہونے کا کیا سبب ہے۔ یہاں بھی آ نکلے آپ سے قرآن سن کر ششدر رہ گئے اور کان اور دھیان لگا کر سننے لگے۔ جب سن چکے تو کہنے لگے واللہ یہی چیز ہے جس سے ہم کو اوپر رسائی نہیں ہوتی (اس کی حفاظت کے لیے خدا نے جنوں کو اوپر سے باتیں لاکر کاہنوں سے کہہ دینے سے بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی آیت سن کر اس میں کچھ ملا کر کسی سے نہ کہہ دیں اور وہ لوگ قرآن کے برابر بنانے کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں) یہ خود بھی ایمان لے آئے اور اپنی قوم کو جا کر ہدایت کی۔

اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا ہے اور سورۂ احقاف میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا بقولہ واذصرفنا الیك نفرا من الجن یستمعون القرآن۔

اس کے بعد پھر ان جنوں کی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں آئی اور آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر شب کو جنگل میں گئے اور ان لوگوں کو رات بھر تعلیم و تلقین کرتے رہے۔ پھر ایک بار مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔

فقال قل اوحی الی ان استمع نفرمن الجن۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ مجھے وحی سے بتایا گیا کہ چند جن قرآن سن گئے۔ فَقَالُوٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ اور سن کر اپنی قوم سے جا کر کہنے لگے کہ ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے کہ کوئی بشر و جن ایسا کلام بنا نہیں سکتا۔ وہ راہِ حق بتاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔

فائدہ (۱): جن میں کلام وجودِ جن میں اکثر اختلاف رہا ہے۔ اکثر فلاسفہ انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خداوند تعالیٰ کی مخلوقات کا کارخانہ محسوسات میں ہی تمام ہے جس چیز کو وہ حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے ان کے نزدیک محض خیالی چیز ہے۔ اس کا وجود خارج میں نہیں۔ آج کل کا فلسفۂ یورپ بھی اسی کا قائل ہے اور ان کے بعض مقلد مسلمان بھی اسی کے قائل ہیں اور اس قسم کی آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے نزدیک تفسیر دانی اور قرآن فہمی ہے مگر یہ بہت کوتاہ خیال ہے۔ کس لیے کہ ان فلاسفہ کا ایک بڑا گروہ طبعی اور مادی ہے جو خدا تعالیٰ کا قائل نہیں اور عالم کے تمام کائنات کواکب و آفتاب، نباتات و حیوانات کو مادہ اور اس کی حرکت کے آثار بتلاتے ہیں۔ مذہب آریہ آخر کار اسی طرف بہہ کر آ جاتا ہے لیکن ان سے جب مادہ کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے تو وہ ایسے اجزاءِ صنعار بتلاتے ہیں جو آج تک نہ کسی کہربائی آلہ سے دریافت ہوئے نہ کسی خوردبین سے دیکھے گئے۔ پھر یہ مادہ جو ان کے نزدیک خالق ہے کس حواسِ خمسہ سے محسوس ہوا یا ہو سکتا ہے؟ بعض حکماء غیر محسوس موجودات کے قائل ہوئے ہیں اور قدماء کا ایک گروہِ عظیم وجودِ جن کا قائل ہوا ہے۔ یہ اور اصحاب روحانیات جن کو ارواحِ سفلیہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ارواحِ سفلیہ جلد قبول کرتی ہیں مگر ضعیف ہیں برخلاف ارواحِ فلکیہ کے کہ وہ دیر میں قبول کرتے ہیں مگر قوی ہیں اسی طرح کل اہلِ مذاہب اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے اہلِ اسلام و عیسائی و یہودی بلکہ ہنود وغیرہ جن کے قائل ہیں۔ ہر ایک کی زبان میں جن کا ایک نام ہے۔ انجیل موجود میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جنوں کا مریض میں سے نکالنا مذکور ہے۔

پھر جو وجودِ جن کے قائل ہیں ان کے دو قول ہیں۔ اول قول یہ کہتے ہیں کہ جن اور ملائکہ نہ اجسام ہیں نہ اجسام میں حلول کئے ہوئے

ہیں بلکہ جواہر میں جو بذاتِ خود موجود ہیں پھر ان کے مختلف انواع واقسام ہیں۔ بعض بزرگ نیکی پسند ہیں اور بعض رذیل خسیس، شرو آفات کو پسند کرنے والے ہیں۔ ان کے بہت اقسام ہیں جن کو خداتعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا۔ وہ افعالِ قویہ کر سکتے ہیں، علم رکھتے ہیں، دیکھتے سنتے ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ جن بھی اجسام ہیں مگر اجسامِ لطیفہ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے مگر وہ خود جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ پھر بعض گندہ اور سرکش اور ناپاک ہوتے ہیں جن پر شیطان کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض میں خیر وشر دونوں کی صلاحیت ہے اور وہ بعض اوقات بنی انسان سے مجامعت ومجالست بھی کرتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں بنی آدم کی ارواح مرنے کے بعد جو کثافت کی وجہ سے عالمِ قدس تک نہیں پہنچتیں وہ جنوں میں مل جاتی ہیں۔ ایسی ہی ناپاک روحیں لوگوں کے سروں پر آتی ہیں اور ادھر اُدھر کی خبریں بھی اپنے نذرونیاز کرنے والوں کو دیا کرتی ہیں۔

فائدہ (۲): جن کا وجود حیوان اور ملائکہ میں ایک برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ شکل باشکال مختلفہ وتدبیراتِ کلیہ وفہم وشعور، حسن وقبح امورِ دقیقہ کا، ملائکہ کا وصف ان میں ہے اور اسی لیے وہ بھی مکلف ہیں اور کھانا پینا وجماع وغصہ حیوانات کے اوصاف ان میں ہیں اور اسی لیے ان کی عمرِ طبعی بھی ہوتی ہے، مرتے بھی ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں۔ توالد وتناسل بھی ہوتا ہے۔ جن گویا عالمِ ملائکہ کا سفلی سطح ہے۔ اکثر بنی آدم اس سطحِ سفلانی میں اٹک گئے اور اس پردہ کو پھاڑ کر اوپر تک ان کی عقل کو پرواز نہ ہوئی۔ اسی لیے بنی آدم نے ان میں سے عمدہ جنوں کو اپنا معبود بنا لیا اور ان سے حاجات میں مدد طلب کرنے لگے اور بعض حوادثِ آئندہ کی ان سے خبریں دریافت کرنے لگے۔ اکثر عرب کے جاہل اس اندھیر میں پڑے ہوئے تھے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہنود وغیرہ مشرک قومیں اس وادیٔ ضلالت میں ٹکریں مارتے رہے ہیں بلکہ بعض جہال مسلمان بھی اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بعض جنوں کا نام سید اور بعض کا پیر اور بعض کا پریاں اور کسی کا شیخ سدو کسی کا زین خان کسی کا ہنومان کسی کا بھیرون رکھ چھوڑا ہے۔ ان کی نذرونیاز اور پرستش کے طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں، ان کو نافع وضار سمجھتے ہیں۔ ان سے حاجات طلب کرتے، غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے ہیں اور عرب میں تو رات دن انہیں کے کرشمے پائے جاتے تھے اور وہ جن بھی طرح طرح کی تدابیر اپنی حکومت ثابت کرنے کے لیے کرتے تھے۔ کبھی بتوں کے اندر سے آوازیں دیتے تھے اور باتیں کرتے تھے، کبھی کسی درخت میں سے بول اٹھتے تھے اور کہیں کسی کے سر پر آکر دور دراز کی باتیں بتاتے تھے اور کبھی کسی مشکل کام کے لیے وہ لوگ اپنی چوکی چڑھاتے اور بکرا ذبح کرتے تھے۔ خصوصاً دشمنوں کے مقابلے کے وقت اور بیماری یا وبا کے دفع کرنے کے وقت اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ آکر ہماری اس کام میں مدد کریں گے اور ان کے خیال کے موافق کبھی کچھ ظہور بھی ہوتا تھا اور کبھی ان کے مخالف کو کچھ مضرت بھی پہنچ جایا کرتی تھی۔ وید کے اشلوکوں میں دیوتاؤں کی مدح اور منتر اور ان کے یگ کرنے کے طریقے جو مذکور ہیں خصوصاً فتح ونصرت، ارزانی وبارش ودفعِ مرض وکثرتِ اولاد ومال کے لیے وہ یہی باتیں ہیں۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ان کے جنوں کے نام ان کی زبان میں اور تھے اور غیر مرئی ارواح کو جو ہر جزوِ عالم پر موکل سمجھتے تھے جن کو شرع میں ملائک کہتے ہیں، پوجتے تھے اور نیز ستاروں اور آفتاب کو بھی۔ اور کبھی وہ جن کاہنوں کے سر پر آکر کلام مسجع میں غیب کی خبریں بھی دیا کرتے تھے اور شعراء کے دل پر مضامین کے القاء کرنے میں مدد کرتے تھے۔ الغرض اس طوفانِ بےتمیزی میں دنیا ڈوبی ہوئی تھی اور ارواحِ بشریہ کی ترقی روحانی میں یہ پتھر حائل تھا۔ اب خدائے پاک کی رحمت نے جلوہ کیا اور دنیا کو اس ورطۂ ضلالت سے بچانا چاہا تو برِ عرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کی بعثت سے کسی قدر اول ہی ان جنوں کی بادشاہی چھین لی اور ان کے کرشموں کو روک دیا اور جب آفتاب جلوہ گر ہونے کو ہوتا ہے تو رات کے چور صبح صادق سے پہلے چھپنے لگتے ہیں اس لیے جنوں پر عالمِ بالا کے اسرار بند کئے گئے۔ اب جو اوپر جاتے ہیں شہابِ ثاقب سے مار کر نکالے جاتے ہیں۔ اپنے کاہنوں کو کوئی خبر نہیں لاکر دیتے بلکہ شرمندگی کے مارے ان کے پاس آنا بھی کم کر دیا۔ ادھر جہاں جہاں ان شیاطین کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے

وہاں سے بھی الوداع الوداع کہہ کر چلنے لگے۔ چنانچہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایامِ جاہلیت میں اپنے بتوں کے پاس میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آ کر بت پر گائے ذبح کی جو اس کی نذر کے لیے لایا تھا۔ اس بت کے پیٹ میں سے یہ آواز اس درجہ بلند ہوئی کہ سب نے سنی۔ وہ کہتا تھا یا جلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لا الہ الا اللہ۔ اے مرد قوی ایک بات پیش آئی کہ جس میں کامیابی ہے کہ ایک شخص باواز بلند کہہ رہا ہے لا الہ الا اللہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے، میں وہیں بیٹھا رہا کہ اس آواز کی حقیقت دریافت کروں۔ دوبارہ پھر وہی بلند آواز پیدا ہوئی۔ تیسری بار پھر وہی آواز بلند ہوئی یہاں تک کہ میں حیرت میں تھا کہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ اس جگہ ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ تعلیم فرماتا ہے۔ اسی طرح مجاہد رضی اللہ عنہ نے دوسرے شخص کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے سواد ابن قارب کا قصہ نقل کیا ہے کہ ایامِ جاہلیت میں ایک جن میرا یار تھا۔ اخبارِ آیندہ مجھے بتلایا کرتا تھا۔ میں لوگوں سے کہتا اور خوب چڑھاوا آتا تھا۔ ایک رات میرے خواب میں آ کر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو اگر کچھ شعور ہے ایک پیغمبر لوئ بن غالب کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ پھر اس نے یہ چند اشعار پڑھے۔

عجب الجن وارھاسھا — وشدھن العیس باحلاسھا
مجھے جنوں کے حال سے اور ان کے اضطراب سے تعجب آتا ہے۔ اور ان کے اونٹوں پر سفر کے لیے کاٹھی باندھنے سے بھی تعجب ہے

تحوی الیٰ مکۃ تبغی الھدیٰ — ما مومنوھا مثل ارجاسھا
مکہ کی طرف جاتے ہیں ہدایت کے لیے۔ ان کے ایماندار ان کے ناپاک لوگوں کے برابر نہیں

فانھض الیٰ صفوۃ من ھاشم — واسم بعینیک الیٰ راسھا
تو اٹھ برگزیدہ نبی ہاشم کی طرف۔ اور اپنی دونوں آنکھیں اس قبیلہ کے سردار کی طرف اٹھا[1]۔

سواد کہتے ہیں برابر تین راتوں مجھے یہی معاملہ پیش آیا۔ آخر میں مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں آ کر مشرف باسلام ہوا اسی طرح اور بھی روایات ہیں۔

فائدہ: جب جنوں پر عالمِ غیب کا رستہ بند ہوا اور وہ اس کی تحقیق میں نکلے اور آپ کا قرآن پڑھنا سن کر ایمان لائے اور اس کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا ان باتوں کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا کر کفارِ مکہ اور عرب کے جاہلوں عجائب پرستوں کو آپ کی نبوت کا اطمینان اور ان کے خیالات کا بطلان کرتا ہے بچند وجوہ (۱) یہ کہ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال اور بدگمانی کرتے تھے کہ ایسا عمدہ کلام جو اس سے صادر ہوتا ہے جس کی مثل کوئی بنا نہیں سکتا اس کو کوئی بڑا فصیح و بلیغ جن تعلیم کرتا ہے کس لیے کہ کاہنوں کو ایسی تعلیم جن کرتے تھے اور مقفی و مسجع کلام میں خبریں دیا کرتے تھے اس لیے آپ کو کاہن کہتے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا گیا کہ جن کیا تعلیم کریں گے وہ تو خود اس کی خوبی پر ایمان لا کر یہ کہتے ہیں۔ اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا یَّهۡدِیۡۤ اِلَى الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ اور نیز آگے چل کر جنوں کی ہجو اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کی مذمت اور ان کا مخلوقِ الٰہی ہونا اور اس کے بس میں ہونا وغیرہ وہ باتیں بیان ہیں جو جنوں کے خلاف ہیں پھر اگر آپ کو جن تعلیم کرتا تو کیا جن اپنی برائی اور مذمت آپ کرتا۔ اس لیے یہ شبہ بھی بے اصل ہو گیا کہ ہم کو کیونکر معلوم ہو کہ جن ایمان لائے اور انہوں نے یہ کلام کیا۔ کس لیے کہ اگر یہ کلام بھی جن کا ہے یعنی سورۂ جن تو جن ایسی باتیں اپنی نسبت کہہ نہیں سکتے اور اگر جن کا نہیں تو آپ کاہن نہیں پھر کیا... وجہ کہ اس کی مثل بھی تم اور تمہارے مددگار جن نہیں لا سکتے پس ثابت ہوا کہ یہ کلام منزل من اللہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام القا کرتے ہیں۔

---

[1] یہ جن اسلام لے آیا تھا۔۱۲

(۲) کہ جنوں کی پرستش اوران کی نذر و نیاز سب لغو ہے ان کا کچھ بھی خدائی کارخانہ میں حصہ نہیں خود جن اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ صرف آدمیوں کے لیے ہے بلکہ جن بھی کہ جن کی پرستش اور مدد پر مشرکین نازاں ہیں آپ کی زنجیرِ اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں۔

فائدہ: اس کے بعد اور جنوں کے کلمات نقل کر کے جن پرستوں کو متنبہ کرتا ہے فقال ولن نشرك بربنا احداً کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ جن بھی مشرک تھے بعض کاملوں کو جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا بعض جن بعض جنوں کو خداتعالیٰ کا رشتہ دار اور خدائی میں دخیل سمجھتے تھے اسی لیے اس کے بعد اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ وَاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے مَااتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا نہ اس نے کسی کو جورو بنایا ہے نہ اولاد۔ کس لیے کہ یہ باتیں عجز وحدوث پر دال ہیں اور اس کی شانِ بلند کے منافی ہیں۔ اس کے بعد اپنے اعتقاداتِ سابقہ کی (جو لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے) لغویت بیان کرتے ہیں۔ وَاِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْھُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا کہ جن کو ہم پہلے عقلمند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہٗ کی نسبت زن وفرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اس کو برحق جانتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ احمق اور نادان خداتعالیٰ پر جھوٹ بولتے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل و برہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلیدِ باطل سے بایں طور کہ وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ہم سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی اور کوئی جن خدا پر جھوٹ نہیں کہتا۔ اس اعتقاد اور اس سادہ لوحی نے ہم کو گمراہ کر رکھا تھا اب معلوم ہوا کہ سینکڑوں آدمی اور جن اللہ پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبیٰ بھی تباہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اس سادہ لوحی اور خوش اعتقادی نے دنیا کو شرک دغلطی اور تخیلات پرستی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اگر اب کسی بت پرست وفال وشگن اور ارواحِ غیر مرئیہ کے پوجنے والے سے پوچھیں گے کہ کون سی دلیل اور برہان تمہارے حق پر ہونے کے لیے ہے تو ہر پھر کر آخر کار یہی کہیں گے کہ ہمارے اگلے یوں کرتے اور کہتے آئے ہیں اگر یہ باتیں غلط ہیں تو وہ کیا اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور ایسا ہم ان کو نہیں سمجھتے۔ آفریں ہے ان صاحبوں پر کہ جن کے دماغ نے ایک صحبتِ ہادیِ برحق سے ایسی ترقی کی اور افسوس ہے ان عقلمند آدمیوں پر کہ وہ اس اندھیرے گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتے اور اس طوفانِ بےتمیزی میں آدمیوں کی پرستش سے جنوں کے مغز چل گئے، خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا کہ بہت سے انسانوں کے مرد (لفظ مرد میں ایک لطیف سی تعریض ہے کہ جب اپنے مثل کو پوجا مردانگی کو کھو دیا مردوں کی یہ باتیں نہیں کہ اپنے مثلوں کے غلام اور بندے ہو جائیں۔ یہ نامردی اور زنانہ پن ہے) جنوں کے مردوں سے پناہ مانگا کرتے تھے اس نے ان کی اور بھی سرکشی اور غرور ونخوت بڑھا دی۔ اس پناہ مانگنے اور مدد طلب کرنے کے کئی طریقے عرب میں مروّج تھے۔ اول یہ کہ جب کسی کو کوئی مرض لاحق ہوتا اس کو جن و پری کی نظرِ بد کا اثر سمجھ کر اس کے لیے کھانا عمدہ پکاتے اور خوشبو شامل کرتے اور بخور جلاتے اور وہاں جا کر رکھتے کہ جہاں جہاں ان کو جنوں کے گزرنے کا گمان ہوتا تھا تاکہ اس رشوت ونذرانہ میں وہ تکلیف نہ پہنچائے۔ اب بھی ہند کے جاہل کھانا پکا کر کہیں چوراہوں میں، کہیں دریا پر، کہیں کسی قبر پر، کہیں کسی درخت تلے رکھواتے ہیں جس کو اتارا کہتے ہیں اور ایسے صدقات کے لیے برہمنوں، نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں، ملاؤں، تعویذ گنڈے کرنے والوں کا ارشاد ہوا کرتا ہے۔

دوم یہ کہ مشکل کے وقت ان کے نام کو جپتے اور وظیفہ بنا کر پڑھتے اور نذر و نیاز اور بخور وغیرہ شرائط کو عمل میں لاتے۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھتے تھے کہ یہ مشکل وہ دیوتا آسان کر دے گا۔ پیر اور مؤکلات کے حاضر کرنے کے لیے اب بھی بڑے بڑے ڈبل لوگ بجائے مراقبہ و اذکارِ الٰہی کے یادردائیل ویا رفتمائیل دریا یا جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں بار پڑھتے ہیں اور جو کوئی شیطان حاضر ہو جاتا ہے تو اس کو فوز المرام

جانتے ہیں۔ سوم جب کسی آئندہ آنے والی بات پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی تو کاہنوں[1] کے پاس جا کر ان کے محامد کے منتر پڑھواتے، نذر و نیاز مینڈھا بکرا چڑھاتے تب وہ ان کاہنوں کے سر پر آ کر وہ باتیں بتلاتا تھا۔ (چہارم) جب کسی سفر میں ہوتے اور کسی جنگل و بیابان میں اترتے تھے تو اس وادی کے جنوں سے پناہ چاہتے اور یوں بآواز بلند کہتے (اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفہاء قومہ) تاکہ ان کے چھوٹے لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں اور بھی بہت طریقے تھے۔ ان سب باتوں کو اسلام نے ممنوع کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اللہ ہی کی پناہ مانگا کرو، وہی نذر و نیاز کے قابل ہے۔ مالی اور جسمانی عبادتیں اسی کو ہیں اس کے حکم بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔ پھر تھوڑے دنوں میں برِّ عرب ان سب اوہام پرستی کی نجاستوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ جنوں کا مادہ ناری یا ہوائی ہے اس لیے علو و تکبر ان کی طینت میں داخل ہے۔ ایسے اعمال و نذر و نیاز اور منتروں سے وہ اترا کر ان کے کام کرنے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ ہماری عظمت و وقعت بنی آدم کے دلوں سے نہ نکلے اور اسی لیے لوگوں کے ذہنوں میں سینکڑوں مکر و حیلوں سے اپنی عظمت بٹھاتے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو اولیاء و انبیاء کی ارواحِ طیبات میں محسوب کرتے ہیں اور ان کے نام بتاتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ ہوں یا فلاں شخص ہوں تاکہ لوگوں کو اعتقاد پیدا ہو اور پھر رفتہ رفتہ اپنی خباثت ظاہر کرتے ہیں اور کبھی کسی مردہ شخص کا نام اپنا نام رکھ کر اس کے گھر کی خبریں بتلاتے ہیں تاکہ ثواب و عقابِ اخروی کا اعتقاد دلوں سے زائل ہو جائے اور جان لیں کہ مر کر یوں ہی اسی دنیا میں سیریں کرتے پھرا کرتے ہیں جس کے سر پر چاہتے ہیں آتے ہیں اسی بات کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے۔ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اور ان جنوں نے سمجھ رکھا تھا جیسا کہ اے مخاطب تم نے سمجھ رکھا ہے کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا یعنی حشر و نشر کچھ نہیں۔ یہیں مر کر روحیں پھرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ بھی انہیں جنوں کا مقولہ ہے اپنی قوم سے خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ جیسا تمہارا عقیدہ حشر کی بابت ہے کہ کچھ نہیں ایسا ہی ان جنوں کا بھی تھا جن کو بنی آدم پوجتے اور ان سے پناہ مانگتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کے یہ معنی کہ خدا کسی پیغمبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث نہ کرے گا کہ وہ آ کر ان جاہلانہ خیالات سے پاک کرے ہماری خدائی ہمیشہ یوں ہی بنی رہے گی یہی جہالت کی گھٹائیں بنی آدم پر چھائی رہیں گی۔

یہاں تک تو ان ایماندار جنوں کا کلام اپنی قوم کے سامنے توحید و حشر کے مسئلہ میں تھا اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کے لیے ایک تمہید بیان کرتے ہیں تاکہ قوم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ فَقَالُوْا وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا کہ ہم نے آسمان جا چھوا یعنی اسرارِ آسمانی کی بہت تلاش کی اور بہت بلند اڑ کر گئے گویا کہ آسمان کو چھو لیا اور وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں بے شمار پہرے چوکی والے پاسبان پائے جو اسرارِ آسمان سننے سے منع کرتے ہیں۔ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور اس سے پہلے تو ہم اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا بیٹھتے اور آسمانوں کے ملائکہ کی باتیں سنتے اور کاہنوں کو لا کر دیتے اور اپنی غیب دانی اور خدائی کا سکہ جمایا کرتے تھے۔ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا پھر اب جو کوئی سننے کے لیے جاتا ہے تو اپنے لیے ایک انگارا تیار اور نگہبان پاتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے حاصل یہ کہ پہلے تو یہ حال تھا کہ عالمِ بالا کے اسرار ہم حاصل کر لاتے تھے اور اب یہ دروازہ بند ہو گیا۔ یہ ایک بڑا حادثہ ہے۔ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خدا نے اپنے بندوں کی بھلائی چاہی ہے یا برائی۔ اس بات کو فہم مخاطب پر چھوڑ کر یہ کہنا منظور ہے کہ خدا نے بندوں کی بہتری چاہی ہے کہ جنوں کے بے جا تسلط اور باطل خدائی کو پست کر کے ایک ایسے شخص کو برپا کیا ہے جو نورِ ہدایت کی جہاں افروز شمع ہاتھ میں لے کر اٹھا ہے۔ جنوں

[1] کاہن بھوت بڑا حاضرات کرنے والے چڑیلوں پریوں کو بلانے والے۔ ۱۲ منہ

کے لیے اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اور کوئی دلیل ہو نہیں سکتی کہ انہوں نے آسمانی اسرار کا بند ہونا وغیرہ امور بظہور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دیکھ لیا۔ اور اس کلام میں طریقۂ ادب کہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ شر کی نسبت خدا پاک کی طرف نہیں کی بلکہ صیغۂ مجہول بولا گیا اور رشد کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ معلوم ہو کہ وہ بندوں کی رہنمائی اور بہتری چاہا کرتا ہے اور شر کے مقابلے میں خیر ہونا چاہیے تھا مگر خیر عام تھی اس کا جو فردِ کامل یہاں مقصود تھا اسی کا ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ اصل خیر رشد ہے۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ
اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا
الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا
مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾
وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾

اور یہ کہ کچھ تو ہم میں سے نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے۔ ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور (اب) ہم سمجھ گئے کہ ہم اللہ کو زمین پر نہ تھکا سکیں گے اور نہ ہم اللہ سے بھاگ کر جا سکیں گے اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پھر جو اپنے رب پر ایمان لے آیا تو نہ اس کو نقصان کا ڈر رہے گا اور نہ ظلم کا اور کچھ تو ہم میں سے فرمانبردار ہیں اور کچھ نافرمان پھر جس نے مان لیا تو انہوں نے اچھا رستہ تلاش کر لیا اور جو نافرمان ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ترکیب : القدد القطعة من الشیء وصار القوم قددا اذا تفرقت احوالهم والمعنی کنا ذوی۔ طرائق قددا او کانت طرائقنا طرقا قددا فی الارض ای کائنین فی الارض حال من الفاعل **هربا** مصدر فی موضع الحال ای۔ ولن نعجزه هاربین **فلا یخاف** الجملة جواب الشرط وھوفن فالجملة جواب ولولا ذاک لقیل لایخف۔

تفسیر ..... جنوں کی دوسری دلیل آنحضرت ﷺ کی نبوت پر : اب مسئلۂ نبوت کی بابت ایک عمدہ پیرایہ سے تقریر کرتے ہیں۔ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ مختلف طریقوں کے لوگ ہیں پھر اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر، بجز نبوت اور الہام الٰہی کے کون کر سکتا ہے؟ (۲) وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا کہ ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جن گو قوی او رزبردست اور جاہل دماغ انسانوں پر حکمران ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے، صرف آسمانی راز ہی کے بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کارگر نہ ہوا اوپر چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں پھر جو تم نے اس کے طریقہ کا خلاف کیا اور ہم پر اس کا قہر نازل ہوا تو ہم اس کے بس سے نہیں نکل سکیں گے۔ اور نہ بھاگ کر کہیں پناہ گزیں ہو سکیں گے اسی لیے نبی آخر الزماں ﷺ کا ماننا ضرور ہوا اب اے قوم! تم مانو یا نہ مانو لیکن وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا پھر جو تم سے بھی کوئی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو دنیا و آخرت میں کسی نقصان کا خوف نہ رہے گا نہ اس کو خداوندی انتقام و سزا کا ڈر باقی رہے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قوم کی حالت یکساں ہے تا کہ عذاب و ثواب میں یکساں سمجھی جائیں سو یہ تو ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ کہ ہم میں سے اس کے فرمانبردار بھی ہیں اور جفا کار بھی ہیں پھر دونوں مساوی کیونکر ہو سکتے ہیں؟ بہرطور قوم میں سے

ایک گروہ پر مصائب دنیا و آخرت کا نازل ہونا یقینی ہے پھر اس کے بچاؤ کا اور اس کی عدالت سے رست گاری کا یہی قانون ہے کہ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا کہ جو ایمان لے آیا اور اس کا حکم بردار ہو گیا تو اس نے دنیا و آخرت کے لیے عمدہ رستہ تلاش کر لیا اور ہر ایک مصیبت سے بچنے کے لیے امنِ الٰہی کا مستحکم قلعہ ڈھونڈ لیا۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور جو جفا کار بدکار ہے ایمان نہ لائے آخر وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

فائدہ (۱): پہلے جو مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ کہا وہ اسلام سے پہلے کی حالت بیان کی تھی کس لیے کہ اسلام سے پہلے بھی نیک و بد ہو سکتے ہیں کیونکہ ظلم و بدکاری کی برائی عاقل عقل سے بھی دریافت کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ صالحون کے مقابلہ میں دون ذٰلک اشارہ مہذبانہ الفاظ میں کر دیا تا کہ ان بدکاروں کی صراحۃ سے رنج نہ معلوم ہو۔ اب مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ میں عہد نبوت کا ذکر ہے اور بدکاروں کی بدی جہنم سے بچنے کے لیے صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔

فائدہ (۲): قسط عدل مگر جب اس کا استعمال ثلاثی مجرد سے ہوگا تو اس کے معنی ظلم کے ہوں گے اور جب باب افعال میں لائیں گے تو انصاف و عدل کے معنی پیدا ہوں گے اس لیے قاسط ظالم، مقسط عادل نیک۔

فائدہ (۳): یہاں تک ان جنوں کی گفتگو تمام ہو گئی اب بعد کا قصہ بیان نہیں فرمایا کہ قوم ایمان لائے یا نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ لائے اور ان جملوں میں کفارِ مکہ پر تعریض[1] ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

ع ۱

اور یہ بھی (میری طرف وحی کیا گیا) کہ اگر وہ (اہلِ مکہ) سیدھے رستہ پر چلتے تو ہم ان کو پانی کی ریل پیل سے سیراب کر دیتے تا کہ اس (ارزانی) میں ان کا امتحان کریں اور جس نے اپنے رب کی یاد سے منہ موڑا تو وہ اس کو سخت عذاب میں پھنسا دے گا اور یہ بھی وحی کیا گیا کہ سجدہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ اور یہ بھی کہ جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کو پکارنے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر جمگھٹا کرنے لگتے ہیں۔

ترکیب: وان لو استقاموا قرء الجمهور بکسر الواو من لو لالتقاء الساکنین وقرئ تشبیهنا بواو الضمیر۔ وهذا معطوف علی جملة انه استمع فیکون من جملة الموحی الیه ولیس من قول الجن والتقدیر اوحی الی انه استمع وان لو استقاموا فیکون هذا النوع الثانی مما اوحی الیه وان مخففة من الثقیلة واسمه ضمیر الشان محذوف ای انه والشرط والجزاء الجملة خبر ان یسلکه مجزوم علی انه جواب الشرط ای من یعرض یسلکه ای یدخله یقال سلکه واسلکه وقیل الجار محذوف ای فی عذاب۔ والصعد مصدر یقال صعد صعودا وصف به العذاب لانه یصعد طاقة المعذب ای یعلوه ویغلبه وان المساجد معطوف علی ان لو استقاموا من جملة الموحی الیه وهو النوع الثالث والمساجد علی قول الاکثرین المواضع التی بنیت للصلوٰة وذکر

[1] اس لیے کہ جن جنوں کو تم پوجتے مانتے ہو جب ان کا یہ حال اور یہ مقال ہے تو تم ان کے گھمنڈ اور بے جا زوروں پر کیوں تکیہ کر کے گمراہی میں پڑے ہو اور ان کو پکارتے ہو اور پیغمبر پر ایمان نہیں لاتے، توحید کا لباس نہیں پہنتے۔ ۱۲ منہ

اللہ ویدخل فیھا الکنائس والبیع ومساجد المسلمین وقال الحسن البقاع کلھا وقیل الجوارح والاعضاء التی یسجد علیھا العبد وھی القدمان والرکبتان والیدان والجبھۃ والانف فعلی ھذا جمع مسجد بکسر الجیم وھو موضع السجود وقال الحسن ایضا المساجد ھی الصلوٰت فعلی ھذا جمع مسجد بفتح الجیم مصدر بمعنی السجود وانہ لما قام معطوف علی وان المساجد ہوا النوع الرابع من الموحی الیہ یدعوہ الجملۃ حال من فاعل قام ای قام موحدا اللہ کادوا الجملۃ جواب لما لبدا جمع لبدۃ وھو ماتلبد بعضہ علی بعض وارثکم وازدحم بعضہ علی بعض ومنہ اللبود والتی تفرش ویقال لبدۃ الاسد لاتلبد من الشعر بین کتفیہ وقری لبدا بضم اللام وقری لبدا جمع لابد کمسجد فی ساجد وقری بضم اللام والباء جمع لبود کصبر فی صبور۔ (کبیر)

تفسیر: جنوں کا کلام نقل کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تھا تین اور باتیں ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں سے کہہ دے کہ جس طرح مجھے جنوں کا کلام وحی کے طور پر بتایا گیا یہ باتیں اور بھی وحی کی گئیں از انجملہ یہ کہ (۱) وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَۃِ لَاَسْقَیْنٰھُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَھُمْ فِیْہِ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّہٖ یَسْلُکْہُ عَذَابًا صَعَدًا کہ اگر لوگ سیدھے رستہ پر قائم رہیں تو ہم ان کو بہت پانی پلائیں یعنی مال واولاد، کھیتی باڑی، تندرستی، عافیت عطا کریں۔ (اس کو ماء غدقا سے تعبیر کرنا عرب کا محاورہ ہے) اور جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا ہم سے توڑ کر شیاطین سے جوڑے گا تو ہم اس کو سخت عذاب میں داخل کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ جن وانس اطاعتِ الٰہی اور نیک چلنی پر مامور ہیں، نیکی کی جزا بدی کی سزا پاتے ہیں۔ پھر ان میں شانِ معبودیت کیا ہے اور ان کی پرستش محض بے جا ہے۔ استقاموا کے جملہ میں بعض مفسرین کہتے ہیں جنوں کی طرف ضمیر پھرتی ہے اس لیے کہ انہیں کا ذکر چلا آتا ہے اور انہیں کی حقیقت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ اے مشرکین! تمہارے معبود خود مامور ومحکوم ہیں۔ بعض کہتے ہیں آدمیوں کی طرف کس لیے کہ اہلِ مکہ اس وقت سات برس کے قحط میں مبتلا تھے پانی اور رزق کی تنگی سے جان لبوں پر آ رہی تھی۔ ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ تمہاری بت پرستی اور جنوں سے مدد مانگنے اور بدکاری کا نتیجہ بد ہے اگر تم راستی اختیار کرتے اور ہمارے آگے جھکتے تو ہم تم کو بہت پانی پلاتے اور ارزانی کرتے لیکن یہ بھی تمہاری آزمائش کے لیے کہ شکر یہ کرو نہ کہ اتراؤ، سرکشی کرو۔

ربیع بن انس اور زید بن اسلم اور ابن کیسان وغیرہ کہتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار اگر اپنے اس طریقہ کفر پر رہتے جس پر کہ ہیں اور سب کفار ہوتے تو ان کی آزمائش کے لیے دنیا میں ان کو فراغدستی دیتا اور پھر آخرت میں عذاب دیتا اور دلیل ان کی یہ آیت ہے۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء وقولہ لولا ان یکون الناس امۃً واحدۃً لعجلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفاً من فضۃ الآیہ اور لنفتنھم فیہ قرینہ ہے۔ تیسری بات جو وحی کی گئی ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا کہ سب عبادت گاہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کے سوا ان میں اور کوئی پکارے جانے، عبادت کیے جانے کا مستحق نہیں، اسی کو پکارو۔ مساجد کے کئی معنی ہیں ایک تو مسجدیں عبادت گاہیں، گرجا کنیسہ مسجد اہلِ اسلام سب کو شامل ہے یعنی دنیا میں کوئی عبادت خانہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ (۲) سعید بن جبیر کہتے ہیں جنوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ کس طرح سے مسجد میں آ کر نماز میں شریک ہوا کریں حالانکہ ہم دور دراز رہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر جگہ اس کے لیے عبادت ہو سکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تمام زمین میرے لیے عبادت گاہ بنائی گئی کسی خاص جگہ پر منحصر نہیں۔ (۳) سعید بن المسیب کہتے ہیں مساجد سے مراد وہ اعضا جو سجدے میں کام آتے ہیں، ہاتھ پاؤں، پیشانی، گھٹنے، ناک۔ کہ یہ نعمتِ الٰہی ہیں اور کے لیے نہ جھکنے چاہییں۔ (۴) بعضے کہتے ہیں مساجد سے مراد سجدے ہیں کہ سجدہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لیے ہیں اور کام وہاں نہ ہونے چاہییں جیسا کہ حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گم شدہ چیز کو ڈھونڈنے آئے تو کہہ دو کہ خدا کرے کہ نہ ملے کس لیے کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ہر ایک معنی آیت میں سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

چوتھی بات وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا کہ جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس پر اژدھام کر لیتے ہیں۔ کون اژدھام کر لیتے ہیں اور کس لیے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کفارِ مکہ جب آپ کو اللہ کی عبادت کرتے اور اسی کو پکارتے دیکھتے تو گرداگرد جمع ہو کر تمسخر کرتے تھے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی سے کفار کو سنواتا ہے کہ یہ کیسی بات ہے اوروں کی عبادت کرنے والے پر تو یہ اژدھام اور تمسخر نہ ہو اور ہماری عبادت کرنے والے کے لیے یہ ہو، یہ بہت نازیبا اور ناحق شناسی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ جب ہمارا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پکارنے قرآن سنانے جنوں کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کے لیے ہر طرف سے آ کر اژدھام کر لیتے ہیں جیسا اس رات کو ہوا کہ جس رات آپ مکہ سے باہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر جنوں کو قرآن سکھانے گئے تھے مگر اے قریشِ مکہ! تم پر افسوس ہے کہ تم قرآن سننے سے بھاگتے ہو۔ لبدا کو جمہور بکسر اللام وفتح الباء پڑھتے ہیں۔ لبدا اور بعض نے لام کے ضمہ اور بائے کے فتح سے پڑھا ہے۔ لبداً اور بضم ب ولام وتشدید بائے مفتوحہ بھی پڑھا ہے۔ پہلی قراۃ پر وہی معنی ہیں اور دوسری پر لبد کے معنی بہت کے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اھلکت مالا لبداً کہ بہت ہو جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جماعتوں کے کہ جماعت پر جماعت آ کر گھیرتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

کہہ دو میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا کہہ دو نہ میرے ہاتھ تمہاری برائی ہے اور نہ راہ پر لانا۔ کہہ دو مجھ کو میرے اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا پناہ ملے گی۔ مگر اللہ کا پیغام اور اس کا حکم پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ سدا رہا کریں گے۔

ترکیب : قل قراء العامة علی الغیبة ای قال حملوا ذلک علی ان القوم لما قالوا ذلک اجابھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ انما ادعوا ربی فحکی اللہ ذلک عنہ بقولہ قال اویکون ذاک من مقولات الجن وقرء عاصم وحمزۃ قل بصیغۃ الامر لیکون موافقا لما بعدہ وھو قولہ قل انی لا املک وھو الاظھر والاقوی ملتحدا ملجاوحرائز بمثل السرب الذاھب فی الارض فی القاموس الحدالیہ مال وفی المصباح الملتحد بالفتح اسم الموضع وھو الملجاء۔ الا بلاغاً قال الفراء استثناء من قولہ لا املک فان التبلیغ ارشاد وانفاع وقولہ قل انی لن یجیرنی الخ جملۃ معترضۃ وقعت فی البین لتاکید نفی الاستطاعۃ عنہ وبیان عجزہ وقیل الاھنا لیست کلمۃ الاستثناء بل معناہ ان لا ومعناہ ان لا ابلغ بلاغا لم اجد من دونہ ملتحدا فما قبلہ دلیل الجواب ای کلام بدل بلی جواب الشرط وعلی ھذا من اللہ لیس صلۃ للتبلیغ لان صلۃ تکون بعن کقولہ علیہ السلام بلغوا عنی ولو آیۃ۔ انما ھی بمنزلۃ من فی قولہ براءۃ من اللہ ومعناہ بلاغا کائنا من اللہ ورسالۃ عطف علی بلاغا کانہ قال لا املک لکم الا التبلیغ والرسالات خالدین حال من ضمیر من وا لجمع لرعایۃ معنی من والمعنی یدخلونھا مقدارا خلودھم۔

تفسیر : کفارِ مکہ جب آپ کے اردگرد (قرآن پڑھنے اور خالص اللہ کو پکارنے میں) جمگھٹا کرتے تھے تو یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد

(ﷺ)! تو اس بات سے باز آ اور ہمارے الٰہ کی ہجو نہ کر، نہ ان کی پرستش سے منہ موڑ۔ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں پھر آپ میں بھی یہ بات ہے؟ اور ہمارے معبود آپ کو مصائب سے پناہ دیں گے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قل ان کافروں سے کہہ دے انما ادعوا ربی میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور آئندہ بھی اسی کو پکاروں گا۔ ولا اشرك به احدا اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کروں گا۔ تمہارے معبود خواہ روحانیات ملائکہ ہوں یا جن ہوں خواہ اس کے برگزیدہ لوگ ہوں خواہ ستارے ہوں خواہ خیالی چیزیں ہوں خواہ پتھروں کے تراشیدہ بت ہوں خواہ عناصر و نباتات و حیوانات ہوں کسی کو بھی اس کی خدائی میں کچھ بھی دخل نہیں۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ اس کے حکم بغیر نفع و ضرر دے سکتا ہے۔ میں باوجود یکہ نبی مرسل ہوں اور مراتب قریب میں اس نے میرے لیے اعلیٰ مرتبہ تجویز کیا ہے مگر میں بھی تمہارے ضرر یعنی گمراہی اور رہنمائی کا مالک نہیں کہ جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور باتوں کا تو کیا ذکر ہے۔ ہاں میرے سبب سے وہ خود جس کو چاہتا ہے گمراہی اور ہدایت دیتا ہے اور اسی لیے دنیا میں مجھے بھیجا ہے اور یہ بھی کہہ دے قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو خود مجھے اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر تمہارے معبود تو کیا پناہ دیں گے جن کے بھروسا پر تم گمراہی میں پڑے ہو۔ الغرض میں بھی بشر ہوں اور جمیع مخلوقات خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اس کی ذات و صفات اور قدرت والوہیت میں شریک نہیں ہیں اور جس قدر دنیا میں ہدایت کے لیے اس نے رسول بھیجے ہیں کسی چیز کے مالک نہیں کیے گئے الابلاغا من الله ورسالاته مگر اللہ کے پیغام واحکام پہنچانے کے لیے۔ ہاں یہ اختیار ان کو دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبوت تبلیغ من اللہ ہے الوہیت میں نبی کو کوئی شرکت نہیں اس کی ذات پاک سب سے ممتاز ہے۔ بعض مفسرین نے اِلَّا بَلٰغًا و مُلْتَحَدًا کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اگر میں حکم پہنچانے میں کوئی کمی کروں تو مجھے اس کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ نہ ملے گی۔ پھر احکام پہنچانے کے بعد جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کفر و بت پرستی سے باز نہ آئے گا ابداً جہنم میں جلے گا۔

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

یہاں تک کہ جب تک وہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تب بہت جلد معلوم کرلیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں کم ہے؟ تو کہہ دو کہ مجھے خبر نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرا رب کوئی مدت ٹھہراتا ہے۔ وہ غیب جاننے والا ہے اپنے غیب کی باتوں پر کسی کو واقف نہیں کیا کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو پھر اس کے آگے اور پیچھے پاسبان مقرر کردیتا ہے (کہ شیطان آمیزش نہ کرنے پائے) تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ نے تمام کاموں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی رکھی ہے۔

ترکیب : حتی الشیء الذی جعل مابعدحتی غایۃ لہ فیہ قولان (الاول) انہ متعلق بقولہ یکونون علیہ لبدا والتقدیر انھم یتظاہرون علیہ بالعداوۃ حتی اذاروا مایوعدون من یوم بدراوفتح مبین اویوم القیامۃ اووقت الموت فحینئذ یعلمون من ھو اضعف ناصرا واقل عددا (والثانی) انہ متعلق بمحذوف کانہ قیل الکفار لایزالون علی ماھم علیہ حتی اذا کان کذاوکذا کان کذاونظیرھذہ الآیۃ آیۃ فی سورۃ مریم وھی حتیٰ اذاروا مایوعدون اماالعذاب واماالساعۃ اذاشرطیۃ فستعلمون جوابھا ویفھم من کلام القرطبی ان حتی لجرد الابتداء من غیر ملاحظۃ معنی الغایۃ فتکون جملۃ مستقلۃ بالاستفادۃ۔ عالم الغیب خبر مبتداء محذوف ای ھو الجملۃ مستانفہ مقررۃ لماقبلھا من عدم الدرایۃ والفاء لترتیب عدم الاظہار علی تفردہ تعالیٰ بعلم الغیب علی الاطلاق الا استثناء من احدامن رسول بیان لمن فانہ تقریر وتحقیق للاظہار المستفاد من الاستثناء وبیان لکیفیۃ ای فانہ یسلک من جمیع جوانب الرسول علیہ السلام عنداظہارہ علی غیبہ حرسامن الملائکۃ یحرسونہ من تعرض الشیاطین لمااظہرہ علیہ من الغیوب لیعلم متعلق بیسلک غایۃ لہ من حیث انہ مترتب علی الابلاغ المرتب علیہ اذالمراد بہ العلم المتعلق بالابلاغ الموجود بالفعل وان مخففۃ من الثقیلۃ واسمھا محذوف وھوضمیرالشان والجملۃ خبرھا واحاط الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل یسلک باضمار قد اوبغیرھو احصی معطوف علی احاط عددا انتصابہ علی التمیز محولا من المفعول بہ ویجوزان یکون علی المصدریۃ واللہ اعلم۔

تفسیر : ان نصائح ودلائل کے بعد بھی کفارِ مکہ سرکشی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اوران کے اردگرد جاہلانہ ہجوم کرنے سے باز نہ آتے تھے اور مسلمانوں کی تھوڑی جماعت پر نظر کر کے اپنی قوت وشوکت کا گھمنڈ کر کے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو ایذائیں دیتے تھے، اس لیے ایمانداروں کی تسلی اور کفار کی تنبیہ کے لیے یہ فرمادیا گیا حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا کہ یہ لوگ جب تک نہیں مانیں گے کہ ان کو وہ چیزیں نہ دکھائی جائیں کہ جن کا ان سے وعدہ ہوا ہے (بدر کے دن کا قتل ومغلوب ہونا یا مرنے کے بعد عذاب اور مصائب کا دیکھنا یا قیامت جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من اللہ بار باران سے وعدہ کیا تھا) پھر جب یہ چیزیں دیکھ لیں گے انہیں آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس کی مدد کمزور اور قلیل ہے؟ اس وقت ان کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر پھر کیا فائدہ ہوگا توبہ اور ایمان لانے کا وقت باقی نہ رہے گا۔ اس کو سن کر کفارِ مکہ تمسخر کی راہ سے کہنے لگے کہ ان چیزوں کا کہ جن کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یعنی عذاب ومصائب کون ساوقت ہے اور ٹھیک وقت بتلایئے۔ یہ سوال محض جاہلانہ اور گستاخانہ ہے کس لیے کہ آنے والی مصیبت جبکہ یقینی ہو تو اس کے وقت دریافت کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اس سے بچنے کی تدبیر میں مصروف ہونا دلیلِ سعادت ہے۔ اس لیے وقت نہ بتلایا گیا جو اس سے پہلے ان کے نڈر ہونے کا باعث تھا بلکہ اپنے نبی کو یہ کہہ دیا کہ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا کہ ان سے کہہ دے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا وقت بہت قریب ہے یا میرا رب اس کو دیر میں بھیجے گا۔ یہ جواب سعادت مندوں کے لیے نہایت مستعدی اور سرگرمی کا باعث ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے عالم الغیب وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے ہر آیندہ آنے والی بات کا وقت اسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہے فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اس لیے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو واقف نہیں کرتا کیونکہ یہ اسی کا خاصہ ہے۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر جس پسندیدہ اور برگزیدہ رسول کو چاہتا ہے واقف کر دیتا ہے اور اس کو بھی اس احتیاط اور محافظت سے واقف کرتا ہے کہ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا کہ اس رسول کے آگے اور پیچھے یا اس غیب کی بات کے آگے اور پیچھے ملائکہ کی ایک چوکی مقرر کرتا ہے جو اس کو شیاطین کے لے اچکنے سے بچاتے ہیں یعنی خداوندی غیب کا خریطہ جب رسول کے پاس آتا ہے تو اس کے آگے پیچھے فرشتوں کے باڈی گارڈ کا ایک دستہ ہوتا ہے تاکہ کوئی شیطان وجن اس غیب کی بات سے کچھ واقف نہ ہو جائے۔ وہ ملائکہ شیاطین کو مار کر بھگا دیتے ہیں اور یہ کس لیے لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّھِمْ تاکہ خداتعالیٰ معلوم کر لے کہ فرشتوں نے رسول تک بحفاظت اس کے احکام پہنچادیے۔

فائدہ: خدا تعالیٰ کو ہر بات معلوم ہے مگر شے کے ظہور کے بعد جو علم کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے علم تفصیلی مراد ہوتا ہے جو بعد وجود اشیاء ہوتا ہے یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے اللہ کے پیغام بحفاظت پہنچائے ہیں (سعید بن جبیر)۔ یا یہ معنی کہ رسولوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے احکام و پیغام پہنچا دیے۔ اس تقدیر پر یعلم کا فاعل اللہ، یا محمد یا رسل ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل کلواحد وابلیس و جن بھی ہو سکتا ہے تا کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے یا ابلیس کو معلوم ہو جائے یا جنوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے وہ غیب بحفاظت پہنچا دیا۔ اور ابلغوا کا فاعل ان چھ صورتوں میں فرشتے ہیں۔ اب ان چھ صورتوں میں ابلغوا کا فاعل رسولوں کو قرار دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ کا پیغام جو ان کے پاس خزانہ غیب سے آئے تھے اور ان میں کچھ چوری نہ ہوئی تھی بحفاظت لوگوں کو پہنچائے یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ اگلے رسولوں نے جو اللہ کے احکام و پیغام پہنچائے وہ ٹھیک ٹھیک پہنچائے یا لوگوں کو معلوم ہو وقس علی ہذا۔ یہ بارہ احتمال ہیں ہر ایک کی طرف ایک نہ ایک مفسر گیا ہے لیکن اول اقویٰ ہے۔

علمِ غیب کی تحقیق اور اس کے اقسام: اس کے بعد فرماتا ہے کہ فرشتوں کی چوکی معین کرنا اور بحفاظت اس غیب کا رسولوں تک پہنچنا ایک عادت اللہ کے موافق ہے ورنہ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ اس کے احاطۂ علمی میں ہے جو کچھ بندوں کے پاس ہے کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی کیسا علم وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اس نے ہر ایک چیز کو گن رکھا ہے۔ دریا کے قطرے، ریگستان کے ذرے، درختوں کے پتے، ہر ایک کی گنتی اور تعداد اس کو معلوم ہے۔ یہ کمال احاطہ علمی کی علامت ہے۔

فائدہ: غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں۔ اب یہ پوشیدگی کئی قسم کی ہے۔

قسم اول: اضافی کہ ایک چیز ہمارے سامنے ہے اور جو کوس دو کوس دور ہے اس سے غائب اور غیب ہے یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی جمیع چیزیں اگر ایک سے غیب میں ہیں تو دوسرے کے نزدیک موجود ہیں۔ کیا اس قسم کا غیب بھی خاصۂ خدا ہے؟ عقل صافی فوراً کہہ دے گی کہ ہرگز نہیں کس لیے کہ یہ غیب مطلق مگر من وجہ مشہود ہے اس کو ایک جانتا ہے تو دوسرا نہیں جانتا۔ جن اکثر اسی قسم کے غیب کو کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے اور اب بھی بیان کر دیں تو کچھ بات نہیں۔

قسم دوم: عالمِ ناسوتی سے غیب یعنی عالمِ مثالی کی چیزیں عام ہے کہ ابھی اس عالم میں نہیں آئی ہیں بلکہ آنے والی ہیں یا اگر چلی گئی ہیں نہ اب وہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں نہ ان کانوں سے سنی جاسکتی ہیں نہ ان ہاتھوں سے ٹٹولی جاسکتی ہیں نہ ناک سے سونگھی جاسکتی ہیں نہ زبان سے چکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کا غیب اول غیب سے بلند ہے مگر یہ بھی غیب مطلق نہیں جس کو غیب الغیب کہتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں عالمِ ملکوت کے لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی روح خواب میں جبکہ اس کو کثافتِ جسمانیہ سے نورانیت حاصل ہوتی ہے تو ان چیزوں میں سے بعض یا کل کو دریافت کر لیتی ہے اور اسی طرح اہلِ کشفِ صادق بحالتِ بیداری اپنی روحانی تجلی میں دریافت کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حدیثِ کسوف ہے جس میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اس عالمِ غیب کی چیزیں دکھائی گئیں[1] اور اس لیے اشراقی اور اہلِ ریاضت بھی کبھی کبھی بعض چیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور کاہن اور رمال و جفار اور نجومی بھی کبھی کبھی اپنے قواعد سے کچھ اڑتی ہوئی بات معلوم کر کے اپنی قوتِ متوہمہ سے ایک قالب میں ڈھال لیتے ہیں مگر خود ان قواعد کی غلطی یا ان سے استنباط کی لغزش اور اسی طرح خواب مکاشفہ میں قوتِ وہمیہ کی آمیزش اس علمی مرتبے کو ظن کے مرتبے میں کر دیتی

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیب کی باتوں کو جو بذریعہ الہام و وحی آپ کو خدا پاک نے بتائی تھیں اپنی امت کو بتایا اس لیے بہت سے صحابہ کو آیندہ آنے والے واقعات بتائے جیسا کہ احادیثِ صحاح سے ثابت ہے۔ پھر ان مغیبات کا انحصار رسول پر نہ ہوا بلکہ افرادِ امت میں بھی ان سے مطلع ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو علمِ تصدیق نبوت سے حاصل ہوا۔ یہ علم استدلالی ہے نہ کہ غیب پر مطلع ہونے سے اس لیے انحصار صحیح ہوا کذا قیل۔ ۱۲ منہ

ہے یعنی بجز کشفِ انبیاء علیہم السلام کے اور جس قدر طریقے ہیں علیٰ قدر اور مراتب ان میں غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اس لیے ان کے جاننے کو علم بمعنی یقینی نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کا غیب بھی اس کی طرف سے خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے جس کی یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ آگے اور پیچھے ملائکہ کا پہرہ رہتا ہے تاکہ شیاطین اور قوتِ فکریہ وقوتِ وہمیہ وخیالیہ آگے سے اور عادات وطبائع سامنے سے اس میں کچھ بھی دست اندازی نہ کرسکیں اور بعد کی چوکی سے علوم مخزونہ عادات واخلاقِ متروکہ اس میں آمیزش کرنے نہیں پاتے۔ رمالوں، جفاروں، نجومیوں، کاہنوں وغیرہ کے غیب میں تو ہزاروں من کوڑا کرکٹ ہوتا ہے اور حضرات اولیاء کرام کے مکاشفات میں بھی یہ محافظت نہیں ہوتی۔ قوائے متوہمہ ومتخیلہ کی آمیزش سے امن نہیں اس لیے ان کو بھی آخرالامر کتاب وسنت پر بھروسا کرنا پڑتا ہے جو اقسام وحی کے ہیں اور اسی لیے اور مکلفین کو بھی ان کے الہامات کا پابند نہیں کیا گیا اور نہ وہ الہامات حجتِ قاطعہ ٹھہرائے گئے۔ یہ بات خاص الہامِ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے کہ جن کے حاصل ہونے سے پہلے بھی حفاظت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت ان کے قویٰ کو معطل کردیا جاتا ہے اور بعد میں بھی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو معلوم ہوجائے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب ہی کے پیغام واحکام پہنچائے اس میں کچھ آمیزش اور کمی زیادتی تبدیل وتغیر نہیں ہوئی۔

قسم سوم: تیسری قسم غیب الغیب اور غیبِ مطلق جس کو حق سبحانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جن کے جاننے کی کسی ممکن میں قدرت ہی نہیں اور یہ ایک بے انتہا غیب ہے۔ لایعلمه الاهو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کو ملائکہ مقربین و حاملانِ عرش جان تو سکتے ہیں مگر نہیں بتلائی جاتیں اور بعض ایسی ہیں کہ کبھی بتلائی بھی جاتی ہیں اور جب بتلائی جاتی ہیں تو عالمِ ملکوت میں ایک ہیبت اور دہشت ہوتی ہے جس سے مقربین ماتحت کے ملائکہ سے پوچھتے ہیں۔ اور علی غیبہ میں اضافت اسی غیب کی طرف اشارہ ہے نہ غیب من وجہ کی طرف۔

فائدہ: مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے کیا سب رسول مراد ہیں؟ جمہور اسی کے قائل ہیں کس لیے کہ من رسول میں من بیانیہ ہے نہ تبعیضیہ پھر کیا اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص مراد ہیں یا ملائکہ بھی؟ جمہور کے نزدیک ملائکہ بھی رسول ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں اور ان کو اور ملائکہ پر فوقیت ہے۔ معتزلہ اس سے ابطالِ کراماتِ اولیاء اللہ پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ کسی آیندہ آنے والے واقعہ کی خبر بطور پیشین گوئی نہیں دے سکتے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے کس لیے کہ غیبہ یعنی اپنے غیب پر بجز رسول کے اور کسی کو مطلع نہیں کرتا اس طرح سے کہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ واقع نہ ہو اور اسی کو اظہارِ غیب کہتے ہیں۔ اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ قسم اول ودوم کے بعض غیوب کا بطریقِ ظن کسی پر اظہار کیا جائے جس کو اظہار الغیب کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ غیبہ سے مراد صرف قیامت کی خبر لیتے ہیں اس اعتراض سے اور ان شبہات سے بچنے کے لیے کہ بعض غیب کاہن اور اہلِ خواب بھی جانتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۷﴾

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۞ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۞

اے چادر اوڑھنے والے! رات کو اٹھا کرو (تمام رات) بلکہ کم آدھی رات[1] یا اس سے کچھ کم کرلیا کرو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیا کرو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات کا بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے۔ اور بات کرنے (یعنی دعا) میں بھی مناسب تر ہے بے شک دن میں آپ کے لیے بڑے مشغلے رہتے ہیں اور اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آرہو (کیونکہ) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں پھر اسی کو کارساز بنا رکھو۔

ترکیب : المزمل اصلہ المتزمل ادغمت التاء فی الزاء والتزمل التلفف فی الثوب الا قلیلا ھو استثناء من اللیل ای صل اللیل کلہ الا یسیرا منہ وما دون النصف القلیل والمراد بہ ھنا الثلث نصفہ فی انتصابہ وجہان (الاول) ھو بدل من اللیل بدل البعض الا قلیلا استثناء من النصف (والثانی) ھو بدل من قلیلا وقلتہ بالنظر الی الکل وھذا اقویٰ والضمیر فی منہ وعلیہ یرجع ای النصف ھی اشد الخ خبر ان وطأ وتمیز من اشد۔ بکسر الواو بمعنی مواطاۃ بفتحھا ھو اسم المصدر واقوم معطوف علیٰ اشد قیلا بمعنی قولاً تمیز منہ سبحا شغلا وتصرفا اسم ان لک فی النھار خبرھا رب المشرق بالجر علی البدل وبالنصب باضمار اعنی او بفعل یفسرہ فاتخذہ وبالرفع علی انہ خبر مبتدء محذوف ای ھو او مبتدء خبرہ لا الٰہ الا ھو۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی اور ابن مردویہ وغیر محدثین نے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔

شانِ نزول: اس کی شان نزول میں بزار و طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے دلائل میں یوں نقل کیا ہے کہ دار الندوہ[2] میں قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے اس کا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام تجویز کرو کہ لوگوں کو روکا جائے۔ بعض نے کہا کاہن، بعض نے کہا کاہن نہیں مجنوں کہو، بعض نے کہا یہ مجنوں نہیں اس کو ساحر کہو، بعض نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں۔ اس کے بعد قریش اٹھ گئے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ غمگین ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا۔ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ کہ اے جھرمٹ مارے ہوئے کھڑا ہو رات کو نماز پڑھا کر ان کی باتوں سے رنج نہ کر ہم سمجھ لیں گے، ذرا مہلت دے ہمارے پاس ان کے لیے عذابِ الیم تیار ہے۔ ان سے منہ موڑ اور حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو اور اسی کو اپنا کارساز بنا۔

ربط: ربط اس سورہ کا سورۂ جن سے یہ ہے کہ سورۂ جن میں بتلایا گیا تھا کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، وہی جس قدر چاہتا ہے اپنے رسول کو عطا کرتا ہے اب اس سورۂ مزمل میں اپنے رسول کو علمِ غیب حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کرنا سکھایا۔ وہ کیا رات میں حق سبحانہٗ کی عبادت کرنا جس میں انسانوں سے غائب ہو کر باطمینانِ قلبی بلا شور و شغب پورا پورا متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے کس لیے کہ جس نے جو کچھ پایا شب بیداری میں پایا، زبانی لاف زنی اس راہ میں کارآمد نہیں۔ (۲) اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جن آدمیوں سے غائب ہیں پھر قرآن سن کر ہدایت پر آگئے، عبادت کرنے لگے۔ آپ ان کے رسول اور ہادی ہیں، آپ کو بھی رات میں عبادت کرنا چاہیے کہ اس وقت آدمی حاضر نہیں ہوتے اور ان سے غیبوبت حاصل ہوتی ہے تاکہ عالمِ غیب آپ پر منکشف ہو اور (۳) قرآن شب میں پڑھنے کا حکم دیا تاکہ دن میں لوگ فیضیاب ہوتے ہیں تو شب میں جن وغیرہ عالمِ غیب کے لوگ بہرہ ور ہوں کس لیے کہ آپ نبی الثقلین ہیں ظہور کا

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بڑا شوق تھا مگر خدا پاک جسم کی محافظت رکھنے کے لیے آپ کو تمام رات کے جاگنے سے روکتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قریش کے مشورہ کرنے کا مکان یا چوپال۔ ۱۲ منہ

وقت جو دن ہے عالم ظہور کے لوگوں کے لیے یعنی آدمی کے لیے اور مخفی لوگوں کے لیے مخفی شب کا وقت دیا گیا۔ (۴) اور یہ بھی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں کفار دن میں آپ پر یورش کرتے تھے جیسا کہ فرمایا تھا۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔ اس لیے مشغولی بحق کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا جس میں عبادت و تلاوت کی حلاوت بخوبی حاصل ہو سکے اور لوگوں کے شور و شغب سے انتشارِ خاطر عاطر نہ ہو۔ اس کے سوا مضامین والفاظ میں بہت کچھ مناسبت ہے اور چونکہ سر سورہ پر مزمل کا لفظ تھا اس لیے اس کا نام سورۂ مزمل ہوا۔

مزمل عرب میں اسے کہتے ہیں جو چادرے میں لپٹا ہو یا چادرہ اوڑھے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ ہاتھ کا لمبا ایک کمبل تھا۔ تہجد کی نماز اور تلاوت کے لیے جب اٹھتے تو اسی کو اوڑھ لیتے تھے تاکہ نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں حرج نہ ہو، وضو آسان ہو، ہوا سرد سے محافظت ہو۔ اور نیز اس قسم کی چادر اوڑھنا یا لپیٹ لینا کفن لپیٹنے کی طرف اشارہ ہے تاکہ نفس ہر وقت موت سے آگاہ رہے اور رات کی اندھیری قبر کی اندھیری اور دنیا کے عدم کی ظلمت سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کا کپڑا اوڑھتے تھے خصوصاً حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور ہمیشہ سے صلحا کا یہ لباس رہا ہے اور اسی لیے فقراء میں خرقہ پوشی ایک سنت چلی آتی ہے اور یہ لباس اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اوڑھنے والے نے ترکِ دنیا و عبادتِ مولیٰ کا التزام کر لیا ہے جیسا کہ وردی سپاہیوں کی علامت ہے۔ اس خرقہ کے لیے سات شرطیں ہیں۔ (۱) شب بیداری و نمازِ تہجد و تلاوتِ قرآن، (۲) دن میں اوقات کو یادِ الٰہی میں مصرف رکھنا۔ (۳) ہمیشہ ذاکر رہنا۔ (۴) ترک و تجرید، (۵) توکل واعتماد بر کارسازیِ خالق، (۶) خلق کی جفا و ظلم پر صبر کرنا، (۷) اہلِ دنیا کی صحبت ترک کرنا اور اس کے ساتھ ان کی خیر خواہی سے بھی غافل نہ رہنا۔ جس میں یہ سات باتیں ہوں اس پر یہ خرقہ زیبا ہے اور اسی لیے اس خرقہ کی شروط بجا لانے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کا خطاب عطا ہوا جو بڑا پیارا خطاب ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ادا حضرتِ حق کو پسند آ گئی تھی اس لیے فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہ اے چادر اوڑھے ہوئے! اس چادر ریاضت کا حق بجا لا۔ قم اللیل رات بھر نماز و تلاوت کے لیے قائم اور مستعد و سرگرم رہ۔ عکرمہ ؓ کہتے ہیں مزمل کے معنی ظاہری چادر اوڑھنے والے ہی کے نہیں بلکہ مراد ملتزم و ذمہ داری کرنے والے کے ہیں کہ اے نبوت و رسالت کے ذمہ دار اور کمالاتِ ملکوتی کے حامل اور اسی لیے وہ اس لفظ کو تخفیفِ زائے و دال اور فتح میم مشدہ سے پڑھتے تھے۔ وہ اس کو زمل سے لیتے ہیں جس کے معنی اٹھانے کے ہیں۔ کہتے ہیں زمل ھذا الامر ای حملہ۔ قُمِ الَّيْلَ کے معنی پر مفسرین نے متعدد رائیں ظاہر کی ہیں: قول اول: (۱) جمہور کا قول ہے کہ آپ پر اور آپ کی امت پر ابتداءِ اسلام میں پنجگانہ نماز فرض ہونے سے پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احمد و مسلم وابوداؤد و نسائی و بیہقی و حاکم وغیرہ نے عائشہ ؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے اول میں قیام لیل فرض کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب برس دن تک ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے۔ پھر برس دن کے بعد اس سورہ کا اخیر جملہ نازل ہوا۔ (فاقرؤا ما تیسر من القرآن) اس سے تخفیف کی گئی اور یہ حکم فرض نہ رہا، نفل رہ گیا۔ یہی مضمون ابن عباس ؓ سے بیہقی اور طبرانی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ بعض علماء یوں تشریح کرتے ہیں کہ اول اس حکم میں اس طور سے تخفیف کی گئی کہ قم اللیل کے بعد اِلَّا قَلِيْلًا فرمایا جس سے آپ رات بھر میں کچھ کچھ ٹھہر جاتے اور آرام لیتے تھے مگر یہ حکم ایک برس تک رہا۔ پھر نصفہ فرمایا تمام رات کی جگہ پچھلی آدھی رات کی عبادت فرض رہ گئی مگر گھڑی گھنٹے نہ تھے ٹھیک آدھی رات کا اندازہ مشکل تھا اور اس کے علاوہ ایک طرح کی مقید پابندی بھی تھی اس لیے اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ فرما دیا گیا کہ نصف شب پر کچھ موقوف نہیں اس سے کم زیادہ کرنے کا تمہاری حالتِ صحت و مرض، خواب و بیداری، فرطِ شوق وغیرہ پر محول ہے مگر آدھی آدمی سے بالکل ہی کم نہ ہو بلکہ کسی قدر بہر حال تہائی رات جاگنا عبادت کرنا ضرور رہے اس میں سردی گرمی کی راتوں کے لحاظ سے بھی ایک

تخفیف ہے۔ پھر اس رات میں کیا کرو؟ آپ ہی بتلاتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کہ نماز میں قرآن پڑھو عمدہ طور سے۔ ترتیل کے معنی ہیں اچھی طرح سے پڑھنا۔ اس طرح سے پڑھنے سے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور جلد جلد پڑھنا گھانس کاٹنا ہے۔ (ان جملوں کی اور اس کے بعد کے جملوں کی ہم بعد میں شرح کریں گے)۔ اس کے بعد فرمایا اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ الخ کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور نصف شب کے قریب اور تہائی کے قریب اٹھتا ہے اور تیرے ساتھ تیرے اصحاب کا ایک گروہ بھی اٹھتا ہے۔ رات کا اندازہ تم ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتے اور رات دن کا اندازہ اللہ ہی کرتا ہے ابر بادل وغیرہ اسباب سے دو ثلث اور نصف کا اندازہ مشکل تھا اس لیے اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری حالتِ مرض وسفر پر بھی نظر کر کے یہ حکم دے دیا کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ جس قدر تم سے ہو سکے نماز میں قرآن پڑھ لیا کرو۔ یہ اخیر رکوع کا خلاصہ ہے اس سے دو ثلث اور نصف اور ثلث رات کی قید بھی اٹھ گئی جس قدر نشاطِ خاطر سے ہو سکے پھر اس کے بعد پنجگانہ نمازیں فرض ہوئیں جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ الخ امت پر تہجد کی نماز جس کی بارہ رکعت سے لے کر چھ تک (موقع اور فرصت وحالتِ صحت ومرض کے لحاظ سے) ہیں سنت رہ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدستور فرض رہی مگر یہ تخفیف ہوگئی کہ تمام رات یا دو ثلث یا ثلث کی قید باقی نہ رہی اور اخیر عمر تک آپ تہجد کی نماز پڑھتے رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے رہے اور صالحینِ امت کا یہی دستور اور طریق ہوگیا۔ قول دوم: بعض علماء کہتے ہیں شب بیداری نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب وفرض تھی نہ امت پر بلکہ امر ندب کے لیے ہے کہ بہتر ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کہ نمازِ تہجد پڑھ جو تیرے لیے نفل ہے خلاصہ مطلب یہ کہ آپ کو آدھی رات اور اس سے کم ثلث رات اور زائد از نصف کا اختیار دیا تھا کہ اس میں سے جس قدر چاہو شب بیداری کرو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول عرصہ تک شب بیداری نصف رات سے زائد کی جو قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا کا مصداق ہے پھر نصف شب تک پھر کبھی دو ثلث کبھی ایک ثلث رات تک جیسا کہ نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ سے سمجھا جاتا ہے اور دلیل اس پر اخیر رکوع ہے جس میں فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ الخ کہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ والے دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات میں اٹھتے اور شب بیداری کرتے ہیں۔ اگر اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ کے یہی معنی نہ تھے تو آپ دو ثلث اور نصف اور ثلث رات میں کیوں اٹھتے اور کہاں سے یہ بات پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس دو ثلث ونصف وثلث کی قید بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے نفل کے طور لگا رکھی تھی اٹھ گئی اور تہجد گزاروں کے شوق اور فرصت پر چھوڑ دیا۔

ترتیل کے معنی: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا مبرد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں ثغر رتل جبکہ دانت گنجان نہ ہوں بلکہ جدے جدے ہوں اور کلام مرتل اس کلام کو کہتے ہیں جو باترتیب ہو اور جس کے جملے الگ الگ ہوں۔ قرآن کی ترتیل اس کے حروف وکلمات کا مخارج سے ادا کرنا اور جلدی نہ کرنا اور حرکات ووقوف کو ایسی طرح سے ادا کرنا کہ سننے والا اگر گننا چاہے تو گن سکے۔ یہ تدبر وتفکر کے لیے ہے کہ مطالب و معانی پر خوب نظر رہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یعلی بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا حال دریافت کیا۔ فرمایا تم آپ کی نماز کیا پوچھتے ہو پھر آپ کی قرأت بتلائی ایک ایک حرف جدا جدا کر کے (اخرجہ النسائی)۔ اسی طرح بخاری وترمذی وغیرہ محدثین نے روایات نقل کی ہیں۔ شعر کے طور سے پڑھتے تھے اور جلد جلد پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جس سے دلوں کو حرکت ہو اس طرح سے پڑھو۔

فوائد تلاوتِ قرآن: یہ پڑھنا بظاہر ہر نمازِ تہجد میں ہے اگر نماز سے فارغ ہو کر یوں بھی کوئی قرآنِ مجید پچھلی رات پڑھتا ہے تو عجب نور وسرور روحانی پیدا ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الفاظِ قرآنی اس کے معانی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی مدتوں کلامِ نفسی کا مرتبہ علمِ الٰہی میں حاصل کر چکے ہیں پھر جب وہ معانی ان الفاظ سے کہ جن میں الوہیت وتقدس کا رنگ پیدا ہوگیا ہے اور اس عطرِ حقیقی سے معطر ہو

چکے ہیں کان کے رستہ سے دل تک پہنچتے ہیں تو پڑھنے والے کی روح پر وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔اور کچھ کلامِ الٰہی پر منحصر نہیں جس کلام کو بار بار پڑھا جائے اور اس کے معانی کا ذہن علی الدوام ملاحظہ کرے گا متکلم کی صفت اور اس کا رنگ اس کے اندر نمودار ہوگا۔ مثنوی شریف اور بزرگوں کے ملفوظات کو دیکھئے اور اسی طرح برے کلاموں کو قیاس کر لیجئے۔ عشق و حسن اور فواحش کے افسانے اور عیاروں بدمعاشوں کی داستانیں ان کے پڑھنے والوں بلکہ سننے والوں پر ایسا ہی رنگ پیدا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے انوارِ روحانیہ اور قربِ حق میسر آتا ہے اور بندہ کے تمام مدرکات و مشاعر کو انوارِ قربِ الٰہی پُر کر لیتے ہیں اور صفاتِ الٰہی بندہ کی صفات پر اور اس کے افعال اس کے افعال پر غالب آجاتے ہیں اور یہی دنو و تدلّی ہے خصوصاً جبکہ اس استحضار والتفات کا دوام ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ قرأتِ قرآن اور اس میں غور و تدبر کے تین مرتبے ہیں۔ اول یہ کہ ہر خطاب و قصہ میں اپنے آپ کو مخاطب سمجھے۔ دوم یہ کہ بغیر واسطہ اس کلام کو حق سبحانہٗ سے سنے۔ تیسرا مرتبہ جو اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متکلم کی صفات و افعال کا اس میں مشاہدہ کرے۔

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے کا حکم دینا‘ ان کو علمِ غیب حاصل کرنے کے لیے تیار کرنا ہے اور وحی کے لیے مشتاق کرنا ہے کس لیے کہ بار بار زبان سے کان تک کلامِ الٰہی کا پہنچنا اور کان سے دل تک جانا صدمۂ وحی میں تخفیف پیدا کرنے کا باعث ہے۔ یعنی پہلے سے سدھانا ہے کیونکہ نزولِ وحی کے وقت ارواحِ ملکیہ مقامِ متعددہ سے ایک جا مجتمع ہو جاتے تھے اور دفعتاً اس کیفیتِ روحانیہ کا قلب و جوارح تک پہنچنا حواس وقوائے بشریہ کو ایک سخت صدمہ پہنچاتا تھا یہاں تک کہ آپ پر ایک بیہوشی طاری ہو جاتی تھی اور سرد موسم میں پسینہ آجاتا تھا اور جذبِ روح کی حالت ہو جاتی تھی اس لیے بار بار پہلے سے اس کا مشتاق ہو جانا سہولت کا باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے کے حکم کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا کہ ہم ابھی تجھ پر بھاری بات ڈالیں گے جس سے مراد پے در پے قرآن مجید کا نازل ہونا ہے جو آپ پر نہایت گراں ہوتا تھا۔ یہ ابتداءِ وحی میں تھا پھر آخر میں یہ ثقل جاتا رہا تھا۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ رات کے اٹھنے اور قرآن کے پڑھنے کا آپ کو اس لیے حکم دیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے یعنی قرآن مجید پے در پے نازل کریں گے جو باعتبارِ نزول کے آپ پر بھی بھاری اور عمل کرنے اور عادت و رسوم کفر چھوڑنے کے لحاظ سے کفار و مشرکین پر بھاری ہے اور خود قرآن بھی ایک وزنی اور گراں بہا ہے۔ اپنی بلاغت اور جمیع وجوہِ اعجاز اور تعلیمِ مکارمِ اخلاق کے لحاظ سے اور اس سبب سے کہ اس کے لیے ظہر و بطن ہے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔ نفسِ امارہ کی شرارتیں توڑنے میں بے نظیر ہے وغیرہ وغیرہ بہت سی خوبیاں اس میں جمع ہیں جس کا مثل بنانا بشر سے ممکن نہیں۔ پس آپ پہلے سے مستعد رہیں اور عبادت و ذکر سے نفس کو اشراقِ جلالِ الٰہی کے لیے تیار رکھیں۔ قولِ ثقیل کے معنی: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قولِ ثقیل سے مراد کلمۂ توحید ہے جس نے دنیا میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور جس پر ہر طرف سے مار دھاڑ ہوئی اور خویش و اقارب تک لڑنے کو تیار ہو گئے اور پھر تکلیف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بعض کہتے ہیں قولِ ثقیل و انذر عشیرتك الاقربین ہے یعنی اقارب تمام بنی آدم کے لیے دینِ حق کی منادی کرنا۔ جس سے بھاری اور کوئی بات کیا ہوگی؟ تمام عالم کے سدھارنے کا بیڑا اٹھانا اس حالت میں کہ دنیا ہلاکت کے عمیق گڑھے میں گر پڑی ہو اور جہالت کی کالی گھٹاؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہو بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام صرف بنی اسرائیل کے سدھارنے کے لیے آئے تھے اور انہیں کے ہم قوم اور ہم زبان بھی تھے۔ پھر ان پر مصائب کے جس قدر پہاڑ توڑے گئے اہلِ تواریخ پر مخفی نہیں چہ جائیکہ ایک شخص تمام جہان کے لیے بھیجا جائے ۔

آفریں بر جانِ پاکت آفریں　　　　مرحبا بر روحِ پاکت مرحبا

اس لیے آپ کو تقربِ الٰہی کی قوت اور انوار سے جو تہجد گزاری و ذکر و تلاوت کے سبب حاصل ہوتے ہیں پہلے سے قوی و مستعد ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کے ساتھ اس کام کے رفقاء کو بھی شریک کیا گیا کہ پہلے سے تیار رہو تم سے بڑا کام لینا ہے۔

دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند دعاءِ نیم شبت دفع صد بلا بکند

یہ تھوڑے سے دنوں میں تمام جہان میں توحید و حق پرستی و پرہیزگاری کی روشنی پھیل گئی۔ اس اندھیری راتوں کے سوز وفغاں کا اثر ہے۔ اے خدا کے پیارے! اس قدر بھاری بوجھ اٹھانے والے! تجھ پر اور تیری پاکباز جماعت پر جنہوں نے خوشی سے اس گرانبار بوجھ کے تلے کندھا دیا اور ڈوبتی کشتیِ بنی آدم کو بھنور سے کھینچ کر کنارہ پر لائے لاکھ لاکھ درود اور کروڑ کروڑ سلام اور جان فدا ہو۔ اے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے فرزندِ ارجمند آپ نے اپنے جدِ بزرگوار کے کام کو پورا کردیا۔ آپ کا احسان قیامت تک بنی آدم ادا نہیں کرسکیں گے۔ علیک صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

فوائد شب خیزی : اس کے بعد رات کے اٹھنے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا کہ رات کا اٹھنا نفس پر سخت ہے اور بات کہنے میں بہت عمدہ وقت ہے (ناشی پیدا ہونے والا کہتے ہیں نشات تنشاء نشاءً فھی ناشیۃ والانشاء الاحداث) ناشئۃ اللیل کے دو معنی ہیں۔ (۱) ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ناشئۃ اللیل رات کی ساعتوں اور گھڑیوں کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ (۲) جو رات میں پیدا ہو انسان کا نفس بھی ناشئۃ اللیل ہے جو خواب کے بعد گویا دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور قیامِ لیل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں جب اول رات سو کر اٹھے تو اس کو نشاء کہتے ہیں اور اس سے ناشئۃ اللیل ہے اور شب میں جو بیدار ہونے کے بعد روح پر انوارِ غیبی پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ناشئۃ اللیل ہیں۔ الحاصل رات کا اٹھنا بھی ناشئۃ اللیل ہے۔ وطأ کو جمہور نے بفتحِ واو و سکونِ ط پڑھا ہے اس کے معنی ثقیل اور سخت کے ہیں بولتے ہیں اشتدت علی القوم وطاء السلطان اور اسی معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اللھم اشدد وطاتک علی مضر یہ مطلب کہ رات کا اٹھنا نفس پر گراں ہے اور یہ واقعی بات ہے پچھلی رات کی میٹھی نیند خصوصاً سردی میں جبکہ لحاف میں لپٹا ہوا اور زنانِ محبوب اور فرزندانِ مرغوب بغل میں ہوں اور اسی طرح گرمی کی راتوں میں جبکہ اول رات گرمی کی شدت اور پسوؤں اور مچھروں کی حدت کے بعد پچھلے کو آنکھ لگی ہو اٹھنا اور یادِ الٰہی میں مصروف ہونا بڑی جوانمردی کا کام ہے۔

تہجد کے فضائل: اس لیے ان اٹھنے والوں کی مدح خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً الخ کہ بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو طمع و خوف میں پکارتے ہیں اور فرماتا ہے۔ یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا کہ اللہ کے نیک بندے اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔ بعض نے بکسر الواو و فتح الطاء بھی پڑھا ہے اس تقدیر پر اس کے معنی مجاہد و ابن ابی ملیکہ وغیرہ نے موافقت و مطابقت[1] کے لیے ہیں کہ رات کے اٹھنے میں زبان اور دل اور آنکھ اور کان میں بہت موافقت ہوتی ہے کس لیے کہ انتشار اور شور و شغب کا وقت نہیں ہوتا بلکہ سکون اور تسکین کا وقت ہوتا ہے جو کچھ منہ سے نکلتا ہے، دل سے نکلتا ہے اور کان اس کو دل تک پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ واقوم قیلا اور اس وقت بہت درست اور ٹھیک بات منہ سے نکلتی ہے۔ قتادہ و مجاہد کہتے ہیں قرأتِ قرآن اس وقت بہت ٹھیک ہوتی ہے کس لیے کہ دنیا میں چپ چاپ ہوتی ہے اور عالمِ غیب کے انوار کا بھی روح پر ایک خاص انکشاف ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس کو ارواحِ بنی آدم کی طرف انجذاب تام ہوتا ہے اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ینزل ربنا تبارك و تعالیٰ کل لیلة الی السماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر (متفق علیہ) کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہر رات حق سبحانہٗ آسمانِ زیریں کی طرف اتر آتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں قبول کروں؟ جو کوئی مانگے دوں

[1] مواطاۃ بمعنی مطابقہ ہے کمافی قولہ تعالیٰ لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ۔ ۱۲ منہ

جو کوئی مغفرت مانگے بخش دوں۔ خدا پاک نزول وصعود جسمانی سے پاک ہے اس سے مراد وہی تدنی دونوں ہے جس کو عرفا تقرب کہتے ہیں۔ نمازِ تہجد کے فضائل اور اس کی تاکید اور اس کے برکات احادیثِ صحیحہ میں بکثرت بیان ہوئے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کے برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تہجد گزار کے منہ پر ایک عجیب نور نمودار ہوتا ہے اور اس کی قبر میں کبھی اندھیری نہیں ہوتی اور اس کی مشکلات کو خدا آسان کرتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی ظلمت سے نجات دیتا ہے۔

فرماتا ہے رات کے اٹھنے کا کیوں حکم دیا گیا۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا اس لیے کہ دن میں تیرے لیے بڑا کام رہتا ہے (السبح الجری والدوران ومنہ السباحۃ فی الماء لتقبلہ بیدیہ ورجلیہ وفرس سابح ای شدید الجری۔ قال ابن عباس ﷺ السبح الفراغ للحاجۃ والنوم) یعنی دن میں ہدایت وارشاد وفیصلہ خصومات وتدابیر دفعِ اعداء عیادتِ مرضٰی تدبیر خانہ داری وغیرہ کاربار رہتے ہیں۔ تخلیہ مشکل ہے اس لیے رات کا وقت مناجات وتلاوت ونماز کے لیے عمدہ وقت ہے۔ زجاج کہتے ہیں یہ معنی ہیں رات کے جاگنے میں نیند اور آرام حاصل نہ ہو تو دن آپ کے لیے بڑا وسیع ہے اس میں آرام کرلو سولو۔

رات کی عبادت ہی پر موقوف نہیں کہ دن میں خدا سے غافل ہو جائے دنیا ہی کے دھندے میں پھنسا رہے بلکہ ہر وقت یاد رکھے اس لیے ارشاد فرماتا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کہ اپنے رب کو یاد رکھ ہر حال میں اسے نہ بھول کیونکہ جس دم بندہ اس سے غافل ہو جاتا ہے تو سلسلہ انوار کا روح سے منقطع ہو جاتا ہے اور تاریکی بھر جاتی ہے، روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔

ذکر کے اقسام : ذکر عام ہے خواہ زبان سے ہو خواہ قلب سے ہو خواہ روح سے خواہ سر سے، خواہ خفی ہو خواہ جلی، خواہ نفس اور عام ہے کہ اسم ذات کا ورد ہو یا کسی اسم صفائی کا کہ جس سے اس کو مناسبت ہو اور اس کے حال کے موافق ہو۔ حضراتِ صوفیہ کرام نے اجتہاد واستنباط اور تعلیمِ الہامی سے اذکار کے مختلف طریقے مبتدی ومنتہی کے مناسب مقرر کئے ہیں اور تجربۂ ثقات نے بتلا دیا ہے کہ ان کا اثر جلد محسوس ہوتا ہے اور تنویرِ قلب وروح میں ان کو ایک عجیب خاصیت ہے اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ منتہی ہر حال میں ذاکر رہتا ہے کوئی شغل اور کوئی حال اس کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کر سکتا مگر مبتدی کے لیے ذکر تبتل کے ساتھ ہو تو جلد اثر بخشتا ہے اس لیے فرماتا ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کہ ماسوی اللہ جس قدر شواغل وعلائق ہیں ان کو منقطع کر کے اسی کی طرف متوجہ ہو جا اس کے بعد جو تخلیہ وخلوۃ میں ذکر ہوگا تو اس میں کوئی خطرہ اور وسوسہ سدِ راہ نہ ہوگا ورنہ ہزاروں خطرات کی نجاست کے ساتھ ذکر کچھ مفید نہیں ؎

بر زباں تسبیح ودر دل گاؤ خر این چنیں تسبیح کے دارد اثر

ذکر مع التبتل : ذکر مع التبتل کی عرفا نے ایک صورت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ علاقۂ اہلِ دنیا کو منقطع کرے اگر کر سکے ورنہ کم تو ضرور کرے نہ کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی، نہ جھگڑا نہ مطالبہ نہ کینہ نہ حسد باقی رکھے۔ بقدرِ ضرورت مال سے لباس ومکان پر اکتفا کر کے شب کو کسی گوشہ میں سر ڈھانک کر قبلہ رو باطہارت بیٹھے، استغفار ودرود کے بعد ذکر شروع کرے۔ فرائض سنن ونوافل کے بعد کوئی ذکر ہو اگر ذکرِ قلبی ہو تو بہتر اور توجہ تام حق سبحانہٗ کی طرف ہو اس کے بعد اس پر ایک حالت طاری ہوگی کہ جس میں تعدادِ ذکر بھی جاتی رہے گی۔ اس کے بعد ایک جاذبۂ محبت اس پر طاری ہوگا اور اس کو ایک بے خودی ہوگی جس میں اپنے صفات وذات کے حالات سے بھی فراموشی ہو جائے گی اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں اس کے بعد ذکر بھی ساقط ہو جائے گا اور مذکور ہی مذکور کا شہود باقی رہ جائے گا اس کے بعد ایک اتصالِ بے تکیف وبے قیاس حاصل ہوگا اور اس مرتبے کا نام بقا ہے۔ اس طرح سے مداومت کرے، کم از کم چار چلے تو اس کو عمل کرے پھر دیکھئے کہ عالم کے کس قدر اسرار منکشف ہوتے ہیں مگر صلاحیت وقابلیت شرط ہے۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ذکر مع التبتل کیا کرتے تھے مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر حراء ایک پہاڑ ہے اس کے غار

میں اپنا خلوت خانہ بنا رکھا تھا۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ ؓ کچھ کھانا پانی آپ کو وہاں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ تک آپ وہاں رہے مگر جب عالم غیب کے مشاہدہ کا وقت آ گیا تو ملائکہ سے باتیں ہوتی تھیں آخر جبرئیل امین آئے اور سورۂ اقرء ساتھ لائے اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی اور آپ پر اس قبض سے ایک سخت صدمہ تھا اور اس قبض کا نام ضلال تھا جس کے دفع کی طرف سورۂ الم نشرح میں اشارہ ہے۔ ووجدک ضالاً فھدٰی چھ مہینے کے بعد پھر سورۂ مزمل نازل ہوئی اور پھر پے در پے قرآن نازل ہونے لگا۔ اعلاءِ کلمۂ حق سے مکہ میں ایک شور برپا ہو گیا، ایذاؤں کے دروازے کھل گئے۔ اس سورہ میں بیشتر انہیں حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ لفظ مزمل اور نمازِ تہجد و ذکر و تبتل کا اشارہ ہے جو اس وقت کی حالت سے مناسب تھا بعد میں جلوت کا زمانہ آ گیا تھا جو ارشاد و ہدایت کے لیے ضروری تھا۔[1]

تبتل پر خیالِ بشری یہ اشکال پیدا کر سکتا تھا کہ پھر دنیاوی کام کیونکر چلیں گے۔ کھانا پینا، مرنا جینا، شادی غمی، تندرستی بیماری جو امور تمدنی ہیں ضرور بنی نوع کی طرف حاجت پڑتی ہے پھر سب سے الگ ہو جانا مشکل بات ہے۔ اس لیے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا کہ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی اہلِ مشرق و مغرب کی پرورش کرتا ہے پتھر میں کیڑے کو، گھونسلوں میں پرندوں کو، بیابانوں میں چرندوں کو روزی دیتا ہے۔ مشرق سے دن نکالتا ہے، جہان کو روشن کرتا ہے، تمام کاموں کے سلسلے جاری کر دیتا ہے، مغرب کا رب ہے، اندھیری چھا دیتا ہے، رات میں بسترِ خواب پر جس کو لٹا کر موت کا نمونہ دکھا دیتا ہے پس اسی کو اپنا کارساز بنا رکھ وہ آپ کے یہ کام سرانجام کر دے گا۔

فائدہ: عارف و کامل کے لیے دو باتیں ضرور پیش آتی ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور خالق سے ہے۔ دوم یہ کہ جن کا تعلق اوروں سے بھی ہے اس لیے یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور متبعین کے لیے تبعاً قسم اول کی تعلیم تھی کہ ان کو عمل میں لاؤ اور وہ چار باتیں ہیں۔ (۱) قیامِ شب و نمازِ تہجد و قرأتِ قرآن عام ہے کہ آدھی رات سے یا دو ثلث یا ایک ثلث رات سے ہو۔ اس کے ضمن میں قیامِ شب کے فوائد بھی ارشاد کر دیے تھے کہ ہم تجھ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ عبادت و ریاضت سے اس کے لیے تیار رہ اور نیز رات کا اٹھنا نفس کشی کا بڑا عمدہ آلہ اور قرأت اور مناجات کا خوب وقت ہے۔ (۲) اس کے سوا ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھ۔ تبتل کے معنی: (۳) سب علائق کو توڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو رہو۔ علائق توڑنے کے یہی معنی نہیں کہ زن و فرزند، بیع و شراء، کاروبار، معاش کو معطل کر دو بلکہ تعلقِ خاطر اٹھا لو دل میں جگہ نہ دو اور ان پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دفع الوقتی اور ایام گزاری ملحوظ رکھو اور اسلام میں یہی تبتل معتبر ہے نہ رہبانیت کہ لنگوٹا باندھ کر جنگل میں پہاڑوں میں جا بیٹھو اس لیے کہ ایسا حکم انتظامِ عالم کو برہم کرتا ہے ہاں اگر خاص لوگ اپنے مناسبِ حال سمجھیں اور جذبۂ محبت ان کو دنیا سے بالکل الگ کر دے تو ان پر کچھ عتاب بھی نہیں۔ (۴) اس پر توکل کر و تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔ توکل صرف منہ سے کہنے کا نام نہیں بلکہ تدابیر و اسبابِ ظاہریہ کے بعد بھی یقین کامل رہے کہ وہی ہمارے کاروبار کا متکفل ہے وہی مصائب دفع کرتا ہے۔ اور ان حکموں میں عجب ترتیبِ طبعی ملحوظ ہے کس لیے کہ شب بیدار، تہجد گزار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے وہ دن میں بھی اس محبوبِ حقیقی کو نہیں بھولتا بلکہ اس مزہ میں رات کا منتظر رہتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطع

---

[1] اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابتداء میں سخت ریاضتیں کی ہیں۔ چالیس روز کے روزے اور صحرا نشینی اور رات کو جاگنا اور دعا نماز میں مصروف رہنا اور حواریوں کو تاکید کرنا اور دنیا سے بالکل الگ ہونا اور یہ فرمانا کہ خداوند پرندوں کو کھانا کھلاتا ہے اور سوسن کو جنگل میں سبز لباس پہناتا ہے وغیرہ بہت سی باتیں مذکور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حالات ہیں اور اقوال نصائح میں بھی بالکل ایک ہی پھول کی خوشبو آتی ہے۔ ۱۲ منہ

تعلقات بھی ہو جاتے ہیں کس لیے کہ یہ تعلقات اس محبوب حقیقی کے وصال میں موانع اور رقیب ہیں۔ ایک دل میں دو مخالف خواہشیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اس پر تجلی اور شہود محبوب ہوتا ہے پھر اس کی آنکھ میں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کارساز سمجھے اس کے سوا کسی چیز کو ہستی میں نہیں سمجھتا۔

چو سلطانِ عزت علم برکشد — جہاں سر بجیب عدم درکشد

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ⑪ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ⑫ وَّطَعَامًا
ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ⑬ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ⑭

اور کافروں کی باتوں پر صبر کرو اور عمدگی سے چھوڑ دو اور ہم کو اور جھٹلانے والے دولت مندوں کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو اور ان کو قدرے مہلت دو۔ کس لیے کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم اور گلا گھونٹنے والا کھانا اور سخت عذاب (موجود) ہے جس دن کہ زمین اور پہاڑ لرزیں اور پہاڑ بھر بھرے ریت کا ٹیلا ہو جائیں (آپس میں ٹکرا کر)۔

ترکیب : والمکذبین عطف علی المفعول او مفعول معہ اولی النعمۃ صفۃ للمکذبین او بیان او بدل قلیلا زمانا قلیلا یوم ظرف لمافی لدینا من معنی الفعل وقیل لعذاب۔ واصل مھیل مھیول فحذف الواو عند سیبویہ وسکنت الیاء وقیل قلبت الواو یاء۔

تفسیر: اس کے بعد قسم دوم کی باتیں ذکر فرماتا ہے جن کی اپنی آراستگی و درستی کے بعد مخلوق کے لیے ضرورت ہے اور وہ بھی چار ہیں۔ (۱) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کہ ان کی باتوں پر صبر کر۔ کفار کی باتیں کئی قسم کی تھیں۔ اول یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو برا کہتے اور گالیاں دیا کرتے تھے۔ دیوانہ، احمق اور سخت باتیں کہتے تھے جس سے جوش آتا اور در پے انتقام و مقابلہ ہونا ایک فطری بات ہے مگر اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا کس لیے کہ اس سے عداوت قائم ہوتی ہے جس سے ہدایت کا دروازہ بند ہوتا ہے جو کچھ کہیں کہنے دو، برا نہ مانو، اپنا کام عبادت و ہدایت کا کیے جاؤ۔ (دوم) وہ اپنے بتوں کی مدح اور ان کی کرامات کے کرشمے اور دارِ آخرت کا انکار کر کے لوگوں کو توحید اور آخرت کے مفید اعمالِ حسنہ سے روکتے تھے ایسی باتوں پر بھی خدا پرست طبائع کو غصہ آنا معمولی بات ہے مگر ابتداء میں ان کے جواب و مقابلہ سے روکا گیا۔ (۲) وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا اور ان بیوقوفوں کو اچھی طرح سے چھوڑ دے۔ ہجر جمیل یہ ہے کہ کینہ نہ رکھے، ان کو برائی اور ایذا پہنچانے کا قصد نہ کرے، نہ گلہ و شکوہ کرے، ہجو و توہین تو کجا جہاں تک ہو سکے بھلائی اور نصیحت سے بھی درگزر نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جب یہ اخلاقِ حمیدہ کفار سے برتے تو پھر ان کے دلوں پر ایک ایسا اثر ہوا کہ روز بروز سینکڑوں اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ واعظِ اسلام میں یہ باتیں شرط ہیں اگر ایسی طبیعت نہ ہو تو اس کو وعظ و ہدایت کی مسند پر بیٹھنا روا نہیں۔ کس لیے کہ بجائے ہدایت کے اس کے اخلاق درشت اور منتقم طبیعت اور لڑنے والی زبان سے اور بھی عداوت ہو کر لوگوں کو اپنی بری باتوں پر اصرار ہو جائے گا۔ (۳) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ کہ مالدار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دے آپ ان کے لیے بددعا بھی نہ کریں۔ (۴) ومھلھم قلیلا اور ان کو تھوڑی مہلت دیجیے۔ اول تو ایسے گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کو جو اپنے خداداد مال و جاہ

کا شکر یہ نہیں کرتے بلکہ اس کو خدا کے مقابلہ میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزا مل جایا کرتی ہے ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی ملے گی اور یہ چند روزہ مہلت ہے۔ اور وہ سزا کیا ہے؟ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا کہ ان کے لیے ہمارے ہاں بیڑیاں تیار ہیں اس لیے کہ ان پاؤں سے خدا کی راہ میں چل کر نہیں آتے تھے اور ان پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ فساد اور نفسانی خواہشوں اور ان کے لیے آگ جلانے والی بھی تیار ہے یہ ان کے عشق و محبتِ دنیا کی آگ ہے اور نیز دینِ حق کے مقابلہ کی آگ ہے اور شہوات ولذات کی بھی آگ ہے جو ان کے دلوں میں جلا کرتی تھی اب یہ اس میں جلا کریں اور کھانے میں گلا گھونٹنے والے۔ گلے سے نیچے اترتے ہی نہیں یہ ان کے دنیا میں عمدہ عمدہ کھانوں کا بدلہ ہے جو کھا کر شہوت پرستی اور بدکاری پر بدکاری کرتے تھے اور نیز یہ وہ بزرگانِ دین کی نصیحت بھی ہیں جو ان کے گلے سے نیچے دل میں نہیں اترتی تھیں اوپر ہی اوپر اڑا دیتے تھے اور یہ وہ شادمانیاں اور ناچ ورنگ اور کھیل تماشے بھی ہیں کہ جن میں مسرور اور خدا سے دور تھے۔ آج وہ گلوگیر ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے دردناک عذاب بھی ہیں۔ یہ سامان ان کے لیے تیار ہیں۔ مرنے کی دیر ہے اس چند روزہ زندگی میں جو کچھ کرنا ہے کر لیں اور یہ چیزیں پوری پوری ان کو کس دن ملیں گی يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ کہ جس دن زمین لرزے وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ٹیلے ریت کے بن جائیں یعنی قیامت کے روز، اور قیامت سے پہلے بھی مگر کم[1]۔ انجیل لوقا کے ۱۶ باب میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دولت مند کافر اور ایک غریب دیندار کا ذکر کیا ہے جو ناسور اور زخموں سے چور تھا اور کتے اس کے زخم چاٹتے تھے اور دولت کے پس خوردہ ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا تھا۔ قضاءً دونوں مر گئے العزر کہ جو غریب تھا فرشتوں نے لے جا کر ابراہیم علیہ السلام کی گود میں رکھا اور دولت مند کو دوزخ میں۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور اس کی گود میں العزر کو بھی اور اس نے پکارا کہ اے باپ ابراہیم علیہ السلام! مجھ پر رحم کر اور العزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں لو میں تڑپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور العزر بری چیزیں۔ سو اب یہ آرام پاتا ہے تو تڑپتا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک عمیق گڑھا ہے۔ اُدھر کے اِدھر اور اِدھر کے اُدھر نہیں جا سکتے تب دولتمند نے کہا۔ میں منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج میرے پانچ بھائی ہیں ان کو مطلع کرے تاکہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ نہ آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ان کے پاس انبیاء ہیں چاہیے کہ ان کی سنیں اس نے کہا اے باپ اگر مردوں میں سے کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب نبیوں کی نہ سنی تو مردوں کی کب سنیں گے۔ آیات کی تفسیر کے بعد ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کا بیان کرنا ضروری ہے۔

نمازِ تہجد: اس کا وقت جمہور کے نزدیک آدھی رات ڈھلنے کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے اور جس کو نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہونے کا پورا بھروسہ نہ ہو تو وہ عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا ہی کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ شب بیداری اور نمازِ تہجد کی حالت سورۂ مزمل کے بعد سے ایک طرزِ خاص پر نہ تھی۔ کبھی آپ عشاء پڑھ کر سو جاتے اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت پڑھتے، ان میں بہت کچھ قرآنِ مجید پڑھتے تھے۔ سورۂ بقرہ وآل عمران وغیرہ اور یہ دو رکعت بڑی دیر میں تمام کرتے اور تھک جاتے تو لیٹ جاتے تھے۔ پھر اٹھ کر اس طور سے دو رکعت پڑھتے۔ کبھی چھ رکعت پڑھتے کبھی زیادہ دس تک پڑھتے پھر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھتے۔ بعض محدثین کے نزدیک چھ رکعت یا آٹھ

---

[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں ثواب وعذاب ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ایماندار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظلِ عاطفت میں رہتے ہیں اس لیے شرع محمدی میں نماز میں ان پر درود وسلام مسنون ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مردے کو اپنے اقارب کا علم اور ان کی ہمدردی باقی رہتی ہے۔ سورۂ یٰسین میں ہے یالیت قومی یعلمون وبما غفرلی ربی اور احادیث میں ان تمام باتوں کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

یا دس رکعت کے بعد متصلا ایک رکعت اور ملا دیتے۔ طاق کرنے کے لیے اور اسی کو وتر کہتے ہیں۔ اس سے یہ نہیں پایا گیا کہ وتر کی ایک رکعت جدا گانہ بھی پڑھی ہے۔ صبح صادق کے بعد صبح کی دو رکعت پڑھ کر ذرا لیٹ جاتے اور پھر نمازِ صبح پڑھاتے اور کبھی صبحِ صادق تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے۔ تہجد میں بروایت مسلم جو زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے تیرہ رکعت مع وتر کے ثابت ہوئی ہیں۔ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں۔ اور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر بھی نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور رکوع و سجود کے وقت اٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے تھے۔ کوئی خاص سورہ مقرر نہیں تھی۔ آپ نمازِ تہجد میں بہت رویا کرتے تھے۔ اور قرآنِ مجید کبھی آواز سے کبھی آہستہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی تہجد میں دو رکعت اول جلدی تمام کرتے بعد کو طول دیتے۔ اور نماز میں اٹھنے سے پہلے بہت دعائیں پڑھتے تھے جو کتبِ حدیث میں مذکور ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝۱۵ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝۱۶ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۝۱۷ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝۱۸ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۱۹

ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا ایک رسول اس طرح سے بھیجا ہے کہ جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو وبال میں پکڑ لیا پھر اگر تم نے بھی انکار کر دیا تو تم اس دن کی مصیبت سے کیونکر بچو گے جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا آسمان اس دن پھٹ جائے گا اس کا وعدہ ہو کر رہے گا یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب کی طرف آنے کا راستہ بنا رکھے۔

ترکیب : شاهدا وصف لرسولا وبيلا قال الاخفش شديدا وبه قال ابن عباس ومنه مطر وابل وطعام وبيل اذا كان لا يستمراء۔ يوما مفعول تتقون اى كيف تتقون يوما ان كفرتم وقيل مفعول كفرتم۔ يجعل الجملة صفة يوم شيبا جمع اشيب والاصل فى شين شيب الضم وكسرت لمجانسة الياء منفطر به والباء سببية ويمكن ان تكون بمعنى فى۔ وانما قال منفطر ولم يقل منفطرة تنزيل السماء منزلة الشیء لتغيرها عن صفتها وقال الفراء السماء يذكر ويؤنث۔

تفسیر : قریش اپنے تکبر اور سرکشی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہوتے تھے اور ان کو فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لیے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا جیسا کہ فرعون کے پاس بھیجا تھا پھر اس نے سرکشی کی سزا پائی، غرق ہوا پھر تم فرعون سے زیادہ مالدار اور صاحبِ حشمت و شوکت نہیں ہو۔ یا یوں کہو کہ نبوت کے مسئلہ کی ضرورت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جب بدکاری اور بت پرستی ہوئی ہدایت کے لیے نبی آیا جیسا کہ پہلے فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے تھے تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا کیسا رسول! شاهدا عليكم تم پر تمہارے نیک و بدکاروں کی شہادت دینے والا وہ خدا کی طرف سے گواہی دیتا ہے کہ یہ کام برے اور ناپسند ہیں اور یہ کام عمدہ اور قابلِ نجات ہیں۔ یا یہ کہ وہ قیامت میں تمہارے اوپر گواہی دے گا جو کچھ تم نے کیا اور کر رہے ہو وہ سچا گواہ آسمانی عدالت میں تم پر ثابت کر دے گا اور تم کو ملزم ٹھہرائے گا اگر برائی سے باز نہ آؤ گے اور نیک کام اختیار نہ کرو گے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا جیسا کہ فرعون کے پاس ہم نے

رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام بھیجا تھا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی تو قید فرعون سے نجات پائی۔ شام کی سرزمین نصیب ہوئی، وہاں کے سردار ہوئے اور فرعون نے سرکشی کی تو ہلاک ہوا اسی طرح اس نبی کے مطیع دنیا کی سرسبز بادشاہتوں کے مالک ہوں گے اور آخرت کے بھی درجات حاصل کریں گے اور نافرمان و سرکش خوار و ذلیل ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش بدر میں مارے گئے، سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے، پھر فتح مکہ کے دن مغلوب ہوئے اور صحابہ دنیا اور دین کے سردار ہوئے۔ اس جملہ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جو توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت منقول ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہلے سے سناتے ہیں ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔ انتہیٰ متعصب عیسائی اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں اور سند بھی عیسائی مصنفوں کے اقوال سے لاتے ہیں۔ مگر یہ بشارت بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتی کس لیے کہ اصل بشارت میں موافق عبرانی ترجمہ کے ان کے بھائیوں میں سے نبی برپا کرنا فرمایا ہے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت[1] دینے کا وعدہ بھی ہوا ہے۔ اگر اس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اور کوئی اسرائیلی نبی ہو تو بنی اسرائیل میں سے برپا ہوا سمجھا جائے گا نہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے دوسرے اس نبی کی نسبت یوں فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کے مانند نہیں گزرا بلکہ ہر ایک ان کا شریعت میں متبع تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بھی مشابہت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں تھی کس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، بیوی اولاد رکھتے تھے، ایک فرو ماندہ قوم کو سرکشوں کے پنجوں سے چھڑا کر لائے اور اس کو ایک ملک کا سردار کر گئے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ آدم زاد ہی نہیں تھے بلکہ خدازاد یعنی خدا کے بیٹے (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً) اور نہ ان کی بیوی بیٹے تھے نہ قوم کو رومیوں کی قید سے آزاد کرا گئے۔ اور نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ان کی نسل کے غیر لوگ ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوا حالانکہ آپ کی اولاد بھی موجود تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوئے باوجودیکہ آپ کے اقارب و اولاد بھی تھی جن کے عہد میں عرب غیر قوموں پر فتحیاب ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل شام اور فلسطین پر قابض ہوئے اور دونوں کی شریعت میں بھی حلت و حرمت' طہارت و نجاست' قوانینِ عبادت' احکامِ معاملات اور دستورِ عبادات میں بہت مشابہت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی نئی شریعت ہی نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اس لیے فرماتے تھے کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی مٹانے نہیں آیا اور نہ شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں اور جو بعد میں پولوس وغیرہ نے شریعت بنائی تو اس میں ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کیے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیے۔ وہ لوگوں میں صاحبِ شوکت اور ذوجاہت تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ محض فقیرانہ اور عاجزانہ پیرایہ میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی مخالف قتل نہ کر سکا اپنی موت سے مرے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ الغرض پیدائش سے لے کر شریعت و احکام اور زیست کے حالات اور موت اور بعد میں جانشینوں تک کے حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسی مشابہت ہے اس کا سوواں حصہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر اے قریش! تم ہمارے نبی الرحمۃ کی وجہ سے دنیاوی ہلاکت سے بچ گئے یا جیسا کہ تم ڈھٹائی سے کہتے ہو کہ ہم دنیا

---

[1] اس تقدیر پر اس بشارت کا مصداق بنی اسماعیل میں سے برپا ہونا چاہیے اور بنی اسماعیل میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ایسا نہیں گزرا۔

میں ہر قسم کی مصیبت اٹھا سکتے ہیں تو کَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا اس دن سے کیونکر بچو گے (اگر تم کافر رہے اور کفر میں مر گئے) جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی قیامت کا دن علماء فرماتے ہیں یہ کنایہ ہے اس دن کی شدت اور درازی سے کہ غم کے مارے لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے یا وہ اس قدر بڑا دن کفار پر ہوگا کہ لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے کس لیے کہ وہ بڑا دراز دن ہوگا۔ بیضاوی فرماتے ہیں ھذا علی الفرض والتمثیل اور فرض کے طور پر ہے کہ اگر لڑکے بھی ہوں گے تو غم کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے کیونکہ غم والم سے بڑھاپا جلد آتا ہے۔ مطلب یہ کہ بڑا اندوہناک روز ہوگا۔ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ یَجْعَلُ الْوِلْدَانَ حشر کے وقت کا حال ہے اور السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ نفخہ اول کا ہے اور دونوں کا ایک ہیبت ناک متصلاً حادثہ ہے سب کو ایک دن (بمعنی وقتِ مصیبت) بیان فرمانا پوری تشریح ہے۔ اور ان باتوں میں اے آدم زاد! کچھ شک وشبہ نہ کر۔ کس لیے کہ کَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا اس کا وعدہ جو اس نے رسول کی معرفت کیا ہے قیامت کے آنے کے بابت اور جزاء وسزا کی بابت ضرور ہو کر رہے گا اب جو تم کو سمجھایا اور ڈرایا جاتا ہے ان ھٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ یہ محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی اور تم کو آگاہی کی جاتی ہے ورنہ اور کچھ غرض نہیں۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ہم نے اپنے تک تقرب حاصل کرنے کی راہ بیان فرما دی ہے پھر جو چاہے ہمارے دربارِ لطف میں جگہ پانے اور ہمارے پاس آنے کا رستہ اختیار کر لے وقت ہے ورنہ دوسرے رستہ کا انجام جہنم اور مصیبتِ دائمی ہے۔

درِ فیضِ الٰہی وا ہے آئے جس کا جی چاہے　　خلاف اس کے رہِ دوزخ ہے جائے جس کا جی چاہے

اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نمازِ تہجد میں) کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کا صحیح اندازہ کیا کرتا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے کہ تم اس کا تحفظ نہ کر سکو گے سو اس نے تم پر مہربانی کی (نصف وثلث کی قید اٹھا دی) تو جس قدر قرآن (تہجد میں) پڑھا جا سکتا ہے پڑھا کرو اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کچھ لوگ خدا کے فضل (روزی) کی تلاش میں زمین پر سفر بھی کریں گے اور کچھ اللہ کی راہ میں بھی لڑیں گے پھر جو کچھ تمہیں اس میں سے آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے لیے قرضِ حسنہ دیا کرو اور اپنے لیے جو کچھ نیکی آگے بھیجو گے تو اس کو اللہ کے پاس (جا کر) بہتر اور بڑے اجر کی چیز پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگا کرو بے

شک اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : انک الجملۃ مفعول یعلم ونصفہ وثلثہ بالنصب عطفا علی ادنی کما قرء بہ ابن کثیر والکوفیون وبالجر عطفا علی ثلثی اللیل کما قرء الجمہور وطائفۃ بالرفع عطفا علی الضمیر فی تقوم وجری الفصل مجری التوکید ان لن تحصوہ مخففۃ من الثقیلۃ واسمہا ضمیر الشان محذوف ای انہ لن تحصوہ وکذا ان سیکون، یبتغون حال من الضمیر فی یضربون وما تقدموا الخ الجملۃ مبتداء تجدوہ خبراخیر اقرء الجمہور بالنصب علی انہ مفعول ثان لتجدوا وھو فصل او بدل او تاکید وقری بالرفع علی انہ خبر ہو والجملۃ فی محل النصب علی انہا مفعول ثان لتجدوا اعظم بالنصب عطفا علی خیرا او بالرفع لکونہ خبرا ثانیا اجرا منصوب علی انہ تمیز من اعظم۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم تہجد کی نماز میں کبھی آدھی رات کے قریب سے اٹھتے جیسا کہ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی تہائی رات سے جیسا کہ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی دو ثلث رات سے اٹھتے تھے جیسا کہ اوزدعلیہ سے سمجھا جاتا ہے اور نماز پڑھتے اور نماز میں قرآنِ مجید درد وسوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا سے سمجھا جاتا ہے اور یہ کمی زیادتی صحت ومرض اور غلبۂ شوق وفرحت اور خواب و بیداری سے تھی۔ اب عام ہے کہ یہ شب بیداری آپ پر اور آپ کے اصحاب پر فرض ہو یا بطور ندب یا آپ پر فرض اور لوگوں پر ندب علی اختلاف اقوال العلماء مگر مدتوں تک آپ اور آپ کے اصحاب اسی شب بیداری کے پابند رہے اور کم از کم ایک ثلث رات شب بیداری کو بہت ہی ضروری سمجھتے رہے۔ اس لیے رات کا اندازہ ستاروں سے کیا کرتے تھے۔ اس حالتِ محمودہ کو خدا تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ کہ اللہ جانتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور آپ کے ساتھی دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات سے اٹھتے ہیں اور صحیح اندازہ رات دن کا اللہ ہی کرتا ہے کہ دراصل اب آدھی رات رہی یا ثلث یا دو ثلث مگر تم بھی اپنے نزدیک ان اوقات کی پابندی کرتے رہو اور اپنے اندازہ کے موافق دو ثلث ونصف وثلث رات میں اٹھتے رہو۔ اس کے بعد اس پابندی کو بھی اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے کس لیے کہ یہ دو ثلث ونصف وثلث کی پابندی تم سے ہمیشہ نبھ بھی نہ سکے گی کیونکہ بیماری بھی لگی ہوئی ہے اور سفر وجہاد بھی پیش آنے والا ہے پھر بیمار ومسافر اور مجاہدوں کے ہارے تھکے سے رات میں اٹھنا ایک شاق امر ہے اس لیے دو ثلث اور نصف اور ثلث کی قید بھی تمہارے لیے کوئی لازمی بات نہیں بلکہ جس قدر تم سے ہو سکے اتنی رات جاگو اور جس قدر قرآن بآسانی تم سے نماز میں پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔ اس مضمون کو ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ (ضمیر تحصوہ کی قیام لیل کی طرف پھرتی ہے) کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس پابندی کو نباہ نہ سکو گے فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ اس نے تم پر مہربانی کی۔ **فاقرؤا ما تیسر من القرآن پر بحث:** اس لیے حکم دیا کہ فاقرؤا ما تیسر من القرآن کہ جس قدر قرآن پڑھنا تمہیں آسان ہوا تنا پڑھ لیا کرو یا جس قدر نمازِ تہجد تم سے ادا ہو سکے کر لیا کرو (چونکہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قراءتِ قرآن سے تعبیر کیا جیسا کہ رکوع وسجود سے کرتے ہیں) اور یہ پابندی کس لیے تم سے اٹھا دی عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کہ اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کسی کو سفر بھی درپیش ہوگا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے تجارت اور علم سیکھنے اور سکھانے کے لیے اور ہجرت کے لیے بزرگانِ دین سے ملنے کے لیے، غربا ومساکین یا درماندوں کی چارہ جوئی، حاجت براری کے لیے ہر ایک سفر پر اللہ کے فضل ورحمت کی طلب کا سفر اطلاق ہو سکتا ہے اور نیز جہاد بھی پیش آنے والا ہے۔ یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں اس حکم کی پابندی کہ اس قدر رات سے اٹھو اور اتنا قرآن پڑھو ایک امرِ مشکل ہے اس لیے پھر بارِ دگر تم کو سنایا جاتا ہے کہ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ کہ جس قدر تم سے بآسانی پڑھا جائے اس قدر پڑھو۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ربك یعلم الخ پہلے حکم قم الیل الخ کے ایک برس بعد نازل ہوئی ہیں اس قدر عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی پابندیِ خاص سے شب بیداری کرتے رہے اور راتوں کے جاگنے اور نماز میں کھڑا رہنے سے پاؤں بھی ورم کر آئے تھے جس پر قریش نے طعنہ کے طور پر کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن کیا اترا مصیبت میں پڑ گیا۔ اس کا جواب طورۂ طٰہٰ میں دیا گیا کہ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی الخ۔ اس بنا پر یہ آیات اول آیات کی کہ جن میں دوثلث ونصف وثلث کی پابندی تھی ناسخ ہیں خاص پابندی کے لیے نہ تہجد کے لیے کیونکہ فَاقْرَءُوْا مَاتَیَسَّرَ مِنْهُ باواز بلند کہہ رہا ہے کہ تہجد میں قرآن پڑھنا ہنوز باقی ہے صرف اس قدر ہے کہ جس قدر تم سے ہو سکے پابندی نہیں۔ اس آیت سے تہجد کو منسوخ قرار دینا تحکم ہے۔ ہاں اگر فاقرؤا سے نفسِ قرآن پڑھنا نماز میں یا نماز کے باہر مراد لیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس سے نمازِ تہجد کا بقا نہیں سمجھا جاسکتا مگر فاقرؤا سے یہ تعیم سیاقِ آیات کی منافی ہے۔ کس لیے کہ اول سے نمازِ تہجد اور اس میں قرآن پڑھنے کا ذکر چلا آرہا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر ان علماء کے اقوال پر اس قرآن پڑھنے کو بھی منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ بعد کی آیت وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ سے بس صاف معنی آیات کے یہی ہیں کہ دوثلث اور نصف اور ثلث رات کی پابندی اٹھا دی ہے اور تہجد گزاروں کے شوق وفرصت پر چھوڑ دیا ہے اور حکمِ تہجد بدستور باقی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور امت پر مندوب [1]

اس کے بعد تین حکم اور دیتا ہے فقال وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کہ نماز قائم کیا کرو، زکوٰۃ دو، اللہ کو قرضِ حسنہ دو۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ پنجگانہ نماز کی فرضیت شبِ معراج میں ہوئی اور یہ سورہ شبِ معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس وقت تک زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں آکر فرض ہوئی ہے پھر آیت میں اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے:

کہ گو پنجگانہ نماز اور زکوٰۃِ معینہ واجب نہیں ہوئی تھی مگر مطلقاً نماز اور زکوٰۃ تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع وسجود وقیام وقعود میں دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت دن میں کفار کا ہجوم رہتا تھا۔ صرف تہجد کی نماز تھی ممکن ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ میں اسی طرف اشارہ ہو کہ جس قدر تم سے قرآن پڑھا جا سکے پڑھو اور نمازِ تہجد ادا کیے جاؤ' پابندی دوثلث اور ثلث اور نصف کی نہیں اور خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعداد خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔ سو اتوا الزکوٰۃ سے وہی خیرات مطلقہ مراد ہے اور اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا تو اتوا الزکوٰۃ کی تاکید ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ خیرات دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنی کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دنیا اور آخرت میں دے گا گویا وہ تمہارے اس دیے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تاکہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ قرض لینے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ اور قرضاً حسنا میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ناپاک اور حرام کا مال منظور ومقبول نہیں اور یہ بھی کہ فقیر کو طعنہ نہ دو اور دے کر کسی کو شرمندہ نہ کرو اس لیے حکم ہے کہ مخفی طور پر دے اور خلوصِ نیت سے دے۔ ان سب باتوں کو یہ لفظ شامل ہے اس میں خیرات کے سب آداب کی طرف اشارہ ہے لہٰذا اس کے بعد پھر اطمینان دلاتا ہے فقال وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ کہ جو نیکی تم اپنے لیے کرو گے اور آگے بھیجو گے تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بڑھ کر پاؤ گے، رائیگاں نہ جائے گی۔ ہم گن گن کر اور جمع کر کے رکھتے ہیں۔ مر کر جب آؤ گے بہتر اور بڑھ کر پاؤ گے ایک پیسہ کے دس پیسے کا ثواب بلکہ زیادہ کا موجود ہے۔ لانفسکم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عبادت وخیرات میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں تمہارے ہی لیے فائدہ ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور معافی مانگا کرو کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز وخیرات پر غرور نہ کرو اس کے بعد بھی معافی مانگا کرو جو مقتضائے عبودیت ہے اور نماز و

---

[1] مندوب مستحب ومسنون کریں تو ثواب نہ کریں تو کچھ عذاب نہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ میں جو کوئی قصور وفتور ہو جائے تو معاف کیا جائے آخر کار ہمارے فضل پر مدار ہے۔

فائدہ: علماءِ اصول نے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ پر ایک دلچسپ بحث کی ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ما کے لفظ کو عام رکھ کر فرماتے ہیں نماز میں قرأتِ قرآن مطلقاً فرض ہے کوئی آیت اور کوئی سورۃ ہو اور چونکہ سورۂ الحمد کی بابت آ گیا ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ الحمد بغیر نماز نہیں اس لیے الحمد کا پڑھنا اور اس کے ساتھ اور کوئی سورۃ یا آیت ملانا جیسا کہ اور احادیث سے ثابت ہے واجب ہے نہ فرض اور دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ ماتیسر کے عموم سے بقرینہ احادیثِ صحیحہ سورۂ فاتحہ مراد ہے اس لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہی ماتیسر من القرآن ہے۔

فائدہ: اس سورہ میں رسالت اور قیامت اور نیز توحید کا کامل ثبوت عجیب پیرایہ میں کیا گیا اور دارِ آخرت میں کارآمد باتوں کی تاکید اور تعلیم بھی کر دی کہ شب بیداری کرو نماز پڑھو، خیرات دو، یہی باتیں وہاں کارآمد ہیں اور مخالفوں کی ایذا پر صبر اور تحمل کرو کس لیے کہ دنیا کی عافیت اسی میں ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ دین و دنیا میں پھیل کر رہے گا فرعون کی شہ زوری جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی اسی طرح کفارِ عرب کی بھی نہ چلے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ
فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦

اے کپڑے میں لپٹے ہوئے! کھڑے ہو کر ڈرساؤ اور اپنے رب کی بزرگی بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور میل کچیل دور کرو اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔

ترکیب: المدثر اصلہ المتدثر ادغمت التاء فی الدال للمجانسۃ وقرء الجمھور بالادغام۔ والدثار مایلبس فوق الشعار والشعار مایلی الجسد ومنہ قولہ علیہ السلام الانصار شعار والناس دثار۔ فانذر الفاء فیہ وفیما بعدہ لافادۃ معنی الشرط کانہ قال مایکن من شیء۔ فانذر وکبر۔ وقال ابن جنی ھو کقولک زیدا فاضرب فالفاء زائدۃ وربک و ثیابک والرجز منصوب بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ تستکثر بالرفع علی انہ حال وبالجزم علی انہ جواب النھی وبالنصب علی تقدیر لتستکثر وقیل علی تقدیر ان وبقی عملھا۔

تفسیر: بخاری ومسلم وغیرہما نے نقل کیا ہے کہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن نے کہا سب سے پہلے یاایہا المدثر نازل ہوئی اس پر یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ لوگ سب سے اول اقرء کا نازل ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابوسلمہ نے کہا میں نے بھی یہ بات جابر بن عبداللہ ؓ سے پوچھی تھی تب اس نے کہا میں آپ کو وہی بات سناتا ہوں جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ میں غارِ حرا میں گوشہ نشین تھا جب نیچے اترا تو آواز آئی میں نے دائیں بائیں پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا تب اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں نظر آیا تھا ایک کرسی پر بیٹھا دکھائی دیا، آسمان و زمین کے درمیان۔ اس سے مجھے دہشت معلوم ہوئی اور گھر میں آیا اور یہ کہا کہ دثرونی کپڑا اوڑھاؤ کپڑا اوڑھاؤ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ تک۔

علماء نے احادیث میں غور کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے اول سورۂ اقرء نازل ہوئی۔ مَالَمْ يَعْلَمْ تک اور پھر کچھ دنوں وحی بند رہی پھر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ اس کے بعد مزمل۔ بعض کہتے ہیں مزمل نازل ہونے کے بعد مدثر نازل ہوئی۔ مگر یہ بالاتفاق ہے کہ یہ سورۃ بھی مکہ میں

نازل ہوئی اور اس میں بھی وہی توحید وغیرہ کے مطالب ہیں۔

مناسبت اس سورہ کی سورۂ مزمل سے یہ ہے کہ سورۂ مزمل میں اپنے آراستہ کرنے کا حکم تھا کہ رات کی نماز وتلاوت سے پہلے خود کامل ہو جاؤ اس کے بعد اس سورہ میں لوگوں کو کامل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بقولہ فانذر۔ کس لیے کہ جب تک آپ کامل نہ ہوں تو دوسروں کی تکمیل کا انذار وتبشیر سے بیڑہ اٹھانا زیبا نہیں اس کے سوا دونوں کے مطالب میں بھی بہت کچھ مناسبت ہے۔ وہاں ابتداء یا ایہا المزمل کے ساتھ تھی یہاں یا ایہا المدثر کے ساتھ ہے اور دونوں کے معنی قریب قریب ہیں وہاں رات میں نماز وتلاوت کا حکم تھا یہاں اس کے شروط کپڑے اور جسم کی پاکی بتائی گئی وہاں بھی قیامت کا ہولناک واقعہ بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو بوڑھا کردینے والا دن آنے والا ہے۔ یہاں اس کی نسبت فرمایا گیا یَوۡمٌ عَسِيۡرٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ غَيۡرُ يَسِيۡرٍ کہ وہ دن بڑا سخت ہے کافروں پر آسان نہیں وہاں خاتمہ میں تھا الله غفور رحیم اس سے بخشش مانگو یہاں بھی خاتمہ میں ہے اهل التقوىٰ و اهل المغفرة کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہ بخشش والا ہے۔

فقال : یاایہا المدثر کہ اے کپڑا پہنے ہوئے۔ شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملا ہو اور اس کے اوپر جو کپڑا ہو اس کو دثار کہتے ہیں اور ایسے کپڑے اوڑھے ہوئے کو مدثر۔ عام مفسرین اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کہ آپ سردی کی وجہ سے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اسی نام سے پیار سے یاد فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار مٹی پر سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے پیار سے فرمایا قم یا ابا تراب۔

وجوہِ مدثر: اب اس کپڑا اوڑھنے کے چند وجوہ علماء نے بیان فرمائے ہیں: (۱) فرشتہ کو دیکھ کر دہشت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوئی تھی جس لیے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اس حالت میں تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور اسی حالت پر محبت سے خطاب کیا گیا۔

(۲) کفارِ قریش نے جمع ہو کر لوگوں کو آپ سے بدگمان کرنے کے لیے لفظ ساحر تجویز کیا اور پکار دیا تو اس سے آپ کو رنج ہوا اور طبعِ مبارک پر کسل طاری ہوا جس لیے کپڑا اوڑھ کر پڑے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو۔

(۳) آپ کپڑا اوڑھے سو رہے تھے اسی حالت میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں جتلایا جاتا ہے کہ کپڑا منہ سے اتار اور نیند سے ہوشیار ہو اور منصبِ نبوت پر قائم یعنی آمادہ ہو۔ ایک گروہ علماء کا یہ کہتا ہے کہ ظاہری کپڑا اوڑھنا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے۔ (۱) یہ کہ اے نبوت ورسالت کی چادر اوڑھنے والے کھڑا ہو جیسا کہ کہتے ہیں البسہ الله لباس التقوىٰ وزینہ برداء العلم۔ (۲) یہ کہ کپڑا اوڑھنے سے آدمی مخفی ہو جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اے خلوت وگوشہ نشینی کی چادر اوڑھنے والے کب تک مخفی رہے گا کھڑا ہو اور لوگوں کو متنبہ کر۔ کس لیے کہ دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ (۳) یہ کہ اے خلقِ عظیم اور رحمتِ عالمین کی چادر اوڑھنے والے اس لباس کو پہن کر چپ کیوں بیٹھے ہو کھڑے ہو اور لوگوں کو متنبہ کرو، دینِ حق کی منادی کرو۔

قُمۡ فَاَنۡذِرۡ کھڑا ہو یعنی اس مرتبہ پر مستحکم وآمادہ ہو یا خواب گاہ سے اٹھ۔ قم کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر کھڑے ہو کر کیا کر۔ فانذر لوگوں کو ڈرسنا جیسے کہ آپ نذیر تھے، بشیر بھی تھے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا کس لیے کہ دنیا بدکاری اور بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لیے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصولِ حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا۔

اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذابِ آخرت اور مصائبِ دنیا کی خبر دینا (جو بدکاری اور بت پرستی کا ثمرہ ہوتا ہے) بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوندِ عالم کی عظمت وجبروت بیان کی جائے اس لیے حکم ہوا وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ کہ اپنے رب کی عظمت و شوکت بیان کر اور اس کے آثارِ حیرت وقدرت اظہار کرتا کہ مشرکین کے دلوں سے (اس کی قدرت ویکتائی سن کر) بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نافرمانی پر جو بلا آئے گی اس کو ہمارے معبود دفع نہ کر سکیں گے۔

تکبیر کہنے پر بحث: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کو حق سبحانہ نے مرتبۂ نبوت وتبلیغ عطا کیا اس لیے اس خوشی پر تکبیر کہنا فرمایا۔ شادمانی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اس لیے آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کے ساتھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی نے اور اسی لیے اہلِ اسلام میں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ خوشی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اسی لیے نمازِ عیدین اور حج میں تکبیر بآوازِ بلند کہی جاتی ہے بلکہ دشمنوں کے مقہور کرنے کے لیے اور آفات دور کرنے کے لیے بھی تکبیر اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ عظمت وہیبتِ الٰہی مخالف کے دلوں کو ہلا دیتی ہے، مصیبت کو دفع کرتی ہے۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد میں اور ہر خوشی کے موقع پر اس آواز کو بلند کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے تحریمہ کے وقت اور رکوع وسجود کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ گو اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت نمازِ پنجگانہ فرض نہ تھی مگر نوافل تھے انہیں میں تکبیر کہنا مامور بہ تھا۔ ہر ایک معنی چسپاں ہو سکتے ہیں یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

طہارتِ جامہ وبدن فرض ہے : لیکن تکبیر کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد حکم دیتا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کہ اپنے کپڑے پاک کر۔ علما کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ (اول) ثیاب اور طہر حقیقی معنی پر محمول کیے جائیں یہ معنی کہ ظاہری کپڑوں کو ظاہری نجاست سے دور رکھ اور جب کپڑوں کو دور رکھنا فرمایا تو بدن کو جو کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے بدرجۂ اولیٰ نجاست سے دور رکھنا اور پاک رکھنا مراد ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ناپاک کپڑوں اور ناپاک بدن سے نماز درست نہیں کس لیے کہ نوافل و ذکر میں مومن کو ہمیشہ مشغول رہنا اور عالمِ قدس سے مناسبت پیدا کرنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اس جماعت میں شامل ہو جائے اور کپڑے اور بدن کی نجاستِ ظاہری اس مناسبت میں خلل انداز ہے۔ گوہ، موت، منی، قے، خون، خنزیر، شراب، مردار ناپاک چیزیں ہیں اور اسی طرح حیوانات کا گوہ موت بھی ناپاکی ہے اور کتا وغیرہ نجس جانور اور ان کے پس خوردہ چیزیں بھی ان سے ہر وقت دور رہنا چاہیے خصوصاً نماز کے وقت تو فرض ہے۔ یہ حکم آپ کو اس لیے دیا کہ مشرکین اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لیے آپ کو اور آپ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بھی ہے کہ مشرکینِ مکہ آپ پر نجاست ڈال دیا کرتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ ان کی حماقت کا خیال نہ کریں، کپڑے پاک کر لیا کریں۔ (دوم) کپڑے کو حقیقی معنی پر اور طہارت کو مجازی پر معنی باطنی پاکی پر محمول کریں یہ معنی کہ اپنے کپڑوں کو معنوی نجاست سے پاک کریں۔ غصب اور چوری کے کپڑے اسی طرح ناجائز کمائی کے اور وہ کہ جن پر تصاویر ہوں اور اسی طرح دامن نیچا اور ریشمی جو مردوں کے لیے درست نہیں معنوی ناپاکی رکھتے ہیں مسلمان کو دور رہنا چاہیے۔ خصوصاً یادِ الٰہی کے وقت ایسے کپڑے دور پھینک دینے چاہییں۔ اسی طرح مرد کے لیے زنانہ لباس اور زنانہ آرائش اور عورت کے لیے مردانہ لباس بھی معنوی نجاست ہے۔

(سوم) یہ کہ کپڑوں کے مجازی معنی اور طہارت کے حقیقی لیے جائیں، کپڑوں سے آپ کی ذات وصفات واخلاق مراد ہیں کہ آپ ان کی نجاست سے دور رکھیں۔ کپڑا بول کر شخص مراد لینا محاورہ ہے عرب کہتے ہیں الکرم فی بردیہ وطاهر الذیل ونقی الثوب جیسا کہ کہتے ہیں پاک دامن اپنے بدن کو استنجے وغیرہ سے پاک رکھیں اور بول و براز منی وغیرہ سے پاک رکھیں کیونکہ طہارتِ ظاہری کو طہارتِ قلبی میں بڑا اثر ہے۔

(چہارم) دونوں کے معنی مجازی لیے جائیں تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنے دل کو صفاتِ مذمومہ سے پاک رکھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ جب کفار نے آپ کو ساحر کا لقب دیا اور آپ کو رنج ہوا تو یہ بدخلقی اور انتقام کا مقتضی تھا جس سے منصبِ انذار میں فرق آ جانے کا موقع تھا۔ اس لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی حماقت سے وعظ نہ چھوڑیں اور ان کے اخلاقِ رذیلہ اور کج خلقی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ اور یہ حکم اس لیے دیا کہ اول میں آپ کو مدثر فرمایا اور دثار لباس اور کپڑوں کو کہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ جو جامہ آپ پہنے ہوئے ہیں اس جامۂ نبوت کو ان داغ دھبوں سے پاک رکھیں تاکہ تکبیر کا اثر نمایاں ہو اور تکبیر کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ کس لیے کہ اللہ کی کبریائی کا سب سے اول تکبیر کہنے والے کے دل اور اخلاق پر اثر ہونا چاہیے جس سے اس کا جامۂ انسانیت شہوت ولذات اور غضب وکبر کے دھبوں سے پاک ہو جانا لازمی بات ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ رجز بالکسر عذاب کما فی قولہ رجزا من السماء اور بالضم بمعنی قبیح ومستقذر۔ یہ ثِيَابَكَ

فَطَهِّرْ کا تکملہ ہے اگر اس جگہ بدن اور کپڑے کی ظاہری طہارت مراد تھی تو یہاں طہارتِ باطنی مراد ہے اخلاقِ رذیلہ سے غرض یہ کہ ظاہر و باطن کو پاک رکھ اور منجملہ نجاساتِ قلبیہ کے جو ہادیِ دین کے لیے دھبہ لگانے والی بات ہے طمعِ دنیا ہے۔ اس لیے بالتخصیص اس سے بھی منع کیا۔ فقال وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی قرآن مجید کی تعلیم وتبلیغ احکام الٰہی کا کسی پر احسان نہ جتلا کہ تو مریدوں، معتقدوں کی کثرت کر کے مال وجاہ پیدا کرے اور لوگوں سے کچھ حاصل کرے یا کسی کو کچھ دے اور حاجت براری اس نیت سے کرے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے زیادہ دے گا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی طمع ہے بعض اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ دے اس کو بہت نہ سمجھ یا یہ کہ کسی پر احسان جتانے کو نہ دے۔ ان سب مکارمِ اخلاق تعلیم کرنے کے بعد اس شخص کے لیے جو مسند انذار پر بیٹھے لوگوں کی بدگوئی اور ایذا پر صبر بھی ضرور ہے ورنہ ارشاد و تعلیم کا دروازہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرما دیا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کر۔ اس میں بندوں کی دولت وثروت کا لحاظ نہ کر بلکہ خاص اللہ کی رضامندی کا۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ کے لیے اوامر وفرائض کا بوجھ اٹھا ان پر قائم رہ۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿۸﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿۱۲﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿۱۳﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿۱۶﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿۱۷﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

ع ۱۵

پھر جبکہ صور پھونکا جائے گا تو وہ دن مشکل کا دن ہوگا منکروں پر آسان نہ ہوگا مجھے اور اس کو چھوڑ دو کہ جس کو میں نے اکیلا پیدا اور اس کو بڑھنے والا مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لیے ہر قسم کی تیاری کی پھر امید رکھتا ہے کہ اس کو اور بھی دوں گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف رہا ہے میں اس کو بھی جھنڈی پر[1] چڑھاتا ہوں کیونکہ اس نے سوچا اور تجویز کیا پھر غارت ہوا پھر غارت ہو کیسی تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ یہ تو ہو نہ ہو آدمی کا کلام ہے ہم اس کو ابھی جہنم میں بٹھائیں گے اور تو (اے مخاطب!) کیا جانے کیا ہے جہنم وہ نہ تو باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے آدمی کو (دور سے) تاکتی[2] ہے اس پر انیس شخص مقرر ہیں اور ہم نے دوزخ پر فرشتہ ہی رکھے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کے لیے آزمائش بنائی ہے تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کرلیں اور ایمانداروں کا ایمان بڑھے اور تاکہ اہل کتاب اور ایماندار شک نہ کریں اور تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے اور کافر یہ کہیں کہ اللہ کی اس بیان سے کیا غرض ہے؟ اور اللہ اس طرح سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور یہ تو محض لوگوں کی نصیحت ہے۔

ترکیب: فاذا والللسببیہ کانہ قیل اصبر علی اذاھم فبین ایدیھم یوم ھائل یلقون فیہ عاقبۃ امرھم۔ والعامل فی اذا ماول علیہ قولہ فذلک لانہ اشارۃ الی النقر ای وقت النقر وقیل ماول علیہ عسیر ای یعسر نقر ینفخ الناقور علی وزن فاعول من النقر بمعنے التصویت فذلک اشارۃ الی وقت النقر مبتداء یومئذ بدل منہ او ظرف بخبرہ یوم عسیر خبرہ غیر یسیر تاکید وقال الاخفش اذا مبتداء والخبر فذلک والفاء زائدۃ یومئذ ظرف لذلک وقیل ھو فی موضع رفع بدل من ذلک او مبتداء ویوم عسیر خبرہ والجملۃ خبر ذلک وعلی یتعلق بعسیر او ھی لغت لہ او حال من الضمیر الذی فیہ ومن مفعول معہ او معطوف علی الضمیر المنصوب۔ وحیدا حال من الیاء ای ذرنی وحدی معہ فانی اکفیکہ او من التاء ای ومن خلقتہ وحدی لم یشرکنی فی خلقہ احد او من العائد المحذوف ای ومن خلقتہ فریدا لا مال لہ ولا ولد وھذا ذم فانہ کان ملقبا بہ فسماہ اللہ تعالی بہ تحکما واستہزاء او اراد انہ وحید ولکن فی الشرارۃ او عن ابیہ لانہ کان زنیما لا تبقی مستانفۃ او حال من سقر والعامل فیھا معنی التعظیم لواحۃ بالرفع ای ھی لواحۃ وبالنصب مثل لا تبقی او حال او علی الاختصاص۔ تسعۃ عشر مبتداء وھذہ الکلمۃ مرکبۃ وکلا الجزء ان مبنیان علی الفتح وقری عشر بالاسکان لتوالی الحرکات وقری اعشر جمع عشیر۔ علیھا خبر مقدم۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اللہ کے لیے مخالفوں کی بے حد تکالیف پر صبر کیجیے اب اس صبر کا انجام بیان کرتا ہے اور آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ کہ دنیا چند روزہ ہے ایک دن آنے والا ہے جو کافروں پر سخت ہوگا کچھ آسانی ان کے لیے نہ ہوگی وہ دن وہ ہے کہ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اس روز یہ لوگ اپنے کیے کی سزا پالیں گے اور آپ کو صبر کا بدلہ ملے گا۔

منجملہ ان ایذا دینے والوں کے کہ جن کی ایذاء پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ایک شخص ولید بن المغیرہ تھا چونکہ وہ بڑا مالدار تھا اس کی اولاد بھی بہت تھی اور بڑا اعزت دار کہلاتا تھا۔ اس کو لوگ وحید یعنی یکتا اور یگانہ کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ اب آیندہ آیات میں اس کی ایذا کا اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اس پر فضل و کرم کیا تھا اس کا ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتا ہے اور عام ایمانداروں کو متنبہ کرتا ہے کہ دنیاوی مال و جاہ و اولاد و حشمت اس کا فضل و کرم ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادوں سے مقابلہ کرے۔ جس کا انجام دنیا کی بربادی اور آخرت کا ابدی جہنم ہے۔ اخیر رکوع تک اسی کا حال ہے اور کچھ جہنم کے

---

[1] جھنڈی پر چڑھانا محاورہ ہے بدنام کرنے اور بلا میں مبتلا کرنے کا۔ ۱۲ منہ

[2] جن میں ذرا بھی آدمیت ہے ان کو بدی کرنے پر یہیں سے جہنم دکھائی دے جاتی ہے وہ بدی کر کے پشیمان ہوتے ہیں اس کی لپٹیں ان کے دل کو جلاتی ہیں اس لیے برے کام نہیں کرتے۔ ۱۲ منہ۔

داروغوں کا جو ملائکہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ولید کو اپنے زور اور اقارب کی حمایت کا بڑا غرور تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے جہنم میں کون عذاب دے سکتا ہے؟ اس لیے بیان کیا گیا کہ وہاں بڑے طاقتور فرشتے متعین ہیں اور وہ انیس[1] ہیں اور ان کی یہ تعداد اس لیے بیان کی گئی کہ اہلِ کتاب کو اور ایمانداروں کو یقینِ کامل ہو اور کافر اور بھی تمسخر کر کے مصیبت اور آزمائش میں پڑیں کس لیے کہ یہ نکتہ ان کی ناقص سمجھ سے باہر ہے۔ یہ خلاصہ مطلب ہے آیات کا۔ ولید بن المغیرہ کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو کچھ قرآن سنایا جس سے اس کا دل نرم ہوا یہ خبر ابوجہل کافر کو بھی پہنچی۔ تب ولید کے پاس آ کر کہنے لگا۔ اے چچا! آپ کی قوم چندہ کر کے آپ کو دینا چاہتی ہے اس نے کہا قریش کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں۔ تب اس نے کہا آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کوئی ایسی بات کہیے جس سے آپ کی قوم کو معلوم ہو کہ آپ ان کے منکر ہیں۔ اس نے کہا میں کیا کہوں مجھ سے زیادہ کوئی شعر سے بھی واقف نہیں۔ ہر قسم کے اشعار سے واقف ہوں۔ جنوں کے اشعار بھی مجھے معلوم ہیں۔ خدا کی قسم! اس کا کلام شعر نہیں بلکہ اس میں شیرینی اور برکت ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ ابوجہل نے کہا خدا کی قسم آپ کی قوم ہرگز خوش نہ ہوگی جب تک کہ ان کے حق میں کوئی بری بات نہ کہیں گے۔ تب اس نے کہا مجھے مہلت دو کہ فکر کر کے تجویز کروں تب اس نے فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے جو کسی سے سیکھا ہے۔ اس پر یہ آیات ذرنی ومن خلقت وحیداً الخ نازل ہوئیں۔ (اخرجہ حاکم والبیہقی فی الدلائل) ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر روئے سخن تمام ناشکر دولت مندوں کی طرف ہے اور اسی لیے اس کا نام نہیں لیا گیا ولید کی تخصیص نہیں۔

فرماتا ہے چھوڑ مجھے اور اس کو کہ جس کو میں نے خود پیدا کیا نہ اس کے جھوٹے معبودوں نے یا یہ معنی کہ جس کو میں نے یگانہ پیدا کیا۔ اس میں اس پر تعریض بھی ہے کہ جب پیدا ہوا تھا کیا ساتھ لایا تھا، اکیلا تھا، اولاد مال کچھ نہ تھا۔ یہ سب ہم نے دیا۔ یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو وحید کہلاتا ہے اسی لقب سے اس کو استہزاءً یاد کیا کہ آپ بڑے یگانہ اور یکتائے روزگار ہیں۔ اور اس میں یہ بھی تعریض ہے کہ باپ نہیں اکیلا ہے یہ چوٹ ہے اس پر کس لیے کہ قریش میں یہ زنیم یعنی بدنسل مشہور تھا۔ مدتوں تک اس کا باپ کہتا رہا کہ میرا نطفہ نہیں۔ وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور اس کو بہت مال دیا۔ زجاج کہتے ہیں مالِ ممدود سے مراد ہے مالِ غیر منقطع مد کے معنی درازی کے ہیں جو بڑھنے سے علاقہ رکھتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں ولید کے پاس بہت مال تھا تجارت سے بھی بہت نفع حاصل ہوتا تھا اور طائف میں اس کے باغ اور زمینیں تھیں۔ اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری ہر قسم کا مال تھا۔ ان سے نفع حاصل ہوتا تھا اور ہر ایک میں سے نفع آتا تھا، روز افزوں تھا۔

وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا (یہ مالاً پر عطف ہے جعلت کا مفعول ہے) کہ میں نے اس کے لیے بیٹے دیے۔ کیسے؟ جو حاضر رہتے تھے دولت کی وجہ سے باہر جانے اور غائب رہنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ مجلسوں میں باپ کے ساتھ جب یہ دیدار و بیٹے آتے تھے تو ایک شوکت مجلس پر نمایاں ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں تیرہ بیٹے تھے، مقاتل کہتے ہیں سات تھے سب لڑکے ہی تھے لڑکی نہ تھی۔ ان میں سے ہشام اور خالد بن ولید اور ولید بن الولید مسلمان ہو گئے تھے۔ وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا اور ہم نے عزت و مال و جاہ کو اس کے لیے فرش کر دیا۔ تمام قریش اس کی عزت کرتے تھے اور اسی لیے اُس کو وحید اور ریحانۂ قریش سے ملقب کرتے تھے۔ تمہید کے معنی بچھانے کے ہیں اور اسی سے مہد الصبی ہے۔

ان سب خوبیوں کے بعد باوجود اس کفر و عناد و ناشکری کے پھر بھی امید کرتا ہے۔ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ کہ ہم اس کو دنیا میں یا آخرت میں اور زیادہ دیں گے؟ وہ کہتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو سب سے زیادہ جنت کا میں مستحق ہوں کس لیے کہ سردار اور عزت والا ہوں۔ نہ یہ غریب و مفلس مسلمان۔ فرماتا ہے كَلَّا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا کہ وہ ہماری آیاتِ قدرت کا مخالف رہا ہے کبھی ان میں غور نہیں کیا اور اپنے اوپر جو نعمتیں ہیں ان کو بھی اس کا فضل نہیں سمجھا بلکہ اپنے بخت کی یاوری جانتا رہا اور آیاتِ قرآنیہ کا بھی دیدہ و دانستہ

[1] انیس شخص یا انیس قسم کے ملائکہ۔ ۱۲ منہ

مخالف رہا ہے۔ کس لیے کہ جب قریش نے اس سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کے لیے کون سا لقب تجویز کرنا چاہیے تا کہ ایام حج میں جو لوگ آئیں یہ سن کر اس سے دور رہیں تو اس نے سوچ کر کہا کہ وہ شاعر نہیں کس لیے کہ میں شعر سے واقف ہوں اور نہ مجنوں ہے کس لیے کہ وعظ و پند مجنوں کا کام نہیں اور نہ کاہن ہے کس لیے کہ کاہن کی کوئی بات جھوٹی کوئی سچی ہوتی ہے اس کی تمام باتیں سچ نکلتی ہیں اور جادوگر بھی نہیں کس لیے کہ جادو کے منتر اول تو بیشتر مہمل ہوتے ہیں اور پھر ان میں یہ انوار اور دلکشی کہاں اور نیز جادوگر طامع ہوتے ہیں اس کو شاہ و گدا کی کوئی پروانہیں۔ طمع اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی اور نیز جادوگر ناپاک اور سیاہ باطن ہوتے ہیں اس کے انوارِ باطن اس کے چہرہ پر چمکتے ہیں مگر جب قریش نے اصرار کیا تو سوچ سوچ کر منہ بنا کر کہا لو معلوم ہو گیا وہ جادوگر ہے مگر یہ جادو نہیں بلکہ سحرِ بابل کسی سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہے کس لیے کہ یہ جادو ہی کی تاثیر ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے باپ کو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے۔ باوجودیکہ قرآن مجید کو من اللہ جانتا تھا مگر جان کر اس کے مٹانے میں کوشش کرتا تھا اور ایسے شخص کو عنید کہتے ہیں اس کے عناد کا بدلہ بجائے اس کی طمعِ خام کے اس کو یہ ملے گا سَأُرْهِقُهُ صَعُوْدًا کہ ہم ابھی اس کو مصیبت کے پہاڑ پر چڑھائیں گے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ ایک محاورہ ہے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنے کا جیسا کہ اس آیت میں یَسلکه عذابا صعدا بعض کہتے ہیں صعود جہنم میں ایک آتشیں پہاڑ ہے اس پر چڑھایا جائے گا، اس کی دنیاوی عزت و بلندی کے مقابلہ میں جس کی اس نے شکر گزاری نہ کی تھی۔ جس حدیث میں صعود کو جہنم کا پہاڑ بیان کیا ہے اس کو احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن حبان و حاکم و ابن مردویہ و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے اس کو ابن لہیعہ نے دراج سے روایت کیا ہے اور کسی سے ثابت نہیں۔ اور ابن کثیر ابن جریر کی روایت میں کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس کے عناد کی کیفیت بیان فرماتا ہے اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ کہ اس نے باوجود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے محض قریش کے کہنے سے سوچ اور فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے اس لیے اس کی اس سوچ اور تجویز پر پھٹکار بھیجتا ہے۔ فقال فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ لعنت ہو اس پر مارا جائے وہ اس نے کیونکر یہ تجویز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کی۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ پھر اس پر لعنت ہو وہ مارا جائے باوجود عقل و فہم کے اس نے ایسی بیہودہ اور بے اصل بات کیونکر تجویز کی۔ دوبارہ اس کلمہ کو تاکید اور اظہار غضب کے لیے استعمال کیا یا اس لیے کہ باوجودیکہ پہلے جان چکا تھا ایک بار اس لیے لعنت کا مستحق ہوا مگر اس لیے کہ اس نے سوچا اور اس کے فکر نے یہ فتویٰ نہ دیا مگر عناد کی وجہ سے جادو کہہ دیا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ثُمَّ نَظَرَ اس نے پھر حضرت ﷺ کے حالات میں نظر کی اور کوئی بات جادوگری اور کہانت اور جنون کی نہ پائی اور جب اس کی طبیعت اور ذہن نے اس کو جواب دے دیا اور طعن کا کوئی رستہ نہ ملا ثُمَّ عَبَسَ تو پھر ترش روئی کی وَبَسَرَ اور تیوری چڑھائی ثُمَّ اَدْبَرَ حق اس پر ظاہر ہوا مگر اس نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وَاسْتَكْبَرَ اور سرداری اور مال کے غرور میں آ کر فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ یہ کہہ دیا کہ یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے بابل یا عجم سے یا پہلے ساحروں سے سیکھا ہے۔ حال کا جادو نہیں بڑا اقدیم جادو ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ بلکہ یہ آدمی کا کلام ہے۔ اس عناد کی سزا یہ ہے کہ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ کہ ہم اس کو ابھی سقر میں داخل کریں گے۔ یہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے جس میں اس قسم کے معاندین ڈالے جائیں گے۔ پھر سقر کی ہولناک حالت بیان کرنے کے لیے جیسا کہ محاورۂ عرب ہے فرماتا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاصب! کیا آپ جانتے ہیں کہ سقر کیا ہے پھر اس کی چند صفت بیان فرماتا ہے۔

اول قول۔ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ کہ کسی جنس کو جو اس میں داخل ہونے کے قابل ہے باقی نہیں چھوڑے گی یا یہ کہ ہڈی اور گوشت پوست کو باقی نہ چھوڑے گی، جلا دے گی اور پھر جلانے سے وہ چھوٹ نہ جائیں گے بار دگر جسم تیار ہوگا اور جلے گا ابدالآباد یہی معاملہ رہے گا۔

دوم۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ آدمیوں کو بڑی دور سے دکھائی دینے والی ہے۔ کما فی قولہ وبرزت الجحیم آخرت میں دور سے نظر آئے گی اور جو آنکھیں رکھتے ہیں ان کو یہیں سے دکھائی دیتی ہے یا یہ معنی کہ جھلس دینے والی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں لاحہ الحر والبرد والحزن والسقم اذا غیرہ۔ (۳) اس کے داروغہ جو اس پر معین کئے گئے ہیں انیس شخص ہیں۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ان انیس فرشتوں کی تعداد بیان کرنے کی وجہ[1] تو وہی ہے کہ جو آیندہ آیات میں حق سبحانہٗ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کی آزمائش اہلِ کتاب کی تصدیق ایمانداروں کے ایمان کا استحکام مگر تعداد میں جو کچھ حکمت ہے اس کی بابت علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دوزخ غضب وقہر الٰہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت کا مظہر ہے اور تمام کارخانوں کے انجام کے لیے روحانیات و ملائکہ متعین ہیں۔ عرش، کرسی، سات آسمان چار عنصر آب، آتش، ہوا، خاک اور تین موالید ثلثہ حیوانات نباتات و جمادات اور پھر حیوانات میں سے انسان اشرف ہے اس کی بنیاد اور اجزاءِ کاران تین لطیفوں پر ہے طبع کا محل اس کا جگر ہے قلب کہ فرحت وسرور اور حیات کے کارخانے اس سے متعلق ہیں اور دماغ کہ حس وادراک اس سے متعلق ہے۔

یہ سب انیس چیزیں ہوئیں ان انیس چیزوں کے موکلات ملائکہ ہیں۔ عذاب دوزخ کے سرانجام دینے کو بھی وہی انیس ملائکہ موکل ہوں گے۔ ان میں جو موکلِ عرش ہے وہ مالک ہوگا اس کو وہاں کے کارخانہ کا بادشاہ سمجھنا چاہیے اور کرسی کا فرشتہ اس کا دیوان اور اسی طرح ہر آسمان کا فرشتہ ایک ایک خدمت پر معین ہوگا اور اسی طرح عناصر کے فرشتے اپنے اپنے موافق سرانجام دیں گے۔ معدنیات کا فرشتہ لوہے کی زنجیریں ڈالے گا۔ نباتات کا زقوم کا درخت کھانے کو دے گا، حیوانات کا سانپ بچھوؤں کو ڈسنے کے لیے متعین کرے گا، طبع کا موکل پیاس بھوک دے گا کہ الجوع الجوع اور العطش العطش کریں گے۔ قلب کا فرشتہ خوف اور غم اور بے حد رنج دے گا دماغ کا فرشتہ جو عقل کا محل ہے ان کو اس کی گزشتہ خطاؤں پر متنبہ کرے گا اور ان کے خیالاتِ فاسدہ وتخیلاتِ باطلہ کی کہ جس میں وہ گرفتار تھے قلعی کھولے گا جس پر حسرت اور افسوس پر افسوس ہوگا۔

دوسرا قول۔ اربابِ حکمت کا قول ہے کہ نفسِ انسانیہ کا خراب اور درست ہونا اس کے قوٰی کی خرابی واصلاح پر موقوف ہے اگر اس کے قوٰی نیک اور عمدہ باتوں میں صرف ہوتے ہیں تو نفسِ ناطقہ کمال کو پہنچتا ہے اور بعد مفارقتِ بدن اس کمال کے سبب عالمِ قدس میں آرام پاتا ہے اور اگر برے کاموں میں صرف ہوتے ہیں تو اسفل چیزوں میں داخل ہو کر جہنم میں جاتا ہے کیونکہ اسفل اور خسیس چیزوں کا وہی مقام ہے اور انسان میں انیس قوت ہیں کیونکہ دس تو قوائے حیوانیہ ہیں۔ پانچ ظاہر یہ جن کو حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ آنکھ، ناک، دیکھنا، سونگھنا، ٹٹولنا، سننا، چکھنا اور پانچ باطنیہ ہیں حسِ مشترک وغیرہ اور سات قوائے طبعیہ ہیں۔ جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، غاذیہ، نامیہ، مولدۃ اور دو قوت اور ہیں ایک قوتِ غضبیہ دوسری شہو یہ سب انیس ہوئیں۔

پس جب منشاء وفساد یہ انیس قوتیں تھیں تو انتقام کے گھر میں ہر ایک قوت کی ناشکری میں ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا تا کہ انیس قسم کا عذاب ہو اور ہر قوۃ کا مزہ چکھے۔ دنیا کے عمدہ نظاروں کے بدلہ ہیبت ناک چیزیں دیکھنی پڑیں، مزیدار اور پُرشہوت نعمات کے بدلہ رنج دہ باتیں سننی پڑیں علیٰ ہٰذا القیاس۔

تیسرا قول علماءِ کلام کا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہوں گے۔ ایک دروازہ پر کہ جس میں سے مسلمان گناہگار جائیں گے صرف ایک ہی فرشتہ نگہبان ہوگا کس لیے کہ اس نے تین باتوں میں سے صرف ایک ہی ترک کی تھی اور وہ تین یہ ہیں، اعتقاد بالجنان اقرار باللسان عمل بالارکان اور باقی چھ دروازوں پر تین تین فرشتے ہوں گے۔ ہر ایک فرشتہ ایک ایک بات کی پرسش کرے گا عذاب دینے کے لیے، اس لیے انیس ہوئے۔

---

[1] یعنی فرشتوں کی تعداد میں کیا رمز ہے۔

چوتھا قول واعظوں کا ہے وہ کہتے ہیں دن رات کے چوبیس گھنٹے یا گھڑی یا ساعت ہوتی ہیں۔ پنجگانہ نماز کی برکت سے پانچ گھنٹوں کو تو معاف کیا جائے گا باقی ہر ایک گھنٹے کے ضائع کرنے پر ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ اس تعداد پر کفارِ مکہ مضحکہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالاشد نے قریش سے کہا کیا غم ہے قیامت کے دن دس کو دائیں کندھے سے پھینک دوں گا اور نو کو بائیں سے اور ہم نکل کر جنت میں سیدھے چلے جائیں گے۔ اور ابو جہل نے کہا اے قریش! تمہاری اس قدر جماعت ہے کیا ہم میں سے سو آدمی ایک کا مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ ان بیہودہ دماغوں کو دوزخ کے داروغوں کی حالت بیان کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا۔ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً کہ ہم نے دوزخ پر اور کوئی معین نہیں کئے بلکہ فرشتہ جن کی قوت کا بنی آدم کی قوت سے نسبت نہیں۔ ایک فرشتہ لاکھوں کروڑوں کو کافی ہے اور نیز وہ غیر جنس ہیں رعایتِ مروت رحم بھی نہ کریں گے۔ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ان کی تعداد انیس کافروں کے عذاب کے لیے ہم نے کی تا کہ انیس قسم کا عذاب کریں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کافر آزمائش میں پڑیں، ان کی تعداد کو کم سمجھ کر تمسخر کریں اور کفر میں دلیر ہوں تقدیرِ الٰہی میں ان کا گمراہ ہونا بھی ٹھہر چکا ہے۔

اس کے بعد ظاہر کرتا ہے کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں چار فائدے ہیں۔ (اول) لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تا کہ اہلِ کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کامل یقین ہو کس لیے کہ وہ فرشتوں کی طاقت کے قائل تھے۔ سدوم اور عمورہ لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دو فرشتوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ توریت سفر پیدائش کے ۱۹ باب میں یہ واقعہ موجود ہے اور اس کے علاوہ اور بہت واقعات ہیں جن سے فرشتوں کی طاقت معلوم ہوتی ہے اور اس بات کے بھی اہلِ کتاب قائل تھے کہ جہنم میں کفار و بت پرست ڈالے جائیں گے اس بات میں بھی اس آیت سے دارِ آخرت کے معاملہ میں ان کو وثوق اور تعین ہونا ایک معقول بات ہے۔ کس لیے کہ یہود میں دو فرقے تھے۔ ایک قیامت اور وہاں کے عذاب اور حشر برپا ہونے کا منکر تھا اور ان کو صدوقی کہتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی خاوند والی عورت کی بابت ایک سوال بھی کیا تھا کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو وہ کس کو ملے گی۔ انجیل متی باب ۲۲۔ اور ایک فریق قیامت کا قائل تھا یہ بیان ان کے اعتقادِ دارِ آخرت اور وہاں کے عذاب و ثواب کو قوت دینے والا ہے۔ اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی خداترس اہلِ کتاب کو یقین کرنے کا موقع ہے جس نے ایک مختلف فیہ مسئلہ آخرت کا فیصلہ کر دیا۔

(۲) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا کہ ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو جائے یعنی اور بھی تقویت ہو جائے کس لیے کہ اب تک قرآن میں جہنم کی زیادہ تشریح نہ تھی اس سے ان کے اعتقاد میں اور بھی قوت ہو جائے گی کس لیے کہ اجمال کے بعد تفصیل علم اور یقین کو قوی کرنے کی بات ہے۔ (۳) وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ تا کہ اہلِ کتاب اور ایمانداروں کو آخرت کے بارہ میں شک نہ ہو یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک نہ ہو۔ ان کو شک نہ تھا مگر اور اہلِ شک پر اس میں تعریض ہے۔ اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ (۴) وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا تا کہ جن کے دلوں میں شک ہے اور منکر ہیں یہ کہیں کہ اس مثل یعنی بیان سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ یعنی وہ اس میں نکتہ چینی کر کے اور زیادہ گمراہ ہوں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یا اس کے لیے اسباب ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے یا اسبابِ گمراہی پیدا کرتا ہے۔ ہدایت و گمراہی اس کی طرف سے ہے یعنی جس طرح جہنم اور اس کے کارکنوں کے بارے میں کسی کو سمجھ میں آنے اور ایمان لانے سے ہدایت ہوئی اور کسی کو سمجھ میں نہ آنے اور انکار کرنے سے گمراہی ہوئی ہر معاملہ میں ایسا ہی کرتا ہے کسی کو اس بات کے سر سے مطلع کرتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کی تہ تک پہنچنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے اور کسی کو

نہیں ہوتی اس لیے شک اور تردد میں پڑ کر انکار و تمسخر سے پیش آتے ہیں یہی وہ ضلال مبین ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ انیس تو سردار ہیں باقی ہر ایک کے متعلق جس قدر تعداد کثیر تابع ہے وہ بے شمار ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ وہ بیشار لشکر تیرے رب کے ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان چڑ چڑ بولتا ہے اور بولنا چاہیے۔ کس لیے کہ کوئی انگلی دھرنے کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو۔ عالم محسوس میں ٹڈیوں اور چیونٹیوں اور مچھر وغیرہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تعداد پر عقل حیرت میں آ جاتی ہے۔ پھر عالم روحانی کی وسعت اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد اس کے سوا اور کون جان سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے وَمَا ھِیَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْبَشَرِ کہ جہنم انسان کے لیے ایک نصیحت دینے والی چیز ہے کہ اس کے حالات سن کر غضب و قہر الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں نہ کہ یہ سن کر انکار کریں اور تمسخر سے پیش آئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں ماھی کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے جو جہنم کی کیفیت بیان کر رہی ہیں کہ یہ آیات بشر کے لیے پند و نصیحت ہیں۔

فائدہ: اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت مکہ میں نہ اہل کتاب تھے نہ وہاں کوئی منافق تھا کہ جن کے دلوں میں شک کا مرض ہو پھر ان آیات میں اہل کتاب کا ذکر آنا تاکہ اہل کتاب یقین کریں اور ان کے اور ایمانداروں کے دلوں میں شک نہ پیدا ہو اور اسی طرح منافقوں کا ذکر آنا تاکہ جن کے دل میں شک ہے اور کفار یہ کہیں کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کے اس بیان سے کہ جہنم پر انیس فرشتے ہیں کیا مراد ہے، ایک بے موقع ذکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ دین مکہ کے پہاڑوں ہی میں بند نہ رہے گا بلکہ دنیا میں پھیلے گا اور یہ بھی معلوم تھا کہ نبی علیہ السلام مدینہ میں تشریف لے جائیں گے وہاں منافق بھی ہوں گے اور اہل کتاب بھی اور وہ اس سورۂ مبارکہ سے بھی مطلع ہوں گے اس لیے ان کا ذکر بطور پیشین گوئی کے آ گیا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے۔ اگر آپ کو منجانب اللہ اس دین اور وحی کے دنیا میں پھیلنے کا کامل وثوق نہیں دلایا گیا تھا تو آپ اس حالت میں کہ مکہ میں بھی آپ کو امن نہ تھا اور وہیں کے سرکشوں کو زیر کرنا مشکل ہو رہا تھا کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اہل کتاب اور منافقوں تک بھی اس کی نوبت پہنچے گی؟ خصوصاً فریبی اور متفنی آدمی تو کبھی بھی ایسی حالت میں اپنی کامیابی پر پورا بھروسا نہیں کر سکتا اور نہ وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ جس پر اس کا تمسخر ہو اور لوگ اس کے درپے ہو جائیں، عقل سلیم ہرگز ہرگز باور نہیں کر سکتی۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا
كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾

نہیں نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جبکہ ڈھلے اور صبح کی جبکہ وہ روشن ہو جائے البتہ دوزخ ایک بڑی چیزوں میں سے ہے انسان کے ڈرانے کو تم میں سے ہر ایک کے لیے خواہ کوئی اس کے آگے آئے یا پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہے مگر دائیں طرف والے کہ وہ باغوں میں گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ تم کو کیا چیز دوزخ میں لائی وہ کہیں گے ہم نمازی نہ تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ پہنچی پھر ان کی کسی سفارش کرنے والے کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔

ترکیب : کلا روع لقول الکفار انا نقدر علی مقاومۃ خزنۃ النار. والقمر الواو للقسم انہا الخ ھذا الکلام جواب القسم والضمیر الی سقر او تعلیل لکلا والقسم معترض للتاکید الکبر فی الکشاف انہ جمع الکبری جعلت الف التانیث کتاء التانیث فکما جمعت فعلۃ علی فعل جمعت فعلی علیہا نذیرا بالنصب حال من الضمیر فی انہا قالہ الزجاج وقال الکسائی انہ حال من قولہ قم حال کونک نذیرا للبشر وقال الفراء مصدر بمعنی الانذار منصوب بفعل مقدر وقیل تمیز لاحدی لتضمنہا معنی التعظیم وقیل مفعول لہ ای لاجل انذار البشر وقری بالرفع علی انہ خبرہ بعد خبر او بحذف المبتدأ لمن شاء بدل من قولہ للبشر. التقدیر انہا نذیر لمن شاء منکم ان یتقدم او یتاخر ونظیرہ قولہ اللہ علی الناس حج البیت من استطاع وقیل ان یتقدم فی محل الرفع بالابتداء ولمن شاء خبر مقدم علیہ کقولک لمن توضأ ان یصلی والمعنی التقدم والتاخر مطلقان لمن شاء ھا منکم۔ رھینۃ اسم بمعنی الرھن کالشتیمۃ بمعنی الشتم ولیست بصفۃ الرھینۃ النفس لان وزنہا فعیل یستوی فیہ المذکر والمؤنث فلو کانت صفۃ لقیل رھین الا اصحاب الیمین الاستثناء متصل لان المستثنی المؤمنون الخالصون من الذنوب فی جنات فی محل الرفع علی انہ مبتداء محذوف ای ھم فی جنات والجملۃ مستانفۃ او حال من اصحاب الیمین ویمکن ان یکون ظرفا لقولہ یتساءلون حتی غایۃ لامور اربعۃ لم نک الخ۔

تفسیر : کفار کی بیہودہ باتوں کا رد کر کے اب اور دوسرے قسم کے دلائلِ قیامت برپا ہونے اور دنیا میں نبی بھیجنے پر قائم کرتا ہے اور ایک عجیب مؤثر بیان سے اہلِ جہنم کی حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور الفاظ کے اندرونہ پہلو میں جہنم پر ۱۹ فرشتوں کے ہونے کا سر بھی روزمرہ معاملات سے بتاتا ہے۔ ان چند آیات میں مسئلۂ حشر اور وہاں کی کیفیت اور دخولِ نار کے اسباب اور مسئلۂ نبوت اور دنیا کا ابتداء اور انتہا اور انسان کا انجامِ کار جو اس کے اس دنیا میں آنے کا نتیجہ ہے اور سعادت و شقاوت کے اسباب کن مختصر الفاظ میں بیان فرمائے کہ عقل دنگ ہوتی ہے اور ضمناً مذاہبِ باطلہ کا رد بھی ہے۔

فقال کلا نہیں نہیں ضرور قیامت برپا ہوگی اور ضرور جہنم کے اوپر انیس فرشتے مقرر ہیں اور تمہارا زور کام نہ آئے گا۔ اور تم جو کہتے ہو نبی کی کیا حاجت بھیجنا بیکار ہے نہیں نہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اب ان باتوں کے ثبوت میں چند چیزوں کی قسم کھا کر بیان کرنا عرب کے لیے کافی تھا کس لیے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولتے تھے[1] اور اس کو مصیبت آنے کا سبب تصور کرتے تھے اس لیے فرماتا ہے وَالْقَمَرِ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ تین چیزوں کی ایک چیز ہے کچھ ایسی ویسی بات نہیں جس کو تم ہلکا سمجھ رہے ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جوابِ قسم محذوف ہو کس لیے کہ وہی جوابِ قسم ہے جس کی بابت مخاطبین سے ردوبدل ہو رہی ہے اس قرینہ سے اس کو حذف کرنا عین بلاغت ہے اور انہا لاحدی الکبر ان تینوں چیزوں کی بابت ہو کہ جن کی قسم کھائی ہے یعنی ہم ان چیزوں کی اس لیے قسم کھاتے ہیں کہ یہ بڑی چیزوں میں سے ہیں اور نذیرا للبشر بھی ان تینوں چیزوں کی نسبت کہنا ان کے واقعی حال کو بیان کرنا ہے یا یہ کہ ہم ان کی قسم انسان کے متنبہ کرنے کو کھاتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کے متنبہ کرنے کو بھیجا ہے یا یہ کہ قیامت کا واقعہ انسان کے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کو بیان کیا ہے۔

عرب کے یقین دلانے کو تو صرف ان چیزوں کی قسم کھانا کافی تھا مگر اور لوگوں کے لیے خود ان تین چیزوں میں قیامت اور آنحضرت صلی

---

[1] کوئی اولاد کی کوئی معشوق کے سر کی کوئی مال کی قسم کھاتا ہے کوئی مخدوم اور معزز کی۔ ۱۲ منہ

اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے گویا یہ اشیاء ان دونوں مسئلوں کے لیے دلائل ہیں۔ ذرا ان کے حالات میں غور کرے تو خودبخود قیامت کا برپا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی مرسل ہونا ثابت ہو جائے۔ اب اختیار ہے کہ ان کے حالات کو قضایا بنا کر نتیجہ نکالا جائے یا یوں ہی طبیعت صافیہ سمجھ جائے۔ یہ تینوں چیزیں وجودِ قیامت پر اس لیے دلیل ہیں۔ چاند اس لیے کہ اس کے نور کا گھٹنا بڑھنا اس کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور یہ نمونہ ہے دنیا کو آباد کر کے بگاڑنے اور پھر دوسرے بار زندہ کرنے کا۔ چاند رفتہ رفتہ روشنی زیادہ دیتا جاتا ہے آخر جب کامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے نقصان شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ بالکل غائب ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر چاند نمودار ہوتا اور اگلے مہینے میں روشنی کا نیا نقشہ جماتا ہے۔ اسی طرح دنیا نے تدریجاً ترقی کی اور کرتی جاتی رہی ہے جب پوری ترقی اور اس کی حد پر پہنچ جائے گی تو رفتہ رفتہ انحطاط شروع ہوگا خوب لوگ اور خوبیاں اٹھتی جائیں گی۔ آخر ایک روز فنا ہو جائے گی اور اس تاریکیِ عدم کے بعد اس کو دوسری زندگانی کا نور بخشا جائے گا جو پھر فنا نہ ہوگا اور اس لیے بھی چاند قیامت کی نشانی ہے کہ قیامت کے قریب اس کا شق ہونا پہلی کتابوں[1] میں مذکور ہے جیسا کہ فرمایا تھا اقتربت الساعة وانشق القمر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چاند اس لیے دلیل ہے کہ رات کو روشن کرتا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی اندھیری ہو رہی تھی اس حکیم نے اپنے فضل سے نبی آخر الزماں بھیجا جو تاریکی دور کرنے والا چاند ہے۔

اور وَالَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ وَالصُّبۡحِ اِذَاۤ اَسۡفَرَ میں تو صاف صاف ایما ہے کہ رات کی اندھیریاں پیٹھ پھیر چلیں ظلمت کا زمانہ رخصت ہوتا چلا ہے اور صبحِ ہدایت روشن ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے حضرت کو کہیں چراغ روشن سے کہیں چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایامِ جاہلیت کو رات سے۔ اور قیامت کی طرف اس لیے اشارہ ہے کہ دنیا مع اپنے چاند اور ستاروں کے تمام ہوا چاہتی ہے۔ اذ ادبر اس کا وجود عارضی اور چند روز ہے اور یہاں کی ہستی کدورتوں اور خلش سے صافی نہیں اس لیے اس کو رات سے تشبیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی صبح ہے اخیر زمانہ اور تنویر کے لحاظ سے۔ اب اس کے بعد آفتاب برآمد ہونے والا ہے جس سے دارِ آخرت اور اس ابدی جہان کی طرف اشارہ ہے وہاں ہر ایک کو اصلی روشنی میں اپنے نیک و بد اور علم و جہل کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ جہان رات ہے اس میں جو کچھ نور ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہدایت وارشاد کا نور ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے کو اسی قدر روشنی کافی ہے کہ جس قدر چاند سے رات میں پیدا ہوتی ہے مگر انکشافِ کلی قیامت کے دن ہوگا جس کی صبح نمودار ہو چلی۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهَا لَاِحۡدَى الۡكُبَرِ یہ ایک بڑی بات ہے۔ نَذِيۡرًا لِّلۡبَشَرِ بشر کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والی ہے۔ جاگو جاگو اے لذات و شہوات کے متوالو! خدا کی طرف بیدار کرنے والا پکار رہا ہے مگر جاگے کون؟ وہی تو بشر ہو مگر جو بشریت سے خارج ہو کر حیوانیت میں داخل ہو گیا ہو جس کو رات دن کھانے پینے، سونے، جماع کرنے یا باہم لڑنے کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔ کیا جاگے گا؟

فرماتا ہے لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّتَقَدَّمَ اَوۡ يَتَاَخَّرَ اب جو چاہے تم میں سے آگے آئے سعادت کے رستہ میں بڑھ کر قدم رکھے جو چاہے پیچھے ہٹے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ وَقَدۡ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَيِّ مگر جو پیچھے ہٹے وہ نہ سمجھے کہ میں دارِ آخرت کی دار و گیر سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میرے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی کس لیے کہ كُلُّ نَفۡسٍ بِمَا كَسَبَتۡ رَهِيۡنَةٌ ہر شخص امیر غریب، شریف و وضیع اپنے اعمال میں گروی ہے چھٹکارا نہیں۔ اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡيَمِيۡنِ مگر داہنے والے ماخوذ نہیں۔ داہنے والوں سے مراد وہ گروہ ہے جو قیامت کو تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑا ہوگا اور ان کو ان کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور روزِ میثاق بھی وہ دائیں طرف تھے۔ اور یمین یمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور بہتری کے ہیں یعنی اہلِ خیر ایماندار و نیکوکار وہ

---

[1] کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۲۴ باب ورس ۲۳ میں ہے اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ جس وقت رب الافواج کوہ صیحون اور یروشلم پر اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ ۱۲ منہ

اپنے اعمال میں ماخوذ نہ ہوں گے۔ کس لیے کہ ان کے اعمال قابلِ مؤاخذہ ہی نہیں اور وہ اصحاب الیمین اس روزِ روشن میں کہ جس کی صبح نمودار ہونے والی ہے کہاں رہیں گے۔ فِي جَنّٰتٍ باغوں میں جہاں اپنے اعمال وایمان کے پھل کھائیں گے۔ اور یہ ان کی اس گرمی ومحنت کا نتیجہ ہے جو خرابۂ دنیا میں انہوں نے اٹھائی تھیں۔ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ گنہگاروں سے پوچھیں گے کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا۔ (فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے کہ ان باغوں میں رہ کر مجرموں سے پوچھیں گے) اس عالم میں اہلِ جنت کو اہل النار دکھائی دیں گے کیونکہ حجابِ جسمانی جو قرب و بعد کا رؤیت میں فرق پیدا کر دیتا ہے اٹھ جائے گا۔ دوزخی ان کو جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ کہ ہم دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اہلِ صلوٰۃ کی جماعت میں نہ تھے۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور نہ فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے یعنی نہ بدنی وروحانی عبادت کرتے تھے اور نہ مالی عبادت کرتے تھے۔ نماز بدنی وروحانی عبادت ہے کھانا کھلانا مالی۔ اہل دنیا کے نزدیک بدنی خدمت مالی خدمت سے آسان تر ہے۔ اس لیے اول نماز نہ پڑھنا ذکر کیا بعد میں کھانا نہ دینا۔ یہ دونوں کام قوتِ عملیہ کی تکمیل کے رکن ہیں کس لیے کہ تعظیمِ امر اللہ جو نماز میں ہے اور مشقت برخلقِ خدا جو خیرات میں ہے تمام اہلِ عقل ونقل کے نزدیک عمدہ کام ہیں۔ اس کے بعد دو کام قوتِ نظریہ کے فاسد کرنے والے اور بتائے وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ اور خدا رسول کی باتوں میں اور غوطہ لگانے والوں کے ساتھ ہم بھی غوطہ لگاتے تھے۔ غوطہ لگانے سے مراد باتیں چھانٹنا انکار کرنا شک وشبہات پیدا کرنا ہے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ اور ہم روز جزا کو بھی جھٹلایا کرتے تھے۔ کہتے تھے قیامت نہ ہوگی اجی وہاں کی کیا خبر ہے کون دیکھ کر آیا ہے۔ اب تو مزے کرلو۔ یہ دونوں باتیں قوتِ نظریہ کے خراب کرنے والی بہت کچھ تھیں۔ اعمال نیک بھی نہ کیے، ایمان بھی نہ لائے تھے۔ اور یہ بات کب تک رہی حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی اور مر گئے کسی سمجھانے والے کی بات کو نہ مانا اپنی اسی جہالت پر اڑے رہے۔

موت کو یقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بابت دنیا میں کسی کو بھی شک نہیں۔ ملحد، خدا پرست، جاہل، عالم، بدکار، نیک سب اس کے قائل ہیں اور یہ بھی ہے کہ مرنے کے وقت وہ پردہ جو اس جہان اور اس جہان میں پڑا ہے اٹھ جاتا ہے پھر وہاں کی ہر بات دکھائی دینے لگتی ہے یقین آ جاتا ہے مگر کیا فائدہ ایمان وعمل کا وقت جاتا رہا اس لیے خود ہی فرماتا ہے۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ کہ اس روز سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ آئے گی۔ کس لیے کہ شفاعت یا ایمان واعمالِ صالحہ کرتے ہیں وہ ان کے پاس ہیں نہیں یا حضراتِ انبیاء واولیاء کرتے ہیں ان سے بیزاری پیدا کرلی تھی وہ ان سے بیزار تھے۔ ان آیات میں انسان کا انجام بتایا گیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ دارِ آخرت میں کارآمد یہ باتیں ہیں۔ نماز، خیرات، ایمان، اطاعتِ خدا اور رسول اور ان کے برخلاف کرنے میں سقر میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع ۱۶

پھر ان کو کیا ہو گیا جو نصیحت سے منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بدک کر بھاگ رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کو کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے نہیں نہیں یہ قرآن ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اس کو یاد رکھے اور کوئی بھی یاد نہیں رکھ سکتا مگر جبکہ اللہ ہی

چاہے وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب : معرضین حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجرور، فما مبتدء لھم خبرہ کانھم الجملۃ حال من الضمیر فی معرضین علی التداخل مستنفرۃ قراء الجمھور بالکسر یقال نفر واستنفر مثل سخر واستسخر وعجب واستعجب وقریٔ بالفتح قال ابوعلی الفارسی الکسرۃ اولی۔ فرت الخ حال بتقدیر قد والقسورۃ عند الاکثر الاسد فعولۃ من القسر وھو القھر والغلبۃ سمی بذلک لانہ یقھر السباع وقیل جماعۃ الرماۃ قال الازھری اسم جمع للرماۃ لا واحد لہ من جنسہ وقیل ذکر الناس واصواتھم وقیل ظلمۃ اللیل بل یرید عطف علی مقدر یقتضیہ المقام کانہ قیل لا یکتفون بتلک التذکرۃ بل یرید الخ کلا بل لا یخافون اضراب انتقالی لبیان ھذا التعنۃ وقیل کلا بمعنی حقا کلا ردع لھم عن اعراضھم عن التذکرۃ والضمیر فی انہ وذکرہ للتذکرۃ والمصدر ذو التانیث کرو یؤنث۔

تفسیر : جب قیامت کے مصائب کا یہ حال ہے کہ کسی کی سفارش کفار کو کام نہ آئے گی اور وہ دن آنے والا ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے جو اس روز کے لیے کارآمد نصیحتوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور منہ بھی کس طرح پر پھیرتے اور بھاگتے ہیں۔ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا آواز اور شور وغل سن کر بدک کر بھاگتے ہیں۔ نفع ونقصان کچھ نہیں دیکھتے نہ سوچتے ہیں نصیحت اور بھلائی سے منہ پھیرنا کبھی کم فہمی اور بے عقلی سے ہوتا ہے کہ اس کے فوائد اس کی سمجھ میں نہیں آتے جیسا کہ کم عمر بچے تحصیلِ علم سے بھاگتے ہیں اور کبھی طبعی نفرت سے ہوتا ہے باوجود یکہ فوائد معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ بیمار دوا پینے سے اعراض کرتا ہے اور کبھی کسی وہم اور خیالی اندیشہ سے جیسا کہ قصد سے جس میں وہم ہوتا ہے کہ مر نہ جاؤں اور کبھی عادات و رسوم کی پابندی اور خسیس لذت اور الفت امرِ نا قابل سے ہوتا ہے جس لیے اس کے خلاف کسی کی نصیحت سننا نہیں چاہتا جیسا کہ عوام جہال اپنے مالوفات اور رسومِ بد کے خلاف سننا گوارا نہیں کرتے اور فساق و فجار کی ناپاک خواہش ان کی عقل پر غالب آجاتی ہے وہ شراب، زنا، لواطت اور برے کام نہیں چھوڑتے۔ ان چاروں صورتوں میں عقلِ سلیم مغلوب ہو جاتی ہے اس لیے ان کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دینا اور ناصح مشفق کو شیر سے جس کی نصیحت کو اپنی قوتِ متوہمہ کے سبب مضر اور خطرناک جانتا ہے بہت ٹھیک تشبیہ ہے۔ ایک پانچویں صورت اور بھی اعراض کی ہے کہ اس کا تکبر اور غرور نہیں رخصت دیتا کہ کسی اور سے مستفید ہو حالانکہ اس کی بھلائی سمجھتا ہے اس لیے فرماتا ہے۔ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا مُنَشَّرَةً بلکہ اس لیے بھی نہیں مانتے کہ ہر ایک ان میں سے بھی چاہتا ہے کہ اس پر آسمان سے بند اور ملفوف نہیں بلکہ فرامینِ شاہانہ کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبیٔ مرسل خدا پاک سے ہمکلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے۔ جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں نبی کی ضرورت نہیں ہر ایک کا واسطہ اس کے رب سے کافی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفارِ قریش کہتے تھے کہ ہم آپ کو جب مانیں گے کہ ہر ایک کے پاس آسمان سے ایک فرمان آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے تو محمد (ﷺ) کا کہنا مان۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بھی ہے کہ حتی تنزل علینا کتابا نقرءہ فرماتا ہے کلا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہر ایک میں اس سے مخاطب ہونے کی قابلیت نہیں کیونکہ نفوسِ انسانیہ کے درجات متفاوت ہیں بعض کو عالمِ علوی سے مناسبت ہے اور بعض کو نہیں، دنیاوی کاروبار میں ایک عمدہ کام کی ہر ایک صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ عالمِ ملکوت کے اسرار پر مطلع ہونے کی۔

یہ تو ان کی خرمستی کی باتیں ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ کہ وہ آخرت کے معاملات سے ڈرتے نہیں کس لیے کہ ان کا ان باتوں پر ایمان نہیں۔ اگر ان کو کچھ بھی ان پیش آنے والی مصیبتوں کا خوف و اندیشہ ہوتا جیسا کہ دنیاوی امور میں ہوتا ہے اور اس کی چارہ جوئی کے لیے ہر ایک کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تو ضرور ہمارے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دفعیہ کی تدابیر پوچھتے۔

پھر اعادہ کرتا ہے کلا کہ تم جو چاہتے ہو وہ ہرگز نہ ہوگا۔ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ یہ قرآن ایک نصیحت ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ جو چاہے اس کو یاد کرے، نصیحت سے مستفید ہو۔ کس لیے کہ اس کا اسی کو نفع ہے اور جو چاہے کہ اور جو چاہے نہ مانے جہنم میں جائے مگر وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اُس کو یاد بھی وہی کرتے ہیں جن کو یاد کرانا اللہ چاہتا ہے کس لیے کہ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وہی متقی بناتا ہے اور وہی متقی بنا کر بخش دیتا ہے یا یوں کہو وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔ تمام نفع و نقصان کی ڈوریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر جب اس سے کوئی ڈرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے وہی بخشنے کے قابل ہے۔ اس کے ڈر کے ساتھ بخشش لگی ہوئی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے انا اھل ان اتقیٰ فلایجعل معه اله فمن اتقانی فلم یجعل معی الھاً فانا اھل ان اغفرله۔ (رواہ احمد والدارمی والترمذی وحسنه والنسائی وابن ماجه والبزار وابو یعلیٰ) کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ مجھ سے ڈرے پس میرے ساتھ کوئی شریک نہ بنایا جائے۔ پھر جو مجھ سے ڈرے گا میرے ساتھ اور معبود نہ ٹھہرائے گا تب میں اس کو بخش دوں گا۔ (اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ ونسائی وغیرہ محدثوں نے نقل کیا ہے)۔

یعنی یہاں تقویٰ سے اعلیٰ مرتبہ مراد نہیں کہ جس میں تمام صغائر و کبائر سے مجتنب رہنا شرط ہو۔ کس لیے کہ اول تو ہر ایک بندہ سے اس قسم کا تقویٰ مشکل ہے عبدلک لا المنایعنی کون سا تیرا ایسا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ (نواب چشتی) دوم ایسے تقویٰ کرنے والے پر مؤاخذہ ہی نہیں بلکہ شرک سے بچنا مراد ہے اور اس سے وہ اس کے دربار میں راہ پانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اور باقی گناہوں پر اسی کی طرف رجوع کرنے سے مغفرت ہے یعنی اگر مشرک نہیں تو قابلِ مغفرت ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں تھا کہ اے مدثر! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔ اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا کہ اس سے ہی ڈرنا چاہیے اور انجام کار تیری نصیحت کا تقویٰ ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا ہے اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے حاصل یہ کہ خلعتِ نبوت پہن کر چپ نہ رہ بلکہ متقی بنانے میں کوشش کر اور متقیوں کے لیے میری بخشش تیار ہے۔ ابتداء و انتہاءِ کلام میں ایسی مناسبت رکھنا کمالِ بلاغت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ① وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ② اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ③ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ④ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ
لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ⑤ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ⑥ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ⑦ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ⑧
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ⑨ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ⑩ كَلَّا لَا وَزَرَ ⑪
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ⑫ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ⑬
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ⑭ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ⑮

قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے پشیمان ہونے والے شخص کی کیا آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم اس کے جوڑوں کے ٹھیک کر دینے پر قادر ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے ڈھٹائی کرے پوچھتا ہے کہ کب ہے قیامت کا دن پھر جبکہ نظر چندھیا جائے اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند اکٹھے کئے جائیں اس دن آدمی کہے گا کہاں ہے بھاگ جانے کی جگہ۔ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ آپ کے رب ہی کی طرف اس دن ٹھکانا ہے اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا چھوڑ آیا بلکہ ہر ایک انسان اپنے حال کو آپ دیکھ رہا ہے پڑا بہانے کیا کرے۔

ترکیب : لااقسم قیل لا زائدہ کما زیدت فی قولہ لئلا یعلم۔ وقیل لیست بزائدۃ وحینئذ فی معناھا وجھان احدھما انہ نفی القسم بھا لوضوح الامر والثانی ان لا ورلکلام مقدر لانھم قالوا انت مفترا یحسب الھمزۃ للاستفہام الانکاری وان مخففۃ المثقلۃ واسمھا ضمیر الشان محذوف وجواب القسم محذوف یدل علیہ ھذہ الجملۃ ای لنجمعن العظام۔ بلیٰ ایجاب لما بعد النفی المنسحب الیہ الاستفہام والوقف علیہ حسن۔ ویبتدی الکلام بقولہ قادرین وانتصابہ علی الحال من الفاعل ای نجمعھا قادرین وقیل المعنی بل نجمعھا نقدر قادرین ھان جمع اوسم جمع لبنانہ لیفجر اللام زائدۃ وناصبہ ان مقدرۃ ای ان یکذب امامہ ظرف ای لیکفر فیما یستقبل یسئل تفسیر لیفجر ایان خبر مقدم یوم القیامۃ مبتداء موخر ثم بل یرید عطف علی ایحسب فیجوز ان یکون ایضا استفہاما ویجوز ان یکون ایجابا یقول الانسان جواب اذا برق البصر وجمع الشمس والقمر ولم یقل جمعت لان التانیث مجازی قالہ المبرد الیٰ ربک خبر والمبتداء المستقر ویومئذ منصوب بفعل دل علیہ المستقر الانسان مبتداء بصیرۃ خبرہ وعلی متعلقہ بالخبر والتاء فی بصیرۃ للمبالغۃ کما فی العلامۃ ولو وصلیۃ معاذیرہ قال الواحدی المعاذیر جمع معذرۃ یقال معذرۃ ومعاذر ومعاذیر وقال صاحب الکشاف والمعاذیر لیس جمع معذرۃ وانما ھو اسم جمع لھا کالمناکیر فی المنکر وجمع المعذرۃ معاذر وقال المبرد والزجاج المعاذیر الستور واحدھا معذار۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں اور ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی چالیس آیات ہیں اس میں سرِ سورۃ پر قیامت کی قسم کھائی ہے اور بعد میں بھی قیامت کے حالات مذکور ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ قیامہ ہوا۔

مناسبت اس کی سورۂ مدثر سے یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں قیامت کے ظاہری واقعات کی ابتداء مذکور تھی۔ بقولہ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ اور انتہا بھی بقولہ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ و کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ الخ اور اس سورہ میں قیامت کے باطنی واقعات کی ابتداء اور انتہا مذکور ہے۔ ابتداء یہ کہ عقل اس روز متحیر ہو جائے گی۔ بقولہ فاذا برق البصر الخ اور انتہا دیدارِ الٰہی یا اس سے محرومی کے بعد سیاہ روئی حسرت و ندامت ہے۔ بقولہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ ووجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ۔

اور یہ بھی ہے کہ مدثر کے اخیر میں فرمایا تھا ھُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ کہ وہی ڈرنے اور بخشنے کے قابل ہے۔ یہ اس کی شان ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی معافی دیتا ہے مگر دنیا چند روزہ جو دار العمل ہے اس تقویٰ اور مغفرت کے آثار تو یہ ظاہر ہونے کی جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جو ابدی ہے اور اس کی ابتداء قیامت سے ہے اسی لیے قیامت کی قسم کھاتا ہے اور اس کے بعد نفسِ لوامہ کی بھی یعنی اچھے لوگوں کی جان کی بھی جو اپنے برے کاموں پر ملامت کرتے ہیں اور دراصل ایسے ہی لوگ متقی ہیں یہ اس لیے کہ اس روز وہ لوگ مغفرت کے آثار دیکھیں گے۔ اور بھی الفاظ اور معانی میں باہم مناسبتیں ہیں جو غور کرنے سے ظاہر ہو سکتی ہیں اور صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کے عجیب اذہان صافیہ تھے کہ ترتیبِ سور کے وقت ان پر یہ مناسبات ظاہر تھیں۔

فقال لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت اور نفس لوامہ کی کہ انسان اس روز اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا۔ نفسِ لوامہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اچھے[1] لوگ دنیا میں اپنی تقصیرات پر حسرت و ندامت

---

[1] وہ نیکی کر کے بھی ملامت کرتے ہیں کہ کم کی اچھی طرح سے نہیں کی اور بدی کر کے بھی اس لیے کہ کیوں کی۔ بدی کرنے کے بعد ان کے دل کو ایک سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے ہیں کیونکہ ان کو چشمِ بصیرت ہے برے بھلے میں امتیاز کرتے ہیں، نفس کی خواہش سے اگر کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو فوراً نادم بھی ہو جاتے ہیں۔ ان اندھے جاہلوں کی طرح اس پر اڑتے نہیں۔ اسی طرح یہ اندھے اس روز حسرت وندامت کریں گے کیونکہ اس روزِ روشن میں ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ (فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فبصرك اليوم حديد) اس روز روئیں گے، دانت پیسیں گے مگر کیا فائدہ آج اگر روتے اور ندامت کرتے تو فائدہ تھا۔

نفس سے مراد جان یا روحِ انسانی ہے اور وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتسابِ کمالات کے لیے اس کا آلہ یا ہتھیار یا اوزار ہے پھر نفوسِ انسانیہ اپنی استعداد و فیضان کے لحاظ سے کئی قسم پر ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام کے نفوسِ قدسیہ مطمئنہ ہیں کہ ان کو حق سبحانہٗ کی قربت سے اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے۔ (الابذ کر الله تطمئن القلوب)۔ ان کے بعد صالحین ہیں ان کے قلوب کو بھی ذکرِ الٰہی سے اطمینان ہے مگر نہ اتنا اور ان میں اپنی تقصیرات پر ملامت کرنے کی صفت غالب ہے اس لیے ان کے نفس کو نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ (ولم یصرواعلٰی مافعلوا وھم نادمون)۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیرِ خویش | عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزا در خداوندیش | کس نتواند کہ بجا آورد

بدکار اور فاسقوں کافروں کا نفس امارہ ہے وہ ہل من مزید کہتا رہتا ہے۔ ہر وقت لذات وشہوات حسد وبغض کینہ وانتقام کا حکم ہی دیتا ہے۔ ندامت وملامت تو درکنار بلکہ وہ ان لائق باتوں پر اصرار کیا کرتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کو تو قیامت کے ہولناک واقعات سے بحکم وھم من فزع یومئذ اٰمنون اطمینان ہی ہوگا اور امارہ سقر کا ایندھن ہیں البتہ نفسِ لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف ورجاء میں اسی کو تعلق ہے اس لیے قیامت کی قسم کے بعد اس کی قسم کھانا اس کی خوبی اور قیامت کے روز فلاح مندی بتا کر اس کو تسلی دیتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں نفسِ لوامہ وہ نفس اور وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے برے کاموں پر اپنے تئیں ملامت کرے گا اور وہ کفار کا نفس ہے اس لیے وہ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ میں لا کو زائد نہیں کہتے بلکہ نفی کے لیے اور یوں معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت کی اور نہیں قسم کھاتے نفسِ لوامہ کی کس لیے کہ وہ ناپاک اس قابل نہیں۔

کفار منکرینِ قیامت کے مقابلہ میں قیامت کی قسم کھانا بظاہر مصادرہ علی المطلوب تھا مگر قیامت کا آنا ان کے لیے دلائل سے ثابت کر دیا گیا تھا اس لیے اس کے بعد ان کے شک کو اور بھی رفع کرتا ہے۔ ان کے دو قسم کے شبہات تھے۔ اول جہالت کی وجہ سے وہ قیامت اور حساب کے نام لینے کو بھی مخلِ عیش سمجھتے تھے۔ اول شبہ کو مان کر اس کا رد کرتا ہے فقال اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ کیا انسان (یعنی وہ انسان جو قیامت کے منکر ہیں) یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو پھر جمع نہ کر سکیں گے؟ مشرکینِ مکہ کا قیامت کے بطلان پر کسی دلیل وبرہان پر اعتماد نہ تھا۔ وہ اسی شبہ سے باطل کرتے تھے کہ ہم دیکھتے ہیں انسان مرجاتا ہے اس کی ہڈیاں اور گوشت پوست خاک میں مل جاتا ہے، ہوا اڑا کر لے جاتی ہے، سر کے ذرات ہو کر کہیں اڑ گئے، ہاتھ پاؤں کے ذرے ذرے ہو کر کہیں دور جا پڑے، اب باردیگر یہ سب کیونکر جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہتے تھے هيهات هيهات لماتوعدون یہ بات کب ہو سکتی ہے اور اسی استبعاد کو ایک شاعرِ جاہلیت نے بھی بیان کیا ہے۔

حیات ثم موت ثم نشر | حدیث خرافة یا ام عمرو

کہ جی کے مرنا پھر زندہ ہونا ایک لغو بات ہے اے ام عمرو۔ یہ اس شاعر کی بیوی یا معشوقہ ہے جس سے کلام کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بلیٰ ہاں، ہم جمع کریں گے۔ پھر فرماتا ہے قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ کہ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کے درست کرنے پر

قادر ہیں۔ انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد اخیر انگلیوں کی کھال تیار ہوتی ہے یہ اس کی تعمیرِ بدن کا خاتمہ ہے اور نیز یہاں گوشت اور چربی ہے اور اس کے اندر عروق وشرائین واوردہ ہیں اور پھر اعصاب ورباطات وعضلات ومفاصل ہیں اور اسی لیے تمام بدن میں حکماء کے نزدیک اس کا مزاج بہ نسبت اور اعضاء کے زیادہ معتدل اور گرمی سردی' رطوبت یبوست کے دریافت کا مادہ زیادہ ہے۔ پھر جب ان کو بارِ دگر درست اور ٹھیک کر دینا فرمایا تو تمام اعضاء کا بھی بارِ دگر ٹھیک کو دینا سمجھا گیا۔

آسمان وزمین کی پیدائش اور انسان کا اول بار منی کے قطرے سے بننا وغیرہ ہزاروں اس کی قدرتِ کاملہ کے نمونہ ان لوگوں نے دیکھے تھے اور سب دیکھتے ہیں پھر جو ایسا قادر وحکیم ہے کہ جس نے اول بار اس کو ایسی چیزوں سے پیدا کر دیا وہ بارِ دگر پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اس بات کو عقولِ صافیہ اور اذہانِ سلیمہ کے حوالے کر دیا کہ وہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہی ایک بڑی قوی دلیل حشر کے برپا ہونے پر ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ یہ انکار وتعجب دراصل کچھ نہیں ہے۔ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ اس انکار سے اس کی غرض یہ ہے کہ پہلے تو جو کچھ کیا تھا سو کیا تھا آئندہ بھی دل کھول کر بدکاری پر بدکاری کرے۔ کس لیے کہ اب قیامت اور وہاں کی باز پرس کا کھٹکا تو اس نے اس انکار سے نکال ہی دیا۔ اس فسق وفجور کا نشہ اس کو قیامت کا لفظ بھی منہ پر نہیں لانے دیتا اور نہ اس کے دلائل میں غور وفکر کی مہلت دیتا ہے اس لیے دلیر ہو کر پوچھتا ہے يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ کہ کب ہے قیامت کا دن؟ یسئل سے یہاں تک دوسرے شبہات کا رد ہے جو شہوات پر مبنی ہے۔

بعض مفسرین امامہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کا انکار کر کے اللہ کے سامنے بدکرداری کرنا چاہتا ہے جو پوچھتا ہے کہ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ کہ کب ہے قیامت کا دن۔ یہ انسان کی کمال بے شرمی اور بے حد دلیری ہے کہ اپنے مولا کے روبرو گستاخانہ سوال کرتا ہے کس لیے کہ اس کو ڈرنا اور اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ کوئی طبیب حاذق خبر دے کہ یہ مرض تجھ کو لاحق ہے علاج کر ورنہ مر جائے گا پھر یہ بڑے جاہل کا کام ہے کہ اس سے پوچھے کہ کب اور کس تاریخ مروں گا۔

اس کے بعد قیامت کے علامات وحالات بیان کرتا ہے جس کے سننے سے دل لرزتا ہے۔ فقال فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ کہ جب آنکھیں چندھیا جائیں۔ یہ اس روز کی تجلیِ نورانی سے ہوگا جبکہ تختِ رب العالمین عدالت کے لیے فرشتے لا کر دھریں گے۔ اس قہر وجبروت کی تجلی کو آنکھیں دیکھ نہ سکیں گی۔ آفتاب کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں پھر وہ تجلی تو اس سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہوگی جس کے آگے بجلی کی چمک بھی کوئی چیز نہیں جیسا کہ سورۂ زمر میں آیا ہے۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قیامتِ صغریٰ موت کے وقت ہوگا جبکہ اس عالمِ ناسوتی پر پردہ پڑ جائے گا اور دوسرے عالم کا پردہ اٹھ جائے گا تو وہاں کے ہولناک حالات دیکھ کر کافر وفاسق کی آنکھیں حیرت ودہشت کے مارے اوپر چڑھ جائیں گی وہ شہوت کا نشہ جس سے انکارِ قیامت کرتا تھا اتر جائے گا۔ موت کے بعد اس کو قیامتِ کبریٰ کا آپ یقین ہو جائے گا یہیں سے اس کا وقت شروع ہے۔ اور ایماندار نیک لوگوں کی آنکھیں عالمِ ملکوت کی تجلیات دیکھ کر خیرہ ہو جائیں گی اور اولیاءِ کرام و انبیاءِ عظام کی اس کی تجلیِ ذاتی سے جو عین وصال ہے۔ یہ قیامت کی پہلی نشانی تھی۔ اس کے بعد دوسری علامت بیان فرماتا ہے۔

وَخَسَفَ[1] الْقَمَرُ کہ چاند گہنا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا۔ یہ قیامتِ کبریٰ کے قریب ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی موت کے وقت ہوگا کس لیے کہ قمر سے مراد قمرِ عقل ہے۔ اس وقت عقل ماری جائے گی۔ (تیسری علامت) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ چاند اور سورج جمع کئے جائیں گے یہ بھی قیامت کے وقت نفخِ صور پر ہوگا کہ دونوں بے نور ہو کر کے عدم کے گھڑے میں ایک جا پھینک دیے جائیں گے اور نفخِ صور دوم پر نیا آسمان نئی زمین نئے چاند اور سورج پیدا ہوں گے۔ جو ان کو بھی علاماتِ موت سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قمر وشمس کے جمع ہونے سے بطور کنایہ کے روح آفتاب اور قمر دل کا جمع ہونا مراد ہے کہ پھر اس وقت دل پر ادھر ادھر کے خیالات طاری ہوں گے بلکہ صرف

---

[1] کتاب یسعیاہ کے ۲۴ باب میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاند اور سورج خداوند کی عدالت کے روز بے نور ہو جائیں گے۔ ۱۲ منہ

روحانی یا ذات وصفات کا اجتماع مراد ہے جو دارِ دنیا میں عوارض کے سبب اختلاف تھا ذات کا تقاضا معرفت تھا صفاتِ شہوانیہ وغصبیہ اس کو دور پھینکتے تھے اب یہ اختلاف نہ رہے گا۔

اس وقت آدمی کی عجب حالت ہوگی وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ اور کہے گا آج بھاگ کر جانے کی کون سی جگہ ہے کہاں جاؤں جو اس مصیبت سے امن پاؤں۔ فرماتا ہے کلا نہیں نہیں لاوزر کوئی امن اور پناہ کی جگہ اس دن نہ ہوگی جس نے آج پناہ کی جگہ پیدا نہیں کی اس کو اس دن نہ ملے گی۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ اس روز تیرے رب کے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہوگی۔ مشتاقانِ دیدار خود بخود آئیں گے اور اشرار و فجار کو بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار میں لائیں گے، پھر وہاں حساب و کتاب شروع ہوگا۔ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس روز آدمی کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے کیا نیک کام آج کے دن کے لیے آگے بھیجے تھے یعنی کئے تھے اور کیا نہیں کئے تھے۔ یا قدم سے مراد نیک و بد کام ہیں جو اس نے کئے تھے اور آخر سے وہ نیک و بد باتیں ہیں جو دنیا میں پیچھے چھوڑ آیا کہ اس کے بعد بھی نیک کاموں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے جیسا کہ بناءِ مساجد و مدارس و رسمِ نیک اور بندگانِ خدا کی اصلاح و فلاح کی تدابیر اسی طرح برے کاموں کا عذاب ملتا رہتا ہے۔ رسمِ بد چھوڑ آیا تھا یا دنیا کو برباد و ہلاک کرنے والی بات قائم کر آیا تھا یا کسی میں جھگڑے و عداوت کا بیج بو آیا تھا یا قدم سے وہ اعمال مراد ہیں جو پہلے کئے جاتے ہیں اور آخر سے وہ جو ان کے بعد ظہور میں آتے ہیں۔ فرماتا ہے بتلانے کی کوئی حاجت نہ ہوگی محض الزام واکرام مقصود ہوگا ورنہ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ آدمی خود اپنے حال اور نیک و بد اعمال سے واقف ہوگا اور اب بھی منصف مزاج واقف ہو سکتے ہیں ولو القیٰ معاذیرہ پڑا حیلے بہانے بنایا کرے یا پڑا پردہ ان پر ڈالے اور چھپائے مگر کچھ بھی نہ چھپا سکے گا نہ کوئی حیلہ بہانہ کام آئے گا۔ وہاں یہ حجتیں اور ابلہ فریب تقریریں کچھ کام نہ آئیں گی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ
فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ
الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾
وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع

آپ (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ) قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں اپنی زبان نہ چلایا کریں کیونکہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوا دینا ہمارا ذمہ ہے پھر تو آپ اس کے پڑھنے کو سنتے رہیں پھر اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ نہیں نہیں بلکہ تم تو (اے اہل مکہ!) جلد آنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو اور دیر میں آنے والی (آخرت) کو چھوڑتے ہو اس دن بہت سے چہرے ترو تازہ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے کہ ان پر کوئی کمر توڑنے والی مصیبت ڈالی جائے گی۔ نہیں نہیں جبکہ جان گلے تک پہنچ جائے گی اور لوگ کہتے پھریں گے کوئی جھاڑنے والا ہے اور وہ سمجھ چکا ہوگا جدائی ہے اور ٹانگ سے ٹانگ مرنے والے کی لپٹی پڑی ہوگی اس دن ان کے رب ہی کی طرف روانگی ہوگی۔

ترکیب: جمعه وقرآنه اسم ان علینا خبرها۔ قال الفراء القراءة والقرآن مصدران فاذا شرط قرانا ای اتممنا قرآته علیک فاتبع جواب الشرط ای استمع قرآته وکررھا وقیل اعمل به کلا للردع عن العجلة وقیل کلا بمعنی حقا۔ وجوہ مبتداء وجاز الابتداء بالنکرة لحصول الفائدة ناضرة خبره ویومئذ الظرف للخبر ناضرة ناعمة حسنة یقال شجر ناضر ای حسن ناعم ونضارت العیش حسنه وقیل مضیئة مسفرة مشرقة ناظرة خبر بعد خبر الی ربھا متعلق به۔ وقیل وجوہ مبتداء وناضرة صفة لوجوہ ویومئذ ظرف لناضرة وناظرة خبر۔ تظن الجملة صفة باسرة فی الصحاح بسر الرجل وجھه بسورا ای کلح وقیل متغیرة شدید العبوس والباسل ابلغ من الباسر لکنه غلب فی الشجاع اذا اشتد کلوحه[1] فاقرة داھیة تکسر الفقار اذا شرط والجواب الی ربك یومئذ المساق التراقی جمع ترقوة وھی فعلوة لاتفعلة وہی عظم بین ثغرة النحر والعاتق یمینا وشمالا ولکل انسان ترقوتان ویکنی ببلوغ النفس التراقی عن قرب الموت وقیل ھذا وما بعده معطوف علی بلغت من مبتداء راق خبره۔ اصله راق فعلل۔ فھو اسم فاعل[2] امامن رقی یرقی بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع فھو من الرقیة[3] وھی کلام معد للاستشفاء وامامن یرقی یرقی بالکسر فی الماضی والفتح فی المضارع فھو من الرُّقی بمعنی الصعود ومنه الترقی۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ انسان جلد باز ہے اور یہ جلد بازی خواہ دینی کاموں میں ہو خواہ دنیاوی اس حکمت کے خلاف ہے جو اس نے باوجود ایک دم میں پیدا کر سکنے کے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ کفار قیامت کے بارہ میں جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کہ ایان یوم القیامة اسی طرح بمقتضائے بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وحی سنانا شروع کیا ادھر اس کے ساتھ ساتھ شوق میں آپ بھی پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کبھی بھول نہ جاؤں۔ اور نیز یہ بھی شوق تھا کہ جلد مطلع ہو کر لوگوں کو مطلع کروں اس لیے قیامت کے بیان میں بطور جملہ معترضہ کے لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ سے لے کر ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس جلدی سے منع کیا اور تلقیِ وحی کا ادب و قاعدہ سکھا دیا اور تسلی کر دی کہ آپ کو بھولنے نہ دیں گے اور ہم خود اس کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ اور یہ جملہ معترضہ اس مسلسل بیان میں ایسا ہے کہ جیسا کوئی معلم کسی کو تعلیم کرتا ہے اور اثناءِ درس میں شاگرد ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کو بیچ میں ٹوک دے اور کہہ دے کہ اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہو۔ پھر کیا اس کے کلام میں بے ربطی کا باعث تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ الزام قائم کرنا معترض کی کم فہمی اور اسلوبِ بلاغت وطرزِ خطاب سے محض بے خبری کی دلیل ہے۔ اور ممکن ہے کہ آیات میں انسان کے عذرِ بیجا کا دھوکا کس لیے عذرات میں اپنی زبان چلاتا ہے تیرے اعمال ہم نے جمع کرنے اور تجھ کو سنوانے اور پڑھوانے آخرت میں جو بعد میں آئے گی اور تم بعد کی چیزوں کو سامنے کی چیزوں پر ترجیح دیتے ہو۔ بخاری ومسلم وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کے متعلق یوں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت ایک گرانی معلوم ہوتی تھی اس لیے آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تا کہ بھول نہ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ آپ قرآن سیکھنے میں جلدی کر کے زبان نہ ہلائیں بلکہ متوجہ ہو کر تمام وحی سن لیا کریں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں یہی مضمون آیا ہے لَاتَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ من قبل ان یقضٰی الیك وحیه الآیة کس لیے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ کہ ہمارا ذمہ ہے اس کا تیرے دل میں جمع کرنا یہاں تک کہ آپ کے سینہ سے کچھ بھی فراموش نہ ہوگا اور اس بات کا بھی ذمہ ہے قرآنه کہ تیری زبان سے پڑھوائیں یا یہ معنی کہ اس متفرق کلام کو جمع کر دیں سب ایک جا مجتمع ہو جائے تب قرآن بمعنی قرأت نہ ہوگا بلکہ بمعنی قرآن فَاِذَا قَرَاْنٰهُ پھر جب ہم آپ کو جبرئیل کے ذریعہ سے پڑھ کر سنا دیں تو فاتبع

---

[1] ترش روئی۔ ۱۲ منہ

[2] وقیل صیغة الماضی۔ ۱۲ منہ

[3] منتر جھاڑ۔ ۱۲ منہ

قرآنہ آپ اس کو چپ ہو کر سنیں یا یہ معنی کہ اس پر چلیں اور اس کے تابع ہوں اس کے موافق عمل کریں اور اسی پر موقوف نہیں بلکہ ثم ان علینا بیانہ پھر یہ بھی ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ سے بیان بھی کرا دیں گے یا یہ کہ آپ اس کے اشکالات اثناءِ وحی میں نہ پوچھیں بعد میں خود ہم آپ کو الہامی طور پر بتا دیں گے۔

فائدہ: اس جگہ سے علماء کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ بوقتِ خطاب کسی مجمل بات کا بیان اگر بعد میں کر دیا جائے تو درست ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے بعض کہتے ہیں نہیں۔ فائدہ: فقال کہتے ہیں ان آیات کے یہ معنی ہیں کہ خداتعالیٰ قیامت کے دن جن کا ذکر چلا آتا ہے انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال بتلاتے ہوئے اور اس کے عذاب کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ اپنی کتاب یعنی نامہ اعمال پڑھ پھر جب وہ پڑھنے لگے گا تو زبان لڑکھڑائے گی جلدی جلدی پڑھے گا تب حکم ہوگا کہ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کر۔ کس لیے کہ اپنی حکمت سے یا اپنے وعدہ کے موافق ہم نے ذمہ کر لیا ہے کہ تیرے اعمال جمع کریں اور تجھ سے پڑھوائیں یا تجھ کو سنوا دیں پھر جب سنائیں تو سن اور اس کے تابع ہو یعنی اقرار کر کہ پھر ہم اس عقوبت کی شرح اور اس کے اسرار بھی بیان کیے دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر تمام کلام مسلسل ہے۔

فائدہ: خداپاک نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا۔ قرآن مجید کو ایک جگہ مجتمع بھی کرا دیا کس لیے کہ ٹکڑے ٹکڑے اور سورتیں سورتیں ہو کر نازل ہوا ہے اب سب ایک جا بترتیب موجود ہے اور آپ کے سینہ میں بھی جمع کرا دیا اور تمام قرآن مجید کے حافظ تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حافظ تھے اور بعدہ امت میں بھی اب تک لاکھوں حافظ ہیں جو ایک ایک حرف اور زبر و زیر پر حاوی ہیں۔ یہ عہد آدم علیہ السلام سے اب تک کسی مذہبی کتاب کی بابت نہ دیکھا گیا، نہ سنا گیا اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا ان شاء اللہ۔ اور یہ کھلا ہوا معجزہ ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے، کان ہوں سنے، دل ہو سمجھے۔ اس کے بعد پھر قیامت اور اس کی نسبت انسانی طبیعت کا تعلق بیان فرما کر خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ فقال کلا نہیں ہرگز نہیں جلدی نہ کر۔ مگر کیا کیجئے انسان جلد باز ہے۔ جس لیے تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اے بنی آدم تم جلدی کی بابت پسند کرتے ہو دیر اور بعد میں آنے والی چیز کو چھوڑتے ہو۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنبیہ ہے اور نیز یہی آئندہ بیانِ آخرت کی تمہید بھی ہے اور سلسلہ وار کفار سے کلام بھی ہے کیونکہ وہ جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کب ہے قیامت کا دن؟ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو ٹھہرو، وہ دن بھی آتا ہے۔ اور نیز انسان غفلت شعار کو اس کی ناعاقبت اندیشی پر ملامت بھی ہے خصوصاً کفار کو جو عاجلہ یعنی دنیا اور اس کے عیش و نشاطِ فانی کو پسند کرتے ہیں اور ان پر فریفتہ ہو کر آخرۃ پیچھے آنے والی یعنی قیامت یا موت کو چھوڑ بیٹھے اس کا سامان اور سرانجام کچھ نہیں کرتے حال کا سبز باغ دیکھ کر آدمی فریفتہ ہے انجام نہیں سوچتا۔

اب لو اس آخرت کا کچھ حال سن لو جس کو دنیا پر فریفتہ ہو کر چھوڑے بیٹھے ہو۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کہ بہت سے منہ یعنی ایماندار نیکوں کے منہ جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں رات دن مصروف رہتے ہیں تازہ اور روشن ہوں گے فرحت اور سرور کی وجہ سے یا اس تجلیٔ خاص سے کہ جس کا اثر بدنِ انسانی پر بھی نمایاں ہوگا اور دنیا میں بھی خدا پرست چہروں پر ایک خاص نورانیت ہوتی ہے اور وہی اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی دیدارِ الٰہی کی دولت سے سرفراز ہوں گے اور اسی کی خوشی میں ان کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ دیدارِ الٰہی کی بحث: اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اور بعدہٗ بہشت میں بھی ایمانداروں، نیک بختوں کو دیدارِ الٰہی ہوگا۔ بخاری و مسلم و ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ترمذی و ابن جریر وغیرہ محدثین نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ! کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کو دیکھنے میں جبکہ بادل نہ ہوں کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا نہیں یارسول اللہ! پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں جبکہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ ابن کثیر کہتے ہیں بحمد اللہ

یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں متفق علیہ تھا اور تابعین اور ان کے بعد آئمۂ اسلام میں بھی سب کا اس پر اتفاق ہے۔

شیعہ اور معتزلہ کہتے ہیں عیاناً دیکھنا جسمانی چیزوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ جسمانیت سے پاک ہے اس لیے عیاناً دیکھنا محال ہے۔ آیت کے معنی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کس لیے کہ نظر اور چیز ہے جو آیت میں آئی ہے اور رؤیت دیکھنا اور چیز ہے نظر دیکھنے کا آلہ ہے جیسا کہ کان سننے کا یہ ممکن ہے کہ نظر کریں اور وہ چیز دکھائی نہ دے اور سننا چاہیں اور سنائی نہ دے۔ خصوصاً نظر کے بعد الیٰ کا لفظ کلامِ عرب میں انتظار اور توقع کے معنی دیتا ہے۔ آیت کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اپنے رب کی توقع کرتے ہوں گے۔ کس لیے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ صاف آ گیا ہے۔ لاتدرکہ الابصار کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ لطیف وخبیر ہے ممکنات میں سے لطیف چیزیں دکھائی نہیں دے سکتیں۔ جیسا کہ ملائکہ وجن وہوا پھر وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے ان آنکھوں سے کیونکر دکھائی دے سکتا ہے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں نظر رؤیت کے معنی میں بہت مستعمل ہے۔ اشعارِ عرب اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں اور الیٰ کے ساتھ بھی دیکھنے کے معنی میں مستعمل ہے اور آیت لاتدرکہ الابصار میں ان جسمانی آنکھوں کے دیکھنے کی نفی ہے جو عالمِ ناسوتی میں مکدرات کے دیکھنے کے لیے مخصوص ہیں نہ عالمِ آخرت میں جہاں اور آنکھیں عطا ہوں گی اور نیز نفی ادراک کی ہے جو ہر طرف سے گھیر لینے کو کہتے ہیں نہ دیکھنے کی۔

طرفین کے دلائل علمِ کلام کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور ہیں جس کو اس پر زیادہ واقف ہونا ہو وہ شرحِ مواقف وشرحِ مقاصد وغیرہما کتابیں دیکھے۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ اور بہت منہ اس روز ترش اور بگڑے ہوئے یا سیاہ ہوں گے۔ قیامت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور بجائے کسی نیک توقع اور دیدارِ الٰہی کے تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ یہ یقین ہوگا کہ ابھی ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے کس لیے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہوگی، فرشتے طوق وزنجیر لیے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لیے پولس کے سیاہ پوش گارد کی طرح تیار کھڑے ہوں گے اس وقت اِدھر اُدھر دیکھے گا کہ کوئی چھڑانے والا پیدا ہو کَلَّا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے بعد قیامتِ صغریٰ کا حال بیان فرماتا ہے جو انسان کے ہر وقت دروازہ پر کھڑی ہے یعنی موت جس کا ذائقہ چکھے بغیر چھٹکارا نہیں۔ اس صورت میں کلا کو آئندہ کلام میں شامل کیا جائے اور اس کے معنی ضرور کے لیے جائیں تو ممکن ہے فقال كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ضرور ضرور جب جان گلے تک پہنچ جائے گی۔ یہ نزع کے وقت کا ذکر ہے جبکہ جان نکلنے کو ہوتی ہے گویا کہ حلق تک آ گئی۔ یہ اس حالتِ بے کسی کی تصویر کھینچی جاتی ہے وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ اور لوگ کہیں گے کوئی جھاڑنے یا علاج کرنے والا ہے؟ جاہل عرب ٹوٹکوں، شعبدوں، تعویذ گنڈوں، جھاڑ اپھونکی کے بڑے قائل تھے اس لیے انہیں کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا۔ اس وقت وارث جھاڑنے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ کوئی جھاڑے منتر سے اس کو ہوش میں لائے۔ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ مگر وہ بیمار قریب الموت علاماتِ موت اور ملائکہ کو دیکھ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر کہ جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا اور یہ املاک وجائیداد اور مال خزانے ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست جو ہر وقت شریکِ جلسہ رہا کرتے تھے اور یہ مادرِ مہربان جس نے گود میں پالا تھا اور یہ شفیق باپ کہ جو جان بھی نثار کرنے کو تیار تھا اور یہ ساتھ کھیلے ہوئے بھائی بہنیں جو باہم مل کر ایک گھر میں پرورش پائی اور مل کر ہنستے بولتے تھے، ہائے آج مجھ سے چھوٹتے ہیں الفراق الفراق الوداع الوداع!

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل — اے دو چشمم وداع سر بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو — ہمہ تودیع یکدگر بکنید
برمن افتادہ دشمن کام — آخر اے دوستاں گزر بکنید
روزگارم بشد بنادانی — من نہ کردم شما حذر بکنید

آخر روح پرواز کر گئی۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی سے پنڈلی مل گئی۔ مردے کے پاؤں اور ٹانگیں ملا دیتے ہیں اور سیدھا اور چت لٹا دیتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ساق سے مراد سختی اور شدت ہے عرب ساق بول کر شدت اس وجہ سے مراد لیا کرتے ہیں کہ تیاری کے وقت پنڈلی پر سے کپڑا اٹھالیا اور دامن چڑھالیا جاتا ہے ایسے وقت کافر پر دو شدت پیش آتی ہیں ایک لذاتِ دنیا اور اقارب واموال کا بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا دوسرے وہاں کی باز پرس اور گوناگوں عذاب میں مبتلا ہونا ایک شدت سے دوسری شدت اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت مل گئی۔

اسی طرح من راق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ جان نکلنے کے بعد کا حال ہے فرشتے باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کو کون اوپر چڑھا کر لے جاتا ہے کس لیے کہ ایماندار کی روح کو اوپر لے جانے کے لیے خوش رو خوش خلق ملائکہ متعین ہیں اور کافر کی روح کے لیے ہیبت ناک بدخلق متعین ہیں۔

امام احمد ونسائی نے ابو ہریرہ و براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں مرنے کے بعد کی کیفیت مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو رحمت کے فرشتے آتے ہیں نہایت خوش رو گویا ان کے منہ آفتاب ہیں اور ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو بھی ہوتی ہے تو وہ جہاں تک میت کی نظر جاتی ہے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت آکر نہایت نرمی کے ساتھ جان قبض کر کے ان کو دے دیتا ہے وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کو جاتے ہیں اور اس کی روح سے خوشبو آتی ہے اثناءِ راہ میں ملائکہ پوچھتے ہیں یہ کون ہے تو اس کا تعظیم سے نام لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں پر حق سبحانہٗ کے حضور میں پیش ہوتا ہے تب حکم ہوتا ہے کہ اس کو علیین میں لے جاؤ جہاں اور مومنین کی ارواح رہتی ہیں۔ یہ وہاں آتا ہے وہاں کے لوگ اس سے اپنے دنیا کے قرابت داروں کا حال پوچھتے ہیں اگر سنتے ہیں کہ فلاں مر گیا اور یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ جہنم میں گیا۔ اور کافر کے پاس سیاہ رنگ بری شکل کے ملائکہ آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت شدت سے جان قبض کر کے ان کے حوالے کرتا ہے وہ اس ناپاک اور بدبودار روح کو اوپر لے جاتے ہیں اول آسمان تک جا کر اوپر جانے کی پروانگی مانگتے ہیں اس کے لیے اوپر جانے کا حکم نہیں ہوتا۔ (لاتفتح لهم ابواب السماء ولایدخلون الجنة) پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کو عالمِ سفلی کے گڑھے میں ڈال دو پھر وہ اس کو پھینک دیتے ہیں کہ جہنم میں آگرتا ہے۔ انتہی ملخصًا۔ مسلم نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔

جب سامانِ موت سب مہیا ہو چکتے ہیں اور ملائکہ روح قبض کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ اِلْمَسَاقُ آج تیرے رب کے پاس جانا ہے چلیے وہاں سامنے ہونا ہے اب تجھ کو وہاں کی حاضری سے کوئی نہیں روک سکتا۔ مومن کو بعزت واحترام سماوات پر حضوری ہوتی ہے کافر کی آسمانِ اول سے نیچے ہی پیشی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جنت میں جو عالمِ قدس ہے اور کافر جہنم میں رہتا ہے۔

عالمِ آخرت کے حالات جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام نے مکاشفۂ صادقہ اور الہام سے بیان فرمائے ہیں سب صحیح ہیں سرِمو تفاوت نہیں ان کے خلاف جو کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع

پھر نہ اس نے خیرات ہی دی نہ نماز ہی پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ بھی پھیر لیا پھر اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا اے انسان! تجھ پر افسوس پر افسوس تجھ پر! افسوس اور افسوس کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ٹپکتی منی کی ایک بوند نہ تھا پھر لوتھڑا بنا پھر خدا نے اس کو بنا کر ٹھیک کیا پھر اس سے مرد وعورت کا جوڑا بنایا پھر کیا وہ خدا مردہ زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہے۔

ترکیب : فلاصدق ای لم یصدق لا بمعنی لم والعرب تقول لا ذہب ای لم یذہب وھذا اکثیر فی کلام العرب قالہ الکسائی والاخفش وقیل لا بمعنی ما وھو معطوف علی قولہ یسئل ایان الخ والضمیر الفاعل فی لاصدق ولاصلی للانسان المذکور فی قولہ ایحسب الانسان الخ یتمطی حال من فاعل ذہب یتمطی فیہ قولان (الاول) ان اصلہ یتمطط ای یتمدد لان المتبختر یمد خطاہ فقلبت الطاء فیہ یاء کما قیل فی تقضی اصلہ تقضض (والثانی) من المط وھو الظہر لانہ یلویہ فعلی الاول الالف مبدلۃ من طاء وعلی الثانی من واو اولی لک فیہ قولان الاول انہ اسم فعل مبنی علی السکون و معناہ ولیک ماتکرھہ والفاعل ضمیر مستتر یعود علی ما یفہم من السیاق وھو الدعاء علیہ بالمکروہ واللام زائدۃ کما فی قولہ ردف لکم والثانی انہ علی وزن افعل من الویل والقلب کادنیٰ من دنو وقیل وزنہ فعلیٰ لمن آل یؤل والالف للالحاق لا للتانیث وعلی التقدیر من ھو اعلم فلا لم ینون فعلی ھذا اولی مبتداء لک خبرہ۔ سدًی حال والالف مبدلۃ من واو معناہ مھمل ومنہ اھل سدیٰ ای ترعی بلاراع الم یک الخ مستانفۃ واردۃ بطلان الحسبان المذکور یمنٰی بالیاء والضمیر یرجع الی المنی فیکون فی موضع جر صفۃ للمنی وبالتاء والضمیر للنطفۃ وھی الماء القلیل یقال نطف الماء اذا قطر وجمعھا نطاف ونطف فیکون فی موضع نصب الذکر والانثیٰ بدل من الزوجین۔

تفسیر : اب اس روح کی حالت بیان فرماتا ہے کہ خدا کے پاس جانے کے بعد اس سے کیا معاملہ پیش آئے گا اور اس کو کیا کہا جائے گا۔ مومن کا حال چھوڑ دیا گیا کس لیے کہ بالفعل ان سرکش کافروں کا انجام کار بیان کرنا اہم مقاصد تھا اس لیے کفار وبت پرست اور گنہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی کہ جب وہ دربار میں حاضر ہوگا تو کہا جائے گا تو نے دنیا میں نہ مالی عبادت کی یعنی خیرات نہ دی، نہ فقیروں محتاجوں کو کچھ دیا جوڑ جوڑ کر رکھتا رہا، خلقِ خدا پر رحم نہ کھایا اور نہ جانی عبادت کی نہ نماز پڑھی نہ خدا کے سامنے رکوع وسجود کیا، نہ عاجزی اور دعا کی۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى بلکہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا خدا کی طرف کے داعی سے منہ موڑ لیا۔ یا یوں کہو تصدیق نہ کی اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر ایمان نہ لایا، نہ اعمال اچھے کئے۔ نماز سے بے خبر رہا۔ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اس کے بعد غصہ سے اس کو کہا جائے گا کمبختی ہو تیری پھر کمبختی ہو تیری یعنی تیری زندگی پر پھٹکار اور مرنے پر پھٹکار اور یہاں زرد رُو خالی ہاتھ آنے پر پھٹکار پھر تیرے جہنم میں جانے پر پھٹکار۔ یہ کلمہ زبان عرب میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے چار بار بولا گیا۔ چار موقعوں کے لحاظ سے اس کے بعد اس کو اس اندوہناک اور تاریک قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ کی لپیٹیں اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اس قیامتِ صغریٰ (موت) کے واقعہ کا بیان فرما کر حشر برپا ہونے پر ایک دلیل قائم کرتا ہے۔ اس انداز میں کہ اس کو ادنیٰ فہم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔

دلیلِ اول قیامت پر: فقال اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بیکار اور آزاد اور نکما چھوڑا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اور چند آیات میں جو حشر برپا ہونے کی دلیل ہیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ انسان کو قدرت واسباب وعقل عطا کئے گئے ہیں اور ان چیزوں کا عطا کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے اور یہ بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امور منہی عنہا پر عذاب اور مامور بہا پر ثواب ہے جس کا محل دارِ آخرت ہے۔ کیا آدمی کا اس جہان میں آنا عقل وحواس پانا اور پھر چند روزہ کردار دنیا سے غائب ہو جانا اس حکیم وکریم کا کوئی عبث فعل یا کوئی کھیل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا یہ ساری باتیں ایک نئی زندگانی کے لیے سامان واسباب فراہم کرنے کے لیے نہیں؟ ضرور ہیں۔ پھر انسان نکما اور بیکار اور شتر بے مہار کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو چاہے سو کرے دنیا کے جائز اور ناجائز مزے اڑایا کرے، جانوروں کی طرح سونے، جماع کرنے، کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو۔ ضرور ضرور وہ کسی

کام کے لیے یہاں آیا ہے اس کی فطری بناوٹ اور اس کے عقل وحواس اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اثباتِ نبوت کی بھی یہ دلیل ہو سکتی ہے کس لیے کہ جب انسان شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا تو ضرور اس کے لیے کوئی روحانی معلم ہونا چاہیے جس پر اس جہان کے اسرار منکشف کیے گئے ہوں اور وہ اس کو وہاں کے مناسب باتیں تعلیم کرے اور ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ پھر اس کا اتباع بھی ضرور ہے۔

دوسری دلیل : دوسری دلیل حشر برپا ہونے پر یہ ہے اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی کہ وہ انسان کیا ایک منی کا قطرہ نہیں تھا؟ ضرور اس کی ابتدا یہی ہے اس کو کافر ومومن سب جانتے ہیں۔ پھر کیا وہ قطرہ خود بخود انسان بن گیا۔ اس میں یہ تناسبِ اعضا پیدا ہو گیا یا کسی مادۂ بے خبر اور طبیعتِ بے شعور نے یہ عقل وحواس عطا کر دیے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسی نے اس کو بترتیب بنایا کس لیے کہ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی قطرۂ منی سے خون کا لوتھڑا بنا پھر بتدریج اس کے اعضاء بنے پھر اعضاء بھی ایسے بنائے کہ جن کی تشریح وتناسب میں عقل حیران ہے ہر ایک عضو اس کی کمال صنعت وقدرت کی بآوازِ بلند گواہی دے رہا ہے۔ پھر خود انسان کا تو یہ کام نہیں کہ از خود بن جائے از خود ہوتا تو یکبارگی ہوتا بلکہ کسی نے بنایا ہے۔ پھر کیا یہ اس کے ماں باپ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر پیٹ میں کیا ہو رہا ہے پھر کیا یہ مادہ اور طبیعت کا کام ہے؟ جیسا دہری اور طبعی کہتے ہیں یہ بھی نہیں کس لیے کہ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی اس نے ایک قطرۂ منی سے مرد بھی پیدا کیے اور عورت بھی۔ مادۂ منویہ برابر تھا طبیعت کا مقتضی یکساں تھا، پیٹ بھی وہی پیٹ ہے اور نطفہ بھی اس شخص کا نطفہ ہے پھر یہ مرد وعورت کا تفاوت کیونکر ہو گیا؟ اور لطف یہ کہ ایک ہی حمل میں ایک لڑکی دوسرا لڑکا کبھی دونوں لڑکے کبھی دونوں لڑکیاں یہ تفاوت کیوں ہوا اور کس نے کیا؟ بے شک اس حکیمِ مطلق نے اور یہ بھی اس کی کمال قدرت وصنعت اور انسان پر مرحمت کی دلیل ہے کس لیے کہ اگر سب عورتیں ہی ہوتیں یا سب مرد ہی ہوتے تو انسانی توالد وتناسب اور اس کے عیش اور زندگانی کے لطف کا خاتمہ ہو جاتا ایک نطفہ اور اسی سے یہ اعضاء مختلف الآثار کس مرجح کا کام ہے۔ پھر جس نے یہ سب کچھ کر دیا تو اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی کیا وہ مردے کو حشر میں زندہ کر دینے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں۔

عبد بن حمید وابن الانباری وابوداؤد وترمذی وبیہقی وابن المنذر وحاکم وغیرہ محدثین نے باسنادِ مختلفہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد یہ فرماتے تھے بلیٰ کہ کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔ اور اسی طرح سورۂ والتین کے بعد بلیٰ وانا علی ذلک من الشاھدین اور سورہ مرسلات کے بعد آمنا باللہ کہتے اور حکم دیتے تھے کہ کہو کس لیے کہ یہ آدابِ سماعت میں سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں نماز کے باہر ان مواقع میں یہ الفاظ کہے نماز میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں نماز میں بھی مضائقہ نہیں کس لیے کہ ان الفاظ سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن اول قول احوط ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ② اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَیْنًا یَّشْرَبُ

يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۞

ضرور انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا ہم نے انسان کو منی کے ایک لچھے سے بنایا کہ اس کو آزمائیں سو اس کو سنتا دیکھتا کر دیا۔ ہم نے اس کو رستہ دکھا دیا پھر کچھ شکر گزار اور کچھ کافر ہو رہے (مگر) ہم نے بھی کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے بے شک نیک لوگ ایسا پیالہ پئیں گے کہ جس میں چشمۂ کافور کی آمیزش ہوگی (ایک خاص) چشمہ سے اللہ کے نیک بندے پئیں گے (اور خوب) لونڈھائیں بہائیں گے۔

ترکیب : هل هنا عند الفراء والکسائی وسیبویہ وابوعبیدہ بمعنی قد کما فی قولہ هل اتاك حديث الغاشية وکقولہ علیہ السلام هل بلغت۔ وقال مکی بمعنی الاستفہام التقریری والاول اقوی من الدهر بیان لحین اوصفۃ لم یکن الخ محلہ النصب علی الحال من الانسان وقیل محلہ الرفع علی انہ صفۃ لحین امشاج بدل اوصفۃ من نطفۃ قیل ھی جمع مشج او مشیج کعدل وشریف جمعھا اعدال واشراف۔ والمشج فی اللغۃ الخلط یقال مشج یمشج مشجا اذا خلط انما وقع الجمع صفۃ للمفرد لانہ فی معنی الجمع لان النطفۃ ماخوذۃ من اشیاء مختلفۃ اوجعل کل جزء من النطفۃ نطفۃ والمراد نطفۃ الرجل ونطفۃ المراۃ۔ وقال صاحب الکشاف الامشاج لفظ مفرد ولیس بجمع بدلیل انہ وقع صفۃ للمفرد ونظیرہ مرمۃ اعشار ای قطع مکسرۃ وثوب اخلاق۔ نبتلیہ فی موضع الحال ای خلقناہ مبتلین لہ یعنی مریدین ابتلائہ۔ فاماشاکراً ورا ماکفورا فی انتصابھما اقوال الاول شاکرا وکفورا حالان من الھاء فی ھدیناہ السبیل ای ہدیناہ السبیل حالتے کونہ شاکرا وکفورا (والثانی) انتصابھا باضمار کان و التقدیر سواء کان شاکرا او کان کفورا (الثالث) معناہ اناھدیناہ السبیل لیکون اما شاکرا واما کفورا واما علی ھذا القول کقول القائل قد نصحت لک ان شئت فاقبل وان شئت فاترک (والقول الرابع) ھو المطابق لمذہب اھل السنۃ ان تکون اما فی ھذہ الآیۃ کا نافی قولہ اما یعذبھم واما یتوب علیھم۔ والتقدیر اناھدیناہ السبیل ثم جعلناہ تارۃ شاکرا وتارۃ کافرا۔ اما عند الجمہور بکسر الھمزہ فھی عند الکوفیین کما حکاہ مکی ان شرطیۃ زیدت بعدھا ما للتاکید ای بینالہ الطریق ان شکروان کفر۔ واختارہ الفراء ولا یجوز عند البصریین لان ان الشرطیۃ لا تدخل علی الاسماء الا ان یقدر بعدھا فعل ولا یصح ھھنا اضمار الفعل لانہ لا یلزم رفع شاکرا وکفورا۔ فتامل وقرأ ابوالسماک وابوالعجاج بالفتح فعلیٰ ھذا فھی اما عاطفۃ فی لغۃ بعض العرب اوھی التفصیلیہ۔ جوابھا مقدر سلاسل عند البعض منصرف لان مثل ھذہ الجموع تشبیہ الاحاد لانھم قالوا صواحبات یوسف فلما جمعوہ جمع الاحاد المنصرفۃ جعلوھا فی حکمھا فصرفوھا وعند البعض غیر منصرف لکونہ صیغۃ منتھی الجموع والسلاسل جمع سلسلۃ والاغلال جمع غل واما الحاق الالف فی الوقف فھو کالحاقھا فی قولہ الظنونا والرسولا اولا فی الصحاح جمع البر الابرار وجمع البار البررۃ کان مزاجھا کافورا الجملۃ فی محل جر صفۃ لکاس عینا ان قلت الکافور اسم النھر فی الجنۃ کان عینا بدلا منہ وان شئت قلت نصبہ علی الاختصاص والتقدیر واعنی عینا وان قلت الکافور علی معناہ المستعمل فیہ فکان عیناً بدلاً من محل کاس علی حذف مضاف کانہ قیل یشربون خمرا خمر عین ثم حذف المضاف واقیم المضاف الیہ مقامہ وقیل نصب عینا باضمار فعل یفسرہ مابعدہ ای یشربون عینا یشرب بھا الجملۃ صفۃ لعینا وقیل الباء زائدۃ وقیل یشرب بمعنی یتلذذ یفجرونھا صفۃ اخریٰ لعینا۔

تفسیر : اس سورۃ کا نام اسی کے الفاظ کی وجہ سے سورۂ دہر اور سورۂ انسان اور سورۂ ھل اتی اور سورۂ امشاج بھی ہے۔ اس کے نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم و مقاتل وکلبی رحمہم اللہ کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اور اسی طرف بیضاوی وزمخشری گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا سے آخر تک توقطعی مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں اور آیت يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جو بعض اہلِ بیت کرام کی مدح میں بیان کی گئی ہے اس بات کا قرینہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

مناسبت : مناسبت اس کی پہلی سورۂ قیامہ سے یہ ہے کہ اس میں دوفریق کا معاملہ ذکر تھا جو قیامت میں پیش آئے گا ایک وہ کہ جن کے منہ روشن ہوں گے اور دوسرے وہ کہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے۔ تتمہ کے طور پر اس سورہ میں فریقِ اول کے اور بھی حالات بیان کیے گئے اور یہ بھی ہے کہ سورۂ قیامہ میں صرف قیامت اور نفسِ لوامہ کی قسم سے ابتداءِ کلام تھی یہاں قیامت پر انسان کے حادث ہونے سے استدلال ہے اور یہ بھی ہے کہ ان سورتوں میں اکثر یہی مسائل زیرِ بحث ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت۔ (۲) قیامت کا برپا ہونا اور وہاں کے حالات۔ (۳) انسان کی ابتداء وانتہا اور اس کے اس جہان میں آنے کی وجہ۔ (۴) انسان کے اسبابِ سعادت وشقاوت کہ یہ چیزیں ہیں کہ جن سے اس کو سعادت یعنی وہاں کی حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ ابدی نصیب ہوگی اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کے سبب یہ شقی ہوکر جہنم کے عمیق گڑھے میں زنجیروں میں باندھ کر اوندھے منہ ہمیشہ کے لیے ڈالا جائے گا۔ پھر ان مسائل کو عجب انداز میں بیان کیا ہے اور عجب دلکش طرز سے بلالحاظ تقدیم وتاخیر کیے بعد دیگر پراثر الفاظ اور روح کو جنبش دینے والے فقرات میں بیان فرمایا ہے اور ہر ایک بحث پر دوسرے مسئلہ کا لحاظ رہا ہے یعنی اگر اس بیان اور کلام کے ایک پہلو میں ایک مسئلہ کا ثبوت ہے تو دوسرے پہلو میں دوسرے کا۔ اگر خدا پاک کسی مفسر کی روح پر وہی فیضانِ مصطفوی ڈالے تو وہ ان مطالب کی تفسیر کرسکتا ہے اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے کنار کہا جاتا ہے اور اس کا ظہر بطن اور ہر حد کا مطلع بیان کیا گیا ہے۔

مطالب : سورۂ قیامہ میں بھی انہیں مسائل پر انہیں طرزوں میں بحث تھی۔ اس سورہ میں بھی اور اس کے بعد کی سورہ میں بھی علی ہذا القیاس اور اسی لیے باہم لفظی بھی بہت کچھ مناسبتیں پیدا ہیں۔ جو شخص اس رمز پر واقف ہوگا اس کو ہر قسم کی روایات سے ایک خاص شانِ نزول تلاش کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔ کس لیے کہ ان مسائل کی ضرورت ہی سببِ نزول ہے۔ اور آیات میں انسانی نیک وبدفطرت کا فوٹو کھینچا جایا کرتا ہے۔ عام لوگ اس کو کھینچ تان کر کے رطب ویابس روایات کے ذریعہ سے ایک شخص کا قصہ یا واقعہ بنا دیتے ہیں جس کا جس کی طرف رجحان ہوا اور جوان کے برائی کے لیے جھنڈے پر چڑھ گیا۔

انسان کی ابتدا : فقال هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کہ بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر گیا ہے کہ اس کا کوئی ذکر بھی نہیں تھا۔ شیئا سے وجود فی الخارج کی نفی کردی گئی کس لیے کہ متبادر معنی شے کہ جبکہ اس کو وجودِ ذہنی اور لفظی کی قیود سے مبرا رکھا جائے تو موجود فی الخارج کے ہیں اور مذکورا وجودِ لفظی اور ذہنی کی نفی کرتا ہے کہ انسان کا وجود نہ کسی کے ذہن میں تھا نہ کسی کی زبان پر تھا۔ اور جب اس قید کو بھی ملحوظ کر کے نفی کردی گئی تو وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی کی نفی دلالتِ مطابقی سے اور خارجی وجود کی نفی دلالتِ تضمنی سے سمجھی جائے گی مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ علمِ الٰہی میں بھی انسان کا وجود نہ تھا کس لیے کہ علمِ الٰہی کا مرتبہ بالاتر ہے۔ حاصل یہ کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ اس وقت نہ یہ دنیا میں موجود تھا نہ اہلِ دنیا میں اس کا تذکرہ تھا کوئی حضرت کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

دہریوں کا اعتقاد اور اس کا ابطال : اس کا ثبوت کہ نسلِ انسان ایک وقت میں نہ تھی اور اس کی پیدائش کی ایک ابتداء ہے اہلِ کتاب کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ ان کے ہاں آفرینشِ انسان کا زمانہ اب تک تخمیناً سات ہزار برس کا ہے اور اس بات کا نصف دنیا سے زائد کو یقین ہے۔ اہلِ ہند واہلِ پارس اگرچہ لاکھوں برس کی تعداد بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی ایک ابتداء معلوم ہوتی ہے البتہ حکماءِ یونان اور دیگر فلاسفہ ہر نوع کو قدیمِ زمانی کہتے ہیں علی سبیل البدلیۃ اس کے افراد کو قدیمِ زمانی مانتے ہیں خصوصاً دہریہ۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ تجددات وانقلابات جہان میں ہورہے ہیں سب گردشِ زمان اور اوضاعِ فلکیہ وتاثیراتِ سیارات سے ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں بعض ان اوضاع میں سے رات دن میں بعض مہینے میں بعض فصل میں بعض ایک برس میں بعض قرانات میں متبدل ہوجاتے ہیں اور بعض بہت دراز زمانہ میں ان کو ادوار کہتے ہیں اس سے انقلاباتِ عظیمہ اور انواعِ مختلفہ پیدا ہوتے ہیں۔ آبادیاں جنگل اور جنگل آبادی خشکی دریا اور دریا

خشک جنگل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بنی آدم اور دیگر انواعِ حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور جو پیدا تھے مٹ جاتے ہیں اور ایک نوع بدل کر دوسری نوع بن جاتی ہے۔ انسانوں سے بندر اور بندروں سے انسان ترقی کر کے ہو جاتے ہیں۔

ان کے عقول کی حق سبحانہٗ کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔ ان کے مذہب کا ابطال صرف ایک اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نسلِ انسانی کا ایک زمانہ میں بالکل نہ پایا جانا حال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے۔ حال کے محققوں نے کوہِ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر پتھروں میں سیپیاں اور گھونگھے دیکھے ہیں جس سے علم جوالمی کے واقف کاروں کو کامل یقین ہے کہ کسی زمانہ میں تمام ہندوستان سمندر کا سطح تھا اور سمندر کا پانی ان چوٹیوں کے اوپر تک تھا پھر گھٹتے گھٹتے یہ زمین کھل گئی۔ پھر جب کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں سمندر کے پانی میں غرق تھیں تو پھر مساحت اور ارتفاع کے لحاظ سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک ایسا نہ تھا جو پانی سے ڈھکا ہوا نہ ہو پھر جب ایسا ہو گا تو نسلِ انسانی کا زمین پر قطعاً وجود نہ ہو گا اور اسی طرح سیاحوں کو اور ملکوں کے پہاڑوں پر بھی سمندر کے نشان معلوم ہوئے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نسلِ انسانی ایک زمانہ میں دنیا پر نہ تھی تو ثابت ہو گیا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا دہر اور اس کے کسی وضع کا مقتضی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے ہے[1]۔ اگر یوں کہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے نسل انسانی تھی اور مدتوں رہ کر نیست ہو گئی پھر بارِ دیگر پھیلی اور اسی طرح پھر نیست ہو گی اور پھر زمین پر آباد ہو گی اور یہی تسلسل رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے نسلِ انسانی کا وجود ہونا کس دلیل سے معلوم ہوا؟ کیا اس سے پہلے کے کچھ آثارِ باقیہ پائے گئے یا قواعدِ زیچ وتقویم سے معلوم ہوا یا کسی دیکھنے والے مخبر صادق نے خبر دی؟ پھر جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو محض عقلی ڈھکوسلا اور وسوسہ شیطانی ہے۔ شیئامذ کورا کا لفظ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان سے مراد نوع نہیں بلکہ ہر ایک انسان تب مطلب صاف ہے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ کی ذات کا ثبوت دہریوں کا رد ہے اور نیز توحید کا بھی ثبوت ہے کس لیے کہ جمیع افرادِ انسانیہ حادث ہیں ان کو کارخانۂ قدرت اور قضاء وقدر میں کچھ دخل نہیں اور نیز دوسرے پہلو میں قیامت کا بھی ثبوت ہے کہ ہم بارِ دیگر پھر نیست کرنے پر قادر ہیں اور حشر میں پھر زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ: دھر زمانۂ دراز حین اس کا ایک ٹکڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابن آدم مجھے گالیاں دیا کرتا ہے، جب وہ دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ میں ہوں دہر میرے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں رات دن کو پلٹتا ہوں۔ متفق علیہ۔ یعنی دہر کی طرف اس کا حوادث کو منسوب کرنا بے عقلی ہے۔ وہ دہر کیا کرتا ہے جو کچھ کرتا ہوں میں ہی کرتا ہوں۔ انجام کار دہریہ بھی جب اس سے دہر کی حقیقت دریافت کیا جائے تو اللہ جل جلالہٗ کی طرف آ رہتا ہے۔ صرف لفظوں کا فرق رہ جاتا ہے یہی اس کی گمراہی ہے کہ پھر بھی وہ حق سبحانہٗ کا انکار کرتا ہے اور مادی وطبعی لوگوں کا بھی اسی کے قریب قریب مذہب ہے۔ وہ دہر کی جگہ مادہ کو پیٹا کرتے ہیں۔ نئے فلسفہ نے آج کل یورپ میں دہریت اور الحاد اور مادیت کا دریا بہا رکھا ہے ان کے کہربائی تجربات ان کی آنکھوں پر حجاب ہو رہے ہیں۔ اس اندھیری رات میں ادھر اُدھر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

اس کے بعد نسل انسانی پھیلنے کا طریقہ بتلاتا ہے جو خاص اسی کے قبضہ وتصرف کی بات ہے۔ فقال اناخلقنا الانسان من نطفة امشاج کہ اور کسی نے نہیں بلکہ خود ہم نے انسان کو منی کے لچھے سے پیدا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پیچھے کی سورتوں میں بیان ہو چکی کہ ان کو مٹی سے بنایا اس لیے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ مقصود نسلِ انسانی کا پھیلانا بتانا ہے گرچہ مبداء ان کا آدم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل قطرۂ منی سے شروع ہوتی ہے۔ منی کو امشاج چیپ اور لچھے کہتے ہیں۔ انسان کی حقیقت بیان کرتا ہے کہ آپ جو زمین وآسمان کے قلابے

---

[1] کیونکہ ان کے نزدیک قدم مقتضائے دہر ہے اور وہ باطل ہو گیا۔ ۱۲ منہ

ملاتے ہیں اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادہ کو خالق کہتے ہیں آپ کو علم وشعور ہی کیا ہے۔ آپ پہلے اپنی اصل کو تو بیان کر دیجئے کہ وہ منی جس میں چیپ تھا اور وہ نر و مادہ کی منی رحم میں مل کر لچھ سا ہو گیا تھا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنی تھی اور رحم میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے آپ کیا تھے آپ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ پھر جب آپ کو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ کس اعتماد پر دہر اور مادہ کو خالق کہتے ہیں؟ اور اگر کوئی بھی خالق نہیں تو پھر آپ خود بخود کیونکر بتدریج بن گئے۔ فعل بغیر فاعل کے اور حادث بغیر محدث کے کیونکر ہو گیا؟ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ یہی نطفہ کا لچھ تو ہے جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضاء ودیعت ہیں۔ بھلا اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کون سے جز میں سے کون سی قوت اور کون سا عضو ودیعت رکھا گیا ہے؟ اور یہ بھی کہ آپ ایسی حقیر اور ناپاک چیز سے بنے ہیں جو کپڑے پر لگے تو دھوئی جائے پھر یہ غرور یہ باتیں؟ اب انسان کے دنیا میں پھیلانے اور پیدا کرنے کا راز بھی بتلاتا ہے۔ نبتلیہ کہ ہم اس کو آزمائیں کہ دنیا کی اندھیری میں کیا کرتا ہے اور ہماری طرف بھی متوجہ ہوتا ہے یا لذات وشہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور اسی لیے فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا اس کو ہم نے سننے دیکھنے والا بھی کر دیا۔ کان دیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے، اگلے مشرکوں کے حالات اور ان کی آفات سن کر عبرت کرے، ان بیہودہ کاموں سے بچے۔ آنکھ دی ہیں کہ آیاتِ قدرت دیکھ کر ایمان لائے، برے بھلے کو دیکھے اور امتیاز کرے لوگوں کے غلط افسانوں ہی پر اڑا نہ رہے۔ دنیا کی روا روی اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر اپنے چلنے کی بھی فکر کرے۔

فائدہ: انسان کمبخت بڑی مصیبت میں ہے لذات وشہوات دنیا اس کے کانوں کو پھر آنکھوں کو اندھا کر کے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں عقلِ سلیم دارِ آخرت کی طرف کھینچ رہی ہے ملہم غیبی پڑا پکار رہا ہے کہ او نادان! اُدھر نہ جا آگے جہنم کا عمیق گڑھا ہے۔ اِدھر بیماری، فکرِ معاش، موتِ احباب و اقارب، رنج والم اور بھی کھائے جاتے ہیں اور مہلت تھوڑی ؎

فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں — اس اتنی سی زیست پر کوئی کیا کیا کرا ے

اسی لیے بعض حضرات اکابر نے یہ کہہ دیا کہ کاش ہم اسی حالت میں رہتے کہ شیئاً مذکورا نہ ہوتے۔

اس آزمائش کی پھر تشریح کرتا ہے۔ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ کہ ہم نے انسان کو کان آنکھ دے کر بری بھلی سب راہیں دکھا دیں اور بتا دیں کہ یہ برا رستہ ہے وہ دیکھ سیدھا جہنم کو جاتا ہے اور یہ رستہ سیدھا جنت کو جاتا ہے اور تجھے دونوں پر چلنے کا قضاء وقدر نے اختیار دیا ہے۔ فَاِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا پھر کچھ شاکر ہو گئے، جنت کی راہ پر چلے گئے اور کچھ کافر ناشکر ہو گئے جہنم کی راہ پر چلے۔ یا یوں کہو کہ اب تو خواہ شاکر ہو یا کافر پر یہ بھی یاد رہے اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا کہ ہم نے کافروں، ناشکروں کے لیے زنجیریں اور طوق کان اور آنکھ کی ناشکری اور ان کو اچھے کاموں میں استعمال نہ کرنے پر اور دہکتی آگ، دل اور عقل کو راہِ راست پر کام نہ لانے پر تیار کر رکھی ہے۔ ذرا مرنے کی دیر ہے اور جو شاکر ہیں وہی ابرار ہیں کس لیے کہ شکر منعم کے احسان کا بدلہ ہاتھ سے' پاؤں سے' دل سے' ادا کرنے کو کہتے ہیں اور اسی کا نام نیکی ہے۔ اس میں مخلوقِ خدا کے ساتھ بھلائی' خیرات' صدقات' ہمدردی بھی آ گئی کیونکہ نعمتوں کے بدلہ کی اس کو کیا حاجت ہے؟ اس کی مخلوق کی حاجت براری اس کے قائم مقام ہے اور اسی لیے آیا ہے کہ جو کوئی فقیر مسکین حاجت مند کو دیتا ہے یا کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو گویا ہماری عیادت کرتا ہے اور ہم کو دیتا ہے اور نماز وعبادت وذکر بھی آ گیا کس لیے کہ جان وتن کو اسی کی طرف جھکانا اس نعمت کا بدلہ ہے اور بری باتوں سے پرہیز بھی آ گیا کس لیے کہ جو کام کرتا ہے درحقیقت وہ ان اعضاء اور دل کی قدر دانی نہیں کرتا پھر ان نیکیوں کے لیے آخرت میں کیا ہے؟ فرماتا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا کہ نیکوں کو جنت میں شرابِ طہور کا وہ پیالہ پینے کو ملے گا جس میں چشمۂ کافور کی آمیزش ہو گی یا اس کا مزاج کافوری ہو گا۔ کوئی گرمی اور سوزش نہ ہو گی تا کہ حشر کی گرمی سب دور ہو جائے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں منکر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کسی کے گلے میں محبتِ زر کی زنجیر ہے، کسی کے

زن وفرزند کی، کوئی باغ اور کھیتی اور تعمیرِ مکانات کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے' کوئی ملک گیری کی زنجیر میں پابند ہے۔ الغرض[1] علائقِ دنیا کی زنجیریں ان کے لیے تیار ہیں تا زیست ان سے چھٹکارا نہیں کہ ذرا بھی معرفت وعبادت کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ اور ان کے گلوں میں طوق بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کے گلے میں نوکری کا طوق ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کی خدمت اور حاضر باشی سے دم بھر کی مہلت نہیں۔ کسی کے گلے میں شراب اور فاحشہ عورتوں کی محبت کا طوق پڑا ہوا ہے۔ کسی کے گلے میں دنیا طلبی اور حبِ جاہ ومال کا طوق ہے جو ایک دم بھی اس کو خدا کی طرف پھرنے اور متوجہ ہونے نہیں دیتا اور ان کے لیے دہکتی آگ بھی تیار ہے وہ کیا؟ عداوت وحسد کی آگ ناکامی کی آگ حرص وشہوت کی آگ یا فوائدِ متوہمہ کے فوت ہو جانے کی آگ۔ یہ آگ ہر وقت دل میں جلتی رہتی ہے۔ محبتِ الٰہی اور رغبتِ دارِ آخرت کو وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد بھی یہی زنجیر اور یہی طوق اور یہی آگ جہنم میں توے کی بڑی زنجیر اور گراں بار طوق اور دہکتی آگ ہو جائے گی۔ جس طرح یہاں چھٹکارا نہ تھا وہاں بھی ان سے رستگاری نہ ہوگی۔ برخلاف ابرار واہلِ ایمان کے کہ ان کو شرابِ محبتِ الٰہی کا پیالہ پلایا جاتا ہے جس میں کافور کا اثر ہے جس سے وہ باوجود علائقِ دنیاویہ کے سب سے آزاد رہتے ہیں ان کے دلوں سے یہ آگ سرد کر دی جاتی ہے۔ یہی پیالہ جنت میں شرابِ طہور کی شکل میں متشکل ہو کر سامنے آئے گا اور اس پیالہ ہی پر بس نہیں بلکہ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔ وہ اللہ کے نیک بندے ایک چشمہ کو پئیں گے یعنی ان کے لیے چشمہ تیار ہے جو جاری ہے کبھی بند نہیں ہوتا، نہ اس میں کمی ہوتی ہے نہ ہوگی اور نہ صرف پئیں گے بلکہ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا کہ اس کو بہائیں گے جس طرح سے چاہیں گے کام میں لائیں گے۔ دنیا میں جو نہ صرف ایک ہی جام پیتے ہیں بلکہ چشمۂ محبتِ الٰہی سے پیتے اور اس کو بہاتے اور ان کے ہر کام میں اور ہر بات میں اور ہر شان میں محبتِ الٰہی کا نشہ ہے وہ وہاں چشمہ کافور[2] کا بھی اسی طرح دل کھول کر استعمال کریں گے اور وہ کافور یہ دنیا کا کافور نہیں بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جس کو اس کافور سے کسی خاص خاصیت میں مناسبت ہے۔ سردی اور سپیدی تقویت دل ودماغ ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝

---

[1] ان آیات میں انسان کا انجام اور آخرت کا بیان ہے۔

[2] سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کیا ہی کافوری شراب کا پیالہ بلکہ چشمہ پلایا گیا کہ اس کے نشہ میں دنیا سرد تھی اور پھر اس کو کیسا بہایا جس کی نالیاں ہند اور چین اور ترکستان ادھر بربر کے خشک میدانوں تک گئیں اور وہاں بھی لاکھوں کو مست وبےخود کر دیا۔ پھر انہوں نے ساقی بن کر ایسا پلایا کہ جس کا نشہ اب تک نہیں اترا ان کے مزاراتِ مقدسہ سے اب تک وہی مستی کی بو آتی ہے اور کفار کا زنجیروں اور طوق اور دہکتی آگ میں گرفتار ہونا ہر ایک کو دکھائی دے رہا ہے۔ ۱۲ منہ

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا اور وہ اس کی محبت پر فقیر اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم جو تم کو کھلاتے ہیں تو خاص اللہ کے لیے نہ ہم کو تم سے بدلہ پانا مقصود ہے نہ شکر گزاری۔ ہم تو اپنے رب سے ایک اداس (اور) ہولناک دن سے ڈرتے ہیں پھر ان کو اللہ اس روز کے شر سے بھی محفوظ رکھے گا اور ان کے سامنے تازگی اور خوشی لائے گا اور ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت اور ریشمی پوشاکیں دے گا وہاں چھپر کھٹوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے نہ سردی اور ان کے سائے ان پر جھکے پڑتے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے بہت ہی پاس لٹک رہے ہوں گے۔

ترکیب : یوفون جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار النذر فی اللغۃ الایجاب والمراد ھنا ما اوجب اللہ علی العباد او ما اوجب العبد علی نفسہ من فعل الخیرات وترک المنکرات والوفاء الاتیان بما اوجب۔ المستطیر اسم الفاعل من باب الاستفعال ماخوذ من الطیر ان العرب تقول استطار الحریق اذا انتشر ویطعمون الجملۃ معطوفۃ علی سابقۃ انما نطعمکم الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال بتقدیر القول ای قائلین انما الخ عبوساً تعبس وتکلح فیہ وجوہ الناس من شدتہ وھولہ فالمعنی انہ ذو عبوس القمطریر اشد ما یکون فی الایام واطولہ فی البلاء قال مجاہد ان العبوس بالشفتین والقمطریر بالجبھۃ والحاجبین۔ متکئین حال من ھم فی جزاھم والعامل جزی الارائک جمع اریکۃ وھی بیت یزین بالثیاب والاسرۃ والستور لایرون الجملۃ فی محل نصب علی الحال من مفعول جزاھم او من الضمیر فی متکئین فعلی الاول حال مترادفۃ وعلی الثانی متداخلۃ۔ اوصفۃ اخری الجنۃ۔ ودانیہ من الدنو بمعنی القرب قرء الجمھور بالنصب عطف علی ماقبلھا حال مثلھا اوصفۃ لمحذوف معطوف علی جنۃ۔ وقری بالرفع علی انہ خبر والمبتدء ظلالھا والجملۃ فی حیز الحال والمعنی لایرون فیھا شمسا ولازمھریرا والحال ان ظلالھا دانیۃ۔ وعلی تقدیر النصب ظلالھا مبتدء علیھم الخبر وذللت الجملۃ حال من دانیۃ او معطوفۃ علی دانیۃ وعلی تقدیر رفع دانیۃ علی جملۃ اسمیۃ والقطوف جمع قطف بالکسر وھو العنقود۔ خوشہ۔

تفسیر : یہاں سے ان ابرار کے اوصاف و حالات بیان فرماتا ہے جن کے سبب وہ ابرار کئے گئے۔ (۱) یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کہ وہ نذر پوری کیا کرتے ہیں۔ نذر پیمان (ومنہ نذرت للہ کذا النذر بالضم والکسر) (صراح)) وفا پورا کرنا۔ قتادہ و مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں لغوی اور شرعی معنی کے لحاظ سے اس میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ (اول) نذرِ شرعی کہ بندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنے اوپر واجب کر لے کہ میں اللہ کے لیے یوں کروں گا یا یہ کام نہ کروں گا۔ اب عام ہے کہ یہ نذر کسی آنے والی مراد کے حاصل ہونے یا بلا کے دفاع ہونے پر کی ہو جیسا کہ عام دستور ہے یا نہیں مگر اس قسم کی نذر کی بابت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے۔ لاتنذروا فان النذر لاتغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل۔ (متفق علیہ)۔ کہ نذر نہ مانا کرو کس لیے کہ تقدیرِ الٰہی کو نذر ماننا کچھ ٹال نہیں سکتا جو ہونا ہے ہو کر رہے گا، ہزار نذر مانا کرو بلکہ اس حیلہ سے بخیل کا مال خدا پاک باہر نکلوا دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو بغیر نذر ماننے کچھ بھی للہ نہ دیتا ہو اور وہ نذر کو تقدیرِ الٰہی کے پلٹنے کا وسیلہ بنائے۔ یہ اس بخیل کے مال صرف ہونے کا سبب ہے۔ نذر ممنوع کاموں میں بھی جو اس کی قدرت نہ ہوں نہ ماننی چاہیے۔ کیونکہ مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مصیبت میں اور جن کاموں کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا نذر کا پورا کرنا نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی نذر کو پورا نہ کرے مگر کفارہ لازم ہوگا کیونکہ ابوداؤد و ترمذی نے روایت کی ہے کہ لانذر فی معصیۃ اللہ وکفارتہ کفارۃ الیمین اور اسی طرح ابن ماجہ و ابوداؤد نے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے، من نذر نذرا لایطیقہ فکفارتہ یمین [1]۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ نذر در اصل نذر نہیں کفارہ واجب نہیں نہ اس کو پورا کرے۔

---

[1] یمین خدا کے نام یا صفات کی قسم کھانا کہ ایسا کروں گا یا نہ کروں گا اور نذر بغیر قسم کے کوئی کام واجب کر لینا کہ تین روزے اللہ کے لیے رکھوں گا یا صدقہ اس قدر کروں گا وغیرہ۔ اگر برے کاموں کی بابت یا غیر مقدور کی بابت نہیں تو وفا کرنا لازم ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔ اور ترک میں کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دینا یا بردہ آزاد کرنا ورنہ تین روزے رکھنا۔ ۱۲ منہ

باقی اور سب نذروں کا پورا کرنا واجب ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ ابرار کی شان میں فرماتا ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ اور ایک جگہ یوں فرمایا ہے۔ ولیوفوا نذورھم کہ اپنی نذریں پوری کرو۔ پھر جو اپنی مانی نذر کے پورا کرنے میں آمادہ ہے وہ خداپاک کے واجب کردہ احکام و عبادت پر بدرجۂ اولیٰ سرگرم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آیت میں نذر سے مراد واجبات ہیں۔ عام ہے کہ ازخود بندہ نے اپنے اوپر واجب کر لیے ہوں یا خداتعالیٰ نے واجب کئے۔ تیسرا قول کلبی کا ہے کہ نذر سے مراد عہد ہے عہد وفا کرنے کی قرآن میں تاکید ہے عام ہے کہ باہمی جائز عہد ہو یا خداتعالیٰ کا عہد جو نبیوں کی معرفت بندھا ہے شریعت و احکام کی بجا آوری کا۔ (۲) یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا کہ وہ اس دن کے شر سے بھی ڈرا کرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا۔ گرمی اور سردی کا جس طرح دنیا میں ایک عام اثر ہوتا ہے اسی طرح قیامت کا شر اور اس کا ہول اور دنیا کے زیرو زبر ہونے کا حادثہ اور پھر نفخ صور اور اس کے بعد قبروں سے نکلنے کا حادثہ ایک عام وحشت انگیز حادثہ ہوگا۔ وہ ابرار اس دن کے حادثۂ عظیمہ سے ڈرا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس دن کی تیاری میں نذریں پوری کرتے ہیں اور اپنے جان و مال کو انہوں نے دنیا میں نذر اللہ کر دیا ہے اس لیے وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ کھانا کھلاتے ہیں۔ عَلٰی حُبِّهٖ محض اللہ ہی کی محبت سے نہ ریاکاری اور شہرت کے لیے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کھانے کی ان کو رغبت و محبت ہوتی اور حاجت دامن گیر ہوتی ہے اس پر بھی وہ کھلا دیتے ہیں کس کو؟ مسکینا فقیر کو ویتیما یتیم کو واسیرا قیدی کو۔ اگلے زمانہ میں قیدیوں کو شاہی خزانہ سے کھانا نہیں ملتا تھا وہ اپنی محنت مزدوری کر کے کھاتے ہیں۔ اس میں ان پر سختی گزرتی تھی، فاقہ کشی پر فاقہ کشی ہوتی تھی اس لیے ان کا کھلانا بھی اس حالتِ بے کسی میں بڑا عمدہ کام تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں اسیر سے مراد وہ بے بس لوگ ہیں جو خود کوئی کام نہیں کر سکتے یا وہ لڑکے اور عورتیں اور غلام ہیں جو ظالموں کے پنجے میں گرفتار ہیں اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ بیچارے ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اس میں بے زبان جانور بھی داخل ہیں جو ایسے موذیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور دانہ پانی نہیں ملتا اور ان پر اپنا کچھ احسان بھی نہیں جتلاتے بلکہ یہ کہتے ہیں اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا کہ ہم تو خالص اللہ کے لیے تمہیں کھانا کھلاتے ہیں کہ وہ خوش ہو جائے اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے نہ ہم کو تم سے اس کا بدلہ مقصود ہے نہ یہ کہ تم شکرگزاری کرو ہماری تعریف و مدح کرتے پھرو اور یہ بھی کہتے ہیں اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا اس روز کے لیے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اللہ کے نیک بندے یہ باتیں ہر مسکین و یتیم و اسیر کے سامنے زبان سے کہتے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ زبانِ حال سے کہتے ہوں اور ان کے دل میں یہ مضمون ہو اور ان کی اس نیت اور حسنِ اخلاص کو خداپاک ان کے قول سے تعبیر کرتا ہو اور ایسا ہوتا ہے اور یہی قول ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ سے لے کر یہاں تک کی آیات کے بارہ میں ابن مردویہ نے ایک طویل قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسنین رضی اللہ عنہما کی بیماری میں نذر مانی تھی کہ تین روزے رکھوں گا۔ جب صاحبزادوں کو شفا ہوئی اور روزے رکھنے شروع کئے اور کھانے کے لیے بہزار دقت شمعون خیبری یہودی غلہ فروش سے کچھ لا کر روٹیاں پکائیں، شام کو افطار کر کے جب کھانے بیٹھے اور آپ کے سامنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لونڈی فضہ بھی روزہ دار تھیں تو ایک مسکین نے سوال کیا۔ پانچوں روٹی اس کو اٹھا دیں۔ اس پر یہ آیات ان کی مدح میں نازل ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کس لیے کہ حضرات اہل بیت کرام ایسے ہی تھے مگر اول تو اس روایت کی صحت میں کلام ہے دوم اول سے آخر تک سلسلہ وار عموماً ہر انسان کی بابت کلام چلا آ رہا ہے، تخصیص کسی کی نہیں۔ ہاں اس عموم میں حضراتِ اہلِ بیت کرام بدرجۂ اولیٰ شریک ہیں۔ (تفسیر کبیر)۔

اس کے بعد ان ابرار کی جزائے خیر کا ذکر کرتا ہے۔ فقال فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس روز کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ ان پر کوئی مصیبت اور آفت اس روز نہ آئے گی۔ اور نہ صرف یہی بات کہ ان کو شر سے بچا کر نعمتوں سے سرفراز کرے گا بلکہ وَلَقّٰهُمْ

نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ان کو فرحت اور خوشی عطا کرے گا اور دیدارِ الٰہی کی فرحت سے شادمان ہوں گے۔ یہ جنت روحانی تھی اس کے بعد جنتِ جسمانی کا ذکر کرتا ہے۔ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا کہ ان کے صبر کے بدلے میں جو نذر کے وفا کرنے اور اسیروں اور یتیموں اور فقیروں کے کھلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے جنت دے گا اور اس میں ریشمی لباس پہننے کو ملے گا۔ اور نہ یہی کہ صرف ایسے کپڑے اور خوشی ملے گی بلکہ ان کے رہنے کے لیے اور بیٹھنے اور سونے کے لیے مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ چھپر کھٹ اور طلائی پلنگ ملیں گے جن پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے کس لیے کہ وہاں عرش کا سایہ ہوگا۔ آفتاب کی روشنی کی وہاں حاجت نہ ہوگی اور نہ وہاں سردی ہوگی ایک معتدل موسم ہوگا جو بہت ہی پر بہار موسم ہوگا۔ نہ خزاں کا ڈر نہ برسات کی کیچڑ نہ مچھر نہ پسو، نہ گرمی نہ سردی۔ دنیا میں جو نہایت پر بہار موسم باغوں میں ہوا کرتا ہے اور جو عمدہ ملکوں میں ہوتا ہے یہ وہاں کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا اور جنت کے سائے ان پر جھکے ہوں گے گرچہ وہاں آفتاب نہ ہوگا اور نہ اس کی دھوپ مگر اور اجرامِ نورانیہ بھی پرتو افگن ہوتے ہیں کبھی طبیعتِ انسانی ہمیشہ یکساں حالت سے گھبرا جاتی ہے اس لیے کبھی اس کے تبدل و تغیر میں سرور پاتا ہے اس واسطے ان کے لیے بڑے دراز سائے ہوں گے جن کے نیچے تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور آپس میں باتیں کریں گے اور دنیا کے تذکرے بھی آئیں گے اور بے ثمر درختوں کے سائے نہ ہوں گے بلکہ وَذُلِّلَتْ قطوفها تذليلا ان کے پھل ان کے بس میں ہوں گے۔ سایوں کے ساتھ پھل بھی جھکے ہوئے ہوں گے جن کے لینے اور توڑنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ دنیا کی ہر ایک صفت نیک ان کے لیے ایک نعمت بن کر سامنے آئے گی۔ ان کی فرحت و خوشی ان کے دل غمناک اور اندوہگیں کے خوف و خطر کا نتیجہ ہے وہاں ان میں اس کے بدلے خوشی بھر دی جائے گی اور ان کے صبر کی تپش اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا ثمرہ جنت اور نرم لباس ہے اور وہ خود خدا کے آگے جھکے ہوئے تھے وہاں جنت میں درخت میوہ دار ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ میوے ان کے اعمالِ صالحہ و معارفِ الٰہیہ اور اس کے شوق و مواعید ہیں۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾
قَوَارِيْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ
مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾
وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ
خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۖ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾
اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا شیشے بھی چاندی کے، شیشے جو ایک خاص انداز پر ڈھالے گئے ہوں گے اور وہاں ان کو پیالہ پلایا

جائے گا کہ جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی وہاں اس چشمہ میں سے بھی پئیں گے کہ جس کا نام سلسبیل ہوگا اور ان کے پاس سدا رہنے والے لڑکے (خادم) گھومتے ہوں گے۔ جب (اے مخاطب!) تو ان لوگوں کو دیکھے گا ان کو خیال کرے گا بکھرے ہوئے موتی ہیں (صفائی اور خوبصورتی میں) اور جب تو (وہاں کی نعمتیں) دیکھے گا تو تجھ کو وہاں بڑی نعمت اور شاہی ساز و سامان نظر آئے گا۔ ان (جنتیوں) پر سبز ریشمی باریک اور دبیز کپڑے ہوں گے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا (کہا جائے گا) یہ تمہارے (نیک اعمال کا) بدلہ ہے اور کوششیں مقبول ہوئیں۔

ترکیب : انیۃ جمع اناء ککساء واکسیۃ وغطاء واغطیۃ والاصل آءینۃ بھمزتین الاولی مزیدۃ للجمع والثانیۃ فاء والکلمۃ فقلبت الثانیۃ الخاء من فضۃ بیان لانیۃ واکواب جمع کوب وھو الکوز الکبیر (کوزۂ بے دستہ۔ سراح) عطف علی آنیۃ کانت قواریر الجملۃ صفۃ لاکواب والقواریر جمع قارورۃ (شیشہ) قراء نافع والکسائی قواریرا بالتنوین فی الموضعین مع الوصل ومع الوقف بالالف کسلا سلا وقرء حمزۃ بعدم التنوین فیہما وعدم الوقف بالالف بصیغۃ منتھی الجموع والثانی بدل من الاول۔ وقری برفع الثانی علی تقدیر ھی قواریر قدروھا صفۃ لقواریر عینا منصوب علی انھا بدل من کاس واذا رایت ثم ثم فی موضع النصب علی الظرف یعنی فی الجنۃ وفی مفعول رایت اختلاف قیل مقدر وقیل لا عالیھم قرء نافع وحمزہ بسکون الیاء وکسر الھاء علی انہ خبر مقدم وثیاب مبتداء موخر وقرء الباقون بفتح الیاء وضم الھاء لتحرک ماقبلھا علی انہ ظرف کانہ قیل فوقھم ثیاب فنصبہ علی الظرفیۃ۔ وقیل نصب علیھم علی الحال اما من ھم فی قولہ یطوف علیھم او من الولدان ای اذا رایتھم حسبتھم لؤلؤا منثورا فی حال علو الثیاب ابدانھم والجملۃ صفۃ اخریٰ لولدان وقریٰ علیھم خضرٌ بالرفع لغت لثیاب وبالجر لعت لسندس لکونہ اسم جنت واستبرق بالرفع عطفا علی ثیاب وحلوا اعطف علیٰ یطوف علیھم۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیان سابق کا کہ جنت میں جنتیوں کے لیے کھانے پینے کا بھی شاہانہ سامان ہوگا صرف میوؤں ہی پر بس نہ ہوگی برتن اور آبخورے اور لوٹے وغیرہ ظروف چاندی کے ہوں گے مگر چاندی جیسی چمک اور صفائی آئینہ جیسی ہوگی۔ شیشہ دنیا میں مٹی کے مادہ سے ہوتا ہے وہاں کے شیشے کا مادہ چاندی ہوگا۔ ایسی چیز دنیا میں کسی کے پاس نہیں کہ مادہ تو چاندی ہو اور صفائی میں شیشہ ہو اور پھر وہ برتن بے ڈول نہ ہوں گے بلکہ قدروھا تقدیرا ایک عجیب صنعت اور انداز سے بنائے اور ڈھالے جائیں گے اور ہر ایک برتن میں وقتِ حاجت کی رعایت ہو گی جس قدر پانی اور کھانا مطلوب ہو اور جس موقع کے لیے ہو اتنا ہی اس میں آئے۔ اور سونے کے بھی برتن ہوں گے جیسا کہ سورۂ زخرف میں آیا ہے یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ہر موقع اور محل کے مناسب کہیں طلائی کہیں نقرئی برتن ہوں گے اور یطاف میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر اوقات انہیں برتنوں کی آمد و رفت رہے گی، خادمان پر یرو لائیں گے لے جائیں گے، عیش و نشاط کا ایک تار بندھا رہے گا۔ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاتے تھے اور فقیرانہ گزر کرتے تھے اور ایسے لذیذ کھانوں کے بعد یا ساتھ کھانا جلد ہضم ہونے کے لیے وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ان کو ایک ایسی عمدہ چیز کا پیالہ پلایا جائے گا کہ جس کا مزاج اور کیفیت یا آمیزش سونٹھ کی ہوگی تا کہ حرارتِ غریزی جوش میں آئے اور عیش و نشاط کا لطف تازہ ہو۔ اور شوقِ دیدارِ الٰہی بڑھے تا کہ شوق کے بعد جو چیز ملے اس کی قدر اور لذت زیادہ ہو۔ اول مرتبہ کافوری شراب کا پیالہ پلایا جانا فرمایا تھا کہ حشر کی گرمی اور ہموم و غموم کی تپش بالکل جاتی رہے بعد شراب زنجبیل کا پلایا جانا فرمایا کہ ایک دوسری گرمی پیدا ہو جو لذات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کس لیے کہ جب انسان کی اصل گرمی کم ہو جاتی ہے تو پھر نہ ہضم جید ہوتا ہے نہ کسی مہ جبین کے وصال کا شوق باقی رہتا ہے نہ دل میں چونچلے اور اچھل کود کی امنگ رہتی ہے۔ ایک مٹی کا بے حس ڈھیر رہ جاتا ہے جیسا کہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ مگر وہ زنجبیل دنیا کی زنجبیل نہیں کہ جس میں سوزش اور کسی قدر مضرت ہو بلکہ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا وہ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ سل سبیل کے معنی ہیں پوچھ رستہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کو پی کر شوق بڑھے گا اور ساقی سے محبوب کا رستہ پوچھے گا۔ یہ دنیا میں شراب شوقِ الٰہی اور اس کی گرمی کا اثر ہے جو

خاصانِ خدا کو نصیب تھا۔ اور اس شراب کو اور ان لذیذ نعمتوں کو کون لائیں لے جائیں گے؟ وَیَطُوْفُ عَلَیْھِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ لڑکے جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا، جوان بوڑھے نہ ہوں گے، ہمیشہ اسی حالت پر رہیں گے۔ لڑکوں میں ایک شوخی شرارت ترت پھرت اور بھولا پن ہوتا ہے۔ ایسی نشاط کی مجلسوں میں ان کا کھانے پلانے میں کام کرنا عجب لطف دیتا ہے اور نیز وہ ان کے خلوت خانوں میں ان کی محبوب بیبیوں کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونے میں آجاسکتے ہیں ناگوار نہیں معلوم ہوتے نہ وہ عورت ہوتے ہیں اس لیے نہ مرد کو ان کا آنا برا معلوم ہوتا ہے۔ نہ عورت کو برخلاف جوان مرد وعورت کے اِذَا رَاَیْتَھُمْ حَسِبْتَھُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا وہ ایسے حسین اور پرنور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں اِدھر اُدھر آتے جاتے' کھڑے بیٹھے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا لڑی کے موتی بکھر گئے ہوں۔ موتی تو اس لیے کہ وہ ایسے خوبصورت ہوں گے اور بکھرے ہوئے اس لیے کہ وہ کاروبار میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہوں گے ان کے حسن اور ہرنے پھرنے کی بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں بیان کیں طلائی برتن وغیرہ کچھ انہیں پر موقوف نہیں بلکہ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا کہ جب تو دیکھنے والے جنت میں نظر کرے گا تو ہزاروں نعمتیں اور بڑی سلطنت اور شاہانہ تکلفات وتجملات دیکھے گا۔ جو دنیا میں عمدہ باغات اور سنگ مرمر کے طلائی اور جواہرات کے کام کئے ہوئے مکانات اور بڑے بڑے عیش ونشاط کے سامان اور بہاریں بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل ہیں وہ لاکھواں حصہ بھی وہاں کی نعمتوں کا نہیں جو ایک ادنیٰ سے شخص کو جنت میں ملیں گی۔

اب ان کی پوشاکوں کا حال بیان فرماتا ہے عٰلِیَھُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ کہ ان کے اوپر خلعت کے طور پر چمکنے والے اور صاف ریشم کے مہین کپڑے خضر سبز رنگ کے ہوں گے کہ ان کی سرسبزی کی دلیل ہو۔ واستبرق اور ریشم کے دبیز کپڑے بھی ہوں گے۔ کاشانی مخمل وغیرہ جس طرح دنیا میں ہے یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ شاہانہ لباس ہوگا۔ یہ ان کے صفاتِ حمیدہ ہیں جو اس روز لباس بن کر ظہور کریں گے۔ لفظ عالیھم میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کنگن پہنائے جانے کی وجہ: وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّۃٍ اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورۂ کہف میں ہے یحلون فیھا من اساور من ذھب کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، ممکن ہے کہ کسی کو سونے کے' کسی کو چاندی کے ہر ایک کی رغبت یا مرتبے کے لحاظ سے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے دوسرے وقت سونے کے پہنائے جائیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ چاندی کے خادمانِ جنت کے کنگن ہوں گے اور حلوا کی ضمیر انہیں کی طرف ہے اور اہلِ جنت کے سونے کے۔

سوال: زیور عورت کی زینت ہے مرد کے لیے عیب ہے پھر جنت میں پہنائے جانے کی کیا وجہ؟ **جواب**: اس کے جواب میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور وہاں کے خادموں اور عورتوں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانب تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لیے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے گویا ان کو پہنایا گیا۔

(۲) یہ کہ مشرقی ملکوں میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ مہذب ملکوں میں تمغہ۔ پس اسی قسم کا یہ بھی جنت میں ان کی سرداری کا تمغہ ہوگا نہ زینت کے لیے زیور۔ (۳) یہ کہ یہ کنایہ ہے ان کے ان انوارِ برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان متبرک ہاتھوں سے نیک اعمال کئے تھے۔ یہ ان کی روشنی اور نور ہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔

شرابِ طہور: وَسَقٰھُمْ رَبُّھُمْ شَرَابًا طَھُوْرًا اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔ طہور کہ جس میں نہ نشہ ہے نہ سرور اور نہ خمار۔ لافیھا غول و لاھم عنھا ینزفون وہ ان سب قباحتوں سے پاک ہوگی۔ اہلِ دل کہتے ہیں شرابِ طہور کنایہ ہے شرابِ وصال سے کہ ان کو وہاں اس معشوق ومحبوبِ حقیقی کا بے کیف وصال نصیب ہوگا جس کے نشہ میں وہ ابدالآباد مسرور رہیں گے۔ نعماءِ جسمانیہ کے بعد نعماءِ روحانیہ

کا ذکر کیا کہ اس کے آگے وہ سب ہیچ ہیں۔ اور سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ میں سقا کو رب کی طرف منسوب کرنے میں جو کچھ لطف ہے وہ اہلِ دل پر مخفی نہیں کہ وہ خود اپنے دستِ مبارک سے یہ جامِ مئے بھر بھر کر پلائیں گے پھر اس کے آگے اور کیا نعمت ہوگی؟

اہلِ ظواہر کہتے ہیں خادم پلائیں گے مگر وہ اسی کے حکم سے پلائیں گے اس لیے ان کا پلانا گویا خود اسی کا پلانا ہے۔

اہلِ جنت سے کہا جائے گا اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً کہ یہ تھی تمہاری جزا اور تمہاری دنیاوی کوششوں ایمان اور عملِ صالح اور محبتِ الٰہی کا بدلہ جو تمہارے لیے تیار تھا اس میں اطمینان دلایا جاتا ہے کہ تمہاری نیکی اور پرہیزگاری رائیگاں نہ جائے گی جیسا کہ منکر کہتے ہیں بلکہ اس کا بدلہ تیار ہے تمہارے مرکر وہاں جانے کی دیر ہے وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی اس کی قدردانی کی گئی اکارت نہیں گئی برخلاف بت پرستوں اور مخلوق پرستوں کی بیکار کوشش کے کہ وہ ان کا آگ کے آگے سر جھکانا' ٹھنڈے پانیوں میں نہانا' بتوں کے لیے نذر و نیاز کرنا' آگ میں جل مرنا' گوشت اور نعماءِ الٰہیہ کو چھوڑنا' نکاح نہ کر کے تجرد میں گدائی کر کے گزر کرنا سب رائیگاں جائے گا بلکہ اس بت پرستی اور مخالفتِ رسول پر اور الٹا عذاب ہوگا، محنت برباد گناہ لازم کیونکہ وہ محنت تعلیمِ شیطانی خدا سے روکنے والی تھی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

(اے نبی!) ہم نے ہی آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں اور ان میں سے کسی بدکار اور ناشکر کا کہنا مانا کریں اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کیا کریں اور کچھ رات سے اس کے لیے نماز بھی پڑھا کریں اور بڑی رات سے اس کی تسبیح کیا کرو۔

ترکیب: انانحن نزلنا مبتداء او خبر۔ وقال الزجاج او صفحنا اولہ من الواو لانہا بدل علی ان کل واحد اھل ان لایطاع بخلاف الواو لانہا تدل علی ان لایطاع کلاھما وجاز ان یطاع احدھما وقال الفراء او بمعنی لا کانہ قال ولا کفورا بکرۃ من اول النہار الی الزوال والاصیل من الزوال الی الغروب وھما منصوبان علی انھما ظرفان لاذکر ومن اللیل من للتبعیض والفاء دالۃ علی معنی الشرطیۃ والتقدیر مھما یکن من شیء فصل من اللیل ای فی اللیل لیلا منصوب علی انہ ظرف لسبحہ۔

تفسیر: اس سورۃ کی ابتداء میں یہ بتلایا گیا تھا کہ آدمی معدوم تھا۔ عدم سے وجود میں لایا گیا ایک قطرۂ منی سے بنایا گیا جس میں اس کی تمام قوتیں اور کل ظاہر ہونے والے اوصاف و حالات ودیعت رکھے گئے تھے جس کی طرف لفظ امشاج میں اشارہ تھا اور یہ بیکار اور عبث نہیں عالمِ ہستی میں لایا گیا بلکہ امتحان اور آزمائش کے لیے لنبتلیہ اور اس امتحان میں پورا نکلنے کے اسباب (کان، آنکھ، عقل) بھی اس کو عطا ہوئے اور عقل زیادہ کارآمد تھی اس لیے اس کو جداگانہ ذکر کیا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ پھر اس امتحان میں کچھ کامل (شاکر) کچھ ناقص (ناشکر) نکلے۔ پھر ناقصوں کی سزا مختصر سے الفاظ میں بیان کر کے کاملوں کی جزاء حیاتِ جاودانی اور وہاں کے عیش و نشاط بڑی تفصیل سے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو کہ رحمت کا پلہ جھکا ہوا ہے۔

اس کے بعد کاملوں کو چند باتوں سے جو مضر ہیں منع کرنا چاہتا ہے اور چند نافع چیزوں کے عمل میں لانے کی وہ ناصح مشفق تاکید فرماتا ہے مگر اس مشقتِ عمل کی آسانی کے لیے اول تو جزاء و سزا دارِ آخرت کی بیان فرما دی تھی۔ دوم اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاکباز جماعت کو اطمینان دلاتا ہے تاکہ بڑے فراخ حوصلہ اور اطمینانِ قلب سے عمل کریں۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا کہ

لوگوں کی آسانی کے لیے خود ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔ یہ محمد ﷺ نے از خود نہیں بنا لیا ہے نہ یہ جن کا قول ہے نہ کسی کا ہن کا۔ وہ ناقص جو اس میں شبہ کرتے ہیں اور اس کے بیانِ دارِ آخرت پر تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کس نے دیکھا ہے کیا ان کا یہ وسوسہ شیطانی جو راہِ سعادت کا روڑا ہے ٹھیک ہے یا ہمارا فرمانا جو ہم رب العالمین، علام الغیوب ہو کر اس میں تاکید سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے بے کھٹکے تم اس پر عمل کرو۔ اس کے وعدوں کے موافق ضرور حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور مخالفت سے جہنم کے تاریک گڑھے میں جاؤ گے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس اے محمد (ﷺ) اور اس کی جماعت اپنے رب کے حکم کی پابندی کر۔ یا اس حکمِ ربی کا انتظار کر جو تمہارے غلبہ کے لیے چلا آتا ہے اس کی راہ دیکھو آپ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کس نے بھیجا ہے؟ اس کے بعد دو باتوں سے منع فرماتا ہے اور دونوں کو ایک ہی جملہ میں جمع کرتا ہے۔ فقال وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا کہ تو ان میں سے کسی گنہگار بدکار کا کہنا نہ مان نہ کسی ناشکر کا۔ آثم گنہگار ہر گناہ کے مرتکب کو آثم کہتے ہیں خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ خواہ شرک خواہ کفر اور کفور ان میں سے خالص گنہگار کو کہتے ہیں جو ناشکر ہو ہر کفور آثم ہے مگر ہر آثم کفور نہیں۔ پھر بعض علماء کہتے ہیں اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کوئی ہو بعض کہتے ہیں آثم سے ولید کی طرف اور کفور سے عتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کا مصداق ایک شخص مراد ہے یعنی ابوجہل۔ ان لوگوں کی اطاعت دینی باتوں میں ممنوع ہے کس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں۔ دنیا کے طالب ہیں۔ فائدہ: یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین کی فرمانبرداری و جان نثاری اسلامی احکام کے مقابلے میں سخت ممنوع ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ فقال واذکر اسم ربك بكرة واصيلا کہ صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کرو۔ (۲) وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ اور رات میں اس کو سجدہ کیا کرو۔ (۳) وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا اور بڑی رات سے اس کی تسبیح اور تقدیس کیا کر۔ ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں: اول یہ کہ ان آیات میں نماز پڑھنا مراد ہے۔ بُكْرَةً سے صبح کی نماز اور اصیلًا سے ظہر و عصر کی نماز اور من الليل فاسجد له سے مغرب و عشاء مراد ہے اور سبحه ليلًا طويلا سے تہجد۔ دوم یہ کہ اس وقت نماز پنجگانہ فرض نہ ہوئی تھی۔ تہجد کی نماز اور رات میں عبادت کرنا تھا۔ ان آیات میں مقصود ہر حال میں عبادت کی ترغیب ہے جیسا کہ اس آیت میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذكروا الله ذكرا كثير وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا اور تسبیح و تہلیل، دعا و استغفار و سجود ہی اس وقت کی نماز تھی۔

اوقاتِ مخصوصہ میں عام مفسرین کے نزدیک مراد نمازِ پنجگانہ اور تہجد ہے۔ تہجد گو امت کے لیے فرض نہ ہو مگر مسنون ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بلفظِ امر تعبیر کیا گیا۔ لیلًا طویلًا میں اشارہ ہے کہ تمام رات سونے اور عیش و نشاط ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کا بڑا حصہ یادِ الٰہی کے لیے بھی ہونا چاہیے اور کچھ نہ ہو تو پچھلی تہائی رات کو تو اٹھ کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو نہ کہ دن چڑھے تک مدبروں کی طرح بستر پر کروٹیں لیا کرے۔

فائدہ: یہاں خدا تعالیٰ نام یاد کرنا بتلاتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقولِ بشریہ کو اس کی صفات تک رسائی ہے مگر اس کی حقیقتِ ذات تک رسائی نہیں۔ انہیں اسماء و صفات سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کو کبھی اذکر ربك سے تعبیر کیا اور کبھی وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ سے اور کبھی واذکر اسم ربك سے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾ إِنَّ

هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

بے شک یہ لوگ جلد آنے والی (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پس پشت پھینک رہے ہیں ان کو ہم نے پیدا کیا اور ان کی گرہ مضبوط باندھی اور ہم جب چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لے آسکتے ہیں یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا رستہ اختیار کر لے اور تم جب ہی چاہو گے جبکہ اللہ چاہے گا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا (اور بڑا) حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے تو اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : یذرون معطوف علیٰ یحبون وکلاھما خبران یوما مفعول یذرون وراء ھم ظرف لہ اذاشئنا شرط ومفعول شئنا محذوف یدل علیہ الجواب وھوبدلنا الا ان یشاء اللہ ای الاوقت مشیۃ اللہ والا فی حال مشیۃ اللہ والظالمین منصوب بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ ای اعد۔

تفسیر: اوقات مخصوصہ میں خدا پاک کی عبادت کرنا، تسبیح وتہلیل میں مصروف ہونا، دعا مانگنا، گریہ وزاری کرنا وغیرہ جن کا حکم دیا گیا تھا بقولہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا الخ انہیں لوگوں کا کام ہے جو دارِ آخرت کے قائل ہیں اس لیے وہاں کے لیے یہ توشہ ساتھ لیتے ہیں اور دارِ آخرت کا یقین ہی ہے جو انسان کو اس طرف ابھارتا ہے برخلاف کفار ومشرکین کے کہ وہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے نہ ان کو اس عبادت وشب بیداری میں کچھ حلاوت ملتی ہے کس لیے کہ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا یہ تو دنیا اور اس کی لذات وشہوات پر فریفتہ ہیں۔ شب وروز مال وزر زن وفرزند اسبابِ دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں انہیں باتوں میں ان کو مزہ اور حلاوت معلوم ہوتی ہے، انہیں کاموں کو کام سمجھتے ہیں اور انہی چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کو خوش نصیبی اور فوزِ عظیم جانتے ہیں اور دارِ آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اول تو اس کا یقین ہی نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے لیے تدابیر نہیں نہ کوشش ہے نہ دل میں رغبت ہے نہ طبیعت میں میلان اور ان دونوں حالتوں میں دارِ آخرت کو (جو بڑا بھاری اور مصیبت ناک دن ہے مصائب کی وجہ سے) چھوڑ نا اور پیچھے پھینک دینا ہے۔

اور ان کا یہ عذر (کہ ہم میں دارِ آخرت کی قدرت نہیں کاروبارِ دنیا سے مہلت نہیں، نماز پنجگانہ خصوصاً صبح اور عشاء اور تہجد بھلا ہم سے کیونکر ادا ہو سکتی ہے وہ سونے کا وقت ہے) محض غلط ہے کس لیے کہ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے بنیاد جسم کو مضبوط کیا ہے۔ ہٹے کٹے ہیں، نیک وبد نفع ونقصان کی سمجھ بوجھ ہے۔ بدبخت اکثر اپنی کمزوری اور ناچاری کا عذر کیا کرتے ہیں اور وہ دراصل ان کی سستی اور کاہلی سے ہوتی ہے ان کے جواب میں یہ آیت ہے۔

مگر بعض بدنصیب ازلی ہوتے ہیں، نیک کام کیسا ہی آسان ہو ان کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور برا کام کیسا ہی مشکل ہو ان پر آسان ہوتا ہے۔ ناچ تماشے میں رات بھر جاگیں، آنکھ نہ جھپکیں، عبادتِ الٰہی میں دو گھڑی بھی بیٹھ نہ سکیں۔ یہ آیت ان کے سرشت کا بھی حال بیان کرتی ہے کہ یہ بدبخت عاجلہ دنیا اور اس کے عیش ونشاط لذات وشہوات کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں کس لیے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے ان کی سرشتِ بد سے ہم خوب واقف ہیں وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ اور ان کی قوتِ شہوانیہ کو قوی کر دیتا ہے کتوں اور خنزیروں جیسی قوتِ بہیمیہ ان میں بہت رکھی گئی ہے۔ رات دن چرنے اور جفتی کرنے کے سوا انجام کار کے سوچنے اور فکر کرنے کی ان میں قابلیت ہی نہیں اور جو کچھ ہے تو مہلت نہیں اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ فذرھم یاکلوا ویتمتعوا کما تاکل الانعام والنار مثوًی لھم ایسے ناپاک اور زمین کو اپنے گھناؤنے کاموں سے گندہ کرنے والے اپنے قیام ودوام کا دعویٰ نہ کریں اور نہ اس مہلتِ چندروزہ پر نازاں ہوں کس لیے کہ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ہم جب چاہیں ان کو مٹا کر ویسے ہی (شکل وصورت وقوت میں) اور لوگ پیدا کر سکتے ہیں اور ایسا

ہی کرتے بھی ہیں قومِ نوح برباد ہو کر اور قومیں پیدا ہوئیں۔ ہر صدی پر بلکہ پچاس برس کے بعد دوسرا ہی نقشہ جم جاتا ہے۔ پہلوں میں سے صدی دو صدی کے بعد انسان تو کیا ان کے استعمال کے جانور بلکہ اکثر مکانات بھی نہیں رہتے۔ اس قرن کی کشتی بھری ہوئی عدم کے عمیق گڑھوں میں پڑی ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بستے ہوتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے بدلے اے پیغمبر! اور لوگ ہم تیرے لیے پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ عتبہ کے بدلے اس کے بیٹے حذیفہ کو اور ولید کے بدلے اس کے بیٹے خالد کو معینِ دین بنا دیا۔ امثالھم کے بعض مفسرین نے اشکالھم کے معنی بھی لیے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم جب چاہیں ان کی صورت بدل دیں، مسخ کر دیں یا فراغدستی اور اقبال سے خواری اور ذلت کی حالت میں کر دیں جس سے ان کی وہ صورت بدل جائے، ڈرتے رہنا چاہیے۔

پھر یہ قریش اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اقارب اور اہلِ وطن ہیں جب ہم نے اس کو قبول نہ کیا تو اور کوئی کیا قبول کرے گا کس لیے کہ ھٰذِہٖ تَذْكِرَةٌ یہ آیات پند و نصیحت ہیں کوئی برادری کا حصہ بخرا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ تمہارے سمجھانے کے لیے مجبور ہوں۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ پھر جو کوئی ہو عرب یا عجم، قریب یا بعید جو چاہے ان آیات سے اپنے رب تک پہنچے اور اس کی مہمان سرا جنت میں حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کا رستہ اختیار کر لے۔ خدا تعالیٰ تمام جہاں اور تمام قوموں کا خدا ہے اس کا دین بھی سب کے لیے برابر ہے سب کے لیے اس کی رحمت کی راہیں کشادہ ہیں۔ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کی کوئی خصوصیت نہیں۔

مگر یہ جاننا بھی درحقیقت اے بندگانِ خدا! تمہارے بس میں نہیں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ تم جب ہی چاہ سکتے ہو کہ جب اللہ بھی چاہے اور فائدہ، توفیق تمہیں ادھر کھینچ کر لے چلے۔ ہر چند قوت و قدرت ہر ایک میں رکھی ہے تاکہ دارِ امتحان کا معاملہ معطل نہ ہو لیکن محرک اسی کی توفیق ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے جس میں صلاحیت اور نورِ ازلی دیکھتا ہے اس کو اپنی رحمت یعنی راہِ راست پر لاتا ہے، دینِ حق سمجھاتا ہے۔ ورنہ بڑے بڑے عاقل، ہوشیار، پُرفن، پُرگو مالدار خوبصورت یوں ہی وادیٔ ضلالت میں ٹکرا ٹکرا کر مر گئے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا پڑے اور غریب کم مایہ کو کھینچ لیا۔ اس میں قریش پر تعریض ہے کہ تم نے کیا دینِ حق کو قبول نہیں کیا دینِ حق نے تم کو ردی جان کر پھینک دیا اور تمہاری سرکشی اور بدکاری کی ناپاکی نے بارگاہِ قدس میں آنے کے قابل نہ رکھا۔ اس پر بھی بس نہیں یہ تو دنیا میں تمہارے نامعقول اور مردود ہونے کی وجہ سے ہے مگر آخرت میں وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ظالموں کے لیے اس نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے مرنے کی دیر ہے۔

سورہ کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ جس میں نیست و نابود تھا پھر اس کو اس قادرِ مطلق نے منی کے قطرے سے پیدا کیا اور عقل و حواس دیے۔ پھر جس نے ان عقل و حواس سے کام لیا اپنی ابتداء و انتہا کو سوچا راہِ راست اختیار کی، وہ سعادت کی کرسی پر بیٹھا، دارِ آخرت میں حیاتِ جاودانی اور سلطنت کا مالک بنا اور جس نے ان سے کام نہ لیا لہو و لعب، لذات و شہوات میں غرق ہوا اور انبیاء علیہم السلام کا مقابل ہوا اس کے لیے عذابِ الیم تیار رکھا ہے۔

ابتداءِ کلام کو انتہاءِ کلام سے کمال ارتباط ہے اور یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اگر یہی سُورۂ مبارکہ بغور تامل دیکھی جائے تو انسان کی ہدایت کے لیے اعتقادیات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دارِ آخرت کی ترغیب روح کو اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل تشویق اور بدکاروں، سرکشوں، منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دلا کر تخویف دلائی گئی ہے اور اصولِ حسنات نماز و خیرات بھی تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان تمام مقاصد کا جب کوئی خدا ترس طبیعت دل پر نقشہ جمائے تو فوراً ایک نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ مطالبِ عالیہ کس کس دلکش عبارت میں بیان کئے گئے نہ کوئی شاعرانہ مبالغہ ہے نہ شہوات برانگیختہ کرنے والے شاعرانہ خیالات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧

قسم ہے ان (ہواؤں کی) جو خوشگوار چلتی ہیں پھر وہ تیز (وتند) چلنے لگتی ہیں اور وہ بادلوں کو پھاڑ دیتی ہیں پھر وہ ان کو پھاڑ کر بالکل الگ کر دیتی ہیں پھر ان کی جو (دلوں میں) نصیحت ڈالتی ہیں (دفع) عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

ترکیب : والمرسلت الواو للقسم عرفا مصدر فی موضع الحال ای متتابعۃ اومفعول لہ ای ارسلت للاحسان والمعروف فالعاصفات الفاء للعطف وکذا مابعدھا معطوف علی المرسلات عصفا مصدر مؤکد یقال عصف بالشیء اذا اباده واھلکہ یقال ناقۃ عصوف وعصفت العرب بالقوم ای ذھبت بھم ذکرا مفعول بہ نشرا۔ وفرقا مصدران عذرا او نذرا قیل مصدران لیکن وسطھما اویضم وقیل جمع عذیر و نذیر فعلی الاول ینتصبان علی المفعول لہ اوعلی البدل من ذکرا وبذکر اوعلی الثانی حالان من الضمیر فی الملقیات ای معذورین و منذرین انما اصلہ ان ما ما بمعنی الذی والخبر لواقع والجملۃ جواب القسم ولذا صدرت بان للتاکید۔

تفسیر : یہ سورہ حسن وعکرمہ وعطاء و جابر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور جمہور کا اسی طرف رجحان ہے۔ قتادہ کہتے ہیں مگر یہ آیت وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ مدینہ میں نازل ہوئی اور بخاری و مسلم کی وہ روایت جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے اسی کی مؤید ہے وہ یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے کہ سورۂ مرسلات نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے لے رہا تھا اور ہنوز آپ کا دہن مبارک تر ہی تھا کہ ایک سانپ ہم پر کود پڑا۔ آپ نے فرمایا اس کو مارو ہم مارنے دوڑے لیکن وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو حق سبحانہٗ نے تم سے بچالیا جس طرح تم کو اس سے بچالیا۔

اور شیخین وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں اس سورہ کو پڑھ رہا تھا ام الفضل نے سن کر کہا اے فرزند! تیرے اس پڑھنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ اخیر جو کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا وہ یہی سورۃ تھی کہ آپ اس کو مغرب کی نماز میں پڑھ رہے تھے۔

ربط اس سورہ کو سورۂ دہر سے یہ ہے کہ ابتداء میں کافروں کے لیے عذابِ شدید کی نذیر تھی۔ بقولہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا اور اس کے اخیر میں ظالموں کے لیے عذابِ الیم تیار کرنا فرمایا ہے۔ کفار کو اس عذاب میں شک تھا کس لیے کہ دنیا میں اس کا ظہور نہیں تھا آخرت کے منکر تھے اس سورہ میں چند چیزوں کی جو اس کے کمالِ قدرت کے نمونہ اور تغیراتِ عالم کے اسباب ہیں قسم کھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اس عذاب کا گھر اور موقع دارِ آخرت ہے نہ دارِ دنیا۔ الحاصل اس سورہ میں مسئلۂ معاد پر کلام تمام کیا تھا۔ اس سورہ کی ابتداء میں مسئلہ معاد کو ایک نئے اسلوب سے ثابت کیا اور نئے نئے اسلوب سے ایک مدعا کو بار بار دلکش عبارت میں بیان فرمانا دلوں پر نہایت اثر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مضمون کو متعدد سورتوں میں اعادہ کیا گیا ہے۔ والمرسلات عرفا الخ اس سورہ میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمایا ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے دارِ آخرت میں منکروں کے لیے ان کے اعمالِ بد پر عذاب اور نیکوں کے لیے اعمالِ صالحہ پر ثواب یہ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں۔ یہ مسئلہ کہ روح جسم چھوڑنے کے بعد ایک

خاص پیکر میں باقی رہتی ہے اور اس کو جسمانی وقت کی باتیں یاد رہتی ہیں اور اس کے دنیاوی اعمال واعتقادات اس کے سامنے عذاب وثواب' رنج وراحت بن کر پیش آتے ہیں جمیع اہلِ ادیان کے نزدیک ثابت ہے البتہ دہری اور کچھ جہلاء اور ناتربیت یافتہ دماغ اس کے منکر ہیں اور تھے جیسا کہ عرب کے جاہل اور قریشِ مکہ اسی وجہ سے ان کے مقابلہ میں اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے اور اس سے زیادہ جہلاء کے نزدیک جو دروغگوئی کو عیب سمجھتے تھے اس شخص سے جس کی نسبت ان کو راست بازی کا پورا یقین تھا اور کوئی صورت یقین دلانے کی نہیں۔

ان پانچ چیزوں میں قدماء مفسرین کے کہ جن میں جلیل القدر صحابہ و تابعین بھی ہیں مختلف اقوال ہیں ملائکہ مراد ہیں۔ اول قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ملائکہ ہیں۔ مرسلات عرفاً وہ فرشتے جو وحی کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام پر لگا تار بھیجے گئے۔ (عرفاً ای ارسالاً متتابعاً یتبع بعضہا بعضا کعرف الفرس[1]) یا عرفا کے معنی میں نیکی اور بھلائی کے لیے (ضد النکر وانتصابہ علی ھذا الوجہ علی انہ مفعول لا جلہ) یعنی انتظام دنیا اور مصالحِ دینی کے لیے ملائکہ جو بھیجے جاتے ہیں اور ان سے تدابیر وابستہ ہیں ہم ان کی قسم کھاتے ہیں فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا پھر ان ملائکہ کی قسم جو ہلاک کرتے اور عالم میں تغیرِ عظیم پیدا کرتے اور تہلکہ ڈال دیتے ہیں۔ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلاتے ہیں کھول کر۔ دنیا میں جو امور آیندہ مخفی ہوتے ہیں ان کے اظہار اور نشر کے لیے ملائکہ کی ایک جماعت ہے اقبال و بداقبال قحط و ارزانی تمام امورِ مخفیہ جو ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ قضاء وقدر نے ان کے لیے ملائکہ معین کر رکھے ہیں ان میں ادیانِ حقہ اور وحی کا پھیلانا بھی آ گیا۔ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا پھر ان فرشتوں کی جو ہر ایک معاملہ میں فرق و امتیاز کر دیتے ہیں مذاہبِ حق و باطلہ میں' فاتح و مفتوح قوموں میں' سعادت مندوں اور نحسوں میں' فریبیوں اور خدا پرستوں میں فرق کرنے والے اور اسی طرح عہدِ جوانی' بڑھاپے اور لڑکپن اور حیات و ممات اور ایک قرن سے دوسرے قرن میں فرق کرنا ظلمات کو نور سے الگ کرنا اشیاءِ عنصریہ میں قوتِ نامیہ کے ہر ایک کام میں اور اسی طرح اجزاءِ متشابہ انسان وحیوانات ونباتات میں فرق کر کے پتے اور پھول اور شاخ وثمر کو جدا کر دینا اور ہر ایک کو اس کے خواص و کمال میں دوسرے سے امتیاز دینا اسی طرح انسانی نطفہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا پھر اسی میں سے سر اور پاؤں ناک اور آنکھ وغیرہ اجزاء جدا جدا نمودار کرنا سب اسی جماعت کے متعلق ہے ان کی بھی قسم کھاتا ہے فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا عُذْرًا أَوْ نُذْرًا پھر ان فرشتوں کی قسم جو مخلوق کی تکمیل کے بعد ان میں ذکر ڈال دیتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی اور اپنے خالق کے وجود و قدرتِ کاملہ پر گواہی دینا بھی ذکر ہے پھر یہ ذکر دو قسم پر ہے غیر اختیاری جس کو تسبیح قہری کہتے ہیں۔ یہ ذکر ان ملائکہ نے ہر مخلوق کی سرشت میں ڈال دیا ہے۔ نباتات' حیوانات' پرند و چرند' وحوش وطیور سب اسی کے ذکر میں مصروف ہیں ۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند درے معنی کہ گوش است

دوسری قسم ذکرِ اختیاری ذوی العقول کا جیسا کہ اہلِ ایمان انسان وجن و ملائکہ وان باخدا مسلمانوں کے دل میں اس کا ذکر القاء بھی ملائکہ کی طرف سے ہے۔ ان کے حق میں بازپرسِ آخرت سے یہ ذکر عذر ہو گا اور نجات پائیں گے اور یہی ذکر اس سے غافل رہنے والوں کے لیے عذابِ آخرت کا ایک خوفناک پیغام یا تنبیہ ہے۔ یا یہ کہ ذکر سے مراد قرآن و وحی ہو اور ذکر کا اطلاق قرآن و وحی پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ان آیات میں ص والقرآن ذی الذکر وانہ لذکر لک ولقومک۔ وہذا ذکر مبارک تب یہ معنی ہوں گے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو قرآن لاتے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور قرآن ماننے والوں کے لیے عذر ہے یعنی اس کے سبب وہ جمیع

---

[1] عرف الفرس گھوڑے کی ایال یعنی اس کے گردن کے بال اور اسی طرح عرف الدیک مرغ کا تاج۔ گھوڑے کی ایال میں بال مجمع ہوتے ہیں اور ایک قطار سے یکے بعد دیگر ہوتے ہیں گویا یہ لفظ اس محاورہ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲ منہ

معاذات سے معذور اور مغفور ہوں گے اور نہ ماننے والوں کے لیے نذر و خوف و اتمامِ حجت ہے۔
ان پانچ اقسام کے فرشتوں کی قسم کھانے میں عالم کی آفرینش اور ہر چیز کے وجود کی ابتدائی حالت اور پھر اس کی قوت و کمال تک پہنچ جانے کی نہایت اور پھر ممکنات کے اکتسابِ خیر و شر اور اس کے بعد تک کی حالت اور پھر بقاءِ عالم کے اسباب اور ہر چیز کی نشوونما کی کیفیت کہ عالمِ عدم سے عالمِ ظہور میں ایک چیز کیا کیا صورتیں پیدا کرتی ہے اور اس پر کیا کیا انقلابات ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ دارِ آخرت کی تیاری (جو ہوشیار کے لیے عذر اور اس سے غافل کے لیے نذر ہے) کس عمدہ اسلوب میں بتائی گئی ہے۔ ان سے ہوائیں مراد ہیں۔ دوسرا قول جمہور مفسرین کا ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوا ہے۔ ہر چند فرشتے مخلوق میں عمدہ اور بہتر ہیں مگر ہوا کو بھی اس عالم کی بقاء اور فنا اور کاروبار میں عجب دخل ہے۔ سننا' دیکھنا، چکھنا، ٹٹولنا، سونگھنا ہوا ہی پر موقوف ہے کس لیے کہ آواز جب متکیف ہوتی ہے تو ہوا کے ذریعہ سے کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے اور دیکھنے میں شعاع آنکھوں سے نکلتے ہیں اور ہوا چونکہ عنصرِ لطیف ہے ان کا حائل نہیں اس لیے چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور سونگھنے میں ہوا ہی متکیف ہو کر ناک کے رستہ سے وہ کیفیت پہنچاتی ہے اور چھونے میں بھی ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ حرارت و برودت رطوبت و یبوست اشیاء کو مسام میں سے گھستی ہے اور نیز اندرونی کیفیت ہوا ہی کے ذریعہ سے جلد تک پہنچتی ہے اور تیز ہوا ہی پر جانداروں کی زندگی کا مدار ہے۔ سانس بند ہوا اور مرا اور نباتات کی بالیدگی وغیرہ بھی ہوا ہی کے ذریعہ سے ہے۔ دریا میں کشتیوں کو ہوا ہی لیے پھرتی ہے اور ہوا میں لطافت بھی ہے اس وجہ سے اس کو فرشتوں سے کمال مناسبت ہے۔
پس وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا سے وہ ہوائیں نرم نرم مراد ہیں جن کے چلنے سے دل خوش ہوتا ہے اور انہیں سے روئیدگی ہوتی ہے اور ابر اٹھتا ہے اور عَاصِفَاتِ عَصْفًا سے مراد آندھیاں اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلاباتِ عظیم پیدا ہوتے ہیں۔ دریا میں طوفان ہوتا ہے، صحرا میں درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں، درخت پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ لفظ فا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ نرم نرم چلنا اور سخت چلنا یکے بعد دیگر ایک ہی چیز کا کام ہے اور دونوں ایک ہی چیز کے ہر دو وصف ہیں۔ نرم نرم چلنے کے بعد وہی ہوا تند اور تیز ہوتی ہے اور اس کی یہ حالت بتلاتی ہے کہ دنیا میں انقلاب ہے اور نیز جو راحت کا سامان ہے وہی آفت بن جاتی ہے۔ مال اولاد عورت وغیرہا تمام اسبابِ عیش و فرحت میں یہی بات ملحوظ ہے۔ وَالنّٰشِرَاتِ نَشْرًا قسم ہے ان ہواؤں کی کہ جو دنیا میں پھیلاتی ہیں۔ بادلوں کو بھی ہوا ہی پھیلاتی ہے اگر نہ پھیلیں اور لگا تار ایک ہی جا برسے جائیں تو طوفان برپا ہو جائے اور نیز ہر چیز کے اجزاءِ لطیفہ کو ایک جاء سے دوسری جاء لے جاتی ہے۔ کارخانہ جمع و تالیف' نقل و تحویل' کیفیاتِ اجزاءِ لطیفہ اشیاء کا جس پر ایجاد و احداثِ اشیاء عجیبہ مربوط ہے' ہوا ہی پر منحصر ہے۔ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا پس قسم ہے ان ہواؤں کی جو بالکل جدا کرتی ہیں۔ یہ بھی ہوا کا کام ہے کہ دانہ کا گھاس سے جدا کرنا اور پانی کا کدورت سے صاف کرنا اس کے سبب سے ہے اور اجزاءِ نباتیہ و حیوانیہ کا باہم جدا ہونا ہوا ہی کے نشوونما سے ہے۔ سبز و ترشی کے اجزاء بھی ہوا ہی جدا کرتی ہے۔ متکبروں اور پر غرور اجسام کے اجزا مرنے کے بعد ہوا ہی اڑاتی ہے، سرِ پُرغرور کے اجزاء کہیں پڑے ہوتے ہیں اور نازنین ہاتھوں کے کہیں۔ اس میں بھی انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح جمع و تالیف ہواؤں کے وسیلے سے تھا تفریق و انتشار بھی آخر انہیں کے سبب سے دیکھ لیا یہاں بھی فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ناشرات اور فارقات ایک ہی چیز کے دو وصف یکے بعد دیگر ہیں۔ وہی ناشرات بعد میں فارقات ہو جاتی ہیں جس ہوا کی تازگی سے سرور وان اور دلکش صورت لیے پھرتے ہیں آج اسی نے اس کے ریزے اِدھر اُدھر بکھیر دیے ؎

صباء نے اس کے کوچے سے اڑا کر خدا جانے ہماری خاک کیا کی

غبار کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ذرے کس کس جسم کے ہیں ان پر حیات میں کیا کیا بہاریں تھیں؟ فالملقیات ذکراً پھر قسم

ہے ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔ذکر سے مراد کلام اللہ کا وجودِ لفظی ہے کہ جس کو قرآنِ متلو کہتے ہیں۔اس ذکر کے پہنچانے میں ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو آواز کو عارض ہوتی ہے اور پھر ہوا کے ذریعہ سے کان میں پہنچتی ہے۔پس یہ ہوا لوگوں کے کانوں میں قرآن پہنچانے کے لیے ایک خادم ہے اور حقیقت جبرئیل علیہ السلام کا ایک شعبہ ہے اور اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر موکل ہیں۔اس ذکر کے کانوں میں پہنچنے سے ایک تغیر اور انقلابِ عظیم پیدا ہوتا ہے پھر یا سعادت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر روح نے اس کو قبول کرلیا اور یا شقاوت کی طرف مائل ہوگیا اگر قبول نہ کیا۔جیسا کہ فرماتا ہے عذرا یعنی کلامِ الٰہی کا پہنچانا یا اس لیے ہے کہ وقت باز پرس کے وہ کہے کہ یہ کام میں نے خدا کے فرمودہ کے موافق کیا اور یہ کام اس کے فرمانے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔بہر حال اس کے عذر اور سند اور دست آویز ہے۔یہ عذر ہونا خاص اس کلام الٰہی کی بابت ہے جو متضمن اوامر ونواہی یا اعتقادیات ہو جیسا کہ ذات وصفات کے متعلق اور تمام کی نسبت بھی ہوسکتا ہے۔کس لیے کہ قصص وحکایات میں تصدیق کے سوا عبرت ونتائج حاصل کرنے کا بھی موقع دیا جاتا ہے اور نذراً اور شقی ازلی ہے تو اس کو کلامِ الٰہی محض ڈرانے کے لیے سنایا جاتا ہے۔

اور ان پانچوں قسم کی ہوا میں ملائکہ منتظمانِ عالم کی ہر ایک صفت کی رعایت بھی ملحوظ ہے کس لیے کہ صفت اول مرسلات عرفا میں حقیقتِ میکائیلی ملحوظ ہے کیونکہ پرورشِ عالم انہیں کے متعلق ہے اور منجملہ اسبابِ پرورش کے ہواؤں کا نرم نرم چلنا بھی ہے جن سے نشو ونمائے ابدان ہوتا ہے اور صفتِ دوم عاصفات میں حقیقتِ عزرائیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ عالم کا درہم وبرہم کرنا یا انقلابِ عظیم انہیں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس انقلاب کے اسباب میں سخت ہواؤں کا چلنا بھی ہے جو بڑے بڑے نشانوں کو مٹاتی ہے اور صفتِ سوم و چہارم ناشرات و فارقات میں صفتِ اسرافیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ نفخِ ارواح کے ابدان میں اور نیز حق و باطل میں امتیاز اور نیز دنیا میں ارواح کو ابدان سے متعلق کرنا انہیں کے سپرد ہے۔یہ ہوائیں بھی انہیں کے کام میں کارآمد ہیں صفتِ پنجم فالملقیات ذکرا حقیقتِ جبرئیلی کا شعبہ ہے چونکہ یہ صفت بلند مرتبہ ہے اس لیے فاءِ تعقیب اس پر لائے۔گویا یوں فرمایا کہ صفاتِ سابقہ کے بعد اس صفت کی قسم کھاتے ہیں بخلاف فاءِ تعقیب فالعاصفات فالفارقات کے کس لیے کہ وہ تعقیب ایک فعل کی دوسرے فعل کے لیے ہے نہ تعقیبِ قسم کے لیے گویا تین چیزوں کی قسم ہے اول نرم نرم چلنے اور سخت چلنے والی ہواؤں کی دوم پھیلانے اور فرق کرنے والی ہواؤں کی سوم ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔

تیسرا قول : تیسرا قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے ایک قسم کی چیزیں مراد نہیں بلکہ متعدد پھر اس میں کئی قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ پہلی چاروں چیزوں سے ہوائیں مراد ہیں اور پانچویں سے ملائکہ جو ذکر یعنی کلامِ الٰہی دنیا میں لاتے ہیں۔بعض کہتے ہیں اول دونوں صفات سے مراد ہوائیں اور اخیر تینوں سے ملائکہ۔اور ملائکہ وہوا میں کمال مناسبت ہے لطافت کی وجہ سے۔فراء کہتے ہیں کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد آیاتِ قرآنیہ ہیں کہ اہلِ ایمان کے دل کو نرم کرتی ہیں پے در پے نازل ہوئی ہیں۔کفار ومشرکین پر آندھی کا اثر رکھتی ہیں اور آثارِ ہدایت و انوارِ سعادت کو جہان میں منتشر کرتی ہیں۔پھر اہلِ حق و باطل میں فرق ظاہر کر دیتی ہیں پھر ایمانداروں کے دل میں یادِ خدا پیدا کرتی ہیں اگر عمل کیا تو حجت ہیں ورنہ خوف کا پیغام۔بعض سب سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد لیتے ہیں۔حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ مرسلات عرفاً سے مراد دواعی والہاماتِ ربانیہ ہیں کہ سالک کے نفع کے لیے پے در پے اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں اور عاصفات سے مراد جذب و کششِ الٰہی کے جھونکے ہیں کہ اس کے دل کو جب ماسوائے اللہ سے اکھیڑ دیتی ہیں اور ناشرات سے مراد اشغال واذکار ہیں کہ تمام جوارح میں انوار پھیلا دیتی ہیں اور فارقات سے مراد وارداتِ الٰہیہ ہیں کہ وجودِ ناسوتی کو فنا کرکے وجودِ حقیقی اور مجازی میں فرق کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکرا سے علوم ومعارف ہیں جو بقا حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں محبت کے طریق سے جو عذر ہے یا خوف کے طریق سے جو نذر ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝۱۲ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝۱۳ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۝۱۴ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۵ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۶ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۸ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝۱۹

پھر (وہ کب ہوگا) جب ستارے ماند ہو جائیں گے اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جبکہ رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے کس دن کے لیے دیر کی گئی فیصلہ کے دن کے لیے اور تو کیا جانے کیا ہے فیصلہ کا دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے پہلوں کو غارت نہیں کر دیا پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لاتے ہیں، ہم گنہگاروں سے ایسا ہی کیا کرتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

ترکیب : فاذا ھذہ ومابعدھا کلھا شرط وجوابھا محذوف تقدیرہ بان الامراوفصل طمست یقال طمس الشیء اذا درس وذھب اثرہ نسفت یقال نسفت الشیء والمنسفۃ اذا اخذتہ بسرعۃ وقیل جعلت کالحب الذی ینسف بالمنسف[1] قال المبرد نسفت قلعت من مواضعھا اقتت الھمزۃ بدل من الواو المضمومۃ وکل واو مضمومۃ بضمۃ لازمۃ یجوز ابدالھا بالھمزۃ وقد قری بالواو لای یوم اجلت الامور او الرسل الجملۃ استفھامیۃ والاستفھام للتعظیم والتعجب مقولۃ یقول مقدرا ای یقال۔ قیل ھو جواب لاذا للمکذبین خبرہ وکررت ھذہ الآیۃ فی ھذہ السورۃ عشر مرات علی تعداد مستحقی الویل ثم نتبعھم الجمھور علی الرفع ای ثم نحن نتبعھم ولیس بمعطوف لان العطف یوجب ان یکون المعنی اھلکنا الآخرین بعد الاولین ولیس کذلک۔

تفسیر...... **اول علامتِ قیامت** : یوم جزا کے واقع ہونے کی خبر دے کر اس کے علامات و اسباب بیان فرماتا ہے۔ فقال فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ جبکہ ستارے بے نور ہو جائیں یا اکھڑ جائیں اسی بات کو ایک جگہ یوں فرمایا ہے اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ کہ جب ستارے دھندلے ہو جائیں ان کی روشنی جاتی رہے اور ایسا ہی ہوگا۔ بھی اول بے نور ہو جائیں گے جس طرح مرنے سے پہلے انسان کی تازگی جاتی رہتی ہے اس کے بعد گر پڑیں گے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ جبکہ ستارے جھڑ جائیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا کہ جب ان کا مدبر یا روح یا نفس یا فرشتہ موکل ان سے الگ ہو جائے گا جو ان کو حرکت دے رہا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بدنِ انسانی کے لیے روح یا نفسِ ناطقہ اس کا علیحدہ ہونا ہے کہ ان کا مردہ اور بے نور ہو کر گر پڑتا ہے۔ **دوسری علامت**: وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں۔ فلسفۂ قدیم کے نزدیک آسمان اور ستاروں کا گرنا اور پھٹنا محال ہے جن دلائل کے بھروسے پر حکماء نے یہ کہا ہے ان کا نقص علمائے کلام نے ثابت کر دیا ہے۔ فلسفۂ حال کے نزدیک آسمان کوئی چیز نہیں ایک فضائے وسیع ہے جس میں ستارے اور ماہتاب لاکھوں کوسوں کے فاصلے پر ایک خاص مدار پر حرکت کرتے ہیں اور مشتری ایسا جلد رفتار ہے کہ ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتا ہے اور یہ اجرام علویہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور زمین بھی ان کے رہنے والوں کو ایک چھوٹا سا تارہ حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے۔ **فلاسفۂ حال و قدیم کا رد**: مگر ان کے نزدیک ان سب باتوں کا موجد و محرک مادہ ہے جس کو وہ قدیم کہتے ہیں جو نہ دکھائی دے سکتا ہے نہ کسی حس سے محسوس ہو سکتا ہے مگر جب الہامی عقل کی دوربینِ صافی سے صحیح النظر ذرا بھی دیکھے گا تو فوراً ایمان لے آئے گا کہ یہ مادہ کا کام نہیں کس لیے اگر مادہ ہی سب

[1] چھاج پھٹکنے والا ۱۲ منہ

باتوں کی علتِ فاعلیہ ہے تو مادہ سب کا یکساں ہے پھر اس نے سب جا یکساں کام کیوں نہیں کیا۔ اور سب کو ایک صورت کیوں نہیں دی اور پھر صورت اور مادہ دونوں غیر عقل و غیر مدرک ہیں ان میں اس نظام قائم کرنے کی کیا عقل کہ ہزاروں برسوں سے یہ کارخانہ چلا آتا ہے۔ کوئی ستارہ دوسرے سے ٹکرا نہیں جاتا اور غیر محسوس چیز کے تم قائل نہیں۔ پھر قائل ہوئے تو کیوں نہیں دو چار قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھتے کہ وہ غیر محسوس سب کا موجد مادہ کا تقسیم کرنے والا نئی نئی صورتیں پہنانے والا خدا تعالیٰ ہے اور جس فضاءِ وسیع کو تم مانتے ہو وہی آسمان ہے اور یہ بات کہ لطافت کی وجہ سے اس کا جسم کماینبغی تم کو کسی دوربین سے محسوس نہیں ہوتا نہ ہوگا پھر کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ خالق ان ستاروں کو باہم ایک وقت ٹکرا کر چورا چورا کر دے اور آسمان پھٹ جائے؟ بے شک ممکن ہے۔

تیسری علامت: واذا الجبال نسفت کہ جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور زمین سے اکھڑ جائیں۔ قیامت کے دن جو پہاڑوں پر واقع گزرے گا اس کا قرآن مجید میں متعدد الفاظ میں بیان ہوا ہے ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزلۂ عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چورا چورا ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا ہے وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ پھر اس چورا ہونے کے بعد اس زبر زیر ہونے سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا و کانت الجبال کثیبا مھیلا اور فرمایا فکانت ھباءً منبثاً پھر ہوا کی شدت اور تموج سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا جیسا کہ فرمایا وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رنگتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی جیسا کہ فرمایا وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا ویوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ یہ تینوں علامت نفخ صور کے بعد ہوں گی یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا اس کے بعد خدا تعالیٰ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا کر دے گا اور بنی آدم زندہ ہوں گے اور حساب کے لیے دربار قائم ہوگا۔ اب اس وقت کے حالات بیان فرماتا ہے فقال وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جبکہ رسولوں کے لیے میدانِ حشر میں وقت مقرر کیا جائے تاکہ باری باری ہر ایک رسول اپنے وقتِ مقررہ پر اپنی اپنی امت کی کوشش کرے (ان سب شرطوں کا جواب جو لفظ اذا سے مذکور تھیں محذوف ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے) وہ یہ کہ جب یہ باتیں ہوں گی تب وہ عہد پورا ہو جائے گا جو تم سے رسول حساب و کتاب کی بابت کرتے ہیں اور تم اپنی غفلت یا حُبِ دنیا اور لذات و شہوات کی کوری سے انکار کرتے ہو۔

اس بیان کو سن کر بھی منکرینِ قیامت یہ کہتے تھے کہ پھر کس دن کے لیے دیر کی گئی ہے لای یوم اجلت کہ کس دن کے لیے ان باتوں کے آنے میں دیر کی گئی ہے کیوں ابھی نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِيَوْمِ الْفَصْلِ کہ فیصلہ کے دن آنے کے لیے دیر کی گئی ہے جب وہ دن آئے گا تو یہ سب چیزیں واقع ہوں گی اور اس دن کی تاخیر کا راز ایسا نہیں کہ تمہاری ناقص سمجھ میں آجائے۔ اس مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ کہ اے مخاطب! تو اس فیصلہ کے دن کی حقیقت کیا جانے اور کیا کیا اسرار اس کی تاخیر میں ہیں؟ اور یوں بھی اس عالم کی تخریب اور بارِ دیگر بناء تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ دن مصیبت کا ضرور آنے والا ہے جس میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ہو سکے تو کچھ اس کا بندوبست کرو۔

اعادۂ ویل کی وجہ : واضح ہو کہ یہ جملہ اس سورہ میں دس جگہ ارشاد ہوا ہے اس کی وجہ چند ہیں۔ اول یہ کہ فصحاءِ عرب اپنے کلام میں چند جملوں کے بعد ایک خاص جملہ بولتے تھے پھر چند جملوں کے بعد اسی کا اعادہ کرتے تھے اور یہ جملے گویا اس کے ادلۂ متعددہ ہوتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر ہر بار اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مخمس و مسدس میں ہر بار اخیر میں وہی مصرعہ یا شعر ذکر کیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ ان منکرینِ قیامت کو دس وجہ سے اس روز مصیبت پیش آئے گی۔ ہر ایک وجہ کے لیے اس کلام کا اعادہ کیا گیا۔ واضح ہو کہ انسان میں مبدءِ فیاض نے تین قوتیں رکھی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فساد سے شقاوت دارین نصیب ہوتی ہے۔ اول قوتِ نظریہ جس پر اعتقادات و

ادراکِ صحیح کا مدار ہے کفار نے اس کو بگاڑ رکھا تھا کئی وجہ سے اول خدا کی ذاتِ پاک دائم اس کی صفات میں بیہودہ خیالات پیدا کر رکھے تھے۔ دوم ملائکہ کرام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مستقل مالک ہیں۔ سوم مرکر بارِ دیگر جینے اور اعمال پر حساب ہو کر حشر میں جزاوسزا کے منکر تھے۔ چہارم مخلوقات کو قضاء وقدرت میں شریک جانتے تھے۔ پنجم حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتبِ الہامیہ کا انکار اور ان کے اوامرِ عبادت وصلہ رحمی سے سرتابی تھے۔ دوسری قوتِ شہویہ ہے اس میں افراط اس درجہ تھی کہ بہائم کی حد تک پہنچ گئے تھے اور تفریط بھی تھی کہ حلال اشیاء کو حرام جانتے تھے یہ دو وجہ ہوئیں۔ تیسری قوتِ غضبیہ ہے۔ اس میں بھی افراط یہاں تک تھی کہ ظلم وتعدی میں درندوں میں بڑھ کر تھے اور تفریط بھی یہاں تک تھی کہ محارم الٰہیہ اور اس کی گستاخی میں دست درازی کرنے والے پر غصہ تو کیا جوں بھی کان پر نہیں چلتی تھی۔ یہ بھی دو وجہ ہوئیں۔ پس یہ دس سبب ان میں ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کی وجہ سے ویل کے مستحق تھے اور اسی لیے قیامت میں ہر ایک سبب کے بدلے ایک قسم کا عذاب ہوگا اس لیے دس بار یہ جملہ آیا یا یوں کہو کہ اس طرح سے ویل ہوگا خواہ اس کا سبب ایک ہو یا متعدد۔

واضح ہو کہ ان کے دس عذابِ مذکورۂ بالا میں سے بعض کا یہاں ذکرِ ضمنی کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ قیامت کی بابت ان کو سخت انکار تھا اور کہتے تھے کہ بھلا یہ تو دیکھا اور سنا بھی گیا ہے کہ ایک حادثہ ایک مکان یا شہر یا خاندان پر آیا اور وہ برباد ہوا مگر یہ نہیں کہ تمام دنیا اور آسمان وزمین سب ایک بار برباد ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کر دیا ہے؟ اپنے سے سو دو سو برس پہلے کے لوگوں کو خیال کرو اور ان کے اسبابِ معاش اور مکانوں کو بھی غور کرو۔ اس تمامی دنیا میں سے اب کوئی ایک بھی باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ پھر یہ سب مخلوق فنا ہو گئی یا نہیں اور اسی طرح تمہارے بعد آنے والے اور تم فنا ہو جاؤ گے ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ان کے پیچھے لگاتے ہیں ہم فنا ہونے میں پچھلوں کو کہ پچھلے قرون بھی یوں ہی ہلاک ہوں گے كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ یہاں تک کہ پچھلے قرنوں میں قریب قیامت کے کوئی نیک بندہ باقی نہیں رہے گا جو قیامت برپا ہونے میں حاجب ہو سب بدکار اور گنہگار ہی رہ جائیں گے جس طرح کہ پہلے اور بعد کے قرنوں کو ہم نے فنا کر دیا یکبارگی ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ صور پھونکنے سے۔ بس یہی سلسلہ قیامت کا ہے جس کا ایک سرا اب بھی موجود ہے اور پہلے سے چلا آتا ہے پھر اس میں شک وشبہ کی کیا بات ہے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے کفارِ قریش! تم اپنے زور وزر پر غرور کر کے کیوں حکمِ آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت وشوکت میں تھے عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں ہم نے پچھلوں کو ہلاک کیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے قومِ ثمود کو ہلاک کیا اور قریاتِ لوط علیہ السلام کو الٹ دیا۔ ہماری عادت ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں پھر تم کیا چیز ہو جو اس سرکشی اور مقابلہ میں ہمارے سامنے ٹھہرو گے؟ اس میں ان کفارِ قریش کو اور ان جیسے اور بدکار لوگوں کو رب العالمین کی طرف سے ایک اعلانِ ہلاکت ہے جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہیے۔ کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی رہی اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔

اس دن سے پہلے ہر عاقل کو درست ہو جانا چاہیے کس لیے کہ اگر وہ روز آ گیا تو پھر وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز اس دن کے جھٹلانے اور اس سے غافل رہنے والوں کی خرابی ہے۔ وہ کیا؟ عذابِ الٰہی جس میں نئی قسم کا دکھ ہوگا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی کی بوند سے نہیں بنایا پھر اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم) میں رکھا ایک اندازہ معلوم تک رکھا ہم قادر ہیں پھر ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں بلند پہاڑ کھڑے کئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔

ترکیب : الیٰ قدر الجار متعلق بجعلنا بمعنی اثبتناہ فقدرنا قرء نافع وعبداللہ بن عامر بالتشدید والباقون بالتخفیف علی الاول من التقدیر (اندازہ کردن) وعلی الثانی من القدرۃ کفاتا قیل ھو جمع کافت کالصائم والصیام وقیل مصدر مثل کتاب وحساب والتقدیر ذات کفت ای جمع۔ ومعنی الکفت فی اللغۃ الضم والجمع یقال کفت الشیء ای ضممتہ ویقال جراب کفیت وکفت اذا کان لایضیع شیئا مما یجعل فیہ وقال صاحب الکشاف ھو اسم ما یکفت کقولھم الضمام والجماع لما یضم ویجمع احیاءً وامواتًا منصوبات اما علی انھما مفعول کفات ای الم نجعل الارض کفات احیاءٍ وامواتٍ فاذا نون نصب ما بعدہ واما علی انھما المفعول الثانی لجعلنا ای بجعلنا بعض الارض احیاء بالنبات وکفاتًا علی ھذا حال واما علی انھما حالان من الارض او من الضمیر بتقدیر تکفتکم احیاء وامواتا شامخات الرواسی الثوابت والشامخات الطوال وکل عالٍ فھو شامخ۔

تفسیر : منکرینِ حشر ونشر کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ اخیر وہ مرکر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس کے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں پھر ان کا باہم جمع کرنا اور بدستور اول اس قالب میں سینکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد جان ڈالنا اور اس کی زندگی چندروزہ کے حالات، افعال واقوال یاد کرانا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً قرآن کہتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کو جس کا منشا غلط فہمی تھی انسان کی ابتدائی حالت سے ثابت فرماتا ہے اور اس ابتدائی حالت پر ان کو یقین تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو یقین ہے۔

انسانی توالد وتناسل کا حیرتناک حال: فقال اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کہ کیا ہم نے تم کو اے بنی آدم ذلیل اور بے قدر اور بدبودار پانی سے نہیں بنایا یعنی منی سے؟ اس کو سب مانتے ہیں اور مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی آفرینش منی سے ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ منی کن کن غذاؤں سے بنی ہے اور کس طرح سے اس حکیمِ مطلق نے انسان کے تمام ہضمون اور متعدد استحالوں کے بعد یہ قطرہ بنا کر اس کے محل میں تیار رکھا ہے۔ پھر دوسری بات قابلِ عبرت یہ ہے کہ اس قطرہ میں تمام وہ قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں جو اس سے بننے والے شخص میں ہوں گی اور تمام اجزاءِ انسانیہ کا بھی مادہ اسی ایک چیز مساوی الحقیقت والصورۃ میں رکھا ہوا ہے کوئی حکیم ودانشمند تمیز نہیں کر سکتا کہ اس قطرہ کے کون سے حصے سے سر بنے گا کس سے دل کس سے جگر۔

تیسری بات حیرت ناک یہ ہے فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ کہ ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس نطفہ کو ہوائے خارجی اور مفسداتِ داخلی سے بچا کر مرد کے آلہ تناسب کے محفوظ نل سے اس کے ٹھہرنے کی جگہ عورت کے رحم یا بچہ دان میں پہنچایا اور وہاں کس حکمتِ بالغہ سے رکھا کہ جس سے بڑے بڑے حکیم حیرت میں ہیں۔ رحم کی تشریح اور اس کے انثیین کی حالت اور اس کے نلیوں کی کیفیت اور ان میں نطفہ کا جا کر نئی صورتیں پیدا کرنا اور پھر اس میں اعضاء اور دیگر چیزیں نمودار ہونا اور ان میں قویٰ کا رکھا جانا جو کتبِ طبِ قدیم وجدید میں مذکور ہے، اس کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ چوتھی بات حیرت ناک یہ ہے اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اس کو اس رحم میں ایک وقتِ معین تک رکھا جس سے مراد مدتِ حمل ہے جو کمتر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس اور بعض کے نزدیک چار برس اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں۔ چونکہ یہ مدت مختلف ہے اس لیے ایک عام وشامل لفظ میں بیان فرما دیا ایک خاص مدت کا نام نہیں لیا۔ پھر اس مدت میں ہم نے اس کے اعضاء بنائے اور اس کی

تکمیل کے تمام اسباب جمع کئے اوران سب باتوں کے کرنے پر ہم قادر ہوئے۔ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ پھر دیکھو ہم کیسے قادر ہیں۔ جب وہ کامل ہو چکا تو اپنی قدرتِ کاملہ کے زور سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ وتاریک مکان سے باہر لائے۔ پھر جب یہ ثابت ہوا کہ ہم بڑے قادر ہیں اور ہماری بے انتہا قدرت کا تم نمونہ دیکھ چکے تو کیا اس کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے بارِ دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ اے کوتاہ بینو! ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لیے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو اس تنگ وتاریک مکان سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اس دوسرے جہان کی نسبت ایسا ہی تنگ وتاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی نسبت۔ جس طرح حمل کی حالت کا قصور حمل میں نہیں معلوم ہوتا بلکہ باہر آنے کے بعد۔ اسی طرح تم اس دنیا کے پیٹ میں حمل کی حالت میں ہو یہاں کا قصور بھی یہاں نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس حمل سے باہر ہونے کے بعد معلوم ہوگا یعنی دوسرے جہان میں صرف اتنا فرق ہے کہ حملِ مادری میں تم کو اپنی تکمیل کی قدرت نہ تھی اس حملِ دنیاوی میں تم کو قدرت دی ہے پھر جس میں اعمال واقوالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کے قصور رہیں گے اس جہان میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس فیصلہ کے دن ان ناقصوں کی خرابی ہوگی جو اس دن کو جھٹلاتے ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے لفظ قدرنا کو تشدید سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حالتِ حمل میں اندازہ کیا یعنی اس کے اعضاءِ ظاہر یہ اور قوائے باطنیہ کو ایک خاص انداز پر بنایا نہ دنیا کے کاریگروں کی طرح کہ کچھ مصالحہ اندازہ سے بچ رہا ہو یا اس مصنوع میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ رحم میں ٹھہرنے اور تکمیل کر کے باہر آنے کا زمانہ جو ہم نے اندازہ کر لیا تھا اس میں وہ تکمیل ہوگئی جیسی شکل جیسا قد بنانا تھا بنا دیا اور پردہ سے باہر لے آئے۔

یہ تو حملِ مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان ہی کی آفرینش سے متعلق تھا جس میں غور کرنا اپنی ہی ذات سے خدا کا پہچاننا ہے جیسا کہ عرفا کہتے ہیں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ میں کیا تھا اور کیونکر بنا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا کس لیے کہ مصنوع سے صانع کا علم آنا لازمی بات ہے اور ان دلائل کو دلائل النفس کہتے ہیں۔ دوسری دلیل حشر پر: اس کے بعد حملِ دنیاوی میں جو کچھ انسان اس کی قدرت کے نمونے دیکھتا ہے اور نہ صرف وہ اس کی قدرتِ بے انتہا کے نمونہ ہی ہیں بلکہ ان سے حملِ دنیاوی میں انسان کی پرورش بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے رحمت ہیں ان کو ذکر کرتا ہے اور ان دلائل کو دلائلِ آفاق کہتے ہیں۔ فقال اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے سمیٹنے والی اور جگہ دینے والی نہیں بنایا؟ زندوں کے لیے بھی اور مردوں کے لیے بھی یعنی زمین میں وہ صلاحیت رکھی کہ جس سے تمہاری معاش اور بود وباش کا زندگی میں کام چلتا ہے اور مرنے کے بعد اس میں دفن ہوتے ہیں یا یوں کہو زمین تمہارے اسبابِ معاش اور بود وباش کے لیے ہم نے بنا دی۔ سرسبزی کی حالت میں بھی اور اس کی خشکی کی حالت میں بھی۔ زمینِ سرسبز کو زندہ سے اور خشک کو مردہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ قرآن میں اَحْيَاءُ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ اور اس زمین میں ٹھہرنے والے بلند پہاڑ بنائے جن کے منافع بے شمار ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے واسقینا کم ماءً فراتاً کہ پہاڑوں سے شیریں پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور ندیاں بن کر بہتے ہیں جن کا پانی پی کر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور یوں بھی بارش اور کنوؤں کے ذریعے سے شیریں پانی پلاتا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک چیز کی قدرت بناوٹ اور ان کے منافع میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس قادرِ حکیم کا کام ہے جو بارِ دیگر دنیا کو فنا کر کے قائم کر سکتا ہے پھر ان ناشکروں کے لیے ویل یومئذ للمکذبین خرابی ہے وہ اس کی قدرت اور نعمت کو جھٹلاتے ہیں۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ

شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

(کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو اس سایہ کی طرف چلو کہ جس کی تین شاخیں ہیں جو نہ سرد سایہ ہے اور نہ لپٹ سے بچاتا ہے وہ (آگ) بڑے بڑے انگارے پھینک رہی ہے جیسا کہ زرد اونٹ۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ وہ دن ہے کہ جس میں بات بھی نہ کر سکیں گے اور نہ ان کو عذر کرنے کی اجازت ہوگی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس میں تم کو اور تم سے پہلوں کو اکٹھا کر لیا پھر اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو مجھ پر چلا ؤ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب : ذی ثلٰث شعب نعت لظل وکذ الاظلیل نعت لہ۔ بشرر۔ قرء الجمھور بفتح الشین وقرء ابن عباس وابن مقسم شرار بکسر ہا مع الف بین الراء ین قال الواحدی شررۃ وشرر وشرارۃ وھو ماتطائر من النار تبدو فی کل جہت واصلہ من شررت الثوب اذا اظہرتہ وبسطتہ للشمس والشرار ینبسط مبتداء کالقصر فیہ قولان الاول ان المراد منہ البناء المسمّی بالقصر والثانی انہا جمع قصرۃ ساکنۃ الصاد کتمرۃ وتمر وجمرۃ وجمر قال المبرد یقال للواحد من الحطب الجزل الغلیظ قصرۃ والجمع قصر عن ابن عباس قال ھو خشب کنا ندخرہ للشتاء نقطعہ وکنا نسمیہ والقصر وھذا قول سعید بن جبیر ومقاتل والضحاک۔ قرء الجمھور باسکان الصاد وقری بفتحہا وھو جمع قصرۃ وھی اصل النخلۃ والشجرۃ۔ جمالات قرء حمزۃ والکسائی وحفص جمالۃ جمع جمل وقرء الجمھور جمالات بکسر الجیم وھی جمع جمال وھی الابل اوجمع جمالۃ وقرء ابن عباس جمالات بضم الجیم وھو قرءۃ یعقوب ولہ وجوہ منہا انہا من الشیء المجمل یقال اجملت الحساب وجاء القوم جملۃ ای مجتمعین والمعنی ان الشررۃ ترتفع کانہا شیء مجموع غلیظ اصفر وھذا قول الفراء ھذا مبتداء یوم لاینطقون خبرہ وقری بفتح المیم فھو منصوب علی الظرف فیہ ولایؤذن لھم معطوف علی الخبر فیعتذرون فی رفعہ وجہان احدھما انہ نفی کالذی قبلہ والثانی انہ مستانف وقیل اصلہ فیعتذروا ولکن زیدت النون لتوافق رؤس الآیات فان کان لکم شرط فکیدون بحذف الیائی الجملۃ جواب۔

تفسیر : دلائل انفس و آفاق سے قیامت کا برپا ہونا ثابت کر کے اس کے بعد قیامت میں جو کچھ منکرین کی حالت ہوگی جس کو کئی بار بلفظ ویل تعبیر کیا تھا اس کو بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ کہ منکرین کو قبروں سے اٹھانے کے بعد جبکہ آفتاب کی تپش کے مارے دماغ ابلتے ہوں گے اور ایمانداروں کے لیے عرش کا سایہ ہوگا اور ان کے لیے نہ ہوگا اور یہ حیرت و شدت میں ہوں گے فرشتے یوں کہیں گے کہ چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے وہ کیا؟ حساب اور اعمال بد پر عذاب و ثواب چلو اس کو دیکھ لو۔ یہ سن کر نہایت گریہ وزاری سے کہیں گے کہ سرِ دست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس بلا سے نجات پائیں۔ فرشتے کہیں گے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِىْ ثَلٰثِ شُعَبٍ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا وہاں آئیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے وہ کیا؟ لَّا ظَلِيلٍ وَّلَا يُغْنِىْ مِنَ اللَّهَبِ نہ دراصل وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور نہ بیرونی تپش اور لو کے دفع کرنے میں کارآمد ہے۔ پھر وہ کیا

ہے؟ جہنم کا دھواں ہے اور جب دھواں گرم اور بہت ہوتا ہے اور اس کا بقد اٹھتا ہے تو اوپر سے اس کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں کچھ اِدھر کچھ اُدھر۔ اسی سایہ کو سورۂ واقعہ میں یوں بیان فرمایا ہے وَظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ کہ وہ سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ اس میں کوئی آرام ہے۔

علماء فرماتے ہیں اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کے دائیں ایک بائیں ایک سر پہ محیط ہوگی یعنی ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اور سر اس کا عرفاء نے یوں ارشاد کیا ہے کہ عالمِ مثالی میں ان کے اعمالِ فاسدہ و عقائدِ باطلہ جس کی تاریکی میں ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ انسان کے اندر تین لطیفے غیبی ہیں ان کی اصلاح جماعتِ ملائکہ میں ملا دیتی ہے اور فساد سے شیاطین کے زمرہ میں مل جاتا ہے۔ اول دل جو بائیں طرف ہے منجملہ اس کے فساد کے ایک یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ جائے اور ظلم و تعدی پر کمر باندھ لے اس لیے ایک دھواں اس جانب سے نکل کر محیط ہوگا۔ دوم جگر جو دائیں جانب ہے اس کے فساد میں سے ایک یہ ہے کہ قوتِ شہوانیہ بڑھ جائے اور فسق و فجور میں ڈوب جائے اس لیے ایک دھواں اس طرف سے نکل کر محیط ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام قوائے شہوانیہ کا خزانہ اور جڑ جگر ہے کس لیے کہ خون یہیں بنتا ہے اور اس سے تمام جگہ پھیلتا ہے اور انسان کی قوتِ اکل و شرب، جماع کا دارو مدار اسی خون پر ہے۔ بدن میں خون ہے تو سب کچھ سوجھتی ہے۔ سوم دماغ جو قوتِ ادراکیہ کا چشمہ ہے اگر یہ خراب ہو گیا اور اوہامِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ میں مبتلا ہوا تو تیسری شاخ دھوئیں کی انہیں سے نکل کر محیط ہوگی۔ یا یوں کہو کہ حس و خیال و وہم ہی روح کو انوارِ قدس سے منور ہونے میں مانع ہیں اور ہر ایک کی ان تینوں میں سے ایک ایک ظلمت ہے اس لیے ہر ایک ظلمت دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ صوفیہ کرام کے نزدیک قوتِ غضبیہ و شہویہ دونوں کا منشی دل ہے مگر غضب اس کی دائیں جانب سے اور شہوت بائیں سے تعلق رکھتی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ قوتِ غضبیہ کا دھواں دائیں جانب سے اور شہوانیہ کا بائیں سے احاطہ کرے گا۔

یہ دھواں حساب سے فارغ ہونے تک محیط رہے گا اس کے بعد جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور جہنم کے کنارے پر کھڑے کر کے ان سے حساب لیا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہ کیفیت جہنم میں پیش آئے گی۔ اس کے بعد جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے جہاں سے یہ دھواں اٹھتا ہے۔ فقال اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ کہ جہنم سے محل جیسے چنگاریاں اڑیں گی۔ قصر کے معنی میں علماءِ مفسرین کے دو قول ہیں: اول تو یہ کہ قصر سے مراد محل ہے یعنی بڑا مکان جس کی جمع قصور ہے۔ دوم کہ یہ قصرہ کی جمع ہے اور قصرہ لکڑیوں کے انبار کو کہتے ہیں جو جلانے اور تاپنے کے لیے رکھی جاتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے جو کسی نے معنی پوچھے تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے کہ ہم تین ہاتھ یا اس سے کم یا زیادہ لکڑیوں کو جمع کرتے اور اس کو قصر کہا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری) اس کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ اس قدر بڑی چنگاریاں باہر پھینکیں گی جیسا کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قصر درخت کے تنا کو کہتے ہیں اور سعید بن جبیر و ضحاک کہتے ہیں بڑے درخت کے تنا کو قصر کہتے ہیں۔ ایسی ایسی چنگاریاں اڑیں گی جیسے کہ بڑے درخت کا تنا کہ جس پر وہ قائم ہوتا ہے۔ زرد اونٹوں سے چنگاریوں کی تشبیہ دینے کی وجہ: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ وہ شرارہ یعنی چنگاریاں گویا زرد اونٹ ہیں کہ قطار میں ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ چنگاریوں کو زرد اونٹوں سے کئی باتوں میں تشبیہ دی بڑائی میں، رنگت میں، پے در پے جلد جلد ایک کے بعد دوسرے کے آنے میں۔ چنگاریاں جو جہنم سے اڑیں گی آگ ہوں گی اور آگ روشن زرد ہوتی ہے اور ایک کے بعد دوسری آئے گی لگا تار جیسا کہ قطار میں ایک اونٹ کے بعد دوسرا متصلاً آتا ہے اور بڑے بھی ایسے ہی ہوں گے کہ جیسا اونٹ اور یہ بھی ہے کہ اس قدر جسامت کی چنگاریاں گول نہیں ہوتیں بلکہ لمبی اور آگے سے پتلی اس حالت میں ان کی نوک کو اونٹ کی گردن سے اور باقی کو جسم سے پوری تشبیہ ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ جمالات سے مراد جمال السفن کشتی کے رسے ہیں۔ تجمع حتی تکون کاوساط الرحال جو باہم ملائے جانے سے اونٹ کی درمیانی

کاٹھی کے برابر ہو جائیں۔ اور بھی اس کے معنی علماء نے بیان کئے ہیں اول تقدیر پر جمالۃ جمل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اونٹ اور تاکید کے لیے زیادہ کر کے جملۃ بھی کہتے ہیں۔

چنگاریوں کو اونٹ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور یہی لطیفہ ہے کہ کفارِ مکہ کو دنیا میں بڑی حسرت دنیا اور اس کے تجملات کی تھی اور آرزو کرتے تھے کہ سفر میں بھی ہمارے خیمے اور سامانِ عیش اونٹوں پر لد کر ساتھ چلا کریں ان کی یہ حسرت اس روز ان چنگاریوں کی شکل میں ظاہر ہوگی جو زرد اونٹوں کی قطار سے مشابہ ہوگی۔ اور زرد اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مرغوب ہے۔ گویا یہ دکھایا جائے کہ لو تمہارے سایہ کرنے کے سامان لے کر یہ زرد اونٹ جہنم سے قطار باندھے نکل رہے ہیں لو اس دھوئیں میں تمہارے لیے سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ ہے۔ پھر جب ان کو اونٹوں کی قطار کا دھیان آئے گا تو کیسی حسرت ہوگی اور روح کو دوگنا عذاب ہوگا نعوذ باللہ منہا۔ اس لیے فرماتا ہے وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کہ اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے کہ ایک تو سایہ کی جگہ جہنم کے گرم دھوئیں کا سایہ جس میں جی بھی گھٹے اور ٹھنڈک بھی نہ ہو دوسرے یہ کہ چنگاریوں کی بوچھاڑ کہ جن سے مفر نہیں اڑ اڑ کر اوپر گر رہی ہیں۔ تیسرے ان چنگاریوں کی قطار سے زرد اونٹوں کی قطار کا دھیان آنا یہ کیا کم خرابی ہے نعوذ باللہ منہا۔

ایسی مصیبت جان گداز کے وقت خلاصی کی یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ چرب زبانی سے انکار کرے یا عذر و معذرت کرے۔ سو یہ دونوں باتیں بھی وہاں ان کو میسر نہ آئیں گی کس لیے کہ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ یہ وہ دن ہوگا کہ جس میں اس وقت بات نہ کر سکیں گے۔ حیرت و دہشت میں بدحواسی ہوگی۔ چرب زبانی اور انکار بھی منہ سے نہ نکلے گا سن ہو جائیں گے۔ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ اور نہ ان کو عذر و معذرت کی بھی اجازت ہوگی۔ یہ ایک اور خرابی ہوگی اس لیے فرماتا ہے وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کہ اس دن جھٹلانے والوں کی یہ ایک اور خرابی ہوگی۔ اشکال: قرآن مجید میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے۔ مگر دوسری آیات میں اس کے خلاف آیا ہے کہ کفار کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ کہ بخدا ہم مشرک نہ تھے اور ایک جگہ یوں آیا ہے ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ تم قیامت میں اپنے رب کے پاس جھگڑو گے اور بہت آیات ہیں جن میں کفار کا کلام کرنا بروزِ قیامت ثابت ہے۔ جواب: اس کا جواب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں دیا ہے کہ قیامت کا دن ایک بڑا دن ہزاروں برس کے برابر ہوگا۔ کلام نہ کرنا کسی خاص وقت اور خاص جگہ میں ہوگا اور کرنا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ میں اس لیے کچھ منافات نہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کلام کرنے سے مراد اور عذر کرنے سے مراد معقول کلام اور معقول عذر کرنا ہے سو وہ میسر نہ ہوگا۔ رہی بکواس سو وہ دراصل کلام اور عذر نہیں اس لیے منافات نہیں۔ اب ایک اور مصیبت ہے کہ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ یہ دن فیصلہ کا ہے اور فیصلہ کے وقت مجرم کو مہلت نہیں دی جاتی کہ چند مدت کو یہ بلا ٹل جاتی۔ دوم فصل کے معنی فرق کے بھی ہیں کہ نیک بدوں میں جدائی کر دی جائے گی وہ ان سے جدا یہ ان سے جدا اب یہ بھی توقع جاتی رہی کہ ان بزرگواروں سے شفاعت کروائیں اور ان کی عرض معروض پر رستگاری ہو جائے۔ تیسری مصیبت جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ کہ ہم نے تمہیں اور پہلوں سب کو جمع کر لیا اب یہ روسیاہی اور ذلت تمام خلائق اولین و آخرین کے سامنے ہوگی۔ اور نیز معاصروں سے قرابت و محبت کے رشتے منقطع ہوں گے۔ اسی طرح اگلے بھی جن سے رشتہ قرابت و عقیدت تھا جدا ہو جائیں گے۔ اب یہ بھی امید نہیں کہ حضرت آدم و حضرت نوح و حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہم السلام کچھ عرض کریں کس لیے کہ ان میں اور ان میں بھی جدائی ہو جائے گی۔ مصیبت کے وقت ایک یہ بھی ارمان ہوا کرتا ہے کہ گزشتہ ناموروں کو جن کی جناب میں عقیدت ہوتی ہے یاد کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر وہ ہوتے تو مشکل کشائی ہو جاتی۔ ہم فلاں بزرگ کو پوجتے تھے اگر وہ ہوتے تو یوں کرتے اور اس لیے اب بھی بوقتِ مصیبت ہر قوم کے مشرک اپنے اپنے معتقد علیہم کو پکارتے ہیں۔ ہنود کہتے ہیں یا ہنومان مدد بھیروں کی دہائی، علیٰ ہذا القیاس۔ یہودی اور

پارسی اور نصاریٰ خصوصاً رومن کیتھولک بھی پکارا کرتے تھے اور عرب کا تو تمام دستور تھا سینکڑوں معبود تھے بوقتِ مصیبت انہیں کو پکارتے تھے اور جہلائے اہلِ اسلام بھی بزرگانِ دین کو ہی پکارا کرتے ہیں۔ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے یہی وردر رہتا ہے اللہ جل شانہٗ سے جانے کیا بدگمانی ہے اس کی دہائی اور اس متبرک نام کو کم پکارتے ہیں۔ فرماتا ہے اس روز وہ بھی سب جمع ہوں گے فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ اگر ان کی[1] مدد سے کچھ داؤں کر سکتے ہو یعنی ہمارے عذاب کو ٹال سکتے ہو تو ٹالو اور مجھ سے داؤں کرو اور کوئی حیلہ باقی نہ چھوڑو مگر کیا کر سکیں گے وتقطعت بھم الاسباب ان کے سب وسائل منقطع ہو جائیں گے پھر اس وقت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی ضرور خرابی ہوگی۔

اس خرابی سے کیا بڑھ کر ہوگی کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ دنیا میں عمر بھر جن کو پکارتے اور ان کی کوشش کرتے تھے آج ان کی طرف منہ بھی نہیں کرتے اور ان کی بات بھی نہیں سنتے پھر کبھی حسرت ہے اور کبھی غصہ ہے کہ ناحق حق جل علا کو چھوڑ کر ہم نے ان کی پرستش کی آج تو سوائے اس کے اور کسی کی بھی سلطنت اور حکومت دکھائی نہیں دیتی اور اس سے دنیا میں کچھ بھی واسطہ نہ رکھنا اس کو کامل قاضی الحاجات سمجھنا نہ قادرِ مطلق جانا۔ اس کی طرف سے غافل رہنے کی جو کچھ حسرت ہوگی وہ بھی ایک روحانی عذاب ہوگا جس کو لفظ ویل حاوی ہے۔

فائدہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ممکن ہے کہ دنیا میں رسول کی طرف سے ہو۔ کفار کے لیے کہ یہ بات ہونے والی ہے۔ اب میں نے تم کو مطلع کر دیا اگر تم ناخوش ہو تو جو تم سے میرے لیے مکر و فریب ہو سکے کر لو مگر پہلے معنی چسپاں زیادہ ہیں کس لیے کہ قیامت میں جب حقوق العباد کی بابت کفار سے مطالبہ ہوگا تو ان سے کہا جائے گا جو کچھ دنیا میں تم حیلہ بازی اور مکر سے حق تلفی کیا کرتے تھے تو اب کر لو۔ یہاں کوئی حیلہ بازی نہ چلے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

بے شک پرہیزگار ٹھنڈی چھاؤں اور چشموں اور دل پسند میووں میں رہیں گے (کہا جائے گا) لو مزہ سے کھاؤ پیو یہ جزا ہے تمہارے ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (اے کفار!) کھاؤ اور برت لو تھوڑے دنوں آخر تم مجرم ہو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب: ان اسمھا المتقین فی ظلال خبرھا وعیون وکذا فواکہ عطف علی الخبر ومما یشتھون من بیانیۃ ما موصولۃ یشتھون صلۃ والعائد محذوف ای یشتھونہ والجملۃ مجرور بمن ای متعلقۃ بمحذوف نعت لفواکہ۔ کلوا واشربوا فی محل الحال من ضمیر المتقین فی الخبر بتقدیر القول ای مقولا لھم کلوا واشربوا۔ ھنیئا منصوب علی انہ صفۃ مصدر محذوف ای اکلا ھنیئا وشربا ھنیئا (ھن) گوارا شدن طعام و شراب۔ یقال ھنت الطعام ای تھنات بہ ومنہ قولہ تعالیٰ فکلوہ ھنیئا مریئا من باب فتح یفتح وکرم یکرم (من الصراح) بما الباء لسببیۃ کلوا وتمتعوا قلیلا ای زمانا قلیلا

[1] یہ کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے مگر ایمانداروں کے لیے بندگانِ دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جو رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے اس سے باطل نہیں ہوتی وہ ضرور ہوگی اور وہ دوسری بات ہے۔ ۱۲ منہ

الجملۃ حال من المکذبین ای الویل ثابت لھم فی حال مایقال لھم کلوا وتمتعوا ایذانا بانھم فی الدنیا کانوا احقاء بان یقال لھم ذلک وعلل ذلک بکونھم مجرمین دلالۃ علی ان کل مجرم مالہ الا الاکل والتمتع الا ایاما قلائل ثم الخلود فی العذاب ابدا۔ ویجوز ان یکون کلاما مستانفا خطابا للمکذبین فی الدنیا۔ من الکشاف۔

تفسیر : اب ایک اور مصیبت کفار پر پیش آئے گی وہ یہ کہ اَلْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ وَّفَوَاکِہَ مِمَّا یَشْتَھُوْنَ پرہیزگار یا ایماندار اس روز ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے برخلاف اس کے کفار گرم دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور وہ آتشِ دوزخ کی چنگاریوں میں جلتے ہوں گے مگر ایماندار اس کے بدلے چشموں میں نہاتے' پانی پیتے عیش کرتے ہوں گے۔ کفار کو زقوم اور پیپ اور لہو کھانے کو ملے گا یا غصہ اور غم مگر ایمانداروں کے لیے میوے ہوں گے اور میوے بھی وہ جن کو دل چاہے گا وہی حاضر ہوں گے اور کفار کو لعنت ملامت ہوگی برخلاف ان کے ایمانداروں کو یہ کہا جائے گا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ خوب کھاؤ پیو مزے کرو اپنے ان نیک عملوں کے بدلے جن کو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ کلمہ ایسا ہے جیسا کسی معظم و مکرم مہمان کو کہا جاتا ہے کہ کھایئے ہر چند تمہارے اعمالِ نیک چند روزہ تھے اور ان کا بدلہ اور اجرت اس قدر نہیں مگر ہم کریم ہیں اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ایک نیکی کے بدلے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ اور فانی کے بدلے باقی عطا کرتے ہیں۔ یہ کیفیت عرصات کی ہے کفار کے جہنم میں فیصلہ ہو کر جانے سے پہلے پھر جب کفار ایمانداروں کے لیے عرصات میں یہ انعام واکرام دیکھیں گے اور اپنے لیے یہ خرابی اور ذلت اور عذاب دیکھیں گے تو اپنے مقابلے میں اپنے دشمنوں کی عزت واکرام دیکھ کر کس قدر رنج اور غم ہوگا اور نیز اس بات سے بھی کہ ہم نے ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی جو آج ایسے صلے دے رہا ہے۔ یہ اور بھی رنج ہوگا کما قال وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ کہ خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کی۔

آیت میں اہلِ سعادت کا انجام بھی بیان کر دیا تا کہ بیان پورا ہو جاوے۔ ظلال یعنی سائے فرمایا جو جمع کا لفظ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ایمانداروں کے لیے متعدد سائے ہوں گے اول عرصات میں عرشِ رب العالمین کا سایہ ہوگا پھر پل صراط سے گزرنے کے وقت اعمالِ صالحہ اور صدقات کا پھر جب بہشت میں جائیں گے تو طوبیٰ کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل و مکاناتِ سکونت میں آئیں گے تو جنت کے عمدہ محلوں اور وہاں کے چھپر کھٹوں اور نمگیروں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا سایہ ہوگا جو ایک سایہ ہزار سایوں سے بہتر ہوگا اور اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے۔ عین ایک چشمہ عیون بہت سے۔ وہاں چشمے اور نہریں جاری بھی ان کے لیے متعدد ہوں گی جو ان کے معارف اور اعمالِ صالحہ کا مظہر ہوگا اقسام اقسام کے اعمال و معارف تھے ویسے ہی چشمے بھی اقسام اقسام کے ہوں گے کسی میں کافور کی آمیزش کسی میں زنجبیل کی کسی میں شہد کی شیرینی کسی میں دودھ کی خاصیت۔ یہ دنیا میں ان کے روزہ کی تشنگی برداشت کرنے کا اور دین میں کوشش کرنے کا ثمرہ ہوگا اور اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے فاکھہ کی جمع جس کے معنی ہیں میوہ سو وہاں ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک کوشش ایک ایک دل پسند میوے کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک عملوں کا بدلہ ہے۔

ایک اور مصیبت ان پر پیش آئے گی وہ یہ کہ تمسخر کے طور پر ان کفار سے کہا جائے گا کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ کہ چند روز کھا لو پی لو، آخر تو تم مجرم ہو۔ یہ ان کی دنیاوی حالت کو یاد دلا کر ان پر تعریض کی جائے گی کیونکہ منکرینِ قیامت دنیا ہی کو سمجھتے تھے اور کہتے تھے ابھی قیامت سنا کرتے ہیں وہاں کے ادھار کے لیے کیوں آج نقد عیش و عشرت کو چھوڑے۔ کھاؤ حرام و حلال جو ملے اور ہر طرح کا مزہ کرو' شراب و زنا وغیرہ لذتوں سے کون محروم رہے۔ یہ خشک دماغ جو قیامت کے بھروسا پر بیٹھے ہیں ناحق ان مزوں سے محروم رہتے ہیں قیامت کس نے دیکھی ہے۔ دن بھر روزے میں بھوکا پیاسا مرنا کس عقل مند کا کام ہے پھر کیا بارِ دگر دنیا میں آنا ہے

یہ مزے کیوں چھوڑیں۔ بعض شعراء نے جو انہیں لوگوں کی ذریت میں سے ہیں ان باتوں کو اشعار میں بھی نظم کیا ہے۔ تب وہاں ان سے فرشتے انہیں کی اس بات کو انہیں کے دنیاوی خیالات یاد دلانے کے لیے اس میں نمک مرچ لگا کر یوں کہیں گے کہ کھاؤ مزے کرلو چندروز آخرتم مجرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام دنیا میں کفار کی طرف بالفعل ہے کہ اے کفار! تم جو قیامت کے منکر ہو دنیا ہی کی لذات پر دلدادہ ہو تھوڑے دنوں کھالو عیش کرلو آخر تم مجرم ہو حبسِ دائمی اور سزائے ابدی میں گرفتار ہو گے اس لیے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔ اور اس خرابی سے بڑھ کر اور کیا ہے کہ دنیا کے مزے یاد کریں گے اور حسرت آمیز آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چندروز عیش ونشاط کے سبب جواب خواب وخیال ہو گئے ہمیشہ کا عذابِ دردناک اور دُکھ بھری زندگانی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مرکر اس بلا سے چھوٹ جائیں۔ یہ نویں قسم کی خرابی تھی جس کو عذاب کہنا چاہیے خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی ایک دوسری سے بڑھ کر ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ ان مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ کیوں وہ ایسی ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

ع ۲۲

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لو جھکو تو نہیں جھکتے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے پھر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

ترکیب : واذا شرط لایرکعون ای ھم لایرکعون الجملۃ جوابہ فبای الباء تتعلق بیؤمنون بعدہ ظرف لیؤمنون والجملۃ استفہامیہ والاستفہام استقراری۔

تفسیر : فقال وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ یعنی وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں کہا جاتا ہے (رسول یا اس کے نائب کہتے ہیں) خدا کی طرف جھکو کہ اس کے احکام مانو' نواہی سے بچو تو نہیں جھکتے۔ مومن وکافر میں ایک یہ بھی بڑا امتیاز ہے کہ مومن مصیبت کے وقت' راحت کے وقت' بیماری میں تندرستی میں' افلاس' میں تو نگری میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکتا ہے۔ اس کا مرکزِ اصل وہی ہے جب کسی مانع نے روک بھی لیا تو جب مانع اٹھ گیا ادھر ہی چلا آیا اس کی طرف اس کو قرار آتا ہے برخلاف کافر کے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ رکوع سے مراد نماز میں جھکنا ہے جو خاص علامت فرمانبرداری کی ہے کہ ہم نے آپ کے آگے سر جھکا دیا، پیٹھ ٹیڑھی کردی آپ جو چاہیے ہم پر احکام کا بوجھ دھر دیجئے ہم بجالانے کو مستعد ہیں اور اسی لیے دنیا میں بادشاہوں کے سامنے خم ہونا اور سلام کرنا اطاعت اور انقیاد کی علامت ہے اور یہ رکوع نماز میں اسلامیوں کے شعار میں داخل ہو گیا گویا جب ان کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تاکہ زمرۂ اسلام میں داخل ہوں تو نہیں مانتے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت قومِ ثقیف کے معاملہ میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہارِ اسلام کیا۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھو اور نماز تعلیم فرمائی۔ انہوں نے کہا ہم رکوع نہ کریں گے کیونکہ اس میں عار ہے کیونکہ آدمی زاد سیدھا پیدا کیا گیا اور جب وہ پیٹھ گائے بیل کی طرح کرے تو برا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود کہ اس دین میں کچھ خیر نہیں کہ جس میں نہ رکوع ہے نہ سجود۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ کفار سے اس وقت کہا جائے گا جبکہ تجلی الٰہی ہو کر کشفِ ساق ہوگا اور لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوگا پھر جو دنیا میں سجدہ نہیں کرتے تھے وہاں بھی نہ کرسکیں گے۔ تختے کی طرح پیٹھ اور گردن اکڑ جائے گی رکوع وسجود میں خم نہ ہوسکیں گے۔ حاصل کلام

یہ ہے کہ کفار جب قیامت میں رکوع وسجود کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ طرح طرح کے انعام واکرام ان پر ایک آسان عمل سے ہو رہے ہیں تو سخت رنج وافسوس ہوگا کہ ہائے ہم نے کس لیے اس حکم کو نہ مانا۔ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ یہ ایک اور خرابی ہوگی جو دسویں خرابی ہے۔

پھر جب ان کفار کو دار آخرت کا حال اس طرح کرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ منکروں کے لیے یہ خرابیاں اور ماننے والوں کے لیے یہ نعمتیں ہیں تو پھر اگر اس کو سن کر بھی ایمان نہ لائے تو فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ پھر کس بات پر اس بیان کے بعد ایمان لائیں گے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ بعدہ کی ضمیر بیان واضح قرآن کی طرف راجع ہے جو قرینہ حاصل سے سمجھا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس آیت تک پہنچے تو اس کے بعد کہے آمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِمَا انزل۔

تم بحمد اللہ سبحانہٗ الجلد السابع فی ۷ اشعبان المعظم ۱۳۱۳ھ یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر فی ایام الشتاء۔

المصحح فقیر محمد عبد التواب چشتی غفرلہٗ

❀❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین
تفسیر فتح المنان
المشہور بہ
تفسیر حقانی
معروف
عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
حصہ ہشتم
الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

المجلد الثامن

(سورہ نباء مکیہ ہے اس میں چالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

وہ کیا[1] پوچھ رہے ہیں[2]؟ کیا وہ بڑی خبر؟ (حادثہ قیامت) کہ جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیے عنقریب جان لیں[3] گے (ہم) پھر (کہتے ہیں) ایسا نہ کرنا چاہیے ابھی جان لیں گے۔

ترکیب | عم اصلہ عن ما فادغمت النون فی المیم وحذفت الالف لیتمیز الخبر عن الاستفہام وکذلک فیم وبم۔ والاستفہام فی اللفظ وفی المعنی تفخیم القصۃ کما تقول ای شیء ترید اذا عظمت شانہ عن النباء العظیم عن بدل من الاولی والف الاستفہام التی ینبغی ان تعاد محذوفۃ وعن الاولی متعلقۃ بیتساء لون وقیل عن الثانیۃ متعلقۃ بفعل محذوف غیر مستفہم عنہ ای یتساء لون عن النباء علی ھذا التقدیر عن النباء جواب الاستفہام کما فی قولہ تعالی لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار الذی ھم فیہ مختلفون الموصول صفۃ للنباء بعد وصفہ بکونہ عظیماً۔

تفسیر | اس سورت کو سورہ تساؤل اور سورہ نباء بھی کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق مکے میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چالیس یا اکتالیس آیات دو رکوع ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ مرسلات سے مسئلۂ معاد میں ہے اور ہجرت سے پہلے یہی مسئلہ زیادہ تر مبحوث عنہا تھا۔

شانِ نزول | شانِ نزول اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے اور ان انسانی اعمال کی جزاء وسزا کے منکروں کو ایک آنے والے دن کی خبر دی کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ دنیا زیر وزبر ہو جائے گی اور انسان بارِ دگر زندہ ہوں گے اور ان کے نیک وبد اعمال کی ان کو جزاء وسزا ملے گی (یہ خبر عقلمند کے نزدیک البتہ بڑی خبر ہے۔ کس لیے کہ شتر بے مہار ہو کر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے والوں اور پھر سلسلۂ حیات کو اسی حیات پر تمام سمجھنے والوں کو ایک سخت پریشانی کا سبب اور نہایت فکر کی بات ہے) تب وہ کفار بار بار تعجب کی راہ سے حضرت نبی ﷺ سے دریافت کرتے تھے کہ کب وہ دن ہے اور یہ کیونکر ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ ان کے اس سوال اور تعجب کا ان آیات میں ذکر کرتا ہے۔

---

[1] عم دراصل عن ما تھا الف کو تخفیف اور کثرۃ استعمال کی وجہ سے حذف کیا قاعدہ ہے کہ الف ما کو ان حروف جر کے بعد حذف کر دیتے ہیں۔ عن۔ تا۔ لام۔ وفی۔ وعلی۔ والی وحتی ۱۲ منہ

[2] الضمیر یرجع الی اہل مکۃ کانوا یتساء لون عن البعث ای تعیین البعث بکونہ متسائلا دون امر النبوۃ والقرآن علی ما قیل لاقتضاء قولہ تعالی الم نجعل الارض الخ اویتساء لون الرسول والمؤمنین عنہ استہزاءً او للناس یعنی المسلمین والکافرین ۱۲ حقانی

اقراء الجمہور عم بحذف الالف وقری باثباتھا وھو قلیل وقری بھاء السکتۃ عوضاً عن الالف عمہ ۱۲ منہ

[3] سیعلمون قراء الجمہور بالیاء التحیۃ فی الفعلین وقری بالتاء علی الخطاب وقرأ الضحاک الاولی بالفوقیۃ والثانی بالتحقیقۃ۔ ۱۲ منہ

فقال عم یتسالون کہ یہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں؟ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے مگر یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کوئی بڑی بات پوچھتا ہے یا چاہتا ہے تو کہتا ہے تو کیا پوچھتا ہے۔ کیا چاہتا ہے یعنی یہ پوچھنے اور چاہنے کی چیز نہیں۔ تساؤل باہم سوال کرنا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ یہ پوچھنے والے کون تھے؟ بظاہر کفار تھے کہ تعجب و انکار و تمسخر کی راہ سے آپس میں چرچا کرتے اور پوچھتے تھے۔ فراء کہتے ہیں تساؤل بات چیت کو بھی کہتے ہیں۔ گرچہ باہم سوال و جواب نہ ہو کما فی قولہ تعالیٰ واقبل بعضهم علی بعض یتساء لون قال قائل منهم انی کان لی قرین یقول ائنك لمن المصدقین اس تقدیر پر یہ معنی ہیں کہ وہ آپس میں کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟ یعنی یہ چرچا کرنے اور تعجب و انکار کرنے کی بات نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ پوچھنے یا چرچا کرنے والے کفار تھے کس لیے کہ اس کے بعد کلا سیعلمون اور هم فیه مختلفون میں ضمیریں کفار کی طرف پھرتی ہیں۔ اس لیے یتساءلون کی ضمیر بھی ان ہی کی طرف پھرنی چاہیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار باہم ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ کفار مسلمانوں پر شبہات پیش کرتے تھے۔ وہ جواب دیتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان و کفار سب آنحضرت ﷺ سے پوچھتے تھے' مسلمان اس لیے کہ اور بھی یقینِ قوی ہو جاوے اور کفار تمسخر کی راہ سے یا شکوک و شبہات وارد کرنے کی غرض سے۔

پھر آپ ہی فرماتا ہے عن النباء العظیم الذی هم فیه مختلفون۔ اس بڑی چیز سے سوال کرتے ہیں کہ جس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی کیا وہ بڑی خبر پوچھ رہے ہیں؟ جس کا پوچھنا اور تعجب کرنا لازم نہیں۔ لفظ عظیم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ تو ایک بڑی بھاری بات ہے۔ اس کی عظمت دلوں پر خود بخود اثر ڈال رہی ہے۔ بشرطیکہ دلوں پر حجابِ ظلمانی اس اثر سے روکنے والے نہ ہوں اور جملہ هم فیه مختلفون بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کس لیے کہ اختلاف کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس بڑی خبر کے بطلان پر بھی ان کے پاس کوئی برہان قاطع اور تسلی بخش دلیل نہیں بلکہ محض توہمات ہیں۔ پھر ان کے زور پر الہامی باتوں پر اس قدر انکار اور اصرار حماقت ہے۔

نباءِ عظیم کی تفسیر! نباء کے معنی ہیں خبر۔ نباء عظیم بڑی خبر۔ وہ کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔ اول قیامت اور اس پر چند دلیل ہیں: (۱) یہ کہ بعد میں فرمایا ہے سیعلمون جس سے تہدید مراد ہے اور وہ تہدید قیامت میں زیادہ متحقق ہے (۲) یہ کہ بعد کی آیات میں الم نجعل الارض مهادا الخ میں وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اس کی قدرت و جبروت انعام و افضال کے نمونہ ہیں جن سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کرنا مقصود ہے۔ (۳) یہ کہ لفظ عظیم ایک اور جگہ بھی قرآن میں قیامت پر اطلاق ہوا ہے بقولہ تعالیٰ الا یظن اولئك انهم مبعوثون لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین وقولہ تعالیٰ قل هو نباء عظیم انتم عنه معرضون۔ دوسرا قول یہ کہ نباء عظیم سے مراد قرآن شریف ہے اور اس میں ان کا اختلاف تھا۔ کوئی اس کو سحر کوئی شعر کوئی اگلوں کے قصے کہتا تھا اور نیز نباء جس کے معنی خبر کے ہیں' قرآن سے زیادہ چسپاں ہیں۔ کس لیے کہ قرآن خبر دیتا ہے برخلاف قیامت کے کہ وہ مخبر عنہ ہے۔ تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت ہے اور وہ بڑی چیز ہے جس نے دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ پہلے قانون اور رسم و رواج پلٹ دیے۔ پرانی بادشاہتیں غارت کر کے نئی قائم کر دیں۔ ان ہی باتوں سے ان کفار کو جو دقیانوسی خیالات کے پابند اور پرانی لکیر کے فقیر تھے' آنحضرت ﷺ کی نبوت میں اختلاف تھا' اختلاف بمعنی انکار۔

مختلفون کی تفسیر! قیامت کا اکثر عرب کو انکار تھا اور تعجب سے کہتے تھے ءِاذا متنا و کنا ترا با ذلك رجع بعید۔ اور کچھ قائل بھی

تھے۔ نصاریٰ معادِ جسمانی کے منکر تھے' صرف معادِ روحانی کے قائل تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ یہود کے بعض فرقے بالکل قیامت کے منکر تھے اور ہنود تناسخ کے پیرایہ میں سزاء و جزاء کے قائل ہیں۔ پھر قیامت کی کیفیت میں بھی سخت اختلاف تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مرکر انسان کی روح جنوں یا فرشتوں میں مل جاتی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے۔ پھر اس عالم میں اس جسمِ سابق میں آنا محال ہے اور نہ یہ آسمان و زمین فنا ہوں گے نہ عناصر بلکہ جس طرح یہ قدیم ہیں اسی طرح ابدی بھی ہیں۔ البتہ ان سے باہم ترکیب پاکر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ حادث ہیں اور وہی فنا پذیر بھی ہیں۔ ان سب کے جواب میں فرماتا ہے کلا سیعلمون تمہارے خیالات صحیح نہیں ہیں عنقریب مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا' ثم' ہم پھر کہتے ہیں کلا تمہارے خیالات صحیح نہیں۔ سیعلمون تم کو قیامت اور اس کی اصلی کیفیت عنقریب معلوم ہو جاوے گی' کس لیے کہ دنیا روزے چند ہے۔[1]

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ
مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام بنا دیا اور رات کو اوڑھنا بنا دیا اور ہم نے دن روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بنایا اور ہم نے برستے بادلوں سے پانی کا ریلہ اتارا تاکہ اس سے اناج اور گھاس اور گھنے باغ اگا دیں۔

ترکیب! الاستفهام للتقرير اى جعلنا الارض مفعول اول ومهادا مفعول ثان لجعلنا والجعل بمعنى الخلق وفيه معنى التقدير والتسويد وقيل بمعنى التصيير والمهاد جمع مهد بمعنى الفراش قراء الجمهور بالجمع وقرى مفردا واوتادا جمع وتد (ميخ) وخلقناكم معطوف على المضارع المنفى داخل فى حكمه ازواجا حال اى متجنسين متشابهين جمع زوج سباتا قال الزجاج السبات ان ينقطع عن الحركة والروح فى بدنه وحاصل المعنى الراحة اى جعلنا نومكم راحة لكم معاشا منصوب على الظرفية المعاش مصدر ميمى معنى المعيشة شدادا جمع شديدة اى قوية محكمة وهاجا والوهاج المضيئ من قولهم وهج الجوهر اى تلالا المعصرات فيها قولان اول وهو احدى الروايتين عن ابن عباس وقول مجاهد ومقاتل وقتادة والكلبى انها الرياح التى تثير السحاب ومن بمعنى الباء والمعنى انزلنا بالرياح المثيرة للسحاب الثانى وهو الرواية الثانية عن ابن عباس اختيار ابى العالية والربيع والضحاك انها السحاب بوجوه منها انه قال المورج المعصرات السحائب بلغة قريش ماء موصوف ثجاجا صفة الجموع مفعول انزلنا والثجاج شدة الانصباب يقال ثج الماء اى سال بكثرة وثجه اى اساله فيكون لازما ومتعديا الفافا اى بساتين ملتفة قال صاحب الكشاف انه لا واحد له كالاوزاع والاخياف الجماعات المتفرقة والجماعات المختلطة والاخرون اثبتوا له واحدا ثم اختلفوا فيه فقال الاخفش والكسائى واحدها لف بكسر اللام وقيل بضمها وقال المبرد واحدها لفا وجمعه لف وجمع لف الفاف وقيل جمع لفيف كشريف واشراف والمعنى ان كل جنة فيها الاشجار المجتمعة المتقاربة يقال امراة لفاء اذا كانت غليظة

---

[1] اس جگہ تکرار کلام محض زجر و توبیخ کے لیے ہے۔

الساق مجتمعۃ اللحم یبلغ من تقاربہ ان یتلاصق ۔

تفسیر! اس دن یا اس خبر کی عظمت بیان فرما کر اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت کرتی ہیں اور جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیمِ برحق اس عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا اور عالم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس عالم کو فنا کر کے دوسرے عالم کے پیدا کرنے میں جو کچھ اس کی حکمت ہے اس کی کیفیات وخصوصیات تک عقولِ بشریہ کو رسائی نہیں۔ پھر ایسی چیزوں سے سوال کرنا محض نادانی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بنانے میں ذرا بھی کسی کو شرکت نہیں یا یوں کہو کہ وہ دن جس کی وہ خبر پوچھتے اور اس کے آنے کی جلدی کرتے ہیں، وہ یوم الفصل ہے جیسا کہ بعد میں بیان ہوتا ہے ان یوم الفصل الخ جس دن مطیعوں اور نافرمانوں میں بالکل امتیاز ہو جائے گا نہ مکان میں شرکت نہ کھانے پینے کے کسی سامان میں شرکت باقی رہے گی۔ نہ اسبابِ تعیش وموجباتِ راحت میں برخلاف دنیا کے کہ یہاں ان سب چیزوں میں مومن وکافر مطیع وعاصی سب شریک ہیں پھر یہاں وہ دن کیونکر آ سکتا ہے۔ اس لیے جلدی کرنا اور سوال کرنا عبث ہے اور نیز یوم الفصل کی حقیقت بھی فی الجملہ بیان کر دی گئی کہ وہاں نہ یہ آسمان ہوں گے جو آج تم پر قائم ہیں نہ یہ آفتاب ہوگا۔ نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ پہاڑ ہوں گے جن کے نفع میں سب شریک ہیں۔ نہ ان بدلیوں سے پانی برسے گا۔ باغوں اور نباتات کی روئیدگی کے اور ہی سامان ہوں گے۔ نہ یہ رات اور دن ہوں گے جن میں رات کو پڑ کر بے خبر سوتے اور دن کو روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے سوال کا بھی فی الجملہ جواب دینا مقصود تھا۔ اس لیے اس کے بعد یہ نو چیزیں بیان کرتا ہے جن پر دنیا اور اس کی زندگی مربوط ہے۔ فقال (۱) الم نجعل الارض مھادا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے رہنے چلنے پھرنے کے لیے فرش نہیں بنایا؟ ضرور بنا دیا۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ہمارے اس انعام میں مومن وکافر سب ہی تو شریک ہیں۔ برخلاف دارِ آخرت کے کہ وہاں مطیعون کے رہنے کی اور جگہ ہے نافرمانوں کی اور اس سے یہ بھی تم غور کر سکتے ہو کہ جس قادرِ مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا ہے وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا؟ اور نئی زمین نہیں بنا سکتا۔ ضرور بنا سکتا ہے۔ یہ دنیا کے گھر کا فرش ہے جس پر ہوا میں اڑنے اور ہلنے جلنے کے لیے (۲) والجبال اوتادا کیا ہم نے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا؟ ضرور بنا دیا جس سے یہ فرش ہلتا نہیں۔ اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں اور پہاڑوں سے جو کچھ نفع ہیں سب ان سے حصہ پا رہے ہیں برخلاف یوم الفصل کے۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہاڑوں میں ثقل پیدا کر کے زمین کو ڈگمگانے اور ہلنے جلنے سے محفوظ رکھا وہ ایک روز اس کو ہلا نہیں سکتا۔ واذا رجت الارض رجا۔

حکماءِ حال کے نزدیک زمین حرکت کرتی ہے جیسا کہ اور ستارے اپنے مدار پر گھومتے ہیں یہ بھی دورہ تمام کرتی ہے۔ ان کے نزدیک بھی ان آیات سے انعامِ الٰہی اور اس کی حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت ہے۔ کس لیے کہ اب اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں جیسا کہ کشتی میں پتھر ڈال دینے سے وہ ادھر ادھر ڈگمگاتی نہیں اور ایک خاص انداز پر چلتی ہے۔ زمین کے فرش بنانے اور پہاڑوں کو میخیں بنانے سے ان کے نزدیک یہی مراد ہے اور یہ اس کا بڑا انعام اور قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔

یہ فرش بنا کر اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) وخلقنا کم ازواجا تم کو اے بنی آدم جوڑے جوڑے پیدا کیا۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا مرد بنایا تا کہ اس فرش پر رہیں اور اولاد جنیں اور پھولیں پھلیں۔ اس نعمت میں بھی کافر ومومن سب ہی شریک ہیں۔

ازواج کے معنی اور بھی عام ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کے مقابلہ دوسرا ہے۔ بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے۔ غنی ہے تو مفلس بھی ہے۔ نیک ہے تو بدکردار بھی ہے۔ حسین ہے تو بدشکل بھی ہے۔ کالے ہیں تو گورے بھی ہیں۔ عقلمند ہیں تو احمق بھی ہیں۔ علی ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی فرش پر ایک ہی مادہ سے کیسی مختلف چیزیں بنا دیں اور نیز انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھا دی اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو ہم نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے۔ اپنے اندر بھی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق تم کو بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا اور تمہارا یہ اختلاف تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال کی جزاء وسزا کا ایک اور گھر ہے۔ پھر اس دنیا کے فرش پر تم کو کس طرح سلایا۔ (۴) وجعلنا نومکم سباتا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے راحت بنا دیا۔ اگر رات کو یا دن کو انسان اچھی طرح نہ سوئے اور نومِ غریق نہ آوے جس کو سبات کہتے ہیں یا سرے سے نیند ہی نہ آوے اور جو آوے تو غریق نہ ہو بلکہ نیم خوابی سی ہو تو پھر دیکھیے حضرتِ انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں مجرموں کو نیند کہاں۔ بیقراری اور سوزش میں نیند کب آتی ہے؟ دنیا کی یہ بے فکری کی نیند یاد کر کے رویا کریں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ کرو بقدر ضرورت اس سے کام لو پھر طلبِ معاش یا یادِ الٰہی میں وقت گزارو نہ یہ کہ سوسو کر عمر گزار دو اور نیز یہ موت کا بھی ایک نمونہ ہے کہ ابھی تو باتیں کرتے تھے یا چٹ پٹ سو گئے دنیا سے غفلت ہو گئی۔ گویا مر گئے۔

پھر جو تم کو ہر روز مارتا اور ہر روز جلاتا ہے۔ پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ جس پر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا ضرور کرے گا اور اصل بیداری وہی ہوگی اس جہان کی بیداری بھی خواب ہے بلکہ خوابِ پریشان۔ (۵) وجعلنا الیل لباسا اور ہم نے رات کو اوڑھنا بنا دیا یعنی پردہ' رات پردہ دار ہے۔ اس پردہ میں کوئی برائی کرتا ہے' کوئی بھلائی' چور چوری کرتا ہے۔ زناکار چھپ کر زنا کرتا ہے۔ عابد وزاہد نمازِ تہجد اور مراقبہ وذکر میں بیٹھا ہوا ہے اور نیند کا وقت بھی رات ہی ہے۔ ستر کی وجہ سے رات کو لباس کہنا استعارہ ہے۔

فائدہ: کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر یا رات میں؟ آپ نے فرمایا' رات میں کس لیے کہ رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے اور عورت کو ھن لباس لکم اس لیے عورت اور اس کے نکاح کو رات ہی مناسب ہے۔ ایک لباس کو دوسرے سے مناسبت ہے۔ یہ اس کی پانچویں نعمت ہے پھر جس نے تم کو یوں راحت سے سلایا اور جگا کر بھوکا نہیں رکھا بلکہ (۶) وجعلنا النہار معاشا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لیے بنایا۔ اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں۔ برخلاف اس دن کے کہ نیک بہشتوں میں آرام کرتے ہوں گے۔ بد جہنم میں جلتے ہوں گے' روزی تلاش کرنا کجا اہلِ دنیا کی فطرت میں ہے کہ رات کو سوتے اور دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات رہتی یا ہمیشہ دن رہتا تو عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ آفتاب اور دیگر سیارات کی گردش یا کہو زمین کی آفتاب کے گرد حرکت جیسا کہ حکماءِ جدید کا خیال ہے اس طرح اور اس نظام سے کہ رات اور دن پیدا ہوں اس کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے۔ پھر جوان اجرام کو ایک خاص ارادے پر حرکت دے رہا ہے۔ کیا اس کے نزدیک بارِ دگر پیدا کرنا مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہ دنیا کی حاصل کار باتیں تھیں یعنی رات کو سونا اور دن کو روزی کے دھندے میں لگنا اس میں غافل عمر تمام کر جاتے ہیں۔ ان دو

مشغلوں کے سوا دارِ آخرت کی فکر تک نہیں۔ اب اس گھر کی چھت کا حال بیان فرماتا ہے (۶) وبنینا فوقکم سبعاً شداداً کہ ہم نے تمہارے اوپر سات چھت مستحکم بنائیں جو زمانے کے گزرنے سے ہرگز پرانی نہیں ہوتیں اور نہ ان میں کوئی قصور و فتور واقع ہوتا ہے۔ اب تک ویسے ہی ہیں۔ اس کاریگر کی یہ کاریگری قابلِ غور ہے۔ وہ سات چھت کیا ہیں۔ سات آسمان کہ جن میں سات ستارے دورہ کرتے ہیں اور ان ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت، روشنی و تاریکی سے سب نیک و بد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکوں کے لیے جنت میں چھت کی جگہ بلند مرتبہ لوگوں کے مکان ہیں جن کی روشنی ان پر پڑتی ہوگی اور وہ بلند مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان ماتحتوں کی ترقی میں مدد کریں گے اور بدوں کو جہنم کے طبقات احاطہ کئے ہوں گے اور یہی ان کی چھت ہوگی اور کفار اپنے ظلماتِ کفر میں اپنے سے اوپر والوں کو اور بھی زیادہ عذاب میں مبتلا سمجھیں گے۔

حکماءِ حال کے نزدیک سبع شداد سات ستارے ہیں جو یکے بعد دیگر قائم ہیں اور اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور جس فضا میں یہ حرکت کرتے ہیں۔ وہ ان کے آسمان ہیں مگر کوئی دوربین اب تک ایسی نہیں پیدا ہوئی جو اس قدر دور دراز کی فضا کو جس میں اجرامِ لطیف ہیں محسوس کر سکے۔ پھر آسمان کا انکار محض مکابرہ ہے۔

اب اس دنیا کے گھر کا چراغ بھی ضرور تھا۔ اس لیے فرماتا ہے (۸) وجعلنا سراجاً وھاجاً اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا۔ دن کو آفتاب رات کو ماہتاب اور ستارے جن کے نور سے نیک و بد برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ جنت میں آفتاب کی روشنی کی ضرورت نہ ہوگی اور جہنم میں سرے سے کوئی روشنی نہ ہوگی۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور نیز یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی برہان ہے کہ آفتاب میں یہ نور دیا اور پھر ان ستاروں کے انوار میں یہ فرق پیدا کر دیا کہ کسی کی روشنی گرم ہے تو کسی کی سرد۔ پھر کیا وہ حکیم اس جہان میں نیکوں اور بدوں کو جزاء و سزا نہیں دے سکتا؟ ضرور دے سکتا ہے اور دے گا۔ یوں ہی معطل نہ چھوڑے گا۔

اس کے بعد اس جہان میں جو بندوں کی راحت کا سبب ہے اس کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ایسا گھر بنا کر ہم تم کو اس تدبیر سے کھانا کھلاتے ہیں۔ فقال (۹) وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجاً کہ ہم بادلوں سے پانی کا ریلا اتارتے ہیں۔ بادلوں سے پانی کا برسنا اور وہ بھی اس طرح سے کہ چھوٹی چھوٹی بوندیں برستی ہیں۔ اس کی حکمت و قدرت کی دلیل ہے۔ حکماء نے کہا ہے کہ آفتاب کی حرارت سے زمین سے بخارات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کے بارد طبقہ میں جا کر جم جاتے ہیں۔ پھر ان سے پانی برستا ہے۔ یہ ٹھیک مگر اس سلسلۂ اسباب میں جو کچھ کاریگریاں ہیں ان کو تو دیکھو جہاں عقل حیرت میں آ کر یہی کہہ دیتی ہے کہ تو ہی مسبب الاسباب ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہر کام کی ڈوریاں ہیں پھر یہ پانی بیکار نہیں بلکہ اس لیے ہے لنخرج بہ حباً و نباتاً وجنات الفافاً کہ اس سے ہم اناج پیدا کرتے ہیں جو اے ابن آدم! تمہارے کھانے میں آتا ہے اور نبات بھی پیدا کرتے ہیں یعنی جڑی بوٹیاں کہ جن میں تمہارے چارپایوں کی بھی غذا ہیں اور دوا میں تمہارے بھی کام آتی ہیں اور کچھ ان میں سے خوشبو اور مصالحہ کا کام دیتی ہیں اور جنات الفافاً اور گھنے باغ اگاتے ہیں جن میں طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی سبزی و شادابی تمہاری عشرت و فرحت کا سبب ہے۔ اب دیکھو ایک پانی ہے۔ اس سے کیا کیا مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس میں بھی کافر و مومن برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ کوئی امتیاز نہیں برخلاف اس جہان کے کہ وہاں نیکوں کے اعمال و اعتقادات و احوال، باغ و انہار اور میوے بن کر سامنے آویں گے اور بدوں کے اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ زقوم و ماءِ حمیم بن کر ظاہر

ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں تمام منافع میں شرکت ہے۔ امتیاز کلی نہیں بلکہ اس جہان کی فنا و تخریب کے بعد ایک اور جہان ہوگا جہاں بدوں کو نیکوں کے ساتھ کسی راحت اور نفع میں شرکت نہ ہوگی پس وہ دن فیصلہ کا ہے اور وہیں جزاء و سزائے کامل ہے اور وہی فصل یعنی امتیازِ کلی کا بھی دن ہے۔

فائدہ: ان آیات میں جس طرح اس عالم کے منافع میں شرکتِ عمومی بیان کی گئی کہ جو یوم الفصل کے برخلاف ہے۔ اسی لیے یہ جہاں دارِ جزاء و سزا ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ایک اور جہان کا انتظار کرنا چاہیے جس کی تمام انبیاء علیہم السلام خبر دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی اول منزل ہر ہر فردِ انسانی کے لیے موت ہے اور سب کے لیے اس جہاں کی تخریب[1] جس کو آیندہ بیان فرماتا ہے اور جس کی نسبت سوالات کرنا اور تعجب کرنا عقل کی کوتاہی ہے۔ اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ اور نعمتِ شاملہ کا بھی ہر فردِ انسانی کے لیے ثبوت ہے جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تم اس محسن اور قادرِ مطلق و حکیم برحق کی نافرمانی کرتے ہو اور ان نعمتوں میں اور معبودوں کو شریک ٹھہرا کر ملزم[2] بنتے ہو توہماتِ فاسدہ کے گھوڑے دوڑاتے ہو۔ یہ کمال ناسپاسی اور پوری نمک حرامی ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے اور نیز ان آیات میں حیات و موت اور بقاء و فنا کا بھی نقشہ دکھایا ہے، مثلاً آفتاب طلوع کرتا ہے پھر نصف النہار پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر غروب ہو جاتا ہے اور دنیا میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے یہی حال انسان کا ہے کہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کی حد تک پہنچ کر ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ آخر ایک روز زمین کے پردے میں یہ چمکتا ہوا مہتاب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے وجودِ عارضی پر ایک عدم کی اندھیری رات چھا جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح ایک مدتِ معین کے بعد آفتاب بارِ دگر طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ مہ پارہ بھی نئی دنیا اور دوسرے جہان میں پھر طلوع کرے گا اور اس طرح پانی سے سبزہ اگنے میں بھی حیات و موت کا نمونہ ہے۔ پانی کے قطرے سے یہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کی ٹپکتی بدلیوں سے برسا تھا۔ پھر اس سے ایک بوٹا اگا اور کیا کیا جوانی اور لڑکپن کی بہاریں آئیں۔ آخر پژمردہ ہوتا چلا اور سوکھ کر زمین پر گر پڑا اور ہوا میں اس کے ریزے ریزے اڑتے پھرے۔ اسی طرح رات اور دن خواب و بیداری بھی نمونہ ہیں۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿۲۲﴾ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿۲۶﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿۲۹﴾ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ

[1] یعنی اس جہان کا برباد ہونا دوسرے جہاں کے لیے سب کے لیے یہی منزل ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ ان نو چیزوں میں سے کونسی کسی اور معبود نے بنائی ہے یا بنانے میں مدد دی ہے۔ پھر وہی معبودِ واحد قابلِ پرستش ہے۔

اِلَّا عَذَابًا ۝

بے شک فیصلہ کا دن معین ہو چکا ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا تو تم جوق جوق (پرے باندھے) چلے آؤ گے اور آسمان کھولا جاوے گا تو (اس میں) دروازے بن جاویں گے اور پہاڑ اڑائے جاویں گے تو ریتا ہو جاویں گے۔ بے شک دوزخ تو شریروں کی تاک میں ہے۔ ان کا ٹھکانا ہونے کے لیے۔ اس میں قرنوں پڑے رہیں گے نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مگر گرم پانی اور زخموں کی پیپ پورا پورا بدلہ ملے گا کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتیں بے باکی سے جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو قلمبند کر رکھا ہے۔ پھر (ان سے کہا جائے گا) لو چکھو۔ سو ہم تمہارے لیے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے۔

ترکیب | کان میقاتا الجملۃ خبر ان یوم الفصل اسمہا۔ یوم ینفخ بدل من یوم الفصل او عطف بیان۔ الصور اما جمع الصورۃ فالنفخ فی الصور عبارۃ عن نفخ الارواح فی الاجساد واما ھی عبارۃ عن قرن ینفخ فیہ افواجا حال من فاعل تاتون وھی جمع فوج ای جماعات جماعات والفاء فی فتاتون فصیحۃ وفتحت معطوف علی ینفخ وصیغۃ الماضی علی تحقق الوقوع وقیل عطف علی فتاتون۔ مرصادا خبر کانت والمرصاد اسم للمکان الذی یرصد فیہ کالمضمار للمکان الذی یضمر فیہ الخیل وکذا المنہاج۔ وقیل مفعال من الرصد والمفعال من ابنیۃ المبالغۃ کالمھمار علیٰ ھذا ان جہنم ترصد اعداء اللہ وتشق علیھم للطاغین ان قلنا ان جہنم مرصاد للکفار فقط فکان قولہ للطاغین من تمام ما قبلہ ای جہنم کانت مرصاد اللطاغین ثم قولہ مآباً بدل من قولہ مرصادا وان قلنا انھا مرصاد للکفار وللمؤمنین ثم قولہ علیٰ مرصادا وکان للطاغین مآبا کلاما مبتدءً مآبا خبر ثان لکانت للطاغین متعلق بہ او بمحذوف او بکانت المآب المرجع یقال آب یؤب اذا رجع۔ لابثین منصوب علی الحال المقدرۃ من الضمیر المستکن فی الطاغین واحقابا منصوب علی الظرفیۃ وھی جمع حقب بضمتین وھو الدھر والا حقاب الدھور وتقدیر الحقب عند اھل اللغۃ ثمانون سنۃ واصل الحقب الترادف والتتابع یقال احقب اذا اردف لا یذوقون الجملۃ حال من الضمیر فی لابثین او صفۃ لاحقابا او مستانفۃ لبیان ما اشملت علیہ من انھم لا یذوقون فی جہنم او فی الاحقاب برداً والاشرابا برد خنکی آب یا ہواء) وقیل النوم والشراب الماء جزاء وفاقا ای موافقا لاعمالھم وفاقا صفۃ الجزاء اما علی حذف المضاف ای ذا وفاق واما علی المبالغۃ ونصب جزاء علی انہ مفعول مطلق من فعل محذوف قال الفراء والاخفش جازیناھم جزاء وافق اعمالھم وقال الزجاج جوزوا جزاوفاقا۔ قال الفراء الوفاق جمع الوفق والوفق والموافق واحد انھم کانوا الجملۃ مستانفۃ وتعلیل لاستحقاقھم الجزاء المذکور۔ وکل شیء منصوب علی الاشتغال ای احصینا کل شیء وقریٔ بالرفع علی انہ مبتداء ما بعدہ خبرہ کتابا فی نصبہ اوجہ احدھا انہ تمیز من احصینا والثانی انہ حال ای مکتوبا فی اللوح والثالث انہ مصدر من بمعنی الاحصاء والتجوز اما فی المصدر او فی الفعل اذ یراد بالاحصاء والکتب الضبط۔

تفسیر | اس کے بعد قیامت کے چند احوال بیان فرماتا ہے: (۱) ان یوم الفصل کان میقاتا کہ فیصلے کا دن موقت و معین ہے۔ اس وقت سے پہلے تمہارے انکار و اصرار کی وجہ سے آ نہیں سکتا۔ کس لیے کہ اس وقت کے لیے چند چیزیں لازم ہیں۔ اول یہ کہ ارواح کا بار دیگر ابدان سے تعلق۔ دوم یہ کہ جب تک یہ تمام کارخانۂ دنیا درہم برہم نہ ہو اور اس کے گھر کی چھت اور فرش اور قندیل اور اس کے سامانِ رزق و راحت جن کا آج فائدہ عام ہے منقطع نہ کر دیے جاویں اور تمام آنے والی روحیں اس گھر میں آ کر فائدہ نہ اٹھالیں۔ اس وقت

تک قیامت نہیں آئے گی۔ میقاتا کے یہ بھی معنی ہیں کہ یوم الفصل میقات یعنی حد ہے اس عالم کے تمام ہونے کی یا وقت ہے ان چیزوں کا کہ جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے یا وقت ہے اجتماع خلائق اور معاملات کے فیصلہ کا۔

میقات کے لفظ میں ان کے سوالات کا جواب بھی ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو اور کس لیے تعجب کی راہ سے پوچھتے ہو۔ آخر ہر ایک بات کی حد بھی تو ہوتی ہے۔ دنیا کا حادث ہونا جب تم کو ان نو دلائلِ مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا تو یہ جان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہر حادث کی انتہاء اور حد بھی ہے۔ ایک روز یہ کارخانہ تمام بھی ہونا ہے۔ پس وہی قیامت ہے اور وہ اس دنیا کی انتہائی حد ہے۔

(۲) یوم ینفخ فی الصور اس دن صور پھونکا جاوے گا۔ پہلے صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جاوے گی جیسا کہ اس صورِ اول کے حالات بعد کی آیات میں آتے ہیں اور چونکہ وہ حالات اور واقعات ہولناک ہیں' اس لیے ان کو بعد میں جداگانہ بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد بارِ دیگر صور پھونکا جاوے گا اور صور ایک بگل یا ترہی کیسی مجوف چیز ہے۔ حضرت اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے جس کی سخت آواز کی تاثیر سے یہ عالم خراب ہوگا۔ اس کے بعد بارِ دگر پھونکیں گے تو اس کی تاثیر سے تمام ارواح اپنے اپنے اجسام سے متعلق ہو جاویں گی اور اجسام گو ریزے ریزے ہو گئے تھے مگر وہ ریزے باقی تھے جمع ہو جاویں گے۔ تب ہر ایک بارِ دگر زندہ ہوگا اور فتاتون افواجا تم سب کے سب جوق جوق تختِ رب العلمین کی طرف عدالت کے لیے آؤ گے۔ افواجا کے معنی کی قرآن مجید میں بہت جگہ تشریح آئی ہے۔ ایک جگہ آیا ہے یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون ایک جگہ ہے واذا النفوس زوجت ایک جگہ ہے یوم ندعوا کل اناس بامامھم اور احادیث میں بھی تفصیل و تشریح بہت کچھ ہے۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہوگی۔ بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں سے نمازیوں کی جدا۔ صدقات و خیرات دینے والوں کی جدا۔ صابروں کی جدا تو شاکروں کی جدا۔ رات میں چھپ کر عبادت کرنے والوں کی جدا۔ مجاہدین کی جدا۔ اشاعتِ علم و دین کرنے والوں کی جدا۔

بدوں میں مشرکوں کی جدا۔ پھر مشرکوں میں سے آفتاب پرستوں کی جدا۔ اصنام پرستوں کی جدا۔ ارواحِ غیر مرئیہ سے مدد مانگنے والوں کی جدا' توہمات پرستوں کی جدا۔ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے پوجنے والوں کی جدا۔ ملائکہ کے پوجنے والوں کی جدا۔ جنوں بھوتوں سے مدد مانگنے والوں کی جدا۔ پھر زناکاروں کی جدا تو ظالموں کی جدا۔ دغا بازوں' جھوٹ بولنے والوں' کم تولنے والوں کی جدا جماعت ہوگی۔ ہر ایک جماعت کا نشان ہوگا اور اس پر لکھا ہوگا کہ یہ فلاں جماعت ہے۔ ہر ایک جماعت عدالت میں حاضر ہوگی اور اپنے اعمال کا بدلہ پاوے گی۔

اس کے بعد صورِ اول کی کیفیات بیان فرماتا ہے (۳) وفتحت السماء فکانت ابوابا اور آسمان کھولے جاویں گے تو اس میں دروازے ہو جاویں گے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ اول یہ کہ صور پھونکنے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جاویں گی۔ جن کو دروازوں سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مستحکم گول چھت گرتی ہے تو پہلے اس میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ ملائکہ کے لشکر نازل ہونے کے لیے جو دنیا کے خراب کرنے کو آئیں گے۔ آسمان میں بہت دروازے ہو جاویں گے۔ یہ دنیا کی چھت گرنے کا حال تھا جس کو سبعا شدادا سے تعبیر کیا تھا۔ اس کے بعد فرش کے اٹھائے جانے کا حال بیان فرماتا ہے (۴) وسیرت

الجبال فکانت سرابا کہ پہاڑ اڑائے جاویں گے اور ریزہ ریزہ ریتے کی مانند ہو جاویں گے۔ یہ وہ پہاڑ تھے جو زمین کی میخیں تھیں پھر جب وہ نہ رہے تو زمین کہاں؟ ان دونوں کے ضمن میں باقی اور چیزوں کی فنا بھی بیان ہوگئی۔ کس لیے کہ جب آسمان و زمین نہ رہیں گے تو ان کے اندر رہنے والے کہاں؟

اس کے بعد پھر صورِ دوم کے بعد کے حالات بیان فرماتا ہے جو دربارِ الٰہی میں پیش ہونے کے بعد ظاہر ہوں گے۔ سب سے اول بدوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو دنیا میں اس دن کو بھول بیٹھے تھے اور شہوت ولذات میں فریفتہ ہو کر حق سبحانہ سے باغی ہو گئے تھے۔ اب دربارِ الٰہی اور عدالتِ ربانی سے ان کے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔ فقال (۵) ان جھنم کانت مرصاداً للطاغین مآبا کہ جہنم سرکشوں یعنی بدکاروں، مشرکوں، کافروں کی تاک میں ہوگی۔ منتظر ہوگی کہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ آخر اس میں ڈالے جاویں گے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا اور ٹھکانا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہیں بلکہ (۶) لابثین فیھا احقابا۔ سالہائے دراز اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے۔ کافر و مشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے اور ایماندار گنہگار ایک زمانے کے بعد نکل آئیں گے۔ افسوس حیاتِ دنیا تو چند روزہ تھی۔ دس بیس پچاس ساٹھ ستر اسی۔ سو دو سو برس جہاں لذات و شہوات کے مزے اڑائے تھے، اس کے بدلے یہاں ہزاروں، لاکھوں برس بلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ کیا برا سودا کیا اور کیا بری کمائی کر کے آئے۔ گھڑی دو گھڑی کے ایسے مزے پر پھٹکار جس کے بدلے برسوں گونا گوں عذاب اور تکالیف بھگتنی پڑیں۔ کوئی عاقل ایسا نہیں کرے گا مگر اس جہاں میں غفلت اور شیطانی تخیلات کے پردے عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں جن کے اٹھانے کو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے اور کتابِ الٰہی ساتھ لائے۔

پھر اس جہنم میں کیا ہوگا؟ لایذوقون فیھا برداً ولا شرابا الا حمیما وغساقا کہ وہاں ان بدبختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد ہوا نہ سرد مکان نہ سرد لباس نہ سرد کھانے نہ ٹھنڈک دینے والی چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔

بعض علماء فرماتے ہیں برد سے مراد نیند ہے۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں ان کو نیند نہ آوے گی اور استعارہ کے طور پر چکھنے کی نفی کر کے یہ بتلا دیا کہ ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ دل بھر کر تو کجا نہ بدن کی ٹھنڈک، نہ دل کی ٹھنڈک، نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی۔ لفظ کو عام رکھنا بہتر ہے اور شراب سے مراد پانی ہے کہ اور تو کیا جو دنیا میں ہلکی چیز ہے یعنی پانی جو قیدی اور خونی کو بھی پلا دیا جاتا ہے۔ وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلے الا حمیما کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلس دے، وہ ملے گا اور کھانے کو غساقاً جہنمیوں کے زخموں کی پیپ حمیم اور غساق کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔

اور یہ کس لیے جزاء وفاقا یہ ان کا پورا بدلہ ہوگا۔ شہوت وحبِ جاہ ومال کی آگ جو دل میں بھڑکا کرتی تھی وہی تو یہ آگ ہے۔

اب اس سزا اور کامل جزا کے مستحق ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں دی گئی۔ فقال انھم کانوا لایرجون حسابا کہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔ واضح ہو کہ نفسِ انسانیہ کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں۔

اول! قوتِ نظریہ کہ حقیقت الامر کو ٹھیک ٹھیک دریافت کرے۔

دوسری! قوتِ عملیہ کہ اس صحیح دریافت کے موجب عمل بھی کرے جن کی یہ دونوں قوتیں درست ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جن کی یہ دونوں قوتیں فاسدہ ہیں وہ شقی ہیں۔ سو ان کفار کی قوتِ عملیہ کا فاسد ہونا تو اس جملہ سے بیان فرما دیا اور اسی لیے کسی گناہ کا نام نہیں لیا کہ اس

کی وجہ سے ان کو یہ دن نصیب ہوا۔ حالانکہ بہت سے گناہ تھے بلکہ عموماً قوتِ عملیہ کا فساد ظاہر فرمایا اور وہ اس لیے کہ انسان جب اپنے اعمال پر باز پرس اور حساب کا اعتقاد نہیں رکھتا تو نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ کوئی گناہ ہو اس کے نزدیک کچھ بھی بڑی بات نہیں اور کسی نیک کام کی مشقت بھی سر پر نہیں رکھتا۔ باز پرس اور حساب ہی کا خیال انسان کو ہر ایک بدی سے روک دیتا ہے اور نیکی کو عمل میں لانے پر تحریک کرتا ہے۔ جن قوموں میں یہ اعتقاد نہیں وہ برائی میں کوتاہی نہیں کرتیں۔ نیکیوں سے دور رہتی ہیں۔ عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارے تمام گناہوں کے عوض حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو گئے۔ اب ہم سے کچھ بھی باز پرس نہیں ہوگی' پھر شراب خوری اور زنا کاری اور عیاری کا کونسا کام ہے جو ان سے رہ گیا ہے۔

قوتِ نظریہ کا فساد اس جملہ سے ثابت کرتا ہے و کذبوا بآیتنا کذابا اور ہماری آیات کو عام ہے کہ آیاتِ قرآنیہ ہوں یا آیاتِ قدرت ہوں سب کو جھٹلایا اور خوب ہی جھٹلایا یعنی حق کے منکر اور باطل پر مصر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رواءت وفساد میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ اس لیے جزاء وفاقا کے مستحق ہوئے۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے ان کی شقاوت کے اصول بیان کر دیے ورنہ جزئیاتِ اعمال اور ہر ایک بات جو وہ کرتے تھے اور ہر ایک اعتقادِ باطل جس کے وہ پابند تھے۔ وہ بھی ہمیں سب معلوم ہیں کس لیے و کل شیءٍ احصینٰہ کتابا کہ ہر شے کو ہم نے گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک چیز ہمارے احاطۂ علم میں ہے اور علم بھی کیسا کہ اس کو دفترِ غیب میں لکھ رکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جزئیات کا علم بتفاصیلہا وخصوصیاتہا وکیفیاتہا وکمیاتہا حق سبحانہ کو حاصل ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال و اقوال و اعتقادات ایک ایک ہم کو معلوم ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کے مناسب وقتاً فوقتاً جو سزائیں ہوں گی وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ اس لیے جزاءِ وفاق دیا جانا صحیح ہے۔ گویا اس جزاءِ وفاق کی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ جس میں ضمناً منکروں کے شبہ کا بھی رد ہے کہ خدا کو ہمارے ہر روز کے کام اور خیالات کیونکر معلوم ہیں اور معلوم ہیں تو اس وقت کیونکر یاد رہیں گے۔ پھر جب یہ نہیں تو جزاءِ وفاق کا دعویٰ غلط ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ہم کو ہر شے معلوم ہے اور معلوم بھی کس طرح کہ ہم نے اس کا احصاء کر لیا ہے جو کمالِ علمی اور علم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور احصاء بھی اس قسم کا ہے کہ وہ دفترِ غیب میں درج ہے۔ جہاں نسیان وذہول کا گزر بھی ممکن نہیں۔ وہ کچھ ایسا لکھا نہیں کہ جیسا دنیا کے دفتروں میں قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ جس میں تلف ہو جانے کا خطرہ باقی رہتا ہے بلکہ وہ ایک ثبوتِ علمی ہے اور عالمِ غیب میں چھپ جانا اور نقش ہو جانا ہے اور وہ لوحِ علمی ہمیشہ اس کے حضور میں رہتی ہے۔

جب یہ ہے تو ہر ایک عملِ بد اور قولِ بد اور اعتقادِ فاسد پر ہم وقتاً فوقتاً ایک سزا اس کے مناسب دیں گے۔ فلن نزید کم الاعذابا اور یہ بھی ہے کہ جوں جوں بیمار کا زمانۂ مرض دراز ہوتا جاتا ہے' تکلیف پر تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنمیوں کے عذاب کی کیفیت ہوگی۔ لحہ بہ لحہ عذاب اور دکھ بڑھتا جاوے گا اور اس میں اس طرف بھی تعریض ہے کہ اے منکرو' بدکارو' جس طرح باوجود پند ونصیحت کے تم دم بدم سرکشی اور بدی میں بڑھتے جاتے ہو' آگے ہی پاؤں رکھتے ہو پیچھے نہیں ہٹاتے۔ اسی طرح تمہیں دم بدم عذاب زیادہ ہوتا جاوے گا۔ کس لیے کہ ہم کہہ چکے ہیں جزاء وفاقا اعمال کے موافق جزا دی جاوے گی فلن نزید کم جو فاکے ساتھ کلام صادر ہوا گویا اسی تمام کلامِ سابق کو مدلل کر کے نتیجے کے طور پر ثابت کر دیا۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾
لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

ضرور پرہیزگاروں کو کامیابی ہے (ان کے لیے) باغ ہیں اور انگور اور نو جوان ہم عمر عورتیں اور پیالہ چھلکتا ہوا نہ وہاں بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ مکر جانا آپ کے رب کی طرف سے (ان کو) بدلہ دیا جائے گا (اور) انعام گن گن کر جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم (کرم) کرنے والا ہے۔ ان کو اس سے بات کرنے کا مقدور نہ ہوگا۔

ترکیب: مفازا اسم ان وللمتقین خبرها والمفاز مصدر میمی بمعنی الفوز والظفر بالمطلوب والنجاۃ من الھلاک ولذا یطلق المفازۃ علی الفلاۃ[1] تفاولاً بالخلاص منها وقیل الفوز النجاۃ والھلاک ایضاً فاطلاق المفازۃ علی الفلاۃ حقیقی حدائق بدل من مفازاً بدل الاشتمال اوبدل الکل علی طریق المبالغۃ وھی جمع حدیقۃ ہی کل بستان[2] محوط علیہ من قولھم احدقوا بہ ای احاطوا بہ وکذا واعنابا معطوف علی حدائق وھی جمع عنب (انگور) وکواعب عطف علی اعنابا وھی جمع کاعبۃ وھی الناھدۃ[3] التی تکعبت ثدیھا ای استدرات مع ارتفاع اترابا صفۃ کواعب وھی جمع ترب بالکسر ہمزاد[4] یقال ھذہ ترب ھذہ وھن اتراب صراح وکاسا موصوف دھاقا صفۃ عطف علی کواعب الکاس جام با شراب مونث جمعہ کؤس۔ واذا لم تکن فیھا خمر فلیس بکاس دھاق بالکسر جام پر اد ھاق پر کردن جام۔ او بر ریختن آب را (صراح) لا یسمعون الجملۃ حال من الضمیر فی خبر ان ویجوز ان یکون مستانفا والضمیر فی فیھا یرجع الی الکاس ای لایجری بینھم لغو فی الکاس التی یشربونھا بخلاف کاس الدنیا وقیل یرجع الی الجنۃ ای لایسمعون فی الجنۃ مایکرھونہ کذابا بالتخفیف ای کذبا وبالتشدید ای تکذیبا من واحد لغیرہ بخلاف مایقع فی الدنیا عند شرب الخمر جزاء منصوب علی انہ مصدر ای جازاھم جزاء من ربک صفۃ لہ عطا بدل منہ حسابا مصدر اقیم مقام الوصف ادھاق علی مصدریۃ مبالغۃ اوھو علی حذف مضاف وفی معناہ کلام طویل قیل معناہ کافیا ماخوذ من قولھم اعطانی ما احسبنی ای ماکفانی وقیل معناہ بقدر ماوجب لہ فیما وعدہ من الاضعاف ماخوذ من قولھم حسبت الشیء اذا اعددتہ وقدرتہ وقیل معناہ کثیرا۔ والاول ارجح وفی القاموس حسبک درھم کفاک وشیء حساب کاف ومنہ عطاء حسابا رب السموات الخ بالرفع علی الابتداء وفی خبرہ وجھان احدھما الرحمٰن فیکون ما بعدہ خبرا آخرا اومستانفا والثانی الرحمٰن نعمت ولا یملکون الخبر ویجوز ان یکون رب خبر مبتداء محذوف ای ھو رب السموات الرحمن ومابعد مبتداء وخبر ویقراء رب والرحمٰن بالجر بدلا من ربک لایملکون الجملۃ مستانفۃ لما تفیدہ الربوبیۃ العامۃ من العظمۃ والکبریاء۔

تفسیر: دارِ آخرت میں اشرار و بدکاروں کی جو حالت ہوگی اس کو بیان کر کے ابرار و صلحاء کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جاوے یا یوں کہو کہ بدکاروں کے حق میں بیان فرماتا تھا کہ ان کو عذاب دم بدم زیادہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پرہیزگاروں کو جو ہر دن نئے عیش و کامرانی میں دیکھیں گے اور بھی دل جلیں گے گویا یہ روحانی عذاب ہوگا۔ اس لیے پرہیزگاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان للمتقین مفازا کہ ضرور بالضرور پرہیزگاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیاتِ جاودانی اور کامرانی حاصل ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیے، متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جن کا حکم ہے ان کو کرے۔ پھر تقویٰ کے چند

[1] فلاۃ صحرا خالی از آب و خورش۔ ۱۲ منہ
[2] وہ باغ جس کی دیوار نہ ہو۔ ۱۲ منہ
[3] یعنی پستان ابھری ہوئی۔ ۱۲ منہ
[4] ہم سن و ہم عمر۔ ۱۲ منہ

مراتب ہیں۔ اول مرتبہ توحید اور ایمان ہے۔ اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے۔ گو وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ دوم مرتبہ ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کو عمل میں لانا' برے افعال سے بچنا۔ اس مرتبہ میں گنہگار ایماندار کو متقی لکھا جاوے گا۔ جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ کسی کی محبت اس کے دل پر نہ ہو۔ یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا انتہا درجہ ہے کہ ماسواء اللہ کوئی چیز ان کے قلوبِ صافیہ تک نہیں پہنچتی۔ وہ اس کے سوا سب سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ متقی کو مطلق رکھا ہے کیا تعجب ہے کہ اس کی رحمت گنہگار و ایمانداروں کو بھی مفاز یعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفازا میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے۔ روحانی ہو یا جسمانی لیکن کی عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اس لیے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جواہر[1] کو بیان فرماتا ہے۔ فقال حدائق باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبانِ عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمالِ صالحہ سے سینچے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کئے گئے تھے۔ یہ لفظ بھی عام تھا' باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آ گئی تھیں۔ پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہ ہوں جو ہم کو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔ دنیا میں اقالیم کے لحاظ سے باغوں کا حال مختلف ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے جہاں کے باغ اس لیے اپنی مہربانی سے اس خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال واعنابا[2] وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے۔ انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے اور اس سے شراب بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پر ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔ اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہ رو ہم نشین نہ ہوں تو کچھ بھی لطف نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے و کواعب اترابا کہ وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کی پستان ابھی ابھری ہوں گی یہ نوعمری اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے۔ پھر ان کی نوعمری اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہل جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہ ہو۔ انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے۔ نوجوان لڑکی بوڑھے مرد سے کبھی لطفِ صحبت نہیں پاتی۔ اس لیے اترابا کا لفظ بھی ارشاد فرما دیا کہ یہ متقی بھی ان کے ہم سن یعنی نوجوان ہوں گے۔ پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چوچلے اور اچھل کود نہ ہو تو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے۔ اس لیے اس کا بھی سامان کر دیا جائے گا۔ و کاسادھاقا کہ جامِ شراب کے دور چلیں گے جن سے ایک فرحت و سرور تازہ ہوگا۔ دہاق کے معنی بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے در پے کے یہی معنی ہیں کہ یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا۔ یہ وہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیِ کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔

شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں۔ بیہوشی اور دردِ سر اور اہلِ مجلس کی بیہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لایسمعون فیھا لغوا ولا کذابا کہ وہاں ایذا اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات سننے میں نہ آئے گی اور نہ جھوٹی بات۔ نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلاوے اور رنج ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہوگا۔ یہ دنیا کی شراب محبتِ الٰہی کا ظہور ہے جس کے نشے میں احوال و مقامات کے ابکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں لاتے ہیں۔ دنیا کی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکت اسمی ہے

---

[1] جس میں سے چند جواہر بیان فرماتا ہے جام شراب کے دو چلے گئیں یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا یہ وہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیِ کوثر کے مے خانہ سے عطا ہوئی تھی۔ حقانی ۱۲

[2] حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے بھی جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے پھر عیسائی کیوں کہتے ہیں کہ وہاں لذاتِ جسمانیہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ورنہ ان کی حقیقت اور ان کی اور ''چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک'' یہاں کی فانی اور ظلمانی چیزوں پر نام کی شرکت سے وہاں کی چیزوں کا قیاس کر کے اعتراض کرنا بے فہمی ہے۔اس لیے فرماتا ہے جزاء من ربك کہ یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں۔بندوں کے اعمال وعقائد و معارف کا تیرے رب کی طرف سے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کرے گا ویسا پاوے گا بغیر تقویٰ اختیار کئے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد فلاں کے شاگرد فلاں کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں۔اب دنیا میں متقی بننے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقویٰ کا سرمایہ حاصل کرو۔جزا کو رب کی طرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گو اعمال کی جزا ہے مگر جزا بھی کسی تنگ دل تنگ حوصلہ شخص کی طرف سے نہیں بلکہ اے محمد (ﷺ) تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جس کی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلے میں سینکڑوں حصہ بڑھ کر دے گا اور اس دنیا کی چندروزہ کوشش میں نعماءِ باقیہ وصافیہ عطا فرماوے گا۔اس لیے فرماتا ہے عطاء کہ یہ سب کچھ گو جزایا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اس قدر اور ایسی چیزیں دراصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حسابا کافی اور پوری اور بہت کچھ اور یہ اس لیے کہ یہ انعام وافضال اس کی طرف سے ہیں جو رب السموات والارض وما بينهما آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ہر ایک چیز کو بغور دیکھے تو اس کے وجود اور ذات اور اس کے بقاء میں سینکڑوں عنایات ہیں۔بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے۔درختوں کو پتے عطا فرمائے۔ان کی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنے کی قوت دی۔پھر رنگا رنگ کے پھول دیے جو نہایت خوشنما ہیں جن کے نقل کرنے میں بڑے بڑے صناع اور کاریگر نقاش حیران ہیں۔پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شے پر یہ عطا و فضل کیا تو اس جہاں میں اس کی عطا کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لیے ذرا سا عمل کا ہی بہانہ ہے۔

اب یہ شبہ کرنا کہ نعماءِ آخرت کو جزاء کہنا جو بدلہ ہوتا ہے اور پھر اس کو عطا کہنا جو بے بدل ہوتی ہے تعارض ہے۔محض کم فہمی ہے۔ جزا اور لحاظ سے ہے تو عطا اور لحاظ سے۔

رب السموات الخ کے بعد اور بھی صفتِ جود کا اظہار کرتا ہے۔الرحمن کہ وہ عطا کس کی طرف سے ہے۔رحمٰن کی طرف سے جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ہر ذرہ پر بے شمار رحمتیں ہیں جن کا کسی کو بھی استحقاق نہیں لايملكون منه خطابا اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے۔جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں مجھے کیوں نہیں دیں کیونکہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلاوے اور گلہ کرے۔ فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لايملكون کی ضمیر کفار کی طرف پھرتی ہے کہ کفار قیامت میں اس سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے یعنی وہ متقیوں پر رحمٰن ہوگا ان کو شرفِ کلام حاصل ہوگا مگر یہ نعمتیں دیکھ کر کفار کو اس کی ہیبت وجبروت دیکھ کر کلام کرنے کی قدرت نہ ہوگی مگر اول معنی بہت ٹھیک ہیں اور اس جملہ سے شفاعت کا انکار نہیں ثابت ہوتا۔کس لیے نفی جو ہے تو استحقاق جتلانے میں کلام کرنے کی ہے اور شفاعت میں استحقاق نہیں جتلایا جاتا بلکہ وہ بھی فضل و کرم پر موقوف ہے اور فضل و کرم کا دروازہ بڑا وسیع ہے۔ہر مومن اس سے وہاں کلام کرے گا بلکہ عذر و معذرت کے لیے کفار بھی کلام کریں گے۔صرف نفی کلامِ استحقاقی کی ہے حاصل یہ ہے کہ رحمٰن بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ ہیبت وجبروت بھی ہے کہ کوئی بات نہیں کر سکتا بے اذن کے۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾
ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ

يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

جس دن کہ روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں کوئی نہیں بولے گا مگر وہ کہ جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس نے بات بھی ٹھیک کہی ہوگی وہ دن برحق ہے پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ہم نے تم کو ایک عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے جس دن کہ انسان آپ دیکھ لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا اور کافر کہے گا اے کاش میں خاک ہو جاتا!

ترکیب! یوم منصوب بلایملکون اوبلایتکلمون صفاحال ای صافین اومصدرای یصفون صفاوالجملۃ مستانفۃ اوحالیۃ الامن استثناء من قولہ لایتکلمون ای لایتکلم احدالا الماذون من الرحمٰن فلاستثناء متصل وقال معطوف علی قولہ اذن ذالک مبتداء الیوم الحق خبرہ الی ربہ ما با الی متعلقۃ بما باقدم علیہ اهتماما ورعایۃ للفواصل فمن شاء المفعول محذوف شرط اتخذ جوابہ یوم ینظر یوم منصوب علی انہ بدل من عذابا او ظرف لمضمر ھوصفۃ لہ ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء موصولۃ قدمت یدٰہ صلۃ والعائد محذوف والصلۃ والموصول المجموع منصوب محلا علی انہ مفعول ینظر والمرء فاعلہ ویقول معطوف علی ینظر۔

تفسیر! پہلے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی کلام نہیں کر سکتا اس کی ہیبت وجلال کبریائی کی وجہ سے اب اس بات کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یہ کس روز کا واقعہ ہے اور اس دن کی کیا کیفیت ہوگی۔ فقال یوم یقوم الروح والملئکۃ صفا کہ جس روز روح اور فرشتے پرا باندھے کھڑے ہوں گے عین دربار کا وقت ہوگا اور ہیبت وجلال کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا تو اس روز لایتکلمون الامن اذن لہ الرحمن وقال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھے کھڑے ہوں گے بات نہ کریں گے ہیبت وخوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جس کو رحمٰن کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اجازت پا کر بھی وہ واہی تباہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ٹھیک ادب وقاعدے کو ملحوظ رکھ کر یا یہ معنی کہ وہی کلام کرے گا یعنی شفاعت اسی کے لیے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ وہ شخص کہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شخص ہوگا کہ جس نے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہوگی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت۔ یالا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ قول صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنے کی اجازت پا کر۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین وآسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان وزمین کے رہنے والے ہیبتِ الٰہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے۔ صرف وہی بات کرے گا جس کو اجازت ہوگی اور وہ بعد اس کے بات بھی غلط اور بے قاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر ومشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رورعایت نہ کرے گا نہ کمی زیادتی: بات ٹھیک ہو اسی قدر کہے گا۔

ان آیات میں ان مذاہبِ باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ بطلان ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت کے عہد میں تھے اور کچھ اب بھی ہیں اور ان کے مذاہب بڑے غلط خیالات پر مبنی تھے۔ عرب کے بعض مقامات پر عیسوی مذہب کی حکومت تھی وہ یہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ بنی آدم کے تمام گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ذمے لے گئے اور ان کے عوض آپ نے تین روز جہنم میں رہنے کی سزا پائی۔ بس اب قیامت میں بازپرسِ اعمال کا تو کھٹکا ہی نہیں۔ صرف مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا یعنی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا تصور کر لینا کافی ہوگا۔ پھر اس روز حضرت مسیح علیہ السلام کے تو تمام کارخانہ ہاتھ ہی میں ہوگا' وہ اپنے بندوں کو جنت میں لے جاویں گے اور وہ سب خدا کے داہنے ہاتھ کرسیوں پر جا بیٹھیں گے۔ اب جو چاہو کرو مشقتِ عمل اور قیدِ حلال وحرام بیکار ہے۔ اس عقیدہ کا بطلان کر دیا گیا کہ وہاں اس کے برابر

کون کرسی پر بیٹھ سکتا ہے۔ وہ روح جس کو تم روح القدس کہتے ہو اور جس کو الوہیت کا ایک اقنوم قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح کی تائید ان سے ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی اور فرشتوں کے ساتھ باادب صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ بغیر اجازت کے بات بھی نہ کر سکیں گے اور سفارش کریں گے تو اس کی کہ جس نے حق بات دنیا میں کہی نہ اس کی کہ جس نے کفر بکا اور خدا تعالیٰ کی ذات بیچون وبیچگوں کے حصے بخرے کر ڈالے ہوں اور اقنوم قرار دیے ہوں اور اسی لیے روح کا ذکر اس آیت میں آیا۔

اس سے روحِ حیوانی یا انسانی یا نباتی یا جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں بلکہ روحِ اعظم جو ایک اور دوسری چیز ہے یعنی سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ادھر مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ حضرات ملائکہ اور انبیاء وصلحا اور دیگر اوہام کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو اس کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔ دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لیے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لیے ان کی نذر و نیاز کرتے تھے۔ آڑے وقت ان کے نام کی دہائی دیتے تھے۔ المدد المدد پکارتے تھے اور آخرت میں ان کو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے اور بہت تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے۔ اس خیال کا بطلان بھی ان آیات میں کر دیا گیا کہ تمام آسمان وزمین کے رہنے والے باادب کھڑے ہوں گے۔ کسی کو لب ہلانے کی قدرت نہ ہوگی مگر اجازت پا کر سفارش بھی کریں گے تو اسی کی کہ جس سے حق بات دنیا میں بولی تھی۔ توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا نہ خدا کے دشمنوں باغیوں سرکشوں کی۔ اسی کے قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب کے تراشیدہ خیالات عالمِ آخرت کے باب میں ہیں جن میں حق سبحانہ کی تنقیص ہے اور ان کے خیالی معبودوں کی عظمت ہے اور اس طرح جو کچھ ان لوگوں کو شہادت کی بابت گمان ہے کہ ہمارے حق میں مفید شہادت دیں گے' یہ بھی غلط۔ کس لیے کہ وہ سچ اور حق بات کہیں گے' خواہ مفید ہو یا مضر اور یہ اس لیے کہ ذلك اليوم الحق کہ وہ دن حق ہے۔ آج جو حق و باطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے اس روز نہ ہوگا' حق کا ظہور ہوگا' باطل باقی نہ رہے گا۔ پردہ کھل جائے گا یا یہ معنی کہ اس دن کا آنا حق ہے جس میں یہ حال ہوگا۔ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں وہ آنے والا ہے اور اس روز سوائے حق سبحانہ کی پناہ اور ٹھکانے کے اور کوئی پناہ اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ فمن شاء اتخذالی ربه مآبا پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے۔ تقویٰ اختیار کرلے' بری راہ سے ہٹ جاوے جو جہنم تک پہنچاتی ہے۔ ایمان و پرہیزگاری ایک سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچتا ہے۔ اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب و جوارِ رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس رستہ کا اختیار کرنا اللہ کے ہاں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔

آدمی جب کسی نئے شہر میں جاتا ہے تو ضرور فکر کرتا ہے کہ وہاں رہنے ٹھہرنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے۔ پھر اس دن کا آنا برحق ہے اور ہر انسان کو اس نئے جہان میں جانا ہے جہاں کا مالک اور بادشاہ اللہ ہے پھر جو پہلے سے اس سے آشنائی پیدا کئے بغیر وہاں جاتا ہے تو اس پر ہزار افسوس وہ وہاں کیسا مارا مارا پھرے گا اور جہنم میں ڈالا جاوے گا۔ اہل اللہ اس جہان میں ہی حق سبحانہ کو اس طرح ٹھکانا بناتے ہیں کہ ہر کاروبار میں دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے جہاں کہیں ادھر سے ذرا غفلت ہوگئی تو گھبرا کر اس کی طرف دوڑتے ہیں کہ جیسا کوئی گھر بھول جاتا ہے اور جب اس کا رستہ پاتا ہے تو دوڑ کر ادھر ہی آتا ہے۔ اس کی روحِ پاک کا وہی حیزِ طبعی اور مرکزِ اصلی ہو جاتا ہے۔ بے اس کے کہیں قرار اور چین نہیں آتا۔ الا بذکر الله تطمئن القلوب۔ اس عالم سے گزرنے کے بعد پھر تو ان کے اور حق کے درمیان کوئی حجابِ جسمانی بھی حاجز نہیں رہتا۔ یہ اسی کے درباری ہو جاتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی کا رستہ بتا کر اور آنے والے دن کی مصیبت جتا کر پھر اپنے بندوں پر حجت تمام کرتا ہے۔ فقال انا انذرنا کم عذابا قریبا کہ ہم نے تو اے بنی آدم تم کو بہت نزدیک کی مصیبت سے خبردار کر دیا ہے۔

قیامت کا دن گو ابھی بہت دور ہے مگر آنے والی چیز گو دور ہو' بہت ہی قریب ہے اور نیز عقلمند ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب ہی سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت بہت ہی قریب ہے اور موت اس دن کا دروازہ ہے۔ اس لیے مر کر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے' وہ بہت ہی قریب ہے۔ کس لیے کہ مر کر انسان کے بڑے کام کی ظلمت جو نفس پر غالب تھی' ہولناک صورتوں میں پیش آتی ہے اور ایمانداروں کا ایمان اور نیک کاموں کی روشنی عمدہ صورتوں میں ظہور کرتی ہے۔ اس جہاں میں نفسِ ادراکات وتصرفات میں مصروف ہے۔ اس لیے وہ صورتیں اور وہ اشیاء جو اس کے نیک و بد اعمال کا ظہور عالمِ مثالی میں متشکل ہو رہا ہے اس کو دکھائی نہیں دیتا لیکن جب مرے گا اور نفس ان شواغل سے فارغ ہو جاوے گا تو اس روز سب کچھ دیکھے گا یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ اس روز انسان دیکھے گا کہ اس نے کیا کر کے آگے بھیجا تھا اور کیا کیا کام نیک و بد کئے تھے۔ وہ سب عالمِ مثالی میں اپنی اپنی مناسب صورتوں میں اس کو نظر آویں گے۔ ماقدمت یداہ کے لفظی معنی ہیں کہ کیا اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا' اس کو دیکھ لے گا۔ اس سے مراد اس کی کوشش ہے مگر ہاتھ دنیا میں ہر کام کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایک محاورہ ہے۔

پھر جب وہ پردہ کھل جاوے گا اور کافر اپنے کفر اور بداعمال کو ہیبتناک صورتوں میں دیکھے گا کہ اس کے ہلاک کرنے پر تیار ہیں اور کوئی ٹھکانا اور پناہ نہ پاوے گا تو یقول الکافر وہ کافر کہے گا یالیتنی کنت ترابا کہ اے کاش میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور انسان نہ پیدا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا اور نہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ انسان کے جسم کی اصل خاک ہے۔ کیونکہ غذاؤں سے نطفہ بنا اور غذائیں خاکی چیزوں سے بنیں تو ایسے وقت اپنی اصل حالت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہی رہتا۔ انسان نہ بنایا گیا ہوتا۔ اتنے ہیر پھیر کر انسان بنے اور یہ مصائب دیکھنے میں آئے اور اپنے جسم کا مآلِ کار بھی انسان خاک ہی دیکھتا ہے کہ مر کر سب کچھ خاک ہو جاتا ہے۔ اس جہاں میں روح کے زندہ و باقی ہونے سے جب یہ بلائیں دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش خاک ہو جاتا' روح باقی نہ رہتی۔

عبد بن حمید و ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن المنذر و بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حیوانات کا حساب لے کر نیک و بد کا بدلہ دے کر حکم دے گا کہ سب خاک ہو جاؤ۔ وہ سب خاک اور نیست ہو جاویں گے۔ اس وقت کافر آرزو کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا' زندہ نہ رہتا۔ ابتداء خاک تھی اور انتہاء بھی خاک ہے۔ ہر اعتبار سے آرزو خاک بن جانے یا ہونے کی کرے گا۔

فائدہ۔ بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کے اس قول سے کہ کاش میں خاک ہوتا' یہ مراد ہے کہ کاش دنیا میں خاک ہوتا' تکبر وغرور نہ کرتا' خاکسار بن کر احکامِ الٰہی مانتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد خاص ابلیس ہے کہ وہی سب کافروں کا پیر و مرشد ہے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کو جو خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھے گا کہ حق سبحانہ نے ان کو کیا کیا عزتیں بخشیں تب آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی خاک سے پیدا ہوتا' آگ سے نہ بنتا جس پر میں نے فخر کیا تھا۔ خلقتنی من نار وخلقته من طین۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ کافر کا حال بیان فرمایا مومن گنہگار کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے مومن کے اعمالِ بد نے گو اس میں تاریکی پیدا کر دی تھی لیکن اس کے ایمان اور اعتقادِ صحیح نے بھی اس میں ایک بڑی نورانی ہیئت پیدا کر دی ہے۔ کشاکش کے بعد انجام کار نورِ ایمان ظلمتِ اعمالِ بد پر غلبہ پاوے گا اور ہیئتِ ظلمانیہ گھٹا کی طرح پھٹ جاوے گی جبکہ آفتابِ ایمان کا نور چمکے گا۔ اس لیے وہ بھی انجام کار نجات پاویں گے برخلاف کافر کے کہ وہاں نور کا نام بھی نہیں اللھم نورنا بنور الایمان والعرفان۔

(سورہ والنازعات مکیہ ہے اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی گھس کر اور (آسانی سے) گرہ کھول دینے والوں کی اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں پھر ان کی جو دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں پھر ان کی جو انتظام کرتے پھرتے ہیں۔

ترکیب! و للقسم جارۃ النازعات مجرور مقسم بھا و الناشطات والسابحات عطف علیہ بالواو فالسابقات فالمدبرات عطف بالفاء لکونھا مسبتۃ عن التی قبلھا کانہ قیل واللاتی سجن فسبقن کما تقول قام فذھب فضرب وانتصاب۔ غرقا علی انہ مصدر محذوف الزوائد ای اغراقا او علی الحال ای ذوات اغراق یقال اغرق فی الشیء یغرق فیہ اذا اوغل فیہ وبلغ غایۃ وکذا نشطا و سبحا وسبقا مصدر والنصب علی انھا مفعول مطلق وامرا مفعول بہ وقیل حال ای یدبرون مامورات وجواب القسم محذوف ھو عند الفراء لتبعثن وقال الاخفش والزجاج لتنفخن فی الصور نفختین وقال الکسائی الجواب المحذوف ھو ان القیامۃ واقعۃ والدلیل علی جمیع الاقوال مابعدھا من الآیات۔ وقیل الجواب مذکور ثم فیہ اقوال الاول انہ قولہ قلوب یومئذ واجفۃ والثانی ھو ھل اتاک حدیث موسیٰ الثالث ھو قولہ تعالیٰ ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشیٰ

تفسیر...... مناسبت! ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں۔ مناسبت اس سورت کو سورہ عم یتساءلون سے یہ ہے کہ اس سورہ میں کفار کا سوال مع جواب مذکور تھا جو وہ قیامت کے بارے میں انکار کے طور سے کیا کرتے تھے۔ اس سورہ میں قیامت کے مبادی قسم کے طور سے ذکر فرما کر بعد میں قیامت اور اس جہانِ باقی کی مجملاً کیفیت بیان فرمائی تا کہ ان نادانوں کو معلوم ہو کہ قیامت دور نہیں۔ کس لیے کہ اس کے مبادی یعنی موت اور اس کے سامان بہت قریب ہیں اور یہ موت قیامت کا دروازہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ من مات قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی اور نیز ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر موت کی کیفیت بھی بیان فرمادی کہ بدوں کی روح کھینچ کر اور گھسیٹ کر ان کے جسم سے نکالی جاتی ہے اور غافل ومست شہواتِ دنیا کو یوں فرشتے گھسیٹ کرلے جاتے ہیں اور نیکوں کی روح کی جسم سے گرہ کھول دی جاتی ہے۔ گویا وہ اس عالم کے مشتاق تھے خصوصاً جبکہ نزع میں وہاں کی کیفیت سے وہ خبردار ہو چکے تھے تو اس تن کے پنجرے میں اس طرح تڑپتے اور پھڑ پھڑاتے تھے کہ جس طرح مرغِ چمن جو پنجرے میں بند ہو چمن دیکھ کر اور مرغانِ چمن کی آوازیں سن کر تڑپا اور پھڑ پھڑایا کرتا اور مشتاق ہوتا ہے کہ جلد قفس کا دروازہ کھول دیا جاوے تو اڑ جاؤں ؎

آوازِ من برسانید بمرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادست

یہی حال مومن کا ہوتا ہے۔ پھر فرشتے اس کی گرہ اور قفس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ پھر وہ ارواحِ طیبات اڑتی ہوئی اور ایک دوسرے سے تیز روی کرتی ہوئی عالمِ قدس میں جا پہنچتی ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم راحتِ جاں طلبم و سوئے جاناں بروم
درہوائے رخِ تو ذرہ صفت رقص کناں تالبِ چشمۂ خورشید درخشاں بروم

پھر اس عالم میں ملائکہ ان کے لیے ان کے درجات کے موافق ان کے عیشِ جاودانی کا سامان و انتظام کرتے ہیں۔ سبحان اللہ پانچ چیزوں کی قسم کھا کر قیامت کا برپا ہونا بیان فرمایا مگر ان پانچ چیزوں کے ذکر سے نفوسِ بشریہ کو اس عالم کا مشتاق بنا دیا اور ان میں سے بدکاروں اس خسیس جہاں پر شیدا ہو کر یہیں پسر جانے والوں کو پر حذر بھی کر دیا اور بتا دیا کہ خود نہ جاؤ گے تو گھسیٹ کر فرشتے بری حالت سے لے جائیں گے۔ یہاں رہنا نہیں ہوگا۔

یا یوں کہو کہ اس سورہ میں ان کے سوالِ قیامت کے درجواب یوں فرمایا تھا۔ فتاتون افواجا کہ تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہو کر عدالت میں حاضر ہو گے۔ اب یہاں اس سورہ کے مطلع یعنی شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر ان پانچ صفات کی طرف اشارہ کر دیا جن کے سبب ہر نیک و بد کو اپنے مراتب سعادت و شقاوت میں دوسرے سے امتیاز ہے اور ہر ایک صفت کا ایک گروہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفوسِ انسانیہ جب سعادت[1] کی طرف عروج کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے بعد اس مقصود کو پہنچتے ہیں۔ اول مرتبہ: اول مرتبہ یہ کہ جو چیزیں اس کے اس مقصود کے خلاف اور اس کے لیے حائل و مانع ہیں اور ان کی طرف اس کی طبیعت مائل ہے تو اس کو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچ کر اور نفس کو گھسیٹ کر ادھر سے لاوے اور اپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے۔ اس مرتبے کو والنازعات غرقا سے تعبیر کیا۔ شہوات ولذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شرع میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ ہر کام میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اول مجاہدہ اور سچی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے۔ سست اور ہوا و ہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔ بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں۔ گرمی سردیوں کی تکالیف اٹھائی ہیں۔ علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی عرق ریزیاں کی ہیں۔ اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں۔ سالہا راتوں جاگے ہیں' نفس سے لڑائیاں کی ہیں چلے کھینچے ہیں۔ دوسرا مرتبہ: دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط و سرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے اور اب ان موانع و شہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے' میدان صاف ہو جاتا ہے۔ اس کو نشاط کہتے ہیں اور اس مرتبہ کو والنشطت نشطا سے تعبیر فرمایا۔ اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات و مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق و ذوق ہے۔ یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کر دیتا ہے۔
تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اس سے سرزد ہونے لگتا ہے۔ اس مرتبہ کو والسبحت سبحاً سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا۔ کس لیے کہ تیرنے والا کسی آڑ بغیر بے کھٹکے سیر کرتا ہے۔ اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سباحت کہتے ہیں۔ اہلِ سلوک کے نزدیک اس کا نام سیر احوال و مقامات ہے۔ اب یہاں سے شاہدِ مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق پوچھے' آپ نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کے لیے بے کلفت و مشقت ہے۔ چوتھا مرتبہ: چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہمسروں سے اس شغل میں بڑھ جاوے۔ یہ سب سے آگے دوڑے۔ اس حالت کو فالسبقت سبقاً سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک اس کا نام طیران و عروج ہے۔ پانچواں مرتبہ: اس کے بعد پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ جمیع مراتبِ کمال کو طے کر کے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتداء و مرشد ہو جاوے اور اس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں۔ اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک رجوع و نزول و دعوۃ الخلق الی الحق کہتے ہیں۔ اس مرتبہ

---

[1] بلکہ شقاوت اور دنیاوی کاروبار' حرفت وصنعت میں اور علومِ اکتسابیہ میں بھی یہ یہی مراتب طے کرنے پڑتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا۔ فالمدبرات امرا۔

چونکہ ہر ایک مرتبہ عمدہ ہے اس لیے ان کی قسم کھاتا ہے اور بھی مضامین میں اس سورہ کو سورۂ عم تیساءلون سے مناسبتیں[1] ہیں۔ اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں والنازعات غرقا غرع کشیدن چیزے از جائے خود و بر کندن و مانند شدن بہ پدر و کشیدن کمان یقال نزع فی القوس ای مدہا وفلان فی النزع ای وفی قلع الحیواۃ نزاع آرزومند شدن یقال نزع الی اہلہ نزوع پرداختن از کار (عع ف ا ک ۲) بیر نزوع بالفتح ونزیع چاہ کہ قعر او نزدیک باشد (از صراح) غرق آب از سر گذشتن وسخت کشیدن کمان راو مبالغت کردن در مدح و ذم و جز آن۔ استغراق فرا گرفتن ہمہ را۔ اغتراق در آمیختن۔ اسپ با اسپان دیگر۔ صراح نازعات نازعۃ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور غرقا مصدر ہے۔ ان دونوں لفظوں کے کئی معنی ہیں۔ اس لیے یوں ہی معنی ہوئے کہ قسم ہے ان کی جو کھینچتے ہیں ڈوب کر یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو کمان کھینچتے ہیں زور سے یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو سخت آرزومند ہیں یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو اپنے کام سے بالکل فارغ ہونے والے ہیں۔

ہر ایک معنی پر کلام طویل ہے۔ پہلے معنی کہ جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو جان نکالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کی بہتر مخلوق ہے اور ان میں سے بالخصوص ان فرشتوں کی جو روح کھینچتے ہیں گھس کر۔ اس سے کفار کی جانکنی مراد ہے کہ ان کی روح عالم آخرت کے مصائب سے ڈر کر ان کے بدن میں ادھر ادھر تمام اطراف و جوانب میں چھپتی پھرتی ہے۔ اس لیے وہ ملائکہ بھی ان کے اجسام میں گھس کر روح نکالتے ہیں۔ اسی طرح نشطت۔ سبحت۔ سبقت۔ مدبرات سے بھی مراد ملائکہ ہیں جن کو باعتبار ان کے صفات و حالات کے مختلف صفات سے تعبیر فرمایا اور اسی تغایرِ وصفی کو تغایرِ ذاتی کی طرح عطف کا باعث سمجھنا چاہیے۔ اس تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ نازعات وغیرہ مؤنث کے صیغے ہیں اور فرشتہ مونث نہیں بلکہ خدا پاک نے کفار کو فرشتوں کے مؤنث کہنے میں الزام دیا۔ حیث قال وجعلوا الملئکۃ الذین ھم عباد الرحمن اناثا الآیہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں جمع اور جماعات کو بصیغۂ مؤنث تعبیر کرتے ہیں اور ملائکہ سے اشخاص مراد نہیں بلکہ جماعات۔ بعض کہتے ہیں کہ نازعات غرقا سے مراد ستارے ہیں اور یہ حسن بصری کا قول ہے اور ان کو نازعات باعتبار طلوع کے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھینچ کر اوپر لاتے ہیں اور غرقا سے اشارہ ان کے غروب کی طرف ہے۔ اس میں اپنے عجائب قدرت اور عالم کے عروج ونزول اور فنا و بقاء پر اپنا قادر ہونا ثابت کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم! ہم قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہیں اور یہ کہ جب یہ روشن اجسام غروب کرتے ہیں تو پھر تمہارا غروب یعنی فنا و موت کیا بات ہے اور پھر جس طرح غروب کے بعد یہ طلوع کرتے ہیں قیامت کے روز تم بھی بار دگر طلوع کرو گے اور اسی طرح نشطت وغیرہا سے بھی مراد ستارے ہیں باعتبار ان کے اوصاف کے اور ایک جگہ ستاروں کی نسبت یوں بھی آیا ہے وکل فی فلك یسبحون اس تقدیر پر مدبرات امر سے ستارے مراد لینے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ تدبیر امور حق سبحانہ کے ہاتھ میں ہے نہ ستاروں کے۔ اس لیے اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اخیر جملہ سے مراد ملائکہ کرام ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ارضی و سماوی معاملات کے سرانجام دینے پر مامور ہیں مگر ستاروں کے مدبرات ہونے کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرارت و برودت' شعاع و ضیاء کی وجہ سے ان کی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں۔ پھل پکتے ہیں' پھول آتے ہیں وفیہ ما فیہ۔ بعض کہتے ہیں ان پانچوں کلمات سے مراد ارواح ہیں۔ پس نازعات

---

[1] از انجملہ مضامین میں یہی مناسبت ہے جس طرح اس سورہ میں مبداء ومعاد کی تصویر کھینچی گئی ہے اس میں بھی از انجملہ اس سور کے اختتام میں قیامت برپا ہونے اور نیک و بدوں کے درجات اور کافروں کی حسرت بیان فرمائی تھی۔ اس سورہ کے ابتداء میں اس آنے والے وقت کا چند چیزوں کی قسمیں کھانے میں ذکر کر دیا کہ ملائکہ یوں جان قبض کرتے ہیں اور اس طرح سے لے جاتے ہیں اور یہی قیامت اور اس عالم غیب کی ابتداء ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ وہاں عذاب قریب سے ڈرایا گیا تھا یہاں وہ عذاب قریب آنکھوں کے سامنے لا کر دکھایا گیا۔ ۱۲ منہ

سے مراد وہ ارواح ہیں جو اس عالمِ سفلی اور ظلمانی پر مبتلا ہیں۔ اس لیے ان کا جسم سے فراق نزع شدید ہے یعنی کھینچ کر اور گھسیٹ کر سختی سے دور کئے جاتے ہیں اور جو ارواح علائقِ جسمانیہ سے الگ ہیں اور ان کو عالمِ علوی کا از حد اشتیاق ہے وہ بہت جلد ادھر کو جسم چھوڑ کر روانہ ہوتی ہیں۔ ان کی اس سیر کو نشط اور سباحت سے تعبیر کیا۔ پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔

بعض اور بھی سریع السیر ہیں۔ جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام کی ارواح طیبات اور ان میں سے بعض عالمِ علوی کے مدبرِ امور بھی ہیں۔ چنانچہ حدیثِ صحیحہ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا' میں تمہارے آگے جاتا ہوں کہ تمہارے لیے تیاریاں کروں اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس عالم میں ارواحِ مومنین کے مربی و مدبرِ امور ہیں بلکہ جو لوگ ایمان و اعمالِ صالحہ سے منور ہو کر اس جہاں میں جاتے ہیں وہ اپنے ان آنے والے عزیزوں محبوں کے لیے جنت میں تیاریاں کرتے ہیں۔

بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ حضراتِ اولیاء و انبیاء کی ارواحِ پاک گروہ ملائکہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر ملائکہ کی طرح وہ بھی تدبیرِ عالمِ سفلی میں مصروف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں نے جو حضرات انبیاء و اولیاءِ کرام و ملائکہ عظام کی پرستش اور ان سے نذر و نیاز کر کے اپنے مقاصد کا سرانجام چاہنا دستور کر لیا تھا' غالباً وہ اسی خیال سے تھا جس کو اسلام نے رد کر دیا اور بتا دیا کہ گو وہ مامور ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو حکمِ الٰہی ہوتا ہے۔ نہ وہ کسی کی نذر و نیاز سے خوش ہوتے ہیں نہ پکارنے' دہائی دینے پر ان کے کام بناتے ہیں۔ وہ حق سبحانہ کی مرضی کے تابع محض ہیں۔ ان کا ذاتی ارادہ و اختیار ان معاملات میں کچھ بھی نہیں۔

بعض[1] کہتے ہیں یہ پانچوں کلمات غازیوں کے گھوڑوں کی بابت ہیں۔ نازعات وہ گھوڑے جو گردن کھینچ کر اور بلند کر کے چلتے ہیں اور وہی نشطت ہیں یعنی دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب کی طرف جانے والے ماخوذ ہے۔ قول عرب سے ثور ناشط اذ اخرج من بلد الی بلد اور یہی سبحت ہیں۔ دوڑنے کو سباحت سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی لیے تیز رو گھوڑوں کو سبوح کہتے ہیں اور یہی سبقت ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے دوڑ کر دشمن کے سامنے جاتے ہیں اور انجام کار یہی تدابیر امر یعنی فتح و ظفر کرتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے کہ ان ہی کے سبب سے دشمن پر فتح و غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ ان پانچوں کلمات سے مراد غازی ہیں۔ پس نازعات غازیوں کے ہاتھ ہیں اور نشطت ان کے تیر ہیں جو ان کی کمانوں سے شپاشپ چھوٹتے ہیں اور سبحت ان کے گھوڑے ہیں جو اس موقع پر دھاوا کرتے ہیں اور وہی سبقت ہیں کہ بڑھ کر دشمن تک پہنچتے ہیں اور ان ہی کو مجازاً باعتبارِ انجام فتح و ظفر کے مدبرات کہا گیا ہے۔ والنشطت نشطاً نشط نشاط بالفتح شادمانی نمودن و گرہ کشادن نشیطہ آنچہ غزاۃ در راہ یابند از غنیمت ناشط گاؤ دشتی نشط گزیدنِ مار و بردنِ اندوہ و آب برکشیدن از چاہ بے بکرہ و گرہ آسان بستن۔ نشوط چاہ کہ دلو از دے بہ بسیار کشیدن بر آید و ایضاً نوعے از ماہی از صراح ان لغوی معانی کے لحاظ سے ہر ایک توجیہ چسپاں ہو سکتی ہے۔

والسبحت سبحا۔ سبح۔ سباحہ۔ بالفتح والکسر شناوری کردن۔ سبح تصرف کردن در معاش۔ قولہ تعالیٰ ان لك فی النهار سبحا طویلا۔ و رفتارِ اسپ فرش سابح سبحہ باضم مہرہا کہ عددِ تسبیح بوی گیرند۔ و نماز و ذکرِ تسبیح پاکی و بپا کی یاد کردن سبحانہ اللہ معناہ التنز یہ للہ نصب علی المصدر یہاں بھی ہر معنی مناسب چسپاں کر لینے چاہییں فالسبقت فالمدبرات کے معنی ظاہر ہیں۔ اول سبقت یعنی پیش روی اور آگے بڑھنا اور دوسرے کے معنی تدبیر کرنا آگے بڑھنے والوں تدبیر کرنے والوں کی قسم کھاتا ہے مگر سب سے اول معنی صاف ہیں یعنی قسم ہے اس جماعت کی جو اپنے نفس کو کسی کام میں کھینچتے ہیں یعنی کوشش و سرگرمی کرتے ہیں اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں نشاط و شوق پیدا کرتے ہیں

---

[1] وجوہ مذکورہ بالا اور ان کی سوا اور وجوہ جو الفاظِ قرآنیہ سے پیدا ہو سکتی ہوں سب منصوص نہیں معانی پر لحاظ کر کے ہر ایک عالم نے ایک مناسب معنی مراد لیے ہیں۔ ۱۲ منہ

اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں دوڑتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسم جو اس دوڑ کے بعد آگے بڑھتے ہیں' سبقت کرتے ہیں پھر اس جماعت کی قسم جو ان مراتب سے فارغ ہو کر لوگوں کی تکمیل و رہنمائی کرتے ہیں اور چونکہ یہ اخیر دونوں جماعت پہلی تینوں جماعت سے بالاتر ہیں۔ اس لیے ف لائی گئی جس کو ف تعقیب کہنا چاہیے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

جس دن کہ زمین لرزے پے در پے زلزلہ آئیں کتنے ایک دل تو اس روز دھڑ کتے ہوں گے ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی۔ منکر کہیں گے کہ کیا ہم پہلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے (یا دوبارہ زندہ ہوں گے) ارے اس وقت کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے' کہتے ہیں تب تو یہ پھر آنا بڑا ہی ٹوٹا ہے۔ پھر وہ واقعہ صرف ایک ہی ہیبتناک آواز تو ہے۔ پھر تو وہ اسی وقت میدان میں آموجود ہوں گے یعنی جاگ جائیں گے۔

ترکیب! یوم منصوب بالجواب المضمر والتقدیر لتبعثن یوم ترجف الراجفة اے فی الوقت الواسع الذی یحصل فیہ النفختان وقیل منصوب بما دل علیہ قلوب یومئذ واجفة ای یوم ترجف رجفت القلوب۔ والرجفة الحرکة والاضطراب یقال رجف یرجف اذا اضطرب ومنہ قولہ تعالٰی یوم ترجف الارض والجبال وقیل الھدة النکرة والصوت الھائل من قولھم رجف الرعد یرجف رجفا ورجیفا ومنہ قولہ تعالٰی فاخذتھم الرجفة فعلی ھذا الراجفة صیحة عظیمة تتبعھا الرادفة الجملة منصوب علی الحال من الراجفة والمعنی لتبعثن یوم النفخة الاولی حال کون النفخة الثانیة تابعة لھا والرادفة کل شیء جاء بعدہ شیء آخر یقال ردفہ ای جاء بعدہ۔ قلوب مبتداء یومئذ منصوب بواجفة وھی صفة لقلوب' ابصارھا مبتدا ثان خاشعة خبرہ والجملة خبر الاول۔ والضمیر فی ابصارھا راجع الی اصحاب القلوب۔ وجف وجیف طپیدن نوعے از رفتار شتر (ع ف اک ۲) ایجاف راندن شتر براں رفتار ومنہ قولہ تعالٰی فما او جفتم علیہ من خیل والارکاب' ء انا الجملة الاستفہامیة مقولة یقولون الحافرة عند العرب اول الشیء وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرتہ عند العرب اول الشیء وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرة ای علی الطریق الذی جاء عنہ والمراد الحالة الاولی واصل الحافرة الطریقة حفرھا ای اثر فیھا بمشیتہ فیھا جعل اثر قدمیہ حفرا فھی فی الحقیقة محفورة الا انھا سمیت حافرة کما فی عیشة راضیة وما وافق۔ احتفار زمین کندن حفرہ بالضم کندہ حافر سم مستور حافرہ اول ہر چیزے (صراح) ء اذا کنا الجملة تاکید للانکار والعامل فی اذا مضمر یدل علیہ مردودون قراء الجمھور نخرة وقراء نخرة والکسائی ناخرة قال الاخفش ھما لغتان ای معناھما واحد۔ وقیل ان الناخرة غیر النخرة لان الناخرة من النخیر بمعنی الصوت کنخیر النائم والخنوق فھی العظام الفارغة التی یحصل من ھبوب الریح فیہ صوت والنخرة من نخر العظام ینخر فھو نخر کعفن یعفن عفن اذا بلی وصار لولمستہ لتفتت تلک مبتداء کرة خاسرة خبرہ۔ الساھرة وجہ الارض قال الفراء سمیت بھا لان فیھا نوم الحیوان وسھرھم وقیل الساھرة ارض بیضاء۔

تفسیر! ان مذکورہ بالا چیزوں کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ اے منکرینِ قیامت! تم اس کا کیا انکار کر رہے ہو۔ تم ضرور مرنے کے بعد بارِ دگر حساب کے لیے زندہ کئے جاؤ گے۔ یوم ترجف الراجفة اس روز کہ لرزنے والی چیزیں لرزیں یعنی زمین اور پہاڑ ہلیں اور وتبتعھا

الرادفة پے درپے لرزہ اور زلزلہ آوے۔ یہ نفخِ صورِ اول کے وقت ہوگا کہ زمین ہل جاوے گی اور پے درپے زلزلے آ کر یہ تمام دنیا نیست و نابود ہو جاوے گی۔ اس کے بعد بارِ دگر ہر ایک انسان زندہ ہوگا۔ ابتداءِ نفخِ صورِ اول سے لے کر نفخِ ثانی تک ایک متصل زمانہ ہے۔ اس لیے اس میں زندہ ہونا صحیح ہوسکتا ہے ورنہ صرف نفخِ اول صور میں تو کوئی زندہ نہ ہوگا بلکہ زندہ لوگ مر جاویں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یوم ترجف الراجفة سے مراد وہ بڑی ہیبتناک آواز ہے جو نفخۂ اولی کے وقت ہوگی جس سے زمین و آسمان، وحوش وطیور، حیوان وانسان نیست ونابود ہو جاویں گے اور تتبعها الرادفة سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے یعنی بارِ دگر صور پھونکنا جس سے تمام حیوان وانسان بارِ دگر زندہ ہوں گے اور ان دونوں نفخِ صور میں بمقدار چالیس برس کا زمانہ ہوگا اور رادفة اس لیے بارِ دگر صور پھونکنے کو کہتے ہیں کہ وہ اول کے بعد ہے اور ایک شے سے بعد کی چیز کو رادفہ کہتے ہیں اور گھوڑے پر دو شخص بیٹھنے والوں میں سے اخیر کو ردیف کہتے ہیں۔

امام احمد وترمذی وحاکم وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر چکتی تھی تو فرمایا کرتے تھے، اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ راجفہ آئی اس کے پیچھے رادفہ آتی ہے۔ موت اور اس کے سامان قریب آ پہنچے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔ یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة کہ زمین اور جو اس پر ہے، ہلیں گے کہ جس طرح کشتی ڈگمگایا کرتی ہے (اخرجہ ابوالشیخ وابن مردویہ والدیلمی) ابومسلم ان دونوں جملوں سے قیامت کے احوال مراد نہیں لیتے بلکہ راجفہ ورادفہ سے مراد مشرکوں کے گھوڑے۔

پھر جب یہ حالت ہوگی تو اس روز قلوب یومئذ واجفة بہت دل دھڑکتے ہوں گے۔ کس لیے کہ عمر رائیگاں گئی۔ پھر عمل کرنے کا موقع نہیں رہا، برے اعمال اور خیال کا نتیجہ سامنے آیا۔ جہنم جوش مار رہی ہے۔ احکم الحاکمین کی طرف سے دار وگیر ہو رہی ہے اور ایسی حیرت و دہشت طاری ہوگی وابصارها خاشعة کہ ان کی آنکھیں شرم کے مارے نیچی ہوں گی۔ ان مصائب کو دیکھ نہ سکیں گے۔ خوف کے وقت جبکہ سامنے مہلک سامان موجود ہوتے ہیں تو ملزم آنکھ بند کر لیتا ہے اور شرمندگی سے بھی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

قیامت کا حال بیان فرما کر کفار کے اقوال نقل کرتا ہے کہ وہاں تو یہ حالت ہوگی اور وہ وقت قریب آ گیا ہے اور یہ لوگ اب اس دنیا میں غفلات ولذات کے نشہ اور جہالت کی تاریکی میں کس غرور سے یقولون ءانا لمردودون فی الحافرة کہتے ہیں کہ کیا ہم بارِ دگر پھر اس حالتِ حیات کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا مر کر ہم بارِ دگر زندہ کئے جاویں گے! یہ کہنا ان کا تمسخر اور غرور کی وجہ سے تھا۔ ءاذا کنا عظاما نخرة ارے کیا جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور چورا چورا ہو جاویں گی، اس کے بعد پھر زندہ ہوں گے؟ یہ ان کی ناقص سمجھ میں محال بات تھی اور اس کو خدائے قدیر کی قدرت سے باہر جانتے تھے۔ قالوا تلك اذا کرة خاسرة کہتے ہیں۔ تب تو یہ بارِ دگر جینا بڑے نقصان کی بات ہے یعنی اگر مدتوں کے بعد زندہ بھی ہوئے تو یہ زندگی نقصان کی ہوگی۔ کس لیے کہ اتنی مدت میں کوئی عضو کہیں گیا ہوگا، کوئی کہیں پھر جو کوئی زندہ ہوا تو کسی کی انگلی نہ ہوگی، کسی کے پاؤں نہ ہوں گے، کوئی اندھا ہوگا۔ کسی کے بال نہ ملیں گے وغیرہ وغیرہ اور نیز اقارب بھی اس حالت میں نہ ہوں گے اور دنیا میں جو کچھ کمایا تھا، وہ بھی نہ ہوگا اور نیز اس لیے بھی کہ ہم نے قیامت کے منکر رہ کر اعمالِ صالحہ وایمان سے غفلت اختیار کی اور آج ان کی پرسش ہو رہی ہے اور ہم خالی ہاتھ رہے۔ الحاصل ان وجوہ سے اس زندگی کو خاسرہ سمجھتے تھے یعنی اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ بارِ دگر زندہ ہوں گے تو وہ زندگی ناقص ہوگی اور یہ اس حکیم وقدیر کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے بھی وہ اس بارِ دگر زندہ ہونے کو محال جانتے تھے اور اس پر یہ دلیل لاتے تھے۔ ان کے جواب میں اس کا امکان بلکہ وقوع بتلاتا ہے۔ فقال انما هی زجرة واحدة کہ یہ کرہ یعنی بارِ دگر جینا کچھ مشکل نہیں صرف ایک سخت آواز یعنی نفخِ صور سے ہو جاوے گا۔

کوئی حالتِ منتظرہ نہ ہوگی، فوراً ہر ایک بدن تیار ہو جاوے گا اور اجزاءِ بدن مجتمع ہوں گے۔ اسی وقت ان ابدان سے ارواح کو

متعلق کر دیا جاوے گا۔ گویا سوتے کو جگا دیا۔ اس لیے فرماتا ہے فاذا ھم بالساھرۃ کہ پھر تو جب ہی وہ یعنی ان کی روحیں ان کے بدنوں سے متعلق ہو جاویں گی اور جاگ جاویں گی یا یوں کہو فوراً وہ میدان میں حاضر ہو جاویں گے۔

اول[1] معنی چسپاں تر ہیں۔ کس لیے کہ اس زندگی کے بعد جو موت طاری ہوتی ہے اس کو خواب سے تشبیہ تام ہے۔ چند وجوہ سے: اول یہ کہ جسم سالم اور صحیح موجود ہوتا ہے اور خواب کی وجہ سے بیکار ایک جگہ پڑا رہتا ہے۔ نہ چلتا پھرتا ہے نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے۔ نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسی کو جواب دیتا ہے۔ یہاں کچھ ہی ہوا کرے' اس کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہی حال موت سے ہو جاتا ہے۔ وہی جسم ہے۔ وہی اس کے اعضاء ہیں مگر ایک تختہ سا پڑا ہے نہ اب اس کو جورو بچوں کی پروا ہے نہ کسی یار دوست کی۔ نہ دنیا کے زر و جواہر مرغوب چیزوں کی جن کے لیے مارا مارا پھرتا تھا۔ نہ ان سے متمتع ہو سکتا ہے۔ سب بیکار پڑا ہے اور جس طرح خواب میں اس پر بہت کچھ واقعات گزرتے ہیں کہیں باغوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ دوستوں سے مل کر لطفِ صحبت اٹھاتا' لذت و سرور پاتا ہے۔ کہیں کسی مکان تنگ میں بند کیا جاتا ہے۔ مار پڑتی ہے۔ سانپ بچھو ڈستے ہیں' روتا پیٹتا ہے' چیختا ہے' چلاتا ہے۔ پاس والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی' نہ جسم پر ان خواب کی راحتوں یا تکلیفوں کا کچھ اثر نمودار ہوتا ہے۔ نہ خواب کی حالت میں ان خواب کے واقعات کو فرضی اور خیالی سمجھتا ہے بلکہ اصلی بلکہ خواب کو بھی خواب بیدار ہو کر سمجھتا ہے۔ خواب میں تو اسی عالم کو اصلی حالت اور سچے واقعات سمجھتا ہے۔ یہی حال میت کا ہے۔ جب اس پر ادھر سے بے ہوشی ہوئی اور دوسرا عالم منکشف ہوا اور فرشتوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پھر کوئی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ ملائکہ پاک صورت و حوریان مہر طلعت سے باتیں کر رہا ہے۔ ان کے جلسوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ باغِ قدس کی بہاریں دیکھ رہا ہے۔ کسی پر وہاں گرز پڑ رہے ہیں' جہنم کی لپٹیں اس کو کھائے جاتی ہیں۔ مکان تاریک و تنگ میں محبوس ہے۔ سانپ بچھو ڈس رہے ہیں' روتا چلاتا ہے مگر اس کے جسم پر کوئی اثر نہیں۔ نہ جسم کے دیکھنے والوں کو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر جس طرح خواب سے بیدار ہونے والا پھر ایک دوسرے عالم میں آتا ہے اور یہاں کے حالات دیکھ کر اس عالم کو عالمِ خواب و خیال سمجھتا ہے۔ اسی طرح مردے جب سخت آواز سے خوابِ عدم سے جگا کر بیدار کئے جاویں گے تو ایک اور زندگی دیکھیں گے اور اٹھ کر کہیں گے' من بعثنا من مرقدنا کہ کس نے سوتے ہوئے ہم کو جگا دیا؟ اس لیے بارِ دگر زندگی کو زجرۃ واحدۃ ایک تند آواز سے وابستہ کیا۔ جیسا کہ خواب سے بیدار کرنا ایک تند آواز سے ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ اس عالم میں خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ اس لیے اس عالم میں آوازِ تند سے بیدار ہونا بیان فرمایا۔

اور بھی موت کو اور مر کر بارِ دگر جینے کو انسان کی زندگی اور اس کے خواب اور اس کی بیداری سے مشابہتیں ہیں اور یہ کلام تخیلی نہیں بلکہ مقدماتِ حقہ اور یقینیہ پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ ایک برہان یا حجت ہے جس کو ہر ایک ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

رکوع

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَ عَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ

---

[1] یعنی لفظ ساہرہ کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ فوراً یہ لوگ قیامت کے دن جاگ اٹھیں گے موت کی نیند سے۔ دوم یہ کہ فوراً میدانِ حشر میں آ حاضر ہوں گے۔ اول معنی زیادہ مناسب اور بہت چسپاں ہیں کس لیے کہ موت کو خواب سے زیادہ مشابہت ہے اور سہر بیداری کو کہتے ہیں حیاتِ اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے چند وجہ سے جن میں سے ایک وجہ تفسیر میں بیان کی گئی ۱۲ منہ

فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰی ﴿۲۶﴾

آپ کو کچھ موسیٰ کا بھی حال معلوم ہوا؟ جبکہ ان کے رب نے ان کو پاک وادیٔ طویٰ میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔ پھر (جا کر) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ سدھر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ بتاؤں کہ تو ڈرنے لگے؟ پھر موسیٰ نے اس کو بڑی نشانی دکھائی سو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے پکارا تو کہا کہ میں ہی تمہارا بڑا معبود ہوں۔ پھر تو اس کو اللہ نے آخرت اور دنیا کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ بے شک اس میں ہر ایک ڈرنے والے کے لیے (بڑی) عبرت ہے۔

ترکیب: هل استفهامية او بمعنى قد والجملة مستانفة لبيان مسئلة النبوة اذ متعلق بحديث۔ لا باتاك لاختلاف وقتيهما طوىٰ قرئ بالتنوين و تركه وهما سبعيتان فمن صرفه جعله اسم واد ومكان وجعله نكرة ومن لم يصرفه جعله بلدة وبقعة وجعله معرفة وهو واد بين الشام وقلزم وهو بدل من الواد اذهب اى قال اذهب وقيل هو تفسير للنداء تزكى قرء الجمهور بالتخفيف وقرأ نافع وابن كثير بتشديد الرائے على ادغام التاء فى الزاى قال ابو عمرو بن العلاء على الاول معناه تكون زكياء مؤمنا وعلى الثانى الصدقة۔ والىٰ متعلقة بمحذوف وهو رغبة او توجه وهو مبتدا لك خبره واهديك معطوف على تزكى منصوب بان والفاء فى فتخشى لترتيب الخشية على الهداية يسعىٰ حال من الضمير فى يسعى۔ نكال الآخرة وفى نصب النكال وجهان احدهما هو مصدر لان اخذ ونكل به معناهما واحد الثانى هو مفعول له اى اخذه الله لاجل نكال الآخرة والاولى۔ ورجح الزجاج القول الاول لعبرة اسم ان فى ذلك خبرها۔

تفسیر: مسئلۂ معاد پر دلائلِ عقلیہ بیان فرمانے کے بعد وہ دلائلِ نقلیہ بیان فرماتا ہے جن کا تعلق ایک جمِ غفیر کے مشاہدہ سے ہے یعنی سینکڑوں آدمیوں نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا ہے اور جو چیز بظاہر قابلِ حیات نہیں اس میں حق سبحانہ نے روح پھونک دی ہے اور یہ تاریخی واقعات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اتباع کے عہد میں ان کی برکت و معجزات سے سرزد ہوئے تھے) عرب میں مشہور اور معروف تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال هل اتاك حديث موسى کہ کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی۔ پھر دیکھو کیا ان کے وقت میں مردہ زندہ نہیں ہوا جس کا قصہ سورہ بقرہ میں موجود ہے اور نیز ان کے پاس ایک عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا پھر مردہ کا زندہ کرنا خشک لکڑی کے سانپ بنانے سے کچھ بڑھ کر ہے؟ ہرگز نہیں۔

یا یوں کہو کہ مسئلۂ معاد کے بعد مسئلۂ نبوت کا ثابت کرنا بھی اہم مقاصد میں سے تھا۔ اس لیے ایک مسلم النبوۃ نبی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلۂ معاد کو بھی ثابت کرتا ہے اور یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ اے قریش! تم نے موسیٰ کا حال تو سنا ہوگا۔ وہ فرعون کے پاس ہماری طرف سے رسول بن کر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم اے قریش! دولت و حشمت میں تم سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔ انہوں نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا' معجزات کو جھٹلایا۔ پھر اس کا اور اس کے سرداروں کا یہ انجام ہوا کہ ہم نے ان کو دنیا اور آخرت کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ دنیا میں قلزم میں ڈوب کر مرے۔ آخرت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گئے۔ ان کے سروسامان سب دھرے رہے۔ اب تم جو ہمارے رسول کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہو جو فرعون نے موسیٰ سے کیا تھا۔ سو تم بھی اپنے لیے دنیا و آخرت کی خواری کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: حضرت موسیٰ کا حال اکثر سورتوں میں بتفصیل مذکور ہے مگر اس سورہ میں جو کہ نزول میں ان سے مقدم ہے۔ اجمالاً ذکر فرمایا گیا۔ فقال اذ ناده ربه بالواد المقدس طوى کہ جب موسیٰ کو اس کے رب نے یعنی ہم نے پاک جنگل میں جس کا نام

طویٰ ہے اور کوہ طور بھی وہیں واقع ہے پکارا۔ یہ مختصر کیفیت ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر میں پیدا ہوئے تھے بنی اسرائیل کے خاندان میں۔ فرعون نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس سے تیری ہلاکت ہوگی' ان کے ہر ایک بچے کو قتل کروا ڈالتا تھا۔ اس خوف سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ بہتے ہوئے فرعون کے محلوں میں آ نکلے۔ اس کی بیوی نے دیکھ لیا۔ صندوق کھولا گیا تو چاند سا لڑکا دکھائی دیا۔ فرعون کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس کی بیوی نے بیٹا بنا لیا۔ ان ہی کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پائی' جوان ہوئے تو ایک بازار میں دیکھا کہ ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ مظلوم کے چھڑانے کو بڑھے فرعونی باز نہ آیا تو اس کے آپ نے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس خوف سے کہ فرعونی اور فرعون مجھے نہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر قلزم پار شہر مدین میں آئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ یہاں ان کی ایک بیٹی سے آپ نے شادی کر لی۔ آٹھ یا دس برس یہاں رہے۔ اب مصر کا شوق ہوا اور سمجھے کہ اب اس قصہ کو لوگ بھول گئے ہوں گے۔ بیوی بچے بھی ساتھ چلے۔ بیوی حاملہ تھیں رستہ میں ایک منزل پر وادیِ طویٰ میں پہنچ کر راہ بھول گئے۔ سردی کا موسم تھا' رات ہو گئی تھی۔ آپ نے دور سے ایک آگ کا چمکارا دیکھا۔ بیوی اور غلاموں سے کہا' تم یہیں ٹھہرو میں آگ کے پاس جاتا ہوں' آگ لاؤں گا۔ تمہارے تاپنے کے لیے اور اگر آگ نہ ملی تو راستہ تو بتا دے گا۔ رستہ پوچھ لوں گا۔ آپ اس مقام پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پر تجلی ہے اور ہر ایک شاخ و برگ سے ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر حیران ہو گئے۔ پھر ایک ایسا نورِ عظیم الشان متجلی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں اور موسیٰ کو آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں رب العلمین ہوں' قریب آ۔ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرا عصا ہے۔ فرمایا اس کو زمین پر ڈال دے۔ ڈالا تو سانپ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر پیچھے بھاگنے لگے۔ فرمایا ڈر نہیں اس کو اٹھا لے۔ اٹھایا تو پھر عصا تھا اور کہا اپنا دایاں ہاتھ بغل میں دبا کر نکال۔ نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے یا نشانیاں عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے تجھے رسول کیا تو اذھب الی فرعون انہ طغٰی شاہ مصر کے پاس جا کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ خدائی دعویٰ کرتا ہے۔ بندگانِ خدا کو ایذا دیتا ہے' نہایت بدکار رہا ہے اور اس کے سبب سے اس کی قوم بدکاری کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہاں جا کر فقل ھل لك الی ان تزكٰی یہ کہہ کہ کیا تجھ کو اس بات کی رغبت و خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے' تیرے اخلاقِ بد دور ہو جاویں اور تو تمام روحانی نجاستوں سے پاک و صاف ہو جاوے اور پاک ہونے کے بعد واھدیك الیٰ ربك تیرے رب کا تجھے رستہ بتاؤں۔ جب تک انسان روحانی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے اس کو اس کے رستہ تک بھی رسائی نہیں' اس تک تو کجا۔ یہی تاریکیاں حجابِ حاجز ہیں۔ بندے کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتیں۔ اول تزکیہ پھر تخلیہ ہے اور صرف یہی بات نہیں کہ تجھے رستہ بتا دوں' وہاں پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ پہنچا ہی دوں۔ کس لیے کہ کمالِ ہدایت ایصال الی المطلوب۔ فتخشٰی کہ پھر تو ڈرنے لگے کس لیے کہ دربارِ الٰہی میں جب پہنچ ہو جاتی ہے تو بہیمیت کمزور ہو جاتی ہے اور جلالِ الٰہی کا پرتو اوپر پڑتا ہے جس لیے بندہ ڈرنے اور لرزنے لگتا ہے جو بادشاہ کے دربار تک ہی نہیں پہنچا اس پر دربار کی کیا ہیبت پڑے گی۔ خشیت دلیلِ وصال ہے اس مقام پر بجز گریہ کے اور کچھ نہیں بن آتا۔ اے فرعون! اگر تجھ کو ان سب باتوں کی رغبت ہے تو میں کوشش کروں کیونکہ طالب کے لیے ارادت شرط ہے ورنہ محرومی ہے۔ فرعون نے ارادت تو ظاہر نہ کی بلکہ انکار و مقابلہ کر کے پوچھا کہ راہ دکھانا اور درست کرنا تو بعد کی بات ہے۔ پہلے اپنا رسول ہونا تو ثابت کیجئے' ہم کس دلیل سے جانیں کہ تجھ کو خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟ اس لیے فاراہ الایٰة الکبرٰی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بڑی نشانی دکھائی۔ بڑی نشانی کیا تھی؟ بعض علما فرماتے ہیں یدِ بیضا بعض کہتے ہیں عصا[1] دکھایا کہ وہ سانپ بن گیا اور فرعون اور اس کے درباری ڈر کر بھاگنے لگے اور یہی قول قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں دونوں

---

[1] کس لیے کہ توریت سفر خروج کے (۷) باب میں یہی ہے۔ ۱۲ منہ

معجزے دکھائے۔ ہر ایک کو آیۃ کبریٰ کہا جا سکتا ہے۔ یہ اول ملاقات کا معاملہ ہے اور بعد میں تو اور بہت معجزات دکھائے جن کا ذکر جلد دوم سورہ بقرہ کی تفسیر تاریخ بنی اسرائیل میں ہم کر چکے ہیں مگر فرعون معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لایا بلکہ فکذب وعصٰی جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ جادو ہے۔ میرے جادوگر اس سے بھی بڑھ کر دکھا سکتے ہیں۔ اس لیے میں تیرا ان سے مقابلہ کراتا ہوں اور ایک روز مقرر کر کے تیرے مقابلہ کے لیے انہیں بلاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا مگر جادوگر عاجز ہو کر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس پر بھی خدا کی نافرمانی کی کہ ان جادوگروں کو ایمان لانے کے جرم میں مروا ڈالا۔ اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ ثم ادبر یسعٰی اس نے اس کے بعد پشت پھیرنے یعنی نافرمانی میں کوشش کی اور بنی اسرائیل کو اور زیادہ تکالیف دینی شروع کر دیں اور یہ قصد کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو کیا میں اس کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ اس لیے اس نے ایک روز درباریوں کو جمع کیا۔ فحشر اور جب سب جمع ہو گئے تو فنادیٰ (منادی) کی۔ فقال انا ربکم الاعلیٰ کہ میں ہوں تمہارا بڑا رب نہ موسیٰ کا خدا۔ بس تم موسیٰ کے کہنے میں نہ آنا' میری اطاعت کرنا ہے اور اس کی قوم بت پرست تھی مگر فرعون اپنی سرکشی سے خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے زور و قوت جتانے کو لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ میں بڑا رب ہوں۔ تمہاری پرورش میرے ہاتھ میں ہے، جس کو جس قدر چاہوں دوں جس کو چاہوں سزا دوں' پھر اتنا اختیار میرے سوا کس کو ہے؟ خدا تعالیٰ کا محسوس نہ ہونے کے سبب قائل نہ تھا۔ اس لیے وہ بے عقل اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں پہلے زمانوں میں راجاؤں کو معبود سمجھا کرتے تھے۔ یہی مصر کا دستور تھا۔

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ مانی اور سرکشی میں ترقی کرتا گیا تو فاخذہ اللہ اس کو اللہ جبار و قہار نے پکڑ لیا اور کس بلا میں مبتلا کیا۔ نکال الآخرۃ و الاولیٰ آخرت کے عذاب میں اور دنیا کے عذاب میں۔ اس روز اس کی ساری خدائی بوسیدہ ہو کر ہوا میں اڑ گئی۔

اس گرفتاری کی تفصیل اور سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون اپنا لشکر لے کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو گرفتار کرنے نکلا تھا۔ بنی اسرائیل قلزم سے پار اتر گئے۔ دریا نے رستہ دے دیا۔ بعد میں جو فرعون اور اس کا لشکر آیا تو سب غرق ہو گئے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی تھی' آخرت کے لیے جہنم تیار ہے۔ آخرت کو اس لیے مقدم کیا کہ دنیا کی رسوائی بمقابلہ آخرت کی رسوائی کے کچھ نہیں۔ اصل عذاب و رسوائی وہیں کی ہے۔ اس لیے اس کے اسباب سے بچنا چاہیے۔ ان فی ذلک لعبرۃ اس بیان میں عبرت اور نصیحت ہے مگر کس کے لیے؟ لمن یخشٰی۔ اس کے لیے جو خدا ترس ہے اور اس کے دل پر کفر اور بدکاری کی سیاہی چھا نہیں گئی ہے۔ اس کو عبرت و نصیحت ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ غلط نہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ یقینی ہے ہو کر رہے گا۔ ان سے مقابلہ کرنے والا انجام کار خراب ہوتا ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی مگر جو بدبختِ ازلی ہے اس کو عبرت و نصیحت نہیں ہوتی۔ کیسا ہی حادثہ ہو وہ اس کو ایک معمولی بات خیال کرتا ہے۔ اب بھی خدا تعالیٰ کی آیاتِ قدرت وقتاً فوقتاً ہماری عبرت کو ظاہر ہوتی ہیں۔ وبا' بربادیِ خاندان یا بجلی' ہوا' ژالہ باری وغیرہ مگر دل کے اندھے ان کو معمولی بات جانتے ہیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ جس کو اس نے بنایا جس کی چھت بلند کی پھر اس کو سنوارا اور اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی نکالی اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا (پھر) اس میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ کیا۔ تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب | انتم مبتداء اشد خبرہ خلقا تمیز منہ السماء مبتداء والخبر محذوف ای اشد والتردید بین الجملتین بالھمزۃ وام بناھا الجملۃ مستانفۃ وقیل حال من المحذوف قال الزجاج والفراءُ والکسائی تم الکلام عند قولہ بناھا لانہ من صلۃ السماء والتقدیر ام السماء التی بناھا بحذف التی رفع سمکھا مستانف لبیان البناء۔ اوصفۃ سمک برداشتن وسقف خانہ (وع اض۲) یقال سمک اللہ السماء سمکا سموک بلند شدن یقال سنام سامک ای عال مرتفع سمک بالتحریک ماہی۔ سماک سموک ج۔ از صراح۔ اغطش اغطاش تاریک کردن شب را وتاریک شدن متعدی ولازم۔ ص۔ والارض منصوب بفعل محذوف ای وحی الارض وکذا الجبال ای وارسی الجبال قرئی بالرفع علی الابتداء متاعا مفعول لہ اومفعول مطلق ای متع متاعاً

تفسیر | منکرینِ حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لایعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مینڈک کی مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے۔ کلام انسان اشرف المخلوقات کے بارِ دگر زندہ ہونے میں ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ ء انتم اشد خلقاء ام السماء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بارِ دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادرِ مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اس میں یہ یہ صنعتیں رکھیں اور جس نے زمین کو بنایا اور اس کو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خورش پیدا کی جس کی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونہ موجود ہیں۔ پھر اس کے نزدیک انسان کا بارِ دگر پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے؟ کس لیے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہا باریکیاں رکھی ہیں، پیدا کر دینے پر قادر ہے وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے خصوصاً جبکہ ایک بار اس کو پیدا بھی کر چکا ہو۔

اس کے بعد آسمان کی پیدائش اور اس کے اندر جو صنعتیں رکھیں، ان کو بیان فرماتا ہے۔ اول رفع سمکھا کہ اس کی چھت کس قدر بلند کی۔ زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ دوم فسوھا یہ نہیں کہ بیڈول اس کو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا۔ ہر موقع پر ہر چیز ہے نہ اس میں شگاف ہے نہ ٹیڑھا ترچھا پن ہے۔ سوم واغطش لیلھا واخرج ضحھا اس کی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کیسی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے۔ کیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کر کے نہیں بیٹھ رہا بلکہ والارض بعد ذلک دحھا اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اس کو ٹھیک کر کے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔ ان آیات اور سورہ فصلت کی ان آیات ثم استویٰ الی السماء اور سورہ بقرہ کی آیات ھوالذی خلق لکم ما فی الارض الخ وان آیات قل ء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الخ میں کچھ تعارض نہیں۔ اس کی تشریح وتفصیل ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اخرج منھا ماء ھا ومرعاھا زمین سے پانی نکالا، کنوؤں اور چشموں سے اور چارہ پیدا کیا والجبال ارسھا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ بنایا جس سے ڈگمگاتی نہیں۔ متاعالکم ولانعامکم تمہارے برتنے اور آرام پانے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے اور کھانے کے لیے۔ پھر یہ مصالح زمین وآسمان میں جس نے ملحوظ رکھ کر ان کو بنایا ہے۔ کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿٣٦﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿٣٧﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٣٩﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾

پھر جبکہ وہ بڑا حادثہ آموجود ہو جس دن کہ انسان اپنے کیئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیا کا جینا ہی پسند کر لیا ہوگا سو اس کا تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور دل کو خواہشوں سے روکا پھر بے شک اس کا تو جنت ہی مقام ہے۔

ترکیب: فاذا اشرط الطامة قال المبرد هی عند العرب الداهیة طم طم درانیا شتن (ع ف اض ۲) یقال فوق کل ذی طامة طامة وبریدن والطامة قیامت صراح قال المبرد هی من قولهم طم الفرس طمیما اذا استفرغ جهده فی الجری وطم الماء اذا املاء النهر کله وقال اللیث الطم طم البئر یا بالتراب وهو الکبس ویقال للشیء الذی یکبر حتی یعلوطم والطامة الحادثة تطم علی ماسواها کبیر۔ والعامل فی اذا جوابها وهو معنی قوله یوم یتذکر قال الواحدی جواب اذا محذوف والتقدیر اذا جاءت الطامة الکبرٰی دخل اهل النار النار واهل الجنة الجنة وقیل جوابها قوله فان الجهیم هی الماوٰی وکانه جزاء مرکب علی شرطین یوم یتذکر الظرف بدل من اذا وقیل من الطامة الکبرٰی۔ وبرزت معطوف علی جاءت قراء الجمهور بری بالتحیة وقرأت عائشة وعکرمة ومالک بن دینار وزید بن علی بالفوقیة ای لمن تراه الجحیم فاما شرطیة من موصولة طغٰی اصلها واثر معطوف علی طغٰی آثر اختار فان الجهیم الجملة جواب الشرط هی الماوٰی له اوالالف واللام عوض عن المضاف الیه وقس علیه اما من خاف مقام ربه قیامه بین یدیه وقال الجلال جواب اذا فاما من طغٰی الخ۔

تفسیر...... مسئلۂ توحید کا اثبات! آسمان وزمین کی بناوٹ میں اپنی حکمتِ بالغہ وقدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر بظاہر تو یہ بات ثابت کی تھی کہ ہم انسان کے بارِ دگر زندہ کرنے پر قادر ہیں اور ضمناً یہ بھی بتایا تھا کہ دراصل ہم ہی مربی ورزق رساں ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے لیے یہ گھر بنایا جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے اور جس میں تمہاری معیشت کے کل سامان ہیں۔ پھر ہم ہی قابلِ پرستش ہیں۔ ہمارے ساتھ عبادت واستعانت میں دوسرے کو شریک کرنا کمال ناشکری ہے اور ہماری عبادات واطاعت شکر گزاری اور حق شناسی ہے۔ اس میں مسئلۂ توحید کا بھی کامل ثبوت کر دیا گیا۔ اب یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ دنیا کا گھر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ کے لیے نہیں۔ آخر ایک روز یہ گھر بگڑنا ہے اور تمہیں ایک دوسرے گھر میں جا کر سدا رہنا ہے جہاں انسان کو اس کی کوشش اور عمل کا نتیجہ نیک یا بد بھگتنا پڑے گا اور اس دارِ امتحان میں جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ پانا ہوگا اور اس گھر میں بسانے سے یہی مقصود بھی تھا نہ کہ یہیں رکھنا اور یہ کب ہوگا فاذا جاءت الطامة الکبرٰی جبکہ بڑا حادثہ یعنی قیامت آوے۔ طامہ بڑا حادثہ جو اور سب حادثوں پر غالب ہو اور کبرٰی میں اور بھی تاکید ہے۔ یہ موت کے حادثے اور دنیا کے جمیع حوادث انقلاباتِ سلطنت، دریائی طغیانی، پہاڑوں کی آتش فشانی، قوموں کے زیر وزبر ہونے، نئے مکانوں کے بننے، پہلوں کے گرنے، انسان کے بڑھاپے اور دولت مند وفقیر ہونے سب سے بڑھ کر ہے۔ کس لیے کہ اس حادثہ میں یہ تمام عالم ہی زیر وزبر ہو جائے گا۔ یہ گھر فنا ہو جاوے گا۔ ان آیات میں پھر اس مسئلۂ معاد کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور یہی خیال انسان کو نیکی پر ابھارتا اور بدکاریوں سے روکتا ہے۔

قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا' زمین کا فنا ہونا' پہاڑوں کا اڑتے پھرنا' جو نفخ صور اول سے متعلق ہے۔ توطیہ وتمہید ہے اور اصل مقصد انسان کا بارِ دگر زندہ ہو کر اپنے اعمال وایمان کا بدلہ پانا ہے اس لیے طامہ کبریٰ کے بعد جو قیامت ہے اس اصلی مقصد کو بیان فرماتا ہے فقال یوم یتذکر الانسان ماسعٰی یعنی جس دن کہ آدمی یاد کرے گا کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا' اس کو وہ قویٰ اور حواس عطا ہوں گے کہ جو کچھ آج دنیا میں کر کے بھول گیا ہے' اس روز وہ سب یاد آ جاوے گا اور اعمال کا نیک و بد نتیجہ اپنی مناسب اشکال میں اس کو آنکھوں سے دکھائے گا۔ وبرزت الجحیم اور مظہرِ قہرِ الٰہی جس کو جہنم یا جحیم کہتے ہیں' ظاہر ہو جاوے گی۔ لمن یریٰ ہر ایک دیکھنے والے کے لیے آج جو یہ تفرقہ ہے کہ اس کو اہلِ بصیرت حضرات انبیاء واولیاء دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اسی لیے شتر بے مہار ہو کر لوگ لذات وشہوات میں گرے پڑتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب انکار کرتے ہیں' اس روز یہ نہ ہوگا۔ ہر ایک کھلم کھلا دیکھے گا۔ لمن یریٰ کے لفظ نے تعمیم کر دی۔ پھر اس فرمانِ الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جاوے گا بلکہ فامامن طغٰی جس نے سرکشی کی دنیا میں کہ حد مقرر سے آگے پاؤں دھرا' یہ لفظ جمیع گناہوں کو شامل ہے۔ معاملات سے لے کر عبادات تک حکمِ الٰہی سے سرتابی' تجاوز' طغیان ہے۔ یہ قوتِ نظریہ کے فساد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اپنے نفس کو حقیر جانے گا اور ہر دم خداوندِ قہار و جبار کو انتقام پر قادر سمجھے گا۔ پھر اس سے طغیان یعنی سرکشی سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا۔ رہا مقتضائے بشری جس کے بعد توبہ وندامت ہو وہ طغیان نہیں۔ واثر الحیواۃ الدنیا اور طغیان ہی پر بس نہیں بلکہ زندگیِ دنیا پر بھی ریجھ گیا ہو۔ یہ قوتِ عملیہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دوسرے جہاں میں جانے کا اس کو یقین نہیں ہوتا تو وہ رات دن اسبابِ عیش وآرام کے جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے' خواہ حرام سے خواہ حلال سے کسی طرح سے ہو مال و زر زمین و جائیداد پیدا کرنے کے خیال میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ پھر اس کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کیسا ہی گناہ اور حق تلفی ہو پروا نہیں کرتا۔ نہ جھوٹ بولنے اور دغا بازی کرنے سے حذر کرتا ہے نہ ظلم کرنے سے ڈرتا ہے۔ اپنا شیوہ منافقانہ بنانا دنیاداری کے اصول میں سے جانتا ہے۔ پھر اس کو نماز و روزہ یا اور کسی نیکی کی فرصت ومہلت کہاں؟ رات دن اسی میں رہتا ہے خواب بھی اسی کے دیکھتا ہے۔ آخر اسی حالت میں دنیا سے جاتا ہے۔ فان الجحیم ھی الماویٰ تو لامحالہ دوزخ ہی اس کا مقام اور ٹھکانا ہوتا ہے۔ مرتے ہی وہ عالمِ برزخ میں اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کس لیے کہ یہ وہی تو اس کا طغیان وحب الدنیا ہے جو جہنم کی شکل میں ظاہر ہو گئی اور حشر میں اور بھی ظہور ہوگا۔ واما من خاف مقام ربہ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا جو شخص اس خیال کو دل میں جگہ دے گا' وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور یہ صفت وصفِ طغیان کی ضد ہے۔ جس میں یہ صفت ہوگی وہ نہ ہوگی اور اسی خیال پر بس نہیں بلکہ ونھی النفس عن الھویٰ وہ نفس کو خواہشِ نفسانی سے بھی روکتا ہے۔ جس طرح وہ دونوں صفتیں جمیع قبائح اور الواث کو شامل تھیں۔ اسی طرح یہ دونوں صفات جمیع اطاعات وحسنات وتطہیرِ باطن وظاہر ومکارمِ اخلاق کو شامل ہیں اور ان نیک صفتوں میں سے اول دوسری کے لیے علت ہے کس لیے کہ نفس کی بدکاریوں سے لگام روکنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ تصور کر لے گا کہ مجھے ایک روز خدائے جلیل و جبار کے سامنے کھڑا ہونا اور حساب دینا ہے۔ خاف مقام ربہ میں قوتِ نظریہ کی تکمیل کی طرف ونھی النفس میں قوتِ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے پاک لوگوں کا فان الجنۃ ھی الماویٰ بہشت انجام ہے۔ وہی ان کا مقام ہے۔ وہ عالمِ قدس میں بادشاہت کیا کریں گے۔ سبحان اللہ دو آیتوں میں دارِ آخرت کا حال اور نیکی وبدی کا انجام اور اصولِ سعادت وشقاوت کس خوبی سے

بیان فرما دیے۔ ان آیات میں تعمیم ہے۔ کوئی کیوں نہ ہو جو ایسا ہوگا یہ انجام ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پہلے دونوں جملوں میں عامر بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے جو بدکار دنیا پرست تھا اور اخیر کے جملوں میں اس کے بھائی مصعب بن عمیر کی طرف اشارہ ہے جو تارک الدنیا تہجد گزار تھا۔ احد میں شہید ہوا جس کے لیے پورا کفن بھی نہ تھا۔ سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جو پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ
مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا
اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

ع ۴

(اے رسول!) آپ سے اس گھڑی کا حال پوچھتے ہیں کہ اس کا کب وقت ہے؟ آپ کو اس کے ذکر کی کیا پڑی اس کی خبر تو آپ کے رب کے پاس ہے۔ آپ تو اس گھڑی سے اس کو ڈراتے ہیں کہ جو اس سے ڈرتا ہے۔ جس دن کہ اس کو دیکھ لیں گے تو (یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں) گویا ہم ایک شام یا اس کی صبح تک ٹھہرے تھے۔

ترکیب: ایان ظرف زمانی مبنی علی الفتح مبتداء مرسٰھا خبرہ ای منتھٰی قیامھا قال ابوعبیدۃ مرسی السفینۃ مستقرھاء والجملۃ بیان السوال۔ فیم اصلہ فیما ای فی ای شیء خبر والمبتداء انت من ذکراھا بیان لای شیء والمعنی لست فی شیء من ذکر وقت القیامۃ انما یعلمھا اللہ تعالیٰ خاصۃ والاستفھام انکاری ورد لسوال المشرکین عنھا الی ربک متعلق بثابت خبر منتھاھا مبتداء ای منتھٰی علمھا لا یعلم تعین وقتھا الا ھو والجملۃ تاکید الجملۃ الاولی فی ردسوالھم وکذا انما انت منذر مضاف الی من وھذا قراءۃ الجمھور وقرئ بالتنوین قال الفراء کلاھما صواب کقولہ بالغ امرہ وموھن کید الکافرین وقال صاحب الکشاف الاصل ھو التنوین والاضافۃ تخفیف وکلاھما یصلح للحال والاستقبال کانھم کان اسمھا ھم لم یلبثوا خبرھا یوم یرونھا ظرف لقولہ لم یلبثوا ای یظنون انھم لم یلبثوا فی الدنیا الا عشیۃ اوضحھا ای عشیۃ یوم او بکرتہ وصح اضافۃ الضحٰی الی العشیۃ لما بینھما من الملابسۃ اذھما طرفا النھار والاضافۃ عند العرب تصح بادنیٰ مناسبۃ یقولون اتیتک الغداۃ او عشیتھا واتیک العشیۃ او غداتھا۔ والعشیۃ من الزوال الی الغروب الضحٰی ھو البکرۃ الی الزوال۔

تفسیر: کفار عرب نے جب قیامت میں دوزخ کا ظاہر لایا جانا اور بدوں کا سزا اور نیکوں کا جزا پانا سنا اور نیکی و بدی کا اصول بھی معلوم کیا تو بجائے اس کے کہ اصول حسنات پر عمل کرتے اور بدی کے رستے سے رکتے خود قیامت سے ہی سوال کرنے لگے۔ ایان مرسٰھا کہ اس کا کونسا وقت ہے؟ یہ کمال نادانی ہے۔ کس لیے کہ اگر طبیب حاذق کسی کو کہے کہ تمہارا مرض مہلک ہے علاج کرو ورنہ مرجاؤ گے تو احمق بیمار یہ پوچھے گا کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ کب مروں گا۔ حالانکہ اس کو اپنا مرض معلوم کر لینے کے بعد علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ حکیم سے لایعنی سوال کرنا اور تمسخر سے پیش آنا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ فیم انت من ذکرھا۔ تجھے کیا پڑی جو اس کا وقت ذکر کرے۔ اول تو یوں کہ ان کو کچھ فائدہ نہیں، کس لیے کہ وقوع سے پہلے وقت کی خبر کو کب سچا جانیں گے اور وقوع کے بعد کوئی تدبیر ہاتھ میں نہیں۔ دوم الیٰ ربك منتھٰھا اس کا علم اور وقت کی تعیین تیرے رب ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم کے ارکان کو درہم برہم کر دے گا اور اس کا سبب اس عالم کے سوا اور ہی کوئی ہے۔ پھر کسی علم اور قرائن سے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے اور حق سبحانہ اس کی خبر اس لیے نہیں دیتا کہ کارخانہ عالم درہم برہم ہو جاوے گا۔ بدوں کو نیکی سے باز رہنے کے لیے ایک یہ بھی حیلہ ملے گا کہ آج دل کھول کر شہوت

پرستی کرو کیا ابھی قیامت آئے جاتی ہے؟ وہ تو بہت دور ہے۔

انما انت منذر آپ کا کام اے نبی! خبردار کر دینا اور لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دینا ہے۔ مگر آپ کے انداز سے نفع اسی کو پہنچے گا جو من یخشھا قیامت سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے ایک روز سامنے جا کر حساب دینا ہے وہی اپنے امراض کے لیے علاج کے لیے روحانی حکیموں سے چارہ جوئی کرے گا اور وہ کیوں اتنی جلدی کر رہے ہیں کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الاعشیة اوضحھا جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو اس جہاں کی یہ زندگانی ایسی کم معلوم ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ وہاں آدھے دن رہے تھے۔ صبح یا شام۔ بدحواسی سے پورے طور پر یہ بھی معلوم نہ رہے گا کہ کب تک رہے تھے۔ اول دن یا پچھلے دن۔ دنیا کی عافیت کا خیال آوے گا تو صبح سے دوپہر تک رہنا خیال کریں گے کس لیے کہ یہ فرحت کا وقت ہوتا ہے اور جو تکالیف کا خیال آوے گا تو اخیر دن کا رہنا ڈھلتی پھرتی چھاؤں سا بیان کریں گے۔

سورہ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیات ایک رکوع ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۱ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ۲ وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۳ اَوۡ یَذَّکَّرُ
فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ۴ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰی ۵ فَاَنۡتَ لَہٗ تَصَدّٰی ۶ وَمَا عَلَیۡکَ
اَلَّا یَزَّکّٰی ۷ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَکَ یَسۡعٰی ۸ وَھُوَ یَخۡشٰی ۹ فَاَنۡتَ عَنۡہُ تَلَھّٰی ۱۰ کَلَّاۤ
اِنَّھَا تَذۡکِرَۃٌ ۱۱ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ۱۲ فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۱۳ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَھَّرَۃٍۭ ۱۴
بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ۱۵ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ ۱۶

(محمد ﷺ) اتنی بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا[1] ترش رو ہو گئے اور منہ موڑ لیا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سدھر ہی جاتا یا نصیحت کی باتیں یاد کرتا یا وہ سوچتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی لیکن وہ جو پروا بھی نہیں کرتا سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام بھی نہیں لیکن وہ جو آپ کے پاس ڈر کر دوڑتا ہوا آئے اور دوڑ رہا ہے سو اس سے آپ بے پروائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرو۔ یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اس کو یاد کرے۔ یہ (قرآن) مکرم، بلند مرتبہ، مقدس صحیفوں میں نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔

ترکیب | ان جاء ای لان جاء مفعول لاجلہ والعاس فیہ اما عبس او تولی علی الاختلاف بین البصریین والکوفیین فی التنازع والمختار مذہب

[1] مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کفار کو سمجھا رہے تھے اور ان کے بے جا سوالات اور کم بختیوں سے ملول ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک اندھا جس کا نام عبداللہ بن ام مکتوم ؓ تھا آیا اور آپ سے قرآن سننے کی التجا کی۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور اشراف قریش ہی کی طرف مخاطب رہے اور اس کے بار بار سوال کرنے سے چیں بجبیں ہوئے جس پر یہ سورہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ پر قدرے تہدید ہے کہ ہمارے نزدیک طالب صادق مرغوب ہے دولت مند اور مفلس کا کچھ لحاظ نہیں۔ آپ نے طالب صادق سے اعراض کیا اور منہ بنایا۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ اندھا سدھر جاتا اور اس کا تقربات میں مرتبہ بالا ہو جاوے اور دین کے بڑے بڑے ہادیوں میں سے ہو جاوے گا۔ گو بظاہر اندھا ہے مگر قلبی و روحی استعداد میں ممکن ہے کہ ہزار آنکھ والوں سے بڑھ کر ہو جس سے وہ خود بھی درست ہو جاوے اور درست ہو کر اوروں کی بھی اصلاح و تربیت کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البصر بین لعدم لاضمار فی الثانی۔ اویذکر عطف علی یزکی داخل فی حکم الترجی معہ فتنفعہ قرأ الجمھور برفع المضارع عطفا علی یذکر وقری بالنصب علی جواب التمنی فی المعنی تصدیٰ التصدی الاصغاء وقیل ھو تفعل من الصدی وھوالصوت ای لاینادیک الا اجابۃ ویجوزان یکون الالف بدلامن دال ویکون من الصدوھوالناحیۃ والجانب۔ قرأ الجمھور بالتخفیف علی طرح احدالتائین تخفیفا وقرانافع وابن محیض بالتشدید علی الادغام وما علیك الخ ای لیس علیک باس فی ان لایتزکی والجملۃ فی محل النصب علی الحال من الضمیر فی تصدی یسعیٰ حال من فاعل جاء وھو یخشی حال من فاعل یسعیٰ علی التداخل اومن فاعل جاءک علی الترادف تلھی والتلھی التفاعل یقال لھیت من الامر الھی ای تشاغلت عنہ وکذا تلھیت ولیس من اللھو۔ انھا الضمیر الی الموعظۃ والضمیر فی ذکرہ للقرآن فی صحف حال من الھاء وقیل الجاروالجر ورنعت لتذکرۃ ومابینھما اعتراض وکذلک بایدی الخ وقیل فی صحف خبرثان لانھا وماقبلھا اعتراض والاول تذکرہ سفرۃ جمع سافرمن السفارۃ وھوالسعی بین القوم اومن الکتابۃ قال الزجاج یقال للکاتب سفربکسرالسین وسافرلانہ یسفر ای یکتب والاصل ان معناہ الاظھار یقال اسفرالصبح اذا اضاء ویقال اسفرت المرءۃ اذا کشفت النقاب عن وجھا وفی السفارۃ والکتابۃ یوجد ذلک المعنی ولذا یطلق علیھما جمع ھار

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔اس میں بیالیس آیات ایک سوتیس کلمات پانچ سو پینتیس (۵۳۵) حرف ہیں اوراس سورۃ کا نام سورہ عبس اس لیے ہے کہ اس کے نزول کا باعث عبوس یعنی ترش روئی تھی۔

جملہ اولیٰ لعلہ یزکی میں خوداس کی درستگی اور صلاحیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ اویذکر فتنفعہ الذکری میں اس کی ترقی اور مرتبہ ارشاد و تکمیل تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ یذکر تذکیر سے ہے اور یہ لفظ قرآن میں دوسروں کے سمجھانے کے معنی میں اکثر وارد ہوا ہے[1]۔ پھر جب وہ اس مرتبہ میں پہنچ جاوے گا تو اے محمد (ﷺ) تیری نصیحت اور نفع اس کو پہنچے گا۔ چونکہ اس کی استعداد کا پورا حال کہ کمال ہی کے مرتبہ تک ہے یا تکمیل کے مرتبہ تک آنحضرت ﷺ وصحابہ کو معلوم نہ تھی بات معلوم تھی کہ یہ ہونہار ہے۔اس لیے لفظ او ان دونوں جملوں کو ذکر فرمایا جو مانعۃ الخلو رہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف پھرتی ہے نہ اعمیٰ کی طرف تب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محمد (ﷺ) تجھے کیا معلوم کہ وہ کافر (کہ جس کے سمجھانے کے لیے آپ اس قدر دردسری اور عرق ریزی کررہے ہیں اور اس کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس اندھے کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے بلکہ اس کے درمیانی سوال سے ترش رو ہوتے ہیں) سمجھ ہی جاوے گا۔اس کی خباثتِ کفراس سے دور ہو جاوے گی یا وہ سمجھا جاوے گا اور اس کو تیری نصیحت سے نفع پہنچے گا؟ پھر جب یہ معلوم نہیں تو اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس اندھے غریب سے کہ جس میں استعداد ہے' بے اعتنائی کرنا کیا! اس لیے فرماتا ہے امامن استغنی فانت لہ تصدی[2] کہ جو تیرے ارشاد و ہدایت سے بے پروائی کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے عقائدِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ اور حیاتِ دنیا اور اس کے عیش ونشاط کو بہتر جانتا ہے۔ آپ اس کے درپے ہورہے ہیں' کوشش کررہے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ اس کی بے پروائی اس کو اس دریائے ضلالت میں غرق کردے گی۔اس کا پہلے تدارک کرنا چاہیے اور جو شوقین ہے اس کا شوق ضرور اس کو اس ورطۂ ضلالت سے بچالے گا۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ مریض کی حالتِ موجودہ کو دیکھ کر سخت بیمار کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ کس لیے کہ رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہی تھا اور حق سبحانہ عواقبِ امور کو دیکھتا تھا کہ جو مریض قابلِ علاج اور اس میں شفا پانے کی صلاحیت ہے۔آپ اس کو چھوڑ کر اس لاعلاج مریض کی طرف کیوں اس قدر متوجہ

---

[1] یہ اس تقدیر پر کہ یذکر بصیغہ مجہول پڑھا جاوے جیسا کہ بعض کی قرأت ہے۔۱۲منہ

[2] تصدی کان رکھنا آواز جو خالی مکانوں اور خشک لکڑیوں سے سنی جاوے۔ پیاس۔ بہرحال کوشش وسعی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اسی لیے محرروں کو متصدی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں کوشش وہوشیاری کرتے ہیں۔۱۲منہ

ہوتے ہیں۔ اگر وہ مرجاوے تو مرجائے آپ کا ذمہ نہیں۔ اسی مضمون کو اس جملہ میں ادا فرمایا ہے وما علیکم الایز کی اور تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ اگر وہ کافر بے پروا درست اور پاک نہ ہو جائے کس لیے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے۔ اب سدھرنا یا نہ سدھرنا استعدادِ ازلی پر موقوف ہے اور تبلیغ کا مستحق یہ متکبر بے پروا منہ پھیرنے والا نہیں بلکہ واما من جاء ث یسعیٰ الخ وہ جو شوق میں تیرے پاس دوڑتا آوے اور خداترس بھی ہو جیسا کہ ابن ام مکتوم آپ کو ان سے متوجہ ہونا چاہیے مگر آپ کی رحمدلی اور شفقت اس کے برخلاف اس دوسرے گمراہ کی طرف متوجہ ہے جو جہنم کے کنارہ کھڑا آپ کو دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے آپ اس شوقین سے التفات نہیں کرتے فانت عنه تلهیٰ بلکہ اس سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ کلا ہرگز ایسا نہ کرو کیونکہ حکمتِ الٰہی کا مقتضیٰ یہ نہیں کس لیے کہ انها تذ کرۃ یہ آیات تذکرہ ہیں یعنی خدا کے نام اور صفات و افعال و احکام اور اس کی جزاء و سزا اور محبت و معرفت و خوف و رجاء کو یاد دلاتی ہے اور خدا سے ملانے کا رستہ بتاتی ہے۔ سو یہاں خود طالب کی رغبت و ارادت درکار ہے۔ یہاں یہ چاپلوسی اور التجا اور سر ہونا مفید نہیں۔ من شاء ذکرہ جو چاہے اپنی رغبت اور شوق سے اس قرآن کو یاد کرے۔ قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں اس کی ذات و صفات و تہذیبِ نفس کے متعلق بہت کچھ ہے اور بالخصوص اس میں ایک تاثیر ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والے پر ایک تجلی ہوتی ہے جس سے روح میں نورانیت اور بہیمیت کو شکستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ القرآن حبل الله المتین کہ قرآن بندہ کے لیے خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسہ ہے جس نے اس کو پکڑ لیا بامِ سعادت پر چڑھ گیا اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تجلی اللہ لعبادہ فی کلامہ ولٰکنھم لایبصرون کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بندوں کے لیے متجلی ہوتا ہے لیکن بندے دیکھتے نہیں۔

اوصافِ قرآن ! اب قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان فرماتا ہے اور ضمناً کفارِ قریش پر تعریض بھی کرتا ہے جو نجاستِ کفر، فسق وحبِ شہوات میں آلودہ تھے اور ان کو قرآنِ عظیم کی طرف التفات نہ تھا اور وہ تعریض یہ ہے کہ یہ قرآن ایسے پاک ہاتھوں کا لکھا ہوا بلند شان اوراق میں ہے کہ ناپاک اور دنی لوگ اگر اس سے تنفر کریں اور اس کی خوبیوں سے ان کی آنکھیں اندھی رہیں اور ان کے ناپاک ہاتھ اس کو تلاوت کرنے میں مس نہ کریں تو کچھ تعجب نہیں۔ اس لیے اے پیغمبر آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ ظاہر کا اندھا روشن دل ہے وہی اس کا مستحق ہے اور وہ اوصاف یہ ہیں۔ اول: فی صحف مکرمة مرفوعة کہ قرآن مجید گرامی قدر بلند شان صحیفوں میں ہے یعنی اوراق میں۔ اس سے بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ کتبِ سابقہ میں جو معزز اور بلند مرتبہ ہیں قرآن مجید کے مطالبِ عالیہ موجود ہیں یا ان میں اس کا ذکرِ خیر ہے جیسا کہ فرمایا ان هذا لفی الصحف الاولی صحف ابراهیم و موسیٰ اور ایک جگہ یہ آیا ہے وانه لفی زبر الاولین اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ صحف مکرمہ مرفوعۃ سے مراد وہ الواحِ نورانیہ ہیں جو آسمانِ ہفتم میں ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً قرآن مجید تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا۔ مرفوعۃ کے معنی بلندی سو وہ بلند بھی ہیں اور رفیع القدر بھی ہیں اور مطہرۃ پاک بھی ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بعض کہتے ہیں صحف مکرمہ ایمانداروں کے قلوب میں ہیں جن میں قرآنِ مجید بطور حفظ کے مکتوب و منقوش ہے نہ تحریف کو گنجائش ہے نہ کسی آفت کو رسائی ہے اور وہ دل خدا کے نزدیک مکرم و معظم ہیں اور پاک بھی ہیں۔ نجاساتِ کفر و شرک و تلویثاتِ حبِّ شہوات ان تک چھو بھی نہیں گئی ہے۔

دوم: بایدی سفرۃ کرام بررۃ وہ قرآن ناپاک اور خیانت آمیز ہاتھوں سے نہیں لکھا گیا بلکہ کاتبوں کے ہاتھ سے جو کرام یعنی بزرگ اور مقدس اور بررہ نیک ہیں یا تو اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ اگر صحفِ مکرمہ سے مراد الواحِ نورانیہ ہیں یا دنیا کے نیک اور باخدا لوگ جو قرآن کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا کرتے تھے نہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کم و زیادہ کرتے تھے نہ کسی غرض سے اس میں ہیر پھیر کرتے تھے۔ خیانت اور خود غرضی ان کے پاس نہ پھٹکی تھی۔

یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن سے قرآن مجید جمیع کتب پر فوقیت رکھتا ہے اور انہیں کے سبب آج تک اسی اصلی چمک دمک سے باقی ہے۔اس میں کوئی گرد وغبار پیدا نہیں ہوا نہ ہوگا۔ برخلاف اور کتابوں کے کہ ان میں ذلیل اور ناپاک اور ناخدا ترس ہاتھ بھی لگے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس کی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ وہی ہے جیسی کہ تھی توریت وانا جیل وزبور میں جو کچھ تغیرات ہوئے ان کا کوئی منصف مزاج اہلِ کتاب بھی انکار نہیں کرسکتا۔ رہی زندواستا اور دساتیر پارسیوں کی آسمانی کتاب اور ہندوؤں کی کتاب چاروں وید۔ وہاں تو یہ بھی تحقیق نہیں کہ کس مصنف کی تصنیف ہیں اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے ماں باپ کا کیا نام تھا۔ کیا عمر تھی۔ کیا کیا کرتے تھے اور بعدہ کس نے ان سے لیا اور کس طرح محفوظ رکھا۔ ان اوصاف قرآنیہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب نفیس کاغذوں پر مطلا حرفوں میں لکھے جانے اور عمدہ صندوقوں اور بلند طاقوں میں رکھے جانے سے معزز ومحترم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں یہ خوبیاں نہ ہوں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ
فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَاۗءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾
كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

انسان غارت ہوجائے کیسا ناشکر ہے۔ اس کو کس چیز سے بنایا ایک بوند سے۔ اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ کیا۔ پھر اس کے لیے راہ آسان کردی۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا اس کو اٹھا کھڑا کرے گا جس چیز کا اس کو حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا ہی نہیں کیا۔

ترکیب | قتل الانسان الجملۃ فی الظاہر خبر وفی المعنی انشاء وھی دعاء علیہ وھی من اشنع دعوات العرب لان القتل اشد مصائب الدنیا۔ والدعاء علی الانسان یلیق بالعاجز واللہ سبحانہ قادر فوجھہ انما اوردہ علی اسلوب کلام العرب ومحاوراتھم ما اکفرہ صیغۃ التعجب۔ والجملۃ انشائیۃ انما اوردھا علی محاوراتھم من ای شی خلقہ استفہام والغرض زیادۃ التقریر فی التحقیر ومن تعلق بخلق من نطفۃ جواب الاستفہام والوقف علیہ جید من تعلق بخلق خلقہ الخ کلام مبتداء لبیان خلقۃ الانسان السبیل منصوب بفعل مضمر یدل علیہ المذکور ای یسر السبیل یسرہ کلا۔ روع وزجر للانسان الکافر عما ھو علیہ من التکبر والاصرار علی الکفر۔ لما بمعنی لم وفاعل یقض عند الجمھور ھو الانسان وقیل اللہ تعالیٰ وفاعل امر بالاتفاق ھو اللہ جل ذکرہ۔

تفسیر | کفار قریش کے بڑے بڑے متکبر ومغرور آنحضرت کی محفل میں حاضر تھے جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تھے اور اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا سوال ان کے اثناءِ وعظ میں برا معلوم ہوا تھا کہ اس غریب کی طرف متوجہ ہونے میں ان متکبروں کو برا معلوم ہوگا اور اسی لیے یہ ہدایت پانے سے محروم رہ جاویں گے۔ سو اس بات پر اول تو حق سبحانہ نے آنحضرت ﷺ کو تنبیہ کی ایسے طالبِ صادق اور غریب آدمی کی خاطر شکنی نہ چاہیے تھی اور اب ان متکبروں کے مایۂ غرور کو باطل کرتا ہے۔ فقال قتل الانسان ما اکفرہ کہ مارا جائے انسان کیا ہی ناشکر ہے۔ ہم نے تندرستی، دولت، مال واولاد اس لیے عطا کیا تھا کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور ہماری طرف متوجہ ہو اور اس کو ہمارا عطیہ سمجھے نہ کہ اور غرور میں آکر ہمارے سامنے سرکشی کرے۔ میرے فرستادوں کا کہنا نہ مانے غریب، مفلس، خدا پرستوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مجامع خیر[1] وعظ وپند وعبادت میں بھی شریک ہونا عار جانے۔

---

[1] آج کل یورپین عیسائی دیندار عبادتگاہوں میں بھی دیسی لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے تکبر سے شریک ہونا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ساتھ کھانا اور بیٹھنا۔ یہ دعوائے دینداری اور یہ غرور اس سے موجود مذہب عیسوی کے پیروؤں کا انداز ہوسکتا ہے کہ اب کہاں تک ان میں مذہب عیسوی کا اثر تام باقی ہے اور یہی حال رحم دلی عفت، پرہیزگاری، پابندی عہد، ادائے حقوق ہمسائیگی کا ہے۔ خوشبو چلی گئی اس کا دھبہ باقی ہے۔ ۱۲ منہ

فائدہ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان سے مراد خاص اشخاص ہیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ عموماً کفار مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں ان میں سے خاص عتبہ بن ابی لہب مراد ہے جو بڑا متکبر تھا اور گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے ہے مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی دولت مند متکبر ہو۔

فائدہ۔ خدائے پاک بددعا خاص محاورۂ عرب اور ان کے اسلوبِ کلام کے لحاظ سے کرتا ہے ورنہ وہ خود غارت کر سکتا ہے اور یہی حال تعجب کا ہے۔ وہ خود جانتا ہے مگر یہ بھی اور اسی قسم کے جمیع الفاظ و جملے محاورہ کے لحاظ پر ہیں۔ کس لیے کہ جس زبان میں کلام کیا جاتا ہے۔ اس کے محاورات استعمال میں لانا فصاحت و بلاغت ہے۔ اس کے بعد انسان کا تکبر باطل کرنے کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے کہ من ای شئی خلقه کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ پھر آپ ہی جواب دیتا ہے من نطفة کہ ایک بوند یعنی منی کے ناپاک قطرہ سے۔ یہ حضرت کی اصل ہے جو بدن پر یا کپڑے پر لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہ ہو۔ پھر اس پر یہ غرور یہ فوں فاں کہ ہمچو من دیگرے نیست۔ پھر اس قطرہ میں کیا کاریگری کر کے انسان کو بنایا۔ خلقه فقدرہ اس منی کے قطرہ سے انسان کی آفرینش کی۔ اس میں سے اعضاءِ بدن مناسب بنائے، جان ڈالی، رحم میں حیضِ مادر سے جو وہ بھی بے حس چیز ہے غذا پہنچائی۔ اے واہ آفرینش ایسی چیز سے کہ پیشاب کی راہ سے نکلی اور دوسری پیشاب گاہ کے رستہ سے رحم میں گئی۔ یہ ہے حضرت انسان کے وجودِ دنیاوی کی اصل، جس پر یہ غرور ہے۔ پھر پیدا کر کے یوں ہی بیکار ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ فقدرہ اس کا اندازہ کیا عمر کا اندازہ، رزق کا اندازہ، جو کچھ دنیا میں نیک و بد کام کرے گا سب کا اندازہ کیا۔ رحم میں رہنے کا اندازہ کیا۔ فائدہ: تعقیبِ بیان کے لیے ہے نہ کہ تعقیبِ تقدیر کے لیے کس لیے کہ جب پیدا کیا تھا جب ہی بلکہ اس کے پہلے ہی اس کی سب باتوں کا اندازہ علمِ ازلی میں ہو چکا تھا۔ ابو درداؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکتا ہے۔ اس کی اجل اور اس کے عمل (خیر وشر) اور اس کے سکون و قرار اور اس کی حرکت و اضطرار اور اس کے رزق سے یعنی یہ سب باتیں پہلے ہی سے اندازہ ہو چکتی ہیں۔ (رواہ احمد) یہاں تک کہ انسان جو پیدا ہو کر بڑھتا ہے خواہ جسم میں ترقی کرے جیسا کہ لڑکا یا علوم و معارف میں ترقی کرے یا کسبِ اموال میں سب کچھ پہلے ہی سے مقدر ہو چکتا ہے۔ جسمانی حرکت میں کیا ممکن ہے کہ لڑکی لڑکے کے رستہ کو طے کرے جہاں جہاں بال برآمد ہونے قضاء و قدر نے مقرر کر دیے ہیں وہیں سے برآمد ہوتے ہیں۔ پھر اعضائے جسم کی بالیدگی میں ذرا بھی تناسب میں فرق نہیں ہونے پاتا۔ کیا ممکن ہے کہ قوائے نامیہ ناک کو ٹانگ کے برابر بڑھا دیں۔ یہ اندازہ ماں کے پیٹ میں رہنے سے پہلے ہو چکتا ہے۔ پھر جب اپنی عمرِ طبعی کا ایک زمانہ اس تنگ و تاریک مکان میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آئندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قضاء و قدر اس کو اس تنگ رستہ سے باہر لاتی ہے۔ ثم السبیل یسرہ اور اس تنگ رستہ کو اس پر سہل کر دیتی ہے۔ نو مہینے کے پورے پاٹھے بچے کو خیال کرو اور عورت کے اندامِ نہانی کو خیال کرو کہ کیسا تنگ رستہ ہوتا ہے مگر پھر کس حکمت سے باہر نکالتے ہیں۔ اول تو اندامِ نہانی میں نرمی اور قدرے وسعت رطوبات کے ذریعہ سے کر دیتے ہیں۔ پھر بچہ بوقتِ ولادت ملہمِ غیبی کے کہنے سے پہلے سر باہر نکالتا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہوتا بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اختیارِ قضاء و قدر ثابت کرنے کے لیے کبھی ایسا بھی کر دکھاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد بالخصوص عضوِ مخصوص ہی نہیں بلکہ عام ہے اس کو بھی شامل اور پیدا ہونے کے بعد اور سب رستوں کو شامل چنانچہ پیدا ہوتے ہی اس کو ماں کی پستانوں سے دودھ پینے کا رستہ آسان کر دیتے ہیں، ہاتھ سے پستان پکڑ کے چوستا ہے اور بھوک کا اظہار اپنے رونے سے کرتا ہے اور منہ میں پستان کو کس انداز سے دباتا ہے کہ دودھ نکل آوے، پھر اس کے اور غذاؤں کا رستہ آسان ہوتا ہے کہ دانت برآمد کر دیتے ہیں جس سے روٹی ٹکڑا کھانا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو معاش کے رستے آسان کر دیتے ہیں۔ حرفت، صنعت، زراعت، تجارت میں کیسی کیسی ایجادیں کرتا ہے۔ اسی طرح تندرستی، بیماری، سفر و حضر، مقابلۂ اعداء، بنائے مکان و دیگر اسبابِ

آسائش کے طریقے اس کے لیے تازیست آسان کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ بری سفر کی آسانی کے لیے ریل اور بحری کے لیے دخانی جہاز بنا دیے یعنی ان کے بنانے کے علوم اس کے دل میں القاء کئے۔ الغرض اس کے ہر ایک کمال تک پہنچنے کے رستے آسان کئے۔ خیر و شر نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل عطا کی یہاں تک کہ راہِ آخرت کو اور راہِ وصول الی اللہ کو بھی (کتابیں اور انبیاء علیہم السلام بھیج کر اور مرشدوں اور ہادیوں کو قائم کر کے) آسان کر دیا اور اسی طرح شقاوت کے رستے بھی بدنصیبوں کے لیے آسان کر دیے۔ کسی نے شراب ایجاد کی، کسی نے اشعار اور مزامیر سے قوائے شہوانیہ کو حرکت دی۔ فواحش کے گلے میں بدکاری کا طوق ڈالا۔ دینیات سے غفلت کے پردے ڈالے نادیدہ امورِ آخرت پر توہمات کے پتھر برسائے۔ شبہات کے عمیق گڑھوں میں گرے۔ یہ سب رستے شقاوت کے ہیں۔ ان کو بھی قضاء وقدر نے آسان کر دیا۔ زانی کو جس طرح عورت فاحشہ کا ملنا آسان کر دیا۔ اسی طرح باخدا کو رات میں جاگنا اور تہجد پڑھنا آسان کر دیا۔ بخیل کو پیٹ پر پتھر باندھ کر مال و زر جمع کرنا آسان کیا تو سخی کے لیے صرف کرنا' نامرد کو بھاگنا تو شجاع کو میدانِ جنگ میں کود پڑنا۔ پارسا کو پارسائی تو فاحشہ کو بے حیائی۔ یہ تمامی حیاتِ دنیا کا مختصر سا نقشہ اس مختصر جملہ میں ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے عالم کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اماته۔ پھر اس انسان کو موت دی۔ جیسا پیدا ہونا بے اختیاری تھا ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے۔ لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری و مرض وغیرہ اسباب کو آنے نہ دے یا آئے ہوؤں کو دفع کر دے ہرگز نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم و دانش مند آئے' کلیں ایجاد کیں کہربائی قوتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے علوم ایجاد کئے مگر موت دفع نہ کر سکے۔ یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور یہ موت دوسرے جہان میں پہنچانے کا دروازہ ہے تاکہ جو کچھ اس دنیا کے کھیت میں اس نے بویا تھا اس کو کاٹے اور جو کچھ ان کمالات کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی تھی۔ ان کا ثمرہ پاوے اور جو کچھ برے کام کئے تھے تن پروری و شہوت پرستی میں عمرِ گرانمایہ برباد کی تھی۔ اب دیکھئے اس کا وہ محبوب جسم اور وہ لذائذِ جسمانیہ کس طرح سے اس سے چھوٹتے ہیں اور پھر وہاں اس فعلِ بد کا کیا برا نتیجہ پاتا ہے۔ درحقیقت موت بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر مدتوں جئے تو پھر زیست کی تلخی بھی ایسی دیکھے کہ الٰہی توبہ! چہ جائیکہ کبھی نہ مرے اور نیز پہلوں کی وراثت پچھلوں کو نہ پہنچے۔ آیندہ آنے والوں کے لیے دنیا تنگ ہو جاوے اور بالخصوص اہلِ سعادت کے لیے تو موت بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ یہی دنیا کی کشاکش اور مشقتِ عمل سے ان کو رہائی دیتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ موت کے آرزومند رہا کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے لیے سخت قید خانہ ہے۔

چند برسوں رہ کر اس عالمِ جاودانی کو دیکھنے والوں یا یقین کرنے والوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ دل بھر جاتا ہے۔

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی
کنی مانند طفلاں خاکبازی

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لیے باہر آتا ہے اسی طرح اس منزلِ تنگ و تاریک سے بڑی ترقی کرنے کے لیے جاتا ہے۔ یہ موت وہاں کی ولادت ہے۔ پھر اس کو موت دے کر نیست و نابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فاقبرہ اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں۔ قبر کی کیفیت: قبر شرع میں عالمِ برزخی کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جاوے یا آگ میں جل جاوے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے۔ بہرحال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے۔ وہاں اس کو ثواب و عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے۔ تناسخ کے طور یا اور کسی طرح سے پھر کر اس جہان میں نہیں آتا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر بارِ دگر اس میں نہیں جاتا۔ عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔ یہ بھی بندے کے لیے نعمت ہے۔ جس کی تعلیم قابیل کے عہد میں ہوئی۔ اس سے پہلے جانوروں کی طرح لاش پڑی سڑا کرتی تھی۔ کتے گیدڑ چیل کوے کھایا کرتے تھے۔ مرنے والے کی

کمال بے حرمتی ہوتی تھی اور نفرت ہوتی تھی اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ امراض پھیلتے تھے۔ لوگ گھن کھاتے تھے۔ پھر جب اس کو دفنا دیا تو یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پردہ ڈھک گیا۔ یہ تعلیم بھی ایک انعامِ الٰہی ہے جس کے لیے فاقبرہ کے جملے میں یاد دلایا۔

پارسی یعنی مجوسی تو اب تک اپنے مردوں کی لاش کو اسی جاہلانہ دستور کے موافق یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرتے ہیں کہ ان لاشوں کے لیے ایک مکان بنا رکھتے ہیں۔ کنوئیں کی طرح کا اور اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اور لاش کو دھر کر وہاں چلے آتے ہیں۔ گدھ اور چیل کوے اس کو کھاتے ہیں اور اس مکان کو یہ دخمہ کہتے ہیں اور اکثر ہنود آگ میں جلا دیتے ہیں۔ باقی اور تمام اقوام مسلمان عیسائی یہودی و دیگر اقوام خاک میں دباتے ہیں۔

جلانا اچھا نہیں دفنانا بہتر ہے | ہنود کہتے ہیں دفنانے سے جلانا بہتر ہے۔ اول یوں کہ آگ پاک کر دیتی ہے اور زمین کو ناپاک کرنا وہاں مردے کو سڑانا بے جا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آگ پاک نہیں کرتی بلکہ فنا کرتی ہے اور جلانے میں مردے کی لاش کی بڑی بے حرمتی ہے۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دور دور بدبو پھیلتی ہے اور پھر راکھ پاؤں میں روندی جاتی ہے۔ اڑتی پھرتی ہے۔ ناپاک چیزوں پر بھی اڑ کر جاتی ہے اور پھر مردے کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ نہ دوستوں عزیزوں کو اس کی یادگار دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کا موقع رہتا ہے نہ محبوں کو قبر دیکھ کر دل ٹھنڈا کرنے کی جگہ رہتی ہے اور اسی لیے قبر میں دفنائی ہوئی میت کو اپنی لاش سے ایک روحانی تعلق باقی رہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام کی قبروں سے برکات و فیوض مشاہدہ ہوتے ہیں۔ برخلاف جلا دینے کے کہ جسم سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دھوئیں اور آگ سے ارواح کو آمیزش ہو کر شیاطین و جنات سے مشابہت ہو جاتی ہے اور دفنانے میں اور بھی مصالح ہیں۔ اول یہ کہ انسان کا مادہ خاک ہو تو اس کو اس کی اصل خاک ہی طرف پھیر لانا چاہیے جیسا کہ فرمایا منها خلقنا کم وفيها نعيد کم و منها نخرجکم تارة اخرىٰ۔ یہ آگ سے نہیں بنا تھا کہ اس کو آگ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ دوم اس دفنانے میں انسان کے فطرتی سفر اور اس کے منازل اور ان کی مشابہت کو باقی اور برقرار رکھنا ہے۔ برخلاف جلا دینے کے کیونکہ ماں کا پیٹ اس کی ایک منزل تھی جس کے بعد وہ اس عالم میں آیا ہے۔ اب یہاں کا سفر تمام کرنے کے بعد جب قبر میں دفنایا تو گویا دوسرے جہان کی رستخیز کے لیے ایک اور نئے حمل میں آیا۔ اس جہاں کی سو پچاس برس کی عمر کے لیے حملِ مادری نو مہینے کو کافی تھا مگر اس جہان کی زندگی ابدی ہے۔ اس کے لیے حمل بھی ایسا ہی طویل و دراز مدت ہونا چاہیے۔ پس نفخ صور ایک دروازہ ہے جس کے بعد حملِ قبری سے لوگ پیدا ہو کر ایک ابدی جہاں میں آویں گے اور اسی لیے اس حملِ قبری کے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں جو حیاتِ دنیا اور حیاتِ آخرت کے درمیان ہے اور اسی لیے کبھی اس کو خواب سے اور قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قبر کو مرقد کہتے ہیں۔ سوم جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گویا حق سبحانہ اپنی ایک امانت ودیعت رکھتا ہے۔ پھر جس طرح اس کو پالا پرورش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نکلنے کے بعد اس کو دفنانا اور زمین کے سپرد کرنا گویا امانت کو مالک کے حوالے کر دینا ہے اور امانات و خزائن کے لیے زمین ہی موزوں ہے نہ آگ۔ انہیں معانی کو خیال کر کے ایک شاعر کہتا ہے ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے یہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

چہارم اپنے دوست یا بزرگ کی لاش کو آپ دہکتی آگ میں جلانا اور لاٹھیوں سے اس کی ہڈیوں کو چورا چورا کرنا علاوہ بے ادبی کے انسانی رحمدلی و مروت و محبت کے بھی برخلاف ہے۔ برخلاف اس کے باعزت و شان اس کو ایک شائستہ طور پر زمین میں دفن کرنا گویا اس کو ایک مکان یا تہ خانے میں پہنچانا ہے۔ پنجم دفنانے میں بسا اوقات بہت سی جانیں جو حکماء کے اشتباہ سے مردہ سمجھ کر دفن کر دی گئیں کسی وجہ سے جلد قبر کھل جانے پر زندہ نکل آئے اور پھر برسوں جیے۔ جلا دینے میں یہ احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے سوائے جو ظالموں نے کسی کو

زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر یا قتل کر کے دفن کیا تھا۔ موقع پر مطلع ہو جانے کے بعد لاش سے ملاحظۂ جرم بھی ممکن ہے مگر جلا دینے میں تو پورا پورا اخفاءِ واردات ہے جس میں ستمگاروں کو اپنی اس وحشیانہ حرکت پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔

پھر اس حملِ قبر کے بعد جو ایک اور نئی زندگانی کی ولادت ہوگی اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ثم اذا شاء انشرہ کہ پھر جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس کی قبر سے زندہ کر کے کھڑا کر دے گا تاکہ اس جہان میں اس جہان کے اعمالِ خیر وشر کا پورا بدلہ پاوے۔ گویا یہاں آ کر اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گیا اور اب یہاں سے اس کو اور کہیں نہیں جانا۔ اسی لیے اس جہان کے کارآمد افعال واعمال وعقائد تعلیم کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے کہ ان سے خبر پا کر وہاں کے لیے بڑی سرگرمی سے تیاری کریں لیکن کلا لما یقض ما امرہ کہ بے شک انسان نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو حق سبحانہ نے بمعرفت انبیاء علیہم السلام اسی کی بھلائی کے لیے حکم دیا تھا یا یوں کہو کہ انسان اس جہان کی نعمتوں کو دیکھ کر جو اس کو بے سابقہ عمل عطا ہوئیں۔ یہ قیاس کرتا ہے کہ وہاں بھی بغیر عمل و ایمان یوں ہی نعمتیں ملیں گی۔ اس لیے اس کے جواب میں فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کس لیے کہ پہلے یہ مامور نہ تھا' اب مامور ہوا۔ نیک وبد کی تمیز دی گئی۔ تعمیلِ احکام کی طاقت دی گئی۔ اس پر جو اس نے نافرمانی کی مضر چیزوں اور برے کاموں کو عمل میں لایا' عمدہ کو چھوڑا جن کا اثر اس کی روح پر پہنچا۔ ضرور سزا وجزا پاوے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں ہرگز نہیں اللہ نے کبھی وہ قضاء و قدر میں مقرر نہیں کیا ہے جو انسان اپنی خواہش سے اپنے لیے آپ تجویز کرتا ہے اور امر کرتا ہے کہ مجھے یوں ملے گا اور یہ پاؤں گا جیسا کہ ہنود و یہود وعیسائی من گھڑت باتیں بتایا کرتے ہیں۔ انسان کی ابتداء وانتہا کن مختصر الفاظ میں بیان فرمادی۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

پھر آدمی اپنی خورش ہی کو دیکھے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھن کے باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب | انا قرء الجمھور بالکسر علی الاستیناف والکوفیون بالفتح علی انہ بدل من طعامہ الاشتمال لان نزول المطر سبب لحصول الطعام فھو کالمشتمل علیہ اوبتقدیر اللام ای لانہ والمعنی فلینظر الانسان الی انا صببنا الماء صبا وعنبا معطوف علی حبا وابنات العنب باعتبار شجرتہ وکذا قضبا فیہ قولان الاول انہ الرطبۃ وھی التی اذ ایبست سمیت بالقت واھل مکۃ یسمونھا بالقضب واصلہ من القطع وذلک لانہ یقضب مرۃ بعد اخری وھذا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ والثانی ھو قول المبرد انہ العلف بعینہ وبہ قال الحسن البصری رحمہ اللہ قضیب اقتضاب بریدن واقتصاب الکلام ارتجالہ وقضبہ ای قطعہ قضب وقضبہ سیست مقبضہ سپست زار۔ قضیب شاخ درخت قضبان جمع ونرہ خرو غیر آں۔ تقضیب شاخ بریدن از درخت در بہار۔ قضابہ بالضم شاخ ریزہائے بریدہ افتادہ صراح ونخلا معطوف علیہ جمع نخلۃ وکذا حدائق جمع حدیقۃ وھی البستان غلبا جمع اغلب وغلباء کما تجمع احمر وحمراء علی حمر یقال حدیقۃ غلباء ای غلیظۃ الشجر ملتفۃ ویقال رجل اغلب اذا کان عظیم الرقبۃ ویقال اسد اغلب لانہ مصمت العنق وابا۔ الاب ھو المرعی قال صاحب الکشاف لانہ یوب ای یوم وقیل الاب الفاکھۃ الیابسۃ لانھا توب للشتاء ای تعد متاعا منصوب لانہ مفعول لہ لامتنا وقال الزجاج ھو منصوب لانہ مصدر موکد لقولہ فانبتنا لان انبات ھذہ الاشیاء امتاع للانسان والحیوان۔

تفسیر | قرآن مجید کی عادت ہے کہ کسی مقصد پر دلائلِ انفس کے بعد دلائلِ آفاق بیان فرمایا کرتا ہے تا کہ دل میں زیادہ اثر پیدا کرے۔ یہاں غرورِ انسان کا ابطال کیا تھا اور مقصود تر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار تھا کہ جس میں کسی کو بھی شرکت نہیں جس سے ردِ شرک واثباتِ توحید ہویدا تھا اور اس مقصود کے اثبات سے یہ مطلوب تھا کہ وہی خدائے قادر واحد لاشریک انسان کو مرنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے اور اس کے اعمالِ نیک و بد کی جزاء و سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس مقصود کے اثبات کے لیے پہلے پہلے وہ دلائل بیان فرمائے تھے کہ جن کا خود انسان کی پیدائش اور اس کے حالات سے تعلق تھا۔ اب بیرونی دلائل بیان فرماتا ہے فقال فلینظر الانسان الی طعامہ کو آدمی اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا ہے؟ انا صببنا الماء صبا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ بادل اٹھا اور بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ پانی برسایا۔ بادلوں کا پیدا کرنا اور پھر ان میں سے پانی برسوانا کیا اے بنی آدم! تمہارے کسی علم وحکمت کا اثر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ثم شققنا الارض شقا۔ پھر ہم نے حکمتِ بالغہ سے زمین کو پھاڑا کہ اس میں سے سہولت سے گھانس اور جڑی بوٹیاں برآمد ہوتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا وجود آسمانی پانی سے ہے۔ وہ بمنزلہ نطفہ انسانی کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم کے ہے اور یہ نباتات بمنزلہ مولود کے ہیں۔ پھر زمین کو پھاڑ کر فانبتنا فیھا حبا ہم نے اس زمین میں سے اناج نکالا یعنی جن سے دانہ پیدا ہوتا ہے جیسا گیہوں چنا جوار باجرہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ وعنبا انگور بھی اگائے یعنی اس کی بیل بھی اگائی۔ انگور میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اسی کو کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے اور میوہ پن بھی ہے اور پھر انگور سے سینکڑوں کارآمد چیزیں بنتی ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ وقضبا یعنی جن کو بغیر پکانے کے یوں بھی توڑ توڑ کر کھا جاتے ہیں جیسا مولی، گاجر، شلغم، پیاز، کھیرا، ککڑی، خربوزہ، تربوز وغیرہ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وزیتونا یعنی زیتون بھی پیدا کیا کہ جس کا تیل بہت سے کام آتا ہے اور اس کی لکڑی سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ایسے بھی میوے پیدا کیے جو مہینوں رہ سکیں اور دور دراز ملکوں تک جا سکیں اور جن کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے یعنی ونخلا کھجور یہ بھی بہت کام آتی ہے۔ اس کا بھی کھانے کے سوا عمدہ سرکہ اور شراب بنتی ہے اور سال بھر تک اس کو رکھ کر کھا سکتے ہیں۔ اس کی مٹھائی عمدہ عمدہ کھانوں میں پڑتی ہے اور پھر بس نہیں بلکہ وحدائق باغ پیدا کیے جن میں طرح طرح کے پھل اور پھول اور کارآمد میوے ہوتے ہیں اور باغ بھی کیسے؟ غلباء گھن کے کہ جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور پیدا ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے موٹے درخت پیدا کیے کہ میوے دینے کے علاوہ ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے۔ گاڑیاں بنتی ہیں۔ صندوق بنتے ہیں اور پلنگ اور کرسیاں اور کیا کیا آرائش وراحت کے سامان تیار ہوتے ہیں اور باغ کے سوا وفاکھۃ اور بھی صحرائی میوے پیدا کیے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے خودرو درخت میوے دار ہیں اور کیسے کیسے عمدہ پیڑ اور جھاڑ ہیں۔ صحرائی شریفہ اور کیلا اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اور ان کے سوا وابا خود رو گھانس اور چارہ بھی پیدا کیا۔

یہ سب چیزیں کس لیے پیدا کیں متاعا لکم تمہارے فائدے اٹھانے کو ولانعامکم اور تمہارے چارپایوں گائے بیل بھیڑ بکری، بھینس گھوڑے اونٹ کے لیے کہ وہ جانور ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ کسی کا دودھ پیو، بچے لو، کسی کے بالوں کو کام میں لاؤ۔ عمدہ عمدہ شالیں اور دوشالے بناؤ اور کسی کو فربہ کر کے اس کا گوشت کھاؤ اور کسی پر سواری کرو اور کسی پر بوجھ لادو۔

اب ہر ایک بات کو غور کرو تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں بن گیا ہے جیسا کہ دہریہ اور طبیعیہ کہتے ہیں۔ ضرور تمہارا نورِ عقل تم کو رہنمائی کرے گا کہ ضرور بالضرور ان سب چیزوں کا خالق جس نے ہر ایک میں ایک کیا ہزاروں مصلحتیں اور قدرتِ کاملہ کے نمونہ رکھے ہیں۔ ان سب سے نرالا بڑا قادر و حکیم ہے اور اس کے سوا وہ اے بنی آدم! تم پر رحیم بھی ہے کہ اس نے صرف تمہارے پیٹ بھرنے کے لیے کیسے کیسے سامان پیدا کیے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک درکارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ ازبہر تو سرگشتہ و فرمانبردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

پھر جس قادر مطلق نے آسمانی بوند سے یہ چیزیں بنائیں اور ایک بوند سے تم کو بنایا اور عرصۂ وجود میں کیسی کیسی پلٹنیاں دیں۔ ہر دن ہر ایک نیا روپ اس کا بدلا اس کی ابتداء میں کچھ اور ہی قدرت کا جلوہ دکھایا اور اس کے شباب میں اور ہی شان نمایاں کی اور اس کے اخیر میں جبروت کی اور ہی تجلی دکھائی۔ اس شے کو قدرت کا گھوڑا بنا کر اس کو میدانِ وجود میں کیسا دوڑایا۔ ہر شے پر قدرت کو سوار کیا کیا وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے اسی میدان میں ٹکرا کر نیست و نابود کر دے گا یا اس کو کسی اور جہان میں نہ لے جائے گا؟ ضرور لے جائے گا انسان کی اندرونی اور بیرونی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ تیز رو کہیں اور جانے والا ہے اور یہ دانہ قبر میں سے ضرور پھرا گے گا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ
مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا
قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

ع

پھر جبکہ وہ شور برپا ہو جس دن کہ انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور ماں باپ سے اور بیوی اور اولاد سے (دور بھاگے گا) ہر شخص کی (اس روز) ایسی حالت ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی (ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی) کتنے ایک چہرے تو اس روز دمکتے ہنستے شادمان ہوں گے اور کتنے ایک مونہوں پر اس دن خاک پڑی ہوگی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ یہ وہی منکر بدکار رہوں گے۔

ترکیب | فاذا حرف الشرط جاءت فعل الصاخة فاعلہ والجملۃ شرطیۃ والجواب محذوف یدل علیہ الکلام الآتی وھو لکل امری منھم الخ الصاخۃ الصیحۃ وسمیت بھا الشدۃ صوتھا کانھا تصخ الاذان ای تصمھا فلا تسمع واصل الکلمۃ من الصخ وھو الطعن والصک یقال صخ راسہ بحجر ای شدخہ والغراب یصخ بمنقارہ فی دبر البعیر ای یطعن وھی النفخۃ الاخیرۃ والفاء للدلالۃ علی ترتیب ما بعدھا علی ما قبلھا یوم منصوب بمقدر ای اعنی ویکون تفسیر اللصاخۃ اوبدل من اذا جاءت لکل امری منھم خبر شان یغنیہ مبتداء یومئذ ظرف لہ والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان سبب الفرار۔ وجوہ مبتداء والنکرۃ لوقوعھا فی مقام التفصیل والتوزیع صلحت للابتداء یومئذ متعلق بہ مسفرۃ خبر اول ضاحکۃ خبر ثانی مستبشرۃ خبر ثالث ووجوہ یومئذ مبتداء علیھا غبرۃ خبر ترھقھا قترۃ خبر ثان رھق بالتحریک بر نشستن گرد بچیزے وفرو پوشیدن (ع ک اف ۲) قولہ تعالیٰ ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلہ وفی الحدیث اذا اصلی احدکم الی الشی فلیرھقہ ای فلیغشہ ولا یبعد منہ وہ خود را بر حرام وتباہی داشتن یقال فیہ رھق وستم کردن قولہ تعالیٰ فلا یخاف بخسا ولا رھقا ای ظلما۔ وسفاھت وطغیان قولہ تعالیٰ فزادوھم رھقا ای سفھا وطغیانا ونزدیک آمدن ودر یافتن چیزے را صراح

قتر۔ قترۃ بفتحتین گرد وقتر جمع۔ تقتیر۔ اقتار کذلک وبوے بریاں برانگیختن وبخور کردن زن ودرویش شدن مرد۔

غمر غبار بالضم غمرۃ بفتحتین گرد۔ غمرہ بالضم تیرگی صراح قال زید بن اسلم القترۃ ما ارتفعت الی السماء والغبرۃ ما انحطت الی الارض۔ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ القترہ سواد الوجہ اولئک مبتداء ھم الکفرۃ الخ خبر کفرۃ جمع کافر والفجرۃ جمع فاجر والفاجر المائل عن الحق

تفسیر | اور یہ کب ہو گا فاذا جاءت الصاخۃ جس دن کہ صاخہ آوے یعنی قیامت جس کے نفخ صور سے شور برپا ہو گا۔ فائدہ: قیامت کو

اس کے اوصاف ہیبت ناک کی وجہ سے ہر ایک وصف سے یاد کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو طامۃ کبریٰ کبھی واقعہ کبھی الحاقۃ کبھی القارعہ کبھی الصاخۃ۔ وہ کیسا دن ہوگا اور کب اس کا ظہور ہوگا۔ یوم یفر المرء من اخیہ جس دن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی اس کی مصیبت میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا۔ اپنی ہی خلاصی کی پڑی ہوگی۔ وامہ اور اپنی مادرِ مہربان سے بھی آنکھیں چرا لے گا۔ نااہل تو دنیا میں بھی ماں سے منہ پھیر لیتے ہیں' بیوی اور اولاد پر فدا ہوتے ہیں۔ وابیہ اور اس کے بعد باپ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ سو اس روز باپ سے بھی الگ ہو جائے گا۔ اس کی شفقت پرورش کا کچھ خیال بھی نہ آوے گا۔ وصاحبتہ اور بیوی کی بھی کچھ پروا نہ کرے گا۔ آج جس کو مال وعزت اور گھر کی تمام برکات کا خزانچی جانتا ہے' حرام وحلال جو ملتا ہے۔ اسی کے آگے لا کر دھرتا ہے اور اس کی غیرت کے لیے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور جو اس کی بڑی مونس' دردوغم کی شریک اور بڑی دلربا اور معشوق ہوتی ہے اس روز اس سے بھی منہ پھیر لے گا۔ وبنیہ اور پیاری اولاد اور محبوب لڑکوں سے بھی آنکھیں پھیر لے گا جن کے لیے آج دنیا میں خدا کو بھولا ہوا ہے اور رات دن انہیں کے لیے مال وزر جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

ان آیات میں غالباً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ کس لیے کہ سب سے اول انسان کو اولاد اور ان میں سے نرینہ اولاد پیاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد بیوی پھر اس کے بعد باپ کہ جوانی میں بوڑھے باپ کا ترکہ ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اس کے بعد ماں اس کے بعد بھائی سو ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جو کچھ اس کے لختِ جگر اور محبوبِ دلی ہیں اور جن کی محبت و ہمدردی ایک فطری بات ہے۔ خاص لوگوں کے سوائے جس کو دیکھو انہیں کی محبت میں سرگرداں ہے اور انہیں کے خیال کی بھاری بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس روز ایسی آپا دھاپی ہوگی کہ ان سے بھی کنارہ کرے گا اور کسی کے بدلے آپ سزا پانا ہرگز قبول نہ کرے گا بلکہ اپنے حسنات میں سے حصہ دینا بھی گوارا نہ کرے گا۔ جب ان سے یہ حال ہوگا تو اور رشتہ داروں دوستوں' ہم وطنوں کی تو کیا پروا ہوگی۔

یہی مضمون اور کئی ایک جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ **ولا یسئل حمیم حمیما یبصرونهم۔ ولا یغنی مولیٰ عن مولی شیئا** وغیرہا من الآیات اور کیوں ایک دوسرے کی پروا نہ کرے گا۔ **لکل امرئ منهم یومئذ شان یغنیہ** کہ ہر ایک شخص ان مذکورہ لوگوں میں سے اپنی ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ حالت اس کو دوسروں سے بے پروا کرے گی۔ اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی خبر نہ ہوگی اور مصیبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

فائدہ۔ یہ حالت کب ہوگی؟ قیامت میں اس وقت کہ قہر وجبروتِ الٰہی کا ظہور ہوگا اور دروازہ شفاعت کا نہ کھلا ہوگا۔ ہر ایک نبی نفسی نفسی کرے گا۔ سب اولین وآخرین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے کہ آج آپ جو سب کے باپ ہیں شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ۔ اسی طرح وہ کہیں گے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے پاس جاؤ۔ آج اس کے قابل وہی ہیں۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں گے۔ آپ شفاعت کریں گے۔ آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ پھر اور انبیاء واولیاء وصلحاء شفاعت کریں گے اور حساب شروع ہوگا۔ تب **وجوہ یومئذ مسفرۃ** اس دن بہت سے منہ روشن ہوں گے۔ خصوصاً جبکہ ان کو نعیمِ جنت اور عطا کا ملنا معلوم ہوگا۔ یہ نیک لوگ ہوں گے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے وہ ہوں گے جو رات کو اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے یا جن کے چہروں پر اللہ کی راہ میں غبار پڑی تھی یا جن کے چہروں پر سعادت کے حاصل کرنے اور اعمال کی مشقت' بھوک پیاس کی شدت اور خوفِ الٰہی سے تیرگی پیدا ہوئی تھی۔ یہ آثار وضو سے **ضاحکۃ مستبشرۃ** ہنستے ہوں گے بشاش ہوں گے۔ حساب سے فارغ ہو کر جنت میں جاتے وقت جو دنیا میں خوفِ الٰہی سے روتے اور غفلت واعمالِ بد پر غمگین ہوں گے۔ وہ اس روز ہنستے اور بشاش ہوں گے۔ یہ اہلِ سعادت کا حال ہوگا اس کے بعد اہلِ شقاوت کا حال بیان فرماتا ہے۔ **وجوہ یومئذ**

علیها غبرة کہ بہت مونہوں پر اس روز غبار پڑی ہوگی جو نعیم دنیا میں چپڑے چکنے چہرے رکھتے تھے اور خدا سے غافل تھے۔ ترهقها قترة اور جہنم اور اعمال بد کی سزائیں سامنے دیکھ کر چہروں پر سیاہی چڑھ جاوے گی یا پھٹکار کی سیاہی۔ یہ کون ہیں اولئك هم الکفرة الفجرة یہ کافر بدکار ہیں۔ کفر اور اس کے ساتھ بدکاری اور بھی غضب ہے۔ سبحان اللہ انسان کی ابتداء اور حالت حیات و ممات و دورِ آخرت کی کیفیت کن مختصر الفاظ میں کس دل کش انداز سے بیان فرمائی ہے۔ یہ کمال اعجاز ہے۔

(سورہ تکویر مکیہ ہے اس میں انتیس آیات ایک رکوع ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

جبکہ سورج دھندلا ہو جاوے اور جبکہ ستارے دھندلے[1] ہو جاویں اور جبکہ پہاڑ اڑتے پھریں اور جبکہ گابھن[2] اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جبکہ جنگلی جانوروں میں رول پڑے اور جبکہ دریاؤں میں جوش ہو اور جبکہ جانوروں کے جوڑے لگائے جاویں اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے کہ کس گناہ پر ماری گئی تھی اور جبکہ نامۂ اعمال کھولے جاویں اور جبکہ آسمان کی (نیلی[3]) چادر اتاری جاوے اور جبکہ دوزخ دہکائی جاوے اور جبکہ بہشت پاس لائی جاوے (تب) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

ترکیب: اذا شرطیة وکذا ما بعدها وجواب الکل علمت نفس الخ الشمس مرفوع بفعل محذوف یفسره ما بعده لأن اذا تطلب الفعل وهذا عند البصریین وصاحب الکشاف وعند الاخفش والکوفیین یجوز رفعه بالابتداء وقس علیه البواقی والتکویر الجمع۔ ماخوذ من کار العمامة علی راسه یکورها والمراد ذهاب نورها ولذا قیل فی التفسیر ای طمست وقال الآخرون انکشفت۔ وقیل معنی التکویر الطرح والسقوط قال الاصمعی یقال طعنه فکوره اذا صرعه فقوله اذا الشمس کورت ای القیت ورمیت عن الفلک وقیل انها ماخوذة من الفارسیة یقال للاعمٰی کور۔ کورت ای جعلت اعمٰی انکدرت ای تساقطت وانقضت یقال انکدر الطائر من الهوی اذا انقض واصل الانکدار الانصباب۔ العشار جمع عشراء کنفساء جمع نفاس وهی التی اتی علی حملها عشرة اشهر وهی النفس الاموال عند العرب عطلت ای ترکت هملا بلا راع وبلا حلب حشرت جمعت من کل ناحیة وکل شیء من دواب البر لا یستانس فهو وحش والجمع وحوش سجرت قری بالتخفیف والتشدید قال القشیری هو من سجرت التنور اسجره سجرا اذا

[1] جھڑ پڑیں۔
[2] العشار دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں۔ ۱۲ منہ
[3] یعنی اب جو نیلی چادر اوڑھے ہوئے ہے نیلا دکھائی دیتا ہے یہ اتاری جائے اور آثار قہر سے سرخ ہو جائے۔ ۱۲ منہ

احمیة نشرت ای فتحت وبسطت للحساب لانھا تطوی عند الموت وتنشر عند الحساب کشطت والکشیط القلع عند شدۃ کشط برہنہ کردن وجل از پشت ستور برگرفتن قشط لغۃ فیہ صراح سعرت سعر افروختن آتش وحرب ازلفت زلف پیش شدن صراح۔

تفسیر! یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن عمر وابن زبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں۔ اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ منظور ہو کہ قیامت کو آنکھ سے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (اخرجہ احمد والترمذی وحسنہ وابن المنذر والطبرانی والحاکم) یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا گیا ہے۔

ربط اس سورہ کا سورہ عبس سے یہ ہے کہ اس میں قیامت کا ہولناک واقعہ اخیر میں بیان ہوا تھا کہ اس روز بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے اور ماں سے اور خاوند جورو سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔ اب اس سورہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاخہ کہ جس روز یہ ہوگا کب ہوگا اور اس مصیبت کے اسباب کیا ہوں گے؟ اوّل حادثہ: فقال اذا الشمس کورت جبکہ آفتاب لپیٹا جاوے یعنی اس کی روشنی جو پھیلی ہوئی اور تھان کی طرح دنیا میں سفید چادر بچھی ہوئی ہے تہ کر دی جاوے اور آفتاب بے نور پنیر کی چکتی سی رہ جاوے استعارہ ہے۔ اس کے بے نور ہونے سے یا یہ معنی کہ پھینک دیا جاوے اور توڑ دیا جاوے کس لیے کہ تکویر لپیٹنے اور پھینکنے کو بھی کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ تخریبِ عالم کے لیے بارہ نشان بتائے گئے ہیں کہ جب یہ بارہ چیزیں ہوں گی تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ ان بارہ میں سے چھ تو وہ ہیں جو صورِ اول کے بعد ہوں گے اور چھ صورِ دوم کے بعد ہوں گے اور ان بارہ حوادث کے بعد اس دنیا کا کچھ بھی نام ونشان باقی نہ رہے گا اور نفوسِ انسانیہ کا اس منزل سے یک لخت تعلق منقطع ہو جاوے گا اور یہی تعلقات اس کے جہل وبے خبری کے اسباب ہیں۔ پھر جب یہ نہ رہیں گے تو انکشافِ تام اور ظہورِ کلی ہو جانے کے سبب ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اس دنیا کی اندھیری رات میں کیا کیا تھا۔ کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔ یہ ہے ان حوادثِ دوازدہ سے علمت نفس ما احضرت کا تعلق اور شرط سے جزا کا ارتباط ان چھ میں سے جو نفخ صورِ اول کے بعد واقع ہوں گے۔ سب سے بڑا حادثہ آفتاب کا بے نور ہو کر گر پڑنا اور نیست ونابود ہو جانا ہے۔ کس لیے کہ اس دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر (قائم) ہے۔ روشنی میں انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے اور محسوسات میں امتیاز کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ دن میں اس کے حواس منتشر زیادہ ہوتے ہیں اور اسی سبب سے رات میں اہلِ مراقبہ واہلِ ریاضت اپنی نسبتِ باطنی کی ترقی کیا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رات میں عشاق اور بیماروں کو اور ہر ایک مبتلائے مصیبت کو اپنا درد زیادہ معلوم ہوتا ہے اور یہی باعث ہے کہ ساحر اور تاثیراتِ نفسانیہ کے عامل اپنا عمل رات میں زیادہ مؤثر پاتے ہیں۔ اس کے سوا آفتاب کی حرارت اور تاثیر سے سینکڑوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ انقلاباتِ عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔ تغیرات ظہور کرتے ہیں۔ اشیاء کی عمر اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا آفتاب ہی کے سبب سے ہے۔ یہ دنیا کا چراغ ہے یہ نہ ہو تو اندھیرا ہے اور انہیں باتوں کو مستقل تاثیر سمجھ کر بہت سی قوموں نے پرستش شروع کر دی اور سورج دیوتا کہنے لگے اور ہزاروں منتر اس کی مدح میں بن گئے۔ ہنود کا گاتری منت اس کی بے حد مدح میں ہے جو عمدہ عبادت خیال کی جاتی ہے۔ ہنود کے علماء کو اقرار ہے کہ آفتاب کیا بلکہ عناصر کی مدح اور احکامِ پرستش سے وید بھرے پڑے ہیں۔ آریہ فرقہ وید کو چھپا کر جو تاویلاتِ رکیکہ کرتا ہے اس پر وہ پنڈت ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شرمناک دھبہ کو یہ تاویلات مٹا نہیں سکتیں۔

اس میں آفتاب پرستوں اور نیز ان طبیعتوں اور دہریوں کا بھی کامل رد ہے جو آفتاب کو پوجتے اور دہر میں اسی کو علتِ فاعلیہ سمجھتے ہیں اور اس کو قدیم اور ابدی خیال کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک روز یوں لپیٹ کر دھر دیا جائے گا۔ آفتاب زمین سے لاکھوں بڑا حصہ ہے۔ جب یہ خراب ہوا تو پھر زمین کی خیر نہیں۔ دوسرا حادثہ: آفتاب کے بعد اور ستارے ہیں۔ ان کے اجرام کی عظمت بھی زمین سے

سینکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ زیادہ ہے لیکن وہ آفتاب سے کم ہیں۔ اگر آفتاب نظر نہ آوے تو یہ ستارے بھی آسمان کی زینت اور روشنی کے قنادیل اور تاثیرِ مختلفہ پیدا کرنے کے اسباب ہیں۔ اس لیے کہ ان کی حالت بھی بیان فرماتا ہے واذا النجوم انکدرت اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں گر جاویں یہ دوسرا حادثہ ہے نجم کے لفظ سے روشنی اور ظہور سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے لفظ انکدرت استعمال ہوا جس میں تیرگی کے معنی ہیں یعنی بے نور اور دھندلے ہو جاویں اور کوکب بھی تارے کو کہتے ہیں مگر اس لفظ میں جڑے رہنے اور جمے رہنے کے معنی ہیں۔ اس لیے کوکب کے ساتھ انتثرت کا لفظ استعمال کیا جس کے ظاہر معنی ہیں جھڑ پڑیں واذا الکواکب انتثرت۔ تیسرا حادثہ: جب آفتاب اور ستارے نہ رہیں گے تو کرۂ زمین بھی رخصت ہوگا۔ اس لیے یہ تیسرا حادثہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اذا الجبال سیرت اور جب پہاڑ چلائے جائیں یعنی وہ اکھڑ کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں۔ چوتھا حادثہ: جب آفتاب کی یہ حالت اور ستاروں کی یہ نوبت ہوگی تو گویا دنیا کی چھت برباد ہو چکے گی اور زمین کا فرش جس کے لنگر یا میرِ فرش پہاڑ ہیں وہ یوں اڑتے پھریں گے تو پھر اہلِ زمین کو کس جائیداد اور کس تجارت اور کس مال کی آرزو باقی رہ جاوے گی اور کس کی حفاظت اور روک تھام کریں گے؟ کسی کی بھی نہیں بلکہ اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس مضمون کو اس جملہ میں ادا کرتا ہے واذا العشار عطلت اور جبکہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یوں ہی بیکار و بے مہار ماری ماری پھریں گی۔ کوئی پرسانِ حال بھی نہ ہوگا۔ اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مال ہے اور خصوصاً گابھن اونٹنی جو بچہ دینے کو ہو اور بھی نفیس اور مرغوب مال ہے۔ اس کی حفاظت ونگہداشت بہت کچھ کیا کرتے ہیں۔ اس لیے گابھن اونٹنیوں کے بے کار رہنے کا ذکر کیا۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ اس میں ایما ہے کہ جس مال کے جمع کرنے میں یوں عقبیٰ برباد کر رہے ہو اس کی ایک روز یہ حالت ہوگی اور یہ طبعی بات ہے۔ دنیا میں جب کوئی سخت بیمار یا مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے ایسا کہ بے کل ہو جاوے اور چین نہ پڑے۔ اس وقت نہ روپیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ عورت کی طرف رغبت رہتی ہے نہ گھوڑے بیل اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ مکان و جائیداد کا دھیان رہتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عشار سے مراد پانی بھرے بادل ہیں کہ اس روز وہ معطل ہوں گے۔

پانچواں حادثہ | اور جب یہ حالت ہو جاوے گی تو انسان کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش وحواس بجا نہ رہیں گے۔ واذا الوحوش حشرت اور جبکہ جنگلی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے غیر جنس سے گریز کرتا ہے۔ ہرن شیر سے بکری بھیڑیئے سے۔ ان سب پر بوقتِ نفخ صور یہ ہول ودہشت طاری ہوگی کہ سب جنگل اور پہاڑ چھوڑ کر آبادی میں پناہ لینے کے لیے آجمع ہوں گے اور اب بھی جب رو آتی ہے یا جنگل میں آگ لگتی ہے ایسے جانور جو انسان سے بھاگتے ہیں امن کی جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جا دیکھا گیا ہے۔ مصیبت میں نفرت اور باہمی عداوت کافور ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حشر کے روز وحوش بھی ان کے باہمی قصاص وفیصلہ کے لیے جمع ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وحوش کے حشر سے مراد ان کا مرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں حشر تھم السنۃ جبکہ لوگوں کے مال اور جان قحط سے تلف ہوں۔

چھٹا حادثہ | یہ پانچواں حادثہ ہے۔ اس کے بعد چھٹے حادثہ کو بیان فرمایا ہے۔ واذا البحار سجرت اور جبکہ دریا گرم کئے جاویں۔ دریا کا گرم ہونا اور جوش میں آنا اس کی طغیانی سے عبارت ہے۔ پھر جبکہ صور پھنکے گا اور زمین ہلے گی اور پہاڑ اڑیں گے تو جس طرح ارض پر سمندر ہے وہ کب ساکت ہوگا۔ اس کا تموج اور جوش بھی بے حد ہوگا کہ خشکی پر پھیل پڑے گا اور زمین کے حیوانات وانسان بلکہ بڑی بڑی بلند چیزوں کو ڈبو دے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بے حد تموج سے اس میں ایسی مفرط حرارت پیدا ہوگی کہ پانی مستحیل ہو کر ہوا ہو جاوے گا اور ہوا مستحیل ہو کر آگ بن جائے گی۔ پانی نے تو آفت برپا کی ہی ہوگی۔ پھر ہوا ہو کر اور بھی دنیا کو درہم برہم کر دے گا اور پھر آگ ہو کر اور بھی ستیاناس کر دے گا۔ الغرض یہ تینوں عنصر جو آج دنیا کی آبادی کا باعث ہیں یہی خرابی کا باعث ہو جاویں گے۔ نہ آسمان رہا نہ ستارے نہ سورج

نہ پہاڑ' نہ انسان وحیوان نہ سمندر۔ گویا ان چھ حادثوں سے جو نفخ صورِ اول سے ہوں گے۔ دنیا کا اور اہلِ دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اعتراض : مگران چھ حوادث کی ترتیبِ ذکر میں بعض نکتہ چینوں کو اعتراض ہے کہ جب یہ معاملہ نفخ صورِ اول کا ہے اور ستارے بے نور ہو جاویں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے تو اس وقت عشار یعنی گابھن اونٹنیاں اور وحوش موجود ہی کب ہوں گے جو ان کو معطل و محشور ہونا کہا جاوے۔ **جواب:** اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ ان حوادث میں خدائے پاک نے ترتیبِ وقوع کا اظہار نہیں فرمایا کہ اول یہ ہوگا' پھر یہ ہوگا اور محض ایک کے بعد دوسرے کے ذکر کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسری شے اول کے بعد ہی واقع ہو۔ چونکہ سورج کا بے نور ہونا ایک بڑی عظیم الشان بات تھی اس لیے اول اس کو ذکر کیا گو وقوعہ اس کا آیندہ مذکور چیزوں کے بعد ہو۔ اسی طرح اس کے بعد ستاروں کا جھڑنا' بے نور ہونا بڑی بات تھی۔ اس کو ذکر کیا کہ جب علویات کے ذکرِ فساد سے فراغت ہوئی تو اس کے بعد سفلیات کا بطلان وفساد ذکر فرمایا اور سفلیات میں پہاڑ بلند اور بڑے مستحکم اور ثابت القدم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بے ثباتی اور اڑا پھرنا ذکر کیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ پہاڑ پہلے اڑ چکیں اور زمین کے وحوش وطیور مر چکیں تب آفتاب اور ستارے بے نور ہوں اور اس کے بعد انسان کا بدحواس ہونا اور اپنے مرغوب مال سے بے خبر ہو جانا اور وحوش میں کھل بلی پڑ جانا اور سب کا مجتمع ہونا بہ نسبت پہاڑوں کے اڑتے پھرنے کے ایک کم مرتبہ چیز ہے۔ اس لیے اس کا ذکر پیچھے کیا حالانکہ یہ انسان کی بدحواسی اور وحوش کی بدحواسی پہلے ہوگی۔ کس لیے جب صور کی آواز قدرے بھی بلند ہوگی انسان تو جب ہی بدحواس ہو کر اونٹ اونٹنیوں سے بے خبر ہو جائے گا اور حیوانات اور جنگلی جانوروں میں رول پڑ جائے گی۔ پھر ذرا اور آواز بلند ہوگی تو یہ سب مر جائیں گے۔ پھر آواز بلند ہوگی تو دریاؤں میں تموج ہوگا اور ابل پڑیں گے۔ چونکہ دریا کا گرم ہونا کسی قدر اب بھی بعض مواقع پر ہوتا ہے۔ گویا ایک معمولی سی بات ہے۔ حالانکہ اس روز اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے اس کو انسان کی بدحواسی اور وحوش کی کھل بلی کے بعد ذکر کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تموجِ بحری کے بعد انسان وحیوانات کی موت اور بدحواسی ہو۔ پھر جب اور بھی زیادہ بدحواسی ہوگی تو زمین لرزے گی اور پہاڑ ٹوٹ جاویں گے اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا کے تموج سے ہو جاویں گے۔ پھر زمین کا خاتمہ ہو چکے گا تو علویات کی بربادی ہوگی۔ آفتاب بے نور ہو کر گر پڑے گا' پھر ستارے گر پڑیں گے۔ پھر جب سب فنا ہو جائیں گے اور ایک معلوم المقدار عرصہ فنا کا گزر چکے گا تو حق سبحانہ پھر اسرافیل کو صور پھونکنے پر مامور کرے گا اور پھر بارِ دیگر ہر چیز ایک نئے وجود سے زندہ ہوگی اور یہ وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لیے اس وقت کے ان چھ حوادث کو ذکر کرتا ہے جن کا ذکر نفوسِ انسانیہ کو اکتسابِ حسنات وتحصیلِ سعادت کی طرف ابھارتا ہے۔

اول: واذا النفوس زوجت اور جبکہ نفوسِ انسانیہ کے جوڑے لگیں۔ اول حادثہ: اول تو نفوس یعنی ارواح کا ان کے اجسام سے پھر جوڑا لگے۔ پھر جسموں میں روح پھونکی جاوے اور گویا روح کی جسم سے پھر ایسی شادی اور بیاہ ہو کہ باہم پھر جدائی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ہر ایک جنس اور نوع کا باہم جوڑا لگے۔ نیک جدے کھڑے ہوں تو بد جدے۔ پھر نیکوں میں نمازیوں کی قطار' مجاہدوں کی قطار' جدا جدا ہو علی ہذا القیاس اور سب سے اول تین جماعتیں قائم ہوں۔ کماقال و کنتم از واجا ثلثۃ ایک اصحاب الیمین کی دوسری اصحاب الشمال کی تیسری سابقین کی۔ اس کے بعد نفوسِ انسانیہ کا نفوسِ سماویہ وارضیہ سے جوڑا لگے تاکہ قوت ادراک خیر وشر کا پورا بدلہ پاوے اور ہر نفس اپنے اعمالِ خیر وشر کی صورتِ مثالیہ سے بیاہا جاوے اور ہر نیک کا حور العین سے جوڑا لگے۔ تمام جزاء وسزائے آخرت کو یہ ایک لفظ وسیع المعنی حاوی ہے مگر اس کے بعد چند مہتم بالشان امور کو بیان فرماتا ہے۔ دوسرا حادثہ: واذا الموؤدۃ سئلت اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے بای ذنب قتلت کہ کس گناہ میں ماری گئی تھی! خواہ سوال مظلوم لڑکی سے ہو' خواہ قاتل۔ ظالم سے بہرحال اس کی باز پرس ہوگی۔ عرب کے جاہل اور مغرور لوگ تنگِ دامادی یا خوفِ افلاس سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈال کر مٹی دے دیا کرتے تھے۔ ان کو سنایا جاتا ہے کہ ایک روز تم سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم پر اس معصوم کو قتل کیا یا اس مظلوم دادخواہ سے دریافت ہوگا۔ یہ ایسا پراثر بیان ہے کہ اس کے بعد عرب سے یہ

رسم یک لخت موقوف ہوگئی۔ یہ دوسرا حادثہ ہے۔ تیسرا حادثہ: واذا الصحف نشرت اور جبکہ نامہ اعمال کھولے جاویں اور حساب شروع ہو اور کہا جاوے کہ پڑھ یہ صحائف ان معمولی کاغذوں پر معمولی رسم الخط سے نہ ہوں گے بلکہ ایک انجلاء وانکشاف صورِ اعمالیہ کا ہوگا جس کا مجموعہ ایک صحیفہ ہے یا جو کچھ اس کی حقیقت عنداللہ ہو برحق ہے۔ یہ تیسرا حادثہ ہے۔ چوتھا حادثہ: واذا السماء کشطت اور جبکہ وہ آسمان جو بارِ دیگر نفخ صورِ ثانی کے بعد قائم ہوگا اس کو کھولا جاوے یعنی جس طرح جانورِ مذبوح کی کھال کھینچ لینے سے اس کا گوشت واندرونی اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا حجاب مرتفع ہو جاوے اور مکنونات خیالات فلک کہ اشیاء کی صورتِ مثالیہ ہیں متجلی ومنکشف ہو جاویں اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں جو عدالتِ حشر کے کارندے ہوں گے۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ امام رازی کشطت کے معنی اسی کے قریب قریب بیان فرماتے ہیں۔ حیث قال ای کشفت وازیلت عما فوقھا وھوالجنۃ وعرش اللہ کما یکشط الا ھاب عن الذبیحۃ والغطاء عن الشیء یعنی کھولا جاوے اور اس کے اوپر کی چیز جو جنت اور عرشِ الٰہی ہے ظاہر کیا جاوے۔ جیسا کہ کھال ذبیحہ سے اتاری جاتی ہے اور پردہ کسی چیز سے دور کیا جاتا ہے۔

فائدہ: لفظ کشطت کو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے قشطت قاف سے بھی پڑھا ہے اور کاف کی جگہ قاف کا استعمال زبانِ عرب میں بہت جگہ ہوتا ہے جیسا کہ کافور۔ قافور اور لبکت الثرید ولبقتہ۔

پانچواں حادثہ: جب آسمان کھل جاوے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے (جو خزانۂ غیب ہے) ظاہر ہوگا اور انسان کے اعمالِ نیک وبد کی صورِ مثالیہ بھی ظاہر ہوں گی تو اول بدوں کے لیے واذا الجحیم سعرت دوزخ دہکائی جاوے۔ بنی آدم کے گناہوں کا ایندھن جو اس میں پڑا سلگ رہا تھا' اب جزا کا وقت آ گیا۔ غضبِ الٰہی کا شعلہ اس کو بھڑکا دے گا اور عدل وانتقام کی آگ اس ایندھن کو دہکاوے گی پھر تو وہ جوش مارے گی کہ الٰہی توبہ اس کے جوش وخروش اور شعلوں کی لپٹ کی آواز دور دور سے سنائی دے گی۔ کما قال وھی تفور تکاد تمیز من الغیظ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آ پڑیں گے۔ کما قال انھا ترمی بشرر کالقصر کانھا جمالات صفر اس کے دیکھنے سے لوگوں کی جان پر بن جاوے گی اور بالخصوص مجرم تو اس حالت کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جاویں گے اور دنیا کے چندروزہ لذات و شہوات پر ہزاروں نفرینیاں کریں گے۔ کما قال و اسروا الندامۃ لما راوا العذاب یہ جانکاہ پانچواں حادثہ ہوگا۔ چھٹا حادثہ: اور اسی طرح اہلِ حشر کے لیے جنت سامنے لائی جائے گی۔ کما قال واذا الجنۃ ازلفت اور جنت قریب لائی جاوے گی۔ اب جو عالمِ غیب میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور اسی لیے کور باطن اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس روز وہ حاضر ہو جاوے گی اور تختِ عدالت کے قریب لا کر رکھی جاوے گی۔ یہاں تک کہ اس کے نعیم اور رہانے کے بے حد اسبابِ آسائش وتجمل نظر آویں گے۔ بدوں کو اور بھی مصیبت ہوگی کہ حسرتیں کریں گے اور اس سلطنتِ جاودانی کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا الم دلوں کو عذابِ جہنم سے کم نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ان غریبوں مفلسوں کو کہ جن کی عبادت وتقویٰ پر تمسخر کیا کرتے اور ان کو بہت ہی ذلیل وخوار سمجھتے تھے۔ یہ دیکھیں گے کہ کس اکرام واعزاز سے جنت کے لیے منتخب کیے جا رہے ہیں اور ان دنیا کے عزت داروں' سرداروں ناز ونعم میں پرورش پانے والوں پر جوتیاں پڑ رہی ہیں۔ ملائکہ گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف مارتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب نہ کوئی دنیاوی یار ہے جو حمایت کرے نہ مال وزر ہے جو کام آوے۔

یہ چھٹا حادثہ اور بھی جانکاہ ہوگا۔ تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لایا؟ کیا اعمال نیک و بد کئے یہ حجاب اٹھ جاوے گا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے ان بارہ حوادث کو انسانی حالات پر محمول کیا ہے جو بوقتِ مرگ ظاہر ہوں گے اور مرگ قیامتِ صغریٰ ہے۔ اس وقت اس کو نیک وبد معلوم ہو جاوے گا۔ آفتاب کا بے نور ہونا' روح کا تعلقاتِ جسمانیہ سے دست بردار ہونا ہے اور ستاروں کا بے

نور ہونا اس کے حواس اور قویٰ کا بیکار ہونا ہے اور پہاڑوں کا اڑنا اس کے بنیاد جسم کا ہل جانا اور اس کے بڑے بڑے ارادوں کا باطل ہونا ہے اور گابھن اونٹنیوں کے بیکار ہونے سے مراد انسان کی قریب الحصول تمناؤں کا بیکار ہونا ہے اور وحوش کا جمع ہونا اس کے نفرت انگیز کاموں کا تصور اور ان کی صورتیں سامنے آنا ہے اور دریاؤں کا گرم ہونا اور جوش مارنا اس کے حسرات و آرزوؤں کا بطلان اور خیالات کا انتشار ہے کہ ہر ایک بے کنار دریا ہے اور نفوس کا جوڑا لگنے سے مراد ملکاتِ مکسوبہ کا ان کے مناسب چیزوں سے ارتباط ہے۔ ظلمانی ملکات کا ظلمانی چیزوں سے اور نورانی ملکات اور علوم و معارف کا نورانی چیزوں سے جوڑ الگایا جاتا ہے اور موؤدہ سے مراد وہ انسانی قویٰ و مدارک ہیں جو اس کے اندر ودیعت ہیں جن کو زندہ گاڑ دینا کہنا استعارہ ہے۔ ان سے سوال ہوگا کہ ان کو برمحل صرف کیا تھا یا بے محل جس نے بے محل اور بے موقع خداداد قوت کو صرف کیا گویا زندہ معصوم بچہ کو قبر میں ڈال دیا۔ مثلاً قوتِ شہوانیہ ایک اس کی عطا کردہ امانت ہے۔ اگر اس کو اپنی بیوی پر اور حلال چیزوں کے کھانوں میں صرف کیا تو مضائقہ نہیں ورنہ عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح قوتِ غضبیہ ایک ودیعت ہے۔ اگر اس کو غیرتِ دینیہ و ملتیہ کے لیے اور ظالموں کے مقابلے میں اپنے ناموس اور ملت کے محفوظ رکھنے میں صرف کیا تو بہت خوب۔ اگر زیردستوں کے ستانے اور لوگوں پر ظلم و جفا کرنے میں صرف کیا تو عتاب اور عذاب ہے۔ اسی طرح نطق یعنی گویائی ایک امانت ہے۔ اگر اچھی باتیں کیں خدا کی حمد و ثناء اور امر بالمعروف و نہی المنکر و اصلاح بین الناس میں صرف کی تو اجر ہے ورنہ وزر۔ پس جس نے اس کو بے ہودہ گوئی فحش گوئی اور جھوٹے قصوں کے سنانے اور لوگوں میں فساد کرانے اور نقصان دینے میں صرف کیا تو عذاب ہے اور صحائف کے کھولے جانے سے مراد قویٰ اور نفوس کے وہ صحائف ہیں کہ جن میں اعمال کی ہیئت ہے اور آسمان کے کھولنے سے مراد احکامِ روحی کا ظہور ہے جو بوقتِ مرگ ہوتا ہے اور دوزخ کے دہکائے جانے سے مراد وہ شدائد و احوال ہیں جو موت کے بعد ظاہر ہوں گے اور بہشت کے نزدیک لائے جانے سے مراد وہ روح و ریحان ہیں جو عالمِ برزخ میں ایمانداروں کے سامنے آتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ان بارہ چیزوں سے یہ چیزیں مراد ہیں تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے۔ ہاں اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی الفاظِ قرآنیہ میں اشارہ ہے۔ ٹھیک بات ہے کس لیے کہ قرآن مجید کے لیے ظہر و بطن ہے۔ اس کے اندرونی پردوں میں جو کچھ معانی مخفی ہیں وہ ایک دریائے بے کنار ہے جس کو وہاں تک رسائی ہو وہ سمجھے۔

اسی طرح بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں اذا الشمس کورت میں اشارہ ہے تجلیِ ذات و صفات کے ظہور کی طرف جو قلوبِ عارفین پر ہوتی ہے۔ پس اس وقت ان کی ارواح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے عقول کے ستارے دھندلے ہو جاتے ہیں۔ بسبب غلبۂ نورِ ذات و صفات کے اور اس وقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی وارداتِ محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفوس کی باردار اونٹنیاں اس کے سطوتِ جلال کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحوشِ تفرید مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذاتِ پاکِ ذوالجلال والاکرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف کے ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روحِ ناطقہ کا نفسِ مطمئنہ سے جوڑ الگا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں مقاماتِ مراقبات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کئے جاتے ہیں۔

واللہ اعلم باسرارِ کلامہٖ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ

اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّاۗ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ع

سو ہم کو قسم ہے ان ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے ہٹنے لگتے' غائب ہو جاتے ہیں اور قسم ہے ڈھلتی رات کی اور صبح کی جبکہ روشن ہو کہ یہ قرآن ایک معزز رسول (جبرئیل) کی زبانی ہے جو بڑی قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے۔ وہاں کا سردار' امانت دار ہے اور تمہارا پیغمبر دیوانہ نہیں ہے اور البتہ انہوں نے اس (جبرئیل) کو مطلع صاف میں دیکھ بھی لیا ہے اور وہ غیب کی بات پر بخل کرنے والا بھی نہیں اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کہاں (بہکے) چلے جا رہے ہو۔ یہ تو جہان بھر کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے راست ہونا یعنی قائم ہونا چاہے اور تم تو جب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا جو تمام جہان کا رب ہے۔

ترکیب | فلما الفاء للتفریع او التعقیب ولا زائدة کما مر تحقیقها فی سورة القیامة بالخنس المقسم به وهی جمع خانس وخانسة من خنس اذا تاخر وفی الصحاح الخنس الکواکب کلها انها تخنس فی المغیب او لانها تخفی نهارا او قیل هی الکواکب الخمس زحل والمشتری والمریخ والزهرة وعطارد وفی الکبیر الخنس[1] جمع خانس والخنوس الانقباض والاستخفاء تقول خنس من بین القوم وتخنس وفی الحدیث الشیطان یوسوس الی العبد فاذا ذکر اللہ خنس ولذا سمی الخناس۔ الجوار جمع جاریة وهی السیارات لانها تجری۔ وهی صفة الخنس۔ الکنس جمع کانس وکانسة یقال کنس اذا دخل الکناس وهو مقر الوحش کنس کناس بالکسر خواب جائے آہو و پنہان شدن و در آنجا (ع ف ا ک ۲) کنس خانہ رفتن مکنسہ جاروب کناسہ بالضم جاروبہ و خانہ روبہ (صراح) والمراد بها الکواکب لانها تکنس ای تختفی بالنهار۔ وهی ایضا صفة لها واللیل الواو للقسم اذا ظرف العامل فیها معنی القسم عسعس من الاضداد یقال عسعس اللیل اذا اقبل وعسعس اذا ادبر والمراد هٰهنا اقبال اللیل وقیل الادبار والصبح هذه الواو ایضا للقسم۔ تنفس ای اسفر وامتد فلق شبه اللیل المظلم بالمکروب المحزون الذی جلس بحیث لایتحرک واجتمع الحزن فی قلبه فاذا تنفس وجد راحة فههنا لما طلع الصبح فکانه تخلص من ذلک الحزن فعبر عنه بالتنفس وهو استعارة لطیفة۔ وجواب القسم الاول والثانی والثالث قوله انه لقول رسول کریم ثم وصف الرسول المذکور باوصاف محمودة (۱) ذی قوة (۲) عند ذی العرش مکین (۳) مطاع ثم۔ قراء الجمهور بفتح ثم علی انها ظرف مکان والعامل فیه مطاع وامین والمعنی انه مطاع فی الملاء الاعلی او امین هٰهنا وقری بالضم علی انها عاطفة وکان العطف بها للتراخی فی الرتبة لان ما بعدها اعظم مما قبلها وما صاحبکم هذه الجملة داخلة فی جواب القسم ولقد راٰه اللام جواب قسم محذوف ای وتاللہ لقد رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل بالافق المبین بمطلع الشمس من قبل المشرق لان هذا الافق لطلوع الشمس منه مبین فالمبین صفة الافق وقیل صفة لمن راٰه قاله مجاهد وتاللہ لمن شاء بدل من العالمین باعادة الجار و مفعول شاء ان یستقیم بتاویل المصدر ای لمن شاء الاستقامة۔

تفسیر | چونکہ یہ واقعات ہولناک کہ جن کی اذا اذا کر کے خبر دی گئی ہے امور بدیہہ نہیں تھے نہ ایسے تھے کہ عقول متوسطہ ان کو کسی برہان یا دلیل سے بے کھٹکے مان لیتے اور اگر ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا اور اسی لیے شرع میں ان چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ ان کا ثبوت محض نبی کے بیان پر موقوف ہے۔ جس نے نبی کو سچا مان لیا ہے اس کے نزدیک ان امور کے سچے ہونے

[1] واما جمع خنساء واخنس خنس بالسکون والتخفیف ۔۱۲ منہ

میں سر موتفاوت [1] نہیں۔ اس لیے ان کے بعد ضرور ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وصداقت اور نبی کے ذریعہ سے جو کتاب آسمانی ظاہر ہوئی ہے اور جس میں یہ باتیں مذکور ہیں اس کی سچائی بھی ثابت کی جاوے اور عرب کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا ہلاکت کا باعث تھا۔ اس لیے اس آئندہ کلام کو قسم سے صادر کیا اور قسم ہی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ بعد میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کا کتاب الٰہی اور آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فقال فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس کہ پس میں قسم کھاتا ہوں خنس کی ایسے خنس جو جوار اور کنس ہیں۔ ان تینوں لفظوں کا مصداق ایک ہی چیز ہے۔ تین چیزیں جدا جدا نہیں۔ جوار کنس اسی خنس کے صفات ہیں ان الفاظ کے معانی یہ ہیں۔ (۱) خنس خانس اور خانسہ کی جمع ہے اور خنوس ان کا مصدر ہے جس کے معنی مخفی ہونا اور ہٹنا ہیں۔ خنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔

(۲) جوار جاری ہونے والی چیزیں یعنی سیدھا چلنے والیاں (۳) کنس۔ کانس اور کانسہ کی جمع کنس چھپ جانا۔ کنس تشدید کے ساتھ چھپ جانے والی چیزیں۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ خنس اور جوار اور کنس سے پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہلِ ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اور انگریزی میں سیسٹرین، جوپیٹر، مارز، ڈینس، مرکیوری کہتے ہیں۔ فارسی میں کیوان، برجیس، ترک فلک، ناہید، دبیر فلک، ہندی میں سنیچر، برہسپت، منگل، سکر، بدھ کہتے ہیں۔ ان پانچوں ستاروں کی عجیب حیرت ناک چال ہے۔ یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں۔ جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آجاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔ انہیں ستاروں کے یہ تین حال ہیں۔ ان کی ہمیشہ ایک روبیہ پر چال نہیں۔ جیسا کہ کوئی حیرت زدہ سیدھا جاتا ہے، پھر لوٹ آتا ہے۔ ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ اسی لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں یا تو مغرب سے مشرق کی طرف بترتیب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ثور اور ثور سے جوزا برج کو طے کر رہے تھے یا یکا یک حرکت بند ہو گئی اور پھر الٹے مشرق سے مغرب کی طرف چلنے لگے۔ پہلی حالت کو استقامت دوسری کو وقوف و اقامت تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔

ان ستاروں کا اس میدان میں اسی طرح سے ہیر پھیر کر کے دوڑنا صریح دلیل ہے کہ ان کی ڈوری کسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے جو بڑا قادر اور بڑا حکیم ہے۔ یہ ستارے اس لحاظ سے اس کی قدرت وعظمتِ جبروت وکبریائی کی روشن ضمیر کے نزدیک بڑے روشن دلائل ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھائی اور ان کے پرستش کرنے والوں کے خیالاتِ فاسدہ کا بطلان بھی کر دیا۔

فائدہ: حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا۔ پھر بمرورِ دہر اس کے متعدد فرقے ہو گئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جدا رنگ پیدا کیا۔ چنانچہ روم و یونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت و فلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جوپیٹر کو پوجا کرتے تھے اور اس کے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔ یہی حال ہنود کا ہے۔ بعض مفسرین فلا اقسم میں لا زائدہ نہیں کہتے بلکہ نافیہ مانتے ہیں۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ میں ان ستاروں کی قسم نہیں کھاتا کس لیے کہ غور کرنے والوں کے نزدیک خود بخود قرآن مجید کی صداقت ظاہر ہے۔

---

[1] یا یوں کہو کہ مسئلۂ معاد کے بعد مسئلۂ نبوت کا ثابت کرنا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مسئلۂ نبوت کے ثبوت پر مسئلۂ معاد کا ثبوت منحصر ہے اور نبوت کا اثبات بھی اس لطف سے کیا کہ قرآنِ مجید کی صداقت ثابت کی جس میں یہ امور مذکور ہیں اور قرآن جس کے نزدیک کتابِ الٰہی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت بھی اس کے نزدیک قطعی ہے۔ ۱۲ منہ

فائدہ: ان خمسہ متحیرہ کی اس حرکت کے حکماء نے اسباب تلاش کئے تو حکماءِ قدیم نے جو ہیئت میں بطلیموس کے پیرو ہیں' یہ کہا کہ آسمان کے ثخن (دل مثانی) میں ایک اور دوسرا آسمان ہے۔ اس کو حامل کہتے ہیں اور حامل میں ایک گول پہیہ سالگا ہوا ہے جس کو تدویر کہتے ہیں۔ اس تدویر میں ستارہ جڑا ہوا ہے۔ پھر وہ تدویر اس میں ستارہ کو لے کر گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی تدویر کو لے کر حامل گھومتا ہے اور اس گھومنے میں تدویر اور حامل کی حرکت موافق ہے تو ستارہ سیدھا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف ہے تو بطی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ پھر وہ مخالفت اگر اس درجہ تک ہے کہ جس قدر ستارہ ایک کی حرکت سے آگے بڑھتا ہے تو اسی قدر مخالف حرکت سے ہٹتا ہے۔ اس لیے اس وقت یہ ستارہ ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف حرکت غالب آ کر اس کو الٹا ادھر ہی واپس کرلانے لگے کہ جدھر سے وہ چلا تھا تو اس وقت وہ ستارہ الٹا حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حامل اور آسمان اور تدویر اور ستارہ کا نقشہ | اس لیے ہر ایک ستارہ کے لحاظ سے سات آسمان تسلیم کرنے پڑے۔ پانچ تو یہی ستارے اور دو چاند اور سورج ان کو بھی سیارہ کہتے ہیں۔ سبع سیارات یہی ہیں۔ پھر ہر ایک سیارہ کا مقام ایک ایک آسمان قرار دیا ہے اور دیگر ستاروں کا مقام جو حرکت کرتے نظر نہیں آتے اور ایک ہی جگہ ثابت رہتے ہیں) اور اسی لیے ان کو ثوابت کہتے ہیں) آٹھواں آسمان قرار دیا۔ اس کے اوپر نواں آسمان اور تجویز کیا ہے جس کو فلکِ اطلس کہتے ہیں اور علمائے اسلام نے آٹھویں آسمان کو عرش اور نویں کو کرسی سے تعبیر کیا ہے اور حکماءِ حال (جو آسمانوں کی سیر کے قائل ہی نہیں وہ) ان ستاروں کی اس حرکت کا سبب ان کا میلانِ ذاتی بیان کرتے ہیں جو کچھ ہو بہر حال اس میں قدرتِ کاملہ کا پورا پورا ثبوت ہے۔
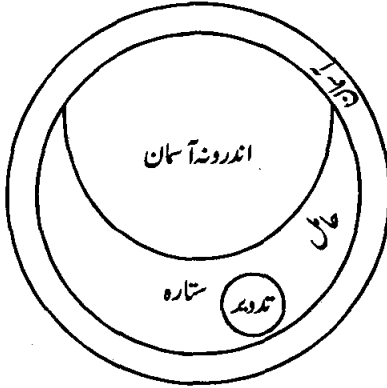
فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خنس۔ جوار۔ کنس کل ستاروں پر صادق آتا ہے۔ رات میں مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں۔ دن میں غائب ہو جاتے ہیں اور الٹے مشرق کی طرف چلتے ہیں جہاں سے اگلے روز نمودار ہو کر چلے تھے۔ آج پھر وہیں سے چلنے لگے۔ الغرض علویات کا انقلاب اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد عالم میں ایک اور تصرف روزانہ سے اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دیتا ہے اور اس کو بھی وثوق دلانے کے لیے اسی قسم کے عنوان سے صادر فرماتا ہے۔ فقال واللیل اذا عسعس اور قسم ہے۔ رات کی جبکہ وہ ڈھلنے پر آنے لگے۔ عسعس کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں۔ (عسعس اللیل اذا ادبر کشاف) اور آنے کے بھی ہیں۔ رات ڈھلنا بھی اس کی قدرت کا نمونہ ہے یا تو دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا یا اب سمٹنے لگا اور یہ وقت بسببِ ظہورِ نور کے برکت کا بھی وقت ہے اور صبح سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی بھی قسم کھائی۔ اسی طرح رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیرِ عظیم ہے یا تو روشنی تھی یا اندھیرا ہونے لگا۔ والصبح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی جبکہ روشن ہونے لگے۔ یہ تیسری قسم ہے تنفس سانس لینا گویا رات ایک غمگین شخص دم گھونٹے بیٹھا تھا۔ پھر سانس لیا تو راحت پائی اور یہ وقتِ راحت ہے۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے۔ پہلے ان پانچ ستاروں کی قسم کھائی کہ جن کی حرکت و رفتار اس کی کبریائی کی روشن دلیل ہے۔ جس میں اس طرف ایما تھا کہ دنیا میں یہ پانچ اولوالعزم نبی ان پانچ ستاروں کی طرح روشنی پھیلانے والے تھے مگر ان کی روشنی یعنی شریعت اقوام کے تغیرات کے لحاظ سے سدا کے لیے ایک چال پر نہ تھی اور وہ پانچ ستارے یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ان پانچ ستاروں نے ہر چند دنیا کو

مذاہب باطلہ سے پاک کیا۔ ان کے جھگڑے نبیڑے مگر جہل وکفر و بت پرستی کی تاریکی نے جہان کو گھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ رات اٹھتی چلی آتی تھی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ہوا پھر تو رات پھیل گئی۔ یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بعد سے لے کر آنحضرت ﷺ کی بعثت تک کا ہے مگر اس رات کے بعد اس رحیم وکریم نے جو اپنی حکمتِ بالغہ سے دنیا میں رات دن بدلتا ہے۔ ستاروں کو چلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا مگر آپ کی بعث سے کچھ آگے وہ کفر و بدکاری کی اندھیری رات ڈھل چلی تھی اس لیے لوگوں کو کچھ کچھ غیبی آثار نمودار ہونے لگے تھے کہیں کسی کو بتوں میں سے آواز سنائی دی گئی کہ ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہوا جاتا ہے جہاں کا ہادی آتا ہے۔ آخر وہ آفتاب ہدایت مکہ کے پہاڑوں میں طلوع ہوا اور دنیا کو روشن کر دیا۔ ان ہدایت کے ستاروں اور ڈھلتی رات اور ہدایت کی صبح کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ انه لقول رسول کریم کہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے از خود محمد ﷺ نے دل سے نہیں بنالیا ہے جیسا کہ اور شعراء یا مصنفین بنالیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول کی زبانی پہنچا ہے یعنی جبرئیل آپ کے پاس وحی لاتے ہیں اور پڑھ کر سناتے ہیں تب آپ اس کو تم لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس مطلب کی طرف اور بہت سی آیات میں ایماء وتصریح ہوئی ہے۔ علمه شدید القویٰ ذومرة بس یہ ہیں لقول رسول کریم کے معنی اب اس پر یہ شبہ پیش کرنا (کہ جب یہ رسول کریم کا قول ہوا تو اللہ کا کلام کیونکر ہوا حالانکہ بالاتفاق قرآن مجید کلام اللہ ہے اس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں) محض لغو ہے کس لیے کہ قول سے یہ مراد نہیں کہ جبرئیل کی تصنیف بلکہ یہ کہ جبرئیل نے کہا خدا کی طرف سے جیسا کہ اور آیات میں ان معنی کی تصریح ہے۔

اسی جگہ سے بعض علماء اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ قرآنِ مجید کی عبارت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہے اور معنی خدا کی طرف سے جبرئیل کو القاء ہوتے اور جبرئیل وہ عبارت مع الفاظ آنحضرت ﷺ کو سناتے تھے مگر یہ بھی ایک لغو بات ہے کس لیے کہ جس جبرئیل علیہ السلام کو خدا کی طرف سے معنی القاء ہوتے تھے اسی کو الفاظ کی بندش بھی القاء ہوتی تھی۔ کیا خدائے پاک کو الفاظ کی بندش نہیں آتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کی کونسی بات اپنی طرف کی ہے۔ ہر حرکت وسکون خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ تو اسی طرح تابع ہیں کہ جس طرح انسان کی زبان تابع ہے۔ زبان از خود کیا بولتی ہے وہی جو انسان بولنا چاہتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے وحی کی مضبوطی اور استحکام متعلق ہے۔ اول کریم کہ وہ معزز فرشتہ ہے ایسا ویسا نہیں بلکہ ناموسِ اکبر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ جامۂ بشریت میں ہیں ان کا تجرد ایسا نہیں کہ ہر وقت حق سبحانہ سے بغیر اس واسطے کے کلام کر سکیں۔ اس لیے وحی لاتے ہیں۔ یہ نورانی شخص کہ جس کا تجرد اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ بلا واسطہ حق سبحانہ سے کلام کر سکتا ہے واسطہ قرار دیا گیا۔ (۲) ذی قوۃ قوت والا۔ تار برقی میں اگر قوت نہ رہے تو کبھی پیغام بسرعت ادا نہ کر سکے اور یہی قوت جبرئیلیہ ہے کہ جب یہ کسی نبی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے جمیع تخیلات وتوہمات کو جو غلطی میں پڑنے کے اسباب ہیں یک لخت باطل کر دیتی ہے اور اس وقت ان میں کوئی اثر قوائے بہیمیہ کا باقی نہیں رہتا۔ پھر جو کچھ وہ بولتے ہیں وہی بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہی کہتے ہیں جو کوئی ان کے سر چڑھ کر بلواتا یا کہلواتا ہے جس طرح بانسری آپ نہیں بولتی اس میں کوئی اور بولنے والا ہوتا ہے۔ یہی حال حضرات انبیاء بلکہ اولیاء کا ہے۔ (۳) عند ذی العرش مکین عرش والے کے پاس جانے والا یعنی یہ نہیں کہ اس کو تخت تک رسائی نہیں وہ اوروں سے سن کر لاتے ہیں بلکہ ان کو بارگاہِ قدس میں صرف رسائی ہی نہیں بلکہ (۴) مطاع ثم وہاں وہ سردار بھی ہیں بیشمار ملائکہ ان کے زیر فرمان ہیں اور کسی نیک بندے کو کوئی نیک بات الہام والقاء کرنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ان ملائکہ میں سے کسی ایک کو معین کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرات اولیاء کرام کے الہام میں ہوا کرتا ہے اور یہ فرق ہے الہامِ انبیاء والہامِ اولیاء میں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے ان للشیطان لمۃ بابن آدم وللملک لمۃ فاما لمۃ الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمۃ

الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق الحدیث رواہ الترمذی کہ شیطان بنی آدم کے دل میں القاء کرتا ہے اور فرشتہ بھی سو شیطان تو برائی ڈالتا ہے اور حق بات سے انکار کراتا ہے اور فرشتہ کا القاء نیکی پر ابھارنا اور حق کا تسلیم کرنا ہے (۵) امین کہ جبرئیل امین بھی ہیں۔ یعنی اس وحی میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرتے۔ کوئی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

چونکہ کلامِ الٰہی کے بندوں تک پہنچنے میں دو واسطہ ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام یہاں تک تو ان کے محامد بیان فرمائے تا کہ عدالت وحفظ جو شرطِ راوی ہے بدرجۂ کمال ان میں متحقق ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان کا اعتبار ملاءِ اعلیٰ میں بھی از حد ہے اور راوی گو ثقہ اور صحیح الحافظہ ہو مگر پھر بھی فرق ہے۔ ایک تو بادشاہ کا چوبدار یا خواص گو ثقہ اور صحیح الحافظہ ہو بادشاہ کا پیغام لائے اور ایک امیر کبیر بڑا راز دار بڑا معتبر ثقہ صحیح الحافظہ خبر لاوے دونوں میں فرق ہے۔ اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بارگاہِ قدس میں سردار، مطاع ہونا بھی بیان فرمادیا۔ دوسرا واسطہ پیغمبر ہے۔ اب ان کی نسبت اس قدر کہنا کافی ہے کہ ان کی عدالت اور تقویٰ اور راستبازی پر تو کفارِ مکہ بھی ایمان لائے ہوئے تھے۔ پھر ایسا سچا اور نیک آدمی کہ جس نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کوئی طمعِ نفسانی اس سے سرزد نہیں ہوئی جس کے بزرگانہ اخلاق اور صداقت ضرب المثل ہوں وہ خدا پر بلا منفعتِ دنیا کوئی ایسا جھوٹ باندھے کہ جس سے ہزاروں مصائب سر پر آپڑیں، مار دھاڑ ہونے لگے۔ قوم اور کنبہ چھٹے، دنیاوی فوائد یک قلم موقوف ہو جاویں۔ عقلا کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے قسم کھانے کے بعد اس جملہ کو بھی ارشاد فرماتا ہے۔ وما صاحبکم بمجنون کہ تمہارا صاحب یعنی دوست اور بہی خواہ محمد (ﷺ) دیوانہ نہیں جو ایسی جھوٹی بات کہہ کر مفت اپنے سر پر مصیبت لیتا۔ یہ بھی تم خود جانتے ہو کہ بڑے عاقل ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عاقل ان سے عقل سیکھتے ہیں۔ پھر جب یہ بھی نہیں تو اس واسطے کے سچے ہونے میں بھی کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد ان کو یہ شبہ باقی تھا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں مگر ممکن ہے کہ جبرئیل سے آپ نے یہ کلام نہ سنا ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو۔ کوئی اور شیطان ان سے آ کر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل سمجھتے ہوں۔ اس کا جواب دیتا ہے ولقد رآہ بالافق المبین کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آنکھ سے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے۔ وہ ان کو پہچانتے ہیں۔ سورہ نجم میں فرمایا تھا کہ جبرئیل کو آنحضرت ﷺ نے افقِ اعلیٰ پر دیکھا اور یہاں افقِ مبین پر دیکھنا فرمایا۔

قولِ محققین ؛ علماء فرماتے ہیں کہ وہی افقِ اعلیٰ اور وہی افقِ مبین ہے۔ مشرقی کنارہ مجاہد کہتے ہیں کہ جبرئیل کو اجیاد کی طرف دیکھا تھا اور وہ مکہ سے مشرق رخ ایک میدان ہے اور یہ دیکھنا ابتداءِ زمانہ نبوت میں ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں جب وحی آ کر بند ہوگئی تھی تب کا یہ واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں جبکہ آپ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے اور سورہ اقراء نازل ہوئی تب کا واقعہ ہے کہ اول تو شرقی کنارہ پر آنحضرت ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام ایک زرین کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔ اپنی اصلی صورت میں نہایت عظمت وجلال کی صورت تھی اور کنارہ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے جب اوپر کے کنارہ پر تھے تو اس کو افقِ اعلیٰ سے تعبیر کیا اور ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نیچے اترے اور آنحضرت ﷺ کے قریب ہوتے گئے (اس وقت کے لحاظ سے افقِ مبین کہا گیا) اور دونوں مل گئے۔ بعض کہتے ہیں دوبارہ دیکھا تھا۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ عالمِ مثال کے دو افق ہیں۔ ایک افقِ اعلیٰ جو عالمِ تجرد وتقدس سے ملی ہوئی ہے اور دوسری ادنیٰ جو عالمِ شہود سے ملی ہوئی اور اسی سبب سے اس کو افقِ مبین کہتے ہیں کہ عالمِ شہود کے قریب ہونے کے سبب ظہور وابانت اس میں ہویدا ہے پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے کمالات کے مناسب شکل میں آنحضرت کو دکھائی دیں تو اول افقِ اعلیٰ پر جسم وشکلِ مثالی کا لباس پہنے ہوئے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہاں تک کہ افقِ ادنیٰ کے قریب پہنچ گئے اور عالمِ شہود کے کنارہ پر آرہے اور آنحضرت ﷺ سے بالکل مل گئے۔ پس افقِ اعلیٰ اور افقِ مبین سے یہ افق مراد ہیں استعارہ کے طور پر۔ یہ اس لیے کہ عوام غیبیہ غالباً اہلِ کشف وشہود کی نظروں میں دوائر کی

صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ الحاصل جب آپ پر حقیقتِ جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالمِ شہود میں بھی آپ ان کو دیکھ چکے ولقد رآہ نزلۃً اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی شب معراج میں دیکھ چکے تو اب اشتباہِ شیاطین و جنات کا شبہ پیدا کرنا محض حمق ہے۔ ہم اپنے وجدانیات میں کبھی اشتباہ نہیں پاتے اور نہ محسوسات میں تو پھر ادراکِ تام حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا ہے جن کے سامنے حقائق الاشیاء منکشف ہیں۔

اب ایک شبہ یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کاہن ہوں۔ کاہن بھی غیب کی باتیں جنوں سے سن کر بیان کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وما ھو علی الغیب بضنین کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے۔ برخلاف کلامِ کاہن کے کہ وہ نہ آخرت بیان کر سکتا ہے۔ نہ انسان کی سعادت و شقاوت کا رستہ بتا سکتا ہے۔ نہ مرضیاتِ الٰہی اور اس کے نزدیک ناپسند باتوں کی خبر دے سکتا ہے۔ نہ پہلی امتوں اور اگلے انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ حالات بیان کر سکتا ہے جن میں عبرت و نصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ نہ آیندہ آنے والے واقعاتِ ہولناک کی خبر دے سکتا ہے جن پر مطلع ہونا انسان کو ایک آنے والی زندگی دائمی کے لیے ضرور برضرور ہے۔ صرف دنیاوی معاملات پیش آنے والوں کا کچھ بے تکا حال بیان کیا کرتا ہے۔ وہ بھی پورا نہیں ایک بات سچ تو سو غلط محض مجمل طور پر کہ جس کے حواشی اور متعلقات محض قیاسی ہوا کرتے ہیں اور یہی بات نجوم و رمل و جفر وغیرہ علوم میں ہوتی ہے اور اسی طرح خواب کے انکشاف ہوتے ہیں اور ذرا اس سے بڑھ کر مکاشفاتِ غیر انبیاء علیہم السلام کا حال ہے۔ برخلاف الہامِ انبیاء اور خصوص اس وحی کے جو بذریعہ جبرئیل امین آتی ہے یعنی قرآن مجید اس میں علومِ خمسہ پورے پورے ہیں اور چھٹا عالم بیکار ہے۔ اس میں سے بھی بقدرِ ضرورت بہت ہے۔ باقی زید بکر کے مریض ہونے' شفا پانے' دولتمند ہونے' فقیر ہونے کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے یا ناکامی ہونے' بارش ہونے یا ہوا چلنے سے جو منصبِ نبوت سے دور تھا در گزر کیا۔ اس لیے قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا، برخلاف کاہن اور اس کے کلام کے کہ وہ ان باتوں میں کمی کرتا ہے پورا بخیل ہے۔ ابن کثیر و ابو عمرو اور کسائی نے لفظ بضنین کو بظنین ظاء سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن یا محمد (ﷺ) غیب کی باتیں بتانے میں متہم نہیں قیاسی باتیں نہیں کہتے۔ گویا یہ جملہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے یعنی جب دونوں واسطہ ثقہ اور معتبر ہیں تو متہم نہیں بلکہ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے روایت کرتے ہیں اس میں ثقہ ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قراءت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم بھی ظاء ہی سے پڑھا کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے افراد میں اور حاکم نے باقی قراء نے ضاد سے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ بخیل نہیں۔ وحی کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی معنی لیتے ہیں [1]۔

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کر کے اس بحث کا خاتمہ کرتا ہے۔ فقال وما ھو بقول شیطان الرجیم کہ یہ قرآن شیطانِ رجیم کا کلام نہیں یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ قوتِ بشریہ سے تو یہ کلام بڑھ کر ہے پھر یا تو کاہن کا کلام کہتے ہو۔ سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کاہن غیب کے بیان میں متہم ہے۔ کچھ سچ ہے تو زیادہ جھوٹ اور یا اس کو شیطان یا جن خبیث کا کلام کہتے ہو ان کے اعجوبہ افعال پر نظر کر کے تو یہ بھی نہیں تم خود اس کلام میں غور کر لو۔ کس لیے کہ پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے نہ درخت سے پھل۔ اس قرآن مجید میں بیشتر یہ مطالب ہیں۔ توحیدِ باری تعالیٰ ذات و صفات بلکہ افعال میں بھی بت پرستی اور توہمات پرستی کی مذمت' اچھے کاموں کی ترغیب' خیرات و صدقات' صلہ رحمی' عبادت' عفت' صداقت' رحمدلی' راستبازی' صبر و علم کی تعلیم مکارم اخلاق کی خوبی' برے کاموں سے نفرت' خصوصاً افعالِ شہوت و غضب و کبر و غرور اور

---

[1] صاحب کشاف کہتے ہیں والاتقان بین الظاء والضاد واجب الخ کہ ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ض اور ظ میں اکثر عجم فرق نہیں کرتے حالانکہ ان کے مخرج جدا جدا ہیں ظ کنارے زبان اور اگلے دانتوں کی جڑ سے نکلتی ہے اور ض دائیں یا بائیں ڈاڑھ اور زبان کی جڑ سے۔ ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا دال کی جگہ جیم اور ت کی جگہ شین۔ ۱۲ منہ

سخت دلی، ظلم، ایذارسانی، مکروزور کی مذمت اور ان کے خراب نتائج بیان فرمائے۔ دنیا اور اس کے تجملات سے نفرت دلائی۔ حیات جاودانی اور دار آخرت کا شوق دلایا۔ خدا کے اسماء وصفات ذکر فرمائے۔ پہلی قوموں کے عبرت انگیز حالات بیان کئے۔ صادقوں کی خوبی، بدکاروں نافرمانوں کی مذمت میں ان کے قصص ارشاد ہوئے۔ باہمی عدل وانصاف کے قانون بتائے۔ معاملات میں ظلم وتعدی روکنے کے لیے مسائل ارشاد ہوئے۔ زمین وآسمان دیگر مخلوقات کے حالات سے اپنی قدرت ورحمت کے نشان بتلائے وغیرہ بھلا ان مضامین سے شیطان کو کیا واسطہ یہ تو اس کی آنکھوں میں خار ہیں۔ خصوصاً جبکہ شیطان کی تمام سرگزشت ہی بیان کردی کہ اس نے تکبر کیا اور یوں وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ ان حالات کو تو وہ سن بھی نہیں سکتا۔ آپ بیان کرنا تو کجا فاین تذھبون پھرا ے نادانو! تم کدھر جا رہے ہو۔ کیوں راستی کی طرف نہیں آتے۔ ان ھو الاذکر للعالمین یہ قرآن تو بلحاظِ مضامین مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں اور روحانی تاثیروں کے جہاں والوں کے لیے نصیحت وہدایت ہے۔ لازم کہ اس کو یاد کریں اس پر چلیں مگر جہان والوں میں سے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسی کے لیے یہ ذکر ہے لمن شاء منکم ان یستقیم کہ جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور اپنے امراضِ نفسانیہ کا علاج کرنا چاہے اور جس کا یہ قصد نہیں بلکہ حجت آرائی اور کج بحثی تو اس کو اس سے نفع نہیں بلکہ مضرت ہے اور یہ ارادہ کسی کے بس کا نہیں وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین جس کے لیے اللہ سدھرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کرسکتا ہے۔ یہ توفیق اس کی طرف سے ہے۔ انسان قضاء وقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قضاء وقدر اس سے کراتی ہے وہ اسی کے ارادہ واختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ واختیار کے سبب بندہ ثواب وعقاب، مدح وذم کا مستحق ہوتا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں جبر وقدر دونوں کا ابطال ہے۔ جبر کا لمن شاء منکم ان یستقیم سے اور قدر یعنی تقدیر کے انکار اور بندہ کے فاعلِ مختار ہونے کا ابطال جیسا کہ وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس آیت سے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ بندہ کی ہدایت کے اسباب پیدا کرنا اور اس کی سعادت کی راہیں بتانا برے کاموں سے روکنا یہ بھی اس کی شانِ ربوبیت ہے ورنہ اس کو کیا پڑی کوئی بدراہی اختیار کرے جہنم میں جائے اپنا سر کھپائے۔

اس سورہ کے ابتداء اور وسط اور مقطع کو غور کیا جائے تو صدہا اسرارِ بلاغت پائے گا جو اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ ولہ الحمد اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

(سورہ انفطار مکیہ ہے اس میں انیس آیات ایک رکوع ہے)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الۡكَوَاكِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾

جبکہ آسمان پھٹ جاوے اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں اور جبکہ دریا پھیل پڑیں اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا۔

ترکیب | اذا شرطیۃ السماء فاعل فعل محذوف یدل علیہ انفطرت والجملۃ معطوفۃ علیہا واذا الکواکب الخ عطف علیہا وکذا ما بعدھا من الجملتین علمت الجملۃ جواب الشرط نفس فاعل علمت، ما قدمت و اخرت مفعول یقال بعثر [1] یبعثر بعثرۃ اذا قلب التراب وقال الفراد

[1] وبعثر وبحثر بمعنی واحد وھما مرکبان من البعث والبحث مع راء مضمومۃ الیھما والمعنی اثیرت وقلب اسفلھا اعلاھا وباطنھا ظاہرھا کبیر۔ ۱۲

اخرجت مافیھا من الدفائن وذلک من اشراط القیامۃ ان تخرج الارض ذھبا وفضتھا۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔نسائی نے روایت کی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے جب عشاء کی نماز میں بڑی سورۃ پڑھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں پڑھ لیا کرتا۔یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مگر وہاں اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں صرف نسائی نے روایت کی ہے۔

ربط | اس سورۃ کے اول سے ظاہر ہے کہ جس طرح اس میں اسباب تخریب عالم کو اذا اذا کر کے بیان فرمایا تھا اور ان کے بعد جزا میں نفوسِ انسانیہ کا اپنے کئے پر مطلع ہونا بیان فرمایا تھا۔اسی طرح اس سورہ میں اس مضمون کو دوسرے عنوان سے شروع کیا اور بعد میں انسانی سعادت و شقاوت کی ایک دلکش انداز سے تصویر کھینچی ہے۔

فرماتا ہے اذا السماء انفطرت جبکہ آسمان پھٹ جائے تب کیا ہوگا اس کا اور اس کے بعد اذا الکواکب وغیرہا سب جملوں کا جو اس مضمون کے ہیں۔آپ ہی جواب دیتا ہے کہ علمت نفس ما قدمت و اخرت ہر شخص جان لے گا کہ کیا لے کر آیا اور کیا چھوڑ کر آیا۔

آسمان کے پھٹنے کا مضمون متعدد آیات میں واقع ہے۔کہیں یہ ہے السماء منفطر بہ اور کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان اور کہیں یہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام اور کہیں اذا السماء انشقت اور کہیں وفتحت السماء فکانت ابوابا ہے۔غرض بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور ایک دوسرا عالمِ ابدی قائم ہوگا جس کے لیے انسان اس دارفانی میں چند روزہ مہمان ہے کہ وہاں کے لیے حسنات حاصل کر کے لے جائے کہ پھر اس کی تمامی عمر عافیت و آرام سے بسر ہو اور اس عالم کی خرابی کا شروع اس کی چھت سے ہوگا یعنی آسمان سے کس لیے کہ جب مکان بناتے ہیں تو شروع بنیاد سے کرتے ہیں۔اس لیے زمین کا اول بنانا بیان فرما کر یہ فرمایا تھا ثم استوی الی السماء اور جب گراتے ہیں تو شروع چھت سے کرتے ہیں۔پس جب آسمان لپٹ جائے گا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو ستارے بھی جھڑ پڑیں گے۔اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے واذا الکواکب انتثرت اور جبکہ ستارے جھڑ پڑیں۔ٹوٹ پھوٹ جاویں یہاں تک علویات کی بربادی مذکور ہو چکی۔اب اس کے بعد عالمِ سفلی کی بربادی بیان فرماتا ہے۔فقال واذا البحار فجرت اور جبکہ دریا بہہ پڑیں۔بحر عربی زبان میں دریائے شور کو کہتے ہیں (سمندر) اور دریائے رواں کو خواہ وہ کیسا ہی عریض و عمیق ہو جیسا کہ دجلہ' فرات' نیل' گنگا' جمنا سب کو نہر کہتے ہیں۔اب سمندر تین حصہ زمین کو حاوی ہے اور ایک چوتھائی کے قریب کھلا ہوا ہے جس پر یہ تمام اقلیمیں اور جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔قیامت کے قریب جبکہ یہ دنیا برباد ہونے کو ہوگی اب خواہ پہلے چھت یعنی آسمان اور ستارے برباد ہوں یا زمین برباد ہو کر پھر علویات برباد ہوں کس لیے کہ یہ بات آیات سے صاف معلوم نہیں ہوتی کہ پہلے کون برباد ہوگا۔ہاں ترتیبِ ذکر وغیرہ قراین سے جو چاہو قرار دے لو تب زلزلۂ عظیم ہوگا جس سے پہاڑ اور بڑی بڑی عمارات بھی زیروزبر ہو جاویں گی اور دریائے شور جو اب ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے آبادی پر پھیل پڑے گا اور دنیا کو اور بھی تہ و بالا کر دے گا اور سورۃ تکویر میں جو واذا البحار سجرت آیا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی۔دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں واذا النجوم انکدرت اور واذا الکواکب انتثرت۔

جب ایسا زلزلۂ عظیم ہوگا تو زمین بھی جابجا سے شق ہو جاوے گی اور زمین کی مدفون چیزیں نکل پڑیں گی۔اس بات کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے۔واذا القبور بعثرت اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نفخ صور دوم کا واقعہ ہے یعنی اس وقت کہ مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جاویں اور جو زمین میں مدفون ہے باہر آ پڑے زلزلہ میں ایسا ہوتا ہے۔

یہ واقعات ہولناک تھے اس لیے ہر ایک کو اذا کے لفظ سے یاد کیا تا کہ ان کی عظمت شان معلوم ہو۔ان واقعات کے بعد کیا ہوگا۔

آپ ہی فرماتا ہے۔علمت نفس ما قدمت و اخرت تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا تھا اور کیا نہیں کیا تھا۔ماقدمت سے

مراد تقدیم فی العمل ہے۔ وما اخرت سے مراد پیچھے ہٹنا۔ کام نہ کرنا۔ پس جس نے اعمالِ صالحہ کی تقدیم کی یعنی عمل میں لایا اور کبائر سے کوتاہی کی تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جو اس نے اول عمر میں کئے۔ وما اخرت سے مراد وہ جو اخیر عمر میں کئے۔ یہ ابومسلم کا قول ہے۔ بعض علماء اس کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوئے اور ما اخرت سے وہ رسوم مراد ہیں کہ جن کی اس نے بنیاد ڈالی تھی جن کاموں کی یہ بنیاد ڈال کر دنیا سے گیا ہے۔ اگر وہ نیک کام ہیں تو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اور اگر بری رسم قائم کر کے گیا تھا تو اس کے لیے بھی اسی قدر گناہ ہے جس قدر کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد اعمال ہیں نیک و بد وما اخرت سے مراد وہ مال و زر ہے جو اس نے وہاں چھوڑا تھا۔

سوال: یہ واقعات تو نفخِ صورِ اول کے ہیں۔ پھر اس وقت تو انسان یا مردے ہوں گے یا قریب مردنی مصیبت میں مبتلا ان کو اعمالِ خیر و شر کیونکر معلوم ہوں گے؟

جواب: یہ ہے کہ اذا سے وہی متصل زمانہ مراد نہیں بلکہ وسیع زمانہ جس کی ابتداء یہ حوادث اور انتہا نفخِ صورِ ثانی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝۹ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲

اے انسان! بھلا تم کو کس چیز نے اپنے رب کریم سے غافل کر دیا جس نے تجھے بنایا پھر تجھے برابر کیا پھر تجھے اعتدال پر کیا جس صورت میں چاہا تیرے اعضاء کو جوڑ دیا نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو ہی نہیں مانتے۔ حالانکہ تم پر بزرگ لکھنے والے محافظ ہیں (فرشتہ) کراماً کاتبین جو کچھ تم کیا کرتے ہو ان کو معلوم رہتا ہے۔

ترکیب: الکریم صفۃ اولی للرب الذی الخ صفۃ ثانیۃ مقررۃ للربوبیۃ مبینۃ للکرم فسواک فعدلک عطف صلۃ الذی ای خلقک فی ای صورۃ الجار متعلق برکبک وما مزیدۃ وشاء صفۃ لصورۃ ای رکبک فی ای صورۃ شاءھا وقیل یتعلق بمحذوف علی انہ حال ای رکبک حاصلا فی ای صورۃ شاءھا وانما لم یعطف الجملۃ ماقبلھا لانھا بیان لعدلک وان علیکم خبر ان لحافظین اسمھا کراما صفۃ للحافظین وکذا کاتبین وکذا یعلمون وقیل ھذا حال من الکاتبین فان مع اسمھا وخبرھا وصفات الاسم جملۃ اسمیۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل تکذبون ای تکذبون والحال ان علیکم من یرد تکذیبکم وقیل مستانفۃ مسوقۃ لبیان مایبطل تکذیبھم۔

تفسیر: جب یہ حالت ہے کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے انسان اس روز اپنے نیک و بد اعمال کا ملاحظہ کر کے افسوس کرے گا۔ ہاتھ ملے گا تو آج اے بنی آدم! تم کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہو اور خدا تعالیٰ کی کریمی کے سبب (کہ جلد دنیا میں افعالِ بد کی سزا نہیں دیتا اور نیک و بد کو اپنی نعمتوں سے بھرپور کر رکھا ہے) نیکی میں کوشش کرنا تو درکنار بلکہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو۔ اس جانگداز مضمون کو ان آیات میں دلکش اور پراثر الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم کہ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس نے مغرور کر دیا؟

فائدہ ا: بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یہ انکار قیامت اور اس پر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ

سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروانہیں کرتا شتر بے مہار بنا ہوا ہے۔ کسی کی نہیں سنتا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلدہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی گستاخی کی مگر اس پر خدا نے دنیا میں اس کو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اترا گیا تب یہ آیت نازل فرمائی۔ اقسامِ غرور: اور علماء فرماتے ہیں کہ کافر اور گنہگار مومنوں سب کو شامل ہے مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزاء و جزاء کا بر پا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل میں نہیں اور یہ اندیشہ نہ ہونا غرور اور عدالتِ آسمانی کا انکار ہے۔ احیاناً گناہ ہو جانا اور اس پر تائب و نادم ہونا منافی شانِ ایمان نہیں۔ ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو دل کھول کر حرام کاری، مے نوشی، مکر و فریب کرو جھوٹ بولو۔ لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروا نہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے۔ اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ یہود میں بھی تھے۔ وہ حضرت ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے۔ ولن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ وسیغفر لنا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سید یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہم سب کو گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ چھڑا لیں گے اور بنی فاطمہ [1] پر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا جبکہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہراؓ سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال و اسباب جو میرے پاس ہے لے اور قیامت کے بارے میں یہ غرور نہ کرنا کہ میں محمد ﷺ کی بیٹی ہوں۔ میں خدا کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ یہ مضمون احادیث میں موجود ہے اور نیز آیندہ آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔ اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کر کے بتایا کہ جس میں کوئی شائبۂ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قائم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایانِ شانِ دینِ حق ہے۔

ہنود میں برہمنوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہما جی کی اولاد ہیں۔ برہمن دوزخ میں نہ جائے گا۔ وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ گناہ نہیں۔ الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کو اسلام نے رد کیا اور اسی طرح انکارِ قیامت اور باز پرس تو ان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیشتر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

فائدہ ۲: غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنے والے سے غرور (جس کی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم و فضل کرتا ہو) انسانیت کا مقتضیٰ نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے۔ سرِ نیاز اس کے آگے نہ رکھے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روانہ کریں تو سارا غرور خاک میں مل جاوے۔

---

[1] اگر یہی وجہ ہے تو حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما و دیگر اہل بیت اس بات کا زیادہ گھمنڈ کرتے جن کے فاطمی ہونے میں کسی کو کلام نہیں تھا۔ برخلاف اس کے وہ تو راتوں تہجد میں رویا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے۔ پھر اس زمانہ کے سید زادے، پیرزادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ اگر یہ اپنے ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں۔ کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسنِ اعتقاد اور محبت و عظمتِ سیادت اسی کی مقتضی ہے۔ غرور ہے۔ ۱۲ منہ

لطفِ حق باتو مواساها کند
چونکہ از حد بگزرد رسوا کند

بدکار بدی کر رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے۔ بت پرستی بت پرست کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعمتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں۔ گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہ راست سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے اور سینکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں کہ جن پر فلاح و سعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے۔ یہ غرور اس کے جہل اور شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے۔ جہل کا اس لیے کہ اس کے قہر اور صفتِ انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اس کی رضامندی کا سبب ہے۔ کسبن کہہ دیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہم کو یہ دولت و ثروت کیوں دیتا۔ چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ بت پرست اور توہماتِ باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ الٹے اور قیامت میں جزائے خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بد باتوں پر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور ہٰذہ۔

غرور، تمنیٰ رجا کا فرق | واضح ہو کہ غرور اور تمنی اور رجاء یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں۔ غرور کی بابت یہ ہے ولا یغیر نکم باللہ الغرور اور تمنی کی مذمت یہ ہے تلك اما نیھم ولیس با مانیکم ولا امانی اھل الکتاب۔ اور امید کی مدح آئی ہے اولئك یرجون رحمۃ اللہ سو امید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جاوے۔ اس کے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب بوجوت کر کاشتکار غلہ کی انتظاری کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجالا کر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کر کے ایمان و اعمالِ صالحہ میں کوشش کر کے نجاتِ آخرت کی توقع رکھے۔ سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اس پر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقتِ اخیر[1] اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت (واعبد ربک حتی یاتیک الیقین کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آجاوے) میں یہی یقین مراد ہے۔ رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اس کے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے۔ مثلاً آقا کی بغاوت کر کے بخشش کی امید رکھے یا مال برباد کر کے نفع کی امید رکھے۔ کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے۔ برے کام کر کے نجات کی امید کرے ۔

ہر آنکہ تخمِ بدی کشت و چشمِ نیکی داشت
دماغ بیہدہ پخت و خیالِ باطل بست

اور تمنی وہ ہے کہ کسی قدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے۔ حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شکی حالت میں تمنّی ہے اور اسباب بالکل نہ پہنچائے ہوں یا برخلاف اسباب جمع کئے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دھوکا ہے۔ دنیا کے لوگ اس اندھیری رات میں کہ جس کو حیات کہتے ہیں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ کہ جن کو روشنی عطا ہوئی ہے۔

اس کے بعد ربِ کریم کی تفصیل سناتا ہے تاکہ اس مغرور کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں۔ فقال الذی خلقك وہ کہ جس نے تجھ کو پیدا کیا عدم سے ہستی میں اپنے کرم سے لایا نہ تیرا سوال تھا نہ تیری دعا تھی۔ پھر یوں ہی بیڈول اور اینڈ نہیں پیدا کر دیا بلکہ اس طور سے کہ فسواك تجھے برابر کیا۔ اعضاءِ جسم میں تناسب رکھا۔ کان کی جگہ کان' ناک کی جگہ ناک' آنکھ کی جگہ آنکھ رکھی اور فعدلك قویٰ و مزاج میں بھی تعدیل ملحوظ رکھی۔ جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی جس کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا

[1] اور اسی اطمینان کے لحاظ سے بوقتِ مرگ اہل اللہ سے فرشتے کہتے ہیں۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک۔ الخ ۱۲ منہ

فرمائی۔ تسویہ اور تعدیل کا فرق: یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویۂ اعضاءِ جسم ہو لیتا ہے۔ تب ہر ایک میں اس کی قوت ودیعت رکھی جاتی ہے اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اس کی باطنی استحکام سے متعلق ہے۔ مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کی جمیع قویٰ کی تعدیل تک شامل ہے۔ اس لیے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا۔ فسواك فرمایا پھر تعدیل کو فعدلك فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معاً ایک صورتِ خاصہ عطا ہوتی ہے جس کو صورتِ شخصیہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوبصورت بدصورت جیسا واہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کو بغیر عطف کے یوں فرمایا فی ای صورۃ ماشاء رکبك کہ جس صورتِ خاص میں چاہا اے انسان تجھے مرکب کر دیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال پر عطا ہوئی ہے۔ یہ اسی کا کرم ہے جو آج تو اپنی صورت اور حسن و جمال پر اتنا غرور کرتا ہے۔ کیا خوب ہے کہا ہے کسی نے۔

تناسب یہ اعضاء کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کے

اکثر انسان کے غرور کے اسباب تین ہیں۔ ایک حسب ونسب' دوسرا حسن' تیسرا مال و زر۔ حکومت و شوکت ان تینوں کی حقیقت اسی ایک جملہ میں بیان فرما دی۔ اب اس انسان کے کرتوت بیان فرماتا ہے کہ جس کو اس رب کریم نے یہ کچھ دیا یہ اس کے مقابلہ میں کیا شکر گزاری کرتا ہے؟ فقال کلا ہرگز نہیں بل تکذبون بالدین بلکہ اے بنی آدم تم جزا کا انکار کر رہے ہو۔ شتر بے مہار بن کر حصولِ لذات و شہوات میں غرق ہو اور جانتے ہو کہ اس میں مزا اڑانے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں نہ مر کر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے۔ نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ وان علیکم لحافظین حالانکہ اس نے اپنے کرم سے تم پر نگہبان مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کی محافظت نہ ہو تو تلف ہو جاؤ۔ وہی تمہارے دل میں حفاظت کے علوم القاء کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اس کی محتاجی نہ تھی بلکہ پیدا ہونے کے بعد بھی بقاء اور وجود میں بھی احتیاج باقی ہے۔ سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے بچاتے ہیں۔ یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین کرم کرتے ہیں۔ مباشرت کے وقت اور شرمناک کاموں کے وقت تمہارے روبرو نہیں ہوتے۔ کسی پر افشائے راز نہیں کرتے لیکن جو کچھ نیک و بد تم کرتے ہو اس کو دفترِ غیب میں لکھ لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے ہیں صبح تک رہتے ہیں۔ پھر صبح کو اور دو آتے ہیں شام تک رہتے ہیں[1]۔ پہرہ بدلتا رہتا ہے اور یہ لکھنا ان کا بے خبری سے نہیں بلکہ یعلمون ماتفعلون جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔ ان سے تم کچھ چھپا نہیں سکتے۔ پھر جب یہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ تم کو اس رب کریم نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے کے لیے اس لیے ہر ایک کام کی جزاء و سزا ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِىْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾
وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ
مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

یقیناً نیک بندے تو نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہوں گے۔ انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس دوزخ سے کہیں جانے نہ پاویں گے۔ اور تجھے کیا معلوم کیا ہے انصاف کا دن۔ پھر (کہتے ہیں) تجھے کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کسی کا کسی کے لیے کچھ بھی بس نہ چلے گا اور اس دن اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔

---

[1] اور یہی سر ہے صبح وشام کی عبادت کی طرف اہل اللہ زیادہ متوجہ ہوا کرتے ہیں ان قرآن الفجر کان مشھودا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب | ان الابرار الجملۃ وماہو معطوف علیھا اعنی الجملۃ الثانیہ مستانفۃ لبیان نتیجۃ الحفظ والکتاب من الثواب والعذاب یصلونھا الجملۃ اماصفۃ لجحیم اومستانفۃ جواب لسوال مقدر کانہ قیل ماحالھم فقال یصلونھا الخ وقیل حال من الضمیر فی متعلق الجاروالجر ورویوم منصوب بیصلون قراء الجمھور مخففا مبنیا للفاعل وقریٔ مشدد مبنیا للمفعول وماھم الخ وھذہ الجملۃ ایضاصفۃ لجحیم وما ادراک تفخیم لشان یوم الدین ولذا کرہ یوم لا تملک قریٔ یوم بالرفع قرءھا ابن کثیروابوعمرو علی انہ بدل من یوم الدین اوخبر مبتداء محذوف وقراء ابوعمرو فی روایۃ عنہ بالتنوین والقطع عن الاضافۃ وقراء الباقون بفتحہ وفیہ وجوہ الاول باضمار یدانون لان الدین یدل علیہ والثانی باضمار اذکروا والثالث قول الزجاج وھوان یکون فی موضع رفع الاانہ مبنی علی الفتح لاضافۃ الی قولہ لا تملک والمضاف الی غیرالمتمکن یبنیٰ علی الفتح وان کان فی موضع رفع وجر قال الواحدی قول الزجاج انما یجوز عند الخلیل وسیبویہ اذا کانت الاضافۃ ای الفعل الماضی نحوقولک علی حین عاتبت واما اذا کانت الاضافۃ الی المستقبل فلا یجوز عند الکوفیین الرابع قول ابوعلی وھوان الیوم لما جری فی اکثر الامر ظرفا ترک علی حالۃ الاکثریۃ والدلیل علیہ قول العرب۔ والامر مبتداء یومئذ للہ خبرہ رفع ابن کثیر یوم علی البدل من یوم الدین اوخبر لمحذوف۔

تفسیر | اب یہاں سے اس جزا کی تفصیل وتشریح فرماتا ہے کس لیے کہ پہلے اس کو ثابت کرلیا فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بے شک نیک بندے نعمت میں ہوں گے یعنی بہشت میں کس لیے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے۔ جہاں کھانے اور پینے اور مکان ولباس وہم جلیس کے متعلق سب دلخواہ سامان ہیں اور اس پر حیات ابدی بھی ہے اور کوئی مرض' رنج' موت' بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدارِ الٰہی بھی ہے۔ یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔ بر کی تفصیل: بر یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرما دی ہے۔ لیس البر الخ کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لاوے اور پھر نیک کام کرے۔ ایمان و عملِ صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔ یہ تو نیکوں کا انجام کار تھا۔ اب بدوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وان الفجار لفی جحیم اور بد یعنی جو ایمان اور عملِ صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے۔ اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے اور ایمان ہے مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے۔ چوری' زنا' شراب خواری' ترکِ صوم وصلوٰۃ' حج وزکوٰۃ' ظلم ودغا' ناچ ورنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اوّلی سے کم کس لیے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے۔ فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو' بادشاہ ہو' عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو۔ کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لیے حکم عام ہے۔

فائدہ ۱: علماءِ بدیع کہتے ہیں کہ اس آیت میں کئی صفتیں موجود ہیں۔ اول جمع وتقسیم وہ یہ کہ اول چند اشیاء کو جمع کرلیا جاوے اور پھر تقسیم کیا جاوے سو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے جمع وان علیکم لحافظین الخ میں تھا کہ سب کو ایک حکم میں جمع کرلیا کہ سب پر محافظ کراماً کاتبین مقرر ہیں۔ پھر یہاں تفریق کردی کہ ان میں سے نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے۔ دوم صنعتِ ترصیع ہے اور کلامِ مرصع وہ ہے کہ دونوں فقروں میں ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ جن کا وزن برابر ہو سجع یعنی اخیر کا حرف ایک ہو۔ یہاں یہ بات بھی ہے۔ ابرار کے مقابلہ میں فجار نعیم کے مقابلہ میں جحیم میں ہم وزن ہے۔ سوم صنعتِ تضاد بھی ہے جس کو اطباق وتطبیق کہتے ہیں کس لیے کہ ابرار کی ضد فجار اور نعیم کی ضد جحیم ایک کلام میں جمع ہے۔ اس کے بعد کسی قدر جحیم کے ہولناک احوال بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو سن کر لوگ فجور سے باز آویں (اول) یصلونھا یوم الدین کہ اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر خوشامد ومنت کرکے بچ جاتے ہیں۔ ایسا وہاں نہ ہوگا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے۔ معاذ اللہ دوم۔ وما ھم عنھا بغائبین۔ کہ اس جحیم سے وہ غائب بھی نہ ہوسکیں گے۔ قید خانہ سے خلاصی کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ قیدی مرجائے اور مرکر چھوٹ جاوے اور دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی تدبیر سے داخل ہوکر نکل جائے' دیوار پھاند کر بھاگ

جائے یا نگہبانوں سے چھپ کر نکل جائے یا زبردستی سے نکل جاوے یا رشوت دے کر نکل جاوے۔ سو یہ بھی وہاں نہ ہوگا ان سب باتوں کی نفی اس ایک جملہ وما هم عنها بغائبين میں کر دی کہ وہاں یہ باتیں نہ ہونے پاویں گی۔ معتزلہ کا مذہب اور اس کا رد: اس جگہ سے معتزلہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ کس لیے کہ وہ بھی فاجر ہیں اور فاجروں کی نسبت آ گیا ہے۔ وما هم عنها بغائبين کہ وہ وہاں سے غائب نہ ہوں گے یعنی کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ وما هم بخارجين منها اس کا جواب امام رازی ﷫ نے یوں دیا ہے کہ یہ تمہارا عقیدہ قطعی ہے اور الفاظ کی عموم پر دلالت ظنیہ ہے۔ پھر اس سے ثبوت کرنا بیکار ہے اور ظن اس لیے کہ استعمال جمع معرف باللام کا معہود سابق میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ پس محتمل ہے کہ یہاں الفجار سے مراد کافر ہوں جن کا ذکر چلا آتا ہے جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر عموم کو قطعی بھی مان لیا جاوے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اہلِ کبیرہ فاجر ہیں۔ کس لیے کہ پہلے آ چکا ہے اولئك هم الكفرة الفجرة کہ کفار ہی کافر و فاجر ہیں اس لیے یہ بات کہ اصحاب الکبائر ہی علی الاطلاق فاجر ہیں غیر مسلم ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے تو وما هم عنها بغائبين کے صدق کے لیے ان فاجروں میں سے کفار کا خلود کافی ہے مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا اس آیت سے استدلال ہی صحیح نہیں کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ از خود کسی مکر و تدبیر سے وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔ نہ یہ کہ خود خدا تعالیٰ انہیں نہ نکالے گا سو یہ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے اہل الکبائر کو رہائی دے دے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد اپنے فضل و کرم سے یا شفاعت سے انہیں رہائی دے۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد اس روز کی شدت کے اظہار کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراك ما يوم الدين کہ اے انسان! تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ ثم ما ادراك ما يوم الدين پھر تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ یہ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر مصائب ہیں اس روز کے مصائب کے آگے کچھ بھی نہیں پھر انسان اس کی حقیقت سے کیونکر واقف ہو سکے۔ اس کے سوا جزا کا معاملہ بھی عقل میں اچھی طرح سے نہیں آ سکتا کہ انسان کے اعمال کیونکر اپنی مناسب اشکال میں متشکل ہو کر راحت و رنج کا باعث ہوں گے؟ خیر حقیقتِ جزا تو کیا جانیں گے اس لیے وہاں کی ایک ہی بات پر سخن تمام کرتے ہیں یوم لا تملك نفس لنفس شيئا کہ اس روز کوئی کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا نہ بھائی نہ باپ نہ یار نہ کوئی اور اہلِ قرابت کچھ کام آئے گا جیسا کہ دنیا میں شریک ہو جاتے ہیں اور دفعِ مصیبت میں کوشش کرتے ہیں وہاں یہ نہ ہوگا۔

فائدہ ۲: نفس نکرہ لنفس نکرہ شیئا نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتا دی کہ اس روز کسی کا بھی اختیار نہ ہوگا والامر يومئذ لله اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ برخلاف دنیا کے کہ بیوی پر میاں کی حکومت ہوتی ہے۔ آقا کی نوکر اور غلام پر بادشاہ کی رعیت پر مگر اس روز بجز اس کے اور کسی کی حکومت نہ ہوگی۔ فائدہ ۳: اس آیت سے شفاعت کا رد کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے کس لیے کہ شفاعت اپنا اختیار نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے سو وہ بھی اسی کا امر ہے۔

(سورہ تطفیف مکیہ ہے اس میں چھتیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خرابی ہے کم تولنے والوں کی ان کی جولوگوں سے لیں تو پورا پورا ماپ کرلیں اور جب لوگوں کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو ایک بڑے دن (قیامت میں) اٹھایا جاوے گا جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ترکیب | ویل مبتداء وجاز الابتداء بہ لکونہ دعاء قال مکی ویل وشبہہ اذا کان غیر مضاف فالمختار الرفع یجوز النصب واذا کان مضافا اومعرفا فالمختار فیہ النصب والویل کلمۃ تذکر عند وقوع البلاء یقال ویل لک وویل علیک۔ وقیل واد فی جہنم للمطففین خبرہ المطفف ماخوذ من الطفف وھو الجانب اوالشیء الیسیر یقال طف الوادی والاناء اذا قارب الامتلاء ولم یمتلی بعد۔ قال الزجاج انما قیل للذی ینقص المکیال والمیزان مطفف لانہ یسرق الشیء الیسیر۔ والتطفیف البخس فی الکیل والوزن الذین الخ صفت کاشفۃ للمطففین اذا اکتالوا الاکتیال الاخذ بالکیل علی الناس قال الفراء علی ومن فی ھذا الموضع یعتقبان یقال اکتلت منک ای استوفیت منک وتقول اکتلت علیک ای اخذ ما علیک یعنی الاکتیال یستعمل بمن وعلی وفی الکشاف لما کان اکتیالھم اکتیالا یضرھم ابدل علی مکان من للدلالۃ علی ذلک۔ واذا کالوھم ای کالوا لھم اووزنوا لھم حذفت اللام فتعدی الفعل الی المفعول فھو من باب الحذف والایصال۔ قال الکسائی والفراء ھذا من کلام اھل الحجاز ومن جاورھم یقولون زنی کذا کلنی کذا وکسبتک وکسبت لک۔ قال الزجاج لا یجوز الوقف علی کالوا حتی یوصل بالضمیر ویروی عن عیسیٰ بن عمرو وحمزۃ انھا کانا یجعلان الضمیرین توکید المافی کالوا ویقفان عند الواوین ای علی کالوا اووزنوا ثم یقولان ھم یخسرون وزعم الفراء والزجاج انہ غیر جائز۔ الایظن الخ جملۃ مستانفۃ۔ یوم منصوب باعنی وقیل بمبعوثون اومرفوع المحل خبر المبتداء محذوف اومجرور بدلا من یوم عظیم مبنی علی الفتح لاضافۃ الی الفعل وان کان مضارعا علی مذہب الکوفیین۔

تفسیر | یہ سورہ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ وضحاک ومقاتل رحمہ اللہ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ آخر جو مکہ میں نازل ہوا وہ یہ سورہ ہے۔ مگر حسن وعکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور سب سے اول جو مدینہ میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ یہی سورہ ہے۔ قول اول قوی ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں کو لینے دینے میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرتے پایا۔ سو سب سے اول جو ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو ان کے حسب حال یہی سورۃ سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرنے کی سخت برائی ہے۔ اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اس روز کے بعد سے اب تک اہلِ مدینہ سے بڑھ کر کوئی شہر اور بستی پورا تولنے اور پیمانہ بھرنے میں نہ ہوگی۔ ایک لخت سب نے وہ کام چھوڑ دیا۔

ربط | اس سورہ کا سورہ اذا السماء انفطرت سے یہ ہے کہ اس سورہ کے اخیر میں حشر کا معاملہ مذکور تھا کہ نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آوے گا۔ اس لیے اس سورہ میں اس بدی کی شرح کر دینا مناسب ہوا جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔ کس لیے کہ حقوق العباد سے زیادہ تر باز پرس ہوگی اور وہ بدی کیا ہے؟ حقوق العباد میں دیدہ ودانستہ کمی زیادتی کرنا جس کو عربی میں تطفیف اور اس کے مرتکب کو مطفف کہتے ہیں۔ خصوصاً لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے۔

اس لیے فرماتا ہے ویل للمطففین خرابی ہے حقوق العباد تلف کرنے والوں کی پیائش اور وزن میں۔ ہرچند لفظ تطفیف کے معنی لغوی پیائش اور وزن میں خیانت کرنے کے ہیں مگر شیخ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے۔ پیائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے سوا ہر قسم کی خیانت اور خست کو بھی جیسا کہ اپنے عیوب کو چھپانا اور لوگوں کے وہی

عیوب ظاہر کرنا لوگوں سے انصاف طلب کرنا اور آپ انصاف نہ کرنا۔ لوگوں کی عیب جوئی کرنا اپنے عیوب کی پروا نہ کرنا' لوگوں سے تعظیم طلب کرنا اور خود کسی کی تعظیم وتکریم نہ کرنا۔ نوکروں' غلاموں' تابعداروں سے خدمت تو ٹھوک بجا کر لینا اور تنخواہ اور اجرت دینے میں کمی کرنا' اپنے لیے جو پسند کرنا وہ دوسروں کے لیے نہ کرنا۔ رزق وعزت وعافیت تو خدا تعالیٰ سے بہت کچھ مانگنا اور اس کی حکم برداری سے دل چرانا۔ لوگوں سے اللہ کے لیے سوال کرنا آپ اللہ کے لیے کچھ نہ دینا۔ اوروں کو نصیحت کرنا خود مبتلا ہونا۔ حال خراب رکھنا قال ٹھیک رکھنا۔ بزرگوں کی صورت بنانا۔ باطن میں شیطانی کام کرنا' ریاکاری کرنا وغیرہ۔ یہ سب لوگ مطفف ہیں ان سب کے لیے ویل یعنی خرابی ہے۔

پھر اس خرابی کی جو دنیا اور آخرت میں مطفف کو پیش آتی ہے سینکڑوں صورتیں ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل وخوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا' مرض ووباء ودیگر دنیا کے اشد مصائب میں مبتلا ہونا اور آخرت میں جہنم اور اس کی پیپ اور بدبودار وادی ہے۔ جہاں عمر بھر رہنا اور رونا اور سر پیٹنا ہوگا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت نبی ﷺ نے یوں تفسیر کی ہے کہ خمس بخمس یعنی سن لو پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں مقرر ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس کے دشمن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اور جو قوم احکامِ الٰہی کو خواہشِ نفسانی اور رشوت ستانی سے ترک کرتی ہے تو فقر وافلاس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں زنا واغلام کی کثرت ہوگی وباء وغیرہ حوادث سے ہلاک ہوگی۔ جو قوم ناپ اور تول میں خیانت کرے گی قحط میں مبتلا ہوگی۔ باغ اور کھیتوں کی پیداوار سے بہرہ ور نہ ہوگی جو قوم زکوٰۃ اور حقوقِ مساکین سے دست کشی کرے گی ان سے بارش روک لی جاوے گی۔

مگر خدا تعالیٰ جب کسی قوم اور ملک کو بالکل برباد کرنا چاہتا ہے تو ان سے ان سزاؤں کو چندروز کے لیے روک لیتا ہے تاکہ دلیر ہو کر ان افعال کو کریں اور پھر دفعۃً برباد ہو جاویں۔ واملی لھم ان کیدی متین کہ میں ڈھیل دیتا ہوں اور میرا داؤ مضبوط ہے معاذ اللہ۔ اس کے بعد ان کے مکر وخیانت کی تشریح فرماتا ہے۔ فقال الذین اکتالوا علی الناس یستوفون کہ جب اوروں سے ماپ کرلیں تو بھر کر لیں۔ عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کارآمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیمانہ سے لیتے دیتے تھے مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں۔ آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا ہو تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں۔ اس میں آسانی بہت ہے اور پیمانہ کو کیل اور مکیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں پیمانہ سے لی جاتی ہیں۔ ان کو مکیل کہتے ہیں اور جو چیزیں تول کر بکتی ہیں ان کو موزون کہتے ہیں سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے واذا کالو ھم اور جب اوروں کو ماپ کر دیتے تھے او وزنوھم یا تول کر دیتے تھے یخسرون کمی کرتے تھے۔

فائدہ: پیمانہ اور وزن سے لینا ایک حالت ہوئی اور انہیں سے ناپ یا تول کر دینا دوسری حالت ہے۔ لینے میں دھوکا دے کر زیادہ لے لینا پیمانہ میں اکثر ہوتا ہے۔ دوسرے نے ان کو پیمانہ بھر کر دیا۔ اس نے زیادہ دبا دیا یا اوپر سے چوٹی باندھ دی اس لیے لینے کی صورت میں پیمانہ کا ذکر کیا برخلاف دینے کے کہ وہاں پیمانہ میں بھی خیانت ہوا کرتی ہے اور تولنے میں بھی جس کو ڈنڈی مارنا کہتے ہیں اور عرب میں ایسا دستور بھی تھا اس لیے اس صورت میں پیمانہ اور وزن دونوں کا ذکر کیا۔

فائدہ ۱: اہلِ زبان اس مقام پر کہتے ہیں کہ اکتیال کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے مگر علیٰ کے ساتھ اس لیے کیا کہ علیٰ مضرت کے لیے آتا ہے اور خیانت میں دوسرے کی مضرت ہے۔ اسی طرح کالولھم اور وزنولھم لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بغیر لام کے اس لیے استعمال ہوا کہ اس کاروبار کی کثرت بیان کرنی مقصود تھی اور کثرتِ استعمال میں ایسے حروف محذوف ہو جایا کرتے ہیں۔ عرب کا خاص محاورہ ہے۔

فائدہ ۲: بقول علماءِ محققین یہاں بھی تول اور پیمانہ کی خاص خیانت مراد نہیں بلکہ عام خیانت مراد ہے۔ آپس کے معاملات میں اور

خدا کے معاملات میں بھی جیسا کہ علامہ قشیری قدس سرہ کے قول میں تشریح کی گئی۔

فرماتا ہے الایظن اولئك انهم مبعوثون ليوم عظيم کہ یہ جو ایسی گندم نمائی جو فروشی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کو ایک بڑے سخت اور مصیبت کے روز کھڑا ہونا اور عدالتِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے؟ گویا ان کا بیباکانہ ایسی حق تلفی اور خیانت کا عمل میں لانا قیامت کے دن میں کھڑے ہونے کا انکار کرنا ہے۔ گو زبان سے انکار نہ ہو ورنہ جو اس کھڑے ہونے کا دل میں یقین رکھتا ہوگا اس سے یہ بیباکی سرزد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو اپنے اعمال کے وزن اور تول کا خیال نہیں کہ حشر میں ہونا ہے۔

وہ دن کیسا ہوگا یوم یقوم الناس لرب العالمین ایسا ہوگا کہ جس میں تمام لوگ رب العالمین کے آگے کھڑے ہوں گے اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا انصاف کرنا بھی اس کی ربوبیتِ عامہ کا مقتضیٰ ہے اور یہی صفت اس روز مظلوموں کے بدلے لینے پر محرک ہوگی۔

حقیقت میں نفوسِ سرکش کی باگ تھامنے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی خیال ہے ورنہ حکام وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب و ترہیب باز نہیں رکھ سکتی جیسا کہ آج کل ہم لوگوں میں بدکاری اور خیانت کا زیادہ رواج اس لیے دیکھتے ہیں کہ قیامت کا اعتقاد کم ہوتا جاتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۞ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۞ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۞ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۞ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۞ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞

نہیں نہیں بدکاروں کا روزنامچہ سجین میں ہے اور (اے مخاطب!) تو کیا جانے کیا ہے سجین۔ لکھا ہوا دفتر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ان کی جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی جھٹلاتا بھی ہے جو حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے جبکہ اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے (یہ تو) پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

ترکیب | کلا الاکثرون علی انها کلمة روع وتنبیه ای لیس الامر ما زعمتم من انه لا حساب ولا جزاء وقال ابو حاتم کلا ابتداء یتصل بما بعده علی معنی حقا وهو قول الحسن کتاب الفجار اسم ان لفی سجین خبرها۔ وفی السجین قولان الاول وهو قول الجمهور انه اسم علم علی شیء معین فعلی هذا فیه اقوال عند الاکثر هو الارض السابعة السفلی وهو قول ابن عباس وقیل جب[1] فی جهنم۔ والقول الثانی انه مشتق فهو فعیل من السجن بمعنی الحبس والتضیق کالفسیق من الفسق وهذا قول المبرد والزجاج وابی عبیدة ورده الواحدی وقال صاحب الکشاف ان السجین فعیل من السجن ثم انه ههنا اسم علم منقول من وصف کحاتم وهو منصرف لانه لیس فیه الا سبب واحد وهو التعریف کتاب مرقوم[2] ای هو محل کتاب۔ فلا یرد ما قیل ان الله سبحانه اخبر عن کتاب الفجار بانه فی سجین ثم فسر السجین بانه کتاب مرقوم فکانه قال ان کتابهم فی کتاب مرقوم واجاب القفال بان قوله کتاب مرقوم لیس تفسیر السجین بل التقدیر ان کتاب الفجار لفی سجین وان کتاب الفجار کتاب مرقوم فیکون هذا وصفا لکتاب الفجار بوصفین، احدهما انه فی سجین والثانی انه مرقوم وقوله وما ادراك ما سجین جملة معترضة واجاب الرازی بانه لا استبعاد فی کون احد الکتابین فی الآخر بان یوضع کتاب الفجار فی کتاب الذی هو الاصل المرجوع الیه فی تفصیل احوال الاشقیاء او بان ینقل ما فی کتاب الفجار الی ذلك الکتاب المسمی بالسجین وفی وجه آخر هو ان یکون المراد من الکتاب الکتابة فالمعنی کتابة الفجار فی سجین ثم وصف السجین بانه کتاب مرقوم فیه جمیع اعمال الفجار من الکبیر۔

---

[1] کنواں

[2] قال قتادة مرقوم لهم بشر کانه اعلم بعلامة یعرف بها انه کافر وابه قاتل مقاتل۔ ۱۲ منہ

قال ابن عطیۃ من قال ان سجینا موضع فکتاب مرفوع علی انہ خبر والظرف وھو قولہ لفی سجین لغی ومن جعلہ کتابا فکتاب خبر مبتداء محذوف والتقدیر ھو کتاب الذین یکذبون بدل من المکذبین اوصفۃ۔ اساطیر جمع اسطورۃ اواسطارۃ۔

تفسیر | جب قیامت کے دن دربارِ الٰہی میں کھڑے ہونے اور نیکی بدی کے حساب دینے جزاء وسزا پانے کا ذکر آیا تو مناسب ہوا کہ نیکوں اور بدوں کے ان حالات کو بھی بیان کیا جاوے جو مرنے کے بعد حسب اعمال پیش آویں گے۔ ہر چند جزاء وسزا کا مسئلہ بہت جگہ بیان ہوا لیکن اس مسئلہ کے سخت منکروں کے مقابلہ میں بار بار مختلف عنوانوں سے بیان کرنا ان کے دل پر نقش کردینا مقصود ہے جو نبوت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کلا نہیں نہیں یعنی تم جو یہ سمجھے ہوئے ہو کہ مرکر خاک ہو جائیں گے نہ سزا ہے نہ جزا ہے جو چاہو دل کھول کر کرو' مزے اڑاؤ۔ کوئی پوچھنے والا نہیں یہ خیال غلط ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ پھر اس کے بعد جزاء وسزاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ بعض مفسرین کلا کو بمعنی حقا لیتے ہیں تب یہ آیندہ کلام سے متعلق ہوگا کہ بے شک ان کتاب الفجار لفی سجین کہ روزنامچہ بدکاروں کا جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں سجین میں ہے۔ سجین سے وہ واقف نہ تھے اس لیے آپ ہی فرماتا ہے وما ادراک ما سجین کہ اے مخاطب! تو کیا جانے کیا ہے سجین؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کتاب مرقوم وہ کہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے یعنی وہاں ایک دفتر ہے جس میں مجرموں کے نام ونشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔

سجین وعلیین کا بیان | سجین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قید خانہ۔ اس قید خانہ کی کہ جہاں مرنے کے بعد ارواح جاتی ہیں۔ احادیث واقوالِ صحابہ وتابعین میں یوں تشریح آئی ہے کہ وہ جہنم کا طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے تلے ہے یعنی عالمِ بالا یا علوی کے برخلاف عالمِ سفلی میں جو تنگ وتاریک اور پرحزن جگہ ہے جہاں درد وغم کے سوا اور کچھ نہیں جہاں طرح طرح کی تکالیف اور آگ کی لپٹیں اور سانپ اور بچھو ہیں۔ امام احمد نے براء بن عازب سے اور امام احمد ونسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسنادِ مختلف اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کی سند میں الفاظ ومطالب میں کمی بیشی ہے مگر سب کا قدرِ مشترک یہ مضمون ہے کہ جب ایماندار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آبیٹھتے ہیں اور اس کے قریب ہوکر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت ومغفرت اور باغ وبہار اور عیشِ دلپسند کی طرف۔ تب اس کی روح فرحت ونشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کی طرف جاتے ہیں۔ رستے میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تب وہ ملائکہ جو لیے جارہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت وصفائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو دوسرے تک کسی کو ساتویں تک پھر وہیں اس کو اپنے رب سے پیشی ہوتی ہے اور تجلی ہوکر شرفِ ہمکلامی حاصل ہوتا ہے۔ تب حکم ہوتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو یعنی علیین جو عالمِ بالا میں ایک فرحت بخش جگہ ہے اور جہاں اور ایمانداروں کی روحیں رہتی ہیں اور وہاں عیش اور بہار ایسی ہے کہ جس کا بیان ممکن نہیں۔ وہاں یہی رہے اور وہاں جو ایک دفتر ہے جس میں وہاں کے رہنے والوں کے نام ہیں اس کا نام بھی وہیں درج کرو۔ تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں اس سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے واپس آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے بھی زیادہ ان کو خوشی ہوتی ہے۔ تب وہاں کے لوگ اپنے دنیاوی اقارب کا حال دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے وہ تو مرگیا' کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتے ہیں افسوس وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔ اور اگر کافر ومنافق ہے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے سامنے ہیبت ناک اشکال کے فرشتے آتے ہیں جن کے چہروں سے غضب کے آثار دیکھنے والے کے زہرہ کو پانی پانی کیے دیتے ہیں جہاں تک اس کی نظر آتی ہے وہی بیٹھے نظر آتے ہیں۔ تب وہ کہتے ہیں اے

روحِ خبیث! اس ناپاک بدن سے نکل اور اپنی سزا اور عذاب کی جگہ چل۔ تب وہ اس کو کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس سے بدبو آتی ہے۔ جس جگہ سے لے کر گزرتے ہیں وہاں کے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون روح خبیث ہے؟ تب وہ کہتے ہیں فلاں بن فلاں برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے آسمان تک لے کر آتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر اوپر چڑھنے کے لیے دروازہ نہیں کھلتا۔ اس مقام پر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی لاتفتح لهم ابواب السماء ولا يدخلون الجنة حتىٰ يلج الجمل في سم الخياط کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گزر جاوے تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام سجین میں لکھو۔ سب سے نیچے زمین میں تب اس کی روح اوپر سے نیچے پھینک دی جاتی ہے اور اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ومن يشرك بالله فكانما خر من السماء الآیہ کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ یہ تب سجین میں اس کو طرح طرح سے عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد روح کو خبر رہتی ہے اور اسی کو عذاب وثواب ہوتا ہے جسم یہاں پڑا رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجین مجرموں کا قید خانہ عالمِ پستی میں ہے اور وہاں نام لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہاں دفتر رہتا ہے جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لیے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا نام اس میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس سجین کو دفتر کی جگہ بھی کہنا نامناسب نہیں اور ہے دراصل قید خانہ اور علیین جس کا ذکر اگلی آیتوں میں آتا ہے۔ عالمِ بالا میں ایک پُر فزا اور فرحت کی جگہ ہے۔ قیامت تک بد سجین میں پھر جہنم میں اور نیک علیین میں اور پھر جنت میں رہیں گے اور سجین جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے جیسا کہ علیین جنت کا ابتدائی مقام ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سجین اور علیین کا کچھ حال بیان فرمایا ہے چنانچہ انجیل لوقا کے سولہویں باب میں حضرت کا یہ قول منقول ہے۔ ۱۹ ایک دولتمند تھا جو لال اور مہین کپڑے پہنتا تھا اور روز روز شان وشوکت سے عیش کرتا تھا (۲۰) اور لعزر نام ایک غریب آدمی جو ناسور سے بھرا تھا جس کو اس کی ڈیوڑھی پر ڈال جاتے تھے۔ ۲۱ اور وہ آرزو رکھتا تھا کہ ان ٹکڑوں سے جو دولتمند کی میز سے گرتے تھے اپنا پیٹ بھرے بلکہ کتے آکے اس کے گھاؤ چاٹتے تھے۔ ۲۲۔ اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مرگیا اور فرشتوں نے اسے لے جا کر ابراہیم کی گود میں رکھا (کس لیے کہ عالمِ روحانی میں ارواح ان کے ظلِ عاطفت میں رہتی ہیں۔ یہ کام ان کے سپرد ہے) اور دولتمند بھی مرگیا اور گاڑا گیا۔ ۲۳ اس نے دوزخ۔ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزر کو اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی میں بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں ۲۵ تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور لعزر بری چیزیں سو وہ تسلی پاتا ہے اور تو تڑپتا ہے۔ ۲۶ اور ان سب کے سوا ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے کہ ایسا کہ وے جو یہاں سے تمہارے پاس جایا چاہیں نہ جاسکیں اور نہ وے لوگ جو وہاں ہیں اس پار ہمارے پاس آسکیں۔ ۲۷ تب اس نے کہا اے باپ تیری منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج۔ ۲۸ کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تا کہ ان پر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کے جگہ میں آویں۔ ۲۹ ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰ اور انبیاء ہیں چاہیے کہ وہ ان کی سنیں۔ ۳۰ اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیم پر اگر کوئی مردوں میں سے ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ۳۱ اس نے اسے کہا کہ جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنتے ہیں تو مردوں میں سے اگر کوئی اٹھ کر جاوے تو اس کی کب سنیں گے۔

یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ مرنے کے بعد عذاب وثواب ہوتا ہے اور بد طرح طرح کا عذاب پاتے ہیں اور نیک راحت اور اسی کو شرع محمدی میں قبر کا عذاب وثواب کہتے ہیں (۲) یہ کہ نیکوں کا مقام بالاتر ہے جہاں دور سے ابراہیم کو دیکھا اور ان کے پاس لعزر کو بھی اور اسی کو شرع محمدی میں علیین کہتے ہیں اور بدوں کا مقام پستی میں ہے جہاں گڑھا حائل ہے۔ اس کو سجین کہتے ہیں جس قید

خانہ سے نکلنا مشکل ہو (۳) مرنے کے بعد دنیا کی باتیں اور اپنے اقارب کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور سب کو جانتا ہے (۴) مرنے کے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں ان کی حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی خبر دی ہے جو مردے کے زندہ ہو کر دنیا میں جا کر خبر دینے سے زیادہ معتبر ہے۔ (۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام روحانی باپ ہیں اس لیے اسلامی ان پر بھی نماز میں درود بھیجتے ہیں۔ فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اس روز (یعنی جس روز کہ بدکار اور منکر سجین میں داخل ہوں گے اور وہ دن بہت دور نہیں صرف مرنے کی دیر ہے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو الہامی باتوں کو آج دنیا میں جھٹلاتے ہیں۔ بعض تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں آپ ہی چیزیں پیدا ہوتی ہیں' آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا صرف ایک وہمی بات ہے جو مدتوں سے کانوں میں پڑی چلی آئی ہے۔ یہ ملحد آج کل فرنگستان میں بہت ہیں۔ محسوسات کے چند علوم نے جن کی غلطیاں روز بروز نکلتی جاتی ہیں ان کو تاریک گڑھے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر ان میں کچھ طبعی ہیں جن کو نیچری کہنا چاہیے اور کچھ دہری اور مادی ہیں اور کچھ خیالی ہیں کہ سب باتوں کو توہمات و خیالات ہی کہتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کو تو نہیں جھٹلاتے اس کے قائل ہیں مگر پھر اس کی صفاتِ توحید و تنزیہ و قدرت کے منکر ہیں۔ پھر کسی نے مخلوقات میں سے اس کے وسائل قرار دے کر شریک بنا رکھے ہیں جیسا کہ مشرکینِ عرب و مشرکین ہند' فرقہ مجوس پھر کسی نے خدا تعالیٰ کو ممکنات پر قیاس کر کے اس کی ذاتِ مقدسہ کے حصے کر ڈالے ہیں جن کو اقانیم کہتے ہیں باپ' بیٹا' روح القدس۔ پھر اس کے توجیہ میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں۔ کہیں ریاضات سے اور مثلث اور شکل سے ثابت کرتے ہیں۔ بعض کرسٹان جو کچھ مسلمانوں کے علوم سے واقف ہیں۔ سمجھے بوجھے اس کو تعینات اور تنزلات کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور صوفیہ کرام کے اقوال و اشعار سے عامہ کو دھوکا دینے کے لیے سندیں لایا کرتے ہیں حالانکہ نہ تعینات کو سمجھے نہ تنزلات سے واقف نہ مصطلحاتِ صوفیہ کرام سے آگاہی مگر یوروپین پادری ان کی اس موشگافی سے جو محققینِ اہلِ اسلام کے نزدیک قابلِ تمسخر ہے ان کی خوب قدردانی کرتے ہیں اور بعض نے جملہ اصول[1] عالم حسی کو قدیم مانا ہے اور ان کے پیدا اور فنا کرنے سے اس کو عاجز سمجھتے ہیں جیسا کہ آج کل فرقہ آریہ بعض نے حضرات انبیاء کو جھٹلایا وہ کسی نبی کو بھی نہیں مانتے نہ نبوت کی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں جیسا کہ فرقہ آریہ اور برہمو اور بعض انبیاء کو تو مانتے ہیں لیکن خاص خاص کو نہیں مانتے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ سب مکذبین ہیں اور ان کے سوا آیاتِ قدرت کے منکر بھی مکذبین ہیں جو ہر روز دنیا میں اس کی قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں پر نہیں مانتے اور قیامت اور جزاء و سزا کے منکر تو مکذبین میں سے بہت ہی بڑے مکذبین ہیں۔ کس لیے کہ دل کھول کر بدکاری کرنے کا یہ عمدہ ذریعہ ہے اس لیے بالخصوص مکذبین میں سے اسی گروہ کا ذکر کرتا ہے فقال الذین یکذبون بیوم الدین وہ مکذبین جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں اس کو نہیں مانتے اس لیے دل کھول کر بدکاری کرتے ہیں۔ اس مضمون کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وما یکذب بہ الا کل معتد اثیم کہ روزِ جزا کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا اور بدکار ہے۔ اس کی یہ سرکشی اور بدکاری روزِ جزا کے خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتی۔ جیسا کہ عرب کے بت پرست تھے اور اب یورپ کے عیش پسند حرام کار بدکار لوگ ہیں۔ اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں بالخصوص وہ کہ جن میں جزا کا حال ہے تو سن کر ٹھٹھوں میں اڑاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ پہلی کہانیاں ہیں یوں ہی کہتے چلے آئے ہیں کس نے دیکھا ہے۔ آج کل تعلیمِ انگریزی کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ ابتداء ہی سے جوان ملحدوں کے خیالات ان کے دل پر نقش کئے جاتے ہیں اور کسی قدر علومِ جدیدہ کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں تو وہ الہامی باتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جزاء و سزا کے قائل نہیں رہتے۔ پھر تو خوب مے نوشی اور زناکاری کرتے ہیں۔ پاک' ناپاک حلال و حرام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ خرابی کی شرح نہیں کی کس لیے کئی جگہ ہو چکی ہے۔ آگ'

---

[1] عالمِ حسی کے اصول یا علویات ہیں کواکب و سماوات یا سفلی ہیں عناصر۔ ۱۲ منہ

سانپ بچھو درد وغم لو پیاس وغیرہ۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ؕ

نہیں نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ضرور وہ اس دن اپنے رب کے سامنے آنے نہیں پائیں گے۔ پھر وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

ترکیب | کلا روع وزجر للمعتدی الاثیم وقال الحسن بمعنی حقا ما کانوا یکسبون والعائد محذوف ای یکسبونہ والجملۃ فاعل ران رین ریم و زنگ گرفتن ومنہ قولہ تعالیٰ بل ران الخ ای غلب وقیل ہو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب (صراح) لمحجوبون خبر ان عن ربہم متعلق بہ یومئذ ظرف لہ ثم انہم ثم لتراخی الرتبۃ ہذا الذی الخ الجملۃ مفعول مالم یسمی فاعلہ لیقال۔

تفسیر | ان حد سے بڑھنے والے گنہگاروں کے خیال کو باطل کرتا ہے۔ بقولہ کلا کہ جو تم سمجھے ہوئے ہو وہ ہرگز نہیں پھر ان کے اس انکار اور آیات کو پہلوں کی کہانیاں کہنے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال بل ران علیٰ قلوبھم ما کانو یکسبون کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا زنگ چڑھ گیا ہے جس لیے وہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔ فائدہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ استغفار کر لیا تو صاف ہو گیا اور اگر اور گناہ کیا تو وہ نقطہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہی وہ رین ہے کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) پھر گناہ کرتے کرتے جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کوئی حق بات اس میں نہیں آتی پھر اگر اس سے بھی بڑھ گیا تو دل پر ایک حجاب ہو جاتا ہے جس کو مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر قفل کا مرتبہ ہے۔ اس دل میں صلاحیت ہی نہیں رہی کہ کوئی اس کو صاف کر دے گویا مر گیا پہلے تو بیمار ہی تھا اس سے یہ مراد نہیں کہ مضغۂ گوشت پر کوئی سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے سب کو سیاہ کر ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ چیرنے کے بعد وہ سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ کس لیے کہ قلب سے مراد شرع میں وہ انسان کی روحانی قوت ہے جو ادراک کرتی ہے۔ گناہ کرنے سے اس پر تاریکی آجاتی ہے اور آخر اس تاریکی کا ایک حجاب بن جاتا ہے جو اس کو انوارِ الٰہیہ کی تجلی سے مرنے کے بعد دیدار سے محروم کرتا ہے۔ کما قال کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون کہ بے شک یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روکے جاویں گے حجاب یعنی پردہ حائل ہو جاوے گا دیدار کے شرف سے محروم ہوں گے[1]۔

پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ثم انھم لصالوا الجحیم ان کو جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اسی کے لائق تھے۔ ثم یقال ہذا الذی کنتم بہ تکذبون پھر ان کو شرمندہ کرنے کے لیے کہا جاوے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب تو یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔

جس طرح پہلی آیات میں اشقیاء کا وہ حال بیان ہوا تھا جو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک ہوگا یعنی عالم برزخ کا۔ اسی طرح ان آیات میں عالمِ حشر اور اس کے بعد کا حال بیان فرما دیا اور اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان کرتا ہے اور بدوں کا حال پہلے اس لیے

[1] محجوبون کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ شرمندہ ہوں گے شرمسار کو محاورہ عرب میں محجوب کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بیان فرمایا کہ اس سے پہلے کم تولنے وغیرہ جرائم کا ذکر تھا۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

بے شک نیکوں کا روز نامچہ علیین میں ہے اور تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے ایک کتاب ہے (نشانی کی ہوئی) کہ جس کو (ملائکہ) مقرب دیکھا کرتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے نظارہ کیا کریں گے اے مخاطب تجھے ان کے چہروں پر عیش کی تازگی دکھلائی دے گی اور ان کو شراب خالص پلائی جاوے گی جس پر مشک سے مہر لگی ہوگی اور للچانے والوں کو للچانا تو اسی پر چاہیے اور اس شراب میں تسنیم کی بھی آمیزش ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جسے مقرب پیا کرتے ہیں۔

ترکیب: کلا الخ جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار۔ علیین قال ابوالفتح الموصلی جمع علی ھو فعیل من العلو وقال الفراء والزجاج جمع واعرابہ کاعراب الجمع رفعا ونصبا وجرا ولکن لا واحد لہ من لفظہ نحو ثلاثین وقنسرین والمراد بہ المقام الاعلیٰ فقیل علی السماء السابعۃ وھناک تجمع ارواح الابرار یشھد صفۃ اخریٰ الکتاب ای یحضرون ذلک الکتاب ویحفظونہ وقیل یرون مافیہ فعلی الاول من الشھود وعلی الثانی من الشھادۃ ینظرون حال ویجوزان یکون مستانفا وعلی یتعلق بہ والارائک جمع اریکۃ وھی السریر فی حجلۃ والحجلۃ بیت مربع من الثیاب الفاخرۃ ترخی علی السریر ویقال فی الھندیۃ (چھپر کھٹ ومسہری) تعرف الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار وکذا یسقون قال المبرد والزجاج الرحیق من الخمر مالاغش فیہ وفی الصحاح الرحیق صفوۃ الخمر مختوم صفۃ لرحیق ختامہ مسک صفۃ اخریٰ التنافس شدۃ الحرص ومزاجہ معطوف علی ختامہ مسک صفۃ اخری من تسنیم ھو شراب ینصب من علو والتسنیم فی اللغۃ الارتفاع ومنہ سنام البعیر لعلوہ من بدنہ ومنہ تسنیم القبور فھی عین تجری من علو الی اسفل وقال ابن مسعود عین فی الجنۃ تمزج للابرار ویشرب بھا المقربون کما فسرہ اللہ تعالیٰ بقولہ عینا الخ وفی نصب عینا وجوہ الاول انہ علی المدح والثانی انہ علی الحال وانما جاز کونھا حالا مع انھا جامدۃ غیر مشتقۃ لاتصافھا بقولہ یشرب بھا وقال الاخفش منصوبۃ بیسقون وقال الفراء بتسنیم والباء فی بھا زائدۃ او بمعنی من۔

تفسیر: فقال کلا کہ جیسا تم سمجھے ہوئے ہو کہ نیکوں کی نیکی بیکار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں یا یوں کہو کہ بے شک وشبہ ان کتاب الابرار لفی علیین ابرار کا روز نامچہ کہ جہاں ان کے کام اور نام لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہے پھر جس کا اس دفتر میں نام ہے وہ محو نہیں ہو سکتا نہ وہ مرنے کے بعد اکرام واعزاز سے محروم رہتا ہے۔

ع ثبت ست برجریدہ عالم دوامِ ما

وہ جریدہ بقا ہے ان کے لیے حیاتِ جاودانی اور ابدی عیش وکامرانی میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ علیین پر آگاہی ان کے افہامِ ناقصہ کو نصیب نہیں اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما علیون کہ اے انسان! تو کیا جانے کیا ہے علیین؟ کس لیے کہ انسان محسوسات کا ادراک کرتا ہے اور جس سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک یا ترتیب معقولات سے بطور

نظر وفکر کے کرتا ہے سو اس میں سینکڑوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اسی لیے عقلاء کا ایسے امور میں اختلاف ہوا ہے پھر اگر ادراک صحیح ہے تو کشف وشہود سے ہے اور اس میں کامل حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے۔ پھر جو کوئی ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو وحی کا اتباع لازم ہے۔ اس لیے بذریعہ وحی آپ ہی بتاتا ہے کتاب مرقوم کہ وہ ایک بالاتر اور عالمِ قدس کی عمدہ جگہ ہے جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام ہیں اور وہ مقام چونکہ بہت بلند ہے وہاں نیکوں میں سے بھی ہر ایک نہیں پہنچتا بلکہ یشھدہ المقربون وہاں مقربین حضرت انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام ہی پہنچتے ہیں۔ عام مومنین وصلحاءِ امت اس کے نیچے اپنے درجات کے موافق عالمِ قدس کے اور مقامات میں ہوتے ہیں مگر نام ان کے اس بلند دفتر میں درج ہوتے ہیں کہ ترقی کر کے وہاں تک پہنچنے کی ان کے لیے امیدواری ہے۔ یہ تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ جملہ یشھدہ المقربون کو علیین کی صفت قرار دیا جاوے اور بسبب مقام ہونے کے ضمیر مفرد اس کی طرف پھرائی جائے اور اگر کتاب مرقوم کی صفت مانا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ اس دفتر تک ہر ایک کی رسائی نہیں بلکہ ملائکہ مقربین کی کہ وہی اس دفتر کے محافظ اور کارپرداز ہیں۔ یہاں تک عالمِ برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے۔ نفخ صور سے پہلے تک اور اس کے بعد کا حال آیندہ آیات میں بیان فرماتا ہے۔

فائدہ: اکثر سورتوں میں نیک بندوں کو دو جماعت میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اصحاب الیمین اور ان سے بڑھ کر السابقون اور پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سابقین اور مقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ پہلی جماعت میں صلحاء وشہداءِ امت داخل ہیں اور دوسری میں حضرات انبیاء و اولیاء جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اچھے لوگوں کو انہیں چار قسموں میں داخل کیا ہے من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین الآیہ۔ اب بتلا دیا گیا کہ مرنے کے بعد ابرار کا نام علیین میں ہے وہ خاص علیین میں یا اس کے متعلق کسی بلند جگہ میں رہیں گے اور مقربین علیین میں۔

فائدہ: علیین اور سجین کی تصویر عرفاء نے یوں کھینچی ہے کہ نوعِ انسانی کا بحسب وسعتِ معرفت اور اس کی تنگی کے اور باعتبارِ تہذیب لطائف وتحصیلِ انوارِ ملکیہ اور ان کے تکدر اور ظلماتِ بہیمیہ وسبعیہ کے بڑا وسیع میدان ہے جس کو ایک وسیع دائرہ خیال کرنا چاہیے کہ جس کا مرکز ادنیٰ مرتبہ انسانیت کا ہے جو بہت ہی فروتر مرتبہ ہے اور محیط اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور جب عالمِ غیب میں اس شکلِ متخیل نے ایک صورت پیدا کی ہے تو اس کے مرکز کا نام سجین اور محیط کا علیین نام ہو گیا اور یہ ثابت ہے کہ جس قدر دائرے مرکز کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی چھوٹے ہوں گے درجہ بدرجہ اور جو دوائر محیط کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی بڑے ہوں گے درجہ بدرجہ۔ اس لیے انسانیتِ فجار کے مراتب درجہ بدرجہ قریب مرکز کے ہیں یہاں تک کہ بعض تو محض مرکز ہی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانیتِ ابرار کے مراتب ترقی کرتے ہوئے درجہ بدرجہ قریب محیط کے ہوتے ہیں اور وسعت وفراخی میں ایک دوسرے سے زائد یہاں تک کہ نوبت اعلیٰ علیین تک پہنچ جاتی ہے۔ اعلیٰ علیین جس کو رفیقِ اعلیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے خاص مقربین کا مقام ہے اور ابرار ان کے طفیل سے اس مقام پر عبور کرتے ہیں لیکن ان کا مشہد یعنی ٹھہرنے کی جگہ وہ نہیں اور یہ عبورِ روحانی بعد مفارقتِ جسم کے روح کو حاصل ہوتا ہے کہ مقربین کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں لے جاتے ہیں اور ابرار ان کے قریب جگہ پاتے ہیں اور فجار سجین میں لائے جاتے ہیں اور اسی لیے سجین کو بطور استعارہ کے زمین کے طبقۂ سفلی اور علیین کو ساتویں آسمان پر بیان کیا گیا۔ محیط اور مرکز کے لحاظ سے۔

اس کے بعد وہ حالات بیان فرماتا ہے جو حشر میں ابرار کو پیش آویں گے فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بے شک ابرار یعنی نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے جنتی نعمتیں کہ ان کو انسان کا دل چاہے عمدہ مکان، باغ وانہار، نفیس کپڑے، حور، غلمان، سواری اور خادمانِ پری

رواور کھانے کی دل پسند چیزیں اور فرحت وسرورِ جاودانی کے وہ سب سامان وہاں موجود ہوں گے جن کو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کے کان نے سنا' نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ لفظ نعیم سب کو شامل ہے مگر اس کے سوا ان کو بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھایا جاوے گا جیسا کہ فرمایا ہے علی الارائك ینظرون کہ تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے اور وہ تخت ایسے معمولی تخت نہ ہوں گے بلکہ سایہ دار جو بیش بہا جواہرات اور بیش بہا کپڑوں اطلس ودیبا وغیرہ سے مزین ہوں گے کہ ان کو کوئی نہ دیکھے اور اس میں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے اسی لیے ینظرون کا مفعول حذف کر دیا کہ تعمیم سمجھی جاوے۔ جنت کے سب تماشے اور عیش ونشاط کے سامان بھی دیکھیں گے اور دوزخیوں کی حالت زبوں کا بھی ملاحظہ کریں گے مگر تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ان کو ان کی یہ حالتِ زار دیکھنے سے کچھ ملال اور پریشانی نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی دوست اور قرابت دار کافر ومشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جاوے گا اور ان کے عیش ونشاط میں ان کے برے حال کے دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمت کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگاویں گے۔ فائدہ: عرفاء فرماتے ہیں کہ ارائك جس کا ذکر قرآن مجید میں جابجا آیا ہے وہ اہل اللہ کے مخفی حالات ومقامات ہیں اور ان کی رات میں لوگوں سے چھپ کر تہجد ودعا واستغفار وتسبیح وتہلیل ہے اور ان کے دلوں کا وہ سوز وگداز ہے جو لوگوں سے مخفی تھا اور ان کی وہ محبتِ الٰہی ہے جو کسی کو نظر نہ آتی تھی۔ آج وہ ارائک کی شکل میں جلوہ گر ہوگی اور ان کے چہروں کی وہ پژمردگی جو دنیا میں محبتِ الٰہی اور فاقہ کشی اور غربت وفقر سے تھی آج تازگی بن جاوے گی اور اس نظارہ کا لطف زیادہ کرنے کے لیے یسقون من رحیق ان کو شرابِ خالص بھی پلائی جاوے گی کہ نہ جس میں تلخی ہوگی' نہ بدبو' نہ بعد میں خمار و دردِ سر' نہ بے ہوشی' نہ بدحواسی جو تمام لطف کو درہم برہم کر دے بلکہ وہ ایک شراب ہوگی جو ان باتوں سے خالص ہوگی اور اس سے ایک سرور پیدا ہوگا اور وہ ایسی متبذل شراب نہ ہوگی کہ جس تک ہر ایک کا ہاتھ پہنچتا ہو بلکہ اس پر مہر لگی ہوگی نہ دنیا کی شرابوں کی طرح کہ جن پر مٹی یا لاکھ کی مہر ہوتی ہے بلکہ ختامہ مسک اس کی مہر مشک سے ہوگی جس کی خوشبو اس میں سرایت کر جاوے گی اور فرحت وسرور بڑھاوے گی اور نیز مشک ایک مناسب گرمی بھی پیدا کرے گا جو ہضم بڑھاتا ہے۔

بعض مفسرین ختامہ سے مراد تمامی لیتے ہیں کہ پینے کے بعد مشک سے ان کے منہ خوشبودار کئے جاویں گے۔ جیسا کہ کھانا کھانے اور شراب پینے کے بعد پان یا الائچی کھاتے ہیں اور یہ اس کا اختتام ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں بعد میں ایسی خوشبودار فرحت خیز چیز دی جاوے گی جس کو مشک سے تشبیہ ہے۔ واضح ہو کہ یہاں تک ابرار اصحاب الیمین کے نعماء بیان ہوئے ہیں کہ جو تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ شرابِ رحیق پئیں گے۔ یہ شرابِ رحیق وہ محبتِ خالص ہے جو دنیا میں شرک وبدی کا ملاؤ نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے جنت میں وہ شراب خالص بن کر ان کے رگ وریشہ میں سرایت کرے گی۔ مگر یہ شرابِ رحیق تسنیم سے جو خاص مقربین کا حصہ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے کم مرتبہ ہے۔ اس لیے اس رحیق میں کبھی کبھی اس تسنیم سے کچھ ملا دیا جاوے گا جیسا کہ دنیا میں شراب میں گلاب وغیرہ چیزیں ملا کر پیتے ہیں اور کم اس لیے کہ رحیق وہ فرحت وشادمانی ہے جو موجوداتِ عالمِ علوی کے ملاحظہ سے ہوگی جیسا کہ دنیا میں یہ جماعتِ ابرار مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کو پہچانتے تھے اور ہر ایک آیتِ قدرت کو اس کے جمال کا آئینہ سمجھ کر شادمانی کرتے تھے۔ اسی طرح اس جہان میں ان کو ایک شراب خالص پلائی جائے گی کہ جو وہاں کے عجائب موجودات کو ملاحظہ کر کے ان میں اس کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ کریں گے اور نہایت شادمانی ہوگی۔ بخلاف تسنیم کے کہ وہ خاص ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لیے ہے بغیر اس کے کہ موجودات کے آئینوں میں جھلکی دکھائی جاوے گی۔ اس لیے اس شراب میں سے بھی کبھی ان کو حصہ ملے گا کہ یہ بھی ذاتِ پاک کا مشاہدہ کریں گے اس کے بعد فرماتا ہے وفی ذلك فلیتنا فس المتنافسون اور چاہیے کہ للچانے والے اس پر للچائیں اور اسی کی آرزو اور خواہش کریں نہ کہ دنیا کی نعمتوں کی جو کدورت سے خالی نہیں اور

اس پر بھی ان کو دوام و بقا نہیں جوانی بادِ صبا کی طرح ایک دم کے لیے آئی اور چلی گئی پھر جب جوانی نہیں تو اور نعمتوں کا کیا مزہ باقی رہا۔ پھر دنیا کی شراب کی کیا رغبت کرنی چاہیے جو بدمزہ اور بدبودار اور مزیلِ عقل و حواس اور مورثِ دردسر وخمار ہے اور کم تولنے یا حقوق العباد تلف کرنے میں بے حقیقت چیزوں پر کیا رُ سمجھنا اور عاقبت برباد کرنا چاہیے یہاں کا مال و زر کیسا اور یہاں کے اسباب عیش و نشاط ہی کیا ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں پر ریجھ کر عقبیٰ برباد کرتے ہو رغبت رکھنے کی چیز تو آخرت کی یہ نعمتیں ہیں۔

اس کے بعد کچھ حال مقربین کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ انہیں ابرار کے ضمن میں تا کہ معلوم ہو جاوے کہ جب مقربین کے روز کے پینے کی چیز کبھی کبھی ان ابرار کی شرکت میں مزید لطف واکرام واعزاز کے لیے لائی جاتی ہے اور یہ ابرار ان نعمتوں میں ہیں تو پھر مقربین کا تو ان سے مرتبہ بڑھ کر ہے۔ ان کے نعیم کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے ومزاجہ من تسنیم کہ اس رحیق کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی تسنیم اس میں ملائی جاوے گی۔ تسنیم کے لغوی معنی بلندی کے ہیں اور اونٹ کے کوہان کو اسی لیے سنام کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے۔ اس لغوی معنی کے لحاظ سے تسنیم کے باب میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) یہ کہ وہ اونچے سے نیچے کو گرتا ہوا چشمہ ہے۔ ایسا چشمہ بہ نسبت اس کے کہ ہموار زمین میں بہتا ہو۔ نہایت صاف اور پرلطف ہوتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ہوا میں بہتا ہے۔ اس بلندی و ارتفاع سے اس کی لطافت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی ہوگی۔ (۳) یہ کہ وہ بلند قدر عالی مرتبہ چیز ہے اس لیے اس کو تسنیم کہتے ہیں اور اسی لیے عکرمہ کہتے ہیں تسنیم کے معنی تشریف کے ہیں یعنی عالی قدر بلند مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہ و حسن بصری فرماتے ہیں۔ اس کی حقیقت سے بجز پروردگار کے کوئی واقف نہیں وہ ایک نہایت عمدہ اور بے بہا چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ کا اسی قدر بیان کافی ہے۔ عینا یشرب بھا المقربون کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقربین پیا کرتے ہیں اور ابرار کو اس میں سے ملا کر دیا کرتے ہیں۔ اس سے ابرار کی شان بھی معلوم ہوئی کہ پلائی تو ان کو رحیق جاتی ہے مگر اس میں اور لطف بڑھانے کے لیے تسنیم ملا دیتے ہیں اور مقربون کا بھی حال معلوم ہوا کہ وہ خاص اسی تسنیم کو پیا کرتے ہیں جو ایسی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ جس میں سے کچھ ابرار کی شراب میں ملائی جاتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾
وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾
وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى
الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ ع

یقیناً نافرمان (دنیا میں) ایمانداروں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے نکلتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھر لوٹ کر جاتے تو ہنستے ہوئے جاتے تھے اور جب ایمانداروں کو دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے بے شک یہی گمراہ ہیں حالانکہ یہ ان پر نگہبان بھی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ پھر آج تو ایماندار کافروں سے ہنسی کر رہے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں اب تو کافروں نے اپنے کیے کا بدلہ پایا۔

ترکیب ؛ الذین مع صلتہ اسم ان۔ کانوا اسم کان ضمیر متصل یضحکون خبرھا من الذین امنوا متعلق بیضحکون ای یستھزؤن منھم فالجملۃ کانوا الخ خبر ان واذا مروا ای المسلمون بھم بالکفار وھم فی مجالسھم یتغامزون الکفار من الغمز وھو الاشارۃ بالجفون والحواجب واذا انقلبوا ای الکفار شرط انقلبوا جواب اذا فکھین حال منہ قرء عاصم فی روایۃ حفص عنہ فکھین بغیر الف فی ھذا الموضع وحدہ وقراء الباقون

فاکھین بالالف فقیل معنا ھما واحد وقیل ان الفکہ الاشر البطر والفاکہ الناعم المتنعم واذا شرطیۃ والی الکفار ھم للمسلمین قالوا جواب الشرط وما ارسلوا الجملۃ حال من فاعل قالوا فالیوم منصوب بیضحکون و فاعلہ الذین آمنوا وتقدیم الفاعل للتخصیص اولرعایۃ لفواصل علی الارائك ینظرون الجملۃ حال من یضحکون ای یضحکون منھم ناظرین الیھم والی احوالھم ھل ثوب الجملۃ مستانفۃ وقیل فی محل نصب بینظرون وقیل ھی علی اضمار القول ای یقول بعض المؤمنین لبعض قرء حمزۃ والکسائی وابو عمرو بادغام لام ھل فی ثاء ثوب والباقون بترک الادغام۔

تفسیر | فرمایا تھا کہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت کرنی چاہیے اور یہی رغبت کرنے کے قابل چیز بھی ہے۔ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا پر رغبت کرتا ہے اور یہاں تک فریفتہ ہوتا ہے کہ دارِ آخرت پر رغبت کرنا تو کجا سرے سے اس کا انکار ہی کر بیٹھتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ جو دارِ آخرت پر یقین کر کے وہاں کے لیے تیاری کرتا ہے تو اپنے مشرب کے خلاف سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے اور ایذا دینے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اس کو برا بھلا بھی کہتا ہے۔ پھر ان برے افعال کا بدلہ پاتا ہے۔ خدائے عادل (جو میزانِ عدل ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور دنیا میں بھی ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کمی کرنے والوں کی خرابی بیان فرماتا ہے) قیامت کے دن ان دنیا کے فریفتہ لوگوں کو اسی ترازو سے تول کر اور اس پیمانہ سے ماپ کر دے گا جس سے انہوں نے خدا پرستوں کو تول کر اور ماپ کر دیا تھا یعنی ایماندار آخرت پر رغبت کرنے والے اس روز اس اپنی کامیابی پر خوش ہوں گے ان احمقوں پر ہنسیں گے۔

ان مطالب کی ان آیات میں تصویر کھینچی جاتی ہے تاکہ دنیا سے نفرت اور دارِ آخرت سے رغبت ہو۔ فقال ان الذین الخ کہ وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا ہے (دارِ آخرت سے بے خبری اور نفرتِ دنیا کی رغبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) اسی لیے حدیث میں آیا ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور اس جرم میں یہاں تک دلیر ہوئے ہیں کہ جو خدا کے مجرم نہیں بلکہ مطیع ہیں ان پر ٹھٹھے کیا کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک فعلِ بد ہے یا تھا۔ اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے۔ اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروتِ انسانی سے بعید ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے۔ یہ بھی سخت عیب ہے۔ سوم جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ مجھ سے بھی کوئی بالا دست ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا دے۔ ایسا کور باطن حوادثِ دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ باطن کی کوری ہے اور خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہوگا اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا ہنسا جائے گا۔

دوسرا فعلِ بد: ان کا یہ تھا کہ اذا مروابھم یتغامزون کہ جب وہ دیندار ان کے پاس سے گزرتے تو تحقیر کے لیے آنکھوں کے اشارے کرتے۔ یہ بھی ایک بڑی کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن وطنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں بھنویں مارا کرتے ہیں۔ منہ بنا کے اشارے کیا کرتے ہیں۔ سو وہ دنیا پرست ان خدا پرستوں کے ساتھ یہ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض ان دونوں فعلوں سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کے ظاہر حالِ شکستہ پر اپنی ثروت و دولت و اقبال کے زور میں ہنستے' آنکھیں مارتے تھے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث' حوروں کے شوہر۔ جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا نہ ہوگی اور ہم پر فضل ہے ایسے عزت والے ہیں ہم کو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا اور اگر وہاں کچھ ہے ورنہ خالی ڈر کے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ اس عالم کا معاملہ یہاں تک برعکس ہے۔

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الا اخبرکم باہل الجنۃ کل ضعیف متضعف لواقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ مستکبر متفق علیہ کہ میں تمہیں اہلِ جنت بتلا دوں۔ ہر ایک ضعیف بے کس اگر خدا پر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کو پورا ہی کر دے اور دوزخی بتلاؤں ہر ایک سخت کٹر متکبر آخرت کے مستحق وہی ہیں جو دنیا میں مسکین کمزور عاجز متواضع خدا پرست ہیں

کہ ساکنان در دوست خاکسا رانند

تیسرا فعلِ بد: ان کا یہ تھا واذا انقلبوا الی اہلھم انقلبوا فکھین کہ باہر تو یہ کچھ کرتے ہی تھے مگر جب اپنے گھروں میں جایا کرتے تھے وہاں بھی ہنستے ایمانداروں پر دل لگیاں کیا کرتے یا یہ معنی کہ ان کو آخرت کا اندیشہ اور آنے والے مصائب کا کچھ خیال نہیں آتا تھا۔ گھروں میں رات دن اٹھکیلیاں ہی کرتے تھے۔ یہ بھی دنیا پرست کی شان ہے جس کو کبھی مرنے کا خیال نہیں آتا۔ باخدا لوگ ہمیشہ مغموم رہا کرتے ہیں۔ ان کے دلوں پر ایک اندیشہ رہتا ہے۔ بات بات پر ہنسی کیسی اہاہا اہو کیسی رنگ رلیاں کہاں کی۔ یہ مجلسیں کرنا رات دن ناچ رنگ، عیش ونشاط کے سامان بہم پہنچانا' اس جہان سے غافلوں کا ہی کام ہے اور اس کا نتیجہ حزنِ دائمی اور مصائب کا نازل ہونا ہے۔ جن گھروں پر یہ سامان تھے ہم نے وہاں خاک اڑتی دیکھی ہے۔ دردمندانِ محبتِ الٰہی کو اس کی فرصت کہاں ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
نہ چھیڑ ہمیں اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

چوتھا فعل بد: ان کا یہ تھا کہ اذا راوھم قالوا ان ھؤلاء لضالون کہ جب ان دینداروں کو دیکھتے تو کہتے یہی گمراہ ہیں دنیا کے مزے چھوڑ کر کس مصیبت میں پڑے ہیں۔ یہ سب حشر کی گفتگو ہے کہ حق سبحانہ وہاں یوں فرمائے گا کہ دنیا میں یہ ایسا ایسا کرتے تھے۔ پھر ان کی بیہودہ بات کا آپ ہی جواب دیتا ہے وما ارسلوا علیھم حافظین کہ یہ کفار ان دینداروں کے داروغہ یا فوجدار بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ان کو ان کی کیا پڑی جو ایسا کرتے ہیں اب جو قیامت میں ان کو ان افعال کی جزا ملے گی اس کو بیان فرماتا ہے فالیوم الخ کہ آج کے دن ایمانداران کفار پر تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے ہنسیں گے۔ یا یوں کہو کفار سے ہنسیں گے کہ وہ تمہارے جاہ وجلال کیا ہوئے۔ اب یہ تم سے کیا ہو رہا ہے اور تختوں پر بیٹھے بادشاہ بنے نظارہ کریں گے اور فرشتے پکار دیں گے کہ اب تو کفار نے اپنے کئے کا بدلہ پایا اوروں پر ہنستے تھے آج ان پر ہنسا جا رہا ہے کس لطف کے ساتھ دارِ آخرت کی جزاء وسزا کا نقشہ کھینچا ہے اور کس انداز سے انسان کو بری باتوں سے روکا ہے۔ ولہ الحمد۔

(سورہ انشقاق مکیہ ہے اس میں پچیس آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ① وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ② وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ③ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ④ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ⑤

جبکہ آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے اور جبکہ زمین پھیلا دی جاوے اور جو کچھ اس میں ہے اگل دے اور خالی ہو جاوے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے۔

ترکیب | اذا قیل شرطیۃ فیقدر بعدھا فعل والتقدیر اذا انشقت السماء انشقت فالسماء فاعل بفعل محذوف وقیل لیست بشرطیۃ بل ھی منصوبۃ باذکر المحذوف وھی مبتداء وخبرھا اذا الثانیۃ والواو مزیدۃ والتقدیر وقت انشقاق السماء وقت مد الارض واذنت معطوف علی انشقت ومعنی اذنت اطاعت فی الانشقاق ولم تاب ولم تمتنع بمشتق من الاذن وھو الاستماع للشیء والاصغاء الیہ واستعمال الاذن فی الاستماع کثیر فی کلام العرب وحقت الجملۃ حال من فاعل اذنت قال الضحاک ومعنی حقت حق لھا ان تطیع ربھا ای لا تمتنع ما ارادہ اللہ بھا واذا الارض مثل اذا السماء الخ ومعنی مدت بسطت وصارت قاعا وقیل زید فی سعتھا من المدد وھو الزیادۃ والقت ما فیھا من الکنوز والدفائن والاموات وطرحت الی ظھورھا فعلی تقدیر کون اذا شرطیۃ جوابھا اما محذوف تقدیرہ بعثتم وقیل مذکور فقیل ھو قولہ یا ایھا الانسان الخ وقیل قولہ فاما من الخ قالہ المبرد والکسائی وقیل فملاقیہ قالہ اخفش۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بلاخلاف مکی ہے۔ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔بخاری ومسلم وغیرہما نے ابی رافع سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں یہ سورۃ پڑھی اور بعد میں سجدۂ تلاوت کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور میں سدا ایسا کروں گا اور بھی روایاتِ صحیحہ میں اس سورہ کے اختتام پر سورہ کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب بیان ہوا ہے۔قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جن کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے۔کس لیے کہ وہاں اس کا حکم یا ذکر ہے۔اس قسم کے سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں اور چودہ سورتیں ہیں جن میں سجدۂ تلاوت ہے۔آخر اعراف‘ رعد‘ نحل‘ بنی اسرائیل‘ مریم‘ اول سجدہ حج میں‘ فرقان‘ نمل‘ الم تنزیل‘ ص‘ حم سجدہ‘ النجم‘ اذا السماء انشقت‘ اقراء ہدایہ۔مضامینِ سجدہ کے لحاظ سے علماء کا سجدۂ تلاوت میں اختلاف ہوا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تو یہی قول ہے جس کو اوپر بیان کیا۔امام شافعی اور امام احمد سورۂ حج میں اخیر سجدہ بھی مانتے ہیں اور سورہ ص میں نہیں مانتے۔

ربط | اس کا پہلی سورہ سے ظاہر ہے دونوں میں قیامت کے واقعات اور مرنے کے بعد کے حالات مذکور ہیں۔ذرا تامل سے معلوم ہوسکتا ہے۔سب سے اول یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جس میں اس جہان کا درہم برہم ہونا علمِ الٰہی میں ٹھہر چکا ہے تا کہ پھر ایک دوسرا جہاں قائم کیا جائے اور جو کچھ دنیا میں نیک و بد کیا تھا اس کی جزا اور سزا دی جاوے گی اور اس نئے جہان کی ابتداء کب سے ہے۔ آپ ہی فرماتا ہے اذا السماء انشقت جبکہ آسمان پھٹ جائے اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لیے کہ واذنت لربھا وہ اپنے رب کے حکم پر کان رکھے گا یعنی جو کچھ امرِ تکوینی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا۔فوراً آسمان پر وہی حالت طاری ہو جاوے گی جو خدائے قادر ذوالجلال چاہے گا۔وحقت اور آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کرے۔کس لیے کہ وہ ممکن ہے ہر وقت اپنے وجود اور بقاء میں اسی کا محتاج ہے اور جب ممکن اور محتاج ہے تو اس کا وجود اور عدم دونوں اس کے آگے یکساں ہیں جب چاہے نیست و نابود کر دے۔ ان آیات میں بہت سے اوہامِ باطلہ کا جن کو لوگوں نے مذہب بنا رکھا ہے ابطال کر دیا گیا۔بہت سے لوگ آسمان ہی کو انسانی سعادت و نحوست کا مالک ومختار جانتے تھے۔اسی لیے شعراء ناکامی کے وقت آسمان کو برا بھلا کہا کرتے ہیں اور بہت سی اقوام اجرامِ سماویہ کو معبود جانتے تھے۔کوئی زہرہ کو‘ کوئی آفتاب کو‘ کوئی کسی اور ستارے کو اسی خیال سے پوجتا تھا۔ان سے مدد مانگتا تھا۔فرقہ صابیہ اور اس کی شاخیں مجوس و ہنود اب تک ایسا کرتے ہیں اور عرب میں بھی یہی خیال تھا ان سب کے خیال کو باطل کر دیا کہ ایک روز آسمان پھٹ جاوے گا اور اس کے بعد ستارے بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے۔یہ سب ہماری مخلوق اور حکم کے تابعدار ہیں یعنی یہ مخلوق ہیں‘ حادث ہیں‘ فانی ہیں‘ حکم بردار ہیں۔یہ اس عالم کی چیزیں ہیں۔ایک وقتِ معہود تک باقی ہیں‘ پھر ہم ایک اس عالم سے وسیع عالم پیدا کریں گے تو ان کو نیست و نابود کر دیں گے۔

یہاں تک تو عالمِ علوی کی کیفیت بیان ہوئی اس کے بعد عالمِ سفلی کی حالت بیان فرماتا ہے۔واذا الارض مدت اور جبکہ زمین پھیلائی جاوے یا بڑھائی جاوے زمین بالفعل گول کروی الشکل ہے جب حق سبحانہ اس کو بھی نیست کرنا چاہے گا تو یہ چپٹی ہو جائے گی اس کی صورت

جو محافظ تھی اس سے چھین لی جاوے گی اور عادتاً بھی یوں ہی ہے کہ کروی چیز ٹوٹتے وقت پھیل جاتی ہے۔ یہ نفخِ صورِ اولیٰ کے وقت کا حادثہ ہے۔ جیسا کہ آسمان کا پھٹنا بھی اسی وقت کا حادثہ ہوگا اور بعد میں تو نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی کما قال یوم تبدل الارض غیر الارض والسماوات۔

اور جب زمین کی یہ حالت ہو جاوے گی تو والقت مافیها وتخلت تو جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جاوے گی اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ جب یہ درہم برہم ہوگی اور اس کی صورت وشکل بگڑ جاوے گی جس طرح کہ مرتے وقت ہر جاندار کی اور ڈھیتے وقت مکانات کی بگڑتی ہے اور اس وقت اس کے اندر جو کچھ مخفی ہے جس سے مراد خزائن و دفائنِ زر و جواہر اور مردے ہیں جو اس میں دفن ہوئے تھے یا جو کچھ اس کے رب نے اس میں ودیعت رکھا ہے وہ سب اوپر آپڑے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آج جن چیزوں کو عزیز از جان سمجھ کر زمین کی تہ میں چھپاتے اور زمین کو اپنا خزانچی جانتے ہو ایک روز یہ سب کچھ باہر آ جاوے گا اور یہ بات کچھ محال نہیں۔ کس لیے کہ واذنت لربها کہ زمین بھی اپنے رب کے حکم کی طرف کان لگائے گی یعنی مانے گی اور کوئی وجہ سرتابی کی اس کو حاصل نہ ہوگی وحقت اور ماننا بھی چاہیے۔ اس کو لائق بھی یہی ہے کہ حکمِ الٰہی مانے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے اس کا وجود اور عدم دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے بلند کرے جس کو چاہے پست۔

ان حوادث کی نسبت اذا اذا کر کے یہ تو بیان فرمایا کہ جب ایسا ہوگا اور جب ایسا ہوگا مگر یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ ہوگا تو کیا ہوگا یعنی اذا شرطیہ کی جزا یا شرط کا جواب بیان نہیں فرمایا اس کو اہلِ زبان کے مذاق پر چھوڑ دیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے کہ اس وقت ضرور انسان کا یہ خیال غلط ثابت ہو جاوے گا کہ اس کو مر کر کسی دارِ جزاء وسزا کی طرف جانا نہیں ہے اور اسی لیے بعد میں اسی مقصود کی تصریح بھی کر دی جس کو بعض نے جوابِ شرط سمجھ لیا۔ نقال

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۞۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ
كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۞۷ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۞۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ
مَسْرُوْرًا ۞۹ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۞۱۰ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۞۱۱ وَّيَصْلٰى
سَعِيْرًا ۞۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۞۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۞۱۴ بَلٰىۚ اِنَّ
رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۞۱۵

اے آدمی! تو تو کھٹا کھٹ اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے پھر تو اس سے جا ملے گا پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جاوے گا اور وہ اپنے اہل وعیال میں خوش واپس آئے گا اور جس کو نامۂ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پڑا پکارے گا اور دوزخ میں بسے گا کیونکہ وہ تو اپنے گھر میں خوشیاں منایا کرتا تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ پھر کر تو جانا ہی نہیں۔ کیوں نہیں اس کا رب تو اسے دیکھتا ہی رہتا ہے۔

ترکیب: انك الخ الجملة نداء الكدح السعي في الشيء بجهده کدح ورزیدن وکار کردن وکوشش نمودن۔ زردی خراشیدن یقال بہ کدح وکدوح ای خدوش وفی الحدیث فی وجهه کدوح وهو یکدح بعیاله ای یکسب لهم از صراح فاما من فيه معنى الشرط فسوف جوابه وينقلب معطوف

علی یحاسب مسرورا حال وراء ظہرہ ظرف لادتی لن یحور قال الراغب الاصفہانی الحور التردد فی الامر ومحاورۃ الکلام مراجعۃ والمحار المرجع۔ الحور الرجوع یقال حار یحور اذا رجع ومنہ قولہ علیہ السلام اللھم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور یعنی من الرجوع الی النقصان بعد الزیادۃ بلی ایجاب للمنفی بلن ای بلی یحور۔ ان ربہ جواب قسم مقدر فالجملۃ تعلیل لما افادتہ بلی۔

تفسیر ! فقال یاایھا الانسان انك كادح الیٰ ربك كدحا فملاقیه۔ کدح کے معنی لغت میں حرکت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ اس لحاظ سے مفسرین نے اس کے کئی معنی بیان فرمائے اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے انسان سے بھی کبھی کافر مراد لیا ہے۔ فردِ ناقص سمجھ کر اور کبھی نبی کریم ﷺ فردِ کامل جان کر اور کبھی مطلقاً۔ پس بعض نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ اے انسان! یعنی نبی کریم تو ابلاغ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوششِ بلیغ اور سرگرمی کر رہا ہے ضرور تو اس کا بدلہ نیک پاوے گا تیری کوشش رائیگاں نہ جاوے گی۔ بعض نے کہا یہ معنی ہیں کہ اے کافر! ابوجہل وابی بن خلف تو جو طلبِ دنیا اور ابطالِ رسالت اور اصرارِ کفر پر کوشش کر رہا ہے اس کا بدلہ پاوے گا یہ تیرا کام تجھے ملے گا ایک دن ہیبت ناک شکل میں تیرے سامنے آئے گا۔ تیسرے یہ معنی کہ اے انسان! (سب کی طرف خطاب ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد) تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے نیک حسنات میں بدفسق وفجور وطلبِ دنیا اور اس کے لذات وشہوات میں تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے۔ یوں ہی عبث نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ جو کچھ کرو آنکھ بند کر کے نہ کرو' تقلیدِ آبائی و پابندیِ رسم ورواج میں اندھے بن کر نہ گرو' سوچ بچار لو کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ جو تم کر رہے ہو ایک روز تمہارے سامنے آئے گا۔ چوتھے معنی یہ ہیں اور وہ زیادہ ترچسپاں ہیں کہ اے انسان! سب کی طرف خطاب ہے۔ تو یہ نہ سمجھ کہ میں سدا دنیا ہی میں رہوں گا۔ مجھے اپنے خدا پاس نہیں جانا ہے مر کر خاک ہو جاؤں گا یا اس میدان ناسوت میں تناسخ کے ذریعہ سے قوالب بدلتا رہوں گا' اس جہان میں ٹھوکریں کھاتا رہوں گا۔ یہ ہرگز نہیں بلکہ تو کھٹا کھٹ ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ یہ رات اور دن تیری سواری کے دو پہیے ہیں یا تیرے سفر کرنے کے لیے دو پاؤں ہیں۔ تو بے اختیار اس میدانِ وجود کو طے کر رہا ہے۔ ایک دن حمل میں تھا پھر باہر آیا لڑکا بنا رہا' جوان ہوا بڈھا ہوا مر گیا۔ یہ حمل اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا تیرے اس تیز سفر کے منازل ہیں۔ آخر ایک روز ہمارے پاس آئے گا' مرنے کے بعد ہمارے سامنے کھڑا کیا جائے گا' پھر تیرے نیک وبد اعمال تول تول کر تیرے پلے میں ڈالے جائیں گے۔ فامامن اوتی کتابه بیمینه فسوف یحاسب حسابا یسیرا و ینقلب الیٰ اهله مسرورا پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اور یہ نیک لوگ ہوں گے۔ یمین ویمن خیر وبرکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جانا اس کے لیے بشارت ہے کہ یہ اہلِ خیر میں سے ہے تو اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے حساب آسان لیا جاوے گا اور حساب آسان یہ ہے کہ اس کے زلات اور ان جرائم سے جس کے بعد اس نے توبہ واستغفار کیا اور نادم ہوا' درگزر کیا جاوے گا اور دراصل یہ حساب نہیں بلکہ ایک ملاحظہ کرانا ہے کہ بندہ اپنے اعمال اور اس پر اس کے بے حد افضال کا اندازہ کر لے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے فسوف یحاسب الخ یعنی آیت پڑھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ حساب نہیں جو مومن سے آسانی سے لیا جاوے گا۔ یہ تو ایک ملاحظہ کرانا ہے اور جس سے حساب لیا جاوے گا وہ تو ہلاک ہو جاوے گا (رواہ البخاری ومسلم وغیرہما) اور اس لیے آنحضرت ﷺ بعض اوقات یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ امت کو تعلیم کرنے کے لیے اللھم حاسبنی حسابا یسیرا کہ اے اللہ مجھ سے حساب یسیر لینا (اخرجہ احمد) اور اس حسابِ یسیر سے فرصت پا کر وہ شخص اپنے گھر کی طرف جو پہلے سے جنت میں تیار کیا گیا ہے جہاں اس کے دنیاوی اقارب زن وفرزند اس سے پہلے گئے ہیں اور حورعین بھی ہے خوشی خوشی سے جاوے گا اور وہ گھر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہیں رہا کرتا تھا اور اب لوٹ کر وہیں جاتا ہے۔ لفظ ینقلب اسی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ سچ ہے کس لیے کہ یہ دارِ آخرت کا گھر اس کے ان اعمالِ حسنہ اور محبتِ الٰہی کا تو مظہر ہے جو ہمیشہ اس

کے پاس رہا کرتے تھے گویا ان میں رہا کرتا تھا۔

اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے واما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا گیا تھا کہ پہلے سے معلوم ہو کہ بد ہے اور آیات میں وراء ظہرہ کی جگہ بشمالہ کا لفظ آیا ہے مگر یہ ملزم زنجیروں میں کسا ہوگا مشکیں بندھی ہوں گی۔ ہاتھ پیٹھ کی طرف پیچھے بندھے ہوں گے۔ اس لیے پیٹھ کے پیچھے سے دینا یہاں ذکر فرمایا تا کہ اس کی مشکیں بندھی ہونے کو بھی ثابت کرے (اس لیے دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں) تو وہ ہلاکی اور موت کو پکارے گا' ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آ جاوے تو میں مرکر اس مصیبت سے بچ جاؤں پھر وہاں موت کہاں ویصلیٰ سعیرا ً وہ تو دہکتی آگ میں ڈالا جاوے گا وہیں پڑا جلا کرے گا۔

اب اس کا سبب بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کیوں دہکتی آگ میں ڈالا جاوے گا انہ کان فی اھلہ مسرورا کہ وہ اپنے گھر میں مگن تھا شہوات ولذات کے گھوڑوں پر سوار تھا۔ آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا۔ رات دن طلبِ مال وزر میں مصروف تھا۔ حرام وحلال کی کچھ پروانہ کرتا تھا۔ شراب' زنا' ناچ' تماشا' راگ رنگ میں مسرور تھا اور اس کے سوا انہ ظن ان لن یحور وہ یہ بھی سمجھے ہوئے تھے کہ اللہ کے پاس جانا نہیں' حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو چاہو کرو۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس خیال میں تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی متغیر نہ ہوگی ہمیشہ یوں ہی رہے گا یہ دو باتیں سبب ہیں اس کے آگ میں پڑنے کا۔ اس کی وہ خوشی اور وہ اعتقاد کہ جس میں یہ پڑا ہوا تھا آج آتشِ جہنم بن گئی گویا یہ خود ہی جہنم میں پڑا ہوا تھا۔ بلیٰ ہاں ہاں اس کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ ان ربہ کان بہ بصیرا اس کا رب تو اس کو دیکھا کرتا تھا کوئی حرکت وسکون اس کی نظر سے غائب نہ تھا۔

فائدہ: بلیٰ کا کلمہ نفی کا اثبات کرتا ہے یعنی وہ جو سمجھتا تھا کہ خدا کے پاس نہ جاؤں گا اس کے جواب میں ہے بلیٰ ہاں جاوے گا اور یہ کلمہ اول کلام سے بھی متصل ہے اور بعد سے بھی اس لیے اس پر وقف بھی درست ہے اور ملا کر بھی پڑھا جاتا ہے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾

پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات اور اس کے چھا جانے کی بھی اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم کو تو ایک منزل سے دوسری منزل پر چڑھنا ہوگا۔ پھر انہیں ہوا کیا جو ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ منکر تو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (دل میں) بھر رکھتے ہیں سو آپ ان کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دیں مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ہیں ان کو تو بے انتہا اجر ملے گا۔

ترکیب | فلا لا زائدۃ کما مر۔ الشفق الحمرۃ التی تبدو بعد غروب الشمس وسمی شفقا لرقتہ ومنہ الشفقۃ علی الانسان وھی رقۃ القلب علیہ واللیل عطف علی الشفق وکذا ما وسق الوسق فی اللغۃ ضم الشیء بعضہ الی بعض یقال استوسقت الابل اذا اجتمعت وانضمت والراعی یسقھا ای یجمعھا ای جمع وضم ما کان منتشرا فی النہار لان اللیل اذا اقبل اوی کل شیء الی منزلہ قال قتادۃ والضحاک ومقاتل بن سلیمان ای ما حمل من الظلمۃ ومن الکواکب وقال سعید بن جبیر ای ما عمل فیہ من التھجد والاستغفار۔ والقمر معطوف علی اللیل اتسق ھو افتعل من الوسق وھو الجمع ای تکامل فی

النور۔ لترکبن جواب القسم۔ لترکبن بفتح التاء وضم الباء صیغۃ جمع المذکر الحاضر من الرکوب وقری بفتح الباء خطاب للواحد وھوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اوکل فرد من افراد الانسان وقری لیرکبن بالتحتیۃ وضم الموحدۃ علی الاخبار طبقا منصوب علی انہ مفعول ترکبن عن طبق صفۃ بطبقا ای طبقا حاصلا عن طبق ای حال عن حال واذا قری الجملۃ فی محل النصب علی الحال الاالذین استثناء منقطع اومتصل۔

تفسیر | یعنی اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جزاء وسزا ہے اور تمہارے عقولِ متکدرہ کو وہاں تک رسائی نہیں تو ہمارے کہنے سے مان لو اور اگر اس طرح سے کہنے پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہو تو لو۔ فلا اقسم بالشفق میں ان تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو ہماری قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ اور تمہارے متبدل حالات کا کامل آئینہ ہے۔ اول شفق کی۔ شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد کی سرخی کو کہتے ہیں۔ ذرات پر جو آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایک سرخ رنگ آسمان کے کناروں پر نمودار ہوتا ہے۔ طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی اور چونکہ یہ رقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو شفق کہتے ہیں اور اسی لیے مہربان کو شفیق کہتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی طرف سے رقت ہوتی ہے یعنی نرمی۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر اس سرخی کے غائب ہونے تک رہتا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ اس سرخی کے بعد سفیدی بھی شفق ہے۔ اس تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور جب یہ سفیدی جاتی رہے اور سیاہی اٹھ آوے تو عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک اس سفیدی کے وقتِ عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔ اس شفق کے وقت ایک درمیانی حالت رہتی ہے نہ تو پورا پورا دن ہی رہتا ہے نہ پوری رات ہی آجاتی ہے۔ اس شفق کی قسم کھانے میں انسان کو اس کے مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک کے زمانہ کو یاد دلاتا ہے۔ ایک پوری تشبیہ میں تصویر کھینچ دیتا ہے۔ کس لیے کہ جب انسان کا آفتابِ روح غروب ہوجاتا ہے یعنی اس جسمِ عنصری کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت روح پر شفق کے وقت جیسی حالت طاری ہوتی ہے۔ کسی قدر دن سا ہوتا ہے تو ایسا ہی روح پر کسی قدر ہنوز آثارِ زندگی باقی رہتے ہیں۔ اپنے اقارب سے محبت' دنیاوی مالوفات کے ترک کا رنج۔ اسی لیے تھوڑے دنوں تک مردہ خواب میں بکثرت آتا اور پتے پتے کی باتیں جو دنیا میں اس کے متعلق تھیں بتاجاتا ہے۔ ایک بوڑھیا ماما کا انتقال ہوگیا بظاہر اس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ ایک رات ایک عورت کی خواب میں آکر کہا کہ میرے اتنے روپے اتنے پیسے میرے اس بوسیدہ تکیہ میں سیے ہوئے ہیں کہ جس کو تم نے گندہ جان کر کوڑے کی جگہ پھینک رکھا ہے۔ صبح کو کھولا تو اسی قدر روپے اور پیسے برآمد ہوئے۔ یہ معاملہ اور اس قسم کے اور صدہا واقعات کاتب الحروف کے سامنے کے ہیں اور اسی لیے مردہ اس وقت اپنے تئیں زندہ سمجھتا اور کوئی کہتا ہے دعونی[1] اصلی کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ نماز پڑھ لوں اور اپنے اس حال کی اپنے لوگوں کو خبر کر آؤں۔ ارجع الیٰ اہلی فاخبرہم[2] اور اسی لیے احیاء کی طرف سے صدقات ودعا کا زیادہ منتظر رہا کرتا ہے۔ اس وقت رات کے آثار بھی نمودار ہوتے ہیں تو ایسا ہی میت پر بھی دوسری حالت طاری ہوتی ہے کہ اس کے نیک وبد اعمال کے آثار اس پر وہاں منکشف ہوتے ہیں اور جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے۔ اتنا ہی دنیا سے تعلقات کا انقطاع ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ استغراقِ عظیم وہاں کی ان کیفیات کے مشاہدہ میں اس پر طاری ہوتا ہے جو اس کے نیک یا بداعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کے قوائے مدرکہ ومتصرفہ اس جہان سے بالکل منقطع ہوجاتے ہیں اور اس کے اور دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات جیسا حائل ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد رات کی قسم کھاتا ہے۔ والیل وما وسق اور قسم ہے رات اور اس چیز کی کہ جس کو رات سمیٹے یعنی جمع کرے۔ دن کو لوگ اور حیوانات پھرا کرتے ہیں۔ رات میں اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں۔ گویا رات دن کے بچھڑے ہوؤں کو جمع کر لیتی ہے۔ اس لیے اس کا نام

[1] رواہ ابن ماجہ۔ ۱۲ منہ

[2] رواہ ترمذی۔ ۱۲ منہ

عشاق کے نزدیک جامع الحفر قین ہے اور ما کو مصدر یہ بھی کہہ سکتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ رات کے سمٹنے کی قسم کہ بے اختیار سب سمٹے چلے آتے ہیں۔اشیاء بھی، آفتاب کا نور بھی سمٹ جاتا ہے۔ یہ دوسری قسم تھی جس میں رات کی اور رات میں سمٹنے والوں کی قسم تھی۔ان کا سمیٹنا بھی ایک شان ہے جواس کی طرف رجوع کرنے کواور موت کو یاد دلاتی ہے اوراسی لیے نبی کریم ﷺ جب رات کو سوتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جو سونے کا قصد کیا کرتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر یہ کہا کرتے تھے اللھم باسمک اموت واحی کہ الٰہی تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور کہ سب تعریف اس اللہ کو ہے کہ جس نے ہم کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس کے پاس جا کر جمع ہونا ہے اور صحیحین میں اس دعا کا پڑھنا بوقتِ خواب ثابت ہوا ہے۔اللھم اسلمت نفسی الیک و وجہت وجھی الیک والجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لا ملجاء ولا منجا منک الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت وبنبیک الذی ارسلت۔ بہر حال خواب و بیداری میں خصوصاً رات کے وقت منازل پر جمع ہونے اور سونے میں جس کو رات کے سمٹنے سے تعبیر کیا اس کی قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تو دنیا آباد تھی اب ہے کہ سناٹا ہے، موت کا نمونہ طاری ہے۔ اسی لیے ایسے انقلابات پر اہل اللہ اس کی تسبیح وتہلیل اور یاد کرتے ہیں جو روح کے منور کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔اس کے بعد یعنی اس رات کے بعد پھر چاند روشن ہوگا وہ کیا قیامت برپا ہو کر ابدان کو ایک نئی زندگانی عطا ہوگی۔اس لیے اس تیسری قسم میں یہ تیسری حالت مذکور ہوتی ہے فقال والقمر اذا اتسق کہ قسم ہے چاند کی جبکہ اس کی روشنی پوری ہو جاوے تیرہویں چودھویں پندرہویں رات کا چاند۔اس وقت حجاب دور ہو جائیں گے۔ ہر ایک پر حقائق منکشف ہو جاویں گے نیکی بدی کا راز کھل جاوے گا۔ان تینوں حالات کی قسم کھا کر فرماتا ہے لترکبن طبقا عن طبق کہ ضرور اے بنی آدم! تم کو ایک سیڑھی پر دوسری سیڑھی کے بعد چڑھنا ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی۔ پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اس پر چڑھ چکے تو دوسری منزل پر چڑھے کہ پیدا ہوئے باہر آئے۔اب لڑکپن کی منزل پر چڑھے اس کو طے کر کے جوانی کی منزل پر چڑھے اس کے بعد بڑھاپے کی سیڑھی طے کی۔اس کے بعد موت کی اور عالمِ برزخ میں رہنے کی اس کے بعد حشر کی پھر حشر سے جنت کی یا دوزخ کی۔تغیراتِ عالم خصوصاً انسان کا تغیر و تبدل بآواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ انسان کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار یہ مسافر کہیں جا رہا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا اور چونکہ ان حالات کا طے کرنا قطعِ مراحل و طے منازل سے مشابہ تھا اس لیے لفظ رکوب کو جس کے معنی سوار ہونا ہے استعمال کیا۔اور چونکہ یہ حرکت صعودی ہے کہ اس خاکدانِ پست سے عالمِ بالا کی بلندی پر جانا ہے اس لیے ان حالات و مقامات کو طبقا عن طبق سے تعبیر فرمایا کس لیے کہ طبقا عن طبق تہ پرتہ کو کہتے ہیں جیسا کہ آسمان کے سات طبق اور بلند مکانات کے طبقات یعنی درجات عرف میں مستعمل ہیں اور یہ آیات گویا پہلی آیت یایھا الانسان انک کادح الی ربك کدحا فملاقیہ کی تفصیل وتشریح ہے۔

فائدہ۔طبق اس کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مطابق ہو کہتے ہیں ماھذا یطبق کذا ای لایطابقہ ومنہ قیل الغطاء الطبق ثم قیل للحال المطابقۃ بغیرھا طبق ومنہ قولہ تعالیٰ طبقا عن طبق ای حالا بعد حال کل واحدۃ مطابقۃ لاختھا فی الشدۃ والھول ویجوز ان یکون جمع طبقۃ وھی المرتبۃ من قولھم ھو علی طبقات (کبیر)

لترکبن کی مختلف قرأتوں کی وجہ سے معنی بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں صیغہ جمع مذکر حاضر کی صورت میں ایک تو یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو! تم قیامت کا انکار کیا کرتے ہو۔ہم ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کہ جو علویات میں تغیر و تبدل پیدا کرنے کے سبب ہماری قدرت و جبروت پر دلیلِ بین ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ دن ہو کر ہی رہے گا اور اس روز شدائد

احوال پیش آویں گے اور ایک مصیبت کے بعد دوسری کا سامنا ہوگا۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے لوگوں کا اس روز حال متبدل ہو جاوے گا بہت سے امیر فقیر ہو جاویں گے اور ذلیل عزیز ہو جاویں گے ۔

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

خافضة رافعة چوتھے یہ کہ تم پہلوں کے طریقہ کو اختیار کرو گے شبر ابشبر یہ معنی یہاں مناسبت نہیں رکھتے اور جس نے لترکبن کو واحد مذکر حاضر کا صیغہ پڑھا ہے۔ تب آیت کے معنی بلحاظ مخاطب کے بھی متعدد ہوں گے۔ اگر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کے لیے ایک بشارت ہے اعدا پر فتح وظفر پانے کی کہ اے محمد (ﷺ) تو ایک حال پر مسلط ہو کر دوسرے حال پر مسلط ہوگا۔ ایک فتح وظفر کے بعد دوسری پر متمکن ہوگا۔ یہ کفار جو آج تیری تکذیب کرتے ہیں نادم ہوں گے (۲) یہ کہ تجھ کو رفعتِ مرتبت نصیب ہوگی۔ رفعتِ ظاہری معراج میں اور باطنی ترقی مراتب قرب و وصال میں ہر روز اور ہر آن آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ قرب کے بعد دوسرے کو طے کرتے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے وللآخرة خیر لك من الاولیٰ کہ پچھلی ساعت تیرے لیے ترقی قرب کے لحاظ سے اول ساعت سے بہتر ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

چونکہ بہت تغیراتِ عالم اور خاص انسان کے تبدلات برہان ہیں اس بات پر کہ ضرور انسان کو کسی اور جگہ جانا اور اپنے کئے کا بدلہ پانا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ذرا غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے فما لهم لایؤمنون کہ انہیں کیا ہوگیا جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے لیے کوئی سامان نہیں کرتے۔ مصیبت سر پر آنے والی ہے۔ اس سے کس قدر غافل ہو کر دنیاوی مشاغل میں غرق ہیں۔

عاقل کو ذرا ذرا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر سے غافل نہیں رہتا اور اس دارِ آخرت کے لیے ہادی ہے تو صرف قرآن ہے اور ان کا قرآن سے یہ حال ہے واذا قرئ علیهم القرآن لایسجدون کہ جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے آپ پڑھنا اور غور و تدبر کرنا تو کجا اس کے آگے نہیں جھکتے یعنی اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ قہقہے اڑاتے ہیں یا یوں کہو کہ اسے سن کر نازل کرنے والے کے آگے اس شکریہ میں کہ اس نے ہمارے لیے ایسی کتاب نازل کی جو ہماری مشکلات دنیاء و آخرت کی رہبر ہے سجدہ نہیں کرتے اور حق سبحانہ کی عبادت جو آخرت کا سرمایہ اور قرآن کی تعلیم کا اعلیٰ تر مقصود ہے ادا نہیں کرتے۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کس لیے کہ یہاں سجدہ نہ کرنے والوں کی برائی مذکور ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے سجدہ کرنے کا ثبوت ہم شروع میں کر چکے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ سجدہ کرنا تو کجا بل الذین کفروا یکذبون بلکہ منکر تو جھٹلاتے ہیں اور گو بعض زبان سے نہیں جھٹلاتے لیکن دل میں قائل نہیں واللہ اعلم بما یوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ہے۔ اس کی حبِ شہوات ولذات اور انکارِ آخرت کے متعلق ان کے دلوں میں جو گندگی بھری پڑی ہے اور زبان سے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کو خدا خوب جانتا ہے۔

فائدہ: اس میں ان ریاکاروں کی طرف تعریض ہے کہ زبان سے دعوائے اسلام ومحبتِ خدا ورسول اور دل میں حبِ شہوات و لذات جب ان بدنصیبوں کی یہ حالت ہے تو اے نبی کریم فبشرهم بعذاب الیم ان کو مژدہ سنا دے سخت عذاب کا۔ بشارت کا لفظ علیٰ سبیل تہکم واستہزاء استعمال کرنا عین بلاغت ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بت پرستی اور بے ہودگی پر نتائجِ نیک کے امیدوار تھے۔ کوئی شخص اس جہان میں فلاح نہیں پا سکتا۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے لهم اجر ان کے لیے اجر ہے۔ ان کے ایمان اور نیک کاموں کا نیک بدلہ ہے اور بدلہ بھی کیسا غیر ممنون بے انتہا اگرچہ ایمان وعمل محدود تھا

کیونکہ عمر کا زمانہ بھی محدود ہے۔ وہ کریم ورحیم اپنے فضل وکرم سے ابدالآباد تک کا بدلہ دیتا رہے گا جو غیر محدود ہے۔

(الٰہی ہمارا خاتمہ بالخیر کر۔ آمین)

(سورہ بروج مکیہ ہے اس میں بائیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿١﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿٣﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿٥﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿٦﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٩﴾

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور جس پاس حاضر ہوں اس کی غارت ہوں آگ کے ایندھن بھرے ہوئے خندقوں والے جبکہ وہ ان کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ایمانداروں سے جو کچھ کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے۔ اس پر کہ جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے۔

ترکیب | والسماء الواو للقسم ۔ذات البروج صفۃ السماء والیوم موصوف الموعود صفۃ المجموع معطوف علی السماء وکذا شاھد ومشھود وجواب القسم محذوف ای لتبعثن ونحوہ وقیل جوابہ قتل اصحاب الاخدود الخ وقیل جوابہ ان بطش ربك لشدید الاخدود جمع خد وھو الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق ومنہ الخد لمجاری الدموع النار قرء الجمھور بالجر علی انھا بدل اشتمال من الاخدود لان الاخدود مشتمل علیھا وقیل التقدیر ذی النار وقرء بالرفع علی انھا خبر مبتدء محذوف ای ھی النار ذات الوقود صفۃ النار بانھا نار عظیمۃ والوقود عند الجمھور بفتح الواو وقری بضمھا وھو الحطب اذھم ظرف لقتل ای لعنوا حین احرقوا بالنار قاعدین علی جوانبھا الذی الخ لغت للہ۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بائیس آیات ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں والسماء ذات البروج والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ اخرجہ احمد۔ رات میں ستاروں کی کیفیت اس سورۃ کے معانی کو اور بھی ذہن نشین کر دیتی ہے۔

مناسبت اس کی پہلی سورہ سے الفاظ ومعانی میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں آسمانوں کا پھٹنا مذکور ابتداء میں تھا تو یہاں اس کے بروج کی صفت مذکور ہوئی تا کہ محلِ تجزیہ وتقسیم وانشقاق کا اظہار ہو اور مضامین میں بھی اور مقطع میں بھی مناسبت تامہ ہے۔

سبب نزول اس سورہ کا یہ ہے کہ مکہ میں جبکہ آفتابِ نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے شروع ہوئے تو قریش مکہ کو ناگوار گزرا کیونکہ ان کے مالوف ومرغوب دستور کے خلاف تھا۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو تو ستانا شروع ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غرباء مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کر دی تھی۔ مار پیٹ، گالی گلوچ سے گزر کر دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر کوڑے برسانا اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا، عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا، اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی۔ غرباءِ مسلمین آنحضرت ﷺ سے آ کر شکوہ کرتے آپ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ ان کا یہ زور ڈھے جاوے گا۔ یہ تمہارے آگے ذلیل و

مقہور ہوں گے۔ یہ سن کر کفارِ قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے اور متکبروں کو متنبہ کرنے کے لیے یہ سورہ نازل ہوئی۔

خدا کی پکڑ کا بیان! اور اس کے ابتداء ہی میں وہ کلمات ارشاد فرمائے جو خدا کے جبروت اور دنیا کا اس کے آگے مسخر ہونا اور دنیا میں انقلاب برپا ہونے کو بتا رہے ہیں۔ فقال والسماء ذات البروج کہ ہم کو قسم ہے آسمان برجوں والے کی والیوم الموعود اور اس دن کی کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وشاھد و مشھود اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ اس کی بھی قسم ہے۔ ان تین چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ان بطش ربك لشديد کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ جس قوم اور جس شخص کو پکڑتے ہیں تو پہلے اس کی عقل مار دیتے ہیں۔ اقبال لے لیتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں ہیبت و عزت باقی نہیں رہتی۔ شہوت پرستی اور جفا کاری پیشہ ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور اس پر بدمزاجی اور غرور و نخوت اور جملہ بداخلاقی گھر کر لیتی ہے۔ خداترسی اور راستبازی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دشمنوں کا غلبہ اور افلاس کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ بے وقت موت و اعداء سے شکست مقاصد میں ناکامی پیش آنے لگتی ہے۔ آخر کوئی ایسا زبردست ان پر مسلط ہوتا ہے کہ کام ہی تمام کر دیتا ہے اور کبھی دفعۃً کوئی آسمانی بلا بھیج کر غارت کر دیتے ہیں۔ زلزلہ اور ژالہ باری اور ہوا اور پانی کا طوفان بجلی اور وبا بھی اس کے آلات تیار رہتے ہیں یہاں تک تو دنیا کی پکڑ تھی پھر آخرت میں تو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک اور حشر سے ابدالآباد تک جہنم اور دہکتی آگ اور طوفان اور طوق و زنجیر تیار ہے۔ معاذ اللہ من بطشہ۔ اس اجمالِ بیان میں جس طرح کفار کو تنبیہ ہے اسی طرح مسلمان کو تسلی بھی ہے کہ وہ ہماری قدرت و قبضہ سے باہر نہیں مگر ان تینوں چیزوں میں کہ جن کی قسم کھائی ایک کو دوسرے سے نہایت ارتباط ہے۔ اس لیے ہم ان تینوں چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ **اوّل:** اول برجوں والے آسمان سے کیا مراد ہے؟ اور پھر اس صفت کے ذکر کرنے سے کیا مقصد ہے۔ جو آسمان کے وجود بلکہ جسم کے قائل ہیں اور یہ قدیم خیال ہے اور صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمان پر آفتاب کی گردش سے ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے جس کو دائرۃ البروج کہتے ہیں جس کو آفتاب حرکتِ ذاتی سے برس بھر میں تمام کرتا ہے اور جب اس دائرہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو ہر ایک حصہ برج ہے جیسا کہ خربزے کی پھانکیں اور ہر ایک پھانک کو برج کہا جاوے۔

یا یوں کہو کہ آفتاب کی حرکت سے اکثر آباد اور معتدل بلاد میں چار فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ربیع و صیف، خریف و شتا یعنی بہار، گرمی، خزاں، جاڑا۔ اصل دو فصلیں ہیں۔ جاڑا اور گرمی مگر جاڑے کے بعد جب گرمی آتی ہے تو دفعۃً نہیں آتی بلکہ ایک زمانہ بیچ میں حائل ہوتا ہے اور اس کو ربیع کہتے ہیں اور اسی طرح گرمی کے بعد سردی بھی دفعۃً نہیں آتی بلکہ درمیان میں ایک زمانہ دونوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس کو خریف کہتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان میں برسات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ چار فصلیں ہوئیں اور ہر ایک فصل کی تین حالت ہیں۔ ابتداء، انتہا، اوسط۔ آفتاب کی حرکت جس سے یہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں جمہور کے نزدیک آسمان پر ہے اس لیے آسمان کے باعتبار ہر ایک فصل کے چار حصے کیے اور ہر ایک حصہ کے تین تین ہر حصہ کا نام برج اور جن کے نزدیک آسمان کا وجود نہیں وہ اس بُعد اور فضائے نیلگوں ہی کو آسمان کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس آسمان کے بارہ حصے اسی لحاظ سے ہوں گے۔ **بارہ برجوں کی کیفیت:** یا یوں[1] کہو کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں۔ آسمان کے ہر ایک حصہ کو ان اشکال کے لحاظ سے نامزد کیا۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ۔ ان چھ برجوں میں جب آفتاب آتا ہے تو گرمی ہوتی ہے۔ حمل سے لے کر سرطان تک بڑھاؤ ہوتا

---

[1] یعنی دراصل آسمان پر برج و گنبد کچھ نہیں بلکہ اہلِ ہیئت و نجوم نے ستاروں کی رفتار و مقام سمجھنے کے لیے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لیے ہیں اور پھر ستاروں کے اجتماع سے جیسی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ اس کو اسی کے نام سے نامزد کر دیا ہے کہیں بیل کی شکل نمودار ہے تو اس حصہ کو برج ثور کہتے ہیں (علیٰ ہذا القیاس)۔ ۱۲ منہ

ہے اور دن بھی بڑھا کرتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ جس طرح حمل میں رات دن برابر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میزان میں بھی۔

اس کے بعد سردی شروع ہوتی ہے اور اس کے برج یہ ہیں۔ میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو' حوت

(حمل[1] مینڈھے کا بچہ) چونکہ تیس ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہوگئی ہے جس کا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دم ہے۔ ثور' بیل' بتیس ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہوگئی ہے' جس کا سر بجانب مشرق اور دم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں' جن کو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کی طرح ہے۔ جوزا دو آدمی ملے ہوئے اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ گویا دو آدمی جڑے ہوئے ہیں۔ سرطان کیکڑہ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔ اسد شیر ستائیس ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سنبلہ خوشہ یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے جس کا سر اسد کی دم کی طرف اور پاؤں میزان کی طرف اور اس کے اس ہاتھ کے پاس کہ جس میں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جس کو سماک اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس ستاروں سے بنی ہے۔ میزان' ترازو یہ آٹھ ستاروں سے بنی ہے۔ عقرب بچھو یہ شکل اکیس ستاروں سے بنی ہے۔ قوس کمان یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جس میں تیر لگا ہوا ہے۔ یہ اکتیس ستاروں سے مرکب ہے۔ جدی بز غالہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ اٹھائیس ستاروں سے مرکب ہے۔ سعد ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ دلو ڈول ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے۔ بیالیس ستاروں سے مرکب ہے حوت مچھلی یہ مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دم کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

فائدہ۔ نزولِ قرآن مجید سے پہلے عرب بھی آسمان میں اسی قسم کے برجوں کے قائل تھے۔ اشعارِ جاہلیت سے اس کا پتا ملتا ہے۔ قرآن مجید میں آسمان کو اس صفت سے ذکر کر کے قسم کھانا اس طرف اشارہ ہے۔ انقلابِ عالم ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم موسموں کو بدلتے ہیں۔ کفارِ قریش اس چند روزہ جاہ وحشم پر نازاں نہ ہوں مقلب الاحوال ہم ہیں اور اس میں ایمانداروں کو تسلی بھی ہے کہ چند روزہ مصیبت پر صبر کریں سدا ایک سے دن نہیں رہا کرتے۔

بروج کے معنی | بروج کے معنی اور بھی علماء نے بیان کئے ہیں: (۱) یہ کہ بروج سے مراد منازلِ قمر ہیں۔ (۲) یہ کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں کیونکہ بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں اور جو ستارے ظاہر اور روشن ہوں اس لیے ان کو بروج کہتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و ضحاک و حسن و قتادہ و سدی کا قول ہے۔ اس تقدیر پہ یہ معنی ہوئے کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی اور یہ معنی مذاقِ عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہیں۔ منہال بن عمرو کہتے ہیں اس کے معنی ہیں عمدہ پیدائش۔

دوسری بات | دوسری بات والیوم الموعود کہ قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ **الیوم الموعود** سے مراد قیامت کا دن ہے' جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزاء و جزا کے لیے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا میں فتح و ظفر آخرت میں بہشت' وہاں کے نعیم کے وعدے کئے ہیں اور ان کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے۔ اس کی قسم کھاتا ہے جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنی کا افادہ کرتا ہے۔

حضرات اہلِ دل **یوم موعود** وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جاویں گے اور صاف صاف اپنے معبود و محبوبِ حقیقی کا دیدار دیکھیں گے۔ اس دیدار کا ان سے وعدہ ہے اسی یوم موعود کے سہارے تو ان کی زندگی ہے۔

---

[1] حمل بفتحتین برہ حملان بالضم جمعہ ۱۲ منہ ص

وعدے یہ ترے وصل کے اور ہجر کے صدمے
مرنے نہیں دیتے مجھے جینے نہیں دیتے

ہر شخص کے لیے ہر قوم کے لیے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اس کی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے۔ پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے۔ اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح دنیا کے تکالیف اور رنج و غم بھی سدا نہیں رہتے۔ ان کے لیے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے۔ اس لفظ میں جس طرح غمگین ایمانداروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعیم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار کس بات پر ناز ہے اس کے زوال کا دن بھی موعود ہے۔

تیسری چیز : تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاھد و مشھود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا۔ لغت میں شاہد کے معنی سامنے ہونے والے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں اس لیے ان کے معنی میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد و اطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دراصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے۔ اس لیے ان کو نکرہ لایا گیا برخلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لیے اس کو معرفہ باللام لایا گیا والیوم الموعود فرمایا اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کو ترمذی و عبد بن حمید و ابن جریر و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا اور شاہد جمعہ کا جو سب دنوں سے افضل ہے اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے اور بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکرِ الٰہی اور دین کے لیے ہو مشہود اور جماعت کو شاہد بتایا ہے جس میں عیدین و جمعہ و عرفہ بھی شامل ہے اور بعض نے شاہد و مشہود میں صرف گواہی کے معنی کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاہد سے مراد حق سبحانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے وکفٰی باللّٰہ شہیدا اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آنحضرت ﷺ بھی شاہد ہیں کیونکہ قیامت کو وہ گواہی دیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور ان کے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وجاء ت کل نفس معھا سائق وشھید اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم اور رات دن بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی انسان کے نیک و بد کاموں کی گواہی دیں گے اور نیز آسمان و زمین بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی گواہی دیں گے اور نیز جمیع ممکنات بھی شاہد ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔ ففی کل شیء لہ شاہد۔ تدل علی انہ واحد۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق اور مقام استجلاء میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔

ایک اور توجیہ بھی اس مقام پر چسپاں ہے اور وہ یہ کہ شاہد بمعنی حاضر ہونے والے اور آنے والے کے لیے جاویں تو شاہد سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو شام و صبح نامۂ اعمال لکھ کر لے جاتے ہیں اور نامۂ اعمال لکھنے آتے ہیں خصوصاً صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت جیسا کہ خود قرآن میں وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا اور ممکن ہے کہ آنے والے دن کو جو مسلمانوں کی دنیاوی فتح و نصرت اور اعدائے دین پر غلبہ پانے کا دن ہے شاہد سے تعبیر کیا ہو اور اس کے ساتھ وہ برکات و فتوحات بھی مراد ہوں جو آنے والے تھے اور مشہود صحابہ اور ان کے پیروکار جن کے پاس یہ برکات و فتوحات آئے۔ اس تقدیر پر الیوم الموعود سے وہ دن مراد ہو سکتا ہے کہ جس کا وعدہ صحابہ ؓ سے

آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے جبکہ صحابہ مکہ میں کفار کی ناقابلِ برداشت ایذاؤں کی شکایت کرتے تھے۔ گویا الیوم الموعود وہ فتح و نصرت کا دن ہے اور شاہد اس دن کے برکات، وفتوحات اور مشہود سچے دیندار یہ توجیہ سورت کے شانِ نزول سے زیادہ ترچسپاں ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

الغرض ان تینوں چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جس کو جوابِ قسم کہتے ہیں محذوف ہے۔ اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوقِ سلیم و طرزِ کلام سے خوب سمجھے تھے۔ پھر کسی نے کہا وہ ایمانداروں کا دنیاء و آخرت میں کامیاب ہونا اور منکروں کا برباد ہونا کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا بہر طور مدعا ایک ہی ہے اور یہ ٹھیک ہے کس لیے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس کو مخاطب و متکلم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفاء میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورہ میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربك لشديد الخ ہے اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحاب الاخدود النار ہے۔ چونکہ کلامِ الٰہی سب معانی پر حاوی ہے ہر احتمال درست ہے فقال قتل اصحاب الاخدود النار غایت ہوئے (یا غارت ہو جاویں) دہکتی آگ سے خندقوں کے بھرنے والے۔ ذات الوقود اور آگ بھی کیسی تھی ایندھن والی یعنی بہت تیز لمبے چوڑے گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر دی تھیں اور آگ لگا دی تھی۔ جب شعلہ مارنے لگی تو ایمانداروں کو اگر وہ ایمان سے باز نہیں آتے تھے تو اس دہکتی آگ میں پکڑ پکڑ کر ڈالتے تھے۔ اذهم عليها قعود اور خود ان خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وهم علی ما يفعلون بالمؤمنين شهود جو کچھ ایمانداروں سے کر رہے تھے اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کے تڑپنے اور جلنے پر خوب ٹھٹھے لگاتے تھے (اس تقدیر پر شہود بمعنی شاہد یہ ظالم اور مشہود وہ مظلوم ہیں) اور ایمانداروں کو یہ سزا کسی چوری ڈکیتی خون وغیرہ جرائم کے سبب سے نہ تھی بلکہ وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد صرف اسی لیے اور اسی جرم میں یہ سزا دی جاتی تھی اور ان سے بدلہ لیا جارہا تھا کہ وہ اللہ زبردست ستودہ صفات پر ایمان لائے تھے یعنی ایمان لانا جرم قرار دیا گیا تھا۔

بلوحِ تربت من یافتم از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

اور ایمان بھی کس پر اللہ پر جو تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے اور اس پر زبردست بھی ہے۔ متکبروں اور گردن کشوں کو چاہے تو دم بھر میں خاک میں ملا دے۔ اس بات کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور وہ حمید بھی ہے تمام خوبیاں اس میں ہیں۔ از انجملہ عدل و انصاف رحم بھی ہے سو اس بات کا بھی خیال نہ کیا اور وہ ایسے ظلم و ستم پسند نہیں کرتا اور یہ بھی نہیں کہ اس کے بندوں پر یہ ظلم ہو۔ اس کو خبر نہ ہو بلکہ والله علی كل شیء شهيد کہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

اصحاب الاخدود کی تحقیق | اب دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ وہ اصحاب الاخدود کہ جنہوں نے آگ کی کھائیاں کھودی تھیں ایمانداروں کو بجرمِ ایمان آگ میں ڈالا تھا کون لوگ تھے کس ملک میں اور کس زمانہ میں تھے اور ان کا کیا مذہب تھا؟

مقاتل نے کہا کہ یہ واقعہ تین جگہ ہوا ہے۔ ایک نجران میں جو ملکِ یمن میں واقع ہے اور ایک بار شام میں اور ایک بار فارس میں۔ یمن میں ذونواس نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھر دی تھیں۔ ان میں ایمانداروں کو ایمان کے جرم میں ڈالتا تھا۔ شام میں ابطاموس رومی نے ایسا ہی کیا تھا۔ فارس میں بخت نصر نے جس کے عہد میں دانیال علیہ السلام تھے۔ ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ میں بھی ایک بار یہ واقعہ گزرا ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں گزرا ہے جبکہ ان

میں بت پرستی کا رواج ہوا اور انہوں نے خدا پرستوں کو ایمان سے روکنا چاہا تو خندقیں کھدوادیں اور ان میں آگ جلادی اور بت کو کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو اس کو سجدہ نہ کرے اس کو آگ میں ڈال دیا جاوے۔ مگر ان آیات میں ان میں سے کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ بامعانِ نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذونواس نے جو یمن میں کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اس واقعہ کو عرب جانتے تھے اور اس کے دیکھنے والے بعض اشخاص آنحضرت ﷺ کے عہد تک باقی تھے اور قریش کو اس واقعہ سے عبرت دلائی گئی کہ وہ بھی اصحاب الاخدود کی طرح غریب ایمانداروں پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔

مسلم نے اپنی صحیح کے اخیر میں اور اسی طرح نسائی نے اور امام احمد نے اور ترمذی نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان نقول میں باہم کسی قدر الفاظ و مطالب میں کمی زیادتی ہے مگر ترمذی نے جو نقل کیا ہے ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن [1] تھا۔ اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میری عمر اخیر ہوئی۔ آپ کسی ذہین و فطین لڑکے کو میرے حوالے فرمایئے کہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا جاؤں تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور رستہ میں ایک راہب [2] اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا معمر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے) لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا۔ راہب نے اس کو دینِ حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا۔ کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اس کے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے۔ میرے پاس کم آتا ہے۔ گھر والوں نے ادھر کاہن نے اس بات پر اس کو مار پیٹ شروع کی۔ ایک روز رستہ رکا ہوا تھا۔ کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا' بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ رکے کھڑے تھے۔ تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الٰہی اگر راہب [3] کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مر جائے۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مر گیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی۔ یہ شہرہ سن کر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کر دے تو میں تجھے یہ کچھ دوں۔ وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا۔ لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اس پر ایمان لا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ لڑکے نے دعا کی تو اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی جو بت پرست تھا اس نے ان سب کو بلایا اور اس اندھے اور راہب کو آرے سے چروادیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرادو۔ جب شاہی لوگ اس کو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مر گئے اور لڑکا بچ رہا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جا کر غرق کر دو' وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا۔ تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا' آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے' مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھادو اور یہ کہہ کر کہ باسم رب ھذا الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ لڑکا مر گیا۔ اس کی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اس نے ان پر ہاتھ دھر لیا۔ بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہوگئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھودو اور ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اس کو آگ میں ڈالتے جاؤ۔ تب شاہی کارندوں نے ایمانداروں کو آگ

---

[1] کاہن جادوگر [2] راہب خدا پرست [3] راہب سے مراد فیمیون ہے اور بادشاہ سے مراد ذونواس ہو سکتا ہے یا نجران کا حاکم۔ مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فروگذاشت ہوگئی کس لیے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا۔ اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے جو ذونواس ہے۔ ۱۲ منہ

میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ قتل اصحاب الاخدود النار یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے العزیز الحمید تک آیت پڑھی۔ مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مؤرخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسی قدر مخالفت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا اور کھائیاں آ کر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھیں اور اسی نے آ کر جبکہ یہ دیکھا کہ اکثر اہلِ نجران عیسائی ہو گئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبداللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا۔

اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس ظالم نے قتل کیا تھا۔

ذونواس کا تذکرہ | اب ہم کسی قدر اس ذونواس کا حال بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ ملکِ یمن میں قوم حمیر کا اخیر بادشاہ اسد تھا۔ اس کو تبع اخیر بھی کہتے ہیں۔ یہ بادشاہ نوشیرواں عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ اس نے تسخیرِ بلاد کا اپنے بزرگوں کے طور پر قصد کیا۔ حجاز اور بالخصوص مکہ سے سفر کرتا ہوا مدینہ پہنچا۔ مدینہ کے آس پاس قوم یہود کی چند بستیاں آباد تھیں۔ یہ لوگ بخت نصر کے حادثہ سے یا اس کے بعد دیگر حوادث سے اس ملک میں آ رہے تھے۔ فدک، خیبر، قریظہ، نضیر، وادی القریٰ، ینبوع وغیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں صرف یہی لوگ توریت اور دینِ موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے ورنہ سب عرب بت پرست تھے۔ مدینہ کا گرد و نواح اس بادشاہ کو بہت پسند آیا۔ مدینہ کا سردار ان دنوں عمرو بن طیاں بنی خزرج میں سے تھا۔ یہ بادشاہ جس کے پاس بے شمار لشکر تھا۔ مدینہ پر غالب آیا اور عمرو کی جگہ اپنے بیٹے کو سردار کر کے شام کی طرف کوچ کر گیا۔ جب دور چلا گیا تو بعد میں اہلِ مدینہ نے اس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ اس نے اس خبر کو سن کر ارادہ کیا کہ واپسی میں اس شہر کے مرد و زن کو تہِ تیغ کروں گا۔ چنانچہ جب یہ لوٹتا ہوا آیا تو مدینہ کا محاصرہ کیا۔ بہت دنوں محاصرہ رہا مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ اس عرصہ میں بنی قریظہ کے دو تین عالم یہودی اس کے پاس آئے جن میں سے ایک کا نام کعب اور ایک کا اسید تھا۔ انہوں نے کہا، اے بادشاہ! آپ اس شہر کو برباد نہ کر سکیں گے لوٹ جائیے۔ اس نے پوچھا کس لیے عرض کیا کہ اس شہر کو خدا نے اپنے ایک اخیر نبی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو قریشِ مکہ میں پیدا ہوگا اور جب مکہ کے لوگ اس پر ظلم کریں گے تو اس شہر میں آ کر رہے گا۔ یہیں اس کی قبر ہوگی۔ یہ خبر ہماری توریت میں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟ انہوں نے آگاہ کیا اور دینِ موسوی کے فضائل بیان کئے۔ تب یہ بت پرست بادشاہ مذہبِ یہودی میں داخل ہو گیا اور ان دونوں عالموں کو یمن میں ہمراہ لے گیا اور وہاں اس مذہب کو رواج دیا۔ پھر یہ بادشاہ مر گیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے۔ حسان، عمرو، زرعہ۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ اس لیے بنی لخم میں سے ایک شخص ربیعہ بن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت کا مالک ہو گیا، اسی ربیعہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کے لیے سطیح اور شق دو کاہنوں کو بلایا۔ انہوں نے از خود بادشاہ کا خواب بیان کر دیا کہ آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ایک سیاہی جہاں میں پھیل گئی اور اس سیاہی میں سے ایک کوئلہ نکل کر زمین پر گرا اور آگ ہو گیا اور لوگوں کو جلا دیا۔ بادشاہ نے کہا تو نے درست کہا، اب اس کی تعبیر کیا ہے؟ اس نے کہا ملکِ حبش سے ایک بادشاہ اٹھے گا اور تیرا ملک لے لے گا اور دین یہودی سے لوگوں کو برگشتہ کرے گا اور حبشیوں کا زور یمن پر ہو جاوے گا۔ بادشاہ نے پوچھا اے سطیح اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا ایک شخص اٹھے گا جس کا نام سیف بن ذی یزن ہوگا اور حبشیوں سے ملک چھین لے گا۔ پھر سیف مارا جائے گا اور عرب سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کا دین لوگ قبول کریں گے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس خواب کے اندیشہ سے ربیعہ نے اپنے لوگوں کو حیرہ میں بھیج دیا تھا جن میں سے منذر بن نعمان بھی تھا جو نوشیرواں کا تابع تھا اور اس کی سلطنت بصرہ، کوفہ اور عراق اور کچھ شام اور نواحِ عرب میں تھی۔

ربیعہ چند سال سلطنت کر کے مر گیا۔ لوگوں نے پھر تبع کے بیٹے حسان کو بادشاہ بنایا۔ اس نے حجاز اور شام پر چڑھائی کی اور یمن میں اپنے بھائی عمرو کو چھوڑ گیا تھا۔ جب وہ موصل میں پہنچا تو لوگوں نے عمرو کو بادشاہ بنالیا اور اس نے اپنے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا جس کے بعد وہ دیوانہ ہو کر مر گیا۔ اس عرصہ میں ایک شخص جو خاندانِ سلطنت سے نہ تھا۔ کھڑا ہوا اور یمن کا بادشاہ بن بیٹھا اس کا نام خیف بن عالم تھا وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا۔ لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتا تھا جو نئی دلہن ہوتی تھی پہلے ایک رات وہ رکھا کرتا تھا۔ زرعہ جو تبع کا چھوٹا بیٹا باقی رہ گیا تھا وہ نہایت حسین تھا اس کو بھی اس نے اس ارادہ سے بلایا۔ اس نے تنہا پا کر اس ناپاک کو مار ڈالا اور لوگوں نے مستحق تاج و تخت سمجھ کر زرعہ ہی کو یمن کا بادشاہ بنالیا۔

ادھر نجران میں شام سے ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ذریت میں آیا جس کا نام قیمون تھا اور نجران میں عرب کا قبیلہ بنی ثعلبہ تھا اور وہاں ایک کھجور کا پیڑ تھا جس کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی کرتے تھے۔ قیمون مرد باخدا تھا' رات بھر عبادت کیا کرتا تھا اور دن کو مزدوری اور آج اس گاؤں میں ہے تو کل دوسرے میں اسی طرح قیام کیا کرتا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی کرامات دیکھیں تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور کہا اگر تو ہمارے بتوں پر غالب آ گیا تو ہم تیرا دین اختیار کر لیں گے۔ قیمون کی دعا سے ان کے بت گر پڑے۔ لوگوں نے دینِ عیسوی اختیار کر لیا اور قیمون وہاں انجیل کی تعلیم کرنے لگے۔ وہاں کے سردار تامر کا بیٹا عبداللہ بھی قیمون کا شاگردِ رشید اور بڑا بزرگ اٹھا۔ اب نجران کے لوگوں نے بجز عیسوی دین کے اور کسی مذہب کو باقی نہ چھوڑا جو ان کا دین قبول نہ کرتا تھا قتل کیا جاتا تھا۔ ایک یہودی نجران میں گیا اور جا کر اس نے یہ سب کیفیت ملاحظہ کی اور زرعہ کو خبر کی اور یہ زرعہ ذونواس بھی کہلاتا تھا۔ یہ سن کر ذونواس پچاس ہزار لشکر لے کر نجران پر چڑھ گیا اور عیسائیوں کا عبادت خانہ جلا دیا اور کھائیاں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی سے برگشتہ نہ ہو اس کو اس میں ڈال دو۔ اس لیے لوگوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا اور عبداللہ بن تامر کو بھی قتل کیا۔ یہ ہیں اصحاب الاخدود جن پر خدا تعالیٰ قرآن مجید میں لعنت کرتا ہے۔ لقولہ قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذھم علیھا قعود اور یہ ظلم و ستم کر کے ذونواس یمن میں واپس آیا (بعض کہتے ہیں ذونواس زرعہ نہ تھا بلکہ اس کا سپہ سالار تھا) اس حادثہ کے بعد نجران کے لوگوں میں سے ایک شخص جلی ہوئی انجیل لے کر قیصر روم کے پاس جو وہ بھی عیسائی تھا فریادی گیا۔ قیصر یہ ماجرا سن کر سخت ناراض ہوا اور رویا اور کہا میرے لشکر کا پہنچنا مشکل ہے۔ میں حبش کے بادشاہ نجاشی کو لکھتا ہوں کہ وہ بھی عیسائی ہے اور یمن سے قریب ہے' وہ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ قیصر کے نامہ کے ساتھ یہ شخص حبش میں آیا وہاں کا بادشاہ یہ حال سن کر بہت رویا۔ تب شاہِ حبش نے ستر ہزار بہادر سپاہ تیار کی اور اس کا سپہ سالار رباطہ کو کیا۔ حبش اور یمن کے درمیان چھوٹا سا ٹکڑا سمندر کا ہے۔ یہ لشکر بحری جہازوں پر سوار ہو کر یمن میں حضر موت کے مقام پر اتر پڑا۔ ذونواس نے ایک حیلہ کیا کہ رباطہ کو نامہ لکھا کہ شاہ نجاشی کو مجھ سے عداوت نہیں اس لیے میں بھی لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ کو میں خزانوں کی کنجیاں دیے دیتا ہوں۔ پھر آپ مجھے یا اپنے پاس رکھئے یا نجاشی کے پاس بھیج دیجئے۔ رباطہ نے کہا میں نجاشی کو مطلع کرتا ہوں جو وہ حکم دے گا آپ کو مطلع کروں گا۔ اس لیے نجاشی کو سب حال لکھا۔ نجاشی نے خوش ہو کر حکم دیا کہ خزانے اس سے لے لو اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس بات کی ذونواس کو خبر دی۔ ذونواس نے اونٹوں پر کنجیاں لاد کر رباطہ کے پاس بھیج دیں اور پھر شہر صنعا میں رباطہ کو لے آیا اور جو کچھ تھا اس کے حوالے کیا اور یہ بھی کہا کہ اور صوبجات میں بھی میرے خزانچی اور خزانے ہیں اور آپ جہاں جہاں میں کہوں ضبط اموال کے لیے لشکر روانہ کیجئے۔ رباطہ نے ایسا ہی کیا اور تمام لشکر ملک یمن میں منتشر کر دیا اور در پردہ لوگوں کو لکھ بھیجا کہ ہر جا ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشی لشکر جا بجا مارا گیا۔ رباطہ کو جب یہ خبر ملی تو صنعاء سے بھاگ کر حضر موت میں آیا اور کشتی میں آ بیٹھا اور نجاشی کو اس حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے ایک لاکھ پیادہ اور سوار کا دوسرا لشکر مرتب کیا اور ان کا افسر ابرہہ بن صباح کو کیا جو شاہی خاندان سے تھا اور اس کو عرب ابرہہ الاشرم بھی کہتے تھے اور اشرم نکٹے کو کہتے ہیں۔

جب ذونواس نے دیکھا کہ اب کے بار بڑا لشکر آیا اور کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی تو گھوڑے پر چڑھ کر سمندر میں گھس گیا۔ یہ گھوڑا تیرا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا اور سوار دونوں ڈوب گئے۔ ابرہہ نے آ کر تمام ملک اور صنعاء کی بیش بہا چیزوں پر قبضہ کر لیا اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی اختیار نہ کرے گا قتل کیا جاوے گا۔ چنانچہ جس نے ذرا بھی انکار کیا گردن ماردی گئی۔ نجاشی کو ابرہہ کے تحائف و نذرانہ فتوحات نہ بھیجنے سے گمان ہوا کہ خود سر ہو گیا۔ اس لیے چار ہزار لشکر دے کر رباطہ کو بھیجا کہ ابرہہ کو معزول کر کے میرے پاس بھیج اور تو میری طرف سے وہاں کا حاکم ہو کر رہ۔ جب رباطہ آیا اور ابرہہ سے کہا تو ابرہہ نے کہا اگر میں سب چیزیں تیرے سپرد نہ کروں تو تو کیا کرے گا۔ رباطہ نے کہا جنگ کروں گا۔ ابرہہ نے کہا آ تو لو میں اور تو ہی کیوں نہ لڑیں فوج کو کیوں تلف کریں۔ فوج سے نکل کر دونوں میدان میں آئے۔ ادھر ابرہہ نے اپنا ایک غلام چھپا رکھا تھا۔ رباطہ نے ابرہہ کے سر پر تلوار ماری چونکہ یہ لوہے کا خول پہنے ہوئے تھا سر تو نہ کٹا مگر ناک اڑ گئی۔ اس لیے اس کو اشرم کہنے لگے۔ ادھر غلام نے رباطہ پر یکا یک حربہ کیا اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ باقی رباطہ کے لوگ کچھ مارے گئے کچھ بھاگتے دریا میں ڈوبے۔ کچھ کشتیوں میں سوار ہو کر نجاشی کے پاس آئے اور سب حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے قسم کھائی کہ میں جب تک ابرہہ کو قتل نہ کرلوں گا خاموش نہ رہوں گا۔ ابرہہ کو بھی خبر لگی اس نے ایک عرضی میں عذر لکھا اور کہا کہ رباطہ نے مجھ پر زیادتی تھی۔ میرے غلام نے اس کو مار ڈالا۔ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور عرضی کے ساتھ بہت کچھ تحائف بھی بھیجے۔ نجاشی نے عذر قبول کر کے ابرہہ کو ہی یمن کا حاکم رہنے دیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جو بہت سے ہاتھی لے کر کعبہ ڈھانے آیا اور اس کا لشکر اور یہ قہرِ الٰہی میں مبتلا ہوا جس کا ذکر سورہ الم ترکیف کی تفسیر میں آوے گا (ملخص از تاریخ طبری) اس تاریخ کے مطابق عبداللہ بن تامر کو ذونواس نے قتل کیا تھا اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت تک دینِ عیسوی کی پابندی فرض تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دین میں عیسائیوں نے صدہا بدعات ملا کر اس کی اصلی صورت بگاڑ دی تھی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾

بے شک جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستایا پھر اس سے باز نہ آئے تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لیے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ بے شک تیرے رب کی پکڑ بھی سخت ہے۔ وہ تو اول بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا پیار کرنے والا تخت والا بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

ترکیب | فلھم الخ الجملۃ خبر ان ولھم الجملۃ الثانیۃ معطوفۃ علیھا الذین آمنوا الخ اسم ان لھم جنات الجملۃ خبرھا تجری الخ صفۃ جنات' المجید قرء الجمھور بالرفع علی انہ لغت لذو وقری بالکسر علی انہ لغت للعرش ومجدہ علوہ وعظمہ وقیل ھو نعت لربک وقال مکی ھو خبر بعد خبر۔ فعال مرفوع علی انہ خبر مبتدء محذوف وقال الفراء مرفوع علی التکریر والاستیناف وقیل مرفوع علی الاتباع۔

تفسیر | کفارِ قریش کو اصحاب الاخدود کا حال کا سنا کر کہ ان پر لعنت پڑی دنیا میں بھی برباد ہوئے۔ تخت بخت سب جاتا رہا۔ ذلت سے مرے آخرت میں بھی رسوا ہوئے اپنا دائمی قانون سناتا ہے۔ فقال ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات کہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا عام ہے کہ مار پیٹ کی یا قتل کیا یا قید میں رکھا یا اور کسی قسم کی تکلیف دی یا ان کے لیے گمراہی میں اور لہو ولعب میں پڑنے کے سامان پیدا کئے۔ ناچ تماشا اور رقص و سرود کی محفل کر کے مسلمان مرد اور عورتوں کو شریک کرنا بھی ان کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ ثم لم یتوبوا اور پھر اس سے وہ باز نہ آئے کیونکہ اگر باز آ جاتے اور توبہ کرتے تو گو حقوق العباد کا مطالبہ باقی رہتا مگر خدائی مقابلہ کے جرم میں عذاب عظیم نہ پاتے۔ فلھم عذاب جھنم تو ان کے لیے آخرت میں عذابِ جہنم ہے ولھم عذاب الحریق اور دنیا میں جلانے والا عذاب ہے یعنی وہ مصیبت کہ جس سے ان کے دلوں پر صدمہ ہو اور جلا کریں' اقبال جاتا رہے۔ دشمن غلبہ پاویں۔ افلاس و نااتفاقی اور بیماریاں اور قحط پیش آویں' قتل کئے جاویں۔ گھر بار چھنیں' بال بچے قید ہوں یا غلام بنائے جاویں۔ عورتیں ان کے روبرو بے عزت کی جائیں۔ ان کے ملک اور دولت پر دشمن قابض ہوں اور یہ دیکھا کریں۔ خدا کی پناہ ہے۔ عذاب حریق سے اور سب عذابوں سے اور ف جو فلھم میں آئی تو اس سے یہ بات بتلا دی کہ یہ بلا انہیں کے افعال سے آتی ہے وہ افعال سبب اور یہ مسبب ہے۔ ہماری عدالت اور رحم کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ ہم بغیر کسی ارتکاب جرم کے عذاب میں مبتلا کریں۔ یہ ان کی سوزش کا بدلہ ہے جو ان کے ہاتھ سے ایمانداروں کو پہنچتی تھی۔ اب دوسری بات اس کے مقابلے میں نیکی کرنے والوں ایمانداروں کی بابت بھی سن لو ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کہ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے۔ عبادت' خیرات وصلہ رحمی وغیرہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھار ان کے لیے باغ ہیں یعنی بہشت میں اور باغ بھی کیسے کہ جن میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ نہریں ان خونوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں ان کے بدنوں سے اللہ کی راہ میں نکلا تھا یا وہ حسناتِ جاریہ ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ذلك الفوز الكبير یہ ہے بڑی کامیابی کس لیے کہ اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور اچھے جواہرات اور تمامی عیش و سامان بہم بھی پہنچا لیے اول تو سب چیزوں کا بہم پہنچنا مشکل ہے ایک نہ ایک حسرت باقی ہی رہ جاتی ہے کیا خوب کہا کسی نے۔

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تو پھر ان چیزوں کو دوام و بقا نہیں۔ دشمن کا کھٹکا ان چیزوں کی بے ثباتی کا بھی وغدغہ ساتھ ہی لگا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو اخیر عمر میں اپنے ملازموں اور اولاد اور بیویوں کے ہاتھ سے تلخی چکھ کر بڑی حسرتوں سے مال اور ملک رخصت کرنا پڑا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو خود اس کی عمرِ رواں کا کیا اعتبار اور پھر جوانی اور تندرستی تو تھامے نہیں تھمتی بے اختیار چلی جاتی ہے۔ برخلاف دارِ آخرت اور وہاں کے نعیم کے وہاں ان باتوں میں سے کسی کا بھی دغدغہ نہیں وہیں کے پھول بے کانٹے کے ہیں اسی لیے عالی دماغوں نے اس چندروزہ عیش پر لات ماردی تھی اور قبل اس کے کہ یہ عیش ونشاط ان کو چھوڑے خود انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے بڑی کامیابی جنت اور وہاں کے نعیم ہیں۔

دو باتیں بیان فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ ایمانداروں کو ستانے والوں کو جہنم ہے۔ دوسری یہ کہ ایماندار وں نیک بختوں کے لیے جنت ہے۔ اس لیے ان دونوں کے مناسب دو قسم کے صفات بیان فرمانا کلام کو مؤکد کرتا ہے۔ پہلی بات کے لیے اپنی صفتِ جبروت وقہر و قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال ان بطش ربك لشدید کہ تیرے رب کی گرفت سخت ہے۔ جس کو پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ دنیا میں بھی خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔ آخرت میں مبتلاءِ عذاب کرتا ہے۔ نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔ بندہ کو کسی بات

پر ناز نہ کرنا چاہیے۔ وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ دولت مندوں کو مفلس کر دیتا ہے۔ آبائی اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

دوسری بات کے لیے صفاتِ رحم وعطاو بذل وجود کو ذکر کرتا ہے۔ فقال انه هو يبدئ ويعيد کہ وہ مبداءِ فیاض ہے۔ پہلا وجود بھی اسی نے عطا کیا تھا اور مرنے کے بعد بھی جو نئی زندگانی ہوگی اس وجود کو بھی وہی عطا کرے گا۔ یہاں دارِ آخرت کا ضمناً ثبوت بھی تھا اور یہی زندگی فوزِ کبیر کا مقدمہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد فوزِ کبیر کے متعلق صفات بیان فرماتا ہے۔ وهو الغفور کہ وہ بخش دینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ واستغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں اس کے لیے الودود پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہی محبت کرنے کے قابل ہے۔ وہی محبوبِ اصلی ہے۔ ذوالعرش تخت والا بھی تخت پر بیٹھ کر اپنے ملک میں جو چاہتا ہے کرتا ہے کون ہے اس کے آگے صاحبِ تخت؟ المجيد بڑی شان والا ہے۔ فعال لما يريد اور قادرِ مطلق بھی ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ کوئی اس کو روک نہیں سکتا' نہ کسی کام میں اس کو کسی مددگار کی طرف حاجت پڑتی ہے نہ وہ کسی سامان کا محتاج ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ ع

آپ کو لشکروں کا حال تو معلوم ہوا ہی ہوگا فرعون اور ثمود کا بلکہ منکر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ہے کہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان کا لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا)

ترکیب | هل اتاك الجملة مستانفة مقررة لما تقدم من شدة بطشه وكونه فعال لما يريد فرعون وثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون هو وقومه وثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحديثهم ماوقع منهم من الكفر والعناد وما وقع عليهم من العذاب والله الخ الجملة حال من فاعل كفروا محفوظ بالجر نعت للوح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءة الجمهور۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا کہ تیرے رب کی پکڑ سخت ہے اور اس کے ثبوت کے لیے اول اصحاب الاخدود کا قصہ نقل کیا تھا۔ اجمالاً جو آنحضرت ﷺ سے تھوڑے ہی برسوں پہلے گزرا تھا اور عرب میں زبان زد تھا۔ اس کے بعد پھر اسی بات کے ثبوت کے لیے اجمالی طور پر وہ واقعات کو یاد دلاتا ہے جن میں سے ایک کو تو عرب اور اہلِ کتاب جانتے تھے۔ اس لیے اس کو مقدم کیا اور وہ فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا قصہ ہے اور دوسرے کو عرب جانتے تھے یعنی قومِ ثمود کا حال کہ جو کچھ ان پر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے گزرا۔ اس لیے فرماتا ہے هل اتاك حديث الجنود کہ اے محمدؐ یا اے مخاطب! کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی ہوگی۔ بعض علماء کہتے ہیں هل بمعنی قد ہے یعنی تحقیق پہنچی سب جانتے ہیں جنود جند کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفارِ قریش کیا چیز ہیں۔ ان کا تو ایک لشکر بھی نہیں۔ اس سے پہلے بہت سے لشکروں کو ہم غارت کر چکے ہیں۔ پھر فرماتا ہے فرعون و ثمود وہ لشکر کون تھے؟ فرعون کے اور قومِ ثمود کے لشکر جو بڑے طاقتور اور کثرت سے تھے۔ کچھ ایسے ویسے لشکر بھی نہ تھے۔ پھر دیکھو ان پر کیا گزری کس طرح سے خدائے جلیل وجبار نے ان کی سرکشی اور بدکاری سے ان کو ہلاک کیا۔ ان دونوں قصوں کی تفصیل کئی بار قرآن مجید میں آ چکی ہے۔

منکرین قریش ایسے واقعات سن کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کیا خدا کے قائل نہیں اور کیا اس کی قدرت کو نہیں مانتے۔ یہ اس لیے کہ وہ مشرک تھے۔ بتوں کو وسیلہ جانتے تھے اور خدا پاک کو بھی مانتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بل الذين كفروا فى تكذيب ہرگز نہیں

بلکہ منکر جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ گو زبان سے کہتے ہیں مگر ان کا حال جھٹلا رہے ہیں اور اگر دل میں ان کے اسباب کا نقشہ جما ہوتا کہ وہ سخت پکڑ کرنے والا ہے تو ایمانداروں اور ہمارے پیغمبر پر ظلم و ستم نہ کرتے اور سرکشی سے باز آتے اور ہماری مرضی کے تابع ہوتے بلکہ ان کو اپنے جہل سے اپنی طاقت اور قومیت کا غرور ہے اور دراصل یہ غرور باطل ہے کس لیے کہ واللہ من ورائھم محیط کہ وہ ہر طرف سے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے اور تمام ممکنات کا یہی حال ہے کہ اس کی قدرت کے احاطہ میں ہے وہ سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ احاطہ جسمانی نہیں جیسا کہ برتن کا پانی کے لیے اور گھر کا گھر میں رہنے والوں کے لیے ہوتا ہے بلکہ احاطۂ قدرت اور احاطہ ذاتی ہے چونکہ یہ سب واقعات اور پھر ہدایت مضامینِ قرآن میں ہیں۔ وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ بل ھو قرآن مجید بلکہ قرآن وہ بلند شان والا ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوسکتا۔ کس لیے فی لوح محفوظ لوحِ محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ لوحِ محفوظ کی کیفیت مقدمۂ تفسیر سے معلوم کرو۔

(سورہ طارق مکیہ ہے اس میں سترہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی اور آپ کیا جانیں کیا ہے رات میں آنے والا (وہ) چمکتا ہوا تارا ہے۔ ایسی کوئی بھی جان نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔ پھر آدمی آپ ہی دیکھے کہ وہ کاہے سے بنایا گیا۔ ایک اچھلتے قطرہ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

ترکیب | والسماء۔ السماء مجرور معطوف علیہ والطارق عطف علیہ۔ والطارق ما یاتی لیلا سوا کان کوکبا وغیرہ لطروق بشب آمدن (ع ف اض ۲) طارق بشب آیندہ وستارہ و کشتی کردن فحل۔ ازصراح) وما ادراك الجملۃ الاستفہامیۃ تفخیم الطارق النجم الثاقب مستانفہ جواب سوال کانہ قیل ماھو فقال النجم الثاقب۔ ثقوب افروختہ شدن آتش۔ ص۔ ان کل نفس لما علیھا حافظ قرء ابن کثیر وابی عمرو نافع وکسائی لما بالتخفیف وقرء عاصم وحمزۃ والنخعی بالتشدید فمن خفف کانت ان عندہ المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لما تدخل مع ان المخففۃ للفرق بین النافیۃ والمخففۃ وما صلۃ کما فی قولہ فبما رحمۃ ومن اثقل فان عندہ النافیۃ ولما بمعنی الا حافظ مبتداء علیھا خبر والجملۃ جواب القسم علی التقدیرین ای ان الشان کل نفس لعلیھا حافظ او ما کل نفس الا علیھا حافظ خلق الخ الجملۃ مستانفۃ جواب۔ سوال مقدر والماء المنی والدفق الصب دافق ای مدفوق مصبوب فی الرحم یخرج الجملۃ صفۃ ماء والترائب جمع تریبۃ وھی موضع القلادۃ من الصدر والصلب والصدر لھما دخل عظیم فی تولد المنی لان للدماغ دخل تام ولہ خلیفۃ وھی النخاع وھی فی الصلب ولہ شعب کثیرۃ نازلۃ الی مقدم البدن وھو التریبۃ فلھذا السبب خصصھما اللہ بالذکر والا مادۃ المنی فی الانثیین تتولد من فضلۃ الھضم الرابع وتنفصل عن جمیع اجزا البدن حتی یاخذ من کل عضو طبیعۃ وخاصیۃ فیصیر مستعدا لان یتولد منہ مثل تلک الاعضاء انہ الضمیر یرجع الی اللہ سبحانہ والضمیر فی رجعہ الی الانسان فالمصدر مضاف الی المفعول۔

تفسیر | یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ لفظ طارق اس میں ہے اس لیے اس کا نام سورہ طارق قرار پایا۔ اس کی سترہ آیات

ہیں۔ مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے آسمان کے ذکر اور مسئلہ مبداء ومعاد کے ذکر سے اور نیز خاتمہ سے ظاہر ہے۔

سورہ بروج میں فرمایا تھا کہ اللہ کے احاطہ میں لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہ قرآن لوحِ محفوظ میں بحفاظت ہے۔ اب ان دونوں باتوں کے متعلق دو چیزوں کا ذکر قسم کھا کر کرتا ہے۔ فقال والسماء قسم ہے آسمان کی اس میں پہلی بات کی تائید ہے کہ آسمان ہمارا بنایا ہوا ہے مگر اس نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ صورۃً ومعنیً۔ جہاں جاؤ اور کسی ملک یا دریا میں چلے جاؤ آسمان سر پر موجود اور ہر طرف سے محیط ہے۔ ع

بہر زمین کہ روی آسماں بروپیداست

اور نیز آسمانی احکام سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ موت، حیات، تندرستی، بیماری، فتح وشکست، دولتمندی، افلاس، عزت، ذلت سب آسمانی احکام ہیں بھلا کوئی ان کو ٹال تو دے۔ انہیں احکام کے ٹالنے میں اوہامِ باطلہ کہیں فال اور شگون سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں گنڈے اور ٹوٹکے کرتے ہیں۔ کہیں بتوں سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں قبورِ صلحاء وانبیاء سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں ان کی ارواحِ طیبات کو پکارتے ہیں مگر آسمانی حکم ہو کر رہتا ہے۔ نہ کوئی تدبیر پیش چلتی ہے نہ کوئی حیلہ کارگر ہوتا ہے اب بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے احاطہ میں ہر چیز ہے؟ کس لیے کہ آسمان اس کے احاطہ میں ہے اور اس نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔ دوسری بات کے لیے یہ اشارہ ہوا والطارق اور قسم ہے ہمیں طارق کی۔ طارق کے لغوی معنی ہیں رات میں آنے والے کے خواہ کوئی آوے۔ اور اسی لیے احادیث میں آیا ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل کہ اللہ کی پناہ ان حوادث سے جو رات میں یکا یک آویں۔ اس لیے کہ رات میں ان کا تدارک استغاثہ تدبر علاج استعانت وغیرہ اسباب سے مشکل ہوتا ہے مگر اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ آپ ہی تعظیمِ شان کے لیے سامعین سے دریافت کر کے وما ادراك ما الطارق کہ تو کیا سمجھا کہ طارق کیا ہے یعنی کوئی ویسی چھوٹی موٹی بات رات کی نہیں ہے۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے النجم الثاقب کہ وہ روشن ستارہ ہے۔ **طارق کے معنی میں اقوال:** پھر علماء کے اس میں کئی قول ہیں: (۱) بعض کہتے ہیں جنس مراد ہے ہر ایک ستارے کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں۔ کس لیے کہ ہر ایک طارق ہے یعنی رات میں آنے والا اپنے آپ نمودار ہونے والا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ستارہ معین مراد ہے پھر اس تعین میں بھی کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں زحل مراد ہے کس لیے کہ ثقب چھید کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی روشنی ساتوں آسمانوں کو چیر کے نیچے تک آتی ہے بعض کہتے ہیں۔ ثقوب روشنی کے معنی میں ہے اور ثریا کا گچھا بسبب اجتماع کے زیادہ روشن ہے۔ اس لیے وہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شہابِ ثاقب مراد ہے اور یہی اخیر قول زیادہ ترچسپاں ہے۔ کس لیے کہ حفاظت کا نمونہ دکھانا منظور ہے اور یہ بات شہابِ ثاقب سے زیادہ حاصل ہے کس لیے کہ جب شیاطین عالمِ بالا میں اسرارِ غیبی لینے کو جاتے ہیں تا کہ لوگوں پر افشاء کر کے ان کے اعتقادات خراب کریں اور قرآن میں خلل اندازی کریں تو شہابِ ثاقب ان پر دوڑ کر جاتا ہے اور ہانک دیتا ہے۔ گرچہ اور ستاروں سے بھی حفاظت ہے۔ عالمِ ارضی کی حفاظت اس لیے کہ نباتات کی روئیدگی اور ان کا پکنا پھولنا وغیرہ امور ستاروں کی شعاعوں سے متعلق ہیں اور نیز وہ اجسامِ نورانیہ ہیں اور نور سے بالطبع شیاطین کو نفرت ہے۔ کس لیے کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ اس لیے وہ ان شمعوں اور آسمانی چراغوں کی چکاچوند سے خیرہ ہو کر ہٹ آتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اندھیرے مکانوں میں اور رات کو جہاں کہ چراغ دار روشنی نہ ہو شیاطین وخبائث کا زیادہ گزر اور اثر ہوتا ہے۔[1]

اس محافظت کے مضمون کو جو مقصودِ اصلی اس مقام پر تھا اگرچہ ضمناً ثابت کیا گیا تھا مگر اس کو بصراحت ثابت کرتا ہے اور اس کے مؤکد کرنے کو اسی کو جوابِ قسم قرار دیتا ہے۔ فقال ان کل نفس لما علیھا حافظ کہ ہر نفس پر محافظ ہے یا یوں کہو ایسی کوئی جان یا چیز نہیں کہ جس پر وہ محافظ نہ ہو۔ پھر قرآن کی حفاظت کون سی بڑی بات ہے۔ نفس سے بعض علماء کے نزدیک مطلق ذات الشیء مراد ہے اس تقدیر پر

---

[1] دن کو تو آفتاب کے چراغ اور رات کو ستاروں کی روشنی عالم بالا تک شیاطین کو نہیں جانے دیتی۔

حافظ اللہ ہے کس لیے کہ سوائے حق سبحانہ کے جو چیز ہے ممکن ہے اور ہر ممکن وجود و عدم میں مساوی الطرفین ہے۔ جانب وجود کسی مرجح کی ترجیح سے قائم ہوتی ہے اور وہ واجب تعالیٰ ہے۔ پس وہی حق سبحانہ ہر شے کا قیوم ہے وہی موجودات کو باقی رکھتا ہے وہی حفاظت کرتا ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظاہر فرماتا ہے۔ ان اللہ یمسک السماوات و الارض ان تزولا اور اگر نفس انسانیہ یا حیوانیہ مراد ہوں تو بالخصوص ان کی قومیت کی طرف اشارہ ہوگا اور اس طرف بھی کہ وہی ہر وقت ان کی خبر گیری کرتا ہے۔ ان کے منافع واسباب زندگی بہم پہنچاتا ہے مضرات سے بچاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حافظ سے مراد ملائکہ ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ویرسل علیکم حفظة ویحفظونه من امر اللہ۔ ہر بلا سے وہی حفاظت بحکم ربی کرتے ہیں۔ اگر اس کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو انسان کے حشرات الارض سے لے کر درندوں تک اور جن وشیاطین بلکہ ارضی وسماوی سینکڑوں جان لینے والے ہیں دریا میں اور خشکی پر وہی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کے اندرونہ اعضاء کے افعال وقویٰ کی وہی محافظت کرتا ہے۔

جبکہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہی محافظت کرتا ہے۔ اسی نے امن دے رکھا ہے تو اس حالت میں اور اس فرصت میں اصلی مقصد کی تحصیل میں کوشش کرنا چاہیے۔ خصوصاً جبکہ انسان کے اعمال بھی حفاظت سے دفتروں میں لکھے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد میں سے تمام اہلِ ادیان واہلِ عقول کے نزدیک مبدء و معاد کی معرفت ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ معاد کی معرفت سے مبداء کی معرفت مقدم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے معرفتِ مبداء کے لیے پہلے یہ کلام ذکر فرمایا فقال فلینظر الانسان مم خلق کہ آدمی خود نظر کرے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا؟ وہ دیکھے کہ اس کی اصل کیا ہے اور کس نے اس کو کیونکر بنایا ہے؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے خلق من ماء دافق کہ ایک پانی کی بوند سے بنایا گیا جو اچھلی ہے یعنی منی کے قطرہ سے جو کود کر نکلتا ہے۔ یخرج من بین الصلب والترائب وہ قطرہ پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

منی کا سینہ اور پیٹھ کے درمیان سے نکلنا: گرچہ محققین کے نزدیک منی کا خزانہ انثیین ہے اور رحم میں پڑنے کے وقت وہیں سے نکلتی ہے لیکن اس مادہ کی تولید کا اصلی سبب قیام و درستیِ بدن ہے اور خصوصاً دماغ اور اسی لیے جب ضعفِ دماغ ہوتا ہے تو یہ قوت کم ہو جاتی اور کثرتِ مجامعت سے دماغ کو ضعف عارض ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں بھی نحافت محسوس ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھے پشت کی طرف آئے ہیں جن کو نخاع کہتے ہیں اور اسی طرح اس کی شاخیں مقدم بدن کی طرف بھی آئی ہیں جو سینہ ہے اور عربی میں اس کو تریبہ کہتے ہیں اس لیے یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ منی پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور یہ مراد نہیں کہ پیٹھ اور سینہ میں منی موجود رہا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مرد کی منی دماغ سے نکل کر پیٹھ کی طرف سے انثیین کی رگوں میں آتی ہے اور عورت کی سینہ میں سے۔

آیت میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان مرد و عورت دونوں سے بنتا ہے نہ اس بات کہ صرف مرد کی منی سے اور جس کسی نے کچھ ثابت کیا ہے تو قرائن واستنباط سے۔

اگرچہ انسان حقیقی روح ہے اور وہ نہ کسی قطرۂ منی سے بنی ہے نہ اور کسی مادہ عنصری سے لیکن اس روح کا مرکب عالمِ حسی میں بدنِ انسانی ہے اور عالمِ ناسوتی میں غالباً اسی پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ منی کے قطرہ سے بنتا ہے۔ پھر اس کا بنانے والا کون ہے؟ وہی قادرِ مطلق اس قطرہ کو رحم میں اس سانچے میں ڈھالتا اور کیا کیا کاریگریاں کرتا ہے۔ اس کے بعد معرفتِ معاد پر جو دلالت کرے اس کو ذکر فرماتا ہے فقال انه علی رجعه لقادر کہ وہ کہ جس نے اس کو ایک قطرہ سے بنایا مرنے کے بعد بارِ دگر اس کو بنانے اور اس کی اس صورت کی طرف لوٹا دینے پر قادر ہے۔ وہ بارِ دیگر پھر اس کو ویسا ہی بنا سکتا ہے جن اجزاء سے منی بنائی تھی۔ پھر کیا وہ ان اجزاء سے اس کی دوبارہ جسمیت کا مادہ مجتمع نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔ اس کلام کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ پھر اس کو انہیں اجزا کی طرف پلٹا سکتا ہے۔ پھر وہی منی کا ایک قطرہ کر سکتا ہے۔ انسان وحیوان ونباتات میں اس کی گردش ظاہر ہے جس قطرہ سے یہ بنا تھا۔ اس کے تمام جسم کا عطر پھر وہی

قطرہ ہے جس سے پھر ویسا ہی انسان بنتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ وَّأَكِيْدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾ ع

جس دن کہ بھید کھل جائیں پھر تو نہ اس کا کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان بارش والے کی اور زمین کی جس سے بوٹیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں بے شک قرآن قطعی بات ہے اور یہ کچھ ہنسی نہیں۔ وہ تو ایک داؤ کر رہے ہیں اور میں بھی ایک داؤ کر رہا ہوں پھر تو منکروں کو تھوڑی سی مہلت دو۔

ترکیب ! یوم منصوب برجعہ وقیل بقادر وقیل العامل مقدر ای یرجعہ اواذکر فیکون مفعولا بہ والسرائر جمع سریرۃ والسر جمعہ اسرار وھوالذی یکتم والا تلا الاختبار والامتحان قال ابومسلم بلوث یقع علی اظہار الشی و علی امتحانہ والسماء الواو للقسم ذات الرجع صفۃ للسما قال الزجاج الرجع المطر لانہ یجی ویرجع ویتکرر وقال الخلیل الرجع المطر نفسہ والرجع نبات الربیع وقال الواحدی الرجع المطر فی قول المفسرین وقال ابن زید الراجع الشمس والقمر والنجوم یرجعن فی السماء تطلع من ناحیۃ وتغیب فی ناحیۃ وقال القفال معناہ ذات (   ) وقال ابن عباس الرجع المطر والارض معطوف علی السماء ذات الصدع صفۃ للارض الصدع ھوالشق قال ابن عباس تنشق عن النبات والاشجار وقال مجاہد ھوالجبلان بینہما شق وطریق نافذ کمافی قولہ وجعلنا فیہا سبلا فجاجا وقال اللیث الصدع نبات الارض لانہ یصدع الارض فتصدع بہ انہ لقول الخ جواب القسم والضمیر فی انہ یرجع الی ما اخبرتکم بہ من قدرتی علی احیاءکم یوم تبلی السرائر وقیل یرجع الی القرآن امہلہم بدل من مہل ومہل ومہل بمعنے واحد مثل نزل وانزل روایدا منصوب علی انہ مصدر موکد للفعل المذکور او نعت لمصدر محذوف ای امہلہم امہالاً۔ ویدا ای قلیلا او قریبا ویجوز ان یکون حالا روید فی کلام العرب علی ثلاثۃ اوجہ (۱) اسم للامر کقولک روید زیدا ای دعہ ولاتنصرف لانہا غیر متمکنۃ (۲) ھومصدر کسائر المصادر فیضاف الی مابعدہ تقول روید زید کما تقول ضرب زید (۳) ھونعت منصوب کقولک ساروا سیرا رویدا ورب ما یحذفون المنعوت ویقیمون رویدا مقامہ من الکبیر۔

تفسیر ! اور وہ اعادہ کس روز ہوگا؟ اس کو بتاتا ہے یوم تبلی السرائر جس روز کہ مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں یعنی قیامت کے روز۔ اس جملہ میں قیامت کی بھی ایک صفت بیان ہوگئی کہ وہ ایسا روز ہے کہ جس میں آج جو کچھ مخفی کہا جاتا ہے ظاہر ہو جاوے گا۔ اس عالم ناسوتی میں احکامِ روح مخفی و مستور اور احکامِ اجسام ظاہر ہیں۔ گناہ در پردہ ہوں یا ظاہر ان کی کیفیت جسم پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اخلاقِ ذمیمہ، بخل، حسد و کینہ حبِ جاہ و مال سب مخفی ہیں اور اسی طرح ایمان وحبِ الٰہی وصداقت و ذکرِ الٰہی وغیرہ افعال و اخلاقِ محمود کا بھی کوئی اثر ظاہر بدن پر نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز معاملہ برعکس ہوگا۔ روحانی آثار ظاہر ہو جاویں گے۔ سرائر عام ہے پوشیدہ گناہوں اور مکر وحیلہ کو بھی شامل ہے کہ جن کے اخفا کی دنیا میں کوشش کیا کرتے تھے اور عقائدِ باطلہ و نیاتِ فاسدہ کو بھی اسی طرح نیک کاموں کو بھی جن کو مخفی کرتے تھے۔ روزہ اور نمازِ تہجد اور مخفی خیرات اور دل کے ملکاتِ کاملہ، مواجِ جید و اشواق کو بھی اور ہر ایک معاملہ کو بھی جو اس میں اور خدا میں تھا۔ پھر اس روز کیا ہوگا۔ فما لہ من قوۃ پھر نہ اس کو خود قدرت ہوگی کہ اخفا کرنے اور اظہار ہونے کے بعد اس کی سزا کو دور کر سکے ولا ناصر اور نہ اور کوئی دوسرا اس اخفاء میں اور اظہار کے بعد سزا دور کرنے میں مدد کر سکے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو بارِ دیگر خدا تعالیٰ ایسی ہی زندگانی عطا کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ جس روز

یہ زندگانی عطا ہوگی مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں گی۔ اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے دو مثالیں پیش کرتا ہے جن کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور لطف یہ کہ ان دونوں مثالوں یا نمونوں کو قسم کھا کر بیان فرماتا ہے۔ اول نمونہ والسماء ذات الرجع کہ قسم ہے آسمان بارش والے کی رجع کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک بارش کے ہیں اور نفع کے بھی عرف عام میں بارش کا آسمان سے برسنا مشہور ہے۔ گو بادلوں سے برستی ہے اور اس لیے بادلوں کو بھی آسمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آسمان کو بارش والا کہا گیا۔ اس میں بار دیگر زندگانی کا نمونہ ہے۔ برسات میں سبزہ اگتا ہے۔ ایک عمر طبعی کو پہنچ کر چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اگلے سال پھر جو بارش ہوتی ہے تو وہ تمام نباتات بار دگر سرسبز ہو جاتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔ انه علی رجعه لقادر اس جملہ میں اسی مضمون کی تصریح ہے۔ بعض علماء نے رجع کے معنی حرکت کرنے اور چکر لگانے کے بھی لیے ہیں۔ اس تقدیر پر (آسمان چکر لگانے والے) معنی ہوں گے۔ اس میں بھی یہ مضمون ثابت ہے جیسا کہ آسمان چکر لگاتا ہوا لوٹ آتا ہے۔ رات سے پھر دن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا بھی بار دیگر اپنی حالت پر لوٹ آنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ دوسری بات کے لیے یہ دوسرا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ والارض ذات الصدع کہ قسم ہے زمین پھٹنے والی کی۔ صدع کے معنی پھٹنے کے بھی ہیں اور نباتات کے بھی۔ دیکھو زمین میں جو قوی ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ایک وقت پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ زمین پھٹ کر اس میں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں موسم بہار میں نکل آتی ہیں اور چشمے اور معادن بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ منی والد کے ہے اور زمین بمنزلہ رحم مادر کے نباتات و اشجار و دیگر اشیاء اس کے بچے ہیں جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں اور پھر مٹ جاتے ہیں۔ یہی حال اس دنیا اور دار آخرت کا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ زندگی عطا ہوگی۔ قسم کھا کر وہ جامع بات بیان فرماتا ہے۔ انها لقول فصل مر کر جینے اور مخفیات کے ظاہر ہو جانے کی بات قطعی اور دوٹوک بات ہے۔ وما هو بالهزل اور یہ ہنسی اور لغو بات نہیں۔ جیسا کہ انهم یکیدون کیدا وہ کفار کہتے ہیں کہ اجی وہاں کا حال کس نے دیکھا ہے۔ لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لیے حضرات انبیاء ایسے خیالی مضامین جنت دوزخ، سزاء و جزا کو تراش کر بیان کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ بچوں کو خیالی باتوں سے پھسلایا اور ڈرایا کرتے ہیں۔ یہ تھا کفار کا کید۔ واکید کیدا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں بھی کید کر رہا ہوں۔ ان باتوں کو دلائل انفس و آفاق سے ثابت کر رہا ہوں۔ یہ اس کا کید ہے یا یوں کہو ان کا دار آخرت سے غافل ہو کر حصول دنیا کے لیے اور دین الٰہی کے برباد کرنے کے لیے تدابیر نکالنا یہ ان کا کید تھا اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ اور ہدایت کے سامان پیدا کرنا اور ان کی بربادی کا سامان قریب لانا۔ یہ کید الٰہی ہے علی وجہ المشاکلت کید کا اس فعل الٰہی پر اطلاق ہوا۔ چونکہ وقت قریب آ لگا ہے فمهل الكافرين۔ ان کو مہلت دے۔ امهلهم رويدا ان کو اور تھوڑے دنوں مزہ کر لینے دیجئے، بددعا نہ کرو۔ پھر تو ہمیشہ کا عذاب ان کے لیے ہے یہ مہلت بھی کید الٰہی ہے۔

(سورہ اعلیٰ مکیہ ہے اس میں انیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِىْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۝٦ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧

اپنے رب کے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے تسبیح کیا کر۔ اس کی کہ جس نے انسان کو پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور اس کی کہ جس نے انسان کا اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور اس کی کہ جس نے چارہ نکالا پھر اس کو کالا کوڑا کر دیا (اے انسان!) تجھے ہم ابھی پڑھاتے ہیں پھر تو نہیں بھولے گا مگر جتنا کہ اللہ چاہے وہ تو کھلی اور چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

ترکیب | الاعلیٰ صفۃ ربک الذین الجملۃ صفۃ اخریٰ للرب والذی صفۃ اخریٰ او معطوف علی الموصول الذی قبلہ قدر قری مخففۃ ومثقلا والذی اخرج صفۃ اخریٰ فجعلہ غثاء فی القاموس الغثاء والقماش والزبد والھالک البالی من ورق الشجر قال قتادہ الغثاء الیابس احویٰ اسود ماخوذ من الحوۃ وھی سواد یضرب الی الخضرۃ فی القاموس الحوۃ سواد الی خضرۃ اوحمرۃ الی السواد حوی کرضی وفی الصحاح الحوۃ بالضم حمرۃ الشفۃ قال ابن عباس غثاء شیئا احوی متغیر فلا تنسی قیل نفی وقیل نھی والالف للاشباع الا استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای لاتنسی مما علمک اللہ شیئا من الاشیاء الا ماشاء اللہ ان تنساہ قال الفراء ولم یشاء اللہ ان ینسی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فھو کقولہ خالدین فیھا مادامت السماوات والارض الا ماشاء ربك انه يعلم الخ تعلیل لما قبلہ۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں۔ ابن عباس وابن الزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے تھے۔ امام احمد و بزار و ابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ اس سورہ کو بہت محبوب رکھتے تھے (کیونکہ اس میں بہت سے علوم اور خیرات ہیں) امام مسلم و امام احمد و اہل سنن نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور مسلم وغیرہ نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورہ طارق سے بہت سے مضامین میں ہے۔ ازانجملہ یہ کہ سورہ طارق میں انسان اور اس کے بعد دیگر مخلوق کی آفرینش بیان کی تھی کہ انسان قطرۂ منی سے اور نباتات آسمانی پانی سے اس کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سورہ میں انتہاءِ بیان ہے کہ آخر کار مرجھا جاتے اور چورا چورا ہو کر ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ پاؤں میں آتے خاک میں مل جاتے ہیں وجودِ ناسوتی میں ایک جلوہ دکھا کر چلے گئے۔ شان نزول: شانِ نزول اس سورہ کا مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جانبِ غیب سے بے شمار علوم و معارف کا فیضان ہونا شروع ہوا تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود لکھا پڑھا نہیں۔ مبادا ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں اس لیے اس سورہ میں حق سبحانہ آپ کی تسلی کرتا ہے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورہ بمنزلہ ایک کتاب کے ہے۔ ہر ایک میں علوم و معارف انسانی سعادت کی رہنمائی کرنے میں کافی وشافی ہیں۔ تکمیلِ انسان کے لیے ان چند علوم کی اشد ضرورت ہے۔ (۱) مبدء و معاد کی کہ ہر عاقل کو یہ غور کرنا چاہیے کہ یہ مخلوق کس نے بنائی اور اس میں کیا کیا کاریگری کی۔ اگر کسی درخت یا جڑی بوٹی کو بغور ملاحظہ کیجئے گا تو اس کو معرفتِ الٰہی کا ایک دفتر پائے گا۔ جب یہ خیال ہوگا کہ اس کی ابتداء کیا تھی؟ ایک تخم خشک پھر زمین میں جا کر آسمانی پانی نے اس کی ان قوتوں کو جو مبدءِ فیاض نے اس میں ودیعت رکھی تھیں کس طرح سے ابھارا اور پھر اس میں ایک تنا نکلا اور نکل کر میدانِ وجود کو طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہنچا۔ پتے ہیں تو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پھول ہیں تو اپنے رنگوں اور صورت میں کس کاریگری کے ساتھ اور پھر ہر شاخ کا نشو و نما ہے تو کس انداز کے ساتھ اور پھر اس تدریجی ترقی میں اس کے لیے کیا کیا سامان مہیا کئے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک چیز میں ایک جدی خاصیت رکھی گئی ہے اور اس کی غذا حاصل کرنے اور توالد و تناسل کے جو قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان میں غور کرنے سے اور بھی حیرت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان اپنے حالات

... رکرے کہ میں کس طرح سے پیدا ہوا اور میری بناوٹ میں کیا کیا خوبصورتی کی شانیں نمایاں کی ہیں اور مجھ میں کیا کیا قوتیں ودیعت رکھی ہیں اور میں بے اختیار کیونکر جسمانی ترقی کرتا جاتا ہوں تو حیران رہ جائے اور بے اختیار کہہ بیٹھے سبحان ربی الاعلیٰ اور جب اس کتابِ وجود کے ان اوراق کا مطالعہ کر کے اس کے اخیر باب پر پہنچے کہ اخیر اس کا کیا ہوتا ہے اور کیونکر تدریجاً فنا کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو روحِ انسانی کو ضرور اپنے خالق ومربی کے ساتھ دلبستگی کرنے کا ولولہ اٹھتا[1] ہے اور یہ تمام دنیاوی زرق برق جس کی ہستی حباب کی بقاء سے مشابہ ہے بیقدر ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس دوم (۲) علم کی طرف مشتاق ہوتا ہے کہ میں اپنے ایسے خالق ومالک ومربی سے کہ جس کو نہ میری دنیاوی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ ہاتھ ٹٹول سکتے ہیں نہ کان سن سکتے ہیں، نہ زبان چکھ سکتی ہے، نہ ناک سونگھ سکتی ہے کیونکر پہچانوں اور کس طرح سے تقرب حاصل کروں تاکہ میں اس جسم کے لباس چھوڑنے کے بعد اس کے جلالِ کبریائی میں جگہ پاؤں اور اس کی تجلی سے متجلی ہو کر عالمِ بالا کے لوگوں میں مل جاؤں اور یہی انسان کی تکمیل اور یہی اس کی سعادت اور یہی اس کے اس سفر کا نتیجہ ہے۔

حق سبحانہ اس سورہ میں ان دونوں علوم کو منکشف کرتا ہے مگر چونکہ دوسرا علم مقصود اصلی ہے اس لیے اول اسی کی رہنمائی کرتا ہے اور بعد میں دوسرے علم کی طرف مشتاق کرتا ہے فقال سبح اسم ربك الاعلی کہ اپنے رب بالاتر کے نام کی تسبیح کیا کر یعنی اس تک تیرے تقرب کا یہی ذریعہ ہے اور وہ کون ہے تیرا رب۔ اور رب بھی اعلیٰ یعنی اس ظلمت کدہ اور خاکدانِ پست میں جو تو نے آنکھ کھول کر ہماری مخلوق ہی کو دیکھا ہے اور اسی کے حالات کا تجھے مشاہدہ ہوا ہے اور ان سے تو نے ہم کو سمجھا ہے کہ آخر ان کو کوئی بنانے والا ہے۔ اس سے تو ہم کو مخلوق پر قیاس نہ کر لینا ہمارے لیے جسم اور توالد وتناسل اور تغذیہ اور خواب اور تدریجاً ترقی اور پھر تنزل اور بیچ میں بیماری وضعف اور اپنی سی شکل وصورت اور اپنے سے اسبابِ معیشت میں محتاجگی، مکان لباس کھانے پینے وغیرہ امور میں نہ سمجھ ہم ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ یہ ہے تسبیح مگر اس سمجھنے پر آمادہ کرنے والا لفظ سبحان اللہ وبحمدہ۔ یا سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ کہنا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تو سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو کہہ سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ عبد بن حمید) اور ابوداؤد وابن ماجہ واحمد نے روایت کی ہے کہ جب سبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو رکوع میں کہا کرو اور جب سبح باسم ربك الاعلی نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجدہ میں کہا کرو یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرو۔

تسبیح کے معنی: علماء نے فرمایا ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو جمیع عیوب اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ سمجھنا، اس کی ذات اور صفات اور افعال کو سب نقصانوں سے بری اور پاک جاننا اور منہ سے کہنا تسبیح ہے اور لفظ اسم کے لانے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی ذات تک رسائی نہیں صرف اسم تک ہے یعنی آثار وصفات سے اس کو جانتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں لفظ اسم محض عظمتِ شان کے لیے ہے ورنہ مراد تسبیح اس کی ذات کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کے اسم کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا نام بے حرمتی سے نہ لے۔ نہ جنابت اور ناپاک جگہ میں پڑھے نہ برے کام پر اور لفظ ربک میں اس بات کا اظہار ہے کہ وہی تسبیح کا مستحق ہے کیونکہ وہ تیری وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے۔ نطفہ سے لے کر اخیر تک وہی تو تیرا مربی ومحسن ہے اور لفظ اعلیٰ میں یہ بات بتلا دی کہ دنیا کے مربی درحقیقت مربی نہیں بلکہ وسائل ہیں جیسا کہ ماں باپ، آقا، بادشاہ ولی النعمۃ کیونکہ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو دیتے ہیں گو اس لیے وہ بھی قابلِ شکر گزاری ہیں مگر رب اعلیٰ وہی ہے اور نیز لفظ اعلیٰ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ سب خیالات وتوہمات کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے تسبیح کا مستحق ہے اور یہ بھی کہ وہ سب سے بالادست ہے سب کا حاکم ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر وہی تسبیح وتقدیس کا سزاوار ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تسبیح کرنے سے انسان پر بھی اس تنزیہ وتقدیس کا اثر پڑا کر یہ آلائشِ جسمانی سے پاک وصاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالمِ بالا میں شامل ہو۔

---

[1] یعنی جو معشوق اس پردہ میں یہ کاری گریاں کر کے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اس کا شوق اور اس سے ملنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: خدا پاک کی ستائش میں صفاتِ حمدیہ کا اثبات ہوتا ہے اور تسبیح میں صفاتِ رذیلہ سے جو اس کی شان کے منافی ہیں تنزیہ اور تبری ہوتی ہے یعنی دور کرنا چونکہ ثابت کرنا جس کو تحمید کہتے ہیں۔ بعد کا مرتبہ ہے اس لیے اول تسبیح کا حکم دیا بعد میں اس کے صفاتِ حمیدہ ذکر کرنے کا اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے دونوں کو ملانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ سبحان اللہ بحمدہ کہنا موجبِ ثواب و اجرِ عظیم قرار دیا۔ تسبیح کے انوار منعکس ہو کر تسبیح کرنے والے کی روح پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی روح میں نورانیت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس اول علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو علمِ مبدء کہتے ہیں کیونکہ جب اس کی ذات و صفات و تقدیس کا علم اور اس کے انوار اس پر تو فگن ہو جاویں گے تو مخلوق کے پیدا کرنے کے اسرار خوب سمجھ سکے گا۔

فقال (۱) الذی خلق فسویٰ۔ اس کی تسبیح و تقدیس کر کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یوں ہی اینڈ اور بیکار اور بیڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا جس کے لیے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی۔ ہر ایک مخلوق میں اگر نظر کیجئے گا انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علویات تک جس میں چاند اور سورج اور ستارے بھی شامل ہیں تو جلد اقرار کر لیجئے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے تھی اور اگر اس میں ذرا بھی فرق ہوتا تو خوبصورتی بگڑ جاتی اور اس کے افعال میں فرق آ جاتا۔ پرندوں کو پر دیے، درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں، درختوں کو پوست کا لباس پہنایا۔ پھر ہر ایک کے جسم کی بناوٹ میں ہر ہڈی اور ہر پٹھا کس موقع سے رکھا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ (۲) والذی قدر فھدیٰ۔ اس کی کہ جس نے پیدا اور ٹھیک کر کے اندازہ کیا یعنی اس کے قویٰ اور اس کے افعال اور عمر سب چیزوں کا علمِ الٰہی نے اندازہ کر لیا تاکہ اس کی حد تک اس کی کسی بات اور بناوٹ میں فرق نہ آوے مثلاً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حیوان تمام عمر میں اس قدر کھائے گا اور اتنے دنوں جئے گا تو اس کے معدہ میں اتنے ہی ایام تک اتنی غذا ہضم کرنے کی قوت عطا کی اور معلوم کر لیا تھا کہ اتنی حرکت کرے گا تو اس کے پاؤں میں اسی قدر قوت عطا کی اور اگر یہ اندازہ نہ ہوتا تو بڑی خرابی واقع ہوتی۔ مثلاً چراغ جلانا صبح تک مقصود ہو اور تیل تھوڑا ڈال دیا جاوے تو قبل الوقت گل ہو جائے اور زیادہ ڈال دیا جاوے تو بیکار جاوے اور جس اندازہ کی روشنی درکار تھی اس سے بڑھ جاوے اور نیز اس اندازہ کرنے میں اس کی شانِ ربوبیت بھی نمایاں ہے۔ بعض قراء نے قدر کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کو قادر کیا یعنی اس کے مناسب افعال و حرکات کی اس میں قدرت بھی رکھی اور قدرت ہی پر بس نہ کیا بلکہ فھدیٰ اس کو رہنمائی بھی کی۔ انسان کو اس کے معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا ہوئے۔ پرندوں کو گرمی سردی میں گھر بنانے کی ہدایت کی۔ حشرات الارض کو زمین کے اندر سوراخوں میں رہنے کی ہدایت کی۔ چیونٹی ایک چھوٹا سا جانور ہے۔ اگر آپ اس کی ہدایتِ الٰہی کو دیکھیں تو حیرت میں رہ جائیں۔ کس ترکیب سے خورش کی چیزیں لاتی ہے اور باہم کس موقع سے قطار باندھ کر چلتی ہیں۔ انسان کو تو وہ وہ چیزیں بتائیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس سے ریل گاڑی، تار برقی اور طرح طرح کی کلیں اور کہربائی قوتیں ایجاد کیں اور علومِ آخرت بھی ہدایت کئے۔ اس کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اس ہدایتِ الٰہی کی شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ آئے۔ اب یہاں تک تو اس کے وجود اور مایناسبہ کا بیان تھا۔ اب فنا کی بھی سن لیجئے (۳) والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثآءً احوی اس کی تسبیح کر کہ جس نے زمین سے چارہ نکالا یعنی گھانس پھر دیکھئے وہ کیسی لہلہاتی اور دل لبھاتی ہے۔ پھر چند روز کے بعد وہ زرد پڑ جاتی ہے اور کٹ کر ٹوٹ جاتی ہے اور کوڑا ہو جاتی ہے اور کوڑے کے بعد سیاہی نما مٹی ہو جاتی ہے یا کھو کوڑے پنے ہی میں اس پر تیرگی آ جاتی ہے۔ اس میں مخلوق خصوص حضرتِ انسان کی انتہا کی طرف کس عمدہ پیرایہ میں اشارہ ہے کہ جس سے غور کرنے والے کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اب یہاں سے موت اور موت کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

فقال سنقرئك[1] فلا تنسیٰ کہ مرنے کے بعد تیرے نامۂ اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے۔ گوتو اے انسان اب اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اقرا کتابك کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اس وقت تو اپنے اعمالِ نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا۔ سب تیرے یاد آجاویں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر وہ کہ جن کو اللہ چاہے گا یاد نہ آئیں گے اور وہ نیکوں کے بعض برے کام اور ان کی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار گریہ وزاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے ان کو خدائے پاک وہاں بھی یاد نہ دلائے گا تا کہ ان کی شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔ خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یا وہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوص قیامت میں ایک حضورِ علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے۔ کس لیے کہ سہو و نسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے انه یعلم الجهر و ما یخفٰی اس لیے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اب جو کچھ کرو ہوشیاری سے کرو اور جان لو کہ اس کو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلائے گا اور ہمارے دفترِ اعمال کو ہم سے پڑھوائے گا۔ ان آیات سنقرئك الخ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبرئیل وحی لاتے تو آپ اس خوف سے کہ کہیں کچھ بھول نہ جاؤں جبرئیل کے ساتھ ساتھ جلد جلد پڑھتے جاتے اور یہ آپ کے لیے بڑی مشقت تھی۔ اس مشقت کے دور کرنے کو یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ بھول جانے کے اندیشہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس کا یاد کرانا ہمارا کام ہے۔ آپ نہیں بھولیں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر جس قدر خدا چاہے کہ بشریت سے آپ کو نسیان و سہو ہو جائے نہ یہ کہ بالکل ذہول ہو جاوے[2] اور ایسا ہوتا تھا۔ چنانچہ نماز میں ایک بار آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھنی بھول گئے۔ نماز کے بعد آپ نے پوچھا کیا میں کوئی آیت چھوڑ گیا؟ ابی بن کعب نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ! آپ فلاں آیت چھوڑ گئے۔ بعض فرماتے ہیں الا ما شاء اللہ تبرکاً فرمادیا گیا تا کہ معلوم رہے کہ بھلا دینا حق سبحانہ کے اختیار میں ہے ورنہ بھولا یا آپ کو کچھ بھی نہیں۔ یہ فرا کا قول ہے۔ انه یعلم الجهر کیونکہ وہ تیرے موجودہ کمالات کو جانتا ہے۔ وما یخفٰی اور جو تیرے اندر استعدادِ کامل رکھی ہے اس کو بھی جانتا ہے تو اس قابل ہے کہ حق سبحانہ تیرے ذہن کو عالمِ غیب کا آئینہ یا خزانہ کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی کر دیا پھر قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی آپ نہ بھولے تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور امتوں کی طرح کتابِ آسمانی کا کتابت پر انحصار نہ تھا بلکہ تمام قرآن ان پاک بازوں کے سینوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ کھدا ہوا تھا اور ان کی یہ برکت اب تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں مستمر چلی آتی ہے۔ خصوصاً اس گروہ میں جو ان کے قدم بقدم ہے۔ ہر گاؤں اور ہر شہر میں حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور عورتیں بھی تمام قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا باقی نہ رہے تو ایک گاؤں میں ایک لڑکا سب قرآن کو لکھوا دے اور ایک لفظ اور حرف بلکہ زیر و زبر کا بھی فرق نہ آنے پاوے فلا تنسیٰ کی بشارت کیسی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھا دے نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا نہ توریت کا نہ زبور کا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴿٨﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١٠﴾

[1] اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو خدا پاک کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح پر انوارِ قدس فائض ہونے لگتے ہیں تو ملہمِ غیب اس کے دل کو علوم و معارف کا چشمہ کر دیتا ہے۔ اس کو اس حال میں وہی پڑھاتا ہے۔ اس صفت میں اول درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر اولیائے کرام۔ ۱۲ منہ

[2] اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلوا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جس کی بنا اخبار احاد و غیر صحیحہ اور غلط فہمی پر ہے۔ ۱۲ منہ

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۱۳﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾

اور ہم تیرے لیے آسان بات کو سہل کر دیں گے۔ پس سمجھاتے رہو اگر فائدہ سمجھنا بخشے تا جو خدا ترس ہو گا وہ تو جلد سمجھ جاوے گا اور اس نصیحت سے بد بخت ہی تو (الگ ہی) ہٹا رہے گا۔ وہ جو بڑی آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جیئے گا جس نے پاکیزگی حاصل کر لی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (اور) نماز پڑھتا رہا اس نے فلاح پائی۔

ترکیب: ونیسرک معطوف علی سنقرئک وقولہ انہ یعلم الجھر وما یخفی اعتراض ای سنقرءک فلا تنسٰی ونوفقک للطریقۃ التی ھی اسہل والیسران شرطیۃ نفعت الذکری شرط وقولہ فذکر یدل علی الجزاء الذی یصلی الخ صفۃ الاشقی ثم لایموت عطف علی یصلی ذکر عطف علی تزکی وفصلی عطف علی ذکر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا سبح اسم ربک الاعلٰی کہ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کر اور اب اس تسبیح کے ثمرات بیان فرماتا ہے۔ فقال ونیسرک للیسریٰ کہ ہم تیرے لیے نجات کے رستے کو آسان کر دیں گے۔ نجات کو یسریٰ یوں کہا کہ وہ کوئی درحقیقت مشکل اور محال بات نہیں جیسا کہ مذاہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب جانتا ہے۔ کوئی آگ میں جل مرنے کو کوئی دریا میں ڈوب مرنے کو کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا مرنے کو کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بنے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ اس لفظ یسریٰ میں اشارہ کر دیا کہ یہ سب خیال باطل ہیں نجات کچھ مشکل نہیں صرف خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے ہے مگر یہ بھی ہر ایک کے لیے آسان نہیں گو فی نفسہا آسان ہے یہی پنجگانہ نماز ہے کہ جس میں کچھ بھی دقت نہیں۔ وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لے کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے مگر بعض طبائع پر یہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔ زنا سے بچنا کچھ مشکل کام نہیں ایک عورت دل پسند سے نکاح کر کے قضائے حاجت کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی بس نہیں تو دو کر لے اور اس پر بھی بس نہیں تو تین اور بہت ہی ضرورت پڑے تو چار سہی پھر جس کی تقدیر کھوٹی ہے وہ سو پر بھی بس نہیں کرتا اور اس کو حلال میں لذت نہیں آتی۔ ایک بدکار عورت یا مرد سے اگر کہا جاوے کہ تم اپنا یہ تعلق قائم رکھو مگر نکاح کر لو تو وہ ہرگز نہیں کریں گے یوں عمر بھر جھک ماریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خدا کی تسبیح و تقدیس کے انوار سے جب روح منور ہوتی ہے تو قوائے بہیمیہ پست ہو جاتے ہیں۔ اس وقت روح کا تقاضا نیک کاموں پر ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے کرنے لگتا ہے اور وہ نیک کام اس کے نزدیک ایسے آسان ہو جاتے ہیں جیسا کہ ظلمانی کے نزدیک بدکام آسان ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کل میسر لما خلق لہ اما من کان من اہل السعادۃ فسییسر لعمل السعادۃ واما من کان من اہل الشقاوۃ فسییسر لعمل الشقاوۃ الحدیث (متفق علیہ) کہ جو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کو وہی آسان کر دیا جاتا ہے۔ پھر جو اہل سعادت ہے اس کے لیے سعادت کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوۃ ہے اس کے لیے بدبختی کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں۔

اب اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے کہ معرفت عبادت سیاست حسن اخلاق صبر وغیرہ کے لیے آپ کے دل کو منبع کر دیا جاوے گا۔ اس سے ایک فوارہ جوش کرے گا جس سے یہ سب کام آپ کے نزدیک بہت آسان ہو جاویں گے۔ اس لیے آپ کو کسی معلم اور استاد اور لکھنے پڑھنے کی طرف حاجت نہ پڑے گی اور نہ کوئی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب آپ خود کامل ہو گئے اور نیک کاموں کا ملکہ راسخہ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا تو فذکر لوگوں کو سمجھا اور ان کو سدھار۔ درحقیقت اسی کے وعظ و پند کا اثر بھی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں خود ان باتوں کا ملکہ راسخہ ہوتا ہے اور اس کے قلب سے ایک سچا جوش اٹھ کر موج زن ہوتا ہے ورنہ خالی بک بک اور اسپیچ

کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے۔

گر ز عشقت خبرے ہست بگو اے واعظ

ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

مگر یہ تذکیر ایک دُرِّ بے بہا ہے۔ خنزیر اور کتا اس لائق نہیں کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے بلکہ جو اس کا اہل ہو اور جس کو بجھتے ہو کہ وہ اس سے فائدہ مند ہوگا اس لیے اس کے بعد فرمادیا کہ ان نفعت الذکریٰ کہ اگر آپ یہ سمجھیں کہ ذکر نفع دے گا۔

شبہ | آنحضرت ﷺ پر فرض تھا کہ سب کو نصیحت کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس کو نفع ہو یا نہ ہو کس لیے کہ آپ تمام خلق کے لیے ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ پھر یہ قید کیوں لگائی کہ اگر ذکر نفع دے تو تذکیر کرو؟

جواب | تبلیغ اور تذکیر میں فرق ہے' تبلیغ عام ہے وہ ایک حکم کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جاوے گی اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا یا سمجھانا۔ وہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے جانتا تھا اس کی فطرت میں یہ باتیں تھیں علائق و موانع سے بھول گیا تھا۔ اب اس کو مذکر یاد دلاتا ہے گرچہ حق سبحانہ کو علمِ ازلی سے معلوم ہے کہ فلاں کو تذکیر فائدہ دے گی۔ یہ ازلی سعادت مند ہے۔ عارضی گمراہی اس پر طاری ہوگئی ہے۔ فلاں کو فائدہ نہ دے گی کس لیے کہ یہ ازلی گمراہ ہے مگر رسولِ کریم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم و قرائن سے جس کے لیے تذکیر کو مفید دیکھیں تو تذکیر کریں ورنہ ابلاغ و انذار تو سب ہی کے لیے ہے۔

بعض علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اصلی عبارت یوں ہے ان نفعت الذکریٰ اولم تنفع کہ خواہ فائدہ دے یا نہ دے آپ سمجھاویں گے مگر دوسرے جزء کو حذف کر دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ مقصودِ اصلی نفع ہی دینا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی شے کو کسی چیز پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب شے کہ جس پر معلق کیا ہے نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو ممکن ہے کہ ایک شے کے چند اسباب ہوں۔ ہر ایک کے پائے جانے سے یہ شے پائی جائے اور ان میں سے ایک کے وجود پر معلق کی جائے اور یہ نہیں کہ جب یہ نہ ہو تو یہ شے نہ ہو کس لیے کہ اس وقت دوسرا سبب پایا جاوے۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے کہ کسی کام کو کسی فائدہ سے اور مقصودِ اعلیٰ سے معلق کر دیتے ہیں جب کسی حکیم کو کہا جاوے کہ آپ علاج کیجئے اگر علاج سے شفا ہوتے دیکھیں اور صورت یہ ہے کہ علاج ہر حال میں کرانا مقصود ہے۔ اب یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ تذکیر کسی کو نفع دے گی اور کون اس کے اثر سے محروم رہے گا۔ فقال سیذکر من یخشیٰ کہ اس وعظ و تذکیر سے وہ بہت جلد سدھر جاوے کہ جو ڈرتا ہوگا۔ واضح ہو کہ تین قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جو دارِ آخرت اور اعمال کی جزاء و سزا کے قائل ہیں۔ دوم وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ متردد و شکی ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ڈر جاتے ہیں۔ اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی جبکہ اُن کے سامنے عذابِ آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے تو وہ بھی ڈر جاتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کر لیا گیا۔ تیسرا فریق وہ ہے جو منکر اور سخت معاند ہے' ڈھٹائی کرتا ہے اس کی نسبت یوں فرماتا ہے۔ ویتجنبھا الاشقی کہ اس نصیحت یا نجات سے بدبخت اور بڑا شقی وہ ہے کہ جس کے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست ہو اور اشقی وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی خراب ہوں۔ پھر اگر یہ کسی رسم و عادت یا کسی کی تقلید سے ہیں تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکہ راسخہ پیدا کر لیا ہے تو یہ لاعلاج ہے۔ اس کے حق میں آیا ہے لاینفع الایات والنذر اس جگہ اشقی سے یہی مراد ہے۔ اس کا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلی النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں۔ ایک سے ایک بڑا۔ پس جو یہاں اشقی یعنی بڑا شقی ہے اس کے لیے وہاں آگ بھی بڑی ہے۔ یہی شقاوت آگ بن جاوے گی العیاذ باللہ پھر دنیا کے مصائب ناقابلِ برداشت سے موت رستگاری کر دیتی ہے۔ اسی

لیے ایک سخت مصائب میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہاں موت بھی نہیں جیسا کہ خبر دیتا ہے۔ ثم لایموت فیھا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اس کو نہ آوے گی اور یہ اس لیے کہ اس عالم میں ارواح کے احکام بدن پر غالب ہوں گے۔ اس لیے جس طرح روح فناپذیر نہ ہوگی، ابدان بھی نہ ہوں گے۔ وہاں ایک چمڑی جل جانے کے بعد دوسری چمڑی تیار ہو جاوے گی کما قال بدلنا جلود ا الآیہ۔ ولایحییٰ اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہوگی کس لیے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی چکھنی ہوگی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے۔

پہلے فرمایا تھا کہ ڈرنے والے اس نصیحت سے جلد سمجھ جاویں گے۔ اب اس سمجھنے کی تشریح اور اس کا نیک نتیجہ بیان فرماتا ہے۔

قد افلح من تزکّٰی کہ تحقیق فلاح پائی اس نے کہ جو پاک بن گیا۔ پاکی عام ہے اول جسم کی پاکی نجاساتِ ظاہرہ گوہ موت وغیرہ سے اور نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاستیں لگی ہوں یا حکماً کہ مالِ حرام یا مشتبہ سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لیے ریشم اور زری گوٹا یا نیچا دامن اور فساق و بدکاروں کی وضع و تراش ہو اور نیز جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو۔ جنابت یا حدثِ اصغر سے غسل اور وضو کے ساتھ۔ کس لیے کہ جسم کی پاکی کو روح کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد روح کی پاکیزگی ہے اور یہی مقصدِ اصلی بھی ہے اور وہ روحانی نجاستیں کیا ہیں۔ اول کفر و شرک اور دیگر عقائدِ باطلہ مثلاً حق سبحانہ کی ذات یا کسی صفات کا انکار یا انبیاء علیہم السلام اور ان کے ارشادات اور کتبِ سماویہ اور عالمِ آخرت اور ملائکہ کا انکار یا ان میں کوئی خیالِ باطل جیسا کہ گمراہ فرقوں کو ہوتا ہے۔ ان سب سے تزکیہ ایمان لانا اور عقائدِ حقہ کا دل پر نقش کرنا ہے اور یہ روحانی پاکی ہے۔ پھر افعالِ زشت اور اخلاقِ بد سے پاکی حاصل کرتا ہے۔ زنا، چوری، جھوٹ بولنا، دغا بازی کینہ، حسد، طمعِ بے جا، حبِ شہواتِ فاسدہ سے پاک کرنا ہے۔ جس کے لیے توبہ و استغفار اور ندامت اور آنکھوں کے آنسو بڑا عمدہ صابن ہیں نہ کسی حوض کا پانی جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں۔[1] اور نہ کسی دریا میں نہانا جیسا کہ ہنود خیال کرتے ہیں اور اتلافِ حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے۔ عام ہے کہ حقوق اللہ ہوں جیسا کہ اس کے فرائض و واجبات جن میں زکوٰۃِ اموال و صدقات بھی شامل ہیں یا حقوق العباد ہوں مگر ان سب باتوں سے صرف ناپاکی دور ہوتی ہے۔ ابھی تک کوئی نیا رنگ نہیں پیدا ہوتا اس لیے نئے رنگ پیدا کرنے کے لیے ان جملوں میں ارشاد فرماتا ہے وذکر اسم ربہ کہ اپنے رب کا نام لے عام ہے کہ ذکرِ قلبی ہو یا ذکرِ لسانی ہو، سر ہو یا جہر بشرطیکہ شرعی اور مسنون طریقوں سے ہو۔ ذکرِ الٰہی سے روح پر ایک ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو کسی اور کام سے نہیں ہوتی اسی لیے ایک جگہ فرمایا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا لعلکم تفلحون۔ اب اس کے بعد ترقی ہوتی ہے۔ فقال فصلّٰی کہ پھر نماز پڑھے کس لیے کہ نماز میں روح اور جسم دونوں ذکر و فکر و مراقبہ میں ہوتے ہیں۔ بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں تمام منازلِ سلوک کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ تزکی میں توبہ اور معاصی سے تصفیہ آ گیا جو اول منزل ہے وذکر اسم ربہ میں ذکرِ قلبی و لسانی و روحی و سر آ گیا اور فصلّٰی میں مرتبۂ مشاہدہ تک پہنچنا آ گیا اور اسی لیے نماز کو معراج المومنین کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ تزکّٰی میں طہارت کی طرف اور ذکر اسم ربہ میں تکبیرِ تحریمہ کی طرف اور فصلّٰی میں ادائے نماز کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کی جگہ الرحمٰن اعظم یا لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ بھی کہہ دے گا تو نماز ہو جاوے گی۔ کس لیے کہ ذکر میں یہ بھی شامل ہے۔ صرف لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ نیز فصلّٰی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر یا ذکر جو افتتاحِ نماز کے وقت ہو نماز میں داخل نہیں۔ افلح کے لفظ میں تعمیم ہے۔ دنیا کی فلاح اور آخرت کی فلاح سب آ گئی۔ جنت اور دیدارِ الٰہی سب کو شامل ہے۔

---

[1] عیسائی بپتسمہ یعنی حوض میں غوطہ لگانے چھڑکا دینے کو پاکی روحانی خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح عامۂ ہنود گنگا جمنا دریاؤں میں نہانا پاکی سمجھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٨﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿١٩﴾

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی پسند کر رہے ہو حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدا رہنے والا ہے۔ بے شک یہی بات تو اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔

ترکیب | بل اضراب عن کلام مقدر یدل علیہ السیاق ای انتم لاتفعلون ذلک بل تؤثرون بلذات الفانیۃ العاجلۃ الحاصلۃ فی الدنیا علی الدار الآخرۃ ونعماھا الباقیۃ والآخرۃ مبتداء خیر وابقی خبر والجملۃ حال من فاعل تؤثرون' صحف ابراھیم الخ بدل من الصحف الاولیٰ۔

تفسیر | کفار دنیا پرست کہتے تھے کہ ہم کو تزکیہ اور ذکر اور نماز میں کوئی فلاح نہیں معلوم ہوتی کیا ہم عقل وادراک نہیں رکھتے اس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے یا یوں کہو کہ وہ بھی تزکیہ کے مدعی تھے۔ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہیں عقل وادراک کیا نہیں بل بلکہ تم تؤثرون الحیوۃ الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگانی اور اس کے لذاتِ فانیہ کو آخرت اور اس کے لذاتِ باقیہ پر فوقیت دیتے ہو حالانکہ والآخرۃ خیر ابقٰی وہ جہان دنیا سے کہیں بہتر ہے کس لیے کہ دنیا کے گھر میں کونسی لذت ہے جس کے اول بھی تلخی نہ ہو۔ اور آخر بھی تلخی نہ ہو کون سی شادمانی ہے جس میں غم کا کانٹا نہ لگا ہو۔ اگر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور دولتمندوں سے پوچھئے گا کہ تمہیں پوری مرادیں مل گئیں اب تو کوئی ارمان وہوس باقی نہیں تو فوراً کہہ دیں گے ابھی بہت کچھ ارمان دل میں ہیں جو ابھی نہیں نکلے۔ پھر یہ کیسا کانٹا ہے جو ہر وقت کھٹکتا رہتا ہے اور اگر یہ پوچھئے کہ کوئی رنج وغم تو نہیں تو جھٹ بول اٹھیں گے کہ ہزاروں۔ کوئی کہہ اٹھے گا کہ میرا بیٹا مر گیا اور میری زندگی تلخ کر گیا۔ کوئی کہے گا میری محبوبہ مر گئی مجھے اس کی جدائی نے بے چین کر دیا۔ کوئی کہے گا مجھے فلاں مرض نے مجبور کر رکھا ہے اور اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر بقا نہیں چند روزہ عیش وکامرانی کے بعد فنا ہے اور فنا بھی ایسی کہ گویا کبھی آئے ہی نہیں تھے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کے عیش بے خار ہیں اور اس پر باقی ہیں فنا ہی نہیں۔

چونکہ یہ مضمون کہ آخرت کو دنیا پر فوقیت ہے (اس لیے دل کو اس فانی اور کمتر چیز پر باقی اور بہتر کے مقابلہ میں نہ لگانا چاہیے) اکثر طبائع بنی آدم کے مخالف تھا کیونکہ ان کی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت اور غفلت ہے۔ اس لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے پہلی کتابوں سے سند لائی گئی کہ جو اکثر طوائفِ عالم کے نزدیک بالخصوص عرب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں فقال ان ھذا کہ تحقیق یہ مضمون قد افلح سے لے کر اخیر تک لفی الصحف الاولیٰ پہلی کتابوں میں سے ہرگز منسوخ نہیں ہوا نہ ہوگا۔ بالخصوص صحف ابراھیم و موسیٰ سے۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی خدا پاک نے متعدد صحیفے نازل کئے تھے۔ صحیفہ چھوٹی سی کتاب۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنے تھے اور نہ ان میں سے اب کوئی صحیفہ کسی کے پاس باقی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات کے علاوہ اور صحیفے نازل ہوئے تھے' ان میں بھی یہی مضمون موجود تھا۔

(سورہ غاشیہ مکیہ ہے اس میں چھبیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

بھلا آپ کو چھا جانے والی چیز (قیامت) کا حال بھی معلوم ہوا؟ اس دن بہت سے منہ تو ذلیل مشقت کش ہارے ہوئے ہوں گے۔ دہکتی آگ میں گرے پڑتے ہوں گے۔ ان کو کھولتے چشمے کا پانی پلایا جاوے گا۔ ان کو کھانا نہ ملے گا مگر اونٹ کٹارا جو نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے۔

ترکیب | ھل بمعنی قد و بہ قال قطرب وقیل استفہامیۃ الغاشیۃ القیامۃ وسمیت بھا لانھا تغشی الخلائق باھوالھا وقال سعید بن جبیر ومحمد بن کعب الغاشیۃ النار تغشی وجوہ الکفار وعن ابن عباس انھا من اسماء القیامۃ وعنہ انھا الساعۃ وجوہ الخ الجملۃ مستانفۃ وجوہ مرفوع علی الابتداء وان کان نکرۃ لوقوعہ فی مقام التفصیل خاشعۃ خبرہ۔ یومئذ ظرف للخبر۔ عاملۃ وصف لھا وکذا ناصبۃ تصلی قراء الجمہور بفتح التاء مبنیا للفاعل وقریٔ بضمھا مبنیا للمفعول والضمیر راجع الی الوجوہ والمراد اصحابھا وھی خبر آخر للمبتداء وکذ الشقی لیس لھم الجملۃ مستانفۃ لبیان حال اھل النار الا من ضریع یجوز ان یکون فی موضع نصب علی اصل الباب وان یکون رفعا علی البدل۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں چھبیس آیات ہیں۔ غاشیہ ڈھانکنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بیہوش کر دینے والی کو بھی اور یہ قیامت کا اسی سبب سے نام ہے کہ اس کی دہشت لوگوں کو ڈھانک لے گی اور بیہوش کر ڈالے گی۔ یہ لفظ اس سورہ میں ابتداء میں آیا اس لیے اس کا نام غاشیہ ہوا۔

مناسبت اس سورہ کی پہلی سورۃ سے بہت سے مضامین میں ہے۔ از انجملہ اس مضمون میں کہ سورہ سبح اسم ربک میں اخیر مضمون یہ تھا کہ نجات سے الگ رہنے والا بڑی آگ میں ڈالا جاوے گا کہ جہاں نہ اس کو موت آوے گی نہ پوری زندگی ہوگی اور جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اس نے فلاح پائی۔ اب اس سورہ میں ان دونوں باتوں کا وقت بیان فرماتا ہے اور نیز ان دونوں گروہوں کے حالات کی پوری تشریح بھی ہے تاکہ نارِ کبریٰ سے لوگ ڈریں اور آخرت جو بہتر اور باقی ہے اس کی نعمتوں کا حال سن کر مشتاق ہوں اور لذائذِ دنیا اور اس کی چندروزہ زرق برق کو حقیر جانیں اور اس پر دل نہ لگائیں۔

وہاں دو گروہ ہوں گے ایک بد لوگوں کا کہ جو اس دنیا کی محبت میں آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے۔ دوسرا نیک لوگوں کا جنہوں نے اس چندروزہ زندگی میں آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کو غنیمت جانا اور بڑی کوشش کی۔ اس لیے پہلے گروہ کا حال بیان کرتا ہے اور شروع قیامت کے حال سے کرتا ہے۔ فقال ھل اتاک حدیث الغاشیۃ کہ کیا تجھے غاشیہ یعنی قیامت کی بات معلوم ہوئی؟ ضرور ہوئی۔ بعض علماء نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ بے شک تجھ کو اے پیغمبر یا اے سامع! قیامت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ غاشیہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت ہے اور اس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ جو چیز ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہے اس کو غاش کہتے ہیں اور یہ بات قیامت میں پائی جاتی ہے:

(۱) یوں کہ وہ لوگوں پر دفعۃً آجاوے گی اور نیز ایسے آنے والے کو یا غاش یا غاشیہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں افامنوا ان تاتیھم غاشیۃ من عذاب اللہ۔ (۲) یہ کہ سب لوگوں کو ڈھانک لے گی۔ ہوش وحواس کو بھی اور مجرموں کے بدنوں کو بھی چاروں طرف سے اس روز عذاب ڈھانک لے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے یوم یغشاھم العذاب من فوقھم ومن تحت ارجلھم اور نیز ایمانداروں کی لغزشوں کو بھی بسبب مغفرت الٰہی کے اور کفار کے نامقبول اعمال کو بسبب عتاب کے اور اس طرز سے سوال کرنے میں کہ ھل اتاک حدیث الغاشیۃ اس کی طرف سامع کی پوری توجہ دلانا اور آئندہ کلام کو حضورِ دل سے سنوانا مقصود ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وجوہ یومئذ خاشعۃ کہ بہت سے منہ اس روز ذلیل وخوار ہوں گے۔ ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں

جھکاتے تھے، کبر و گردن کشی کرتے تھے اور وہ بھی ہیں کہ جو تن پروری کرتے تھے اور وہ بھی ہیں جو دنیا میں عبادت اور دینی کاموں میں سستی کرتے اور عیش و آرام طلبی کی عادت بنا رکھی تھی۔ لوگ رمضان کے روزہ سے لب خشک تھے۔ بھوک پیاس کے آثار نمایاں تھے۔ یہ تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے اور روزہ داروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے یا نماز کے لیے کے مسجدوں اور عبادت گاہوں میں نہیں جاتے تھے یا جہاد میں جانے سے پہلوتہی کرتے تھے یا اور دینی کاموں سے دل چرا کر گھروں میں بے فکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے۔ ان کے منہ اس روز عاملۃ عمل کی مشقت میں پڑے ہوں گے کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جاوے گا۔ کما قال سارھقہ صعودا۔ کوئی میدانِ قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے رستگاری دلائے۔ کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لے جاتے ہوں گے اور سر پر ہزاروں جوتیاں پڑتی جاتی ہوں گی۔ کسی کو وہاں جہنم میں کوئی اور سخت کام تفویض ہوگا۔ جیسا کہ دنیا میں قیدیوں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور ان اعمالِ شاقہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے۔ کما قال ناصبۃ کہ تکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ اگر دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجاوے گا مگر وہاں کون رحم کرے؟

اب اس کے بعد ان کے اور حالات بیان فرماتا ہے۔ فقال تصلیٰ نارا حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ میں گریں گے۔ یہ ان کی وہی شہوت کی اور حمایتِ کفر کی اور حبِ جاہ و مال کی آگ ہے۔ یہ تو مکان ملے گا۔ اب پینے کی سنئے تسقیٰ من عین آنیۃ کہ دنیا میں ٹھنڈے پانیوں اور لذیذ شربتوں اور برف آمیز شرابوں کے بدلے ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پلایا جاوے گا۔ وہ بھی جب کہ مدتوں منت کریں گے اور وہ انتڑیوں میں سے پیتے ہی نکل پڑے گا۔ پیتے وقت منہ جھلس جاوے گا۔ اب کھانے کا حال سنئے لیس لھم طعام کہ سرے سے ان کو کھانا ہی نہ ملے گا۔ بھوکوں مریں گے۔ یہ حرام اور ناجائز نعمتیں کھانے کا بدلہ ہے جو کھا کر اکڑتے اور بدکاری کرتے تھے۔ الامن ضریع اور جو ملا بھی تو...... اونٹ کٹارا جو لایسمن ولا یغنی من جوع۔ نہ موٹے کرے نہ بھوک دور کرے۔ ضریع کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (۱) اکثر کہتے ہیں خاردار چیز ہے جس کو اونٹ کھاتے ہیں اور خشک ہو جانے پر زہر ہے (جھولنعا) حسن بصری فرماتے ہیں زقوم کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضراعۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ذلت و خواری کے یعنی وہ ذلیل و خوار کھانا جو نہایت مکروہ اور قابلِ نفرت ہے جس سے فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾

اس دن بہت سے منہ تروتازہ اور اپنی کوشش سے خوش ہوں گے۔ اونچے باغوں میں رہیں گے جہاں کوئی بیہودہ بات بھی سننے میں نہ آئے گی۔ وہاں بہتا[۱] چشمہ ہوگا ان باغوں میں اونچے اونچے تخت اور آبخورے چنے ہوئے اور گاؤ تکیے[۲] قطار سے لگے ہوئے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب: وجوہ مبتداء ناعمۃ خبرہ یومئذ ظرف للخبر لسعیھا واللام متعلق براضیۃ وھی خبر بعد خبر۔ وکذا فی جنۃ عالیۃ لا تسمع قرء الجمہور بفتح الفوقیۃ ونصب لاغیۃ وقرئ بصیغۃ المجہول ورفع لاغیۃ ولاغیۃ اما صفۃ موصوف محذوف ای کلمۃ لاغیۃ او مصدر ای لا تسمع انت یا ایھا المخاطب

[۱] وما احسن قول بعض الصوفیۃ المعنی الجاریۃ لمن عینہ فی خشیۃ اللہ جاریۃ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ شہاب

[۲] النمرق والنمرقۃ وسادۃ صغیرۃ والنمرقۃ بالکسرۃ لغۃ وربما سموا الطنفسۃ التی فوق الرجل نمرقۃ (مختار الصحاح)

فی الجنۃ لغواً ای اذاً و باطلاً ھذہ الجملۃ وکذا ما بعدھا صفۃ جنۃ واکواب جمع کوب وانہ قدح الذی لاعروۃ ولا خرطوم نمارق جمع نمرقۃ بضم النون وبکسرھا عند الفراء وھی وسادۃ صغیرۃ (تکیہ) ذرابی جمع زربی وزربیۃ فی القاموس الزرابی النمارق والبسط وکل ما بسط وتیکاء علیھا الواحد زربی بالکسر وبالضم۔

تفسیر | اب دوسرے فریق کا حال بیان فرماتا ہے یعنی نیک لوگوں کا فقال وجوہ یومئذ ناعمۃ کہ بہت سے منہ اس روز شاداں اور خوش اور تروتازہ ہوں گے۔ ان پر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں روزہ کی بھوک پیاس اور راہِ حق میں کوشش اور جہاد کے واسطے تکالیفِ شاقہ اٹھا کر اور نیز راتوں کو عبادت کر کے پژمردہ ہو گئے تھے اور اللہ کی راہ میں فقر و فاقہ نے ان کے چہروں کو بے رونق کر دیا تھا۔ اس لیے فرماتا ہے لسعیھا راضیۃ اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش و خرم ہوں گے کہ ہماری کوششوں کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور کفار بد مذہبوں کے کہنے کے موافق رائیگاں نہ گئیں اور وہ نیک ثمرہ یہ ہے فی جنۃ عالیۃ کہ بلند باغوں میں ہوں گے جہاں حوادثِ دہر کے ہاتھ کو رسائی نہ ہوگی اور نیز بلندی پر جو باغ ہوتا ہے تو نہایت خوش فضا ہوتا ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ باغوں میں ہوں گے یعنی وہ دنیا کے باغوں جیسے باغ نہیں جن پر خزاں کو دسترس ہو بلکہ ایسے کہ جن کے آگے دنیا کے شاہانہ باغ ہیچ ہیں۔ جہاں تک عقل و وہمِ انسانی نعمتیں تجویز کرے ان سے بڑھ کر ان میں ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لاتسمع فیھا لاغیۃ کہ اے مخاطب! تو اس میں کوئی لغو اور رنج دہ بات نہ سنے گا نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا، نہ کوئی خوف و اندیشہ کی بات کہے گا نہ کسی کے مرنے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جاوے نہ اپنی جوانی اور اس باغ و بہار کے فنا کی بات سننے میں آئے گی۔ الغرض کوئی رنج دہ بات کان میں نہ پڑے گی بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور دوسری بات یہ ہے کہ فیھا عین جاریۃ کہ ان باغوں میں چشمے جاری ہوں گے۔ ان کے پانیوں کی خوش آئند روانگی اور ان سے باغوں کی تروتازگی دوبالا لطف کر دے گی۔ دوزخیوں کو تو گرم چشمہ کا پانی پینے کو ملتا تھا۔ یہاں نہرِ تسنیم بے حساب ہے۔ یہ ان کے اعمالِ جاریہ اور خدا کے خوف و محبت سے روتی آنکھوں کا مظہر ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ فیھا سرر مرفوعۃ ان باغوں میں بلند مرتبہ یا بلند تختِ شاہانہ ہوں گے جن پر بیٹھ کر نظارہ کریں گے اور اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے۔ ہر جنتی اس جہان میں ملکِ باقی کا بادشاہ ہوگا۔ چوتھی بات یہ کہ اکواب موضوعۃ وہاں کوزے اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے اور نہایت خوش رنگ اور بیش بہا قرینہ سے چنے ہوں گے تا کہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے لے جاوے۔ پانچویں یہ کہ نمارق مصفوفۃ کہ برابر برابر حریری اور پر زر اور نہایت پر تکلف تکیے اور جواہر ٹکی ہوئی مسندیں بچھی ہوں گی کہ جن کے رنگوں اور تکلف کو دنیا کی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں۔ یہ تکیے اور مسندیں تو تختوں پر ہوں گی اور مکانوں میں یہ یہ ہوگا۔ وزرابی مبثوثۃ کہ نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے۔ ہر کمرہ میں ایک نئی تیاری ہے۔

اور مکانات کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیونکہ وہ جواہرات کے ہوں گے اور وہ جواہرات دنیا کے جواہرات سے بدرجہا فائق ہوں گے اور جب مکانوں اور وہاں کے سامانوں کی یہ کیفیت ہے تو ان مکانوں میں ان کے دل بہلانے اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے وہ وہ حسین عورتیں ہوں گی کہ جن کے حسن اور خوبی اور ان کی نوخیز جوانی اور ان کے ناز و ادا اور ان کے لباس اور زیورات کی تصویر وہم و ادراک سے بھی نہیں کھینچ سکتی۔

یہ سب چیزیں روحانی ملکات کے مظاہر ہیں۔ کور باطن ان باتوں کو اک تشبیہ اور دل لبھانے والا استعارہ سمجھتا ہے اور اس کی کوتاہ عقل درحقیقت ایسی چیزوں کے وجود کو اس قادرِ مطلق کی قدرت کے احاطہ سے باہر جانتی ہے۔ یہ سب باتیں برحق ہیں۔ عالمِ ناسوتی کا حجاب ان کے دیکھنے میں حائل ہے۔ جب یہ پردہ ظلمانی موت نے اٹھا دیا تب یہ سب چیزیں نظر آنے لگیں گی اور جو اہلِ صفاء ہیں اور ان کی

روح میں کمال نورانیت پیدا ہوگئی ہے تو ان کو اس عالم میں بھی یہ چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی آنکھوں میں نہ یہاں کے حسینوں کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے نہ وہ دنیا کے عیش و نشاط کو خاطر میں لاتے ہیں اور اسی لیے وہ ہر دم اس عالم کے مشتاق رہا کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کو قید خانہ کی زندگی سے بدتر سمجھتے ہیں ہاں خسیس طبیعتیں بچوں کی طرح اس کھیل اور تماشا پر ایسے گرویدہ ہوتے ہیں کہ پھر اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ کیا خوب فرمایا ہے عارف جامی نے ؎

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی کنی مانند طفلاں خاکبازی
بیفشاں بال و پرزامیزش خاک پر تا کنگرِ ایوان افلاک

قرآن مجید دنیا کے غافلوں کو اس ملک جاودانی کی ہدایت کرتا ہے۔ نفس اور قوائے بہیمیہ ہیں کہ اس کو اٹھنے نہیں دیتے عجب کشمکش میں پڑا ہوا ہے مگر جس کو جاذبۂ الٰہی چاہتا ہے ادھر کھینچ لے جاتا ہے۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾
وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کیونکر کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

ترکیب | افلا ینظرون الاستفہام للتوبیخ والفاء للعطف علیٰ مقدر والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لاثبات البعث ولاظہار القدرۃ علی الاعادۃ وقیل الجملۃ فی محل جر علی انہا بدل اشتمال من الابل وعن الاصمعی انہ قال من قرء خلقت بالتخفیف عنٰی بہ البعیر ومن قرء بالتشدید عنٰی بہ السحاب ای بالابل وقال المبرد والمراد من الابل ھھنا القطیعۃ العظیمۃ من السحاب والابل اسم جمع لا واحد لہ من لفظہ وانما واحدہ البعیر والناقۃ والجمل والسطح بسط الشیٔ وقراء الجمہور مبنیاً للمفعول مخففاً وقرء الحسن مشدداً وقرء علی بن ابی طالب وغیرہ فی المواضع کلہا مبنیا للفاعل وضم التاء فیہا علی انہا صیغۃ الواحد المتکلم۔

تفسیر | دوزخ کے عذاب اور جنت کے نعماء سن کر قریش مکہ تعجب کرتے تھے۔ خصوصاً جنت کی نعمتوں پر کہ اس قدر عیش و آرام کے سامان کہ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اس افراط سے کیونکر پیدا ہو جاویں گے اور دنیا میں تو ایسی چیزیں کیا بلکہ روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں اور عرب پر کیا موقوف ہے ہر طبقہ کے انسان کا (بشرطیکہ نورِ باطن سے اس کی عقل بہرہ یاب نہ ہو) اس بذل وجود اور ان چیزوں کے وجود پر تعجب کرنا بعید نہیں۔ اس لیے اس تعجب کے دور کرنے کو دنیا کی چیزوں میں جو غریب و امیر کو میسر ہیں اور کیسی عظیم الشان ہیں، نذر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال۔ افلاینظرون الی الابل کیف خلقت کہ پھر وہ کیوں اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے یا میں نے ان کو کیسا پیدا کیا؟

اونٹ کے فوائد | یہ اول نمونہ اس کی قدرتِ کاملہ اور بذلِ وجود کا ہے جو عرب کے ہر وقت سامنے رہتا ہے اور جس پر ان کی معاش کا دار و مدار ہے۔ اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب و غریب ہے۔ اس قدر اونچا اور جب بٹھاؤ بیٹھ جاوے اور جانوروں پر کھڑا کر کے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی لچک اور اس کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ کسی جانور میں خوبی نہیں۔ پھر جس قدر اطاعت کا اس میں مادہ ہے کسی میں نہیں۔ سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مہار تھام کے جدھر چاہے لے جائے پھر بارکش ایسا

کہ تمام گھر باراس پر لادلو گویا خشکی میں رواں کشتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیا لے جانے میں چھکڑا یا ریل گاڑی ہے۔ پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے ساتھ سامان کے ساتھ لے جانے میں ڈاک گاڑی ہے کہ جس کے لیے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ رستہ کا ہموار ہونا۔ سانڈنی (جو سواری کا اونٹ ہوتا ہے) دن میں سو کوس تک جا سکتی ہے۔ اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ اور گرمی ہو کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کر لیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے۔ یہ کھا لیتا ہے۔ کچھ ہری بھری گھانس اور دانہ اور مالیدہ کی حاجت نہیں اس پر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو کچھ بھی پروا نہیں۔

سواری کا یہ آرام اسی کے دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر کو کافی ہے اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لیے دوا بھی ہے۔ اس کی پشم بھی کام آتی ہے۔ کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں' خصوصاً عرب کے لباس کمل اور جبے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ اسی کی پشم سے بنتے ہیں۔ اس پر اس کا گوشت بھی حلال' گھر بھر کیا محلے کو کافی ہو سکتا ہے۔ اس پر اس کی نسل میں برکت سستا مل سکتا ہے اور عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک' گرم اور ریگستانی ملکوں کی معاش تو اسی پر موقوف ہے۔ یہ باتیں کسی جانور میں نہیں۔ ہاتھی قد وقامت میں اتنا بڑا جانور ہے۔ نہ اس میں یہ فوائد ہیں نہ وہ ہر ایک کو مل سکتا ہے۔ نہ تھوڑے سے پتوں پر گزر کر سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرتِ کاملہ کو دیکھو اور اس پر اس کے اس احسان کو عام کرو۔ پھر اگر اس عالم میں وہ بندوں کے آرام کے لیے ایسے ایسے سامان پیدا کر کے یہ احسان کرے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ وہاں کے بہت بلند تخت اونٹوں کی طرح اونچے اونچے ہو جاویں تو کیا بڑی ہے۔

دوسرا نمونہ: والی السماء کیف رفعت اور آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا بلند کیا گیا (یا ہم نے اس کو کیسا بلند کر دیا) یہ دوسرا نمونہ ہے جس سے ہر ملک اور ہر قوم سمجھ سکتی ہے کہ اول تو اس قدر بلندی کہ جہاں طائرِ وہم بھی اڑ کر نہیں جا سکتا کیسی قدرتِ کاملہ ہے پھر اس کی وسعت کہ جس کے سایہ میں ہر نیک وبد بادشاہ وامیر ہے۔ کیسی قدرت وانعامِ عام کی دلیل ہے۔ پھر اس کے ستارے بھی قدرت کا نمونہ ہیں۔ آفتاب کو دیکھو کہ کتنا بڑا جسم ہے کہ جو زمین سے لاکھوں حصے زیادہ ہے کس نے بنا دیا اور اس میں یہ نور اور نور میں یہ گرمی کس نے دی؟ جس سے تمام دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر آفتاب نہ ہو تو زندگی وبال ہو جاوے پھر یہ کیسا انعام عام ہے اس دنیا کے ظلمت کدہ کا چراغ ہے تو آفتاب ہے اگر یہ نہ ہو تو جنگلوں اور دریاؤں اور شہروں اور گاؤں کو کونسی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی پھل پھول اور پیداوار کو پکا سکتی اور اگا سکتی ہے۔ سرد موسم میں آفتاب کے سب مشتاق رہا کرتے ہیں' غریبوں کی انگیٹھی ہے تو آفتاب ہے۔ پھر چاند کے فوائد اور اس کی جسامت اور اس کی روشنی میں غور کیا جاوے تو عقلِ سلیم کبھی انکار نہ کرے کہ وہ قادرِ مطلق جوادِ کریم اس جہان میں نیک بندوں کے لیے جیسے چاہے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض ستارے لاکھوں کوس دور ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زمین سے بہت بڑے ہیں۔ پھر جب زمین میں یہ کچھ سامان ہیں باغ و بہار بھی ہے جو جنت کا نمونہ ہے اور گرمی وسوزش اور تکالیف کے سامان بھی ہیں' سانپ بچھو بھی ہیں جو جہنم کا نمونہ ہے تو ان اجسام میں کیا کچھ نہ ہوگا پھر وہ ایک نہیں لاکھوں ہیں پھر اس پر اس کی قدرت وعظمت وانعام واکرام کو خیال کرلو جو تمہارے تنگ فہم میں بخوبی آ سکے۔

تیسرا نمونہ | لو اب نیچے اتر آؤ اور اپنی زمین اور اس کے عجائبات کو ہی غور کرو۔ والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیے گئے اور کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں (یا ہم نے ان کو کیسا کھڑا کر دیا ہے) یہ تیسرا نمونہ ہے۔ پہاڑ بھی اس کی قدرت اور بذل واحسان کا کامل نمونہ ہیں۔ اول تو باوجودیکہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جز ہیں۔ پھر زمین سے کس طرح ممتاز ہیں اول تو ان کی بلندی قابلِ حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض وطول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ حکماء وعقلا نے عقل کے بڑے گھوڑے دوڑائے ہیں مگر اب تک کوئی

تسکین بخش وجہ پیدا نہیں کر سکے کہ زمین کے اس ٹکڑے کو یہ بلندی اور پھر یہ سختی اور پھر یہ رنگتیں کیونکر پیدا ہوگئیں۔ اس قدر کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ بدءِ خلقت میں جب قدرت نے زمین بنائی تو اوپر سے پانی برسنے شروع ہوئے۔ ادھر ادھر کی زمین گھیر کر بہہ گئی تو ٹیڑھے ترچھے۔ یہ ٹیلے ویسے ہی بلند رہ گئے اور پھر آفتاب کی حرارت سے ان ٹیلوں میں حجریت آ گئی یعنی مٹی کا پتھر بن گیا اور جیسی زمین تھی اس رنگ کے سرخ، سپید، سیاہ پتھر بنے اور بارشوں اور چشموں کے پھوٹ پڑنے سے پہاڑوں میں گھاٹیاں ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں یوں نہیں پہلے تمام دنیا پر پانی سمندر کا محیط تھا۔ یہ ٹکڑے جو اوپر ابھر آئے پانی کی موجوں نے ان میں نشان کر دیے اور پھر پانی درجہ بدرجہ اترتا گیا اور بہت سی زمین اور ملک کھلتے گئے مگر یہ ٹکڑے سخت ہوگئے۔

بظاہر باتیں تو ٹھیک ہیں تک تو ملا دی مگر اس پر سینکڑوں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ایسا ایسا کر دیا اور چلو اسباب بھی تلاش کرو مگر پھر ان اسباب میں گفتگو ہوگی کہ وہ کیونکر پیدا ہوئے؟ پھر آخر کار تو اس قادرِ مطلق کی یدِ قدرت تک سلسلہ تمام ہوگا۔

پہاڑوں کے فوائد | اب پہاڑوں کے منافع میں غور کیجئے تو عقل حیران رہ جائے۔ انہیں پہاڑوں میں سے یہ خوش گوار پانی کے دریا نکلے۔ گنگا، جمنا، نیل، فرات، جیحوں، دجلہ وغیرہ اور پھر ان سے ملک شاداب ہوئے اور کیا کیا نعمتیں پیدا ہوئیں اور بھی سینکڑوں فوائد ہیں جن کے ذکر کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

چوتھا نمونہ | والی الارض کیف سطحت اور زمین کو دیکھو کہ کیسی بچھائی گئی (یا ہم نے کس نے طرح بچھا دیا) یہ قدرت کا چوتھا نمونہ ہے۔ اگر غور کیا جاوے کہ زمین ایک کروی الشکل یعنی گول ہے تو گول چیز پر کوئی رہ نہیں سکتا ہے نہ کھیتی باڑی کر سکتا ہے مگر اس قادرِ مطلق اور حکیم متقن نے باوجود اس کروی ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سینکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں۔ لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں۔ سینکڑوں کوسوں تک سڑکیں ہیں اور بیشمار باغ اور کھیت ہیں اور کیا کیا نفیس وسیع شہر آباد ہیں اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں کہ جن میں اس کی کرویت سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا اور یہاں تک وسعت دی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں پر بادشاہ حکمرانی کر رہے ہیں یہاں تک کہ عقولِ عامہ کے نزدیک زمین گول ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک ہموار فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین کے رہنے والوں کو زندگی وبال اور محال ہو جاتی۔ یہ کیسا انعام ہے جس سے ہر امیر فقیر برابر نفع اٹھا رہا ہے اور یہ اس کی کیسی قدرت اور کاری گری ہے کہ اس قدر اس کے محدب کو وسعت عطا کی کہ کرویت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر کیا وہ قادر و حکیم اور منعم اس عالم میں نیک بندوں کے لیے یہ نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا، ضرور پیدا کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ ان چاروں نمونوں میں بہشت کی شان بھی نمایاں ہے اور دوزخ کی بھی۔ اونٹ کے منافع پر غور کیجئے تو شانِ بہشت نمایاں ہے۔ جدھر چاہو لے چلو، بٹھالو، کھڑا کر کے بوجھ لادلو اور جو خود اونٹ کی مشقت اور بارکشی کو دیکھئے تو جہنم کی تکالیف کا نمونہ ہے۔ آخر وہ بھی تو ہماری طرح خدا کا بنایا ہوا ہے۔ پھر بیچارہ کس مشقت میں ہے اور سرسبز پہاڑوں میں جنت کی شان نمایاں ہے۔ خشک اور گرم پہاڑوں میں خصوصاً ان میں کہ جہاں آتش فشانی ہوتی ہے یا آتشیں مادہ نکل کر بہتا ہے۔ جہنم کا غصہ اور اس کی چنگاریاں نظر آ جاتی ہیں۔ آسمان کی فضا اور چاند و سورج کی پر بہار روشنی اور اچھی موسمیں جنت کا نمونہ ہیں۔ پھر اندھیری راتیں اور گرم لو کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کے شاداب ٹکڑے اور باغات جنت کا نمونہ ہیں اور خشک و گرم اور بدبودار اور عمیق گڑھے جہنم کا نمونہ ہیں مگر یہ چیزیں روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہر روز دیکھتے دیکھتے ایک معمولی بات ہوگئی مگر روشن دل ان میں پورے نمونوں کا ملاحظہ کیا کرتا ہے اور یہی آثارِ قدرت ہیں جو بندوں کو خدائے پاک دکھاتا ہے۔ اس لیے جنت کے بیان میں شہوت انگیز مضامین بیان نہیں ہوئے بلکہ ان کو سن کر عالمِ آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور دنیا سے نفرت اس لیے فرمایا:

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝٢١ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝٢٢ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝٢٣ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝٢٤ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝٢٥ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝٢٦

سو (اے رسول!) آپ سمجھاتے رہیں آپ کا کام تو سمجھانے کا ہے۔ تم ان پر کوتوال تو نہیں ہو لیکن جس نے منہ موڑ لیا اور منکر ہو گیا سو اس کو اللہ ہی بڑی سزا دے گا بے شک ان کو ہمارے پاس پھر کر آنا ہے۔ پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔

ترکیب | فذکر الفاء لترتیب مابعدھا علی قبلھا مصیطر بالصاد والسین قال فی الصحاح ھو المسلط علی الشیء لیشرف علیہ ویتعھد احوالہ الا استثناء متصل من اعم المفاعیل وقیل منقطع والعذاب لا کبر العذاب الشدید الدائم وھو عذاب جھنم وانما قال الاکبر لانھم عذبوا فی الدنیا بالعذاب الاصغر وھو الجوع والقتل والاسر قرء قتادہ وابن عباس الا التی للتنبیہ ایابھم اسم ان الینا خبرھا وقس علیہ حسابھم وجمع الضمیر فی ایابھم وحسابھم باعتبار معنی من کما افراد الضمیر فی یعذبہ باعتبار لفظھا۔

تفسیر | جب عالم آخرت کی طرف رغبت کرنے کے اسباب بیان ہو چکے اور اس چندروزہ زندگی کا انجام کار لوگ سن چکے اور نیک و بد کاموں کا انجام بھی معلوم کر چکے تو آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ فذکر کہ آپ نصیحت کیجئے۔ وعظ و پند سے سمجھائیے۔ کس لیے کہ انما انت مذکر آپ کا کام ہے سمجھانا اس لیے آپ اس پر آشوب زمانہ میں مبعوث کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ پھر جو کوئی ہٹ دھرم اور شقی ازلی نہ مانے تو اپنا سر کھائے کس لیے کہ لست علیھم بمصیطر آپ ان پر کوتوال یا داروغہ نہیں کہ زبردستی ان کو ایمان پر لائیں اور جو نہ مانے تو اس کا ذمہ آپ پر ہو۔ فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات منسوخ ہیں۔ آیت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے یعنی یہ حکم جب تھا کہ کفار کا غلبہ تھا اور اسلام غالب ہونے کے بعد اگر وہ ایمان نہ لاویں تو ان کو قتل کیا جاوے مگر یہ کہنا صحیح نہیں کس لیے کہ اب بھی جو نہ مانے تو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ لوگ عرب سے نکال دیے جاویں اور دیگر ممالک میں اگر رہنا چاہیں تو شاہِ اسلام کی اطاعت میں ذمی[1] بن کر رہیں۔ کچھ جبر نہیں کہ ان کو مسلمان بنایا جاوے اور قتل کا حکم بوقتِ مقابلہ ہے۔

الامن تولیٰ و کفر بعض مفسرین نے اس کو مفعولِ عام سے مستثنیٰ کیا ہے کہ فذکر کل واحد الا من تولیٰ وکفر کہ سب کو نصیحت کر مگر اس کے لیے کچھ ضرور نہیں جو منہ موڑ جاوے۔ اور منکر ہو جاوے کس لیے کہ اس ہٹ دھرم کو نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ پہلے فرمایا تھا ان نفعت الذکری ابن عباس و قتادہ الا کو الا تنبیہ کا کلمہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ خبردار جو منہ موڑے اور انکار کرے گا اس کو خدا سخت سزا دے گا۔ بعض نے اس کو علیھم کی ضمیر سے استثناء کیا ہے کہ آپ ان پر داروغہ نہیں لیکن جو نہ مانے گا وہ سخت سزا پاوے گا۔ ان الینا ایابھم آخر ان سب کو مر کر ہمارے پاس آنا ہے۔ ثم ان علینا حسابھم پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے' ہم ضرور باز پرس کریں گے اور منہ موڑنے اور انکار کرنے والے کو سخت سزا دیں گے۔ وہ کیا ہے؟ جہنم کا ابدی عذاب اور اس کے مقابلہ میں سب سزائیں کم ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

[1] ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہو اور شاہِ اسلام کی رعیت ہو کر رہے۔ اس کی حفاظت کا شاہِ اسلام پر اور اس کو شاہِ اسلام کی اطاعت کا ذمہ ہے۔ اس لیے ذمی کہتے ہیں۔ اس سے ایک خاص ٹیکس حفاظتی لیا جاتا ہے جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ فوجی خدمت سے معاف کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

(سورہ فجر مکیہ ہے اس میں تیس آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا يَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ هَلۡ فِىۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾

قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جبکہ ڈھلے کیوں ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لیے بس کرتی ہے؟

ترکیب | والفجر الواوا للقسم والباقی معطوف علی الفجر وجواب القسم محذوف ای لتبعثن اونحوہ وقیل جوابہ ان ربک لبالمرصاد۔ و الشفع والوتر بفتح الواو وکسرھا ھما لغتان ومعناھما الزوج والفرد اذا یسر اذا ظرف والعامل فیہ محذوف ای اقسم بہ لیسر قرء الجمھوری بحذف الیاء وصلاً ووقفا اتباعا لرسم المصحف وقرء نافع وابوعمرو بحذفھا فی الوقف واثباتھا فی الوصل وقرء ابن کثیر ویعقوب وابن محیص باثباتھا فیھما قال الخلیل تسقط الیاء منھا موافقۃ لروس الآی وھو ماخوذ من السری وھو السیر لیلاً یقال سریت اللیل وسریت بہ واسناد السری الی اللیل قیل حقیقی لان معناہ جاء اد ادبر وقیل مجازی ھل فی ذلک القسم قسم لذی حجر ای عقل ولب واصل الحجر المنع یقال لمن ملک نفسہ منعھا انہ لذو حجر ومنہ سمی الحجر لامتناعہ بصلابتہ ومنہ حجر الحاکم علی فلان ای منعہ والجملۃ استفھامیۃ لتقریر تعظیم ما اقسم اللہ تعالٰی بہ وذلک اشارۃ الی تلک الامور المذکورۃ بتاویل المذکور ای ھل فی تلک الامور المذکورۃ التی اقسمت بھا قسم حقیق بان یتیقن بہ ذوعقل سلیم وفھم مستقیم۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ ابن عباس و عائشہ و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں تیس آیات ہیں۔ لفظ فجر اس کے شروع میں ہے۔ اس لیے اس کو سورۂ فجر کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ کو لمبی قرأت پر تنبیہ فرمائی تھی تو منجملہ اور سورتوں کے اس سورہ کے پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا (رواہ النسائی)

واضح ہو کہ اس سورہ میں بھی خدا تعالیٰ جزاء و سزا کا پانا اور ایک ایسے دن کا آنا کہ جس میں انسان نے جو کچھ اس ظلمت کدہ میں کیا تھا اس کا مشاہدہ کرنا بدلائل ثابت فرماتا ہے اور یہی وجہ اس سورہ کی پہلی سورہ سے مناسبت کی ہے مگر ہر سورہ میں ایک نیا دلکش اور پر اثر انداز ہے جو انسان کو شقاوت کے گڑھے سے نکال کر سعادت کی بلندی کی طرف لاتا ہے اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام سے یہی مقصودِ اصلی بھی ہے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ کی ابتداء ایسی چند چیزوں کی قسم سے کی کہ ان میں سے ہر ایک میں غور کرنا اس مقصود کو ثابت کرتا ہے اور لطف یہ کہ شبہات کو بھی زائل کر دیتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے والفجر ولیال عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں کہ جن کی قسم کھائی گئی۔ اول فجر۔ اگر فجر کے معنی صبح کے لیے جاویں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو یہ بھی قیامت کے برپا ہونے کا پورا نمونہ ہے۔ رات کو ایک سناٹا ہوتا ہے۔ پرندچرند انسان حیوان پر نیند و آرام طاری ہوتا ہے جو ایک حالتِ موت سے پوری مشابہ ہے۔ نہ وہ شور وغل ہے نہ ہائے ہو۔ نہ وہ آفتاب کی مشعل کی روشنی ہے۔ پھر صبح نمودار ہوتے ہی ہر ایک بیدار ہوتا ہے۔ پرند چہکنے لگے۔ مسافروں نے چلنے کی تیاری کی۔ کاروباری اپنے کاروبار کی طرف دَرباری اپنے دربار کی طرف دوڑنے لگے۔ الغرض ایک شور برپا ہو گیا۔ یہ قیامت کا پورا نمونہ ہے کہ مرنے کے بعد خصوصاً جبکہ فنا کے صور سے ہر چیز نیست ہو جاوے گی اور عدم کی رات طاری ہو جاوے گی تو پھر صبح قیامت نمودار ہو کر لوگوں کو بیدار کر دے گی۔ بادۂ غفلت کے مست کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ ہم کو نیند سے کس نے جگا دیا؟

اس تقدیر پر فجر سے مراد کسی دن معین کی فجر نہیں بلکہ عام ہے جیسا کہ اور جگہ بھی آیا ہے والصبح اذا تنفس، والصبح اذا اسفر

اور یہی حضرت علی و ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور جو اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد لی جاوے تو بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اور علماء فرماتے ہیں چنانچہ (۱) قتادہ کہتے ہیں کہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب کے نزدیک شروع سال محرم سے ہوتا ہے تب ان کے نزدیک اس فجر میں یہ خصوصیت ہوگی کہ گویا یہ تمام سال کا دیباچہ ہے اور برس بھر کے روزوں کا پیش خیمہ ہے جو ہر روز کے لحاظ سے پورا پورا قیامت کا نمونہ ہے اور سال بھر میں جو کچھ نیک و بد کام ہوتے ہیں ان کا دروازہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یوم النحر[1] کی صبح مراد ہے کیونکہ یہ دن مناسک ملۃ ابراہیم کے ادا کرنے کا ہے جو تمام خدا پرستوں کے لیے ملتِ ابراہیمیہ کا شعار ہے۔

اور اس دن دنیا بھر کے خدا پرستوں کا ایک متبرک مقام پر مجمع ہوتا ہے جو ہر ایک اپنے خدائے پاک پر جان فدا کرنے کو تیار ہے اور جان کے بدلہ اپنی خاص رحمت سے جانوروں کی قربانی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ دن بڑا متبرک دن ہے اور اجتماع کے لحاظ سے حشر کا بھی نمونہ ہے۔ پھر اس کی صبح تو کیا ہی مبارک صبح ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے پہلے روز کی صبح مراد ہے۔ کس لیے کہ مناسکِ حج جو حشر کا نمونہ ہیں اس سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لیے اس کے بعد لیال عشر کی قسم کھائی ہے جو اسی مہینے کی دس رات ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرفہ کی فجر مراد ہے کس لیے کہ آج تو تمام حجاج کا مجمع ہوتا ہے۔ اعظم ارکانِ حج کے لیے۔

اب اگر فجر کے اور معنی لیے جاویں جیسا کہ دیگر علماء نے لیے ہیں تب بھی ہر ایک معنی کے لحاظ سے یہ حشر و نشر اور اس دن میں اس کے جلال و جمال کے اظہار کا پورا نمونہ ہے چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد لغوی معنی کے لحاظ سے پھٹنا اور بہنا ہے جس سے چشموں کا بہنا اور پھوٹنا مراد ہے اور ان پر دنیا کی معاش کا دارومدار ہے اور یہ اس کے جمال یعنی اس روز کی خاص رحمت کا جو نیکوں کے لیے رکھی گئی ہے' پھوٹ پڑنے اور چشموں کی طرح بہنے کا پورا نمونہ ہے۔

بعض صوفیہ کرام فجر سے مبدءِ طلوعِ نورِ حق مراد لیتے ہیں جس کا اول مرتبہ تو روح کا بدن پر ظہور ہے جس کو انسان کی آفرینش یا تولد سے تعبیر کرنا چاہیے اور پھر ترقی کرتے کرتے اس کے تجلیات تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے مگر اب تک آفتابِ ذاتِ حق اس پر طلوع نہیں ہوا۔ اب تیسرے مرتبہ میں جب آفتابِ ذاتِ حق جلوہ گر ہوتا ہے تو روزِ روشن ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہتی۔ یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے بعض مخصوص لوگوں کو حیات ہی میں حاصل ہو جاتا ہے مگر اور لوگوں کو مرنے کے بعد حشر کے دن حاصل ہوگا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت کی ابتداء کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی ہے تو اس وقت نبوت کی فجر تھی مکہ ہی میں اسلام تھا پھر آفتاب جلوہ گر ہوا اور دنیا کو منور کرتا گیا۔ اس لیے اس سہانی حالت کی قسم کھاتا ہے۔

لیال عشر کی تحقیق ! دوسری چیز جس کی قسم کھائی ولیال عشر ہے۔ جس کے معنی ہیں دس رات کے یہ وہ دس رات کہ جن کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ بڑی متبرک راتیں ہیں جن میں بندہ کے لیے عالمِ بالا سے ایک خصوصیتِ خاصہ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں کہ جن میں دور دراز کے خدا پرست ایک متبرک مقام پر جمع ہو کر عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ ایامِ حج کی راتیں ہیں' ان میں بھی مجمع حشر کا نمونہ ہے۔ دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ اخیر رمضان کی دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر بھی واقع ہوتی ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان راتوں میں نہایت شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شریک کرتے تھے اور مسجد میں معتکف ہو کر بیٹھتے تھے۔ دنیاوی کاروبار چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ بیع و شراء وغیرہ اگرچہ آپ کے دنیاوی کام بھی بغرضِ تحفظِ دین ہی ہوا کرتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ماہِ محرم کی اول دس راتیں مراد ہیں کس لیے کہ دسویں تاریخ کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں اور اسی لیے رفعِ درجات کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت اور شہادت بھی انہیں ایام میں واقع ہوئی ہے۔

---

[1] نحر قربانی یوم النحر قربانی کا دن ذی الحجہ مہینہ کی دسویں تاریخ۔ ۱۲ منہ

چوتھا قول یہ ہے کہ تمام سال میں سے یہ دس متفرق راتیں ہیں جن میں سے پانچ رات تو اخیر رمضان کی ۲۱۔۲۳۔۲۵۔۲۷۔۲۹ جن میں لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے اور ایک عید الفطر کی رات اور ایک عرفہ کی رات اور ایک یوم النحر کی رات اور ایک لیلۃ المعراج یعنی ستائیسویں رجب کی رات اور ایک شب برات۔ چونکہ یہ راتیں فی الجملہ مبہم ہیں جیسا کہ چار قولوں میں مختلف اقوال گزرے اور نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لیے نکرہ لائی گئیں تا کہ ہر احتمال کو گنجائش ہو سکے۔ بعض صوفیہ کرام دس راتوں سے حواسِ عشرہ پانچ باطنہ اور پانچ ظاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کو رات سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انوارِ حق و مجردات کے ادراک اور ان سے مشغول ہونے کے وقت یہ متکدر اور بیکار ہو جاتے ہیں اور شب کی طرح ان پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ جب نورِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے تو یہ جسمانی آلات معطل ہو جاتے ہیں مگر بندہ کے کسبِ کمالات کے لیے عمدہ اوزار ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی گئی اور یہ تعطل ایک جسمانی عالم کا بطلان ہے جو قیامت اور صور فنا کو یاد دلا رہا ہے۔

شفع ووتر کے معنی | تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی والشفع والوتر ہے کہ قسم ہے شفع اور وتر کی۔ شفع زوج جس کو جفت کہتے ہیں وتر طاق یا فرد ان سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مگر وہ سب دو قولوں سے باہر نہیں۔ کس لیے کہ یا تو ان سے نفسِ عدد مراد ہوگا یا معدود اول قول جو حسن کا قول ہے۔ یہ ہے کہ نفسِ عدد جفت و طاق کی قسم کھاتا ہے جس کی حساب کے لیے اور گنتی کے لیے لوگوں کو بس ضرورت ہے اور دنیا کی عمر یا خود انسان و حیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے۔

دس بیس پچاس سو ہزار لاکھ یا کچھ ہو آخر کوئی نہ کوئی عدد ہوگا طاق ہو یا جفت اس میں دنیا و اہلِ دنیا کے حادث اور فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ان کی ابتداء یہی ہے پھر انتہاء بھی یہی ایک بات اگر عاقل غور کرے تو جلد قائل ہو جاوے کہ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہے اور جا کر کئے کا بدلہ پانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معدود مراد ہیں پھر اس میں بھی کئی قول ہیں: (۱) یہ کہ عام ہے سب کو شامل ہے رات دن کا جوڑا، نیکی بدی کا، شمس و قمر کا، جن و انس کا، کفر و ایمان کا، سعادت و شقاوت کا، مرد و عورت کا، ذل و عزت کا، دولت و فقر کا، آسمان و زمین کا، بحر و بر کا، تندرستی بیماری کا، موت و حیات کا، جیسا کہ فرماتا ہے ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون یہ مخلوق تو سب شفع ہے اور وتر یعنی فرد ہے وہ سبحانہ ان کا خالق ہے جس کا کوئی جوڑا نہیں۔ یہ سفیان بن عیینہ و مجاہد و محمد بن سیرین و قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ (۲) یہ کہ مخلوق میں سے شفع اور وتر مراد ہے شفع یوم النحر ہے اور وتر یوم عرفہ پہلے دن میں قربانی ہوتی ہے اور دوسرے پر بہت سے احکامِ حج کا مدار ہے۔ (۳) ربیع بن انس و ابو العالیہ کہتے ہیں صرف نمازِ مغرب مراد ہے۔ اس کی پہلی دو رکعت شفع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے۔ (۴) ضحاک و عطا کہتے ہیں شفع دس روز ذی الحجہ کے اور وتر اس کے بعد کے تین روز ہیں۔ (۵) بعض کہتے ہیں آدم و حوا مراد ہیں کس لیے کہ آدم اکیلے تھے۔ پھر حوا کے ملنے سے جوڑا ہو گیا۔ (۶) مقاتل کہتے ہیں شفع کل ایام ہیں رات دن کے لحاظ سے اور وتر وہ اخیر دن ہے یعنی قیامت کا۔ (۷) حسین بن فضل کہتے ہیں شفع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں۔ (۸) شفع صفاتِ خلق ہیں علم ہے تو جہل بھی ہے قدرت ہے تو عجز نہیں۔ (۹) شفع انسان کے بعض اعضاء دو کان دو ہاتھ دو پاؤں اور وتر وہ جو ایک ہیں ناک، سر قلب۔ (۱۰) شفع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔

اور بھی اقوال ہیں الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے سب کو حاوی ہے مگر ان میں ٹھیک وہی ہے جن کی طرف احادیثِ صحیحہ میں اشارہ ہو۔ ترمذی و امام احمد وغیرہما نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے شفع اور وتر کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز مراد ہے۔ بعض جفت ہیں دو دو یا چار چار رکعت بعض طاق یعنی تین رکعت لیکن اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اور اسی لیے ترمذی نے کہہ دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور امام احمد و نسائی و حاکم نے روایت کی ہے کہ لیال عشر عید الضحیٰ کی دس راتیں اور وتر عرفہ کا دن اور شفع نحر کا دن

ہے مگر محققین محدثین کے نزدیک ان روایات میں کلام ہے۔

لیل | پانچویں چیز کہ جس کی قسم کھائی وہ رات ہے۔فرماتا ہے والیل اذا یسر کہ قسم ہے رات کی جبکہ ڈھلے یسر کی تھای فواصل آیات کے لحاظ سے محذوف ہوگئی اور کلام عرب میں ایسا بہت ہے۔اس کے معنی ہیں جبکہ جاوے یعنی ڈھلے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے والیل اذا ادبر والیل اذا عسعس مگر قتادہ وابوالعالیہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جبکہ آوے اس میں کسی رات کی تخصیص نہیں ہر رات میں جبکہ ڈھلتی ہے رحمتِ الٰہی کا ظہور اور اس کی تجلی ہوتی ہے۔بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے[1] اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں دوں اور کون ہے جو دعا کرے کہ میں قبول کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے معافی مانگنے میں معاف کردوں اور بھی پچھلی رات کے برکات وفضائل آئے ہیں اور اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام وصالحین کا ہمیشہ پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت ودعا کرنے کا دستور رہا ہے اور احادیث میں تاکید ہے۔

شبہ: منکرینِ قیامت اکثر یہ شبہ اور روزِ جزا پر شبہات ہوتے ہیں۔ان کا بھی ان پانچ چیزوں کی قسم کھانے میں جواب ہے۔ کیا کرتے ہیں کہ دنیا میں نیکی وبدی کی جزاء وسزا دینے سے کون مانع ہے اگر خدا تعالیٰ ہے اور وہ بندوں کے نیک وبداعمال پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جزاء وسزا پر قادر ہے تو پھر اسی جہاں میں کیوں بدلہ نہیں دیتا تاکہ جلدی قصہ طے ہوجاوے۔

جواب | اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمتِ کاملہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس بدلہ دینے میں قیامت کا انتظار کیا جاوے۔کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں۔ایک اس کی یہ زندگانی دوسری موت اور بعد کا زمانہ۔پہلی حالت سزاء وجزا کے لیے کافی نہیں۔اس لیے دوسری حالت پر موقوف رکھا ہے کیونکہ اس جہاں میں انسان کی تمام عمر دارِ آخرت کے۔لیے سامان جمع کرنے کے واسطے مقرر ہے کہ اخیر تک تحصیلِ کمالات کرے اور نیز ہر ایک کے ساتھ بہت سے لوگوں کے حقوق وآسائش بھی متعلق ہیں اور نیز بعض ایسے بھی لوگ ہیں کہ جن پر ظلم وستم ہوئے ہیں اور ظالم زندہ ہے' مظلوم مر گئے۔اب اگر اس کو اسی جہان میں سزا دی جائے تو اول تو اسی کو اس کہنے کی جگہ باقی رہے کہ جلدی کیوں کی میں آیندہ توبہ واستغفار وعبادت کرنے کو تیار تھا' مافات کی تلافی کا مجھے وقت باقی تھا۔ دوم اس کے سزا دینے سے اس کے متعلقین پر ایک مصیبت کا دروازہ کھلتا اس کے عیال واطفال اور دیگر اہلِ حقوق اپنے حقوق سے محروم رہ جاتے۔ سوم جن مظلوموں پر ظلم ہوئے اگر ان کے بعد ظالموں کو سزا ہوتی تو نہیں کیا وہ دیکھتے تو دل ٹھنڈا بھی ہوتا یا وہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرتے۔ چوتھے اس عالم میں جزاء وسزا ہونے پر بندوں کی وہ آزمائش جو دنیا میں آزادانہ زندگی پر منحصر ہے باقی نہ رہتی اس لیے اس کی سزاء وجزا کے لیے یہ زندگانی کافی نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جہاں نہ یہ عذر باقی رہے گا کہ میرے لیے تلافی کا وقت باقی تھا نہ اس کی جزاء وسزا سے اس کے متعلقین کی آسائش میں کچھ فرق آئے گا نہ ان کے حقوق تلف ہوں گے اور جہاں مظلوم بھی موجود ہوگا اور ظالم بھی ہوگا۔اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دل ٹھنڈا کرے گا۔ پس اس جہاں کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ دنیا میں بھی بہت باتیں فوراً ہی نہیں ہو جایا کرتیں' انتظار ہی کرنا پڑتا ہے۔فجر کو دیکھو کہ اکثر لوگ اپنے کام اور ضرورتوں کے سرانجام کے لیے اس کا انتظار کیا کرتے ہیں۔بیمار وعشاق تو رات میں تڑپ تڑپ کر صبح کی آرزو کیا کرتے ہیں۔پرند اور چرند جب خالی پیٹ ہو جاتے ہیں تو صبح کے انتظار میں کلبلانے لگتے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس۔پھر لیالِ عشر دس راتوں کو دیکھو' ان کے انتظار میں برس گزر جاتا ہے' خواہ ذی الحجہ کی دس رات ہوں یا رمضان کی یا محرم کی یا سال یا سال بھر میں سے متفرق اور عدد جفت وطاق کو دیکھو جن کے انتظار سے چارہ نہیں۔تمام دنیا کے کاروبار تنخواہ وطلب' تو الدولین دین اسی عدد پر موقوف ہے۔خواہ جفت ہو خواہ طاق۔نو مہینے تک لڑکے

---

[1] آسمانِ دنیا کی طرف اترتا یا نازل ہونا کنایہ ہے اس کی ایک توجہ اور التفاتِ خاص سے جو اس کی تجلی سے عبارت ہے۔نہ نزول وصعودِ جسمانی کیونکہ وہ اس سے پاک ہے۔۱۲ منہ

کے پیدا ہونے کا انتظار ہوتا ہے۔ مہینہ یا سال بھر نوکر ماہوار یا سالیانہ کا انتظار کرتا ہے اور رات کو دیکھو کہ اس کا بھی انتظار ہوتا ہے۔ سینکڑوں کام رات کے آنے پر موقوف ہوتے ہیں پھر کیوں جھٹ پٹ اسی وقت نہیں کر لیتے۔ جب دنیاوی کاموں میں وقت وعدہ کا انتظار ہے تو پھر اگر ایسے بھاری کام کے لیے ہو تو کیا تعجب ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے هل فی ذالك قسم لذی حجر کہ کیا جو کچھ مذکور ہوا عقلمند کے لیے اس میں کافی قسم ہے! ضرور ہے بلکہ بغیر قسم ہی کے عقلمند ان پانچ چیزوں میں غور و تدبیر کر کے کہہ سکتا ہے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اور مصلحتِ الٰہی سے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور بندہ کے نیک و بد کام سے وہ غافل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عادِ ارم ستونوں والوں سے کیا کیا جن کا مثل دنیا پر پیدا نہ کیا گیا تھا اور ثمود سے کیا کیا کہ جنہوں نے وادی میں پہاڑ تراشے تھے (مکان بنانے کے لیے) اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا۔ ان سب نے ملک میں سرکشی کر کے بڑا ہی فساد مچا دیا تھا پھر تو آپ کے رب نے بھی ان پر عذاب کا کوڑا پھٹکار دیا کیونکہ آپ کا رب تاک میں ہے۔

ترکیب | ارم ذات العماد عطف بیان لعاد او بدل منہ وارم غیر منصرف للتعریف والتانیث وارم[1] جد عاد لانہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح وقال قتادہ ھی قبیلۃ من عاد قال ابو عبیدہ ھما عادان فالاولیٰ ارم۔ ومعنی ذات العماد وذات القوۃ والشدۃ وقیل ذات الطوال یقال رجل طویل العماد ای القامۃ وفی الصحاح العماد الابنیۃ الرفیعۃ تذکر وتونث۔ التی لم یخلق الخ صفۃ لعاد وقیل صفۃ ارم علی قول من قال ان ارم قریۃ وارض وثمود بالنصب عطفا علی عاد مجرور محلا علی انہ اسم للقبیلۃ ففیہ التانیث والتعریف فھو غیر منصرف الذین الخ صفۃ لثمود جابوا الجوب القطع ومنہ جاب البلاد واذا قطعھا ومنہ جیب القمیص لانہ قطع بالواد متعلق بجابوا والمراد بالواد وادی القری وھو موضع بقرب المدینۃ من جھۃ الشام قراء الجمھور بالواد بحذف الیاء وصلا ووقفا اتباعا لرسم المصحف وقراء ابن کثیر باثباتھا فیھما وقری باثباتھا فی الوصل دون الوقف و فرعون معطوف علی عاد ذی الاوتاد صفۃ فرعون والمراد بہ قومہ والاوتاد جمع وتد بکسر التاء وفتحھا وعند اھل نجد بسکونھا والمراد بالاوتاد الجنود لان الملک یشد بھا الذین الخ الموصول صفۃ لعاد وفرعون ای طغت کل طائفۃ منھم فی بلادھم وتمردت فصب ای القیٰ وافرغ وھذا استعارۃ عن ایقاع العذاب بھم علی ابلغ الوجوہ ان ربک تعلیل لما قبلہ ایذانا بانہ عالم باحوال القریش یوقع بھم ما اوقع بمن قبلھم وقیل ھو جواب القسم۔

تفسیر | اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ جزاء و سزا کا دن قیامت ہے اور وہیں پوری سزاء و جزا ملا کرتی ہے۔ اب یہاں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی دنیا میں بھی ہم کچھ سزا دے دیا کرتے ہیں اور نیکوں کو جزا بھی۔ اس لیے پہلی قوموں کے تین مشہور واقعات یاد دلاتا ہے کہ جن کی سرکشی پر خدا نے دنیا ہی میں ان کو سزا دی تھی۔ اول واقعہ: فقال الم تر کیف فعل ربك بعاد کہ کیا اے مخاطب! تو نے نہیں دل کی آنکھ سے دیکھا (گو اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا نہیں مگر وہ مشہور واقعہ ایسا ہی یقین بخش ہے جیسا کہ آنکھ کا دیکھا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے الم تر فرمایا

---

[1] وھذا اکقولھم قریش کنانا والیاس مضر وربیعہ نزار۔۱۲ منہ

(کہ تیرے رب نے عاد کی قوم سے کیا کیا۔ کون سے عاد سے آپ ہی فرماتا ہے ارم یعنی عادِارم کی قوم سے (جن کو عادِاولیٰ بھی کہتے ہیں) ارم ان کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا۔ عرب میں جدِاعلیٰ کی طرف منسوب کرنا عام محاورہ ہے۔ کہتے ہیں قریش کنانہ اور وہ کیسی قوم تھی؟ ذات العماد بڑی بلند قامت یعنی طاقت ور یا یہ معنی کہ مکانوں اور محلوں والی۔ کس لیے کہ عماد بلند مکانوں کو بھی کہا کرتے تھے یا خود ستونوں والی کیونکہ اس دولت مند قوم کی عادت تھی کہ اپنے بزرگوں کے مقابر پر بلند منارے بنوادیا کرتے تھے۔ فخر اور یادگاری کے لیے جس کے آثار ملکِ مصر میں اب تک باقی ہیں۔ التی لم یخلق مثلها فی البلاد ایسی قوم یا ایسے ستون یا ایسی عمارات کہ جن کی مثل اس عہد تک ملکوں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ یہ پہلا واقعہ ہے قومِ عادِاولیٰ کا۔

واضح ہو کہ عاد دو فرقوں کا نام تھا ایک کو عادِاولیٰ اور عادِقدیمہ بھی کہتے تھے اور وہ اولاد عاد بن ادص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور انہیں کو عادِارم کہتے ہیں۔ کس لیے کہ ارم ان کے دادا ہیں اور شہرارم بھی عدن کے قریب نہایت عمدہ انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا تھا جس کا مثل اس زمانہ میں دنیا بھر میں نہ تھا یا ملک عرب میں نہ تھا دوسرا فرقہ اس کو عادِاخریٰ کہتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اس قوم کے ہلاک ہونے سے بچ رہے تھے اور یہ لوگ ملکِ یمن کے ضلع حضرموت میں احقاف کی زمین میں رہا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی بڑے پھلے پھولے اور آخر کار جبار و سرکش ہو گئے۔ انہیں میں ہود علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم ہوا کے طوفان سے ہلاک ہوئی تھی۔ ان کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے مگر عادِارم کا صرف دو ہی جگہ آیا ہے۔ ایک انہیں آیات میں دوسرے سورہ نجم میں جہاں کہ فرمایا وانہ اھلک عاد االاولیٰ۔

اس قوم (یعنی عادِارم کا) وہ واقعہ جو صحیح طور پر ثابت ہوا اسی قدر ہے کہ یہ ایک قوم قدیم زمانہ میں طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد ملک یمن میں آباد تھی۔ اس قوم کا یہاں تک عروج ہوا کہ تمام عرب بلکہ مصر و دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہوگئی اور انہوں نے بڑے بڑے عجائب شہر آباد کئے اور دولت و حشمت نے ان سے قول ہار دیا تھا۔ منجملہ ان کے شہرِ ارم بھی اس وقت میں ایک عجائب زمانہ تھا۔ یہ بڑی طاقتور اور بہادر قوم تھی مگر پھر دولت و ثروت کے ساتھ بدکاری اور عیاشی اور ظلم بھی ان میں آیا اور یہ باتیں دولت و ثروت کا خمار ہیں۔ ہر چند اس عہد کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو سمجھایا اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر ان کے گناہوں کی کشتی جو بھر چکی تھی غرق ہونے کو تھی۔ کب مانتے تھے آخر عذابِ الٰہی کا کوڑا ان پر پڑا برباد و ہلاک ہو گئے۔ سلطنتیں جاتی رہیں' دولت و ثروت نے منہ پھیر لیا۔ وباء اور دیگر مصائب نے ہجوم کر لیا' برباد ہو گئے۔

شہرارم کا بیان: مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد یہ ملکوں پر قابض ہو گئے' شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے بڑی ترقی کی۔ بڑے بڑے بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے جنت کا ذکر سن کر کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں۔ تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہرِ ارم کی بنیاد ڈال دی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس کے چاندی سونے کے محل اور یاقوت زبرجد کے ان کے ستون تھے اور اقسام اقسام کے اس میں باغ اور نہریں تھیں جب بن کر تیار ہوا تو ارکانِ دولت کو لے کر اس بہشت میں چلا جب قریب رہ گیا تو آسمان سے ایک کڑک آئی اور سب کو ہلاک کر دیا۔ شداد نو سو برس کی عمر میں مرا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابوقلابہ اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے اور شہرارم میں جا پہنچے اور وہاں سے بہت کچھ جواہرات اٹھا لیے۔ اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ انہوں نے بلا کر پوچھا۔ سارا احوال بیان کر دیا۔ تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے دریافت کیا تو کہا یہ وہ شہرارم ہے جو شداد نے بنایا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو ممکن ہے کہ شہرِ ارم کے کھنڈرات میں جا پہنچے ہوں اور بیش بہا پتھر لے آئے ہوں مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شہرِ ارم اسی طرح اب بھی یمن کے جنگلوں میں موجود ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہے۔ **دوسرا واقعہ:** اس کے بعد دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے جو اس کے بعد گزرا ہے۔ فقال وثمود الذین جابوا الصخر بالواد

اور قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا وہ قوم ثمود کہ جس نے جنگلوں میں پتھر تراشے تھے اور بڑے مستحکم مکان بنائے تھے کہ ہم ہمیشہ ان میں رہا کریں گے۔ یہ قوم شمال عرب میں رہتی تھی۔ حجر سے لے کر وادی القریٰ تک ان کی بستیاں تھیں۔ پہاڑ تراش کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکان بنایا کرتے تھے۔ تصویریں اور پھولوں اور درختوں کی صورتیں بھی تراشا کرتے تھے۔ نہایت شادمانی اور مزے سے زندگانی بسر کیا کرتے تھے مگر ساتھ ہی بدکاری اور بت پرستی بھی بے حد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے پھر کب یہ ماننے والے تھے۔ آخر ایک ہی بار ہلاک ہو گئے۔ ان کا قصہ بھی کئی بار قرآن مجید میں آ چکا ہے۔ ان کے آثار اب تک شام کی طرف جانے والوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ حال کے سیاحوں نے بھی ان کے سنگین مکانات کے کچھ کچھ آثار دیکھے ہیں۔

تیسرا واقعہ | اس کے بعد تیسرا واقعہ قوم فرعون کا بیان فرماتا ہے فقال وفرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو لشکر والا تھا اوتاد وتد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں میخ کے۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: (۱) یہ کہ اوتاد لشکروں کو کہتے ہیں کیونکہ سلطنت و حکومت کی یہی میخ ہے۔ جس بادشاہ کا لشکر مہیا اور کارآمد نہیں اس کی بادشاہت بے بنیاد ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ اس قدر گھوڑے اور خیمے تھے کہ بیشمار میخیں ساتھ چلا کرتی تھیں جس سے اس کی حشمت اور کثرتِ مال و جاہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) یہ کہ وہ موذی ایمانداروں کو چومیخا کیا کرتا تھا۔ اس لیے میخیں رکھ چھوڑی تھیں۔ اس لیے اس کو اس بری صفت سے یاد کیا گیا۔

پھر اجمالاً ان تینوں قصوں کو بیان فرما کر سب کے افعالِ زشت اور حالاتِ بد کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے جو ان پر دنیا میں قہر ٹوٹ پڑنے کا باعث ہوا۔ فقال الذین طغوا فی البلاد یہ سب قومیں وہ تھیں کہ جنہوں نے ملک میں رہ کر سرکشی کی اپنی حد سے گزر گئے تھے تکبر کی بھی انتہا نہ رہی تھی۔ محکوموں کے ساتھ نخوت اور بے پروائی سے پیش آتے تھے۔ اخلاق کا نام تک نہ تھا۔ شہوت پرستی اور عیاشی کا بھی کچھ انتہا نہ تھا۔ بہائم کو بھی شرما دیا تھا۔ اس پر درندے بھی بن گئے تھے جس کو چاہا پیٹ ڈالا' قید کر دیا' مروا ڈالا' الزام لگا کر گھر بار ضبط کر لیا۔ عدل وانصاف' صداقت' پارسائی' پرہیزگاری' رحمدلی' خوش اخلاقی تو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ اس پر اعتقادات وہ بد کہ الٰہی توبہ۔ خدا تعالیٰ کی بے ادبی اس کے رسولوں اور ان کی شریعت کی بے عزتی' بت پرستی ایک ادنیٰ بات تھی۔ دارآخرت اور اعمال کی جزا سزا کا تو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ زناکاری اور شراب خواری کے دروازہ کھول دیے تھے۔ لوگوں کو بھی اسی روش اور انہیں خیالات پر پھیر کر لاتے تھے اور اپنی عقل وتدبیر اور شوکت وحشمتِ موجودہ پر بڑا غرور تھا۔ ان سب باتوں کی طرف اس ایک ہی جملہ میں اشارہ ہے فاکثروا فیھا الفساد کہ زمین میں بہت ہی فساد کیا ہے۔ ہر ایک بات جو اوپر مذکور ہوئی فساد فی الارض ہے۔ اب ان کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فقال فصب علیھم ربک سوط عذاب کہ تیرے رب نے (جو رب العالمین ہے اس کو اپنے غریب بندوں کی پرورش بھی ملحوظ ہے۔ مظلوموں پر رحم کھانا بھی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے) ان پر سزا کا کوڑا مارا سب کو ہلاک و برباد کر دیا۔ اس کے تازیانہ سے ڈرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان ربک لبالمرصاد تیرا رب اپنے بندوں کے حالات وحرکات دیکھتا رہتا ہے۔ سب کچھ اس کی نظروں میں رہتا ہے۔ کچھ انہیں قوموں پر انحصار نہیں اور صدہا قوموں پر سزا کے کوڑے مارے ہیں اور آیندہ مارے گا۔ اگر یہی اخیر جملہ بندے کے دھیان میں رہے تو بڑا ہی نیک ہو جاوے۔ قرآن نے تذکیر میں کوئی مرتبہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس سے بڑھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ

لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

لیکن انسان ایسا ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے پس اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے نواز دیا اور جبکہ اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو اور مردوں کا مال بھی سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کو بھی بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

ترکیب | فاما بھنا لمجرد التاکید لا لتفصیل المجمل اذا شرطیۃ ما زائدۃ فاکرمہ ونعمہ تفسیر لِلا بتلا فیقول الخ جواب الشرط وقیل اذا ظرفیۃ ودخلت الفاء فی یقول لتضمن اما معنی الشرط ای فاما الانسان فیقول ربی اکرمنی وقت ابتلائہ بالنعماء۔ اکرمن اصلہ اکرمنی حذفت الیاء اتباعاً لرسم المصحف وبقیت الکسرۃ دلیلاً علیھا وقس علیہ واما اذا ما ابتلاہ فقدر الخ کلا روع للانسان عن قولہ ولا تحاضون والمفعول محذوف ای احداو انفسکم قرء الجمہور تحضون من حضہ علی کذا ای اغرہ بہ وقری تحاضون بفتح التاء واصلہ تتحاضون ای لا یحض بعضکم بعضا وقرئی بضم التاء من الحض وھو الحث۔ طعام المسکین والطعام اما اسم مصدر ای اطعام المسکین اواسم للمطعوم فالمضاف محذوف ای بذل طعام المسکین التراث اصلہ الوارث فابدلت التاء من الواو المضمومۃ کما فی تجاہ ووجاد لما اصل اللم الجمع یقال لممت الشیء المہ جما۔ الجم الکثرۃ یقال جم الشیء یجم جموماً یقال فی المال وغیرہ فھم جم وجام۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا ان ربک لبالمرصاد کہ وہ آخرت کے مفید و مضر کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ فاما الانسان الخ اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ رات دن حصولِ دنیا اور اس کے لذات و شہوات میں مشغول ہے۔ اگر دنیا میں دولت و راحت مل گئی تو کہنے لگا کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہے اور جب ہی تو اس نے مجھے یہ عزت دی ہے اور جو تنگ دستی یا تکلیف پیش آ گئی تو کہنے لگا کہ ناراض ہے جس لیے اس نے مجھے ذلیل کر رکھا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا عزت و اکرام حصولِ دولت و راحتِ دنیا پر منحصر جانا اور اس کی ناراضگی اور توہین کو دنیاوی فقر و فاقہ اور تکالیف پر محمول کیا اور یہ اس کا خیال باطل ہے کس لیے کہ دنیا کی راحت و نعمت اور اسی طرح افلاس و فقر، بیماری و خواری اس کی آزمائش ہے کہ نعمت و راحت پا کر کیسی شکر گزاری و فرمانبرداری کرتے ہیں اور مصیبت میں کیونکر صبر کرتے ہیں۔ اگر مصیبت میں صبر کیا تو ترقی درجات آخرت کا باعث ہے اور نعمت میں شکر نہ کیا تو اور بھی باز پرس کا باعث ہوگا۔ الغرض حصولِ دنیا اور اس کے عدم حصول پر ہماری رضامندی اور اکرام یا توہین و ناراضی سمجھنا غلط بات ہے جیسا کہ کفار سمجھے ہوئے ہیں اور یہی حجت پیش کیا کرتے ہیں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے کلا کہ ہرگز ایسا نہیں۔

کلا یعنی فراغدستی، کثرتِ مال و اولاد سے یہ سمجھنا کہ خدا مجھے معزز سمجھتا ہے اچھا اور محبوب جانتا ہے یا تنگدستی سے برا جانتا ہے، غلط خیال ہے جس کو لفظ کلا سے تعبیر کیا بلکہ فراغدستی بھی اس کی آزمائش ہے اور تنگدستی بھی کہ فراغدستی میں کیا شکر اور تنگدستی میں کیا صبر کرتے ہو؟ فراغدستی سے خدا کے نزدیک عزت دار نہیں ہو جاتا نہ تنگدستی سے ذلیل۔ بل بلکہ ذلت کے یہ اسباب اور یہ کام ہیں۔ گو وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو اور وہ ذلت کے کام کیا ہیں جن کے کفار مرتکب تھے۔ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ (۱) لاتکرمون الیتیم تم یتیم کی عزت نہیں کرتے حالانکہ وہ بے باپ کے ہیں۔ دنیا کے مصائب اس پر پڑے ہوئے ہیں اور خود بھی کم سن ہے کچھ کر نہیں سکتا۔ اب تم اپنے تکبر سے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے۔ شفقت اور کھانا کھلانا اس کی حاجت برآری کرنا تو کجا یہ کام ہے جس سے اللہ کے نزدیک انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ خواہ بظاہر کیسا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ جہالِ عرب میں یہ بھی عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہیں کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ میں یتیموں پر

مہربانی کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ (۲) ولا تحاضون علیٰ طعام المسکین اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو نہ اپنے آپ کو اور نہ اور کسی کو۔ حالانکہ غریب محتاج کو کھانا کھلانا تمام اہلِ عقل و نقل کے نزدیک مسلم نیکی ہے۔ برخلاف اس کے بدبخت جاہل یہ کہتے ہیں کہ جب اس کو خدا ہی نے نہ دیا اور اس نے اس کی بے قدری کی اور خدا ہی نے یتیم کے باپ کو مار دیا تو ہم اس پر کیوں رحم کریں کیوں کھانا کھلائیں۔ نہ کرنے میں تو یہ دو کام نہیں کرتے جو کرنے چاہییں تھے اور کرنے میں یہ دو کام کرتے تھے۔ (۳) وتاکلون التراث اکلا لما کہ مردوں کا مال جو بلا مشقت ورثہ میں ملتا ہے اس کو سمیٹ لیتے ہو اور خوب دل کھول کر کھاتے ہو۔ فضول خرچی کرتے ہو۔ عیاشی اور نمود کے کاموں میں اوڑاتے ہو۔ سچ ہے مال مفت دلِ بے رحم۔ (۴) وتحبون المال حبا جماً اور مال کی دل سے محبت کرتے ہو بڑے لالچی اور طماع ہو۔ معاذ اللہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبتِ دنیا اور یہی لالچ اور طمع تو ہے یہی حق تلفی کراتی ہے۔ یہی جھوٹ بلواتی ہے۔ یہی خون کراتی ہے۔ یہی بے شرم بے حیا بنا دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ کام جو تم اے قریش! کر رہے ہو۔ بجائے عبادت' صداقت' ایمان' پرہیزگاری' خیرات' صلہ رحمی کے۔ پھر تم سمجھ لو کہ عاد و ثمود و فرعون پر جو کوڑا پڑا تھا وہ تمہارے لیے بھی تیار ہے۔ پھر بتاؤ اہانت و ذلتِ خدائی کا سبب حبِّ دنیا ہے یا فقر و فاقہ۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾

نہیں نہیں جبکہ زمین چکنا چور ہو جاوے اور آپ کے رب کا (تخت) آ جائے اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں اور اس دن جہنم بھی سامنے لائی جاوے۔ اس دن انسان سمجھے گا اور اس وقت اس کو سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔ کہے گا اے کاش! میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا۔ سو اس دن اس جیسی مار کوئی بھی نہ مارے گا اور نہ اس جیسی جکڑ کوئی جکڑے گا (کہا جائے گا) اے تسلی یافتہ جان! لے آ اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (لے آ) میرے بندوں میں جا مل اور میری بہشت میں چل رہ۔

ترکیب | کلا روع اذا ظرف والعامل فیہ یتذکر الانسان دکا منصوب علی انہ مصدر مؤکد للفعل دکا تاکید للاول۔ والدک الکسر وجاء معطوف علی دکت صفا صفا حال ای مصطفین اوذوی صفوف وجایٔ فعل مجہول بجہنم مفعول مالم یسم فاعلہ قائم مقام الفاعل یومئذ منصوب بجایٔ والجملۃ معطوف علیٰ دکت یومئذ بدل من یومئذ قبلہ یتذکر عامل اذا وانی لہ الذکریٰ الجملۃ حال من فاعل یتذکر یقول الخ تفسیر لیتذکر 'قدمت لحیاتی ای قدمت فی الدنیا من الاعمال الصالحۃ لاجل حیاتی الاخرویۃ فانہا الحیاۃ بالحقیقۃ۔ وقیل ان اللام بمعنی فی والمعنی یالیتنی قدمت فی حیاتی الدنیاویۃ الاعمال الصالحۃ یومئذ عاملہ لایعذب الخ عذابہ و ثاقہ بالنصب علی نزع الخافض ای کعذابہ وثاقہ قرء الجمہور لایعذب ولا یوثق مبنیا للفاعل فالضمیر فی عذابہ ووثاقہ یرجع الی اللہ تعالیٰ ای لایعذب احد کعذابہ ولا یوثق احد مثل وثاقہ وقری بصیغۃ

المجهول ایضاً فالضمیر ان رابعان الی الانسان الکافر راضیۃ مرضیۃ حال من فاعل ارجعی۔

تفسیر ! پھر فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ جو تمہارے نیک و بد کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ بدلہ دینے سے عاجز ہے یا بدلہ نہ دے گا۔ کلا ہرگز یہ خیال نہ کرو بلکہ وہ ضرور بدلہ دے گا کس روز؟ اذا دکت الارض دکا دکا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ ہو جاوے اور بلند و پستی ہموار کر دی جائے۔ یہ نفخِ صورِ اول کے بعد ہو گا جبکہ زلزلۂ عظیم زمین کو زیر و بالا کر دے گا اور اس کے بعد یہ تمام عالم فنا ہو جاوے گا تب ایک دوسرا جہان پیدا ہو گا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین عدالت کے لیے خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکِ مقربین کی راہ تکیں گے کہ اس گرمی و مصیبت سے فیصلہ کر کے ہم کو نجات ملے وجاء ربک تیرا رب آوے گا یعنی صفتِ جلال و قہر میں تجلی کرے گا اور بندوں کی عدالت کی طرف متوجہ ہو گا والملک صفا صفا اور فرشتے بھی صف باندھ کر آ حاضر ہوں گے۔ یہ تعمیلِ حکم کرنے کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ ہر ایک مرتبہ کے فرشتوں کی ایک صف ہو گی۔ وجایٔ یومئذ بجھنم اور جہنم بھی لا کر لوگوں کے سامنے موجود کی جاوے گی اور اس کی بڑی بڑی چنگاریاں اڑتی ہوں گی اور اس کے جوش و خروش کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش و حواس پریشان کرتی ہو گی۔ لانے سے مراد ظاہر کیا جانا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے وبرزت الجحیم لمن یری۔ یومئذ یتذکر الانسان اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا اور اس روز اس کا نشہ ہرن ہو جاوے گا اور اس کو نصیحت ہو جاوے گی کہ جو کچھ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی۔ سب حق ہے اور ہم اپنی بدبختی سے آنے والی مصیبت کو ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے اور اس کے لیے نیک عمل اور ایمانِ صادق کا سرمایہ جمع کرنے سے دنیاوی لذات و شہواتِ فانیہ میں مستغرق رہے۔ وانی له الذکریٰ مگر اس روز کے سمجھنے سے اس کو کیا فائدہ ہو گا۔ اس روز پچھتانا' دانت پیسنا' رونا سر پیٹنا کچھ کام نہ آئے گا اور اس دن اس رونے پیٹنے میں منہ سے کیا کہے گا؟ یلیتنی قدمت لحیاتی اے کاش میں آج کی زندگی کے لیے جو ابدی ہے دنیا میں ایمان و اعمالِ نیک کا سرمایہ آگے بھیجتا اس کے بعد مرتا۔ میں بدنصیب تو جو کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لیے کرتا رہا جو ایک خواب سا تھا۔

بعض نے لحیاتی کے لام کو فی کے معنی میں بھی سمجھا ہے۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنی زندگانیٔ دنیا میں اس دن کے لیے کاش کچھ آگے بھیجتا۔ یہ حسرت و ندامت بھی عذابِ جسمانی کے سوا ایک اور روحانی عذاب ہو گا' اس لیے فرماتا ہے فیومئذ لایعذب عذابه احد کہ پھر اس روز اس کے عذاب جیسا اور کوئی عذاب نہ کرے گا یعنی جس قدر اللہ تعالیٰ اس روز اس بے ایمان بدکردار کو عذاب دے گا ویسا کسی نے نہ دیا ہو گا۔ کس لیے کہ اول تو اس کا عذاب روحانی اور جسمانی ہو گا۔ دوم ایسا سخت ہو گا کہ ویسا دنیا میں ہو نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس سے چھٹکارا ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جاوے۔ ولا یوثق وثاقه احد اور نہ اس کی قید جیسی کسی نے قید کی ہو گی وہاں کی بیڑیاں خدا کی پناہ وہاں کے جیل خانہ سے کوئی نکل نہیں سکتا لے دے کر کوئی راحت نہیں پہنچا سکتا۔ آخر ہمیشہ کی قید الامان' الامان! اس کے علاوہ عقل و ادراک تمام اسی تکلیف کی طرف متوجہ غمزدہ آدمی کہیں جائے اس کے غم کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں رہا کرتی ہیں۔ یہ روحانی قید ہے جو وہاں بدرجۂ کمال ان بدبختوں کو ہو گی۔ پھر ایسی قید اور کون کر سکتا ہے۔ بعض قاریوں نے لایعذب ولا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ اس غافل بدبخت جیسا اور کسی کو عذاب نہ کیا جاوے گا نہ اس جیسی اور کوئی قید کی جاوے گی کس لیے کہ وہ کافر و مشرک اور اس پر بدکار لذات و شہوتِ دنیا کا فریفتہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی دنیا میں خدا تعالیٰ اور دارِ آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ برخلاف اور ایمانداروں گنہگاروں کے کہ اگر وہ کبھی بدی کرتے تھے تو دوسرے وقت کوئی نیکی بھی کر لیتے تھے۔ ان کو آخر کاران کے ایمان یا اعمالِ نیک کے سبب رستگاری ہو جاوے گی۔ یہاں تک تو بدوں کا حال بیان فرمایا جو قیامت میں ان پر طاری ہو گا۔ اس کے بعد نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان سے اس روز کیا معاملہ پیش آوے گا؟ فقال یاایتها النفس المطمئنة

ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة کہ اس خوف وہراس کے وقت فرشتے ان سے تسلی دے کر یہ کہیں گے کہ اے اطمینان یافتہ جان! اپنے رب کی طرف عدالت میں خوش خوش چل تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش' کوئی غم وہراس نہ کر۔ اس عظمت وشان سے اس کو پیشی میں لا دیں گے۔ پھر جب وہ حق سبحانہ کے سامنے ہوگا جو کچھ عنایت ومہربانی اس پر ہوگی اس کا انتہا نہیں۔ آخر کار خدا تعالیٰ اس کو فرمادے گا کہ فادخلی فی عبادی کہ آپ اس بلند مرتبہ اور بلند جگہ میں آؤ جو میرے بندگانِ خاص کے لیے ہے۔ جیسا دنیاوی عدالت میں حاکم کسی کی تعظیم وتکریم کے لیے کہا کرتا ہے کہ آپ ادھر معزز لوگوں میں آیئے۔ ہمارے پاس دائیں طرف عزت کی کرسی پر بیٹھیے جہاں اور معزز ہیں۔ وادخلی جنتی اور میری بہشت میں جو میں نے خاص تمہارے لیے پہلے سے تیار کر رکھی ہے' اس میں رہیے' سدا آرام کیجئے۔ دنیاوی بادشاہ بڑے عالیشان مکانوں اور باغوں میں ملا کرتے ہیں اور ملنے والوں کے لیے بیٹھے رہنے کی جگہ کی کیسی تیاری کرتے ہیں تو پھر کیا خدا پاک کا جہاں دیدار ہوگا وہ کوئی کوڑی اور ویرانہ ہوگا؟ ہرگز نہیں جہاں ان کا جلوہ جہاں ان کا دیدار وہ جگہ گلزار بلکہ لاکھ گلزار اس پر نثار۔ یہ بات جنتی کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے جس میں جنت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بہت سے خشک زاہدوں اور بے سمجھ شاعروں نے جنت نہیں سمجھی۔ جنت کو دنیا کا باغ اور چکلہ اور کیا کیا بتانے لگے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جو اس دیوانِ خاص میں نہ جانے پائے گا اس کو اس کا دیدار ہی نصیب نہ ہوگا۔ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی دکھائی۔ پھر کیا اس کی وہ جنت دنیا کے کوہ طور سے بھی کم ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

فائدہ ۱: اس نیک کو اطمینان والی جان کیوں فرما دیا؟ اس لیے کہ اس کو اس لفظ کے سنتے ہی عذاب وعتاب کی دہشت سے اطمینان ہو جاوے۔ گویا یہ تسلی دینے والا لفظ پہلے سے بطور مژدہ کے سنایا جاوے گا کہ تجھے اطمینان ہے۔

فائدہ ۲: واضح ہو کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں۔ امارہ' لوامہ' مطمئنہ۔ امارہ کفار ودنیا کی لذات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے کہ وہ ان کو بدکاری پر بار بار امر یعنی حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں۔ لوامہ لوم ملامت کرنے والا یعنی اپنی برائیوں پر ملامت کرے۔ یہ عامہ ایمانداروں کی صفت ہے۔ ان میں حس وادراکِ باطنی باقی ہے۔ ابھی گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں' افسوس کرتے ہیں دل میں گناہ کر کے رنج ہوتا ہے۔ مطمئنہ۔ اطمینان یافتہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام وصالحین کے نفس کی حالت ہے۔ ان کو عبادت ومعرفت سے اطمینان ہو جاتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور کاموں میں ان کا دل بیقرار رہتا ہے۔ ہر پھر کر اپنے مرکزِ اصلی ذکرِ الٰہی کی طرف آ رہتا ہے۔ یہ بات بوقتِ مرگ بھی نیکوں سے پیش آتی ہے کیونکہ یہ بھی قیامتِ صغریٰ ہے۔ رحمت کے فرشتے نہایت مہربانی سے کہتے ہیں کہ اے روح اطمینان والی چل اپنے رب کی طرف اس ویرانہ دنیا کو چھوڑ تو اس سے خوش وہ تجھ سے۔ تیرے لیے وہاں بڑی بڑی تیاریاں ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی بکثرت تصریح ہے۔ جعلنا اللہ منہم۔

(سورہ بلد مکیہ ہے اس میں بیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور قسم ہے والد اور اس کی اولاد کی کہ البتہ ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا ہے۔

ترکیب | لا قدم الکلام فیہا فقیل زائدۃ وقیل لالنفی کلام الکفار وقیل لنفی القسم بظھور الامر ای لا حاجۃ الی القسم بھذہ الاشیاء والمراد

بالبلد عند جمھور المفسرین مکۃ والبلد یذکر ویؤنث والجمع بلدان والبلدۃ بالفتح جمعھا بلاد بالکسر وانت حل الخ قال الواحدی الحل والحلال والمحل واحد وھو ضد الحرم ای فاحل اللہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم القتال فی مکۃ وقد انجز اللہ تعالیٰ وعدہ یوم الفتح فالجملۃ معترضۃ بین المقسم بہ وما عطف علیہ وقیل معناہ حال ای اقسم بھذا البلد وانت مقیم فیہ تشریفاً لک وتعظیما لقدرک اولا اقسم بھذا البلد حال کونک مقیما فیہ بل اقسم بک فعلی ھذا الجملۃ منصوبۃ محلاً ووالد وما ولد معطوف علی البلد وما بمعنی من لقد خلقنا الجملۃ جواب القسم فی کبد حال ای مکابدا واصل الکبد الشدۃ ومنہ تکبد اللبن اذا اشتد وغلظ ثم استعمل فی کل مشقۃ وشدۃ وقیل الکبد الاستواء والاستقامۃ (ابن کثیر)

تفسیر: یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔اس میں بیس آیات ہیں اور اس کا نام سورہ بلد اس لیے ہے کہ اس کے اول میں بلد یعنی شہر مکہ کی قسم ہے۔

سورہ فجر میں ذکر تھا کہ عاد وثمود وفرعون کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے۔دنیاوی اسباب پر غرور کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنا اپنے سر پر قہر الٰہی لینا ہے۔اس بات پر کفارِ مکہ آنحضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ اس میں آپ کا امتحان ہے تو ہم پر بھی عاد وثمود جیسا عذاب نازل کرادو' اگر سچے ہو۔چاہیے کہ مکہ شہر غارت ہو جاوے۔اس سورہ میں ان کے اس واہی شبہ کا مکہ کی قسم کھانے کے پیرایہ میں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شہر مقدس ہے اس میں کعبہ ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا سب دنیا کے معابد سے اول معبد یہی ہے اور نیز ہمارے نبی کریم ﷺ بھی یہیں رہتے ہیں ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ہمارے نبی کا مولد اور اسلام وبرکات کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔پھر تم بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کرنے لگے۔تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے جیسا کہ فی کبد میں اشارہ ہے اور نیز یہ بھی مناسبت ہے کہ سورہ فجر میں بدوں پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہونا اور نیکوں کو راحت ملنا مذکور تھا جس سے یہ بات پائی جاتی تھی کہ انسان دنیا میں محض عیش وکامرانی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے جیسا کہ اور حیوانات ہیں جن کا کام صرف پیٹ بھر کر کھانا اور سور ہنا اور خرمستی کرنا ہے نہ ان کو آیندہ کی فکر ہے نہ کوئی تدبیر درپیش ہے بلکہ انسان کو عقل وادراک دیا گیا ہے۔اس لیے یہ مکلّف ہے۔اسی مضمون کو اسکے مناسب چند چیزوں کی قسم کھا کر لقد خلقنا الانسان فی کبد میں بیان فرماتا ہے۔فقال لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد کہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور تم کو اے محمد (ﷺ) قید نہ رہے گی۔اس شہر میں بلکہ یہاں کافروں سے لڑنا حلال ہوگا۔گویا اس نرغہ کے وقت آپ کو بشارت دی جاتی ہے کہ گو یا شہر مقدس ہے۔اس میں شکار کی بھی ممانعت ہے۔قتل وقصاص کیسا؟ لیکن ان بدبختوں کی شرارت کے سبب ایک بار آپ کو ان سے انتقام لینا اور ان کو سرکشی کی سزا دینا اس شہر میں حلال ہو جاوے گا۔چنانچہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ یہ شہر محرم ہے۔اللہ نے اس کی حرمت قائم کی ہے۔قیامت تک نہ یہاں شکار کھیلا جاوے گا نہ گھاس کاٹی جاوے۔صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے یہاں کفار سے جنگ کرنا حلال ہوا ہے لیکن پھر اس کی وہی حرمت عود کر آئی ہے (یہ معنی ہیں ابن عباس وسعید بن جبیر وابی صالح وعطیہ وضحاک وقتادہ وسدی ابن زید کے نزدیک) اس میں ان کے اس شبہ کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ پھر مکہ کیوں ہلاک نہیں کیا جاتا؟ یعنی صبر کرو ابھی نبی ﷺ کے لیے مباح ہوا جاتا ہے تمہاری گردنیں ماری جاتی ہیں۔اس پیشین گوئی کو خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز سچا کر دیا۔آپ شوکت وجلال سے یہاں آئے اور دشمنانِ خدا سے انتقام لیا گیا۔بعض علماء اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس شہر مقدس کی قسم کھاتا ہوں کیونکہ یہاں جانوروں پر بھی ظلم ممنوع ہے۔سب کو امن ہے کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں نہیں مارتا۔یہ سب کچھ ہے مگر وانت حل بھذا البلد تم اے نبی اس شہر میں حلال ہو۔تمہارے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں' ظلم وستم مار دھاڑ سب تم سے روا ہے گویا یہ قریشِ مکہ پر تعریض ہے کہ اور چیزوں کا مارنا تو ممنوع ہے مگر ہمارے نبی معصوم کا خون مباح اور حلال۔یہ کیسا انصاف اور کونسی عقل ہے؟ بعض علماء حل کے معنی کہتے ہیں مقیم کہ ہمیں اس شہر کی قسم جبکہ تم اس میں مقیم ہو۔اس کی برکت وحرمت زیادہ تمہارے سبب سے ہے اور بعض فرماتے ہیں لا نفی کے لیے ہے کہ جس وقت آپ

اس شہر میں ہیں ہم کو اس کی قسم کھانے کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کھانی چاہیے کیونکہ تم ہی تو اس شہر کی برکت اور روحِ رواں ہو اور لطف یہ کہ تمہیں پر یہ ظالم ظلم کر رہے ہیں۔

ووالدو ماولد اور قسم ہے والد کی اور اس کی جو اس سے پیدا ہوا۔ یہ عام ہے بعض کہتے ہیں کہ **والد** سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ **ماولد** سے ان کی اولاد۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ **لقد خلقنا الانسان فی کبد** کہ ہم نے انسان کو مصیبت ومشقت کے لیے بنایا ہے۔ پھر اس پر یہ غرور اور سرکشی جو خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے دور بھاگتا ہے۔ یہ مناسبت ہے اس سورہ کو سورہ فجر سے۔

اس مضمون سے ان چیزوں کو کہ جن کی پہلے قسم کھائی یہ مناسبت ہے کہ شہر مجمع خلائق ہوتا ہے۔ حاجت ایک دوسرے سے تمدن میں پڑتی ہے کوئی بیکار نہیں رہتا کوئی کپڑا بنتا ہے تو کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے علی ہذا القیاس۔ ہر ایک ایک نہ ایک دھندے اور مشقت میں ہے اور بالخصوص مکہ شہر جہاں اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت ہے۔ جہاں نہ کوئی باغ نہ کھیتی نہ کنوؤں میں میٹھا پانی اور نیز گرم جگہ جہاں بادِ سموم چلا کرتی ہے اور جب سے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اور بھی دینداروں کو مصیبت ومشقت ہوگئی۔ آئے دن کی مار پیٹ گالی گلوچ شروع ہوگیا تھا اور والد اپنی اولاد سے مشقت اور فکرِ معیشت اور تدبیر تربیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بچوں کی بیماریاں اور پھر جوان ہو کر مر جانے کے صدمے اور پھر نالائق اٹھنے کے دکھ باپ ہی سے پوچھنے چاہییں اور اس پر ان کے لیے رزق وآسائش کے سامان بہم پہنچانے اور ان کو آرام دینے آپ دکھ اٹھانے کا حال بھی ہر ایک صاحبِ اولاد پر ہے اور بچہ بھی دنیا میں آ کر کیسے کیسے مصائب اٹھاتا ہے نو مہینے رحم میں خون کھا کر تنگ رستہ سے نکلنا۔ پھر دانتوں کی تکلیف' آنکھوں کی تکلیف اور صدہا تکالیف ہیں کہ جو ضعیف البنیان بچوں کو ان کی جسمانی حالت سے پہنچتی ہیں اور ماں باپ کو روحانی صدمہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ فرمانا کہ انسان کو مشقت ومصیبت کے لیے پیدا کیا ہے بہت ٹھیک ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا کہ نہ ہنستے ہی رو دیا ہوگا
دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم کوئی ہوگا جو بچ رہا ہوگا

اس مشقت کی تصویر بعض اکابر نے یوں کھینچی ہے کہ اول تو انسان کی خلقت میں آب' باد' خاک' آتش ایسی چار چیزیں متضاد جمع ہیں کہ ہر ایک کا غلبہ اعتدال سے دور کر کے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے ؎

گر یکے زمین چہار شد غالب
جانِ شیریں برآید از قالب

دوم رحم میں محبوس ہونے اور طرح طرح کے مصائب اٹھانے کی مشقت۔ سوم باہر آنے کی مشقت۔ چہارم لڑکپن میں ضعیف البنیان ہونے کے سبب طرح طرح کے امراض کی مشقت کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ پنجم دانتوں کے نکلنے کی مشقت۔ ششم مکتب ومدارس میں تعلیم کی مصیبت۔ ہفتم جب عقل وبلوغ کی بیڑی پاؤں میں پڑی تو قوائے شہوانیہ وسبعیہ وحرص اور ان کے ثمرات کی ایسی مشقت کہ الٰہی توبہ! ایک ذرا سی دیر کے مزے کے لیے عزت' مال' تندرستی' دین سب کو خیر باد کرتا ہے اور رسوائے خلائق ہوتا ہے۔ پھر غصہ ہے کہ شیر بھیڑیا بنا کر مخلوقِ الٰہی کے درپے آزار کرتا ہے جس سے خلق کی بدگوئی اور دنیا کی نفرینیاں اس کو نصیب ہوتی ہیں۔ پھر کبھی حرص وطمع چند دانوں (یعنی غلہ) کے لیے سخت گرمی اور سردی برسات اور خشکی میں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ بیلوں کے پیچھے دوڑاتی ہے چند روپیوں کے لیے فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کٹواتا ہے۔ چند پیسوں کے لیے دن بھر دکان یا کارخانہ میں مقید

رہتا ہے۔ پھر حرص و حسد کی آگ ہمیشہ دل میں شعلے مارتی رہتی ہے۔ جو کچھ نعمتیں اس کو میسر ہیں ان کا مزہ اور ان سے تمتع بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پھر حب جاہ و مال اور نام آوری کی حرص ہوئی تو اس کو ایسے ایسے ہولناک گڑھے جھکواتی ہے۔ ہشتم طبیعت کی عقل و دین سے لڑائی کی مصیبت۔ عقل کہتی ہے یہ کام نہ کر اس میں تیری رسوائی اور سخت نقصان ہے مگر طبیعت نہیں مانتی۔ دین یا الہام الٰہی کہتا ہے کچھ آخرت کا توشہ ساتھ لے تجھے یہاں سے بہت جلد جانا ہے اور ایسا جانا کہ پھر کر نہیں آنا ہوگا۔ عبادت کر' خیرات کر' خلق خدا کے ساتھ نیکی کر' صداقت و بردباری اپنا شیوہ بنا۔ مسافرانہ زندگی بسر کر۔ مگر کمبخت طبیعت ادھر نہیں آنے دیتی۔ حرام کاری فسق و فجور سے شرع روک رہی ہے' طبیعت ابھار میں ہے صبح کو بفتوی شرع و خرد تو بہ کرتا ہے رات کو بحکم نفس اس کو توڑ کر جو نہیں کرنا وہ کرتا ہے۔ یہ تو وہ مصائب تھے جو خاص اس کی ذات سے متعلق تھے۔ اب جن میں دوسروں کا بھی تعلق ہے وہ سنئے۔ رعیت کو بادشاہ کی اطلاعت بلکہ غلامی اور کار بیکار و خراج وٹیکس کی مصیبت' بادشاہ کو جہانداری و حفظ سلطنت کی مصیبت' نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت' آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت اور تمرد و خیانت کی مشقت' بیوی کو میاں کی اطاعت و بچہ کشی کی مشقت' میاں کو بیوی کے اخلاق بد اور خیانت مال یا اس کے جا بجا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت' ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے درد و غم کھانے کی مشقت' اولاد پر مادر و پدر کی خدمت و اطاعت کی مشقت' پھر احباب و ہم وطن و ہمسایوں کے خوش رکھنے کی مشقت۔ یہ تو دنیا کی مشقتیں تھیں اب آگے کی سنئے۔ نزع کی مشقت' تنگی قبر اور مفارقت مال و اولاد و احبہ کی مشقت پھر اگر شقی ازلی ہے تو ابدی جہنم کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت کبد بفتح ب بمعنی مشقت اور بکسر ب بمعنی جگر۔ جگر غذا کے پکانے اور خون بنا کر اعضاء میں تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم و عکرمۃ و مجاہد و ابراہیم نخعی اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ انسان برابر پیدا کیا گیا۔ اس کی آفرینش میں کوئی قصور نہیں' اندھا نہیں' اپاہج نہیں سمجھ بوجھ سب کچھ دیا گیا ہے پھر کیوں ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے۔ میرے نیک بندوں میں داخل نہیں ہوتا۔

اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۞ یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ۞ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ۞

وقف لازم

کیا وہ (یہ) سمجھ رہا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ آئے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

ترکیب | الہمزۃ للاستفہام الانکاری یحسب فاعلہ الضمیر یرجع الی الانسان ان مخففۃ من الثقیلۃ واسمہا ضمیر الشان مقدر والجملۃ مفعول یحسب یقول جملۃ مستانفۃ اہلکت صرفت لبدا صفت مالا قال ابوعبیدہ لبد فعل من التلبید وھوالمال الکثیر بعضہ علی بعض وقال الفراء جمع لبدۃ وقال بعضھم ھو واحد أالاستفہام للانکار ان انہ لم یرہ احد خبر ان والجملۃ مفعول یحسب۔

تفسیر | یعنی باوجودیکہ انسان مصائب کش پیدا ہوا ہے سدا کا دکھیا ہے پھر اس پر بھی اس کو یہ غرور و پندار ہے ایحسب ان لن یقدر علیہ احد کیا یہ خیال کر رہا ہے کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پاوے گا۔ میرے اعمال بد کی سزا مجھے کوئی نہیں دے گا جو چاہوں کروں۔ گویا حشر کا انکار کرتا ہے اور دنیا میں بھی اعمال بد کی سزا کا منکر ہے اور اپنی تھوڑی سی کامیابی اور دنیاوی اسباب پر یہ گھمنڈ کرتا ہے۔ بعض مکہ کے کفار تو اپنے مال و اولاد کے گھمنڈ پر خدا تعالیٰ کے زواجر سن کر صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جن کو خدا نے غارت کر دیا ہم پر کون قادر ہو سکتا ہے۔ کس کا قابو چل سکتا ہے۔ یقول اہلکت مالا لبدا کہتا ہے کہ میں نے اپنی حفاظت میں بہت سا مال صرف کر دیا ہے۔ بڑے عمدہ گھوڑے لڑائی کے قابل اور بڑے عمدہ ہتھیار خریدے ہیں۔ بہت لوگوں کو کھلا پلا کر تنخواہیں دے کر تیار کیا ہے۔ پھر وہ بوقت مقابلہ ہمارے

ساتھ ہیں اور نیز آنحضرت ﷺ کی عداوت اور دینِ الٰہی کے برباد کرنے کے لیے بھی وہ بہت کچھ خرچ کرتے تھے۔

اور لوگ بھی گو صاف یہ نہیں کہتے مگر ان کی حالت تکبر اور معاصی پر اصرار یہی کہہ رہا ہے۔ دنیاوی بادشاہ اپنی فوجوں اور اعوان و انصار واسلحہ وآلات پر نازاں ہوا کرتے ہیں جن پر بیشمار روپیہ صرف کر چکے ہیں۔ کروڑہا روپیوں سے جنگی جہاز اور عمدہ توپ خانے اور کیا کیا سامان بہم پہنچائے اور اس زور میں آکر کفر بکتے ہیں۔ بدکاری کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کون مغلوب کر سکتا ہے۔ حالانکہ روزمرہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بالکل بس میں ہیں۔ یہ جملہ یقول اھلکت اس کے گمان کرنے کی وجہ ہے یعنی اس لیے گمان کرتا ہے کہ اس کا اعتماد عزت وجاہ پر ہے جو مال صرف کرنے سے پیدا کیا ہے اور بعض تو اپنے الٰہ باطلہ کے نذر و نیاز میں صرف کرنے کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں دیو اور دیوتا کی نذر و نیاز میں میں نے ڈھیروں خرچ کر دیا ہے وہ میرے حامی ہیں' ہمیں کوئی آسیب نہیں پہنچتا۔

الغرض دنیاوی تحفظ واستحکام میں جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کو اپنے قیام ودوام کا سبب جانتا ہے اور قادرِ حقیقی کی قدرتِ کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا پھر اس کو کیا کر دیا۔ کیا اس کی اول حالت کسی نے نہیں دیکھی۔ ایحسب ان لم یرہ احد ضرور دیکھی ہے۔ وہ پہلے ایک قطرۂ منی تھا پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ آپ سے منہ سے مکھیاں بھی نہ مار سکتا تھا۔ نہ کچھ ہوش وادراک تھا نہ اس کے پاس کچھ مال وزر تھا نہ کچھ زور وبل تھا پھر جس نے یہ زور وزر' ہوش وادراک عطا کیا۔ کیا وہ اس کو پھر لے نہیں سکتا؟ ضرور لے سکتا ہے وہاں کچھ مال وزر کام نہیں آتا۔ بڑے بادشاہ بڑے مالدار جب بیماری یا اور کسی آسمانی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمام مال وزر دھرا سوکتا ہے پھر اس پر یہ غرور' یہ سرکشی۔ اگلی آیات الم نجعل لہ عینین میں اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾ ع

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو دونوں رستے بھی سمجھا دیے۔ پھر گھاٹی میں نہ گھس پڑا اور تو کیا جانے گھاٹی ہے کیا بردہ آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔ قرابت دار یتیم کو یا خاکسار فقیر کو پھر اس گروہ میں سے ہوتا جو ایمان لائے اور وہ صبر اور رحم کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے وہی لوگ مبارک ہیں اور خوش نصیب اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی منحوس (بدبخت) ہیں۔ وہی آگ میں بند کر دیے جائیں گے۔

ترکیب: الم نجعل الاستفہام للتقریر الجعل بمعنی الفعل فعینین مفعول لہ متعلق بنجعل ولسانا وشفتین معطوفان علی العینین النجدین مفعول ثان لھدینا والضمیر المنصوب مفعول اول۔ قال اھل العربیۃ النجد الطریق فی الارتفاع فکانہ لما وضحت الدلائل جعلت کالطریق المرتفعۃ العالیۃ بسبب انہا واضحۃ للعقول کوضوح الطریق العالی للابصار فالمراد بھما عند عامۃ المفسرین سبیلا الخیر والشر وعن ابن عباس وعکرمۃ وسعید بن المسیب والضحاک النجد ان الثدیان فھدی اللہ سبحانہ فی بدء الولادۃ الطفل الثدین فلا اقتحم لا حرف تخصیص

والاقتحام الدخول فی الامر الشدید یقال قحم یقحم قحوما واقتحم اقتحاما وتقحم تقحما اذا ارکب القحم وهی المهالک والامور العظام۔ العقبة مفعوله۔ وهی طریق فی الجبل والجمع العقب والعقاب وهومثل ضربه الله سبحانه المجاهدة النفس والهوئ فی اعمال الخیر وکف النفس عن اللذات والشهوات الغیر المرضية فك رقبة الخ تفسیر للعقبة وما ادراك جملة معترضة اوردت لبیان شان العقبة اواطعام عطف علیٰ فک رقبة وهما مصدران والتقدیر هی فک او اطعام وقیل هما فعلان ویؤیده مابعدهما وهوقوله تعالیٰ ثم کان۔ ذی مسغبة صفة لیوم والسغب الجوع والساغب الجائع والمسغبة مفعلة منه یتیما مفعول اطعام وقری الحسن ذا مسغبة بالنصب علی انه مفعول اطعام ای یطعمون ذامسغبة ویتیما بدل منه او مسکینا معطوف علیٰ یتیما ذا متربة صفة لمسکینا یقال ترب الرجل یترب تربا ومتربة اذا افتقر حتی لصق بالتراب ثم کان عطف علی المنفی بلاوثم للتراخی فی الذکر لافی الوجود کقوله ۔

ان من سادثم ساد ابوه

ثم قد ساد قبل ذلك جده

لم یرد بقوله ثم ساد ابوه التاخر فی الوجود وانما المعنی ثم اذکرانه ساد ابوه کذا المراد فی الآیة وتواصوا معطوف علی امنوا ای اوصی بعضهم بعضا بالصبر علی طاعة الله ومن معاصیه وعلی ما اصابهم من البلایا والشدائد فی دین الله مؤصدة ای مطبقة مغلقة یقال اصدت الباب واوصدته اذا اغلقته قرء الجمهور بالواو وقری بالهمزة والمعنی واحد والمراد علیهم نار ابوابها مغلقة لاتفتح ابداً وقیل المراد احاطة النیر ان بهم من جمیع الجهات۔

تفسیر | فرماتا ہے الم نجعل له عینین کہ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں پیدا کر دیں؟ اس میں چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے: (۱) اندھا نہیں ہے، دیکھ سکتا ہے کہ ایسا ناپاک مال اور پاک بھی ہو تو ایسے نفس کو خوش کرنے والے کاموں میں صرف کرنا کوئی نیکی نہیں۔ ہر چند یہ بات محسوس نہیں مگر بمنزلہ محسوس کے ہے۔ جس کو ہر ایک آنکھوں والا بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ (۲) مال کے خرچ کرنے کا فخر بے جا ہے۔ مال حاصل کرنے کے آلات جن میں سے اعلیٰ چیزیں آنکھ اور زبان اور لب ہیں وہ تو ہم نے ہی پیدا کر دیے ہیں۔ پھر اس نے کیا کمایا۔ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا۔ (۳) آنکھیں ہیں تو جا کر دیکھ لے کہ اس سے پہلے لوگ عاد و ثمود جو اس سے کہیں زیادہ فخر و نام آوری و تحفظ کے کاموں میں صرف کیا کرتے تھے ہلاک ہوئے۔ (۴) یہ سمجھنا کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا' نہ میرے اسرارِ دل پر کوئی واقف ہے۔ یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں پیدا کر دی ہیں جو سیاہ اور سفید میں فرق کر سکتی ہیں تو پھر ہمارے علم و بصیرت کا کیا انتہاء ہے۔ صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دی ہیں بلکہ لسانذ بان بھی پیدا کر دی ہے۔ خود عقل نہیں تو پوچھ دیکھے اور نیز یہ بھی سمجھے کہ جس نے مجھے زبان عطا کی ہے جو میرے اندرونی اسرار کو ظاہر کرنے کا آلہ ہے تو کیا وہ اندرونی اسرار نہیں جان سکتا؟ اور نیز زبان ایک ایسا آلہ ہے کہ میٹھے اور کڑوے میں امتیاز کر دیتا ہے۔ تلخی اور شیرینی کے اقسام اور مراتب پہچان سکتا ہے نعماءِ الٰہی کے کھانے پینے کا مزہ اسی سے وابستہ ہے۔ پھر انسان سمجھ لے کہ لسانِ غیب میرے اندرونی حالات کیونکر نہ بیان کر دے گی اور زبان غیب نیک اور بد کاموں کا فرق کیونکر نہ بیان کر دے گی مگر سننے والے کے لیے کان ہوں تو سن لے کہ ہر دم لسانِ غیب سے کیا آوازیں آیا کرتی ہیں اور صرف زبان پر ہی بس نہیں کی۔ وشفتین دو ہونٹ بھی بنا دیے جن سے تکلم میں مدد پہنچتی ہے اور جن سے چوسنے اور پھونکنے کا کام چلتا ہے اور یہ دونوں منہ کے دو کواڑ بھی ہیں اور چہرہ کی خوشنمائی بھی۔ خلاصہ یہ کہ انسان کی قوت واکتساب کے آلات آنکھیں' زبان' لب ہم نے پیدا کیے ہیں پھر اس کو کاہے پر غرور ہے اور نیز یہ سعادت حاصل کرنے کے بھی آلات ہیں۔ ان کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔ کیوں بری جگہ استعمال کرتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ دو آنکھ ایک زبان پیدا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا دیکھنا عام ہے۔ خیر کو دیکھتا ہے شر کو بھی مگر کہنا خاص ہی رہنا چاہیے۔ صرف خیر کا کلمہ منہ سے نکالنا چاہیے۔ بری بات منہ سے نہ نکالے اور نیز دو ہونٹ اس کے دو کواڑ ہیں جو ہر وقت اس پر موکل ہیں کہ دیکھ جو

کچھ کہنا ہو سمجھ کر کہیو۔ نیک بات کہیو کس لیے کہ تو دل کی کنجی شمار ہوتی ہے۔

ترمذی۔ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا کہ اپنی زبان بند کر اور گھر میں گوشہ نشین بن کر بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ بزرگوں نے فرمایا کہ زبان سانپ ہے اس کا گھر منہ ہے' اس لیے کوئی شاعر کہتا ہے ۔

احفظ لسانك ایھا الانسان

لا یلدغنک انه ثعبان

کہ اے انسان اپنی زبان کو حفاظت سے رکھ یہ سانپ ہے کہیں تجھے ڈس نہ لے۔ حفظِ لسان اور کم گوئی کے فوائد اور زیادہ گوئی کے نقصان علماء وحکماء نے نظم ونثر میں بہت بیان کئے ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں سب سے زیادہ مذکور ہیں۔

فائدہ ا۔ ان اعضاء کے یہاں ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس وقت اس کی غذا صرف ماں کا دودھ ہی ہوتی ہے۔ اس کے پینے میں یہ اعضاء کام آتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی غذا پر قادر نہ تھا تو اور مال اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے بغیر ہماری مدد کے کیونکر پیدا کر لیا جس کے خرچ کرنے کا فخر کرتا ہے۔

اور ان اعضاء ہی پر بس نہیں بلکہ وھدیناہ النجدین [1] اس کو نیکی اور بدی کے دو رستے بھی سوجھا دیے۔ مضر اور مفید کی پہچان عطا کر دی۔ دنیاوی امور سے لے کر اخروی تک سب کو انسان (بشرطیکہ تھوڑی دیر کے لیے شیطانی عوارض دور ہو جاویں) بخوبی پہچان سکتا ہے۔ خود اس کا دل فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے' یہ بدی ہے۔ اس جگہ مال خرچ کرنا حق سبحانہ کی خوشنودی کا باعث ہے کہ نہیں پھر کیوں عذر کرتا ہے کہ مجھے نیکی کا رستہ معلوم نہیں۔ بعض علماء نجدین سے مراد دو پستان لیتے ہیں کہ یہ بھی تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ہم نے دودھ پینے کے آلات عطا کئے اور ماں کی چھاتیاں بنائی ہیں خود بخود ملہمِ غیبی کے کہنے سے بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف قصد کرتا ہے۔

پھر جب نیکی اور بدی کے دو بلند نشان بتا دیے تو فلا اقتحم العقبة [2] پھر نیکی کی گھاٹی میں کیوں نہیں گھستا۔ اس سخت اور اونچی چڑھائی پر کیوں نہیں چڑھتا جس پر چڑھنا نفس کے خلاف ہے اور بدی کا رستہ خواہشِ نفسانی کے موافق ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر چلنا آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس میدانِ دشوار گزار کو وہی طے کرتے ہیں جو جوانمرد ہیں اور جن کی تقدیر میں سعادتِ ازلی ہے ۔

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

یہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے کیونکہ اس میں سے گزرنا نفس کے خلاف ہے۔ اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراك ما العقبة اور اے انسان! تجھے کیا معلوم کہ وہ گھاٹی ہے کیا؟ پھر آپ ہی بیان فرماتا ہے فك رقبة۔ اب نیکی کے اقسام ارشاد ہوتے ہیں۔ اول فك رقبة ہے یعنی گردن کا چھڑانا۔ یہ لفظ عام ہے اس میں کئی معنی ہیں (ا) غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا۔ عرب میں غلاموں پر ایام جاہلیت میں بڑی سختی ہوتی تھی۔ ان کو بہائم مرتبہ میں رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم

---

[1] نجد بلند جگہ اس کی جمع نجود آتی ہے اور ملک نجد کو اس لیے نجد کہتے ہیں کہ وہ تہامہ سے بلند سطح زمین پر ہے۔ اس لیے پستان کو نجدین سے تعبیر کرنا بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خیر وشر کے دلائل واضح ہونے کے سبب بھی ان لو دو بلند رستوں سے تشبیہ دینا ٹھیک ہے جو ہر ایک اہلِ بصارت کو دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] عقبہ پہاڑ کا رستہ جس کی جمع عقب وعقاب آتی ہے اس سے مراد نیکی کا دشوار گزار رستہ ہے اس دشواری اور بلندی کی وجہ سے راہ ہدایت کو عقبہ سے بطور تمثیل کے بیان کیا ہے یعنی استعارہ ہے اور نجدین ذکر کرنے کے بعد عقبہ کا ذکر ترشیح ہے۔ ۱۲ منہ

میں بھی اصلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی کے پاس رہ جاوے تو اس کے ایسے حقوق قائم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے۔ کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی (۲) جو کوئی قصاص میں گرفتار ہوا اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا۔ (۳) کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔ (۴) کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار قید میں پکڑ لے اس کی خلاصی کرانا خواہ بقوت باز و خواہ مال دے کر۔ (۵) اپنے آپ کو حقوق العباد و حقوق اللہ سے ادا کر کے رہائی دلانا اپنی گردن میں سے یہ پھندا نکالنا ہی حریۃ کبریٰ اور اصل آزادی ہے جس کے بعد سعادت عظمیٰ ہے ورنہ غلامی کی قید میں پڑا ہوا ہے۔ یہ کام ہیں مال صرف کرنے کے۔

قسم دوم۔ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یہ کھانا کھلانا اور احتیاج کے دن جیسا کہ ایام قحط میں یا کسی سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت بھوکے کو کھانا کھلانا ہزار روپیہ دینے سے بہتر ہے ع

شلغم پختہ بہ کہ نقرہ خام

اس میں کوئی ہو مگر یتیما یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے۔ کس لیے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ نہ اس کی صغرسنی کی وجہ سے اس سے کوئی توقع ہے نہ اس کی مدح سے دل خوش ہوتا ہے اور یتیموں میں بھی ذامقربۃ اہل قرابت ہو جیسا کہ چچا کا بیٹا یا بھتیجا یا بھانجا یا خالہ زاد یا ماموں زاد بھائی ہو کیونکہ ان پر رحم کھانے اور کھانا کھلانے میں صلہ رحمی بھی ہے۔ کسی نے آنحضرت ﷺ سے اسلام کے عمدہ کام دریافت کئے تو فرمایا کھانا کھلانا۔ سلام کرنا، خواہ کسی کو جانے یا نہ جانے اور رات میں جبکہ لوگ پڑے سوتے ہوں نماز پڑھنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید عمدہ موقع بتلانے کے لیے ہے اور کسی کو او مسکینا ذامتربۃ یا فقیر حاجت مند کو کہ فقر و فاقہ نے اس کو خاک پر بٹھا دیا ہو کیونکہ جب یہ حالت پہنچ جاتی ہے تو اس سے کوئی دنیاوی توقع باقی نہیں رہتی۔ اس وقت جو کچھ کھلایا پلایا جاوے گا خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہوگا۔ یوں تو وہ بھی مسکین ہے کہ جس کا خرچ اس کی آمد سے بڑھا ہوا ہے یا بالفعل اس کے پاس کچھ نہیں لیکن امید ہے اس کا کھلانا بھی بہتر ہے مگر پہلا موقع اس سے بھی بہتر ہے۔ یہ ہے مال صرف کرنے کا عمدہ موقع نہ وہ کہ جس کو وہ دولت مند سمجھ رہا تھا۔ نام آوری تن پروری میں صرف کرنا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ صرف مالی عبادت کے بعض عمدہ مواقع بتلائے گئے جن میں کسی مذہب و ملت کو بھی اختلاف نہیں مگر یہ اعمال جب ہی مقبول ہوتے ہیں کہ جب ایمان بھی ہو۔ کس لیے کہ قوت عملیہ کی تکمیل قوت نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے۔ اس لیے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا۔ ثم کان من الذین امنوا یعنی با ایں ہمہ پھر وہ ایمانداروں میں سے بھی ہو کیونکہ بغیر ایمان کے کوئی نیکی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ ایمان جڑ ہے۔ ایمان ہی بنیاد ہے۔ اعمال صالحہ اس پر عمارت ہے کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں رہ سکتی۔

فائدہ۔ لفظ ثم اس مقام پر تراخی ذکر کے لیے ہے یعنی ان سب باتوں کے ذکر کرنے کے بعد میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایماندار بھی ہونا چاہیے۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ثم اس جگہ تاخیر وقوع کے لیے ہے یعنی اعمال خیر کفار کے توقف میں رہتے ہیں۔ اگر اخیر میں ایمان لے آیا تو یہ اعمال قبول ہو جاتے ہیں ورنہ مردود چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت سے سوال کیا کہ میں نے حالت کفر میں بھی بہت کچھ نیک کام کئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے ایمان نے ان سب کو نیک اور مقبول کر دیا۔

الحاصل عقبہ سعادت کی گھاٹی میں سے گزرنا نہ صرف بردہ آزاد کرنا یتیموں و مسکینوں کو مصیبت کے دن کھانا کھلانا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان لوگوں کے زمرے میں بھی داخل ہونا ہے جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کی اور لوگوں کو بھی تاکید کی خصوصاً دنیا سے چلتے وقت۔

تواصوابالصبر صبر کرنے کی وصیت اور تاکید کر چلے اور صبر ہی پر موقوف نہیں بلکہ وتواصوابالمرحمۃ ایک دوسرے سے باہم مہربانی اور نرمی اور رحم دلی کرنے کی بھی تاکید کر چلے۔

صبر نفس کو بے جا خواہشوں سے روکنا۔ راہِ راست پر ثابت قدم رہنا۔ صبر کے محامد قرآنِ مجید میں بکثرت وارد ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے فاصبر کما صبر اولی العزم من الرسل ازانجملہ یہ ہے یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ازانجملہ یہ ہے ان اللہ مع الصابرین ازانجملہ یہ ہے انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب یہ ہے وجعلنا منہ ائمۃ یھدون بامرلنا لما صبروا وغیرہامن الآیات۔ اوراحادیثِ صحیحہ میں بھی اس کے بہت کچھ محامد مذکور ہیں۔

صبر کے اقسام | واضح ہو انسان کے اندر تین قوتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تیز ہوجاتی ہیں تو اس کو راہِ راست سے ادھر ادھر گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ ان سے نفس کو روکنا صبر ہے۔

اول قوتِ شہوانیہ: کھانے پینے جماع کے متعلق۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی ایک قسم کا صبر ہے۔ جس کو عفت اور اس کے خلاف کو فجور کہتے ہیں۔ پس جو چیزیں نہ کھانی پینی چاہییں انہیں نہ کھائے پیے۔ جیسا کہ شراب وسور، رشوت اور جملہ ناجائز کمائی کا مال یا بیگانہ حق یا یتیم کا مال اور جن جگہوں پر اس کو ازار کھولنا نہ چاہیے وہاں نہ کھولے جس سے زنا اور اغلام اور ہر قسم کی بدکاری ممنوع ہوگئی بلکہ جوان چیزوں کی طرف رغبت دلانے والی چیزیں ہیں جیسا کہ ناچ اور نامحرم کے ساتھ اختلاط اور فواحش قصے اور ناہنجاروں کی صحبت۔ ان سے بھی دور اور نفور رہے۔

دوسری قوتِ غضبیہ ہے۔ جس سے ظلم وستم برپا ہوتے ہیں۔ اس کی لگام بھی بڑے زور سے روکنی چاہیے۔ دوسری قسم کا صبر ہے۔ غصہ کا تھامنا اور انتقام سے درگزر کرنا بھی بڑے جوانمردوں کا کام ہے۔ کسی نے گالی دی یا برا کہا اس کو سن کر جو نفس کو ہیجان ہوتا ہے اس کا تھامنا یہی صبر ہے۔ اسی بارہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولمن صبرو غفرالخ اور اس کو حلم کہتے ہیں۔ عالی حوصلہ انتقام لینے سے درگزر کرنے میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔

تیسری قسم قوتِ طمعیہ ہے وہ بھی بہت دور دراز کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی صبر ہے۔ نیک کام میں خرچ نہ کرنا اس قوت کی بے صبری ہے جس کو بخل کہتے ہیں اور نیک راہ میں صرف کرنا سخاوت اور جود ہے اور اسی طرح یہ قوت خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کی طرف ابھارا کرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں نفس کو روکنا امانت وصیانت ہے اور کبھی تجملاتِ دنیا کے حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہے جس کو حرص کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں نفسِ سرکش کی مہار تھامنا زہد وقناعت کہلاتا ہے جو ایک قسم کا صبر ہے۔

اس کے سوا مصائب اور تکالیف کی برداشت کرنا اور جزع وفزع نہ کرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چوتھی قسم کا صبر ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں دور دراز کا سفر اختیار کرنا اور سفر اور دھوپ اور بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھانا یا اعداءِ دین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا' ان سے خوف نہ کرنا۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ نفسِ خبیث کو ریاضاتِ شاقہ وعبادات پر لانا اور اس کی خواہشوں سے روکنا بھی صبر ہے۔ روزہ میں بھوک پیاس کی برداشت کرنا نیند کا غلبہ ہے مگر نماز کی طرف آنا نہانے اور وضو کرنے سے دل ڈرتا ہے مگر اس کے مقابلے میں نہانا وضو کرنا صبر ہے۔ چھٹی قسم کا صبر رضا بالقضا ہے۔

رحمت کے فضائل | اسی طرح مرحمت بھی صدہا خصائلِ حمیدہ کا رکن اعظم ہے۔ یتیموں پر شفقت' چھوٹوں پر مہربانی' بیکسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی' قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی کرنا' بھوکوں کو کھانا کھلانا' بیماروں کی دوا کرنا' ننگوں کو کپڑا پہنانا' بھولوں کو رستہ بتانا' درماندوں کی ان کے کاموں میں مدد کر دینا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے الراحمون یرحمھم الرحمٰن' ارحموا من

فی الارض یرحمکم من فی السماء (رواہ ابوداؤد والترمذی) کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم میں سے جب تک کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اپنے بھائی کے لیے نہ چاہے (متفق علیہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم اور بڑے کی توقیر نہ کرے (رواہ الترمذی) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمانداروں کو تو باہمی رحمدلی اور محبت ونرمی میں ایسا پاوے گا کہ جیسا ایک جسم جس کا ایک عضو بیمار ہو جاوے تو دوسرے اعضاء میں بھی درد و بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

بنی آدم اعضائے یکدیگراند که در آفرینش زیک جوہر اند
جو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

تمام نیکیوں کی یہی دو چیز اصل ہیں۔ تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم شفقت بر خلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

جو لوگ ان اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہیں۔ اولئك اصحاب الميمنة وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں۔ ان کی تاکید صبر و تاکیدِ مرحمت کا نفع ان کی حیات میں اور ان کے بعد ان کو بھی اور بندگانِ خدا کو بھی پہنچتا رہے گا اور پہنچتا ہے۔ بعض علماء میمنہ کو یمین یعنی جانب راست سے لیتے ہیں یعنی وہ دائیں والے ہیں۔ تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے اور یہ جگہ اہلِ سعادت کی ہے اور عرب دائیں جانب کو متبرک اور بائیں کو زبوں سمجھا کرتے ہیں۔

ان اہلِ کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا بایاتنا کہ جنھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہماری آیات میں مکارمِ اخلاق اور حسنات کی تاکید اور قبائح کی مذمت ہے۔ پھر وہ ان پر عمل سے بھی محروم رہے۔ اخلاقِ ذمیمہ اور طرح طرح کی سیئات کے امراض روحانی میں مبتلا رہے ھم اصحاب المشئمة وہی شامت اور بدبختی والے ہیں۔ ان کے بداخلاق کی نحوست نے ان کو ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اگر مشئمۃ کو بمعنی چپ یعنی بائیں کے لیے جاویں تو بھی ممکن ہے کیونکہ بائیں جانب والے بدبخت اور مشہور اور نامبارک لوگ ہیں۔ ان کے یہ اخلاقِ ذمیمہ اور ناپاک عقائد اور یہ کفر و بت پرستی جو یہاں ان پر محیط ہے وہاں آگ بن جائے گی۔ علیھم نار موصدة اور سرپوش بنا کر ڈھانک دی جائے گی جس طرح دنیا میں ان آتشیں ملکات وافعال وعقائد سے نہ نکلتے تھے وہاں بھی کبھی نہ نکلیں گے۔

اعوذ باللہ من النار

(سورہ شمس مکیہ ہے اس میں پندرہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَالَّيْلِ
اِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ
وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ

مَنْ دَسّٰهَا ⑩

قسم ہے آفتاب اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جبکہ اس کے پیچھے چلے اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپا لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے والے کی اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا کہ جس نے اپنی روح کو پاک کرلیا اور بے شک وہ غارت ہوا کہ جس نے اس کو آلودہ کرلیا۔

ترکیب | والشمس الواو للقسم جارۃ وضحٰھا وما بعدھا عطف علی الشمس اذا تلٰھا وکذا اذا یغشٰھا الظرف معمول للقسم ای اقسم اذا تلٰھا واقسم اذا یغشاھا۔ والضمیر فی تلاھا راجع الی الشمس ومعناہ اذا اتبعھا وذلک بان یطلع القمر بعد غروب الشمس یقال تلا یتلو اذا تبع وذلک فی النصف الاول من الشھر اذا غربت الشمس تلاھا القمر فی الاضاءۃ وکذا الضمیر فی اذا جلاھا ویغشاھا راجع الی الشمس لان الشمس عند انبساط النھار تتجلی تمام الانجلاء وکذا عند مجی اللیل تغشی الشمس ویذھب ضوءھا فالاسناد فی جلا ویغشٰی مجازی وما بناھا ما مصدریۃ ای اقسم بالسماء وبنائھا اذا بناء السماء بالرفعۃ والاستدارۃ امر عجیب وقیل موصولۃ بمعنی من اقسم بالسماء وبمن بناھا وایثار ما علی من لارادۃ الوصفیۃ لقصد التفخیم والاول قول الفراء والزجاج والثانی قول ابی البقاء وقس علیہ قولہ تعالٰی وما طحاھا والطحو البسط من کل جانب کما فی قولہ دحاھا ومعناھما واحد وقیل معنی طحاھا قسمھا وخلقھا وقال ابوعمرو بن العلاء طحا الرجل اذا ذھب فی الارض یقال ما ادری این طحا ویقال طحا بہ قلبہ اذا ذھب بہ ومنہ قول الشاعر۔

طحا بک قلب فی الحسان طروب   بعید الشباب عصر حان مشیب

وکذا قولہ تعالٰی وما سواھا فالھمھا عطف علی سواھا وجواب القسم عند الجمھور قولہ تعالٰی قد افلح الخ قال النحاۃ ان الماضی المثبت المتصرف الذی لم یتقدم معمولہ اذا وقع جوابا للقسم تلزمہ اللام وقد ولا یجوز الاقتصار علی احداھما الا عند الضرورۃ او طول الکلام وھھنا لطول الکلام حذف اللام۔ ودساھا اصلہ دسسھا فابدلت السین الاخیرۃ الفا ومعنی التدسیس الاخفاء۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اس کی پندرہ آیات ہیں۔ احمد وترمذی ونسائی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحاھا اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نماز صبح میں واللیل اذا یغشٰی والشمس وضحاھا پڑھا کریں عقبہ بن عامر سے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کی دو رکعتوں میں والشمس وضحاھا اور والضحیٰ پڑھا کریں اور حدیث جابر میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاھا واللیل اذا یغشٰی نہیں پڑھا کرتا۔

مناسبت اس کی سورہ بلد سے یہ ہے کہ سورہ بلد میں خیر وشر کی رہنمائی کا ذکر تھا۔ قال وھدیناہ النجدین اسی طرح اس سورہ میں بھی اشارہ ہوا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ ہر ایک کو ہم نے نیکوکاری وبدکاری سمجھا دی اور سب سے بڑھ کر مناسبت یہ ہے کہ خیر کی رہنمائی میں آفتاب نبوت کی روشنی درکار ہے کہ جس کے سبب نیک وبد میں تمیز کر سکے اس لیے سورہ بلد کے بعد سورہ والشمس نازل ہوئی تاکہ معلوم رہے کہ شمس یعنی آفتاب بغیر جس طرح حیاتِ دنیاوی میں چارہ نہیں اسی طرح آفتابِ نبوت بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور اسی لیے اس سورہ کا نام سورہ شمس ہوا اور انسان کو جو کچھ آفتاب اور ماہتاب اور دن اور رات اور آسمان وزمین کے ساتھ حیاتِ دنیاوی میں احتیاج ہے۔ اسی طرح اس کو جبکہ وہ دنیا کے کھیت میں آخرت کے لیے کچھ بونا چاہے آفتابِ نبوت اور اس کے متعلقات کی طرف بھی حاجت ہے۔ اس لیے اس کا بیان کرنا بھی آفتاب کے ساتھ مناسب ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ دنیا میں کاشتکار کو ان چھ چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور کثر انہیں پر انسانی قوت کا

مدار ہوتا ہے۔ (۱) آفتاب کہ جس کی گرمی سے دانہ زمین میں پڑنے کے بعد پھوٹ کر باہر نکلتا ہے اور اس کی حرارت سے نشوونما پاتا ہے اور اسی سے پھل اور پھول آتے ہیں اسی کی گردش سے موسم بدلتے ہیں۔ (۲) چاند جس کی رطوبت سے پھل پھولوں میں رس پڑتا ہے دریا میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے اور اندھیرے میں وہ آفتاب کا خلیفہ بھی ہے۔ (۳) دن کہ جس میں کام کاج کئے جاتے ہیں۔ (۴) رات کہ جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کی گرمی سے ٹھنڈک پاتے ہیں اور رات کی شبنم دن کی حرارت کا تدارک کرتی ہے۔ (۵) آسمان کہ نزولِ بارش وہیں سے ہے اور اسی میں آفتاب و ماہتاب ہیں۔ (۶) زمین کہ جس میں تخم ریزی ہوتی ہے بشرطیکہ قابل بھی ہو۔ اسی طرح انسان کو جو اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے ان چھ چیزوں کی ضرورت ہے: (۱) آفتاب نبوت کی اسی کی روشنی اور اسی کی گرمی سے سب کام بنتے ہیں۔ (۲) چاند یعنی آفتابِ نبوت کے بعد اس کے جانشین اور نائب ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پرتوا ہے اسی طرح حضرات اولیاء ونائبانِ رسول اللہ ﷺ کی روشنی بھی انہیں کا پرتوا ہے۔ (۳) روز یعنی وہ عمر گرانمایہ کا حصہ کہ جس میں کچھ کام کر سکے۔ (۴) رات یعنی اس کے دنیاوی کاروبار اور راحت کا وقت چونکہ اس میں اللہ سے غفلت ہے اس لیے اس کو رات سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر نفسِ انسانی کو یہ قوت نہ ملے تو انوارِ دائمیہ اس کو ست ومعطل کر دیں اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا ثم وصل کہ سو بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھ اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ ان لنفسك عليك حقا الخ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔ (۵) آسمانِ شریعت جو اس کو جمیع اطراف سے محیط ہے اس کے عقائد واعمال واحوال وہیں سے بارش کی طرح برستے ہیں، وہیں سے شوق کی ہوائیں چلا کرتی ہیں جو کوئی شریعت سے باہر ہو کر یہ کھیتی کرنا چاہے گویا آسمان سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے جو محال اور خیال باطل ہے۔ (۶) زمین وہ اس کی استعداد کی زمین ہے کہ جس قدر اس کی فراخی وصفائی ہے اسی قدر احوال ومقامات کا نشوونما ہوتا ہے۔

لیکن ان چھ چیزوں میں سب سے عمدہ آفتاب ہے۔ جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ اس لیے اس سے ابتداء کی اور اس لیے سورہ کا نام شمس ہوا یا یوں کہو کہ یہ چھ چیزیں انقلابِ دنیا کے لیے اصل الاصول ہیں اور یہ انقلاب انسان کو بتا رہا ہے کہ اس کو بھی جانا ہے اور نیز انسانی حالات کا بھی نمونہ ہیں۔ آفتاب نورِ نبوت اور اس کی روحانی روشنی پر دلالت کرتا ہے اور قمر اس کے دوسرے حال پر جو پہلے سے کمتر ہو اور دن اس کے علمِ معرفت اور روشنی پر کہ جس میں سیاہ وسفید کا امتیاز ہوتا ہے اور رات اس کی بہیمیت اور قوائے شہوانیہ پر اور آسمان اس کی بلندی پر جو قوائے روحانیہ کے آفتاب چمکنے سے حاصل ہوتی ہے اور زمین اس کی پستی پر جو قوائے بہیمیہ کی رات اور اندھیرا چھا جانے سے پیدا ہوتی ہے اور ان چھ چیزوں میں ان چھ چیزوں کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب اور اس کی روشنی اور پھر دن کسی کے روکے سے نہیں رکتے اسی طرح نورِ نبوت اور دین کی روشنی جو دن سے عبارت ہے وہ بھی کسی کے روکے سے نہیں رکے گی۔ پھر اے قریش! تمہارا ہمارے نبی کے مقابلہ میں یہ جدوجہد محض بے فائدہ ہے اور رات اور اس میں آفتاب کا پوشیدہ ہونا ضلالت ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد طلوعِ آفتاب مقتضائے حکمت ہے اور اگر اس آفتاب نے غروب بھی کیا تو مدتوں چاند کی روشنی رہے گی جس سے نائبانِ نبوت کے پرتوے مراد ہیں اور آسمان وزمین ہر ایک کی تقدیری پستی وبلندی ہے۔ اس لیے ان چھ چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہیں انسان کی جان اور اس کے ٹھیک کرنے کی یعنی قوائے باطنیہ وظاہریہ عطا کرنے کی اور پھر اس سے نیک وبد کی سوجھ بوجھ عطا کرنے کی قسم کھا کر انجامِ کار بتلاتا ہے کہ جس نے اپنی اس روح کو آلائش سے پاک وصاف کر لیا اس نے فلاح پائی۔ آسمانِ رفعت پر پہنچا اور جس نے اس کو آلودہ کر لیا شبِ ضلالت اس پر طاری ہوگئی وہ جہنم کی پستی کی طرف گیا خراب ہو گیا۔

اور اس کے بعد چند لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو آلائشِ دنیا میں آلودہ کیا تھا کہ وہ پستی کی طرف ڈالے گئے۔ دنیا میں بھی ہلاک ہوئے، آخرت کا وبال بھی سر پر لے گئے۔ اس مضمون کو اس سورہ میں کس دلکش انداز سے بیان فرماتا ہے۔ فقال

والشمس کہ قسم ہے آفتاب کی جس کا نمونہ نورِ نبوت ہے وضحٰها اور قسم ہے آفتاب کی روشنی کی جس کا نمونہ نورِ نبوت کا جہاں میں پھیلنا ہے جیسا کہ کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ساٹھویں باب میں بشارت ہے۔

اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔

(انتہی) شمس آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی روشنی جو دنیا میں پھیلے وہ ضحیٰ یا ضحو ہے والقمر۔ اور قسم ہے چاند کی اور وہ آنحضرت ﷺ کا جانشین ہے یکے بعد دیگرے نیز اولیاءِ کرام اذا تلاها جبکہ آفتاب کے بعد آوے یا پیروی کرے۔ آفتاب سے ماہتاب کو چند باتوں میں پیروی اور اتباع ہے۔ اول استفادۂ نور میں۔ دوم غروب میں کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی ماہتاب نمودار ہوتا ہے۔ یہ اول چاند رات سے لے کر پندرہویں یا چودھویں تاریخ تک ہوتا ہے۔ سوم جسم میں باعتبارِ حسنِ ظاہر کے۔ کس لیے کہ اور ستارے گو جسامت میں ماہتاب سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں اور بعدِ مسافت کی وجہ سے چھوٹے نظر آتے ہوں مگر حسنِ ظاہر میں آفتاب کے برابر بجز ماہتاب کے اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ چہارم تاثیرات اور حساب سال و ماہ میں ہے جہاں اور ستاروں کو دخل نہیں۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ آفتاب کے اتباع کرنے میں ہی ماہتاب کا کمال ہے۔ جس سے اشارہ ہے کہ نائبانِ خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کا کمال اور منصبِ خلافت و امامت آنحضرت ﷺ کی پیروی میں ہے۔ والنهار اذا جلاها اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو روشن کرے جس سے دینِ محمدی علیہ السلام کے شیوع و ظہور کی طرف اشارہ ہے اور نیز سالک و مرشد کی اس حالت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ریاضات و مراقبات کے بعد پیدا ہوتی ہے اور نورانیت محمدیہ ان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے جس میں ایماء ہے کہ خالی ریاضات و مجاہدات بغیر اس کے کہ نورِ محمدی کو نہ ان میں چمکایا جاوے کچھ بھی قابلِ عزت و حرمت نہیں ورنہ یوں تو بہتیرے جوگی سناسی عمر بھر فضول ریاضات کیا کرتے ہیں۔

ہر چند آفتاب دن کو روشن کرتا ہے نہ دن آفتاب کو مگر آفتاب جب دن دوپہر آتا ہے تو زیادہ روشن و تاباں معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف وقتِ طلوع و غروب کے یہ ظرف ہے اور ظرف کی طرف اس فعل کو نسبت کرنا مجاز ہے جو محاورہ میں کثیر الاستعمال ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ضمیر اذا جلاها آفاق یا ارض کی طرف راجع ہے۔ گو مذکور نہ ہو مگر مراد ہے والیل اذا یغشاها اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپالے۔ رات میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس لیے رات کی طرف مجازاً اسناد کیا گیا۔ اس رات اور اس کے آفتاب کے چھپا لینے سے اشارہ ہے۔ انسانی راحت اور اس کے حقوقِ زن و فرزند، اعزہ و احباء کے ادا کرنے پر متوجہ ہونے کی طرف یعنی توجہ الی الخلق کی طرف یہ بھی ایک متبرک چیز ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہت سے حقوق اور معاملاتِ دنیا درہم برہم ہو جاویں اور یہ منشاء بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہے اور اسی لیے یہ کیفیت توجہ الی اللہ کی ہر وقت نہیں ہوتی مگر اس غفلت کو صحابہ اپنی اولوالعزمی اور شوق الی اللہ سے نفاق سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے جس کا نام حنظلہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس بات کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور کہا میں تو منافق ہو گیا وہ بات جو حضرت ﷺ کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے۔ بال بچوں میں جا کر نہیں رہتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہ! یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہا کرتی۔ اگر ایسا ہو تو بشریت سے نکل کر فرشتوں سے مل جاؤ (مشکوٰۃ) اور نیز اس رات سے عارف و سالک کے قبض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آفتابِ معرفت بالکل چھپ جاتا ہے جس سے پھر انکشاف تام ہوتا ہے جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے اور محبت میں یہی مزے ہیں ہجر نہ ہو تو وصال کا مزہ نہ آوے اور نیز اسلامی تنزل کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی مگر وہ تنزل بارِ دیگر ترقی کا سبب ہے کیونکہ اس رات کے بعد پھر دن ہونے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک محترم چیز ہے۔

والسماء ما بناھا اور قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ آسمان تو عجیب و غریب چیز ہے مگر اس کی بناوٹ بھی عجائب ہے۔ قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔ بعض علماء نے ماکو مصدر یہ نہیں بلکہ من کے معنی میں پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی اس بنانے والے کے قربان جایئے جس کے مبارک ہاتھوں نے یہ رفیع عمارت بنائی۔ آسمان کو شریعت سے تشبیہ ہے کہ جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال و احوال و مقامات و عقائد کو محیط ہے اور جس طرح آسمان میں بروج اور ستارے ہیں۔ اسی طرح شریعت میں ابواب و اقسام ہیں اور یہی مناسبات ہیں۔ والارض اور قسم ہے زمین کی وما طحاھا اور اس کی فراخی و کشائش کی یعنی کیا ہی اس میں وسعت رکھی ہے۔ یہاں بھی بعض علماء نے ماکو بمعنی من پڑھا ہے اور یہ استعدادِ نفسِ انسانی کی مثال ہے جس کی وسعت و فراخی کے بموجب اس میں تخمِ معرفت بویا جاتا ہے۔ اب خود نفسِ انسانی کی عالم میں کوئی نظیر باقی نہ تھی کیونکہ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اس لیے خاص اسی کی قسم کھاتا ہے۔ فقال و نفس وماسواھا کہ قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی آراستگی کی یا اس کی کہ جس نے اس کو آراستہ کیا۔ انسان کے جسم کو دیکھو تو اس میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں جس کی پوری شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماوے اور اس کے قوائے باطنیہ وادراکات و علوم کو غور کیا جاوے تو اس کی آراستگی حیرت خیز ہے اور وہ پہلی چھ چیزیں کہ جن کی قسم کھائی گئی اس نفسِ انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہیں اور وہ سب مل کر ایک عالم ہیں تو نفسِ انسانی تنہا ایک دوسرا عالم ہے جس میں اول عالم کی سب باتیں موجود ہیں۔ بایں طور کہ اس کا آفتاب نورِ روحانی ہے اور ماہتاب دل کی روشنی ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے اور دن اس کے کمالات کا ظہور اور اس کی حیات کے ثمرات کا بروز ہے اور اس کی رات اور اس کی روح اور قلب کی تاریکی ہے یا اس کی قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غلبہ ہے اور چونکہ قلب جو محلِ معرفت اور عرشِ رحمانی ہے وہ نورِ روح و ظلمتِ نفس کے ملنے بغیر نہیں ہوتا گویا کہ وہ ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی ظلمت نہ ہو تو قلب پر معانی ظاہر نہ ہوں کیونکہ روح میں کمال صفائی و نورانیت ہے۔ اس لیے یہ رات بھی ایک عمدہ چیز ہے اور اس کا آسمان روحِ حیوانیہ ہے اور زمین اس کا بدن ہے کہ جس کے خالق نے اس کو فراخ و وسیع کیا ہے اس طور پر کہ روحِ حیوانیہ ہر جگہ اثر کر رہی ہے اور یہاں تک نفسِ انسانی کی درستگی کی کہ **فالھمھا فجورھا وتقوھا** کہ اس کی بدی اور نیکی کی پہچان اس کو عطا کر دی اور نفوسِ حیوانیہ کی طرح نامکمل نہیں رکھا کہ اپنی شقاوت و سعادتِ اخرویہ کو نہ جانتا ہو صرف معاش ہی کے رستے جانتا ہو۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ سے جبر لازم نہیں آتا کس لیے کہ یہ جب لازم آتا کہ اس میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہوتا پھر جبکہ جو کچھ کراتے ہیں بندہ ہی کے اختیار و ارادہ سے کراتے ہیں تب کسی طرح جبر لازم نہیں آتا۔

تحقیق المقام | الہام در دل افگندن وانچہ در دل افگند خدائے تعالیٰ یقال الھمہ اللہ واستلھمت اللہ (صراح) یہ الہام ہے جس کے معنی القاء کے ہیں۔ اس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ ہر ایک کے دل پر اس طرف کا تار برقی لگا ہوا ہے۔ ادھر سے نیک و بد بات دل میں پڑتی ہے۔ یہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہے اور اس میں کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کس لیے کہ القا ہونے کے بعد کرنا نہ کرنا اس کے اختیار و ارادہ کے ساتھ ہے اور اسی پر عذاب و ثواب کا دار و مدار ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو خدائے پاک نے عقل و ادراک سمجھ بوجھ عطا کی ہے جس سے وہ نیک و بد جانتا ہے۔ یہ ہیں فجور اور تقویٰ کے الہام کے معنی اور مجاہد اور فراء اسی کے قائل ہیں اور مذہب معتزلہ بھی یہی ہے۔

اس الہامِ عام کے بعد ایک اور مرتبۂ خاص الہام کا ہے جو حضرات اولیاءِ کرام و انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے اس میں اور کو شرکت نہیں۔ واضح ہو کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفاتِ غائب پر مشاہد سے استدلال کرتا ہے اور مشاہد بجز عالمِ جسمانی کے اور نہیں اور عالمِ جسمانی کی دو قسم ہیں۔ بسیط اور مرکب۔ پھر بسیط کی دو قسم ہیں۔ علوی جس کی طرف والسماء وما بناھا میں اشارہ ہے۔ دوم سفلی جس

کی طرف والارض وماطحاھا میں اشارہ۔ سماور نیز والشمس والقمر بھی علویات میں داخل ہیں اور رات دن ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب رہے تھے مرکبات سوان میں سب سے افضل انسان ہے جس کی طرف ونفس وماسواھا میں اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدائے پاک مدبرِ اجسام ہے خواہ علویہ ہوں خواہ سفلیہ خواہ مرکبہ خواہ بسیط پس عالمِ محسوسات میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے نہ ہوئی ہو مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حیوان وانسان کے افعال اس کی ایجاد وتخلیق میں داخل نہیں۔ اس کا دفع اس قول میں کردیا۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ یہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اسی کی قضاء وقدر سے سرزد ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ جو کچھ ہے سب اسی کی قضاء وقدر سے پیدا ہوا ہے۔ اسی کے احاطۂ قدرت وتصرف میں ہے۔ پس الہامِ فجور خذلان ہے اور الہامِ تقویٰ توفیق ہے اور وہ حدیث جس کو امام احمد ومسلم وابن جریر وغیرہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مؤید ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کررہے ہیں پہلے ان کے حق میں مقدر ہوچکا تھا یا آئندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے ہی مقدر ہوچکا ہے، اس کے موافق کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا پھر اب لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے ان دونوں مرتبوں (خیروشر) میں سے جس کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس کے موافق عمل کرنا آسان کردیتا ہے اور تصدیق اس کی کتاب اللہ میں ہے۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔

مگر اس کے ساتھ بھی انسان کو اختیار باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مذکور سے پایا جاتا ہے اور اسی لیے اس کے بعد جوابِ قسم میں اس بات کو واضح کردیا۔ قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا گناہوں اور غفلات کے میل کچیل سے[1]۔ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دیتا ہے یا حبِ لذات وشہوات میں خدا سے غافل ہوجاتا ہے تو اس کے نفس یعنی روح پر ایک میل یا دھبہ لگ جاتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی دھبہ جس مرتبہ کا ہے اسی کے موافق ایک خاص صورت میں باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وقد خاب من دساھا کہ خراب ہوا جس نے روح کو آلودہ کرلیا۔ اس نورانی جوہر کو گندی چیزوں میں چھپادیا۔ تزکیہ وتطہیرِ نفوس کے لیے صرف یہی ایک جملہ قد افلح الخ کافی ہے۔ جس کو چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ اور عالمِ حسی کی بنیاد ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۥ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جبکہ ان میں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھا پھر ان سے اللہ کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی سے تعرض نہ کرنا۔ سوانہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو ان کے رب نے بھی ان کے گناہ سے انہیں مار کر پٹڑا ہی کردیا اور اس نے اس کے انجام کی پرواہی نہ کی۔

ترکیب | بطغوٰھا الباء للسببیۃ الطغوی فعلی من الطغیان والواو مبدلۃ من یاء مثل التقویٰ ومن قال طغوت کانت الواو اصلا۔ ثمود فاعل

[1] معلوم ہوا کہ تزکیۂ نفس اور اس کی آلودگی کا انسان کو اختیار دیا ہے جوان افعال کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

کذبت والجار فی بطغوٰھا یتعلق بکذبت اذا ظرف لکذبت او للطغوٰی انبعث مطاوع بعث یقال بعثت فلانا علی الامر فانبعث لہ ومعناہ انتذب لذلک وقام بہ ناقۃ اللہ منصوب بفعل محذوف ای ذروا ناقۃ اللہ او احذروا وسقیاھا معطوف علیہ والاضافۃ فی ناقۃ اللہ للتشریف کبیت اللہ فدمدم فی الصحاح ودمدمت الشیء اذا الزقتہ بالتراب والدمدمۃ تضعیف العذاب یقال دمدمت علی الشیء ای اطبقت علیہ ودمدم علیہ القبر ای اطبقہ فسوھا الضمیر یعود الی الدمدمۃ ای فسوی الدمدمۃ علیھم وعمھم بھا فاشتملت علی صغیرھم وکبیرھم وقیل یعود الی الارض ای فسوی الارض علیھم فجعلھم تحت التراب وقیل یعود والی الدمدمۃ ای ثمود۔ ولا یخاف الخ الجملۃ حال ای فعل ذلک وھولا یخاف والضمیر فی عقبٰھا یعود الی الفعلۃ اوالی الدمدمۃ۔ والضمیر فی لایخاف یرجع الی اللہ سبحانہ وقیل الی صالح علیہ السلام ای لایخاف الرسول وھو صالح علیہ السلام عقبٰی ھذا لعذاب کانہ وعد لنصرتہ وقیل یرجع الی الاشقٰی ای ذلک الاشقٰی الذی عقر الناقۃ لایخاف عقبٰی ھذہ الفعلۃ۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا۔ جس سے تزکیہ فلاح کا سبب اور تلویث خسارہ کا سبب سمجھا گیا۔ تلویث میں قوائے بہیمیہ عقل وشرع پر غالب آجاتی ہیں اور تزکیہ میں ان پر عقل وشرع غالب رہتی ہے۔ اب تلویث کے مضمون پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ واضح ہو جائے کہ قوائے بہیمیہ کے غلبہ دینے سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں اور قوت دراکہ بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ حق باتوں کا انکار کر دینا اور انکار پر اصرار کرنا اور ناصح مشفق کا مقابلہ کرنا ان کے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہو جاتی ہے۔ اس لیے اب اس واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ فقال کذبت ثمود قوم ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بطغوٰھا اپنی سرکشی سے جھٹلا دیا تھا یعنی قوائے بہیمیہ کے جوش وغلبہ کے سبب جس کے وہ عادی ہو رہے تھے اور یہ ہوتا ہے کہ جس قوت کو ترقی دی جاتی ہے اس کے بعد ایک ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے جس سے اس کے موافق بے تکلف سرزد ہونے لگتے ہیں۔ عبادات وریاضات والے سے عبادت وریاضات بدکار شہوت پرست غدار سے ویسے کام۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک طغوٰی بفتح الطاء مصدر ہے بمعنی الطغیان فراء کہتے ہیں۔ طغوٰی وطغیان دونوں مصدر ہیں مگر اس جگہ اخیر آیات کے لحاظ سے طغوٰی کا استعمال ہوا۔ بعض کہتے ہیں واؤ کو اسم وصفت میں فرق کرنے کے لیے یاء سے بدل لیا کرتے ہیں جیسا کہ تقویٰ وسرویٰ اور جس نے طغوٰی کو بضم الطاء پڑھا ہے اس کے نزدیک یہی مصدر ہے جیسا کہ رجعیٰ اور حسنیٰ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طغوٰی سے مراد اس قوم کا وہ عذاب ہے کہ جس سے وہ ہلاک ہوئے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اس کی خبر دی تھی۔ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تھا اور چونکہ طغوٰی کے لغوی معنی حد سے گزرنے کے ہیں اور وہ عذاب جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ بھی حد سے گزر گیا تھا۔ اس لیے اس پر طغوٰی کا اطلاق ہونا بہت ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہوتا تھا۔ قومِ عاد جو عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں تھی اس کے ہلاک وبرباد ہونے کے بعد شمالِ عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی۔ یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی۔ ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا۔ اس کا نام وادی القریٰ تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مؤرخین نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے۔ اس قوم میں مال ودولت بہت تھا۔ بڑے بڑے عالیشان مکان بنائے تھے اور سنگتراشی کا ہنر خوب جانتے تھے۔ اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب وغریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں بھی کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن اور سفا کی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوتِ شہوانیہ وغضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی، رحم دلی، پرہیزگاری کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمتِ الٰہی نے انہیں میں سے ایک شخص صالح بن عبید کو منتخب کیا اور نورِ نبوت سے منور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ

وپند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوتِ ازلیہ تھی۔ کب ماننے والے تھے۔ پھر جو جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ و ناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا اور وہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی۔ ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آکر بچہ بھی دیا۔ قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیسِ قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں' نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا وظلم کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر اونٹنی کی سنئے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے۔ یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور چندے اس پر قوم نے صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک شخصِ شریر سرکش قیدار نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر بڑے ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضبِ الٰہی آگیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے۔ اگر ایمان لایا جاوے اور توبہ کی جاوے تو کرلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی کی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ۔ چنانچہ صبح جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا بھی کام تمام کر دیا جاوے۔ یہ قصد کر کے نو بدمعاش شب خون کی نیت سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایتِ الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچالیا۔ وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے۔ یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی آمادۂ جنگ ہوگئی۔ آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے اتباع شہر سے باہر نکل جاویں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا۔ سب کے منہ لال ہو رہے تھے۔ اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہوگئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہوگیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے۔ اس لیے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا نہ بارش کا۔ اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر دو تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی۔ کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے۔ ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے پڑے دیکھ کر حسرت بھرے الفاظ میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگزشت جو عرب میں متواتر منقول تھی اور اس واقعے کو کہ ومہ جانتا تھا۔ یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا حجر ہے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک میں صحابہ کے ساتھ حجر سے گزرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کی جگہ پر ٹھہرنے اور ان کے کنوؤں سے پانی لینے سے بھی منع فرمادیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قومِ ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حالِ زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں۔ اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی

طغیانی اور کبھی ژالہ باری، بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے، شہر اجاڑ ہو گئے۔ آسمانی پتھر برسنے سے ہندوستان میں گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے۔ ہوا نے گاؤں اجاڑ دیے۔ سینکڑوں آدمی ہلاک ہوئے۔ دریاؤں کی طغیانی سے گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے مگر اب ان واقعات سے عبرت بھی نہیں کیونکہ حال کا علم ان کو اسباب کا فعل کہتا ہے۔ مسبب الاسباب کا قائل نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن میں یہ واقعہ مختصر مذکور ہے۔ اذا انبعث اشقاھا جبکہ اپنی شرارت اور نشاط سے اس قوم میں سے بڑا بدبخت کھڑا ہوا اور وہ قیدار بن سالف تھا۔ یہ پاجی پست قد چتکبرا، نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ، بڑا موٹا تازہ شریر اور متکبر شہوت پرست شخص تھا۔ اسی لیے عرب میں یہ مثل مشہور ہوگئی وھو اشام من قدار کہ فلاں تو قدار سے زیادہ منحوس و بدبخت ہے۔

ہر قوم میں چند ایسے نالائق اور لچے ہوا کرتے ہیں جو کام لوگوں کے نزدیک بہت ہی برا اور قابلِ نفرینِ اولین و آخرین ہو وہ اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ اس کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں بتاؤں تجھ کو سب سے بڑا شقی۔ علیؓ نے عرض کیا، فرمائیے آپ نے فرمایا ایک تو وہ کہ جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کی کوچیں کاٹیں اور دوسرا وہ کہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا جس سے تیری ڈاڑھی پر خوں بہے گا۔ یہ دونوں سرخ رنگ والے سب سے شقی ہیں (رواہ احمد وابن ابی حاتم والطبرانی و ابن مردویہ والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ) یہ شخص بھی درحقیقت بڑا ہی بدبخت تھا۔ کس لیے کہ جناب مرتضوی آنحضرت ﷺ کا پورا نمونہ اور شوکتِ اسلام کا سرچشمہ تھے۔ گویا اس بدبخت نے ایک خسیس شہوت کے لیے سلسلۂ خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ یہ شخص ابن ملجم خارجی تھا۔ ایک خارجیہ عورت نے کہ جس پر یہ عاشق تھا۔ حضرت مرتضوی کے شہید کر ڈالنے کی ترغیب دلائی تھی۔

اسی طرح شمر اور یزید بھی اس شقی سے کم نہیں کہ جنہوں نے دنیائے دنیہ کے لیے جگر گوشۂ رسول کریم ﷺ کو کس بے رحمی سے شہید کیا۔

جب اس مردود قیدار نے ناقہ کی کوچیں کاٹنے کا بیڑا اٹھایا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام کو اس بدبخت قوم کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے بتاکید فرما دیا تھا فقال لھم رسول اللہ۔ ان سے رسول اللہ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا ناقۃ اللہ وسقیھا خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے کبھی اس کو برائی سے نہ چھونا نہ پانی پینے سے منع کرنا۔

فائدہ: اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا کہ وہ خاص معجزہ سے اللہ نے پیدا کی تھی۔ یہ اضافتِ تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لیے جیسا کہ بیت اللہ ورنہ خدا پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہا کرتا ہو اور نہ اس کے چڑھنے کی کوئی اونٹنی ہے اور یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے آیہ یعنی نشانی تھی۔ اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک خاص طرز سے پیدا ہونے کا سبب نمونہ تھی۔

مگر وہ بدبخت کب ماننے والے تھے فکذبوہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کچھ انہوں نے اونٹنی کی بابت فرمایا تھا کہ اگر اس کو بری نگاہ سے دیکھو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے، جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ بھی ایک ڈھکوسلا ہے۔ کس لیے کہ گناہ کرتے کرتے وہ دلیر ہو گئے۔ دلوں پر سیاہی چھا گئی تھی۔ اس لیے فعقروھا اس بدبخت قوم نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ کوچیں تو قیدار [1] نے کاٹی تھیں مگر اور بھی شریک تھے اور اس فعلِ بد سے راضی تھے۔ اس لیے یہ فعل ان سب کی طرف نسبت کیا گیا فدمدم علیھم ربھم پھر تو ان کو ان کے رب نے غارت کر دیا بذنبھم یوں ہی نہیں بلکہ ان کے گناہ کے سبب جو کفر و تکذیب اور کوچیں کاٹنا تھا اور ایسا ہلاک کیا کہ فسواھا اس ہلاکت کو سب کے لیے

[1] اور اس لیے سورۂ قمر میں خاص اس بدبخت کی طرف اس فعل کو نسبت کیا کما قال فتعاطی فعقر اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

برابر کر دیا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔ چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوئے بجز ان لوگوں کے کہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور کوئی نہ بچا۔ ولا یخاف عقبھا۔ اور خدائے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔ کس لیے انجام سے ڈرنے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھے۔ اس کو انجام بد کا خوف ہوا کرتا ہے۔ سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتداء جانتا ہے۔ دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت فوت ہو جانے کا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ دے کر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے، سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ اس نابکار قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خاردار درخت اگ آویں ان کے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ ان کے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو سوم یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو۔ اس وقت خوف انتقام ہوا کرتا ہے۔ سو خدا پاک کو ان کی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برباد کرتا ہے بے دھڑک کرتا ہے۔ اس میں مشرکین کے خیالِ باطل کا بھی رد ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جس کی ہم پرستش کرتے ہیں ہم کو ہر وقت کی مصیبت سے نجات دے گی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کردے گا تو وہ ضرور بدلہ لے گا۔ بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے کوئی بدلہ لینے والا نہیں۔

بعض علماء نے لا یخاف کا فاعل عاقر یعنی کوچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے۔ یہ سدی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اس بدبخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹیں کہ اس فعلِ بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا۔ جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کو جھوٹ جانتا تھا اور حقیقت میں ایسا برافعل جو کوئی بدبخت کرتا ہے وہ انجام کار سے نہیں ڈرتا۔ اگر ڈرے تو کرے کیوں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ضمیر لا یخاف کی رسول اللہ یعنی صالح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب صلح علیہ السلام ان سے کہتے تھے کہ خبردار ناقۃ اللہ اور اس کے پانی پینے سے تعرض نہ کرو تو اس وقت نہایت بلند حوصلگی سے یہ فرماتے تھے۔ ان کو اس قوم کی ہلاکت میں اپنی اور اپنے متبعین کی ہلاکت کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ گویا ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ تم ہلاک نہ ہو گے۔ اول معنی زیادہ ترچسپاں ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اس مختصر سی سورت میں کس انداز اور خوبی سے انسان کی سعادت و شقاوت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے کہ ایسا نقشہ کھینچنا بشر کی طاقت سے باہر ہے اور ہر آیت کے ہر ایک پہلو میں بے شمار معانی ودیعت رکھے ہیں جو انسان کو اگر ان پر غور کرے شقاوت کے عمیق گڑھے سے نکال کر سعادت کے محل پر بٹھا سکتے ہیں اور لطف یہ کہ کلام میں شانِ شاہانہ بھی ہے جو کہے دیتی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ فسبحان من انزل القرآن۔

(سورہ الیل مکیہ ہے اس میں اکیس آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىۙ ۝١ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰىۙ ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓىۙ ۝٣ اِنَّ
سَعۡيَكُمۡ لَشَتّٰىؕ ۝٤ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰى وَاتَّقٰىۙ ۝٥ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰىۙ ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلۡيُسۡرٰىؕ ۝٧ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰىۙ ۝٨ وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰىۙ ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلۡعُسۡرٰىؕ ۝١٠ وَمَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ ۝١١

قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور دن کی جبکہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی کہ جس نے نر و مادہ کو بنایا بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات (کلمۂ توحید) کو سچ جانا تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کر دیں گے اور جس نے کنجوسی کی اور آخرت کی پروانہ کی اور نیک بات کو جھٹلایا تو اس کے لیے ہم جہنم کی راہیں آسان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جبکہ وہ گڑھے میں پڑے گا۔

ترکیب | واللیل الواو للقسم اذا العامل فیہا معنی القسم والنہار عطف علیہ وما خلق الخ معطوف علی السابق وما مصدریۃ عند مقاتل والمعنی واقسم خلق الذکر والانثیٰ۔ وعند الجمہور موصولۃ ای والذی خلقہما وما بمعنی من فقد اقسم بنفسہ الکریمۃ ان سعیکم لشتی جواب القسم ای عملکم مختلف فمنہ عمل للجنۃ ومنہ عمل للنار اومنکم مؤمن ومنکم کافر اسعی العمل وشتیٰ جمع شتیت کمرضی جمع مریض والشتات ہو الافتراق ومعناہ مختلف لتباعد لبعض عن البعض۔ وسعیکم مصدر مضاف فیفید العموم فہو جمع معنی فاما من الخ شرط سنیسرہ الخ جواب والسین فی الموضعین للتسویف وہو من اللہ محقق والحسنیٰ ای الخصلۃ الحسنیٰ تشتمل کل فعل محمود من التوحید والایمان والفرایض والیسریٰ والعسریٰ المراد بہما جماعۃ الاعمال فوجہ التانیث ظاہر وان کان المراد عملا واحدا رجع التانیث ای الخلۃ او الفعلۃ او المراد بہما الطریقۃ فکانہ قال للطریقۃ الیسریٰ والعسریٰ وفی تفسیرہما اقوال (۱) المراد بالیسریٰ الجنۃ وبالعسریٰ النار (۲) والمراد بالیسریٰ الخیر وبالعسریٰ الشر (۳) المراد بالیسریٰ العود الی الطاعۃ وبالعسریٰ الرجوع الی القبائح کالبخل والتکذیب واتباع الھوی وانما سمیت بالعسریٰ لاعتبار العسر فی ارتکابہا علی اھل السعادۃ او لاعتبار نتائجہا وھی العذاب۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اکیس آیات ہیں۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں واللیل اذا یغشی جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بار ظہر کی نماز پڑھائی کسی قدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورہ والشمس وضحاہا اور واللیل اذا یغشی پڑھ رہے ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپ کو اس نماز میں کسی خاص سورہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ فرمایا نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے وقت مقرر کر دوں۔

ربط: ربط اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ (۱) دونوں سورتوں کے ابتداء میں ان چیزوں کی قسم ہے جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں۔ (۲) پہلی سورہ میں نفوسِ انسانیہ کا اختلاف مذکور تھا کہ بعض کو فجور کا الہام ہوتا ہے تو بعض کو تقویٰ کا۔ اس سورہ میں بھی تفاوت بیان فرمایا ہے بقولہ ان سعیکم لشتی اور پھر اس کی آگے تفصیل فرمائی ہے بقولہ فاما من اعطیٰ الخ۔ (۳) اس سورہ میں اشقیٰ[1] کا بیان تھا تو اس سورہ میں جماعتِ اشقیا کا بیان ہے۔

اگرچہ الفاظ سورہ کے عام ہیں مگر سببِ نزول اس کا علماء نے یوں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں دو شخص بڑے مالدار تھے۔ ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا امیہ بن خلف مگر دونوں کا مال خرچ کرنے میں مختلف طریقہ تھا۔ امیہ کے بہت سے غلام مختلف کاموں پر معین تھے اور ہر قسم سے اس کے پاس مال تھا باوجود اس کے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور جو کسی غلام نے دے دیا تو اس پر آفت آجاتی تھی اور جو کوئی اس سے توشۂ آخرت پیدا کرنے کو کہتا تھا تو یہ کہتا کہ آخرت ہے کہاں اور جو ہوئی بھی تو میرا یہ بیشمار مال اور یہ غلام اور یہ اولاد کافی ہیں مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان نعیم جنت کی پروا نہیں جن کا وہ فقیروں کنگالوں کو لالچ دلا کر اپنا معتقد بناتا ہے۔ اس کے غلاموں میں سے ایک بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ نیک طینت توحید و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ اس بدبخت کو جو خبر ہوئی تو روکنا چاہا اور جب نہ مانا تو طرح طرح کی ایذائیں دینی شروع کیں۔ چنانچہ اول اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں کانٹے اور سوئیاں چبھوؤ۔ پھر عین دوپہر میں

[1] بڑا بدبخت۔ ۱۲ منہ

مشکیں باندھ کر جلتے پتھروں پر چت لٹا دو۔ پھر شام کو اس تنگ مکان میں کہ جہاں سخت گرمی ہو بند کرو اور بعدہ کوڑے مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کرتے تھے مگر اس تکلیف کے وقت بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے احد احد ہی نکلتا تھا کہ اللہ ایک ہے' اللہ ایک ہے۔ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بدبخت کے محلہ میں گئے۔ اس کے گھر میں سے آہ وزاری اور شور وفریاد کی آوازیں سنائی دیں۔ پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ کسی نے اصل حال سے مطلع کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو بجرمِ اسلام مارتے پیٹتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا رحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا کس لیے کہ اس بے کس اور غریب کو اتنی تکلیف دیتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اس کو خرید لے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا' کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا اس کے بدلے میں مجھے اپنا غلام نسطاس رومی دے دے۔ یہ رومی غلام بڑا ہوشیار اور قابل تھا' دو ہزار دینار اس نے اپنی کمائی سے جمع کرر کھے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نسطاس دے کر بلکہ اور بھی کچھ دے کر بلال کو خریدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور لا کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے کافر اور بے رحم مالکوں سے بے انتہا اذیتیں اٹھاتے تھے' خرید کر آزاد کیا۔ از انجملہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ یہ شخص ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جنگ بیئر معونہ میں شہید ہوئے۔ از انجملہ زبیرہ لونڈی ہے جس کو خرید کر آزاد کیا۔ آزادی کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کے مالکوں نے طعنہ کے طور سے کہا دیکھی ہمارے لات [1] وعزیٰ کی کرامات تم کو اندھا کر دیا۔ اس نے کہا' وہ کیا کر سکتے ہیں میرا اللہ ہی اندھا کرتا ہے' وہی آنکھوں میں روشنی دیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ بہت تو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خرچ میں صرف ہوئے اور جو کچھ باقی رہے تھے ان کو آ کر مدینہ میں صرف کیا جن سے مسجدِ نبوی کی زمین خریدی گئی اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا فرمایا کرتے تھے۔ ان من امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابوبکر ولو کنت متخذ اخلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام ومودتہ (متفق علیہ)''کہ سب لوگوں کے جان اور مال سے ابوبکر کا مجھ پر بڑا احسان ہے اگر خدا کے سوا میں اور کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو لیکن اخوت اسلامی اور اس کی مؤدت کافی ہے''۔ یہاں تک کہ ایک بار جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ رہا تو کمبل لپیٹ کر کانٹے کا تکمہ لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبرئیل بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا تعالیٰ ابوبکر کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقر میں بھی تو مجھ سے راضی ہے یا کچھ کدورت آ گئی؟ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہائے ہائے مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہو؟ اور بار بار اس کلمہ کو کہتے تھے۔ انا عن ربی راض انا عن ربی راض [2] رضی اللہ عنہ۔ حق تعالیٰ اس سورہ میں ان دونوں شخصوں کے معاملات وحالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت وشقاوت کے دو رستہ بتاتا ہے اور بنی آدم کی مختلف کوششوں کا مآل کار ظاہر فرماتا ہے۔ سعادت کی طرف نفوسِ انسانیہ کو ابھارتا ہے۔

فقال واللیل اذا یغشی یعنی قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے یا کہو آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہان کو تاریک کر دے اور سب کو ڈھانک لے۔ یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نورِ روحانی اور نورِ قلب کو چھپا کر اس کے اندرونہ جہان میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گونا گوں افعالِ بد سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب چوروں' زنا کاروں' جادوگروں کو موقع ملتا ہے۔ اسی طرح اس اندھیرے میں شیطان اور نفسِ امارہ کے چوروں' قزاقوں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے اور رات دنیا میں ایک انقلابِ عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا بھی پورا نمونہ ہے۔ کس لیے کہ رات میں یکے بعد دیگرے باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر

[1] یہ دو بت ان کے بڑے معبود تھے جیسے کہ ہنود کے مہادیو وبشن۔ ۱۲ منہ

[2] میں اپنے رب سے خوش ہوں میں اپنے رب سے خوش ہوں۔ ۱۲ منہ

کے بعد سناٹا ہو جاتا ہے۔ سب مردوں کی طرح فرشوں پر بے خبر لیٹے ہوتے ہیں۔ نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی۔ یہی حال خوابِ عدم کا ہے یکے بعد دیگر مر جاتے ہیں' سب کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد اس کے ہمعصروں میں سے کوئی انسان کیا جانور بھی باقی نہیں رہتا سب پر خوابِ عدم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک بڑی نشانی قدرتِ کاملہ کی ہے۔ اس لیے اس کی قسم کھائی گئی۔ والنهار اذا تجلي اور قسم ہے دن کی جبکہ روشن ہو جاوے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی جو بے خبر پڑے سوتے تھے' جاگ اٹھے اور پھر ہائے ہو ہونے لگی۔ پرند چہچہانے لگے' چرند جنگل کی طرف جانے لگے۔ ہر ایک کاروبار والا اپنے کاروبار کی طرف چلنے لگا۔ مسافر کمر باندھنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس میں آفتابِ روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے چور بدمعاش بھاگنے لگتے ہیں اور نیک کاموں کی طرف اس کے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف ایما ہوتا ہے کہ ہم ایمانداروں' نیکوکاروں کو نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں اور بے ایمانوں' بدکاروں کو بدی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں۔ رات دن بھی نر و مادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے افعال و خواص میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک کی کوشش مختلف ہے۔ اسی طرح مخلوق میں نر و مادہ کا حال ہے۔ اس لیے اس کے بعد نر و مادہ کی بھی قسم کھاتا ہے۔ فقال وما خلق الذكر والانثي' اور قسم ہے نر و مادہ پیدا کرنے کی یا یوں کہو کہ قسم ہے اس ذات پاک کی (یعنی اپنی) کہ جس نے نر و مادہ پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں نر سے خاص آدم علیہ السلام اور مادہ سے حضرت حوا مراد ہیں جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہر ایک نر و مادہ ہے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق کی یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے۔ کس لیے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادہ ہے یعنی ایک ہی تخم سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے۔ حیوانات و انسان کے ہر صنف و نوع میں یہی قانون جاری ہے۔ پھر نر اور مادہ میں جو جو چیزیں ہونی چاہییں تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں۔ اعضاءِ انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جاوے تو عقل حیران ہو جاوے۔ ماں کے ستر مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کہ سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ پھر اندرونی اعضائے توالد و تناسل میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں۔ پھر اس کے قویٰ و عادات و افعالِ طبعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں۔ اگر نر و مادہ نہ ہوتے' سب نر ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نر و مادہ کے تخم میں نر و مادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر و شر' نقصان و کمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نر و مادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کے باہمی اختلاط سے بھی عجائب و غرائب ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی برا ہوتا ہے اور مرکر ان کی جماعت میں جا ملتا ہے اور اسی کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے ہیں جس طرح رات اور دن کی کوشش اور افعال و خواص میں اختلاف ہے۔ اسی طرح نر و مادہ کی بھی۔ نر کا مقتضائے طبعی اور مادہ کا اور اسی لیے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان سعيكم لشتي کہ اے بنی آدم اعمال و اشغال میں تمہاری کوشش و ہمت اور جدوجہد گوناگوں ہے۔ ہر چند یہ بات ذکر و انثیٰ کی پیدائش سے عیاں تھی مگر اس کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا دعویٰ کو مع دلیل ذکر کرنا ہے پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے۔ برے کام کرتا ہے اور کسی کی دن کی طرح نورانی ہے اچھے کاموں میں سرگرمی کر رہا ہے پھر کوئی اپنی کوشش میں مردِ میدان ہے تو کوئی نامرد اور زن ہے اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے زبوں اور دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے درپے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے۔ دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے۔ لذائذِ فانیہ پر فریفتہ ہے۔ حیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات

دن مال وزر جمع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اس کو دن میں چین نہ رات کو کھانے پینے پہننے کا خیال۔ نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا اور ان سب کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی تمتع ہی نہیں تو پھر کس کام آوے گی اور کوئی ہے کہ اس کی ہمت مردانہ کے نزدیک مال وزر تو کیا' دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ چند روزہ مہمان ہوں جہاں سدا رہنا ہے راحت وعزت ہو تو وہاں کے لیے ہو یہاں آرام سے گزر گئی تو کیا تکلیف سے گزر گئی تو کیا ع

شبِ تنور گزشت و شبِ سمور گزشت

اس کے بعد ان مختلف مساعی کے نتائج مختلف بیان فرماتا ہے۔ فاما من اعطیٰ کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا حق المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا۔ یہ زکوٰۃ وصدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ یہ وہ پہلا کام ہے کہ جس کی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ دوم واتقیٰ اور برائیوں سے بھی بچا۔ ظلم وستم زنا کاری جھوٹ بولنا' کسی پر اتہام لگانا' ناحق قتل کرنا' چوری کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ کبائر سے دور رہا جس میں دیگر فقیر مسکین واہلِ قرابت پر احسان جتلانا یا ریا کاری کے لیے دینا بھی آ گیا۔ الغرض پرہیز گاری کی۔ کس لیے کہ دینے کے بعد افعالِ قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جس کو اکثر کیا بلکہ کل مذاہب مانتے ہیں۔ خیر یہاں تک قوتِ عملیہ کی اصلاح تھی۔ عبادتِ مالی اور بدنی سے اور نیز بری باتوں کے عمل میں لانے سے مگر ان سب کے بعد عقائد کا درست کرنا بھی ضرور ہے یعنی قوتِ نظریہ کا یا کہو عمل کے بعد علم کی اصلاح۔ اس لیے فرماتا ہے وصدق بالحسنیٰ۔ اور اسی نے نیک باتوں کو سچ بھی جانا ہو جیسا کہ حق سبحانہ اور اس کے صفاتِ کاملہ اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اس کی تصدیق جس کو ایمان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حسنیٰ کلمۂ توحید ہے۔ اس بات کو عقلاء وحکماء بھی مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے جہان میں جاتی ہے جہاں اس کے علم (گیان) کے موافق بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو کیونکہ یا تو علم ہی نہ ہوا اور ہوا تو خلافِ واقع کے ہوا کہ بات تھی کچھ اور اس نے جان لی کچھ اور جس کو جہلِ مرکب کہتے ہیں تو روح پر تاریکی طاری ہوتی ہے اور یہ تاریکی رنج وغم اور جہنم ہے اور اگر علم ہے اور علم بھی علمِ صحیح تو یہ ایک نور ہے جو راحت وسرور وجنت وسرگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انتہی قولہم۔

لیکن یہی بات تو قابلِ بحث ہے کہ مطابق واقع کیا ہے اور خلاف واقع کیا اعتقاد ہے کس لیے کہ مشرکین اور مذاہب باطلہ اپنے من گھڑت خیالات وتوہمات کو اعتقادِ کامل اور علم کو مطابق واقع سمجھا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہلِ مرکب۔ اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیونکہ جن کی تصدیق کرنی چاہیے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہیے ان کو حسنیٰ کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں۔ اب ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے۔ اول یہ کہ کوئی مسلم شخص جس کے علم وانکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو ان کو عمدہ کہے۔ دوم یہ کہ عقلِ سلیم کے حوالے کر کے (جبکہ عوارضِ وہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جاوے کہ ان میں حسن وخوبی یعنی راستی بھی ہے کہ نہیں۔ وہ شخص کہ جو مسلم ہے نبی ہے کیونکہ اس کا علم وانکشاف اور لوگوں کے علم وانکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض ہوں بدرجہا فائق ہے۔ پس اس کے فرمودہ عقائد حسنیٰ ہیں نہ کہ تثلیث۔ علیٰ ہذا القیاس عمل کے متعلق جو کچھ انہوں نے فرمایا خدا کی عبادت وخیرات جملہ بری باتوں سے پرہیز گاری اب یہ تین باتیں ہوئیں۔ پھر جس نے ان تین باتوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو فسنیسرہ للیسریٰ ہم اس کے لیے یسریٰ کو آسان کر دیں گے۔ یسریٰ سے مراد آسان طریقہ وصول الی اللہ اور وصول الی الجنۃ کا ہے اور وہ طریقہ آسان شرع محمدی ہے علیہ السلام۔ کس لیے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر طریقہ میں دقت ودشواری پاؤ گے برخلاف شریعت کے یعنی ہم اس کو اس نیک رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا

ہے تو اس کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جن کا ذکر ہوا تو ایک نورانی ملکہ پیدا ہوگا جس سے اس کو ہر نیک کام آسان معلوم ہوگا اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ بارگاہِ قدس اور عالمِ باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جاوے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور پل صراط کا نور اور میدانِ حشر میں سایہ اور نجات کے لیے دلیل ہے۔ واما من بخل اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا مال کی محبت کی جڑ اس کے دل پر ہے۔ یہ اول صفت کی ضد ہے واستغنٰی اور بے پروائی بھی کی یعنی پرہیزگاری نہ کی بڑی بے پروائی اور تکبر سے برے کام کرنے لگا۔ قوتِ عملیہ بگاڑ لی۔ یہ دوسری صفت کی ضد ہے۔ وکذب بالحسنٰی اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور قائل ہوا تو توحید کا قائل نہیں نہ اور صفاتِ حمیدہ کا نہ دارِ آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا کا قائل نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل۔ یہ تیسری صفت کی ضد ہے۔ اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے فسنیسرہ للعسریٰ تو اس کے لیے ہر عملِ بد خواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے جس میں ملکۂ خیر ہے۔ اگر اس سے کہو چوری کر یا زنا کر یا فلاں کو مار ڈال وہ کبھی نہ کرے گا اور یہ کام اس کو پہاڑ معلوم ہوگا اور کہو تہجد کی نماز پڑھا کر اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین کو دیا کر وہ اس کو بہت ہی آسان کام جانے گا اور جس میں بد ملکہ پیدا ہو گیا ہے اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ تمام عمر زنا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک آسان کام ہے۔ اگر کہو نکاح کر لے نہ کرے گا یہ مشکل کام ہے۔ ناحق قتل کر ڈالنا' رات کو چوری کرنا' سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر محفلِ رقص و سرود میں جاگنا آسان مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لیے جاگنا اور وضو کی تکلیف اٹھانا پہاڑ سے بھاری' فواحش کو ہزاروں روپیہ دے ڈالنا آسان۔ اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا سخت مشکل۔ یہ ملکۂ ظلمانی جس کے سبب خدا نے تمام بدراہوں کے لیے برے کام آسان کر دیے قبر میں عذاب اور حشر میں جہنم اور طوق و زنجیر ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اول ملکہ دن روشن سے اور دوسرا چھا جانے والی رات سے مشابہ ہے۔ اول کا صاحب نر دوسرے کا صاحب مادہ ہے مگر وہ بدبخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا وما یغنی عنه ماله اذا تردٰی اس کے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا۔ وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا یا یوں کہو جبکہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا۔ پھر اس پر اس قدر فریفتگی۔

فائدہ ا: جس طرح تزکیہ اور کمال کے لیے تین وصف بیان فرمائے تھے۔ ایک اعطٰی اللہ کی راہ میں دینا دوم واتقٰی پرہیزگاری۔ سوم وصدق بالحسنٰی درستیِ اعتقادات و ایمان۔ اسی طرح نقصان وتلویث کے لیے ان تین وصفوں کے مقابلہ میں تین صفتِ رذیلہ بیان فرمائے۔ بخل اعطٰی کے مقابلہ میں بخل بھی بڑا ہی عیب ہے۔ بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں۔ اس کے دوست دشمن ہو جاتے ہیں۔ خلائق میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی' کوئی بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ عالمِ بالا میں یہ حقیر شمار ہوتا ہے اور اتقٰی کے مقابلہ میں واستغنٰی تکبر و احکامِ الٰہی سے بے پروائی گناہوں اور برے کاموں سے بے پروا ہو کر عمل میں لانا معاذ اللہ فاسق و بدکار بھی مخلوق میں گھنونا ہو جاتا ہے۔ اس کے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی۔ عالمِ قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کی دعا کو قبولیت نہیں۔ عمر و مال میں برکت نہیں ہوتی۔ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور صدق بالحسنٰی یعنی ایمان کے مقابلہ میں کذب بالحسنٰی بے ایمانی کافر و بدعقیدہ تو خدا کا دشمن اور سخت مقہور ہوتا ہے۔ اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا کیونکہ آخرت کا اعتقاد نہیں۔ اب درمیانی تیسرا مرتبہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفاتِ حمیدہ ہیں تو بعض رذیلہ اس کو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ آپ سمجھ لیں گے اگر ایمان ہے تو قصورِ عمل سے آخر کار نجات ہے۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾
الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾ ع

ہم پر تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے بس میں ہیں۔ پس میں نے تم کو دہکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جو (دینِ حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑ تا رہا اور اس آگ سے وہ پرہیزگار دور رہے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کو دیا کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا بدلہ اتارتا ہو۔ وہ تو صرف اپنے عالیشان خدا کی رضامندی کے لیے دیا کرتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جاوے گا۔

ترکیب ؛ للھدیٰ اسم ان علینا خبرھا۔ ای علینا ان نبین طریق الھدیٰ من طریق الضلال وقد فعلنا ذلک حیث بینا طریق کلا الفریقین ترغیبًا وترہیبًا۔ قالہ الزجاج للآخرۃ معطوف علیہ والاولیٰ معطوف وکلاھما ان اسم ان لنا خبرھا والجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ ومعناہ لنا کل مافی الآخرۃ وکل مافی الدنیا فمن ارادھما فلیطلب مناتلظّٰی صفۃ نار واصلہ تتلظّٰی فحذفت احدی التاءین تخفیفاً وقری علی الاصل ومعناہ توقد وتتلھب یقال تلظت النار تلظیا ومنہ سمیت جہنم لظٰی لا یصلاھا الجملۃ صفۃ نار وھو بیان لمن ھی الا الاشقیٰ استثناء متصل ای لا ید خلھا دخولا موبدا احد الا الاشقیٰ وھو الکافر والمشرک الذی کذب وتولّٰی وصف للاشقی الذی یوتی مالہ صفۃ للاتقٰی یتزکی فی محل نصب علی الحال من فاعل یؤتی ای حال کونہ طالبا للزکاۃ وھی طھارۃ النفس ویجوز ان یکون بدلا من یؤتی داخلا معہ فی حکم الصلۃ وما لاحد الخ الجملۃ حال من فاعل یؤتی وقیل مستانفۃ لتقریر ماقبلھا من کون التزکی خالصا للّٰہ لا علی سبیل المعاوضۃ تجزیٰ صفۃ نعمۃ ای لیس علی ھذا الموتی احسان احد یجزی بہ الا ابتغاء الخ قرء الجمہور بالنصب علی الاستثناء المنقطع لعدم اندراجہ تحت جنس النعمۃ وقیل مفعول لہ علی المعنٰی ای لا یؤتی الا لابتغاء وجہ ربہ لا لمکافئۃ نعمۃ۔ وقریٔ بالرفع علی البدل من محل نعمۃ لان محلھا الرفع اما علی الفاعلیۃ واما علی الابتداء ومن مزیدۃ ولسوف اللام موطئۃ للقسم ای وتاللّٰہ لسوف یرضٰی بما نعطیہ من الاجر العظیم۔

تفسیر شبہ ؛ پہلے بیان سے (جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیزگاری اور ایمان لانے والے کے لیے نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لیے برائی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے) یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا۔ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ **جواب**: اس کا جواب دو جملوں میں دیا جاتا ہے۔ اول ان علینا للھدیٰ کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اس لیے اول حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی عطا کیے۔ عقل و ادراک دیا جو نیک و بد میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول بھیجے۔ کتابیں نازل کیں۔ پھر رسولوں کے جانشین علماء و آئمہ و اولیاء و مرشدانِ دین و واعظانِ پُرگو قائم کیے اور حوادثِ دہر اور تغیراتِ عالم بلکہ ان کے حالات کے عبرت خیز نشان قائم کیے تاکہ باختیار و ارادہ نیک رستہ کو اختیار کریں، برے رستہ کو چھوڑیں اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی سے کسی کو بے ارادہ و اختیار ہدایت پر لادیں بلکہ دونوں رستوں پر چلنا چلنے والے کے اختیار و ارادہ پر چھوڑ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور مطیع اور نیک و بد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر و شجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا اور انسان کو قدرت و اختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشا غلط ہو جاتا۔ رہی توفیق جو انسان کے ارادہ اور اختیار سے متعلق ہے۔ وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے اور یہ کس لیے کہ وان لنا

للآخرۃ و الاولیٰ دنیا اور آخرت ہماری ہے۔ ہمیں ان کے مالک و خالق و بادشاہ ہیں۔ ایک ذرہ بھی ہمارے ارادہ اور قدرت اور قضاء وقدر کے بغیر عالمِ وجود میں نہیں آ سکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ راحت و رنج دنیا میں ہے وہ ہمارے اختیار و ارادہ سے موجود ہوتا ہے اور جو کچھ آخرت میں نعیمِ جنت اور عذابِ دوزخ ہے وہ بھی ہمارا ہی مخلوق و مملوک ہے اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور جائز اور ناجائز طور پر اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو اس کو ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا کی کامیابی عطا کرتے ہیں اور جو عقبیٰ کی نعمتوں کے طالب اور حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ آسمانی کے خواہاں ہیں اور اس کے لیے سعی و کوشش کرتے ہیں، ان کو ہم وہ عطا کرتے ہیں۔ دونوں جہاں ہمارے ہیں جو جس کا طالب ہو اس کے لیے آ دے اور حاصل کر لے۔ اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کر دیا اور جبر و قدر دونوں کو باطل کر کے درمیانی صاف اور سیدھا رستہ بتا دیا۔

اور جبکہ ہدایت کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ اس لیے فانذرتکم نارا تلظّٰی ہم نے تم کو اے بنی آدم! اس شعلہ مارتی آگ سے خبردار اور متنبہ کر دیا ہے اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں کہ جہاں سب کو جانا ہے، موجود ہے اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہو جاوے گی۔ رحیم و کریم ہوں یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دوں گا بلکہ لایصلاھا الا الاشقٰی اس میں بجز بڑے بدبخت کے اور کوئی نہیں پڑے گا۔ **اشقیٰ کے معنی:** اب اشقیٰ کی آپ ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے۔ الذی کذب وتولّٰی کہ اشقیٰ وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اس کی فرمودہ باتوں کو جھٹلایا جن میں سے مرنے کے بعد اعمالِ نیک و بد کی جزاء و سزا بھی ہے اور جب جھٹلا دیا اور باور نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس کے لیے عسریٰ یعنی بدی کا رستہ آسان کر دیا گیا تھا اور برے کام گو بظاہر مزے دار تھے مگر ان کا انجام یہ آگ ہے۔ اس لیے ان کو عسریٰ کہا گیا اور یہ اس لیے کہ کذب بالحسنیٰ کی جگہ تو کذب موجود ہے جو اس سے بھی عام ہے اور تولّٰی کی تفسیر بخل و استغنیٰ ہو سکتی ہے۔

فرقہ مرجیہ کا قول | علماءِ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک گنہگار مومن کو بھی آخرت میں عذاب النار ہوگا۔ اگر اللہ معاف نہ کر دے گا مگر فرقۂ مرجیہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے جہنم میں جاوے۔ ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب نہ ہوں گے۔ اس لیے گنہگار مومن اور نیک مومن برابر نہیں اور دلیل ان کی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں اور یہ اس لیے کہ اشقیٰ سے مراد کافر و مشرک ہی ہے کیونکہ بدبختی کی دو قسم ہیں۔ اول دنیا کی بدبختی، بیماری، تنگ دستی، مرگِ احبہ، شکست و ناکامی وغیرہ سو یہ بدبختی دنیا ہی میں تمام ہو چکتی ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ دوسری عقبیٰ کی بدبختی پھر وہ دو قسم ہے۔ ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادت و فرائض میں سستی کرنے سے بدبختی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ درجاتِ عالیہ سے حرمان ہے اور اسی لیے اس کو شقی کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ ایمان بھی نہیں بلکہ الہامِ الٰہی کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ سو یہ اشقیٰ یعنی بڑا بدبخت ہے۔ اسی کے لیے خدائے پاک نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے اور یہ عرفِ شرع میں کافر و مشرک ہے۔ کس لیے کہ کذب اسی پر صادق آتا ہے نہ مومن گنہگار پر۔ کس لیے کہ وہ تکذیب نہیں کرتا۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی سب باتوں کو سچ جانتا ہے مگر خواہشِ نفسانی یا غفلت و سستی سے گناہ کرتا ہے۔

اہلِ سنت کی طرف سے مرجیہ کا جواب | علماءِ اہلِ سنت ان کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جو گنہگار مومن جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ وہاں سدا نہ رہے گا۔ چند روز سزا ہو گی۔ سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل ہونا نہیں۔ کس لیے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔ دوم یہ کہ نارا تلظّٰی تو خاص کافروں کے لیے ہے اور گنہگار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ اور آگ ہو گی جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہو گی۔ **اتقیٰ کی تفسیر:** وسیجنبھا الاتقٰی اور اس آگ سے عنقریب بڑا پرہیزگار دور رہے گا۔ اب اس اتقیٰ کی تفسیر بیان فرماتا ہے۔ فقال الذی یؤتی مالہ یتزکّٰی کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ فقراء و مساکین کو دیتا

ہے۔ ریاکاری اور نمود یا غرضِ دنیاوی کے لیے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے درجات کی دم بدم ترقی کے لیے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزائش وزیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں۔ اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں۔ کس لیے کہ اتقیٰ اپنا مال محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے اور رضائے الٰہی میں صرف کرنے سے درجات وتقربات میں ترقی وافزائش بھی ہوتی ہے کیونکہ اس شجرِ تقرب کے لیے یہ عبادت پانی اور ہوا ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اس کو ایک قسم کی نورانیت قلب حاصل ہوتی ہے جس کو انشراح کہنا چاہیے اور یہ نجاست بخل اور کدوراتِ طمع وظلمت حبِّ مال سے پوری پاکیزگی ہے۔ پھر اس یتزکی کی تشریح کرتا ہے۔ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ یعنی اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو اس کے بدلہ میں دیتا ہو۔ کسی کی نعمت و احسان کا بدلہ نہیں آتا۔ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ بلکہ محض اپنے خدائے برتر کی ذات کی خواہش میں یعنی خاص اسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ پھر اس اتقیٰ کا دارِ آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ ولسوف یرضٰی قسم ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہو جاوے گا یعنی دارِ آخرت میں اس قدر نعمتیں اور اس جہان کی خوبیاں اس کو عطا ہوں گی کہ راضی ہو جاوے گا۔ اپنے صرف کرنے اور خدائے پاک وبرتر کی رضامندی حاصل کرنے سے پچھتاوے گا نہیں بلکہ خوش ہوگا۔

مال خرچ کرنے کا نتیجہ آخرت میں ملے گا: اور سوف کے معنی ہیں آئندہ کے۔ یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ دارِ آخرت میں ہوگا جس کا شروع موت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے گا تو دل تنگ نہ ہو کس لیے کہ دنیا اس وعدہ کو پورا کرنے کی جگہ نہیں۔ اگر ایسا ہو تو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ پر تیار ہو جاوے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات اللہ کی راہ میں مال صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

فائدہ: عرفِ شرع میں اتقیٰ اس کو کہتے ہیں جو مومن صغائر وکبائر سے پاک ہو اور جو احیاناً کوئی گناہ سرزد ہو جاوے تو توبہ و استغفار صدقِ دل سے کرے اور نہایت ندامت کرے اور صوفیہ کرام کے نزدیک اس کے بعد خطرات اور توجہ الی ماسوی اللہ کی نجاست سے بھی پاک ہو۔ نہ دل میں حبِ جاہ ومال ہو نہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسی کی جگہ ہو۔ پھر اتقیٰ کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ فردِ کامل اس کا نبی ہے۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔ اس کے بعد پھر صدیق پھر شہید پھر صلحاءِ امت اور اولیاءِ کرام بھی صدیق وشہید کے زمرہ میں داخل ہیں اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہے۔

آیت پر شبہ اور اس کا جواب | اب اس آیت سے بطور مفہومِ مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقیٰ نہیں گو متقی ہو وہ اس نارا تلظٰی سے دور نہ رہے یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو۔ اس کو اتقیٰ نہیں کہتے۔ متقی کہتے ہیں۔ وہ اس آگ سے نہ بچے گا۔ حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشقٰی ہی داخل ہوگا۔ خلاف ہے کس لیے کہ متقی اشقٰی کیا شقی بھی نہیں۔ اس الجھن کے جواب میں علماء نے طرح طرح کے جواب اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر کاتب الحروف کے نزدیک یہ الجھن ہی کچھ نہیں۔ کس لیے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے۔ جیسا کہ علماءِ اصولِ فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کہ کبھی کسی قید یا وصف کو اس کی بہترین اور خوبی جتلانے کے لیے ذکر کیا کرتے ہیں مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں۔ اس کے لیے مخالف حکم ثابت ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے۔ ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنالتبتغوا عرض الحیوۃ الدنیا کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے اور خرچی کمانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔ اب پاکدامنی کی قید اس لیے ہے کہ پاکدامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاکدامنی نہ چاہیں تو خرچی کمانے پر مجبور کی جائیں۔ اسی طرح آیت میں وصف اتقیٰ کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقیٰ نہیں وہ اس نارا تلظٰی سے دور نہ رہے گا۔ دوم اگر مفہوم مخالف

بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ محذور نہیں۔ کس لیے کہ کبائر و صغائر سے بھی انسان مؤاخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقت یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ صغائر و کبائر کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو۔ **گناہوں کی معافی کے اسباب:** کبھی تو اور دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹا ڈالتا ہے۔ کما قال ان الحسنات یذھبن السیئات کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ واولئک یبدل اللہ سیّاٰتھم حسنات کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا جمعہ بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بالج عمر بھر کے گناہ اور رمضان کے روزے سال بھر کے وغیر ذلک اور کبھی دنیاوی تکالیف بیماری' تنگدستی' یا موتِ اعزہ یا اور کوئی حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جاوے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس کو یہیں اسی قدر عذاب پر رہائی مل جاتی ہے اور کبھی اہلِ دل کی ندامت و اشکباری جوان پر باعتبار تقرب الی اللہ کے نار متلظی یعنی شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے۔ وہ یہیں اس آگ میں جل کر تھوڑی دیر کے بعد نجات حاصل کر لیتے ہیں اور واللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پگھل کر آنسو نکلتے ہیں اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور نہیں تو اس کی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابر ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا۔ وہ جو کہتے ہیں۔ ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لے جاتا۔ اس آیت کا مفہوم مخالف ان کے سراسر مخالف ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

فائدہ: اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ الفاظ آیات کے ہر چند عام ہیں۔ کوئی اشقٰی ہو اور کوئی اتقٰی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر شقاوت و سعادت کا نقشہ کھینچا ہے اور کتابِ آسمانی میں ایسا ہی ہونا بھی چاہیے مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی اشقٰی و اتقٰی کے افراد موجود تھے اور گو ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا اور لینا بھی نہیں چاہیے تھا۔ مگر ان پر رکھ کر عموماً کلام کیا گیا۔ اس لیے ان اشقٰی و اتقٰی سے ضرور اس وقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا اور اسی بات کو بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے اور اسی لیے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں جہاں کہیں کافر یا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابوجہل لے لیا یا جہاں کہیں کسی کے صفاتِ حمیدہ مذکور ہوئے۔ ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں اہلِ سعادت و شقاوت کے واقعات یا ان کے حالات اور مآل کار بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے حضراتِ اہل بیت اور ان کے مخالفین جن کو کہ انہوں نے مخالف بنا رکھا ہے مراد لیے ہیں۔ گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے اور دب دب کر معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کی مدح اور ان کے مخالفوں کی قدح کرتا ہے۔ صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ نہ آنحضرت ﷺ اور کسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسائل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب و ملت یا اصول دین[1] بنائے گئے ہیں۔ وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے۔ اینچ تان کر ثابت کئے جاتے ہیں اور دور دراز کار تاویلات کی جاتی ہیں اور شیعہ پر کیا موقوف ہے۔ ہر ایک فریق کا کم و بیش یہی حال ہے جن کو مذاقِ تصوف ہے وہ ہر آیات میں توحیدِ وجودی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح اور نفس اور قرب و بُعدِ مقامات پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں بھی قرآن مجید میں بزرگانِ دین' صحابہ و اہلِ بیت کی جانفشانیوں کی مدح نہیں یا روح و نفس اور مقامات و احوال و مواجید و اشواق کی طرف ایماء نہیں۔ ضرور ہے مگر نہ ہر جگہ۔ اب انہیں آیات میں ضرور اتقٰی اور اشقٰی سے اس وقت کے بعض اشخاص

---

[1] اس میں اشارہ ہے کہ دراصل جو اصول دین ہیں وہ تو صاف صاف قرآن سے ثابت ہیں مگر وہ جو بعد میں باہمی مخالفت اور فرعیات میں نزاع قائم ہونے سے ہر ایک متعصب نے اصولِ دین بنائے ہیں جیسا کہ شیعہ کا مسئلہ امامت' وہ قرآن سے ثابت نہیں۔ ۱۲ منہ

کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے قرائن کا محتاج ہے اور تعین کرنا ایک ظنی بات ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اتقی سے حضرت صدیق اکبر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ کس لیے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اس وقت مسلمانوں میں یؤتی مالہ یتزکی وما لاحد عندہ من نعمة تجزی کا مصداق اگر کوئی اور بھی فرض کیا جاوے گا تو ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں نکلے گا۔ اول تو اس وقت کوئی مسلمان مالدار ہی نہ تھا بجز ان کے نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور پھر انہیں حضرت کا مال اللہ کی رضامندی میں بے دریغ صرف ہوا کرتا تھا۔ انہیں نے بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ باخدا مسلمانوں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مال و جان نثار کرنے والے یارِ غار تھے۔ اسی لیے ان کے فضائل انہیں کے ہمعصر صحابہ میں مسلم الکل تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

(سورۃ الضحٰی مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥

قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جبکہ چھا جاوے (اے نبی!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے اور نہ وہ بیزار ہی ہوا ہے اور آپ کے لیے دنیا سے آخرت کہیں بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جاویں گے۔

ترکیب | والضحٰی الواو للقسم وھو اول النھار اذا تجلی وارتفعت الشمس وقیل المراد بہ النھار کلہ مجازا من اطلاق الجزء وارادۃ الکل بدلیل مقابلتہ باللیل اذا سجیٰ واللیل عطف علیہ اذا العامل فیہ معنی القسم سجی ای سکن قالہ قتادہ ومجاھد وابن زید وعکرمۃ وغیرھم یقال لیلۃ ساجیۃ ای ساکنۃ ویقال سجا الشیء یسجو سجوًا اذا سکن وعن ابن الاعرابی سجی امتد ظلامہ وقال الاصمعی سجو اللیل تغطیۃ النھار ما ودعک الخ ھذا جواب القسم قرء الجمھور بتشدید الدال من التودیع وقری بتخفیفھا من قولھم ودعہ ترکہ وما قلی عطف علیٰ ما ودعک والقلاء البغض یقال قلاہ یقلیہ قلاً ولم یقل ما قلاک لموافقۃ روس الآی وللاخرۃ اللام جواب قسم محذوف۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں گیارہ آیت ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابی الحسن مقری سے ایک روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے قرآن عکرمہ بن سلیمان کے سامنے پڑھا اور اس نے خبر دی کہ میں نے اسماعیل بن قسطنطین اور سہل بن عباد کے سامنے پڑھا۔ جب میں والضحیٰ تک پہنچا تو ان دونوں نے فرمایا، تکبیر کہہ اخیر تک یعنی والناس تک ہر سورہ کے بعد تکبیر کہہ اخیر تک کیونکہ ہم نے ابن کثیر کے سامنے قرآن پڑھا۔ اس نے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھا تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔

یہ روایت ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزی سے ہے جو قرأت کے امام تھے مگر فن حدیث میں ابو حاتم رازی ان کو ضعیف جانتے ہیں لیکن اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین ابو شامہ شاطبیہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ

انہوں نے کسی کو نماز میں اس سورہ کے بعد تکبیر پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بہت خوب کیا۔ یہ سنت ہے۔

شانِ نزول: پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے لے کر اخیر تک جس سورہ کو تمام کرے تو اللہ اکبر کہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ وجہ اس کی علماء نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مدت تک آپ کو وحی آنی بند ہو گئی تھی۔ پھر جب شروع ہوئی تو یہی سورہ والضحیٰ نازل ہوئی جس کی خوشی میں آپ نے تکبیر پڑھی۔ اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مگر بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ابی حاتم و ابن جریر و امام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہو گئے تھے۔ ایک یا دو رات اٹھے نہیں۔ ایک عورت نے آ کر کہا کہ اے محمد (ﷺ) میں تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی۔ کیا تجھے چھوڑ دیا۔ تب یہ سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا۔ تب ان کے قول رد کرنے کے لیے کہ اس نے ہرگز نہیں چھوڑا۔ یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہی اس کا شانِ نزول ہے۔

فائدہ: ابن اسحاق وغیرہ سلف سے منقول ہے کہ وہ جو سورہ نجم میں مذکورہ تھا کہ دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحی (یعنی ہم نے اپنے بندے کی طرف جبکہ بہت ہی قریب ہو گیا تھا وحی کی جو کچھ کہ وحی کی) اس میں یہی سورہ والضحیٰ وحی کی تھی۔ خلاصہ یہ ہے:

چند روزہ وحی کے بند ہو جانے سے جس کو فقراء کے نزدیک قبض کہتے ہیں اور اسی کو کبھی ضلال بھی کہتے ہیں۔ ایک عجیب حالتِ رنج و غم کی آنحضرت ﷺ پر گزری تھی جس پر کفار کو محبوبِ حقیقی کی ناراضی اور جدائی کے طعنہ دینے کا موقع ملا۔ اس پر دریائے رحمت جوش زن ہوا اور یہ سورہ نازل ہوئی جس میں اس طعنہ کا رد اور آنحضرت ﷺ کے محامد اور آئندہ کے لیے تسلی اور قربِ روز افزوں کے وعدہ کا مژدہ ہے۔

فقال۔ والضحیٰ والیل اذا سجی کہ قسم ہے روزِ روشن یا وقتِ چاشت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور پھیل پڑے۔ وقتِ چاشت کو (جبکہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے۔ رات کی کوئی مخفی چیز جو اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی تھی، مخفی نہیں رہتی۔) تقربِ الٰہی اور نزولِ وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے کیونکہ اس وقت حجابِ ظلمانی دور ہو جاتے ہیں اور حقیقتِ الٰہی اور حقیقتِ کونی کا ظہورِ کلی ہوتا ہے اور عالمِ ملکوت کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور رات کو قبض و انقطاعِ وحی کے زمانہ سے کمال مشابہت ہے کیونکہ اس وقت ایک قسم کی ظلمت ہوتی ہے اور نیز روزِ روشن کو فرحت و سرور سے اور رات کو رنج و غم سے مشابہت ہے۔ اس لیے والضحٰی کے مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایامِ غم ہجر و انقطاعِ وحی تمام ہو چکے۔ اب روز فرح و سرود تتابعِ وحی کا وقت آ گیا۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے۔

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

رات جب چھا جاتی ہے اور اس کی ظلمت عالم پر طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت کوئی روشنی نہیں ہوتی اور ایسے ہی موقع پر رات کا چھا جانا مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے زمانۂ جاہلیت کی طرف اور ضحیٰ سے زمانۂ آفتابِ نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جلوہ گر ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے اول نہ تھا اور آپ کے بعد پھر رات پھیل گئی مگر آفتاب کا خلیفہ قمرِ خلافت مدتوں تاباں رہا اور اس کے بعد پھر تاریکی چھا گئی کہ جس میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے اور ہر ایک فریق دلائل کے چراغوں اور مشعلوں سے استعانت کرتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مذاہب مجتہدین و طرقِ اولیاء اللہ اس نور میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ وقتِ

چاشت سے اس نورِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو قلبِ محمدی علیہ السلام پر جلوہ گر تھا اور شب سے اس ظلمتِ انسانیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو نفوس وارواح پر طاری ہوا کرتی ہے۔ نور اللہ قلوبنا بنورِ محمد ﷺ۔

فائدہ: وہ ضحیٰ کہ جس کی قسم ہے بظاہر عام ہے مگر بعض نے خاص مراد لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق ؒ فرماتے ہیں کہ اس ضحیٰ سے وہ ضحیٰ مراد ہے کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تھا اور رات سے لیلۃ المعراج مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ قلوبِ عارفین کا نور اور لیل قلوبِ کافرین کی ظلمت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آپ کا چہرۂ منور اور لیل موئے مبارک۔ بعض کہتے ہیں ضحیٰ آنحضرت ﷺ کا ظاہر حال جو سب پر روشن ہے اور لیل آپ کے اسرارِ روحانیہ کہ جن کو بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ اسلام کی ترقی کا زمانہ اور لیل اس کا تنزل۔

چونکہ الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے۔ ہر ایک احتمال کی گنجایش ہے اور یہ بڑا معجزہ ہے۔

سوال: اس جگہ دن کو قسم کھانے میں مقدم اور رات کو مؤخر کیا اور پہلی سورۃ میں برعکس کیا تھا۔ اس کا کیا سبب؟ جواب: علماءِ کرام نے اس کے جواب میں نہایت بے بہا موتیوں کی لڑیاں پروئی ہیں مگر سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے۔

(۱) یہ کہ پہلی سورۃ میں صدیق اکبر ؓ کے فضائل تھے۔ اس لیے اس کو سورۃ ابی بکر بھی کہتے ہیں اور اس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے فضائل مذکور ہیں۔ اس لیے اس کو سورۃ النبی ﷺ کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر ؓ کے کمالات وانوار جو کچھ تھے وہ آفتابِ نبوت کا عکس تھا ورنہ اسلام سے پہلے یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ وہی اندھیرا ان پر بھی طاری تھا جو عموماً تمام عرب کیا تمام دنیا پر طاری تھا اور آنحضرت ﷺ بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ ہی سے باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے سورۃ ابی بکر میں رات کو قسم کھانے میں مقدم کیا اور اس سورۃ میں دن کو تاکہ معلوم ہو کہ نورِ صدیقی کے پہلے رات تھی اور نورِ محمدی ابتدا ہی سے نور ہے۔

(۲) یہ کہ پہلی سورۃ میں رات کا اول ذکر کرنا اور اس سورۃ میں دن کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت سے ترقی کر کے محمدیت کا مرتبہ ہے اور نیز جس طرح دن کے بعد رات ہوتی ہے۔ اسی طرح محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت ہی باقی رہ جایا کرتی ہے ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جویم جز گلاب

اور یہ ان دونوں حضرات میں کمالِ اتحاد و وصلت کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رفاقت ہر معرکہ میں شرکت تھی اور مرنے کے بعد بھی اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو ایک روضۂ منورہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔

(۳) یہ کہ رات اور دن اس کے عجائبِ قدرت کی دلیل ہیں۔ کبھی دن کی قسم کو مقدم کر دیا اور کبھی رات کی قسم کو مقدم کر دیا لیکن دن کے اس جگہ مقدم کرنے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ کافر جو تجھ کو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہو گیا اور تجھے چھوڑ دیا حالانکہ اور مطاعن سے یہ مفارقتِ محبوب کا طعنہ آنحضرت ﷺ پر تو جس قدر شاق گزرتا ہو گا اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت ﷺ سے کمتر درجہ کے لوگ یعنی عارفانِ طریق بھی اس مفارقت کو عذابِ عظیم سے بڑھ کر تصور کرتے ہیں اور جب دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں۔

خلاص حافظ زان زلف تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

سو یہ تکلیف تو آپ کو دن ہی میں ہوتی تھی اور رات کا وقت تو آپ کا سراسر اطمینانِ قلبی اور یادِ حق اور انسِ حقیقی کا وقت ہوتا تھا جس میں آپ کو مواصلاتِ تامہ میسر آتی تھی۔

(۴) یہ کہ یہ جو آپ کو طعنہ دیتے ہیں کہ تجھے چھوڑ دیا، اندھے ہیں جن کو دوپہر میں بھی آفتاب نظر نہیں آتا اور پھر رات تو رات ہی ہے۔ آپ ان کے کہنے کی کچھ بھی پروانہ کریں۔

(۵) یہ ہے کہ جس طرح آفتاب روشن ہونے کے بعد تاریکی ہوتی ہے مگر اس کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے۔ دہر ایک وطیرہ پر نہیں رہتا۔ اسی طرح جو اس دہر میں ہیں۔ ان پر بھی ویسے تغیرات ہوں تو کیا تعجب ہے۔ عارف کی یکساں حالت نہیں رہتی۔ کبھی آفتابِ غیب اور خورشیدِ جمالِ حقیقی ایسا جلوہ گر ہوتا ہے کہ اس کی دوپہر ہوتی ہے۔ جہاں ظلمت بہیمیہ کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا اور پھر کبھی انسانیت کی تاریکی اور مادیت کی رات بھی چھا جاتی ہے مگر اس رات کے بعد پھر آفتابِ معنوی جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایسی جزرومد سے یہ خیال کر لینا کہ ان کو وہاں سے دوری ہوگئی، انہیں کا کام ہے جن پر سدا بشریت کی رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے اور یہ تفاوت ایک لذت رکھتا ہے۔ کس لیے کہ ہجر کے بعد وصال ایسا ہی مزہ دیتا ہے جیسا کہ اہلِ جہان کے لیے رات کے بعد آفتاب کا جلوہ گر ہونا مسرت بخشتا ہے مگر یہ کور باطن اس مزے کو کیا جانیں۔ جس مصلحت سے چندروز وحی بند ہوئی ہے۔ اس کی حقیقت سے یہ کیا واقف؟

پھر اس بات میں کیا لطیفہ ہے کہ تمام دن کی قسم نہیں کھائی صرف وقتِ چاشت کی برخلاف رات کے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں کی بلکہ عموم سمجھا گیا؟

وہ لطیفہ یہ ہے کہ وقتِ چاشت فرحت وسرور کا وقت ہوتا ہے اور رات غموم وہموم کا وقت ہے یا یوں کہو کہ یہ وقتِ چاشت تمام حیوانات کی بیداری کا وقت ہے۔ کس لیے کہ دن چڑھے تو بڑے عیاش اور منحوس بھی جاگ اٹھتے ہیں اور تمام رات نینداور غفلت کا وقت ہے جو موت سے مشابہ ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ انسان کی فرحت اور اس کا سرور بہ نسبت غموم وہموم کے بہت ہی کم ہے یا اس کی دنیاوی ہستی کا زمانہ اس کے نیست کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ پھر اتنی سی خوشی اور ایسی حیاتِ سریع الزوال پر یہ غرور یہ گمراہی۔

فائدہ: ضحٰی یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں کوئی نماز فریضہ نہیں۔ کس لیے کہ یہ کام کاج کا وقت ہے لیکن آخرت کے لیے اس وقت بھی چندنوافل پڑھنا ایسا ہی مسنون ہے کہ جیسا رات میں تہجد یا اس سے کسی قدر کم۔ نمازِ چاشت کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں۔ اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں اور اہل اللہ کا دستورِ قدیم ہے اور اہلِ بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر وتنگدستی سے دور رہنا چاہے تو نمازِ چاشت پڑھے اور اگر گور کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نمازِ تہجد پڑھا کرے۔

اب وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کی صداقت کے لیے دن اور رات کی قسم کھائی ہے۔ فقال ماودعك [1] ربك وما قلیٰ کہ نہ تمہارے رب نے اے محمد (ﷺ) تمہیں رخصت کیا ہے اور نہ تمہارا پروردگار تم سے ناخوش ہوا ہے یعنی یہ جو چندروز کسی مصلحت سے وحی بند ہوگئی اس لیے نہیں کہ تمہارے رب یعنی پرورش کرنے والے کی پرورش میں کچھ قصور یا تمہاری حالت میں کچھ فتور آ گیا ہو بلکہ عنقریب پھر وہی آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتابِ ظاہری جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اب جلد وصالِ دائمی اور قربِ روز افزوں آپ کو میسر آئے گا۔ اس لیے فرماتا ہے۔ وللاخرۃ خیر لك من الاولیٰ کہ تمہاری ہر پچھلی ساعت پہلی سے بہتر ہی بہتر ہے جو آج قرب وکمال ہے، کل اس سے زیادہ ہے اور جو صبح ہے شام اس سے زیادہ ہے اور ربوبیتِ تامہ کا بھی یہی مقتضٰی ہے کہ ہر آن اور ہر زمان پرورش کا سلسلہ جاری رہے۔ پرورشِ ظاہری سے تو اور بھی مستفید ہیں مگر پرورشِ باطنی اور جو تائیدِ الٰہی تمہارے لیے ہے کہ بغیر کسی مرشد ومعلم کے خود حق سبحانہ نے تمہاری روح پر تجلی فرمائی اور اپنے نورِ حقیقی سے منور کیا اور علمِ اولین وآخرین کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دیے وہ کم نہ ہوگی بلکہ اب یہ

[1] ودع تشدید سے ماخوذ ہے تودیع سے جس کے معنی ہیں رخصت کرنا یعنی چھوڑ دینا بوقتِ رخصت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

وصال علی الدوام ہوگا اور مراتبِ قرب میں آپ درجات طے کرتے جاویں گے اور دنیا سے اٹھنے کے وقت دنیا و مافیہا سے نفرتِ کلی اور عالمِ بالا کا شوق اور جذبہ بے حد مستولی ہوگا۔ چنانچہ بوقتِ اخیر آنحضرت ﷺ بار بار یہی فرماتے تھے۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ۔

اور اسی لیے واصلانِ حق کی اخیر عمر کا حصہ پہلی سے زیادہ تر متبرک سمجھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اول عمر میں کمالاتِ باطنیہ کی ترتیب ہوتی تھی تو اخیر میں کھلم کھلا۔ بعض علماء نے آخرت سے مراد دارِ آخرت اور اولیٰ سے دنیا لی ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے۔ کس لیے کہ دنیا آپ کے لیے تکالیف و شدائد کا گھر تھا۔ مہینوں سوکھے ٹکڑوں یا چند چھوہاروں اور پانی پر اوقات بسری کی ہے۔ دو وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا میسر نہیں آیا ہے۔ پھر نااہلوں کے ظلم و تعدی اور اصلاحِ عالم کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ مخالف خون بہا رہے ہیں تو آپ دعا کر رہے ہیں۔ کسی سے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیا۔ کسی سے اپنے دنیاوی حقوق کا مطالبہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی عیش و نشاط کا سامان نہ بہم پہنچایا۔ وہ خدائے پاک کے نورِ مجسم جن پر ہماری روح فدا ہو رات دن ہماری فکر میں رہ کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہمارے لیے تجویز کرتے رہے۔ آخرت میں آپ کے لیے نعیمِ بے حد اور سرورِ سرمد ہے بلکہ وہ اس جہان کے سلطان اور حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی کے مالک اور تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت ابوالقاسم ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

دوم آپ کی سیادتِ کبریٰ اور سلطنتِ عظمیٰ کا ظہورِ کلی دارِ آخرت ہی میں ہوگا۔ مرنے کے بعد ہر مومن پر روحِ پاک کی تجلی اور نورِ پُر سرور کا جلوہ ہوگا اور ہوتا ہے اور یہی جلوہ نجات کا باعث ہے اور میدانِ حشر میں تاجِ کرامت آپ کے سر مبارک پر رکھ کر مقامِ محمود میں کھڑے کیے جاویں گے اور تمام انبیاء و اولیاء و اولین و آخرین کی نگاہیں اس روز آپ ہی کی طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ آپ ہی شفاعت کریں گے جس طرح شفیق ماں اپنے گم شدہ بچوں کو ڈھونڈھتی پھرا کرتی ہے۔ آپ امت کے مجھ جیسے روسیاہوں، گنہگاروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے ربِ کریم کے سامنے لے جا کر بخشوائیں گے۔ آپ کا حوضِ کوثر تشنگانِ میدانِ حشر کو سیراب کرے گا۔ آپ کا سایہ امت کو جگہ دے گا۔ (اے میرے آقا روحی فداک میں بھی حضور کا ادنیٰ غلام ہوں۔ میں بھی اس فیضِ عام سے فیضیاب ہوں۔ آپ کے غبارِ پاک کے قربان محروم نہ کیا جاؤں۔ ننگِ امت ہی سہی پر آپ کا نام لیوا تو ہوں۔)

اور چونکہ کفار نے آنحضرت ﷺ کی دل شکنی کی تھی تو حق سبحانہ آپ کو خلعتِ عز و امتیاز عطا کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملازم خاص پر عنایت فرما کر کوئی معزز عہدہ عطا کرے اور وہ کمال جد و جہد سے اس خدمت کو ادا کر رہا ہو لیکن حاسدانِ بد اندیش محض اس کی دل شکنی کے لیے جھوٹی خبریں اڑائیں اور بدنام کریں کہ بادشاہ نے اس سے یہ خدمت چھین لی اور نظروں سے گرا دیا تو ایسے موقع پر بادشاہ لوگوں میں عزت و امتیاز کے لیے اور ان کے مخالفین کی باتوں کو غلط کرنے کے لیے اس معزز ملازم کو خلعت و عطیات سے سرفرازی بخشا کرتا ہے اور آئندہ ترقیوں کے لیے وعدہ فرمایا کرتا ہے تاکہ نہایت ہمت و کوشش سے اپنی خدمت کو ادا کرتا رہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو مشرف فرماتا ہے۔ فقال ولسوف يعطيك ربك فترضیٰ کہ تمہیں تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ یہ بڑا وسیع وعدہ اور نہایت گراں بہا خلعت ہے۔ کس لیے کہ ایسے وعدوں میں دو باتوں کی طرف نظر کی جایا کرتی ہے۔ اول وعدہ دینے والے کی طرف۔ کس لیے کہ اگر تنگ حوصلہ یا کم مایہ کسی کو ایسا وسیع وعدہ دے تو وہ بلحاظ اس کی مقدرت و حوصلہ کے ایک معمولی وعدہ بلکہ اس سے بھی کم سمجھا جاوے گا۔ مخاطب خیال کر سکتا ہے کہ یہ کیا مجھے کوئی جاگیر یا ملک دے گا۔ یہی دو چار روپے پیسے اور اگر کوئی شہنشاہ بلند حوصلہ ایسی بات کہے تو ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی جاگیر یا ملک عطا ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے وعدہ ہو اس کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرومایہ شخص ہے تو اس کی قابلیت اور حوصلہ کے موافق عطیہ خیال کیا جاوے گا اور اگر بڑا شخص اور بلند حوصلہ ہے تو اسی کے موافق عطیہ متصور ہوگا۔

اب اس مقام پر وعدہ دینے والا تو خدائے تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں دارین ہیں اور اس کی بلند حوصلگی لفظ رب سے ظاہر ہے جو

تمام مخلوق کو بلا امتیاز مومن و کافر مطیع و عاصی ہر وقت پرورش کر رہا ہے اور ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرے گا۔ اور جس کی نسبت وعدہ ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ ہیں جو حق سبحانہ کا دنیا میں ظل ہیں اور بلند حوصلگی آپ کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے دشمن کو سرد پانی بھی دینا گوارا نہیں کرتا۔ آپ ان کو سلطنتِ جاودانی اور ملکِ کامرانی دیتے ہیں۔ پھر اب اس وعدہ کی وسعت کو غور کر لیجئے کہ کیا کیا دیں گے جو کچھ آپ کو کمالاتِ جسمانی سے لے کر کمالاتِ اخلاقی و روحانی عطا ہوئے اور جو کچھ شرف و امتیاز دوسرے جہان میں عطا ہوں گے۔ اگر ان کو بیان کیا جاوے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماویں اور حق سبحانہ نے فقیر کو توفیق دی تو خاص اسی آیت کی تفسیر میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر آنحضرت ﷺ کے عطیات و کمالات کا کچھ نمونہ دکھائے گا مگر ادنیٰ بات اس وعدہ کی وسعت کی جو آنحضرت ﷺ کی بلند حوصلگی کی ایک دلیل ہے۔ یہ بات ہے کہ اس جملہ کو سن کر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں کبھی راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک شخص بھی جہنم میں رہے گا۔ اخرجہ الخطیب فی التلخیص۔ ویؤیدہ مافی صحیح مسلم۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۞ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

ع ۱۸

کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر جگہ دی اور اس نے تمہیں حیران پایا پھر تمہاری رہنمائی کی اور اس نے آپ کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا۔ پھر یتیم [1] کو دبایا نہ کرو اور سائل کو جھڑکا نہ کرو اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کرتے رہا کرو۔

ترکیب: الم یجدك ھذا شروع فیما انعم اللہ علیہ والھمزۃ لانکار النفی وتقریر المنفی فکانہ قال قد وجدک یتیما والوجود بمعنی العلم۔ فآوی قرء الجمھور بالالف بعد الھمزۃ رباعیا من آواہ یؤیہ وقری ثلاثیا وھو اما بمعنی الرباعی او ھو من آوی لہ اذا رحمہ ووجدك ضالا فھدی معطوف علی المضارع المنفی وقیل علی ما یقتضیہ الکلام السابق والضلال ھھنا بمعنی الغفلۃ کما قال الزجاج ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولا یضل ربی ولا ینسیٰ وقولہ تعالیٰ ان تضل احدا ھما فتذکر احدا ھما الاخریٰ وقیل من الطلب والمحبۃ کقولہ تعالیٰ انك لفی ضلالك القدیم ووجدك عائلا الخ معطوف علی الکلام السابق یقال عال الرجل یعیل عیلۃ اذا افتقر اما الیتیم منصوب بتقھر قریٰ بالکاف۔ والعرب تعاقب بین القاف والکاف وقیل القھر الغلبۃ والکھر الزجر قال ابوحیان ھی نعمۃ واما السائل منصوب بتقھر والتقدیر مہما یکن شیء فھر الیتیم فلا بتقھر السائل واما بنعمۃ ربك فحدث قیل المراد بالنعمۃ النبوۃ وقیل عام والتحدث الابلاغ والاظہار اوالشکر الجار والمجرور متعلق بحدث والفاء غیر مانعۃ من ذلک لانھا کالزائدۃ قال الکرخی۔

تفسیر: پہلے فرما دیا ہے کہ ہم آپ کو اس قدر دیں گے کہ آپ راضی ہو جاویں گے۔ اب اس قول کی تائید و صداقت یا اطمینانِ قلبی کے لیے آنحضرت ﷺ کے چند گزشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرماتا ہے جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایتیں ہوئیں اور ان مواقع میں کیا کیا عطا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف کے تین حال ہیں۔ (اول) لڑکپن بلوغ کی حد تک کی عمر سو اس عمر میں آپ یتیم تھے۔ آپ پر کیا بے کسی تھی مگر حق سبحانہ نے کیا کیا انعام و اکرام کئے۔ اس لیے اس پہلی حالت کی بابت فرماتا ہے۔ الم یجدك یتیما فآوی کہ

[1] وہ نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ ۱۲ منہ

کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر تم کو جگہ دی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حمل میں تھے کہ حضور ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی۔ پھر حق سبحانہ نے یہ انعام کیا کہ آپ کے جدّ امجد عبدالمطلب کو آپ پر مہربان کر دیا۔ ایسا کہ آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے۔ حالانکہ عبدالمطلب کثیر الاولاد تھے اور حال یہ تھا کہ جب حضرت ﷺ چھ برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ اب نہ ماں ہے نہ باپ صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبدالمطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے۔ جب آٹھ برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی چل بسے۔ اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگران کی جگہ حضرت کے چچا ابو طالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا۔ یہ یتیمی کا زمانہ اس طور سے گزرا۔ اب بالغ ہوئے۔ یہ دوسرا حصہ عمر کا شروع ہوتا ہے۔ اس میں جوانی کی امنگیں اور نوخیز شباب کے ولولے بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔ ہر چند آپ مادر زاد نبی تھے اور طفولیت ہی میں رئیس الموحدین تھے۔ خدا پرستی مکارمِ اخلاق آپ کا شیوہ تھا مگر ہنوز مراتبِ قرب اور محبت کی سنگلاخ گھاٹیوں اور نیز وحی اور شریعتِ اسلام کی حقیقت سے جو آپ کو بعد میں الہام ہوئی ناواقف تھے۔ اس کوچہ سے بھولے ہوئے تھے اور حیران و طالب تھے لیکن حق سبحانہ نے رہنمائی کی۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں ایماء کرتا ہے۔ ووجدك ضالا فھدٰی کہ ہم نے تمہیں بھولا ہوا یا طالب پایا کہ پھر تمہیں رہنمائی کی۔ جیسا کہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان الآیہ۔ آپ عبادت کرتے تھے مگر یہ تعدادِ رکعات اور اس کے آداب وقوانین نہ جانتے تھے۔ ناپاکی سے دور رہتے تھے۔ ہاتھ پاؤں دھولیا کرتے تھے مگر وضو اور غسل کے دستورات نہ جانتے تھے۔ خیرات کرتے اور اس کی تاکید کرتے تھے مگر اس کے مصارف اور مقدارِ زکوٰۃ اور اس کے دیگر دستورات سے واقف نہ تھے۔ اسی طرح ایک محبتِ الٰہی کا جذبہ تھا اور دل میں ایک آتشِ عشق شعلہ مارتی تھی مگر اس کی ترقی اور اس کے قوانین سے واقف نہ تھے۔ اس حالت کو ضلال سے تعبیر کیا جو ان کی ہدایت سے بڑھ کر تھی۔ مفسرین نے ضلال کے چند معنی بیان فرمائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ضلال سے مراد رستہ بھولنا ہے جو آپ شام کے سفر میں بھول گئے تھے۔ بعض نے کہا حلیمہ سعدیہ کے ہاں ایک بار جنگل میں گم ہو گئے تھے۔ بعض نے کہا کہ مکہ میں رہا کرتے تھے تب رستہ بھول گئے تھے۔ ابوجہل جا رہا تھا۔ آپ کو اٹھا کر اپنے پیچھے سوار کر کے اونٹنی کو ایڑ ماری تو نہ اٹھ سکی۔ ہر چند مارتا تھا مگر وہ جنبش بھی نہ کرتی تھی۔ آخر ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تو نادان ہے۔ جہاں کے سردار کو پیچھے سوار کرتا ہے اور آپ آگے ہوتا ہے۔ یہ آگے ہونے کے قابل ہے۔ تب آپ کو آگے بٹھایا۔ جب اونٹنی چلی۔ آ کر عبدالمطلب سے کہا کہ یہ تیرا بچہ دیکھئے کیا کیا گل کھلاتا ہے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بعض نے کہا وہ ضلال محبت کی بے تابی ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی اور اسی لیے بیٹوں نے بھی کہا تھا انك لفی ضلالك القدیم حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور کسی گمراہی میں نہ تھے لیکن اس مقام پر ضلال سے مراد طلب اور حیرت ہے جو حضرت ﷺ پر طاری تھی۔

فائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک گمراہی سے پاک تھے۔ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک کوئی ناپاک دھبہ ان کے دامنِ عصمت پر نہیں لگا اور نہ لگنا چاہیے۔ کس لیے کہ جس نے ان کو نبی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا۔ وہ ان کی سیرت اور صورت اور اخلاق کو نفرت انگیز کیونکر ہونے دیتا جس میں سراسر مقصودِ الٰہی فوت ہو جاتا۔ بعض گمراہوں نے آنحضرت ﷺ کو گمراہ کہنے میں اس لفظ سے استدلال پکڑ کر بڑی جرأت کی ہے۔ اگر نادانستگی ہے تو خیر اور اگر متعصب عیسائیوں اور ہنود جیسا عناد اور آفتاب پر گردوغبار ڈالنا مقصود ہے تو بڑا کمینہ پن اور دارین کی روسیاہی ہے۔

تیسری حالت یا عمرِ شریف کا وہ حصہ ہے کہ جس میں عیالداری ہے۔ خصوصاً جبکہ آنحضرت ﷺ نے مکہ شہر میں نکاح کیا جہاں نہ زراعت تھی نہ صنعت نہ کوئی کارخانہ تجارت۔ اس وقت حق سبحانہ نے یہ احسان کیا کہ آپ کو غنی کر دیا۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں اشارہ

فرماتا ہے۔ووجدك عائلا فاغنی اور تم کو فقیر پایا تو غنی کر دیا۔حضرت ﷺ کی تنگ دستی تو ظاہر ہے مگر غنی کیونکر حاصل ہوئی۔اول تو اصل غنی دل کی غنا ہے۔سو یہ بات حضرت ﷺ کو بہت کچھ عطا کی اور دراصل جس کو غناءِ نفس حاصل نہیں۔گو کیسا ہی مالدار ہو مگر سخت محتاج ہے، مارا مارا پھرتا ہے، دل میں بے قراری ہے۔برخلاف غنائے نفس کے کہ اس کو اطمینان ہے۔ دوم حضرت کو خدیجہ ؓ بیوی ملی جس سے اعیانِ قریش نکاح کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کی طرف رغبت نہ کرتی تھیں۔آنحضرت ﷺ کو قبول کیا۔یہ بڑی مالدار تھیں اور آنحضرت ﷺ کی تابعدار بلکہ جاں نثار بھی تھیں۔

یعنی ہم اے نبی کریم ﷺ تمہاری گزشتہ عمر میں تم پر کیا کیا احسان کرتے رہے۔پھر اب آئندہ جو بیشمار عطیات کا وعدہ کرتے ہیں۔اس کو کیونکر نہ پورا کریں گے۔اب ان تینوں زمانہ کے انعامات کے شکریہ ادا کرنے کے لیے تین حکم صادر فرماتا ہے۔(۱) فاما الیتیم فلا تقھر کہ یتیم جو ہو سو اس پر ظلم نہ کرنا۔اپنے یتیمی کے زمانہ کو یاد کر لیا کرو۔آنحضرت ﷺ تو کسی یتیم کو کیا اور بھی کسی کو نہ دباتے تھے نہ کبھی دبایا نہ کسی پر سختی کی۔عرب میں اسلام سے پہلے جہالت اور سخت بدکاری کی کوئی حد نہ تھی۔خصوصاً یتیموں، بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کے لیے ان کا نقصان کر دینا کوئی بات نہ تھی۔اس لیے بظاہر تو نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے مگر معنی سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا' یہ لفظ عام ہے۔زبانی جھڑکنا سخت کلامی کرنا بری نگاہ سے دیکھنا اور اس کو مارنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا یا دغا فریب سے لے لینا سب قہر میں داخل ہے بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا' اس کے حالِ زار پر رحم نہ کھانا بھی قہر ہے۔عرب اس مرض میں مبتلا تھے اور نیز دفع مضرت' طلب منفعت سے مقدم ہے۔اس لیے یہ فرمایا کہ قہر نہ کرنا یوں نہ کہا کہ رحم کر اور یہ بھی نکتہ ہے کہ جب قہر نہیں تو خواہ مخواہ رحم ہی رحم ہے۔

پیغمبر خدا ﷺ بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنے کی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح رہے گا اور اپنی دونوں انگلیوں کی طرف ملا کر اشارہ فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے۔اسی طرح میرے ساتھ ہوگا۔یہ مضمون صحیح بخاری میں موجود ہے اور یتیم ہی پر موقوف نہیں۔ہر ضعیف دبے کس پر رحم کرنا اسلام اور اسلامیوں کا شیوہ ہے۔اب ان بیکسوں میں سے ایک سائل بھی ہے۔جب نہایت ذلیل وخوار حالت ہو جاتی ہے تب ہی شریف سوال کرتا ہے۔اس لیے فرماتا ہے واما السائل فلا تنھر اور جو کوئی سائل ہو اس کو نہ جھڑکو۔اگر اس کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کر دو بشرطیکہ ممنوع امر کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دو۔سائل کی دل شکنی نہ کرو اور دیگر طعنہ وتشنیع نہ کرو کہ ایسے دینے کا کچھ بھی ثواب نہیں۔یہ اس دوسری نعمت کے شکریہ میں ہے یعنی آپ کو تنگدستی کے بعد غنی کیا اپنے وقت کو نہ بھولو۔

آنحضرت ﷺ کی سخاوت اور مروت کی کچھ انتہا نہ تھی۔نہیں تو کہنا جانتے ہی نہ تھے۔آپ بھوکے ہیں سائل نے مانگا جو میسر آیا دے دیا۔ایک بار بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔بانٹ کر خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ایک بار ایک عورت نے ایک عمدہ چادر سی کر آپ کو بھیجی۔سائل نے مانگی اسی وقت اتار دی۔کبھی گھر میں مال وزر کچھ بھی نہیں رکھا۔اس کے سوائے اپنے پاس نہ ہوا تو قرض لے کر دیا یا اور سے فرمائش کر کے دلوا دیا۔یہاں تک کہ ایک بار ایک ہی کرتا تھا جسے پہنے ہوئے تھے۔کسی نے مانگا اتار دیا۔اب کوئی کپڑا نہیں جو پہن کر نماز پڑھانے آویں۔لوگ بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔اس بارے میں آخر آیت نازل ہوئی کہ ایسا ہاتھ نہ کھولو کہ تنگ ہو کر گھر میں بیٹھا رہنا پڑے۔

فائدہ: آیت میں سائل سے وہی سائل مراد ہیں جو حاجت مند ہو کر سوال کرتے تھے نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے بارہ مہینے گداگری کو پیشہ کر لیا ہے اور صحیح وتندرست ہیں۔کما سکتے ہیں مگر کہیں کوئی بہروپ بھر لیا ہے۔کہیں کوئی اور صورت بنالی ہے۔صدائیں اور اشعار یاد کر لیے ہیں اور ہٹے کٹے ہیں۔پھر ایک نہیں دو دو چار چار جماعت بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور تکیوں میں بیٹھ کر مسکرات پیتے ہیں، بھنگ گھوٹتے ہیں۔

چرس کے دم لگاتے ہیں۔ نہ نماز ہے نہ روزہ اور اسی کو فقیری اور وصول الی اللہ اور معرفت وحقیقت کی روح جانتے ہیں اور پھر مانگتے کیا ہیں۔ گویا شاہی حکمنامہ ساتھ لے کر چلتے ہیں، اڑتے ہیں تو لیے بغیر ٹلتے نہیں اور پھر کیا کیا آوازہ کستے ہیں۔ ایسا سوال حرام ہے اور ایسے سائل عرب میں نہ تھے اور جو کوئی تھا بھی تو شریعت نے منع کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا، درے مارے ہیں۔ یہ بے حیائی کا پیشہ جیسا ہندوستان میں ہے شاید کہیں اور بھی ہو۔ اس نے صد ہا لوگوں کو بیکار اور نکما کر دیا۔ حاجت مندوں کا حق تلف کرادیا۔ ایسے لوگوں کو دینا اور جو دراصل حاجت مند ہیں اور شرم کے مارے سوال نہیں کرتے، ان کو نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اگر اس وقت کے مسلمانوں کی سخاوت قانونِ محمدی کے موافق ہوتی تو بہت کچھ نفع ہوتا۔ یہ بھی جہل کا کرشمہ ہے۔

فائدہ: آیت میں ایک لطیفہ ہے۔ سائل کے لیے لفظ تنھر ایک عجیب لطف عربی زبان دانوں کو دے رہا ہے کیونکہ سائل سے سیلان اور تنھر سے نہر سمجھا جاتا ہے جس کو سیلان ہوتا ہے۔ سائل سے وہ سائل بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسائل پوچھے۔ اس کو بھی جھڑکنا نہ چاہیے۔ یہ آدابِ تعلیم ارشاد ہوا ہے۔

اب اس تیسری نعمت کے مقابلہ میں یعنی ہدایت وارشاد کے مقابلہ میں یہ حکم ہوتا ہے واما بنعمۃ ربك فحدث اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو۔ نعمت کا لفظ عام ہے۔ کوئی بھی نعمت ہو اور بیان کرنے سے وہ بیان کرنا مقصود ہے جس میں تعلّی اور استکبار یا ریا کاری نہ ہو بلکہ اوروں کو حق سبحانہ کی عطاء وجود کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو۔

بعض علماء نے بقرینہ فھدٰی نعمت سے مراد نبوت وہدایت لی ہے اور دراصل یہ بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور اس کے بیان کرنے سے بندوں میں اس کا اظہار اور ابلاغ اور گمراہوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں جو کچھ روحانی برکات ہیں وہ تو ہیں ہی مگر امورِ معاش میں بھی ایک ادنیٰ تاثیر یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو سات بار اس سورہ مبارکہ کو پڑھے۔ انگلی کے سرے کو سر کے اردگرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ پڑھ کر دستک دے تو وہ چیز مل جائے۔ روح جو اپنا عالمِ قدس کا آشیانہ کھو بیٹھی ہے۔ اس سے اس کا بھی جلد پتا مل جاتا ہے۔ اللہ اکبر۔

(سورہ انشراح مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ ع ۱۹

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا کہ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور کیا ہم نے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند نہیں کیا۔ پھر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوا کرو تو جھک پڑا کرو اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگالو۔

ترکیب: الم نشرح الخ الاستفہام تقریری والمعنی قد شرحنا لك صدرك ووضعنا عنك معطوف علی معنی ما تقدم وعنک متعلق بوضعنا و

تقدیمہ علی المفعول الصریح مع ان حقہ التاخر تعجیل المسرۃ والتشویق المؤخر الذی الخ وصف الوزر ودفعنا الخ معطوف علی السابق یسرا اسم ان مع العسر خبرھا والعسر فی الموضعین واحد لان المعرفۃ اذا اعیدت یراد بھا الاول والیسر غیر الاول ولذا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یغلب عسر یسرین ان اللہ یقول ان مع العسر یسرا الخ۔ اخرجہ عبدالرزاق وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان وغیرھم۔

تفسیر ۱ یہ سورۃ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ والضحیٰ سے ایسی ہے کہ بعض نے اس کو پہلی سورۃ کا جز سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ دونوں ایک سورۃ ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا یہی قول ہے لیکن دراصل یہ دونوں دو سورت ہیں۔ اس لیے کہ وہاں استفہام غائب کے صیغوں سے ہے جیسا کہ الم یجدک یتیما الخ اور یہاں متکلم کے صیغہ سے اور دونوں کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سورۃ کے مضامین سورہ والضحیٰ کے اخیر مضامین کا بقیہ ہیں اور آنحضرت ﷺ پر جو افضال الٰہی ہوئے ہیں۔ ان کی طرف چھوٹے چھوٹے جملوں میں اشارہ ہے اور بعد ان کے دو حکم مؤکد ہیں جو تکمیل و ترقی کے لیے دو رکن رکین ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے اندر خدائے پاک نے دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے تھے۔ ایک وہ کہ جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور دوسرے وہ کہ جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ کی ذاتِ پاک اور حق سبحانہ سے ہے۔ اول قسم کے کمالات میں سے وہ تین کمال سورہ والضحیٰ میں مذکور تھے (۱) یتیمی اور اس میں باوجود ایسے اسباب پیدا ہو جانے کے کہ کوئی سرپرست اور معلم نہ رہا تھا۔ پھر کمالاتِ ظاہری باطنی کی ایسے معلم نے تعلیم دی کہ انبیاءِ اولوالعزم اور حکماءِ باکمال سے صدہا منازل آگے بڑھ گئے۔ (دوم) ہدایت عطا کرنا اور صدہا اقسام ہیں اور دنیاوی تدابیر اگر موافق مصلحت اور مقتضی حال کے نہ ہوں تو گمراہی ہے۔ پھر ان میں سیدھی راہ کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ پھر دینی امور میں قوانینِ نوامیسیہ سے لے کر قوانینِ سیاسیہ تک راہِ راست سے افراط و تفریط ضلال ہے اور راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح اخلاق میں افراط و تفریط ضلال ہے۔ ان میں راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح قوائے انسانیہ کی تہذیب ہدایت ہے اور اس کے برخلاف ضلال ہے۔ اسی طرح مراتبِ قرب و منازل تقرب میں اوپر کے درجہ کی تعلیم ہدایت ہے اور اب یہ نیچا درجہ نقص و ضلال ہے۔

ان سب امور میں حق سبحانہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ہدایت کی۔ یہ کیسی نعمت و رحمت ہے۔ (۳) غنائے نفس اور غنائے مال جو ایک اور نعمت ہے۔ اس کا عطا کرنا بڑا احسان ہے کیونکہ ایسے مصلح قوم بنی آدم کے لیے اگر استغنا نہ ہو تو کوئی فائدہ مترتب نہ ہو۔ یہ تیسرا کمال تھا۔

شرحِ صدر کی شرح ۱ ان تینوں کمالات کے بعد اس سورہ میں تین وہ کمال بیان فرماتا ہے جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ اور حق سبحانہ کے مابین ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) شرحِ صدر: اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔ یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں تمام حقائقِ ملک و ملکوت لاہوت و جبروت منکشف ہو جاتے ہیں۔ زبان اسرارِ غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ عالمِ غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی۔ رب اشرح لی صدری کہا اے رب میرا سینہ کھول دے۔ یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوتِ کبریٰ کے لیے یہ مرتبہ اور یہ کمال ضروری تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس کمال کے حاصل ہونے کی استفہامِ تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے۔ کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا یعنی کھول دیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوتِ کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو۔ اس لیے سب سے اول اسی کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال الم نشرح لک صدرک کہ کیا ہم نے اے نبی (ﷺ) تیرا سینہ نہیں کھول دیا ضرور کھول دیا۔ یہ استفہامِ تقریری کامل ثبوت کا فائدہ دیا کرتا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ دوبار آنحضرت ﷺ کا سینہ فرشتوں نے چاک کر کے قلبِ مبارک کو نورانی طشت میں آبِ قدس سے دھویا۔ ایک بار لڑکپن میں جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے۔ دوبارہ جبکہ معراج کو تشریف عالمِ بالا کی طرف لے گئے۔ جمیع الواثِ بشریہ د

کدورات انسانیہ دھو دیے تھے۔ یہ اسی شرح صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں۔ ہمت عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لیے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں آپ انبساط قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔لك کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کے لیے شرح صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپ ہی کے واسطے۔

فائدہ: شرح صدر فرمایا شرح قلب نہ فرمایا۔ اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدر سینہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر قلب ہے۔ جب قلب کا قلعہ ہی درست کر دیا اور شیطان اور اس کے وسواس کی آمد و رفت بند کر دی ہو تو پھر قلب تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے۔ کس لیے کہ وہ تو سینہ میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ جیسا کہ جب کوئی شہر محفوظ کر دیا جاوے تو اس شہر میں جو مخصوص گھر ہے وہ بدرجۂ اول محفوظ ہوگا اور جب چور اس محفوظ گھر میں آنا چاہتا ہے تو اول اس شہر میں گھستا ہے، پھر جب کوئی رستہ پاتا ہے تو اس گھر میں بھی آ گھستا ہے اور ہموم و غموم دنیا کے زہریلے اثر اور حب الشہوات و حرص آرزوہائے دور دراز کے تلخ ثمر اور دار آخرت سے غفلت اور حق سبحانہ سے محجوبیت کے ظلمات ڈال جاتا ہے۔ پھر نہ کسی طاعت میں لذت نہ اسلام و ایمان میں حلاوت پاتا ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جب یہ شہر ہی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی روشنی تجلیات الٰہی کی ہوتی ہیں کہ کوئی چور و قزاق روحانی جذبات کے پاسبانوں کے سامنے آنے نہیں پاتا۔ تب عبادات و ریاضات میں حلاوت پاتا ہے۔ اس لیے شرح صدر فرمایا نہ شرح قلب۔

(۲) وزر کی تحقیق | اب دوسرے کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك کہ ہم نے تمہارے اس بوجھ کو کہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی تم سے اتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟ صحیح تربات یہی ہے کہ جس کی روح میں جو استعداد رکھی گئی ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا ایک جبلی بات ہے اور جب انسانی قویٰ اور اس کے اعضاء ان چیزوں کی برداشت نہیں کرتے اور ان استعدادات کے حاصل کرنے میں تائید نہیں کرتے تو وہ چیزیں کہ جن کا داعیہ اس کی روح کو ہے ایک بار گراں معلوم ہونے لگتی ہے اور بڑی کشمکش اور اضطراب میں پڑ جاتا ہے۔ یہ ہے بار گراں اور یہ ہر شخص پر اس کے روحانی حوصلے کے موافق کم و زیادہ ہوا کرتا ہے۔ چونکہ رسول کریم ﷺ کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرح صدر ہو چکی تھی تو آپ کے عزائم کا کیا انتہا اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے۔ نہ آپ کے قویٰ و جوارح ان کا تحمل کر سکتے تھے۔ یہ تھا وہ بوجھ بھاری کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ **پیشین گوئی:** مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یوں اتار دیا کہ اس کے سامان بہم پہنچا دیے اور قویٰ و جوارح میں طاقت دے دی یا سامان بہم پہنچانے کا یہ قوی وعدہ ہے۔ چونکہ یقینی ہے اس لیے اس آنے والی چیز کی ماضی کے صیغوں سے خبر دیتا ہے۔ یہ ایک قوی پیشین گوئی ہے جس کا تحقق بہت جلد ہوا۔

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ نبوت اور اس کے لوازمات کا بوجھ تھا کس لیے کہ آنحضرت ﷺ کا جب شرح صدر ہو چکا تھا اور تجلیات الٰہی و آفتاب ذات حق سبحانہ آپ کی روح پر جلوہ گر ہو چکا تھا تو آپ مقام شہود میں تھے۔ اس وقت سوائے خالق اکبر کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ مخلوق کا وجود ہی معدوم معلوم ہوتا تھا۔ پھر ان کے افعال خیر و شر کا تو کیا ذکر تھا۔ پھر کس کو کس بات سے منع کرتے اور کس کو کس بات کا حکم دیتے۔

بسا میری نظروں میں تو خوبرو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

پھر ایسے مستغرق الحال کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اعلیٰ مقام سے نیچے تنزل کرنا سخت بوجھ ہے۔ پھر اس بوجھ کو خدا پاک نے

یوں اتارا کہ مقامِ بقاء میں آپ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ کثرت وحدت کا حجاب نہ ہوئی عین تفصیل میں جمعیت کا مشاہدہ کرتے تھے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے سے شہود غائب نہیں ہوتا تھا۔ یہ انتہٰی درجہ کا کمال ہے جو انبیاءِ اولوالعزم کا حصۂ خاص ہے۔

بعض حضرات یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بوجھ بھاری جس نے کمر توڑ رکھی تھی وہ ہیولانیت اور امکان کا بوجھ تھا جو آپ کو اوپر نہ ابھرنے دیتا تھا اور عالمِ قدس کے لحوق سے مانع تھا۔ پھر جب اس کو خفیف کر دیا اور حدوث و امکان پر تقدس و وجوب کا پرتو اپڑ گیا تو وہ بوجھ اتر گیا اور باطناً آپ عالمِ قدس کے لوگوں میں داخل ہو گئے اور اسی لیے طرفۃ العین میں آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہی وہ رفعِ ذکر ہے جس کا ذکر آتا ہے

(۳) رفعِ ذکر کا بیان | ورفعنا لك ذكرك اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نامِ مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت ﷺ پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باستثنائے مواضع چند جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے۔ وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے۔ عالمِ غیب میں آپ سلطان ہیں۔ کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکرِ خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت ﷺ کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

اول کمرہ | اس رفعتِ ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکمِ اعلیٰ ہوں جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہِ عرب وعجم، روم، شام، ایران و ہندوغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیرِ مملکت اور قوانینِ جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں۔ کسی گوشہ میں مامون ہیں۔ کسی میں سلاطینِ سلجوقیہ ہیں۔ کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور صاحبقران ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نام آور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتبِ تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبانِ زد خلائق ہیں۔ ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور وہ ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذاتِ بابرکات محمد مصطفیٰ ﷺ۔

دوسرا کمرہ | پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استادِ زمانہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علومِ سیاست منزل تہذیب اخلاق و درستیِ آداب حاصل کر رہے ہیں۔ بوعلی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابوریحان بیرونی کھڑا ہے۔ کہیں ظہیر فارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں بصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء ہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استادِ کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ | تیسرے کمرہ میں قانونِ محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں۔ ہدایہ وغیرہ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجدِ قوانینِ سیاسیہ ونوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابوحنیفہ ہیں تو کہیں قاضی ابویوسف اور امام محمد اور امام مالک و امام شافعی حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین و ابن دقیق العید و تاج الدین سبکی وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھا کمرہ | چوتھے کمرہ میں ایک مفتیِ متبحر مسندِ افتا پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا۔ رواں ہیں۔ کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے۔ کہیں محدثین فخرِ روزگار فنونِ احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرینِ زمان قرآن مجید کے جلوہ میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں اور کہیں واقعاتِ قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور کہیں اہلِ دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظِ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائلِ فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیحِ قرأت کر رہے ہیں اور الفاظِ قرآنیہ کو انہیں لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ' حج وزکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملاتِ بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علمِ عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہا اور صفاتِ باری اور اس کے افعال اور وجودِ ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں۔ کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں، ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالاتِ جاہلانہ پر مبنی تھے اور کون سے من اللہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرارِ احکامِ الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علمِ زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتیِ متبحر وہی سرورِ کائنات ہیں۔ علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ | پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسندِ حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکامِ الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے۔ کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم وتعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو ولعب' ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں، مکاروں، فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے بازپرس ہو رہی ہے۔ یہ صاحبِ وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ﷺ ہیں۔

چھٹا کمرہ | چھٹے کمرے میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزت و وقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبرانِ ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں۔ پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ امرھم شوریٰ کا اشارہ کر کے کاروبارِ سلطنت کے لیے مدبرانِ قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکرِ جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔ واعدوا لھم ما استطعتم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامانِ حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور حکامانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکیدِ شدید کر رہے ہیں۔ کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت و وقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں' خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کس لیے کہ قیامِ سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش و نشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر

میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرمارہے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتواں کمرہ | ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دنیا و مافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمرِ گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں۔ کبھی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصاء ہے اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی انس ہے۔ ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق جوق آ کر مستفید ہوتے ہیں۔ پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد واشغال کی تعلیم ہے۔ کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے۔ نہ کسی امیر کی پروانہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا۔ یہ حضرت بھی وہی سرورِ کائنات ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

آٹھواں کمرہ | آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں ذات وصفات کے اسرار اور عالمِ ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں۔ حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے۔ فصوص الحکم وفتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جارہی ہیں۔ وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں کمرہ | نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثوابِ عظیم واجرِ جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذابِ قبر اور عذابِ جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرارہا ہے اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور حیاتِ جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر وبت پرست کفر وبت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جارہا ہے۔ مجلس میں آہ وبکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحمدل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ سست وغافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کنز سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرتِ واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسواں کمرہ | دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشدِ کامل صاحبِ طریقہ وصاحبِ دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے۔ طالبانِ خدا کا اس کے اردگرد ہجوم ہے۔ وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات واحوال اور مراتب ومناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات وتاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے۔ کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے۔ کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے۔ کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقاء کا۔ کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی وشبلی وسید عبدالقادر جیلانی وشیخ احمد بدوی ومعین الدین چشتی و نظام الدین محبوب الٰہی وشیخ شہاب الدین سہروردی وخواجہ بہاء الدین نقشبند وغیرہ اولیاءِ کرام حاضر ہیں۔ یہ مُرشدِ کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

گیارھواں کمرہ | گیارھویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے۔ ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے۔ وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

بارہواں کمرہ | بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحبِ کتاب نہایت عزوشان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب وداؤد وسلیمان وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام ان کے گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ﷺ ان کی شریعتوں میں اصلاح کررہے ہیں۔ کہیں ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں۔ کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سرِ نو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کررہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرحِ صدر اور یہ ہے وہ رفعِ ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اغر علیه للنبوة خاتم من الله مشهور یلوح ویشهد

وضم الا له اسم النبی مع اسمه اذقال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود و هذا محمد

چونکہ یہ رفعِ ذکر و شرحِ صدر و وضعِ وزر جو بڑی نعمت وسرورِ دائمی ہے۔ یوں ہی نہیں مل گئی ہے۔ اس کے لیے حضرت رسول کریم ﷺ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے فان مع العسر یسرا کہ بے شک ہر سختی کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ جب کوئی سختی اور مشقت کا بوجھ سر پر دھرتا ہے تو بہت دیر کے بعد نہیں بلکہ بہت جلد راحت بھی پاتا ہے۔ اسی لیے بعد کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ مع کا یعنی کچھ دیر نہیں۔ اس میں ایمانداروں کو ان کے مساعیِ جمیلہ پر دنیا و آخرت میں کامیابی کا پورا وعدہ ہے اور اسی لیے اس جملہ کو دوبارہ تاکید کے لیے فرمایا جاتا ہے۔ ان مع العسر یسرا کہ ضرور رنج کے بعد خوشی اور دکھ کے بعد سکھ ہے۔ صبر کا نتیجہ اچھا ہے۔ دنیا میں دیکھو جب کاشتکار زراعت کی مشقت اٹھاتا ہے تو غلہ پیدا ہونے کی خوشی دیکھتا ہے۔ علم میں اور کمالات حاصل کرنے میں جو مشقتیں اٹھاتے ہیں بہت جلد اپنی کوشش کے پھل پاتے ہیں۔ اسی طرح جو ایماندار نفس کو بدخواہشوں سے روکتے اور عبادت وفرائض کے ادا کرنے میں مشقت ومحنت اٹھاتے ہیں دنیا میں بھی ورنہ مرنے کے بعد جو بہت ہی قریب زمانہ ہے اور گویا ساتھ ہی لگا ہوا ہے، عمدہ پھل پاویں گے۔ اس میں سستوں اور کاہلوں، تن پروروں کو تنبیہ ہے کہ وہ کبھی سعادت کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

اس جملہ کے دوبارہ لانے سے محاورۂ عرب کے موافق زبان دانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک سختی کے ساتھ دو راحت عطا کیا کرتا ہے یا کہو دو راحت عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے کس لیے کہ لفظ عسر الف لام آنے سے معرفہ ہوگیا اور یسر نکرہ ہے اور جب معرفہ بارِ دگر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے۔ برخلاف نکرہ کے کہ اس کے دوبارہ آنے سے پہلے سے غیر مراد ہوتا ہے۔ اس قاعدہ سے عسر تو وہی ایک رہا اور یسر دو ہوگئے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق وسعید بن منصور وعبد بن حمید وبیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان مع العسر یسرا الخ بزار محدث نے کہا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں ابوحاتم رازی ہے اور اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ حسن بصری سے عبدالرزاق وابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خوش اور شادگھر سے باہر تشریف لائے، ہنس رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے

---

[1] عرفائے کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر انفصال کے ساتھ میسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہو اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے۔ یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق علی الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدہ کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

تھے کہ ایک عسر یعنی سختی دو یسر یعنی آسانی پر غالب نہ آئے گی۔ فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا۔ کسی عرب کے شاعر نے بھی اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

اذا اشتدت بک البلوئ ففکر فی الم نشرح

لعسر بین یسرین اذا فکرتہ فافرح

کہ جب تجھ پر کوئی بلا آ جاوے تو الم نشرح سورۃ کو غور کر کہ اس میں ایک مشکل پر دو آسانیوں کا وعدہ مذکور ہے۔ بعض علماء نے مع سے حقیقی معیت سمجھ کر ایک اشکال پیدا کیا ہے۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ خاص مصیبت کے وقت میں تحمل اور آئندہ آنے والی راحت کی قوی امید پر بھی ایک یسر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ مصیبت نہ کٹے اور پھر دوسرا یسر اس مصیبت کے بعد میسر آتا ہے جبکہ اس محنت یا مصیبت کا اس رحیم و کریم کی طرف سے بدلہ ملتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایمان اور صبر کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ بے صبرو بے ایمان نہ جن کو خدا تعالیٰ کا اعتقاد نہ اس کے وعدہ پر بھروسا اگر کسی مصیبت کے بعد راحت نہ دیکھیں اور خود مصیبت کے وقت بھی اطمینان و امید کی راحتِ قلبی ان کو نصیب نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اور ایسا دیکھا بھی گیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یسر سے مراد یسرِ دنیا اور ملکوں اور شہروں کا فتح کرنا اور اعدائے دین پر غلبہ پانا ہے اور دوسرے سے مراد یسرِ آخرت ہے اور وہ ثوابِ جنت اور عالمِ باقی کے درجات ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین حالانکہ یہاں دونوں حسنیٰ سے حسنِ ظفر اور حسنِ ثواب مراد ہے۔ گویا اس جملہ میں ایمانداروں کو بشارت ہے کہ اگر تم اسلام میں سرگرمی اور کوشش کرو گے، سستی اور نامردی اور دنیا پر فریفتہ ہو کر اسلام میں دغابازی نہ کرو گے تو تم کو دو آسانیاں اور فرحتیں اس تکلیف کے بدلے میں ملیں گی۔ ایک دنیا میں فتح و ظفر، عزت و اقبال دوسری آخرت کے درجات اور اگر یہ عسر گوارا نہ کرو گے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ الیم پاؤ گے۔

جہاں تک تجربہ ہوا اور تواریخ زمانہ شہادت دے رہی ہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ جب مسلمانوں نے اسلام کے فرائض بجا لانے کی تکلیف گوارا کی۔ خصوصاً اعداءِ دین کے مقابلہ میں جوانمردی کی تو وہ ملکوں کے مالک اور آخرت کے حصہ دار ہو گئے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اسلامیوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ پھر جب فرائضِ اسلام ترک کیے عیش و نشاط میں پڑے۔ نامردی اور خیانت اور حمق میں مبتلا ہوئے تو دنیا میں غیروں نے ان کے تاج و تخت چھینے ان کی عزتوں کو خاک میں ملایا۔ غلامی کی ہتھکڑیاں اور فرمانبرداری کا طوق جو لعنت کا طوق ہے۔ ان کی گردنوں میں ڈالا۔ پھر دین بھی برباد ہوا۔ دنیا بھی گئی۔ سب سے اول خلافتِ عباسیہ کا انجام دیکھو کہ اس عہد کے نالائق خلیفہ کی عیاشی اور عہدہ داروں کی تن پروری اور غفلت اور عیش پسندی اور خیانت نے کیا آفت برپا کی۔ دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا، عورتوں کی عصمت تاتاری کفار کے ہاتھ کیسی خراب ہوئی۔ سلطنت گئی، خزانے گئے، علوم مٹے، کتب خانے برباد ہوئے، مدارس و مساجد منہدم ہوئے۔ اسی طرح اندلس کی حالت ہوئی۔ پھر اس زمانہ میں جس پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری۔ فرانس نے الجیریا اور ٹونس پر اور روس نے ترکستان پر، انگریزوں نے ہندوستان اور اس کے ملحقات پر کیسا تسلط کیا۔ یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی عیاشی، بدکاری، سستی اور جہالت اور فرائضِ اسلامیہ سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ان نعمتوں کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ فاذا فرغت فانصب یعنی جب رسالت کے کام سے (جو تبلیغ احکام، وعظ و پند، تدبیر

ا؎ عرفاء کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر انفصال کے ساتھ میسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق عن الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الخلق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدت کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

امور فیصل قضایا ہیں) فراغت ہوا کرے تو عبادت کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ منجملہ ان دو راحتوں کے جو ایک سختی کے بعد عطا ہوتی ہیں۔ ایک بڑی راحت مشغولی بحق بھی ہے۔ کس لیے کہ ارواحِ طیبہ کا حیز طبعی تقربِ الٰہی ہے اور تمام مشاغل ایک قسم کے عوائق ہیں جہاں دور ہوئے۔ فوراً ادھر ہی میلان ہوا اور یہی ان کا آرامِ جان ہے۔ الابذکر الله تطمئن القلوب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو تو تندرست ہو تو اپنا نکاح عبادت سے کر (یہ اس لیے کہ نصب کے معنی تکان کے بھی ہیں) یعنی بڑی کوشش اور سعی عبادت میں کر کہ تھک جاوے۔ قتادہ وضحاک ومقاتل فرماتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو نوافل کے لیے کھڑا ہو اور دعا کر اور خوب کر کہ تھک جاوے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جب مشاغل سے فراغ دل حاصل ہو نماز کے لیے کھڑا ہونا مراد ہے۔ حقیقت میں جو اپنے فراغ کو اس کام میں صرف نہ کرے بلکہ لہو ولعب میں تو وہ عمر گرانمایہ کو برباد کرتا ہے مگر بعض ایسے بھی بدنصیب ہیں کہ انہیں دنیاوی جھگڑوں سے کبھی فراغت ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان کو اللہ کی عبادت کی فرصت کہاں اسی جنجال میں موت آلیتی ہے۔ عاقل کو ضرور فارغ ہونا چاہیے۔ یہ نعمتِ الٰہی کا شکریہ ہے۔ (۲) والی ربك فارغب کہ اپنے رب کی طرف رغبت کر اس کی طرف پھر اسی کو مدِ نظر رکھ۔ یہ دوسرا یسر ہے یعنی ہر کار اور ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوبِ حقیقی کی طرف نظر رہے۔ خصوصاً عبادت میں نہ ریا کاری مطلوب ہو نہ دنیا نہ آخرت بلکہ اس کی ذات اور اسی کا شوق اسی کا جذبۂ محبت۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرحِ صدر میں اس قدر عروج تھا کہ بجز ذاتِ حق کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ محویتِ کبریٰ تھی۔ پھر جب دنیا کی تکمیل کا آپ پر بوجھ ڈالا گیا جو بڑا بھاری بوجھ تھا اس لیے کہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ایسی حالت میں روح پر وہ رنگ جو خاص مشغولی بحق میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی قدر متغیر ہو جاتا ہو۔ سو اس کی تدبیر بھی ارشاد فرما دی کہ جب اس کام سے فارغ ہوا کرے تو پھر روح کو اس کے تقرب سے قوی اور منور کر لیا کرو اور پھر اسی مقام پر شہود میں آجایا کرو تا کہ ماندگی دور ہو جاوے۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہرگہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

(اللہ اکبر)

(سورۃ والتین مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ ③ لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ ⑤
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۭ ⑥

قسم ہے زنجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس امن کے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے پھینک دیا مگر ان کو نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کئے سو ان کے لیے تو بے انتہا بدلہ ہے۔

ترکیب: والتین الواو للقسم والزیتون وطور سینین وھذا لبلد الامین معطوف علیہ لقد خلقنا الانسان الجملۃ المصدرۃ بلام التاکید وقد الی آخرھا جواب القسم۔ والقسم مع جوابہ جملۃ فعلیۃ۔ والمراد بالتین والزیتون عند الجمہور الشجرتان المعروفتان وقیل الجبلان وقیلا البلدان و طور جبل کلم اللہ علیہ موسیٰ علیہ السلام فی ناحیۃ الشمال والغرب من العرب وھو مضاف الی سینین عند النحاۃ سینین وسیناء اسمان للمکان الذی

حصل فیہ الجبل المذکور۔ وقال ابوعلی الفارسی سینین فعلیل کررت اللام التی ھی نون فیہ ولم ینصرف سینسین کما لم ینصرف سیناء لانہ علم للبقعۃ وعجمی ای سریانی ولذا اختلفت عادۃ العرب فی تعریبہ فقیل سینین وقیل سیناو الامین بمعنی المامون وصف للبلد۔ فی احسن الخ فی موضع الحال من الانسان والمراد بالتقویم القوام لان التقویم فی الحقیقۃ فعل اللہ تعالیٰ اسفل منصوب مضاف الی سافلین وھو حال من المفعول ویجوز ان یکون نعتاً لمکان محذوف والتقدیر علی الاول ای رددناہ حال کونہ اسفل سافلین ای ارذل وعلی الثانی رددناہ مکانا اسفل سافلین ای الدرک الا الذین علی الاول استثناء متصل من ضمیر رددناہ فانہ فی معنی الجمع وعلی الثانی منقطع ای لکن الذین کانوا صالحین من الھرمیٰ فلھم اجر غیر ممنون علی طاعتھم علی الضعف والشیخوخۃ علی مقاساۃ المشاق۔

تفسیر | جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن الضریس ونحاس وابن مردویہ وبیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راویت کی ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن الزبیر سے بھی یہی منقول ہے اور اس میں آٹھ آیت ہیں۔ بخاری ومسلم واہل سنن وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے اور عشاء کی نماز پڑھائی تب ایک رکعت میں سورۂ والتین والزیتون پڑھی سو میں نے آپ سے بہتر خوش آواز اور عمدہ پڑھنے والا نہیں سنا اور انہیں سے خطیب نے روایت کی جو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ والتین پڑھی اور بھی اس قسم کی روایات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سورہ کے ابتداء میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسان کی آفرینش کا حال اور پھر سعادت وشقاوت حاصل کرنے سے مآل بیان فرماتا ہے اور چاروں چیز اس کی کمالِ قدرت کے دلائل ہونے کے سوا اس مطلب کے ساتھ کمال مناسبت بھی رکھتی ہیں فقال والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین کہ قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس شہر امین کی۔ طور سینا اور بلدا میں تو بالاتفاق دو جگہ ہیں۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ کلام باری حاصل ہوا اور بلدا میں یعنی محفوظ یا امانتدار شہر مکہ ہے۔ یہ امن کا شہر ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ شہر دارالامن رہا۔ عرب میں باوجودیکہ اسلام سے پہلے باہمی وہ دھاڑ تھی کہ جس کی انتہا نہ تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی تعرض نہ کرتا تھا اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تا قیامت باقی رہی۔ جو اس پر چڑھ کر آیا غارت ہوا۔ جس طرح اور شہروں پر آفات آئیں اس پر کبھی نہیں آئی۔ یہ اپنے رہنے والوں کا امانت دار ہے اس میں بڑی وجہ امین ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دنیا کے لیے بڑی نعمت اور اس کی امانت تھے اسی شہر کے تفویض ہوئے تھے ہر چند مشرکین آپ کی ذات بابرکات کے فنا کرنے میں ساعی تھے مگر کسی کی کچھ بھی نہ چلی اس شہر نے یہ امانت بسلامت مدینہ منورہ کے سپرد کر دی۔

مگر تین اور زیتون میں متعدد اقوال ہیں: (۱) اکثر علماء کا تو یہ قول ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون کا درخت مراد ہے پھر ان میں کیا شرف ہے جو ان کی حق سبحانہ نے قسم کھائی؟ علمائے کرام نے اس کے چند اسباب لکھے ہیں اول یہ کہ یہ انجیر کا عجب میوہ ہے جس میں نہ گٹھلی نہ پوست پھر غذا بھی ہے اور چند امراض کے لیے دوا بھی۔ سریع الہضم جید الکیلوس والکیموس بلغم کو کم کرتا ہے بدن کو فربہ گردوں کو ریگ وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اور کبد وطحال کے مسامات کھولتا ہے اور ورم کو تحلیل کرتا ہے اس کو انسان بے مشقت کھا سکتا ہے اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے نہ بہت بلند ہے کہ یہ پھل لینا مشکل ہو جاوے اور اس میں معنی اہل کمال سے پوری مشابہت بھی ہے کہ جس طرح وہ ظاہر وباطن میں یکساں ہیں یہ بھی ظاہر وباطن میں یکساں ہے۔ نہ چھلکا پھینکنے کے قابل نہ گٹھلی ڈال دینے کے لائق۔ دوم یہ کہ اہلِ کمال کی طرح یہ بھی لاف وگزاف سے مبرا ہے۔ پھل اور پھولوں کی بہار کا دعویٰ کرنے سے پہلے کمال مناسبت ہے اور اس سورۂ میں اہلِ کمال کا حال ہے اور اسی طرح زیتون کو بھی اہلِ کمال سے ظاہر وباطن میں کمال مشابہت ہے۔ زیتون کے فوائد بھی انجیر کی طرح بہت ہیں اس کے سوائے زیتون میں ایک اور بات بھی ہے جو انجیر میں نہیں وہ یہ کہ اس کے پھلوں کا تیل علاوہ سیکڑوں فوائد کے جلانے میں وہ روشنی

صاف دیتا ہے کہ ایسی اور نیلوں میں کم ہوتی ہے جس سے اہلِ کمال کی اس روشنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو دنیا کے ہر امر میں ان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں اور پل صراط پر دائیں بائیں دوڑتی چلے گی الغرض ان دونوں میں ایک عمدہ خوبی ہے اور ان کے لگانے سے اور پرورش کرنے میں بڑی دقت نہیں ہوتی بلکہ پہاڑوں میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں یہی حال اہل کمال کا ہے کہ آفرینش سے ان کی ذات میں صلاحیت رکھی ہوئی ہے چنداں تربیت کی حاجت نہیں برخلاف خاردار' بے ثمر درختوں کے کہ ان کی کوئی لاکھ تربیت کرے پھر وہی کے وہی رہتے ہیں۔ (۲) قول یہ ہے کہ ان دونوں سے دو مبارک شہر مراد ہیں کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تین دمشق کا نام ہے اور زیتون بیت المقدس کا اور برکات ان دونوں شہروں کے بسبب مولد و مسکن ہونے حضرات انبیاء علیہ السلام کے مشہور ہیں جس سے اہل کمال کے پیدا ہونے کے مقامات کا ذکر کر کے ان اہلِ کمال کا یاد دلانا مقصود ہے (۳) قول یہ ہے کہ تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں اور یہی قول کاتب الحروف کے نزدیک قوی تر ہے کیونکہ توریت سفر استثنیٰ کی تیسویں باب کے شروع میں ایک بشارت ہے اور وہ یہ ہے۔ ''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔

اس کو تو اہلِ کتاب کے علماء بھی مانتے ہیں کہ سینا سے کوہِ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا ہے کہ کلام کا شرف دینا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے میں وہ اپنے خیال کے موافق توجیہ کرتے ہیں اور شعیر اور فاران بھی فلسطین کے پہاڑوں کا نام بتلاتے ہیں مگر کوئی تسلی بخش بات نہیں بتلا سکتے کہ فلسطین یا شام یا تیہ ہی کے پہاڑوں کا نام شعیر اور فاران ہے اور اگر تسلیم کر لیا جاوے تو پھر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا کے کچھ معنی نہیں بنا سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شعیر سے مراد بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ مگر اس پہاڑ کے کہ جس پر بیت المقدس شہر آباد ہے دو ٹکڑے ہیں ایک کو تو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے روز دس ہزار قدوسی یعنی پاکباز صحابہ آپ کے ساتھ تھے اور آتشی شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی جس نے بت پرستوں' منکروں' زنا کاروں' بدکاروں کو جلا دیا۔ پس اس بشارت کے بموجب اللہ پاک ان چاروں مقدس جگہوں کی قسم کھاتا ہے جہاں سے نبوت و رسالت کے آفتاب و ماہتاب دنیا کو منور کرنے کے لیے جلوہ گر ہوئے تاکہ معلوم ہو کہ آئندہ جو کچھ انسان کی سعادت و شقاوت کی بابت کہا جاتا ہے وہ لغو بات نہیں بلکہ ان چاروں جگہوں کے مقدس و ابرار حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول ہے کہ جن کو جہان مانتا ہے اور یہی تمام شرائع کا ماحصل اور خلاصۂ مطلب ہے۔

پس تین و زیتون سے شام کے مقدس پہاڑ مراد ہیں جہاں سے حضرت عیسیٰ و داؤد و سلیمان و الیاس علیہم السلام وغیرہ اولو العزم انبیاء برپا ہوئے اب خواہ تین سے دمشق کا پہاڑ مراد لو جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے اور اسی کے قریب ربیع اور ضحاک اور عکرمۃ کا قول ہے خواہ بیت المقدس کے سلسلۂ کوہ کو جو زیتون کے سواء ہے اور زیتون تو بیت المقدس کا پہاڑ ہے جیسا کہ عکرمۃ و کعب و قتادہ کہتے ہیں اور طورِ سینا سے بالاتفاق وہ پہاڑ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی اور فاران کی جگہ ھذا البلد الامین فرما دیا جس سے بالاتفاق مکہ معظمہ مراد ہے۔ جو کوہ فاران پر آباد ہے چونکہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت علیہ السلام ممتاز نبی ہیں اس لیے ان کے مطلع الانوار مواضع کا جداگانہ نام لیا گیا اور یکے بعد دیگرے ترقی ہوتی گئی کیونکہ سب سے زیادہ مرتبہ مکہ معظمہ کا ہے وہیں کے آفتاب نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔ فائدہ: بعض عرفاء فرماتے ہیں تین سے شجرۂ روحِ قدسیہ کی طرف اشارہ ہے اور زیتون سے شجرۂ عقلِ قدسی کی طرف کہ اسی کی روشنی پھیلتی ہے اور طورِ سینین سے عارف کے قلب کی طرف اور بلد امین سے محبّ کے سینہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بے شمار اسرارِ الٰہی امانت رکھے ہیں۔ بہر حال ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کہ ہم نے انسان کو

بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا ہے۔ ع حق نے کھینچی ہے تیری تصویر اپنے ہاتھ سے اس کے تناسب اجزاء کو دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جائے ناک ہے تو کتنی اور کس موقع پر آنکھیں تو کیسی اور کس موقع پر بھوؤں اور پلکوں کی خوبصورتی اس نرگسی آنکھ کا (جس کی سفیدی اور سیاہی کبھی عاشق کو گمراہ کر رہی اور کبھی ہدایت پر لا رہی ہے) اور بھی حسن بڑھا رہی ہے۔ پھر ہاتھ پاؤں ہیں تو ایسے قد ہے کہ سرو کو شرما رہا ہے رخساروں کی خوبی آفتاب و ماہتاب کو ماند کر رہی ہے۔ لال لب یاقوتِ بدخشاں کو اور دُرِ دنداں مروارید عدن کی لڑی کو شرما رہے ہیں اور حیوانات کو اور اس کو ملا کر دیکھا جائے تو قدرتِ حق کا تماشا نظر آئے پھر اس کے باطن میں کیا کیا قوتیں عطا کیں کہ اس کو قادر و مرید سمیع و بصیر مدبر و حکیم وگویا بنا دیا۔ گویا اپنے صفاتِ عالیہ سے حصہ عطا کیا چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کو اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ حق سبحانہ شکل وصورت سے تو پاک ہے لیس کمثلہ شیء' افمن یخلق کمن لا یخلق کہ اس کی کوئی مثل نہیں اور خالق مخلوق جیسا نہیں پھر صفات ہی کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔ انسان باطنی لحاظ سے ایک عجیب مجموعہ ہے تمام عالم کا نمونہ ہے۔ سیکڑوں دریا جوش زن ہیں۔ سیکڑوں نہریں پڑی بہ رہی ہیں' سیکڑوں بلند پہاڑ اس میں موجود ہیں۔ آتش فشاں مادے بھی ہیں۔ ہیبتناک پر از ظلمات جہنم کے مشابہ عمیق گڑھے بھی ہیں جن میں گر کر نکلنا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پُرخار وادیاں بھی ہیں جن کے بھولے کو خضر ہی رستہ بتا دیں تو بتا دیں اب ان چار نہروں کو ہی دیکھئے کہ رات دن کس زور وشور سے بہا کرتی ہیں۔ شہوت کی نہر' غصہ کی نہر' طمع کی نہر' خیال کی نہر۔ اگر یہ ٹھیک ٹھیک ہیں تو خیر اور جو طغیانی پر آ جائیں تو پھر ان کے ڈوبے کبھی نہ ابھریں اسی طرح محبت وعشق کی نہریں' علم و ادراک کلیات وجزئیاتِ مادیہ ومعانی مجردہ کے دریا رواں ہیں۔ قوائے ملکوتیہ کے بلند پہاڑ ہیں جن میں انجیر اور زیتون اور کیا کیا مفید اور پُرثمر چیزیں ہیں اور قوائے بہیمیہ کے پرخار وادی اور ہیبتناک گڑھے بھی ہیں جن میں سانپ بچھو اور زہریلے جانور رہا کرتے ہیں اور عالم کبیر پر ظلمات کی رات اور انوارِ حق کا دن بھی آتا ہے اور تجلی ذات کا آفتاب اور نورِ روح کا ماہتاب اور انوارِ لطائف کے ستارے بھی چمکا کرتے ہیں یہ تو اس کی فطری حالت ہے اب جس نے اس کی اصلاح کی اور ان وادیوں اور گندہ نہروں اور ظلمات سے بچنے میں کوشش کی وہ سعادت کے ملک کا بادشاہ بن گیا اور جس نے کوشش نہ کی بلکہ خود انہیں کی طرف ان کا سبز باغ دیکھ کر جھک پڑا تو شقاوت کے عمیق گڑھے ہیں گرا جو نہایت نیچے ہے۔ اب ان دونوں حالتوں کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہوتا ہے ثم رددناہ اسفل سافلین کہ پھر ہم نے اس کو اس کے برے کرتوتوں کے سبب نیچے کے درجہ میں پھینک دیا یا کھو گرا دیا اور جس قدر سافلین ہیں یعنی فروتر اور پست درجہ کے یہ ان سے بھی فروتر ہو گیا اور حیوانات میں تحصیلِ کمالات کی استعداد نہ تھی اس لیے وہ فرو اور پست ہوئے مگر اس بدنصیب نے باوجود استعداد کے تحصیلِ کمالات میں کوشش نہ کی بلکہ نقص پیدا کر لیے۔ اس لیے اب ان سے بھی گیا گزرا ہوا۔ اسی بات کی طرف لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ چارپایوں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے۔ الغرض شیطان ہو گیا اور خبیثوں میں مل گیا۔ یہ ایک حالت ہے اور دوسری حالت کی طرف اس استثنیٰ میں اشارہ کرتا ہے الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلهم اجر غیر ممنون مگر وہ اس پستی سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے یعنی قوتِ نظریہ وعملیہ کو درست کر لیا وہ ملکِ سعادت کے بادشاہ ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر اور نیک بدلے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کو ہر نعمت میسر ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو ہم نے نہایت خوشنما قالب میں ڈھالا عمدہ انداز پر بنایا۔ چڑھتی جوانی کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے۔ اس کی ایک حالت ہوئی اب اس کی مرضی بغیر اپنے آسمانی حکم سے اس کی حالتِ علو کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست تر حالت میں پہنچایا لیکن ایمانداروں نیکوں کو اس پر بھی دارِ آخرت میں ایک نئی زندگانی اور بلندی ہے جس کو اجرِ غیر ممنون سے تعبیر کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۞ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۞ ع

پھر اس کے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے

ترکیب: فما استفہامیہ ای شی وقیل بمعنی من یکذبک الکاف مفعول یکذب و فاعلہ ضمیر یرجع الی ما والباء للسببیۃ فی بالدین و الظرف متعلق بالفعل۔ اللہ فاعل لیس' باحکم الحاکمین خبرھا والاستفہام اذا دخل علی النفی صار الکلام ایجابا وتقریرا فما یکذبک الخ قال الفراء تقدیرہ فمن یکذبک یا محمد بعد ظھور ھذہ الدلائل بالدین وقیل الخطاب للانسان والمعنی فما الذی یلجئک بعد ظھور الامر ایھا الانسان الی تکذیب الجزاء۔

تفسیر: جب اے انسان! تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ حق نے تجھے عمدہ اور بہتر سے بہتر انداز اور شان میں پیدا کیا ہے اور پھر تیری حالت کو باعتبارِ ظاہر کے بھی ایسا پلٹا ہے کہ بوڑھا ہو جاتا ہے' نہ آنکھوں میں نور رہتا ہے' نہ چہرہ پر تازگی قدِ رعنا کمان کی طرح جھک جاتا ہے' دانتوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتی ہیں' بھاڑ سا پوپلا منہ کھلا برا معلوم ہوتا ہے اور صدہا نقصان پیدا ہو جاتے ہیں ع پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور باطن میں بھی تغیر ہوتا ہے کہ یا تو فطرت سادہ تھی پھر برے کاموں سے شیطان اور بھوت ہو جاتا ہے پھر اس صنعت وقدرت وکمال کے دیکھنے کے بعد فما یکذبک بعد بالدین۔ وہ کونسی دلیل اور کونسی وجہ تیرے پاس ہے جو تجھے دارِ آخرت کے انکار پر مجبور کر رہی ہے یا کہوا ے نبی علیک السلام! اس بیان اور ان حالات کے سننے کے بعد وہ کونسا تیرہ باطن ہے جو تمہیں قیامت اور اعمال کی جزاء وسزا کے معاملہ میں جھٹلا دے گا۔

اور اگر اس پر بھی باور نہیں الیس اللہ باحکم الحاکمین تو پھر کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور عقل کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء وعقلاء کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء وعقلاء سحر کار سب حاضر ہیں مگر وہ بھی جلیل وجبار کا زیر فرمان اسی طرح سے ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ فقیر ومفلس وبیکس اس بادشاہ کے ذاتی تغیرات لڑکپن اور جوانی اور بے اختیار بڑھاپا اور پھر بیماری وتندرستی پھر موت اور اس کے اعزہ کی بیماری اور موت اسی طرح سے ہے کہ جس طرح غریبوں کی۔ وہ بادشاہ ان میں سے ایک کو بھی ٹال نہیں سکتا۔ پھر جب دنیاوی بادشاہ اپنی عدالت کا قایم کرنا لوازمۂ سلطنت جانتے ہیں بدوں کو سزائیں دیتے ہیں' خیر خواہان سلطنت اور فرمانبرداروں کو انعام عطا کرتے ہیں پھر کیا وہ سب سے بڑا حاکم اپنے نافرمانوں سرکشوں' بندگان خدا پر ظلم وستم کرنے والوں' بدکاروں منکروں کو یوں ہی چھوڑ دے گا اور مطیع وفرمانبرداروں کی طاعت ضائع کر دے گا۔ ہرگز نہیں اور دنیا تو اس جزاء وسزا کا مقام نہیں کس لیے کہ یہ تو اخیر عمر تک دار العمل ہے پھر ضرور ہے کہ اور دوسرا جہان دار الجزاء ہو اور یہی مدعیٰ ہے یہ دوسری دلیل اثباتِ جزاء وسزا پر تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب کوئی اس جملہ الیس اللہ الخ کو پڑھے تو کہے بلیٰ وانا علی ذالک من الشاھدین کہ ضرور ہے اور میں بھی گواہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ترمذی وابن مردویہ وغیرہ نے۔ احناف کے نزدیک یہ جملہ نماز میں زبان سے نہ کہے صرف دل سے اور بیروں نماز کہے اور ائمہ ہر جگہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

(سورۃ اقرا مکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ

الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے سب کچھ بنایا جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے لکھنا سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جس کو وہ جانتا ہی نہ تھا۔

ترکیب : اقرء عند الجمهور بسكون الهمزة هو امر من القراءة وعند البعض بفتح الراء على انه قلب الهمزة الفا ثم حذفها للامر۔ ومفعول اقرء محذوف اى ما يوحى اليك باسم ربك متعلق بمحذوف وهو حال اى اقرأ متلبسا باسم ربك۔ وقال ابو عبيدة الباء زائدة فهو مفعول اقرء والاسم صلة ايضاً والمعنى اذكر ربك وقيل الباء بمعنى على والمعنى اقرء ما تيلى عليك على اسم الله۔ وقيل الباء للاستعانة اى مستعينا به۔ الذى الخ الجملة صفة لربك خلق الانسان الجملة تفسير للجملة الاولىٰ وهى الذى خلق وقيل تخصيص بعد التعميم۔ تشريفاً للانسان لما فيه من بديع الخلق وعجيب الصنع من علق الجار متعلق بخلق والعلق جمع علقة وهى الدم الجامد واذا اجرى فهو المسفوح۔ ولم يقل من نطفة او من علقة رعاينا للفواصل۔ اقراء تاكيد و تقرير للاول۔ وربك موصوف الاكرم صفة الذى موصول علم بالقلم صلة والجملة صفة ثانية فالموصوف مع الصفات مبتدء علم الانسان الخ الجملة خبر والمبتدء مع الخبر جملة اسمية وهى حال من ضمير اقراء۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور قرآن میں سے جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایتِ صحیحہ اسی بات کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ پھر نون نازل ہوئی پھر مزمل پھر مدثر اور اس بحث کو ہم مقدمۂ تفسیر میں لکھ آئے ہیں اور اس میں انیس آیات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ مدثر نازل ہوئی سو یہ روایت اس قول کے مخالف نہیں کس لیے کہ سب سے اول اس سورۂ اقراء کی یہی پانچ آیات ما لم یعلم تک نازل ہوئی تھیں اور پھر تعلیمِ سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور پھر چھ مہینے تک وحی بند ہو گئی پھر سب سے اول مدثر نازل ہوئی اور لگا تار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جو سب سے اول الحمد کا نازل ہونا ارشاد فرماتے ہیں وہ نماز اور تعلیم کے بارہ میں ہے اور جابر رضی اللہ عنہ جو مدثر کو اول کہتے ہیں اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وحی بند ہونے کے بعد جو سب سے اول نازل ہوا وہ یہی سورۃ تھی۔

اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کی کیفیت صحیح بخاری میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ پھر جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی بات صبح کی سفیدی کی طرح پیش آتی تھی اس کے بعد آپ کو خلوت نشینی کی طرف رغبت ہوگئی (کیونکہ ابتداء میں فراغِ خاطر لوگوں کے ساتھ میل جول ترک کئے بغیر میسر نہیں آتا) پھر آپ حراء پہاڑ کے ایک غار میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے چند رات دن وہاں رہا کرتے پھر گھر میں آ کر خدیجہ بیوی رضی اللہ عنہا کے پاس کھانے پینے کا سامان لے جایا کرتے یہاں تک کہ اسی غار حرا میں تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آپ کے سامنے آیا اور کہا کہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا نہیں جانتا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھینچ لیا اور بڑے زور سے بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر دوبارہ مجھے پکڑ کر بھینچا زور سے پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا پھر تیسری بار مجھے پکڑا اور بہت زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربك الذى خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقراء وربك الاكرم الذى علم بالقلم۔ علم الانسان مالم يعلم۔ کہ پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا بنایا انسان کو خون کے لوتھڑے سے پڑھ اور تیرے رب کریم جس

نے قلم سے لکھنا سکھایا انسان کو وہ بتایا جو جانتا نہ تھا۔

اس واقعہ میں چند نکتہ ہیں: (۱) کمالات میں ترقی بتدریج کرنا بنی آدم کی فطرت میں ہے اور اسی فطری قاعدے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ سے علومِ غیب کا القا ہوتا رہا تا کہ اور اسرارِ غیب اور ملکیتِ کبریٰ حاصل ہونے کی رفتہ رفتہ عادت ہو جائے۔ اس کے بعد اب دوسرا مرتبہ ترقی کا شروع ہوا وہ یہ ہے کہ عالمِ بیداری میں بحالتِ فراغِ قلبی عالمِ ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اس لیے آپ کو خلوت و عزلت کا شوق ہوا تب آپ غارحرا [1] میں بیٹھے جب اس عرصہ میں الواثِ بشریہ و کدوراتِ بہیمیہ سے آئینۂ باطن بالکل پاک وصاف ہو گیا تو عیاناً جبریل امین تشریف لائے جو عالم ملکوت کے بادشاہ [2] ہیں۔

یہ ترقی کا تیسرا مرتبہ تھا (۲) یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھنے کو کہا تو آپ نے تین بار یہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یا میں نہیں پڑھتا جو ما انا بقاری کا ترجمہ ہے۔ اس میں سر یہ ہے کہ گو آپ بھی صاحبِ کمال تھے اور جو وہ پڑھاتے تھے آپ کے نزدیک آسان تھا۔ مگر جب ملکیتِ کبریٰ کا ظہور بِاتم ہوا اور عالمِ غیب کے علوم سامنے آئے تو اگلا کمال اور فصاحت و بلاغت اس طرح لاشے ہو گئی کہ جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کے نور لاشے ہو جاتے ہیں اور یہ آپ پر ایک بارِ عظیم معلوم ہونے لگا۔ اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار لے کر بھینچا اور یہ ایک قسم کی توجہ ہے جس کو توجہ اتحادی کہتے ہیں اس کے سبب وہ بارِ گراں آسان ہو گیا اور جو پڑھایا پڑھنے لگے۔

واضح ہو کہ صوفیہ کرام کے نزدیک توجہ کی چار قسم ہیں: (اول) تاثیرِ انعکاسی اس میں کامل کا عکس مرید میں چمک جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی عطر مل کر کسی مجلس میں آوے اور ہمنشینوں کے دماغ میں اس کی خوشبو پہنچے مگر یہ اثر پائیدار نہیں اس کے اُٹھ جانے سے اُٹھ جاتا ہے بعد میں باقی نہیں رہتا (دوم) تاثیرِ القائی کہ اپنا اثر مریدوں پر ڈال دے اور وہ جب تک کوئی مانع نہ ہو قائم بھی رہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی چراغ جلا کر لاوے اور دوسرا اس سے اپنی بتی روشن کرے۔ سو یہ جب تک ہوا اور بارش وغیرہ کا صدمہ نہ پہنچے قائم رہے گی اور جس قدر اپنا تیل ہے اس کی مقدار پر روشن رہے گی۔ یہ اول سے قوی ہے۔ (سوم) تاثیرِ اصلاحی کہ مرشد اپنی روحانی طاقت سے مرید کے باطن کی اصلاح کر دے اور لطائف جاری ہو جاویں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی کاریگر کسی حوض کی نالیوں اور پانی کے آنے کی جگہ کو اور فوارہ کو صاف کر دے اور پانی ڈال کر فوارہ کو رواں کر دے یہ اول سے بھی قوی ہے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک جاری ہے کہ جب تک حوض میں پانی ہے اور نیز جس قدر پانی آنے کی نالیوں میں وسعت ہے اور جب تک ان نالیوں میں بہیمیت کا کوڑا کرکٹ نہیں آیا ہے۔ (چہارم) تاثیرِ اتحادی جو سب سے قوی تاثیر ہے اور وہ یہ ہے کہ مرشدِ کامل اپنے روحانی زور سے مرید کو اپنے ضمن میں لے کر اپنی روح کو اس کی روح سے ایک کر دے اور جو کچھ کمالات اس کی روح میں ہیں وہ اس میں بھی آ جاویں یہ سب سے اعلیٰ تاثیر ہے اور اس میں بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔ اور یہ کوئی محال بات نہیں روحانی طاقتور کا تو کیا ذکر ہے بعض پرند جانوروں میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ دوسرے چھوٹے جانوروں کو ایک مدت میں اپنا سا ہی کر دیتے ہیں اور ان کے توالد و تناسل کا یہی طریقہ ہے۔ یہ توجہ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ پر کی تھی اور اس توجہ میں یہ کوئی ضرور نہیں کہ ہمیشہ اتحادِ ظاہری و باطنی باقی رہے۔ (۳) یہ کہ اس کے بعد آپ پر ایک عجیب

---

[1] پہاڑ مکہ سے منیٰ کی جانب تخمیناً دو میل دور ہے۔ اسی میں وہ غار ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلِ نبوت خلوت گزیں ہوئے تھے اور یہیں وحی کا آنا شروع ہوا اور سب سے اول سورۂ اقراء کی یہ آیات نازل ہوئیں ۱۲ منہ

[2] یہ شبہ کرنا (کہ اس سے پہلے آپ نے عیاناً جبرئیل کو دیکھا نہ تھا پھر جب وہ سورہ اقراء کی وحی لے کر غارِ حرا میں آئے اور آپ سے بار بار پڑھنے کی تاکید کرنے لگے تو آپ نے کیونکر پہچان لیا کہ یہ جبرائیل ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن بھوت ہو) محض خام خیال ہے کس لیے کہ جس کا ادراکِ باطن اس درجہ بڑھ جاوے کہ اس کو عیاناً ملائکہ دکھائی دینے لگیں اس کے نزدیک ان کا پہچان لینا بعینہٖ ایسا ہے کہ جیسا دوپہر میں آفتاب کا پہچان لینا جہاں دلیل کی ضرورت نہیں۔

حالت طاری تھی کہ بدن کانپ رہا تھا اس حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ اور آپ کو بیوی خدیجہ محض اپنی محبتِ شوہری کے جوش میں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ ان کو یہ کیا بات پیش آئی ہر چند خود خدیجہ ؓ نے بھی تسلی بخش الفاظ کہے تھے کہ آپ غریب وبیکس کے چارہ ساز، مہمان نواز، حق پسند ہیں آپ کو کوئی آسیب و آفت خدا نہیں پہنچائے گا مگر پھر بمقتضائے محبت دل نے نہ مانا اور ورقہ پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ عیسوی مذہب کا عمر رسیدہ اور نیک شخص تھا تا کہ ان سے اصلی حالت دریافت کریں۔ ورقہ نے سب قصہ سن کر کہا کہ یہ ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ اور انبیاءِ اولوالعزم علیہم السلام کے پاس آیا کرتا تھا کہ کوئی خوف کی بات نہیں اور کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور جبکہ تیری قوم تجھے یہاں سے نکالے گی تو میں مدد کرتا۔ آپ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ایسا کون نبی ہے کہ جس کے ساتھ اس کی قوم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر چند روز کے بعد ورقہ مر گیا اس لرزہ آنے میں یہ حکمت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ غار کا قصہ بناوٹی ہے بلکہ اس کے آثار ظاہر جسم پر لوگوں نے دیکھ لیے اور ورقہ بھی حضرت پر ایمان لانے کے بعد چند روز میں مر گئے تا کہ کوئی یہ گمان نہ کرے یہ شریعت واحکام ورقہ سے سیکھے تھے۔

(اب میں) اس مقام پر حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کی ابتدائی حالت اہلِ کتاب کی مسلم کتابوں سے دکھا کر موازنہ کرتا ہوں تا کہ کسی متعصب کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ انجیل متی کے تیسرے باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ پایا یعنی اُن کے مُرید ہوئے اور مریدی کی رسم ادا کی جو دریا میں غوطہ مارنا تھا اور جب دریا سے اوپر آیا تو اُس کے لیے آسمان کھل گیا اور خدا کی روح کبوتر کی مانند اُتری اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے پھر چوتھے باب کے اول میں ہے۔ تب عیسیٰ روح کے وسیلہ سے بیابان میں لائے گئے تا کہ اُنہیں شیطان آزمائے اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے آخر بھوکے ہوئے تب آزمائش کرنے والے نے اُن کے پاس آ کے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جاوے۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دے کر ٹال دیا پھر شیطان حضرت مسیح کو ہیکل یعنی بیت المقدس کے کنگورے پر چڑھا لے گیا اور کہا تو اپنے آپ کو نیچے گرا دے اگر سچا ہے تو فرشتے اُٹھالیں گے ٹھیس بھی نہ لگے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش نہ کرنی چاہیے۔ تیسری بار پھر آزمایا کہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُس کی شان وشوکت دکھا کر کہا اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں تب مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے[1] کی بندگی کر۔ تب شیطان چھوڑ گیا اور مسیح علیہ السلام جلیل کو چلے گئے اور کفر ناحوم میں جا رہے اور منادی کرنے لگے۔ انتہیٰ ملخصاً یہ ترقی اُس ترقی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی کم درجہ پر ہے۔ اول تو آنحضرت ﷺ کسی کے مرید نہیں ہوئے نہ کسی کے ہاتھ سے اصطباغ پایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے نہ کبوتر کی شکل میں اُن پر روح اُتری بلکہ عیاناً۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ ہے۔ تب اُس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حوریب کے نزدیک آیا اُس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اُس پر ظاہر ہوا اُس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ نزدیک آیا تو خدا نے اُسے بوٹے کے اندر سے پکارا کہ اے موسیٰ نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ الخ۔ توریت سفر خروج باب ۳۔ یہاں حضرت موسےٰ پر خدا نے درخت میں سے تجلی کی مگر وہ تجلی جو غارِ حرا میں ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کی تھی۔ کس لیے

[1] افسوس آج عیسائی تین کی بندگی کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کہ وہاں کسی ناسوتی شکل میں تجلی نہ تھی اور بلاکیف تھی اور تجلی کے بعد ناموسِ اکبرعیاناً دکھلائی دیا۔ اسی فرق اور امتیاز کو خدا تعالیٰ سورۂ نجم میں اور دیگر سورتوں میں جتلاتا ہے کہ ولقد رآہ بالافق المبین فاستویٰ وھوبا لافق الاعلیٰ ثم دنافتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ ماکذب الفواد مارٰی افتمارونہ علی ما یریٰ۔ کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آسمان کے کنارے پر عیاناً دیکھا اور جبرئیل جبکہ بلند کنارے پر تھے سنبھلے اور نزدیک ہوتے گئے یہاں تک کہ کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اُس سے بھی کم قریب آ کر ہمارے بندہ کو جو کچھ وحی کرنا تھا وحی کیا (سورۂ اقراء کی یہ آیات) اور محمد ﷺ کے دل کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کیا اے لوگو! جو کچھ انہوں نے دیکھا اُس میں شک کرتے اور جھگڑتے ہو۔ رہا ورقہ۔ کے پاس جانا یہ ایک انسانی فطرت کے باعث تھا اور ورقہ جانتے تھے اس لیے ایمان لے آئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں اقراء باسم ربك کہ اے نبی پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ اس کے دو معنیٰ ہیں: اول یہ کہ باسم میں ب زائد ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ پڑھ اپنے رب کا نام یعنی اُس کو یاد کر۔ اور اسم کا لفظ اس مقام میں اس لیے آیا کہ ذاتِ حق کی طرف ابتدائی حالت میں بغیر ملاحظہ صفات کے رسائی نہیں اور اسم میں صفات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور اس لیے اس کے بعد منجملہ اور صفات کے صفت الذی خلق ذکر کی یعنی وہ جو پیدا کرتا ہے اور اُس میں شانِ ربوبیت بھی جلوہ گر ہے جو اول میں باسم ربك میں ظاہر کی گئی ہے اور اس لیے بسم اللہ نہ کہا بلکہ باسم ربك فرمایا تا کہ ذاتِ بحت کا ملاحظہ ابتدا میں شاق نہ ہو اور نیز ربک کے لفظ میں تسلی بھی ہے کہ کسی اجنبی کے نام یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ تمہارے اس خالق کا کہ جس نے اب تک تمہاری ظاہری اور باطنی پرورش کی اور کرتا ہے اور کرے گا اور یہ اُس کی صفتِ ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ تم کو تعلیم سے ترقی دے کر مخلوق کا ہادی بنانا چاہتا ہے۔ رب کا نام پڑھنا ہے یعنی اُس کا ذکر کرنا۔ عام ہے کہ زبان سے مع تعداد ہو یا بے تعداد یا محض قلب سے مگر اصل مقصود اس صفت کا استغراق اور مراقبہ ہے تا کہ اس آسان رستہ سے شاہدِ مقصود تک پہنچے اور اس آئینہ سے اُس کے جمالِ باکمال کا نظارہ کرے اور فی الحقیقت جملہ صفت باری سے اس صفتِ ربوبیت کی طرف جس قدر انسان کیا کل مخلوق کو فطرتاً دل بستگی ہے اس قدر اور سے نہیں کیونکہ دل تو اُس کا مشاہدہ ہر دم کرتا ہے کہ کسی دلیل و برہان یا کسی کے اظہار و بیان پر موقوف نہیں جس قدر جس کو ادراک ہے اسی قدر وہ اپنے اندر اُس کی شانِ پرورش کو ملاحظہ کر سکتا ہے۔ دوم اس میں جو مخلوق اور خالق میں رابطہ ہے اُس کا بھی کامل اظہار ہے۔ انسانی محاورے میں لفظ رب کی جگہ کبھی پیار سے باپ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ باپ میں بھی اپنے بچہ کے لیے ربوبیت کا ایک جلوہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کا استعمال کیا اور اے میرے رب! کی جگہ اے میرے باپ کہا مگر اُن کے بعد عیسائیوں نے یہی سمجھ لیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے بیٹے اور وہ اُن کا باپ ہے (اور یہ بھی معنی ہیں) کہ ب باسم ربک میں استعانت کے لیے ہے جیسا کہ کتبت بالقلم میں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے۔ کیا پڑھ؟ قرآن یا یوں کہو جو کچھ تجھے سنایا جاوے اور جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاوے۔

فائدہ: ہر چند حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ازل ہی میں پڑھائے جاتے ہیں اور مدرسۂ الٰہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پا کر دنیا میں مخلوق کو پڑھانے اور سدھارنے آتے ہیں مگر ظہور اُن کا اس عالم میں پیکرِ انسانی میں ہوتا ہے تا کہ اس مجانست سے بنی نوعِ انسان بآسانی تعلیم پا سکیں اور پیکرِ انسانی یہی خاک و آب وغیرہ عالمِ ناسوت کے کثیف اجزاء میں جن کی خاصیت جہل اور نسیان اور لذاتِ حسیہ پر فریفتگی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ کے دل کو بلوغ سے پہلے ہی سینہ چاک کر کے آبِ قدس سے دھو دیا گیا تھا تا کہ لذاتِ حسیہ کی فریفتگی اور جملہ تلویثات دور ہو جاویں اور بلوغ کے بعد ایک دوسرا عالم شروع ہوتا ہے۔ اس لیے بعد بلوغ بھی قلب مبارک کو آبِ قدس سے دھویا تا کہ تمام عمر خصائصِ ہیولانیت سے پاک اور مبرا رہیں پھر جب عالمِ ناسوتی میں عہدۂ رسالتِ کبریٰ عطا ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے عیاناً غارِ حرا میں وہ کچھ پڑھایا کہ اولین و آخرین کے جملہ علوم آپ کے بحرِ علوم کا ایک قطرہ ہو گئے اور ایسا پڑھایا کہ آپ نے اندھوں کی

آنکھیں کھول دیں' دلوں کے حجاب اُٹھا دیئے' مردہ اجسام میں نئی روح پھونک دی' جہلاء کو علوم کا چشمہ بنا دیا' کما قال تعالیٰ **یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** اور دراصل پڑھانے والا اللہ تعالیٰ تھا جبرائیل ایک واسطۂ درمیانی تھا اس لیے کمال پر پہنچ کر جبرئیل سے بھی بڑھ گئے اور اسی بات کی طرف باسم ربک الخ میں اشارہ ہے کیونکہ یہ انکشافِ علوم اسم ربک کی برکت تھی اول اسم ربک فرمایا تھا کہ رب کی شانِ ربوبیت جس میں تعلیمِ علوم بھی ہے اپنے اندر غور کرنے سے ظاہر ہو جاوے یہ شبہ انفس ہے۔ اس کے بعد آفاق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرماتا ہے الذی خلق کہ جس نے تمام مخلوق کو بنایا۔ اپنی ذات میں ربوبیت کا جلوہ دیکھنے کے بعد کہ اُس نے میرے ظاہر اور باطن میں کیا کیا صنعتیں صرف کی ہیں اور پھر کس طرح ہر لحظہ اُن کی تکمیل کے اسباب بہم پہنچا رہا ہے۔ مخلوق میں غور کرنے سے اور بھی حیرت ہوتی ہے اور مخلوق میں سے انسان سب سے زیادہ نمونۂ ربوبیت ہے اس لیے اس کے بعد فرمایا خلق الانسان من علق وہ رب کہ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ علق علقہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں خونِ بستہ۔ مختلف غذاؤں نے ہضم کے بعد جسم میں ایک نیا رنگ بدلا اور سب کا عطر کھینچ کر ایک دوسرا جوہر تیار ہوا جس کو منی کہتے ہیں جس میں جملہ کمالات جو تدریجاً ظاہر ہوں گے ودیعت رکھے ہوئے ہیں یہ پہلا استحالہ یا اول ترقی تھی اس کے بعد جب وہ منی عورت کے رحم میں جاتی ہے تو چند روز کے بعد خون بستہ ہو جاتی ہے یہ دوسرا استحالہ ہوا۔ پھر یہ خون چند روز کے بعد ترقی کر کے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اُس کو مضغہ کہتے ہیں یہ تیسرا استحالہ ہوا۔ اب صانعِ حقیقی اُس میں سے مختلف اجزا ہاتھ پاؤں' سر' دل دماغ نمودار کرتا ہے اور ہر ایک عضو کی خاصیتیں اُس کو عطا کرتا ہے اب منی کے اندر جو کمالات ودیعت تھے خوب ظاہر ہونے لگے اب ایک ہی مادہ سے مختلف اجزاء بنانا اور اُن میں یہ حیرت انگیز نقاشی کرنا کیا طبیعتِ جسمِ بے تمیز کا فعل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا ماں باپ کی کاریگری ہے ہرگز نہیں ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور اب تک بھی جو جو مصلحتیں اور حکمتیں اُس کے اعضا میں رکھی ہیں ان کی بھی تشریح سے بڑے بڑے اطباء عاجز ہیں۔ قدرت کے بنائے ہوئے اعضاء میں کوئی جوڑ نہیں لگا سکتے اور نہ کسی میں کوئی زائد قوت رکھ سکتے ہیں پھر ماں باپ بے علم کو کیا تمیز پھر یہ کون کاریگر ہے اور کس کے مبارک ہاتھ اس اندھیر کوٹھری میں یہ حیرت بخش کاریگری کرتے ہیں؟ اُسی قادرِ مطلق اور حکیم برحق کے۔ یہ چوتھا استحالہ تھا۔

اس کے بعد اس میں حیات یعنی جان ڈالی جاتی ہے اور وہیں اس کے تغذیہ و تنمیہ کے سامان وہ ربِ حقیقی مہیا کرتا ہے اور رحم ہی میں یہ پورے انسان بن جاتے ہیں یہ پانچواں استحالہ تھا۔ الغرض جب وہ منی اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان ہو جاتی ہے اور حضرتِ انسان رحم سے باہر آتے ہیں تب اس پر ربوبیت کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ اول تو اُسی جسم میں اُس کے لیے غذا تیار کی۔ ماں کی پستانوں میں دودھ پیدا کیا۔ اس مرتبہ میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی غذا مفید ہے نہ آسان ہے۔ پھر اُس کو بھی دودھ پینا اور مُنہ سے چوسنا سکھایا۔ جب اس عرصہ میں اُس کی اور بھی تکمیل ہوگئی اور اُس کے جسم میں دوسری غذا کے لیے قابلیت پیدا ہوگئی' دانت نکل آئے' معدہ میں قوت آ گئی' دوڑ پھر[illegible] سامان بھی بہم پہنچ گیا تو دنیا بھر کا الوانِ نعمت سے بھرا ہوا دسترخوان اُس کے لیے بچھا دیا گیا۔ اب جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں۔ اب بولنے بھی لگے' حسن ادراک بھی کرنے لگے اور اس میدان میں ترقی کرتے چلے یہاں تک کہ عقل ہیولانی کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقل بالفعل اور عقلِ کل تک جا پہنچے۔ اب تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ ان جملہ مراتب کو لحاظ کرے تو اس کی شانِ ربوبیت کا کامل جلوہ نظر آنے لگے اور یہ بھی جان لے کہ اُس کی ربوبیت کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے عالم تک جاتا ہے جس کے لیے علومِ روحانیہ پڑھائے جاتے ہیں۔

فائدہ: منی کے مادہ کا ذکر چھوڑ کر خونِ بستہ کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ ماں کے رحم میں آ کر خونِ بستہ ہو جانا اول استحالہ ہے اور یہیں سے انسان کی عمارت شروع ہوتی ہے اور نیز عمارت تمام ہونے کے بعد بھی خون ہی کے زور پر قائم رہتی ہے۔ اسی سے اجزائے تحلیل شدہ

پھر تیار ہوتے جاتے ہیں اور اسی سے روحِ نفسانی اور حیوانی وطبعی بنتی ہے وہ ہی روحِ انسانی یعنی نفسِ ناطقہ کا مرکب ہے۔ بھلا کوئی کاریگر کسی مادہ سے ایسا خون بنا کر تو دکھادے۔ مضامینِ مذکورہ بالا جو شانِ ربوبیت یاد دلاتے ہیں ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اقراء پڑھ یہ کلمہ تاکید کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔

فائدہ: مفسرین نے اس کلمہ کے دوبارہ آنے کی بہت سی حکمتیں بتائی ہیں از انجملہ یہ ہے کہ اول بار جو اقرء فرمایا تھا اس سے مراد خود کا پڑھنا تھا کس لیے کہ آپ بظاہر اُمی تھے پھر جب تک کہ پہلے آپ کو نہ پڑھایا جاوے تب تک آپ اوروں کو کیا پڑھا سکتے تھے۔ اس لیے اُس کے بعد دوسرا اقراء فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو پڑھائیں آپ ہی اُستاد الکل فی الکل ہیں۔ یہ دستارِ فضیلت آپ ہی کے سر مبارک پر قضاء وقدر کے ہاتھوں نے باندھی ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ اقراء اول سے علومِ باطنیہ کے پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اور اقراءِ ثانیہ سے علومِ ظاہرہ کی طرف یا برعکس۔ از انجملہ یہ کہ اقراء اول کی اقرءِ دوم تاکید ہے جیسا کہ کہتے ہیں پڑھ پڑھ اور یہ اس لیے کہ آپ نے بھی کئی بار انکار ما انا بقاریء کہہ کر کیا تھا۔

یہ پڑھانا پڑھنے والے کے لیے ایک بڑا بھاری کام ہے بغیر مددِ غیبی کے ہو نہیں سکتا۔ اس لیے مددِ غیبی کا بھروسا دلانے کے لیے اس کے بعد یہ بھی فرما دیا وربك الاکرم کہ تیرا رب کریم ہے اُس کرم اور فضل پر بھروسہ رکھو اُس کا کرم اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور تمہاری دستگیری کرے گا اور یہ بھاری کام تمہارے لیے آسان ہو جاوے گا۔ اور اُس کے کرم کا یہ ثبوت ہے کہ الذی علم بالقلم اُس نے انسان کو قلم یعنی لکھنا سکھا دیا وہ مطالبات جو ذہن میں ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں جن کو لکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے اور بھولی بات کو لکھی دیکھ کر یاد کر لیتا ہے اور دوسرا شخص بھی گو سیکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہوں مگر لکھی ہوئی بات کو سمجھ لیتا ہے اور ایک کے سینے کا مضمون دوسرے کے سینہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔

قلم پر نہ صرف سلطنتِ تجارت وحرفت کا دارومدار ہے بلکہ دینی امور بھی قلم کے ذریعے سے آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور اُن کے علوم اور اسی طرح اولیاءِ کرام کے فیوض وبرکات جو پچھلوں کو پہنچے اور پہنچ رہے ہیں قلم ہی کے ذریعہ سے۔ اس لیے قلم کے محامد میں لوگوں نے بہت کچھ عمدہ مضامین لکھے ہیں۔

اور دوسرا ثبوت اُس کے کرم کا یہ ہے کہ علم الانسان مالم یعلم کہ انسان کو جس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ وہ خون کی ایک پھٹکی سے بنا ہے وہ چیزیں سکھائیں کہ جن کو وہ جانتا نہ تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اسرارِ غیب بتائے۔ بندوں کو نجات اور دنیاوی انتظام کے قانون سکھائے' عرفاء کو مواجید واشواق کے رستے بتائے' ذات وصفات کے علوم عطا کئے' حکماء کو صدہا علوم اور علوم کے اصول سکھائے۔ جن سے اُنہوں نے دنیا میں وہ وہ عجائب فنون ایجاد واختراع کئے جو حیرت بخش ہیں۔ عام ہے کہ قلم کے ذریعہ سے یا خود اس کے دل میں القاء کئے ہیں۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیمِ الٰہی کے دو طریقے ہیں ایک تعلیم قلم یعنی تعلیم کتابی یہ کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ دوم تعلیمِ روحانی یا لدنی جو وحی والہام کے ذریعے سے انبیاء کو ہوتی اور قرآن تعلیمِ لدنی ہے اور یہ قلم کے ذریعہ سے پچھلوں تک متوارث ہوتا رہے گا۔ بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد قلمِ اعلیٰ ہے یعنی روحِ اعظم جو واسطہ ہے علوم غیبیہ کا۔ اس کے ذریعے سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔ فائدہ: انسان کو جن وسائل سے علم آتا ہے بہت سے ہیں۔ از انجملہ قلم ہے جس کا ذکر ہوا' از انجملہ حواسِ ظاہرہ وباطنہ ہیں۔ یہ جزئیاتِ مادیات کے علم میں کام آتے ہیں۔ از انجملہ استدلال ونظر وفکر ہے جو چند معلومات کے مرتب کرنے سے مجہول چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ از انجملہ کشف ہے۔ از انجملہ رویاءِ صادقہ ہیں' از انجملہ وحی والہام ہے۔ نجوم ورمل وجفر علم معین یقین کے ذرائع نہیں ان سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ظن ہے اور وہ کارآمد ہیں۔ اب ان بے انتہا نعمتوں کے بدلہ میں انسان اپنے منعم

سے کیا کرتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿٧﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿٨﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿١٤﴾

بے شک انسان تو سرکشی کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پروا جان رہا ہے۔ پھر کر تو تیرے رب ہی کے پاس جانا ہے۔ تم نے اُس کو بھی دیکھا جو بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ پر ہوتا یا پرہیزگاری سکھاتا۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر اُس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب | کلا فیها اقوال (١) انها بمعنی حقا وھو مذھب الکسائی۔ لانہ لیس قبلها ولا بعدها شیء تکون کلا ردًا لہ ذکرہ الجرجانی صاحب النظم (٢) روع وزجر لمن کفر الغامہ تعالٰی بطغیانہ وان لم یتقدم لہ ذکر (٣) مذھب ابی حیان انها بمعنی الا التنبیہ نحو الا انھم ھم المفسدون فیقف علی ما قبلها وعلی الاول الوقف علیها ان راہ بالنصب قال الاخفش اصلہ لان راہ فحذفت اللام کما یقال انکم لتطغون اُن رایتم غناءکم۔ وقال ابن الصائغ ھو مفعول لہ ای یطغی لذاک۔ والرویۃ ھٰھنا بمعنی العلم ولو کانت بصریۃ لاتمنع الجمع بین الضمیرین فی فعلها لشیء واحد لان ذلک من خواص علم و مثلہ فالمفعول الاول الضمیر فی رآہ والثانی استغنٰی الرجعٰی والرجوع والمرجع کلها مصادر۔ والرجعٰی علی وزن فعلٰی۔ ارایت فی المواضع الثلاثۃ بمعنی اخبرنی لان الرؤیۃ سبب الاخبار عن المرئ فاقیم مقام الاستفھام والخطاب لکل من یصلح لہ۔ ارایت فاعلہ الضمیر المستتر فیہ ای انت الذی موصول ینھی الضمیر الراجع فیہ الی الموصول فاعلہ عبدا مفعولہ اذا صلٰی متعلق بینھٰی والموصول مع الصلۃ مفعول لرءیت والجملۃ الشرطیۃ (ان کان علی الھدی معطوف علیہ او امر بالتقوی معطوف) مفعولہ الثانی وجواب الشرط محذوف یدل علیہ قولہ الم یعلم الخ وارایت الثانی زائدۃ مکررۃ للتوکید ارایت الثالث مفعولہ الاول محذوف ان کذب و تولٰی شرط الم یعلم الخ جوابہ والشرط مع الجواب مفعولہ الثانی فان قلت کیف صح ان یکون الم یعلم جوابا للشرط قلت کما صح فی قولک ان احسن الیک زید ھل نحن الیہ۔ الکشاف۔

تفسیر | کیا شکرگزاری اور نیازمندی کرتا ہے یا سرکشی اس کا بیان اِن آیات میں ہے۔ کلا نہیں نہیں انسان شکرگزاری نہیں کرتا بلکہ ان الانسان لیطغٰی انسان سرکشی کرتا ہے۔ اور یہ کس لیے کرتا ہے ان راہ استغنٰی کہ وہ اپنے آپ کو اُس منعم کا محتاج اور دستِ نگر نہیں سمجھتا جانتا ہے کہ اب مجھے کیا پروا ہے مجھ میں زور ہے تو ایسا' میرے پاس مال و اسباب ہے تو یہ کچھ' اور مجھے علم و عقل ہے تو یہ کچھ۔ جس کے آگے تمام حیوانات میرے غلام اور عناصر میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لا کر تار کے ذریعہ سے پَل بھر میں سیکڑوں کوس اپنا مضمون پہنچا سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں کہ جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ابخراتِ مائیہ کے زور سے ہزاروں من بوجھ کھینچنے والی تیز چلنے والی ریل بنا سکتا ہوں۔ بخارات کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشین چلا سکتا ہوں' سمندر کے سفر کے لیے میں نے اپنے علم اور عقل سے وہ وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہوگئی اور انسانی علاج میں میں نے وہ وہ نسخے بہم پہنچائے کہ جن کو سن کر حیرت ہو جاوے۔ میں ہڈی کی جگہ اور ہڈی لگا سکتا ہوں اور بدن میں خونِ جدید پہنچا کر قوی کر سکتا ہوں۔ میں نے بارش کی حقیقت معلوم کر لی۔ اب جب چاہو چند گولے چھوڑ دوں اُن کے ابخراتِ اوپر کو جا کر بادل بن جائیں اور پانی برسنے لگے۔ میں بجلی بنا سکتا ہوں نوشادر اور جست اور تانبے کو ترکیبِ خاص سے ملا دوں تو وہی کڑک وہی چمک ہونے لگے۔ اب میں آسمان کی طرف کبھی غبارہ میں بیٹھ کر اُڑنے لگا ہوں۔ میں نے وہ وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ جن سے عالمِ غیب کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں کوس کے ستارے

میرے سامنے آجاتے ہیں وہاں کی چیزیں مجھے خوب دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے معاش میں وہ وہ کارآمد چیزیں ایجاد کی ہیں اور وہ وہ پُر لطف مکان بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ وہ وہ باجے ایجاد کئے ہیں کہ چابی دینے سے خود بخود گھڑیوں بجتے ہیں اور سننے والے کو محو کر دیتے ہیں ہماری کوٹھی کا فرنیچر یعنی سامان کچھ جنت کے سامانوں سے کم نہیں۔ اب بھی میں بہت سی چیزوں کی تحقیق میں سرگرم ہوں پھر دیکھئے میں کیا ہو جاتا ہوں۔ خدا خدا ارے کہاں ہے مجھے کوئی دوربین خوردبین یا اور کسی آلہ سے تو دکھائے۔ فلسفۂ جدید کہتا ہے۔ یہ ایک انسان کا خیال ہے جو پشت در پشت چلا آیا ہے عالم اجسام مادہ کے سبب موجود ہے۔ آپ ہی چیزیں بگڑتی بنتی ہیں۔ جیسا کہ دریا کے جوش میں پانی کے لیے بلبلے اُٹھتے اور بیٹھ جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کس نے روح کو دیکھا ہے وہ تو قطعاً مر جاتی ہے۔ پھر آخرت اور ثواب وعقاب کا جھگڑا محض ریفارمروں نے لوگوں کے سمجھانے ڈرانے کے لیے بنالیا ہے اور اس بغیر اُن کا کام بھی نہیں چلتا تھا۔ یہ ہے وہ انسان بدبخت' نمک حرام کی سرکشی جس نے اس خون کی بوند کو ایسا بنایا اور یہ کچھ سکھایا آج اُس سے اکڑتا ہے اور یہ سرکشی علیٰ قدر مراتب ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک اپنے حوصلہ کے موافق کرتے تھے آج کل جو علوم جدید اور نیا فلاسفہ پھیلایا گیا اور عمدہ عمدہ سامانِ معاش بہم پہنچے تو صاف صاف بغاوت کی ٹھہرادی حالانکہ ابھی تو اس نمک حرام کو لاکھواں حصہ بھی نہیں بتایا ہے یہ خود جانتا ہے کہ فلسفۂ حال اور اُس کی تحقیق کسی حد پر جا کر ٹھہرا نہیں گئی ہے ہر روز اور ہر سال نئی نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں جن باتوں کا اگلے سال یقین تھا اب اُن کو غلط بتایا جاتا ہے۔ الغرض جن جن نعمتوں پر شکر کرنا چاہیے تھا اُنہیں پر اکڑنے لگا۔ کوئی حسن پر' کوئی حسب ونسب پر' کوئی مال وجاہ پر' کوئی علم وذہن پر' کوئی اولاد ولشکر وتخت پر بعض مفسرین انسان سے مراد آیت میں خاص انسان لیتے ہیں۔ مکہ کے کفار ابوجہل وغیرہ۔

اس بیان کے بعد انسانی سرکشی کو باطل کرتا ہے۔ فقال ان الی ربك الرجعٰی کہ بے شک تیرے رب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہر پھر کر اُسی کی طرف آنا ہوتا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں اول یہ کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ جن حکیموں فیلسوفوں نے یہ کچھ ایجاد و اختراع کئے ہیں آخر وہ بھی اپنی صحت اور جوانی کی بقا کی کوئی تدبیر نہیں کر سکے۔ دیکھ رہے ہیں کہ عمرِ رواں ہاتھ سے چلی جا رہی ہے' تندرستی اور جوانی کا قافلہ لٹ رہا ہے' یکے بعد دیگرے اُس کے قویٰ جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ آخر ایک روز یہ سرکش لمبے چوڑے دعوے کرنے والا بھی چل دیتا ہے' بے حس وحرکت ہو کر گر پڑتا ہے اب اُس کی روح خدا کے پاس جاتی ہے اپنے کئے کا بدلا پاتی ہے۔ دوم یہ کہ باوجود ان نعمتوں اور ان علوم کے جو اس کو خدا نے تعلیم کئے اور جن پر یہ سرکشی کرنے لگا اور منعم سے اکڑ بیٹھا جب آن کر اس کی کوئی تدبیر بگڑتی ہے تو پھر خدا ہی سوجھتا ہے۔ اسی طرح وہ لشکر جن کے اسلحۂ جنگ پر ناز تھا شکست کھاتا ہے اور کوئی تدبیریں نہیں پڑتی تو خدا ہی کی طرف دل دوڑتا ہے بڑے بڑے حکیم وڈاکٹر جو اعجازِ مسیحا کے مدعی تھے جب تدبیر بگڑتی ہے اور کچھ بن نہیں آتی تو وہی سوجھتا ہے۔ بہر طور ہر حال اور شان میں اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان پر تمام تدابیر اور زوروں کے بعد ایک ایسی حالت بھی آتی ہے کہ جہاں بجز ناچاری کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ حالت ہے کہ جس کو رب کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی اندرونی آنکھیں روشن ہیں وہ تو اس وقت بھی دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر جان لیتے ہیں کہ تمام اسباب کا سلسلہ ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جو گمراہِ ازلی ہیں اور بالکل تیرہ باطن ہیں اور بہائم سے زیادہ اُن میں باطنی حس وادراک نہیں وہ اُس حالت میں بھی کہ جو رجوع الی اللہ کی حالت ہے دل سے رجوع نہیں ہوتے اور اُسی گمراہی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔ منجملہ اُس کے سرکشی کی ایک حرکتِ بدیہہ بھی ہے ارایت الذی ینھٰی عبدا اذا صلی کہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو نماز اور رجوع الی اللہ سے روکتا ہے۔ آپ تو رکا ہوا تھا ہی اوروں کو بھی روکتا ہے۔ یہ گمراہی اور سرکشی کا کمال درجہ ہے۔ ابوجہل لعین نے بھی ایسا ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آکر گلے میں پٹکا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی آنکھیں نکل آئیں اور کہا کہ اگر پھر کبھی تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں اور بلال رضی اللہ عنہ جو غلام تھے جب تک اُس کی ملک میں تھے ان کو نماز سے روکتا تھا۔ اس وجہ سے مفسرین نے کہہ دیا کہ یہ آیات ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

فائدہ: نماز سے روکنے سے وہی روکنا مراد ہے جو عبادتِ الٰہی کا مخالف بن کر روکے۔ ورنہ بے قاعدہ اگر کوئی نماز پڑھے جیسا کہ اوقاتِ مکروہ میں یا غصب کی زمین میں یا فرائض وسنن کے علاوہ اور زیادہ نوافل میں نوکر یا بیوی مصروف ہو کر حرج کار کرے تو یہ روکنا وہ روکنا نہیں۔

اب یہ بتاتا ہے کہ بجائے اس سرکشی کے اُس کو یہ کرنا تھا۔ فقال ارایت ان کان علی الھدٰی اور امر بالتقوٰی کہ اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی وہ ناشکر متکبر باغی بن کر جو اوروں کو بھی خدا کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر بجائے اس گمراہی اور سرکشی کے خود ہدایت پر ہوتا یعنی سیدھی راہ چلتا جو انبیاء کی راہ ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے اوروں کو بھی تقوٰی و پرہیز گاری کی ہدایت کرتا حکم دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ گمراہی اور سرکشی کے بدلے ہدایت پر ہوتا اور لوگوں کے روکنے کے بدلے اُن کو بھی ہدایت کرتا مہدی اور ہادی ہوتا تو کیا بگڑ جاتا برخلاف اس کے ضال ومضل بن گیا۔ نعمت کی شکر گزاری یہ ہے نہ وہ۔

فائدہ: لفظ و جس کے معنی یا کے ہیں انفصالِ حقیقی کے لیے نہیں صرف منع خلو کے لیے ہے کہ ان میں سے ایک نہ ایک بات ضرور کرنی تھی اور جو دونوں ہوتیں تو اور اچھا ہوتا مگر وہ بدنصیب تو ادھر آتا ہی نہیں اس بات کو اس جملہ میں ارشاد فرماتا ہے ارایت ان کذب وتولی الم یعلم بان اللہ یریٰ دیکھ تو سہی اگر اس بد بخت نے ارشادِ الٰہی کو جو اسی کی بہتری کے لیے تھا بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا ہے تو کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ بھی دیکھ رہا ہے۔ خلاصہ کلام اگر وہ خود بھی ہدایت پر ہوتا اور دوسروں کو بھی اور جو اس نے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا تو بھی خدا نیکی بدی کا بدلہ دیتا ہے پھر جو بندہ نیکی سے روکتا اور بدی کرتا ہے کیا اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا دیکھتا نہیں ضرور دیکھتا ہے۔ اس میں اجمالی طور پر اعتقادات کی جزاء وسزا کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حق سبحانہ لطیف وخبیر ہے کوئی جوہر اور کوئی عرض اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی علمِ حضوری کہ نہ ذہول ہے نہ نسیان اور یہ اس لیے کہ وہ خالق ہے اور جواہر واعراض مخلوق ہیں اور علت کو معلول کا علمِ حضوری ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت کہ وہ عادل ہے پھر اس کے نزدیک محسن اور مسیء نیک اور بد برابر کیونکر ہو سکتے ہیں اور قادر بھی ہے اور قدرتِ کاملہ کا ثبوت اس کے خالق ہونے سے بخوبی ہے۔ پھر قادر بھی ہو عادل بھی ہو عالم بھی ہو کہ اعمال تو اعمال دلوں کے خطرات بھی اس کو معلوم ہوں پھر اگر وہ نیک کو جزا اور بد کو سزا نہ دے تو عالم کی بادشاہی تو بڑی چیز ہے ایک گھر پر بھی حکومت نہیں کر سکتا اس لیے جس طرح اس کے فضل کا مقتضی یہ تھا کہ اس نے انسان کو یہ یہ نعمتیں عطا کیں اور علم کی دستار اس کے سر پر باندھ کر اور مخلوق کا سردار بنایا اسی طرح اس کے عدل وانصاف کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ ان نعمتوں کے شکر کرنے والے کو دنیا میں یا مرنے کے بعد جزاءِ خیر عطا کرے اور وہ کیا ہے حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی۔ اور شکر یہ کیا ہے ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور یہ خیال رکھنا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دل سے اس محسن کی محبت کرنا اور ناشکری کیا ہے کفر اور طغیان اور نیکی سے اوروں کو بھی روکنا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اسی کی تصریح فرماتا ہے۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ
نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾

خبر دار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ جو جھوٹا اور گناہ گار ہے لے اب بلالے گا اپنی مجلس کو ہم بھی اپنے پیادے بلاتے ہیں خبردار۔ اس کا کہنا نہ مانیو اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو جاؤ۔

ترکیب | کلا۔ زجر للناہی عن الصلوٰۃ والخیرات۔ لئن شرطیۃ واللام موطئۃ للقسم ای واللہ لئن لم ینتہ عما ھو علیہ شرط النسفعاء الخ جواب الشرط۔ واصلہ لنسفعن۔ صیغۃ جمع المتکلم مع لام التاکید ونون الخفیفۃ للتاکید۔ السفع القبض علی الشیء وجذبہ بشدۃ (کشیدن) یقال سفع یسفع (سفع موئے پیشانی گرفتن (ع فتحہما) یقال بہ سفعۃ من الشیطان ای مس وسوختن آتش وسموم روی دادرنگ گردانیدن۔ (سفعہ بالضم سیاہی کہ بسرخی زند) صراح وقری لنسفعن بنون مشددۃ ونون المخفۃ تبدل بالالف فی الوقف لسکونھا وانفتاح ماقبلھا۔ وکتبت فی المصحف بالالف علی حکم الوقف۔ ولما علم انھا ناصیۃ المذکور اکتفی بلام العھد عن الاضافۃ فقیل بالناصیۃ ناصیۃ بدل من الناصیۃ وجاز بدلھا عن المعرفۃ لانھا وصف بکاذبۃ خاطئۃ فاستقبلت بفائدۃ وصارت کالمعرفۃ وقرءت ناصیۃ بالرفع علی انھا خبر مبتدء ای ھی وقرءت بالنصب علی الذم۔ ووصف الناصیۃ بالکذب والخطاء وھما لصاحبھا علی الاسناد والمجازی للمبالغۃ والنصایۃ شعر مقدم الراس۔ النادی المجلس الذی ینتدی فیہ القوم ای یجتمعون المراد اھل النادی (نداء بالکسر والمد آواز دادن وخواندن وقد یضم ایضاً مثل دعا ورغاء منا داۃ مثلہ وتناد واای نادیٰ بعضھم بعضاً ندی ندوۃ نادی منتدیٰ انجمن) صراح الزبانیۃ قال الکسائی والاخفش وعیسیٰ بن عمر وجمع زابن وقال ابو عبیدہ جمع زبینۃ۔ وقیل زبانی بتشدید الیاء وقیل ھو اسم الجمع لا واحد لہ من لفظہ کعبادیہ وابابیل۔ واصل الزبن الدفع فالعرب تطلق ھذا الاسم علی من اشتد بطشۃ قال قتادہ ھم الشرط[1] قرء الجمھور سندع بالنون ولم یرسم الواو کما فی قولہ یوم یدع الداع۔

تفسیر | کلا۔ خبردار یہ اس ناشکر کو جھڑکی ہے۔ واضح ہو کہ لفظ کلا کے کلام عرب میں کئی معنی ہیں۔ کبھی بمعنی بے شک وتحقیق کے آتا ہے کبھی حرف تنبیہ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ الا اس کے معنی ہیں دیکھو۔ کبھی تنبیہ وزجر وتوبیخ کے لیے آتا ہے جس کے معنی ہیں خبردار۔ یا نہیں نہیں اس جگہ اس معنی میں مستعمل ہے اور یہ کلمہ قرآن مجید کے نصف اول میں مستعمل نہیں ہوا نصف اخیر بالخصوص آیات وسورۂ مکیہ میں آیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مکہ کے لوگ کفر وبدکاری اور بیہودہ گوئی پر اصرار اور ہٹ دھرمی زیادہ کرتے تھے۔ اس جھڑکی کے بعد فرماتا ہے لئن لم ینتہ لنسفعا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ اگر وہ بدکیش ناشکر کافر اس پر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر کھینچیں کے یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر جو خطاکار اور جھوٹی پیشانی ہے۔

فائدہ: پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے مراد سر کا ذلیل وخوار کرنا ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ انجام کار ایسے متکبر وکافر سخت رسوا اور بہت ذلیل ہوتے ہیں۔ خدائے جباران کے سب زور توڑ دیا کرتا ہے۔ کوئی تدبیر نفع نہیں دیتی اور جو کسی مصلحت سے دنیا میں چندروز مہلت بھی دی تو مرنے کے بعد تو یہی سزا ہے سفع کے معنی گھسیٹنے کے بھی ہیں اور سیاہی کو بھی کہتے ہیں اس لیے دوسرے معنی پر خیال کر کے علماء نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ ہم اس کو روسیاہ کردیں گے۔

فائدہ: پیشانی سر میں ایک نمود کی چیز ہے اور سر ہی تمام غرور اور بطالت کا خزانہ ہے اس لیے ذلیل کرنے میں پیشانی کا ذکر کیا اور اس لفظ سے تعبیر کیا اور چونکہ یہ پیشانی یعنی سر غرور اور خیالاتِ بیہودہ کا مخزن ہے دماغ ہی میں یہ لغویت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو خاطیہ یعنی خطا کار کہا یعنی غلط خیالات کا مخزن اور اس میں جھوٹی تمنائیں بھی ہوتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہم نے عزت حاصل کی خدا کے ہاں بھی حاصل کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کو کون سزا دے سکتا ہے اس لیے اس کو کاذبہ یعنی جھوٹی بھی فرمایا یعنی وہ علوم جو اس کو راہِ حق سے روکے ہوئے تھے بطالت وکذب تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پیشانی خاطئہ کاذبہ ہونے سے مجازاً پیشانی والا مراد ہے۔

فائدہ: خاطی اور مخطی میں فرق ہے۔ اول وہ جو دیدہ دانستہ کوئی برا کام یا غلط کاری کرے۔ دوم وہ جو بھولے سے۔ اول کی سزا جہنم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے من غسلین لا یاکلہ الا الخاطئون۔ دوسرا قابلِ درگزر ہے جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا کہ اے ہمارے رب بھول اور نادانستہ خطا پر ہمیں نہ پکڑنا۔

---

[1] سپاہی پیادہ۔۱۲

اگر اس پر بھی بس نہ ہو اور یہ سمجھے کہ ہم کو کون پکڑ سکتا ہے جیسا کہ ابو جہل لعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز اور قرآن پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اب دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے قہر سے ڈرو۔ وہ چاہے تو تیری گردن توڑ ڈالے۔ اس پر اس نے کہا میری گردن کون توڑ سکتا ہے اگر میں اپنے اعوان وانصار تو کیا ہر وقت مجلس اور دربار کے بیٹھنے والوں کو بھی کہوں اور ان کو بلاؤں تو آدمیوں سے جنگل بھر دوں۔ اسی طرح ہر سرِ پرغرور کو خیال ہوتا ہے تو حق سبحانہ فرماتا ہے جب اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹیں اور اس کو ذلیل وخوار کرنا چاہیں تو فلیدع نادیہ وہ اپنی مجلس اور اعوان وانصار کو بلالے دیکھیں کون آ کر ہمارے مقابلے میں اس کو بچاتا ہے؟ کس لیے کہ سندع الزبانیۃ ہم بھی اپنے جلادوں کو بلائے لیتے ہیں خدا تعالیٰ کے جلاد وقہرِ الٰہی کے فرشتے ہیں جن کے مقابلے کی کسی کو بھی طاقت نہیں اور نیز وہ حوادث وہولناک وقائع ہیں جو دنیا میں پیش آتے ہیں اور پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتے۔ وباء' قحط' بیماری' تنگ دستی' بے عزتی' نفاق باہمی' بزدلی' سوءِ تدبیر' کا ہلی' غلبۂ اعداء وغیرہ بھی آسمانی جلاد ہیں۔

فائدہ۴: پھر جب ایک بار حسبِ دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل لعین نے دیکھا اور حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔ جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا پچھلے پاؤں جلدی سے لوٹا۔ لوگوں نے دیکھ کر پوچھا تو کہا میرے اور اس کے درمیان ایک آگ کی خندق تھی اور پروں کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا اگر وہ میرے ہاتھ لگاتا تو اس کو فرشتے اچک لے جاتے اور تم سب کے سامنے پرزے پرزے کر ڈالتے (رواہ مسلم واحمد ونسائی وغیرہم)

آخرش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی میں اس واقعہ کے بعد ابو جہل بہت سے بہادروں کو لے کر نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں نکلا حالانکہ اس کی جمعیت سہ چند تھی مگر جب فرمانِ الٰہی نازل ہوا تو اس کی مجلس وجلیس کچھ کام نہ آئے اور بہت سے مارے گئے اور بہت بھاگے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور یہ بھی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹی اور کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک گڑھے میں لا کر ڈال دیا گیا۔ خدا کے قہر سے ڈرتا رہے۔ آج وہ پرغرور جھوٹی اور خطاکار پیشانی کس ذلت سے میدانِ بدر میں گھسیٹی گئی۔

اس تہدید کے بعد اہل اللہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کلا کہ ہرگز ہرگز لاتطعہ اس کافر بدکیش ناشکرہ کا کہنا نہ مان جو تجھے نماز وتقرب وعباداتِ الٰہی سے روکتا ہے بلکہ اسجد اپنے رب کو کہ جس نے تجھے یہ نعمتیں دیں علم دیا سجدہ کر اور اس کے آگے جھک۔ بندہ کی یہی سعادت مندی ہے کہ اپنے آقا اور محسن کے آگے جھکے۔ سجدہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک نماز ہے اس افضل جزء سے کل کو تعبیر کیا اور اس کی افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ سرِ پرغرور کہ جس کو ناشکرا و نیچا رکھتا ہے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ انسان کے تمام جسم میں افضل جزء ہے یہ کمالِ نیازمندی کی دلیل ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب کو سجدہ کرتا رہتا ہے تو نہایت قریب ہو جاتا ہے (رواہ مسلم) اور اسی لیے غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہو گیا۔ بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

اور اے بندے! اس سجدہ سے اقترب اس کا قرب حاصل کرنا۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسی قدر قرب حاصل ہوتا ہے اور سجدہ افضل عبادت ہے اس لیے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے اس لیے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز تھا۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں سے اخیر موقع ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے کہ کلا لئن لم ینتہ الخ خاص ابو جہل کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور خطاب کے صیغوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ قدر مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ‌ۚ‌ۖ ۝١ وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِؕ ۝٢ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍؕ‏ ۝٣ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓٮِٕكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ‌ۚ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۛۙ ۝٤ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝٥

ہم نے اتارا ہے اس کو شب قدر میں اور تو کیا جانے کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر سلامتی کی رات ہے وہ صبح روشن ہونے تک۔

ترکیب | انا مبتداء انزلناہ الضمیر یرجع الی القرآن وان لم یتقدم ذکرہ لکونہ معہودا معلوما فی متعلق بانزلنا والجملۃ خبر المبتدء۔ وما ادراک الجملۃ استفہامیۃ لبیان عظم شان لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر مبتدء خبر من الف شہر خبرہ والجملۃ التامۃ جواب الاستفہام۔ تنزل بحذف احدی التائین من الاصل۔ الملائکۃ فاعلہ وتانیث الفعل لاعتبار جمعیۃ الفاعل ای متلبسین والروح معطوف علی الملائکۃ۔ فیہا ای فی لیلۃ القدر والجار متعلق بتنزل باذن ربہم متعلق تنزل اوبمحذوف ھو حال من فاعلہ ای متلبسین باذن ربہم ای بامرہ۔ من کل امر ای من اجل کل امر وقیل من بمعنی اللام ای لکل امر وقیل بمعنی الباء ای بکل امر۔ متعلق بالفعل السابق۔ والفعل مع متعلقاتہ جملۃ مستانفۃ مبنیۃ لوجہ فضیلۃ لیلۃ القدر وتم الکلام عند من کل امر۔ ثم ابتداء فقال سلام ھی فی سلام وجہان الاول بمعنی مسلمۃ ای تسلیم الملائکۃ علی المومنین اوتسلیم بعضھم علی بعض فعلی ھذا ھی مبتداء موخر وسلام خبر مقدم وحتی متعلقۃ بسلام ای الملائکۃ مسلمۃ ای مطلع الفجر والثانی بمعنی سلامۃ ویجوز الوقف علیہا ویکون المعنی سلام من کل امر ہی حتی مطلع الفجر۔ یجوز ان تعلق حتی بسلام اور بتنزل مطلع بکسر اللام وفتحہا لغتان وقیل الفتح اولی۔

تفسیر | اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورۃ کہاں نازل ہوئی! ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس و ابن زبیر و عائشہ صدیقہ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور واقدی بھی یہی کہتے ہیں۔ قول اول زیادہ معتبر اور قرینِ قیاس ہے۔ اس کی پانچ آیت ہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو سورۃ اقراء سے یہ ہے کہ سورۃ اقراء میں بشر پر الطاف اور اس کے ترقیات کا اور پھر اس کی سرکشی اور سرکشی سے باز نہ آنے پر سزا کا ذکر تھا اس سورہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان ترقیات والطاف کے سوا ہم نے انسان پر دو اور بے انتہاء عنایت کی ہیں (۱) یہ کہ اس کی تہذیب اور دارین کی سعادت کے لیے ہم نے قرآن نازل کیا یعنی اس کو اس علم پر نہیں چھوڑا بلکہ علم الانسان مالم یعلم کے پورا کرنے کے لیے آپ اس سے بواسطہ جبرائیل اور پیغمبر علیہما السلام کے کلام کیا اور خود اس کو آئندہ سعادت کی باتیں سکھائیں اور ہاویہ میں گرانے والی باتوں سے بچایا (۲) یہ کہ جس طرح دنیاوی شہنشاہوں کے ہاں ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں الطاف وعنایتِ خسروانہ بے شمار ہوتی ہیں' انعامات بٹتے ہیں' فرمانبرداروں کے لیے ترقی درجات ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی انسان کے لیے ایک رات سال بھر میں ایسی رکھی ہے اگر یہ اس میں ہماری طرف توجہ کر لے اور عبادت واستغفار کرے تو اس کو بے انتہا انعامات ملیں' دعائیں قبول ہوں' اس

کے گناہوں سے درگزر ہو اور برسوں کی عبادت سے یہ عبادت افضل ہے اور وہ لیلۃ القدر کا وقت ہے۔ ان دونوں باتوں کا اس سورۂ مبارکہ میں ذکر ہے اور یہ رحمتِ خاص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے پیرؤوں کے لیے ہے اور سر اس میں یہ ہے کہ پہلی اُمتوں کی عمریں دراز اور قویٰ تیز تھے اس لیے ان کے لیے عمل اور احکام کی پابندی کی بھی مشقت زیادہ تھی کئی کئی سو برسوں کی عمریں ہوا کرتی تھیں اور ان میں وہ کیا کیا ریاضاتِ شاقہ کرتے تھے اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میری امت اور اگلی اُمتوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کسی نے نصف دن تک ایک معین اجرت پر کسی کو کام پر لگایا اور پھر نصف دن سے لے کر عصر تک اسی کام اور اسی اجرت پر دوسرے کو معین کیا اور پھر عصر سے لے کر غروب تک دوگنی اجرت پر تیسرے شخص کو معین فرمایا۔ پہلے نے کہا میرا وقت اتنا اور مزدوری اسی قدر کہ جس قدر نصف دن سے لے کر عصر تک والے کی ہے اور اس کا وقت مجھ سے نصف۔ پھر دوسرے نے بھی تیسرے کی نسبت یہی شکایت کی ہے کہ اس کا وقت مجھ سے کم اور اجرت دو چند۔ مالک نے فرمایا کہ یہ میری عنایت ہے جس پر چاہوں کروں مگر تمہارے حق میں سے تو میں نے کوئی کمی نہیں کی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ پہلا شخص یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اور دوسرا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور تیسرا میری امت ہے تمہارے لیے وقت کم اور اجرت دو چند ہے۔ (اس کو امام مالک وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے) اور مقتضائے رحمتِ تامہ (کہ جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التماس کی تھی اور جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ فسا کتبھا للنبی الامی الخ کہ میں اس کو نبی امی کے حصہ میں لکھے دیتا ہوں اور کتبِ سابقہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ میں ایک نئی قوم پیدا کروں گا اور وہ میری قوم کہلاوے گی اور وہ ابد تک مبارک ہوگی میں اپنے دستِ شفقت کو ان سے نہ اُٹھاؤں گا الخ یہی تھا کہ اس امت اور اسم بارک قوم کے لیے ایک رات تقریبِ الٰہی میں ہزار راتوں سے بڑھ کر بنائی جائے گی تاکہ یہ لوگ تھوڑی عمر اور تھوڑے زمانہ میں وہ تقریب حاصل کریں جو اوروں کو سیکڑوں برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ گویا وصل الی اللہ کے پہلے بیل گاڑی تھی پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں گھوڑا گاڑی بنی اور آخر الزمان نبی کے عہد میں ریل یا اس سے بھی جو کوئی تیز اور آرام کی سواری ہو وہ بنی۔ جلد شہرِ مقصود تک تھوڑی سی دیر میں پہنچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جوگی اور گشائیں اور پادریوں میں راہب کیا کیا مشقتیں اُٹھاتے ہیں اور کیسی کیسی سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر ان پر تقریبِ الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا۔ باطن میں وہی تاریکی باقی رہتی ہے جو کبھی کسی جھری یا سوراخ میں سے کچھ چمک پڑ گئی تو کس حساب میں ہے۔ برخلاف طریقۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یہاں تھوڑی دیر میں اور بہت آسانی سے کشود کار ہوتا ہے پھر جو کوئی اب بھی ادھر نہ آئے تو بڑا ہی بدنصیب ہے ذرا اس سے کو پی کر تو دیکھے۔ ان سب باتوں کا ذکر اس سورۂ مبارکہ میں ہے گویا یہ شوق دلانے کے لیے اعلانِ شاہی فرماتا ہے انا انزلنہ فی لیلۃ القدر کہ خاص ہم نے نہ کسی اور نے اس کو یعنی قرآن کو جس کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں غلغلہ مچا ہوا ہے کسی ایسے ویسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس خاص وقت میں یعنی لیلۃ القدر میں۔

اب اس جگہ ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باتفاق مؤرخین قرآن مجید تئیس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔

اور سب سے اول جو سورۂ اقراء مالم یعلم تک نازل غارِ حرا میں ہوئی تو شوال کا مہینہ تھا اور غالباً اول عشرہ تھا پھر یہ کیونکر صحیح مان لیا جاوے کہ قرآن مجید کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انزال[1] اور تنزیل میں فرق ہے۔ تنزیل ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال ایک بار۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تنزیل تئیس برس میں ہوئی اور ابتدائے تنزیل ماہ شوال میں ہوئی مگر اس

---

[1] ایک سوال انا انزلناہ پر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی تو قرآن کا جز ہے۔ پھر جب انزلناہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے تو اس میں یہ جملہ داخل نہیں ہو سکتا ورنہ حکایت ومحکی عنہ کا اتحاد لازم آجائے گا۔ اس کا جواب چند وجوہ ہے کہ گو انزلناہ میں ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کا اطلاق جزء اور کل سب پر ہوتا ہے ایک آیت یا سورہ کو بھی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ مجموعہ کو پس ضمیر قرآن کے ان اجزا کی طرف پھرے گی جو سب سے اول لیلۃ القدر میں نازل ہوئے اور بھی جواب ہیں۔ ۱۲ منہ

آیت میں انزال کا ذکر ہے نہ تنزیل کا۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کل ایک بارگی شبِ قدر میں جو رمضان کے مہینے میں واقع تھی (جیسا کہ اسی لحاظ سے فرمایا گیا۔ شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کہ رمضان کا وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا)۔ لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے حسبِ حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ہر کلام کو اس کے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے اور ترتیبِ اصلی قرآنِ مجید کی یہی ہے جو اب موجود ہے اور اسی ترتیب سے لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں اُوپر سے لا کر رکھا گیا تھا۔

پھر یہ بات دریافت طلب ہے کہ لوحِ محفوظ کیا ہے اور بیت العزۃ کیا ہے اور کیا قرآن کاغذوں پر معمولی سیاہی سے لکھا ہوا مجلد بیت العزۃ میں آیا تھا؟ اس کی تشریح ہم مقدمۂ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوحِ محفوظ کوئی لوہے یا چاندی یا سونے یا لکڑی کی تختی نہیں۔ بلکہ وہ علمِ الٰہی کا تعین اور مرتبۂ اثبات ہے۔ جس میں ہر ایک چیز کا علم دوسری چیز کے علم سے متعین و ممیز ہے باتمیازِ خاص ورنہ ذاتِ بحت کے مرتبہ میں بھی اس کے علوم ناقص اور غیر متمیز نہیں۔ اس مرتبہ کو لوح سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں ایک مطلب کو دوسرے مطلب سے امتیازِ خاص ہوتا ہے اور یہ امتیاز اس سے جدا ہے جو لکھنے والے کے ذہن میں پہلے تھا کس لیے کہ وہ مرتبہ مکفی و مکنون تھا یہ لوح کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہے وہ خود پڑھ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ عالمِ شہود میں یہ مرتبہ اپنے اپنے مناسب کسی شکلِ نورانی میں متمثل بھی ہو جس کو عالمِ جسمانی میں لوح سے کمال مشابہت ہو اور بیت العزۃ اس کے بعد اور دوسرا مرتبہ علم و امتیاز کا ہے کہ جو اعلیٰ طبقہ کے ملائکہ کے اوپر ظاہر و منکشف ہے اور ممکن ہے کہ اس مرتبہ میں قرآن کی حقیقت اپنے مناسب صورت میں متمثل ہو جس کو نوشتۂ کتاب سے نہایت مشابہت ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۔ لیلۃ القدر کیا ہے۔ قدر مصدر ہے قدرت القدر کا اور قَدَر اور قَدْر سکونِ دال اور اس کی حرکت سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ فرق ہے کہ بالسکون مصدر و بالفتح اسم ہے۔ واقدی کہتے ہیں قدر کے لغت میں معنی ہیں اندازہ کرنا اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہتے ہیں لفلان قدر عند فلان کہ فلاں شخص کے نزدیک قدر یعنی عزت ہو (کبیر)

اب دونوں کے معنی کے لحاظ سے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہنے کی علما نے کئی وجہ بیان فرمائی ہیں: (۱) ابن عباس فرماتے ہیں اس رات کو اس لیے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات میں برس بھر کی آنے والی بلائیں عالمِ بالا میں مقدر و معین کی جاتی ہیں کسی کا مرنا' بیمار ہونا' رزق کی فراغدستی' عزت و ذلت جو کچھ سال بھر میں اس جہاں میں ظاہر ہو گا وہ سب اس رات میں عالمِ بالا میں مشہور کر دیا جاتا ہے اور ہر ایک کام پر ملائکہ معین کر دیے جاتے ہیں۔ (۲) یہ کہ اس رات عالمِ بالا کے روحانیات اس قدر زمین پر آتے ہیں کہ گویا زمین میں تنگی ہو جاتی ہے گنجائش نہیں رہتی اور تنگی کے معنی میں بھی یہ لفظ قران مجید میں مستعمل ہوا ہے ومن قدر علیہ رزقہ۔ (۳) زہری فرماتے ہیں اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات نیک بندوں کی خداتعالیٰ اور عالمِ بالا کے لوگوں کے نزدیک نہایت قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اہلِ صفا سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور عام ایمانداروں کو بھی چھوتے ہیں گو ان کو محسوس نہ ہو جس کا اثر ان کے دل میں رقت اور گناہوں پر رونا اور دُعا کرنا ہوتا ہے اور ان کے اعمالِ حسنہ کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ (۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں اس لیے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں خداتعالیٰ نے کتابِ قابلِ قدر امتِ قابلِ قدر کے لیے رسول صاحبِ قدر کی معرفت نازل فرمائی اور اسی لیے یہ لفظ تین بار آیا اور اس لیے بھی کہ اس رات کی قدر کرنا چاہیے۔

یہ رات کب آتی ہے؟ | اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سال بھر میں ایک بار مہینے کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے۔ پھر اکثر اسی پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص ۲۱' ۲۳' ۲۵' ۲۷' ۲۹ راتوں میں تلاش

کرنا چاہیے اور بعض نے خاص ستائیسویں رات کی بابت زور دیا ہے اور احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔

اس کے اخفاء کی حکمت:

اور حکمت اس کے اخفاء میں یہ ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے' گناہوں سے بچے ورنہ خیر رمضان شریف اور خصوصاً عشرہ اخیرہ میں تو بڑی کوشش کرے۔ نیکی کرنا تو اس رات میں بڑی قبولیت کا باعث ہے مگر اس رات گناہ کرنا بھی قہر الٰہی کا سبب ہے جیسا کہ کوئی خاص بادشاہ کے دربار میں بغاوت اور نافرمانی ظاہر کرتا ہے بہ نسبت اور کے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کی زیادہ احتیاط چاہیے کہ بالخصوص اس رات گناہ سے بچے اور غفلت وعیش میں اس رات کو نہ گنوائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا یعنی بڑا ہی بدنصیب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو دربار کے روز بھی حضوری نصیب نہیں ہوئی تو پھر اسے خلوت میں کیا مل سکتا ہے اور پھر معلوم نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ رات اس کو نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں۔ زندگی کا بھروسا کیا۔ اس لیے ہر رات کی قدر کرنے والے کو وہ رات بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہمیشہ سے صلحا کا رات کو جاگنا' عبادت کرنا' نمازِ تہجد پڑھنا دستور رہا ہے۔

اور سر اس لیلۃ القدر کا یہ ہے کہ یہ اس کی تجلی کی رات ہے اور منجملہ شیونِ باری تعالیٰ کے ایک شانِ مواصلت وتقریب وتدلی بھی ہے مخلوق کی طرف جیسا کہ فرماتا ہے کل یوم ھو فی شان ہر روز اس کی ایک شان ہوتی ہے۔ اس رات یہ ہوتی ہے جس سے مدارک و اذہانِ بندگان میں اس کی طرف کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور قوتِ خیالیہ مدرکہ کے تابع ہو جاتی ہے اور تمام عالمِ سفلی میں عالمِ بالا کی طرف جنبش ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا اور وہاں کے لوگ ملائکہ وارواح کو بھی اس تجلی کے ساتھ عالمِ سفلی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے۔ جس کو اتر آنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عالمِ غیب کے عالمِ شہادت سے ملنے سے ایک نئی کیفیت اور لمعات پیدا ہوتے ہیں اور ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس کی تشبیہ نہیں دی جاتی۔ مگر ایک تشبیہ ناقص سی یہ ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے اور آفتاب کے ایک موقع خاص میں آنے سے ہر تخم اور ہر جڑی بوٹی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے۔ پیڑ اور بوٹیاں نشوونما کرتی ہیں درختوں میں پتے اور شگوفے اور رنگارنگ کے پھول آتے ہیں اور فرحت وانبساط کی کیفیت ہو جاتی ہے اسی طرح عالمِ بالا اور حق سبحانہ کی تجلی سے ارواحِ بشریہ بلکہ تمام عالمِ محسوس پر ایک نئی کیفیت بہار کی پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں ایک جگہ یوں بھی آیا ہے انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ مبارکۃ میں نازل کیا ہے۔ پھر کیا اور کوئی رات ہے جیسا کہ بعض علماء شب برات کہتے ہیں جو شعبان کے نصف میں واقع ہوتی ہے؟ امام نووی شرح صحیح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور جو نصف رمضان کی رات کہتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس صورت میں ایک تعارض سا واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شب برات میں حکم ہوا تھا کہ قران کو لوحِ محفوظ سے نقل کر کے بیت العزۃ میں لے جاؤ یہ ہے لیلۃ مبارک میں نازل کرنا اور پھر جب فرشتوں نے نقل کر کے بیت العزۃ میں پہنچایا تو لیلۃ القدر تھی اور جب دنیا میں نازل ہوا تو شوال یا ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

فائدہ: اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تجلی کا وقت رات میں کیوں مقرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لیے دن عالمِ شہادت سے مناسبت رکھتا ہے اور رات میں اخفاء و پوشیدگی ہوتی ہے اس لیے یہ عالمِ غیب سے مشابہ ہے اور عالمِ غیب کے اسرار منکشف ہونے کے لیے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔

فائدہ: بعض عرفاء انا انزلناہ فی لیلۃ القدر سے اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رات سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے جو شہودِ ذاتی کے بعد پیدا ہوئی تھی یعنی مقامِ خلت میں مستجب ہونا کس لیے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر ایسی حالت کے ممکن نہ تھا اور اس کو لیلۃ القدر اس لیے کہا کہ یہ حالت قابلِ قدر و تعظیم ہے۔

اب آپ ہی حق سبحانہ لیلۃ القدر کے مراتب بیان فرماتا ہے فقال وما ادراك ما لیلۃ القدر کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو کیا جانے کہ کیا حقیقت ہے لیلۃ القدر کی۔ کس لیے کہ عارف وسیع المعرفت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت اس تجلی کی کہ جو گوناں گوں عالم کو سانحہ لاتی ہے اور قابلیت و استعداد کے موافق ہر ایک میں رنگارنگ تاثیرات پیدا کرتی ہے بغیر اس کے معلوم نہیں کر سکتا کہ تمام عالم اور جمیع قابلیت و استعداد عالمِ سفلی پر احاطہ ہو اور یہ مقدورِ بشر سے باہر ہے۔ اس لیے خود ہی کسی قدر اس کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر کہ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو ہر مہینہ میں رات اور دن ہوتے ہیں اور ہر رات دن میں تجلیاتِ غیبیہ و شہودیہ ہوا کرتے ہیں لیکن جو تجلی اس رات ہوتی ہے وہ اس سے ہا رہا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس رات کی تجلی سے اس تجلی کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے اور عدد ہزار سے حصر مراد نہیں کہ ہزار ہی مہینوں سے بہتر ہے زائدہ ہی نہیں بلکہ لفظ الف یعنی ہزار سے کثرت مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب میں اس سے اُوپر کوئی عدد نہیں اس سے زیادہ جو گنتی کرنی ہوتی ہے تو اسی عدد کے ساتھ اضافہ کرنے سے کرتے ہیں۔

اور برسوں کی جگہ مہینوں کا نام اس لیے آیا کہ عرب کے سالوں کی بنیاد محض قمری مہینوں پر ہے اور قمر کو رات سے تعلق ہے برخلاف شمسی مہینوں کے کہ ان کا مدار دنوں پر ہے اور قمر کو اس تجلی سے نہایت مناسبت ہے یعنی جس طرح قمر اندھیری رات کو روشن کرتا ہے اسی طرح یہ تجلی دنیا کے ظلمت کدہ کو جو رات سے مشابہ ہے روشن کرتی ہے۔

فائدہ: اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ایک یہ کہ اس رات کی عبادت ایک خصوصیتِ خاصہ ہے ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے کہ جن میں یہ رات نہ ہو۔

اور اسی لیے یہ فضیلت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی کہ ان کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہیں۔ اگر کسی نے یہ ایک بھی پائی تو گویا اس نے کچھ اوپر تراسی برس عبادت کی اور جو کسی نے عمر میں کئی بار دس بیس پچاس بار پالیا (کس لیے کہ ہر سال ایک بار یہ رات آتی ہے) تو گویا سینکڑوں برس عبادت کر لی اور لطف یہ کہ ہزار مہینے سے بہتر فرمایا نہ برابر۔ اب بہتری کس درجہ تک ہوگی اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس میں بنی اُمیہ کی سلطنت کی عمر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بلکہ قاسم بن فضل نے ایک روایت بھی کر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے منبر پر بندر چڑھتے اور اُترتے ہیں (یعنی بنی اُمیہ کے بادشاہ کس لیے کہ اس عہد میں خلیفہ منبرِ نبوی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا' یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُری معلوم ہوئی۔ تب آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ مزی کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر معروف ہے اور قاسم جو کہتا ہے کہ ہم نے بنی امیہ کی سلطنت کے برس جو گنے تو پورے پورے ہزار مہینے ہوتے ہیں نہ کم نہ زیادہ محض غلط ہے۔ کس لیے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت سن چالیسویں ہجری میں قائم ہوئی معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور سن ایک سو بتیس میں مروان الحمار پر ختم ہوگئی جس کی مدت بانوے برس ہوتے ہیں اور ہزار مہینوں کے کچھ اوپر تراسی برس ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر اَلف شھر سے خیر کہنے میں یہ اشارہ یا بیان کیونکر ہو گیا کہ بنی اُمیہ کی سلطنت ہزار برس رہے گی۔ ایسے ہی بے تک راویوں نے قرآن مجید کے مطالب میں ایسی گڑبڑ کر دی ہے کہ اصل کلام کو اس کے اسلوب سے ہٹا کر محض پھیکا بنا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

اب اس رات کی دوسری فضیلت بیان فرماتا ہے تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربھم کہ اس رات فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

فائدہ: کیا کل ملائکہ نازل ہوتے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کل نازل ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ایمانداروں کے دیکھنے اور ملنے کے لیے آتے ہیں پھر بعض آسمانِ دنیا ہی تک اتر کر رہ جاتے ہیں یہ اس لیے کہ ایک وقت فرشتوں نے انسان کی حالتِ ابتدائی دیکھ کر یہ کہا تھا طنز سے اتجعل فیہا من یفسد فیہا الخ کہ یارب زمین پر آپ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو وہاں فساد کرے اور اس کو اپنے گناہوں سے ناپاک بنا دے۔ مگر حق سبحانہ نے اس انسان پر یہ انعام کئے اور اس کی بتدریج ایسی ترقی کی کہ اب اس کے کمالات کے مشتاق بن کر اُوپر سے وہی فرشتے آتے ہیں اور ایک وقت یہ تھا کہ جب منی کا قطرہ اور خون کا لوتھڑا تھا تو اس کے ماں باپ کو بھی اس سے گھن آتی پھر اس کو صورتِ جمیلہ عطا فرمائی اور ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو ماں باپ اور خویش اقارب اس پر شیدا ہوئے اس کے بعد جو کمالاتِ روحانیہ میں ترقی کی تو آج عالمِ بالا کے لوگ اپنی مناسبت سے اس کو دیکھنے آئے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سب نہیں بلکہ ایک گروہِ خاص جن کا جبرئیل علیہ السلام سے تعلق ہے۔ پھر جب یہ اُوپر جاتے ہیں تو اُوپر کے ملائک اور جنت کے کارکن ان سے حالت دریافت کرتے ہیں، پھر وہ ایک ایک مرد اور عورت کا نام لے لے کر حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں شخص کو اب کے سال عبادت میں پایا فلاں کو خراب وخستہ۔ اول کے لیے دُعا اور دوسرے کے لیے استغفار کرتے ہیں اور افسوس بھی۔ پھر روح سے کیا مُراد ہے؟ جمہور مفسرین کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جو اس گروہِ ملائکہ کے سردار ہیں۔ اسی لیے خاص کر ان کا ذکر بھی کیا ورنہ ملائکہ میں یہ بھی داخل تھے۔ بعض کہتے ہیں روح ایک اور فرشتے کا نام ہے جس کو روح القدس کہتے ہیں اور اس کو انسانی ترقی میں جو کمالاتِ روحانیہ میں ہو کمال دخل ہے گویا وہ معلمِ روحانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر تو روح القدس ایک بار نازل ہوا تھا جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جس کی برکت سے مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال) مگر امتِ محمدیہ کے صلحاء کے پاس ہر سال تشریف لاتے ہیں جس کا اثر اس کے اُوپر کہ جس کے پاس آتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے' آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں' بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کرامات وبرکات کا کارخانہ حواریوں تک چل کر ختم ہو گیا برخلاف اس امتِ مکرمہ کے کہ اس پر روح القدس کی برکت و تاثیر سے قیامت تک جاری رہے گا اور جو چاہے اب بھی مشاہدہ کر لے کہ ہر زمانہ میں اسی اُمت میں ایسے اولیاء وصلحاء پائے جاتے ہیں کہ ان سے عجائب وغرائب' کرامات وبرکات سرزد ہوتے ہیں جو اس دین کے برحق ہونے کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی زمانہ اور کسی جگہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہیں تھوڑے مگر زمانہ خالی نہیں رہتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ روح سے ایمانداروں کی روحیں مراد ہیں جو مفارقتِ بدن کے بعد ملائکہ میں مل گئی ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور ان کے حالات دیکھنے اور اس عالمِ سفلی کی کہ جہان سے یہ گئی ہیں سیر کرنے آتی ہیں ، نیکی میں دیکھتی ہیں تو خوش ہوتی ہیں اور دُعا کرتی ہیں اور جو بُرے کاموں میں مبتلا ہیں تو ناراض ہوتی ہیں اور دل میں فرشتوں سے شرماتی ہیں۔ جن کی ناراضگی کا اس بدنصیب پر یہ اثر پڑا ہے۔ خسارتِ مال وزوالِ اقبال' دنیاوی مصائب تاکہ تنبیہ ہو کر رجوع الی اللہ کرے۔ وہ اس کی معمولی درود وفاتحہ اور خالی نام کی تعظیم اور انتسابِ نسبی اور سببی سلسلۂ بیعت وغیرہ سے کبھی خوش نہیں ہوتیں بلکہ اپنی طرف نسبت کرنے سے شرم کرتی ہیں۔ بہرطور اس رات ایک عجیب بابرکت اجتماع عالمِ سفلی پر ہوتا ہے اور عالمِ بالا اور عالمِ سفلی کے اجتماع سے بطور تعاکس ایک عجیب ہیئتِ مرکبہ انوار کی پیدا ہوتی ہے جس کا سرور عالمِ سفلی والوں اور عالمِ علوی والوں دونوں کو ہوتا ہے جیسا کہ اجزاءِ مختلفۃ المزاج کے ملنے سے معجون مرکب میں ایک کیفیت متشابہ پیدا ہوتی ہے جو جداگانہ ہر ہر جز کی کیفیت سے ایک جدی چیز ہے اور یہی سر ہے کہ دنیا میں خاص عبادات کے لیے مجمع کرنا افضل ٹھہرایا

گیا جیسا کہ نماز جماعت اور جمعہ وعیدین وحج۔ تا کہ باہم ملنے سے انوار کا تعاکس ہو اور ناقصوں کو کاملوں کے فیض سے حصہ ملے اور اسی لیے جس قدر جماعت زیادہ ہو ثواب زیادہ ہے۔ الغرض یہ نزولِ ملائکہ وروح ایک طلسمِ الٰہی ہے کہ ناقصوں کو اس طریق سے کاملوں میں حساب کر لیا جاتا ہے اور یہ نازل ہونا ان کا اختیاری نہیں بلکہ ان کے رب کے اذن واجازت سے ہے گو عالمِ بالا کے ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کو دنیا کے صلحا اور ابرار سے ملنے کا شوق ہو مگر وہ بے اجازت نہیں آسکتے۔ یہ خیال کر لینا کہ جب ہم چاہیں اور ان کے بلانے کا کوئی سامان .... کریں وہ فوراً آدیں گے گویا کہ ہمارے حکم کے تابع ہیں جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے غلط اور باطل خیال ہے اسی کے رد کرنے کو باذن ربھم کا جملہ ساتھ لگا دیا ہے۔

اب تیسری صفت اس مبارک رات کی یہ بیان فرماتا ہے من کل امر سلام ہے کہ ہر چیز یعنی ہر آفت و بلا سے یہ رات سلامتی کی رات ہے۔ شیطانی آفات اور اس کے مکروزور کے مصائب جو ابن آدم کے لیے تیار رہتے ہیں اس رات نیک ایمانداروں کے لیے ان سے سلامتی اور امن ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کس لیے کہ ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے پھر بہیمیت کیونکر ضرر پہنچا سکتی ہے بعض علماء من کل امر کو ایک جملہ اور سلام ہی کو دوسرا جملہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ ملائکہ اور روح کے متعلق ہوگا پھر اگر من کو بیان کے لیے کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کے اور ہر قسم کے فرشتے اترتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور روحانیات ایک خاص خاص کام میں مشغول ہیں۔ کوئی رکوع میں' تو کوئی سجود میں' کوئی تجلیِ جمال کے مشاہدے میں' کوئی ایمانداروں کے لیے دعاء واستغفار میں' کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیاوی کارخانہ کے سرانجام دینے میں' پھر یہ اس رات اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ کر دنیا پر ایمانداروں سے ملنے' دیکھنے' اپنا فیض پہنچانے آتے ہیں۔ آج کی رات جشنِ شاہانہ اس دنیا پر ہوتا ہے ہر کارخانہ کے لوگوں کو اس میں شریک ہونے کے لیے چھٹی مل جاتی ہے اور جو من کو اجل یا واسطہ کے معنی میں لیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کی تدبیر کرنے کو نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اس کا حکم تو شعبان کی پندرھویں رات ہوتا ہے جس کو شب برات کہتے ہیں اور اس کے جائزہ لینے کے لیے لیلۃ القدر میں فرشتے دنیا پر نازل ہوتے ہیں پھر سال بھر تک اس کے مطابق کارروائی کرتے رہتے ہیں۔ یہی مدبرِ امور منجانب اللہ ہیں بعض قراء نے من کل امری پڑھا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر ایک آدمی یعنی مؤمن کے لیے نازل ہوتے ہیں اور یہ روایت بھی ہے کہ جب وہ کسی ایماندار مرد یا عورت سے ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں جس میں سلامتی کی دُعا ہے۔ پھر سلام ہی کے یہ معنی کہ یہ رات سلامتی کی ہے جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ یا یہ کہ اس میں ملائکہ باہم اور نیز مومنوں کو سلام کرتے ہیں اور یہ ایک قرآن مجید کی کمال بلاغت ہے کہ ایک لفظ کو خواہ آخر سے کلام سے ملا لو یا اول سے ہر حال میں معنی عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ ولہ الحمد حمداً کثیرا۔ پھر یہ تجلی کب تک رہتی ہے آپ ہی فرماتا ہے حتی مطلع الفجر کہ صبح صادق کے طلوع تک۔ پھر ملائکہ اُوپر چلے جاتے ہیں۔ •

اللہ اکبر

(سورۂ بینہ (لم یکن) مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾

کافر اہل کتاب اور مشرکین تو بغیر اس کے ٹلنے والے نہیں تھے کہ ان پاس کھلی دلیل پہنچے (وہ کیا) کوئی خدا کی طرف سے رسول آوے اور پاک صحیفے سناوے جن

میں مضبوط احکام ہوں۔

ترکیب | لم یکن الذین کفروا اسم کان من للبیان اھل الکتاب والمشرکین مجروران بمن منفکین خبر کان ای زائلین عما کانوا علیہ من دینھم ھذا حکایۃ عن قولھم قبل الاسلام (کانوا یقولون لانترک مانحن علیہ حتی یجیئ النبی الموعود فی التوراۃ والانجیل فاذا جاء متبعہ و نترک دیننا فلما جاء کفروا بہ) زجرا وتوبیخا لھم لاثبات کذبھم۔ البینۃ الحجۃ الواضحۃ وھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولذالک سماہ سراجاً منیراً۔ رسول مرفوع علی انہ بدل من البینۃ اوخبر مبتدأ محذوف وقراء ابن مسعود وابی ورسولا بالنصب حالا منہ البینۃ من اللہ صفۃ لرسول ای کائن من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ صفۃ اخری لرسول اوحال والصحف جمع صحیفۃ ای قراطیس وانہ وان کان امیا لکنہ لما تلی مافی الصحف کان کالتالی لھا فیھا کتب قیمۃ صفۃ لصحف اوحال من ضمیر ھا والمراد الاحکام المکتوبہ فیھا اوالایات والسور الثابتۃ فیھا۔

تفسیر | اس سورۂ میں علماء کا اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض اس کو مکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔

اس سورۂ کو بینہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ عرب اور اہلِ کتاب اپنے قبائحِ مروجہ کو ترک نہ کرتے تھے اور بینہ آنے پر محول کرتے تھے اس سورۂ میں بتلایا جاتا ہے کہ لواب وہ بینہ بھی آ گیا اب کیوں نہیں مانتے۔

مناسبت اس کی سورۂ قدر سے یہ ہے کہ وہاں بتا دیا گیا ہے کہ (انسان کو وہ چیزیں جو وہ جانتا نہ تھا بتانے کے لیے) ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا جو بڑی متبرک رات ہے اور اہلِ کتاب اور مشرکین ایسے رسول اور ایسی کتاب کے منتظر تھے۔ اب بتایا جاتا ہے کہ لو وہ کتاب اور وہ رسول آ گیا ہے۔ اب تو اپنا باطل مذہب چھوڑو۔ اس لیے سب سے اول اسی بات کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ کہ کافر لوگ یعنی اہلِ کتاب اور بت پرست اپنے باطل مذہب اور جہالت و بطالت سے دور ہونے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ نہ آ جاوے۔ آگے بینہ کی تفسیر فرماتا ہے۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بینہ آنے کے بعد بھی وہ کافر اپنے کفر سے نہیں ٹلے اور یہ قید کہ جب تک ان کے پاس بینہ نہ آوے یہ بتاتی ہے کہ بینہ آنے کے بعد ٹلنا چاہیے اس لیے یہ قرار دیا جاوے گا کہ یہ انہیں کافروں کا قول بطور تعریض کے خداتعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ جیسا کوئی کہے اور اصرار کرے کہ جب تک میرے پاس سواری نہ آئے گی میں چلنے والا نہیں۔ پھر سواری آنے کے بعد بھی نہ چلے اور حیلہ بہانہ کرے تو کوئی اس پر تعریض کرے اور یہ کہے کہ آپ تو سواری آئے بغیر چلنے والے نہ تھے یعنی اب سواری بھی آ گئی اب کیوں نہیں چلتے۔

اسی طرح خداتعالیٰ ان کافروں پر تعریض کرتا ہے کہ تم تو بینہ آئے بغیر اپنے مذہب سے ٹلنے والے نہ تھے اب بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی تم اسی طرح اڑے ہوئے ہو۔

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کا قول نقل نہیں کیا بلکہ از خود فرماتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور بطالت پر یہاں تک جمے رہے ٹلے نہیں کہ ان پاس بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں ایسی کھلی دلیل کو بھی نہیں مانتے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ کافر یعنی اہلِ کتاب اور مشرکین دنیا سے جدا ہونے والے نہیں تھے بینہ آئے بغیر یعنی خداتعالیٰ اس پُرآشوب زمانہ میں کہ دنیا پر کفر کی ظلمت طاری تھی اپنی برہان بھیجے بغیر کفار کو موت نہیں دینے والا تھا۔ اب اس نے بینۃ بے حد بھاری اور بھلی راہ میں فرق کر دیا، حجت تمام کر دی۔ یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ بینہ آئے تک اہلِ کتاب اور مشرکینِ عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل اور ان کے مبعوث ہونے

کے منتظر تھے جب آپ آئے اور بینہ آ گیا تو ٹل گئے یعنی منکر ہو گئے کقولہ تعالیٰ فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ۔

اہلِ کتاب کی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی خبر تھی توریت میں بھی اور انجیل میں بھی ایک ایسے عالیشان نبی برپا ہونے کی پیشین گوئی اب تک موجود ہے جس کا بیان ہم اپنی تفسیر میں کئی جگہ کر چکے ہیں بلکہ اہلِ کتاب کو حضرت کے تمام صفات بھی معلوم تھے اور اسی طرح مشرکینِ عرب میں بھی چرچا تھا کہ مکہ سے ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو عرب کی ابدی عزت وشوکت کا باعث ہوگا اور اس کے سبب سے گلہ بان بھی حکومت کریں گے اور یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ ہر کہ دمہ جانتا تھا اور ایسے شخص کے مبعوث ہوئے تو بدبختی سوار ہوگئی آپ سے جدا ہو گئے دشمن بن گئے۔

(۴) ایک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اہلِ کتب اور مشرکین اپنی حالتِ سرداری اور ریاست سے ٹلنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ آ گیا اور جب وہ بینہ پر ایمان نہ لائے تو وہ ریاست جاتی رہی۔ اس میں اُس پیشین گوئی[1] کی طرف اشارہ ہے کہ یہود سے حکومت کا عصا دور نہ ہوگا جب تک کہ ان کے پاس شیلا نہ آوے شیلا سے مراد بینہ ہے۔

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ ہر عرب مشرکین کی حکومت تھی عام ہے کہ مشرکین عرب ہوں یا مشرکین مجوس ہوں۔ کس لیے کہ یمن میں مجوسی یعنی ایرانی بھی فرمان روا تھے اور باقی ممالک میں یہی بت پرست قبائل کے سردار حکمرانی کرتے تھے اور اہلِ کتاب بالخصوص نصاریٰ شام اور دیگر ممالک کے فرمانروا تھے اور ان ممالک پر قیصرانِ روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہود گو کہیں کے فرمانروا مستقل نہ تھے مگر خیبر وغیرہ مقامات میں آپ سردار تھے کسی کے زیرِ حکم نہ تھے اور دینی ریاست کا بھی بڑا دعویٰ تھا یہ سب کچھ رنگ بینہ آنے کے بعد مٹ گیا۔ کسی کی بھی ریاست باقی نہ رہی۔ عرب کے سرداروں کا کیا ذکر ہے اسلام نے قیصر اور کسریٰ کے بھی تاج سر سے اُتار لیے۔ یہ ایک بڑا اعجاز ہے جس کا چرچا سیکڑوں برسوں سے ہو رہا تھا اور ہر قوم میں تھا اور یہ اخیر معنی سب سے زیادہ ترچسپاں ہیں گویا اس آیت میں بطور پیشین گوئی کے آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو جو مشرکین اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ تھے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اب ہماری کھلی ہوئی دلیل آ چکی ہے اب راہ پر آ جاؤ اور کجی اور سرکشی چھوڑ دو ورنہ اس کا آنا اور تمہارا منفک ہونا یعنی زائل و برباد ہونا وابستہ ہے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

فائدہ: منفکین انفکاک سے ہے جس کے معنی ہیں جدا ہونا' ٹلنا' زائل ہو جانا' چھوڑنا۔ انفکاک کے معنی پر آیت کے معنی کا اختلاف مبنی ہے بتلایا جاتا ہے کہ بینہ کیا ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے رسول من اللہ۔ اللہ کا فرستادہ رسول۔ اور رسول بھی کیسا؟ یتلوا صحفًا مطھرۃ کہ وہ پاک صحیفے پڑھ کر سناتا ہے۔ صحیفہ کاغذ' کتاب' رسالہ۔ قرآن مجید کی ہر ایک سورت ایک صحیفہ ہے جس طرح توریت کے ابواب یا حصص صحیفے ہیں اور صحیفے بھی کیسے ہیں پاک۔ ان میں جھوٹ اور مبالغہ کی کوئی نجاست نہیں۔ یہ نجاست کتاب کے حق میں ظاہری نجاست سے بڑھ کر بے قدر کرنے والی ہے۔ اسی طرح تحریف و تبدیل بھی کتاب کے لیے نجاست ہے۔ اسی طرح اس کے مضامین میں فحش اور خلافِ تہذیب باتیں بھی نجاست ہے۔ الغرض ہر ایک عیب خواہ کسی قسم کا ہو ایک نجاست ہے۔ سو وہ صحیفے جن کو خدا کا برگزیدہ رسول سنا رہا ہے ان جملہ عیوب سے پاک ہیں اس لفظ میں ایک مہذبانہ تعریض بھی اہلِ کتاب پر ہے کہ جن صحیفوں کو وہ لیے پھرتے ہیں ان میں ان ناپاکوں نے نجاستِ تحریف لگا رکھی ہے کتابِ آسمانی ہونے کے لیے یہ دو ہی معیار کافی ہیں ایک تو یہی کہ ہر قسم کے عیوب سے وہ کتاب پاک ہو جس میں مذکورہ بالا عیوب ہوں گے وہ آسمانی کتاب ہو نہیں سکتی۔ دوم کہ فیھا کتب قیمۃ ان صحیفوں میں مستحکم اور عمدہ مضامین بھی ہوں یہ ان صحیفوں کی جن کو خدا کا رسول سنا رہا ہے دوسری صفت ہے۔

کتب کتاب کی جمع ہے اور کتاب بمعنی مکتوب اکثر مستعمل ہوتا ہے اور مکتوب مضمون ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد احکام و

---

[1] توریت سفر تکوین انچاسواں باب۔ ۱۲ منہ

مطالب ہیں کس لیے کہ لکھے تو وہی جاتے ہیں اور قیمہ بمعنے مستقیمہ یعنی ان مطالب میں کوئی کجی نہ ہو۔ عقلِ سلیم کے مطابق ہوں۔ سو یہ وصف بھی قرآن مجید کے مطالب میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وصفِ اول پایا گیا۔

شبہ: صحف اور کتب کے تو ایک ہی معنی ہیں پھر یہ کیا فرمایا کہ صحیفوں میں کتابیں ہوں گویا یوں کہا کتابوں میں کتابیں اور یہ کلام غلط ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ کتب سے مراد صحیفے نہیں بلکہ مطالب و احکام ہیں بمعنی مکتوب اور وہ کتاب ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

بیّنہ | بان الشیء بیانا فھو بین' پیدا۔ صراح بین ظہور کے معنی میں ہے۔ بینہ وہ شے جو بالکل ظاہر ہو یا ظاہر کر دے اس لیے شہادت کو جو کسی دعویٰ کے اظہار کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ بینہ کہتے ہیں- اس مقام پر اس سے مراد خدا کی طرف کی کھلی ہوئی دلیل اور برہانِ واضح ہے اور وہ کون ہے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اسی لیے آپ کو سراج منیر یعنی روشن چراغ بھی کہا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد اس جگہ رسولِ کریم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کس لیے کہ اس کے بعد کا جملہ رسول من اللہ خود اس بات کو بیان کر رہا ہے۔

رسولِ کریم خدا تعالیٰ کی دلیل واضح اس لیے تھے کہ آپ کی تھوڑی سی صحبت بھی گم کشتگانِ وادیِ ضلالت کو راہِ راست دکھاتی تھی اور آپ سے صدہا معجزات و آیاتِ بینات ایسے سرزد ہوتے تھے جو مافوق العادۃ زائد از قوتِ انسانیہ ہونے کے سبب آپ کی سچائی کی روشن دلیلیں تھیں۔ جن کے بعد کو ر ازلی محروم رہے تو رہے ورنہ فوراً ہدایت ہوتی تھی۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور آپ کی سیرت و صورت نہیں اجسام میں ایک دوسرے کے لیے جاذب پایا جاتا ہے لوہے اور مقناطیس ہی کو دیکھو۔ پھر آپ کی روحانیت میں جملہ ارواح کے لیے اگر ایسا بڑا جذب ہو کر خود بخود نفوسِ انسانیہ اس طرف کھنچے چلے آتے تھے تو کیا تعجب ہے اور یہی قوتِ روحانیہ تو ہے جو ایک عالم کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ وجوہ مذکورہ بالا کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف کی روشن دلیل یا اس اندھیرے کے زمانہ میں جو شبِ تار سے زیادہ عالم میں محیط تھا چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر ان جنم کے اندھوں کو اس بینہ کے بعد کچھ سوجھائی نہ دے تو ان میں دراصل کچھ بھی ادراکِ روحانی باقی نہیں رہا پھر ایسے حروفِ غلط اگر لوحِ دنیا سے مٹائے نہ جائیں تو کیا کیا جاوے۔

فوائد | (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آگے ہدایت کا چراغ بہت روشن ہونے کے بعد ٹمٹمانے لگا تھا اور آخر کار گل ہو گیا تھا۔ دنیا میں اندھیرا پھیل گیا تھا پھر عرب جو آپ کا مولد و مسکن تھا اس کی تو عموماً یہ حالت تھی کہ بت پرستی رگ و ریشوں میں دوڑ گئی تھی خاص خانہ کعبہ میں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے کہیں جنون بھوتوں غیر مرئی اشیاء کی پرستش ہوتی تھی کہیں صلحاء و ابرار کی ارواحِ طیبات کو معبود مان رکھا تھا کہیں ستارے اور چاند اور سورج پوجا جاتا تھا۔ الغرض سیکڑوں معبود اور ان کی پرستش کے سیکڑوں دستور مروج تھے۔ اخلاقی حالت بھی بہت ہی خراب ہو گئی تھی۔ قتل و غارت' لوٹ مار' زنا' چوری' شراب خوری ایک عام پیشہ تھا۔

اب رہے اہلِ کتاب سو ان کے دو فریق تھے۔ ایک یہود ان کی یہ حالت تھی کہ اصل توریت و صحفِ انبیاء علیہم السلام کو ہی کھو بیٹھے تھے اور جو کچھ محرف باقی تھا اس پر بھی عمل نہ تھا اور ان کے بھی متعدد فریق تھے جن میں سے ایک فریق قیامت کا ہی منکر تھا۔ حضرات انبیاء کا کوئی بھی دستور ان کا رہبر نہ تھا صرف رسوم باقی رہ گئے تھے ان کے علماء اور درویشوں نے دین فروشی کا پیشہ بنا رکھا تھا۔ جہلاء انہیں کے کہنے پر چلتے تھے' اخلاقی حالت بالکل تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ دوسرا فریق نصاریٰ کا تھا اس میں سے بھی وہ مسیحی خوشبو نکل گئی تھی صرف پھوک باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مریم علیہا السلام کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا ایک کونسل تھی جس کے دو ممبر حضرت مسیح اور روح القدس تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت مریم بھی ایک ممبر تھیں حلال و حرام کی اور پاک و ناپاک کی کوئی قید نہ رہی تھی ان کے علماء نے مکر کا دام پھیلا رکھا تھا جہلاء ان کے بندے تھے پھر ان کے بھی بہت سے فریق تھے اور آئے دن باہم جوتی پیزار ہوا کرتی تھی۔ روم[1] میں ان

[1] ملک اٹلی کا پایۂ تخت۔ ۱۲ منہ

کے اہلِ علم نے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور وہاں کا سجادہ نشین حضرت مسیح کا نائب کہلاتا تھا جس کو پوپ کہتے تھے پھر ان پوپوں نے لوگوں کو نچا مارا تھا اور طرح طرح کی بدعات اور عجیب و غریب احکام جاری کر رکھے تھے۔ مردے کو یہ نجات کی چٹھی روح القدس کے نام سے دیا کرتے تھے یہ شادی تو نہیں کرتے تھے مگر ہزاروں کواریاں بے حجابانہ ان کی خدمت کے لیے رات دن ان کے پاس رہا کرتی تھیں پھر کیا کیا شرمناک واقعات پیش آتے تھے اس لیے ان سب کو خدا تعالیٰ نے کافر کہا اور بہت بجا فرمایا۔ ایمان کی کون سی بات باقی رہ گئی تھی۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا تو بینہ آنے کے بعد۔ اور ان کو حکم (بھی کوئی ایسا نہیں) دیا گیا تھا صرف یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں۔ خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے یک رخے ہو کر اور نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی وہ مستحکم دین ہے۔

ترکیب | وما تفرق الخ الجملۃ مستانفۃ لتوبیخ اھل الکتاب والتخصیص بذکرھم للدلالۃ علی ان المشرکین مع جھلھم اولیٰ بالتفرق الا الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال والاوقات۔ وما امروا الجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من اھل الکتاب والحال انھم ما امروا بشیء یخالف اصول دینھم بل بشیء یطابقھا مخلصین قراء الجمھور بکسر اللام وقرا الحسن بفتحھا۔ وھی حال من الضمیر فی یعبدوا حنفاء حال من الضمیر فی مخلصین فیکون من باب التداخل ویمکن ان یکون من یعبدوا جمع حنیف۔ والحنیف المائل عن الباطل الی الحق وقیل المتبع بطریقۃ سیدنا ابراھیم علیہ السلام ویقیموا ویؤتوا معطوفان علی لیعبدوا اسقطت النون لتقدر ان ای ان یعبدوا اللہ الخ دین القیمۃ قال الفراء ھذا من باب اضافۃ النعت ای المنعوت کقولہ ان ھذا لھو الحق الیقین والھاء للمبالغۃ کمافی قولہ کتب قیمۃ۔

تفسیر | اب یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس بینہ کے انتظار میں اہلِ کتاب اور مشرک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی آرزو کیا کرتے تھے اس کے آنے کے بعد کیا کیا؟ آپ ہی ارشاد فرماتا ہے وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاء تھم البینۃ کہ افسوس اہلِ کتاب جو علم اور فہم رکھتے تھے ہدایتِ انبیاء علیہم السلام سے واقف تھے وہی بینہ پہنچنے کے بعد اس سے مخالف ہو گئے اور مشرکین عرب کا تو کیا ذکر ہے وہ تو جاہل ہی تھے۔ یہ ان کی کمال بے نصیبی پر افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس کا زمانہ درازی انتظار تھا اور شدید انتظار تھا مگر جب وہ وقت آیا تو جو ازلی بدنصیب تھے ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور عناد و ضد کے نشہ نے انہیں بے خبر کر دیا۔

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

جس طرح لیلۃ القدر کی تجلی کے انتظار میں کوئی راتوں نہ سوئے پر جب وہ رات آئے تو سو جاوے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کی بعثت پر اہلِ کتاب کا ہوا (اور یہ بھی ایک وجہ مناسبت اس سورۃ کی لیلۃ القدر سے ہے۔ یہی حال حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت پر یہود کا ہوا جس کا افسوس حضرت مسیح علیہ السلام عجیب عجیب تمثیلوں اور دل ہلانے والے فقروں میں کرتے تھے وما امروا اور وہ جو مخالف ہوئے اور بہت جلد اُس رسول سے بگڑ بیٹھے ان کو کوئی حکم بھی تو ایسا سخت یا توریت انجیل کے مخالف نہیں دیا گیا تھا الا لیعبدوا اللہ مگر یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں مگر نہ شرک کی آمیزش کے ساتھ بلکہ ان شرائط سے۔ (۲) مخلصین لہ الدین اول یہ کہ خاص اسی کی اطاعت کی نیت سے اس میں تثلیث کی آمیزش نہ ہو نہ اور کسی معبود کی شرکت ہو اور دل سے پورا اخلاص بھی ہو ریاکاری اور نمود کی گرد بھی نہ لگی ہو۔

اب کہو یہ کون سی بری بات تھی جس سے وہ بینہ سے پھر گئے بلکہ یہ تو وہی بات ہے کہ جس کی توریت وانجیل میں بھی جا بجا تاکید ہے۔

(۲) حنفاء یک طرفہ ہو کر کسی باطل اور غلط طریق کی طرف میلان نہ ہو جس کے اصول جہل اور خیالاتِ فاسدہ پر مبنی ہوں اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی وجہ سے لقب بھی ہے جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو رئیس الموحدین اور خدا پرست فرقوں کے بزرگ بلکہ اکثر کے جدِ امجد ہیں اور تمام فریقِ یہود و نصاریٰ ابراہیمیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کے طریق کی پابندی اس عبادت میں ملحوظ رہے۔ سو یہ بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ بھاگتے۔

اس حکمِ عبادت کے بعد جو ہر قسم کی عبادت کو شامل تھا ایک خاص عبادت کے لیے دوسرا یہ حکم بھی دیا گیا تھا (۲) یقیموا الصلوٰۃ کہ نماز قائم کیا کریں۔ یہود و نصاریٰ نے وہ نماز بھی ترک کر دی تھی کہ جو ان کے مذہب میں تھی سجدہ اور دعا یا رکوع سبت یعنی ہفتہ کے روز۔ یہ حکم بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ انکار کرتے بلکہ سچے مذہب کا عطر یہی ہے۔ تیسرا حکم یہ تھا (۳) ویؤتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ بھی دیا کریں یعنی خیرات کیا کریں۔ خیرات کرنا بھی وہ بات ہے کہ جس کو تمام مذاہب بالاتفاق اچھا جانتے ہیں پھر وہ کونسی بات ایسی تھی کہ جس کے سبب اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا حیلہ ملا ہاں اس قدر تو ضرور ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے میں اصلاح کی گئی جو عقلِ سلیم کے سرِ مو خلاف نہیں پھر ان سے خلاف و انحراف اگر شقاوتِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے۔ کوئی عیسائی' کوئی ہندو' کوئی یہودی' کوئی مجوسی انصاف سے کہہ تو دے کہ اس بینہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور جب آپ کے مذہب کے یہ اصول ہیں تو ذلك دین القیمۃ تو اس دین کے محکم اور مضبوط ہونے میں کیا شبہ ہے۔ بے شک یہ دینِ قیم ہے اور یہی مذہب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو آسمانی مذہب قرار دیا جائے اور یہ تمام بنی آدم میں شائع ہو اور سب ایک دین اور ایک مذہب ہو جاویں اختلاف کا نام باقی نہ رہے اور یہ ایک روز ہو کر رہے گا۔ خلاصہ یہ کہ بینہ آنے کے بعد اہلِ کتاب نے اختلاف کیا حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا نہ بلحاظ مشقتِ عمل کے سخت تھا اور نہ توریت وانجیل کے برخلاف تھا مگر وہ اس پر بھی مخالف ہو گئے اور حکم جو ان کو دیے تھے اور رسول نے ان کو سنائے تھے صرف یہ تین حکم تھے۔

(۱) خالص اللہ کی عبادت کرنا (۲) بالخصوص نماز پڑھنا (۳) مالی عبادت کرنا زکوٰۃ خیرات دینا اور دینِ قیم یہی ہے۔ تعظیم خدا جو دو پہلے حکموں میں ہے اور ترحم بر خلق جو تیسرے حکم سے متعلق ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

بے شک جنہوں نے انکار کیا یعنی اہلِ کتاب اور مشرک وہ جہنم کی آگ میں سدا رہا کریں گے وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ وہی سب خلق سے بہتر ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس باغ ہیں بسنے کے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے۔

ترکیب | الذین موصول کفروا صلتھامن اھل کتاب والمشرکین بیان الکفر واسم ان فی نار جھنم خبرھا ای یصیرون الیھا بعد الموت خالدین فیھا حال من المستکن فی الخبر۔ اولئك مبتداھم شر البریۃ الجملۃ خبر قرء الجمھور فی الموضعین البریۃ بغیر ھمزۃ وقرئ بالھمزۃ وقیل الاصل بالھمزۃ لانہ یقال برء اللہ الخلق بالھمز ای ابتدعہ واخترعہ ومنہ قولہ من قبل ان نبراھا ولکنھا خففت عند عامۃ العرب والبریۃ الخلیقۃ والباری الخالق الذین آمنوا الخ اسم ان ھم خیر البریۃ خبرھا جزاؤھم مبتداء عند ربھم صفۃ جنات عدن خبر یقال عدن بالمکان یعدن عدنا ای اقام ومعدن الشیء مرکزہ ومستقرہ تجری الخ الجملۃ صفۃ جنات خالدین حال العامل محذوف ای ادخلوھا خالدین ولا یجوز ان یکون حالا من الضمیر المجرور فی جزاؤھم لوقوع الفصل بین المصدر ومعمولہ بالخبر واجاز قوم ابدا تاکید للخالدین رضی اللہ الخ الجملۃ خبر ثان ویجوز ان تکون فی محل نصب علی الحال باضمار قد۔ ذلك مبتداء لمن خشی ربہ الجملۃ خبر۔

تفسیر | اب ان اختلاف کرنے والوں کا جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر سمجھتے ہیں انجامِ کار بیان فرماتا ہے فقال ان الذین کفروا کہ وہ جو منکر ہو گئے ہیں بینۃ کے خواہ اہلِ کتاب ہوں خواہ مشرکین ہوں وہ جہنم کی دہکتی آگ میں جلیں گے پھر جس طرح یہ انکا کفر کبھی ان سے دور نہیں ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اسی طرح وہ بھی ہمیشہ اس آگ میں پڑے جلا کریں گے۔ کبھی رستگاری نہ ہو گی جن عقائد و اعمال و رسول کو وہ موجبِ نجات جانتے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ وہ سب باطل کوششیں ہیں اور وہ جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر جانتے ہیں یہ بھی غلط خیال ہے بلکہ اولئك ھم شر البریۃ وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں کس لیے کہ مخلوق میں مومن اور فرشتے تو بالاتفاق بہتر ہیں اب رہے حیوانات خواہ وہ کیسے ہی کریہہ کیوں نہ ہوں سور' کتا یہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ کس لیے کہ وہ اپنے آقا کی ناشکری تو نہیں کرتے اور یہ بدنصیب باوجود عقل وادراک' ہوش وحواس کے ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے احکام اور اس کے رسول اور اس کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور حیوانات کو مرنے کے بعد عذاب وثواب کچھ نہیں پر ان کے گلے میں تو رنج وحزنِ دائمی کی مستحکم رسی پڑی ہوئی ہے۔

یہود کو دعویٰ تھا کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ ہم ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کے اجزاءِ بدن ہیں اور ان کے لیے برکت ومغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے پھر ہم کو کسی طرح بھی جہنم میں نہ ڈالے گا اور بڑے بڑے گناہوں کی باز پرس ہوئی بھی تو یہ ہو گی کہ دو چار روز جہنم کی تپش دکھا کر پھر ہم کو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہنچا دیا جاوے گا۔ الغرض مغفرت وجنت ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس لیے ہم سب مخلوق سے بہتر اور اشرف ہیں ہمارے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا جان لیا تو وہ ہمارے لیے آپ کفارہ ہو گئے سولی چڑھے ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے اب ہم کو کوئی گناہ مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ حوض میں غوطہ لگانے سے اگلے اور پچھلے تمام گناہ صاف ہو گئے۔ بہر حال ہماری نجات ہے آسمانی بادشاہت ہمارے لیے' حیاتِ جاودانی کے ہم مالک' ہم باپ کے برابر کرسی پر بیٹھیں گے ہم سے بہتر اور افضل کوئی قوم نہیں اور واں کے ہاں جسمانی عبادات ہمارے ہاں روحانی یعنی ناپاک اعتقاد۔ ہنود کی بت پرست قوم میں جو ہزاروں ہیں اخلاقی اور روحانی نجاستوں میں آلودہ ہیں اور تمام مذہب توہمات وخیالاتِ فاسد پر مبنی ہے ہر چند ان کے گروہِ آریہ نے اس کی اصلاح کرنی چاہی ہے وید کی تاویلات کر کے اس کو لوگوں سے مخفی کہہ کر (تاکہ ظاہر ہو جانے پر قلعی نہ کھل جائے) اس میں اسلامی توحید واخلاق ملانے کی کوشش کی ہے مگر پھر کہاں تک ؏

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ کا مضمون ہے اس پر وہ اپنے آپ کو پوتر (پاک) جانتے ہیں اوروں کو ملچھ (ملکش یعنی کمینہ ناپاک)

بتلاتے ہیں اوران کے سایہ تک سے بچتے ہیں ہاتھ اور کپڑا چھو جانے سے تو دھرم برہشٹ ہو جاتا ہے سوائے پہردن چڑھے تک دھرماتما ہندو وغیرہ کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر سرگ یعنی جنت تو ان کا زرخرید ہے یا برہمن کا عطیہ اور ان کے تمام کاروبار تو ان کے بت چلاتے ہیں۔ پھر جو کوئی پاپ یعنی گناہ ہو جاتا ہے تو گنگا جی میں اشنان کرنے سے دھل جاتا ہے بالخصوص ان میں سے فرقہ برہمن تو نوری بندے ہیں وہ جو چاہیں کریں ان کو کوئی گناہ ہی نہیں کس لیے کہ برہما جی کے پوتر یعنی پسر ہیں وہ کسی کو ماریں گالی دیں اس کے مقابلہ میں دھرماتما مہاراجوں کو سزا دینے کا اختیار نہیں نسل میں برکت حاصل کرنے کے لیے ان سے نطفہ حاصل کرنا قدماءِ ہنود کا قدیم دستور تھا اور ہندو قومیں تو تناسخ کے میدان میں ٹھوکریں کھا کر اور کیا کیا جنم لے کر مکتی حاصل کرتی ہیں۔ مگر برہمن جی مہاراج تو کھڑے سرگ میں چلے جاتے ہیں ان کے سوا اور اقوامِ ہند کو دینی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت تک نہیں (تاکہ راز نہ کھل جائے) جو کچھ خیرات کرنا ہو تو برہمن کو دو اگرچہ وہ بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو اس کا دیا مردوں کے پاس پہنچتا ہے پھر ہنود کی بیاہ شادی' مرنے جینے کے رسوم' بتوں کی عبادت کرانا برہمن ہی کے ہاتھ میں ہے پھر قانون بھی جو بنایا ہے جس کو دھرم استر کہتے ہیں وہ منو جی برہمن کا بنایا ہوا ہے کہ جو کسی طرح سے ان کے پچھلے اوتاروں رشیوں سے اس کی ترمیم بھی نہ ہو سکی الغرض یہ بھی اپنی فضیلت اور نجات کو موروثی حصہ جانتے ہیں اور اسی کے قریب قریب عرب اور دیگر بلاد کی بت پرست قوموں کا خیال تھا جس کا ابطال کر دیا گیا اور بتلا دیا گیا ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئك هم خير البرية انسان کی فضیلت کا دارومدار ایمان اور عمل نیک پر ہے یا ہنود کے سمجھانے کو یوں کہو کہ کمالِ انسانی قوتِ نظریہ وعملیہ کی تکمیل پر موقوف ہے قوتِ نظریہ کی تکمیل ایمان سے ہے۔ کس لیے کہ علومِ الٰہیات کو واقعی طور پر جاننا ایمانِ شرعی میں داخل ہے اور عملیہ قوت کی تکمیل نیک کاموں کے بجالانے میں ہے اور نیک وہی کام ہیں جن کو طبائع سلیمہ نیک کہتی ہوں جیسا کہ خدا کی عبادت کرنا' بندگان خدا سے بھلائی کرنا۔ سو اول بات کو لفظ آمنوا حاوی ہے اور دوسری کو عملوا الصالحات۔ الغرض یہ کہ رب سب کا سب رب ہے تمام بندے اور کُل بنی آدم اس کے نزدیک ایک ہی قطرہ کی پیدائش ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو ایمان واعمالِ صالحہ سے ہے اور یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ ان اکرمکم عند الله اتقاکم کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل واشرف ہے جو پرہیزگار ہے اور پرہیزگاری ایمان واعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ الغرض یہ لوگ مخلوق میں بہتر ہیں۔ اور دراصل وہی بہتر ہے جو ایمان واعمالِ صالحہ کے لباس سے آراستہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لیے آخرت کے درجات بیان فرماتا ہے جہاں سدا رہنا ہے اگر وہاں عزت ہے تو دراصل عزت ہے ورنہ دنیا کی چندروزہ عزت مال وزر' حسن وجمال' حسب ونسب کی عزت ایک خواب وخیال ہے فقال جزاء هم عند ربهم جنت عدن کہ ان کا بدلہ ان کے مہربان رب کے پاس رہنے کے باغ یعنی عالمِ قدس کے باغ ہیں جن میں تمام راحت کے سامان مہیا ہیں جن کو کبھی خزاں نہیں چھو سکتی یہ ان کے ایمان واعمالِ صالحہ کا مظہر ہے تجری من تحتها الانهار ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کے اعمالِ صالحہ عرفانِ الٰہی کی نہریں ہیں جو دنیا میں ان کے اندر رات دن بہا کرتی تھیں کبھی بند نہ ہوتی تھیں۔ پھر جس طرح یہ ایمان ومعارف واعمالِ صالحہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی اس عالم میں ان باغوں خالدین فیها ابدا میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ ان کو کبھی موت آوے گی نہ وہاں سے نکالے جاویں گے نہ ان کی عمر میں فتور ہوگا یہ خلود اس نیت کا ثمرہ ہے جو ایمانداروں' نیک بختوں کے دل میں تھی وہ یہ کہ گو ان کی عمریں تھوڑی تھیں مگر نیت اور قصد یہی تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی اطاعت وبندگی میں رہیں گے کبھی اس نیک روبہ کو نہ چھوڑیں گے۔ خلاصہ

حافظ از ان زلفِ تابدار مباد۔ کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند اور یہی قصد کفار کا تھا اس لیے وہ بھی خلود کے مستحق ہوئے مگر جہنم کے خلود کے۔

ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی نعمت ان کو یہ نصیب ہوگی رضی اللہ عنہم کہ اللہ ان سے راضی اور خوشنود ہوگا ورضوا عنہ اور یہ اس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ پھر اب اور کسی نعمت کی کیا اصل ہے۔ محبوب کی رضامندی کی لذت عاشقِ صادق سے اور بادشاہ کی خوشنودی کی فرحت ملازم سے پوچھنی چاہیے اور لفظ ماضی سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا میں بھی ان کا رب ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ کوئی حسرت وارمان دل میں باقی نہیں رہا۔ ایماندار وں نیک کام کرنے والوں کو یہ تمغہ پہنایا گیا جس کا اثر نیک مومن کے دل پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو اس کے آگے ہیچ جانتا ہے۔ تنگدستی' بیماری کی ناکامی میں بھی اس کے دل میں ایک ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کے سبب وہ تنگدستی بیماری کو کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہ تمغہ صحابہ خصوصاً خلفاءِ اربعہ کو بخوبی حاصل ہوگیا تھا۔ کس لیے کہ ان کے ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی بھی گواہی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے دے دی تھی اور کیوں نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ کچھ فضیلت حضرت مسیح علیہ السلام کی برکت سے عطا ہوئی تھی پھر کیا خاتم المرسلین ﷺ کے حواریوں اور قدیم جان نثاروں کو یہ رتبہ نصیب نہ ہوتا؟ اس لیے نیک مسلمانوں کا عام دستور ٹھہر گیا ہے کہ جب کبھی ان بزرگواروں کا نام لیا جاوے تو اس تمغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا جاوے اور ایک یہ ایک ادب ہے اور جو لوگ ان کی تنقیص کرتے جیسا کہ شیعہ و خوارج وہ گویا پیغمبرِ خدا ﷺ کی تعلیم اور اثر کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ نعمت کس کو نصیب ہوتی ہے فقال لمن خشی (یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے خواہشِ نفسانی اور پابندیِ رسم و رواجِ قوم کو اس کے احکام کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ حصہ کسی شخص کو اس کے مال و جمال' حسب و نسب سے نہیں ملتا بلکہ خدا کے ڈرنے سے سب کا اصل الاصول خوفِ خدا ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں یہی بڑی دولت ہے۔

(اللہ اکبر)

(سورۂ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝۲ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝۳ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝۶

جب زمین تھرتھرا کانپے اور جب زمین اپنے بوجھ (دفائن) نکال پھینکے اور انسان کہنے لگے اس کو کیا ہوگیا اس دن یہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لیے کہ آپ کا رب اس کو حکم دے گا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں پھر کر آویں گے تا کہ ان کے اعمال میں انہیں دکھائے جاویں۔

ترکیب | اذا شرطیۃ کان والفرق بینھا ان اذا تستعمل فی المقطوع ای اذا اردت التعلیق بما یوجد قطعا تقول اذا بخلاف ان فانھا کان لزلزال یقینا قال اذا زلزلت فعل مجھول الارض مفعول مالم یسم فاعلہ زلزالھا زلزال مفعول مطلق مضاف الی الضمیر الراجع الی الارض۔ قال

الفراء الزلزال بالکسر مصدر و بالفتح اسم وقال القرطبی بالفتح مصدر کالوسواس والقلقال وقیل ہما مصدران وقد قرئ بہما۔ فالمصدر مضاف الی فاعلہ والمعنی ای حرکت الارض حرکۃ شدیدۃ کما قال اذا رجت الارض رجاً واخرجت الخ الجملۃ معطوفۃ علی زلزلت الارض والاثقال جمع ثقل والمراد بہ الدفائن وقال الخ ایضا معطوف ما مبتداء لھا خبر والجملۃ الاستفھامیۃ مفعول قال والمعنی یتعجب الانسان من افعال الارض۔

وھذہ الجمل کلھا شرط والجواب یومئذ تحدث الخ قال ابوالسعود یومئذ بدل من اذا والعامل فیھا تحدث اخبارھا مفعول ثان والاول محذوف ای تحدث الناس اخبارھا بلسان الحال وقیل یجوز ان یکون اذا منصوبا بمضمر ای اذکر اذا زلزلت الارض بان ربک الخ متعلق بتحدث فالباء سببیۃ ای تحدث بسبب ایحاء اللہ الیھا۔ وقیل زائدۃ فیکون ان ربک اوحیٰ لھا بدلا من اخبارھا لھا بمعنی الیھا لان اوحی یتعدی تارۃً بالیٰ وتارۃً باللام وانما اوثرت اللام ایحاء الی انما فعلنا ذلک لاجلھا حتی توسل الارض بذلک الی الانتقام من العصاۃ یومئذ اما بدل من یومئذ قبلہ واما منصوب بمقدر ای اذکر واما منصوب بما بعدہ یصدر الناس ای یرجع والصدر الرجوع ضد الورود ای من موقف الحساب الی منازلھم اشتاتا جمع شت بمعنی متفرق وھو حال من فاعل یصدر ای یرجعون متفرقین بعضھم بیض الوجوہ و بعضھم سود الوجہ بحسب اعمالھم لیروا اللام متعلق بیصدر قرء الجمھور مبنیا للمفعول من رؤیۃ البصر ای لیریھم اللہ اعمالھم وقری مبنیا للفاعل والمعنی لیروا جزاء اعمالھم۔

تفسیر: یہ سورۃ ابن عباس وقتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مدنی ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے مگر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ عطاو جابر کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس سورۃ کی آٹھ آیات ہیں بعض کہتے ہیں نو اس لیے کہ وہ ایک جملہ کو دو سمجھتے ہیں۔ مناسبت: مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں تھا جزائھم عند ربھم کہ ایمانداروں کی جزا ان کے رب کے نزدیک جناتِ عدن ہیں۔ یہ سن کر ایمانداروں کا دل مشتاق تھا کہ یہ پوچھے کہ کب یہ جزاء ملے گی اس لیے اس کا وقت بتلا دیا کہ اذا زلزلت الارض الخ کہ جب زمین ہلائی جاوے گی یعنی قیامت میں یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کا پہلی سورۃ میں اخیر میں ذکر تھا کہ مشرکین اور کافر جہنم کی آگ میں اور ایماندار ابرار جناتِ عدن میں ہمیشہ رہا کریں گے اس سورۃ میں مسئلہ معاد کی ابتدائی حالت بیان فرمائی کہ زمین ہلے گی اور اپنے دفائن واموات اگل دے گی۔ کافر تعجب کریں گے اور یہ عالم کہ جس پر یہ منکرین مبتلا ہیں زیروزبر ہو جاوے گا۔ فقال اذا زلزلت الارض زلزالھا کہ جس وقت ہلائی جاوے۔ زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیے اور جتنی کہ ہل سکے یعنی بہت زیادہ۔ یہ شروع قیامت کا ہوگا کہ اسرافیل کے صور پھونکنے سے زمین میں سخت زلزلہ آوے گا جس سے کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی اور سمندر جوش مار کر ادھر ادھر پھیل پڑیں گے واذا البحار سجرت مجاہد کہتے ہیں یہ اول بار صور پھونکنے میں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں بار دوم صور پھنکنے کے وقت ہوگا۔

فائدہ: عرب کے کسی بڑے فصیح وبلیغ نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اذا زلزلت الارض زلزالا اور اس پر اس کو بڑا ناز تھا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں زلزالا کی جگہ زلزالھا آیا مصدر کو مضاف کر دیا تو فقرہ میں جان پڑ گئی وہ عرب سن کر وجد میں آ گیا اور بول اُٹھا کہ میں اس کالم کی فصاحت پر ایمان لایا۔ اس کا لطف اُٹھانا اہلِ زبان ہی کا حصہ ہے۔ اور اس زلزلہ سے کیا ہوگا؟ منجملہ ان کے یہ ہوگا واخرجت الارض اثقالھا کہ زمین اپنے بوجھ نکال ڈالے گی۔

ثقل و بوجھ[1] جس سے مراد ہے زمین کے اندر کی چیزیں۔ خزانے اور کانیں اور مردے گڑے ہوئے اور طرح طرح کے پتھر اور قدیم عمارات کی بنیادیں اور جو کچھ زمین کے طبقات میں زلزلۂ عظیم سے باہر نکل پڑے گا۔ مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

---

[1] اور اس لیے جن وانس کو ثقلین کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کردے گی چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے باہر پڑے ہوں گے۔ قاتل دیکھ کر کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے قتل کیا تھا اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اس کے لیے میرے ہاتھ کاٹے گئے پھر کہا جائے گا اُٹھالو مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔ وقال الانسان مالھا اور کہے گا انسان اس زمین کو کیا ہو گیا؟ وہ اس کے باغ اور وہ اس کے عمدہ عمارات کیا ہوئے۔ اس کی وہ رونق کیا ہو گئی جس پر بنی آدم فریفتہ تھے اور کٹے مرتے تھے۔ گز گز بھر زمین کے لیے تلواریں چلتی تھیں ہائے ہائے یہ زر بھی پڑا ہے اور یہ زمین بھی پڑی ہے آج کوئی نہیں پوچھتا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا دفائن باہر پھینکنا اور انسان کا یہ کہنا دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کا معاملہ ہے۔ جب مرنے کے بعد سب زندہ ہو جاویں گے اور زمین وزر کو یوں خراب ومبتذل دیکھیں گے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ قریبِ قیامت کا معاملہ ہو جبکہ ایک زلزلہ آوے اور دنیا کو درہم برہم کردے پھر جو کچھ انسان اس وقت زندہ ہوں یہ کہیں اور پھر نفخِ صورِ اول شروع ہو جاوے۔ یومئذ تحدث اخبارھا اس روز زمین اپنے اخبار وحالات بیان کرے گی کہ فلاں نے مجھ پر زنا کیا اور فلاں نے قتل کیا تھا اور فلاں نے فلاں گناہ اور فلاں نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں نے فلاں نیک کام کیا تھا سب حالات بتلائے گی اور یہ کیوں بان ربك اوحیٰ لھا اس لیے کہ تیرے رب نے اس کو وحی کی ہوگی یعنی وحی اور حکمِ رب سے بندوں پر نیکی بدی کی گواہی دے گی۔ یہ معاملہ بالاتفاق نفخِ صورِ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ تحدث اخبارھا کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زبانِ حال سے اپنی گزشتہ خبریں بتادے گی عبرت کرنے والوں کے لیے۔

فائدہ: شبہ کرنا کہ زمین جسمِ لایعقل کیونکر کلام کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقِ الٰہی میں سے ہر ایک چیز روح رکھتی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ حیوانات کی روح بدن کی تدبیر وتصرف اور حس وادراکِ اختیاری کا شرف رکھتی ہے برخلاف اور اجسام کی روح کے کہ اس کا ادراک وحس محسوس نہیں مگر کبھی محسوس بھی ہو جایا کرتا ہے بطریقِ خرقِ عادات ومعجزات کے اور اسی لیے بعض دفعہ پتھروں نے حضرت انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نبوت کے وقت پتھر سلام کیا کرتے تھے اور ستونِ حنانہ حضرت ﷺ کی مفارقت میں رویا ہے اور اسی لیے ہر شے خدا کی تسبیح وتقدیس کیا کرتی ہے کما قال وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور نفوسِ ملکیہ کے حکماء بھی قائل ہیں اور قیامت کے روز جب ظہورِ کلی ہوگا ان چیزوں کی گویائی بھی سب کے نزدیک محسوس ہو جاوے گی اور اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے بیدہ ملکوت کل شیء زمین بھی گواہی دے گی انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہاں کے حجر وشجر گواہی دیں گے مگر سوائے حیوانات کے دیگر اجسام کی حیات فلسفۂ جدید کی سمجھ سے باہر ہے اور اسی لیے وہ اس کو محال[1] خیال کرتے ہیں مولانا روم اپنی مثنوی میں اس حیات کی کن دلکش الفاظ میں تصویر کھینچتے ہیں۔

---

[1] مگر یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کی زبان جو گویائی کا ایک آلہ ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس میں کون سے اسباب گویائی کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ کچھ نہیں صرف ایک قادرِ مطلق نے اس میں قوت رکھ دی ہے اگر وہ چاہے تو یہی قوت انسان کے کسی دوسرے عضو میں رکھ دے وہ بھی اسی طرح بولنے لگے دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھ دی ہے۔ سونگھنے کی ناک میں ٹٹولنے کی تمام جسم میں اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے یا کل بدن کو جمیع قوتوں کا محل کردے ہر جگہ سے دیکھنے سننے بولنے سونگھنے ٹٹولنے لگے اور کبھی کبھی خاصانِ خدا پر یہ حالت دنیا میں ہی طاری ہو جاتی ہے جبکہ بہیمیت پست اور روحانیت غالب آجاتی ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نماز میں پسِ پشت سے بھی دیکھتا ہوں ارکانِ صلوٰۃ میں فرق نہ کیا کرو۔ ۱۲ منہ

ہستیِ کوہ است مخفی از خرد | ہستی ہیچوں خرد کے پے برد
بادرا بے چشم گر بینش نداد | فرق چوں میکرد اندر قومِ عاد
آتشِ نمرود گر چشم نیست | با خلیلش چوں ترحم گرد ایست
گر نبودے نیل را آں نورِ دید | ازچہ کافر را ز مومن برگزید
گر نہ کوہ وسنگ با دیدار شد | پس چرا داؤد را او یارشد
ایں زمین راگر نبودی چشمِ جاں | ازچہ قارون را فراخورد آنچناں
گر نبودے چشم دلِ حنانہ را | چوں بدیدی ہجرِ آں فرزانہ را
در قیامت ایں زمیں از نیک و بد | کہ زما دیدہ گواہی ہا دہد

پھراور کیا ہوگا؟ یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم کہ اس روز دربارِ عدالت سے اپنے اپنے منازل پر مختلف حالات میں لوگ لوٹ کر آویں گے جو ایماندار و نیک ہیں ان کے منہ چاند سے روشن ہوں گے جنت کی طرف خوشی میں دوڑتے آویں گے اور کافر و مشرک اور بدکار جہنم کی قید کا حکم سن کر سیاہ رو غمگین جہنم کی طرف جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دکھایا جاوے نیکوں کو نیک بدوں کو بد۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ع

پھر جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ترکیب | الفاء للتفسیر من موصولۃ مبتدء خبر منصوب علی انہ تمیز من مثقال ذرۃ یرہ خبرہ ویمکن ان تکون من شرطیۃ یرہ جواب الشرط و قیل خیرا بدل من مثقال ذرۃ قراء الجمھور یرہ فی الموضعین بضم الھاء وصلاً وسکونھا وقفا وقرء ہشام بسکونھا وقفا ووصلا و قرء الجمھور یرہ فی الموضعین مبنیا للفاعل وقری مبنیا للمفعول ای یریہ اللہ ایاہ وقری یراہ علی توھم ان من موصولۃ اوعلی تقدیر الجزم بحذف الحرکۃ المقدرۃ فی الفعل۔ مثقال بالکسر سنگ زر ودینار صراح ای زنۃ ذرۃ۔ والذرۃ ھوان یضرب الرجل بیدہ علی الارض فما علق من التراب فھو ذرۃ وقیل ما یری فی شعاع الشمس من الھباء۔

تفسیر | اب اعمال دیکھنے کی تفصیل کرتا ہے فقال فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور جو ذرہ کے برابر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرے گا ضرور اس کو یعنی اس کے نیک بدلہ کو دیکھ لے گا وہ نیکی رائیگاں نہ جاوے گی ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اس کے بدنتیجہ کو دیکھ لے گا۔

فائدہ۱: علماء کا اتفاق ہے کہ کافروں کی نیکیاں ان کے کفر کے سبب سے ملیامیٹ ہو جاتی ہیں پھر وہ اپنی نیکی بڑی بھی نہ دیکھیں گے ذرہ بھر کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح ایمانداروں کی بدیاں مٹادی جاتی ہیں یا معاف کردی جاتی ہیں پھر ان کو بھی ذرہ بھر بدی دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔

پھر آیت کے معنی کیونکر صحیح ہوں گے! جواب: دیکھنے کا موقع بیان نہیں فرمایا اس لیے عام ہے پس کافر کی نیکیوں کا نتیجہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے افزائشِ مال وکثرتِ اولاد تندرستی وغیرہ۔ ہاں آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا پس یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ کافر کی بھی کوئی نیکی خواہ ذرہ برابر ہو رائیگاں نہ جاوے گی۔ آخرت میں نہ سہی دنیا میں تو ضرور اس کا بدلہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح مومن کو اس کے گناہوں کے سبب دنیا میں بدنتیجہ کوئی مصیبت، بیماری، تنگ دستی، رنج وغم دیکھنا پڑتا ہے گو آخرت میں نہ سہی۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں جگہ من عام نہیں بلکہ اول سے

مراد ایماندار ہے کہ جو ایمان لا کر نیکی کرے گا وہ ضرور اپنی نیکی کا بدلہ دیکھے گا اور نیکی کے لیے ایمان مقدم ہونا شرط ہے اور اسی طرح دوسرے من سے مراد کافر ہے کہ کافر کو ہر بدی کا بدلہ دکھایا جاوے گا خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی جواب ہے کہ جب کافر کی نیکیاں ہی نہ رہیں اُس کے کفر نے ملیامیٹ کر دیں اور اسی طرح مومن کے گناہ ہی نہ رہے توبہ واستغفار سے معاف ہو گئے پھر ان کا بدلہ کیا یہ تو موجود نیکی و بدی کے بدلہ کا ذکر ہے۔

فائدہ۲: بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت جامعہ اور یکتا ہے۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ دو آیت ایسی نازل ہوئی ہیں جو توریت و زبور و انجیل کا خلاصہ اور لب لباب ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے لیے قرآن تعلیم کرنے کو فرمایا پھر جب اس کو یہ سورۃ تعلیم فرمائی اور ان آیتوں تک پہنچا تو اس نے کہا بس کیجئے مجھے یہی دو آیت عمل کرنے کے لیے کافی ہیں اس کی حضرت نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی آپ نے فرمایا وہ فہمیدہ شخص ہے جانے دو۔ کیونکہ ہر ایک گناہ سے بچنا چاہیے خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور ہر ایک نیکی پر مستعدی کرنی چاہیے' خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

فائدہ۳: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ سورۃ پڑھی اس کو نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ہوگا اور جس نے قل ہو اللہ پڑھی اس کو تہائی قرآن کا اور جس نے قل یاایھا الکافرون پڑھی اس کو چوتھائی قرآن کا ثواب ہے۔ رواہ الترمذی وابن مردویہ والبیہقی۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ عادیات مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَـكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِى الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

ع ۱۱

قسم ہے ان (غازیوں کے) گھوڑوں کی جو دوڑتے میں ہانپتے جاتے ہیں پھر ٹاپوں سے چنگاریاں اُڑاتے جاتے ہیں اور صبح ہوتے دھاوا کرتے ہیں اس وقت غبار اُٹھاتے اور انبوہ میں جا گھستے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے اور وہ اس بات کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور وہ مال کی محبت کے لیے مضبوط ہے پھر کیا نہیں جانتا جبکہ قبروں سے مردے نکالے جائیں اور جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جاوے گا تو ان کا رب ان سے اس دن واقف ہوگا۔

ترکیب: و القسم العادیات جمع عادیۃ من العدو وھو المشی بسرعۃ فقلبت الواو یاء لکسرۃ ماقبلھا کالغازیات من الغزو۔ والمراد بھا الخیل الجھادیۃ وقیل بعیر الحجاج ضبحا الضبح صوت اجواف الخیل اذا عدت وقیل السیر ونوع من العدو ویقال ضبح الفرس اذا عدا بشدۃ من الضبع بمعنی الدفع وکان الحاء بدل من العین علی الاول منصوب علی الحال ای ضابحات وعلی الثانی مفعول مطلق موکد لاسم الفاعل ویجوز ان یکون مصدر الفعل

محذوف ای یضبح ضبحا۔ فالموریات قدحا عطف العادیات من الایراء وھواخراج النار جمع موریۃ والمقدح الصک فجعل ضرب الخیل بحوافرھا کالقدح بالزناد والکلام فی نصب قدحا کالکلام ضبحا فالمغیرات ای التی تغیر علی العدو جمع مغیرۃ من الاغارۃ صبحا منصوب علی الظرفیۃ عطف علی السابق فاثرن بہ نقعا عطف علی الفعل الذی دل علیہ اسم الفاعل اذا المعنی واللاتی غدون فاثرن۔ اوعلی اسم الفاعل نفسہ لکونہ فی تاویل الفعل لوقوعہ صلۃ للموصول۔ لان الالف واللام فی الصفات اسماء موصولۃ فالتقدیر واللاتی غدون فاورین فاثرن۔ من الاثارۃ ای ہیجن۔ والضمیر فی اثرن ای المغیرات ہو فاعلہ بہ الضمیر یعود ای الصبح اوالی مکان لعدو المدلول علیہ۔ نقعا مفعول بہ والنقع الغبار وقرء الجمھور فاثرن بتخفیف الثاء وقرئ بتشدیدھا ایضا۔ فوسطن ای المغیرات بہ النقع الباء زائدۃ ای وسطن ذلک الغبار جمعا مفعول بہ وقیل الباء للتعدیہ او الظرفیۃ ای فی ذلک الوقت او بسبب اثارۃ الغبار جمعا حال وکل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالسکون وان لم یصلح فھو وسط بالتحریک یقال جلست وسط القوم بالتسکین لانہ ظرف وجلست وسط الدار بالتحریک لانہ اسم لما یحویہ غیرہ من جھاتہ۔ من باب وسط یسط کوعد یعد۔ والاسم الفاعل واسط۔ والفارات الاربع للدلالۃ علی ترتیب مابعد الواحد علی ماقبلہ ان الانسان الخ ھذہ الجملۃ ومابعدھا جواب القسم افلا یعلم الاستفھام للانکار والفاء للعطف علی مقدر ای یفعل مایفعل من القبائح فلا یعلم اذا العامل فیھا یعلم بعثر وحصل شرط ان ربھم الخ الجملۃ جواب الشرط والمجموع یدل علی مفعول یعلم یومئذ بھم متعلق بخبیر۔

تفسیر: یہ سورۂ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور ابن مسعود و جابر و حسن و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن عباس و انس بن مالک و قتادہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسن سے روایت ہے کہ یہ سورۂ نصف قرآن کی برابر ہے۔ نقل کیا اس کو ابوعبیدہ نے فضائل میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ نقل کیا اسکو محمد بن نصر نے بسند عطاء بن ابی رباح۔

ربط: سورہ اذا زلزلت الارض میں نیکی اور بدی کا انجام اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا کہ سلیم الطبع کو سننے کے بعد پھر قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہتا مگر کج طبع اور ہٹ دھرم کب مانتے ہیں ان کے سمجھانے کے لیے تو آسمانی کوڑا درکار ہے۔ اس لیے اس سورہ میں لشکرِ جہاد اور اس کے گھوڑوں کے جوان مردانہ اوصاف کی قسم کھا کر بدانسان کا مقتضائے طبع بیان فرماتا ہے کہ بدنصیب بڑا ہی ناشکر اور احسان فراموش ہے اور اس پر بھی خدا کی طرف سے بہتری کی قوی امید رکھتا ہے اور مال کا لالچ اس کے دل میں راسخ ہے جس لیے ابواب سعادات کی طرف نہیں آتا چند روزہ زیست کے لیے مارا مارا پھرتا ہے الخ اس میں اشارہ ہے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ آسمانی سیاست ان کو ادب سکھاوے گی چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔

یا یوں کہو کہ پہلی سورہ میں کفار و بدکردار لوگوں پر آخرت کی سرزنش بیان کی تھی جو ان تیرہ باطنوں کے دل پر مؤثر نہیں ہوتی وہ تو دنیا کے خسارے سے ڈرتے ہیں اس لیے ان پر جو دنیا میں عذاب آنے والا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فقال

(۱) والعادیات ضبحًا کہ ہم کو قسم ہے غازیوں کے ان گھوڑوں کی جو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دوڑتے ہیں اُخ اُخ کی ان کے پیٹ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

(۲) فالموریات قدحًا پھر ان کی کہ جو رات میں اپنی ٹاپوں سے پتھروں میں سے چقماق کی طرح آگ جھاڑتے جاتے ہیں۔ یہ دوسرا وصف انہیں جہادی گھوڑوں کا ہے جو ان کی قوت اور تیز روی ظاہر کرتا ہے قوی گھوڑوں کے نعل رات میں جب تیزی سے چلتے ہیں پتھروں پر کھٹا کھٹ پڑتے ہیں تو پتھروں میں سے آگ چمکا کرتی ہے۔ یہ گھوڑے اعداءِ دین پر قہرِ الٰہی ہیں اور یہ آگ قہرِ الٰہی کی آگ ہے اور ان کے سواروں کی اس حرارت و شجاعتِ دینی کا اثر ہے جو مبدءِ فیاض نے ان کے دلوں میں رکھی ہے جو بدکاروں کے خرمن عیش کامرانی کے جلانے کو کافی ہے۔

(۳) تیسرا وصف اور بیان کرتا ہے فالمغیرات صبحًا پھران کی جو صبح ہوتے جبکہ اعداءِ دین خوابِ غفلت میں سرشار ہوتے ہیں دھاوا کرتے ہیں راتوں چلے اور چلتے میں ٹاپوں سے آگ کے شرارے جھڑتے تھے صبح ہوتے ہی بدکرداروں اور آسمانی مجرموں پر دھاوا کر دیا۔

(۴) اور چوتھا وصف یہ ہے فاثرن به نقعًا پھران کی قسم جو صبح میں دھاوے کے وقت بڑے زور سے دوڑنے میں گرد وغبار اُٹھاتے ہیں اور دشمنوں کے مونہوں کو گرد آلود کرتے ہیں۔ یہ صبح کے وقت گرد اُڑ نا زیادہ قوت وزور پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ شبنم سے زمین تر ہوتی ہے برخلاف شام کے کہ خشکی ہوتی ہے۔ ذراسی حرکت میں بھی گرد اُڑنے لگتی ہے۔ اور فاثرن اسم فاعل کی جگہ فعل اس لیے استعمال ہوا تا کہ معلوم ہو کہ یہ گرد اُٹھانا اور ان کے انبوہ میں گھس جانا جو آئندہ آتا ہے۔ تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے برخلاف جہاد کی تیاری کے وہ ہمیشہ رہتی ہے اس لیے وہاں اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا تا کہ دوام وثبوت پر دلالت کرے۔

(۵) پانچواں وصف فوسطن به جمعا پھران کی قسم جو صبح کے وقت دھاوا کرنے اور غبار اُٹھانے کے بعد مخالفوں کے انبوہ میں گھس جاتے ہیں یہ نہیں کہ دھمکی دے کر رہ جاتے ہیں اور وقت پر نامردی کرتے ہیں۔ یہ پانچ وصف جنگی گھوڑوں کے ہیں بالترتیب لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حج میں جانے والے اُونٹوں کے اوصاف ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارہ میں ایک روایت بھی کرتے ہیں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ عادیات سے نفوسِ انسانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جن کو ریاضت کے میدان میں دوڑنے سے دوڑنے والے گھوڑوں کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہی اپنی ریاضت ومجاہدات کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں جس سے اشتیاق وتجلی کے شرارے مراد ہیں اور یہی بوقتِ تجلی جو صبح سے مشابہ ہے اس میدان میں دھاوا کر کے جسمانی خواہشوں کی گرد اُڑاتے اور مقامِ وصل وقرب میں جاگھستے ہیں۔ یہ ظاہر الفاظ کے معنی نہیں مگر اشارہ ہوسکتا ہے اور یہ قرآن کا کمالِ اعجاز ہے کہ اس کے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔

پھران چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لربه لکنود کہ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکر اور احسان نہ ماننے والا ہے۔ اول تو اس کی نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو بے موقع صرف کرتا ہے۔ سوم اپنے محسن ومربی کی طرف نہیں جھکتا۔ لذات وشہوات میں مستغرق رہتا ہے۔ وانه علی ذلك لشهيد اور وہ اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس کا حال اور اس کی بناوٹ اور رات دن کے تغیرات میں اس کے دستِ قدرت کی امیدواری کہہ رہی ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں نعمت کا شکر نہیں کرتا سو وہ اس کی نسبت بھی یہی کہتا ہے گویا دوسرے کو یہ کہنا اور آپ اسی حالت میں مبتلا ہونا اپنے لیے آپ اقرار کرنا اور گواہی دینا ہے کہ میں ناشکر ہوں یہ اس کی دوسری بات تھی اب تیسری یہ ہے کہ وانه لحب الخير لشديد وہ مال کا بڑا دوست اور سخت لالچی بھی ہے۔ یہ انسان کے تین افعالِ بد تھے جو اس کو ہاویہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اب ناسپاس کے مقابلہ میں ان حیوانات کو دیکھنا چاہیے جو مالک کے مطیع ہیں جیسا کہ گھوڑا جس کے اوصاف کی قسم کھائی جس سے تعریض ہے کہ ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے جس میں مالک کی اطاعت کا مادہ نہیں اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے ناسپاس، نافرمان، شہوات ولذات کے بندے، مال وزر کے عاشق ایک روز ایسے جہادی گھوڑوں کے پاؤں میں روندے جاتے ہیں جن کی ٹاپوں سے آگ نکلتی ہے اور جو دشمنوں کے خرمنِ آرام کو جلاتی ہے۔ ان الفاظ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا انجیل متی کے تیسرے باب میں ذکر ہے کہ یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام پاس جب یہود کے لوگ فریسی اور صدوقی فرقے اصطباغ پانے آئے تو آپ نے فرمایا۔ قولہ۔ میں تو تمہیں توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ میرے بعد آتا ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے بعد نہیں آئے بلکہ روبرو آئے تھے اور نیز بعد کے اوصاف بھی ان میں نہیں پائے جاتے) مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح اور آگ سے بپتسمہ دے گا اس کا چھاج اس کے

ہاتھ میں ہے وہ اپنی کھلیان کو پھٹکے گا اور گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا اور بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو کبھی نہیں بجھتی وہ آگ جہاد کی آگ ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلتی ہے اور جو قیامت تک نہ بجھے گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔لن یبرح ھذا الدین قائما یقاتل علیہ عصابة من المسلمین حتےٰ تقوم الساعة رواہ مسلم کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا قیامت تک مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت اس پر لڑتی رہے گی۔

فتح مکہ کے روز آپ نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم کو لڑنے کے لیے حکم دیا جاوے تو نکلو۔متفق علیہ اور فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اپنے مخالف پر فتح پاوے گا۔ یہاں تک کہ آخر کے لوگ دجال سے لڑیں گے (رواہ ابوداؤد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البرکة فی نواصی الخیل (متفق علیہ) کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں رکھی ہوئی ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ الخیل معقود بنوا صیھا الخیر ای یوم القیامة الاجر والغنیمة (رواہ مسلم) کہ گھوڑوں کی پیشانی یا چوٹی میں قیامت تک بہتری باندھی گئی ہے اور وہ بہتری کیا آخرت کا اجر اور دنیا کی غنیمت ہے۔

اور یہ سچ ہے جس قوم میں ترفہ اور نزاکت اور عیش پسندی آجاتی ہے خواہ کتنی ہی ہنرمند' صناع' ہوشیار ہو ایک روز اس قوم کا مال ہو جاتی ہے جو گھوڑوں پر چڑھنے والے سپاہی اور موٹا پہننے والے اور موٹا کھانے والے اور بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں۔مسلمانوں میں جب سلطنت اور دولت نے (جوان کے باپ دادا نے کہ جوانمرد اور جفاکش سپاہی تھے حاصل کی تھی) کئی صدیوں تک مقام کیا تو نزاکت اور عیش پسندی آ گئی پھر تو امراء کی یہ حالت ہو گئی کہ دھوپ کی برداشت اور گھڑی بھر بھوک اور پیاس اور شہوت کی برداشت کا تو کیا ذکر ہے پائخانہ میں لوٹا بھی خادم ہی دھرے تو دھرے تو پائخانہ پھریں کپڑے بھی کوئی دوسرا پہنائے تو پہنیں۔رات میں چار قدم باہر جاتے ڈر لگتا ہے ذرا چلیں اور اچھل کر گھوڑے پر چڑھیں تو ناف ٹل جائے' کسی کام میں دل توڑ کر محنت کرنا کیسا' رات دن داستان گو اور فواحش اور مسخروں کے جلسے' کھانوں اور عمدہ مکانوں اور آرائشِ تن کے چرچے اور پھر گنجفہ اور شطرنج اور مرغبازی' پتنگ بازی' بٹیر بازی' کبوتر بازی اور کون بازی اور کون بازی اور شراب خواری اور عیاشی اور بسترِ راحت پر پہروں چڑھے تک سونا اور جاگنا تو گھنٹوں جمائیاں اور انگڑائیاں لینا اور گھنٹے پیخانے میں بیٹھنا' پہر دن منہ دھونا' سنگار کرنا' مسی کی دھڑی جمانا' آئینہ سامنے رکھ کر اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا وغیرہ بد عادات آئیں جن کو ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کیا تھا اس کے ساتھ علم بھی رخصت ہوا دانائی بھی گئی۔دل کی جوانمردی بھی گئی۔بندوق کی آواز سے دل دھڑکنے لگا اور اس پر بیجا مصارف کارِ خیر سے ہاتھ بند قومی حمیت رخصت ہوئی رہ گئی تو خود پسندی آبائی مفاخر پر لاف زنی' کمینہ پروری رذالوں' کمینوں' سفلوں سے رغبت' باہمی نفاق حسد و بغض کمینہ تدبیریں۔پس سلطنت و دولت وعزت و شوکت بھی جلدی بھیک مانگنے کی نوبت آگئی اپنے آبائی خدمت نگاروں کی چلمیں بھرنے کی نوکری رہ گئی عورتوں کے ننگ و ناموس بھی گئے۔الغرض دین بھی گیا' دنیا بھی گئی۔ یہ اس لحب الخیر الشدید وانہ لکنود کی تفسیر ہے۔عبرت عبرت!

خبر دنیا تو گئی تھی سو گئی تھی اب تو افلاس یا بقیہ گندہ دولت کے خمار میں حق سبحانہ سے لڑائی کی ٹھہرا دی۔ لگے کفر بکنے' احکامِ ربانی کو ٹالنے۔ اب دین اور عقبیٰ بھی چلے اس لیے فرماتا ہے افلا یعلم اذا بعثر مافی القبور وحصل ما فی الصدور ان ربھم بھم یومئذ لخبیر کہ کیا یہ ناشکر انسان جو ایسے کام کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں سے مردے اُٹھائے جاویں گے اور جو سینوں میں خیالات فاسدہ مخفی ہیں حبِ شہوات وغیرہ وہ ظاہر کئے جاویں گے بلکہ متشکل کر کے سامنے لائے جاویں گے تو اس دن کا رب ان سے خبردار ہے بات دنیا میں جو کی تھی اس کو معلوم ہے پھر وہ وہاں کیسا ان اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کی سزا نہ دے گا؟ ضرور دے گا؟ اگرچہ اب بھی خبیر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں مگر یہ کہنا کہ اس روز جو سزاء و جزا کا دن ہے خبردار ہے عقلمند کو پوری تہدید ہے جلد توبہ کرنا چاہیے۔اللھم تبت الیک۔

(اللہ اکبر)

اللہ اکبر

(سورۃ القارعۃ مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡقَارِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَۃُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡقَارِعَۃُ ؕ﴿۳﴾ یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ وَ تَکُوۡنُ الۡجِبَالُ کَالۡعِہۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۶﴾ فَہُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّہٗ ہَاوِیَۃٌ ؕ﴿۹﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا ہِیَہۡ ﴿ؕ۱۰﴾ نَارٌ حَامِیَۃٌ ﴿۱۱﴾

کھڑ کھڑا دینے والی (قیامت) کیا ہے وہ کھڑ کھڑا دینے والی اور (اسے مخاطب!) تو کیا جانے وہ کھڑا کھڑا دینے والی چیز کیا ہے (وہ ایک ایسا وقت ہے) کہ لوگ اس دن بھنگوں کی طرح تتر بتر ہوں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اُون جیسے ہو جائیں گے۔ پھر تو جس کے اعمال تول میں بھاری ہوں گے تو وہ من مانے عیش میں ہوگا اور جس میں تول ہلکی ہوگئی تو اس کا ٹھکانا گڑھا اور تو کیا جانے وہ کیا ہے۔ آگ ہے دہکتی۔

ترکیب | القارعۃ مبتدء ما القارعۃ خبر۔ قرء الجمھور بالرفع والقرع الصوت الشدید ومنہ قوارع الدھر والمراد بھا القیامۃ وانھا من اسماء القیامۃ کالحاقۃ وانما سمیت بھا لانھا تقرع قلوب الانسان وتقرع اعداء اللہ بالعذاب والعرب تقول قرعتھم القارعۃ اذا وقع بھم امر فظیع وما الاستفھامیۃ مبتداء ادراک خبر ما القارعۃ مبتدء وخبر والجملۃ مفعول ثانی لا دراک ای وای شیء اعلمک ما شان القارعۃ۔ ثم ھو سبحانہ بین بعض شیونھا فقال یوم یکون والناصب فی یوم القارعۃ ای تقرعھم یوم یکون الخ وقیل اذکر وقیل خبر مبتداء محذوف وانما نصب لاضافۃ الی الفعل فافتحۃ بناء لا نصب اعراب۔ والفراش جمع فراشۃ وھی الطیور التی تتساقط فی النار والسراج وبھا یضرب المثل فی الطیش والھوج یقال اطیش من فراشۃ المبثوث المتفرق المنتشر ویجوز مبثوث کما یجوز مبثوثۃ کمافی قولہ تعالٰی کانھم جراد منتشر او اعجاز نخل منقعر واعجاز نخل خاویۃ وتکون الجبال عطف الجملۃ علی الجملۃ والعھن الصوف المصبوغ بالالوان المختلفۃ المنفوش المندوف الذی نفش بالندف۔ فاما من شرط فھو فی الخ جوابہ موازینہ جمع موزون وھو العمل الذی لہ وزن وخطر عند اللہ وھذا قول الفراء وغیرہ وقیل جمع میزان وقیل المراد بھا الحجج والدلائل عیشۃ راضیۃ اسناد مجازی اور استعارہ تکنیۃ وتخیلیۃ فامہ ای مسکنہ وسماہ بالام لانہ یاوی الیہ کمایاوی الی امہ ھاویۃ من اسماء جھنم وسمیت بھا لانہ یھوی فیھا مع بعد قعرھا والمھواۃ ما بین الجبلین ماھیۃ اصلہ ماھی الضمیر یعود والی الھاویۃ وزیدت الھاء بعد الیاء للسکت۔

تفسیر | یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام قارعہ ہے اور قرعہ لغت میں ٹھونکنے کھڑ کھڑانے کو کہتے ہیں اور اسی لیے ایسے حوادثِ دہر کو جو عاقل کو دہلاتے اور دل کو ہلاتے ہیں قوارع الدہر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس قسم کی آیات کو جو طبعِ بشری کو جنبش دینے والی ہیں قوارع القران کہتے ہیں۔ اور اس سورہ میں بھی وہ مضامین ہیں جو انسان کو خوابِ غفلت سے جگاتے اور اس کے دل کو ہلاتے ہیں یا اس میں اس حادثہ کا ذکر ہے جو دنیا کو زیر وزبر کر دے گا یعنی قیامت اس لیے اس کا نام القارعۃ ہوا۔

واضح ہو کہ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل یعنی بوجھ یا بھاری پن رکھا ہے جیسا کہ روحانیات میں تجرد اور سُبکائی اور یہ ایک قدرتی بات ہے اور یہی ثقل اس کو سکون وقرار پر مجبور کرتا ہے اور یہی اس کو اس کے حیزِ طبعی کی طرف جھکاتا ہے پھر ایک تو یہی ثقلِ جسمانی

ہے جس سے اعلیٰ قدر مراتب کوئی جسم بھی خالی نہیں اور ایک معنوی ثقل بھی ہے جس کو وقار کہتے ہیں یہ ادراک وحواس والے اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ان کے لیے خوبی ہے بالخصوص انسان میں جو اس کے مردانہ پن اور تحمل و برداشت کا باعث ہے پھر جس میں یہ وصف نہیں اور تر پھر کرتا ہے۔ بیٹھنے میں بھی کہیں ہاتھ ہلتے ہیں کہیں پاؤں، کبھی آنکھیں پھڑکتی ہیں تو کبھی جلد جلد بات چیت کرتا ہے اس کو معیوب سمجھتے ہیں اور بندر اور اس قسم کے جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جوانمردوں کو اپنے استقلال اور قائم مزاجی پر بڑا ناز ہوا کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم پہاڑ ہیں حوادثِ دہر ہم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ کفارِ قریش اپنے اس وصف پر بڑے نازاں تھے اور یہاں تک دعویٰ تھا کہ اگر کوئی ہمارے جسم میں زخم بھی لگائے تو ہم جس وضع پر بیٹھے ہوں اس میں کچھ بھی فرق نہ آوے اور اس کی وہ مشاقی بھی کیا کرتے۔ تھے اور اسی کو میدانِ جنگ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبب جانتے تھے۔ سو اول قسم کا ثقل زیادہ تر پہاڑوں میں ہے کہ جب سے ان کو قدرت نے جہاں بٹھایا ہے وہیں بیٹھے ہیں ہلتے ہی نہیں اور اسی لیے اس امر میں ثابت قدموں کو پہاڑ سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے اور دوسری قسم کا ثقل انسان میں ہے۔ مگر انسان کی اس ثقل سے عالمِ بالا کا مقصود اخلاقِ حمیدہ اور ملکاتِ کاملہ میں ثابت قدم رہنا ہے جو حسنات حاصل کرنے کا سبب اور معاصی اور لذات و شہوات کے جھونکوں میں اُڑنے سے بچنے کا باعث ہے اور دنیا میں اس کے آنے سے یہی مقصد ہے کہ وہ اس ثقل کو حاصل کرلے جاوے اور جس میں یہ ثقل جس قدر ہے اسی قدر وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گرامی اور بھاری ہے اور جس میں یہ ثقل نہیں وہ بے وقار اور ہلکا ہے اور اس کا ان نیک باتوں سے ہلکا ہونا بہیمیت اور جسمانیت کا بھاری پن ہے جس کا حیزِ طبعی ہاویہ یعنی مقامِ اسفل ہے ان باتوں کی طرف خدا پاک اس سورۃ میں ایماء کرکے انسان کو ابوابِ خیرات کی رغبت دلاتا اور اس کے ثمرات ونتائج عیشۃ راضیۃ ظاہر فرماتا ہے اور بدوں کو ہاویہ میں لے جانے والے بوجھ سے سبکی حاصل کرنے اور ثقلِ مقصود حاصل کرنے کی طرف ابھارتا ہے اور نبوتِ کبریٰ کا یہی مقصدِ اصلی ہے اس لیے فرماتا ہے القارعۃ ما القارعۃ وما ادراك ما القارعۃ کہ قارعہ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے وہ کھڑ کھڑانے والی۔ اور اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے کھڑ کھڑانے والی چیز اس لیے کہ وہ اس عالم کی فنا اور فنا کے اثرات ہیں جو بغیر دلیلِ سمعی کے سمجھ میں نہیں آتے۔ کس لیے کہ انسان ہمیشہ سے آسمان و زمین پہاڑوں اور دریاؤں اور چاند ستاروں کو دیکھتے دیکھتے یہ سمجھ گیا ہے یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کو فنا نہیں صرف عناصر سے مرکب چیزوں کو فنا ہے وہ یہی کہ ایک وقت کے بعد اس ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے پھر اپنے خیال کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے سیکڑوں دلیلیں بنالی ہیں۔ اس لیے اس کوتاہ فہم کے حق میں یہ فرمایا کہ تو کیا جانے کیا وہ کھڑ کھڑانے والی چیز بہت درست ہے۔ پھر آپ ہی اس کی کسی قدر کیفیت بیان فرماتا ہے یوم یکون الناس کالفراش المبثوث جس دن کہ آدمی بکھرے ہوئے پتنگے اور پروانوں جیسے ہو جاویں گے یعنی ان کا وہ ثقل کہ جس پر ناز تھا اس روز کی ناقابلِ برداشت مصائب دیکھ کر بالکل جاتا رہے گا اور ایسی بے قراری اور بے تابی ہوگی کہ ادھر کے ادھر ادھر کے ادھر مارے مارے پھریں گے۔ فراش فراشۃ کی جمع جس کے معنی پتنگا' پروانہ' بھنگا' جو رات میں روشنی یا آگ میں گرا کرتا ہے۔ جبکہ صور پھنکے گا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور ایک خدا کی طرف کا پکارنے والا عدالت کی طرف بلائے گا اور جلالِ کبریائی کی تجلی ہوگی تو دہشت کے مارے لوگ پتنگوں کی طرح یا ٹڈیوں کی طرح بے قرار ومضطرب ہو کر دوڑے آویں گے۔ اور ممکن ہے کہ یہ نفخ صورِ اول کا واقعہ ہو کہ جب آواز تیز ہوگی اور کڑک اور زلزلہ زیادہ ہوگا تو گھبراہٹ میں پتنگوں کی طرح اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں گے اور بے قراری ہوگی سب ثقل وثبات جاتا رہے گا تشبیہ میں چار باتیں ہیں (۱) طیش و بے قراری اور ایک دوسرے پر حواسی میں گرنا (۲) کثرت وضعف کہ ان کی بھنگوں جیسی کثرت ہوگی اور آج کے بڑے قوی ہیکل ......اور دلیر اس روز ملائکہ کے آگے

بھنگے معلوم ہوں گے (۳) ہر جانب اور ہر سمت سے بلانے والے کی طرف ایسا آنا کہ جیسا پتنگے چراغ کی طرف آیا کرتے ہیں (۴) آگ میں گرنا جیسا کہ پتنگے گرتے ہیں اس طرح وہ آتشِ جہنم میں گریں گے اور یہ اس لیے کہ وہ روز ظہورِ کلی ہے یعنی دنیا کا پردہ اُلٹ کر ہر ایک چیز کی حقیقتِ اصلیہ دکھا دی جائے گی پھر جس طرح آج پتنگوں کی طرح شہوت ولذات کی آگ کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جہاں طبلہ پر تھاپ پڑی اور سارنگی کی آواز آئی لوگ دوڑ پڑے۔سو اس روز یہ خواہش آتشِ جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور یہ اسی طرح اس کی طرف مجبورانہ جائیں گے وہ رغبت اور اختیار، جبر واضطرار کی صورت میں جلوہ گر ہوگا دنیا کے خواب کی یہ تعبیر ہوگی۔

اب دوسرے ثقل کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے فقال وتکون الجبال کالعھن المنفوش اور پہاڑ دھنی ہوئی اون جیسے ہو کر اُڑتے پھریں گے عھن رنگین پشم کو کہتے ہیں اور رنگین پشم سے تشبیہ اس لیے دی کہ اب جو دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں سنگِ مرمر سنگِ سرخ، سنگِ سیاہ وغیرہ۔زلزلہ پے در پے آنے سے چورا چورا ہو جاویں گے اور باہم ملنے سے ایک رنگت پیدا ہو جائے گی۔ منفوش دھنی ہوئی، نفش دھنسا پھر دھننے کے دھننے سے اور بھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑا کرتے ہیں اسی طرح جب عالمِ بالا کے دھننے والے اس پہاڑوں کی اون کو دھنیں گے تو یہ اُڑتے پھریں گے۔اب اس سے زیادہ کیا کھڑ کھڑانے والا وقت ہوگا۔یہ ہے القارعہ جس کی حقیقت سے یہ مستِ بادۂ غفلت بے خبر ہیں۔

یہاں تک تو ایک مصیبت تھی اب اور دوسری سنیئے وہ یہ کہ اس روز جب یہ سب کچھ ہو چکے گا بارِ دگر لوگ اصلی حیات میں آویں گے اور میزانِ عدالت کھڑی ہوگی توفاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ اس روز جس نے اس چندروزہ حیاتِ دنیا میں اپنے اس ثقلِ خداداد کو اچھے کاموں میں صرف کیا اور ایماں وحسنات کا ثقل پیدا کر لیا تو پھر اس کی تولیں بھاری نکلیں گے ایمان کی تول ہے تو ویسی ہی بھاری ہے اور نماز کی ہے تو ویسی ہی گرانبار ہے اور روزے کی ہے تو ویسی ہے اور صدقات وخیرات کی ہے تو ایسی ہے۔شہوات ولذات سے صبر کی ہے تو ایسی ہے اور محبتِ الٰہی کی ہے تو سب سے بڑھ کر ہے تو وہ لوگ دل پسند زندگانی میں ہوں گے جس کو حیاتِ جاودانی اور زندگانی با کامرانی کہنا چاہیے یہ لفظ عیشۃ راضیۃ بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔آخرت کی جس قدر خوبیاں ہیں، جنت اور وہاں کے نعیم اور فرح وسرور اور دیدارِ الٰہی سب کو حاوی ہے۔

واما من خفت موازیہ فامہ ھاویۃ اور جس کی تولیں ہلکی ہوں گی۔اعمالِ حسنہ وایمان میں اس ثقلِ خداداد کو کام میں نہ لایا بلکہ شہوات ولذات حبِّ دنیا وغیرہ میں صرف کیا اور اپنی نالائق باتوں پر ثابت قدمی دکھائی۔کفر پر اڑے رہے۔ایمان لاتے شرم آئی بدوضعی کو وضع داری سمجھے۔دنیا پر فریفتہ رہے اور اس عشق میں بڑی ثابت قدمی دکھائی۔رسم ورواجِ بد کے پابند رہے، بڑے استقلال سے اس کو تھامے رہے اور بڑا ثقل ان باتوں میں پیدا کیا۔تو یہ بھاری لنگران کو جہنم کے گڑھے کی طرف اس طرح کھینچے ہوئے لے جاوے گا جیسا اجسام کا ثقلِ طبعی پستی کی طرف لے جاتا ہے اور اسی رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لفظ امہ کا استعمال کیا۔کیونکہ ام کے اصلی معنی ہیں اصل اور رجوع ہونے کی جگہ کے اور اسی لیے ماں کو اُم کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے مراد یہ کہ اس کا اصل ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور ھاویۃ گڑھے کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کا ہے۔اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وما ادراک ماھیہ کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے ہاویہ کوئی دنیا کا عمیق گڑھا یا کسی بلند پہاڑی کی کھو نہیں ہے کس لیے کہ اس کی اصل حقیقت بھی بغیر ملہمِ غیب کے سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی پھر آپ ہی بتاتا ہے نار حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ ہے یہ آگ حبِّ شہوات ولذات کی اور غضب وحسد کی، بغض وعداوت کی اور تعصب کفر وبدراہی کی آگ دنیا میں دل میں تھی آج وہ جہنم کی آگ بن کر سامنے آگئی اور آگ بھی کیسی آگ حامیۃ بہت گرم کہ جس کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی آگ گرم نہیں یہ آگ اس آگ کی بہ نسبت کچھ بھی نہیں اس لیے یہ لفظ استعمال ہوا ورنہ آگ کے لیے تو ہر وقت حرارت لازم ہے۔

فائدہ: فرقہ معتزلہ موازین کو دنیاوی ترازو سمجھ کر اور اس میں اعمال و ایمان جو عوارض ہیں محال جان کر یہ تاویل کرتا ہے کہ تولیں بھاری ہونے سے مراد ہے حجت قوی ہونا اور خدا کے نزدیک گرامی اور بھاری ہونا اور کہتے ہیں یہ ایک عرب کا محاورہ ہے اور اسی طرح تولوں کے ہلکے ہونے سے مراد ذلیل ہونا اور ان کی حجتوں کا ضعیف ہونا ہے۔

مگر یہ ان کا قصورِ فہم ہے۔ کس لیے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازو نہیں بلکہ وہ ہے کہ جس سے اعمال و ایمان کا وزن ہوتا ہے۔ حدیثِ صحیح میں میزان کا قیامت میں قائم ہونا ثابت ہے اہلِ سنت اس کے قائل ہیں۔

فائدہ: دو فریق بیان ہوئے اول وہ کہ جن کے ایمان و اعمالِ حسنہ کی تولیں بھاری ہوں گی دوم وہ کہ جن کی تولیں ہلکی ہوں گی اور دونوں کا انجام بھی بیان فرمادیا۔ مگر ایک تیسرا فریق اور بھی ہے یہ وہ کہ جن کی نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔ ان کا کیا انجام ہوگا؟

منادی فرماتے ہیں کہ ان سے حساب آسان لیا جاوے گا اور آخر وہ بھی بخشے جاویں گے اور ان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تا کہ منادی معلوم ہو کہ قابلِ عذاب وہی ہیں جن کی نیکی کی تول ہلکی رہے گی گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ پھر اب اگر ایمان بھی نہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا ورنہ شفاعت یا اس کی مخصوص رحمت کے سبب وہ سزا پا کر یا ایمان کی برکت سے بغیر سزا پائے یوں ہی نجات پا جاوے گا مگر خطرہ میں ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جاوے گا ننانویں دفتر بڑے بڑے گناہوں کے اس کے پیش ہوں گے پھر حق سبحانہ پوچھے گا تجھے ان میں سے کسی کا انکار ہے کیا میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے ناحق لکھ لیے ہیں۔ کہے گا نہیں یا رب! پھر پوچھے گا تجھے کوئی عذر ہے کہے گا نہیں یا رب! تب حق سبحانہ فرماوے گا تیری ایک نیکی ہمارے ہاں ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تب ایک ورقہ نکلے گا جس میں کلمۂ شہادت ہوگا۔ تب وہ شخص کہے گا بھلا ان دفتروں کے مقابلے میں اس ورقہ کا کیا وزن ہوگا تب وہ ورق ایک پلہ میں اور وہ دفتر دوسرے پلہ میں رکھے جاویں گے تب یہ ورق بھاری نکلے گا اور وہ دفتر ہلکے ہو جاویں گے اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(اللہ اکبر)

(سورۃ تکاثر مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ الۡيَقِيۡنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ۝۸ ع

غافل کر دیا تم کو حرص نے یہاں تک کہ قبریں جھانک لیں۔ خبردار ابھی جان لوگے۔ پھر کہتے ہیں خبردار ابھی جان لوگے۔ نہیں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان جاؤ (تو غافل نہ ہو) ضرور تم کو دوزخ دیکھنا ہوگا۔ پھر اس کو بالیقین دیکھنا ہوگا۔ پھر اُس دن تم سے نعمتوں کا حال پوچھا جائے گا۔

ترکیب: الھٰی فعل یقال الہاہ عن فلان اذا شغلہ عنہ و کم مفعولہ التکاثر فاعلہ۔ والتکاثر التباہی والتفاخر بکثرۃ الاموال والاولاد

الغفلة عن الله تعالیٰ حتی غایة للا لہاء زرتم المقابر جمع مقبرة۔ والمعنی انساکم حرص الدنیا والتفاخر بالاموال والعشائر عن الدار الاخرة حتی ادرککم الموت وانتم علیٰ تلک الحالة کلا للردع لو شرطیة تعلمون شرط ومفعول تعلمون محذوف ای الامر الذی انتم صائرون الیه علما یقیناً ونصب العلم علی المصدریة واضافتہ الی الیقین من اضافة الموصوف الی صفتہ وقیل العلم عام یکون یقیناً وغیر یقین فاضافتہ الی الیقین اضافة العام الی الخاص وجواب لو محذوف قال الاخفش التقدیر لو تعلمون علم الیقین ما الھاکم او نحوہ۔ لترون الجحیم الجملة جواب قسم محذوف ای واللہ لترون الجحیم فی الآخرة ولیس ھذا جواب لو قرء الجمھور وفتح التاء مبنیا للفاعل والرؤیة بصریة ولذا تعدت الی مفعول واحد۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایک روز ہزار آیتیں پڑھ سکتے ہو لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم الھاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ روایت کیا اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

ربط اس سورہؑ کا القارعہ سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں انسان کو حوادثِ ہولناک سے خبر دے کر متنبہ کیا تھا کہ ہوشیار خبردار تجھ پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے۔ اُس کے لیے تیاری کر اور اِدھر اُدھر کے فضول جھگڑے جو کچھ بھی کار آمد نہیں چھوڑ دے۔ مگر برخلاف اس کے انسان ایسی فضول باتوں میں غرق ہے کہ جو اُس کو کچھ بھی مفید نہیں وہ کیا؟ کثرتِ مال واولاد کی حرص اور اسی پر فریفتہ ہو کر تدابیرِ ضروریہ سے غافل ہو جانا۔ اس لیے اس سورہؑ میں اس بات کی بُرائی بیان فرمائی جاتی ہے کہ او انسان تجھے اس تکاثر نے اصلی کام سے غافل کر دیا اور ایسا غافل کہ کبھی بھی اصلی کام کی فرصت نہیں دی۔ موت تک اسی فضول دھندے پر پڑا رہا اور دراصل یہی اس کا سببِ نزول ہے۔ مگر قتادہ ومقاتل کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں یہود تفاخر کیا کرتے تھے کہ ہم فلاں فلاں قوم سے مال وقبائل میں زیادہ ہیں یہاں تک کہ عمر بھر اسی تفاخر میں رہے اور جو کچھ کرنا تھا وہ نہ کیا۔ اس لیے ان کا حال قابلِ افسوس بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ قریش کہ دو قبیلے تھے ایک بنی عبد مناف دوسرے بنی سہم۔ دونوں قبیلوں کے لوگ کسی مجلس میں اپنے اپنے مفاخر ذکر کرنے لگے ایک نے کہا ہمارا قبیلہ مالدار ہے اور آدمی بھی اُس میں زیادہ ہیں' سرداری اُسی کا حق ہے۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں ہمارے لوگ زیادہ ہیں اس لیے بیشتر جنگ میں مارے گئے۔ اسی پر بات بڑھ گئی تو یہ ٹھیری کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان میں گئے اور قبریں گنیں اس بیہودہ اور فضول تفاخر کی برائی میں جو انسان کو دارِ آخرت کے اسباب پیدا کرنے سے روکتا ہے یہ سورہ نازل فرمائی۔ الھاکم التکاثر۔ حتی زرتم المقابر کہ تم کو تفاخرِ مال وقبائل نے غافل کر دیا یہاں تک کہ قبریں جھانکیں۔ یعنی مرنے کو تیار بیٹھے ہو اس وقت تک بھی تو تم کو اُس تفاخر نے اصلی کام سے غافل اور بے خبر کر رکھا ہے۔ پھر یہ نہیں سوچتے کہ دارِ آخرت کی تدبیر کا کون سا وقت آوے گا۔ تفاخر اور تکاثر ایک معنی میں ہیں اور حرص کرنا بھی اس کے معنی ہیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے پُر درد اور پُر اثر الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مسلم وترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورہؑ نازل ہوئی تو آپ اس کو پڑھ کر فرما رہے تھے کہ ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرا تو وہی مال ہے جو تو نے کھالیا یا پہن لیا یا دے دیا خیرات کر کے۔

اقسامِ سعادت: واضح ہو کہ انسان کی دو سعادت ہیں ایک سعادتِ دنیا اور اُس کی تین قسم ہیں اول خاص اُس کے جسم کی بناوٹ کے متعلق حسن وجمال' دوسری جسم کے آرام وآسائش کے متعلق وہ کیا؟ تندرستی اور مال واسباب ومکان کی فراہمی اور اُن میں کامیابی' تیسری

اپنے بعد اپنے ذکرِ خیر کے بقاء کے اسباب بہم پہنچنا اور زندگی میں عزت اور آپس کے لوگوں میں سربلندیٔ حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونا وہ کیا؟ اولاد اور اقارب اور قوم کی سربلندی یا عمارت وغیرہ یادگار کا چھوڑ جانا۔ تمام دنیا کی خوبیاں جن پر انسان فریفتہ ہے انہیں میں منحصر ہیں۔ اس سعادت کو نعمتِ الٰہی سمجھا جاتا ہے اور بقدرِ ضرورت اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی بُری بات نہیں مگر اس میں غرق ہو جانا اور آتشِ حرص کا ہر وقت شعلہ زن رہنا اور پھر آسائشِ تن سے زائد بیکار باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا اور سعادتِ اُخرویہ سے بالکل غافل رہنا محض حماقت ہے۔ ہزاروں شخص ایسے ہیں کہ بقدرِ ضرورت یہ سب سامان ان کو میسر ہیں مگر حرص اور باطل تمناؤں نے بے چین کر رکھا ہے۔ جمع کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی وقت کام آئے گا حالانکہ موت کے پاس پہنچ گیا پھر بھی اُس سے تمتع حاصل نہیں کیا۔ اب جانے وہ ضرورت کا وقت کب آئے گا اسی طرح اولاد کی تربیت اور اُن کی بھلائی میں کوشش کرنا بھی ایک عمدہ بات ہے مگر اس طرح غرق ہو جانا کہ اپنا آرام کھو دینا اور عقبیٰ کے کاموں سے محروم رہنا رات دن اُنہیں کے دھندے میں پڑا رہنا یہ عبث فعل ہے حالانکہ وہ اولاد مرنے کے بعد کیا زندگی میں بھی اپنے مشاغل میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ اُس بوڑھے کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ دوسری سعادتِ اُخرویہ ہے وہ مرنے کے بعد ملکِ جاودانی میں کامیابی۔ پس جو اس چندروز سعادت میں ایسا محو ہو کہ اُس سعادتِ جاودانی سے بالکل غافل ہو جاوے اور موت کے وقت تک اُس میں غرق رہے وہ سخت ہی بدنصیب ہے اُس بدنصیبی کا ذکر اسی آیت میں اور آئندہ آیات میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون کہ نہیں نہیں ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ یہ تکاثر و تفاخر مرنے کے بعد کیا کام آتا ہے؟ یعنی کچھ بھی کام نہ آوے گا۔ دستِ افسوس ملے گا کہ ہائے رے کس فضولی میں عمرِ گرانمایہ برباد کی۔ جن چیزوں کی کثرت چاہتا اور اُس پر فخر کرتا تھا اولاد و مال وہ تو وہیں رہ گیا میرے کچھ بھی کام نہیں آیا۔ اب تو یہاں موت بھی نہیں۔ ہائے اس بے انتہا زندگانی کا کوئی توشہ ساتھ نہیں لایا۔ حکایت کسی شہر میں کوئی بزرگِ باخدا دنیا سے علیحدہ ایک گوشہ میں یادِ الٰہی میں مصروف تھا اور اس کا دوستِ قدیم ایک تاجر تھا جو رات دن حصولِ مال و زر میں غرق رہتا اور بڑے بڑے مکان بنائے تھے اور ہر قسم کے سامانِ عیش و نشاط اُس کو حاصل تھے۔ ایک بار اُس مالدار تاجر نے اُس باخدا کو ملامت کرنی شروع کی اور کہا تو بڑا نادان ہے دیکھ میں نے اس عرصہ میں یہ کچھ پیدا کیا تو نے کیا کیا؟ اس باخدا نے جواب دیا کہ اے نادان تو نے اس چندروزہ زیست کے لیے یہ کچھ کیا وہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کیا کیا؟ کیا یہ چیزیں تیرے ساتھ چلیں گی؟ اور اگر نہ چلیں تو بتلا تم کو ان کے چھوٹ جانے پر کیا حسرت ہوگی۔ اب بتا تو نادان ہے یا میں؟ وہ تاجر زار زار رونے لگا۔ بعض لوگ اس کے بعد یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے آخرت کا حال معلوم ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں خاک بھی معلوم نہیں لو تعلمون علم الیقین اگر تم کو یقیناً وہاں کا حال معلوم ہو جاوے تو یہ تفاخر و تکاثر چھوڑ کر اصلی کام میں مصروف ہو جاؤ۔ گویا تمہارا علمِ آخرت کے بارہ میں علم یقینی نہیں۔ حکایت کوئی بادشاہ کسی فقیرِ باخدا کا معتقد تھا اُن سے ایک بار کوئی دوا مقوّیِ باہ بھی طلب کی جس سے بے حد قوت بادشاہ کو معلوم ہوئی مگر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فقیر صاحب ضرور در پردہ کوئی عورت رکھتے ہوں گے اپنی لونڈی بنا سنوار کر بھیجی فقیر نے التفات بھی نہ کیا جس سے اور بھی تعجب معلوم ہوا۔ اگلے روز بادشاہ کا خیال معلوم کر کے فقیر نے کہا ایک راز کی بات ہے آپ کو مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ سات ہفتہ کے اندر اندر آپ مر جائیں گے یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کس لیے کہ فقیر کی بات کو یقینی جانتا تھا گھر آ کر تمام امورِ عیش و عشرت کے ترک کر دیے اور رات دن رونے اور توبہ کرنے اور دُعاء و عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانتا تھا تمام شہوانی خیالات اور باطل تمنائیں کافور ہو گئیں۔ گھڑیاں گنا کرتا تھا۔ اس ہفت روز شغل میں اُس کی روح پر نورانیت بھی

پیدا ہوگئی اور کشودِ کار بھی ہوا۔ ساتویں دن موت کے انتظار میں تھا اور عزیز واقارب فرزند وزن کو رخصت کر چکا تھا جب وہ دن بھی بخیر گزر گیا اگلے روز فقیر کے پاس آیا او۔ پوچھا کہ موت تو نہیں آئی۔ شاہ صاحب نے فرمایا دنیا کے سات ہی روز ہیں اب تک گزرے نہیں مگر یہ فرمایئے کہ اس عرصہ میں اُس دوا کا کیا اثر تھا اور اربابِ عیش ونشاط سے کیسی گزرتی تھی۔ عرض کیا کچھ بھی خبر نہ تھی۔ بادشاہ فقیر کی رمز کو سمجھ گیا اور راہِ راست پر آ گیا۔ حقیقت میں علم الیقین اُس جہاں کا ہو جاوے..... تو نیک پر اشتیاق میں۔ اور بد پر خوف میں یہ زندگانی وبال ہو جاوے۔ یہ اہل اللہ بالخصوص انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کا ہی حصہ ہے اور اسی لیے ان کے افعال اور عامہ خلائق کے افعال میں جو دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمیشہ جینے کی اُمیدیں دل میں رکھتے ہیں بڑا فرق ہے۔

فائدہ: کلا سوف تعلمون کو دو بار لانے میں کیا حکمت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں تاکید کے لیے۔ جیسا کہ کوئی ناصح کہتا ہے تو سمجھا' تو سمجھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول بار اہلِ شر کے لیے اور بارِ دوم اہلِ خیر کے لیے پس اول وعید اور دوم وعدہ ہے یہ ضحاک کا قول ہے۔

اب اس قدر فرمانا عاقل کے لیے کافی تھا کہ اگر تم کو یقین ہو جاوے تو اصلی کام کرنے لگو اور اس حرص وفکر کو چھوڑ دو مگر مخاطبین کے دلوں پر تو اس حرص وفخر اور غفلت کے بے شمار پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے اب اُن کو صاف صاف بتلایا جاتا ہے فقال لترون الجحیم کہ ضرور ضرور تم دوزخ کو دیکھو گے۔ عام قراء لترون کو بفتح تاء پڑھتے ہیں فراء کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک بھی ہے کیونکہ یہ تہدید ہے تو عام محاورۂ عرب کے موافق اُس کے الفاظ بھی ہونے چاہییں۔ بعض بضمِ تاء بھی پڑھتے ہیں۔ اور جحیم دوزخ کو کہتے ہیں پھر یہ دیکھنا عام ہے۔ ایماندار تو یوں ہی دور سے دیکھ کر دل میں ڈریں گے اور نعماءِ الٰہی اور نجات کا شکریہ کریں گے اور کفار و گناہگار اُس کا عذاب دیکھیں گے جو اُن کے کرتوت کی سزا ہے۔ اور تکاثر کا مآل کار ہے۔ اور ایک آیت میں بھی یہی مضمون ہے وان منکم الا واردھا پھر دوبارہ اس بات کی تاکید کے لیے اس کلام کو اعادہ کرتا ہے فقال ثم لترونھا عین الیقین کہ ضرور تم اس دوزخ کو بالیقین معائنہ کرو گے۔ اس میں داخل کیے جاؤ گے اس کا مزہ چکھو گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اول جملہ میں مرنے کے بعد عالم برزخ میں عذاب دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں حشر کے روز دیکھنے کا ذکر ہے یا یہ کہ اول بار کا دیکھنا کنارے کھڑے ہو کر بارِ دوم کا دیکھنا دوزخ میں [illegible] بعض مفسرین ان آیات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو علمِ یقین ہو جاوے تو تم دل کی آنکھ سے اب دنیا میں دوزخ کو دیکھ لو اور یقیناً دیکھ لو کوئی شبہ باقی نہ رہے مگر تم کو اس کا علم یقین نہیں۔

فائدہ: علم کے تین مرتبے ہیں اول علم الیقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا دوسرا عین الیقین کہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا ہو۔ تیسرا حق الیقین کہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ آج جن نعمتوں پر بھولے ہوئے ہو اور ان کے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے آخرت سے غافل اور مالک کے ناشکر بنے ہوئے ہو قیامت کے روز ان سے سوال ہوگا فقال ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم کہ اس روز دنیا کی نعمتوں سے سوال ہوگا تم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں ہماری نعمتوں کا تم نے شکریہ ادا کیا اور جس لیے تم کو دی گئی تھیں ان کو حاصل کر کے وہ کام بھی کیا یا نہیں؟ یعنی عبادت۔

خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں کما قال وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا نعماء ظاہریہ و باطنیہ۔ تندرستی جسم کے اعضاء کی خوبی رزق و روزی گرمی میں ٹھنڈا پانی یا سایہ وغیرہ وغیرہ جن سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ اس لیے علیٰ اختلاف النعماء مفسرین

نے متعدد اقوال میں نعیم کی تفسیر کی ہے۔ کوئی کہتا ہے عافیت کوئی کہتا ہے تندرستی اور اولاد مال کوئی کہتا ہے ٹھنڈا پانی اور خنک سایہ کسی نے کہا حس وادراک کسی نے کہا پیٹ بھر کر کھانا اور آرام سے سونا اور پھر بدستور بول و براز خارج ہو جانا۔ وغیر ذلک یہ سب قول ٹھیک ہیں۔

مسلم وغیرہ اہلِ سنن نے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو باہر ابوبکر و عمر کو بھی پایا آپ نے پوچھا اس وقت تم کس لیے گھر سے نکلے ہو کہا بھوکے نکلے ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اس لیے نکلا تب سب ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جس کے ہاں کھانا تیار نہ تھا اس نے اور اس کی بیوی نے دیکھ کر کہا مبارک مہمان اور ہماری زہے عزت تب سب کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھایا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکایا اور سامنے لایا اور چھوہارے بھی لایا سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر و عمر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بخدا آج کی اس کی نعمت سے بھی تم سے پوچھا جائے گا قیامت کے دن۔

فائدہ: کوئی مفلس شخص افلاس سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا شاکی ہوا اور کو سفر کو گیا وہاں اس کو اس قدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر لایا رستہ میں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاکت کی نوبت پہنچی تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس سرد پانی تھا اس نے سوال کیا اس نے کہا ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں آخر کار دینا ہی پڑا اور نہ موت سامنے دکھتی تھی پانی پی کر بھوک لگی اور سخت بیتابی ہوئی ہلاکت کی نوبت آ گئی تب ایک شخص ملا جس کے پاس روٹی تھی اس سے سوال کیا اس نے کہا اگر ان دونوں خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ تو مر جائے گا دونوں یہیں رہ جائیں گے ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا تھوڑی دیر کے بعد پیٹ میں پاخانہ اور پیشاب بند ہو جانے سے اس شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آ گئی ایک شخص حکیم نمودار ہوا جس نے کہا یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا درد سے نجات ملی۔ تب ہاتفِ غیب نے کہا روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال کو آج لی ہے اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پر بھی تو اس کا شاکی ہوا یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص رویا اور تائب ہوا۔ اس کی نعمتوں کا شکر یہ ہر حال میں واجب ہے۔ وله الحمد والمنة علی کل حال۔

(اللہ اکبر)

سورہ عصر مکیہ ہے۔ اس میں تین آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾ ع

قسم ہے عصر کی۔ بے شک انسان خسارہ میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی باہم ہدایت کرتے رہے۔

ترکیب ! و للقسم العصر مقسم به والمراد به الدهر عموماً وقیل العشی وهو مابین زوال الشمس وغروبها وقیل صلوٰة العصر۔ قرء الجمهور بسكون الصاد وقرئ بكسرها ایضاً ان الانسان اسم ان لفی خسر خبرها والجملة جواب القسم۔ قرء الجمهور بضم الخاء وسکون السین وقرئ بضمها ایضاً والمعنی فی نقصان وخسران وشر۔ الاستثناء متصل من الانسان وقیل منقطع علی ان المراد بالانسان الکافر وعملوا ومابعده عطف علی آمنوا والتواصی وصیة بعضهم لبعض۔

تفسیر ! یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ صرف قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

ربط | ربط اس سورہ کا سورۂ تکاثر سے، یہ ہے کہ انسان تمام عمر کثرتِ مال و اولاد و فراہمیِ اسبابِ عیش و نشاط میں صرف کرنا اپنی اوقاتِ گرانمایہ کا حاصل سمجھتا ہے ورنہ جانتا ہے کہ میرے اوقات خراب ہوئے اور عمر ضائع ہوئی اور اسی کو وہ مقصودِ اصلی جانتا ہے اور اسی لیے وہ اس کی حرص کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے اس خیال کے رد کرنے کو یہ سورہ نازل فرمائی کہ کوئی کیسا ہی مال و دولت میں کامیابی حاصل کرے مگر پھر بھی نقصان اور خسارہ ہی میں ہے اس خسارہ سے تو وہ بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کر گئے اور نیک کاموں کی بنیاد اپنے بعد ڈال گئے۔ عمرِ گرانمایہ کا اصلی نفع یہی ہے نہ وہ کہ جو عموماً طبائعِ انسانیہ سمجھی ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے جاہلیت کے دوست ابوالاسد نے بطورِ طنز کے یہ کہا تھا کہ تم بڑے ہوشیار اور تجارت میں خبردار تھے کبھی نقصان نہیں اٹھایا، اب کیا نادانی چھا گئی جو تمام مال صرف کر کے ایک شخص کے معتقد ہو گئے اور قدیم دین کو چھوڑ بیٹھے۔ یہ تم نے بڑا خسارہ اٹھایا اس کا خیالِ باطل بھی اس سورہ میں رد کر دیا گیا۔

فقال **والعصر** کہ قسم ہے زمانہ کی جس میں یہ انسان زندہ ہے اور یہ ایک نہایت قیمتی اور گرانمایہ سرمایہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو دے کر دنیا میں ایمان اور نیکوکاری کی تجارت کرنے بھیجا ہے اور یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح آپ ہی آپ پگھلتا جاتا ہے اگر اس نے بجائے ایمان اور عملِ نیک کے برا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا تو یہی انسان خسارہ میں ہے اس لیے اس وقتِ عزیز کی قسم کھائی جس کو یہ ناقدر انسان برے وقت میں صرف کرتا ہے یا یوں ہی ضائع کرتا ہے اور اس قسم کو اپنے مابعد کے مضمون سے نہایت ارتباط ہے گویا وہ دعویٰ ہے تو یہ اس کی دلیل مقدم ہے تاکہ مخاطب کو اس مضمون میں کہ انسان خسارہ میں ہے (سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے) کوئی تردد نہ رہے اور یہ قرآن مجید کا کمالِ بلاغت ہے وللہ الحمد۔ مفسرین کے عصر کے معنی میں چند قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد مطلقاً زمانہ ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت و حکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ اور یہ اس لیے کہ زمانہ کی تمام چیزوں پر زمانہ کا پورا احاطہ ہے کوئی بادشاہ، کوئی مالدار، کوئی شہ زور ایسا نہیں کہ زمانہ کی نیرنگیوں سے نکل جائے۔ زمانہ کا پہلا اثر موسموں کا تبدل ہے جب سردی آتی ہے تمام لوگوں پر سردی کا اثر پھیل جاتا ہے اور جب گرمی کی سلطنت آتی ہے تو سب پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح جب رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور جب دن کی سلطنت ہوتی ہے تو رات کافور ہو جاتی ہے زمین پر نور پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی عمر پر زمانہ کا وہ نمایاں سکہ چلتا ہے کہ کسی طرح ٹلتا ہی نہیں لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بے اختیار آتا ہے اور پھر زمانہ زمانیات کو فنا کرتا ہے اور پھر حیوانات، جمادات اور حیوانات میں سے انسانوں کو مار کر ایسے فنا کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا ہے وہ فنا شدہ اتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے اب دیکھا چاہیے کہ زمانہ کی ڈوریاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اسی قادرِ مطلق کے لیکن جن کی نظر دور تک نہیں پہنچتی وہ ان سب حوادث کو زمانہ ہی کے مستقل افعال جانتے ہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ اور جن کی نگاہیں دور جاتی ہیں اور وہ گہری نظروں سے دیکھتے ہیں وہ اس کل کے موجد اور اس کے چلانے والے کے ہاتھ کی کاریگری سمجھتے ہیں جو زمانہ سے باہر ہو کر زمانہ کی کل چلا رہا ہے اس لیے زمانہ کی قسم کھائی کہ وہ اس کی ایک عمدہ اور بڑی کل ہے جس میں اشارہ ہے کہ زمانہ کے موافق بنو۔ زمانہ تمہارے موافق نہیں بنے گا اور جب کسی نے زمانہ سے لڑائی کی تو فوراً شکست کھائی اور اسی بات کی طرف نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابنِ آدم مجھے ایذا دیتا ہے جو دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے دہر تو میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہے۔ میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔

(۲) بعض فرماتے ہیں اخیر دن کا وقت مراد ہے جو زوال سے غروب تک کا وقت ہے جس کو عربی میں عشی کہتے ہیں۔ یہ قتادہ اور حسن بصری کا قول ہے اور اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع و نقصان اخیر دن میں ظاہر ہوتا ہے۔ دن بھر بیچ کھوچ کر سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے اور نیز زیادہ بیع و شرا کا بازار اسی وقت گرم ہوتا ہے اور نیز ایک انقلابِ عظیم کی یہ تمہید ہے یعنی دن

کا جانا رات کا آنا اور اسی لیے اس وقت کی نماز کی جس کو صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کہتے ہیں بڑی تاکید ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ انسان تیری زندگانی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا تو اپنی تجارت میں جو آخرت میں کام آئے سرگرمی کر لے وقت بہت نہیں رہا ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے جو بڑا متبرک زمانہ ہے اور جس میں تجارتِ آخرت کا بازار بڑا گرم تھا جس نے سعادت کی طرف ذرا توجہ کی اس نے سلطنتِ آسمانی حاصل کر لی اور جس نے برا سودا کیا عمر کھو کر کفر و بدکاری خریدی، گھاٹا اٹھایا اور بڑا گھاٹا۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا تھا خیر القرون قرنی الحدیث کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے الخ۔ جب صبح سے لے کر تھوڑے دن رہے تک بنی آدم آخرت کے سودے میں پورے کامیاب نہ ہوئے اور وقت رہ گیا کم تو اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی برپا کیا جو دنیا کو نافع تجارت سکھانے آیا ایسی تجارت کہ تھوڑے سے داموں پر (یعنی چند روزہ زندگی سے جو اُممِ سابقہ کی بہ نسبت وقتِ عصر ہے اور تھوڑے سے اعمال سے) بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے یعنی دارِ آخرت اور اس کے نعمائے باقیہ اسی لیے لفظ والعصر میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بس اب اور وقت نہیں رہا جو اور نبی آئے گا انہیں پر سلسلہ تمام ہے۔ پھر اب بھی جو کوئی ہدایت پر نہ آئے تو ازلی بدنصیب ہے۔ دنیا کی دوکان بڑھا چاہتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمادیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں اور انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی یعنی ساتھ لگے ہوئے میرے بعد قیامت ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں کہ خاص نمازِ عصر کی قسم مراد ہے یہ مقاتل کا قول ہے اسی لیے اس نماز کی قسم کھائی کہ یہ اس دارِ آخرت کی تجارت کا ایک مخصوص وقت ہے اور نیز دنیاوی تجارت کا بھی وقت ہے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت ہے اور نیز دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے اس کے بعد سے رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے اور اسی لیے حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ جس کی نماز عصر قضا ہوگئی گویا اس کا گھر بار لٹ گیا اور قرآن مجید میں صلوٰۃ وسطیٰ سے (جس کی محافظت پر تاکید ہے) یہی نماز مراد ہے۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں بہت سی چیزوں کی خدا پاک نے قسم کھائی ہے۔ رات کی، دن کی، آفتاب کی، آسمان کی، مکہ شہر کی، انجیر کی، زیتون کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی وغیرہ۔ حالانکہ حدیث شریف میں بندوں کے لیے بجز خدا پاک کے نام کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قسم کھانے میں تعظیم بیحد ہے اور اس کا مستحق وہی حق سبحانہٗ ہے اور اہلِ توحید کا شیوۂ خاص ہے کہ اس کی تعظیم کے برابر کسی کی تعظیم نہ کریں پھر حق سبحانہٗ نے اپنی مخلوقات کی کیوں قسمیں کھائیں۔ اپنی ذات و صفات کی قسم پر انحصار کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور معتزلہ اور بڑے بڑے علماءِ اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر لفظ رب محذوف ہے جیسا کہ والتین قسم ہے۔ رب تین یعنی رب انجیر کی پھر ان اشیاء کے ذکر کرنے میں اور ان کی ربوبیت کے اظہار میں بندوں کو ان چیزوں سے جو منافع اور فوائد ہیں ان کا اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ ان چیزوں میں اس کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ دیکھ کر ایمان لائیں اور اپنے قدیم محسن اور آقاءِ ولی النعمۃ کی طرف جھکیں یعنی ہر جگہ اپنی ہی قسم کھائی ہے نہ مخلوق کی۔ اکثر متکلمین کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور بات بھی یہی قوی ہے لیکن علماءِ کرام کی ایک جماعت ظاہر الفاظ پر خیال کر کے یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ رب کے محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں چیزوں کی قسم کھائی ہے مگر ہر ایک قسم کھانے والے کی حالت اور شان کے مطابق اس چیز کی قسم کھانے سے جو مقصود ہوتا ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سر کی قسم کھائے یا تخت کی تو اس کا مقصود عزت و عظمت بادشاہ کی اور اس کے تخت کی ہوگی اور جو کوئی اپنی اولاد یا اپنے مال کی قسم کھائے تو مقصود محبت ہوگی علیٰ ہذا القیاس۔ پس حق سبحانہٗ جو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو مقصود اس چیز کے پیدا کرنے میں جو اس نے اسرارِ قدرت اور بندوں کے منافع رکھے ہیں ان کا اظہار ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ شے جملہ مخلوق میں بڑھ کر ہے یا

نہیں اور کبھی محض اس چیز کا شرف و عزت بندوں کی نگاہ میں ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یا کہ معظمہ کی قسم۔ اب کوئی محلِ اعتراض باقی نہیں رہا اس پر بھی جو کوئی اس رمز سے ناواقف ہو کر عیب لگائے اور طعن کرے یہ اس کی بھونڈی سمجھ ہے۔

لہٰذا اصل عصر کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لفی خسر کہ بے شک ابن آدم نقصان میں ہے کس لیے کہ اس کی عمر گرانمایہ جو بڑا مال ہے اور جس سے دارِ آخرت کی کارآمد چیزیں خریدی جاتی ہیں وہ ہر آن گھٹتی جاتی ہے اور جو گھٹتی ہے اس کے پھر آنے کی امید منقطع ہے۔ کیا خوب کہا ہے حافظ مرحوم نے ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم   جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

اور اگر اس عمر گرانمایہ کو گناہوں اور شہوات و لذاتِ فانیہ میں صرف کیا یا کھیل کود لہو و لعب میں گزار دیا تو اور بھی نقصان ہوا اور خسرانِ سرمدی و حرمانِ ابدی نصیب ہوا۔

لیکن اس عمرِ چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کے لیے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات و باقیات کا سلسلہ باقی چھوڑ جائے تا کہ اس کے بعد بھی اس کے حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں۔ اور اس سبب سے اس کو اکتسابِ حسنات کے لیے ایک وسیع زمانہ مل جائے ورنہ عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ ایک اس میں سے لڑکپن اور بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ کم کر دیا جائے کیونکہ ایسے وقت انسان بیکار ہو جاتا ہے اور اعضاء جواب دے چکتے ہیں تو بہت ہی حصہ کم رہ جاتا ہے اس لیے اس خسارہ پانے والوں میں سے جن میں یہ دو وصف ہوں ان کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ (۱) الاالذین امنوا و عملوا الصالحات مگر وہ کہ جو ایمان لائے اور ایمان لا کر نیک کام بھی کئے۔ یہ وہ پہلی بات ہے جو اپنی حیات کی کمائی تھی۔ اس کے دو مرتبہ ہیں۔ اول معرفت اور حقائق الاشیاء کا علمِ صحیح خصوصاً حق سبحانہٗ اور وسائلِ [1] ہدایت و ارشاد کی بابت اعتقادِ صحیح جس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ کمال ہے روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد یہ کمال ساتھ رہتا ہے اور اسی کو حکما بھی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اہلِ ہند بھی اس کو گیان کہتے ہیں جو ان کے نزدیک نجات کا وسیلہ ہے۔ مگر حکماء کے علمِ حقائق الاشیاء اور ہندوؤں کے گیان اور شرعی ایمان میں بڑا فرق ہے۔ شرعی ایمان وہ علم اور وہ گیان ہے جس میں شکوک و خطرات یا توہمات و تخیلات کی بو بھی نہیں وہ ان ظلماتی دھبوں سے پاک ہے نہ اس کے حصول کے وہ ذرائع ہیں جن میں عقلی قیاسات اور وہمی تنگ بندیوں کو دخل ہو نہ تمام مخلوق کی حقیقت دریافت کرنے کی تکلیف مالایطاق نہ آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے کی حاجت۔ دوسرا مرتبہ ایمان کے بعد نیک کام کرنے کا ہے۔ یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک نیک کام کو شامل ہے خواہ عبادت بدنی ہو خواہ مالی خواہ ذکر و مراقبہ و فکر و تسبیح و تہلیل ہو اور خواہ نماز و خیرات ہو خواہ صلۂ رحمی مخلوقِ خدا پر ترحم اور نفع رسانی ہو۔ کس لیے کہ اگر ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ نہیں تو ایمان ایک درختِ بے ثمر ہے اور اگر دونوں باتیں حاصل ہیں تو دنیا سے نفع کما لایا۔ (۲) وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہ اپنے بعد بھی سلسلۂ حسنات باقی چھوڑ گئے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور ہمیشہ دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں کس لیے کہ جو اپنے بعد نیک کاموں کی بنیاد ڈال جاتے ہیں جب تک وہ نیک کام باقی رہیں گے اور لوگ ان سے نفع حاصل کریں گے ان کے بنیاد ڈالنے والوں کو بھی اسی قدر ثواب ملتا رہے گا اور احادیثِ صحیحہ میں بھی یہی مضمون وارد ہے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو بھی اتنا

---

[1] وسائلِ ہدایت فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اور پھر انبیاء کی کتابیں ان سب پر ایمان ضرور ہے بغیر اس کے معرفت و علم ناقص ہے اس لیے نجات نہیں۔ ۱۲ منہ

ہی اجر ہے کہ جتنا اس ہدایت قبول کرنے والے کو ہے اور جس نے کسی کو برے کام کی ترغیب دلائی تو اس کو بھی اسی قدر گناہ ہے کہ جس قدر اس برے کام کرنے والے کو ہے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

حق کی تفسیر | اس نیک کام کی بابت دو لفظ ارشاد فرمائے کہ جس کا اوروں کو تقید کر کے دنیا سے چلے تھے۔ اول حق پر قائم رہنے کی تاکید۔ یہ لفظ بھی وسیع المعنیٰ ہے دینِ حق پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے اور راست بازی اور نفعِ خلائق کو بھی شامل ہے پھر دین میں عبادات سے لے کر اعتقادِ صحیح اور اخلاقِ کریمانہ خیرات و صدقات سب کو شامل ہے۔ بنائے مساجد و مدارس اور اسلام کے قیام و استحکام کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیمِ علوم سب اس میں آگئے۔ اسی لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام میں اعلیٰ درجات رکھتے ہیں کہ اپنے بعد مفیدِ اسلام وہ باتیں چھوڑ گئے جن سے آج تک مسلمان نفع پا رہے ہیں۔ اور ان کے بعد آئمہ و مجتہدین و پیرانِ طریقت وغیرہم ہیں۔ اور دوسرا لفظ صبر ہے۔ یہ بھی بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے کس لیے کہ مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے اور یہ وصف ہر ایک عالی حوصلہ کو لازم ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہم چشموں میں عزت ہے نہ عافیت ہے۔ بات بات پر لڑنا مقابلہ کرنا لوگوں سے انتقام لے کر دشمن بنانا زیست تلخ کر دیتا ہے۔

حکایت: سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدوی نے جبکہ آپ خلیفہ تھے مجمع عام میں سخت الفاظ کہے اور گالیاں بھی دیں لوگوں کو غصہ آیا۔ فرمایا تمہیں تو کچھ نہیں کہا، مجھے کہا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ غریب بھوکا ہوگا کھانا کھلاؤ۔ عمدہ کپڑے دو، خرچ سے تنگ ہوگا روپے دو۔ چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ تیسرے دن اس شخص کو روبرو بلا کر پوچھا کہ بھائی اب بھی تم مجھ سے خفا ہو؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا کہ میں نہ پہلے خفا تھا نہ اب ہوں۔ صرف امتحان منظور تھا کہ دیکھوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خون آپ میں کس قدر ہے ان کے اوصافِ حمیدہ کا کتنا حصہ ملا ہے؟ آپ نے فرمایا بحمد اللہ ہم پہاڑ ہیں ایسے جھوکوں سے ہلنے والے نہیں۔ صبر کی تاثیر ہے کہ مخالف برائی کر کے آپ شرمندہ ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں جابجا اس کی تاکید ہے۔ ادفع بالتی ھی احسن الخ کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کوئی گالی دے تو دعا دے۔

نفسِ بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے نفس چاہتا ہے کہ رات کو گرم ہو کر سو رہو مگر یہ جوانمرد نہیں مانتا نماز پڑھتا ہے سردی گرمی کی برداشت کرتا ہے، اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میں ثابت قدمی صبر ہے۔ اسی طرح صفِ جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ اور مقابلہ میں استقلال بھی صبر ہے۔ خدا کی راہ میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے۔ مصائب ارضی و سماوی پر استقلال بھی صبر ہے۔ انسان کی سعادت کے دو بازو ہیں جن سے اڑ سکتا ہے۔ اول درستیِ اعتقاد یعنی تکمیلِ قوتِ نظریہ یہ دایاں بازو ہے۔ اس کے لیے تواصوا بالحق استعمال ہوا۔ دوسرا بایاں بازو نیک کام کرنا بری باتوں سے پرہیز کرنا ہے یعنی قوتِ عملیہ کی تکمیل اس کے لیے تواصوا بالصبر استعمال ہوا۔ تمام حکمتِ نظریہ و عملیہ کا انہیں دو لفظوں میں خاتمہ کر دیا۔

اور یہ بھی ہے کہ اول انسان آپ کامل ہولے اس بات کی طرف امنوا وعملوا الصلحت میں اشارہ کیا تھا اور آپ کامل ہو کر اوروں کی تکمیل کی بھی فکر کرے اور حکیمِ روحانی بن کر مریضانِ بنی آدم کا علاج کرے۔ یہ پورا کمال ہے اس لیے اس کے لیے تواصوا بالحق وتوصوا بالصبر میں اشارہ فرمایا۔ حق پر قائم رہنے کی وصیت و تاکید گویا دوا پینے کا حکم ہے اور تواصوا بالصبر میں اشارہ ہے کیونکہ اگر مریض دوا پی کر مضر اشیاء سے پرہیز نہ کرے گا کبھی فائدہ نہ اٹھائے گا۔

وصیت کے معنی | تواصوا وصیت سے ہے۔ یہ لفظ عرفِ شرع میں تقید و تاکید کے معنی میں بھی مستعمل ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا[1] اور عرفِ عام میں وصیت اس بات کو کہتے ہیں جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہو یا کہو بوقتِ مرگ

---

[1] ہم نے انسان کو ماں باپ سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔

حکم دے۔ اس لیے اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ رمز ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا نفس فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے گویا یہ لوگ نفس کو مار کر جیتی زندگی میں مر گئے یا قریب بمرگ ہیں۔ اب جو کہتے ہیں گویا وصیت کرتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتداءِ سورۃ میں لفظ عصر کی قسم کھائی تھی جو اخیر وقت ہے گویا ہر زندہ دل اپنی زندگانی پر بھروسا نہ کر کے ہر وقت کو دمِ اخیر سمجھتا ہے پس وہ جو کچھ فرماتا ہے گویا بوقت مرگ فرماتا ہے جس کی پابندی پچھلوں پر بلحاظِ محبت واجب ہے اور یہ ہی ہوسکتا ہے کہ اچھے لوگ بوقتِ مرگ دنیاوی جھگڑے چھوڑ کر اپنے مریدوں محبوں کے لیے حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقر میں ہے۔ [1] ووصی بھا ابراھیم بنیه ویعقوب یا بنی ان الله اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الاوانتم مسلمون ام کنتم شهداء اذاحضر یعقوب الموت اذقال لبنیه الخ۔ (اللہ اکبر)

سورہ ہمزہ مکیہ ہے اس میں نو آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝۱ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲ يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۝۳ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۝۴ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ۝۵ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۝۶ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ۝۷ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۝۸ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹

خرابی ہے ہر ایک طعنہ زن آوازکش کی اس کی کہ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا سمجھتا ہے کہ میرا مال مجھے سدا رکھے گا یہ نہ ہوگا البتہ وہ تو حطمہ میں پھینکا جائے گا اور تو کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ اور وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے وہ اس میں بند کیے جائیں گے بڑے بڑے ستونوں سے باندھ کر۔

ترکیب | ویل مبتدء وجاز الابتداء بالنکرة لکونه علیهم لکل همزة لمزة۔ خبره۔ قرء الجمهور بضم اولهما وفتح المیم وقرئ بسکون المیم فیهما واصل الهمز الکسر والضرب ... اللمز یقال همزه یهمزه همزا ولمزه یلمزه لمزا۔ قال الرازی الهمزة الکسر قال تعالٰی هماز مشاء واللمزه الطعن ولا تلمزوا انفسکم والمراد ... من اعراض الناس والغض منهم والطعن فیهم۔ همزة لمزة علی وزن فعلة وبناء فعلة لمبالغة الفاعل کالضحکة واللعنة ای کثیر الضحک وکثیر اللعن۔ واذا اسکنت العین یکون لمبالغة المفعول یقال رجل لعنة بسکون العین اذا کان ملعونا للناس یکثرون اللعن علیه۔ الذی الخ بدل من کل اوفی محل نصب علی الذم او تعلیل لماقبله عدده قرء الجمهور بالتشدید وقرئ بالتخفیف ومعناه احصاه فهو ماخوذ من العدد قال الزجاج عدده لنوائب الدهر یقال اعددت الشیء وعددة اذا امسکته۔ یحسب الخ مستانفة لتقریر ماقبلها وقیل فی محل النصب علی الحال من فاعل جمع اخلده ماض معناه المضارع ای یخلده والخلد بالضم البقاء کلا روع لینبذن الخ اللام جواب قسم محذوف حطمة علی وزن همزة مبالغة فی الحطم بمعنی الکسر تحطم وتکسر من القی فیها والحطمة من اسماء النار فی عمد ممددة فی محل نصب علی الحال من الضمیر فی علیهم ای کائنین فی عمدة ممددة موثقین فیها وقیل خبر مبتدء محذوف ای هم او صفة لموصدة قرء الجمهور عمد بفتح العین والمیم جمع عمود کادیم وادم وقال ابوعبیده جمع عماد وقیل اسم جمع لعمود قال فی الصحاح العمود عمود البیت وجمع القلة اعمدة وجمع لکثرة عمد۔

تفسیر | یہ سورہ بلاخلاف مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے اس کی نو آیت ہیں۔

[1] ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ دین حق خدا نے تمہارے لئے پسند کیا اب تم ایمان واسلام ہی پر مرنا۔ ۱۲ منہ

وجہ ربط | وجہ ربط اس کی سورۂ عصر سے یہ ہے کہ سورۂ عصر میں بیان تھا کہ انسان خسارہ میں ہے اب اس سورہ میں انسان کے خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں: اول حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا، عبادت نہ کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔ دوم وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں جیسا کہ کسی کا حق ادا نہ کرنا یا تکلیف وایذا بلاوجہ پہنچانا، آبروریزی کرنا، دلوں کو رنج پہنچانا خصوصاً خاصانِ خدا کی دل آزاری کرنا اور ان کی جو بندگانِ خدا کی اصلاح و تعلیم کے لیے اپنی جان اپنا مال اپنا آرام نذر کر چکے ہوں۔ یہ قسم دوم کے گناہ ایسے برے ہیں کہ بغیر اس کے کہ جس کو ایذا دی گئی ہے وہ معاف نہ کرے تو توبہ واستغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے اور نیز ان افعالِ قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے' فساد کا دروازہ کھلتا ہے' تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس لیے قرآنِ مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، منہ چڑانا، ان پر ٹھٹھا کرنا، مضحکہ اڑانا، آواز اور ان کی صورت کی نقلیں کرنا یہ کمینہ اخلاق بڑے خسارہ کے باعث ہیں ان سے دنیا میں بھی خسارہ ہے، عداوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کی عزت لوگوں کی نگاہوں میں نہیں رہتی خود اسی کو بیہودہ اور مسخرہ کہنے لگتے ہیں اور آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے وہ آگ ہے جو تطلع علی الافئدۃ ان کے دلوں کو جلائے گی نعوذ باللہ منہا۔ اور یہ عیب جاہلوں بدبختوں میں زیادہ مروج ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اس کو عیب نہیں بلکہ ہنر جانتے ہیں۔ مکہ کے قریش کافر اس بلا میں سخت مبتلا تھے۔ بالخصوص ولید بن مغیرہ واخنس بن شریق وامیۃ بن خلف یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور غریب ایمانداروں کی نماز وعبادت کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے تھے اور اسی سبب سے بعض مفسرین نے انہیں کے ان افعالِ قبیحہ کو سببِ نزول قرار دیا مگر دراصل سببِ نزول وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ پس اس سورۂ مبارک میں بڑے پر اثر الفاظ میں ان اخلاقِ رذیلہ کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے جو باعثِ خسران ہیں۔
فقال ویل لکل ھمزۃ لمزۃ کہ خرابی ہے ہر ایک بدگوئی کرنے والے عیب چین کی۔ اور وہ خرابی کیا ہے اس کو آخر میں بیان فرماتا ہے لینبذن فی الحطمۃ الخ کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا الخ۔ ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) ابوعبیدہ کہتے ہیں دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں، غیبت وبدگوئی کرنے والا۔ (۲) ابوالعالیہ وحسن ومجاہد وعطاء وابن ابی رباح کہتے ہیں کہ ہمزہ اس کو کہتے ہیں جو روبرو بدگوئی کرے اور لمزہ اس کو جو پیٹھ پیچھے برا کہے۔ (۳) قتادہ اس کے برعکس معنی بیان کرتے ہیں۔ (۴) قتادہ ومجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی تھی باپ ایسا تھا اس کی قوم ایسی ہے وہ شریف نہیں۔ اور لمزہ وہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ اعضا کے اشاروں سے کسی کی آبروریزی کرے جیسا کہ سفلوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ، بھوؤں یا منہ بنانے سے کسی کی بے عزتی کرنے کے لیے اشارے کیا کرتے ہیں۔ (۵) ابن کثیر کہتے ہیں کہ ہمزۃ وہ ہے جو زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال سے یعنی اعضاء کے اشاروں سے۔ اور سب اقوال کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی طعن اور اظہارِ عیب' کسی کی دل آزاری اور بے عزتی کرنا، چغل خوری اور دو میں لڑائی کرا دینا اور ایک کی بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کرنا اور نقلیں کرنا اور آواز کھینچنا اور قہقہے اڑانا اور آوازیں نکالنا سب اس میں گئے۔ افسوس آج کل یہ کفار کی عادت مسلمانوں میں رواج پا گئی۔ ایسی کوئی مجلس نہ دیکھو گے کہ جس میں دوسرے پر طعن وتشنیع نہ ہو اور امیروں کے ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے لچوں شہدوں نے اپنا وطیرہ کر لیا ہے بلکہ وعظ وسپیچ میں بھی ایک دوسرے پر آواز کھینچتا ہے۔ الا ماشاء اللہ اسی لیے صلحاء نے مخالطت ومجالستِ عامہ کو ترک کر دیا اور اب تو یہ خرافات لکھی بھی جاتی ہے۔ ایسے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں کہ جن میں ایک دوسرے پر لعن وطعن کرتا ہے، کوئی لفظ نحیف اٹھا نہیں رکھتا اور اخباروں میں تو روزمرہ یہی دیکھنے میں آتا ہے اور پنچ اخبار تو اس کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں ہائے ہائے اسلامیوں کے عادات و خصائلِ حمیدہ کہاں چلے گئے۔ بزرگانِ دین نے عمر بھر بھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے

غیبت کی بابت مؤاخذہ نہ ہوگا میں نے کسی کی غیبت عمر بھر نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی کہ جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، خرابی ہے اس کی خرابی ہے اس کی۔ (رواہ احمد، والترمذی وابوداؤد والدارمی)۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (رواہ احمد والترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نہ طعنہ باز ہے، نہ لعنت کرنے والا ہے، نہ فحش بکنے والا ہے، نہ بے حیائی کرنے والا ہے۔ (رواہ الترمذی) یعنی ایمان کی شان نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہا کرے، فحش بکے، گالیاں دیا کرے، ننگا لچا بن جائے، جو منہ میں آئے بک دیا کرے اور اس کو آزادگی سمجھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کیا ہے غیبت (بدگوئی)۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنی جو اس کو بُری معلوم ہو کسی نے عرض کیا کہ اگر دراصل اس میں وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ فرمایا اگر عیب ہے اور تو نے بیان کیا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ وہ تو بہتان ہے۔ (رواہ مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اس کے عیب پر طعنہ زنی نہ کر، خدا اس پر رحم کرے گا تجھے اسی بلا میں مبتلا کر دے گا۔ (رواہ الترمذی) یہ ہے تہذیب اخلاق جس سے لوگ آج بالکل بے خبر ہو رہے ہیں اور انگریزی روش کو تہذیب اخلاق سمجھ رہے ہیں۔

ہمزہ اور لمزہ فعلہ کے وزن پر ایک صیغہ ہے جو مبالغہ کے لیے عرب کی زبان میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ضحکۃ اس کو کہتے ہیں جو بہت ہنسا کرے اس صیغہ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بدبخت کی یہ عادت ہوگئی اور اکثر ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔

غالباً اس خبیث عادت کا سبب کبر و تعلّی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس غرور و تعلّی کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال، شرافتِ نسب و حسب، علم و ہنر اور سب سے بڑھ کر مال ہے۔ یہ وہ نشہ ہے کہ انسان کو اندھا ہی کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے غرور خاک میں مل جایا کرتے ہیں اس لیے اب اس کے اس مایۂ ناز کی حقیقت کھولتا ہے۔ فقال الذی جمع مالًا وعددہ کہ وہ جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اس گن گن کے رکھنے میں اشارہ ہے کہ وہ مال اسبابِ خیر اور نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کے لیے جمع نہیں کرتا بلکہ دھر رکھنے کے لیے اور حوادث میں کام آنے کے لیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرص اور حبِ مال اس کے دل پر غالب ہے اور یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یوں مال فی نفسہٖ برا نہیں نہ اس کا جمع کرنا بشرطیکہ جائز طریقوں سے حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ زکوٰۃ، غربا کے ساتھ صلہ رحمی دینی کاموں میں تائید کی جائے، برائی اسی قسم کے مال جمع کرنے کی ہے کہ جس کا ذکر ہوا۔ اور جس بخیل مالدار کا پوچھیے گا کہ یہ کس لیے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اس بات کو رد کرتا ہے۔ فقال یحسب ان مالہ اخلدہ کہ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا موت سے بچالے گا۔ آسمانی مصائب کو ٹال دے گا، تغیراتِ جسم کو روک دے گا۔ اگر یہ نہیں سمجھتا تو پھر یہ بخل یہ تکبر کس لیے۔ آخر ایک روز خاک میں مل جانا ہوگا سب سامان یہیں رہ جائے گا۔ اس لیے فرمادیا کلا کہ ہرگز ایسا نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے کس لیے کہ کسی مالدار نے اپنی موت کو نہیں ٹال دیا ہے، کوئی بڑھاپے کی مصیبت سے نہیں بچا ہے۔ پھر جب دنیا میں ایسے موقعوں پر کام نہیں آیا تو کیا آخرت میں آئے گا؟ اس کا بھی جواب دیتا ہے لینبذن فی الحطمۃ کہ آخرت میں آگ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کر دینے والی ہے۔ یہ جملہ دراصل ویل کی تفسیر ہے۔ حطمہ بھی فعلہ کے وزن پر ہے حطم توڑنا حطمہ بہت توڑنے والی یہ جہنم کی آگ کی صفت بیان ہوئی جو اس کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے یہ بھی دنیا میں اپنی بداخلاقیوں سے لوگوں کے دل توڑا کرتا تھا۔ آگ کا تسلط اولاً صورت پر ہوتا ہے کہ جلنے کے بعد صورت بگڑ جاتی ہے پھر گوشت و پوست پر نوبت پہنچتی ہے پھر ہڈیوں کو توڑتی ہے جہاں یہ مال کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا اس قدر اوصاف میں دنیاوی آگ بھی شریک تھی۔ لیکن آتشِ الٰہی ان سے تاثیر میں بالاتر ہے اس لیے کسی قدر اس کے حالات

ظاہر کرنے کے لیے بطریقِ سوال و جواب کے ذکر کرتا ہے تا کہ اس عالم کی آتش کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ فقال وما ادرٰك ماالحطمة کہ تو اے مخاطب! کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ؟ یعنی اس کی شناخت حکماء و عقلاء کے فہم سے بالاتر ہے۔ کس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہی چند اقسام آتش کے ہیں ایک تو یہی معمولی آگ عنصری یا کوکبی جیسا کہ آفتاب اور بعض ستاروں کی حرارت یا بجلی کی حرارت یا اجسام کی باہم مصادمت اور حرکت کی حرارت یا مزاجی حرارت جیسا کہ حیوانات میں زیادہ محسوس ہے اور خصوصاً انسان میں بخار کے وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ آتش ان سب قسموں سے ایک جداگانہ حرارت ہے پھر وہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آ سکتی ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے نار الله کہ وہ غضب الٰہی اور اس کے قہر کی آگ ہے۔ الموقدة روشن کی گئی اور دہکائی گئی ہے بندوں کے گناہوں کے ایندھن سے اب اس کی ایک اور صفت بھی سنو التی تطلع علی الافئدة وہ یہ ہے کہ جو دلوں کو جھانکتی یا دلوں تک پہنچتی ہے یعنی اس کا ایک مخصوص صدمہ دل پر پہنچتا ہے۔ کس لیے کہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جلایا تھا، دنیاوی آگ اول جسم پر اثر کرتی ہے اس کے بعد جو جسم میں ہے وہاں تک پہنچتی ہے برخلاف اس آتشِ قہر الٰہی کے کہ یہ اولاً دل پر پہنچتی ہے پھر جسم پر اثر کرتی ہے اس میں عذاب روحانی کی طرف اشارہ ہے جو جسمانی عذاب سے بدرجہا سخت تر ہے اور حکما مرنے کے بعد اسی غم و الم کو جو افعالِ ناشائستہ پر ہو گا روحانی عذاب کہتے ہیں۔

دنیا میں اس آتش کے مشابہ بخار کی آتش ہے یا غم کی آتش ہے لیکن وہ دو درجہ سے کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے اول سانس لینے سے کہ ٹھنڈی سانس باہر سے اندر جائے اور گرم باہر آئے سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ انہا علیہم مؤصدة وہ ان پر سر پوش کی طرح بند کی جائے گی ہر طرف سے احاطہ کئے ہوگی۔ نہ اندر کی گرم سانس باہر نکلنے دے گی نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی یعنی گھونٹ دیے جائیں گے اور کبھی تڑپنے یا باہر پھرنے سے بخارات گرم پسینے میں نکل کر کسی قدر کمی ہو جاتی ہے باہر پھرنے سے کسی قدر غم غلط ہو جاتا ہے اور اسی لیے غمگین اور عشاق کو جنگلوں اور دریاؤں اور باغوں کی سیر مفید ہوا کرتی ہے سو وہاں یہ بھی نہ ہو گا کس لیے کہ فی عمد ممددة کہ وہ لوگ بڑے بڑے آتشیں ستونوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے ہل بھی نہ سکیں گے نہ ان ستونوں کو اکھیڑ سکیں گے۔

لینبذن فی الحطمة کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے خصائلِ بد کے سبب انسان انجامِ کار طبیعتِ غالیہ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جو روحانی آگ ہے غموم و ہمومِ دائمی میں جلا کرتا ہے۔ اور مؤصدة میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر طرف سے محیط ہوتی ہے ابوابِ سرورِ ابدی بند کر دیے جاتے ہیں اور بہیمیہ و سبعیہ اور شیطانیہ اس پر غالب آ جاتی ہے اور عمد ممددة سے طبائع عنصریہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو آسمان تک بلند ہیں اور یہ ان کے سلاسل میں جکڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

(اللہ اکبر)

سورہ فیل مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ① اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ② وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ③ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ④ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ⑤

ع۲

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے جو ان پر کنکریلی پتھریاں

پھینک رہے تھے پھر تو ان کو آخور کی مانند بنا دیا۔

ترکیب | الهمزة للاستفهام التقریری لم تر ا صله تریٰ حذفت الالف بالجازم والرؤیة قلبیة وانما عبر العلم بالرؤیة ایماء الی هذه الواقعة بمنزله المشاهد المحسوس وان مضت قبل ولادته ﷺ بخوشهریں ولکنها التواترها کانت کالمحسوس المبصر ۔ کیف فعل ربك الخ هذه الجملة سدت مسد مفعولی تریٰ وکیف منصوب علی المصدریة اوالحالیة واختار الاول ابن هشام فی المغنی والمعنی ای فعلٍ فعل الم یجعل الاستفهام للتقریر کانه قال قد جعل کیدهم فی تضلیل والکید ارادة المضرة بالغیر بالخفیة وارسل عطف علی الم یجعل طیراً اسم جنس یذکر ویونث مفعول ارسل ابابیل لغت لطیر قیل جمع ابول بکسر الهمزة مثل عجول وقیل جمع ابیل کسکین وقیل جمع ابالة وقال الفراء لا واحد له من لفظه مثل الشماطیط والعبادید واصله من الابل قال ابوعبیده ابابیل جماعة فی تفرقة یقال جاءت الخیل ابابیل من ههنا وههنا ای اقاطیع یتبع بعضها بعضا کالابل المؤبلة ترمیهم قرء الجمهور بالفوقیة وقری بالتحتیة والضمیر فی الحالین الی الطیر لانه اسم جنس یذکر ویونث وقیل الضمیر فی القراءة الثانیه لله عزوجل۔ والجملة فی محل نصب صفة اخریٰ لطیر سجیل قال الزجاج مشتق من السجل ای مما کتب علیهم العذاب وقیل معرب من سنگ گل وهی حجارة من طین طبخت بالنار وقیل السجیل الشدید وقال عبدالرحمٰن بن ابزیٰ من السماء وقیل من سجین ثم ابدلت النون ۔ کعصف عصف برگ کشت قوله تعالیٰ کعصف ماکول ۔ صراح ۔ وعصیفه وعصافه بمعناه۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اس کی پانچ آیت ہیں اور اس میں فیل کا اول ذکر ہے اس لیے اس کو سورۂ فیل کہتے ہیں۔

ربط اس کا سورۂ ہمزہ سے یہ ہے کہ اس سورہ میں انسان کے چند اخلاقِ رذیلہ بیان فرما کر ان کی سزائے اخروی بھی بیان فرمادی تھی۔ اس سورہ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔ بیشتر قریش مکہ میں اخلاقِ رذیلہ تھے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی تھی اور ان منکرینِ قیامت کو عذابِ آخرت کی تو کچھ پروا نہ تھی۔ اس لیے اب اس سورہ میں ان کو ایک ایسے واقعۂ ہولناک کو یاد دلا کر جو ان کے سامنے گزرا ہے تنبیہ کیا جاتا ہے کہ جب ہم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے والے کی دنیا میں یہ سرکوبی کی حالانکہ وہ بڑا لشکر لے کر آیا تھا تو جو اس گھر کو شکستہ کرنا چاہے گا جو اللہ کا گھر ہے یعنی اہل اللہ کا دل تو وہ کیونکر ہمارے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے دنیا میں اس کی سرکوبی ہوگی جو یاد کرے گا۔ چنانچہ مدت کے بعد ان بدبختوں پر طرح طرح کے مصائب آئے قحطِ شدید میں مبتلا ہوئے۔ بدر میں قتل اور ذلیل ورسوا ہوئے جس مکہ شہر کی یہ عزت ہے کہ اس پر حملہ کرنے والے کا سر توڑا گیا اور مکہ کی برکت سے قریش اس آفت سے بچے جو ابرہہ اشرم ان پر لانے والا تھا تو پھر مکہ میں رہ کر اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور یہ ظلم وستم وحشیانہ کہ جس کی برکت سے مکہ محفوظ رہا بڑی سزا کا مستوجب ہے۔

اصحابِ فیل کا واقعہ | اور یہ واقعہ جس سال گزرا ہے اسی سال میں ایک مہینہ پچیس روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جس کو ارہاص کہتے ہیں۔ فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ وہ کون لوگ تھے؟ ابرہہ اشرم یمن کا بادشاہ حبشی جو نجاشی شاہِ حبش کا نائب تھا اور اس کے لشکر والے حبش والے۔ حبش میں بھی ہندوستان کی طرح ہاتھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس بادشاہ کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔ اور مختصراً اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ یمن کے ملک میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیر کا اخیر بادشاہ تھا یہودی ہوگیا اور بہت کو یہودی کر ڈالا اور اس نے اسی تعصب میں آ کر نجران کے عیسائیوں کو جو اس وقت ٹھیک مذہب عیسوی پر تھے ناحق ظلم سے مارا، خندق کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور ان مسکینوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا جس کا ذکر سورۂ السماء ذات البروج میں ہے تو ان عیسائیوں میں سے کچھ لوگ جلی ہوئی انجیلیں لے کر قیصرِ روم پاس فریادی پہنچے کیونکہ وہ بھی عیسائی تھا اس نے نجاشیٔ حبش کے بادشاہ کو جو اس کا تابع اور عیسائی تھا مدد کر۔ ذکوا انجاشی نے ابرہہ

کو ایک لشکر دے کر یمن کو بھیجا اس نے ذونواس اور اس کی سلطنت کو برباد کیا اور آپ یمن کا بادشاہ بن گیا۔ یہ بڑا بدذات اور شہوت پرست اور کمینہ خصلت شخص تھا۔ اس نے کعبہ کی رونق گھٹانے کے لیے اپنے پایۂ سلطنت شہر صنعاء میں ایک کنیسہ[1] بنایا اور اس کی بڑی تیاری کی اور عرب کے لوگوں کو حج کعبہ سے جو ان میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عہد سے ایک عبادت کا دستور چلا آتا تھا[2] روکا اور طرح طرح کا تشدد شروع کیا اور حکم دیا کہ میرے کنیسہ کا حج کیا کریں مگر لوگوں کے دل تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ مقبولیت اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ کون مانتا تھا اس وجہ سے اس کو خانہ کعبہ اور شہر مکہ میں اور وہاں کے لوگوں سے عداوتِ قلبی پیدا ہوئی مگر اس دبی ہوئی آگ کے ابھارنے کا یہ سبب ہو گیا کہ اس کنیسہ کے جاروب کش نے اس میں رات کو پاخانہ پھر کر اس کو جابجا سے گندہ کر دیا اور بھاگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ مکہ کا رہنے والا تھا اس نے عداوت سے یہ کام کیا ہے۔ پھر چند روز کے بعد اس کنیسہ میں کسی سبب سے آگ لگ گئی اور جل کر خراب ہو گیا جس سے لوگوں کی نظروں میں اور بھی اس کی بے وقعتی پیدا ہو گئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے۔ اب تو اس کو غصہ آ گیا اور ایک لشکرِ جرار لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے اور بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا مکہ کی طرف کعبہ ڈھانے کے لیے چلا اور دل میں یہ داؤ بھی تھا کہ صرف کعبہ کا ڈھانا مشہور کروں تا کہ لوگ نہ بھاگیں ان کو امن کا اشتہار دیدیا تھا اور جب وہ اس کو ملیں تو زن و فرزند صغیر و کبیر سب کو قتل کروں۔ جب وہ مکہ کے پانچ چار کوس قریب آ گیا اور مکہ کے لوگ ڈر کر بھاگ گئے صرف عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا رہ گئے تھے اور وادیٔ محسر[3] میں یا بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما صفاح میں ڈیرا کر دیا تو اس کے پاس عبدالمطلب آئے، تعظیم سے بٹھایا اور پوچھا کیا چاہتا ہے۔ کہا میرے اونٹ تیرے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وہ دلا دو۔ اس نے تعجب سے کہا کہ اونٹوں کی فکر کی کعبہ کے لیے تو نے کچھ نہ کہا۔ عبدالمطلب نے کہا اونٹ میرے تھے، مجھے ان کی فکر ہے اور یہ تو اللہ کا گھر ہے جو سب پر غالب ہے اس کی وہ آپ تدبیر کر لے گا۔ اور رستہ میں بھی بہت کچھ عربوں نے منت و زاری کی تھی کہ تو یہ نہ کر مگر وہ کب مانتا تھا آخر دھاوے کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو ڈھانے کے لیے آگے کیا۔ ہر چند فیل بان مارتے تھے وہ آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔ اسی میں تھے کہ جدہ شہر کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ پر ہے بڑے بڑے سبز جانور بعض کہتے ہیں سیاہ تھے جو کبھی پہلے دیکھے نہ گئے نہ بعد میں، بڑی چونچ اور پنجوں والے پرے کے پرے نمودار ہوئے۔ ایک ٹکڑی کے بعد دوسری ٹکڑی آتی تھی دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور ایک چونچ میں تھی۔ پھر اس لشکر میں سے جس پر پڑتی تھی خواہ انسان خواہ حیوان سر سے نیچے تک نکل جاتی تھی سب کو غارت کر دیا اور قریشِ مکہ اِدھر اُدھر پہاڑوں میں چھپے یہ واقعہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ بہت لوگ اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے مکہ میں موجود تھے اور ان کنکریوں میں سے بعض کنکریاں بعض صحابہ کے پاس بھی تھیں۔

یہ بات کہ ابرہہ کے بعد یمن کا کون حاکم ہوا ہم تاریخ عرب میں بتلا دیں گے اور یمن عرب میں کس حصہ کا نام ہے اس کو جغرافیۂ عرب میں دکھائیں گے۔ اس واقعہ کا جو قریش پر نعمت[4] اور عبرت خیز تھا خدا پاک اس سورہ میں ذکر فرماتا ہے فقال الم یجعل کیدھم فی تضلیل کہ کیا اس نے ان کے داؤ کو غلط نہیں کر دیا؟ ضرور کر دیا جو انہوں نے چاہا تھا اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ حسرتیں ساتھ لے کر

---

[1] گرجا۔۱۲

[2] جو کعبہ سے روکتا ہے دنیا میں مبتلائے مصائب ہوتا ہے۔۱۲ منہ

[3] یہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی ہے۔ یہ قول ابن حجر کا ہے۔۱۲ منہ

[4] اس لیے کہ قریش کی جان و مال و آبرو محفوظ رہی اور ان مردوں کے مال ہاتھ لگے جس سے اہل مکہ مالدار ہو گئے اور اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے جس کا ذکر سورہ قریش میں آتا ہے۔۱۲ منہ

جہنم کو گئے۔ یہ جملہ کیف فعل کی تفسیر ہے پھر اور تفسیر کرتا ہے وارسل علیھم طیراً ابابیل اور ان پر پرندے بھیجے جوق جوق لفظ ابابیل جمع ہے جس کے مفرد میں اختلاف ہے۔ کوئی ابابلی کوئی ابول کوئی ابالہ کہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفرد اس لفظ سے نہیں آیا اور اس کے معنی ہیں جوق جوق یا پرے کے پرے مگر لفظ ابابیل سے یہ چھوٹا جانور جس کو عرب میں ابابیل کہتے ہیں سمجھ لینا بڑی غلطی ہے یہ جانور سمندر میں سے اٹھے تھے اور عرب جانور تھے پھر ان پرندوں نے جو کچھ کیا اس کو بیان فرماتا ہے۔ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ان پر پتھریاں پھینکتے تھے اور پتھریاں کا ہے کی تھیں؟ پختہ فائدہ: لفظ سجیل میں جو اس جگہ وارد ہے۔ مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) بعض کہتے ہیں یہ سنگ گل کا معرب ہے اور سنگ گل وہ ہے جو پزاوے میں مٹی پک کر پتھر بن جائے جس کو کھنگر یا جھانوہ کہتے ہیں۔ (۲) بعض کہتے ہیں اصل میں سجین تھا یہاں نون لام سے بدل گیا جس میں اشارہ ہے کہ وہ پتھریاں اور کنکر کچھ معمولی کنکر نہ تھے بلکہ عالمِ غیب میں سے اس طبقہ کے تھے کہ جہاں ارواحِ کفار کو عذاب دیا جاتا ہے ان کنکریوں کی یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں پار نکل جاتی تھیں پھر وہاں کی اور چیزوں میں کیا کچھ تاثیر نہ ہوگی معاذ اللہ۔ (۳) بعض کہتے ہیں سجل سے مشتق ہے جس کے معنی لکھنے کے ہیں یا لکھی ہوئی چیز یا دفتر کے جس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکریاں ازل میں ان بدبختوں کے لیے لکھی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے ہر کنکری پر بخطِ غیب جس کو اس جہان کے لوگ پڑھ نہیں سکتے تھے لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کے لیے ہے۔ پھر جب سیسہ کی گولی بارود کے زور سے انسان اور حیوان میں سے پار نکل جاتی ہے تو کیا عالمِ غیب کی گرمی جو قہرِ الٰہی کی بارود تھی اس کے زور سے ان کنکریوں کا اصحابِ فیل میں سے پار نکل جانا کوئی محال بات ہے؟ اس سے بڑھ بڑھ کر ہزاروں اس کی قدرت اور کمال کے کرشمے دیکھے جاتے ہیں اور پہلے دیکھے گئے اور آیندہ دیکھے جائیں گے اوپر کوئی تو ایسی گرم بھٹی قدرت کی ہے کہ جس کی چنگاریاں کبھی کبھی زمین پر گرا کرتی ہیں۔

مؤرخینِ حال نے بارہا ایسے واقعات نقل کئے ہیں کہ فلاں موضع میں اوپر سے ایک آتشیں گولہ پڑا جس کی ہیبت ناک آواز تھی اور گزوں زمین میں گھس گیا اور بہت کو جلا دیا پھر ٹھنڈا ہونے کے بعد جو نکالا گیا تو ایسا سخت لوہا تھا کہ بمشکل گرم ہوتا تھا وغیر ذلک۔

اگر ہم ایسے ایسے واقعات یا ان سے بھی بڑھ کر حیرت ناک ان واقعات کی تفصیل لکھیں جو حال کے جرائد اور اخبارات میں درج ہیں تو ایک مجلد کتاب تیار ہو جائے اور جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اور مؤرخوں نے چشم دید لکھے ہیں وہ بھی ملائے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں پھر ان سب کو غلط بتانا اور اسی دہریت' سڑے بسے تراشیدہ نیچر کے اصول پر واقعات کا انکار کرنا خلاف بداہت ہے۔ سب سے بڑی بات ہے کہ قریشِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اس کو انہیں اہلِ مکہ کے روبرو کہ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں بیان کرتے؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغ گوئی اور ابطالِ نبوت کے الزام قائم ہوتے۔ پھر جب ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور امیۃ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب ان سے کوئی بڑھ کر منکر پیدا ہو گیا ہے جو انکار کرتا ہے اور انکار بھی محض بے دلیل اور دلیل بھی ہے تو یہ کہ نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اس کی تاویل کرے اور چیچک نکلنا بتلاوے عقلمند کی شان سے بعید ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کا انجام کار ان پرندوں کے سبب سے خدائے قہار و جبار نے کیا کیا؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ فقال فجعلھم کعصف ماکول کہ ان کو بھس یا آخور جیسا چورا چورا کر دیا۔ عصف گھاس یا اناج کے پیڑوں کے پتھے اور پتے جوار باجرا گیہوں وغیرہ کے جب ان کو جانور کھاتا ہے تو پیچھے بچا ہوا آخور چورا چورا ہو جاتا ہے یا ماکول باعتبار مایول کے فرمایا کہ کھایا جائے گا کھانے کے لیے تیار ہے جس کو بھس کہتے ہیں یا حقیقت پر محمول ہے پھر اس کے دو معنی یا تو جو کھانے سے بچا ہوا آخور یا جو کھا کر لید کر دیتے ہیں اور گدھے گھوڑے کی لید میں چورا چورا ہو کر نکلتا ہے اس کو بھی عصف ماکول کہہ سکتے ہیں ہر ایک سے تشبیہ درست ہو سکتی ہے۔

غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جا بجا آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم کر آتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا۔ شاید اس بات سے اس ماول نے اس واقعہ کو چیچک نکلنے پر محمول کیا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہم نے بیان کیا اور جو قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر کی بجھی ہوئی تھیں یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں اس کے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی چنانچہ اسی بات کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں روی عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منھم الا لفظ جلدہ وثار بہ الجدری وھو قول سعید بن جبیر انتہٰی خوش فہم ماول نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چیچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ پھینکی تھیں چیچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

فوائد | (۱) اصحاب الفیل کہا ارباب الفیل نہ فرمایا۔ اس میں نکتہ ہے وہ یہ کہ چیز کو اعلیٰ کی طرف لفظ اصحاب سے منسوب کرتے ہیں اس لیے حضرت کے دوستوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں نہ آپ کو ان کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان احمقوں پر بہیمیت غالب تھی اور ہاتھی کی طرح سیاہ باطن وسیاہ ظاہر تھے ہاتھی سے بھی کمتر عقل رکھتے تھے۔

(۲) فیل ہاتھی اس کی جمع افیال وفیلۃ ہے جمع کا صیغہ اس لیے نہیں آیا کہ گو اس وقت ان کے پاس تیرہ ہاتھی تھے مگر بڑا ہاتھی محمود تھا جو کعبہ کی طرف نہیں جاتا تھا اس لیے اسی کا اعتبار کر کے مفرد لفظ آیا۔ اور نیز یہ اسم جنس بھی ہے سب کو شامل ہے اور اس میں آیات کے فواصل کی بھی رعایت ہے۔ وللہ الحمد حمداً کثیراً۔

(اللہ اکبر)

سورہ قریش مکیہ ہے اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝۱ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝۲ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴ ع ۳۱

قریش کے شوق ا کے لیے ان کو جو سردی وگرمی کے سفر کا شوق ہے پھر تو اسی گھر کے رب کی عبادت کیا کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف میں امن دیا۔

ترکیب | لایلاف قریش بما یتعلق اللام فیہ وجوہ (۱) انھا تتعلق بما قبلھا (۲) متعلقۃ بما بعدھا (۳) لا یتعلق بشیء فھی لام التعجب کما فی قولھم لزید وما صنعنا بہ ای اعجبوا من شان زید ومعنی الآیۃ اعجبوا لایلاف قریش وھذا قول الاخفش والکسائی۔ علی الاول ھی تتعلق بجعل والتقدیر جعلھم کعصف ماکول لایلف قریش لبقاء ھم رحلتھم فی الاسفار۔ وھو قول الزجاج وابی عبیدۃ۔ او متعلقۃ بفعل ای فعل ربک باصحاب الفیل لایلاف قریش ای کل ما فعلنا باصحاب الفیل نقد فعلناہ بخاطر القریش اوھی بمعنی الی و یتعلق بفعل کانہ قال فعلنا کل ما فعلنا فی السورۃ المتقدمۃ الی نعمۃ اخریٰ علیھم وھی ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف تقول نعمۃ الی نعمۃ ھذا قول الفراء۔ وعلی القول الثانی ھی تتعلق بقول فلیعبد وادھو

ا چونکہ ان کو سردی اور گرمی کے سفر کا شوق ہے۔ سردی میں یمن کی طرف جاتے ہیں تجارت کے لیے اور گرمی میں شام کی طرف اس شوق اور محبت قائم رکھنے کے لیے اصحاب فیل کو غارت کر دیا اور اس گھر کو یعنی کعبہ کو بچا لیا جس کے سبب یہ امن سے گرمی سردی میں سفر کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ پھر اس گھر کے مالک کو کیوں نہیں پوجتے۔ ۱۲ منہ

قول الخلیل وسیبویہ والتقدیر فلیعبد وارب ھذا البیت لایلاف قریش ای لیجعلوا عبادتھم شکرالھذہ النعمۃ ودخول فاء فی فلیعبدوا لایمنع ذلک وفی الایلاف ثلثۃ اوجہ احدھاان الایلاف بمعنی الالف یقال الفت الشیٔ وآلفتہ الفا الافا۔ ایلافا بمعنی واحد وقرء ابوجعفر لالف قریش بغیر الیاء والآخرون لایلاف بیاء وقرء عکرمۃ لیلاف قریش۔ والثانی یکون بمعنی اثبات الالفۃ بالتدبیر الذی فیہ لطف والمعنی ان ھذہ الالفۃ فی قریش انما حصلت بتدبیر اللہ تعالیٰ وھوانہ اھلک اصحاب الفیل فحصل المسرۃ وعندالمسرۃ یقع الاتفاق والموانسۃ فالمصدر مضاف الی المفعول والثالث ان یکون الایلاف بمعنی التھیئۃ والتجھیز وھوقول الفراء وابن الاعرابی والمعنی لتجھیز قریش رحلتھا فالمصدر مضاف الی الفاعل وقریش ھم بنوالنضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ وقیل ان قریشا بنوفھر بن مالک بن النضر ۔ وقریش منصرف ان ارید بہ الحی وغیر منصرف ان ارید بہ القبیلۃ۔ وھوتصغیر القرش۔ وفی القرش اقوال قیل دابۃ فی البحر تعبث بالسفن ولا تطلق الا بالنار وسمیت قریش بھا لشجاعتھم۔ وقیل انہ ماخوذ من القرش وھوالکسب لانھم کانوا کاسبین بتجاراتھم وضربھم فی البلاد وقیل کانوا متفرقین فجمعھم قصی بن کلاب فی الحرم حتی اتخذ وھا مسکنا فسموا قریشا۔ لان التقرش ھوالتجمع ۔ من الکبیر۔

الا فھم تاکید لفظی وقیل بدل رحلۃ الشتاء منصوبۃ علی المفعولیۃ وقیل علی الظرفیۃ۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے مگر ضحاک وکلبی کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ وہم ہے قول اول صحیح ہے اس میں قریش کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورہ قریش کہتے ہیں اور اس میں چار آیت ہیں۔

ربط اس کا سورۂ فیل سے یہ ہے کہ سورۂ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو ڈھانے آئے تھے۔ ان کو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تم کو ان سے بچا لیا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور سردی اور گرم ملکوں میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا۔ اب اس سورہ میں بتلاتا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا اب تم کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو نہ جھوٹے معبودوں کی اور منجملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے رب نے تمہاری اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کے کہنے پر عمل کرو اور اس کے یار و مددگار بن کر جس طرح دنیا کمانے کے لیے سفر کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لیے سفر کرو۔ اب یہ دوسری تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔

قریش کی تحقیق | واضح ہو کہ قریش عرب کے اس قبیلہ کا نام جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی قبیلہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں کیونکہ نضر بن کنانہ کی تیرہویں پشت میں ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ پھر آگے چل کر یہ نسب نامہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام میں جا ملتا ہے۔ یہ قبیلہ قریش مکہ میں رہا کرتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور زمزم کی حفاظت انہیں کے سپرد تھی۔ اسی لیے تمام قبائل عرب ان کی عزت و حرمت کرتے تھے اور جب یہ لوگ باہر جاتے تو خادم کعبہ سمجھ کر لوگ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔ پہلے یہ ملتِ ابراہیمیہ پر تھے مگر عرصہ سے ان میں بھی بت پرستی آ گئی تھی اور جو تاریکی تمام عرب بلکہ اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی تھی ان پر بھی چھا گئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ نے بت پرستی کی برائی بیان کرنی شروع کی تو یہی لوگ دشمن ہو گئے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ قریش کے سردار سخت دشمنی کرنے لگے مگر بعد میں بہت ایمان لائے اور قریش میں سے بڑے بڑے نامور صحابہ ہوئے۔ چاروں خلفاء قریش ہی تھے اور اسلام کے شائع کرنے میں قریش کی عادتِ سفر بڑی کارگر ہوئی۔ اس لیے چند روز میں اندلس سے چین تک اسلام پھیل گیا۔ قریش تصغیر ہے قرش کی جس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ قرش ایک سمندر کا سخت اور بہادر جانور ہے چونکہ قریش کا قبیلہ بھی بہادر تھا اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ (۲) تقرش کے معنی ہیں جمع کرنے کے چونکہ قصی بن

کلاب نے اس متفرق قوم کو مکہ میں جمع کیا تھا اس لیے ان کو قریش کہتے تھے۔ اور جمعیت و اتفاق بھی ان میں بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تھا۔ (۳) یہ کہ قرش کے معنی کسب کے بھی ہیں چونکہ یہ لوگ تجارت سے کسب کرتے اور کما کر کھاتے تھے لوٹ مار کم کرتے تھے اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ اسلام میں اس قبیلہ کی بسبب ان کے مساعیِ جمیلہ کے اور بسبب قرابتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت ہے۔

فرماتا ہے لایلاف قریش کہ ہم نے[1] یہ جو کچھ اصحاب فیل سے کیا قریش کے الفت دلانے کے لیے کیا کہ ان کو اس گھر کے رب کی الفت دلائیں تا کہ وہ اس کا یہ انعام وافضال خیال کر کے اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ یا یہ معنی کہ عجب ہے کہ قریش کی الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے تجارت یمن اور شام کے واسطے ہے یعنی ان کو اس کی عجب الفت ہے حالانکہ یہ سردی میں یمن کو جانا جو گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کو جانا جو سرد ملک ہے محض اسی گھر کی بدولت ہے جو اصحاب الفیل کے صدمہ سے بچائے گئے اور ان کا مال بھی ان کو ملا پھر الفت تو ہے مگر جس کا یہ طفیل ہے یعنی کعبہ کا جس کی وجہ سے لوگ باہر تعظیم بھی کرتے ہیں اور دیتے بھی ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے نہ اس کے رسول کو مانتے ہیں۔ پھر اس الفتِ قریش کی توضیح کرتا ہے۔ فقال ایلافهم رحلة الشتاء والصيف ان کی رغبت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے ہے سردی میں گرم ملکوں اور گرمی میں سرد ملکوں میں تجارت کے لیے اور بادشاہوں اور امراء سے تحائف لینے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اسلام سے پہلے ہی قریش میں باہر ملکوں میں جانے اور سفر کرنے کا مادہ تیار کر رکھا تھا جو اسلام لانے کے بعد اشاعتِ اسلام اور فتوحاتِ ملک میں بہت کام آیا۔

سفر اور تجارت کے فوائد | اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو قومیں دور دراز سفر کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان میں حوصلہ اور لیاقت بھی آ جاتی ہے اور مالی ترقی بھی ہوتی ہے ہر ایک قوم کے ملنے جلنے سے تبدلِ خیالات ہوتا ہے۔ اولوالعزمی پیدا ہو جاتی ہے، خصوصاً تجارت کے ذریعہ سے آج کل وہ قومیں جو پہلے خوار و ذلیل تھیں علوم و فنون کی مالک ہو گئیں۔ سلطنت ہاتھ آئی، صحابہ میں بھی یہی اولوالعزمی تو تھی کہ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے اُدھر مغرب میں بربر تک پہنچے، افریقہ کے بیابان کھنڈل ڈالے۔ اِدھر مشرق میں عراق و ایران و خراسان و ترکستان کو طے کرتے ہوئے چین تک بلند اقبالی کے پھریرے اڑاتے ہوئے جا پہنچے۔ اس لایلاف قریش میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ گو قریش کے ساتھ اور قومیں بھی شریک تھیں مگر اور قومیں قریش کے تابع تھیں کس لیے کہ نبی علیہ السلام تھے تو اسی قوم کے اور پھر خلفاء تھے تو اسی قوم کے۔ جن کے حکم سے وہ یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے اور اسلام نے قریش کے گھر میں جنم لیا تھا اس لیے غیرت و حمیتِ اسلامی اسلام لانے کے بعد ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور قریشی خون میں یہ اثر دیا تھا کہ اسلام کی ہتک اور قومی ذلت دیکھ کر اس کو حرکت ہوتی تھی اس لیے ائمہ بھی اسی قوم میں سے بنائے گئے اور قانون ہو گیا کہ اسی قوم کے آئمہ ہوں اور قربِ قیامت جو مخالفوں کے جھنڈے گرا دینے والا اور ان کی جمعیت کو زیروزبر کر دینے والا امام مہدی علیہ السلام ظہور کرے گا وہ بھی قریش ہی ہوگا۔

اب ان مکہ کے جاہل اور مخالفینِ اسلام قریش کو اپنی نعمت جتلا کر فرماتا ہے فليعبدوا رب هذا البيت کہ اور کچھ نہیں تو اسی

---

[1] لایلاف کے تعلق میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ لام جملہ گزشتہ کے کسی فعل فعلنا وغیرہ سے متعلق ہے یعنی اصحاب فیل سے ہم نے جو کچھ کیا قریش کی الفتِ سفر کے لیے کیا جو گرمی و سردی میں سفر کا شوق رکھتے ہیں یعنی اصحاب فیل کی ہلاکت' قریش کی آزادیِ سفر کا باعث ہے۔ یہ اس کی نعمت ہے۔ دوسرا قول یہ کہ لام یعبدوا سے متعلق ہے کہ قریش اپنے اس گرمی جاڑے کے شوقِ سفر ہی کے سبب جو خدا نے اصحابِ فیل کو غارت کر کے قائم رکھا اپنے اسی گھر کے مالک کو پوجا کریں۔ تیسرا قول ایک اور بھی ہے کہ یہ لام تعجب کے لیے ہے جس کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے قریش کے شوقِ سفر کو تو دیکھو کیسا ہے اور یہ اس گھر کی برکت ہے جو امن سے سفر کرتے ہیں۔ الخ ۱۲ منہ

گھر کے رب کی عبادت کریں اسی بات کو ملحوظ رکھیں۔ بت پرستی چھوڑ دیں۔ پھر اور بھی توضیح کرتا ہے۔ فقال الذی اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف کہ اس کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور کھلاتا ہے اور خوف میں امن دیا۔ مکہ کی سرزمین کھیتی کے قابل نہیں، خشک پہاڑ یا ریگستان ہے جہاں کوئی سبز درخت بھی نظر نہیں آتا۔ نہ پانی کے چشمے نہ کوئی پیداوار ہے۔ پھر ان کے لیے روزی کے کیا کیا سامان کئے۔ خانہ کعبہ کی عزت و حرمت سے دور دراز کے لوگ حج کو آتے ہیں اور پہلے بھی ہمیشہ سے آیا کرتے اور غلہ وغیرہ ہر قسم کی چیزیں لایا کرتے تھے اور نیز خود قریش کو بھی گرمی اور سردی میں سفر کرنے کا اور تجارت کے لیے جانے کا حوصلہ دیا جس کو ایلاف قریش میں بیان فرمایا۔ پھر یہی تو بھوک میں کھانا دیتا ہے اور خوف میں امن دینا یہ ہے کہ عرب میں ہر جگہ مار دھاڑ تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے برخلاف قریش کے کہ ان کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا محض کعبہ کی حرمت سے خصوصاً مکہ دارالامن تھا اور قیامت تک رہے گا۔ حرم مکہ میں جو اس کے اردگرد کوسوں کی سرزمین ہے اگر اس جگہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو ہاتھ نہ اٹھاتا تھا اور نیز اصحاب الفیل کی طرح جو کوئی یہاں چڑھ کر آیا غارت ہوا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک کبھی کوئی دشمن کعبہ پر آکر فتح یاب نہیں ہوا نہ کسی جبار بادشاہ کا آج تک وہاں تسلط ہوا برخلاف اور معابد کے۔ بیت المقدس ہی کو دیکھئے کہ کئی بار اس کے مخالف اس پر چڑھ آئے اور شہر کو منہدم کر گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہا گئے۔ بخت نصر اور سیسق اور انیٹوکس اور رومی بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں، مسجد کو جلایا اس کی گستاخی کی۔ تاریخ بیت المقدس کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

سوال: خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مدینہ سے لشکر لے کر اس شہر پر چڑھ آئے اور فتح پائی اور امنِ عام زائل کر دیا اور اسی طرح حجاج بن یوسف نے آگھیرا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا اور کئی بار ایسے واقعات پیش آئے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے لیے نہیں آئے تھے نہ ان کا مقصود یہ تھا بلکہ مجرموں کو سزا دینے آئے تھے یہ اور بات ہے کہ وہ دراصل مجرم تھے جیسا کہ فتح مکہ کے وقت کفار تھے یا جیسا کہ بعد کے واقعات کے وقت اور یوں تو اب بھی مکہ معظمہ میں مجرم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ مکہ کو دارالامن اسی معنی سے کہتے ہیں جو ہم نے بیان کئے اور نیز آیت پر تو یہ شبہ وارد ہی نہیں ہوسکتا کس لیے کہ آیت میں قریش معاصرینِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ تم کو بھوک میں کھانا کھلایا جس کی صداقت کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ قحط تھا بھوکے مرتے تھے، ارزانی کی اور اصحاب الفیل کے وقت خوف تھا امن دیا۔ اس آیت میں کس لطف کے ساتھ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی خدائی باطل کی ہے۔ کس لیے کہ کم سے کم انسان کی دو حاجت ہیں بھوک میں کھانا اور امن سے رہنا پھر جس معبود سے ان دونوں کا کچھ بھی انصرام نہیں ہوتا وہ کیا خدائی کرسکتا ہے مگر مشرکین اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یوں ہی تقلیداً غیر اللہ کی عبادت کئے چلے جاتے ہیں ان کے ناموں کی دہائی دیا کرتے ہیں۔ مصائب میں انہیں پکارا کرتے ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ ماعون مکیہ ہے اس میں سات آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

ع ۲۲

تو نے اس کو بھی دیکھا جو جزا کا انکار کر رہا ہے پھر یہ وہ ہی تو ہے جو یتیم کو دھکے [1] دیتا ہے اور فقیر کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دلاتا پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں نہیں دیتے۔

ترکیب | الھمزۃ للاستفہام لقصد التعجب رایت والرؤیۃ بمعنی المعرفۃ فتعدی الی مفعول واحد وھوالذی الخ وقیل بمعنی اخبرنی فتعدی الی مفعولین والثانی محذوف ای من ھو فذلک الخ الفاء جواب الشرط والتقدیر ان تاملتہ فذالک ویجوز ان تکون عاطفۃ علی الذی یکذب اما عطف ذات علی ذات اوصفۃ علی صفۃ فعلی الاول ذلک مبتدء الذی یدع الخ خبرہ ولا یحض الخ عطف علی یدع وعلی الثانی فی محل النصب عطفا علی الموصول الذی ھو فی محل نصب یدع یدفع یعنف ومنہ قولہ یدعون الی نار جھنم دعا فویل مبتدء للمصلین خبرہ والفاء لترتیب الدعاء علیھم بالویل الذین ھم بیان للمصلین وکذا مابعدہ ویمنعون معطوف علی یراؤن و الماعون فاعول من المعن وھوالشیء القلیل یقال مال معن ای قلیل قالہ قطرب وقیل مفعول من عانہ یعینہ والاصل معوون فحذفت احدی الواوین کقول۔ والماعون اسم لمایتعاورہ الناس بینھم من الدلو والفاس والقدر۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ عطاء وجابر وابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں نصف اول مکی ہے جو عاص بن وائل رضی اللہ عنہ کی شان میں اور نصف مدنی ہے جو عبدالرحمٰن بن ابی منافق مدینہ کی شان مین نازل ہوئی۔ قولِ اول قوی تر ہے اور ماعون برتنے کی چیزوں کو کہتے ہیں اس میں ماعون کے منع کرنے والوں کی برائی ہے جو ادنیٰ مرتبہ احسان کا ہے اس لیے اس کو سورۂ ماعون کہتے ہیں اس میں سات آیت ہیں۔

ربط اس کا سورۂ قریش سے یہ ہے کہ سورۂ قریش میں خداتعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت اور راستی کی طرف رغبت دلائی تھی اس سورہ میں قریش کے وہ امراضِ روحانیہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو مہلک ہیں اور خدا سے ملنے میں سدِ راہ ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سورہ تمام حکمتِ نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدن، تدبیر المنزل کا لُبِّ لباب ہے کس لیے کہ سب سے اول بات حکمتِ نظریہ کی اعتقاد درست کرنا ہے خصوصاً اس بات کا یقین کر لینا کہ انسان کے نیک و بداعمال کی جزاء وسزا ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح ایک دوسرے عالم میں جاتی ہے جہاں اس کو اپنے نیک و بداعمال کا ثواب وعذاب دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے عادل انسان سے ضرور باز پرس کرتا ہے اس کے مساعیِ جمیلہ کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ یہی اعتقاد تمام حکمت کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں ہر قسم کی بدکاری دل کھول کر کرنے میں کوئی مانع نہیں اور اعمالِ خیر کی مشقت اٹھانے اور مال صرف کرنے کا بھی کوئی محرک نہیں اس لیے سب سے اول دین یعنی جزاء وسزا کی تصدیق ضرور ہے اور یہ سعادت کی سیڑھی کا اول درجہ ہے اور جزاء وسزا کا اعتقاد مع درستیِ اعمال دینِ اسلام کا جز ہے۔ اس لیے اگر دین سے مراد دینِ اسلام کی تصدیق لی جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اس لیے سب سے اول دین کے منکر کی تعجب کے صیغوں میں برائی بیان فرماتا ہے۔ فقال ارایت الذی یکذب بالدین کہ اے پیغمبر! علیک السلام یا اے مخاطب تو نے اس کو بھی دیکھا جو دین یعنی اعمال کی جزاء وسزا کو یا دینِ اسلام کو جھٹلا رہا ہے ایسے بھی لوگ ہیں۔ یہ تکذیب سے روکنے میں نہایت پراثر الفاظ ہیں۔ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے بلکہ تصدیق کرنی چاہیے۔ حکمتِ نظریہ کے اصل الاصول سے فارغ ہو کر حکمتِ عملیہ کے اصول کی طرف توجہ کرتا ہے۔ حکمت عملیہ میں سب سے پہلی بات تہذیبِ اخلاق ہے اور تہذیبِ اخلاق میں دو ہی جز ہیں۔ اول دفعِ شر بالخصوص یتیم یعنی نابالغ بچے سے برائی نہ کر دفعِ شر طلبِ منفعت سے مقدم ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور فرمایا فذالک الذی یدع الیتیم کہ جزا کا جھٹلانے والا ہی سنگدل یتیم کو دھکے دیتا

[1] یعنی جب جزا وسزا کا قائل نہیں تو پھر ہر قسم کی بے رحمی اور سنگدلی کرتا ہے۔ یتیم پر رحم کرنا مسکین کو کھانا کھلانا رحمدلی کی بات ہے اس کو بھی نہیں کرتا اور خدا کی طرف بھی نہیں جھک سکتا اس لیے غفلت اور دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے اور یہاں تک دنی الطبع ہو جاتا ہے کہ معمولی برتنے کی چیزیں بھی مانگے نہیں دیتا۔ ۱۲ منہ

اور جھڑکتا ہے۔ کس لیے کہ جانتا ہے کہ مر کر کسی فعل کی سزا اور کسی عمدہ کام کی جزا تو ملتی نہیں اس شنیع فعل کو تکذیب دین کی علامت کر دیا جس میں ایسی ناپاک خصلت ہے گویا اس کو دین کی تصدیق نہیں۔ کس لیے کہ تصدیق و تکذیب ایک ذہنی چیز ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ اب اس کی علامت بیان فرما دی کہ وہ مکذب ہے جو ایسے افعال کرتا ہے درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ تہذیب اخلاق کا یہ ہے کہ بندگانِ خدا پر رحم کرے اور جو خود سلوک کرنے کی قدرت نہ ہو تو ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اوروں کو ہی ترغیب دلائے پھر جس میں یہ ادنیٰ مرتبہ بھی نہیں وہ تہذیب اخلاق سے محروم ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس کو بیان فرماتا ہے۔ ولایحض علیٰ طعام المسکین کہ فقیروں محتاجوں کو خود کھانا دینا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا یعنی اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ یہ تکذیب دین کی دوسری علامت ہے کس لیے کہ جب سزا کا معتقد نہ ہوا تو برے کاموں سے کیوں باز آنے لگا اور جب جزائے خیر ملنے کا معتقد نہیں تو نیک کام کیوں کرنے لگا۔

یہ تہذیب اخلاق وہ تھی کہ جس کا تعلق لوگوں سے تھا اس لیے اس کو تدبیر المنزل کا بھی مسئلہ کہا جاتا ہے اور سیاستِ مدن کا بھی۔ کس لیے کہ جب لوگوں پر ظلم سے باز نہ آیا اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک نہ کیا تو اس سے معاشرت اور تمدن میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے اور اگر بغور دیکھئے تو تمدن اور معاشرت میں جو کچھ رنجشیں اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے انہیں دو باتوں سے ہوتی ہے۔ جس جھگڑے اور قضیے کی اصل دریافت کرو گے تو یہی دو باتیں نکلیں گی یا تو تعدی اور زیادتی ہوگی خواہ زبان سے سخت کلامی' بدخلقی' غیبت' گالی' گلوچ' ہجو و توہین یا ہاتھ پاؤں سے دوسرے کے مال یا آبرو پر حملہ ہوگا خواہ سرقہ کے طور پر یا علانیہ غصب ہوگا اور کوئی چالاکی۔ الغرض کوئی نہ کوئی تعدی و ظلم مخاصمت کی بنیاد ہوگی۔ یا اپنی خوبی و منافع کا بند کرنا ہوگا۔ حقداروں کو نہ دینا، بیوی بچوں کو ترسانا، ہمسایوں، دوستوں کو محروم رکھنا خواہ مال سے خواہ کلمۃ الخیر سے خواہ کسی اور مفید کوشش سے۔ پھر یہی اسباب باہمی رنج اور حسد و بغض و کینہ و عداوت کے باعث ہو جاتے ہیں اور جہاں یہ دونوں نہیں یہ فساد بھی نہ ہوں گے۔

دوسری قسم کی تہذیب اخلاق اور بھی ہے جو اس قسم اول کے بعد ضروری ہے وہ کیا اپنے مالک و خالق کے ساتھ رابطہ اور اخلاص و نیاز پیدا کرنا۔ یہ تہذیبِ نفس ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے۔ یہ خاص حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کا ہے اور اس لیے اس کو حکمتِ نوامیسہ کہتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے کہ جس سے روح میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح عالمِ قدس کی طرف اس طرح دوڑتی اور اڑ کر جاتی ہے کہ جس طرح اوپر سے ڈھیلا نیچے اپنے حیزِ طبعی کی طرف میل کرتا ہے اور اس فن کی طرف فقراءِ اہلِ کمال کو بڑی رغبت ہوتی ہے اور جس کو اس کی لذت نصیب ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے شغلوں میں مشغول ہونا ایک جبر سمجھتا ہے۔ اسی کے لیے مرتاضین جنگلوں پہاڑوں میں گوشہ نشینی کرتے ہیں اور کیا کیا محنتیں اٹھاتے ہیں مگر بغیر مرشدِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچتے اس کو تزکیۂ نفس بھی کہتے ہیں اب اس کے دو اصول ارشاد فرماتا ہے۔ اول فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون کہ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ **فضائلِ نماز**۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہیں اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر بحضورِ قلب اور مع شرائط ہو تو روح کو ایسا جلد روشن کرتی ہے کہ پھر بندہ کو خود بخود معاصی اور ہر قسم کی بدکاری سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ پھر ایسے بدبخت جو نماز سے بے خبر ہیں افعالِ ذمیمہ مذکورہ بالا سے کس طرح باز آ سکتے ہیں۔ کس لیے کہ ان میں ملکیت کا تقاضا جا کر بہیمیت و شیطانیت کا تقاضا غالب آ جاتا ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ ہمہ تن متوجہ ہونے کا بھی حکم ہے کس لیے کہ ڈھلا دے اور غفلت کی اور رسمی نماز نہیں ایسا نمازی دراصل نماز سے بے خبر ہے۔ یہ تزکیۂ نفس کا اول رکن ہے جو اسلام میں پنجگانہ فرض ہے۔

فائدہ: نماز سے سہو جیسا کہ آیت میں ہے اور نماز میں سہو فرق رکھتا ہے۔ اول کے معنی ہیں نماز میں سستی کرنا یا بالکل ترک کرنا۔ اور شرائط

سے وقت پر نہ پڑھنا حضورِ دل سے ادا نہ کرنا جیسا کہ مدینہ کے منافق کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے حق میں فرمایا۔ واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراءون الناس کہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہیں کرتے اور نماز میں سہو اس کی کسی چیز کو بھول جانا پھر یہ کبھی استغراقِ کلی سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھول گئے اور بیچ کا قعدہ کئے بغیر دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوگئے اور پھر آخر میں سجدۂ سہو کیا اور اکثر اولیاءِ کرام کو بھی یہ پیش آیا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے بھی پیش آتا ہے مگر اس کا تدارک شرع میں سجدۂ سہو سے کر دیا گیا ہے۔ بہرطور نماز میں سہو منافقین کی شان نہیں پیدا کرتا اور یوں انسان کو بھول چوک لگی ہوئی ہے مگر نماز سے سہو سخت بات ہے۔

فائدہ: مکہ معظمہ میں جبکہ یہ سورہ نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں نماز شروع ہوگئی تھی جس پر کفارِ قریش مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور یہی ان کا نماز سے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہونا تھا پھر اس لیے کہ نماز سے غفلت مدینہ کے منافق کرتے تھے اس سورہ کے نصف کا نزول مدینہ میں قرار دینا بیکار تاویل ہے۔

اب تزکیۂ نفس کا دوسرا اصل الاصول بیان فرماتا ہے۔ ان الذین ھم یراءون کہ خرابی ہے ان کی جو کوئی نیکی بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھانے اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلوصِ نیت اور توجہ الی اللہ ہر کام کے لیے ہونی چاہیے۔ ہر ایک نیک کام جس کی بنیاد خلوص پر ہوگی اس کا نیک ثمرہ دنیا و آخرت میں ہوگا ورنہ برباد ہو جائے گا۔ **خلوص کے فضائل**۔ خلوص عجیب چیز ہے تمام حسنات کی بنیاد یہی ہے اور جو کام خلوص سے ہوتا ہے روح میں اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد رفعِ درجات کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ریاکاری کہ جس کی مذمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کے فقیہوں کے سامنے بیان فرمائی ایک روحانی مرض ہے اور برا ہی مرض ہے اگر کوئی ذرا بھی عقلِ سلیم رکھتا ہو تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ رات بھر پیر و مرشد اور ولی اور بزرگ کہلانے کے لیے جاگنا' روزے رکھنا' مال خرچ کرنا' دنیا کی آسائش جائز چھوڑ کر زاہد بننا' زاہدوں کا لباس پہننا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھانا مال نمود کے لیے صرف کرنا ایک لغو حرکت ہے آخرت میں تو کچھ ثواب نہیں اس بات پر تو اس ریاکار کا دل بھی جو خلوص سے خالی ہے فتویٰ دیتا ہے اب رہی دنیا کی نیک نامی سو ایسا کون ہے جس کو سب نے مان لیا ہو پھر بھی ہزاروں برا کہنے والے ہوتے ہی ہیں اور جو کسی نے دھوکا کھا کر اچھا بھی جانا تو اس کو کیا ملا۔ صرف یہی بات کہ نفسِ خبیث خوش ہوگیا مگر اس کے ساتھ ہی جبکہ یہ جھوٹا ملمع اتر جاتا ہے تو اتنا ہی رنج بھی ہوتا ہے اور سنت اللہ جاری ہے کہ وہ جھوٹے طمع کو زائل ہی کر دیتا ہے۔ بہت سے ریاکاروں کی چندروز کی چمک ظاہر ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد نیست و نابود بھی ہوگئے نام رہا نہ نشان قبروں پر گدھے کھڑے ہگتے ہیں اور جو خلوصِ قلبی سے حسنات کرتے ہیں نہ ان کو کسی کے اچھا کہنے کی پروا نہ برا کہنے کی اور وہ سات پردوں میں بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔

خدا پاک ان کو دنیا میں قبولیتِ عامہ عطا کرتا ہے۔ بنی آدم کے دلوں میں میلان و محبت پھونک دیتا ہے۔ وہ دنیا میں عرصہ دراز تک نیک نامی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ع نمے گنجد اندر خدائی خودی۔ جو خدائے جبار و جلیل بقاء و کبریائی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو غیرتِ الٰہی اس کو مٹا ڈالتی ہے جن کی بقا اپنی ہستی مٹانے کے بعد ہوئی ہے وہ اسی کی بقاء سے ہمیشہ باقی رہا کرتے ہیں۔ ریاکار نماز میں خدا کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کو کرتے ہیں جن کو یہ سجدہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہائے ہائے ان کا معبودِ اصلی اہلِ دنیا اور دنیا ہوتی ہے اور اسی طرح جو لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور فضول خرچی میں برباد ہو جاتے ہیں آخر ان کی شہرت بھی خاک میں مل جاتی ہے۔ دو دن کے بعد اس کی فضول خرچی کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔

الغرض شہرت اور نمود نہایت بیکار چیز ہے جس سے کوئی فائدہ دینی و دنیاوی نہیں اور اس کی طلب امراضِ نفسانیہ میں سے بڑا سخت اور

مہلک مرض ہے۔ اس مرض اور جملہ امراض سے رسول پاک نے لوگوں کو شفا بخشی تھی اور اس نجاست سے پاک کر دیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے ویزکیھم۔

اب ایک تیسرا اصل الاصول اور بیان فرماتا ہے فقال ویمنعون الماعون کہ وہ جو ماعون کو منع کرتے ہیں ان کی خرابی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو نظرِ توحیدی سے محجوب ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے ماعون کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابوبکر و علی و ابن عباس و ابن الحنیفۃ و ابن عمر رضی اللہ عنہم و حسن و سعید بن جبیر و عکرمہ و قتادہ و ضحاک رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کس لیے کہ بندگی جو تہذیب نفس اور تنویر روح کا سبب ہے اس کی دو قسم ہیں۔ اول جانی سو وہ نماز ہے دوم مالی وہ زکوٰۃ ہے۔ اس لیے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر آیا۔ (۲) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ماعون وہ چیز ہے کہ جس کو عادتاً مانگنے پر رد کا نہیں جاتا اور جس کو امیر و فقیر دونوں بوقتِ ضرورت مانگ لیا کرتے ہیں اور جو اس کو نہ دے وہ بدخلق اور لئیم الطبع اور دوں ہمت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کدال، پھاوڑا، ڈول، رسی، چھلنی، نمک، آگ، پانی، ہانڈی وغیرہ استعمال کی چیزیں اور ماعون فاعول کے وزن پر معن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی حقیر چیز جیسا کہ برتنے کی چیزیں۔ اور زکوٰۃ کو بھی اسی لیے ماعون کہا جاتا ہے کہ وہ کل مال کا چالیسواں حصہ ہے جو کل کی نسبت بہت ہی تھوڑا ہے بخل اور دناءت کی ممانعت کرنا مقصود ہے جو بندے اور خالق میں حجاب اکبر ہے اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں ایسی چیزیں رہیں جو ہمسایہ کے کام آئیں۔ اور سر اس کا یہ ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع نہیں ہو سکتیں پھر جن پر تجلیِ انوارِ الٰہی ہے وہ اسی کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں۔ کما قال والذین آمنوا اشد حباً للہ پھر یہ محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو بھی نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا کے گھر کے آدمی یعنی غلام سمجھا کرتا ہے خواہ کوئی نمک حرام اور نافرمان ہی غلام کیوں نہ ہو مگر اس کی حاجت روائی اور کار براری بھی یہ اسی محبت سے عمدہ جانتا ہے۔ اس لیے اپنی جان سے مال سے دریغ نہیں کرتا، حاجتمندوں کے لیے یہ وقف ہوتا ہے اور جس کو اس کی محبت نہیں تو اس کے دل میں دنیا کی محبت بھر جاتی ہے۔ دنیا کے اسبابِ معاش اس کے دل میں جگہ پائے ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی محبوب چیز کو کسی کو دینا اور اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا اور اسی کو بخل کہتے ہیں اور یہ حالت بندے اور خدا تعالیٰ میں ایک بڑا پردہ ہے۔

یہ حالت سخت ظلمت ہے مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور مرتے وقت ہر ہر شے کی محبت اس کی جان کو عذابِ الیم ہو گی اور اس لیے بخیل مرنے سے بہت ڈرتا ہے اس کی روح اس عالم کی طرف جانے کا نام سن کر لرزتی ہے۔ کس لیے کہ وہ تو اسی خسیس جہان پر فریفتہ ہے اول تو دوسرے جہان کا یقین نہیں کس لیے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، کان بہرے ہیں، دیوار حائل ہے اور جو یقین بھی ہو تو وہاں کا چور ہے جاتے ڈرتا ہے...... اس جملہ ویمنعون الماعون میں بخل کی برائی بیان ہے جو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری بات ہے اسی لیے بخیل کو کبھی خدا تعالیٰ کا قرب میسر نہیں آتا ۔

بخیل ار بود زاہدِ بحر و بر بہشتی نباشد بحکمِ خبر

سبحان اللہ کس عمدہ پیرایہ میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور حکمت کے فنون سکھائے گئے ہیں اس قدر مختصر کلام میں یہ مضامین اور پھر الفاظ کی فصاحت' کلام کی بلاغت بڑا اعجاز ہے۔

فائدہ: سورۃ کے الفاظ میں کسی شخص کا ذکر نہیں بلکہ عموماً طبائع انسانیہ کے رذائل بتلائے گئے ہیں جو اس کو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں خواہ وہ ابوجہل میں ہوں' خواہ ابولہب میں' خواہ امیہ بن خلف میں' یا عاص بن وائل میں یا مدینہ کے منافق عبداللہ بن ابی میں اور در اصل ان لوگوں میں یہ رذائل موجود تھے۔ یتیم کے جھڑکنے کی بابت ابوجہل کا ایک قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فریبی جب کوئی دولت مند مرنے کو ہوتا تو اس

کے پاس جا کر کہتا کہ اپنا مال مجھے سپرد کر دے ورنہ تیرے بال بچے بعد میں اور وارثوں کے سبب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ اس کو دے دیا کرتا تھا پھر یہ اس کے یتیم بچوں کو صاف صاف جواب دیتا اور جھڑک کر نکال دیتا تھا۔ چنانچہ ایک یتیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میری طرف سے چل کر فرمایئے۔ آپ تشریف لے گئے اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہو گیا اور یتیم کو مارنے اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اس کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی جس میں ان قبائح کی برائی ہے۔

(اللہ اکبر)

سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣

اے پیغمبر ہم نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے پھر اسی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو تمہارا بدخواہ ہی پس بریدہ ہے۔

ترکیب : انامبتدء اعطیناك[1] خبر والکاف مفعول اول لاعطینا الکوثر مفعول ثان۔ والکوثر علے وزن فوعل من الکثرۃ وصف بہ للمبالغۃ فی الکثرۃ مثل النوفل من النفل والجوھر من الجھر والعرب تسمی کل شیء کثیر فی القدر اوالعدد والبرکات کوثرا۔ فصل الفاء لترتیب مابعدھا علی ماقبلھا اوللتفریع صل امر لربك متعلق بصل۔ وانحر عطف علی صل ان اسمھا شانئك اسم الفاعل من الشنان لامن الشنین فان اسم الفاعل منہ شائن لاشان والشانیٔ المبغض العدو ھو فصل اوتاکید الابتر خبران وقیل ھو مبتدء والابتر خبرہ والجملۃ خبر ان الابتر افعل من البتر بمعنی القطع من الاصل۔ یقال بترتہ ابترۃ بترا و لابتر من الرجال من لاعقب لہ من النسل وذکر الخیر ومن الدواب مالاذنب لہ۔

تفسیر : یہ سورہ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن الزبیر و عائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل اور کلبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں مگر قتادہ اور مجاہد و عکرمہ و حسن بصری کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اول قول جمہور کا ہے اور قوی تر ہے اس میں تین آیت ہیں۔

ربط۔ اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ ماعون سے یہ ہے کہ سورۂ ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمناً بتلایا گیا تھا کہ ایسے بھی محروم اور بدبخت بنی آدم ہیں کہ جن کو اس حکمت میں سے کچھ بھی نصیب نہیں یا بعض اقسام نصیب نہیں وہ دنیا میں آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے نہ وہاں کے لیے کچھ خیر لے گئے نہ دنیا میں زندہ نام اور یادگار چھوڑ گئے۔ یہ لوگ دراصل ابتر یعنی بے نسل اور دم بریدہ ہیں جس سے کفار مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جن پر ازلی بدبختی سوار تھی ابوجہل وغیرہ۔ اب اس سورۃ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جن کو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی اور ان کے سینوں سے اوروں کے لیے حکمت کی نہریں نکلی ہوئیں تاقیامت یادگار باقی رہیں گی اور ان کا دل حکمت کا حوض یا دریائے بے پایاں ہے اور دراصل حکمت ہی خیر کثیر ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ اس میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بانصیب اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے زمانہ میں آپ اور آپ کے جانشین اور متبعین ہیں اس لیے اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان جملہ فنون سے فیضاب ہونا بیان فرماتا ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کا فیض تاقیامت جاری رہے گا جس سے بنی آدم کے نیک لوگ آپ کو ہمیشہ نیکی سے یاد کیا کریں گے۔ واعظین اپنے منبروں پر اور مصنفین اپنی کتابوں میں ابد تک آپ کی ثناء وصفت کریں گے اور آپ کی ذریت دنیا میں پھیل گئی اور کبھی منقطع نہ ہوگی

[1] وقراء طلحۃ والزعفرانی وانس وابن محیض انطیناک بالنون وھی بمعنی قعطینا لک فی لغۃ العرب العاربۃ۔ ۱۲ منہ

اور ان احمقوں کے نزدیک جو سلسلہ جاری رہنے کا باعث خاص صلبی بیٹوں پر منحصر ہے اور تیرے دو صلبی بیٹوں [1] کے فوت ہو جانے سے جو خدیجۃ الکبریٰ کے پیٹ سے تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے ان کا خوش ہو کر یہ کہنا کہ چلو سلسلہ منقطع ہوا ان کے بعد کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔ اب یہ ابتر ہو گئے محض بیہودہ خیال ہے۔ دراصل یہی ابتر یعنی مقطوع السلسلہ ہیں ان کے پیشاب کے بیٹے ان کا نام زندہ رہنے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ بعض مفسرین نے خاص اسی بات کو (کہ آپ کے فرزند کے مرنے کے بعد کفار قریش نے آپ کو ابتر کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ آپ کے رنج و ملال کا باعث تھا جس کے دور کرنے کو سورۂ کوثر نازل ہوئی) سبب نزول قرار دیا ہے لیکن سبب نزول وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا۔

اس سورہ مبارک کی تین آیت ہیں اور ہر ایک میں اسرار و لطائف ودیعت رکھے ہیں۔ فرماتا ہے انا اعطیناک الکوثر کہ ہم نے نہ کسی اور نے تجھے جو تیری ہمیشہ سے تربیت کرتے رہے ہیں کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر کی تحقیق | کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے لغت میں معنی ہیں بہت زیادہ کے۔ جس سے مراد خیر کثیر یعنی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری اور نعمت اور برتری ہے اور معنی لغوی کے لحاظ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو حبر الامۃ ہیں اس لفظ کوثر کی تفسیر کی ہے جیسا کہ بخاری و ابن جریر و حاکم نے اور اسی طرح ترمذی و امام احمد و ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔

اور وہ خیر کثیر حکمت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور پھر یہ لفظ کوثر بس کے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک قسم کی خیر کثیر کو شامل ہے مفسرین نے ہر ایک خیر کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے اس لیے اس بارہ میں ان کے پندرہ قول ہیں جن کو امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح و بسط سے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ ان کا یہ ہے۔ (۱) وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش پکاریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑان سینکڑوں کوس کا ہوگا، اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ جو ایک بار پئے گا پھر عرصات میں اس کو پیاس نہ لگے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و اہل بیت لوگوں کو پلائیں گے۔ تمام اولین و آخرین پیاس کے مارے ادھر ہی دوڑتے چلے آئیں گے جو سعید ہیں اس سے فیضاب ہوں گے اور شقی محروم کئے جائیں گے۔

یہ اس حکمِ الٰہیہ کا مظہر ہے جو آپ کے دل فیض منزل میں بھر دی گئی تھی اور حوضِ دل کا مظہر حوضِ کوثر ہوگا جس کی وسعت کی کچھ انتہا نہ تھی پلانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو دنیا میں اس حکمت کے جام پلاتے تھے پھر جس نے دنیا میں آپ کے حوضِ حکمت کا جام پیا وہ وہاں بھی پئے گا اور جو بد بخت یہاں محروم رہا وہاں بھی رہے گا۔ اللھم اسقنا من حوضہ یہ ہے وہ حوضِ کوثر کا سر جو کج فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) کوثر وہ جنت کی نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما)۔

یہ بھی اسی نہرِ غیبی کا مظہرہ ہے جو آپ کے حوضِ قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی اور وہ حوضِ دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا۔ (۳) اولاد کی کثرت۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ جسمانی نسل بھی آپ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں صحیح جغرافیہ کے لحاظ سے ہر قوم سے زائد ہے حالانکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی ذریت کسی کی بھی نہ پھیلی اور دن بدن ترقی ہے اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تمام دنیا یا اکثر حصہ میں آپ ہی کی ذریت ہوگی۔ تو میں اسلام لے آئیں گی ولہ الحمد۔ (۴) علماء و اولیاء سو یہ بھی

[1] قاسم و عبداللہ۔ ۱۲ منہ

ایک خیرِ کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جس قدر اہلِ کمال گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحب نفسِ قدسی پیدا ہوا ہو جس کے کرامات و کمالات انہیں کے اعجاز شمار ہوتے ہوں اور دراصل کمالات کی نسل یہی لوگ ہیں مثلاً کوئی خوشنویس ہے، اس کی خوشنویسی کی اولاد وہ صلبی فرزند نہیں جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اس کا کمال نہ تھا بلکہ شاگرد رشید فرزند کمال ہے اسی طرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالاتِ نبوت اور اس کے برکات ہوں اور یہی سر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون ہوئے علیہ السلام جو ان کے فیضِ نبوت کے فرزندِ رشید تھے حالانکہ صلبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین قرار پائے جن کی نسبت......

آپ نے یہ فرمایا تھا۔ ماصبه الله في صدري صببته في صدر ابي بكر کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔ یہ نسل بھی آپ کی تا قیامت باقی رہے گی۔ (۵) نبوتِ عظمیٰ سو یہ اعلیٰ درجہ کی خیرِ کثیر ہے یہ بجز آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کوئی بھی تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا نہ اس قدر برکات و انوارِ غیبیہ کسی کے ظاہر ہوئے نہ کسی پر سلسلۂ نبوت بجز آپ کے تمام ہوا۔ (۶) قرآنِ مجید سو یہ بھی خیرِ کثیر ہے جس کے برکات کا کچھ شمار نہیں۔ (۷) کوثر دین اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات و برکات اسی پر موقوف ہیں۔ (۸) وہ فضائلِ روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے۔ (۹) آپ کی رفعتِ ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی خیرِ کثیر ہے ہر ایک کے نصیب نہیں ہوتی۔ ہزاروں اس کی تمنا میں مر گئے۔ (۱۰) آپ کے علوم جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین و آخرین کے علوم دیے گئے۔ (۱۱) کوثر آپ کا خلقِ عظیم ہے اور درحقیقت اخلاقِ حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ (۱۲) کوثر مقامِ محمود ہے جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔ (۱۳) کوثر یہ سورۂ مبارکہ ہے کل تین آیت ہیں اور بے شمار مطالب کو حاوی ہے اور جس کا مقابلہ کسی عرب کے شاعر و بلیغ سے نہ ہو سکا۔ مشہور ہے کہ جاہلیت میں فصحاء بلغاء اپنے اس کلام کو جو ان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا تفاخر سے لکھ کر کعبہ کے پردے پر لگا دیتے تھے۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور سب نے اپنے کلام اتار لیے۔ پھر کسی کو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ نے اس کے اوپر یہ لکھ دیا۔ ماھذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوتِ بشریہ کے احاطہ سے باہر ہے اور یہ اعجاز ہے اور یہ خیرِ کثیر ہے۔ (۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں۔ (۱۵) کوثر وہ اعلیٰ مقامِ قرب ہے جس سے اوپر اور مقام بندہ کو مل نہیں سکتا۔ دراصل یہ سب اقوال اسی پہلے معنی خیرِ کثیر کی تفسیرات ہیں۔

فائدہ ۱: انا اول لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ جو کچھ عطا ہے ہماری عطا ہے۔ اور نیز عاشقِ صادق کو جو کچھ فرحت معشوق کی ذات سے ہوتی ہے وہ اس کے عطیات سے نہیں ہوتی اس لیے انا فرما کر اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا۔ پھر صفات کی طرف اور یہ اعلیٰ مقام ہے اور جس کو کوثر عطا ہو اس کے مناسب ہے۔ اعطینا فرمایا آتینا نہ فرمایا کس لیے کہ دینا عام ہے خواہ کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو خواہ مفت۔ برخلاف اعطاء کے کہ وہ مفت ہوتی ہے اور کرم ہی کرم ہوتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے ہمارے فضل وعنایت سے ہے جس کا شکر یہ لازم ہے۔ پھر اعطینا ماضی کا صیغہ استعمال میں آیا نہ فعل مضارع کا تا کہ معلوم ہو کہ آپ کو دے دیا گیا نہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اور یہ بھی سمجھا جائے کہ جن چیزوں کا آیندہ ملنا ہے وہ بھی یقیناً ملیں گی گویا ایسے کریم کا وعدہ بمنزلہ دے دینے کے ہے۔ پھر کخطاب میں لفظ مفرد استعمال ہوا کم نہ فرمایا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ عطیہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اس میں اور کسی کا حصہ نہیں اور جو کسی کو حصہ ملتا ہے تو آپ ہی کے طفیل سے ملتا ہے بالاستقلال کچھ نہیں ملتا اور اس لیے کوئی کیسی ہی عبادت کرے ریاضت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن

نہ پکڑے وہ درگاہِ حق سبحانہٗ سے محروم رہتا ہے کبھی کشود کار نہیں ہوتا۔ اسی لیے صدہا جوگی فقیر جنہوں نے عمر بھر ریاضاتِ شاقہ کی تھیں اور فتوحِ غیب کا دروازہ ان پر نہ کھلا تو اسلام لائے۔ پھر یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ یہ بتلانا ہے کہ برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جن کا ذکر سورۂ ماعون میں ہوا آپ کو حکمت، وانوارِ غیبیہ سے مالا مال کر دیا گیا اور آپ دولت کو اپنی فیاضانہ طبیعت سے لوگوں کو دیتے ہیں اور وہ نہیں لیتے بجائے شکر کرنے کے لڑتے مارتے ہیں ان کو بخل و دناءت کا وصف حاصل تھا یتیم کو جھڑکتے اور کھانے کی رغبت نہیں دلاتے اور آپ کی یہ فیاضی ہے۔ یہ نعمتِ کوثر ان کے اس وصف بد کے مقابلہ میں ہے۔

پھر جس طرح تکذیب دین کا ناپاک مادہ ان میں تھا اور ان کو ویسے ہی بدافعال پر ابھارتا تھا۔ بخل و دناءت اور ناشکری ان سے سرزد ہوتی تھی اسی طرح آپ کو کوثر عطا ہے آپ کو اس کے موافق کام کرنا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ (۱) فصل لربك کہ خاص اپنے رب کے لیے نہ کسی غیر کے لیے نماز پڑھیں، شکر یہ کریں اور نماز کو کوثر سے کمال مشابہت بھی ہے کس لیے کہ اس میں اپنے خالق سے مناجات و عجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور جو اس میں انوارِ غیبیہ چمکا کرتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید اور روشن ہیں اور دل کو جو یقین و سرور اس میں حاصل ہوتا ہے وہ برف سے زیادہ سرد ہے اور آداب و سنن نماز کے ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پڑیوں سے مشابہ ہیں جو حوضِ کوثر کے اردگرد ہوں گے اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ہر رکن میں مقرر ہیں ان جواہرات کے آب خوردن اور پیاسوں سے مشابہ ہیں کس لیے کہ ان سے بھر بھر کر شرابِ محبتِ الٰہی پی جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

اور نیز یہ ان بدبختوں کے اس فعل کے مقابلہ میں ہے الذین ھم عن صلاتھم ساھون کہ وہ اپنی نماز سے بےخبر ہیں اور لربك کا لفظ یراء ون کے مقابلے میں ہے کہ وہ دکھاوے کو کرتے ہیں۔ آپ نماز اور ہر کارِ نیک اپنے رب کے لیے کیجئے۔ اور یہ بھی ہے کہ شکرانۂ نعمت جان سے بھی کرنا چاہیے وہ نماز پڑھنا ہے اور مال سے بھی۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا وانحر کہ اس کے لیے قربانی بھی کیجئے جو جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اور اس سے فقراء کو نفع بھی پہنچتا ہے۔ یہ ان کے اس بخل کے مقابلہ میں ہے ویمنعون الماعون کہ وہ لوگوں کو برتنے کی چیزوں سے بھی منع کرتے ہیں جس میں کوئی حرج ان کا نہیں تھا۔

فائدہ: انحر سے مراد جمہور کے نزدیک قربانی کرنا ہے پھر عام ہے کہ حج میں ہو یا عید الضحیٰ کے روز یا عقیقہ میں جیسا کہ صل سے نماز پڑھنا عموماً مراد تھا۔ نماز فرض اور نفل اور نمازِ عید و نوافل سب کو شامل تھا یہ اس لیے کہ مکہ میں اس وقت نماز بھی فرض ہو چکی تھی اور نوافل بھی آپ بکثرت پڑھتے تھے اور قربانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے چلی آتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ کفارِ قریش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ میں تحریف کر دی تھی۔ نماز میں صرف تالیاں بجانا اور کودنا ہی رہ گیا تھا اور وہ بھی بتوں کے آگے اور اسی طرح قربانی بھی بتوں کے لیے کرنے لگے تھے اس لیے اس آیت میں انہیں دونوں اصولِ عبادت کی اصلاح کے لیے فرما دیا اپنے رب کے لیے نماز پڑھ ان قواعد سے جو تجھے بتائے گئے اور قربانی بھی اپنے رب کے لیے کر نہ غیر اللہ کے لیے اور اس قربانی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کر اپنی ذات کو اس کی ذات میں فنا اور محو کر دو اور یہ روحانی قربانی ہے جو خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کا حصہ ہے اور اسی طرح ان کی نماز بھی رب کے لیے ہے نہ ثواب کے لیے نہ عذاب سے بچنے کے لیے محض اس کی ذات پاک کے لیے۔

بعض علماء انحر سے مراد نماز کے متعلق افعال لیتے ہیں جیسا کہ صل سے شکر گزاری کرنا مراد لیتے تھے پھر ان کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ دعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا۔ (۴) جلسۂ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جائے۔ واحدی فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کی اصل یہ ہے کہ نحر سینے کو کہتے ہیں (نحر شتر کشتن و بریدنِ سینہ و بر سینہ زدن و در سینہ شدن نحر و منحر بالفتح پیش سینہ (صراح) اونٹ کی قربانی بھی سینہ کے پاس سے یعنی اس کے حلقوم

کی جڑ سے ہوتی ہے جو سینہ سے ملا ہوتا ہے اور رفع الیدین میں بھی سینہ تک ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے۔ مگر قربانی کرنے کے معنی اس جگہ مراد ہیں اور یہی قول قوی ہے کس لیے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا اکثر جگہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور قربانی بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے۔ دوم۔ مشرکین بتوں کے لیے نماز پڑھتے تھے، سجدہ و رکوع کرتے تھے اور انہیں کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے جیسا کہ اب مشرکین ہند بتوں کو بکرا چڑھاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں تاکید کر کے مشرکوں کو سنا دیا گیا کہ یہ فعلِ بد ہے۔ ہر عبادت کا مستحق حق سبحانہٗ ہے اور اہلِ توحید کا یہی دستور ہے۔ اور رفع الیدین وغیرہ آداب صلوٰۃ تو فصل میں آ گئے۔ پھر ان کے بالخصوص ذکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ سوم عبودیت کی دو ہی باتیں ہیں اول تعلیم امر اللہ دوم شفقت بر خلقِ خدا۔ پس فصل میں پہلی بات کی طرف اور وانحر میں دوسری طرف ایما ہے۔ چہارم انحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے معنی میں مستعمل ہے اور معنی پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔

سعادت کے طریقے بیان فرما کر یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ یہ سعادت آپ ہی کے اتباع میں حاصل ہے کس لیے کہ آپ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور جو آپ سے محبت نہ رکھے بغض و عداوت رکھے وہ دین و دنیا میں نامراد ہے۔ اس لیے فرماتا ہے ان شانئك هو الابتر کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے عداوت رکھنے والا جو دراصل اللہ تعالیٰ سے عداوت و بغض رکھتا ہے وہی پس بریدہ ہے جس کا بعد میں کوئی عملِ صالح دنیا میں باقی نہیں نہ اس کا کوئی نام لینے والا نہ اس کے بعد میں اس کا سلسلہ جاری ہے یعنی جمیع اقسام حسنات سے محروم ہے اور بحمد اللہ آج تک کہ تیرہ سو چودہ برس ہوئے یہ پیشین گوئی آفتاب کی طرح روشن چلی آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور توہین کرنے والے جو آپ کے عہد میں تھے کیا کیا مصیبت دیکھ کر مرے اور پیچھے نام نہ رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزندوں کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل سہمی وغیرہ کفارِ مکہ نے آپس میں یہ کہا تھا کہ یہ ابتر یعنی اوت نپوت ہے۔ حق سبحانہٗ اپنے حبیب کی طرف سے آپ جواب دیتا ہے کہ دراصل وہی اوت نپوت ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ① لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ② وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ③ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ④ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ⑤ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ⑥

ع ۲۲

(اے پیغمبر!) کہہ دو اے کافرو نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کرو گے۔ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

ترکیب | یاایها حرف النداء الکافرون النادی لااعبد الخ نداء والجملة مقولة قوله قل وفی تکریر قوله لااعبد الخ ولا انا عابد الخ قولان الاول التکریر للتاکید والمقام مقام التاکید لان الکفار یطلبون منه صلی اللہ علیه وسلم عبادة اصنامهم بالاصرار والثانی ان الاول للمستقبل والثانی للحال لان لا لاتدخل الاعلی المضارع بمعنی المستقبل فقوله لااعبد الخ معناه لااعبد فی المستقبل ماتطلبونه منی من عبادة اصنامکم ولا انتم فاعلون فی المستقبل ما ارید منکم من عبادة ربی وقیل علی العکس وفی ما سوال لانها غیر ذی العقول فکیف یصح قوله مااعبد فانه صلی اللہ علیه وسلم یعبد اللہ تعالیٰ وهواعلم العالمین والجواب منه علی وجهین الاول ان ما مصدریة فی الجملتین کانه قال لااعبد عبادتکم ولاتعبدون عبادتی لافی الحال

ولا فی الاستقبال والثانی ما بمعنی الذی والعائد محذوف وقیل الاولیان بمعنی الذی والاخریان مصدریتان دینکم مبتداء موخر لکم خبر مقدم دین اصلہ دینی حذفت النون لتوافق رؤس الآیات وبقیت الکسرۃ علامۃ علیھا۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حسن وعکرمہ کا بھی یہی قول ہے مگر قتادہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ وضحاک کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اس کی چھ آیت ہیں۔

ربط | ربط اس سورہ کا سورۂ کوثر سے یہ ہے کہ سورۂ کوثر میں آپ کو بشارت دی تھی کہ آپ ہر طرح دین و دنیا میں کامیاب ہیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت وشوکت عالمِ غیب میں ٹھہر چکی ہے اس سے آپ کو اطمینانِ کلی اور ہمت دلائی تھی تاکہ دنیا بھر کے مخالفوں کی کثرت وشوکت کا کچھ بھی دل میں اثر نہ ہو اس لیے آپ کا دل قوی کر کے اس سورہ میں اس وقت کے تمام دنیا کے لوگوں کو جو کفر و بت پرستی کی اندھیریوں میں سرگرداں تھے اور اپنے دین وملت پر نازاں تھے اعلانِ عام کھلے کھلے الفاظ میں دلایا جاتا ہے کہ تم کافر ہو۔ اور میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہ کروں گا اور نہ تم میرے معبودِ برحق کی بلا شائبہ شرکت عبادت کرنے والے ہو۔

اور شانِ نزول بھی اسی مضمون کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ شانِ نزول یہ ہے کہ کفارِ قریش کی ایک جماعت نے جن میں ابوجہل و عاص بن وائل و ولید بن المغیرۃ و اسود بن عبد یغوث و اسود بن عبد المطلب بھی تھے عباس رضی اللہ عنہ کی معرفت یہ کہلا کر بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی اور ان کی پرستش کی برائی کرنی چھوڑ دیں۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنائیں اور اگر مال مقصود ہے تو مال چندہ کر کے دیں اگر عورت سے شوق ہو تو عورت جو تمام قبائلِ قریش میں حسین ہو وہ آپ کو دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور راہِ راست اختیار کر لو۔ اس کے بعد پھر یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی کریں گے اس وجہ سے باہم تفرقہ نہ ہوگا نہ کوئی رنجش پیش آئے گی ورنہ آپ کو ہمارے معبودوں سے الگ ہو کر برا کہنے اور توحید جاری رکھنے میں بڑی بڑی مصیبتیں دیکھنی پڑیں گی۔ اس کے جواب میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں صاف صاف کہہ دیا کہ تم کافر ہو مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔

فرماتا ہے قل کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دے۔ ہر چند آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اور اسی کے فرمانے سے مگر اس جگہ اور اس کے بعد اور تین اخیر کی سورتوں میں اس لفظ قل کا ابتداء میں لانا ایک خاص رمز ہے اس جگہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے تم کو کافر نہیں کہتا نہ از خود تمہارے بتوں کی پرستش کو برا کہتا ہوں بلکہ مامور ہوں اور اس کہنے میں بے اختیار ہوں۔ پھر میرا کہنا نہ ماننا بلکہ مجھے ستانا تمہاری زیادتی اور صریح ظلم ہے ورنہ پہلے بھی تو میں تمہیں میں رہا کرتا تھا پہلے نہ کچھ کہہ دیا اس بات کو سوچ لو کہ تم مریض ہو اور میں تمہارے علاج کے لیے تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جس نے اپنی رحمت سے مجھے بھیجا ہے اور حکیم کا فرض ہے کہ جو کچھ مریض میں مرض ہو اس کو بیان کر دے، بیمار کے برا ماننے کی پروا نہ کرے تاکہ بیمار متوجہ ہو کر علاج کرائے اس لیے اس کے بعد یا ایہا القوم نہ فرمایا بلکہ یا ایہا الکافرون کے خطاب سے مخاطب کیا کہ تم کفر کے مرضِ مہلک میں گرفتار ہو اور بجائے ازالۂ مرض کے خود حکیم کو اپنے مرض میں شریک کرنا چاہتے ہو۔ لوسن لولا اعبد ما تعبدون میں ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو۔ میں خاص خالق کی عبادت کرتا ہوں اور وہی عبادت کرنے کے لائق ہے اور تم مخلوق کی عبادت کرتے ہو۔ کہیں ستاروں کی، کہیں ارواحِ غیر مرئیہ جن اور بھوت اور ملائکہ اور ارواحِ حضراتِ انبیاء واولیاء کی، کہیں اجسامِ علوم کے نفوس کی اور کہیں اجسام واصنام کی، کہیں عناصر کی، کہیں بنی آدم کے محترم لوگوں کی، کہیں ہوا، پانی، خاک، آگ کی، کہیں نباتات کی، کہیں حیوانات کی اور لطف یہ کہ ان چیزوں کی عبادت کو حق سبحانہٗ کی عبادت اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہو اور مخلوق کو خدا جانتے ہو اس لیے ان سے حاجات طلب کرتے ہو، دہائی دیتے ہو، مدد مانگتے ہو،

نذر و نیاز کرتے ہو، یہ بت پرستی ہے نہ خالق پرستی۔ اور بلا شرکت خاص خالق کی عبادت کو تم بیکار جانتے ہو۔ یہ بلا نہ صرف عرب میں تھی بلکہ اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، یورپ، افریقہ سب ممالیک اور سب قومیں عیسائی، یہودی، پارسی، ہنود اس بلا میں گرفتار تھے اس لیے آپ نے بآواز بلند کہہ دیا کہ میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا۔

مگر اے سیاہ باطنو! تم بھی تو میرے معبودِ برحق کی عبادت نہیں کرتے۔ فقال ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ہو۔ کس لیے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ہم ان اشیاء کو جہت قبلہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں اور دراصل عبادت اللہ ہی کی کرتے ہیں غلط خیال ہے۔ کس لیے کہ دراصل یہ عبادت انہیں معبودوں کی ہے نہ میرے معبودِ برحق کی۔ وہ اس قسم کی عبادت سے بری ہے۔

اور آئندہ بھی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اس لیے فرمایا ولا انا عابد ما عبدتم اور نہ میں آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور مجھے تو تم سے یہ توقع نہیں۔ ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم اس کی عبادت کرو جس کی میں کرتا ہوں۔ اس میں ان کفار کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تقدیر میں کفر پر مرنا مقرر ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا گیا تھا ان کو سمجھانا صرف حجت کا کام تمام کر دینا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی نسبت یہ ارشادِ الٰہی ہو چکا ہے ختم اللہ علی قلوبھم کہ ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور وہ لوگ جو بالفعل کافر ہیں اور آئندہ ایمان لانے والے ہیں وہ دراصل ازلی کافر نہیں وہ تو ہزاروں ایمان لائے اور خالص اللہ کی عبادت کرنے لگے سو اس جملہ میں وہ مراد نہیں نہ اس سے پہلے جملہ میں۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ دو بار اس جملہ کا لانا محض تاکید کے لیے ہے کیونکہ وہ حضرت ﷺ سے اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں آپ ہمارے معبودوں کی کیجئے تا کہ نفع ونقصان میں برابر ہو جائیں اور بار بار اس پر اصرار کرتے تھے اس لیے دوبارہ فرمایا گیا اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ مخاطب کے حال کے موافق کلام کیا جائے جس طرح ہماری زبان میں تاکید کے لیے کہہ دیتے ہیں میں نہیں کروں گا۔ میں نہیں کروں گا لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جملہ لا اعبد ماتعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد میں حال کی نفی تھی کہ بالفعل نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور دوسرے جملہ ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد میں استقبال کی نفی ہے کہ نہ آئندہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔ بعض کہتے ہیں اول جملہ استقبال کے لیے تھا اور یہ حال کے لیے ہے۔

جب یہ اتحاد یک لخت منقطع ہو گیا تو صاف صاف علیحدگی کی بھی خبر دے دی۔ فقال لکم دینکم تمہارے لیے تمہارا طریقہ پسند ہے کہ اسی پر چلتے ہو ولی دین اور مجھے اپنا طریقہ پسند ہے اسی پر چلوں گا اور چلتا ہوں۔

فائدہ ۱: اس زمانہ میں تمام دنیا کفر و بت پرستی کی نجاستوں سے بھری ہوئی تھی اور انسانی بدی کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں روشنی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اصولِ ملتِ بیضاء ارکانِ طریقتِ حنفیہ مٹ چکے تھے اور اہلِ کتاب کے مذہب میں جو کسی قدر چمک تھی اس پر بھی دنیا پرست احبار اور راہبوں نے گرد و غبار ڈال رکھا تھا ایسا دعویٰ کر دینا اور برملا اشتہار کفر جاری کر دینا نہ اس وقت کوئی ظاہری سامان نہ یار و انصار بلکہ اپنا شہر اور خاندان ہی دشمن نہ کسی بادشاہِ وقت کی مدد نہ کسی حکومت کا سہارا۔ اگر اس تائیدِ غیبی اور عطائے کوثر کا اثر نہیں کہ جس کا ذکر یسعیاہ علیہ السلام نے بطریقِ پیشین گوئی کے فرمایا ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا طلب کبھی ایسا نہیں کر سکتا وہ اگر ایک قوم کو مخالف کرتا تو دوسری کو موافق بھی بنا لیتا ہے۔ اور پھر اخیر تک آپ اس دعوے پر ایسے قائم رہے کہ دنیا کی مصائب اور قبائل کی مار دھاڑ، قتل و ضرب نے کچھ بھی جنبش نہ دی یہ دلیل ہے کہ آپ مؤید من اللہ تھے۔

فائدہ ۲: بعض علماء اس سورہ یا اس آیت لکم دینکم ولی دین کو منسوخ بتلایا کرتے ہیں بلکہ منسوخ الحکم کی مثال میں پیش کیا کرتے

ہیں اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں جہاد ترک کر کے بیٹھ رہنے کا حکم ہے اور آیت قتال و جاھد الکفار الآیہ میں ان سے جہاد کا حکم ہے کہ ان کو ان کے دین سے مجبور کر کے اسلام کی طرف لاؤ اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالو۔ اس لیے یہ سورہ منسوخ اور آیت قتال ناسخ ہے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کس لیے کہ اس سورہ میں کہیں نہیں کہ کفار کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے اور لکم دینکم کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔ دوم: اس سورہ میں حکم نہیں بلکہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوا کرتی اور اب بھی یہی بات ہے کہ اہل اسلام کفار کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے نہ کریں گے وہ اللہ جل وعلا کی خالص توحید محمدی سے عبادت کرتے ہیں کفار کو اپنا دین پسند ہے مسلمانوں کو اپنا دین پسند ہے بلکہ بوقت جنگ بھی یہی بات ہے پس محققین کے نزدیک یہ سورہ محکمہ ہے نسخ کا اس میں دخل بھی نہیں ہے۔

ف ۳۔ احادیث صحیحہ میں اس سورہ کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ از انجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن وقل ھو اللہ تعدل ثلث القرآن وقل یاایھا الکافرون تعدل ربع القرآن رواہ الترمذی۔ کہ ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصف قران کے برابر ہے اور قل ھو اللہ ثلث قرآن کے برابر ہے اور قل یاایھا الکافرون ربع قرآن کے برابر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کل قرآن میں یا نیک باتوں کا حکم ہے یا بری باتوں سے ممانعت ہے۔ اور ہر ایک کی دو دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان باتوں کا حکم ہے جو دل سے متعلق ہیں یا ان کا جو اعضاء سے متعلق ہیں اور اسی طرح ممانعت یا تو افعال قلبیہ سے ہے یا افعال جوارح سے۔ یہ چار قسم ہوئیں اور اس سورہ میں صرف ان باتوں سے ممانعت ہے جو قلوب سے متعلق ہیں اور وہ شرک ہے اور گو بظاہر عبادت غیر اللہ اعضاء سے بھی متعلق ہے مگر محرک دراصل دل ہے اس وجہ سے اس سورہ کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا۔

احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوفل بن معاویہ اشجعی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا قل یاایھا الکافرون پڑھ کر سویا کر کس لیے کہ یہ شرک سے برأت ہے یعنی دل سے پڑھنے والا شرک سے بری ہوجاتا ہے۔ اگر مر گیا تو توحید پر مرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو تو میں تمہیں ایسا کلمہ بتلاؤں جو شرک سے بری کردے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا سوتے وقت قل یاایھا الکافرون پڑھ لیا کرو۔ اخرجہ ابویعلی والطبرانی۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد۔ یہ سورہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور یہی جمیع عبادات کا اصل الاصول ہے۔

سورہ نصر مدینہ میں نازل (اللہ اکبر) ہوئی اور اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

جبکہ اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح کر دستائش کے ساتھ اور اس سے معافی مانگو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ترکیب | اذا منصوب بجاء وقیل یسبح نصر الله مصدر مضاف الی الفاعل والمفعول محذوف ای نصرہ ایاک اوالمؤمنین وھذا فاعل جاء ومعناہ حصل وانما عبر بہ بالمجی تجوز اللا شعار بان نصرہ یقینی وقد قرب حصولہ والفتح عطف علی نصر الله ورایت عطف علی جاء ورایت ان کان بمعنی العلم فمفعولہ الاول الناس والثانی یدخلون وان کان بمعنی ابصرت فیدخلون حال۔ وعلی التقدیرین افواجا حال فاعل یدخلون ای فوجا بعد فوج فسبح الخ جواب الشرط بحمد ربک فی محل النصب علی الحال ای سبح الله حامدالہ اومتلبسا بحمدہ ای قل سبحان الله بحمدہ واستغفرہ عطف علی سبح انہ کان الخ تعلیل لقولہ استغفرہ ای لان من شانہ قبول التوبۃ۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی مگر ابو یعلی و بزار و بیہقی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ ایام التشریق بمقام منیٰ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ میرے لیے ادھر کا پیغام ہے یعنی آپ جس کام کے لیے بھیجے گئے تھے اب وہ پورا ہو چکا یا ہو چکنے کو ہے۔ دنیائے دنی آپ کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اب ہماری طرف توجہ کیجئے، تسبیح کہیے اور حمد بیان کریں اور امت کے لیے استغفار کیجئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عمر رضی اللہ عنہ بدری لوگوں کے ساتھ بلایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کو برا معلوم ہوا کہ یہ بچہ ہے ہمارے ساتھ اس کو کیوں بلایا کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لیے کہ اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں پھر ایک بار مجلس میں بلایا اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان سے سوال کیا کہ اس آیت کے تم کیا معنی بیان کرتے ہو۔ اذاجاء نصر الله والفتح لوگوں نے کہا یہ کہ جب ہم کو فتح و نصرت نصیب ہو تو اس کی تسبیح کریں اور معافی مانگیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ مطلب نہیں بلکہ علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی جو آپ کو بتلائی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں (رواہ البخاری)۔ اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے یہ کہ سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی مہینے پہلے نازل ہوئی ہے اس میں تین آیت ہیں۔

اس سورہ کو قل یاایہا الکافرون سے یہ ربط ہے کہ سورۂ کافرون میں بے دغدغہ اعلان تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور تم بت پرست کافر ہو۔ اور اس سے پہلے سورۂ کوثر میں یہ مژدہ عطا ہو چکا تھا کہ آپ کو کوثر عطا ہوا ہے۔ آپ کی ذریت اور اتباع کی کثرت ہو گی۔ اب اس سورہ میں تسلی دی جاتی ہے کہ آپ اس اعلان کے بعد کفار کے غلبہ سے خوف نہ کریں گو ہر طرف وہی محیط ہیں قریشِ مکہ اور جمیع قبائلِ عرب سے یہود و نصاریٰ و مجوس تک سب آپ کے بدخواہ ہیں مگر آپ کچھ بھی پروا نہ کریں آپ کے لیے اللہ کی مدد اور فتح تیار ہے۔ ایک دن آنے والا ہے گویا آ ہی چکا ہے کہ آپ کا دین غالب آ جائے گا، کفر کو شکست ہو جائے گی، بت پرستی منہ موڑ کر بھاگے گی اور اس کفر و بت پرستی کے حمایتی مغلوب ہو جائیں گے اور گروہ کے گروہ لوگ آپ کے دین میں داخل ہوں گے اور وہ آپ کے کام کا اخیر ہوگا تب ہماری طرف آنے کی تیاری کیجئے۔ تسبیح و تحمید اور امت کے لیے استغفار کی کثرت کیجئے۔ چنانچہ اس بشارت کے موافق واقع ہوا جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔ اس مناسبت یہ سورۂ قل یاایہا الکافرون کے بعد رکھی گئی۔

فقال اذاجاء نصر الله والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آ چکی اور تم نے اے نبی علیک السلام لوگوں کو خدا کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا کہ آج ایک جماعت اسلام لائی، کل دوسری قوم اسلام لائی۔ آیت میں چار باتیں بیان فرمائیں۔ اول۔ اللہ کی نصر کا آنا۔ دوم، فتح کا حاصل ہونا۔ سوم، لوگوں کا دینِ الٰہی میں داخل ہونا۔ چہارم، ایک ایک دو دو کا نہیں بلکہ جماعتوں کا اور قوموں کا دین میں داخل ہونا۔

نصر و فتح | اب ہم ان چاروں باتوں کی تشریح کرتے ہیں تا کہ کلام الٰہی کے معنی خوب طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ نصر: تحصیلِ مطلوب میں اعانت (فتح) تحصیلِ مطلوب یعنی مقصود کا حاصل کر دینا اور نصر فتح کا سبب ہوتا ہے اس لیے نصر کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ پھر اعانت عام ہے، کبھی اسبابِ ظاہری کے پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جیسا کہ مخالفوں پر فتح پانے میں لشکر، عوان و انصار کا موجود

کر دینا یا جو لشکر کو کارآمد چیزیں ہوتی ہیں ان کا موجود کر دینا، ہتھیار اور خوراک وغیرہ یا مخالفوں کی مدافعت کے اسباب پیدا کر دینا، ان میں بزدلی اور ہیبت اور سوءِ تدبیری پیدا کر دینا اسی لحاظ سے ہر کے معاملہ میں فرمایا ہے۔ وماالنصر الامن عندالله العزيز الحكيم۔ اور یہی حال ہے انسانی خدمات کے مقابلہ میں۔ انسان جب تہذیبِ نفس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس ملک کے فتح کرنے کے لیے قوائے بہیمیہ وسبعیہ وشیطانیہ کے لشکروں سے لڑنا پڑتا ہے۔ اس موقع جو تائیدِ غیبی ہے وہ اللہ کی طرف کی نصرت ہے اور اس کے بعد مقصود کا حاصل ہونا فتح ہے اسی طرح بدراہ قوموں کی اصلاح اور ان کے نفوس کی تہذیب حضرات انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد ہوتا ہے اور یہ حاصل ہونا کچھ آسان بات نہیں اس میں مددِ غیبی درکار ہے۔ وہ کیا؟ لوگوں کے دلوں میں اس شخص کے قبولیت اور اس کی بات کا اثر پیدا کر دینا یہ نصر اللہ ہے جس کے بعد فتح ہی فتح ہے یعنی پھر جوق در جوق اور گروہ در گروہ دین اللہ میں ایک کششِ باطنی سے خود بخود داخل ہونے لگتے ہیں اور اسی کو فتح مبین بھی کہتے ہیں۔ سو یہ اسی کوثر کے عطا ہونے کا ثمرہ ہے۔ اور اخیر عمر میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آرہے تھے۔ یہ بات حاصل ہونے لگی تھی اور یوماً فیوماً ترقی پر تھی خصوصاً فتحِ مکہ کے بعد سے روزمرہ قبائل کے قبائل اور کبھی ان کے ایلچی آتے اور تلقین پا کر جاتے اور سب مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے خود جماعتوں کی جماعتوں کو دینِ الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا اور خدائے پاک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر آپ کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔

فتح مکہ | مفسرین نے لفظ نصر اور فتح کے وسیع معنوں کو ایک ایک بات میں محدود کیا ہے حالانکہ وہ سب کو شامل ہیں اور سب ہی مراد ہیں پس جس طرح نصرتِ الٰہی کے متعدد طریقے معلوم ہوئے اسی طرح فتح کے بھی ہیں۔ اول فتحِ مکہ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ عرب کے اکثر قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مگر مکہ کے لوگ ابھی تک اسی بت پرستی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر تلے ہوئے تھے اور کئی بار لڑائیاں میدان میں آ کر لڑ چکے تھے۔ یہ شہرِ مقدس کفار کا مرکز ہو رہا تھا۔ ہجرت کے آٹھویں[1] سال جیسا کہ بخاری میں معمر سے روایت ہے دس ہزار لشکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا جس کی بابت کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۴۲ باب میں پیشین گوئی ہے جس کے جملے یہ ہیں: ''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا'' الخ۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور مسلا نہ جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ الخ اس میں اذا جاء نصر الله والفتح الخ کے مضمون کی پوری تائید ہے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اسکائیگا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی قوموں کو بلایا اور قبائل جمع ہوئے۔ دس ہزار لشکر ساتھ ہوا مکہ کے لوگ امان کے طالب ہوئے، آپ نے امان دی اور سب نے ایک لخت اسلام اختیار کر لیا، کفر کا جھنڈا اکھڑ گیا۔ اب عرب میں کوئی مذہبی مخالف باقی نہیں رہا۔

(۲) بعض کہتے ہیں فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو سال حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں کو رنج و ملال تھا واقع ہوئی اور جس کے بعد مسلمانوں کو فراغدستی میسر آئی۔ (۳) جمیع فتوحات مراد ہیں جو غزوات میں پے در پے نصیب ہوئیں اور اسلامی شوکت زور پکڑتی گئی۔ فتح مکہ، خیبر، طائف، حنین وغیرہ۔ (۴) فتوحاتِ غیبیہ علوم واسرارِ ملکوتیہ جو رفتہ رفتہ آپ پر منکشف ہوتے تھے اور آخر اس کا حضرت احدیۃ کا دروازہ کھل جانا اور کشفِ ذاتی ہے کہ پھر یہ کثرت وحدت کے ملاحظہ کے لیے کسی طرح بھی حاجب نہ ہوتی تھی اور عرفاء وکملاء ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عالمِ غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں تب وہاں کی چیزیں عیاں نظر آنے لگتی ہیں اور اسی عالم کے لوگوں سے موانست زیادہ ہونے لگتی ہے۔ اس عالم سے بے اعتنائی ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح اس عالم کے لوگوں کا شغل خدا پاک کی

[1] صحیح یہ ہے کہ ساتواں سال تھا ۱۲ منہ

تسبیح وتقدیس ہے اور یہی باعثِ راحت اور سرور روح ہے ان لوگوں کا بھی ہو جاتا ہے اس لیے فرمایا ہے ف بح کہ خدا پاک کی تسبیح کیا کرو اور تسبیح بھی کیسی بحمد ربك جملہ سے ملا کر سبحان اللہ وبحمدہ۔

تسبیح کی حقیقت | واضح ہو کہ حق سبحانہٗ کو صفات مذمومہ سے مبرا سمجھنا عین عبودیت ہے کہ وہ فانی نہیں حادث نہیں کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں۔ الواثِ بشریہ وکدوراتِ امکانیہ سے پاک ہے۔ نہ وہ سوتا ہے، نہ بیمار ہوتا ہے وغیر ذلک۔ پس اس قسم کے اوصاف بد سے مبرا سمجھنا تسبیح ہے اور اس کے لیے شرع میں الفاظ مقرر ہیں سبحان اللہ وغیرہ کہنا۔

پھر یہ زبان سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی اور کبھی انسان یا ممکنات کی حالت سے بھی کہ خود بخود اس کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ خالق جمیع عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے اور اس آیت میں اسی طرح اشارہ ہے وان من شیءٍ الایسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔

بذکرش ہرچہ بینی درخروش ست ولے داند دریں معنیٰ کہ گوش است
نہ بلبل بر گلشن تسبیح خوانے ست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

پھر اس تسبیح کے مراتب متفاوت ہیں۔ ادنیٰ مرتبہ زبان سے کہنا اور اعلیٰ یہ کہ زبان اور قلب دونوں سے تسبیح کرنا اور جن جن نقصانوں سے اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے ان کے برخلاف اوصافِ کمال کا اس کی ذات میں مشاہدہ کرنا اور اس مشاہدہ سے انوار کا اس کی ذات پر انعکاس پڑنا اور اس کا بھی ان نقائص سے پاکیزہ ہو جانا گو حدوث کے خصائص سے چھٹکارا مشکل ہے مگر تسبیح سے اس پر ایک ایسی تجلی پڑتی ہے کہ جس سے روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے اور آخر کار اس کے خصائصِ بشریہ مٹتے مٹتے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ یہ مجردات و ملائکہ میں مل جاتا ہے اور پھر ان سے بھی بڑھ کر بارگاہِ قدس میں جگہ پاتا ہے جیسا کہ فرمایا فی مقعد صدق عند ملیكٍ مقتدر۔

تسبیح عارف کی حالت ابتدائی ہے کس لیے کہ پہلے آئینے یا کسی لوح کی جس پر کوئی نیا رنگ جمانا ہوتا ہے تو صفائی کرلی جاتی ہے پھر رنگ یا نقش قائم کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ بندہ حادث ہے، حدوث وجسمانیت کے ہزاروں خصائص میں آلودہ ہے بہیمیت کی تاریکی اس پر محیط ہے مجردات اور عالمِ ملکوت سے یوں بعید ہے حتیٰ کہ اس کے ادراکات میں بھی صفائی نہیں قوتِ وہمیہ اپنا دخل دیے بغیر نہیں چھوڑتی جب کوئی معانی مجردہ اس کے لوحِ قلب پر ڈالے جاتے ہیں تو قوتِ وہمیہ ضرور ان کو بھی کسی نہ کسی جسمانی قالب میں ڈھال ہی لیتی ہے اسی لیے حق سبحانہٗ اور ملائکہ جو جسمانیت سے پاک ہیں جب ان کا تصور کرتے ہیں تو کسی خوبصورت آدمی کی شکل میں یا اور کسی جسمانی چیز میں اور اسی لیے خواب میں جب روح دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہاں کے علوم اس پر فائض ہوتے ہیں تو قوتِ وہمانیہ ان کو بھی ان کے مناسب صور میں ڈھال لیتی ہے جن سے جدا کر کے بتانا تعبیر دینا ہے اور اسی لیے اگلی قوموں میں چونکہ بہیمیت غالب تھی۔ حق سبحانہٗ کی عبادت بغیر کسی مجسم صورت پر دھیان دھرے کر ہی نہیں سکتے تھے اور اب بھی جن کی بہیمیت غالب ہے ان پر جو بھی تجلی ہوتی ہے تو کسی محبوب اور دلکش صورت میں۔ اور اسی لیے ان لوگوں نے بت آگے رکھ کر عبادت کا طریقہ نکالا تھا جیسا کہ خام کار اور لڑکے خاکا آگے رکھے بغیر کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نورانیت وملکیت کا غلبہ ہوا اور یہ ابتدائی مشق اٹھوائے بغیر شائبۂ حدوث وامکانِ بلاکیف اس خالق قادر کی عبادت قائم کی گئی اور عبادت میں بھی یہی اول تسبیح قائم ہوئی کہ ان کدورات والواثِ بشریہ سے اس کی ذاتِ مقدس کو پاک اور مبرا سمجھا جائے۔

اس کے بعد صفاتِ حمیدہ سے موصوف سمجھانا یعنی جو جو اس کے صفاتِ کاملہ ہیں ان کا اس کی ذاتِ پاک میں ثابت کرنا جیسا کہ وہ حی ہے، کریم ہے، باقی ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، عادل ہے، رحیم ہے۔ وغیر ذلک اس کو تحمید کہتے ہیں

یعنی اس کے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ اس کو یاد کرنا عام ہے کہ ان نعماء کا ہی ذکر ہو کہ جو اس نے بندے کو عطا فرمائیں یا نہیں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے رنگ یا نقش جمانے کا۔ ہر ایک صفتِ باری تعالیٰ کا جب بار بار مراقبہ کیا جاتا ہے اور تصورِ صحیح جمایا جاتا ہے تو ضرور روح پر اس کا پرتو اپڑتا ہے اور پھر مشق کرتے کرتے نوبت دور تک پہنچ جاتی ہے لیکن روح کی استعداد و قابلیت میں فرق بھی ضرور ہے۔ بعض قابل اور مستعد ارواح کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تسبیح سے فنا طاری ہو جاتی ہے اور تحمید سے بقا کا پرتو اپڑ جاتا ہے پھر اس میں بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اس رمز کے لیے قرآن مجید میں اور بالخصوص اس سورہ میں تسبیح کے ساتھ تحمید کا حکم دیا اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العلی العظیم اکثر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دلاتے تھے۔

اور بندہ گو ہزار کوشش اس کی عبادت میں کرے مگر جیسا حق ہے ویسا ادا ہونا مشکل ہے۔ اسی لیے اعترافِ قصور بھی ایک شانِ عبودیت ہے اور نیز بارگاہِ اعلیٰ میں بندے کی عاجزی بہت پسند ہے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ بھی جملہ ارشاد فرمایا واستغفرہ کہ اپنے رب سے بخشش اور معافی مانگ باوجود اس تسبیح و تحمید کے پھر بندہ کا عجز و انکسار کرنا اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھ کر معافی مانگنا نہایت عبادت ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ یہ استغفار امت کے لیے ہے۔ کس لیے کہ یہ آپ کا اخیر وقت ہے اور آپ کی تکمیل انتہا کو پہنچ گئی ہے اور آپ نے اقوام کو دینِ الٰہی کی طرف بلایا ہے اب اس وقت ان کے لیے آپ کا شفیع بن کر استغفار کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے اس لیے آپ امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے اور یہ امت کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جن کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور استغفار کرے۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے تھے کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہم کو داغِ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبرؓ اس سورہ کو سن کر زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے نصرت و فتح کا مژدہ دیا اور قوموں کے جوق جوق اسلام میں آنے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے۔ بعض نے کہا یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم رازدار ہے کوئی تو رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسوؤں کا سلسلہ ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری میں اور مالی مدد میں ابوبکرؓ کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو مگر خلتِ اسلامی کافی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جو آنے کے لیے کھڑکیاں ہیں سب بند کر دی جائیں مگر ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے۔ یہ اس لیے کہ اس کو نہایت عشق ہے اور رازدار ہیں تاکہ ہر وقت صحبت اٹھانے کا موقع ملے۔ پھر جو اور لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوا اور لوگوں نے اپنا اظہارِ غم و رنج کیا تو آپ نے فرمایا کیوں غم کرتے ہو خوش نصیب ہے وہ امت جس کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور جا کر ان کے لیے تیاری کرے اور بدنصیب ہے وہ قوم کہ جن کا رسول ان میں زندہ رہے اور وہ قہرِ الٰہی سے ہلاک ہوں چنانچہ اس سورہ کے نزول کے کئی مہینے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بخاری میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد ہر نماز کے رکوع و سجود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے۔ سبحانک اللھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ستائش کرتا ہوں اے رب بخش دے۔

اس سورہ پر عمل کرتے تھے اور بخشش اس سے اس لیے مانگ کیونکہ انہ کان توابا وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کو بندے کے رجوع ہونے سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ توبہ کرتا ہے تو وہ درگزر کرتا ہے بڑا ہی حلیم ہے اس کے آگے سر رکھ دینا چاہیے پھر اس کی مہربانی اور عنایت کی کیا کمی ہے۔ اللھم اتوب الیك اغفرلی ولوالدی ولجمیع المسلمین۔

(اللہ اکبر)

سورہ لہب مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿١﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٣﴾ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿٤﴾ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿٥﴾

ع ۵ / ۳۶

ٹوٹ جائیں ابی لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ٹوٹ بھی گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور وہ اب دہکتی آگ میں گرتا ہے اور اس کی جورو بھی۔ جو لکڑیوں کا پشتارہ اٹھائے گلے میں مونج کی رسی ڈالے پھرتی ہے۔

ترکیب | تبت فعل یدا اصلھا یدان سقطت النون بالاضافۃ ابی لھب مضاف الیہ والمضاف مع ما اضیف الیہ فاعل تبت والید مونث عند العرب وابولھب کنیۃ عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب بن ہاشم والعزیٰ اسم صنم وھو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مشھورا بالکنیۃ وانما اشتھر بھذا لانہ کان جمیلا وان وجھہ کان یتلھب لمزید حسنہ کما یتلھب بالنار۔ وتب فعل والضمیر فاعلہ یرجع الی ابی لھب عطف الجملۃ علی والتباب الخسران والحرمان من کل خیر وقیل الھلاک والتردی۔ والجملتان دعاء علیہ وقیل الاولی دعاء والثانیۃ اخبار۔ ما نافیۃ اغنی فعل عنہ متعلق بہ ما لہ فاعلہ معطوف علیہ وما موصولۃ کسب صلۃ والعائد محذوف والکل معطوف وقیل ما مصدریۃ فما کسب بتاویل المصدر فاعل اغنی والجملۃ بیان لتبابہ سیصلی فعل والضمیر الراجع الی ابی لھب فاعلہ نارا مفعول بہ موصوف ذات لھب صفۃ وامراتہ معطوف علی الضمیر المتصل وجاز ذلک للفصل حمالۃ الحطب قراء الجمھو رحمالۃ بالرفع علی الخبریۃ اوالنعتیۃ وقرء عاصم بالنصب علی الذم اوعلی انہ حال من امراتہ حبل موصوف من مسد صفۃ مبتدا مؤخر فی جیدھا خبر مقدم والجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من الضمیر فی حمالۃ وقیل فی محل الرفع علی انھا خبر آخر لقولہ وامراتہ۔ الجید العنق۔ والمسد ایضا الذی تفتل منہ الحبال قیل المسد بسکون السین مصدر بمعنی الفتل وبفتحھا المحور من حدید او حبل من لیف اوکل حبل محکم الفتل والجمع مساد واما وکذا فی القاموس لرد قیل امراتہ مبتداء حمالۃ الحطب خبرہ فی جیدہ الخ حال من الضمیر فی حمالۃ۔ کذا قال ابن الصائغ۔

تفسیر | یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر وابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں اس کی پانچ آیت ہیں۔ اس کا ربط سورہ نصر سے یہ ہے کہ اس سورہ میں بتلایا گیا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں بھی آسمانی حکم قبول کرنے والوں کے لیے فتح ونصرت ہے دین اور دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اسی طرح اس آسمانی حکم سے سرتابی کرنے والوں اور مقابلہ اور عداوت سے پیش آنے والوں کے لیے بھی دنیا وآخرت کا خسارہ اور بربادی اور ہلاکی ہے۔ اس پہلی بشارت کا اول مستحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر مژدہ سنایا تھا۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح کہ لو آئی مدد اور فتح اللہ کی گویا آ ہی گئی۔ اس سورہ میں اس خسران وبربادی کا طوق ابی لہب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کے گلے میں ڈال کر جملہ مخالفوں کو دکھایا جاتا ہے کہ مخالفت وعداوت کا یہ نتیجۂ بد ہے۔ جس کی طرف سورۂ کوثر میں اشارہ تھا کہ آپ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کوثر عطا کیا اور آپ کے دشمن کو ابتر کیا۔ اسی لیے اس سورۂ لہب میں اس بدبختی کا بھی حال بیان فرمانا ضرور تھا جو دینِ الٰہی کے مقابلہ اور عداوت میں ظاہر ہوتی ہے۔

شانِ نزول | اس سورہ کا بخاری ومسلم وغیرہ محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری۔ وانذر عشیرتک الاقربین تو آپ کوہِ صفا پر چڑھے اور چڑھ کر اول سے لے کر آخیر تک کے قبائلِ قریش کے نام لے کر پکارا۔ اے بنی فلاں، آخر اے بنی ہاشم، اے بنی عبدالمطلب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ بھلا اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا لشکر تمہارے لیے تیار ہے شب خوں مارے گا تم مجھے سچا جانو گے۔ سب نے کہا بے شک۔ لو اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ عذابِ الٰہی تم پر آنے والا ہے نجات کا رستہ اختیار کر لو اور اپنے بچنے کی تدبیر نکالو۔ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر خاص اپنے خاندان کی طرف جو بہت قریب تھے خطاب کیا کہ اے عباس واے فلاں اور اے صفیہ میری پھوپھی اور اے فاطمہ میری بیٹی اس پر بھروسا نہ کرو کہ ہم پیغمبر کے رشتہ دار ہیں میں خدا کے ملزم کو نہیں بچا سکتا۔ یہ گفتگو اور وعظ سن کر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا خفا ہو کر یہ کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تبا لک (کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں بلایا تھا) اور یہ کہہ کر ایک پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا اور بہت کچھ گالی گلوچ بکیں جس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اس کے نزول کا محرک ہوا جس میں مخالفینِ دین کا دنیاوی اور دینی انجامِ بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

ابولہب عبدالمطلب کا بیٹا حضرت کا حقیقی چچا تھا اور اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ سرخ رنگ خوبصورت آدمی تھا اور اس کے چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہو گئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور کسی وصف کے بتانے کے لیے عرب میں ابو اور ابن اور اخ کے ساتھ منسوب کرنا ایک عام محاورہ ہے۔ مسافر کو ابن السبیل، چاند کو ابن اللیل، عربی کو اخا العرب مٹی لگے ہوئے کو ابوتراب کہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ لہب اس کا کوئی بیٹا تھا یا اس کا باپ تھا۔ اور اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا۔ حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی یزید بدبخت کی رشتہ کی دادی۔ ان دونوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ازحد عداوت تھی۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں منسوب تھیں وہ بھی سخت دشمن تھے۔ اُم جمیل رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی کہ اندھیرے میں چبھیں اور آپ کو تکلیف ہو۔ پھر اس سورۃ کے نزول ہونے کے بعد تو قوم میں ابولہب اور اس کی جورو کا خاکہ اڑ گیا اور بھی عداوت بڑھ گئی اور اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو اور منہ پر جا کر سخت کلمات کہہ کر چھوڑ دو۔ چنانچہ عتیبہ ناہنجار نے آ کر حضرت کے روئے مبارک پر تھوکا اور برے الفاظ سے طلاق دی۔

فرماتا ہے تبت یدا ابی لھب و تب کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بددعا کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ حق سبحانہٗ کسی کو دعا نہیں کرتا ہے بلکہ اس محاورہ میں اس پر بربادی آنے کی خبر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اس پر آنے والی تھی۔ تب محاورہ کے موافق یہ ترجمہ ہوگا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی خراب ہو جائے یا یہ کہ ہو گیا محاورہ ہے بددعا کے بعد ایسا کلمہ مستعمل ہوتا ہے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

جزیٰ ربہ عنی عدی ابن حاتم جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا اس کو غارت کرے اور کر دیا۔

فائدہ ۱: دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہری دونوں ہاتھوں کا ٹوٹنا مراد نہیں بلکہ ہاتھ یا گردن یا سر سے انسان کو تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ وہ خراب ہو جائے۔ انسان کے اندر خدا پاک نے دو قوت رکھی ہیں۔ ایک قوتِ نظریہ جس کے سبب چیزوں کا علم آتا ہے۔ ہر ایک چیز کو جانتا ہے، امورِ غیب کی تصدیق کرتا ہے، برے بھلے کاموں کا انجام سوچتا ہے، نفع ونقصان کو جانتا ہے۔ دوسری قوتِ عملیہ کہ جس کے سبب نیک و بد کام کرتا ہے۔ یہی دونوں قوتیں انسان کے حسنات اور سعادتِ دارین حاصل کرنے کے دو ہاتھ ہیں۔ پھر جس نے ان دونوں کو برباد کر دیا اور برے برے علم حاصل کئے، عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دی کہ مرنے کے بعد حساب و کتاب سزاء و جزا کچھ نہیں۔ خدا

تعالیٰ کے کاروبارِ قدرت وصفات میں اور بھی شریک ہیں جو نفع ونقصان دے سکتے ہیں۔ نبی کوئی شخص نہیں نہ نبوت کی ضرورت ہے وغیرہ۔ اور اسی طرح قوتِ عملیہ کو برے کاموں میں صرف کیا، مخلوق کے ساتھ بھلائی اور رحم دلی کی جگہ ظلم کیا، عفت کی جگہ بدکاری کی۔ جن کی اطاعت کرنی چاہیے ان سے سرکشی کی، مقابلہ کیا۔ عبادتِ الٰہی کی جگہ شہوت پرستی اور تن پروری کی خیرات کی جگہ بخیلی اور کنجوسی کی وغیرہ اس نے اپنی کمائی کے دونوں ہاتھ توڑ دیے۔ یہ بات ابولہب کو حاصل تھی اس لیے اس کے حال کی اس مغرور و بے خبر کو خبر دی جاتی اور مطلع فرمایا جاتا ہے اور اس رمز کے لیے اس کی ذات کے برباد ہونے کو دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) یہ کہ انسان کی دو حالت ہوتی ہیں ایک موجودہ دوسری آیندہ۔ چونکہ ابولہب کی دونوں حالتیں خراب تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے خراب ہو چکنے کو تھیں اسی لیے بطور پیشین گوئی کے دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ تجھ پر دنیا میں بھی آفت آنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا میں چند روز کے بعد اس پر افلاسِ شدید آیا۔ وہ بیٹا کہ جس پر ناز تھا اور جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا اور گالیاں دے کر صاحبزادی کو چھوڑا تھا اور جس کے لیے آپ نے بددعا کی تھی کہ الٰہی اس پر تو اپنا کتا مسلط کر اور وہ اس بددعا سے اندیشہ بھی کرتا تھا، شام کے ملک میں جارہا تھا یا وہاں سے آرہا تھا اور درندوں سے اپنی حفاظت بھی کرتا تھا۔ رات کو شیر آیا اور آکر اس نے چبا کر چورا چورا کر دیا اور پھر اس بیماری میں کہ جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں خود ابولہب مبتلا ہوا وہ مرض متعدی ہے۔ اسی لیے کوئی پاس نہیں جاتا تھا بڑی تکلیف دیکھ کر مرا چہرہ بگڑ گیا تھا دیکھنے والوں کو ہیبت آتی تھی، کتوں جیسی آوازیں نکالا کرتا تھا۔ اور پھر اس کی جورو بھی مصیبت دیکھ کر مری، افلاس یہاں تک غالب آیا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے خود لاتی۔ ایک گٹھا سر سے گر پڑا کس لیے کہ غمزدہ ہو چکی تھی۔ مصائب نے کمر توڑ دی تھی اور رسی کا پھندا جو گلے میں پڑا ہوا تھا وہ کھنچا گلا ایسا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ غرض ستیاناس ہو گیا مگر رحمۃ للعالمین کا دل ان کی اس مصیبت پر بھی رنج کھاتا تھا اور رحم آتا تھا مگر کیا ہوتا ہے قضا کا تیر چھوٹ چکا تھا۔ خدا پاک کو اپنی بے نیازی کی شان دکھانی تھی کہ بھتیجے کو کوثر عطا کرے اور اسی گھر میں چچا ابتر بنے جس کا کوئی نام لیوا بھی نہ رہا۔

فائدہ ۲: آیت میں اس کا نام عبدالعزیٰ نہیں لیا کنیت سے یاد کیا۔ اس کی کئی وجہ ہیں۔ (۱) یہ کہ عزیٰ بت کا نام تھا جس کا یہ بندہ بنا تھا ایسے مکروہ اور ناپسند نام کہ جن میں شرک کی بدبو آتی ہو عالمِ بالا کے نزدیک ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں۔ (۲) ابی لہب کا لفظ جس میں لہب یعنی شعلہ آتش پڑا ہوا تھا گویا ابتدا ہی سے اس کے جہنمی ہونے کی خبر دے رہا تھا اس لیے اس منحوس لقب کے ساتھ یاد کیا گیا اور اس میں اہلِ بلاغت کے نزدیک ایک عجیب لطیفہ ہے۔ (۳) وہ ابی لہب سے مشہور تھا۔ اگر نام عبدالعزیٰ لیا جاتا تو جلد نہ سمجھا جاتا اس لیے یہ نام لیا گیا اب اس کی خرابی کی تشریح فرماتا ہے۔ وما اغنی عنه ماله وما کسب کہ نہ اس کا مال کام آئے گا نہ کمائی، عزت وشہرت جو قوم میں حاصل کی تھی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد فرماتے ہیں کمائی سے مراد اولاد ہے عرب کے محاورے میں۔ اور اسی کے مطابق ہوا بھی۔ کس لیے کہ جب انتقامِ الٰہی کا وقت آیا تو دنیا میں مال کام آیا نہ اولاد کوئی بھی اس آفت کو نہ ٹال سکا اور اسی طرح مرنے کے بعد جو عذابِ دردناک پیش آیا اور قیامت میں آئے گا وہاں بھی نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نہ دنیاوی عزت و وجاہت حسب ونسب پھر جب یہ ایسی بے بنیاد چیزیں ہیں تو اتنا ان پر فریفتہ ہونا اور آخرت کو بھول جانا اگر تباب وخسرانِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے؟ اب آخرت کا حال بیان فرماتا ہے سیصلی نارا ذات لهب کہ عنقریب وہ ایک ایسی آگ میں پڑے گا جو شعلہ مارتی ہوگی۔ یہ وہی آتش عداوت وعناد ہے جو دنیا میں شعلہ زن تھی اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وامراته اس کی جورو بھی اس آگ میں گرے گی کس لیے کہ اس کے دل میں بھی آتشِ عداوت شعلہ زن تھی۔ شعلہ مارنے والی آگ میں مرنے کے بعد تو وہ دونوں گرے ہی ہیں مگر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روز افزوں ترقی اور اپنا تنزل

دیکھنا بھی آگ میں گرنا تھا اور پیشین گوئی کے مطابق وہ بہت جلد اس میں گرے جورات دن جلا کرتے تھے۔

اب اس کی جورو کا حال بیان فرماتا ہے حمالة الحطب[۱] جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔ (۲) فی جیدھا حبل من مسد اس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اس کی بیوی کے وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں اس کو حاصل تھے۔ پھر اس تقدیر پر یا تو حقیقی معنی مراد ہیں کہ خسیس و ذلیل تھی، آپ لکڑیاں لایا کرتی تھی اور جس طرح لکڑہاروں کے گلے میں رسی بندھی ہوتی ہے جبکہ وہ لکڑیوں کو جاتے ہیں اسی طرح اس کے بندھی رہتی تھی پھر ایسی خسیس و دنی الطبع کا خیرات و صدقات میں صرف کرنا کیسا؟ یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں۔ حمالة الحطب عرب کے محاورہ میں اس عورت کو کہتے ہیں جو لگائی بجھائی کرے اور چغل خوری کر کے لڑائی کرائے۔ چغل خور کو عرب کہتے ہیں فلان یحطب علیٰ فلان یہ استعارہ ہے اور فارسی میں بھی سخن چین کو ہیزم کش کہتے ہیں۔ اس بدنصیب کی یہ بھی عادت تھی کہ لوگوں کو لڑامارتی تھی اور عورتوں میں یہ عیب زیادہ ہوتا ہے۔ اِدھر کی بات اِدھر اور اُدھر کی بات اِدھر لے جایا کرتی ہیں۔ یہ قتادہ و مجاہد و سدی کا قول ہے اور حقیقی معنی مراد لینے کا ابن زید و ضحاک و ربیع بن انس و مرہ ہمدانی کا قول تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ اس کی آخرت کی حالت ہے کہ جس طرح دنیا میں حضرت کے راستے میں ڈالنے کو کانٹے باندھ کر لاتی تھی اور اپنے گلے کے گلوبند پر جو بڑا قیمتی تھا ناز کرتی تھی اور کہتی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہلاک کرنے میں اس کو صرف کردوں گی اسی طرح جہنم میں اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور وہ گلوبند ایک مستحکم رسہ بن کر گلے میں پڑا ہوگا جس سے فرشتے اس کو گھسیٹیں گے۔

گلے میں مضبوط رسی سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بہیمیت و شیطانیت کی مضبوط رسی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی جس کو پکڑ کر اس کا نفس خبیث راہِ حق سے کھینچتا تھا۔ ہر کافر و مشرک کے گلے میں اس قسم کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ بدکاروں کے گلے میں شہوات کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ محبانِ خدا کے گلے میں محبت کی رسی ہے ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　میبر د ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

(اللہ اکبر)

سورہ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

(اے نبی) کہہ دو یہ اللہ یگانہ ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

---

[۱] حمالة الحطب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے گناہوں کا گٹھا اس کی پشت پر تھا اور خواہش دنیا کی رسی گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ اور حمالة الحطب میں اس کے خاوند کی نالائقی کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ عورت بوقتِ مخصوص خاوند کو اوپر لادتی ہے اس کا خاوند ایک لکڑیوں کا پشتارہ ہے جو جلانے کے قابل ہے اور فی جیدہا الخ میں خاص اس کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفسِ بد کی یا اس نالائق خاوند کی بڑی مطیع ہے گویا اطاعت کی گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے اور رسی بھی بڑی مضبوط کھجور کے پٹھوں کی۔ ۱۲ منہ

ترکیب | ھو الضمیر للشان اللہ مبتدء احد خبرہ والجملۃ للضمیر وھو مرجعہ۔ ویمکن ان یرجع الضمیر الی المذکیہ۔ وھو الرب وعلی ھذا التقدیر ھو مبتدء اللہ احد الجملۃ خبرہ ویمکن ان یکون اللہ خبر اول احد خبر ثان و یجوز ان یکون اللہ بدلا من ھو او یجوز ان یکون احد خبر مبتدء محذوف۔ والفرق بین احد وواحد مشہور۔ اللہ مبتدء الصمد خبرہ لم یلد ھذہ الجملۃ وکذا ما بعدھا تفسیر للصمد۔ ولم یکن اسمہ احد وفی الخبر وجہان احدھما کفوا ولہ اما متعلق بکان او حال من کفوا والثانی الخبر لہ و کفوا حال من احد ای ولم یکن لہ احد کفوا فلما قدم النکرۃ نصبھا علی الحال۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے اور عطاء و عکرمہ و جابر و ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور قتادہ و ضحاک و سدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت کرتے ہیں مگر قوت جمہور کے قول کو ہے۔

اس سورہ کی چار آیتیں ہیں اور ربط اس سورہ کا سورۂ لہب سے یہ ہے کہ ابولہب اور دیگر عمائد قریش جس بلا میں پڑے تھے وہ خدائے واحد لاشریک کو جیسا جاننا چاہیے اس کے مطابق نہ جاننے سے پڑے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہٗ کیسا ہے اور اس کو کیسا سمجھنا چاہیے اور نیز سورۂ کافرون میں جس کی عبادت کا اقرار تھا اس کے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت اور حجت کا اتمام ہے اگر اس کو سن کر بھی یقین نہ آئے اور اس کی ذات مبارک میں باطل خیالات پیدا کرے جو محض توہمات پر مبنی ہیں تو اپنا سر کھائے اور ابتر بنے، کوثر سے محروم رہے اور ابولہب والی بلا میں گرفتار ہووے اس لیے اس کے بعد سورہ کو رکھا گیا۔

اور شانِ نزول اس کا مجملاً یہ ہے کہ کفارِ قریش نے یا کسی اعرابی نے یا یہود کے علماء کعب بن اشرف و حیی بن اخطب وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ تو اپنے رب کے ہم سے اوصاف بیان کرتا کہ معلوم ہو کہ وہ کیسا ہے اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ پھر اس بات کو محدثین نے مختلف الفاظ سے اور قدرے اختلافِ مضامین سے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کو بیان فرمایئے تو یہ سورہ نازل ہوئی الخ اور اسی طرح ترمذی نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے اور طبرانی و بیہقی و ابونعیم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کسی اعرابی نے عرض کیا تھا کہ رب کے اوصاف بیان فرمایئے تب یہ سورہ نازل ہوئی اور بیہقی وغیرہ نے علماءِ یہود کے سوال پر نازل ہونا بیان کیا ہے۔

اور یہ ممکن ہے کہ اول مکہ کے قریش نے سوال کیا ہو اور سورہ نازل ہوئی اور پھر مدینہ میں آ کر یہود نے یا اعرابی نے بھی یہی سوال کیا ہو اور آپ نے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھ سنایا ہو اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں کسی آیت یا سورۃ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ اس تقدیر پر روایتِ مذکورہ بالا میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

فضائل: فضائل اس سورۂ مبارکہ کے بہت کچھ ہیں یہ توحید و عقائدِ اسلامیہ جو ذات پاک حق سبحانہٗ کی بابت ہیں اور جن کو ایمان سمجھا جاتا ہے۔ بنیاد ہے وہ سب اس سورۃ میں مذکور ہیں اور گویا اس پارہ میں قرآنِ مجید کا خاتمہ اسی پر ہے اور باقی پچھلی دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تتمہ کے طور پر ہیں جن میں ہر ایک قسم کے شر سے جو آسمانی ہو یا اس کے اسبابِ ظاہری بندے ہوں جو توحید واعتقاد میں فرق ڈالنے والے شر ہیں حق سبحانہٗ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جس میں اشارہ ہے کہ ان شرور سے بچتے رہو اور ان خطرات ووساوس کو دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اسی اعتقاد پر دمِ اخیر تک قائم رہو۔

امام بخاری واحمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ امام احمد ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جس نے یہ سورہ پڑھی گویا اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا۔ تہائی کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضامینِ قرآن مجید تین قسم کے ہیں۔ توحید وصفاتِ باری تعالیٰ، کیفیتِ افعالِ عباد، قیامت اور وہاں کے حالات

سو اس سورہ مبارکہ میں توحید وصفات پورے ہیں۔

بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ آپ نے چند شخصوں کو جہاد میں بھیجا ان کا امام نماز میں جب قرأت تمام کرتا تو قل ھواللہ پر کرتا لوگوں نے واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا اس نے جواب دیا کہ اس میں حق سبحانہٗ کی صفات ہیں اس لیے میں اس کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کو خبر کردو کہ خدا تجھ کو دوست رکھتا ہے اور بھی احادیث اس کے فضائل میں وارد ہیں۔

فقال قل کہ اے نبی کہہ دو۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ از خود نہیں فرماتے یہ اسرار کہ جن تک حکما کے عقول کو بھی برسوں کی ریاضت اور غور وفکر کے بعد بھی پوری رسائی نہیں ملہم غیب کی طرف سے ہیں۔ اس لفظ کے سننے کے بعد مخاطب کو شوق اور انتظار بھی پیدا ہوتا ہے کہ دیکھئے عالمِ غیب سے اس کے بعد کیا اشارہ ہوتا ہے۔ قل ھو اللہ احد کہ وہ رب کہ جس کی صفت تم بیان کرتے ہو اللہ ہے جو یکتا ہے اس کی ذات اور صفات میں یکتائی ہے۔ ذات میں اس طرح سے کہ نہ اور کوئی شریکِ الوہیت ہے نہ اس کی ذات کے لیے اجزاء میں نہ تحقیقی نہ تقدیری نہ ترکیبی نہ تحلیلی اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادرِ مطلق ہے اور کوئی نہیں وہی علیمِ مطلق ہے کہ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور غیب کے علوم اور اسرار اس کے سامنے حاضر ہیں اور کوئی ایسا نہیں۔ وہی رحمٰن ورحیمِ حقیقی ہے اور کوئی نہیں وہی اصلی ہے اور کوئی نہیں اور جو موجودات ہیں تو ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ مستعار ہے۔ اسی کے وجود کا پرتو ہے وہی مستغنی ہے اور کوئی نہیں۔ الغرض وصفِ احدیت اسی کا حصہ ہے اسی لیے لفظ احد آیا جس کے معنی ہیں یکتا نہ واحد جس کے معنی ہیں ایک۔ **احد اور واحد کا فرق:** احد اور واحد میں فرق ہے جمہور کے نزدیک۔ ازہری فرماتے ہیں کہ احدیت کے ساتھ بجز حق سبحانہٗ کے اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا۔ رجل احد درھم احد نہیں کہتے بلکہ رجل واحد درھم واحد کہتے ہیں اور واحد احد میں داخل ہے نہ احد واحد میں۔ کس لیے کہ ایک اور یکتا میں فرق ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ایک شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو سمجھ جائے گا کہ دو کر سکتے ہیں۔ برخلاف احد کے اور اسی طرح عربی میں کہیں گے لایقاومہ احد تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسی لیے واحد اثبات کے موقع میں اور احد نفی کے موقع میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ واحد کے اوپر اثنین ہے احد پر نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے من حیث ہی ہے نہ جس میں کثرت کا لحاظ ہے نہ قلت کا نہ کسی شرط کے وجود کا نہ عدم کا یعنی حقیقتِ محضہ جو منبع ہے جمیع صفات اور جمیع شیؤن کا اور واحد ذات مع صفت ہے بالخصوص یکتائی کی صفت معتبر ہے اور اسی لیے اول ھو فرمایا جو ذاتِ بحت ہے اور پھر اس کے نام کو ذکر کیا جو اللہ ہے اور اسی لیے اس کو اسمِ ذات کہتے ہیں اور چونکہ جمیع صفاتِ کمالیہ بھی اس میں معتبر ہیں تو اس کے بعد لفظ احد لایا گیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی صفات اس میں کثرت نہیں پیدا کرتیں اور جو کثرت بھی ہے تو محض اعتباری جو درحقیقت کثرت نہیں۔ اسی لیے اس کی احدیت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا اور اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک مقامِ احدیت اور مقامِ واحدیت میں فرق ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی زبانِ عرب میں ہیں صرف تخفیف کے لیے واحد کے وکو ہمزہ سے بدل لیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اس سورہ میں بندوں کے مراتب کا بھی ایما ہے اور دنیا پر جس قدر مذاہب باطلہ تھے یا ہیں ان کا بھی رد ہے اور اپنے صفات کا بھی اظہار ہے۔ یہ تین باتیں ہوئیں۔ اول بات کی طرف اس ایک آیت میں اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بندوں کی تین قسم ہیں اول مقربین کہ جن کی بہیمیت پر ملکیت بالکل غلبہ کر گئی اور اسی لیے بہیمیت کے ظلمانی پردے ان کی آنکھوں سے اٹھ گئے اب ان کو عالم میں کسی کی ہستی نہیں دکھائی دیتی۔ اس آفتابِ حقیقی کے سامنے تمام وجودات کے ستارے مخفی ہو گئے یا یوں کہو کہ اشیاء کے تعینات پر نظر نہیں رہی پھر تو تمام اس کی ہستی اور اسی کے وجود کا دریا رواں دیکھتے ہیں۔

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

اور اسی معنی میں عارف جامیؒ نے فرمایا۔

بخدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست بے نشاں است کز و نام و نشاں چیزے نیست

اور بندہ کی ایسی حالت ہو جانی عقلاً ممکن ہے اور اس کی تمثیل یہ ہے کہ جب کوئی سبز یا سرخ آئینہ آنکھوں پر رکھ کر دیکھتا ہے تو باوجود یکہ اشیاء باہم متمیز ہیں مگر سب اس کو سرخ یا سبز ہی نظر آتی ہیں۔ یہ مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام ہیں جن میں صدیقین و شہداء بھی داخل ہیں ان کو بجز اس کے اور کی حقیقی ہستی ہی معلوم نہیں ہوتی اس لیے ان کے لیے لفظ ھو فرمایا گو یہ اشارہ مطلق ہے کوئی قید نہیں مگر جب مشار الیہ معین ہے تو بجز اس کے اور کون مراد ہو سکتا ہے۔

دوم اصحاب الیمین جو صلحاء و ابرار ہیں ان کی بہیمیت کا و ملکیت کا وزن برابر ہے اس لیے ان کی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے ان پر وہ حالت طاری نہیں جو مقربین پر تھی اس لیے لفظ ھو ان کے لیے کافی نہ تھا بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق و مخلوق میں امتیاز کر دے۔ اسی لیے اس کے بعد لفظ اللہ آیا اس کے سننے سے ان پر انکشاف ہو گیا کہ مستجمع جمیع صفات کمال اور الوہیت کا مستحق وہی ہے اور کوئی نہیں۔

سوم: اصحاب الشمال یعنی اشرار جن کی ملکیت پر بہیمیت غالب آ گئی اور آنکھوں پر بھاری پردے پڑ گئے، عقلِ خداداد کا نور زائل ہو گیا۔ قلب کے آئینہ پر زنگ لگ گیا، روح کا جوہر بگڑ گیا۔ یہ کفار و مشرکین ہیں ان عقل کے اندھوں کے نزدیک جہاں کوئی بڑی چیز سامنے آ گئی اور اس کا کرشمہ ان کے دل پر نقش ہو گیا اسی کو الوہیت میں شریک کر لیا۔ پھر کسی نے اس کو مستقل دوسرا خدا مان لیا کسی نے خدائی کا حصہ دار ٹھہرا لیا۔ آفتاب، ستارے، عناصر، احجار و اشجار و ملائکہ و بنی آدم کے ابرار و مقربین اور جن و خبیث سب کو خدائی میں شریک کر لیا۔ ان کی مثال گدھے کے نادان بچے کی سی ہے، گائے دیکھی اس کو ماں سمجھ کر پیچھے ہو لیا۔ بیل دیکھا اس کو ماں سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ پھر کسی نے ذاتِ حق سبحانہٗ کا شریک ٹھہرایا تو کسی نے صفات کا۔ ان کے لیے لفظ احد ارشاد فرمایا تا کہ اس لفظ کو سن کر ہی سمجھیں۔

دوسری بات یوں تو بہت سے باطل مذہب ہیں اور اس وقت بھی تھے مگر ان کی تقسیم یوں کر کے ضبط کر سکتے ہیں کہ یا تو وہ لوگ ہیں جو سرے سے اس کائنات کے بانی کا مستقل وجود ہی نہیں مانتے عناصر و کرات کو کہتے ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ زمین، پانی، ہوا، آتش، افلاک و سیارات اور پھر ان کی ترکیب سے حیوانات و جمادات و نباتات موالیدِ ثلثہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ قوت جو مرکب ہونے سے ان میں آئی ہے باقی ہے اور محافظ قوت ان کی صورت ہے۔ یہ باقی ہے تو قویٰ بھی رہتے ہیں نہیں تو ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جز اپنی اپنی جگہ ہو کر چلا جاتا ہے اور اسی کا نام فنا ہے نہ کوئی خدا ہے نہ ملائکہ نہ غیر محسوس چیزوں کا وجود ہے نہ مرنے کے بعد حساب ہے نہ ثواب و عذاب۔ انبیاء و دیگر اچھے لوگ بندوں کی تعلیم کرنے کے لیے اور ترغیب و ترہیب کے لیے جنت و دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ یہ ایک مذہب ہے پھر اس کی بہت سی شاخیں ہیں دہریہ اور طبعیہ اور یورپ میں آج کل اپنی ملکی زبانوں کے ناموں سے مختلف القاب سے موسوم ہیں۔ حکماءِ یونان میں بھی ایسے بہت لوگ تھے اور دیگر ممالک میں بھی اور ہنود میں ایسے بہت گروہ ہیں یہ بلا پہلے بھی بہت پھیلی تھی اور آج کل نئی تعلیم کا زور اسی پر ہے اور ان کو شرع میں ملحد بھی کہتے ہیں۔ ملحدوں کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔ یا وہ اس کائنات کے بانی کا وجود مستقل مانتے ہیں اور اس کی ہستی کائنات کی ہستی سے جدا تسلیم کرتے ہیں پھر ان کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں۔ خدا، اللہ، گاڈ، پرمیشر، تنکری وغیرہ اور یہ فرقہ بہت ہے۔ اور اکثر دنیا کی آبادی میں یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسم ہیں یا تو وہ کسی آسمانی کتاب اور نبی کے قائل ہیں یا نہیں اور جو قائل ہیں ان کو متدین کہتے ہیں اور جو قائل نہیں وہ غیر متدین ہیں۔ غیر متدین لوگوں کے پھر بہت سے فریق ہیں جیسا کہ افریقہ اور ہند کے جنگلی لوگ۔ پھر جو ان میں شائستہ ہیں انہوں نے از خود یا ان کے پیشواؤں اور علماء نے ان کے لیے قوانین بھی بنائے

ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں ۔ میرے نزدیک اکثر ہنود کے مذاہب اور اسی طرح اہلِ چین وتاتار کے مذاہب اور اسی طرح مجوسیوں کا مذہب اسی قسم میں داخل ہے ۔ اس فریق کے آگے بہت سے فریق ہیں مگر سب نے بانیِ کائنات حق سبحانہ کی ذات پاک اور اس کے صفاتِ مقدسہ میں کائنات میں سے بڑی بڑی چیزوں کو حصہ دار ٹھہرایا ہے ۔ عناصر وکواکب واحجار واشجار اور ارواحِ غیر مرئیہ کو ۔ ان اشیاء کو سمجھتے ہیں کہ یہ مستقل خدا تو نہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے بغیر کوئی کام بھی نہیں کر سکتا اس لیے ان کی خوشامد کرنا بھی انہیں ضرور ہوا اور پھر ان چیزوں کی پرستش اور نذر ونیاز کے عجائب عجائب دستورات قانون بنائے ۔ کسی نے ان کے نفوس کی پرستش کی ، کسی نے ان کے اجسام کی مورتیں بنائیں ، پھر کسی نے صرف علویات کی پرستش پر قناعت کی ۔ ستاروں اور کواکب کو پوجنا اختیار کیا ، فرقہ صابیہ جو کئی جگہ مذکور ہوا اس کا یہی طریق تھا قدیم یونانی اور اہلِ مصر اور اہلِ شام وعراق کا بھی یہی مذہب تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے بھی اسی طرح صدہا معبود تھے کہ جس طرح اب تک ہنود کے ہیں اور مجوس بھی اسی طرح عناصر پرستی کرتے تھے جیسا کہ اب تک کرتے ہیں ۔ اب رہا فرقہ متدین جو دنیا پر تعداد میں سب سے زیادہ ہے پھر ان کے بھی اقسام ہیں ۔ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر تک کے اکثر نبیوں کو مانتے ہیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت اور دیگر صحف انبیاء علیہم السلام کی جو ان کے پاس محرف موجود ہیں تعظیم کرتے ہیں ۔ سامریہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کو مانتے ہیں وہ بھی یہود میں سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے ۔ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور توریت کو بھی انجیل کی طرح مقدس سمجھتے ہیں ۔ یہ متدین فریق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا پھر ہر نبی اس طریقہ کو تقویت کرنے کو آیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اس طریقہ کو نہایت رونق دی اور اس کی بنیاد کے مستحکم پتھر رکھے ۔ اس لیے اس بزرگ باخدا کی طرف سے ہر فریقِ متدین منسوب ہوتا ہے اور اس کو حنیفیہ کہتے ہیں ۔ طریقۂ حنیفیہ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا اعتقاد اور مرنے کے بعد جزاء وسزا اقرار شرط ہے ۔ خالص عبادت کی تاکید اگلے نبیوں اور ان کی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے ۔ ناجائز افعال کے ارتکاب سے ممانعت ہے ۔ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اس طریقہ کی پابندی کا دعویٰ تھا ۔

مگر حنیفیت میں غیر مذاہب کے اختلاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بہت نقصان آ گیا تھا ۔ یہ محل بوسیدہ ہو کر گرنے کے قریب ہو گیا تھا یہود میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے ۔ بہت سے قیامت کے ہی منکر ہو گئے تھے اور بہت میں بت پرستی رواج پا گئی تھی اور اسی طرح رومیوں اور یونانیوں اور دیگر بت پرست قوموں کے اختلاط سے عیسائیوں میں صدہا فریق ہو گئے تھے اور اب تک ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور خدائی کا تیسرا جز سمجھنے لگے اور بعض تو حضرت مریم علیہا السلام کو بھی پوجنے لگے تھے اور عرب میں بھی حنیفیت کے نشان مٹ چکے تھے عموماً بت پرستی رواج پا گئی تھی ۔

اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عرب میں ایک ایسا نبی برپا کیا جس نے اپنی روحانی طاقت سے اس ملتِ حنیفیہ میں پھر جان پھونک دی اور جو کچھ اس فرقہ میں نقص پیدا ہو گئے تھے ان کو دور کر دیا ۔ اور اس نبی پر یہ سورہ نازل فرمائی جس میں جمیع مذاہب باطلہ خصوصاً یہود ونصاریٰ کے قبائح پر تنبیہ کی گئی ہے ۔

اب دنیا میں اصل فرقہ حنیفیہ جو ہے وہ اسی نبی کے متبعین ہیں اور دراصل یہی لوگ حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام وغیرہ بزرگوں کے ماننے والے ہیں ۔

اب میں فرقوں کے ابطال کی اس سورۃ کے الفاظ سے تشریح کرتا ہوں ۔

ھو سے ان ملحدوں اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسی قدر عقل وادراک سے بھی بہرہ ور ہیں کس لیے کہ موجودات میں سے جب وہ

ایک چیز کو بھی غور کریں گے تو آخر یہی بول اٹھیں گے کہ وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اس کو ساکن بھی مان لو اور زمین کو اس کے اردگرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بن گیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا ان میں نور کیوں نہیں۔ کس لیے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں پھر اس کے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے اوروں کے نور میں سردی کا کون سبب ہے۔ پھر ان کے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مسخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کہو مادہ علت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے اس کے قائل ہونے کا کون سبب۔ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے اور اگر اور کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار ہر پھر کر اس طرف آنا پڑتا ہے۔ مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس بحث کو ہم اسی قدر پر تمام کرتے ہیں اور مادی اور طبعی آج کل حکماءِ یورپ میں اور جو بطی الفہم ہیں ان کے لیے لفظ اللہ خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

اب رہے وہ فرقے کہ جو خدا تعالیٰ کے وجودِ مستقل کے قائل ہیں اور اس کو قادر بھی مانتے ہیں مگر ساتھ ہی اور موجودات کو بھی خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ ایک نوری خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور ایک ظلمانی جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ یزدان نیک اشیاء اور نیک کام پیدا کرتا ہے اور اہرمن مضر چیزیں اور برے کام کراتا ہے اور دونوں کا باہم مقابلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ کبھی وہ غالب یہ مغلوب اور کبھی یہ غالب وہ مغلوب اور دیگر مشرکین اور اشیاء کو اس کی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ عرب فرشتوں کو اور جنوں کو خدا کے رشتہ دار اور بیٹیاں سمجھ کر کارخانۂ قضاء وقدر کا مختارِ کل جانتے تھے۔ اسی طرح عناصر اور کواکب کو مظہرِ تجلّی سمجھ کر ان کو قاضی الحاجات، دافع البلیات خیال کرتے تھے بلکہ ہنود اور مجوس اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر ان کی عبادت کے ہو نہیں سکتی نہ اس تک ان کے وسیلہ بغیر فریاد پہنچ سکتی ہے۔ نہ نذر و نیاز اور ہنود نے حیوانات نباتات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھ رکھا ہے اور عرب کے مشرکوں اور دیگر اقوام کا بھی اسی کے قریب قریب حال تھا۔ پھر کہیں کسی دیوتا کو پانی کا، کسی کو صحت وتندرستی کا، کسی کو ارزانی کا اور کسی کو گرانی کا اور کسی کو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح وشکست کا اور کسی کو موت وحیات کا مختار سمجھ رکھا ہے اور عرب نے بھی سمجھ رکھا تھا۔ پھر ان دیوتاؤں کی مورتیں پیتل، تانبے، سونے، چاندی، پتھر کی بنا رکھی تھیں اور مکانات میں رکھ چھوڑی تھیں جیسا کہ ہنود کے مندر یا بت خانے۔ پھر ان کے آگے سجدہ کرتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، نذر و نیاز پیش کرتے تھے، ناچ دکھاتے، گانے سناتے تھے، بخور جلاتے تھے، باجے بجاتے تھے اور ان مندروں کے پجاری مقرر تھے اور اسی طرح زہرہ، مشتری، آفتاب، ماہتاب وغیرہ ستاروں کے مندر بنے ہوئے تھے اور اب جس کو ان اگلے لوگوں کے حالات دریافت کرنے ہوں تو ہندوستان میں آ کر ہنود کے معابد دیکھ لے۔ کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں تو کہیں مہادیو کی مورت ہے اور کہیں بشن کی اور کہیں بھیروں کی اور کہیں کالی دیوی کی تو کہیں لاٹوں والی کی تو کہیں اور کسی کی، خصوصاً شہر بنارس میں یہ تماشا خوب موجود ہے۔ ہر چند مسلمانوں کے آنے سے بہت کم ہو گیا ہے مگر پھر بھی بہت ہے۔ پھر کہیں مرد کے اعضائے تناسل کی مورت جس کو مہادیو کا لنگ کہتے ہیں ایک کھرل میں کھڑا ہے جس کو پاربتی زوجہ مہادیو کا اندام نہانی سمجھا جاتا ہے۔ سانپوں کا مالک ومختار گوگا پیر سمجھا جاتا ہے جو ایک مارواڑی راجپوت تھا اسی طرح اور صدہا مکروہات ہیں۔ ہنود کا فرقہ محدثہ جس کا آریہ نام ہے۔ ہر چند تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعے سے اس داغ بدنامی کو اپنی کتب سے مٹانا چاہتا ہے اور جن کتابوں سے مٹ ہی نہیں سکتا جیسا کہ اٹھارہ پوران ان کا منکر ہو گیا ہے مگر سناتن دھرم کے پنڈت ان کی اس تدبیر کو کب چلنے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ان چیزوں کی پرستش جیسا کہ ہزار ہا سال سے مروج ہے ہمارے چاروں ویدوں اور چھوؤں شاستروں اور اٹھارہ پرانوں کی صریح عبارات سے ثابت ہے۔ کوئی ایک آدھ جملہ نہیں جو اس کی تاویل کی جائے بلکہ بڑے بڑے چوڑے

مضامین ہیں اور ہمارے تمام پنڈت جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے یہی مطلب سمجھتے آئے ہیں اور قدیم شراح نے یہی مطالب بیان کئے ہیں۔ پھر یہ دیانند جو دراصل سنسکرت کا ماہر بھی نہ تھا نہ اس کے پورے قواعد جانتا تھا ہزاروں برسوں کے بعد کہاں کا پنڈت پیدا ہو گیا جو ہیر پھیر کے خلاف محاورے زبان کے معنی بیان کرنے لگا۔ یہ کتابیں نہ آسمانی ہیں نہ ایک شخص کی تصنیف ہیں۔ چاروں ویدوں میں سے رگوید اول کتاب ہی کو دیکھو کہ متعدد اشخاص کے کلام متعدد مذاق کے موافق ہیں جن کے نام بھی شراح نے ہر شکتی کے سرے پر لکھ دیئے ہیں۔ نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کتابوں میں کبھی تغیر نہیں ہوا کس لیے کہ کئی بار یہ کتابیں دنیا سے معدوم ہو چکی ہیں جن کو اوتاروں نے موجود کیا ہے۔ اگر آریہ فرقہ کو جو دیانند جیسے بے علم کا معتقد ہے۔ نئی تعلیم اور مسلمانوں کی توحید سے یہ بت پرستی ناپسند ہے اور مذہب قدیم ان کے نزدیک سراسر جاہلانہ خیالات کا مجموعہ ہے کہ جس کو کوئی روشن دماغ قبول ہی نہیں کر سکتا اور اسی لیے وہ ہمیشہ ہندوستان ظلمت نشان کے باہر بھی نہیں نکلا تو وہ ان کتابوں اور اس مذہب کی کہاں تک مرمت کرے گا حق پسندی یہی ہے کہ صاف صاف اقرار کرے کہ باطل ہے اور مذہب اسلام کو قبول کر لے اگر اس بارہ میں قوم سے ڈرتے ہیں اور اپنی پرانی گدڑی کو گانٹھ کر تعصب سے دوشالہ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور حب الوطن کا حق ادا کرتے ہیں تو ایمانداری نہیں پوری خیانت ہے۔ (میں پنڈتوں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں)۔

الغرض سینکڑوں معبود ہیں ایک دو نہیں۔ اسی طرح بعض قوموں نے اور اور آلے بنائے تھے ان سب کے رد کے لیے لفظ احد آیا کس لیے کہ حق سبحانہٗ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے کوئی اس کا کسی وصف میں شریک نہیں۔ اب اس کی توحید کے دلائل اگر میں مفصلاً بیان کروں تو ایک اور مبسوط کتاب بن جائے۔ خصوصاً ان قوموں کے لیے (جو خدا تعالیٰ کو بھی قادر جانتے ہیں مگر مخلوق کو مظاہر یا اس کے کارخانوں کا مالک و مختار جان کر پوجتی ہیں) تو لفظ احد اس غلط خیال کے مٹانے کو سیفِ قاطع ہے کس لیے کہ مقامِ احدیت میں اس کے سوائے اور کسی کا وجود بھی نہیں پھر صفات میں شرکت کیسی وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر بلید الفہم لوگوں کو اس کے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا۔ اللہ الصمد کہ اللہ بے نیاز ہے اس کو اپنے کسی کام میں کسی کی حاجت نہیں اور وہ حاجت روا اور قاضی الحاجات بھی ہے۔ پھر کون ہے جو بندوں کی حاجت براری کرے اور کسی کی مجال ہے جو اس کے آگے دم مارے۔ اس کی شانِ صمدیت نہیں چاہتی کہ اور کی عبادت کی جائے۔

الوہیتِ مسیح کا رد | اب فریقِ متدین کی خام خیالیوں کا بطلان کرتا ہے فقال لم یلد اس نے کبھی کسی کو نہیں جنا۔ توالد و تناسل اس کی احدیت وصمدیت کے برخلاف ہے کس لیے کہ بیٹا باپ کے ہم جنس ہوا کرتا ہے۔ پھر جب دوسرا اس جیسا ہوا تو نہ احدیت رہی نہ بلحاظ صفات کے صمدیت باقی رہی۔ کس لیے کہ صمد وہی ہے کہ جس کو کسی کی حاجت نہ ہو اور سب کو اس کی طرف حاجت ہو۔ پھر بیٹا باپ کا ہم جنس جب ہی ہو گا کہ وہ بھی اس کے مانند اوصاف رکھ کر حاجت براری کرے۔ پس نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں نہ جن نہ حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں نہ حضرت عزیر علیہ السلام جیسا کہ عیسائیوں اور یہود کا خیال ہے۔ نہ خود یہود یا کوئی قوم اس کی اولاد ہے جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ نحن ابناء اللہ واحباء ہ ولم یولد اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں کس لیے کہ اگر باپ ہو تو حادث ہو جائے اور حادث خدا نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کسی مشہور فریق کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا باپ ہے مگر یہ جملہ اس لیے ارشاد ہوا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جو کسی سے جنا گیا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس قاعدہ پر وہ جو حضرت مسیح علیہ السلام و عیسائی خدا کا بیٹا اور خدا بھی کہتے ہیں اور اب تک الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور اسی فاسد اعتقاد کو ایمان اور موجبِ نجات جانتے ہیں اس کا بھی کامل رد ہو گیا۔ **تثلیث کا رد:** عیسائیوں کا ایک اور فاسد عقیدہ ہے وہ کیا؟ تثلیث کہ باپ خدا یعنی حق سبحانہٗ اور بیٹا خدا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام یا دوسرا فرشتہ یا روح اعظم خدا۔ پھر سب ایک خدا نہ تین۔ ہر چند مذکورہ بالا دلائل سے یہ عقیدہ بھی باطل ہو گیا مگر اس کی زیادہ تر تصریح کرنے کے لیے فرما دیا ولم

یکن لہ کفوا احد کہ اس کا کوئی کفو یعنی مثل بھی نہیں جب اس کا کوئی ہمسر نہیں اور احدیت وصمدیت اور کسی کو نہ جننا نہ کسی سے جنا جانا اسی کا مقتضی بھی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس پر خدا کا اطلاق کرنا ہمسر اور کفو ثابت کرنا ہے جو بدیہی البطلان بات ہے اور عیسائی تینوں کو برابر خدا کہتے ہیں پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہمسری اور کفویت ہوگی؟

جمیع مذاہبِ باطلہ کے عقائدِ فاسدہ کا کن مختصر الفاظ میں اور کس شائستہ اسلوب میں رد کیا گیا ہے؟

صفات کا ثبوت | تیسری بات اس کے صفات کا ثبوت اور توضیح وتشریح اس کی کہ جس کے سننے کے مشرکین یا یہود مشتاق تھے اس طرح سے ہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات یا ثبوتیہ ہیں یا سلبیہ۔ پھر ثبوتیہ یا اضافیہ ہیں یا غیر اضافیہ جیسا کہ اس کا حی یعنی زندہ ہونا' ازلی ہونا' ابدی ہونا اور صفاتِ اضافیہ کہ جن کا تعلق یا تعقل دوسری چیز سے ہے جیسا کہ اس کا قادر ہونا، عالم ہونا، سمیع وبصیر ہونا، صاحبِ ارادہ ہونا، خالق ورازق ہونا اور صفاتِ سلبیہ جیسا کہ نہ جوہر ہونا نہ جسم ہونا' نہ کسی مکان وزمان میں ہونا، حدوث اور امکان کے خصائص سے مبرا ہونا' نہ کسی کا باپ ہونا نہ کسی کا بیٹا ہونا۔ پس ھو اللہ میں صفاتِ ثبوتیہ آ گئے۔ کس لیے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام کامل صفات پائے جائیں اور وہ مستحقِ عبادت ہو۔ ھو اس کے وجودِ اصلی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ اللہ اس کے حی وقیوم' سمیع وبصیر' علیم وخبیر' قادر ومالک ہونے پر اور دیگر اوصافِ کمال پر دال ہے۔ احد صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کس لیے کہ احدیت سے مراد اس کی ذات کا منفرد اور تمام قسم کی ترکیبات سے منزہ ہونا ہے اور جب احدیت ہے تو وہ مکان اور جسم سے بھی پاک ہے کس لیے کہ مکان یعنی جگہ مجسم شے کے لیے ہوتا ہے اور جو چیز مجسم ہے ضرور مرکب ہے اس کے اجزاء لایتجزیٰ ہوں یا ہیولیٰ وصورت ہوں اور ترکیب منافیِ احدیت ہے اور جب وہ نہ جسمانی ہے نہ مکانی تو جمیع عوارضِ مکان وجسم بلکہ زمانہ سے بھی پاک ہے نہ اس کو موٹا کہہ سکتے ہیں نہ دبلا' نہ لمبا نہ پستہ قد' نہ گورا نہ کالا' نہ بوڑھا نہ جوان' نہ وہ کسی میں حلول کیے ہوئے نہ کوئی اس میں۔ کس لیے کہ حلول بھی مستلزمِ ترکیب ہے پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فلاں شخص میں گھس آیا فلاں شخص خدا کی ذات میں داخل ہو گیا محض لغو ہے اور جب وہ مجسم نہیں تو شکل وصورت سے بھی پاک ہے اور محسوس بھی نہیں اور لفظ احد اس کی یکتائی و استقلالِ صفات پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

اس کے بعد پھر صفات کی تشریح فرماتا ہے اللہ الصمد۔ صمد کے لغت میں دو معنی ہیں۔ اول قصد وارادہ کرنے کے۔ اس تقدیر پر صمد بمعنی مصمود ہوگا کس لیے کہ فعل بمعنی مفعول زبانِ عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے، ہر کوئی اس کی طرف قصد کرتا ہے۔ دوم صمد کے معنی ہیں ٹھوس کے کہ اس پر کوئی تغیر نہیں آتا وہ قوی اور مستقل ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ واجب الوجود کے معنی میں ہے۔

یہ لغوی معنی کی تحقیق تھی مگر عرب عرف میں یہ لفظ بہت سے معانی میں مستعمل ہے۔ اس لیے مفسرین میں سے ہر ایک نے ایک ایک معنی اختیار کیے ہیں۔ (۱) یہ کہ وہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کس لیے کہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں۔ (۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں سردار کے جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔ (۳) اصم کہتے ہیں کہ صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔ (۴) اسدی کہتے ہیں کہ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جو ہر کام میں مقصودِ اصلی ہو اور اس کی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔ (۵) حسین بن فضل کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔ (۶) صمد فردِ کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔ یہ سب قول اول لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور وہ سب صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱) صمد بے نیاز کہ جس کو کسی کی کسی بات میں حاجت نہ ہو۔ (۲) صمد وہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالا دست نہ ہو۔ (۳) قتادہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کھائے نہ پیئے۔ (۴) صمد وہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے فنا نہ ہو۔ (۵) حسن بصری کہتے ہیں صمد وہ کہ جس کو زوال نہ ہو جیسا کہ تھا ہمیشہ ویسا ہی رہے۔ (۶) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی مرے نہ کوئی

اس کا وارث بنے۔ (۷) یمان اور ابو مالک کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی سوئے نہ بھولے۔ (۸) ابن کیسان کہتے ہیں صمد وہ جو اور کوئی اس کے صفات سے موصوف نہ ہو۔ (۹) مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔ (۱۰) ربیع بن انس کہتے ہیں صمد وہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔ (۱۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں صمد وہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔ (۱۲) جعفر صادق فرماتے ہیں صمد وہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔ (۱۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد کے معنی ہیں بے نیاز اور سب سے بے پروا۔ (۱۴) ابو بکر وراق کہتے ہیں صمد وہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔ (۱۵) صمد وہ جو کسی کو نظر نہ آسکے۔ (۱۶) ابو العالیہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کسی کو جنے نہ کسی نے اس کو جنا ہو۔ (۱۷) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صمد بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ (۱۸) صمد وہ جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

الغرض لفظ صمد دونوں قسم کے صفات کا مجمع ہے۔ اس کے بعد بالخصوص چند اور صفتِ سلبیہ بیان فرماتا ہے۔ لم یلد کہ اس نے کسی کو نہیں جنا یعنی وہ کسی کا باپ نہیں کیونکہ بیٹا باپ کے مثل ہوتا ہے وہ اپنا مثل بنانے سے پاک ہے اور نہ وہ جورو رکھتا ہے جس سے کسی کو جنائے اور وہ خواہشِ نفسانی سے پاک ہے۔ ولم یولد اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا۔ کوئی اس کا باپ نہیں یعنی حادث نہیں قدیم ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس پر کوئی وقت نیست کا گزرا ہو۔ ولم یکن له کفوا احد وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی مثل اور ہمسر اور کنبہ وقبیلہ ہو۔

اس کی کسی بات میں کوئی مساوی نہیں نہ ذات میں نہ وجود میں۔ کس لیے کہ اس کا وجود ذاتی ہے برخلاف مخلوق کے کہ ان کا وجود اس کی طرف سے آیا ہے نہ اس کے علم میں کسی کو ہمسری ہے۔ کس لیے کہ اس کا علم بھی ذاتی ہے اس کی ذات منشاءِ علم ہے نہ اس کی قدرت میں کسی کو مساوات ہے کس لیے کہ اس کی قدرت ذاتی ہے اور کسی کو جو قدرت آتی ہے اول تو وہ محدود ہے۔ دوم اس کی طرف سے ہے۔

فائدہ: یہ سورہ حق تعالیٰ کے محامد میں ہے جیسا کہ سورۂ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے بیٹا نہ ہونے سے عیب لگایا اور ابتر کہا تھا برخلاف اس کے حق سبحانہٗ پر بیٹا ثابت کرنے سے نصاریٰ نے عیب لگایا تھا۔ پھر جس طرح وہاں آپ حق سبحانہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا کہ تیرا دشمن ہی ابتر ہے اسی لیے اس سورہ میں لفظ قل نہیں فرمایا اس سورہ میں اپنی طرف سے اپنے نبی کو مخالفوں کو جواب دینے پر مامور کیا اور اسی لیے ابتداء میں لفظ قل استعمال ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکینِ عرب اپنی جہالت سے آپ کے دشمن ہیں مگر یہ اہلِ کتاب باوجود علم وکتاب کے میرے دشمن ہیں جو مجھ پر ایسا عیب لگاتے ہیں۔

(سبحان الله عما یصفون)

(اللہ اکبر)

سورہ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝١ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝٢ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝٣

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝٤ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝٥ ع

(اے نبی! یوں) دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اور اندھیرے کے شر سے کہ جب پھیل پڑے اور گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے۔

ترکیب | برب الفلق الجار متعلق باعوذ الفلق بالتحریک الصبح واصلہ الشق یقال فلقت الشیء فلقا شققتہ والتفلیق مثلہ یقال فلقتہ فانفلق وھو عام یتناول فلق الصبح من ظلام الیل والحبوب والنباتات من الارض والماء من الجبال قال اللہ تعالیٰ فالق الاصباح وقال فالق الحب والنویٰ وقال فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ من شرما خلق متعلق باعوذ۔ ما بمعنی الذی والعائد محذوف ویجوزان تکون مصدریۃ ویکون الخلق بمعنی المخلوق وقری الجمھور باضافۃ شرالی ما وقری ابوحنیفہ رحمہ اللہ بتنوین شر وما علی ھذا مع الفعل بتاویل المصدر فی موضع الجربدل من شر ای شر خلقہ۔ وقال بعضھم ما نافیۃ والمعنی من شر لم یخلقہ وھذا فاسد لان النافیۃ لایتقدم علیھا مافی حیزھا وھذا عام ومابعدہ من الشرور الثلاثۃ تخصیص بعد التعمیم۔ الغاسق اللیل والغسق الظلمۃ وھذا قول الفراء وابی عبیدۃ وقال الزجاج الغاسق البارد وانما سمی الیل بہ لانہ ابرد من النھار۔ وقب من الوقوب ھو دخول وظلامہ یقال وقبت الشمس اذا غابت۔ النفاثات ھذا اقراءۃ الجمھور وھی جمع نفاثۃ علی المبالغۃ وقری النافثات جمع نافثۃ والنفث النفخ والعقد جمع عقدۃ (گرہ)۔

تفسیر | حسن بصری وعکرمہ وعطاء وجابر کہتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی قول قوی تر ہے اور اس میں پانچ آیت ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اختلاف مشہور ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک یہ دونوں اخیر کی سورتیں کلام الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل تو ہیں مگر قرآنِ مجید کا جز نہیں بلکہ قرآنِ مجید قل ھو اللہ پر تمام ہو گیا اور یہ دونوں سورتیں بطور تعویذ وحفاظت کے نازل ہوئی ہیں اور اسی لیے وہ ان کو اپنے قرآن میں نہیں لکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ نہیں جانتے تھے اور جس نے ان کی نسبت یہ خیال کیا ہے یہ اس کی سخت غلط فہمی ہے۔

مگر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مخالف ہیں۔ سب نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو غلط ٹھہرا دیا تھا اور جمہور کے دلائل بہت سے ہیں۔ از انجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری واحمد ونسائی وغیرہ معتبر محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے کہ زر بن جیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان دونوں سورتوں کی بابت سوال کیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے کہا ویسا ہی میں نے کہا یعنی ان کو بھی جبرئیل لائے اور یہ بھی قرآن کا جز ہیں۔ ابی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دوسری حدیث صحیح اور ہے کہ جس کو مسلم وترمذی ونسائی وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کی مثل اب تک میں نے نہیں دیکھی تھیں۔ قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جز قرآن سمجھتے تھے مگر الحمد کی طرح ان کو بھی اکثر پڑھا کرتے تھے اس لیے ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی اس نہ لکھنے کی وجہ سے لوگوں نے خیال کرلیا کہ وہ ان کو جز قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور بات بھی اصل یہی معلوم ہوتی ہے مگر اس بحث سے قرآن مجید میں تحریف کا شبہ پیش کرنا اور اپنے اوپر سے الزام تحریف اٹھانے کے لیے اس بحث کو دکھانا محض بے فہمی ہے اور کیونکر تحریف کا الزام قائم کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ سورتیں مصحف میں لکھی ہوئی ہیں اور سب صحابہ ان کو یاد رکھتے تھے، نماز میں پڑھتے تھے۔ اگر کسی وجہِ خاص سے اپنی کتاب میں کسی نے نہیں لکھا تو کیا قرآنِ مجید سے خارج سمجھی جائے گی یا تردد سمجھا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

ربط | ربط اس سورۃ کا سورہ قل ھو اللہ سے یہ ہے کہ انسان کی نجات کا مدار اعتقاد کی درستی پر ہے اور مرنے کے بعد یہی نور روح کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے جو اس عالم میں اس کے لیے سرورِ ابدی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اعتقادِ کامل سورہ قل ھو اللہ میں تمام وکمال بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ اعتقاد مراتب رکھتا ہے اصحاب الیمین کا اعتقاد راسخ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے وہ کسی کے شبہ اور دنیاوی کشمکش اور اس کی مزخرفات سے

زائل نہیں ہوتا مگر اوسط اور نیچے کے طبقے کے بھی لوگ ہیں جن کو یہ اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ لفظ قل اس پر دلالت کرتا ہے۔

عقیدہ میں خلل انداز یہ چند چیزیں ہیں۔ اول وہ امور جوان کی بہیمیت کی تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں اوران کے نورِ عقل کوڈھانک لیتے ہیں پھر اس موقع پر وہی رب الفلق جوظلمات کو دور کر کے صبح کی روشنی پھیلاتا ہے اگر دستگیری نہ کرے تو توہمات کے گرداب سے بچ نہیں سکتا اس لیے ان امور سے پناہ مانگنے کا من شر ما خلق و من شر غاسق اذاوقب میں ذکر فرمایا۔ (۲) دنیا کے تجملات اوراس کے شہوات ہیں جو انسان کے مدارک و مشاعر کی گرہوں میں ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ اس کو دیوانہ اور احمق ہی کر ڈالتے ہیں اس کے علاوہ خیالات اور صحیح اعتقاد میں تغیر پیدا کر دیے ہیں ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں ہے و من شر النفاثات فی العقد۔ (۳) مصائب اور دنیا کے مکروہات اور اعدا کا جبر اور ایذا رسانی ہے اس سے پناہ مانگنے کا ذکر و من شر حاسد اذاحسد میں کیا۔ اب رہے اوسط سے نیچے درجہ کے لوگ ان کے ایمان ویقین میں جو چیزیں خلل انداز ہیں ان کا اوران سے پناہ مانگنے کا ذکر سورہ قل اعوذ برب الناس میں ہے جن کا ذکر ہم اس کی تفسیر میں کریں گے۔

فائدہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب بندہ دل سے اس کی پناہ چاہتا ہے تو غیب سے اس کی حمایت ہوتی ہے اور نیز اس میں اشارہ ہے کہ اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہیے دل کی حالت بدلتے کوئی دیر نہیں لگتی اسی لیے اہلِ کمال ہر وقت لرزاں ہی رہا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے تھے اور نیز پناہ مانگنا بھی ایک عجز اور عمدہ عبادت ہے جو بندہ کے دل پر نورانی کیفیت طاری کر دینے میں عجب اثر رکھتی ہے۔

اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔قل کہہ دوائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس لفظ کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وہ عقائدِ صحیحہ جو سورۂ قل ھو اللہ میں بیان ہوئے میری طرف سے نہ تھے بلکہ منجانب اللہ جو آپ اس نے اپنے اوصاف بیان فرمائے کسی دلیل و برہانِ منطقی اور کسی کے انکشاف سے ثابت نہ تھے جن میں غلطی کا احتمال باقی رہتا اسی طرح ان اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا بھی اسی کا حکم ہے جو اس نے اپنے بندوں کی اندرونہ حالت پر نظر کر کے ارشاد فرمایا ہے اور خلق کے جملہ حالات اور ان کے تغیرات خصوصاً جزرومدِ انسانی کو جس قدر خالق جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اعوذ برب الفلق کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے پروردگار کی جو رات کی ظلمت دور کرتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔

فائدہ: فلق کے لغوی معنی پھاڑ چیر کر نکالنے کے ہیں۔ زمین سے دانہ نکالنے میں بھی حق سبحانہٗ کو فالق الحب و النوٰی کہا گیا ہے اور رات میں سے صبح کی روشنی نکالنے پر بھی یہ لفظ اس کی نسبت بولا گیا ہے۔فالق الاصباح اس میں اس کی قدرت و جبروت کا اظہار ہے اور ایسا ہی شخص پناہ دینے کے قابل بھی ہے اور اسی کا مرتبہ پناہ دینا اور شر سے بچانا ہے۔ یہ تھے لغوی معنی۔ پھر مفسرین کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ اس جگہ فلق سے مراد صبح ہے۔ ہر چند وہ سب چیزوں کا رب ہے مگر صبح کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے۔ تاریکی کے اقسام: تاریکی کے چند اقسام ہیں: اول عدم کی تاریکی جو بڑی تاریکی ہے جس میں کچھ کسی کا نیک و بد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ تمام عالم اس تاریکی کی رات میں تھا اسی نے ہستی کی صبح پیدا کی اور مخلوق کو وجود کی روشنی میں لایا جس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ وہی نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ دوسری جہل اور بہیمیت کی سیاہی اور جب شہوات ولذات کی رات اس میں سے صبح نکالنا فطرت اور ملکیت اور روحانیت کی روشنی پیدا کر دینا ہے۔ اس رات میں سے وہی نور کی صبح پیدا کرتا ہے جس میں انسان نیک و بد اور غلط وصحیح میں امتیاز کرتا ہے اور حقائقِ صحیحہ پر قائم رہتا ہے۔ تیسری ظاہری رات کی سیاہی جس میں خبائث و شیاطین، چور و قزاق، موذی جانور نکلتے اور اپنا شر پھیلاتے ہیں۔ وہی دامنِ شب سے صبح کا نکالنے والا اور ان کو دفع کرنے والا ہے۔ کا ہے سے پناہ مانگنی چاہیے؟ اس کا آپ ہی بیان فرماتا ہے من شر ما خلق اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے۔ خدا تعالیٰ نے جو ہستی کا باغ

لگایا تو اس نے اس باغ میں سب قسم کے بوٹے لگائے ہیں۔ میٹھے بھی، کڑوے بھی، خاردار بھی، ثمر دار بھی۔ پھر ایک مخلوق ہے دوسری کو اپنے کام میں بھی لاتی ہے۔ مثلاً شیر بھیڑ بکری کو کھاتا ہے۔ یہ شیر کے لیے خیر ہے اور بکری بھیڑ کے لیے شر۔ علی ہذا القیاس یہ ہے وہ مخلوق کا شر پھر شر عام ہے روحانی ہو یا جسمانی۔ روحانی شر عقائد کا فساد بری باتوں کی طرف میلان، جسمانی شر خسارتِ مال و امراض غلبہ اعداد وغیر ذلک۔ شر کے صدہا اقسام ہیں، سماوی، ارضی، اختیاری، بلا اختیاری، دنیا کا شر، آخرت کا شر، قبر کا عذاب، جہنم کا عذاب۔ ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے۔ شر بندہ کی مضرت ما خلق جو اس نے بنایا یعنی اس کی مخلوق انسان پر دنیا میں یا مرنے کے بعد جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ سب اشیاء کے ذریعہ سے پہنچتی ہے جو اس کی مخلوق ہے۔ سانپ نے ڈس لیا، آگ نے جلایا، غذا نے فساد پیدا کیا یہ سب شر ہیں بندہ کے حق میں مگر بالخصوص ان تین شروں سے تو ضرور ہی پناہ مانگنی چاہیے جو بڑے شر ہیں۔ (۱) و من شر غاسق اذا وقب اندھیری کے شر سے جبکہ پھیل جائے۔ اول تو رات کی اندھیری ہے جو محسوس ہے اور اسی لیے اکثر مفسرین نے غاسق سے مراد اندھیری رات لی ہے۔ اندھیری رات میں موذی اور درندے جانور نکلتے ہیں ان سے اذیت پہنچتی ہے اور چور و قزاق بھی نکلتے ہیں۔ لوگوں کو شر پہنچاتے ہیں۔ جن و خبائث نکلتے ہیں کس لیے کہ نور سے ان کو نفرت ہے کیونکہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ ان سے بھی بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ دوسری بہیمیت اور قوائے شیطانیہ کی اندھیری ہے معاذ اللہ جب یہ آ کر گھیر لیتی ہے تو پھر شر ہی شر ہے اس میں غصہ ہے تو وہ ہے جو نہیں کرنا تھا وہ کرا دیتا ہے۔ طمع ہے تو وہ ہے جو دام میں پھنسا کر دارین کے قید خانہ میں قیدی کرا دیتی ہے اور شہوت وہ بلا ہے کہ الٰہی توبہ۔ پھر ادراک و شعور میں بھی فرق آ جاتا ہے اچھے کام برے اور برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں وہ نورِ عقل و ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ تیسری حجاباتِ روحانیہ کی اندھیری ہے جو واصلانِ محبوب پر طاری ہو جاتی ہے اور ان کو مشاہدہ سے محروم کر دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر ان کے لیے کیا شر ہے جو شرِ محض ہے ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے جو ان سب اندھیریوں کو دور کر کے روشنی نکالتا ہے اور خدا کے صفات میں سے بالخصوص رب الفلق کو ان شروں سے پناہ مانگنے میں ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

(۲) و من شر النفاثات فی العقد گرہوں میں پھونکنے والیوں کی شر سے بھی پناہ مانگنا چاہیے۔ نفث لغت میں پھونکنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں۔ نفاثات نفاثہ کی جمع ہے اور بعض قراء نے نافثات بھی پڑھا ہے۔ وہ نافثہ کی جمع ہے نفاثہ وہ عورت جو بہت پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہو اور تاگے میں گرہیں لگاتی ہو جس کو جادوگرنی کہتے ہیں۔

سحر کے اثر پر بحث! مفسرین کا ایک گروہ ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے کہ جادوگرنیاں جو جادو کرتے وقت پھونک پھونک کر تاگے میں گرہیں لگاتی ہیں ان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سحر میں اثر ہے جیسا کہ نظر میں ہے اور اس کا صدہا بار لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ خدا پاک سے پناہ مانگنی چاہیے کہ ان کے جادو کا اثر نہ چلے ورنہ آدمی کو دیوانہ کر دیتی ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کا فی نفسہ تو کوئی اثر نہیں نہ عقلِ سلیم اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ البتہ قوتِ وہمیہ میں ایک اثر ضرور پیدا ہوتا ہے جب جادوگر پھونک پھونک کر تاگوں میں لگاتے ہیں تو قوتِ متوہمہ اس سے منفعل ہوتی ہے اور یہ وہم قوی ہوتا جاتا ہے کہ جادوگر کا اثر مجھ پر ہوا پھر آئندہ جو کچھ انفعالِ طبعیہ یا صحت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ اس وہم کے سبب سے ہوتا ہے اور وہم کی مضرت کی صدہا مثالیں اور بہت سی سچی حکایتیں ہیں۔ نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کے بیمار کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ تم نے جو آبخورے سے سوتے سے اٹھ کر پانی پیا اس میں سانپ کا چھوٹا سا بچہ تھا میں نے دیکھا تھا۔ میں اور کام میں مصروف ہو گئی اس کو مار نہ سکی افسوس تم پی گئے اب وہ پیٹ میں بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ الغرض ایسا خیال پکوایا کہ اب جو پیٹ میں ریاح سے قراقر ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ سانپ کا بچہ پھرتا ہے نوبت یہاں تک پہنچی کہ نحیف وضعیف ہوتا گیا ہلاکت تک پہنچ گیا۔ ہر چند علاج کئے جاتے تھے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس راز سے ایک اور عورت بھی واقف تھی۔ اس نے لڑکے کے

والد سے کہا کہ اس کا علاج میرے ہاتھ میں ہے اور فوراً تندرست ہو جائے گا۔ اس نے بیمار سے کہا کہ میں اپنے منتر کے زور سے اس کو تیرے پیٹ سے نکال دوں گی۔ ہر روز آ کر کچھ بڑبڑاتی اور اس پر دم کر جاتی ایک روز ایک سانپ کا بچہ بھی مخفی طور پر ساتھ لے آئی مریض سو رہا تھا کہ اس کو اس کے پائجامہ میں آہستہ سے چھوڑ دیا۔ اس کے کاٹنے کا اندیشہ نہ تھا دانت توڑ دیے تھے، زہر کی نلی نکال دی تھی اور فوراً لڑکے کو بیدار کیا کہ دیکھ کیا ہے اس نے کوئی چیز پائجامہ میں پھرتی دیکھی گھبرا کا پائجامہ اتار پھینکا تو اس میں سانپ تھا۔ اس عورت نے کہا دیکھ یہی تو تیرے پیٹ میں تھا جو نکل گیا بیمار کو یقین آ گیا وہ خیال جاتا رہا۔ یوماً فیوماً تندرست ہوتا گیا۔ اس قسم کے بہت سے شعبدے دیکھنے میں آئے ہیں اور عملِ مسمریزم کی تو اسی پر بنیاد ہے اور قوت وہمیہ ہر ایک شخص میں ہے، خواہ نیک ہو یا بد مگر زیادہ مادہ کم علموں میں ہوتا ہے خصوصاً لڑکوں اور عورتوں میں۔ اس لیے ان پر وہم کی زیادہ فسوں گری چل جاتی ہے اور اسی طرح جاہل اور ناشائستہ اقوام کا حال ہے اور انہیں لوگوں میں سحر جھاڑے منتر کا زیادہ چرچا بھی ہوتا ہے۔ پھر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی فسونگری کو عقلِ سلیم دفع کر دیا کرے۔ وہم وخیالِ فاسد اپنا سکہ نہ جمانے پائے۔ وہم کی ظلمت طاری نہ ہونے پائے اور اسی لیے رب الفلق سے پناہ مانگی جاتی ہے کہ اے رب! تو روشنی کی صبح وہم کی رات سے نکالتا ہے مجھے وہم کے اندھیریوں سے محفوظ رکھیو۔

فائدہ: جادوگر تو مرد بھی ہوتے ہیں نفاثات جمع مونث کے صیغہ لانے کی کیا وجہ؟ جمہور کے قول پر تو یہ وجہ ہے کہ بیشتر یہ جادوگری بسبب کم عقلی اور دنائتِ طبع کے انہیں میں ہوئی ہے اور جو کوئی مرد ہو کر بھی یہ کام کرتا ہے تو وہ بھی نامرد عورت ہے اور عورتوں کی جماعت میں داخل ہے۔ (۲) بعض فرماتے ہیں کہ نفاثات سے مراد نفوس ہیں سو وہ عرب کی زبان میں مؤنث ہیں تب یہ معنی ہوئے کہ نفوسِ انسانیہ کے اثرِ بد سے جو لوگوں کے دلوں میں پھونکتے ہیں پناہ مانگو۔ (۳) بعض کہتے ہیں جماعتیں مراد ہیں۔ اور جماعت کو صیغہ مونث سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ (۴) نفاثات سے عورتیں مراد نہیں بلکہ اس قسم کے اور الفاظ قرآنِ مجید میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ ذاریات وناشطات جس سے مراد خبائث ہیں جو انسان کے دل ودماغ وجگر وغیرہ اعضاء میں جن کو اصل اور استحکام کے لحاظ سے عقد کے ساتھ استعارہ کے طور پر تعبیر کیا ہے اپنا اثرِ بد پھونکتے اور سکہ جماتے ہیں۔

ابو مسلم نفاثات فی العقد کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد عورتیں ہیں مگر ان کی جادوگری اور گرہوں میں پھونکنے سے ظاہری تاگوں میں پھونکنا مراد نہیں بلکہ مردوں کے ارادوں اور ان کی مستحکم راؤں میں (جن کو بطور استعارہ کے گرہوں سے تعبیر کیا جاتا ہے کسی بات پر قوی ارادہ کرنے کو کہتے ہیں گرہ باندھ لی) تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور نفث استعارہ ہے ڈھیلا کر دینے سے کس لیے کہ جب گرہ کو کھولنا ہوتا ہے تو اس میں ذرا تھوک لگاتے ہیں کہ نرم ہو کر کھل جائے۔

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ عورتوں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے جو مردوں کی ہمتوں اور مستحکم ارادوں کو مکر کی پھونک مار کر ڈھیلا کر دیتی ہیں اور حقیقت میں عورت کی طرف مرد کو ایک طبعی کشش ہے۔ پھر یہ مردوں پر وہ فسونگری کرتی ہیں کہ ایک قصد کو توڑا کر دوسری طرف لگا دیتی ہے۔ عورت کے جادو سے خدا کی پناہ! اس کے بنائے سینکڑوں عاقل وفرزانہ دیوانہ بن گئے۔ عقائدِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ ترک کر دیے۔ اس جادو کی تاثیر کے تو معتزلہ اور حکماءِ فرنگ بھی قائل ہیں۔ یہ شر بھی بڑا شر ہے اور اسی لیے قرآنِ مجید میں ایک جگہ یوں آیا ہے زین للناس حب الشھوات من النساء الخ اور پھر یہ بھی فرما دیا ہے ان من ازواجکم واولادکم عدواً لکم فاحذروھم کہ تمہارے زن وفرزندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں ان سے بچتے رہا کرو۔

الحاصل یہ دوسرا شر کہ جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے حب الشھوات ولذات کا شر ہے جس کا جادو انسان کے دل ودماغ اور باطن قوتوں پر چلتا ہے اور یہ گرہیں ہیں ان میں وہ ایسا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں کہ سب ڈھیلے ہو جاتے ہیں مگر وہ رب الفلق کہ جو سیاہی میں سے روشنی

نکالتا ہے اگر اپنی پناہ میں لے لے اور تائید کرے اور قوائے بہیمیہ کی تاریکی میں سے صبحِ نورِ فطرت پیدا کردے تو کچھ بھی غم نہیں ۔

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم   گر تو با مائی نباشد ہیچ غم

آنحضرت ﷺ پر سحر ہوا تھا یا نہیں ! | اس آیت میں یا اور کسی آیت میں اس بات کا ذکر تک بھی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نے سحر کیا تھا یا نہیں اور کیا تھا تو کس نے اور کب کیا تھا اور اس کا کیا اثر ہوا تھا؟

یہ ساری بحث ایک بالائی بات ہے۔جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر اہلِ روایت کہتے ہیں کہ مدینہ میں لبید بن اعصم یہودی نے اپنی بیٹیوں سے حضرت پر جادو کرایا تھا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک پر کچھ پڑھ کر اور ایک تاگے میں گرہیں لگا کر ایک کنوئیں میں جو خشک تھا جس کو ذروان کہتے تھے رکھوا دیا تھا۔اس نفاثات فی العقد میں اس کی لڑکیوں کی طرف اشارہ بتاتے ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے تھے۔دو روز یہ حالت رہی تھی پھر جبرئیل علیہ السلام نے مطلع کیا تو حضرت علی وطلحہ رضی اللہ عنہما گئے اور اس کنوئیں میں سے وہ تاگا اور بال نکال لائے جوں جوں اس کی گرہیں کھلتی جاتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام ہوتا جاتا تھا۔

مگر معتزلہ اور بالخصوص قاضی وغیرہ ان روایت کا صاف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط اور بے اصل روایات ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کی راہ سے مسحور کہتے تھے یعنی جادو کیا گیا۔اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو پھر ان کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت پہنچے۔کس لیے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمک من الناس کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے؟

فریقِ سابق کہتا ہے کہ وہ مسحور بمعنی مجنوں کہتے تھے یعنی جادو سے کسی نے ان کو دیوانہ کر دیا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل وہوش میں کچھ فرق نہ آئے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا اور یہ سحر اس قسم کا نہ تھا اور لوگوں سے محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ تجھے کوئی قتل نہ کر سکے گا جیسا کہ کفار ارادہ کرتے تھے یہ نہیں کہ کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا بھی نہ پہنچے گی۔کس لیے کہ احد کی لڑائی میں دندان مبارک شہید ہوئے،خیبر میں یہودیہ نے بکری میں ملا کر زہر دیا جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیہ کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جانا اور وہ بھی چند روزہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے؟

اور سحر کا اثر نمایاں ہو جانا منافیِ شانِ نبوت نہیں۔کس لیے کہ یہ بحیثیتِ بشریت اثر نمودار ہوتا تھا اور کھانے پینے،سونے وغیرہ خواصِ بشریہ میں آپ بھی شریکِ بشر ہیں اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار جو آپ کو جادوگر کہتے تھے ان کا گمان غلط کرنا تھا۔کس لیے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

تعویذ باندھنے اور دم کرانے کا کیا حکم ہے؟ | تعویذ لکھ کر باندھنا یا کوئی کلام پڑھ کر دم کرنا دفعِ مرض کے لیے شرعاً کیسا ہے؟ علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ (بعض کہتے ہیں نہیں کرنا چاہیے کس لیے کہ مشرکین اور یہود کا دستور ہے جس کی مذمت اس آیت سے ثابت ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سے ستر ہزار شخص بلاحساب جنت میں جائیں گے ھم الذین لایسترقون ولایتطیرون وعلی ربھم یتوکلون۔متفق علیہ کہ جو وہ نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ فال وشگن لیتے ہیں اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ زینب جو عبداللہ بن مسعود کی بیوی تھیں کہتی ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرے گلے میں تاگا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا ہے یہ؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا یہ تاگا پڑا ہوا ہے (گنڈا) تب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر توڑ ڈالا اور کہا تم میرے گھر والے شرک سے بے نیاز ہو۔میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھاڑ اور تعویذ

اور ٹوٹکا شرک ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضرات [۱] کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا شیطانی کام ہے (رواہ ابوداؤد) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے داغ دلوایا [۲] جھڑوایا وہ توکل سے دور ہو گیا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو حمرہ [۳] تھی میں نے کہا آپ تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کچھ تعویذ گنڈا لٹکائے گا تو اسی کے حوالے [۴] کیا جائے گا خدا تعالیٰ ہی کا توکل بس ہے۔

(۲) اکثر اہلِ علم کا قول ہے کہ تعویذ یا جھاڑنے میں بشرطیکہ کلماتِ شرک نہ ہوں اور اس میں بھی دوا کی طرح خدا کی عطا کی ہوئی تاثیر سمجھتا ہو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ جو احادیثِ مذکورہ بالا میں ممانعت مذکور ہے یا تو ان تعویذ اور گنڈوں اور منتروں کی بابت ہے کہ جن کو جاہلیت میں مشرکین عمل میں لاتے تھے اور ان میں غیر اللہ سے استمداد و استعانت تھی اور یا ان خاص لوگوں کے لیے حکم تھا کہ جن کی توکل میں شان بلند تھی اور عوام کے لیے ممنوع نہیں اور حق سبحانہٗ نے جس طرح دوا میں عطا کی ہے اسی طرح اسما میں بھی دی ہے انکار کرنا مکابرہ ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس وغیرہ ادعیہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور صحابہ نے بھی ایسا کیا ہے اور کلماتِ مبارکہ بھی لکھ کر تعویذ کے طور پر باندھے ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سی احادیث ہیں جن کے نقل کرنے کی حاجت نہیں اور جو کوئی توکل کرے تو اولیٰ ہے۔

اب تیسری شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرماتا ہے جو وہ بھی بڑا ہی شر ہے فقال ومن شر حاسدٍ اذا حسد۔ اور کہہ کہ میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔

حسد کا بیان | حسد دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے برباد کرنے کی کوشش کرنا اور طرح طرح کے حیلے اور تدابیر عمل میں لانا۔ اور غبطہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر اپنے لیے بھی اس کی آرزو کرنا بغیر اس کے کہ اس کا برباد کرنا چاہتا ہو اس لیے حسد حرام ہے اور غبطہ جائز ہے۔

دنیا میں جس قدر شر ہیں دو ہی قسم کے ہیں۔ اول وہ جو بغیر ارادہ اور کسی خاص کاوش کے پیش آتے ہیں جیسا کہ اتفاقاً آگ میں جل جانا، پانی میں غرق ہو جانا۔ دوم وہ کہ ارادہ و اختیار سے سرزد ہوں جیسا کہ قتل، لوٹ، چوری وغیرہ اور یہ شر جو بالارادہ سرزد ہوتا ہے حتی المقدور بچنے کی راہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور بالارادہ جس قدر شر ہیں ان کی بنیاد حسد پر ہے۔ حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لیے اپنی خرابی اور بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لیے یہ شر بڑا شر ہے۔

اس لیے حکماء نے فرمایا ہے کہ یہ وہ مرضِ جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد جلتا ہے۔ پہلا گناہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا آپ بھی برباد ہوا مگر حضرت کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقبٰی بھی برباد کی اور اس مظلوم کو بھی قتل کیا۔

اس کے شر سے خدا محفوظ رکھے۔ یہ بدنصیب انسان کے خیالات بھی بدل ڈالتا ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادرِ مطلق اس کی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفتِ بد سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ دل

---

[۱] اکثر عامل جنوں کو حاضر کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔۱۲

[۲] عرب میں مرض کا علاج داغ بھی تھا اس سے منع فرمایا کہ ناحق شکل بگاڑنا ہے اور کیا کوئی دوا نہیں۔۱۲

[۳] حمرہ حائے مہملہ سے سرخ رنگ کے دانے نمودار ہو جانا ایک مرض چیچک کے اقسام سے ہے جس کو سرخ بادا کہتے ہیں۔۲ز

[۴] یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت دور ہو کر اب وہ تعویذ گنڈا ہی اس کا کارساز رہ گیا جو بغیر حکمِ الٰہی کچھ نہیں کر سکتا۔۱۲ منہ

میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر وہ سعادت جو پہلے تعلیم ہوئی تھی برباد ہو جاتی ہے۔ یہود باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے، سعادت سے محروم رہ گئے۔ حاسد کو کوئی سعادت نصیب نہیں ہوتی اس کا دل ملعون ہو جاتا ہے۔

فائدہ: بعض عارفین اس سورۃ کی اس طرح سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں الوہیت کی شان بیان فرمادی تو اب مخلوقات کے مراتب کی شرح کرتا ہے اس لیے کہ ظلماتِ عدم طاری تھے اور اس کے شر میں سب غرق تھے اس لیے اس نے ان عدم کی اندھیریوں کو پھاڑ کر نورِ وجود نکالا اس لیے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق کہہ مجھے اس کی پناہ ہے جو اندھیریوں کو پھاڑ کر ہستی کے نور میں لایا اور ممکنات پیدا کیے۔ پھر ممکنات کی دو قسم [1] ہیں۔ ایک عالمِ بالا جس کو عالمِ امر کہتے ہیں۔ ارواح و ملائکہ۔ وہاں خیر ہی خیر ہے شر نہیں۔ دوسرا عالمِ خلق یعنی عالمِ محسوس جس میں شر بھی اور خیر بھی اس لیے اس کے بعد فرمایا من شر ما خلق کہ عالمِ خلق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرو اس سے پناہ مانگو۔ پھر عالمِ خلق یا علویات ہیں یا سفلیات ہیں۔ علویات میں بھی چنداں شر نہیں لیکن سفلیات میں جمادات، نباتات، حیوانات تین ایسی قسم ہیں کہ جن میں شر ہے کہ کس لیے کہ جمادات میں تو کوئی قوتِ نفسانیہ نہیں وہ تو شر ہی شر ہے کس لیے کہ عدم ظلمت ہے۔ اس لیے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر کرتا ہے فقال من شر غاسق اذا وقب اور نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ ایسی ہے جو اس کو طول و عرض و عمق میں بڑھاتی ہے اور یہی اس کی گرہ ہیں جن میں وہ قوتِ نباتیہ پھونکتی ہے پھر نباتات کے شر ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس کے بعد ان کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا۔ ومن شر النفاثات فی العقد پھر حیوان میں قوائے حیوانیہ ہیں حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنیہ اور بالخصوص شہوت اور غصہ اور طمع اور یہ سب کے سب روح کو عالمِ غیب کی طرف متوجہ ہونے اور جلالِ الٰہی میں مشغول ہونے سے حاسد بن کر روکتے ہیں اس لیے ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں آیا و من شر حاسدٍ اذا حسد۔

اب عالمِ سفلی میں انسان ہی باقی رہا اس لیے اس کے مراتب کا ذکر سورۂ قل اعوذ برب الناس میں کیا کبیر۔

فائدہ: واضح ہو کہ اس سورۃ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو اجمالاً جملہ شروں سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی اور پناہ بھی کس سے مانگے رب الفلق سے جو اندھیریوں میں سے روشنی نکالنے کا رب ہے اس کے بعد تین شر کو بالخصوص ذکر کیا تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر اور وہ تین شر یہ ہیں۔ (۱) اندھیرے کا شر جبکہ پھیل پڑے خواہ رات کا اندھیرا ہو جس میں موذی چیزیں نکلتی ہیں خواہ قوتِ بہیمیہ کا اندھیرا جبکہ نورِ عقل پر چھا جائے اور انسان کو اندھا کر دے۔ (۲) گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کا شر عام ہے کہ تاگے کی گرہوں پر جادو منتر پڑھ کر پھونک مارنا ہو جیسا کہ ڈائنی اور جادوگرنیاں کیا کرتی ہیں یا انسانی مدارک و مشاعر دل و دماغ کو اپنے حسن و جمال کے منتر سے بیکار کرنے والی عورتیں ہوں یا عورتوں کے سوا وہ شہوات و لذات ہوں جو انسان کے دل و دماغ کی گرہوں کو اپنے منتر سے ڈھیلا کر دیتی اور مخبوط بنا دیتی ہیں۔

(۳) حاسد کا شر خواہ کوئی انسان ہو یا اسی کے اندر کا نفسِ امارہ ہو جبکہ روح پر حسد کر کے اس کی ترقی کو مٹانا چاہیے۔ الغرض یہ تینوں شر ایسے ہیں کہ جن میں ظلمت ہے اول شر میں تو ظلمت ظاہر ہے دوسرے میں بھی ظلمت ہے۔ جادوگرنیوں کے جادو سے بھی نورِ عقل پر قوتِ متوہمہ کی ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور اسی طرح حسین عورتوں کے ناز و کرشمہ بھی بہیمیت کی ظلمت پھیلا دیتے ہیں اور شہوات کی ظلمت تو اندھا ہی کر دیتی ہے۔ تیسرے شر میں بھی ظلمت ہے کس لیے کہ نفسِ امارہ کا حسد جب روح کے مقابلہ میں زور کرتا ہے تو ظلمات کا تلاطم ہونے لگتا ہے اور اسی طرح کوئی انسانی حاسد بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اندھیر ہی مچا دیتا ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے اور خود اس کے اندر تو ظلمات کے دھوئیں اٹھتے ہیں پھر ان تینوں شروں سے جو ظلمات تھے پناہ مانگنے میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق ہی مناسب تھی یعنی رب النور۔

---

[1] قرآن مجید کی اس آیت الا له الخلق والامر میں انہیں دونوں عالموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

پس ان ظلمات پر اس رب النور ہی کی مدد اور پناہ کافی ہے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تا کہ وہ اپنے نور کی تجلی ڈالے اور وہ اندھیرا دور ہو جائے یہ کمال بلاغت ہے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شر کی بنیاد ظلمت پر ہے اور خیر کی نور پر۔ اس لیے رب الفلق کا اس صفت کے ساتھ یاد کرنا اور اس سے پناہ مانگنا نور پیدا کر دیتا ہے اور اس خاصیت کا جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

اعوذ برب الفلق من شر ما خلق

(اللہ اکبر)

سورہ الناس مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

اے نبی یوں کہا کرو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی۔ اس خطرہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی بدی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو۔

ترکیب | قل اعوذ قراء الجمهور بالهمزة قرى بحذفها ونقل حركتها الى اللام برب الناس متعلق باعوذ ملك الناس عطف بيان لرب الناس قرء الجمهور ملك الناس باسقاط الالف فى ملك والملك بكسر اللام السلطان القاهر۔ اله الناس ايضاً عطف بيان من شر الواسواس متعلق باعوذ وهو المستعاذ منه۔ الوسواس بفتح الواؤ عند الفراء اسم بمعنى الموسوس وبكسرها مصدر اى الوسوسة كالزلزال بمعنى الزلزلة والوسوسة حديث النفس يقال وسوست اليه نفسه ووسوسة اى حدثته حديثاً واصلها الصوت الخفى ومنه الوسواس للصوت الجلى۔ الخناس نعت له۔ مبالغة من الخنس وهو التاخر خنس يخنس اذا تاخر ومنه قوله تعالى فلا اقسم بالخنس۔ قال مجاهد اذا ذكر الله خنس اى تاخر الشيطان۔ واذا لم يذكر تقدم الذى الخ الجملة فى محل الجر على الصفة للخناس اوفى محل الرفع بتقدير هو اوفى محل النصب على الذم من الجنة والناس بيان للخناس اوالوسواس وقيل متعلق بيوسوس اى يوسوس فى صدورهم من جهة الجن والانس وقيل بدل من شر باعادة الجار وقيل حال من الضمير فى يوسوس اى يوسوس وهو من الجن والناس والجنة والجن بالكسر بمعنى واحد۔ فى الصراح جن بالكسر پرى پرى وهو خلاف الانس۔ الواحد منه جنى بكسرتين۔ جنة بالكسر پریاں۔ قوله تعالى من الجنة والناس۔ و دیوانگی۔ قوله تعالى ام به جنة فالاسم والمصدر على صورة واحدة۔ انتهى ملخصاً۔ والناس اصله عند سيبويه اناس فحذفت فاؤه وعند غيره لم يحذف منه شىء واصله نوس اذ التصغير نويس والواحد منه الناسى۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی وہی گفتگو ہے جو سورہ فلق میں تھی اس کا شان نزول و ربط وہی ہے جو سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں بیان کر آئے ہیں اس میں چھ آیت ہیں۔

خلاصہ اس ربط کا یہ ہے کہ اس سورہ میں ان شروں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے ہیں اور ایمان کے زائل کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔ خصوصاً عامہ ایمانداروں کے لیے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی تین حالت ہیں۔ اول طفولیت کا زمانہ جس کو عقلِ ہیولانی کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت تو حضرت کو اعضاءِ جسمانی کے کمزور ہونے کے سبب بدیہیات بھی معلوم نہیں

ہوتے، ماں باپ کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ وہاں تو محض تربیت ہی تربیت ہوتی ہے جس کا متکفل وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور اپنی شانِ ربوبیت کا کس کس طرح سے جلوہ دکھاتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے اور اس نادانِ محض کی جبلت میں دودھ کا چوسنا القا کرتا ہے ایسے زمانہ کے لحاظ سے قل اعوذ برب الناس ارشاد فرمایا اور پناہ مانگنے میں اپنی اس قدیم ربوبیت کو یاد دلایا جس سے کوئی آدمی بھی محروم نہیں۔ پھر اس کے بعد نشو ونما شروع ہوتے ہوتے اس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ بدیہیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور بدیہیات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کو فکر ونظر سے حاصل کرنے لگتا ہے۔ اب ایک تو یہ علمی زور حاصل ہو دوسرے بدن کا زور' اٹھتی جوانی کا نشو ونما' لذات وشہوات کی رغبت اس کے اوپر بادشاہی کا رنگ جما دیتی ہے۔ اپنی ترنگ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ شاہانہ مزاج پیدا ہو گیا نہ آخرت کی فکر نہ کوئی مآل اندیشی اس زمانہ کے آفات اور شر بھی ایسے ہیں کہ الٰہی توبہ۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پناہ مانگنے میں ملك الناس ارشاد فرمایا کہ تو کیا ہے اور تیرا زور اور علم کیا ہے شہنشاہِ مطلق ہم ہیں ہمارے دیے ہوئے قویٰ کے لشکروں پر تو کیا غرور کرتا ہے جب چاہیں اپنے لشکروں کو تجھ سے لے سکتے ہیں اور دوسرے لشکر بھیج کر تجھے پامال کر سکتے ہیں تو اپنے زوروں پر گھمنڈ نہ کر بلکہ تمام انسانوں کے بادشاہ سے جو بڑا زور آور ہے پناہ مانگ۔ پھر اس کے بعد جب جوانی کا خمار ٹوٹتا ہے تو اس کو ادھر اُدھر کی بھی سوجھتی ہے جیسا کہ سورۂ احقاف میں فطرتِ انسانی کے بعد اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر مبذول ہوئی ہیں شکر کروں اور وہ وہ عمدہ کام کروں جو تجھے پسند آئیں۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں اور معلومات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ اس کے سینہ میں جمع ہوا اور جو کمال اس میں ودیعت رکھے گئے تھے اور جن کا تخم اس کی استعداد کی زمین میں ڈالا گیا تھا اب وہ سب باہر آ گیا اور اس کو حکماء کے نزدیک عقل بالفعل کا مرتبہ اور کمال کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اب اس پر شانِ الوہیت آشکار ہوئی۔ اس مرتبۂ کمال کے لحاظ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا اله الناس کہ لوگوں کے معبود سے جس میں جملہ کمالات اور تمام صفاتِ کاملہ موجود ہیں اور تیرا یہ کمال اس کے آگے کچھ بھی نہیں پناہ مانگ اب اپنے ان تینوں اوصاف کو (جو انسان کی عمر کے تینوں حصوں کے مناسب تھے اور اسی لیے ربوبیت' ملکیت' الوہیت کو الناس کی طرف مضاف کیا ہے) بیان فرما کر یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم کس سے پناہ مانگنے کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہے جن سے پناہ مانگنی چاہیے وہ کون سا شر ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے من شر الوسواس کہ وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے وسواس بفتح و کے معنی ہیں وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا اور بکسرہ واس کے معنی ہیں خطرہ اور وسوسہ بہرحال خطرہ اور وسوسہ ہو یا وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا ہو اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے اور دل سے کہنا چاہیے کہ الٰہی تو جو رب الناس ہے سب کی پرورش اور تربیت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو جو ملک الناس لوگوں کا بادشاہ ہے سب تیری رعیت ہیں سب پر تیرا زور چلتا ہے۔ (پرورش کرنے والا کبھی بادشاہ نہیں بھی ہوتا جیسا کہ ماں باپ اور آقا یا عزیز واقارب پرورش کرتے ہیں مگر بادشاہ نہیں سب پر زور نہیں، مخالف کے زور اور اس کے شر کو نہیں روک سکتے) مگر تو پرورش کرنے والا بھی ہے اور بادشاہ بھی تجھ کو یہ فوقیت ہے اور بادشاہ بھی کیسا بادشاہ اله الناس تو لوگوں کا خدا بھی ہے۔ بادشاہ کو اختیاراتِ شاہی حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اختیاراتِ خدائی وہاں وہ بھی اوروں کی طرح مجبور ہوتا ہے۔ موت اور بلائے آسمانی اور قضاء وقدر کے احکام میں اس کی کچھ بھی نہیں چلتی مگر تو تو خدا بھی ہے تیرے زور اور تیری قدرت کے کرشموں کو کسی انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ تجھ میں بے انتہا طاقتیں ہیں تو جیسا کہ تو نے سورہ قل ہو اللہ میں آپ بتلایا ازلی ہے ابدی ہے، یکتا ہے، صمد ہے یعنی بے نیاز ہے کسی کا کسی کام میں محتاج نہیں۔ سب تیرے ہی محتاج ہیں۔ مجھ کو وسواس یعنی وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تو پناہ دے تیرا پرورش کردہ ہوں تیری رعیت محکوم ہوں تیرا بندہ ہوں ابتدائے آفرینش سے اب تک اور آئندہ تیری ہی عنایات کا خوگر ہوں میرے کئی رابطے تجھ سے ہیں تو ہمیشہ کا کرم

گستر ہے میں موروثی خانہ زاد اور رعیت ہوں۔

پھر وہ وسوسہ ڈالنے والا کون ہے جس کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے اور پناہ مانگنے کا آپ ہی اپنی رحمت سے حکم دیتا ہے جس پر قبولیت کا اشارہ ہے؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے الخناس وہ وسوسہ ڈال کر ہٹ جانے والا چور اور داؤ گھات والا قزاق ہے۔ خنوس پیچھے ہٹنا' کام کر کے سٹک جانا جیسا کہ چوروں بدمعاشوں کی عادت ہوتی ہے۔ خرمنِ ایمان میں چنگاری ڈال دی اور چل دیے پھر اور بھی توضیح کرتا ہے کہ وہ وسواس کیا کیا کرتا ہے؟ الذی یوسوس فی صدور الناس کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور بدخطرہ اور ناپاک خیال ڈالا کرتا ہے۔

انسانی خناس کے وسواس کی توضیح: پھر فرماتا ہے کہ آخر وہ ہے کون؟ من الجنة والناس وہ جن ہے ابلیس اور اس کی ذریت جن کو قلوبِ بنی آدم تک رسائی ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں اور انہیں پر موقوف نہیں آدمی بھی ایسے ہیں جو ایمان میں یا نیک کام میں یا کارِ خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا لگا دیا کرتے ہیں۔ کہیں ملمع کار تقریر سے' کہیں پرافسوں تحریر سے' کہیں ناصح مشفق بن کر' کبھی پیر و مرشد بن کر' فقیری کا لباس پہن کر الغرض ہزاروں بہروپ بدل کر انسانی شیطان ایسے کام کرتے ہیں جن کی نسبت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس شکلِ آدم ست — پس بہر دستے نباید داد دست

ان انسانی شیطانوں کا ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور رہا ہے خصوصاً اس اخیر زمانہ میں کہ جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بہت کچھ زور ہے۔ ایمان کا تھامنا آج کل ایسا مشکل ہے کہ جیسا ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔

ایک طرف کو غیر مذاہب کے واعظ اس آزادی کے زمانہ میں ایسے نکل پڑے کہ جیسے برسات میں حشرات الارض۔ کہیں پادری اور ان کے کاسہ لیس ہیں جو طرح طرح سے دامِ تزویر پھیلاتے ہیں وعظ اور خطرات ڈالنے والی کتابوں کی تصنیف اور اخبارات ورسائل کی شہرت پر بس نہ کر کے مدارس بھی قائم کر دیے۔ عورتوں کے دلوں پر اپنے زہریلے تخم بونے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سادہ لوح ان کی چپڑی چکنی باتوں میں آکر اپنی مستورات کو بھی تختۂ مشق بنانے کے لیے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کہیں یتیم خانے بنا کر مصیبت زدوں کے بچوں کو شکار کرتے ہیں اور روٹی کھلا کر ان کا ایمان چھین لیتے ہیں، کہیں شفا خانے بنا رکھے ہیں خیراتی اور رفاہ کے کاموں کی آڑ میں ایمان سے برگشتہ کرتے ہیں۔

پھر مدارس میں بھی الحاد کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کو نیو سائنس بتایا جاتا ہے اور کس کس پیرایہ سے ایمان اسلام اور اس کے ارکان و شعائر کی توہین کی جاتی ہے' قہقہے اڑائے جاتے ہیں پھر ان کے خوشامدی اور کاسہ لیس جو نئے فلسفے کے شیدائی ہیں بلباسِ اسلام لوگوں کو ملحد و دہریہ بنا رہے ہیں۔ کہیں معراج کا انکار' کہیں خرقِ عادات کا انکار' معجزاتِ انبیاء علیہم السلام پر تمسخر' ان کے برکاتِ نفوسِ مقدسہ پر مضحکے پھر عام بدکاری کے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ جن سے بچنا مشکل۔ شراب کا دریا رواں' فاحشہ عورتوں اور برہنہ تصاویر اور لہو ولعب اور طرح طرح کے باجے اور تھیٹر اور تماشے ایسے نکل پڑے کہ جن میں سے کوئی شہر اور کوئی محلہ خالی نہ ہوگا دواؤں میں شراب' کھانوں میں شراب، پھر قانون نے شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لوگوں سے شریعت چھڑا کر رسم ورواج کی پابندی پر پروانہ دے دیا۔ پھر سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیلائی کہ جس سے کوئی تجارت اور کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ پھر ان کے خوشامدی ان باتوں کے جواز میں اپنی ملمع کار تقریروں' لیکچروں میں کیا کیا کاریگریاں[1] کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر بیچارہ شیطان بھی ششدر رہ جاتا ہو تو تعجب نہیں۔ شاگردِ

---

1 سود کے جواز کے لیے کبھی تو یہ تقریر ہے کہ سود عرب کے مفلس لوگوں کی داد وستد تک محدود تھا کیونکہ غریب آدمیوں کی ضرورت پر قرض دے کر ان سے سوایا ڈیوڑھا لینا انسانی مروت کے خلاف تھا مگر شاہی بنکوں سے منافع لینے میں یہ بات نہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ سود کا مسئلہ شارع نے ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ یہ ←

رشید استاد سے بھی سبقت لے گئے یعنۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھران کے دیکھا دیکھی وہ مذاہب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جن کی بدبو سے دنیا سڑ گئی تھی اور اب تک سڑ رہی ہے۔ پھر وہ سیاہ باطن نئی روشنی کی خوشبوئیں مل مل کر اس ناپاکی کو کیسا عطر بنا کر دکھا رہے ہیں اور اسلام اور اس کے ہادی کے پرنور چہرہ پر کیسے کیسے بدنما دھبے لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی فرضی تصویر دکھا کر اس کا چہرہ بگاڑ کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو گھن آجائے۔ ان کے خطرات و وساوس کی شرح کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ پھر خود اسلامیوں میں جو زمانہ کے اثر بد سے لوگوں نے کجیاں پیدا کر کے ان کا نام اسلام اور سنت رکھا ہے اور پھران کے مولویوں، درویشوں نے جو جو وسواس پیدا کر کے عامہ مسلمانوں کو راہِ راستِ محمدی میں ٹھوکریں کھلائی ہیں اور کھلا رہے، خدا تعالیٰ ان سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ ہے انسانی خناسوں کے وسواس کی تفسیر جن کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اب میں کسی قدر شر الجنۃ کی بھی تفسیر کرتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر خون کی طرح شیطان پھرتا ہے۔ (متفق علیہ)۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان سے شیطان پوچھتا ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی اور یہ کس نے یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا پھر جب یہ نوبت پہنچے تو کہہ دینا چاہیے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کا بھی ابن آدم کے دل پر گزر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی۔ شیطان کے گزرنے سے شر پر آمادگی اور حق کی تکذیب پر تحریک ہوتی ہے اور فرشتے کے گزرنے سے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی تحریک ہوتی ہے پھر جس کو یہ بات نصیب ہو تو اللہ کا شکر کرے اور جس کو پہلی بات پیدا ہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ (رواہ الترمذی)۔

اور یہ ممکن ہے کس لیے کہ فرشتے اور اسی طرح شیطان جسم لطیف رکھتا ہے۔ سوان کا انسان کے مجازی دم میں مداخلت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسی لیے دل پر دریا کی طرح موجیں اٹھا کرتی ہیں۔ کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدی کی طرف دل میں از خود خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا محرک نیک کاموں میں فرشتہ کا الہام ہوتا ہے اور بد کاموں میں خطرۂ شیطانی ہوتا ہے پھر جو اس خطرۂ شیطانی پر جم گیا برباد ہوا۔ اور اصل مادہ میں اس شیطانی اور ملکی گزر کا انسان کے قوائے بہیمیہ اور قوائے ملکیہ کا ہیجان ہے اور اسی لیے بعض نے غلط فہمی سے صرف مادہ کو شیطان اور فرشتہ سمجھ کر شیطان اور فرشتہ کے وجودِ مستقل کا انکار کر دیا یہ بھی ایک شیطانی خطرہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر قوتِ وہمیہ بھی ایک بڑا شیطان ہے۔ وہ اس کو کچھ کا کچھ دکھا دیتی ہے اور اس کے علوم و معارفِ حقہ میں فرق ڈال دیتی ہے۔ جس قدر گمراہ فریق ہیں اسی قوتِ وہمیہ کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا جس سے ارشاد ہے کہ اپنے علوم و معارفِ حقہ پر جو تم کو مشکوٰۃِ نبوت سے پہنچے ہیں مستقیم اور ثابت قدم رہو خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ہلاکت کی گھائی اور خسران کے گڑھے میں نہ گرو۔

فائدہ ۱: سورہ قل اعوذ برب الفلق میں رب الفلق کی ایک صفت ذکر کر کے تین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر تھا اور اس سورہ میں تین صفات ذکر کر کے ایک چیز سے پناہ مانگنا فرمایا وہ کیا؟ شر وسواس خناس۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ (۱) تو یہ کہ اس میں جسمانی شروں سے پناہ مانگی گئی تھی جس کے لیے ایک صفت رب الفلق کافی تھی اور اس سورہ میں روحانی اور دینی شر سے پناہ مانگی گئی ہے اس لیے اس کے لیے تین صفاتِ رب کا ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ معلوم ہو کہ دینی شر بڑا شر ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنے میں خدا پاک کے تین اوصاف رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔

← قیود جو لگائی ہیں تو فقہاء نے فرصت میں بیٹھ کر لگائی ہیں اسلام کے وسیع دائرۂ معاش کو تنگ کر دیا ہے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ یہاں سود لینا درست ہے۔ مگر دارالحرب کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو حکامِ وقت کے ڈر سے چپ ہو جاتے ہیں کس لیے کہ دارالحرب کے پھر اور احکام بھی تو ہیں۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ سود جو ربوٰا کا ترجمہ ہے خاص قرض لینے دینے میں ہے باقی تجارت اور ہنڈی بنے اور نوٹوں کے نافع سے کچھ تعلق نہیں۔

(۲) یہ کہ اس سورۃ میں ان تین شروں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو اعلیٰ اور اوسط کو لاحق ہوتے ہیں اور اس میں اس شر سے بچنے کا حکم ہے جو عوام کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جو نہایت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان کو خدا تعالیٰ کے یہ تین وصفِ محافظ عطا کیے گئے کہ ان صفاتِ عالیہ کے ذریعہ سے شرِ شیطانی سے پناہ مانگو۔

فائدہ۲: بعض مفسرین نے من الجنۃ والناس کا بیان قرار دیا ہے جو یوسوس فی صدور الناس میں مذکور تھا تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ خناس جو جنوں اور آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کس لیے کہ جس طرح نیک و بدخطرات انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی اور وہ بھی انسان کی طرح مکلف اور مامور ہیں ان میں بھی نیک اور بد ہیں ان کے دلوں تک بھی جس طرح فرشتۂ ملہمِ خیر کا گزر ہوتا ہے اسی طرح خناسِ ملہمِ شر کا گزر رہوتا ہے ان میں بھی مومن اور کافر ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کے لیے بھی نبی ہیں اس لیے اس قوم کے ایمانداروں کو بھی پناہ مانگنا سکھایا ہے۔

مگر یہ کلام باقی رہے گا کہ ناس کا اطلاق کیا جن پر بھی ہوتا ہے جس کے بیان میں من الجنۃ واقع ہوا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ ناس کا اطلاق انسان ہی پر ہوتا ہے نہ جن پر۔ بعض فرماتے ہیں ہوتا ہے جیسا کہ رجال کا اطلاق سورۂ جن میں جنوں پر بھی ہوا ہے یعوذون برجال من الجن۔

فائدہ۳: اس سورہ میں خدا پاک کے تین اوصاف مذکور ہوئے۔ اگرچہ وہ بندے کی تو تینوں حالتوں کے مناسب ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا مگر وسواسِ خناس سے ان تینوں صفات کو کیا اثر پہنچتا ہے؟ ضرور پہنچتا ہے کس لیے کہ جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ وسواسِ خناس ہے چونکہ اس میں لطافت بھی ہے جو دلوں تک پہنچتا ہے اور بدنِ انسان میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اور پھر کام کر کے چل دیتا ہے۔ وہ قزاق ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا اور جو پکڑا جائے اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔ اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنے میں باری تعالیٰ کی صفات میں سے وہ تین صفات اختیار کیے گئے جو اس کے لیے کافی ہیں۔ رب الناس میں لطافتِ رب کی طرف اشارہ ہے اور پاسبانی کی طرف بھی۔ کس لیے کہ رب وہ ذات ہے جس میں جمیع صفاتِ کمال ہیں اور منجملہ ان کے لطافتِ علم و خبر بھی ہے جس بغیر ظاہری و باطنی تربیت ممکن نہیں وہ خناس جب کبھی دل میں آئے گا اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا اور تربیت کا مقتضی ہے کہ باطن کو بھی شر سے محفوظ رکھے۔ اس لیے اس کے پہرے دار بھی خاصانِ خدا کے اردگرد رہا کرتے ہیں۔ یحفظونہ من امر اللہ اور اس قزاق کی گرفتاری کے لیے ملک الناس کی صفت مذکور ہوئی۔ کس لیے کہ شاہانِ عالیشان بڑے بڑے چوروں قزاقوں کو بس میں کر لیا کرتے ہیں اور پھر قابو میں کرنے کے بعد سزا دینے کے لیے الٰہ الناس کی صفت کا اظہار فرمایا۔ کس لیے کہ خدائی سے بڑھ کر پھر اور کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ سب کو اعمال کی جزا اور سزا دینا اسی کی شہنشاہی اور خدائی مقتضی ہے۔

فائدہ۴: سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں پناہ گمراہی اور حجاباتِ حاجزہ سے مانگی تھی جس کے غالباً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی قوتِ وہمیہ اور ہیبت کا غلبہ اور کبھی لذات و شہوات کی رغبت جس کی طرف ومن شر النفّٰثٰت فی العقد میں اشارہ تھا اور کبھی قوائے ملکوتیہ کا دب جانا اور عوارضِ ہیولانیہ و اسبابِ ظلمانیہ کا غلبہ پانا جس کی طرف ومن شر حاسد اذاحسد میں اشارہ تھا۔ اس لیے استعاذہ میں خدا تعالیٰ کی صفتِ رب الفلق کا ذکر کیا جو تنویر کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس سورہ میں شیطانی وسواس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے اور شیطان کا استیلاء انسانیت پر پورا پورا ہو جاتا ہے جو طرح طرح سے تخلیاتِ باطلہ اور اشکالِ مختلفہ میں ظہور کرتا ہے.......اس لیے اس سے استعاذہ کرنے میں تین صفاتِ جبروت ذکر ہوئے۔ ربوبیت، ملکیت، الوہیت کہ جن کے استیلاء شیطانی استیلاء کو جگہ نہیں ملتی۔

فائدہ۵: ابتداء قرآن کی وصفِ ربوبیت سے تھی الحمد للہ رب العالمین فرمایا تھا اور اختتام وصفِ الوہیت پر ہوا۔ الٰہ الناس فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسی کی شکرگزاری کے ساتھ عبادات و

اطاعت میں عمر گزاری جائے۔ولہ الحمد ظاہراً وباطناً۔ (اللہ اکبر)
بتاریخ ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ بوقتِ صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی۔

قطعہ تاریخ از مولوی سکندر یار خان صاحب دہلوی

سلمہ اللہ تعالیٰ

زہے تفسیر حقانی تصنیفاتِ مولانا زدیدارش فرو ریزد بدل نوارِ فیضِ حق
سکندر جست تاریخش زہاتف این ندا آمد شدہ تاریخِ سالِ اوگل از گلزارِ فیضِ حق
۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

لکھی تفسیرِ حقانی ہے کیا خوب مصنف کو خدا نے دی جو توفیق
ہوئی تاریخ کو جب فکر مجھ کو کہا دل نے یہ ہے تنویرِ تحقیق
۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

شدہ تفسیر حقانی چہ مرغوب زدیدارش نمودِ منظرِ حق
نمودم فکر بہرِ سالِ تاریخ بگوش آمد ندا ایں مظہرِ حق
۱۳۱۴ھ

هذا ماسطره فخر العلماء الاعلام الحبر القمقام زير الاسلام المدرس فی مدينة النبی الكريم عليه الصلوٰة والسلام مولانا عبدالرحمن احمد بن عبدالقادر المدنی سلمه الله عن شر كل غوی وغبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدالمن جعل كتابه العزيز اصلا للعلوم و بابا للسعادة۔ وسببا للفوزوالنجاة والهداية والسيادة۔ وجعل العلماء مفتاحا لهذا الباب ونور ايستضاء بهم فی جميع البلاد۔ وفضلهم علی من سواهم من خلقه من حاضر وباد۔ فقال جل من قائل هل يستوی الذين يعلمون والذين لايعلمون وقال هل تستوی الظلمات والنور ففيه كفاية لاهل الشعور۔ وشكرالمن اصطفٰی منهم من شآء لخدمة كتابه الاسمی الكريم۔ وافاض عليهم من فتوحات الالٰهية لفهم مبانيه وتفسير معانيه مايقف دونه فهم كل فيلسوف وحكيم۔ ونظمهم فی سلك قوله تعالیٰ ومايعلم تاويله الاالله والراسخون فی العلم۔ واصلی واسلم علی المخصوص بجوامع الكلم و الهادی الی اقوم الطريق وعلی اله واصحابه الواصلين غاية السبق فی ميدان التحقيق۔ امابعد فيقول الفقيرالی رحمة ربه الغنی عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر الياس المدنی خادم العلوم ببلدة اشرف رسول واكرم نبی۔ انه اقتعدت غارب الاغتراب وانثنی الغربة عن الاقران والاتراب ودخلت بلادالهند مجبورا عن التقدير قائلارب لماانزلت الی من خير فقير وجعلت جل قصدی فی هذا السفر الاستفادة والافادة ودفع الغموم والهموم بملاقاة العلماء السادة۔ كماهو داب السلف الكرام وعادة۔ كيلا اؤب صفرا كيدين وارجع نجفی حنين فحلولی ووصولی اليها فزت بالعلماء الكرام وظفرت بزيارة الكملاء العظام منهم مفتی الانام المرجع فی جميع الاحكام البحر الذاخر الحبر الماهر السحاب الماطر عديم النظير فی هذا الجم الغفير شيخ المشائخ العلم الشامخ الملقب بحجة الله المفتی مولنا لطف الله متع الله المسلمين بطول بقائه ونضّر رياض العلوم ببهايه ومن جملة ماطلعت عليه بتوفيق العليم الحنان تفسير القرأن العظيم الشان المسمٰی بفتح المنان فوجدته مريدا فی جنسه جامعا لكل المحاسن فی نفسه غميم النفع لكل عالم وطالب عنماء فی فنه يهتدی به الی جميع المطالب كشف عن مخدرات المعانی القناع بحسن بيان وتوضيح واقناع يشفی به الداء العضال ويزاداد المهتدی به هداية ويهتدی به الضال هوالبحر الا ان للبحر ساحل وللبحر جزروليس له جزر كيف لاوهوتاليف العالم العلامة البحرالمدقق الفهامة وحيد دهره وفريد عصره الجامع بين المنقول والمعقول من فروع واصول من شدت عليه الفصاحة نطاقها ومدت اليه البلاغة رواقها وسلمت اليه دقائق المعانی اعنتها ورقائق ازمتها حتی صاربحرامده لايصارم ولايبارٰی وفردا فی حلبة العلم وميدانه لايسابق ولايجاری ببابه تحط المشكلات رحالها فتصدرعن رحابه وقد حل اشكالها جامعا لجميع المحامد والمفاخر صادقاعليه قول الشاعر ۔

ليس علی الله بمستعبد ان يجمع العالم فی واحد

وهوالشيخ مولنٰا ابومحمدعبدالحق الدهلوی بيدا انی اطلب من مؤلفه ادامه الله وبلغه مناه فی أخرته ودنياه ان ينترجم بلسان العرب وارجومنه اجابتی لهذا المطلب ليعم نفعه اهل كل لسان من قاص و دان واسئل الله الكريم رب العرش العظيم ان يحسن له ولی العواقب ويكفينی واياه شر كل حاسد مراتب وان يجمعنی واياه فی دارالنعيم ببركة نبيه

الكريم انه علىٰ مايشاء قدير وبالا جابة جذير واصلى واسلم على سيدنا محمد صلوٰة مستمرة الدوام واله واصحابه ومن تبعهم واهتدى بهديهم من الانام۔

هذا ماكتبه الفاضل الكامل العارف العامل شيخ الطريقة العلية القادرية مولٰنا محمدعمر الملقب بشاه سراج الحق انار الله سراجه

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان وعلمه البيان وانزل على عبده أيات بينات من الهدٰى والفرقان والصلوٰة والسلام علىٰ افضل الانبياء سيدنا محمداكرم الخلق من الانس والجان المويد باوضح الحجج والبرهان المبعوث بالكتاب العلى الشان وعلى ألهِ واصحابه البالغين اقصى البراعه والبيان المنعوتين فى الصحف والقرأن وبعد فان الفاضل الاديب والكامل الاريب صدرا لا فاضل فى المعقول والمنقول فخر الاماثل فى الفروع والاصول عالم انوار التفاسير القرأنية ماهراسرار الاحاديث النبوية المحقق المدقق سيدنا واستاذنا الاحق مولانا ابومحمدعبدالحق لازال ذاته محققاللحق ومبطلا للباطل قدصنف كتابا جليلًا المسمّٰى بالتفسير الحقانى جامع نكات الاصولية والفروعية فاتح مغلقات العقلية والنقلية حيث لم يسمعها الاٰذان ولم يرعيون الازمان معجبة للنواظر ومطربة للجواهر تميل اليها الطباع وتلذذبها الاسماع كافية للمتمسكين بعروة الوثقٰى وافيةً للمتشبثين بغايه القصوى۔ وانى يختفى للشمس ضوء عن ابصارفى ضحوالنهار۔ وكيف يسرد فرالمسك يحثو۔ خياشم الورى فى يوما حار۔ فيا ايهاالطالبون الصادقون هملوا الٰى مقاصد كم واشكروااالى انجاح مراصدكم فانه نعم البضاعة واحسن متاع الدنيا والاٰخرة وأخر كلامنا وختم مرامنا ان الحمد لله رب العلمين۔

حرره العبدا لاحقر المدعو محمد عمر المقلب بشاه سراج الحق۔

یہ تاریخیں حضرت فاضل اجل شاعر بے مثل علامہ فہامہ وفریدِ زمانہ فخر عرفی رشک فیضی خسرو ثانی مولٰنا مولوی عبدالعلی لکھنوی ومدراسی نے ارسال فرمائی ہیں۔ناظرین حضرت کا تہ دل سے اور مصنف صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں

حامداً مصلیاً

تواریخ عربی وفارسی واردوی تفسیر حقانی منظومہ حضرت آسی محمد عبدالعلی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ

تبصروقل ايها المستكين — هوالحق للحق حصن حصين
لقد جاء حق بتفسير حق — هوالعبد للحق حبر فطين
على رفعة الدرس بدر منير — وفى مجلس الوعظ صدر امين
لاهل النوادى ندى الايادى — لصرح الافاضات ركن ركين

به فی اعلٰی شمس علم اضآءت　به بدر نور الهدیٰ یستبین
لِفَرْعِ الکنایات اصل اصیل　لشرح الاشارات متن متین
لارباب علم امام همام　لاصحاب فن دلیل ثمین
عوالی مقاماته فی المعالی　معالی مقالاته لاتشین
ومن فوهه قط لم یصدر الا　حدیث وای وفقه مبین
واماله الفیض درساً و وعظاً　فدر سمین ودر ثمین
فمصباح تقریره غیر مطفّی　ومرأة تفسیره لاترین
له فی المعالی مدیح معلی　له فی العوالی کلام رزین
فمن شآء سوءً له حان حیناً　ومن عانه فهو نعم المعین
فأما الممشیُّ فنعم الجلیس　واما المخطی فبئس القرین
لحساده قال ربی تعالٰی　واملی لهم ان کیدی متین
فتفسیره جآء تفسیر حق　من الحق فالحق حق مبین
بارخیه قدجآء اس اسی　لحق حقیق به نستعین
اماان هذا النور مِن الحق　الاان هذا کتاب مبین
۱۳۱۴ھ　۱۳۱۴ھ

وَلَهٗ اَیْضًا قَصِیْدَہ تَارِیْخِیّه دَرفَارسِی وَ اُرْدو

لَکُمْ بُشْرٰی اَلَا یَا اَیُّهَا الْاِخْوَانِ خُلَّانِیْ　لَکُمْ طُوْبٰی اَمَا یَا اَیُّهَا الْخُلَّانُ اِخْوَانِیْ

سرسمع الاغانی را امید سمع خوش خوانی　درسبع المثانی رانوید حلقه جنبانی
رسانم مژدهٔ تازه بگوش ازجوش حقدانی[1]　نوازم کوسِ آوازه بجوش از ہوشِ حقانی
بده ساقی می باقی زراح روح وریحانی　که تاروح ازسیه مستی زندتف برتن آسانی
دمد در باغِ ایمانی و زد در راغِ حقانی　نسیم نوبہارانی شمیمِ صبح گاہانی
سماع سوروجدانی و چشمِ نورِ عرفانی　شنید اسرارِ رحمانی ودید آثارِ سبحانی
دریں راہِ ہدیٰ سرکن حدے خوانی وجدانی　که گردذاں به طیِّ ہفت منزل مشکل آسانی
مرد از راہِ نفسانی بقعرِ چاہِ شیطانی　برواز فرشِ ظلمانی بسوئِ عرشِ رحمانی
چه می چینی بجایِ گل بداماں خارِ نفسانی　چه می بینی کتابِ حکمتِ دونانِ یونانی
مزین ہست ہرایوان بصنعتہائے حقانی　معنوں ہست ہر عنوان بحکمتہائے لقمانی
بہر جاده بشارتہا چه آبادی چه ویرانی　بہر سوکن اشارتہا چه پیدائی چه پنہانی

[1] ایمانی

چہ نسبت جنسِ عالی رابوصفِ نوعِ تحتانی — چہ نسبت نوعِ سافل را بذاتِ جنسِ فوقانی

نہ ضبطِ منطق اندر ربطِ حکمت باسخن رانی — نہ ربطِ حکمت اندر ضبطِ منطق زباں دانی

نہ حجت خاک افشاں دست سفلی برسرِ علوی — نہ برہان چاک دامانِ جسم تعلیم ہیولانی

نہی پاازمرجان دررہِ جانبازیِ مردان — کنی واباب منت ازکلیدِ فتحِ منانی[۱]

نجاتِ یونس ازماہی بُد اندر انج یا منجی — دُیل عصمتِ یوسف شداز بس چاک دا مانی

چو علمِ دین و ایمان راسری داری بسرگذر — زبحثِ حیص و بیصِ این وآں وہمِ یونانی

الا اے فلسفی باید سپرانداختن اینجا — ہلا اے مدعی شاید سبق نشناختن خوانی

اگر درخانہ کس داری بسوی رائے رو آری — والاشیشہ دانش بزن برسنگ نادانی

کمالِ حلم اگر جوئی مجوش ازدردِ نامردی — جمالِ علم اگر خواہی منوش ازدُردِ نفسانی

نخواہی دیدروئ پر صفایِ علم و دانش را — کہ تاگردوغبارِ جہل از دامن بیفشانی

اگر بنشینی اندرہشت خلدِ رحم و ہمدردی — لہیبِ ہفت دوزخ را بآبِ سرد بنشانی

بپایِ سربیا گرداری اندر سربرِ مجلس — چہ مجلس مجلسِ[۲] جاناں چہ جانان جان جانانی

چو صلصل میزنی تاکی براغ اندردم کو کو — چو بلبل میکنی تاکی بباغ اندرنوا خوانی

عبادت کی بودخالص زغشہائے ریاکاری — قناعت کے شودحاصل زخواہشہائے نفسانی

رضائے حق اگر جوئی فناسوجان بجانان دہ — سبکروحی اگر خواہی بیفکن بارِ جسمانی

کمالِ خلق اگر خواہی جمالِ خلق را خُوکن — حیاتِ روح اگر جوئی بدرکن خوئے حیوانی

کمر بند ازدمِ چستی دریں منزل مکن سستی — مبادا کز وصولِ راہِ حقانی فرومانی

ہمانا خوشترآں عابد کہ داغ اندر دلش باشد — نہ آن زاہد کہ دارد داز ریاوغی بہ پیشانی

توکمتر ذرۂ باخاورِ تاباں چہ می تابانی — تواحقر قطرۂ باقلزمِ عمان چہ میمانی

اگر پیرایۂ دانش نبودے نقلِ ایمان را — بیک ارزن نیرزیدے کتابِ عقلِ یونانی

قیاسِ علت و معلولِ حکمت رابہ یکسونہ — یمانی نقل[۳] رانتواں رسد عقلِ ہیولانی

دلاتا چند بردرازۂ دنیایٔ دون باشی — بیادر دینِ حق بشنو صدایٔ حلقۂ جنبانی

ببیں ازدیدۂ کثرت جمالِ شاہدِ وحدت — کہ دراثباتِ توحید ست نفیِ اول و ثانی

مزن نے ہچو نامردان بخطِ نفسِ دل سروان — بزن ہی ہچو مردان برہیوں از گرمِ جولانی

۱؎ فتح المنان ہم نام تفسیر حقانی سے لطفش بر ماہر ظاہر۔۱۲

۲؎ اشارتست لبوے مجلسیں مظہر جان نان کہ مصنف تفسیر حقانی در سلسلہ ایشاں بیعت است۔۱۲

۳؎ اعلم للتفصیل الناماقتہ جہتین جہتہ الی عالم الغیب وجہتہ الی عالم الشہادۃ ولکل من الجہتین اربع مراتب فمراتب القوۃ النظریۃ اولہا العقل الہیولانی وہوالا استعداد لبن لوالمحض التصریب من الفعل لادراک المعقولات ولیس ہذاالاستعداد حاصلا لسائر الحیوانات وانما نسب الی الہیولانی لان النفس فی ہذہ المرتبۃ تشبہ الہیولانی الاولی الوالیۃ من الصروہی النفس وکذاقوۃ النفس فی ہذہ المرتبۃ بالقص الہیولانی ایضانفی کون ہذہ المرتبۃ من مراتب القوۃ النظریۃ لیس بنظر لان النفس تیاثر بھاویستعد بھالذلک وھی للاستعداد القریب من الفعل۔۱۲

سمندِ فکرو زخشِ عقل و خنگِ فکر راپے کرو
دمِ دعوایٔ ملی ہفت خوانِ راہِ عرفانی

روی درچہ چو نصب العین داری عینکِ تاری
شوی آگہ کتابِ حق نمارا اگر توبرخوانی

معاذ اللہ از حورے کہ می باشد پس از کورے
چساں از باغ درصحرا خرامد سروِبستانی

بحمدللہ درین دوران خزاں رفت و بہار آمد
چمد در صحنِ بستان ہر شجر از فرطِ ریانی

برآ از قیدِ آب وگل در آور کاخِ جان ودل
بزن چوں بایزید ازسر خوشہا بانگِ سبحانی

برای نغز گفتاری چودر سفتن ہوا داری
کنی واچوں صدف لب را بآبِ ابرِ نیسانی

بہر مُل قلقلے مستی فزائی ازدمِ حق حق
بہرگل بلبلی دستان سرائی ازخوش الحانی

ازین اکسیر اعظم چوں مسِ دل راطلا سازے
دریں دیرِ سپنجی خاک افشاں بر زر افشانی

بدل در گنبدِ تن نعرۂ اللہ اکبر زن
مشو بزدل دریں منزل اگر شیرِ نیستانی

چو خواہی یسر عسرِ جادۂ جانہا ربّ ِیسرخوان
والاطی نہ خواہد شدرہِ مشکل بہ آسانی

کرا قدرت کہ دریابد موادِ جوہرِ کلی
کرا طاقت کہ پیمایدسوادِ ملکِ امکانی

زرویٔ شرط انتاجِ قرانِ اصغر و اکبر
کل اندرجزنہ جزدر کل بشکلِ اول وثانی

بیااندر بلاغت ہم فصاحت راچہ می جوئی
ببیں اندر درایت ہم روایت راچہ میخوانی

بیفگن تودۂ خاک ای جان ببیں دنیائے دوں ہمت
بیفشاں آستیں اے دل بریں آلودہ دامانی

نہ باشی دریک آنِ دم دروزہ سن مولد ہم
نہ درچار اخشیج و پنج حس وشش جہت مانی

چو نفسِ دون بدخالی چہ خواہی خانہ بربادی
چو بومِ شومِ بدفالی چہ جوئی خانہ ویرانی

کجازاید زشب آبستنِ دنیایٔ دوں فردا
کجا آیدزگرگِ نفس سرکش کارِ چوپانی

بشواز صفحۂ دل نقشِ دنیائی دنی یکسر
بکن حاصل مقامِ ملا اعلیٰ از پر افشانی

ہمیں نسبت بودبانوعِ سافل جنسِ عالی را
کہ فوقانی بوداین جنس وآں نوعست تحتانی

بدست اندر دریں رہ ہریکے حیران و سرگرداں
چہ کلکِ گوہر افشانی چہ سلکِ سبحہ گردانی

کجا این نارسائیِ کمندِ دستِ کوتاہی
کجا آن ذروۂ بامِ فلک سائے ثناخوانی

ملک در ذکر اوحیران فلک در فکر او گردان
بعشقش مہرومہ دارد در آتش لعلِ حیرانی

براہلِ ظاہریت رای را برروئ آوردن
بداں ماندکہ برگنبد نہی جوزِ خراسانی

جمالِ شاہد عین العیونِ واجب اعلیٰ تر
زدرکِ قوتِ درّاکہ اعیانِ امکانی

ہمانا درکِ کنہ حمدونعت واجب و ممکن
برون ست ازدرونِ سرحدِ امکانِ انسانی

کشاباب حجازی از حقیقی و زمجازی ہم
سراخوش نغمہ ہم زن زخمہ برقانونِ حقانی

ہمانا اندرین آبادیٔ دیرِ خراباتی
چوطفلان میکنی ازخاک و گل تعمیرِ ویرانی

بدارم گوہرِ سلکم ببازارِ خریداری
بیارم اشہبِ کلکم بمضمارِ سخن رانی

وہم سرور ہوایٔ چرخ شہبازِ سخن دانی
سمندِ خامہ را آرم درین میدان بجولانی

سرم شد مخزن الاسرار و جانم سبحۃ الابرار　　کہ گشت ایدر برویم فتحِ بابِ سرِ حقانی
منم امروز سفیر الحقائق ہمچو غزالی　　منم امروز تحریر الدقائق ہمچو دوانی
ہم اکنون وبرویم شیخ اول کودکی نادان　　ہم ایدون شیخ ثانی پیشِ من طفلِ دبستانی
قلم اندر کفم ہمچوں علم برصفحۂ میدان　　زبان اندر بیان در معرکہ تیغِ صفاہانی
منم امروز کشاف المعانی ہمچو جار اللہ　　منم امروز خلاق المعانی ہمچو خاقانی
بیابنشیں ببین لختی دریں تحریر حق گوئی　　بخواں بہ بہ بگووہ وہ بریں تفسیرِ حقانی
اگر داری ہوائے ہائے وہوی حق سرائیدن　　بیابشنو صدائے نغمۂ تفسیرِ حقانی
بنہ یکسو خیالِ ہفت خوان رستمِ دستان　　بطی وادیِ سی منزل تفسیرِ حقانی
طبیعی و ریاضی و الٰہی تا بکی خوانی　　بیابنشیں بخواں حرفے ازیں تفسیرِ حقانی
اگر پرسی زمن احوالِ ایں تفسیر میگویم　　جہان اینست و جان اینست وجا اینست گردانی
اگر راز و نیازِ حق شنیدن آرزو داری　　بیابنگر دریں تفسیر اسرارِ خدا دانی
تونافہمی بدیں تقریر اگر مصحف نیاموزی　　تونادانی بدیں تفسیر اگر قرآن نمیخوانی
ازیں تقریر فرقان گوئے از تفسیر خواہی برد　　ازیں تفسیرِ قرآن پنجہ با سفیرِ ہوانی
خدایا تابلب آید دلیلِ واجب وممکن　　مسلم بادامکان رانحطش چوں خطِ برہانی
چہ حق علم الیقین عین الیقین حق الیقین باشد　　چہ حق الحق احق باحق شدایں تفسیرِ حقانی
چنین تفسیر نتوان یافت کس در عالمِ امکان　　وَاِلَّا فَأْتِنَا یَا مُدَّعِیْ بِالْمِثْلِ[1] وَالثَّانِی
نہ چیدہ دامنِ گلچیں چنیں خنداں گلِ رنگین　　ندیدہ دیدۂ حق بیں چنیں تفسیرِ حقانی
چہ تفسیر آنکہ باشد غیرتِ تفسیرِ بیضاوی　　چہ تفسیر آنکہ باشدروکشِ تفسیرِ شوکانی
چہ تفسیر آنکہ مستغنی است از تفسیرِ این وآں　　چہ تفسیر آنکہ مستعلی ست برعرشِ سخن دانی
چہ تفسیر آنکہ تحریر از سوادِ عین حور العین　　چہ تفسیر آنکہ تقریر ازحدیثِ شاہِ عدنانی
چہ تفسیر آنکہ توضیح حدیثِ سرورِ عالم　　چہ تفسیر آنکہ تلویح کلامِ ربانی
چہ تفسیر آنکہ باشد مخزنِ اسرارِ لاہوتی　　چہ تفسیر آنکہ باشد مطلعِ انوارِ سبحانی
چہ تفسیر آنکہ باشد مرکزِ ادوارِ دینداری　　چہ تفسیر آنکہ باشد نقطۂ پرکارِ ایمانی
چہ تفسیر آنکہ تعلیمش علم در عالمِ امکان　　چہ تفسیر آنکہ تادیبش مؤدب باادب دانی
چہ تفسیر آنکہ در آفاق نامش نامورآمد　　چہ تفسیر آنکہ در عالم علَم اسمش بحقانی
چہ تفسیر آنکہ کشفِ سرِحق جوئی و حق پوئی　　چہ تفسیر آنکہ شرحِ تین حق گوئی و حق دانی
چہ تفسیر آنکہ دانندش ز تفسیرِ کبیر اکبر　　چہ تفسیر آنکہ خوانندش زہریک قاصی ودانی
چہ تفسیر آنکہ گوئی زابشارِ آب ورنگِ سنگ　　بدارد دربغل صدجلوۂ سروِ چراغانی

---

[1] من مثلہ

چہ تفسیرِ یکہ از علامۂ علمِ کلامِ حق
چہ تفسیرِ یکہ از فہامۂ منطقِ برہانی

چہ فہامہ کہ نامی نامِ اوعلامہ عبدالحق
کہ حق برنام اوزدسکۂ تفسیرِ حقانی

ازان جوہر نما دریائے زنبارِ گہر سنجی
وزیں گوہر نماطغرائے تسبیحِ سلیمانی

ازاں الطف نسیمِ نافہ ریزِ مشکِ تاتاری
وزین الطیب شمیمِ نفحہ بیزروح و ریحانی

ازاں مسدود اسبابِ تاویلاتِ لایعنی
وزیں مردود شد اسبابِ تسویلاتِ شیطانی

چہ تفسیر آنکہ باشد مجمعِ علم و فنش جامع
چہ تفسیر آنکہ باشد مولوی عبدالحقش بانی

چہ عبدالحق کہ الحق نامِ ادبر صفحۂ ہستی
شرف داردبراسما ہمچو بسم اللہ عنوانی

چہ عبدالحق کہ تحدیثش بود تحدیثِ حق بینی
چہ عبدالحق تفسیرش بودتفسیرِ حقانی

چہ عبدالحق کہ ذہنش واقفِ اقوالِ غزالی
چہ عبدالحق کہ طبعش کاشفِ امثالِ میدانی

چہ عبدالحق کہ اوانسان عین و عین انسان ست
چہ انسان کزوی این صنعتِ تعالیٰ شانِ انسانی

ہم اودرخیز و میز مطلبِ فقہ و حدیث اکمل
ہم او درذوق و شوق مقصدِ تفسیرِ حقانی

دمِ تقریرِ منقولی مدقق ہمچو شیبانی
بوقتِ بحثِ معقولی محقق ہمچو دوانی

کمندِ منطقش رانردبان نہ طاقِ مینائی
سمندِ حکمتش راہمعنان گردون گردانی

چمن پیرائے عقل دہنگ اہل الرای علمِ دین
بہار آرائے آب و رنگِ باغ فقہ نعمانی

بذاتش ختم شد تفسیر ہربابے وہر نوعے
بوصفش صادق آمد بحرِ زخارہمہ دانی

کشش چہرہ نشداندر چہار اقلیمِ ہندوستان
بل اندرہفت اقلیمش نزدپہلو بہ سحبانی

ولے تصدیقِ آں فرمودایں معجزنما سفرے
بلے مصداق آن گروید این تفسیرِ حقانی

بفیضِ وجود بخشش موجۂ سرچشمۂ جاری
بفضل و علم و دانش لجۂ دریائے عمانی

اگر حق برزبان آری چنیں حبرِ مفسررا
محقق میتواں دانی مدقق میتواں خوانی

مفسر ایں چنیں باید محدث ایں چنیں شاید
کہ ازسرد احادیث آورد تفسیرِ حقانی

بہ نثر جانفزائے دل وحید و فیضی وطغرا
بہ نظمِ دلکشائے جان حکیم و قدسی و شانی

بایں جادو بیانی سحر خوانی نیست مانندش
نہ جامی و نظامی ہم نہ فردوسی نہ خاقانی

علاجی دردِ قوی رازہے حاذق طبیب آمد
کہ در دارالشفائے اونماید دردِ درمانی

زسنگ سخت ایں کوہِ گراں بے دعوی معجز
عصای زدبرآورد آب چوں موسیٰ عمرانی

چہ سرہا گفت ازہربابہ معقولی و منقولی
چہ درہاسفت درسلکِ سیاقِ نظمِ قرآنی

کشود از ناخنِ فکرِ رسا آں عقدِ لاینحل
کہ درحلش عقولِ عشرہ عاجز شدز نادانی

بحمدللہ بصد تصحیح و تنقیح کہ می باید
چہ خوشخط طبع شد شرحِ کلامِ پاکِ ربانی

معانی از مبانی و زمعانی رازہا روشن
چوزیرِ برقعِ زربہ نمایاں شکلِ نورانی

نماید منجلی خطِ جلیلش چشمِ پیراں را
ضعیفاں را فزاید قوتے ازقوتِ روحانی

انیسِ جلوت و کثرت جلیسِ خلوتِ وحدت   رفیقِ عزلت و صحبت رحیقِ فیضِ سبحانی
بیاضِ روشن از روشن سوادش جلوۂ دارد   تو گوئی صبحِ نورانی دمیداز شامِ ظلمانی
مبانی یاسمن بویان مثانی رشکِ گلرویان   معانی عنبریں مویان ہمہ در عنبر افشانی
برون اوصافِ شان زا رایشِ انفاسِ اوہامے   بری دامانِ شان ز آلایشِ الواثِ شہوانی
توگوئی سبزپوشانِ گلستانِ قدم اینجا   بصد فرگشتہ نازل از فرازِ عرشِ رحمانی
اگہ از مضمونِ نُعمت مصدرِ اوصافِ قہاری   گہ ازفحوای نعمت مظہرِ الطاف پنہانی
بخوانِ سلوتت خواہد چورو برمائدہ آری   بسوئ وحدتت خواند باخلاصش اگر خوانی
سوادش غیرتِ لیلا بیاضت روکشِ بیضا   ضیائ طبع خندد برضیائ صبحِ خندانی
بچشمِ قیس و ہم چشمِ زلیخا ہر دوباید دید   جمالِ شاہدِ لیلیٰ کمالِ ماہِ کنعانی
نظردر سنبلِ پیچانِ زلفِ سطرِ اوقیدی   نگہ در دور ہائ حلقۂ آیاتِ زندانی
پئے دلدادگانِ شاہدِ خوش خال زیباخط   بودحسنِ نقطش آئینہ دارِ حسنِ وحدانی
ازین آئینہ باید دید حسنِ صورت ومعنی   وزیں گنجینہ شاید چیدُرہائ ثناخوانی
بہرلفظش بودفتح الخفائ سرِ پیغمبر   بہر حرفش بودکشف الغطای رازِ ربانی
مصفا صفحہ تاب از چشمۂ خورشید خاوربرد   مجلا کاغذآب از چادرِ مہتابِ نورانی
چہ گویم صورتِ مطبوع طبع آب و رنگِ سنگ   کہ شدآئینہ ازفرطِ صفایش غرقِ حیرانی
لباسِ طبع پوشید و فزون شد جوہرِ حسنش   چہ جوہر جوہرِ تاباں رشکِ لعلِ پیکانی
صفایش راچہ میپرسی جلایش راچہ میخواہی   ہر آئینہ در آئینہ نماید شکلِ حیرانی
بنامِ ایزدکہ از حسن و صفائی آب و رنگِ او   پریدہ آب و رنگ از جوہرِ یاقوتِ رمانی
بہر مبنی و معنی باہمی ربط آنچناں باشد   کہ قلب لام الف واقع شودچوں لام الف خوانی
مسلسل سطر پیچاں آب و تاب از سلکِ لولوبود   چہ لو لو لو لو لالاچہ لالالالۂ قانی
ہم آمد حال راسیرت نمائ صورتِ جانان   ہم آمدقال راصورت نمائ سیرتِ جانی
ہم اسرارِ خداوندِ قدم را جامِ جم آمد   ہم آئینہ نمائ شکلِ حالِ شاہِ عدنانی
بیاض صفحہا خندہ کناں برصفحۂ دندان   سوادِ حرفہا چشمک زنان برچشمِ فتانی
سوادش از سوادِ زلف لیلای خدابینی   بیاضش از بیاضِ روئے سلمائ خدادانی
سواد اندر بیاضِ او ہویدا روشن اندردل   بیاض اندرسوادِ اوبظلمتِ آبِ حیوانی
مصفا ازصفائ سطحۂ مرآت اسکندر   مجلا از جلائ چشمۂ خورشیدِ نورانی
دو چشم لفظ و معنی عشوہ سازِ صورت و سیرت   دو زلفِ ظہر و بطن ایمائ پیدائی و پنہانی
الا اے جوہری بنگر درینجا حق نماجوہر   چہ جوہر جوہرِ گوہر چہ گوہر گوہرِ کانی
سطورش نظمی از جوہر چہ جوہر جوہرِ اصلی   حروفش نثری از گوہر چہ گوہر گوہرِ کانی

مخطط ہرورق چوں خال و خطِ نوخطان آمد ‏ چہ خط کز فرطِ خوبی خط کشد برخطِ ریحانی
بیاای طالبِ تفسیرِ مصحف نقدِ دل برکف ‏ کہ سودائے چنیں جنسِ گراں شد برتوارزانی
بطرزِ خوب وہم خوش طبع شدایں نسخۂ دلکش ‏ بخوبی و خوش اسلوبی ندیدم مثلِ آں ثانی
بدیدہ سرمۂ جذب القلوب از نورِ حق بنی ‏ بعارض غازۂ حسنِ قبول از رنگِ حقدانی
چناں مقبول عالم آمداز احقاقِ حق الحق ‏ کہ چوں قرطاس زرّش میبرد ہر قاصی ودانی
زہے حسنِ قبولِ او کہ ہرگہ پیش کردندش ‏ قبول آمدبدرگاہِ [1] نبی انسی وجانی
پس آسی خودنبی چوں سالش ازجبریل پرسیدند ‏ بگفتا یارسول اللہ زہے تفسیرِ حقانی
بمیدانِ زبانِ فرس تااینجا سخن راندم ‏ در اُردوئے معلّٰی ہم عنان تاہم بجولانی
پس ازعذرثنائِ حق و نعتِ شاہِ عدنانی ‏ کہ ان دونوں سے گونگی ہے زبانِ نطقِ انسانی
کہاں ہے قوتِ دراکہ اورکس جاہے عقلِ کل ‏ یہاں دونوں ہیں ابجد خوانِ حرفِ لوحِ نادانی
کلامِ نفسی واجب کی کیونکر ہو ثنا ممکن ‏ کہ نفس الامر میں امکان سے باہر ہے ثناخوانی
کہاں ممکن سے ہو ممکن ابد کے معنیِ واجب ‏ کہاں حادث سے ہو حادث ازل کی شرح پایانی
کلامِ نفسی و تعبیرِ لفظی میں ہے ضدباہم ‏ کہاں وہ واجبِ باقی کہاں یہ حادثِ فانی
کجاوہ فرعِ نامحکم کجایہ اصلِ مستحکم ‏ کہاں وہ عقلِ یونانی کہاں یہ نقلِ ایمانی
کجا تشریقِ بیضاکی کجاتنویرِ مہتابی ‏ کہاں تقدیس واجب کی کہاں تحدیثِ امکانی
جو دیکھو اس طلسمی خانۂ دنیا میں عبرت سے ‏ کہ ویرانی میں آبادی ہے آبادی ہیں ویرانی
میں الحق حق ہی کہتا ہوں کہ جز علامہ عبدالحق ‏ ہے کس میں ایسی حق گوئی وحق بینی وحق دانی
ہے منطق ان کی لونڈی اورحکمت ہے غلام ان کا ‏ بجا ہے گر کہوں میں ان کو شیخِ اول و ثانی
مطب میں بوعلی سینا و افلاطون و فارابی ‏ ادب میں سیبویہ و ابنِ رشد و شیخِ جرجانی
کہوں کیونکر نہ ان کو شہسوارِ عرصۂ معنی ‏ کہ ہر دم زیرران ان کے ہے شبدیزِ سخن رانی
فصاحت میں ہیں جرجانی بلاغت میں ہیں میدانی ‏ روایت میں ہیں رزقانی درایت میں ہیں وذانی
ہے زیبا جولکھیں اربابِ فضل ان کی فضیلت میں ‏ ہے اولیٰ جو کریں اصحابِ علم ان کی ثنا خوانی
علم کرتا ہے ان کا علمِ حق اظہار عالم میں ‏ قلم کرتا ہے ان کا مثل نیساں کی دُر افشانی
وہاں ہے حقۂ دُربائے تفسیر و حدیث ان کا ‏ زبان ہے چشمۂ آب روانِ فقۂ نعمانی
محقق ہو تو ایسا ہو مفسر ہو تو ایسا ہو ‏ مناظر ہو تو ایسا ہو کہ بات اس کی ہو برہانی
بیان ہے دلگدازِ بزمِ ایوانِ سخن سنجی ‏ زبان ہے یکہ تازرزمِ میدانِ زباندانی
ہے سرعت میں ہوائے تیزبائے فرشِ بحروبر ‏ ہے رفعت میں ہمائے چرخ سائے عرشِ رحمانی
وہ حرکت ارتجالِ فکر کی یاگردشِ گردوں[2] ‏ وہ جودت انتقالِ ذہن کی یابرقِ جولانی

---

[1] افتاددرگاہِ شاہ۔الخ

[2] ۱۳۱۴ھ

بتادی مذہبِ تحقیقِ حق بینی کی راہِ راست
دکھادی ا ب یِ ن دانی لی جولانی

نگاریں کلکِ گوہر سلکِ رنگا رنگ صنعتِ سے
عیاں ہے حال و خطِ نوعروسِ نظمِ قرآنی

ہر آیت کے وقائق اور حکایت لکھ دیے بالکل
بتائے کھول کر مصحف کے سب اسرارِ پنہانی

فصاحت اور بلاغت سے نہ پر کیونکر ہو یہ تفسیر
کہ اُردو و فارسی عربی کی حاصل ہے زباندانی

ظہورِ حق سے اس تفسیرِ حقانی کی حق یہ ہے
کہ گویا دہریوں اور ملحدوں کی مر گئی نانی

بہت ہیں اب بھی دجالون کذابون دنیا میں
سوا دجالِ اعور کے کہ ایک آنکھ اس کی ہے کانی

خصوصاً دہریت اور نیچریت کا ہے رد اس میں
باثباتِ بدیہیات و نظریاتِ برہانی

ہوا ہے منکروں پر ظاہر اس تفسیر سے سب کچھ
جنان و دوزخ و میزان و حوض و حور وغلمانی

فنائے کائنات و نفخِ صور وحالتِ برزخ
عذابِ قبر و ایجابِ سوال و حشر ابدانی

مگر سچ پوچھو تو ہر ایک نے اطرافِ عالم میں
اسی تفسیر سے قدر اس مفسر کی ہے پہچانی

کتب فُصِّلَت اٰیٰتہٗ تفصیل میں بیمثل
کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ حکمت میں لاثانی

ہوئی سرد اس سے بالکل دہریت کی گرم بازاری
کہ گویا آگ پر باطل کی حق کا پڑ گیا پانی

یہ آئینہ ہے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا
یہ گنجینہ ہے لعل و گوہرِ ایمان کا لاثانی

ہے جس سے بڑھ گئی سب دینِ حق کی حق نما شوکت
ہے جس سے گھٹ گئی سب نیچری دریا کی طغیانی

ہے جس سے عسکرِ ابرار کی جمعیتِ خاطر
ہے جس سے لشکرِ کفار کی ثابت پریشانی

کہیں تحقیقِ ربط و وقف و وصل و ضبط قصرومد
کہیں تدقیقِ رسمِ خطِ توفیقِ عثمانی

کہیں احقاقِ حق ہے اور کہیں ابطالِ باطل ہے
کہیں ہے علمِ ایمانی سے ردِ فنِ یونانی

مبانی اور معانی میں ہے ربط و اتحاد ایسا
کہ جیسا لام الف میں لام الف کا ربطِ وجدانی

نہیں تشبیہ یہ لائق ہے فائق اس سے ربط اس کا
کہ نقطہ حظ میں حظ نقطے میں یہ نکتہ ہے پنہانی

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ آیاتہٗ شانِ نزول اس کا
کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ اس کی ثناخوانی

یہ ہے تفسیرِ حقانی ہے حق یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی
ہوا ہے ظاہر اس تفسیر سے اعجازِ قرآنی

سوادِ لفظ سے ہے جلوہ گر بیضا ضیا معنی
عیاں جس طرح مشکیں کاکلوں سے شکلِ نورانی

بحمداللہ کہ کیا ہے چھپ گئی تحقیق وصحت سے
زہے تفسیرِ قرآنی خہے تقریرِ فرقانی

اگر چاہو نجاتِ اُخروی اور دولتِ دینی
لو اس کو نقد جان و دل سے اے اخوانِ ایمانی

چلو! اے جوہرِ تفسیرِ قرآن کے خریدارو
کہ پائی گوہرِ جنسِ گراں نے کیا ہے ارزانی

سوا نیزے پہ جب خورشید ہو گا روزِ محشر میں
یہی تفسیر ہو گی سر پہ چترِ ظلِ سبحانی

ملے گا اجر اس تفسیر کا سب پڑھنے والوں کو
رہے گا فیض اس کا تابقائے عالمِ فانی

ہے اس میں غایتِ اعجاز کی معجز نما تاریخ
ہے اس میں آیتِ مصحف سے نکلا سال لاثانی

پس اسی آیتِ قرآن سے اس تفسیر کی آئی کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیاتُهٗ تاریخِ قرآنی

تاریخِ اختتام

تفسیر حقانی وخاتمہ جلد ہشتم درسال ۱۳۱۴ھ از جناب ساقی دادخان صاحب

بحمداللہ ز فضلِ کبریائی بہ تکمیل آمدہ تفسیرِ شیریں
زمولنائے عبدالحق محقق زہے تفسیر باتقریرِ شیریں
چوشد تفسیر حقانی نامش برائے اہلِ دین تفسیرِ شیریں
بتقلیدِ صحابہ وآئمہؒ بطرزِ کاملیں تفسیرِ شیریں
پئے دفعِ مطاعن تلخ اعدا ضرورت بودازتفسیرِ شیریں
زتورات وانا جیل ودساتیر خبرہا میدہد تفسیرِ شیریں
زبیدِ ہندواں وکیدِ نیچر کشاید عقدہا تفسیرِ شیریں
قبائحِ شرک وہم اوہامِ بدعت صراحت میکند تفسیرِ شیریں
زمکرو خدعۂ اعدائے اسلام خبردارت کند تفسیرِ شیریں
غرض بہرِ افادہ دینِ برحق زحق داردا ثر تفسیرِ شیریں
جزاک اللہ اے علامۂ عصر چہ خوش آوردۂ تفسیرِ شیریں
عدورا پا شکست از بہرِ تاریخ سروشم گفت ازتفسیرِ شیریں

۱۳۱۴ھ

تاریخ تفسیرِ حقانی نتیجۂ فکر شاعرِ بے بدل منشی مکمل حکیم غلام محی الدین صاحب متخلص بندہ

حنفی القادری ثم چشتی النظامی سیکرٹری انجمن محافظ حجاج وانجمن تبلیغ الاسلام و مالک شفاخانہ فیض واقع شہر بمبئی

لوحش اللہ دفترِ لاریب فیہ ‏ ‏ ‏ معنی وتفسیرِ قرآن حبذا

ازتفاسیر ست ایں تفسیر نیک ‏ ‏ ‏ دادتصریحاتِ شرح و بسط را

کردہ ز استدلالِ عقلیہ ثبوت ‏ ‏ ‏ شانِ توحیدِ جنابِ کبریا

گشت ردہر سوالِ منکریں ‏ ‏ ‏ ازجوابِ شافی وعلمِ خدا

برصفات و ذات و اثباتِ ملک ‏ ‏ ‏ بروجودو شکل و ماہیت بسا

کرد بحث آورد اقوالِ نبیل ‏ ‏ ‏ بادلائل باوثوقِ اہتدا

دفعِ شبہات و شکوکِ ملحدین ‏ ‏ ‏ کرد در وجۂ نبوت جابجا

غیرادیان وملل رانسخ ساخت ‏ ‏ ‏ ازبراہین و حجج صدمرحبا

اختلافِ قرأت و قراء ہم ‏ ‏ ‏ زدرقم ازِ خامۂ معجز نما

از جوابِ شافیش لب بستہ اند ‏ ‏ ‏ منکرینِ معجزاتِ انبیاء

گشت این تفسیر خضرِ راہِ حق ‏ ‏ ‏ بہر گمراہانِ دینِ مصطفٰی

بہرِ ہر نیچر جوابِ باصواب ‏ ‏ ‏ داداز آیات و تفسیرِ ھدا

شرحِ روح و عالمِ اخری نوشت ‏ ‏ ‏ کرد اثباتِ جزاوہم سزا

ایں مفسر کیست اسمِ سامیش ‏ ‏ ‏ برزبانِ من رواں شدمرحبا

بومحمد عبدحق ذی فضل و علم ‏ ‏ ‏ رافعِ شرحِ محمدؐ مصطفا

فاضلِ اکمل فقیہِ بے مثل ‏ ‏ ‏ عالمِ علمِ حقایق باخدا

ماحیِ تاریکیِ بدعات و شرک ‏ ‏ ‏ جلوۂ خورشیدِ ورع و اتقا

معرکہ آرائے بحثِ علمِ دیں ‏ ‏ ‏ مردِ میدانِ حقایق بے ریا

باز نازاں ست نطقم برزباں ‏ ‏ ‏ بازشدجاں و دلم فرحت فزا

اے کہ درعہدِ ہمایوں طبع شد ‏ ‏ ‏ نام والا برلب آمد حبذا

آں نظام الملک آصف جاہ و شان ‏ ‏ ‏ میر محبوب علی خاں ذوالعطا

شاہِ اسلام و شہِ ملک دکن ‏ ‏ ‏ عدل گستر خلق پرور باخدا

ناز برعہدِ شہِ ملکِ دکن ‏ ‏ ‏ می کند تفسیر حقانی بجا

مژدۂ طبعش چوشد شہرت پذیر ‏ ‏ ‏ فکر لاحق شد پئے سن بندہ را

مصرعۂ تاریخ دل ناگاہ خواند ‏ ‏ ‏ طبع شد تفسیرِ حقانی چہا

۱۳۱۳ھ

قطعاتِ تاریخِ تالیفِ تفسیرِ حقانی از نتیجۂ طبع شاعرِ بے بدل فاضلِ بیمثل حافظ محمد یعقوب صدیقی متخلص بہ انیق جونپوری ابن شیخ رمضان علی صاحب

قطعہ

مرحبا فاضل علامِ ادیبِ بے مثل — چست کیا آپ کی تقریر ہے ماشاء اللہ
یہ طلاقت یہ سلاست یہ روانیِ کلام — کیا ہی جادو بھری تحریر ہے ماشاء اللہ
ایسی تفسیر نہ دیکھی نہ سنی ہو گی کبھی — واعظو! لو۔ زہے تقدیر ہے ماشاء اللہ
مرضِ جہل و ضلالت کے مٹانے کو انیق — واقعی نسخۂ اکسیر ہے ماشاء اللہ
ایسی تحقیق و دلائل سے مدلل کہیے؟ — اُردو میں کون سی تفسیر ہے ماشاء اللہ
کہہ دو یہ منکر بے دین سے کہ رستہ کاٹے — دینِ حق کی کھلی شمشیر ہے ماشاء اللہ
مرض شرکِ و جہالت کا اڑا دے خاکہ — نسخۂ حق کی یہ تاثیر ہے ماشاء اللہ
آئے آئینۂ تحقیق میں صورت دیکھے — ہاں کدھر منکرِ بے پیر ہے ماشاء اللہ
کیوں نہ مقبولِ خلائق ہو کلامِ حق ہے — چار سو دہر میں تشہیر ہے ماشاء اللہ
کور باطن اسے آنکھوں سے لگائیں آ کر — نسخۂ سرمۂ تبصیر ہے ماشاء اللہ
لکھ دو اب بے سر افراط سن ہجری یہ — واہ جی کیسی یہ تفسیر ہے ماشاء اللہ

۱۳۱۳ھ

ایضاً

کیوں نہ ہو بیمثل تفسیرِ مقدس لاکلام — اور اُردو میں کوئی تفسیر ایسی ہے کہو
یہ وہ محبوب دل آرائے جہاں ہے زاہدو! — ہے بجا اس کے لیے گر جان سے سودا کرو
شکرِ خالق کا بجا لاؤ کہ عین احسان ہے — تمغۂ اسلام یہ حق سے ملا ہے واعظو
ایسی جامع ہے یہ تفسیرِ مقدس واہ واہ — دین کا اے مومنو حل اس سے ہر عقدہ کرو
دیکھ کر اس پایہ کی تفسیر اُردو میں انیق — بول اٹھا بے ساختہ دل کہ سن ہجری لکھو
بے سر آورد اک مصرع میں دو تاریخ ہیں — ناظر الاسلام منظورِ زمانہ ہے سنو

۱۳۱۳ھ ۱۳۱۴ھ

ایضاً

لکھی کیا ہے شرحِ کلامِ حق ہوئے حل معانی جو تھے ادق — ہیں کہاں محقق ماسبق کریں اس کی قدرومنزلت

ہے کدھر خیال ترا انیق ہے انتشاریہ کس لیے سنِ ہجری تو سرِ احترام سے لکھ وسیلۂ آخرت
۱۳۱۳ھ

ایضاً

مرحبا، آفریں، جزاک اللہ حبذا اے مفسرِ علام
ایں چہ تفسیرِ دلبر زیباست عشوہائش کشند جانِ انام
پائے علت چو دور ازو کردم گشت تفسیرِ بے مثالش نام
۱۳۱۳ھ

ایضاً

تعالی اللہ چہ تفسیرِ مقدس بہ سدرہ مدح خواں روح الامینش
بہ نورِ جلوۂ حسنِ معانی ثنا خواں درجنان ہر حور عینش
سن ہجری سروش ازروئے ایمان بمن گفتا بگو مرغوبِ دینش
۱۳۱۳ھ

ایضاً

لکھی واہ تفسیر کیا مرحبا! فھذا من اللہ فوزکبیر
برابر کا سرکا ٹکرائے انیق فقل ان ھذا عدیم النظیر
۱۳۱۳ھ

ایضاً

ہے لکھی تفسیرِ حقانی عجیب ہر ورق کوڑا ہے بہرِ منکرین
مصرعۂ تاریخ ہجری کے لیے تھی جو مجھ کو فکر انیقِ کمترین
ازسرِاخلاص بولا چرخِ پیر اے جوان لکھ ہے یہ مہرِ واعظین
۱۳۱۳ھ

تاریخِ طبع

ایں چہ تفسیر شد جہاں آرا ہمہ آفات زدستِ نورانی
انکشاف تمام یافت ازو ہمہ اسرارِ سِرّ قرآنی
سالِ طبعش چو جستجو کردم گفت ہاتف چراغ ایمانی
۱۳۱۳ھ

دیگر قطعۂ تالیف

وللہ درالمولف انیق فھذا عجیب فصیحِ متین
ھدانی لاجل السنۃ ملھم الا ان ھذا کتاب مبین
۱۳۱۳ھ

دیگر تاریخِ طبع

شدہ مطبوع عالم مرحبا تفسیرِ قرآنی زہے انوارِ ایمانی خہے الطافِ ربانی
زسالِ طبع پرسیدند اہلِ طبع چوں ازمن دلم گفتا بگو۔ زہ طبع شد تفسیر حقانی
۱۳۱۶ھ

واضح رہے کہ ۱۳۱۳ھ میں یہ جلد ہشتم قریب الاختتام تھی شاعر فاضل نے تاریخوں میں وہی سال ملحوظ رکھا مگر ۱۳۱۴ھ میں اتفاق اختتام ہوا۔

❀❀❀❀❀

تقریظ تفسیر حقانی (طبع ششم)

از جناب مولانا مولوی حافظ محمد عبدالتواب صاحب چشتی (مولوی فاضل) مؤلف سیرۃ الحبیب و برکات رمضان وحیاۃ بعد الممات وغیرہ

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ كَانَ و دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا○ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَخُلَفَائِهٖ وَسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُبَشَّرِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا○ وَعَلَی الْفُقَهَآءِ وَالْمُحدِثِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِیْنَ الَّذِیْنَ فَسَّرُوْا الْقُرْاٰنَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا○ اَمَّا بَعْدُ

خلاق عالم نے انسان کو عقلِ سلیم عطا فرما کر تمام مخلوقات پر اس کو فضیلت و برتری کا شرف عطا فرمایا۔ وَلَقَدْ[1] كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اور یہی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ حَیْثُ قَالَ اِنِّیْ[2] جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور اسی ضعیف البنیان بے چارے انسان کو وہ بارِ امانت بھی سونپا گیا جس کے لینے سے تمام مخلوق نے ڈر کر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (احزاب: ۳۳/۷۲)

ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اٹھا لیا۔

اس بنی نوعِ انسان کے فردِ کامل جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کا خطاب عطا فرما کر نبوت و رسالت ہی کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب: ۳۳/۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں و لیکن وہ خاتم النبیین ہیں۔

نزولِ قرآن

ان ہی نبی کریم اور مقدس ہستی رسولِ امی ﷺ پر وہ مقدس کتاب نازل فرمائی گئی جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام نامی سے ملقب و مشہور ہے۔ جس کی ہر آیت مومنین کے لیے باعث رحمت اور نسخہ شفا ہے۔ وَ نُنَزِّلُ[3] مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بنی اسرائیل: ۱۷/۸۲) جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اور اسلام ایک ہاتھ میں تبلیغی علم اور دوسرے میں قرآن شریف لے کر اقوامِ عالم کے سامنے آیا۔ وہ زمانہ نہایت تاریک اور ہر قسم کے معاصی صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پُر تھا۔ ہر چہار سو کفر اور شرک و بت پرستی کی گھنگور گھٹائیں چھا رہی تھیں اور آفتابِ ہدایت کو جہالت کی بدلیوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی اور خدائے واحد کی یکتائی

---

[1] اور ہم نے انسان کو بزرگی دی۔ ۱۲ منہ

[2] میں زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔

[3] اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور موجب رحمۃ ہیں۔ ۱۲ منہ

اوراس کی قدرتِ کاملہ اوراس کی کارسازی کوکوئی جانتا سمجھتا نہ تھا اوہام پرستی کا زور تھا۔کوئی جنات کو پوجتا کوئی فرشتوں کوخدا کی بیٹیاں بتلاتا۔ وَجَعَلُوا الْمَلٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (زخرف : ع ۲ پ ۲۵) اس وقت داعیِ اسلام نے تمام اقوام کو آوازِ بلند للکارا اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور فَاعْبُدُوْهُ وَاسْجُدُوْا لَهٗ کہ لوگو! تمہارا معبودِ حقیقی تو صرف خدائے واحد ہی ہے اوراسی ایک اللہ کی عبادت و پرستش کیا کرو اوراسی کو سجدہ کرو۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (حم سجدہ ع ۵ پ ۲۴)

اثرِ قرآن

جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے کلامِ الٰہی کی آیات سن کرلوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور خشیۂ خداوندی سے ایسی رقت طاری ہوتی کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ : ۵:۸۳)

جب وہ ان آیتوں کو جو رسول پر نازل ہوتی ہیں سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ ان سے آنسو جاری ہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص قرآن شریف کی ترجمانی نہیں کرسکتا تھا۔آنحضور کی زبان مبارک قرآن شریف کی بہترین تفسیر تھی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ○ (النجم ع ۱ پ ۲۷) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن وحی منزل من اللہ ہے۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ضرورتِ تفسیر

جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفاءِ اربعہؓ کا زمانہ آیا۔ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہوا۔الغرض یہ تمام کے تمام خیر القرون (اچھے زمانے) تھے کہ جن میں کلامِ ربانی کے مطالب ومعانی جاننے اور آیاتِ الٰہی کی تفاسیر سمجھنے والے آنحضور ﷺ کے احباب و اصحاب اوراتباع بکثرت موجود تھے۔

اس دور کے جب اسلام اطراف و اکنافِ عالم میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور مختلف زبانوں مختلف مذاق اور مختلف طبقات کے لوگوں سے اس کو واسطہ پڑا تو کسی کی زبان عربی تھی تو کسی کی محض عجمی اور عربی زبان بھی تھی تو وہ عربی نہ تھی کہ جس صاف زبان میں کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ۔

اور عربانی زبان میں اتنے ماہر اور ایسے سمجھدار بھی سب ملکوں میں ایسے متبحر عالم نہ تھے کہ جو آیات کے ان مفہوم اور مصداق کو سمجھ سکیں۔ کہ جن اغراض کے لیے کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔اس لیے تفسیر کی ضرورت پڑی اور علماءِ ربانین نے وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو کلام الٰہی کو تفسیر لکھنے میں صرف کردیا اور تفسیر خازنؒ جلالین۔بیضاوی۔اتقان۔تفسیر کشاف۔تفسیر کبیر۔روح البیان۔روح المعانی وغیرہ وغیرہ مستند مختصر ومطول اور مبسوط تفسیریں عربی لکھیں۔(فجزاھم اللہ خیرا الجوا) جن کا علامہ مفسر حقانی رحمہ اللہ نے مقدمۃ القرآن میں تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر جبکہ یہ سرچشمۂ ہدایت (یعنی اسلام بادیۂ عرب اوراس کے مضافات کو سیراب کرتا ہوا بلادِ عجم کی سرزمین جہالت و بت پرستی اور خطۂ کفرستان یعنی ہندوستان تک پہنچا اوراس کی سیرابی اور شادابی کا باعث ہوا تو اہلِ ہند۔فارس۔ایران ترکستان وغیرہ کے مسلمانوں کی خاطر علماءِ کرام نے فارسی میں تفسیریں لکھیں۔

---

۱ اورلوگوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔۱۲منہ

شاہان اسلام کے عروج اور ہندوستان میں دارالخلافہ ہونے کے باعث فارسی کا دور دورہ تھا۔ سرکاری شاہی دفاتر کی زبان فارسی تھی۔ روزمرہ بول چال میں فارسی ہی بولی جاتی۔ الغرض تحریر و تقریر میں فارسی ہی زبان استعمال ہوتی تھی۔ شدہ شدہ تغیراتِ عالم کی نیرنگیوں سے وہ زمانہ آ گیا کہ یک لخت حالت بدل گئی۔ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند اور بلادِ ہند میں فارسی کی جگہ اردو زبان رائج ہو گئی اور ماہرینِ علوم عربیہ اور فارسی دان اساتذہ اور ان کے قدردان ایک ایک کر کے اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یہ وہ زمانہ تھا کہ بلادِ ہند میں مسلم افراد کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور ان کے لیے

اردو میں جامع مانع تفسیر کی ضرورت

اور سخت ضرورت تھی۔ تو علماءِ ربانیین نے تبلیغ اسلام کی خاطر کلام الٰہی کے معانی و مطالب عام مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے اردو میں قرآن شریف کے ترجمے کیے اور بہت سی تفسیریں لکھیں جیسا کہ علامہ مفسر حقانی نے ذکر فرمایا ہے لیکن اردو بھی آئے دن اپنا رنگ اور لب و لہجہ بدلتی رہی اور زمانہ حال کے لوگوں کے لیے پہلے زمانہ کی اردو فارسی تفسیروں سے اخذِ مطالب کرنا اور معانی کا سمجھنا دشوار ہو گیا تو ان دقتوں کو دیکھ کر آج سے پچاس سال پیشتر علامہ مفسر حقانی نے اردو میں

تفسیرِ حقانی

لکھی یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں بھی توہم پرستی کا رواج تھا۔ الحاد بے دینی کا چارسو چرچا کہیں آریوں کی مادہ پرستی زوروں پر تو کہیں سناتن دھرمیوں کی مہادیو اور پیپل پوجا اور طرح طرح کی بت پرستی اپنا رنگ لا رہی تھی کہیں رام لیلا اور دسہرہ ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں تعزیہ پرستی اور گور پرستی کا مزاج ہے۔ بدعات کا اتنا زور کہ قبروں سے منتیں مانی جاتی ہیں کہیں اسلام کی بھی تعلیم اور اس کی توحید کے مقابلہ میں ثالث ثلثہ تین خداؤں کی خدائی جنگ کے چرچے اور قرآن اس کے خلاف پکار کر کہہ رہا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۱/۲۲) اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔

اور کہیں تعلیمِ جدید کے اثرات سے نیچریت اور دہریت کے باعث خود مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ شیعہ سنی الگ کٹے مرتے تھے۔ حنفیوں اور اہل حدیث میں آئے دن آمین بالجہر اور رفع یدین کی بابت تو تو میں میں ہوتی رہتی تھی ادھر عقائد اور ارکانِ اسلام کا انکار تو ادھر نیچریت اور دہریت معجزات اور بزرگوں کی کرامات۔ جنوں اور ملائکوں کے وجود سے منکر اور دوزخ جنت کو خیالی واہمہ بتلاتی تھی۔ معاذ اللہ منہا۔

عوام میں اتنی استعداد نہ تھی کہ ان شکوک و شبہات کا جواب دے سکیں اور خود تشفی حاصل کر سکیں یا عربی فارسی اردو قدیم تفاسیر سے اخذ مطالب کر لیں۔ کیونکہ قدماء کی تفاسیر کی عالمانہ عبارتیں اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لیے فخر للمفسرین زبدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل مولانا مولوی ابو عبدالحق صاحب مرحوم و مغفور حنفی قادری چشتی دہلوی مفسرِ تفسیرِ حقانی نے

فتح المنان

کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر اردو میں لکھی جس میں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی صداقت اور ارکان اسلام و عقائد و عبادات و معاملات کو کلام الٰہی کے تحت میں الحمد سے لے کر والناس تک نمایاں طور سے ظاہر کرتے ہوئے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے پوری بحث

کی ہے۔ مخالفِ اسلام کا کوئی شک وشبہ یا سوال باقی نہیں چھوڑا کہ جس کا عقلی نقلی طور سے مسکت جواب نہ دیا ہو۔ پھر خوبی یہ کہ تفسیر سلف صالحین اور عقائدِ اہل سنت والجماعۃ کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ وَذَالِكَ[1] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اس تفسیر سے مستفید ہوسکتا ہے۔ علماءِ کرام اور عربی دان حضرات کے لیے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب شانِ نزول ربطِ آیات نیز صرفی نحوی لغوی تشریح وتحقیق۔ منطق وفلسفہ سے استدلال فنِ مناظرہ کے مباحث۔ علم معانی وبلاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموزِ نکات بیان فرمائے ہیں۔

عوام اردو دانوں کے لیے سلیس اردو میں زیرِ متن بامحاورہ ترجمہ۔ پھر ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ پھر صوفیائے کرام کے فیوضات وملفوظات اور تصوف کے اسرار ونکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں اپنا خاص رنگ اور روحانی اثر دکھلا رہے ہیں۔

اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمۃ القرآن میں علامہ مفسر حقانی نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں اور فوائد لکھ دیے ہیں جن کا جاننا ہر مفسرِ قرآن کے لیے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لیے لابدی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کیے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالبِ قرآن کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے الغرض یہ تفسیر ہر طرح سے قابلِ قدر تفسیر ہے جس طرح آج سے پچاس سال پیشتر اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح اب بھی بلکہ اس سے زیادہ اس کی طرف لوگوں کی حاجت ہے۔

کتبہٗ

فقیر محمد عبدالتواب چشتی غفرلہ از مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۴۹ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۰ء یوم یکشنبہ

---

[1] یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جغرافیۃ العرب

نحمدہ و نصلی

ہم نے تفسیر میں عرب کے جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں جو کہ قرآن مجید میں واقعاتِ گزشتہ بطورِ عبرت بیان ہوئے ان کی پوری کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی جب تک کہ جس زمین پر وہ گزرے ہیں اس کا صحیح حال نہ معلوم ہو جائے اور احادیث اور فنِ سیرت میں اور نیز فقہ میں جہاں عشری اور خراجی زمین کا بیان ہوتا ہے وہاں بھی بغیر جغرافیہ جانے اچھی طرح سے حال معلوم نہیں ہوتا اور استاد شاگرد دونوں پر جہالت کا پردہ پڑا رہتا ہے اور ہمارے معاصرین علماء کو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں۔ اس لیے جو جو غلط بیانیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان مدارس کے لڑکوں کو جو فنِ جغرافیہ و تاریخ سے ماہر ہیں مضحکہ کرنے کا موقع دیتی ہیں اور اسی طرح تاریخِ عرب نہ جاننے سے بڑی بڑی پرخطر گھاٹیوں میں گر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اسی لیے اکثر تفاسیرِ موجودہ میں ان فنون سے بے خبر مفسروں نے سخت غلطیاں کھائی ہیں جو اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں۔

ہم قدیم اور جدید جغرافیوں کو آگے رکھ کر عرب کا جغرافیہ اور مختصر تاریخ اور اسی طرح عراق اور جزیرہ اور شام اور کنعان اور ایشیائے کوچک کا بھی مختصر سا حال لکھتے ہیں کیونکہ اسلامی کتابوں میں ان ملکوں اور ان کے شہروں کا بھی ذکر آتا ہے۔

(من کتاب مسالک الممالک لابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطرخی المعروف بالکرخی المطبوع بمطبع بریل لیڈن ۱۸۷۰ء)

ملک عرب ایک مستطیل زمین ہے۔ جس کو بحرِ فارس مقام عباداں سے کہ جہاں دجلہ نہر آ کر ملتی ہے احاطہ کرتا ہے اور پھر بحرین شہر کو احاطہ کرتے ہوئے شہرِ عمان تک پہنچتا ہے۔ پھر سواحلِ مہرہ و حضرموت کو احاطہ کر کے عدن کی طرف مڑتا ہے پھر شمال کے رخ ایک کھاڑی بن کر چلتا ہے اور جدہ تک پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ حجاز و مدین تک جاتا ہے اور وہاں سے بھی گزر کر اس کھاڑی کی کہ جس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں دو شاخوں میں سے ایک ایلہ پر تمام ہو جاتی ہے اور دوسری شاخ تلران اور جُبیلات سے ہو کر قلزم پر تمام ہو جاتی ہے اور اسی لیے اس کو بحر قلزم کہتے ہیں۔ یہ عرب کی شرقی اور جنوبی اور کسی قدر غربی حدود ہیں۔

پھر حدِ عرب ایلہ سے شروع ہوتی ہے اور شہر لوط اور جھیل مردار سے (اس کو بحیرہ زغر بھی کہتے ہیں) ہوتی ہوئی شراۃ و بیلقاء کو طے کر کے جو علاقہ فلسطین سے ہیں اذرعات اور حوران اور بثنیہ و غوطہ کے پاس سے گزر کر جو علاقہ دمشق سے ہیں تدمر و سلمیہ کے قریب سے گزرتی ہوئی جو علاقہ حمص سے ہیں۔ پھر خناصرہ اور بالس کو طے کرتی ہوئی جو قنسرین کے علاقہ ہیں فرات ندی تک جا ملتی ہے پھر یہاں سے اس شمالی و شرقی حد کو دریائے فرات تمام کرتا ہے جبکہ وہ رقہ اور قرقیسا اور رحبہ اور والیہ اور عانہ اور حدیثہ اور ہیت اور انبار کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر یہ حد کوفہ کے پاس سے ہو کر فرات کے دہانوں پر تمام ہو جاتی ہے۔

پھر وہاں سے یہ حد یوں چلے گی کہ اس کو کوفہ شہر کے نواح سے لو اور حیرہ اور خورنق کو لیتے ہوئے واسط تک پہنچا دو اور یہاں ایک منزل تک دریائے دجلہ کے دہانے پھیلتے ہیں پھر وہاں سے بصرہ شہر کے نواح کو لے کر عبادان تک ملا دو۔

یہ ہے دیارِ عرب کا محیط اور حدود اربعہ۔ پس عبادان سے لے کر ایلہ تک جو بحر فارس و بحر ہند و بحر قلزم محیط ہے یہ تین ربع عرب کو شامل ہے جس میں تمام شرقی اور تمام جنوبی اور کچھ غربی حد آ گئی اور اب کچھ غربی اور تمام شمالی حد جو باقی رہی تو وہ ایلہ سے لے کر مابس تک اور وہاں سے

عباداں تک شمالی حد ہے اور مابس سے انبار کے بھی آگے تک جزیرے کی حد جنوبی ملتی ہے اور انبار سے لے کر عباداں تک عراق عرب کی جنوبی حد ملتی ہے اور ایلہ کے قریب سے ایک بیابان عرب سے ملحق ہوتا ہے۔ غربی وشمالی حد میں جس کو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں یعنی وہ بیابان جس میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے یہ بیابان عرب میں داخل نہیں اور یہ عمالیق اور یونانیوں اور قبطیوں وغیرہ اقوام کا مسکن تھا۔ انہیں اقوام سے بنی اسرائیل کو ان دنوں میں لڑائیاں پڑی تھیں۔

اور اسی طرح ملک جزیرہ[1] بھی عرب میں شامل نہیں۔ ہر چند اس میں ربیعہ ومضر کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ تغلب ربیعہ اور اسی طرح یمن کے قبائل شام میں آباد ہو گئے تھے اور وہ بھی قیصر روم کے تابع تھے اور مذہب عیسائی رکھتے تھے جیسا کہ تنوخ اور غسان اور بہراء اور جنوب عرب وعراق میں اکثر عرب پارسی مذہب رکھتے تھے اور شاہان ایران کے مطیع تھے اور یمن میں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔

عرب[2] کی تقسیم | حد سرین سے لے کر کوہ یلملم کے بیابانوں تک اور پھر طائف سے لے کر سیدھا نجد یمن تک ادھر شرق میں بحر فارس تک اس بڑے حصہ کو جو تمام عرب سے تقریباً دو تہائی ہے ملک یمن کہتے ہیں جو پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے اور حصوں سے اچھا ہے۔ قدیم زمانہ میں اسی سرزمین میں بڑے بڑے نامور بادشاہ اٹھے ہیں۔ قوم حمیر اور شاہان تبع اور قوم عاد کا یہی ملک ہے ان شاہان سابقہ نے تمام عرب ہی پر حکومت نہیں کی ہے بلکہ مصر اور عمران اور وہاں سے گزر کر اور ممالیک پر بھی فتوحات حاصل کیے تھے۔ بلقیس بادشاہزادی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملک شام میں حاضر ہوئی تھی اسی ملک کی فرمانروا تھی اور سرّین سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے تخمیناً مدین تک طول میں اور عرض میں شرقی سمت میں حجر سے لے کر جبل طے تک یمامہ سے گزرتے ہوئے بحر قلزم تک اس ٹکڑے کا نام حجاز ہے۔ مکہ مدینہ جدہ وغیرہ اسی ملک کے شہر ہیں اور حد یمامہ سے لے کر مدینہ کے قریب تک بصرہ کے بیابانوں سمیت اور بحرین سمیت

---

[1] ملک جزیرہ وہ ملک ہے جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے یعنی میان دوآب فرات ودجلہ۔ یہ بڑا شاداب اور آباد ملک ہے اور عراق عرب جزیرہ سے ملا ہوا ہے وہ بھی آباد ملک ہے عرب کے ملحقات میں سے ہے نہ عرب۔ ۱۲ منہ

[2] شرح اس کی یہ ہے کہ عرب پانچ حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) یمن یعنی عرب کا جنوبی حصہ اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ غرب میں قلزم وجنوبی تہامہ، شرق میں بحر فارس، جنوب میں بحر عرب، شمال میں حدود نجد ویمامہ وغیرہ اور اس کو یمن اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے والے کو یہ بجانب دست یمن یعنی دائیں ہاتھ واقع ہے اس کے اضلاع یہ ہیں۔ حضرت موت، شحر، مہرہ، عمان، نجران۔ (۲) نجد۔ اس کے معنی ہیں بلند زمین کے چونکہ یہ قطع مرتفع ہے اس لیے اس کو نجد کہتے ہیں اس کے حدود یہ ہیں۔ عرب میں حجاز وتہامہ، جنوب میں یمامہ ویمن، شمال میں فرات، شرق میں عراق عرب۔ یہ حصہ زرخیز ہے شعراء نے اس کی بہت مدح کی ہے چنانچہ قیس بن ملوح شاعر کہتا ہے

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیۃ من عرار دوسرا شاعر کہتا ہے سقی اللہ نجداً والسلام علی نجد یا حبذا النجد علی القرب والبعد

حرب البسوس عرب کی خونخوار جنگ باہمی اسی ملک میں واقع ہوئی ہے جو کلیب اور وائل بن ربیعہ کی خونخوار جنگ تھی اور جبل عکاظ بھی اسی ملک میں ہے جہاں اب تک وہی قدیم عربی زبان فصاحت سے بولی جاتی ہے یہاں کا گھوڑا اور اونٹ ضرب المثل ہے۔ (۳) تہامہ۔ یہ عرب کا ایک غربی مستطیل ٹکڑا ہے اس کے غرب میں بحر احمر جنوب میں یمن کا ایک حصہ شمال میں حجاز شرق میں نجد ویمن۔ یہاں کی رات خوشگوار مشہور ہے یہ حصہ ریگستان ہے اور چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ (۴) یمامہ یہ عرب کے شرقی ٹکڑے کا نام ہے اس کے غرب میں حجاز وتہامہ شرق میں بحر فارس، بحرین وغیرہ جنوب میں یمن شمال میں نجد اور اس کو عروض بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے گیہوں اور کھجور مشہور ہیں۔ (۵) حجاز یہ بھی ایک مستطیل ٹکڑا ہے عرب کے غربی حصہ میں اس کے غرب میں بحر قلزم ہے غربی حد جنوب کے رخ ملک تہامہ اور شمالی رخ ایلہ شرق میں نجد یمامہ ہے اور جنوب میں یمن اور تہامہ ہے۔ حجاز کے معنی ہیں پردے کے چونکہ یہ ملک ایک سمت سے تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اس لیے اس کو حجاز کہتے ہیں مکہ مدینہ جدہ وغیرہ شہر اسی متبرک ٹکڑے میں واقع ہیں۔ یہ ٹکڑا ریگستانی اور پہاڑی ہے کھیتی باغ بہت کم ہیں ندی نالے چشمے بھی نہیں مگر رسالت کا چشمہ یہیں سے جاری ہوا ہے جس نے دنیا کو سیراب کر دیا۔ ۱۲ منہ

بحر فارس تک اس حصہ کا نام نجد ہے۔

اور عبادان سے لے کر انبار اور نجد اور حجاز تک کہ جس میں اسد اور طے اور تمیم اور تمام قبائل مضر ہیں عراق کہلاتا ہے اور حد انبار سے لے کر مابس تک ملک شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدانِ خساف ہے وادی القریٰ اور حجر تک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ سمندر کے کنارہ تک تبوک کے سامنے کے حصہ کو دیارِ طے تک بادیۂ شام کہتے ہیں۔

بعض علماء مکہ کو تہامہ یمن میں اور مدینہ کو نجد میں قرب کی وجہ سے شمار کرتے ہیں اور تہامہ کو یمن کا غربی وجنوبی حصہ سمجھتے ہیں۔

ملکِ عرب | ۱۲ درجہ سے لے کر ۲۵ درجہ تک عرض شمالی میں اور ۳۳ درجہ سے لے کر ۵۹ درجہ تک طول شرقی میں ہے اور زیادہ سے زیادہ عرض اس ملک کا ۱۵۰۰ میل ہے اور طول زیادہ سے زیادہ ۱۴۰۰ میل ہے جغرافیہ کے میلوں سے اور رقبہ اس کا تخمیناً گیارہ لاکھ میل مربع ہے اور باشندے یہاں کے دو کروڑ سے زائد ہیں مذہب سب کا اسلام اور زبان عربی ہے۔ آدمی اس ملک میں ہر قسم کی رنگت اور قد وقامت کے ہوتے ہیں۔ سیاہ فام بھی اور گندم گون بھی اور شمالی عرب کے سرخ وسفید، طبعاً بہادر اور مہمان نواز، ذکی الطبع، غیور، عفیف ہوتے ہیں مگر غصہ اور ہٹیلے بھی ہوتے ہیں۔

لڑائی اور شکار سے بہت رغبت رکھتے ہیں۔ تجارت کو عمدہ سمجھتے ہیں اور عمدہ زمین کے عرب کھیتی اور نخلستان کی تربیت کو بہت پسند کرتے ہیں، صنعت وحرفت کم ہے۔ یہ ملک اکثر ریگستان ہے جہاں کھیتی اور باغ اور نہریں اور چشمے کچھ نہیں۔ قدرے گھانس ہوتی ہے جو ان کے مواشی کو کافی ہو جاتی ہے اور ایسے بھی قطعات ہیں جہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہر قسم کے درخت اور چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ہیں مگر تمام ملک میں ایسی کوئی ندی یا نہر نہیں جس میں کشتیوں کی آمد ورفت ہو اور بارہ مہینے جاری رہتی ہو اگر دجلہ وفرات کو عرب سے خارج کر دیا جائے۔ عرب میں پہاڑ بھی بکثرت ہیں۔ بیشتر تو سیاہ اور خشک پہاڑ ہیں جہاں چشمے اور شادابی اور درخت بہت ہی کم ہیں۔ از انجملہ کوہ شراۃ کا سلسلہ ہے جو ایلہ تک پہنچ کر عقبیٰ سے گزرتا ہوا بحر احمر کے کناروں تک جا ملتا ہے۔ کہیں سے چالیس میل اور کہیں سے اسی میل ہے۔ پھر یہ سلسلہ مشرق کی طرف موڑ کھاتا ہے یمن کو عبور کرتا ہے خلیج فارس سے آملتا ہے پھر وہاں سے بحرین کو طے کرتا ہوا فرات اور عمان کے دہانوں پر منتہی ہوتا ہے اور مدینہ کے شرق میں کوہ طے کے بھی دو سلسلے ہیں جن کو آجا اور سلمیٰ کہتے ہیں۔ یہ کوفہ سے مکہ آنے والوں کو ملتے ہیں اور عرب کو جو جنوباً وشمالاً تقسیم کرتا ہے وہ کوہ عارض ہے۔ اس کی جنوبی حد بلادِ یمن میں سے جعدہ کے قریب ملتی ہے پھر یہاں سے شمالی جانب چلتا ہے اور خلیج فارس تک جا پہنچتا ہے اور اسی پہاڑ پر شہر ہجر اور یمامہ ہے جہاں کے چشمے اور باغ نخلستان مشہور ہیں اور مدینہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جس کو جبلِ احد کہتے ہیں اور جنوبی پہاڑ کو عیر کہتے ہیں اور حجاز کے پہاڑوں میں سے مکہ اور منیٰ کا پہاڑ ہے جس کو فاران بھی کہتے تھے۔ عرب میں کوئی بھی جھیل نہیں۔ اگر بحرِ لوط کو عرب میں شمار نہ کیا جائے۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹے چھوٹے نالے نکلتے ہیں جو سمندر تک نہیں پہنچتے کچھ چل کر رستے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ صنعاء یمن کے قریب ایک نہر ہے جو بحرِ ہند میں گرتی ہے اور ایک چھوٹی سی نہر بلادِ مہرہ میں بھی ہے جو اسی سمندر میں آملتی ہے۔ ان بلاد کے پہاڑوں میں ہوا معتدل ہے لیکن نشیبی قطعات اور ریگستانی میدانوں میں سخت گرم ہوا چلتی ہے۔ عرب کے قطعات میں مختلف مہینوں میں بارش ہوتی ہے عرب کے بعض بلند پہاڑ ایسے بھی ہیں جن پر سردی اور کبھی کبھی برف جم جاتی ہے جیسا کہ طائف کا پہاڑ۔ یمن کے بعض بلند پہاڑ نہایت فرحت بخش ہیں۔ عرب کے بعض پہاڑوں اور ان کے نشیبوں میں ایسے بھی قطعات ہیں جہاں زنجبیل، چنبیلی، کھجور، انبلی، نیشکر، بیگن، مرچ، انار، بادام، پستہ، انگور، سیب، ناشپاتی، لیموں، کیلا، انجیر، گلاب، نرگس، بنفشہ، بیر، نارجیل کھیرے، ککڑی، تربوز، خربوزے، ہر قسم کی چیزیں اور ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں خصوصاً نواحِ جنوبیہ میں۔ یمامہ کے گیہوں مشہور ہیں باقی میدانوں میں جوار، باجرہ، چنا اسی قدر ہوتا ہے جو بمشکل وہیں کے لوگوں کو کافی ہوتا ہے۔

عرب میں ہر قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں خصوصاً نجد کا گھوڑا تو دنیا میں مشہور ہے اس کے سوائے گدھا، گائے، بیل، اونٹ، خچر بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ' بکری' ہرن' خرگوش' دنبہ بھی بہت ہوتا ہے۔ درندے بھی ہر قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ شیر' چیتا' بھیڑیا وغیرہ۔ پرند بھی بکثرت ہیں۔ چڑیا' کبوتر، فاختہ، چیل، کوا، ہدہد، عقاب گدھ وغیرہ اور جنوب عرب میں ایک جانور نسناس پہلوں کا بڑا دشمن ہوتا ہے۔ آج کل عرب میں لوہے اور تانبے کی اور سیسہ کی کان اور یمن میں عقیقِ یمنی کی کان مشہور ہے بلکہ یمن کے بعض پتھر بے بہا مشہور ہیں اور کوہِ سینا کے پاس بہت سی کانیں ہیں لیکن اب تک ظاہر نہیں ہوئیں اور چاندی سونے کی کانیں جن پر عرب کو کسی زمانہ میں فخر تھا افسوس آج کل نامعلوم ہیں۔

جب ہند اور مغربی ممالک میں آمد و رفت نہ تھی عرب کی تجارت بڑی ترقی پر تھی کس لیے کہ مغربی ملکوں میں مشرقی ملکوں کا مال اور مشرقی ملکوں میں مغربی ملکوں کی چیزیں عرب ہی کے وسیلہ سے آتی جاتی تھیں۔ عرب کو فنِ جہاز رانی میں بڑا کمال تھا وہ جہازوں پر ہند اور اس کے جزائر اور چین و جاپان تک ادھر بحرِ احمر میں ہسپانیہ تک دلیرانہ سفر کیا کرتے تھے اور جب سے رستہ نکل آیا اور دخانی جہاز ایجاد ہو گئے تو عرب کی تجارت بالکل جاتی رہی۔ عرب سے اب سناء اور لوبان، صبر مر' فلفل سیاہ' حنا' عود' بن جاتے ہیں۔ اور یورپ سے عمدہ عمدہ کپڑے ریشمی اور اونی اور لوہے کی ساخت کے ہتھیار وغیرہ اور بلور اور شیشے کے ظروف اور بارود چھرے بہت آتے ہیں اور حبش سے ہاتھی دانت اور بکریاں اور مشک اور جنوبی افریقہ سے سونا اور ہاتھی دانت، کہربا اور غلام آ کر بکتے ہیں اور مصر و ہند سے چاول، شکر، تیل اور ہند سے کتان و روئی اور شام سے صابون اور وہاں کی ساخت کے کپڑے آ کر بکتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عرب کے بادشاہانِ حمیر نے اور ملکوں پر بھی فتوحات حاصل کیے تھے۔ اسلام کے بعد عرب نے وہ کایا پلٹی تھی کہ روئے زمین کے فرمانروا' علوم کے خزانچی' صنائع و دستکاری کے استاد مانے جاتے تھے۔ فنِ عمارت میں ان کو ایک خاص ملکہ تھا۔ اسپین میں الحمراء وغیرہ عمارات ان کی یادگار ہیں۔

یہ سفرِ بحری و بری کے بڑے مشاق تھے چین تک اول ہی صدی میں جا پہنچے، ادھر غرب میں سپین پہنچے۔ ترکستان وغیرہ ملک ان کے گھوڑوں نے کھندل ڈالے تھے۔ یہ جہاں جاتے تھے اسلام اور اپنے کمالات کو ساتھ لے جاتے تھے ان کو غیر لوگوں پر بہت جلد فتح حاصل کر لینے میں بڑا کمال تھا مگر فتح کرتے ہی مفتوح قوموں کو اپنی نعمتوں اور عزت میں شریک کر لینا اپنی جوانمردی اور فیاض طبیعت کا شیوہ جانتے تھے۔ اس لیے جو ملک انہوں نے فتح کیا تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں کے باشندوں کو نہال کر دیا۔ یہ عہد اور قول و قرار کے بڑے سچے تھے، ان کے قوانین میں جو فروشی گندم نمائی کا دوسرا پہلو نہ تھا' ان کی پرہیز گاری اور فیاضی اس پر شجاعت غیر قوموں کو بہت جلد اپنی طرف کھینچ لیتی تھی' عیاشی اور شہوت پرستی سے ان کو دلی نفرت تھی۔ رعایا پر ظلم کرنا یا حیلہ و تدبیر سے ان کا مال چھین لینا ان کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔ وہ محکوموں کو اپنی برابر عزت کا مستحق بنانے میں سرگرم تھے مگر اب کئی صدیوں سے یہ سب اوصاف کم ہو گئے اور دنیا بھر کی کوئی سرسبز سلطنت بھی ان کے قبضہ میں نہ رہی۔ اب جو شاہانِ اسلام اور ملکوں کے فرمانروا ہیں انہیں عربوں کے تعلیم کیے ہوئے شاگرد ہیں۔ اب ہم اول حجاز کے مشہور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ | دو پہاڑوں کے بیچ ایک مستطیل شہر آباد ہے۔ اس کا طول معلاۃ سے مسفلہ تک تقریباً دو میل ہے جنوب و شمال میں۔ اور اسفل جیاد سے لے کر کوہِ قعیقعان کی پشت تک عرض طول سے تخمیناً دو ثلث ہے۔

اس کے مکانات گارے اور چونے اور پتھر کے بنے ہیں۔ لکڑی کا بھی بہت کام ہے۔ شہر میں متعدد بازار ہیں خصوصاً بزازوں کا بازار تختوں سے پٹا ہوا ہے صرف دھوپ کے بچاؤ کے لیے بازار پر رونق ہیں ہر قسم کی چیز موجود ہے۔ رستوں اور بازاروں میں صفائی کا عمدہ انتظام ہے اور روشنی کا بھی۔ آبادی بڑھ جانے سے دونوں پہاڑوں پر بھی مکانات اور محلے آباد ہو گئے ہیں۔ آب و ہوا گرم خشک مگر صحت بخش ہے۔ چونکہ سمندر سے یہ شہر بہت دور نہیں اس کی غربی سمت میں کہیں دو منزل کہیں اس سے بھی کم سمندر یعنی بحر قلزم ہے اس لیے خشکی زیادہ نمودار

نہیں ہوتی۔ مگر منطقہ حارہ کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں بادِ سموم چلتی ہے۔ شہر کے قدیم روسا میں سے جن کو اصلی باشندہ کہنا چاہیے تین ہی گھر مشہور ہیں۔ ایک شریف کا جو امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے گویا یہ حجاز کا بادشاہ ہے گورنر حجاز جس کو باشا کہتے ہیں مکہ معظمہ میں رہا کرتا ہے۔ سلطان المعظم کی طرف سے وہ شریف کا نگران رہتا ہے کبھی کبھی باشا اور شریف میں بدمزگی ہو جانے سے حجاز اور اہلِ شہر کو تکالیف بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ دوسرا گھر شیبی کا ہے جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہا کرتی ہے۔ تیسرا عباس رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے جس کو سقایۃ الحاج اور آبِ زمزم کی خدمت ہے۔ اکثر لوگ شہر کے آفاقی ہیں کوئی چار پشت سے کوئی دس پشت سے کوئی خود باہر سے آ کر بسا ہے۔ مصر، شام، ہند، جاوا، عرب کے لوگ بکثرت موجود ہیں۔ ترکی نسلیں بھی ہیں بیشتر مخلوط ہیں اور اسی لیے اس شہر کے لوگ گورے، کالے، موٹے، دبلے، خوبصورت، بدصورت ہر قسم کے ہوتے ہیں مگر زبان اور لباس سب کا عربی ہے عربی زبان اس شہر کی اصلی زبان ہے۔

شریفِ مکہ کو حجاز کے قبائل بادشاہ مانتے ہیں اور سلطان المعظم کی طرف سے بھی وہ ایک بڑا سردار یا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے اور وہاں سے اس کو بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا شریف اسی خاندان سے مسند نشین ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ نفیس مزاج ہیں مکانات میں عجب عجب آرائش کرتے ہیں۔ ہمیشہ پچھلی رات سے بازار کھل جاتے ہیں کھانے پینے کی چیزیں دن نکلنے تک بہت کچھ بک چکتی ہیں۔ اسبابِ معاش یہاں کئی قسم پر ہیں۔ اول تجارت یہ شہر بندر جدہ سے بہت قریب ہے۔ سمندر کی راہ سے ہر ایک ملک سے ہر قسم کی چیز آتی ہے۔ غلہ، پارچہ، ظروف وغیرہ اس لیے اس شہر میں بڑے بڑے تاجر ہیں اور مرفہ الحالی سے گزران کرتے ہیں۔

(۲) حرفت۔ گرچہ یورپ کی طرح کسی کام کی بھی اس شہر میں کلیں نہیں ہیں مگر ہاتھ سے بنانے والے کاریگر بہت ہیں سینے کے اور لکڑی کے۔ خصوصاً تسبیح کے کام سے بہت لوگ واقف ہیں اور یہی کام ہوتے ہیں۔ (۳) وظائف خوار بیشتر کو تو حضرت سلطان المعظم کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے حرم شریف کے بہت سے امام اور بہت سے مؤذن اور بہت سے خادم ہیں ان سب کا خرچ اور مسجد الحرام کا خرچ سب سلطان المعظم کی طرف سے آتا ہے جس کو خدیو مصر بھیجتا ہے اور شام سے بھی آتا ہے یہ کئی لاکھ روپیہ کا خرچ ہے۔ (۴) حجاز کی خدمت اس میں ایک جماعت مطوفین کی بھی ہے۔ یہی لوگ پردیسی حاجیوں کو مکان کرایہ دلاتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو رفع کرتے ہیں اور ان کو حج کے ارکان بھی تعلیم کرتے ہیں۔ پہلے روز یہ اپنی طرف سے ضیافت بھی کھلاتے ہیں۔ یہ متعدد زبانیں جانتے ہیں۔ حاجی بے کھٹکے اپنی امانتیں ان کے پاس رکھ دیتے ہیں مگر آج تک ان کی امانت داری میں کوئی دھبہ نہیں لگا۔ خرید و فروخت بھی انہیں کی معرفت ہوتی ہے تو اچھی ہوتی ہے۔ انہیں کی معرفت مدینہ جانے کے لیے اونٹ کرایہ ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ وہی جو حکام کی طرف سے مجاز ہو۔

سلطان المعظم کے جو قانون حجاز خصوصاً مکہ اور مدینہ کی بابت ہیں نہایت نرم اور پر رحم ہیں۔ سلطانی انتظام بہت عمدہ ہے، عدالتیں بھی ہیں، میونسپل کمیٹی بھی ہے، سرکاری مدارس اور شفاخانہ اور ڈاکخانہ بھی ہیں تار گھر بھی ہے مگر اس وجہ سے کہ گاڑیوں کا رواج اس ملک میں نہیں۔ صرف اونٹ گھوڑے، خچر، گدھے بارکشی کرتے ہیں ایسی سڑکیں نہیں جن پر روڑی بچھی ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں دوڑتی چلی جائیں اور اس طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔

شہر میں مسافر خانے بھی بکثرت ہیں جن کو رباط کہتے ہیں جن میں ہر قسم کا انتظام ہے۔ کرایہ کے مکان بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ مکانات دو منزلے بلکہ سہ منزلے بھی ہوتے ہیں ہر طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں صحن ندارد۔

شہر کے ایک گوشہ میں سلطانی لشکر بھی رہتا ہے۔ عمدہ چھاؤنی ہے۔ حجاز کے لشکروں کا صدر مقام یہی ہے اور جدہ بھی ہے۔ شہر میں رات دن خدا تعالیٰ کی عبادت اور تہلیل و تکبیر کا ہر جگہ چرچا رہتا ہے۔ خصوصاً مسجد الحرام تو کسی وقت خالی نہیں رہتی۔ یہاں کے آدمی عموماً عفت شعار

پرہیز گار ہیں۔ نہ شہر میں کہیں شراب خانہ ہے نہ کوئی مسکر چیز بکتی ہے نہ کوئی کسبی، فاحشہ ہے نہ ایسے وقوعہ ہوتے ہیں جیسے کہ ہند میں ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے حج کے مجمع میں کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہو نہ یہ کہ کسی نے کسی کو عورت یا مال کے لیے مار ڈالا ہو۔ نہ کوئی تھیٹر ہے نہ کوئی تماشا گاہ ہے، نہ بدمعاشی اور بدکاری کے یہ طریقے ہیں نہ کوئی ایسی موشگافی وہاں جانتا ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر واقعات کا لحاظ ہو کر داد رسی مدِ نظر رہتی ہے نہ وہاں ملمع کاری ہے نہ دکھاوے کی یہ چمک دمک ہے کہ بال کی کھال کھینچی جاتی ہے اور نہ قانونی پیچ لڑا کر ملک کو مکر وفریب سکھانے والے وکلاء ہیں، نہ شیطان کی آنت کی طرح مقدمات اس قدر طول پکڑتے ہیں نہ اہلِ مقدمات زیر باری اور بیکاری کے سبب برباد ہو جاتے ہیں۔

پولیس کا بھی عمدہ اسلوب ہے حتی المقدور لوگوں کی آسائش وامن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دکھاوے کی زرق برق اور مفت کے ایچ پیچ نہیں نہ لوگوں کو شکنجوں میں کھینچا جاتا ہے۔ یہی حال میونسپلٹی کا ہے۔ ضروری کاموں کے لیے مختصر سے ٹیکس ہیں نہ دکھانے کی ٹیپ ٹاپ ہے اور نہ ترکوں کے آرام کے لیے منظرِ وسیع میں لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے نہ میلوں ان کے لیے سڑک بنائی جاتی ہے نہ ان کے لیے ٹون ہال میں عیش ونشاط کے سامان بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے نہ بات بات پر ٹیکس ہے۔ شہر میں جا بجا نہر زبیدہ پھرتی ہے اسی کے صاف اور شیریں پانی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں۔ جا بجا حوض بنے ہوئے ہیں جن میں نہر پڑ کر نکل جاتی ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے وضو کرتے ہیں کوئی مانع نہیں نہ کوئی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ شہر میں انگور، انار، کشمش، منقیٰ، کھجور وغیرہ میوہ جات بکثرت بکتا ہے اور ارزاں بکتا ہے۔ نہ شہر میں کوئی باغ ہے نہ سبز درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں نہ ترکاری اور سبزہ زار کے کھیت ہیں۔ یہ سب چیزیں موجود ہیں جو طائف وغیرہ مقامات سے آتی ہیں یہ اس شہر کی بڑی برکت ہے۔

اس شہر میں تخمیناً تین لاکھ آدمی آباد ہوں گے۔ خاص اس شہر اور مدینہ میں غیر مسلم کو آنے نہیں دیتے لیکن یورپ کی سلطنتیں اپنے جاسوس بھیجتی رہتی ہیں جو بہ تبدیلِ لباس آیا کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی رعیت میں سے کسی مسلمان کو بھیجتے ہیں جو وہاں طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے اور اس بات کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے کہ شریف اور عربوں کو سلطان المعظم سے لڑا دیا جائے تاکہ سلطان المعظم کے ہاتھ سے خدمتِ حرمین شریفین کا افتخار جاتا رہے۔

مسجد الحرام | تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور اس کے چاروں طرف نہایت خوشنما سنگ مرمر کے ستونوں پر کئی کئی درجہ کے دالان ہیں یعنی قبے بنتے چلے گئے ہیں اور اس نشیب کے وسط میں سنگِ مرمر کا فرش ہے اس کے بیچوں بیچ ایک مربع بڑی بلند عمارت ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ یہ عمارت مسقّف ہے قد آدم کے قریب کرسی پر ایک دروازہ مقامِ ابراہیم وزمزم کے کنوئیں کی طرف ہے۔ اس عمارت پر نیچے سے لے کر اوپر تک سیاہ ریشم کا کہ جس پر خطِ نسخ میں بناوٹ میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ غلاف پہنایا ہوا ہے اور نصف سے بلند سنہری حرفوں کا ایک پٹکا بنا ہوا ہے اور کعبہ سے ملی ہوئی مغرب رخ بیضوی شکل سنگ مرمر کی دیوار دو ہاتھ بلند ہے اس کو حطیم کہتے ہیں اور حجر بھی اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے جبکہ اس کی چھت پر بارش ہوتی ہے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

حطیم سمیت کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس رخ میں کعبہ کے ایک کونہ کو رکن عراقی دوسرے کو رکن یمانی کہتے ہیں اور اسی طرح دوسری طرف کے دونوں گوشوں میں سے ایک کا نام رکن شامی ہے اور دوسرے گوشہ پر جو دروازہ کعبہ کے قریب ہے گز سوا گز بلندی پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جو عمدہ عقیق ہے، ڈھال کے برابر چاندی کے حلقہ میں بندھا ہوا دیوار میں لگا ہوا ہے۔ طواف کے بعد اس کو بوسہ دیتے ہیں اور اس کو حجرِ اسود یعنی کالا پتھر کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کے سبب نہایت قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ دروازہ کے سامنے ایک کنواں ہے جس کو زمزم کہتے ہیں اور یہیں سقایۃ الحاج ہے جس کو سقایہ عباس کہتے ہیں اور دار الندوۃ جو جاہلیت میں قریش کی مجلس کا مکان

تھا اب حرم میں شامل ہو گیا ہے دارالامارۃ کے مغربی جانب میں تھا۔

صفا | جبلِ ابوقبیس کی ایک مرتفع جگہ کا نام ہے جیسا کہ مروہ جبلِ قعیقعان کے پتھر کا نام ہے جو اس کے مقابلہ میں ہے اور یہی وہ دونوں پہاڑ ہیں کہ جن کے بیچ شہر مکہ بستا ہے لیکن ابوقبیس جو شرقی جانب میں ہے قعیقعان سے بلند ہے جو غربی جانب میں ہے۔ قعیقعان کے پتھروں سے کعبہ کی عمارت چنی گئی ہے۔ صفا و مروہ کا میدان آج کل بازار ہے جس میں حاجی سعی کیا کرتے ہیں۔

منیٰ | مکہ سے عرفات کی جانب انہیں دونوں پہاڑوں کے سلسلہ میں تقریباً تین میل ہے وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں بازار بھی اور مکانات بھی ہیں اور اس کے وسط میں مسجد خیف ہے۔ اور یہیں وہ چھوٹے چھوٹے تین مینار ہیں جن پر حاجی سات سات کنکریاں مارا کرتے ہیں مکہ کے رخ کے مینار کو جو منیٰ کے اخیر پر ہے جمرۃ العقبیٰ کہتے ہیں۔

مزدلفہ | منیٰ سے آگے بڑھ کر عرفات کے رستہ پر بطنِ محسر اور مازمان کے بیچ ایک مقام ہے جہاں عرفات سے واپس آ کر رات کو حجاج رہا کرتے ہیں بطنِ محسر منی اور مزدلفہ کے بیچ ایک وادی کا نام ہے اور مازمان دو پہاڑوں کی شاخ ہے جو بطن عرنہ تک گئی ہیں۔

عرفات | عرنہ سے لے کر بنی عامر کے باغ تک کے میدان کا نام ہے اور وہیں وہ مسجد ہے جہاں ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھا کرتے ہیں۔ عرفات حرمِ مکہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح تنعیم بھی خارجِ حرم ہے۔ عرفات مکہ سے تخمیناً آٹھ نو میل ہے۔

ثبیر | یہ بلند پہاڑی ہے جو منی اور مزدلفہ سے دکھائی دیتی ہے۔ ایامِ جاہلیت میں جب تک اس پہاڑی پر دھوپ نہ نکلی دیکھ لیتے تھے چلتے نہ تھے۔

مشعر الحرام | مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی جگہ امام حج کے دنوں میں عشاء اور صبح کی نماز پڑھایا کرتا ہے۔

حدیبیہ | یہ مکہ سے ایک دن کے رستہ سے زیادہ پر ایک مقام ہے کسی قدر حرم میں اور کسی قدر حل میں داخل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کو آئے تو قریش برسرِ مقابلہ آئے اور اسی جگہ روک دیا اور یہیں صلح نامہ باہمی لکھا گیا۔

مدینہ | مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دس منزل ایک شہر ہے کہ جس کی پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے اس کی آبادی شہر پناہ سے بھی باہر ہے۔ آبادی مکہ سے کم ہے مکانات کا وہی طرز ہے یہاں تقریباً سردی اور گرمی ایسی ہوتی ہے کہ جیسی ہندوستان کے دہلی شہر میں۔ اس کے اردگرد کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں ان کو حائط کہتے ہیں۔ ان میں کنوؤں اور کاریزوں سے پانی دیا جاتا ہے۔ شہر کے وسط میں مسجدِ نبوی ہے جس کو حرم شریف کہتے ہیں۔ یہ نہایت شاندار اور پر تکلف عمارت ہے جو لاکھوں روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ اب جو مسجد موجود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک محلّہ تھا اور مسجدِ نبوی جو آپ کے عہد میں تھی اسی میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وسعت دی۔ پھر خلفائے بنی امیہ نے ازواجِ مطہرات کے گھروں کو بھی اور دیگر گھروں کو بھی شامل کر لیا۔

مسجد کے گوشہ میں ایک مرتفع عمارت ہے جس کے اوپر سبز گنبد ہے اس کے اندر ایک درجہ چھوڑ کر ایک اور گنبد ہے جو ہر طرف سے بند ہے اس کے اندر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مزار شریف ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پر تکلف اور پر زر سبز مخمل سے ڈھکی رہتی ہے یعنی سبز مخمل کے بڑے بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر زری کے حرفوں سے جو نہایت خوشخط ہیں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی شہر کی غربی جانب میں وہ جگہ بھی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور بقیع الغرقد شہر کے شرقی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ بنا ہوا ہے جس میں بڑے بڑے صحابہ انصار و مہاجرین و اہل بیت کی قبریں ہیں۔ اب بھی یہی قبرستان ہے بڑی پر برکات اور عبرت خیز جگہ ہے۔

قبا | دو میل کے فاصلہ پر مکہ کے رخ ایک بستی ہے۔ ہجرت کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پہلے یہیں اترے تھے۔ شہر

کے جنوب اور شمال میں کئی میل کے فاصلہ سے پہاڑوں کے دو سلسلہ ہیں۔ جنوبی سلسلہ کا نام جبلِ عیر ہے اور شمالی کا احد جو تخمیناً دو میل کے فاصلے سے ہے اور اسی کے دامن میں ان شہداء کے مزارات ہیں جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ جن میں حضرت کے چچا سید الشہداء حمزہ بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ مسجدِ نبوی کے غرب میں ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے اور اس کے پاس مدرسہ بھی یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ بازار وسیع نہیں مگر پر رونق ہیں۔ شہر میں شیریں پانی اور سبز چیزیں اور میوے بکثرت ملتے ہیں۔ نہایت شاداب جگہ ہے آدمی یہاں کے نہایت نرم دل اور مہربان اور مہمان نواز اور بے تکلف ہیں۔ شہر کے شرقی طرف کئی میل کے فاصلہ پر بنی نضیر و بنی قریظہ ہے۔ یہود کی گڑھیاں بھی تھیں جن کے اب کچھ نشان بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہاں بھی متعدد مدرسہ اور شفاخانہ ہیں اور مسافروں کے لیے مہمان سرائیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار نظام الملک آصف جاہ مالک دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بھی ان دونوں مقدس شہروں میں ہزار ہا روپیہ ماہوار اللہ صرف ہوتا ہے اور عمدہ مکانات اور آسائش کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ حضور پر نور میر محبوب علی خان نظام الملک آصف جاہ بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کا دست کرم نیک کاموں کے لیے بڑا فراخ ہے۔ حیدر آباد میں جس امیر کے متعلق وہاں کی خبر گیری ہے وہ ہمارے عنایت فرما نواب معزیار الدولہ بہادر ہیں ان کی ہمت اور کوشش سے شاہ عالیجاہ کا عطیہ بڑی امانت سے مستحقوں کو پہنچتا ہے اور ہر سال حجاج کی ایک جماعت بھی روانہ کی جاتی ہے۔ یہ شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی فیاضی کی ایک چھوٹی سی نظیر ہے۔

فرع | مدینہ کے جنوب میں چار دن کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں۔

عقیق | مدینہ سے مکہ کے رخ چار میل کے فاصلہ پر ایک وادی پر فرحت ہے جس کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے۔

جحفہ | یہ سمندر سے دو میل کے فاصلہ پر بڑی آباد بستی ہے۔ مکہ اور مدینہ کے رستہ میں اس سے آباد تر کوئی جگہ نہیں جیسا کہ مدینہ اور عراق کے رستہ میں فید سے زیادہ پر رونق اور کوئی جگہ نہیں اور یہ دیارِ طے میں ہے اور طے کے دونوں پہاڑ اس جگہ سے دو دن کے فاصلہ پر ہیں اور یہاں کھجور بکثرت ہیں طے کے قبائل مواشی چرانے کو یہاں آیا کرتے ہیں۔

جبلہ | ایک قلعہ ہے آخر وادی ستارہ میں مرز اور عسفان کے بیچ۔ مکہ جانے والوں کو بائیں طرف ملتا ہے اس وادی کا طول دو دن کا سفر ہے جہاں کوئی بھی کھجور کا پیڑ نظر نہیں آتا اور اس کی پشت پر ایک اور وادی ہے جس کو سایہ کہتے ہیں اور بھی ہے جس کو سائرہ کہتے ہیں اسی جبلہ پر زمانۂ سابق میں تمیم اور بکر بن وائل کی خونخوار جنگ ہوئی تھی۔

خیبر | یہ مدینہ سے شمال و غرب میں چار منزل کے فاصلہ سے ایک مستحکم گڑھی ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا قصبہ بستا ہے اس کے آس پاس کھجور کے باغ بکثرت ہیں اور قابلِ کاشت زمین بھی بہت ہے۔ یہاں مالدار یہودیوں کی ایک قوم رہا کرتی تھی جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اس لیے ان پر صلح حدیبیہ کے بعد چڑھائی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار کیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے دروازہ کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اب تک وہ پتھر موجود ہے جس کو پچاس آدمی بمشکل ہلا سکتے ہیں۔ فتح کرنے کے بعد اس کے باغ اور زمین مسلمانوں کو تقسیم کر دی گئی۔ مدینہ کی فاقہ کشی اور تنگی دفع کرنے کا یہ پہلا سامان تھا۔ یہاں سے تیمہ چار منزل ہے وہاں سے حجر چار منزل ہے۔

مدینہ کے اطراف میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں جن میں عرب کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ ینبع بحر قلزم کے کنارہ پر مدینہ سے چار منزل۔ یہ بہت ہی قریب بندر ہے اور اسی کے متصل عیص اور مردہ ہے۔ ینبع کے پاس جبل رضوی ایک سرسبز اور بلند پہاڑ ہے۔ فرقہ کیسانیہ[1] کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ اب تک زندہ اسی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ **ودان**: جحفہ سے ایک منزل پر ہے اور اس کے چھ میل کے قریب

[1] شیعہ کا ایک فریق۔ ۱۲ منہ

ابواء ہے یہاں جعفری اور حسنی قبائل رہتے ہیں جن میں باہم لڑائیاں ہوا کرتی ہیں۔

جدہ | یہ مکہ سے غربی جانب دو منزل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارہ ایک عمدہ شہر آباد ہے جس کے چاروں طرف سنگین شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں بازار وسیع ہیں۔ ہر قسم کے تاجر موجود ہیں اور مالدار لوگ بھی رہتے ہیں۔ یہ حجاز کا سب سے آباد بندر ہے۔ بحرِ قلزم سے مکہ جانے والے لوگ اکثر یہیں اترتے ہیں پھر ایک منزل بیچ اگلی منزل مکہ ہے اس جگہ غیر سلطنتوں کے کونسل بھی رہا کرتے ہیں۔

طائف | چھوٹا سا شہر جبل غزوان پر آباد ہے مکہ سے شرقی رخ میں تین منزل پر۔ اس پہاڑ پر بنی سعد اور ہذیل کے تمام قبائل آباد ہیں۔ ثقیف وہوازن کا بھی یہی مرکز ہے۔ یہ بڑی بلند جگہ ہے اس لیے سرد مقام ہے جس کی چوٹی پر برتن میں پانی جم جاتا ہے۔ تمام حجاز میں اس سے زیادہ شاداب اور سر دسیر اور بہار افزا کوئی مقام نہیں۔ یہاں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور قسم کا انار نہایت شیریں اور بڑے بڑے دانوں کا اور انجیر اور بہت سے میوے اور اسی طرح ترکاریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مکہ میں جو میوے آتے اور ارزاں بکتے ہیں سب کا خزانہ یہی مقام ہے۔ گرمیوں میں ترکی حکام اور دولت مند اشخاص اس پہاڑ پر چلے جایا کرتے ہیں۔ مکہ سے وہاں تک تار لگا ہوا ہے۔ اوپر عمدہ عمدہ مکانات اور باغ ہیں۔ مکہ شہر میں جو نہر زبیدہ جاری ہے جس کو زبیدہ خاتون ہارون رشید کی بیگم نے بنایا تھا اسی سلسلہ پہاڑ کے کسی چشمہ سے نکلتی ہے۔

اور یہی بستیاں حجاز میں ہیں لیکن اب ہم اسی قدر پر بس کر کے ملک حجاز کا بیان ختم کرتے ہیں۔

شمالی عراق کے مقامات

حجر | چھوٹا سا گاؤں وادی القریٰ کے قریب ہے ایک دن کے فاصلہ پر پہاڑوں میں اور یہاں قومِ ثمود کے مکانات ہیں جن کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ ہم نے ان کے کھدے ہوئے مکانوں کو دیکھا ہے جو ہمارے مکانوں کی مانند پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے ان پہاڑوں کو اثالب کہتے ہیں۔ یہ چند پہاڑ متصل ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے جدا ہے، ان کے اردگرد ریت ہے جس کے سبب اوپر چڑھنا نہایت دشوار ہے اور یہیں وہ کنواں ہے جو صالح علیہ السلام کے ناقہ کے لیے معین ہوا تھا جیسا کہ فرمایا تھا لها شرب ولکم شرب یوم معلوم۔

تبوک | حجر اور شام کے بیچ ہے۔ شروع شام سے چار منزل کے فاصلہ پر شام کے نصف رستہ میں ایک قصبہ ہے جہاں ایک قلعہ بھی ہے اور باغ اور چشمے بھی ہیں۔ کہتے ہیں اصحاب الایکہ کہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے یہیں رہتے تھے۔ حضرت شعیب مدین کے رہنے والے تھے ان کے لیے رسول ہو کر آئے تھے۔

مدین | قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھ منزل کے فاصلہ سے ایک بستی ہے جو تبوک سے بڑی ہے اور یہیں وہ کنواں ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ مگر پاٹ دیا گیا تھا اس کے اوپر کسی نے گھر بنالیا ہے اور یہاں کے لوگ چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ مدین دراصل قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے داماد تھے۔

بادیہ سماوہ | ایک بیابان ہے جو دومۃ الجندل سے لے کر عین التمر تک ہے۔ اس وادی میں پیڑ سرسبز بکثرت ملتے ہیں اور چشمے بھی اور اسی کے قریب میدانِ قادسیہ ہے۔

بادیہ خساف | یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیان میدان میں ہے۔ رعہ سے لے کر مابس تک یہ بھی سرسبز ہے۔

صفین | یہ بھی اسی میدان میں ایک مقام ہے فرات کے قریب۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی مہینوں تک ستر لڑائیاں ہوئی تھیں۔

تیماء | ایک قلعہ ہے تبوک سے شمال کی طرف۔ اس میں ایک بستی ہے یہاں بھی چشمہ اور سرسبز درخت بکثرت ملتے ہیں۔

قلزم | بحرِ قلزم کے کنارے ایک بستی ہے اور اسی کے قریب ہی سمندر کی شاخ تمام ہوگئی ہے نہ یہاں کھیتی ہوتی ہے نہ کوئی سایہ دار درخت ہے نہ پانی شیریں ہے دور سے لا کر پانی پیتے ہیں۔ مصر اور شام اور فلسطین اور حجاز کے قافلے یہاں آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور اسی کے سبب اس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں۔

تاران | ایلہ اور قلزم کے درمیان اسی بحر کے کنارے پر ایک بستی ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہوا ٹکرکھا کر دریا میں بڑا طوفان برپا کرتی ہے۔ اس دریا میں اس جگہ سے زیادہ اور کوئی مقام خطرناک نہیں۔ اسی جگہ فرعون مع لشکر غرق ہوا ہے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف ایک اور مقام ہے جس کو جبیلات کہتے ہیں۔ یہاں بھی بڑا طوفان رہتا ہے پھر اس سے آگے بڑھ کر جنوبی طرف میں ایک بستی ہے جس کو اُبلَہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بحرِ قلزم کے کنارہ ہے۔ اگلے زمانہ میں یہاں یہود رہتے تھے یہاں کسی قدر شیریں پانی اور کھیتی بھی ہے مگر زیادہ گزران مچھلی کے شکار پر ہے۔ ان لوگوں کو سبت کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت ہوئی تھی انہوں نے عدول حکمی کی جس پر قہر نازل ہوا۔ ان کا واقعہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے۔ صورتیں مسخ ہوکر بندر اور سور نظر آنے لگے۔ واسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر۔ اسی کے سامنے شرقی طرف مدین بستی ہے۔

تیہ بنی اسرائیل

یہ بیابان قلزم کے شرق سے شروع ہوتا ہے۔ قلزم کی دونوں شاخوں کے بیچ جو بیابان ہے کوہ طور اور سیناو ہیں واقع ہے مدین سے کئی منزل کے فاصلہ پر۔ پھر یہ بیابان آگے چل کر شام اور عرب کے رخ دور تک چلا گیا ہے۔ اس میں عمالیق اور دیگر اقوام آباد تھے۔ آج کل اکثر عرب رہتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے ہیں یہ بیابان کہیں تو ایسا ہے کہ جہاں نہ پانی نہ سایہ دار درخت ہے۔ سنگلاخ یا ریگستانی زمین اور خاردار پیڑ اور خشک پہاڑیاں ہیں۔ اور کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں۔

یمن کے مقامات

اب میں یمن کے مقامات کو بیان کرتا ہوں

عمان: یہ ملک یمن کا شرقی حصہ سمندر کے کنارے کنارے اور کچھ جنوبی حصہ ایک مثلث کی صورت جس کی ابتداء شہر بحرین اور انتہا شرقی اور جنوبی حصہ کو لیتی ہوئی دفر تک ہے اور اس کے اس موڑ پر کہ جہاں سے شرقی حد تمام ہوکر جنوبی شروع ہو جاتی ہے شہر مسقط آباد ہے جو تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں سے ہندوستان کا کراچی بندر صرف تخمیناً چھ سو میل ہے اور ہندوستان اور عرب میں اس سے کم فاصلہ اور کسی طرف سے نہیں۔ ملک عمان کا کنارہ جو بحرین سے شروع ہوکر دفر پر تمام ہو جاتا ہے یہ دور تخمیناً گیارہ سو میل ہے اور عرض اس ملک کا تقریباً دو سو میل ہے۔ یہ ملک سرسبز ہے اور میوے بکثرت ملتے ہیں زراعت بھی ہے۔ سمندر کے کنارے اس کے یہ بندر بہت مشہور ہیں۔ **صحار یہ:** بڑی تجارت گاہ ہے اور پر رونق ہے۔ **مسقط:** یہاں عمان کا سلطان رہا کرتا ہے جو خارجی مذہب رکھتا ہے۔ یہ رونق دار شہر ہے۔ مساجد و مدارس بکثرت ہیں۔ یہاں کا حلویٰ بہت مشہور ہے۔ **بحرین:** یہ بھی ایک شہر ہے، یہاں موتی نکلتے ہیں اس لیے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بکثرت رہا کرتی ہے۔ یہ بھی مسقط کی طرح اور صحار کی طرح خلیج فارس پر آباد ہے۔

حضرموت | یہ ملکِ عدن اور عمان کے درمیان ہے اور اس کے درمیانی حصہ کو نجد الیمن کہتے ہیں۔ نجد کے لغوی معنی ہیں بلندی کے یعنی

اونچی زمین جس کو اس ملک میں بانگر کہتے ہیں اور پست اور نشیب کو کھادر۔

اس ملک کو بلادِ خیوان بھی کہتے ہیں اس لیے کہ بلادِ خیوان بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ سرسبز اور آباد ملک ہے اور زمین قابلِ کاشت ہے اس کے مشہور شہر یہ ہیں۔ **نجران**: یہ ایک بارونق شہر ہے اسلام سے پہلے یہاں عیسائی رہا کرتے تھے اور وہی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کے لیے آئے تھے۔ اسی کے قریب دوسرا شہر جرش ہے یہاں بھی کھجور بکثرت ہیں اور آباد و شاداب جگہ ہے اور ان دونوں سے آباد زیادہ شہر صعوہ ہے یہاں بھی چمڑے کے ویسے ہی کارخانے ہیں جیسا کہ صنعا میں ہیں اور یہاں تجار بکثرت آباد ہیں اور حسنی زیدی سردار یہیں رہا کرتا ہے۔ **صنعاء**: یمن کا دارالسلطنت ہے اس سے زیادہ یمن میں کوئی شہر آباد اور بارونق اور مالدار نہیں ہے۔ اس کی آب و ہوا معتدل ہے گرمی سردی میں اور جگہ جانے کی حاجت نہیں پڑتی زمانہ گزشتہ میں شاہانِ یمن کا یہی شہر دارالامارۃ تھا جہاں اب تک بڑے بڑے نشانات عماراتِ سابقہ کے پائے جاتے ہیں۔ اسی جگہ وہ قصرِ غمدان تھا جس کا حال ہم بیان کریں گے مگر اب ایک ڈھیر پڑا ہے اور یہیں دو اور محل بھی تھے سیلحن، بینوں۔ انہیں کے باب میں کوئی شاعر افسوس ظاہر کرتا ہے۔

هل من بعد غمدان او سلیحن من اثر   وبعد بینون یبنی الناس بنیاناً

اور اسی کے قریب[۱] مارب کا بندر ہے جو کسی زمانہ میں شام تک ملک کو شاداب کیا کرتا تھا اور یہ بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھا وہ دو پہاڑوں میں دو میل تک کی دیوار ہے تین سو گز بلند مربع اور ترشے ہوئے پتھروں سے چنی ہوئی اور ایک پتھر کو دوسرے سے میخوں اور سیسے سے جوڑا گیا ہے۔ اس سے ان پہاڑوں اور نالوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا اور ایک بڑی جھیل شیریں پانی کو دیکھنے میں آتی تھی اور پھر اس میں آبپاشی کے لیے بڑی حکمت اور پیمانہ سے روزن رکھے ہوئے تھے جن سے نالوں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے طور سے ملک کی آبپاشی ہوتی تھی اور اس ملک میں باغ اور میوے بکثرت تھے۔ منزلوں درختوں کے سایہ میں مسافر چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی ناشکری سے یہ دیوار جس کو عرم کہتے تھے ٹوٹ گئی اور اب تک اسی طرح خراب پڑی ہے۔ باغ ارم اسی کے سبب سے تروتازہ تھا اور صنعاء سے شمال و مشرق میں تخمیناً اسی میل کے فاصلہ پر شہر سباء کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں سباء بھی دنیا کے عمدہ شہروں میں سے تھا۔ بلقیس شہزادی اسی شہر کی رہنے والی اور یمن کی حاکم تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی اور سباء کو مارب بھی کہتے ہیں اور یہ بندر شہر سباء کے قریب بتلاتے ہیں نہ صنعاء کے۔ اور یہی صحیح ہے۔ یدنحرہ یمن میں بلند پہاڑ ہے جس پر سبز درخت اور چشمے ہیں اور کھیتی بھی ہوتی ہے۔ شبام یمن کے مشہور پہاڑوں میں سے ہے جو بہت بلند ہے اس پر بکثرت آبادی ہے۔ **عدن**: انتہاءِ یمن بحرِ قلزم کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور اسی لیے انگریزوں نے حضرت سلطان ترکی سے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اپنا بہت سا سامان وہاں رکھتے ہیں۔ صرف شہر عدن، باقی ملک اور گردونواح میں کچھ دخل نہیں۔ اس جگہ بھی موتی نکلا کرتے تھے۔

ارضِ مہرہ: ملک عمان اور حضرموت کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو دریائے شور سے ملا ہوا ہے یہاں کا بڑا شہر شحر ہے۔ یہ بے آباد ملک ہے۔ یہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں جن کا گزارہ مواشی پر ہے یہاں کا اونٹ تیز روی میں بہت مشہور ہے۔ **بلادِ خیوان**: ارض مہرہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ علاقہ سرسبز ہے یمن کے بڑے قبائل یہاں آباد ہیں۔ **دیار کندہ**[۲] **وخولان و ہمدان**: یہ یمن کے اور نجد اور تہامہ کے درمیان ہیں۔ یہاں باغات اور آبادی موجود ہے۔ **بلادِ اباضیہ**: یہ خوارج کا مسکن ہے بلادِ خیوان کے قریب بڑا سرسبز اور آباد ملک ہے کھیتی اور باغ اور چشمے بکثرت ہیں۔

---

[۱] قریب سے مراد یہ نہیں کہ صنعاء کے کوس دو کوس بلکہ ضلع میں جس سے مراد سباء ہے۔ ۱۲ منہ

[۲] یہ یمن کے مشہور قبائل ہیں۔

مخہ: عدن کا مشہور بندر ہے یہاں سے صنعاء وتریم بہت نزدیک ہے اوراسی طرح مکلہ بھی مشہور بندر ہے حضرموت بھی ایک شہر ہے شرق میں دریا کے قریب اوراس کے نواح میں بہت ریت ہے جس کو احقاف کہتے ہیں اور یہیں حضرت ہود پیغمبر علیہ السلام کی قبر مشہور کرتے ہیں۔ یہیں قومِ عاد پر عذاب آیا تھا اوراسی کے قریب مقام بلہوت میں ایک ایسا گہرا کنواں ہے کہ جس کی تہہ تک کوئی اتر نہیں سکتا۔ ملک یمن قومِ عاد کا مسکن تھا اوران کے اب تک یادگار پائے جاتے ہیں۔

تہامہ | اس ملک کو بعض نے ملک یمن کا ایک حصہ قرار دیا ہے جس کا طول آٹھ سو میل عرض دو سو میل ہے۔ یہاں شیریں پانی بکثرت ملتا ہے اس کو یوں خیال کرنا چاہیے کہ عرب کا غربی کنارہ جو بحرِ قلزم سے ملا ہوا ہے مدین سے لے کر عدن تک طول میں۔ اس کے دو حصہ ہیں مکہ تک کا شمالی کنارہ ملکِ حجاز اور مکہ سے عدن تک جنوبی کنارہ تہامہ ہے۔

اس قطعہ میں وہی پہاڑوں کا سلسلہ چلا آتا ہے جو حجاز میں تھا اور یہ پہاڑ بیشتر بحرِ قلزم کے متصل ہیں اور کہیں سے پھیل گئے ہیں، کہیں سے کئی کئی سلسلے ہو گئے ہیں اور پھر ریتا بھی ہے اور تہامہ کی رات اسی لیے مشہور ہے کہ دن میں تو آفتاب کی گرمی سے زمین آگ ہوتی ہے اور جب آفتاب غروب ہوا، ہوا ٹھنڈی چلنے لگی، ریت سرد ہو گیا۔ پھر نہ پسو ہے نہ کھٹمل ہے۔ دن کے جلے بھنوں کو اس ریت کے نرم بستر پر کس مزے سے نیند آتی ہے زبید تہامہ کا بڑا اور آباد شہر ہے اور بھی شہر ہیں جیسا کہ معقر' کدرہ' جور' عطنہ 'شرجہ' دویمہ، حمصہ' غلافقہ مخہ کمران [1]' حردہ' لسعہ 'شرمہ' عشیرہ' رنقہ' خصوف' ساعد' مجم وغیرہا۔

یمامہ | عرب کے مشرق میں بحرِ فارس سے ملا ہوا ملک ہے۔ یہ عمان سے اسی طرح ملا ہوا ہے کہ جس طرح تہامہ حجاز سے۔ اس کی ابتداءِ طولانی بحرین کے نواح سے شروع ہوتی ہے اور شمال میں بڑھتے بڑھتے علاقہ کوفہ سے گزر کر بصرہ کے میدانوں تک جا ملا ہے اور عرض میں سمندر کے کنارہ سے لے کر تخمیناً دو سو میل تک غرب میں چلے جاؤ سب ملکِ یمامہ ہی کا علاقہ ملے گا اوراس کے بعض علاقوں کو الحسا بھی کہتے ہیں۔ یمامہ قبیلہ طلسم میں سے مرہ کی بیٹی تھی جس کے نام سے یہ ملک نامزد ہے۔ زمانہ سابق میں طم اور جدس کے قبائل یمامہ میں رہا کرتے تھے۔ بحرین تک پھیلے ہوئے تھے اور عادِ اولیٰ احقاف میں رہتے تھے جو عمان سے لے کر عدن تک پھیلے ہوئے تھے اور احقاف کا ایک مشہور ریگستان ہے یمامہ دو وادی ہیں جو شمال سے شروع ہو کر جنوب تک تمام ہوتی ہیں۔ اس ملک میں بہت سے چشمے اور متعدد چھوٹی نہریں یا نالیاں رواں ہیں جن سے ملک نہایت سرسبز اور آباد ہے۔ یمامہ کے لوگ کہتے ہیں یہ ملک پانچ چیزوں میں بڑھ کر ہے۔ (۱) یہاں کی عورتیں نہایت خوش رنگ ہوتی ہیں۔ سنہری رنگت ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ سونے کا زیور پہنے ہوئے دور سے معلوم نہیں ہوتا۔ (۲) یہاں کے گیہوں۔ (۳) یہاں کی کھجور نہایت عمدہ ہے کہ ایسی اور کہیں نہیں ہوتی۔ (۴) یہاں گوشت ایسا خوش ذائقہ اور عمدہ ہوتا ہے کہ پھر اور جگہ نہیں ملتا۔ (۵) یہاں پانی بھی ایسا شیریں ہوتا ہے کہ پھر اور پانی کیسا ہی شیریں ہو منہ نہیں لگتا۔ **ذات النسوع**: ایوانِ یمامہ میں عجائب دنیا سے تھا احسن التقسیم کا مصنف ابوعبداللہ محمد شامی کہتا ہے یمامہ دراصل ملک ہجر کا سوانا ہے یعنی علاقہ اور ہجر کے مشہور شہر یہ ہیں، احساء، سابون، زرقا، اول' عقیر۔

اسی طرح سے نجد الیمن کے ناحیہ یعنی سوانا اور علاقہ احقاف کو قرار دیتا ہے اور احقاف کے یہ شہر گنواتا ہے۔ خاص حضرموت، حسب اور اسی طرح سباء کو بھی ناحیہ قرار دیتا ہے۔

---

[1] ہندوستان سے مکہ جانے والے جہازوں کو اس جگہ حکماً ٹھہرایا جاتا ہے تا کہ امراضِ متعدیہ کا اثر زائل ہو جائے اس کا نام قرنطینہ ہے۔ آبادی کمران سے دور ایک میدان میں غریب حجاج کو اتار دیا جاتا ہے جہاں نہ شیریں پانی ہے نہ سایہ دار درخت۔ مسافروں کے لیے جھونپڑیاں بنادی ہیں کھانے پینے کی بھی چیزیں کم ملتی ہیں۔ یہ مصیبت یورپ کے روشن دماغ ڈاکٹروں اور خودغرض سلطنتوں کا فیض ہے، اللہ رحم کرے۔ ۱۲ منہ

عجائباتِ یمن

(۱) یمن کے بعض علاقوں میں سے عقیق سرخ اور یاقوت خالص اور لال برآمد ہوتا ہے جس کے آگے لال بدخشانی کی اصل نہیں اور بھی طرح طرح کے جواہر برآمد ہوتے ہیں۔ یمنی ایک خاص پتھر ہے جو وہاں بکثرت موجود ہے اور اس ملک کی چیز ہے۔

(۲) یمن کے پہاڑوں میں ہر قسم کی کانیں موجود ہیں لوہا، جست، تانبا وغیرہ خصوصاً پھٹکڑی کے بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں جس کو یشب یمانی کہتے ہیں۔

(۳) یمن کے ریگستان میں شتر مرغ پایا جاتا ہے اور ایک عجیب جانور ملتا ہے جس کے پاؤں بیل جیسے منہ ہرن جیسا گردن صراحی دار کئی گز کی اونٹ سے بھی بڑی اور اسی طرح ٹانگیں بھی بڑی بڑی پتلی دبلی۔ یہ جانور اگر گردن بلند کرے تو چھ سات گز بلندی تک پہنچا دے۔

(۴) اس کے بیابانوں میں بندر بکثرت ملتے ہیں۔ خیر یہ تو اور جگہ بھی ہوتے ہیں مگر ایک اور جانور بھی ہے جس کو عُدار کہتے ہیں۔ وہ ایک چارپایہ ہے اس کی صورت انسان سے بہت مشابہ ہے جہاں کہیں انسان کو دیکھ پاتا ہے تو دوڑ کر گھیر لیتا ہے اور نیچے ڈال کر اس سے مباشرت کرتا ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت جس کے صدمہ سے انسان کمتر زندہ رہتے ہیں۔

(۵) اس ملک میں قدیم یادگار شاہانِ سلف کے ایسے ہیں کہ جن کا مثل اور دوسری جگہ تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا اور وہ عمارات یہ ہیں۔ غمدان، مارب، قصر مسعود، سدِ لقمان، سلیحن، صرواح، مرواح، بینون، ہندہ، ہیندہ، قلثوم، بردہ۔

غمدان: شہر صنعاء میں ایک چورخانہ ایوان تھا جس کا ایک رخ زرد عقیق کا دوسرا سرخ پتھر کا تیسرا سبز کا چوتھا سفید کا بنایا گیا تھا۔ یہ ایوان نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا اور سات منزل بلند تھا۔ ہر ایک منزل دوسری سے چالیس ہاتھ بلند تھی اور ہر منزل کی چھت ایک سنگ مرمر سے پٹی تھی۔ اس دیوان کے چاروں طرف بڑی خوشنمائی اور نزاکت سے دریچے رکھے تھے جو رنگ برنگ کے عقیق اور بیش بہا پتھروں سے بنے تھے اور اس ایوان کے فرش اور چھت اور دیواروں پر وہ گلکاری کی ہوئی تھی کہ دیکھ کر عقل حیرت کرتی تھی کسی جگہ کسی بادشاہ کی بزم کا نقشہ کھنچا تھا کہ پرستاران پری رو ہاتھوں میں ظروف لیے اس زمانہ کے عمدہ کپڑے پہنے کھڑی ہیں، کہیں امراء صف بستہ کھڑے ہیں جن کی تصویریں اس کی شان وشوکت کو یاد دلا رہی ہیں۔ ایک بلند تخت پر کوئی بادشاہ باحشم وخشم بیٹھا ہوا اپنی جبروت وسطوتِ چندروزہ کو یاد دلا رہا ہے۔

اور اس کے ہر ایک گوشہ میں شیر کی مورت سنگ ہمرنگ شیر سے بنی ہوئی تھی اور طلسم یہ تھا کہ اس کے منہ میں آواز داخل ہو کر ہیر پھیر کھا کر پیچھے سے جو نکلتی تھی تو ہو بہو شیر کے غرانے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر کمرہ میں ایک ایسا مصالحہ رکھا ہوا تھا کہ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بجلی کی روشنی ہو رہی ہے اور اس سبب سے تمام ایوان چمک اٹھتا تھا اور دیواروں کے پتھروں میں ایسی صفائی تھی کہ وہ روشنی رات کو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتی تھی۔ اندھیری رات میں جب کوئی صنعاء کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صنعاء میں بجلی کوندرہی ہے اور بارش ہو رہی ہے حالانکہ وہ سب اس ایوان کی روشنی ہوتی تھی۔ اس ایوان کے کسی ستون پر خطِ حمیری میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس ایوان کو گرائے گا قتل کیا جائے گا۔ یہ ایوان کسی مصلحت سے بحکم امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ گرایا گیا آخر وہ شہید ہوئے۔ اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے اور کسی قدر زمین کے اندر کا حصہ باقی ہے۔

صنعاء میں اس قسم کے اور بھی دو ایوان تھے جن کا نام سلیحن اور بینون تھا۔ اسلام کے زمانہ تک یہ ایوان باقی تھے۔

(۶) یمن میں کپڑے بھی نہایت عمدہ بنتے تھے کسی زمانہ میں بردِ یمانی بڑی عزت سے دیکھی جاتی تھی۔

یمن کے اقوام اور ان کے عادات

یہاں اکثر قبائل بنی قحطان ہیں اور یہی عرب العرباء شمار ہوتے ہیں پھر ان کے باہم صدہا قبائل ہیں ان میں سے قبیلہ بنو حمیر جو شاہانِ یمن

تھے نہایت معزز قبیلہ ہے اور بعض قبائل فاطمیوں کے بھی دوسری صدی سے وہاں آباد ہیں۔

اہلِ یمن پرہیزگار، مہمان نواز، بہادر، علم پسند ہیں اب بھی دینیات کے عالم جس قدر یمن میں ملیں گے عرب کے کسی خطہ میں نہ ملیں گے۔

نجد

شرق وغرب میں یمامہ سے لے کر مدینہ تک اور جنوب وشمال میں مکہ کے محاذی ملک سے لے کر مدینہ کے سامنے تک یعنی حجاز میں مکہ اور مدینہ تک کی لمبائی کے مقابلہ میں دن نکلتے رخ یمامہ کا جو حصہ ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔ بعض نے بحرین اور نواحِ کوفہ کو بھی نجد میں شامل کیا ہے بلکہ یمامہ کو بھی۔

مدینہ منورہ سے چندمیل شرق کی طرف جانے سے نجد کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہ حصہ یمن سے کم ہے مگر بڑا حصہ ہے پھر اس کے اندر متعدد اضلاع ہیں جو متعدد ناموں سے نامزد ہیں۔ یہ ایک مرتفع ہے۔ اس میں پہاڑ اور ریتلے میدان بکثرت ہیں اور آباد وشاداب اضلاع بھی ہیں جہاں کھجوریں اور ہر قسم کے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔ الغرض حجاز کے مقابلہ میں بحرِ فارس کی حد تک شرقی جانب کے حصہ کو نجد کہتے ہیں۔ کوفہ بصرہ کا میدان بھی بعض کے نزدیک نجد میں داخل ہے اور بیابانِ قادسیہ اکثر کے نزدیک نجد میں داخل نہیں۔ نجد کا گھوڑا اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ وہ ریگستان جو مشہور ہے اس کا عرض شقوق سے اجفر تک اور طول جبل طے سے لے کر شرق میں بحرِ فارس تک ہے وہ زرد اور نرم ریت ہے جہاں نہ کوئی سبز درخت نظر آتا ہے نہ کوئی چشمہ پانی کا۔

عرب کے قبائل [1]

قادسیہ سے شقوق تک طول میں اور سماوا سے لے کر بصرہ کے جنگل تک عرض میں بنی اسد کے قبائل آباد ہیں۔ پھر شقوق سے گزر کر جب دیارِ طے میں آجاؤ اور معدن نقرہ سے گزر جاؤ تو اس کے بائیں طرف سلیم کے قبائل ملیں گے اور دائیں طرف جہینہ کے۔ اور مکہ و مدینہ کے درمیان بکر بن وائل کے قبائل اور مضر کے قبائل آباد ہیں اور مکہ کے شرق میں بنو ہلال اور بنو سعد اور ہذیل کے قبائل آباد ہیں اور طائف اور اس

---

[1] عرب کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی کچھ اولاد عراق میں جا بسی تھی پھر ایک زمانہ کے بعد ان پر حام کی اولاد غالب ہوگئی اور وہ تتر بتر ہوگئے کچھ تو شمال کی جانب آشور پہنچے اور بعض عرب کے رخ چل دیے جن کو عرب کہنے لگے کس لیے کہ سامی زبان میں غین نہیں اس کی جگہ عین بولا جاتا تھا۔ بہر حال عراق سے خروج کر کے سام کی اولاد ملک عرب میں آبسی۔ ایک زمانہ کے بعد ان میں مدیان اور عیسو اور لوط کی نسل بھی مخلوط ہوگئی ادھر جنوبی ملک میں طام کی اولاد سے بھی خلط ہوا اسی لیے مختلف ناموں سے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور پھر کچھ قبائل تو آفتِ ارضی وسماوی یا باہمی جنگ وجدل سے نیست ونابود ہی ہوگئے ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ کم ہوئے اور کم ہوتے ہوتے اور قبائل میں جا ملے۔ ان کے بھی اصلی قبیلہ کا نام ونشان باقی نہ رہا اس قسم کے قبائل کو بائدہ کہتے ہیں۔ ان میں سے (۱) عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا قبیلہ تھا۔ (تکوین ۱۰۔۲۲۔۲۳) جو یمن میں آباد تھا اور انہیں میں کے بادشاہ نے باغ ارم لگایا اور بہشت بنائی تھی اور انہیں میں سے (۲) ثمود بن ارم بن سام کا قبیلہ تھا (تکوین ۱۰۔۲۳)۔ یہ قبیلہ بھی یمن میں رہتا تھا لیکن ان کو حمیر بن عبد شمس نے جس کا لقب سبا تھا وہاں سے نکال دیا اور پھر یہ شمال عرب میں بمقام حجر آرہے تھے اور انہیں بائدہ یعنی فناشدہ قبائل میں سے قبیلہ (۳) طسم بھی ہے یہ لود بن سام کی اولاد میں سے تھا (تکوین ۱۰۔۲۳) اور انہیں فناشدہ قبائل میں سے قبیلہ (۴) جدیس بھی ہے جو جاثر کی نسل سے تھا یہ دونوں قبیلہ ایک جگہ رہا کرتے تھے آخر کسی بات پر تلوار چلی اور برسوں چلی یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کو نیست ونابود کر دیا اور انہیں فناشدہ قبائل میں سے (۵) جرہم اولیٰ کا قبیلہ ہے اور انہیں میں سے قبیلہ (۶) عمالیق بن الطیفاز بن عیسو ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے عہد تک تھا۔ ان قبائلِ بائدہ کے صرف اشعار عرب کی زبان پر یادگار باقی ہیں اور انہیں سے کچھ کچھ ان کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کل من علیھا فان ویبقٰی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ ۱۲ منہ

کے نواح میں بنی ثقیف اور اوطاس ہیں اور مکہ کے غرب میں مذحج وغیرہ مضر کے قبائل ہیں۔ بصرہ کے نواح میں سب سے زیادہ قبائل آباد ہیں اور ان میں سب سے زیادہ تمیم ہیں بحرین اور یمامہ تک اور قبیلہ طے کے بھی جن میں سے حاتم طائی تھا۔ اس نواح میں بکثرت ہیں۔ یمن میں اکثر بنی حمیر اور ان کے قبائل آباد ہیں۔ اب قبائل کے نام ان کی نسلیں زیادہ پھیل جانے سے اور ناموں سے مشہور ہو گئے ہیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں جو لشکر ملکوں کے فتح کرنے کو جمع کیا گیا تھا بیشتر یمن کے قبائل تھے اور بعد میں خلفاء کے لشکروں کا خزانہ کوفہ اور بصرہ کے دوران کا نواح تھا اور پھر عراق عرب ہو گیا۔

عرب کے مقامات کی مسافتیں

کوفہ مدینہ سے بیس منزل ہے اور مدینہ سے مکہ تقریباً دس منزل ہے۔ بصرہ سے مدینہ اٹھارہ منزل اور معدن نقرہ کے قریب کوفہ کا رستہ آ ملتا ہے۔ مدینہ سے بحرین تخمیناً پندرہ منزل۔ رقہ سے مدینہ بیس منزل اسی طرح مدینہ سے دمشق بیس منزل اور فلسطین بیس منزل اور مصر ساحلِ بحر کے رستہ سے بیس منزل شام اور عرب کا مصر سے کوئی جدا رستہ نہیں بلکہ دونوں کے رستے خشکی سے جانے والوں کے ایلہ میں مل جاتے ہیں اور یہیں سے تیہ بنی اسرائیل یعنی وہ بیابان کہ جس میں وہ چالیس برس ٹکریں مارتے پھرے تھے' شروع ہوتا ہے۔ مدین سے نکل کر مصر اور فلسطین کے رستہ کی دو شاخ ہو جاتی ہیں۔ عدن سے مکہ تک دو رستہ ہیں ایک تو سمندر کے کنارہ یہ دور کا رستہ ہے اور دوسرا صنعاء' صعوہ' جرش' نجران' طائف ہو کر۔ یہ کم ہے تیسرا اور بھی رستہ ہے جو اس سے بھی کم ہے۔ یہ تہامہ سے ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں سے مگر یہ دشوار ہے اس لیے ہر ایک نہیں جا سکتا۔

حضر موت اور مہرہ کے لوگ اپنے ملکوں کو عرضاً قطع کرتے ہوئے اس مقام پر آ ملتے ہیں جو مکہ اور عدن کے درمیان ہے۔ عمان کے لوگوں کا رستہ مکہ تک خشکی سے دشوار گزار ہے اس لیے وہ جدہ تک دریا کے رستہ سے آتے ہیں۔ اسی طرح عمان اور بحرین کا خشکی کی راہ سے دشوار گزار رستہ ہے۔ عربوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے بحرین اور عبادان کا خشکی سے رستہ کف دست میدان ہونے کے سبب دشوار گزار ہے۔ اس لیے دریا کے رستہ سے آتے جاتے ہیں۔ بصرہ سے بحرین اٹھارہ منزل ہے رستہ اچھا ہے، پانی ملتا ہے مگر خطرناک ہے۔

عراقِ عرب

زمانہ قدیم میں دجلہ اور فرات کے درمیان ملک کو یونانی مسوپوٹیمہ کہتے تھے۔ عراق اور جزیرہ دونوں اسی میں آ گئے۔ پھر ان کی باہم یوں تقسیم کی گئی ہے کہ اس کا شرقی حصہ عبادان سے لے کر انبار تک وہ عراقِ عرب ہے اور انبار سے لے کر ملک شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدانِ خساف بھی ہے اس ملک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ تبوک کے سامنے کا حصہ دیارِ طے تک کو بادیہ شام کہتے ہیں۔ عراقِ عرب کو قدماء کلدیہ بھی کہتے ہیں۔

عراق کے مشہور مقامات

بغداد: دجلہ کے کنارہ پر آباد ہے۔ اس وقت اس میں تخمیناً نوے ہزار یا لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ بارونق شہر ہے۔ خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں یہ شہر دنیا کے شہروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بغداد میں ساٹھ ہزار حمام علاوہ امراء کے حماموں کے تھے اور کئی لاکھ مسجدیں تھیں جن میں امام اور مؤذن مقرر تھے اور شہر پناہ کے سترہ دروازہ تھے ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا۔ اس شہر کو ہلاکو خاں بن چنگیز خاں ملعون نے ساتویں صدی ہجری میں برباد کیا۔ اس

کافر بادشاہ کو جو تاتاری تھا علامہ نصیر الدین طوسی[1] چڑھا کر لایا تھا۔

اس شہر میں بڑے بڑے بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ از انجملہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک ہے۔ از انجملہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور شہر کے غربی رخ حضرت امام ہمام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پوتے حضرت محمد بن علی بن موسیٰ کا مزارِ پرانوار ہے۔ ابن خلکان کہتا ہے ''وکانت ولادۃ ابی الحسن موسیٰ الکاظم یوم الثلثاء قبل طلوع الفجر من شھور سنۃ تسع وعشرین ومایۃ (۱۲۹ھ) وتوفی خامس عشرین شھر رجب سنۃ ثلث وثمانین ومایۃ (۱۸۳ھ) وقیل انہ توفی مسموما ودفن فی مقابر الشونیزیۃ خارج القبۃ وقبرہ ھناک مشھور مزار وعلیہ مشھد عظیم فیہ من قنادیل الذھب والفضۃ وانواع الآلات والفرش مالا یوجد وھی فی جانب الغربی''۔ اور اسی جگہ کو کاظمین کہتے ہیں۔

مدائن: جہاں ایوانِ کسریٰ ہے عجائبِ زمانہ میں سے ایک عمارت ہے۔ بغداد کے قریب ہے اس شہر کی زبان عربی ہے مگر فارسی اور ترکی بھی مروج ہے یہاں یہود و نصاریٰ کا بھی مجمع ہے۔ **سامرہ:** دجلہ کے کنارہ پر بغداد سے تخمیناً ستر میل شمال و مغرب میں ایک پر رونق شہر ہے اور اس کو سرمن رائیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت امام علی نقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پسر بزرگوار حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک ہے اور یہیں ایک غار بتلاتے ہیں جس کی نسبت شیعہ مشہور کرتے ہیں کہ اس میں مہدی آخر الزماں جو بارہویں امام ہیں اور امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کے پسر بزرگوار ہیں پانچ برس کی عمر میں بقول بعض نو برس کی عمر میں بقول بعض سترہ برس کی عمر میں اس غار میں خوف اعداء سے چھپے ہیں اور قیامت کے قریب نکلیں گے اور یہ واقعہ دو سو چھتر ہجری کا ہے۔

کوفہ: بغداد سے جنوب و مشرق میں تخمیناً تین منزل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر بڑا آباد تھا اور مسلمانوں ہی نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ بغداد جوں جوں ترقی پاتا گیا یہ اجڑتا گیا۔ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

نجف: کوفہ سے غربی رخ پانچ میل پر ایک شہر ہے کبھی یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔ اس جگہ حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مزارِ مقدس ہے۔ چالیسویں سال ہجری میں رمضان کی ۱۹ شب میں تریسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ حضرت کی قبر ہارون رشید کے زمانہ تک مخفی تھی۔ پھر تحقیق کر کے ہارون رشید نے اس جگہ ایک گنبد اور مسجد بنا دی ہے۔ اس قصبہ کو لٹیرے بدوؤں کے ہاتھوں سے مصیبت پہنچا کرتی تھی مگر حاجی محمد حسین خان اصفہانی نے جو فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران کا وزیر اعظم تھا بہت سا روپیہ صرف کر کے اس کی پختہ شہر پناہ بنوا دی جب سے امن ہو گیا اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ اس سے پہلے نادر شاہ نے گنبد کو سنہری بنوا دیا تھا۔ کہتے ہیں جواہر و اسباب طلائی و نقرئی جس قدر اس درگاہ میں ہے جو شیعوں نے نذر و نیاز میں بھیجا ہے اتنا کسی سلطنت کے خزانہ میں بھی نہ ہوگا اور کوفہ کے نزدیک ایک اور جگہ ہے جس کو ذی الکفل کہتے ہیں یہاں حضرت خرقیل علیہ السلام کی قبر ہے جس کے پہلے متولی یہود تھے۔ اب مسلمان ہیں ہر سال دور دراز سے یہود زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

کربلائے معلیٰ: یہ بغداد سے جنوب و مغرب میں پچاس میل کے فاصلہ سے ایک آباد شہر ہے جو نجف سے بڑا ہے اور نجف سے یہ شمال و مغرب میں تخمیناً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ فرات یہاں سے قریب ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ ایک جنگل تھا جب حضرت کوفہ آتے ہوئے یزید کے لشکر سے اس مقام پر گھیرے گئے اور آپ اور آپ کے ہمراہی یہیں شہید ہوئے اور آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا یہیں مزار بنا تب سے ایک شہر بس گیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ اکسٹھ ہجری میں محرم کی دسویں تاریخ ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف چھپن برس کی تھی۔ یہاں کا گنبد بھی طلائی ہے۔ شاہ فتح علی خان کے عہد میں آقا محمد خان نے ۱۲۰۷ھ میں طلائی کرایا تھا۔ کاظمین کا گنبد بھی طلائی ہے۔ یہ شہر کربلا دن بدن ترقی پر ہے

---

[1] علامہ شیعہ تھا ابن علقمی وزیر بھی شیعہ تھا دونوں کی سازش سے خلافتِ بنی العباس کا خاتمہ ہوا۔ ۱۲ منہ

آبادی عمدہ ہے۔ بازار بھی خوب ہیں شہر کے وسط میں حضرت کی درگاہ ہے۔

رقہ: فرات کے کنارہ پر ایک قدیم قصبہ ہے اس کے سامنے شمالی طرف میں پینسٹھ میل کے فاصلہ پر قصبہ حران واقع ہے اور رقہ سے غربی سمت تقریباً چوالیس میل مابس ہے اور مابس کے قریب صفین ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ کربلا سے تخمیناً پچیس میل شرق میں شہر حلہ ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ قدیم شہر بابل کا حلہ ایک محلہ ہے جیسا کہ موصل نینویٰ شہر کا محلہ ہے۔

بصرہ: اس کے نیچے فرات اور دجلہ آ کر باہم ملتے ہیں اور بحرِ فارس میں گرتے ہیں۔ یہ شہر کبھی بارونق تھا مگر اب تو کھجور کی تجارت کی ایک بڑی منڈی ہے۔ بازار اور مکانات معمولی ہیں۔ زمین میں سیلابی کی وجہ سے نمی رہتی ہے، گرمی بہت ہوتی ہے، مچھر اور پسو بھی بیحد ہوتے ہیں۔

جزیرہ

مراصد الاطلاع میں ہے کہ جزیرۃ القور ھی التی بین دجلۃ والفرات وھما مجاور الشام یشتمل علی دیار مضر و دیار بکر سمیت الجزیرۃ لانھا بین دجلۃ والفرات وھما مقبلان من دیار الروم و ینحطان متبا ئبان حتی یلتقیان قرب البصرۃ ثم یصبان فی البحر وھی صحیحۃ الھواء بھا مدن جلیلۃ وقلاع وحصون کثیرۃ۔ من امھات مدائنھا حران والرھا والرقہ وراس عین ونصیبین وسنجار والخابور و ماردین و آمد ومیافارقین والموصل وغیر ذلک۔ کہ جزیرہ اس ملک کو کہتے ہیں جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور اس کو یہ دونوں دریا گھیرے ہوئے ہیں اس لیے جزیرہ کہتے ہیں اور یہ دریا شام کے متصل ہیں اور دیارِ روم یعنی آرمینا سے آتے ہیں۔ پھر موڑ کھا کر برابر مشرق کی طرف بہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بصرہ کے قریب آ کر مل جاتے ہیں (بمقام قونہ جو بصرہ کے شرق میں ہے) اور بحرِ فارس میں جا گرتے ہیں۔ جزیرہ میں دیارِ مضر اور دیارِ بکر شامل ہیں اور یہ صحت بخش ہے۔ اس میں بڑے بڑے قلعے اور شہر ہیں اور اس کے بڑے شہر یہ ہیں۔ حران، رہا، رقہ، راس عین، نصیبین، سنجار، خابور، ماردین، آمد، میافارقین، موصل وغیرہ۔

یعنی غربی حصہ اس میان دوآب کا جو بڑا وسیع اور دو ثلث ہے اس کو جزیرہ کہتے ہیں اور شرقی حصہ کو عراق۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بڑی شہرت اور فوقیت رکھتا تھا۔ بابل اور نینویٰ کے بادشاہ اسی سرزمین کے تھے جو ایک وقت شہنشاہ مانے جاتے تھے۔ ان کی عمارات کے یادگار اب تک زمین سے برآمد ہوتے ہیں۔

اور اس میانِ دوآب کے شمال و مشرق کے ملک کو کردستان کہتے ہیں جس کو یونانی خارجیہ کہتے تھے۔ یہ ایک مستطیل ٹکڑا ہے یہ بھی اس شہر میں شریک ہے۔ عراقِ عرب کو قدما کلدیہ کہتے تھے۔ کلدانی بادشاہ بخت نصر وغیرہ یہاں کے تھے اور کلدانی زبان اسی ملک کی قدیم زبان کا نام ہے جو اب بالکل متروک ہے۔ جزیرہ اور کردستان کے غرب و شمال کے حصہ کو شمال میں بحر اسود تک اور غرب میں اس پہاڑی سلسلہ تک کہ جس میں سے دجلہ اور فرات نکلے ہیں آرمینا کہتے ہیں۔ پھر پہاڑی سلسلہ سے عرب کے رخ سمندر تک یعنی بحرِ روم تک اور شمال میں بحرِ اسود تک کو ایشیائے کوچک کہتے ہیں اور اناطولی بھی۔ اس کا طول غرب سے شرق تک تخمیناً ہزار میل ہے اور عرض جنوب و شمال میں چار سو میل سے پانچ سو میل تک ہے اور قدما اس کو روم کہتے تھے اس کے مشہور شہر سمرنا یعنی ازمیر اور بروساء اور قونیہ اور پلیرا اور آفس کہ جہاں اصحاب الکہف غار میں چھپے تھے اور جہاں دیانا کا گنبد[1] تھا ایشیائے کوچک اور یورپ کے اس براعظم کے بیچ کہ جس کے شرقی کونہ پر قسطنطنیہ ہے صرف سمندر کی ایک کھاڑی حدِ فاصل ہے جو تخمیناً ساٹھ ستر کوس لمبی اور کہیں دو کوس کہیں اس سے بھی کم چوڑی ہے جس کو ڈارڈینلز کہتے ہیں اس کا جنوبی سرا بحرِ روم سے ملتا ہے اور شمالی بحرِ اسود سے۔

[1] یہ گنبد عجائباتِ دنیا میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۲ منہ

پھر فرات سے لے کر سمندر کے کنارہ تک غرب میں اور شمال میں حلب سے لے کر جنوب میں حدودِ عرب تک کے قطعہ کو شام اور یونانی شیر یہ کہتے ہیں جس کے غرب میں جزیرہ سائپرس ہے جس کو عرب قبرس کہتے ہیں جو تخمیناً ایک سو چالیس میل لمبا اور چالیس میل چوڑا ہوگا۔

شام کے حدود مختلف رہے ہیں کبھی فلسطین اور جزیرہ اور عراق کو شام کہتے تھے۔ شام کے مشہور شہر حلب، دمشق، حماۃ، حمص، انطاکیہ وغیرہ ہیں اور قدماء اس ملک کو ارام بھی کہتے تھے۔

اس کے پانچ ضلعے ہیں۔ (۱) قنسرین۔ (۲) حمص۔ (۳) دمشق۔ (۴) اردن۔ (۵) فلسطین۔

یہ چھوٹا سا مستطیل قطعہ ہے جس کے غرب میں بحرِ روم ہے اور اس کو کنعان اور ارضِ مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مشہور شہر یروسلم یعنی بیت المقدس ہے اور اس کے ساحل پر بیروت، قیصریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ یہ سمندر کے قریب قریب تخمیناً ڈیڑھ سو میل جنوب وشمال میں طویل اور تخمیناً چالیس پچاس میل شرق وغرب میں عریض ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ مخروطی شکل جس کی نوک شمال میں ہے۔ اس ملک کے جنوب و مشرق میں جھیل مردار ہے جس کو عرب بحرالمیت کہتے ہیں۔ اسی کے کنارہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہ تھیں وہ ان کی بدکاری سے الٹی گئیں۔ ان الٹی بستیوں کے آثار اب تک شام کے آنے جانے والوں کو نظر آیا کرتے ہیں۔ وانها لبسبیل مقیم اور اس ملک کے جنوب وغرب میں وہ بیابان بھی ہے جس کو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قلزم کی دونوں شاخوں کی جڑ سے لے کر شمال میں بحرِ روم تک، تخمیناً سو میل طول اور شرقاً غرباً قلزم کے کناروں سے لے کر بحرالمیت یعنی جھیل مردار کے کناروں تک۔ یہیں بنی اسرائیل چالیس برس تک میدانوں میں ٹکراتے پھرے تھے۔ اس ملک کی زبان عبرانی اور شام کی سریانی اور کلدیہ کی کلدانی کہلاتی تھی۔

اب عموماً ان سب ملکوں کی زبان عربی ہے۔

یہ تمام ملک حضرت سلطان المعظم کے قبضہ میں ہیں۔ کسی زمانہ میں ان ملکوں میں متعدد سلطنتیں تھیں۔ جزیرہ کی جدا اور عراق کی جدا اور کردستان کی جدا اور آرمینا کی جدا اور ایشیائے کوچک کی جدا اور فلسطین کی جدا۔ اور عجب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے بادشاہ پاس بے شمار فوج اور شاہی سامان تھا۔ خاص فلسطین کو دیکھو کہ اس کے فرمانروا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بخت نصر شاہ بابل کی چڑھائی تک بنی اسرائیل تھے۔ حضرت داؤد وسلیمان علیہ السلام بھی انہیں فرمانرواؤں میں سے تھے۔ نینویٰ اور بابل کے بادشاہوں کی دولت مندی مشہور ہے۔ اس وقت یہ ملک بڑے آباد اور سرسبز تھے جن کے کاریزوں اور نہروں کے ڈھئے پھوٹے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ملک سردسیر اور شاداب ہیں۔ آب وہوا معتدل، سردی میں بعض مقامات پر برف بھی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں میوے بکثرت ہیں اور آبادی بہت ہے۔ یہ قومیں زیادہ آباد ہیں:

(۱) ترکمان یہ قبائل ان تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۲) کرد۔ (۳) اعراب جن کو بدو کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی قومیں بھی ہیں مگر یہ تینوں قومیں بہادر اور جنگجو اور قوی ہیں۔ اگر یہ بدامنی نہ پیدا کریں تو ان ممالک میں پھر اور کوئی بدامنی نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ ممالک روئے زمین پر اس لیے فخر کر سکتے ہیں۔

(۱) سلطنت وحکومت کی بنیاد طوفانِ نوح کے بعد یہیں پڑی اور بڑے بڑے بادشاہ نامور یہیں سے اٹھے۔

(۲) طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کا یہی وطن ہے، یہیں سے نکل کر اور ملکوں میں پھیلے۔

(۳) حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی مولد ہے اسی سرزمین سے نامور انبیاء اٹھے مگر ان سب کے بعد عرب سب پر فوقیت لے گیا۔ کس لیے کہ اس سرزمین سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حکمت وعلوم اور ایمان ومعرفت کے چشمے اسی ملک سے نکلے۔

بخت نصر اور نینویٰ کے بادشاہوں اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پیشتر یونانی

بادشاہ سکندر اکبران ملکوں پر مسلط ہوا۔ اس کے بعد اردشیر بابکان کے عہد تک عراق و جزیرہ میں یونانی قابض تھے اور بعد میں دور تک رومی مالک تھے۔ شام اور فلسطین پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک اور اس کے بعد زمانۂ اسلام تک۔ مگر ایران اور عراق کے کچھ حصوں پر اردشیر اور اس کے جانشین ایرانی بادشاہ مسلط تھے۔ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روم یعنی ایشیائے کوچک اور شام کا دجلہ تک ہرقل مالک تھا اور ایران اور اس کے نواح کا کسریٰ اور جزیرہ میں غسان قوم کے عرب قیصر کی طرف سے فرمانروا تھے۔

عرب میں ایک زمانہ میں بنی حمیر کی سلطنت تھی اور مدتوں تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ اسلام سے کچھ آگے ذونواس کا حبش کے رہنے والے نجاشی نے خاتمہ کیا اور نائب جس کو ابرہہ کہتے تھے خانہ کعبہ کی بے ادبی سے غارت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بادشاہ ہوا اس کو سیف بن ذی یزن حمیری نے انوشیروان کی مدد سے ہلاک کیا اور وہ بھی ایک حبشی کے ہاتھ سے مدت تک سلطنت کرنے کے بعد مارا گیا۔ اس کے بعد انوشیرواں نے اپنا گورنر مرزبان یمن پر بھیج دیا۔ اس کے بعد مرزبان کا بیٹا خرخرہ حاکم یمن ہوا اور ہرمز نے اس کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ باذان کو بھیج دیا۔ یہ باذان یمن پر اسلام کے زمانہ تک حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے حاکم بنا کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔

ادھر یمامہ اور بحرین واطراف کوفہ و بصرہ میں یمن کے بادشاہوں کی خودسری سے ایک مستقل سلطنت ہوگئی تھی انوشیروان کے عہد میں اس سلطنت کا مالک نعمان بن المنذر رہتے تھے اور یہ بادشاہ مجوس تھا اور شاہانِ ایران کے تابع تھے۔ اسلام سے دو ایک صدیوں پہلے عرب میں طوائف الملوکی ہوگئی تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔ حرب البسوس بھی اسی زمانہ کی جنگ ہے۔ پھر اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو عرب پر سایہ افگن ہو کر عراق و شام وغیرہ ممالک پر قبضہ کرتے ہوئے شرق میں چین تک اور غرب میں اندلس تک جا پہنچا اور اپنا قدم جما دیا۔ ولله الحمد حمداً کثیرًا۔